منهاج البراعه
فی شرح
نهج البلاغه

جلد سوم، چهارم

تالیف

علامه محقق آیه الله سید حبیب الله هاشمی خوئی قدس سره

ترجمه

حجة الاسلام علامه الشیخ محمد علی فاضل مدظله العالی

پیش لفظ:

لیجئے "منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ" تیسری اور چوتھی جلد کا ترجمہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے، جس کا ایک طویل عرصہ سے مشتاقان کلام امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو انتظار تھا۔ جبکہ صادق آل محمدؐ پبلی کیشنز کی طرف اس سے قبل پہلی اور دوسری جلد کا ترجمہ جو باہم شائع کیا گیا تھا بہت قلیل عرصہ میں ختم ہوگیا، مگر شائقین کا تقاضا اصرار کی صورت اختیار کر گیا، خدا جزائے خیر دے طباعتی ادارہ "حق برادرز" کو کہ انہوں نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کر کے شائقین کے تقاضوں کی کسی حد تک تکمیل کردی اور کتاب بہت کم عرصے میں ختم ہوگئی اور ساتھ ہی باقی جلدوں کے طبع کرنے کا بھی اصرار شروع ہوگیا۔ چنانچہ مشتاقان کلام امیر المؤمنین علیہ السلام کو ہم ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ کتاب حاضر اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جو تیسری اور چوتھی جلد کی صورت میں آپ کی نگاہوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔

قارئین محترم جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعد کائنات کی عظیم ترین کتاب "نہج البلاغہ" جسے باب مدینۃ العلم کے کلام ہونے کا شرف حاصل ہے اور "تحت کلام الخالق" کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسے سید شریف رضی رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں جمع کیا تھا اور تب سے اب تک یہ کلام جہاں ادبیات عرب کا ایک عظیم شاہکار ہے وہاں پر وقت کے گزرنے کے ساتھ کائنات کے لئے رہبر و رہنما اور راہکشا کی حیثیت بھی اسے حاصل ہوتی جارہی ہے۔

اس کے اب تک مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور برصغیر پاک و ہند میں بھی مختلف اہل قلم کے ذریعہ اس کے اردو زبان میں ترجمے کئے جا چکے ہیں جو بلاشبہ تحسین اور قابل رشک کوشش ہے خداوند عالم جزائے خیر عطا فرمائے۔

جہاں نہج البلاغہ کے ترجمے لکھے جا چکے ہیں وہاں اس کی شرحیں بھی مختلف علماء اور دانشوروں کے قلم سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ جن میں سے زیادہ شہرت اہل سنت کے عالم خبیر علامہ ابن ابی الحدید معتزلی اور مذہب شیعہ کے مایہ ناز محقق بصیر جناب آیۃ اللہ سید حبیب اللہ موسوی ہاشمی خوئی قدس سرہ کو حاصل ہے۔

اگرچہ شرح بحرانی بھی اپنی عظمت کے لحاظ سے خصوصی حیثیت کی حامل ہے لیکن سید حبیب اللہ خوئی کی شرح سب پر فوقیت رکھتی ہے اور مذکورہ دونوں شرحوں کے بعد لکھی گئی ہے اور وہ ہے "**منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ**" جس کی اکیس جلدیں ہیں۔ اس شرح میں ابن ابی الحدید اور بحرانی کی فروگزاشتوں سے مطلع کر کے حقیقت حال کی وضاحت کی گئی ہے۔

دراصل یہ شرح قرآن مجید کی تفسیر کی طرح نہج البلاغہ کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے شارح علیہ الرحمۃ نے اس کا تفصیلی تذکرہ اس کے مقدمہ میں کیا ہے۔

کتاب ہذا کی تکمیل کے سلسلے میں میرے معاون و مددگار رہے ہیں:

۱۔ جناب مولانا محمد حسن جعفری صاحب ۲۔ جناب مولانا محمد تقی فاضل صاحب

۳۔ جناب مولانا مبشر حسن اظہر صاحب ۴۔ جناب جون غضنفر مہدی صاحب

حق تو یہ ہے کہ اس میں وافر اور فراواں حصہ جناب مولانا محمد حسن جعفری صاحب اور مولانا محمد تقی فاضل صاحب کا ہے۔ البتہ کتاب کی ڈیزائینگ اور ترتیب و آرائش میں عزیزی محمد مہدی فاضل نے تہہ دل سے کام کیا ہے۔ میری دعا ہے کہ خداوند عالم بحق امیر کائنات علیہ السلام ان سب عزیزان کو جزائے خیر عطا فرمائے! آمین۔

اس وقت اس کتاب (جلد سوم و چہارم) کی اشاعت کا اہتمام ''حق برادرز، اردو بازار لاہور پاکستان'' کے ذریعہ کیا جارہا ہے۔ خداوند عالم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین!

یہاں پر کتاب کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

۱۔ ترجمہ میں سادگی، سلاست اور روانی کو پیش نظر رکھا گیا ہے تا کہ ہر سطح کے قاری کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

۲۔ کتاب میں جہاں غیر ضروری اضافہ تھا اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے اور وہاں پر یہ علامت ''.....'' لگا دی گئی ہے۔

۳۔ آیات قرآنی کا زیادہ تر ترجمہ ''تفسیر المعین'' سے لیا گیا ہے جو مراحل طباعت سے گزر رہی ہے اور انشاء اللہ العزیز بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔

۴۔ نہج البلاغہ کے خطبات کے ترجمہ میں علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے ترجمہ سے رہنمائی لی گئی ہے۔

۵۔ کتاب میں موجود عربی عبارتوں پر اعراب لگائے گئے ہیں تا کہ قاری کو پڑھنے میں آسانی ہو۔

۶۔ کتاب میں موجود اقتباس شدہ قرآنی آیات اور فرامین حضرت امیر المؤمنینؑ کا حوالہ بھی ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ بیان ہونے والی ہر حدیث کا حوالہ اس کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی۔

غرض کوشش تو کی گئی ہے کہ کتاب کسی پہلو سے تشنہ تکمیل نہ رہنے پائے۔ اس کے باوجود بھی کئی خامیوں اور کوتاہیوں کا امکان ہے۔ آپ کے مطلع فرمانے پر ممنون بھی ہوں گا اور آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ بھی کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ

آخر میں اس چھوٹی سی کاوش کو اس ذات والا صفات منبر سلونی کے واحد خطیب سے منسوب کرتا ہوں۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الاحقر: محمد علی فاضل

فہرست مطالب کتاب منہاج البراعہ جلد سوم و چہارم

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر	نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ داستان خلافت	۱۰	۲۲	لمبی تاریکی	۴۸
۲	رحمت کائناتؐ کے آخری لمحات	۱۵	۲۳	فصل دوم۔ ناقہ خلافت کی حالت زار	۵۰
۳	لشکر اسامہ کی روانگی	۱۶	۲۴	مفہوم خطبہ	۵۲
۴	موالیان حیدر کرارؑ کا احتجاج	۲۱	۲۵	جناب عمر کی نامردگی	۵۳
۵	خالد ابن ولید کی تقریر	۲۲	۲۶	اہل انصاف کو دعوت فکر	۵۴
۶	سلیمان، ابوذرؓ کی تقریر	۲۳	۲۷	دل صاحب انصاف سے انصاف طلب ہے	۵۵
۷	عمار یاسر، ابی ابن کعب کی تقریر	۲۴	۲۸	مقام تعجب	۵۶
۸	خذیمہ بن ثابت کی تقریر	۲۵	۲۹	تند مزاجی	۵۷
۹	عثمان بن حنیف کی تقریر	۲۷	۳۰	شارح معتزلی کا عذر لنگ	۵۷
۱۰	ابوایوب انصاریؓ کی تقریر	۲۷	۳۱	حضرت عمر کے غلط فیصلے	۵۸
۱۱	آگ دروازہ بتولؑ پر	۲۸	۳۲	وفات رسولؐ سے انکار	۵۸
۱۲	علیؑ اتمام حجت کرتے ہیں	۳۰	۳۳	ایک عورت نے لاجواب کر دیا	۵۹
۱۳	مثالی صاحبان ایمان	۳۵	۳۴	تحریم متعہ، آیت کا غلط انطباق۔ رجم حاملہ	۶۰
۱۴	اسامہ بن زید کے نام خلیفہ کا خط	۳۶	۳۵	مجنون حاملہ	۶۱
۱۵	مقدمہ چہارم۔ رفع اختلاف	۳۷	۳۶	جعل سازوں کا عورت کے پاس امانت رکھنا	۶۱
۱۶	خطبہ نمبر ۳ وراثت کے چھن جانے پر صبر	۴۱	۳۷	دانیال جیسا فیصلہ	۶۲
۱۷	مفہوم خطبہ	۴۲	۳۸	حضرت دانیال کا فیصلہ	۶۳
۱۸	خلیفہ کا خط اپنے والد کے نام	۴۳	۳۹	اسقاط حمل،	۶۴
۱۹	قطب خلافت	۴۴	۴۰	اس دور میں لوگوں کی حالت زار	۶۶
۲۰	مقام علیؑ کتنا بلند و بالا ہے۔	۴۶	۴۱	فصل سوم چھ رکنی شوریٰ	۶۷
۲۱	مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا	۴۷	۴۲	مفہوم خطبہ	۶۸

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۴۳	انتہائے تعجب	۶۹
۴۴	،اہل بیتؑ ذریعہ عزت ہیں۔	۷۰
۴۵	شوریٰ کی تشکیل	۷۰
۴۶	ارکان شوریٰ کے متعلق حضرت عمر کی رائے	۷۱
۴۷	شوریٰ کا اجلاس	۷۳
۴۸	شوریٰ کے متعلق چند سوالات	۷۴
۴۹	مجلس شوریٰ میں حضرت امیرؑ کا احتجاج	۷۵
۵۰	فصل چہارم۔ حضرت عثمان کا انداز حکومت	۷۶
۵۱	اقرباپروری کے چند نمونے	۸۷
۵۲	شارح معتزلی کا عجیب موقف	۹۰
۵۳	فصل پنجم۔ حضرت علیؑ کی بیعت پر ہجوم	۹۱
۵۴	مفہوم عبارت	۹۲
۵۵	فضائل علیؑ بزبان ام المؤمنینؓ	۹۴
۵۶	آیات کی تفسیر	۹۶
۵۷	حکومت علماء کی حقیقت	۹۸
۵۸	مفہوم	۹۹
۵۹	ابن عباس کی حسرت	۱۰۰
۶۰	اس نوشتہ میں کونسے مسائل تھے۔	۱۰۲
۶۱	خطبہ نمبر۴ طلحہ وزبیر سے خطاب	۱۰۴
۶۲	علیؑ کا تعارف خود اپنی زبانی	۱۰۵
۶۳	ظلمت اور نور	۱۰۶
۶۴	آل محمدؐ نور ہیں۔	۱۰۷
۶۵	کیا اہل جمل ہدایت یافتہ تھے؟	۱۰۹
۶۶	اہل بیتؑ ذریعہ عزت ہیں	۱۱۱
۶۷	جماعت متوسمین	۱۱۳
۶۸	فصل دوم۔ حقیقی رہبر کی خصوصیات	۱۱۵
۶۹	صراط مستقیم کا ہادی	۱۱۶
۷۰	اور خاموشی ٹوٹ گئی	۱۱۷
۷۱	حضرت موسیٰ کیوں ڈرے تھے؟	۱۱۹
۷۲	خطبہ نمبر۵، ابوسفیان کی چالاکی اور امام علیؑ کا جواب	۱۲۰
۷۳	خطبے کا پس منظر	۱۲۱
۷۴	امواج فتنہ سے بچنے کا حکم	۱۲۲
۷۵	دوراستے	۱۲۲
۷۶	ہر صورت میں لوگوں کا اعتراض	۱۲۴
۷۷	علیؑ موت سے کتنا مانوس ہیں؟	۱۲۴
۷۸	علم مکنون سے کیا مراد ہے؟	۱۲۵
۷۹	خطبہ نمبر6 شیر خدا کی حق کے لئے اٹھنے والی تلوار	۱۲۶
۸۰	طلحہ وزبیر نے بیعت کیوں توڑی؟	۱۲۸
۸۱	خطبہ نمبر7 شیطان کے آلہ کار	۱۳۱
۸۲	حزب شیطان	۱۳۲
۸۳	خطبہ نمبر۸ زبیر کی بیعت شکنی	۱۳۴
۸۴	بیعت شکنی کا انجام	۱۳۵
۸۵	ایک سوال اور اس کا جواب	۱۳۷
۸۶	خطبہ۹۔ گر جنے والے بزدل	۱۳۸
۸۷	جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں	۱۳۹
۸۸	خطبہ۱۰۔ حضرت علیؑ ایک بابصیرت شخصیت	۱۴۰
۸۹	آپؑ بابصیرت انسان تھے۔	۱۴۲
۹۰	علیؑ فنون حرب میں طاق	۱۴۳
۹۱	آداب حرب	۱۴۴
۹۲	جنگ جمل، زبیر پر اتمام حجت	۱۴۶

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۹۳	مقتولین جنگ کی تعداد	۱۵۲
۹۴	محمد بن حنفیہؓ کی شخصیت	۱۵۲
۹۵	امام زین العابدینؑ اور محمد بن حنفیہؓ	۱۵۵
۹۶	خطبہ نمبر 12 محبت ناصر ہوتا ہے۔	۱۵۸
۹۷	مقتولین جمل سے حضرت علی کی گفتگو	۱۵۹
۹۸	شارح معتزلی پر تنقید	۱۶۱
۹۹	شیخ مفید اور رمانی	۱۶۲
۱۰۰	خطبہ نمبر 13۔ اہل بصرہ کی مذمت	۱۶۳
۱۰۱	عورت کے زیر کمان ہونا	۱۶۴
۱۰۲	ایک جانور کے پیروکار	۱۶۵
۱۰۳	پست اخلاقی، عہد شکنی، منافقت	۱۶۷
۱۰۴	گناہوں میں جکڑے ہوئے	۱۶۸
۱۰۵	معصیت کاروں کی صحبت سے بچو	۱۶۹
۱۰۶	بصرہ کے غرق ہونے کی پیش گوئی	۱۷۰
۱۰۷	اہل بصرہ کی مذمت اور حسن بصری	۱۷۱
۱۰۸	مذمتِ بصرہ کی تفصیلی روایت	۱۷۳
۱۰۹	حقیقی اہل جماعت	۱۷۸
۱۱۰	ام المؤمنینؓ کا اقدام	۱۸۰
۱۱۱	خطبہ نمبر 14۔ اہل بصرہ کی مشکلات	۱۸۵
۱۱۲	خطبہ ۱۵۔ حضرت علی علیہ السلام کی عدالت کا بیان	۱۸۷
۱۱۳	مفہوم عبارت	۱۸۸
۱۱۴	خطبہ نمبر 16۔ مسلمانوں کا سخت امتحان	۱۹۱
۱۱۵	تقویٰ	۱۹۳
۱۱۶	آزمائش کیا رنگ لائے گی؟	۱۹۵
۱۱۷	تکمیل خطبہ	۱۹۹
۱۱۸	نتیجے کے لحاظ سے آخرت کے گروہ	۲۰۴
۱۱۹	درمیانی راہ یا صراط مستقیم	۲۰۵
۱۲۰	لوگوں کی بازگشت انہی کی طرف ہے	۲۰۹
۱۲۱	جہالت کا سب سے بڑا ثبوت	۲۱۲
۱۲۲	خطبہ نمبر 17۔ نااہل قاضیوں کی مذمت	۲۱۲
۱۲۳	دو مبغوض شخص	۲۱۷
۱۲۴	بدعت کیا ہے؟	۲۱۸
۱۲۵	سنت سے انحراف	۲۱۹
۱۲۶	ضال اور مضل	۲۲۰
۱۲۷	ناپسندیدہ شخص کی علامتیں	۲۲۱
۱۲۸	خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں	۲۲۶
۱۲۹	بصیرت افروز تکمیل	۲۲۷
۱۳۰	طبری کی روایت	۲۲۸
۱۳۱	خطبہ 18۔ اختلاف علماء کی مذمت	۲۳۱
۱۳۲	مقدمہ مطلب	۲۳۲
۱۳۳	مفہوم خطبہ، اختلاف ممنوعہ	۲۳۵
۱۳۴	قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے	۲۳۷
۱۳۵	عمل بالرائے حرام ہے	۲۳۹
۱۳۶	امام جعفر صادق علیہ السلام کا خط	۲۴۰
۱۳۷	خطبہ نمبر 19 اشعث ابن قیس کی گستاخی کا جواب	۲۴۲
۱۳۸	اشعث کا انجام	۲۴۳
۱۳۹	جولاہے	۲۴۵
۱۴۰	جولاہوں کا حضرت مریم سے سلوک	۲۴۶
۱۴۱	اللہ والوں سے ان کا سلوک	۲۴۷
۱۴۲	دور جاہلیت اور اسلام کا قیدی	۲۴۸

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۱۴۳	خطبہ نمبر 20۔ تنبیہ الغافلین	۲۵۱
۱۴۴	امام زین العابدین علیہ السلام کا ندبہ	۲۵۳
۱۴۵	تکمیل مطلب	۲۶۱
۱۴۶	خطبہ 21۔ موت کی تیاری	۲۶۱
۱۴۷	مفہوم کا تنقیدی جائزہ	۲۶۴
۱۴۸	سلمان فارسیؓ کا اثاثہ	۲۶۵
۱۴۹	خطبہ نمبر 22۔ شیطانی لشکر	۲۶۶
۱۵۰	طلحہ کا طرز عمل	۲۶۷
۱۵۱	مطالبہ قصاص کیوں؟	۲۶۹
۱۵۲	مقاصد جنگ، دشمن کی تعلّی کا جواب	۲۷۰
۱۵۳	تکمیل مطلب	۲۷۱
۱۵۴	خطبہ نمبر 23۔ مرد مسلم کی خوبیاں	۲۷۸
۱۵۵	مفہوم عبارت	۲۸۰
۱۵۶	مسلمان دو میں سے ایک نیکی کا منتظر ہوتا ہے	۲۸۲
۱۵۷	دو کھیتیاں	۲۸۲
۱۵۸	شہرت اور ریا کے طالب نہ بنو	۲۸۴
۱۵۹	بصیرت افروز تکمیل	۲۸۵
۱۶۰	ریا اور شہرت کے معانی	۲۸۵
۱۶۱	ریا کی اقسام	۲۸۸
۱۶۲	ریا کار بہت شرمندہ ہوا	۲۸۹
۱۶۳	ریا کا علاج	۲۹۱
۱۶۴	ریا کاری کی عملی دوا	۲۹۲
۱۶۵	دوسری فصل قربیوں کی حمایت ضروری ہے	۲۹۴
۱۶۶	دولت مندوں کو ہدایت	۲۹۵
۱۶۷	حاتم طائی کے اشعار	۲۹۶
۱۶۸	رشتہ داروں کی مالی امداد	۲۹۶
۱۶۹	صلہ رحمی	۲۹۸
۱۷۰	خطبہ نمبر ۲۴۔ علیؑ نجات اخروی کا ضامن	۲۹۹
۱۷۱	تقویٰ	۳۰۱
۱۷۲	تقویٰ کے دنیوی اور اخروی ثمرات	۳۰۱
۱۷۳	خطبہ نمبر ۲۵۔ اہل کوفہ کی مذمت	۳۰۳
۱۷۴	شامیوں کی کامیابی کے اسباب	۳۰۷
۱۷۵	شامیوں اور عراقیوں کا نفسیاتی تجزیہ	۳۰۸
۱۷۶	اہل کوفہ کے لئے بددعا	۳۰۸
۱۷۷	بُسر کو بددعا	۳۱۰
۱۷۸	خطبہ نمبر ۲۶	۳۱۰
۱۷۹	بعثت نبوی کے وقت عربوں کی حالت زار	۳۱۰
۱۸۰	حالت زار کی تفصیلات	۳۱۱
۱۸۱	عمرو بن عاص اور معاویہ کی بیعت	۳۱۷
۱۸۲	تاریخ کا شرمناک معاہدہ	۳۱۹
۱۸۳	امیر المؤمنین علیؑ کا تفصیلی خط	۳۱۹
۱۸۴	خطبہ نمبر ۲۷۔ جہاد کی فضیلت	۳۲۵
۱۸۵	فضیلت جہاد	۳۲۹
۱۸۶	ترک جہاد کے نقصانات	۳۳۰
۱۸۷	مقام شہید	۳۳۱
۱۸۸	داستان مظلومیت، تعجب بالائے تعجب	۳۳۳
۱۸۹	خوئے بدرا بہانہ بسیار	۳۳۳
۱۹۰	نوبت بہ اینجا رسید	۳۳۴
۱۹۱	تکمیل مطلب	۳۳۶
۱۹۲	خطبہ نمبر 28۔ زہد دنیا اور رغبت آخرت	۳۳۹

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۱۹۳	مفہوم عبارت	۳۴۲
۱۹۴	آخرت کی تیاری	۳۴۳
۱۹۵	خوشگوار لمحات میں بھی عمل صالح	۳۴۴
۱۹۶	حق اور باطل	۳۴۵
۱۹۷	دو خصلتیں	۳۴۶
۱۹۸	زُہد اور رغبت سے متعلق مزید روایات	۳۴۷
۱۹۹	خطبہ نمبر ۲۹۔ جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں	۳۵۱
۲۰۰	خطبے کا پس منظر	۳۵۲
۲۰۱	خطبے کا مفہوم	۳۵۳
۲۰۲	تکمیل مطلب	۳۵۶
۲۰۳	خطبہ نمبر ۳۰۔ قتل عثمان اور آپؑ کا کردار	۳۶۲
۲۰۴	قتل عثمان کے علل واسباب	۳۶۷
۲۰۵	خطبہ نمبر ۳۱ جنگ جمل سے پہلے زبیر کو دعوت نصرت	۲۷۳
۲۰۶	تشریح	۳۷۴
۲۰۷	آغاز جلد چہارم	۳۷۷
۲۰۸	خطبہ ۳۲ مذمت دنیا واقسام اہل دنیا	۳۸۰
۲۰۹	تشریح	۳۸۳
۲۱۰	علم کے لئے عمل کی ضرورت	۳۸۴
۲۱۱	تحصیل علم کے لئے سوال کی ضرورت	۳۸۵
۲۱۲	دنیا طلب افراد کی اقسام	۳۸۶
۲۱۳	خاصان خدا	۳۸۹
۲۱۴	خاصان خدا پر دنیا میں گذری؟	۳۹۰
۲۱۵	حضرت عیسیٰ اور دنیا کا مکالمہ	۳۹۲
۲۱۶	خطبہ ۳۳، مقام ذی قار میں آپؑ کا خطبہ	۳۹۳
۲۱۷	تشریح	۳۹۴
۲۱۸	حضرت علیؑ سے جنگ کرنے والے کافر ہیں یا نہیں؟	۳۹۶
۲۱۹	شارح معتزلی کے سوال	۳۹۷
۲۲۰	علمائے امامیہ کا موقف	۳۹۷
۲۲۱	ضروری وضاحت	۴۰۰
۲۲۳	تبصرہ	۴۰۰
۲۲۴	خطبہ ۳۴	۴۰۱
۲۲۵	خطبہ کا پس منظر	۴۰۳
۲۲۶	تشریح	۴۰۴
۲۲۷	ظلم برداشت مت کرو	۴۰۷
۲۲۸	حاکم ورعایا کے باہمی حقوق وفرائض	۴۰۷
۲۲۹	لوگوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟	۴۰۸
۲۳۰	تکمیل	۴۱۰
۲۳۱	خطبہ نمبر ۳۵، واقعہ تحکیم کے نقصانات	۴۱۳
۲۳۲	تشریح	۴۱۴
۲۳۳	جنگ صفین اور واقعہ تحکیم	۴۱۷
۲۳۴	حکمین کی دومۃ الجندل آمد اور ناانصافی	۴۲۵
۲۳۵	حکمین کے مذاکرات	۴۲۶
۲۳۶	خطبہ ۳۶، اہل نہروان کو انجام کی وعید	۴۲۸
۲۳۷	تشریح	۴۲۹
۲۳۸	تبصرہ اول در کفر خوارج	۴۳۰
۲۳۹	تبصرہ دوم حضرتؑ کا احتجاج اور جنگ	۴۳۲

آغاز جلد چہارم

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۲۴۰	حروریہ کی وجہ تسمیہ	۴۳۵
۲۴۱	خوارج کی زیادتیاں	۴۳۶
۲۴۲	ابن عباس کا احتجاج	۴۳۹
۲۴۳	جنگ کا آغاز	۴۴۱
۲۴۴	ذوالثدیہ کی لاش	۴۴۴
۲۴۵	خطبہ ۳۷، علیؑ بزبان علیؑ	۴۴۷
۲۴۶	مفہوم عبارت	۴۴۸
۲۴۷	فصل اول	۴۴۸
۲۴۸	فصل دوم	۴۵۰
۲۴۹	فصل سوم	۴۵۱
۲۵۰	فصل چہارم	۴۵۱
۲۵۱	شارح معتزلی کا عجیب موقف	۴۵۲
۲۵۲	مسلک امامیہ اور علامہ معتزلی کی تردید	۴۵۳
۲۵۳	لوگوں نے حضرت علیؑ کو کیوں چھوڑا؟	۴۵۴
۲۵۴	علی بن صلاح الدین کا خط	۴۵۶
۲۵۵	الحق مع علیؑ	۴۵۸
۲۵۶	دلیل عصمت	۴۵۹
۲۵۷	فضل بن روزبہان کا استدلال اور اس کی تردید	۴۵۹
۲۵۸	حضرت علیؑ نے جنگ کیوں نہ کی؟	۴۶۱
۲۵۹	امامؑ نے جنگ نہ کر کے چھ انبیاء کی پیروی کی	۴۶۱
۲۶۰	حضرت نوحؑ کی پیروی	۴۶۱
۲۶۱	حضرت لوطؑ کی پیروی	۴۶۱
۲۶۲	حضرت ابراہیمؑ کی پیروی	۴۶۲
۲۶۳	حضرت موسیٰؑ کی پیروی	۴۶۲
۲۶۴	حضرت ہارونؑ کی پیروی	۴۶۲
۲۶۵	حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی	۴۶۲
۲۶۶	جنگ نہ کرنے کے مزید دلائل	۴۶۴
۲۶۷	خطبہ ۳۸، شبہہ کی تعریف	۴۷۱
۲۶۸	تشریح	۴۷۱
۲۶۹	فصل اول	۴۷۳
۲۷۰	اولیاء اللہ کا کردار	۴۷۳
۲۷۱	دشمنان خدا کا کردار	۴۷۴
۲۷۲	عقیدہ ولایت نور ہے	۴۷۴
۲۷۳	فصل دوم، ذکر موت	۴۷۵
۲۷۴	خطبہ ۳۹، حضرت علیؑ کی مشکلات	۴۷۷
۲۷۵	تشریح	۴۷۸
۲۷۶	نعمان بن بشیر کا واقعہ	۴۷۸
۲۷۷	مفہوم عبارت	۴۸۰
۲۷۸	خطبہ ۴۰، کلمہ حق کے حقیقی معانی	۴۸۲
۲۷۹	تشریح	۴۸۳
۲۸۰	حاکم کی ضرورت کیوں؟	۴۸۴
۲۸۱	شارح معتزلی کا موقف	۴۸۶
۲۸۲	شارح معتزلی کی تردید	۴۸۷
۲۸۳	خطبہ ۴۱، وفا کی توصیف اور غداری کی مذمت	۴۸۸
۲۸۴	تشریح	۴۸۹
۲۸۵	سموأل کی وفا	۴۹۰
۲۸۶	ایک طائی کی وعدہ وفائی	۴۹۰
۲۸۷	ایفائے عہد اور قرآن	۴۹۳
۲۸۸	اسماعیل صادق الوعد	۴۹۴
۲۸۹	ایفائے عہد سے متعلقہ احادیث	۴۹۵

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۲۹۰	غدار سے غداری عین وفا ہے	۴۹۷
۲۹۱	خطبہ ۴۲، حسن عاقبت کے دو مہلک چیزیں	۴۹۸
۲۹۲	تشریح	۴۹۹
۲۹۳	امیدوں کا پھیلاؤ تباہ کن ہے	۵۰۲
۲۹۴	خطبہ کے دوسرے ذرائع	۵۰۴
۲۹۵	خطبہ ۴۳، امیر شام سے مطالبہ بیعت	۵۰۶
۲۹۶	تشریح	۵۰۷
۲۹۷	علیؑ جنگ کے لیے من اللہ مامور تھے	۵۰۹
۲۹۸	سفارت جریر	۵۱۱
۲۹۹	حضرت عثمانؓ کے تصرفات	۵۱۷
۳۰۰	نااہل افراد کو کلیدی مناصب دینا	۵۱۸
۳۰۱	طرید رسول کی واپسی	۵۱۸
۳۰۲	بنی امیہ پر نوازشات	۵۱۹
۳۰۳	چراگاہوں پر قبضہ	۵۱۹
۳۰۴	افواج کو زکوٰۃ میں شریک کرنا	۵۱۹
۳۰۵	صحابہ کبار پہ ظلم تشدد	۵۱۹
۳۰۶	قرآنی نسخوں کو نذر آتش کرنا	۵۲۰
۳۰۷	عمار بن یاسر کو تختۂ ستم بنانا	۵۲۰
۳۰۸	حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی	۵۲۲
۳۰۹	عبیداللہ بن عمر پر حد شرعی کا جاری نہ کرنا	۵۲۲
۳۱۰	فیصلۂ پیغمبرؐ سے روگردانی	۵۲۲
۳۱۱	قرآن میں غلطیوں کے قائل تھے	۵۲۳
۳۱۲	خطبوں کو نماز پر مقدم کرنا	۵۲۳
۳۱۳	جمعہ کی نئی اذان	۵۲۳
۳۱۴	خطبہ کی قدرت نہ رکھنا	۵۲۴
۳۱۴	احکام سے جہالت	۵۲۴
۳۱۵	حدیث سے لاپرواہی	۵۱۴
۳۱۶	اہل مدینہ کا اجماع	۵۲۴
۳۱۷	شارح معتزلی کی نرالی منطق	۵۲۵
۳۱۸	عشرہ مبشرہ پر ایک نظر	۵۲۶
۳۱۹	امامتِ علیؑ کی واضح حدیث	۵۲۸
۳۲۰	علامہ معتزلی کی تردید	۵۲۸
۳۲۱	خطبہ ۴۴، تشریح	۵۳۰
۳۲۲	خطبہ کا پس منظر	۵۳۲
۳۲۳	خطبہ ۴۵، تشریح	۵۳۷
۳۲۴	فصلِ اول، وسعتِ رحمت	۵۳۸
۳۲۵	فیضانِ نعمت	۵۳۹
۳۲۶	مقامِ بندگی	۵۳۹
۳۲۷	دوامِ رحمت و کمالِ نعمت	۵۴۱
۳۲۸	فصلِ دوم، مذمتِ دنیا	۵۴۳
۳۲۹	ضرورت کے مطابق رزق	۵۴۵
۳۳۰	دعا اور عقل	۵۵۳
۳۳۱	دعا پر اعتراض	۵۵۴
۳۳۲	سوال کا جواب	۵۵۴
۳۳۳	قرآن اور دعا	۵۵۵
۳۳۴	دعا اور اثر	۵۵۶
۳۳۵	دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟	۵۵۸
۳۳۶	وضاحت	۵۵۹
۳۳۷	ہادیانِ دین اور دعا	۵۶۰
۳۳۸	خطبہ ۴۷، تشریح	۵۶۴

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۳۳۹	شارح بحرانی کا اشتباہ اور عظمتِ حضرت مختار	۵۶۶
۳۴۰	مدحِ کوفہ	۵۶۷
۳۴۱	خطبہ ۴۸، تشریح	۵۶۹
۳۴۲	حضرت کا مدائن میں ورود	۵۷۱
۳۴۳	حضرتؑ کی نوشیروان سے گفتگو	۵۷۲
۳۴۴	تکمیل خطبہ	۵۷۴
۳۴۵	خطبہ ۴۹، تشریح	۵۷۵
۳۴۶	خدا کی پہچان کیسے ہو؟	۵۷۷
۳۴۷	مُتَاَلِّہِیْن کا طرزِ استدلال	۵۷۹
۳۴۸	صدیقین کا طرزِ استدلال	۵۷۹
۳۴۹	ملا صدرا کا فرمان	۵۸۰
۳۵۰	نفی رؤیت	۵۸۱
۳۵۱	اشاعرہ کا نظریہ	۵۸۲
۳۵۲	دل کنہِ معرفت سے قاصر ہے	۵۸۴
۲۵۳	اہم سوال اور اس کا جواب	۵۸۶
۳۵۴	اللہ کو آنکھوں سے دیکھنا محال ہے	۵۸۶
۳۵۵	ذاتِ حق، کی بلندی و برتری	۵۸۷
۳۵۶	خدا کتنا قریب ہے؟	۵۸۹
۳۵۷	عقل اس کی حد بندی سے قاصر ہے	۵۹۲
۳۵۸	ضروری معرفت سے محروم نہیں رکھا	۵۹۲
۳۵۹	خطبہ ۵۰، تشریح	۵۹۶
۳۶۰	تکمیل، روضہ کافی کی روایت	۶۰۰
۳۶۱	خطبہ کی مزید وضاحت از علامہ مجلسیؒ	۶۰۴
۳۶۲	خطبہ ۵۱، تشریح	۶۰۶
۳۶۳	خطبہ کا پس منظر	۶۰۸
۳۶۴	قوتِ ولایت کی ایک جھلک	۶۱۱
۳۶۵	خطبہ ۵۲، تشریح	۶۱۴
۳۶۶	در اشتیاقِ ثواب	۶۱۹
۳۶۷	خطبہ کا دوسرا حصہ، قربانی کا حکم	۶۲۱
۳۶۸	جانور کا بے عیب ہونا	۶۲۲
۳۶۹	سینگ ٹوٹے جانور کا حکم	۶۲۴
۳۷۰	لنگڑے جانور کا حکم	۶۲۴
۳۷۱	بصیرت افروز تکمیل	۶۲۵
۳۷۲	خطبہ ۵۳، تشریح	۶۲۷
۳۷۳	خطبہ ۵۴، تشریح	۶۲۹
۳۷۴	دو غلط فہمیوں کا ازالہ	۶۳۰
۳۷۵	خطبہ ۵۵، تشریح	۶۳۲
۳۷۶	ابن حضری کا واقعہ	۶۳۴
۳۷۷	خطبہ ۵۶، تشریح	۶۳۵
۳۷۸	حضرت امیرؑ کی چند الہامی پیش گوئیاں	۶۳۷
۳۷۹	سنان بن انس کے متعلق پیش گوئی	۶۳۷
۳۸۰	حبیب بن حماد کے متعلق پیش گوئی	۶۳۷
۳۸۱	اعشیٰ باہلی کے متعلق پیش گوئی	۶۳۸
۳۸۲	جویریہ بن مسہر عبدی کے متعلق پیش گوئی	۶۳۸
۳۸۳	خطیب صلیب کے متعلق پیش گوئی	۶۳۹
۳۸۴	رُشَیْد ھَجَری کے متعلق پیش گوئی	۶۴۲
۳۸۵	حضرت پر سب کرنے والا کون تھا؟	۶۴۳
۳۸۶	سب اور تبرا میں فرق	۶۴۶
۳۸۷	خطبہ ۵۷، تشریح	۶۴۷
۳۸۸	خطبہ ۵۸، تشریح	۶۵۱

نمبر شمار	تفصیل مطالب	صفحہ نمبر
۳۸۹	ایک علمی تحقیق	۶۵۳
۳۹۰	مذمت غلو	۶۵۳
۳۹۱	غلاۃ ومفوضہ کے متعلق شیعی نقطہ نظر	۶۵۶
۳۹۲	تفویض اور اس کی شاخیں	۶۶۰
۳۹۳	احکام دین میں تفویض	۶۶۴
۳۹۴	تفویض کے دوسرے مفہوم	۶۶۷
۳۹۵	خطبہ ۵۹، تشریح	۶۷۱
۳۹۶	خوارج کے فرقے	۶۷۲
۳۹۷	محکمہ	۶۷۲
۳۹۸	بیہسیہ	۶۷۳
۳۹۹	ازارقہ	۶۷۳
۴۰۰	نجدات	۶۷۴
۴۰۱	اباضیہ	۶۷۵
۴۰۲	عجاردہ	۶۷۶
۴۰۳	ثعالبہ	۶۷۶
۴۰۴	خطبہ ۶۰، حضرتؑ نے خوارج سے جنگ کیوں کی؟	۶۷۷
۴۰۵	خطبہ ۶۱، تشریح	۶۸۰
۴۰۶	خطبہ ۶۲، تشریح	۶۸۴
۴۰۷	فلسفہ امتحان	۶۸۶
۴۰۸	حضرت لقمان کی نصیحت	۶۸۷
۴۰۹	خطبہ ۶۳، تشریح	۶۹۰
۴۱۰	عمدہ خرید وفروخت	۶۹۱
۴۱۱	مقصدِ خلقت	۶۹۷
۴۱۲	برزخ کا عرفانی پہلو	۶۹۸
۴۱۳	توبہ کی ضرورت	۷۰۱
۴۱۴	تنبیہ وموعظہ	۷۰۲
۴۱۵	بہلول نباش کا واقعہ	۷۰۳
۴۱۶	ابلیس کی مجلس شوریٰ	۷۰۶
۴۱۷	حضرت ابوذرؓ کو نصیحت	۷۰۶
۴۱۸	اختتام کتاب	۷۰۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ سوم

داستان خلافت اور روئیداد سقیفہ

اس فصل میں ہم داستان خلافت بیان کریں گے اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد جو کچھ سقیفہ میں ہوا اس کی روئیداد نقل کریں گے اور بنی ہاشم بالخصوص حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ردعمل اور ان کی مجبوریوں کی تفصیل پیش کریں گے۔ اور اس کے لئے کتب عامہ وخاصہ کے حوالے سے واقعات کی تفصیل عرض کریں گے۔

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے آخری لمحات

شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب نے اپنی کتاب احتجاج طبرسی میں تحریر کیا ہے۔ ابوالمفضل محمد بن علی نے سند صحیح سے نقل کیا ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سخت بیماری کے دوران فضل بن عباس اور اپنے غلام ثوبان کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ نماز پڑھانے کے بعد آپؐ واپس اپنے بیت الشرف تشریف لے گئے اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ دروازے پر بیٹھ جاؤ اور اگر انصار ملنے کے لئے آئیں تو انہیں آنے دینا پھر آپؐ پر غشی طاری ہوگئی۔ اسی اثناء میں انصار کے بہت سے افراد کاشانہ نبوت کے دروازے پر جمع ہوکر آئے اور حضور اکرمؐ سے ملنے کی اجازت طلب کی، غلام نے بتایا کہ اس وقت آنحضرتؐ پر غشی طاری ہے اور ان کے پاس ان کی خواتین کھڑی ہیں۔ یہ سن کر انصار زور زور سے رونے لگے۔ رسولؐ خدا (کو جب غش سے افاقہ ہوا اور انہوں) نے ان کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا: ''باہر کون کھڑے ہیں؟'' آپؐ کو بتایا گیا کہ باہر انصار جمع ہیں اور آپؐ کی ناسازی طبع کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس وقت گھر میں میرے اہل خانہ میں سے کون موجود ہے؟'' آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اس وقت گھر میں علیؑ اور عباسؓ موجود ہیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں بلایا اور ان دونوں کا سہارا لے کر مسجد تشریف لائے اور مسجد کے ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، خطبہ میں آپؐ نے فرمایا: ''ہر نبی دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنا ترکہ چھوڑ کر گیا اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیتؑ۔ جس نے انہیں ضائع کیا اللہ اسے ضائع کرے گا۔ آگاہ رہو! انصار میرے لئے چھوٹے بچوں کی مانند ہیں اور میرے رازوں کا مقام ہیں اور میں تمہیں تقوائے خداوندی اور انصار سے نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ انصار کے نیکوکار کی نیکی کو قبول کرنا اور ان کے بدکار سے چشم پوشی کرنا''۔

لشکر اسامہ کی روانگی

پھر آنحضرتؐ نے اسامہ بن زید کو بلایا اور انہیں حکم دیا: ''اللہ کی مدد و نصرت اور اس کی برکت سے تم لشکر لے کر وہاں روانہ ہو جاؤ جہاں جانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔(۱) اسامہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ کی اجازت ہو تو آپ کے صحت یاب ہونے تک میں مدینہ میں ہی رہوں کیونکہ اگر اس حالت میں آپؐ کو چھوڑ کر چلا گیا تو ذہنی طور پر بے حد پریشان رہوں گا''۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تم فوراً روانہ ہو جاؤ! ہمیں کسی بھی حالت میں جہاد سے تاخیر پسند نہیں ہے''۔ بعد ازاں آنحضرتؐ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے اسامہ کو امیر لشکر مقرر کرنے پر اعتراض کیا ہے اور اس سے قبل تم نے اس کے باپ زید بن حارثہ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم! اسامہ امارت لشکر کے لائق ہے اور اس کا باپ بھی امارت کے لائق تھا۔ اور یہ مجھے انتہائی پیارا ہے۔ میں تمہیں اس سے نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ البتہ تمہارا اس پر معترض ہونا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ تم اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی معترض ہوئے تھے''۔ پھر رسولؐ خدا اپنے گھر تشریف لے گئے اور اسامہ نے مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اور ان کے لشکر میں جناب ابوبکرؓ و عمرؓ اور ابوعبیدہ بن الجراح شامل تھے۔ بعد ازاں آنحضرتؐ کی طبیعت دن بدن زیادہ ناساز ہوتی چلی گئی اور انہی ایام میں سعد بن عبادہ کی طبیعت بھی انتہائی خراب ہوگئی۔ جو شخص بھی آنحضرتؐ کی عیادت کو جاتا وہ سعد بن عبادہ کی طبع پرسی بھی ضرور کرتا۔ اسامہ کو پڑاؤ کئے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ کی سوموار کے دن چاشت کے وقت وفات ہوگئی اور آپ کی وفات سے پورا مدینہ لرز گیا اور لشکر اسامہ میں شریک تمام لوگ مدینہ آ گئے اور جناب ابوبکر ناقہ پر سوار ہو کر دروازہ مسجد پر پہنچے۔ لوگوں کے اضطراب کو دیکھ کر انہوں نے کہا: ''لوگو! تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو؟ اگر چہ محمدؐ مرے ہیں لیکن رب محمدؐ زندہ ہے (وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًاوَسَيَجْزِ ی اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران/۱۴۴) اور محمدؐ تو صرف ایک رسول ہیں، جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے؟ تو جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا''۔

انصار سعد بن عبادہ کے پاس گئے اور انہیں لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ جناب عمرؓ کو اپنے ذرائع سے انصار کے اس اجتماع کی خبر ہوئی تو انہوں نے جناب ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ جناب ابوبکرؓ و عمرؓ اور ابوعبیدہ بن الجراح جنازہ رسول ﷺ کو چھوڑ کر فوراً سقیفہ میں آئے اور یہاں آ کر انہوں نے دیکھا سعد بن عبادہ درمیان میں بیٹھے ہیں اور مریض ہیں اور ان کے اردگرد انصار کا ایک انبوہ کثیر جمع ہے۔ جناب ابوبکر نے انصار کے سامنے تقریر کی اور ان سے قریش کا استحقاق خلافت بیان کیا اور کہا: ''جناب رسولؐ خدا کا فرمان ہے (اَلا ئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ) امام قریش میں سے ہوں گے۔ لہذا تم لوگ امر خلافت میں ہم سے تنازعہ نہ کرو، ہم لوگ حضور اکرمؐ کا خاندان ہیں اور عرب حضور کے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے کی امارت پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے اور اس وقت تمہارے سامنے

(۱) آنحضرتؐ نے اسامہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور مہاجرین و انصار کو اس کے لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور ان کے لشکر میں آنحضرتؐ نے جناب ابوبکر و عمر اور مہاجرین اولین کو شامل کیا تھا اور اسامہ کو حکم دیا تھا کہ وہ لشکر لے کر وادی فلسطین کے مقام موتہ پر جا کر لشکر کشی کریں۔ از مترجم)

عمر بن خطابؓ اور ابوعبیدہ موجود ہیں۔ ان میں سے تم جس کی بھی بیعت کرنا چاہو کرلو''۔ ابوعبیدہ اور جناب عمرؓ نے کہا: ''ہرگز نہیں آپ کی موجودگی میں ہم خلافت کے حقدار نہیں بن سکتے۔ آپ کو ہم پر سبقت اسلام کا شرف حاصل ہے اور آپ غار میں آنحضرتؐ کے رفیق تھے۔ اسی لئے آپ ہی مستحق خلافت ہیں''۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو۔ جناب ابوبکرؓ نے کہا: ''ایسا کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہے۔ ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر بنو گے۔ البتہ تمہاری فضیلت کا انکار کسی طور بھی ممکن نہیں ہے۔ اللہ نے تمہیں اپنے دین کے مددگار ہونے کا شرف عطا کیا ہے اور رسول پاکؐ نے تمہارے پاس ہی ہجرت فرمائی تھی اور مہاجرین اولین کے بعد اسلام میں تمہارا مقام سب سے بلند و برتر ہے''۔ حباب بن منذر انصاری نے کہا کہ: ''گروہ انصار! اپنی قوت کو ضائع نہ ہونے دو ان بے خانماں افراد کو تم نے ہی پناہ دی تھی اور عرب میں کسی کو تمہاری مخالفت کی جرات نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ تمہاری امارت پر راضی نہیں ہیں تو ہم بھی ان کی امارت پر راضی نہیں ہیں اور اس مسلہ کا حل صرف یہ ہے کہ ایک امیر ان میں سے ہونا چاہئے اور ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہئے''۔ جناب عمر نے کہا: ''یہ بات ناممکن ہے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں ہوسکتیں اور عرب اس بات کو ہرگز پسند نہیں کریں گے کہ ان کا نبی ایک قبیلہ سے ہو اور اس کا جانشین دوسرے قبیلہ سے ہو۔ عربوں کی یہی خواہش ہوگی کہ نبوت و خلافت ایک ہی خاندان میں ہو اور ہماری امارت پر کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ ہم آنحضرتؐ کا خاندان ہیں، ہم ان کے قبیلہ کے افراد ہیں ہماری مخالفت صرف وہی کرے گا جو باطل کا پیروکار ہوگا یا ہلاکت کو پسند کرنے والا ہوگا اور فتنہ فساد کا خوگر ہوگا''۔ حباب بن منذر یہ تقریر سن کر پھر کھڑے ہوئے اور کہا: ''گروہ انصار! اس شخص کی باتوں کے فریب میں ہرگز نہ آنا یہ لوگ تمہارا حق ضائع کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ تمہاری امارت پر راضی نہیں ہیں تو انہیں اپنے شہر سے نکال دو تم لوگ ہی خلافت کے صحیح حق دار ہو۔ تمہاری تلواروں سے مرعوب ہو کر ہی عرب نے اسلام قبول کیا۔ میں ایک تجربہ کار صاحب رائے شخص ہوں۔ اگر کسی نے میری تجویز کو رد کیا تو میں اپنی تلوار سے اس کی ناک پر حملہ کروں گا''۔ جناب عمرؓ نے کہا: ''اگر میں حباب کا جواب دینا چاہتا تو دے سکتا تھا لیکن آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں ایک مرتبہ میرا حباب سے جھگڑا ہوا تھا تو آنحضرتؐ نے مجھے اس سے جھگڑنے سے منع کیا تھا۔ اسی لئے میں اس سے جھگڑنا نہیں چاہتا تھا''۔ جناب عمر نے ابوعبیدہ سے کہا کہ تم ان لوگوں سے گفتگو کرو۔ چنانچہ ابوعبیدہ نے انصار سے گفتگو کی اور انصار کے فضائل بیان کئے اور پھر کہا کہ اتنے فضائل کے باوجود بھی حق خلافت انہیں کسی طرح سے حاصل نہیں ہے''۔

بشیر بن سعد انصار کے ایک قبیلہ کے سردار تھے اور ان کا قبیلہ قدیم الایام سے سعد بن عبادہ کے خاندان سے حسد رکھتا تھا۔ اس نے موقع کو غنیمت جانا چونکہ سعد بن عبادہ کے خاندان سے ادھار چکانے کا اسے نادر موقع ہاتھ آیا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا: ''گروہ انصار! تم لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے حسد نہ کرو۔ آنحضرتؐ جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا جانشین بھی اسی خاندان سے ہونا چاہئے اور ہم نے اسلام کیلئے جتنی خدمات سرانجام دی ہیں وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے کی تھیں اپنی زریں خدمات کا معاوضہ ہمیں حکومت و امارت کی شکل میں درکار نہیں ہے''۔ جناب ابوبکر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا: ''لوگو! تم عمر بن خطابؓ اور ابوعبیدہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو'' جناب عمر اور ابوعبیدہ نے کہا: ''نہیں آپ ہم سے خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں آپ ہاتھ بڑھائیں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں''۔ بشیر بن سعد نے کہا: ''میں بھی تمہارے ساتھ ان کی بیعت کرتا ہوں''۔ چنانچہ سب سے پہلے جناب عمر نے ابوبکر کی بیعت کی پھر

ابوعبیدہ نے اس کے بعد بشیر بن سعد نے ان کی بیعت کی۔ پھر بشیر کے بعد قبیلہ اوس نے ان کی بیعت کی اور بیعت کرنے والوں کا اس قدر اژدہام ہوگیا کہ سعد بن عبادہ کے پامال ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ سعد بن عبادہ نے چیخ کر کہا: ''تم نے مجھے مار ڈالا''۔ جناب عمر نے کہا: ''اسے مار دو خدا اسے غارت کرے''۔ سعد کا بیٹا قیس یہ الفاظ سن کر کھڑا ہوا اور جناب عمرؓ ان کے بارے میں بہت سخت الفاظ استعمال کئے۔ جناب ابوبکرؓ نے کہا: ''عمر! صبر سے کام لو۔ موقع کی مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ نرمی کی جائے''۔ سعد بن عبادہ نے کہا ''پسر ضحاک!(۱) اگر آج میں تندرست ہوتا تو میں تمہیں ایسی سناتا کہ میری گونج سے مدینہ کی گلیاں لرز اٹھتیں اور اگر میں بیمار نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو دوبارہ اسی شہر روانہ کر دیتا جہاں تم پہلے ذلت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ تم نے بڑی جسارت کی ہے۔ پھر سعد نے اپنے قبیلہ خزرج سے کہا کہ مجھے یہاں سے اٹھا کر میرے گھر لے چلو۔ قبیلہ کے افراد انھیں چارپائی پر اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ بعد میں جناب ابوبکر نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ آؤ اور ہماری بیعت کرو۔ کیونکہ باقی لوگ ہماری بیعت کر چکے ہیں۔ سعد بن عبادہ نے جواب میں کہلوا بھیجا: ''خدا کی قسم! میں اس وقت تک تمہاری بیعت نہیں کروں گا جب تک میں اپنے ترکش کے تمام تیر تم پر چلا نہ لوں اور اپنے نیزے کی انّی کو تمہارے خون سے خضاب نہ دے لوں اور جب تک اپنے تمام خاندان سمیت تم سے شمشیر زنی نہ کر لوں۔ خدا کی قسم! اگر روئے زمین کے تمام انسان و جنات بھی مل کر مجھے تمہاری بیعت کے لئے مجبور کریں تو بھی میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ میں اللہ کے حضور پہنچ جاؤں اور خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب دوں۔ جناب عمر نے اس کا یہ جواب سن کر کہا کہ اس سے ہر قیمت پر بیعت لینی چاہئے۔

بشیر بن سعد نے کہا: ''آپ ایسا ہرگز نہ کریں جب وہ بیعت سے انکار کر چکا ہے تو وہ ہرگز بیعت نہیں کرے گا وہ قتل تو ہوسکتا ہے لیکن بیعت پر آمادہ نہیں ہوسکتا اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اسے قتل کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے قتل کرنے سے پہلے تمام اوس وخزرج کو قتل کرنا پڑے گا۔ اسے اس کے حال پر رہنے دیں وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا''۔ چنانچہ ارباب حکومت نے بشیر کے مشورہ پر عمل کیا اور سعد کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ سعد بن عبادہ ارباب حکومت کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شامل نہیں ہوتے تھے، جب تک جناب ابوبکرؓ برسر اقتدار رہے سعد مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ جب جناب عمر برسر اقتدار آئے تو سعد نے ان کے خوف سے مدینہ کو چھوڑ دیا اور شام کے علاقہ ''حوران'' میں قیام پذیر ہوگئے۔ اور ایک رات جب وہ اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے اچانک انھیں ایک تیر آ کر لگا جس سے ان کی وفات ہوگئی اور ارباب حکومت نے مشہور کر دیا کہ انہیں جنات نے تیر مارا تھا۔ جبکہ واقفانِ حال بیان کرتے ہیں کہ تاریکی شب میں محمد بن سلمہ انصاری نے انہیں تیر مارا تھا۔ کیونکہ مغیرہ بن شعبہ اور خالد بن ولید نے اسے اس کام کے لئے بھاری رقم ادا کی تھی۔

انصار اور اُن کے علاوہ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے انہوں نے جناب ابوبکر کی بیعت کی۔ حالانکہ حضرت علی علیہ السلام رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور ان لوگوں نے جنہوں نے جناب ابوبکر کی بیعت کر لی تھی یا نہیں کی تھی، تمام نے رسولؐ خدا پر نماز پڑھی۔ رسولؐ خدا کی تدفین کے بعد حضرت علیؑ بنو ہاشم کی جمعیت کے ساتھ مسجد نبوی میں

---

(۱) ضحاک جناب عمر کی حبشی نژاد دادی تھی۔

جا کر بیٹھے اور آپؑ کے ساتھ زبیر بن عوام بھی تھے۔ اس وقت بنوامیہ جناب عثمان کے اردگرد بیٹھے تھے۔ اور بنی زہرہ عبدالرحمان بن عوف کے گرد حلقہ ڈالے بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں جناب ابوبکرؓ کے ہمراہ جناب عمر وابوعبیدہ بن الجراح آئے اور کہا تم لوگ علیحدہ حلقے بنا کر کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ اٹھو اور جناب ابوبکر کی بیعت کرو کیونکہ انصار اور دوسرے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی چنانچہ جناب عثمان اور عبدالرحمان نے ان کی بیعت کر لی اور حضرت علیؑ اور بنو ہاشم مسجد کو چھوڑ کر اپنے بیت الشرف تشریف لے آئے اور زبیر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جناب عمر اپنے ساتھ اپنے وفاداروں کا گروہ لے کر جن میں اسید بن حصین اور سلمہ بن سلامہ پیش پیش تھے حضرت علیؑ کے دروازے پر آئے۔ یہاں آ کر دیکھا کہ حضرت علیؑ کے ساتھ ان کے وفادار دوست موجود ہیں۔ جناب عمر نے کہا کہ لوگو! ابوبکر کی بیعت کرو، باقی لوگ ان کی بیعت کر چکے ہیں۔ زبیر بن عوام نے بڑھ کر حملہ کیا۔ جناب عمر نے کہا مجھے اس کے شر سے بچاؤ۔ چنانچہ سلمہ بن سلامہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور جناب عمر نے اس کے ہاتھ سے لے لی اور زمین پر مار کر توڑ دی۔ وہاں پر موجود بنی ہاشم کی جماعت کو گرفتار کر کے جناب ابوبکر کے سامنے لایا گیا اور ہر ایک سے جبری بیعت لی گئی، جب حضرت علی علیہ السلام کی باری آئی تو حکومت کے ہوا خواہوں نے کہا: ''علیؑ! تم بھی بیعت کر لو!!''۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''تم لوگوں کو میری بیعت کرنی چاہئے۔ میں تم سب لوگوں سے خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ تم نے انصار سے خلافت حاصل کرنے کے لئے قرابت رسولؐ کی دلیل دی اور ہم اہل بیتؑ سے غصب کر لی۔ اب اگر خاندان نبوت ہی استحقاق خلافت کی دلیل ہے تو میں تم سے خاندانی اعتبار سے آنحضرتؐ کے زیادہ قریب ہوں۔ اب تمہارے لئے دو ہی راستے ہیں: ۱۔ یا تو یہ تسلیم کرو کہ تم نے انصار کے سامنے جو دلیل دی تھی وہ غلط تھی۔ ۲۔ یا اگر وہ دلیل صحیح تھی تو میں آنحضرتؐ کا سب سے زیادہ قرابت دار ہوں۔ اسی لئے تم سب کو میری بیعت کرنی چاہئے۔ اب میں تمہارے سامنے وہی دلیل پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار کے سامنے پیش کی تھی۔ میں زندگی و موت دونوں حالتوں میں رسولؐ خدا کا وارث ہوں، میں رسول کریمؐ کا وصی اور وزیر ہوں، میں ان کے رازوں کا امین اور ان کے علم کا حامل ہوں، میں صدیق اکبر ہوں اور میں نے ہی سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق و تائید کی تھی، جہاد کے لئے میری خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں، میں تم سب سے زیادہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے آگاہی رکھتا ہوں، میں تم سے زیادہ قوت فصاحت رکھتا ہوں اور میں تم سب سے زیادہ دلیر و بہادر ہوں، پھر اس تمام تر استحقاق کے باوجود تم میرے حق کو کیوں غصب کرنا چاہتے ہو؟ جس طرح انصار خلافت سے دست بردار ہو گئے، تمہیں بھی اسی طرح سے خلافت سے دست برداری اختیار کر لینی چاہئے۔ ورنہ تم بے انصاف اور ظالم کہلاؤ گے''۔ جناب عمر نے کہا: ''کیا تو اپنے خاندان کی پیروی نہیں کرے گا جب کہ تیرا باقی خاندان بیعت کر چکا ہے؟'' حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''بنی ہاشم کے ان افراد سے ہی پوچھ لو''۔ بیعت کرنے والے بنی ہاشم کے افراد نے چلا کر کہا: ''ہماری بیعت کسی طور بھی علیؑ کے لئے حجت نہیں ہے۔ ہم کسی طور بھی علیؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہمیں ہجرت اور حسن جہاد میں وہ مقام حاصل نہیں جو علیؑ کو حاصل ہے''۔ جناب عمر نے زور دے کر کہا: ''علیؑ تمہیں اس وقت تک یہاں سے رہائی نصیب نہ ہو سکے گی جب تک تم بیعت نہیں کر لو گے۔ تمہیں ہر حال میں بیعت کرنی ہو گی خواہ خوشی سے کرو یا مجبور ہو کر کرو''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''عمر! ناقہ خلافت کے تھنوں سے دودھ دوہ لو کیونکہ اس کے دودھ میں تمہارا ابھی حصہ ہے اور آج

اس کی حکومت کو مضبوط کرلو تا کہ کل وہ یہی حکومت تمہیں لوٹا سکے۔ میں تمہاری کسی بات کو قبول نہیں کرسکتا اور نہ ہی تمہاری بیعت کرسکتا ہوں''۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''ابوالحسن! ہم آپؑ پر نہ تو تشدد کریں گے اور نہ آپؑ کو بیعت پر مجبور کریں گے''۔

ابوعبیدہ نے کھڑے ہوکر حضرت علی علیہ السلام سے کہا: ''فرزند عم! ہم آپؑ کی خدمات اور آپؑ کی اسلامی سبقت، آپؑ کی قرابت اور علم کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپؑ کی عمر ابھی کم ہے_ اس وقت آپؑ کی عمر تینتیس (33) سال تھی_ جب کہ ابوبکر تجربہ کار بزرگ ہیں۔ اگر اللہ نے آپؑ کی زندگی رکھی تو ایک دن آپؑ اس منصب جلیلہ پر ضرور فائز ہوں گے اور اس وقت آپؑ سے اختلاف کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ آپؑ اختلاف سے گریز کریں کیونکہ اس وقت عرب کے سینے اسلام کی مخالفت سے بھڑک رہے ہیں وہ آپؑ کے اختلاف کی وجہ سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''گروہ مہاجرین وانصار! خدارا اپنے نبیؐ کے اس عہد کو مت فراموش کرو جو انہوں نے تم سے میرے متعلق لیا تھا اور محمدؐ مصطفیٰ کی حکومت کو ان کے گھر سے باہر نکال کر اپنے گھروں میں منتقل مت کرو اور حقدار کو اس کے حق سے محروم نہ رکھو۔ لوگو! اللہ نے فیصلہ کیا اور نبی کریمؐ نے خدا کے فیصلہ کا اعلان کر دیا تھا اور خدا اور رسولؐ کے ان تمام فیصلوں سے تم لوگ بخوبی آگاہ ہو اور تم اس حقیقت کو اچھی طرح سے جانتے ہو کہ آنحضرتؐ کا خاندان امر خلافت کا مستحق ہے۔ صحیح معنوں میں کتاب اللہ کا علم، احکام دین کی فہم اور امر رعیت کی اصلاح کی خبر رکھنے والا تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے جب کہ ان صفات کا حامل اہل بیتؑ میں موجود ہے۔ تمہیں چاہئے کہ خواہشات کی پیروی اور حق سے انحراف نہ کرو کہیں اپنی اس نادانی کی وجہ سے اپنے سابقہ خدمات ختم نہ کر بیٹھو''۔

بشیر بن سعد انصاری، جس نے حضرت ابوبکر کی خلافت کی راہ ہموار کی تھی، اس نے کھڑے ہوکر کہا: ''ابوالحسن! اگر انصار آپؑ کے دلائل کو سن لیتے تو وہ آپؑ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت ہرگز نہ کرتے''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تو کیا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ اطہر کو گھر میں اکیلا چھوڑ دیتا اور اقتدار کی رسہ کشی میں شریک ہو جاتا؟ جب کہ اس کے برعکس میں یہ سمجھتا تھا کہ لوگ ہم سے نزاع نہیں کریں گے، ہمارا حق پہنچائیں گے اور ہمارے حقوق پامال نہیں کریں گے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے غدیر خم کے بعد کسی کے لئے دلیل ومقال کی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی تھی۔ غدیر خم کے بعد کسی کے لئے اعتراض کا مقام باقی نہیں رہا''۔ پھر آپؑ نے حاضرین کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا: ''جس نے غدیر خم میں رسولؐ خدا سے (مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاہُ وَ انْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَہُ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا! جو اس سے دوستی رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ اور جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو اس سے انحراف کرے تو بھی اسے چھوڑ دے اور اسے رسوا کر) کے الفاظ سنے ہوں وہ اٹھ کر گواہی دے۔ زید بن ارقم کا بیان ہے کہ یہ سن کر بارہ بدری صحابیوں نے گواہی دی اور میری بدنصیبی کہ میں واقعہ غدیر خم کا گواہ تھا لیکن میں مصلحت کا اسیر بن گیا اور گواہی نہ دی۔ جس کا اللہ کی طرف سے مجھے یہ ثمر ملا کہ میری آنکھیں ختم ہوگئیں۔ اس کے بعد مجلس میں کافی گرم گفتاری ہوئی اور جناب عمر کو اندیشہ لاحق ہوگیا کہ لوگ علیؑ کی طرف کہیں مائل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے انہوں نے اپنی نشست برخاست کر دی اور کہا: ''اللہ دلوں اور نگاہوں کو پھیرنے والا ہے۔ ابوالحسن! تم تو پوری جماعت

کے قول کی تردید کرنے پر تلے ہوئے ہو''۔

موالیانِ حیدرؑ کرار کا احتجاج

مؤلف علاّم نے احتجاج طبرسی سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی تلخیص اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

احتجاج طبرسی میں ہے کہ ابان بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: ''جب جناب ابوبکر منبر رسولؐ پر بیٹھے تو کیا صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار بھی کیا تھا؟''۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''جی ہاں! بارہ افراد نے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا تھا۔ جن میں سے چھے کا تعلق مہاجرین سے تھا اور چھے افراد کا تعلق انصار سے تھا چھے مہاجرین یہ تھے: ۱۔ خالد بن سعید بن العاص، اس کا تعلق بنی امیہ سے تھا ۲۔ سلمان فارسی ۳۔ ابوذر غفاری ۴۔ مقداد بن اسود ۵۔ عمار بن یاسر ۶۔ بریدہ اسلمی اور انصار میں سے چھے افراد یہ تھے: ۱۔ ابوالہیثم بن التیہان ۲۔ سہل بن حنیف ۳۔ عثمان بن حنیف ۴۔ خزیمہ بن ثابت (ذوالشھادتین) ۵۔ ابی بن کعب ۶۔ ابوایوب انصاری

ایک دن منبر رسولؐ پر جناب ابوبکر کو بیٹھا دیکھ کر مذکورہ افراد نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم جناب ابوبکر کو منبر رسولؐ سے اتار دیں۔ یہ مشورہ سن کر ان میں سے چند افراد نے کہا اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً تم مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ جب کہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے ''لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (بقرہ/۱۹۵) اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو''۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے مولا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس جائیں اور اس کے لئے ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ چنانچہ مذکورہ افراد جمع ہو کر امیر المومنین کے پاس آئے اور ان کی خدمت میں عرض کی: ''مولاؑ! آپؑ ہی خلافت و امامت کے اہل ہیں رسولؐ خدا نے آپؑ کے لئے فرمایا تھا (عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍ یَمِیْلُ مَعَ الْحَقِّ کَیْفَ مَالَ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ جدھر حق مڑتا ہے علیؑ بھی ادھر مڑتے ہیں)۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپؑ کے حریف کو منبر رسولؐ سے پکڑ کر اتار دیں۔ اس کے لئے ہم آپؑ سے مشورہ حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں آپؑ کا کیا فرمان ہے؟''

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''تمہارا یہ اقدام جنگ کا موجب بنے گا، جبکہ تمہاری تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور مخالفین تلوار سونت کر جنگ کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ اور مجھے بھی یہ کہیں گے کہ تم بھی بیعت کرو وگرنہ تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ پس ان لوگوں سے جان چھڑانا ضروری ہے۔ (میں نے بطیب خاطر حق خلافت کو نہیں چھوڑا) کیونکہ مجھے رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: ''یا علیؑ! امت تجھ سے دھوکہ کرے گی اور میرے عہد کی پاسداری نہیں کرے گی جبکہ تجھے مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی۔ اور میری امت کی مثال ہارون اور اس کی پیروی کرنے والوں کی اور سامری اور اس کے پیروکاروں کی ہے''۔ اس پر میں نے پوچھا: ''اس وقت میری کیا ذمہ داری ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر تمہیں مددگار میسر آ جائیں تو جنگ کرنا اور اگر تمہیں مددگار نہ ملیں تو خاموشی اختیار کرنا۔ رسولؐ

خدا کی وفات پر میں آپؐ کی تجہیز وتکفین میں مصروف ہوگیا، پھر اس (واقعہ) کے بعد میں نے قسم اٹھالی کہ میں تب تک چادر کندھے پر نہیں رکھوں گا سوائے نماز کیلئے جب تک قرآن مجید کو جمع نہ کرلوں۔قرآن مجید کو جمع کرنے کے بعد میں نے حضرت فاطمہؑ، اپنے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر اہل بدر اور بیعت رضوان کرنے والوں کے پاس لے گیا اور انہیں خدا کا واسطہ دے کر اپنے حق کی بابت پوچھا اور انہیں اپنی مدد کی دعوت دی تو سوائے چار افراد ''سلمان، عمار، مقداد اور ابوذر'' کے کسی نے مثبت جواب نہیں دیا۔ان حالات کو جب میں نے اپنی اہل بیت کے دوسرے رشتہ داروں کے سامنے رکھا تو انہوں تو وہ خاموش ہوگئے، کیونکہ وہ ان لوگوں کی حالت سے واقف تھے۔تم لوگ اس (جناب ابوبکر) کے پاس جا کر رسول کریمؐ سے سنی ہوئی احادیث بیان کروتا کہ اتمام حجت ہوجائے۔(تم لوگ اسے منبر سے مت اتارو کیونکہ تمہاری تعداد انتہائی کم ہے۔البتہ مسجد میں جا کر ان کے سامنے احتجاج ضرور کرو، جن حقائق کو وہ فراموش کئے ہوئے ہیں جا کر انہیں یاد دلاؤ اور انہیں آنحضرتؐ کے فرامین کی یاددہانی کراؤ تا کہ ان پر اتمام حجت ہوسکے)۔

چنانچہ جمعہ کے روز وہ حضرات مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر کے سامنے جا کر بیٹھ گے۔اور جیسے ہی جناب ابوبکر منبر پر بیٹھے تو مہاجرین نے انصار سے کہا: ''اٹھو اور گفتگو کرو''۔انصار نے مہاجرین سے کہا: ''اللہ نے مہاجرین کو قرآن مجید میں انصار پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ فرمایا ہے ''لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ بِالنَّبِيِّ عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ.....وغیرہ''۔لہذا تم اٹھو اور گفتگو کا آغاز کرو۔

۱۔خالد بن سعید بن العاص کی تقریر

خالد بن سعید بن العاص سب سے پہلے کھڑے ہوئے اور جناب ابوبکر کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ابوبکر! تمہیں وہ دن بخوبی یاد ہوگا جب بنی قریظہ کے دن اللہ نے اپنے حبیبؐ کو فتح عطا کی تھی اور اس وقت علیؑ نے بہت سے یہودیوں کے سرغنہ افراد کو قتل کیا تھا تو ہم اس وقت رسولؐ خدا کے اردگرد گھیرا بنائے کھڑے تھے۔تو اس وقت حبیبؐ خدا نے فرمایا تھا: ''اے گروہ مہاجرین وانصار! میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں۔تم میری اس وصیت کو یاد رکھنا اور وہ وصیت یہ ہے کہ میرے بعد علیؑ بن ابی طالب تمہارا امیر ہے اور وہ تم میں میرا خلیفہ ہے۔اس کے لئے میرے رب نے مجھے یہ وصیت کی ہے۔اور میں بھی تمہیں اس کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔تم اس کی مدد کرنا اور اس کی پشت پناہی کرتے رہنا اور اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل نہ کیا تو احکام دین میں تم اختلاف کر بیٹھو گے، تمہارا دین متزلزل ہوجائے گا اور تمہارے بدترین افراد تم پر مسلط ہوجائیں گے۔یاد رکھنا! میرے اہل بیتؑ ہی میرے امر کے وارث ہیں اور میرے بعد میری امت کے امور کے چلانے والے ہیں۔خدایا! میری امت میں سے جو بھی ان کی اطاعت کرے اور میری اس وصیت پر عمل کرے، اسے ہمارے زمرے میں محشور فرما، آخرت میں انہیں میری رفاقت عطا فرما اور میری رفاقت کی وجہ سے انہیں نور آخرت عطا فرما۔خدایا! جو میرے اہل بیت کو میری خلافت سے جدا کرے تو اسے اپنی وسیع وعریض جنت سے محروم رکھ'' خالد کی تقریر سن کر جناب عمر نے کہا: ''خالد! تو خاموش ہوجا تو اہل مشورہ میں سے نہیں ہے اور نہ ہی تیری رائے قابل اتباع ہے''۔خالد نے کہا: ''تو بھی خاموش رہ۔تمام قریش کو علم ہے کہ حسب ونسب کے لحاظ سے تیرا قریش میں کوئی مقام نہیں ہے۔جنگوں میں تو نے ہمیشہ بزدلی کا مظاہرہ کیا اور دولت خرچ کرنے میں بھی تو کنجوس واقع ہوا ہے'' یہ کہہ کر

خالد بیٹھ گئے۔

۲۔سلمانؓ فارسی کی تقریر

پھر حضرت سلمانؓ فارسی کھڑے ہوئے اور انہوں نے تقریر کا آغاز فارسی زبان کے ان الفاظ میں کیا (کردید ونکردید) یعنی تم نے کیا بھی اور نہیں بھی کیا پھر انہوں نے عربی میں جناب ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''ابوبکر! تم نے جو یہ عظیم منصب سنبھالا ہے تو کیا تو نے اس کے عواقب وانجام پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ اگر تمہیں کوئی ایسا امر درپیش آجائے جس کی تمہیں سمجھ نہ ہو تو اس حالت میں تم کیا کرو گے؟ اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کا جواب تمہیں معلوم نہ ہو تو اس وقت تم کیا کرو گے اور کیا جواب دو گے؟ تم خدا کو اس بات کا کیا جواب دو گے، تم نے اس پر سبقت حاصل کی ہے جو علم میں تم سے کہیں زیادہ ہے، جو قرابت رسول کا شرف تم سے زیادہ رکھتا ہے اور جو کتاب خدا کی تاویل اور سنت نبوی سے تمہاری نسبت کہیں زیادہ واقف ہے اور یہ معاملہ اتنا سادہ ہرگز نہیں ہے۔ رسولؐ خدا نے اپنی زندگی میں انہیں تم پر کئی بار مقدم کیا تھا اور اپنی وفات کے وقت اسے اپنا وصی نامزد کر کے گئے تھے۔

لیکن تم نے اپنے علم سے آنحضرتؐ کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا، تم نے جان بوجھ کر آنحضرتؐ کی وصیت کو فراموش کر دیا، تم نے وعدہ خلافی کی، عہد شکنی کا ارتکاب کیا، تم نے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا جو رسولؐ خدا تم سے کر کے گئے تھے اور تمہیں لشکر اسامہ میں ایک ماتحت سپاہی کی حیثیت سے جانا تھا لیکن تم ماتحت سپاہی کی بجائے حاکم مطلق بن بیٹھے۔ تم نے ان تمام امور میں آنحضرتؐ کے فرامین کی مخالفت کی ہے۔ تمہیں اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوگا جب تم اپنے اعمال کا بوجھ لے کر احکم الحاکمین کی عدالت میں پیش ہو گے۔ قبر میں داخل ہوتے ہی تمہیں اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ تمہارے لئے میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ تم اب بھی حق کو تسلیم کر لو، حقدار کو اس کا حق واپس کر دو، اپنی غلطی کی تلافی کر لو اور اپنی غلطی کے ازالہ کے لئے رب العالمین کی بارگاہ میں دل کی گہرائیوں سے توبہ کر لو یقین رکھو یہ توبہ وانابت تمہیں قبر میں فائدہ پہنچائے گی۔ رسولؐ خدا سے تم بھی ویسے ہی سنا جیسا کہ ہم نے سنا تھا اور تم نے بھی وہی کچھ دیکھا ہوا ہے جو ہم مشاہدہ کر چکے ہیں، مگر مجھے یہ دیکھ کر شدید دکھ ہو رہا ہے کہ تم نے دیکھنے اور سننے کے باوجود بھی اتنا بڑا اقدام اٹھایا تمہارے پاس روز قیامت اس اقدام کا جواب تک نہیں ہوگا اور یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا کہ تمہارے اقتدار سے اسلام ومسلمین کی کوئی خدمت نہیں ہو سکے گی۔ تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنی غلطی سے باز آجاؤ۔ میں نے تمہارے سامنے حجت تمام کر دی ہے لہٰذا تم اس نصیحت کو فراموش کرنے والے متکبر مت بنو''۔

۳۔ابوذر غفاریؓ کی تقریر

پھر حضرت ابوذر غفاریؓ اٹھے اور فرمایا: ''گروہ قریش! تم نے سخت غلطی کی۔ تم نے اس شخصیت کو نظر انداز کر دیا جو مقام قرب و رضا میں سب سے پیش پیش ہے۔ خدا کی قسم! تمہارے اس اقدام سے عرب کی ایک جماعت مرتد ہوگی اور اس دین کی حقانیت میں شک کا اظہار کرے گی۔ اگر تم نے خلافت کا عہدہ آنحضرتؐ کے اہل بیتؑ کو دیا ہوتا تو تمہارے خلاف عرب میں کبھی کوئی تلوار بلند نہ ہوتی۔ یاد رکھو! تمہارے اس اقدام کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ جس کے پاس بھی قوت ہوگی وہ خلافت پہ قبضہ جمالے گا اور نااہل افراد بھی خلافت کے حصول کی

خواہش کریں گے اور خلافت کے لئے مستقبل میں شدید خون ریزی ہوگی''۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''آخر وہی کچھ ہوا جس کا خدشہ ابوذر غفاریؓ نے ظاہر کیا تھا''۔ ابوذر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: ''تم سب جانتے ہو اور تمام اہل علم اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: ''میرے بعد خلافت کا مالک علیؑ ہوگا پھر حسنؑ اور حسینؑ ہوں گے۔ پھر میری ذریت کے طاہر افراد ہوں گے۔ تم نے اپنے نبیؐ کے فرمان کو ٹھکرا دیا اور تم نے فرمان نبیؐ کو دانستہ فراموش کر دیا۔ تم نے فانی دنیا کے مفادات کو مقدم رکھا اور اس آخرت کو موخر کر دیا جس کا شباب ختم نہیں ہوگا اور جس کی نعمتیں زائل نہ ہوں گی۔ جس دن صالحین پر کوئی حزن وملال نہ ہوگا جس کے بعد فنا وموت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ہائے افسوس! تم نے اپنی آخرت کو معمولی سے دنیاوی فائدہ کی خاطر بیچ ڈالا۔ (صرف تم نے ہی ایسا نہیں کیا بلکہ) تم سے پہلی امتوں نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ انبیاء کے بعد سابقہ امتیں بھی دین سے منحرف ہوئی تھیں اور دین میں اختلاف پیدا کئے تھے۔ تم نے بھی ان کے عمل کی مکمل پیروی کی ہے۔ اور عنقریب اس عمل کا وبال تم دیکھ لو گے اور تمہیں اپنے کئے کا بدلہ عنقریب ملنے والا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

۴۔ مقداد بن اسود کی تقریر

پھر حضرت مقدادؓ بن اسود کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''ابوبکر! اپنی غلطی سے رجوع کر لو، خداوند عالم کی بارگاہ میں توبہ کر لو، اقتدار سے علیحدہ ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ، اپنی غلطی کے لئے رو رو کر خدا سے معافی کی درخواست کرو اور صاحب امر (علیؑ) کی خلافت کو تسلیم کرو جو تجھ سے زیادہ خلافت کے اہل ہیں، تم کسی طور پر بھی استحقاق خلافت وحکومت نہیں رکھتے۔ اس کے لئے میں دو دلیلیں دینا چاہتا ہوں:۔

۱۔ آنحضرتؐ نے غزوہ ذات السلاسل میں عمرو بن العاص کو تمہارا امیر مقرر کیا تھا۔ جب کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ عمرو بن العاص وہ شخص ہے جس کے متعلق اللہ نے سورہ کوثر میں (اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ) یقیناً تیرا دشمن بے نام ونشان رہے گا کی آیت نازل فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اسے تمہارا امیر مقرر کیا تھا اور تمہیں اس لشکر میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا۔

۲۔ آنحضرتؐ نے اپنی مرض الموت میں تمہیں اسامہ کے لشکر میں جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اسامہ کو تمہارا امیر مقرر کیا گیا جو کہ کم عمر جوان ہے اور تمہیں اس کی ماتحتی میں دے کر آنحضرتؐ نے تمہیں تمہارا اصل مقام دکھایا ہے اور آنحضرتؐ نے اپنے طرز عمل سے تمہیں بتایا ہے کہ تم لشکر اسلام کے معمولی سپاہی تو بن سکتے ہو لیکن مسلمانوں کے حاکم نہیں بن سکتے۔ تم خدا سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرو۔ یہ چیز دنیا و آخرت میں تمہارے لیے بہتر ثابت ہوگی۔ دنیا کی طرف نگاہ طمع سے مت دیکھو۔ افراد قریش کے بچھائے ہوئے جال میں کبھی نہ پھنسنا۔ زندگی چند روزہ ہے پھر تمہیں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اس وقت یہ دنیا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی۔ رب العالمین تمہیں تمہارے اعمال کا مکمل بدلہ دے گا۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ رسولؐ خدا کے بعد خلافت کا حق دار علیؑ بن ابی طالب ہے، اللہ نے علیؑ کو جو عہدہ تفویض کیا ہے، تم وہ عہدہ علیؑ کے حوالے کر دو اسی میں تمہاری نجات اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اگر آپ میری نصیحت قبول کر لیں تو اس میں آپ کی بھلائی ہے۔ میں آپ کو صرف نصیحت ہی کر سکتا ہوں تمام معاملات کی بازگشت اللہ کی طرف ہے''۔

۵۔ بریدہ اسلمیؓ کی تقریر

پھر حضرت بریدہ اسلمیؓ کھڑے ہوئے اور کہا: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (کلمہ تاسف ہے جو مصیبت کے وقت کہا جاتا ہے) آج باطل حق کو کتنی تکلیفیں دے رہا ہے۔ ابوبکر! کیا واقعاً تم بھول گئے یا جان بوجھ کر تم بھلانے کی کوشش کر رہے ہو؟ اور کیا تمہیں مغالطہ ہوا ہے یا تم اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہو؟ کیا تمہیں وہ موقع دیا نہیں رہا جب آنحضرتؐ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا تھا: ''علیؑ امیر المومنین اور قاتل القاسطین ہے''۔ خدا کا خوف کرو، حقدار کو حق واپس کر دو اور اس کے حق کو غصب کرنے کی کوشش مت کرو۔ اس وقت آپ حق واپس کرنے کی پوری قوت رکھتے ہیں لہٰذا موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حق واپس کر دیں اسی میں آپ کی سلامتی اور نجات ہے۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے تمہیں نصیحت کر دی ہے تم میری نصیحت قبول کرو اور مجرمین کے دست و باز و مت بنو''۔

۶۔ عمارؓ بن یاسر کی تقریر

پھر حضرت عمارؓ بن یاسر کھڑے ہوئے اور کہا: ''گروہ قریش و جماعت مسلمین!! اگر تمہیں علم ہے تو بہتر اور اگر نہیں جانتے تو جان لو تمہارے نبیؐ کے اہل بیت آنحضرتؐ کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں، امور دین کے قائم کرنے کی تم سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں، مومنین کے لیے قابل اعتماد ہیں، ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے محافظ ہیں اور امت مسلمہ کے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ لہذا تم لوگ اپنے ساتھی کو حکم دو کہ وہ حقدار کو ان کا حق واپس کر دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری یکجہتی ختم ہو جائے، تمہارے امور میں کمزوری واقع ہو جائے، تمہارے درمیان دشمنی کی آگ بھڑک اٹھے، فتنہ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے، تم آپس میں اختلاف کا شکار ہو جاؤ اور تمہارا دشمن تم پر اپنے دندانِ آز تیز کرنے لگے۔ تم سب جانتے ہو کہ بنی ہاشم اس عہدہ کے حقدار ہیں۔ اور علیؑ کو اللہ کے حکم سے رسولؐ خدا نے تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ تمہارا علیؑ سے کسی طرح کا موازنہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ:

(۱) آنحضرتؐ نے تمہارے دروازے بند کرا دیئے تھے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔

(۲) آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی کے عقد سے علیؑ کو مشرف کیا تھا جبکہ تم میں سے بہت سے افراد نے ان کی خواستگاری کی تھی

(۳) آنحضرتؐ نے ان کے متعلق فرمایا: ''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْحِکْمَۃِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا وَ مَنْ اَرَادَ الْحِکْمَۃَ فَلْیَاْتِھَا مِنْ بَابِھَا'' میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے حکمت کی ضرورت ہو وہ اس کے دروازے سے آئے۔

(۴) تم امور دین کے لیے علیؑ کی رہنمائی کے محتاج ہو جبکہ علیؑ کو تمہاری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) اللہ نے علیؑ کو بہت سے فضائل و خصائص عطا فرمائے ہیں جن سے تم محروم ہو اس کے باوجود تم علیؑ سے کیوں انحراف کر رہے ہو؟ اور ان کے حق کو غصب کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو؟ آخرت پر دنیا کیوں ترجیح دے رہے ہو؟ ظالموں کے لئے بدترین بدلہ ہے۔ اللہ نے اسے جو منصب عطا کیا ہے وہ منصب اس کے حوالے کر دو اور حقائق کو پس پشت نہ ڈالو ورنہ خسارہ اٹھاؤ گے''۔

۷۔ابیؓ بن کعب کی تقریر

پھر حضرت ابیؓ بن کعب کھڑے ہوئے اور کہا: ''ابوبکر! اس حق کا انکار نہ کرو جو اللہ نے کسی اور کو عطا فرمایا ہے۔ اور آنحضرتؐ کی ان کے وصی وصفی کی بابت سب سے پہلے نافرمانی کرنے سے گریز کرو۔ حق کو اس کے اہل کی طرف لوٹا دو کہ اس میں تمہاری سلامتی ہے۔ اللہ نے تمہیں جو عہدہ عطا نہیں کیا اس کی خواہ مخواہ خواہش نہ کرو ورنہ اپنے عمل کے وبال میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہ چند روزہ حکومت چھوڑ کر عنقریب اپنے خدا کے سامنے تمہیں حاضر ہونا ہے اور اللہ تم سے تمہارے اس عمل کا یقیناً سوال کرے گا۔ تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''۔

۸۔خزیمہؓ بن ثابت کی تقریر

پھر حضرت خزیمہؓ بن ثابت ذوالشھادتین نے کھڑے ہو کر کہا: ''لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرتؐ نے مجھ اکیلے کی گواہی کو قبول کیا تھا اور میری ہی گواہی کو دو گواہیوں کے مساوی قرار دیا تھا؟''۔ حاضرین نے کہا: ''جی ہاں تمہاری بات درست ہے۔ تمہاری اکیلی گواہی دو گواہیوں کے مساوی ہے''۔ حضرت خزیمہ نے کہا: ''پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا تھا (اَھْلُ بَیْتِیْ یُفْرِقُوْنَ بَیْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ وَ ھُمُ الاَئِمَّۃُ الَّذِیْنَ یُقْتَدیٰ بِھِمْ) میرے اہل بیت حق و باطل میں تفریق کرنے والے ہیں اور وہ اقتدا کے لائق امام ہیں''۔ میں جو کچھ جانتا تھا تمہیں سنا دیا۔ قاصد کی ذمہ داری پیغام پہنچانے تک ہی محدود ہوتی ہے''۔

۹۔ابوالہیثم بن التیھان کی تقریر

پھر حضرت ابوالہیثمؓ نے کھڑے ہو کر کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی اکرمؐ نے غدیر خم کے دن علیؑ کے مولا ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اس اعلان کے بعد ہم انصار میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ اس اعلان کا مقصد خلافت و ولایت ہے یا یہ بتانا مقصود ہے کہ میں جس کا دوست ہوں علیؑ بھی اس کا دوست ہے، مفہوم حدیث کے لئے اس اختلاف نے اچھا خاصا طول کھینچا تو ہم نے چند افراد کو آنحضرتؐ کی خدمت میں مذکورہ حدیث کی وضاحت کے لئے بھیجا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''علیؑ میرے بعد مومنین کا ولی ہے اور تمام انسانوں میں سے میری امت کا زیادہ خیر خواہ ہے''۔ میں جو کچھ جانتا تھا، تمہیں بتا دیا، جو چاہے اس پر ایمان لائے اور جو چاہے انکار کر دے قیامت کے دن یقیناً اس کا فیصلہ ہوگا۔

۱۰۔سہلؓ بن حُنَیف کی تقریر

پھر حضرت سہلؓ بن حنیف نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کی اور نبی کریمؐ اور آپؐ کی آل پر درود بھیج کر کہا: ''گروہ قریش! گواہ رہو کہ میری گواہی یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے اسی مقام پر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''لوگو! میرے بعد علیؑ تمہارا امام ہے، میری زندگی میں اور وفات کے بعد میرا وصی ہے، میرے قرض ادا کرنے والا یہی ہے، میرے وعدوں کو پورا کرنے والا یہی ہے اور حوض کوثر پر سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرنے والا یہی ہے۔ جو اس کی پیروی کرے اور اس کی مدد کرے اس کیلئے خوش خبری ہے اور جو اس سے روگردانی کرے اور اسے بے یار و مددگار چھوڑ دے اس کے لئے ہلاکت ہے''۔

۱۱۔عثمان بن حنیف کی تقریر

پھر حضرت عثمانؓ بن حنیف نے کھڑے ہوکر کہا:''ہم نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے سنا ہے:''اَھْلُ بَیْتِیْ نُجُوْمُ الْاَرْضِ فَلَا تَتَقَدَّمُوْھُمْ وَ قَدِّمُوْھُمْ فَھُمُ الْوُلَاۃُ بَعْدِیْ ''میرے اہل بیت زمین کے ستارے ہیں ان سے آگے مت بڑھنا اور انہیں مقدم رکھنا وہی میرے بعد حاکم ہیں''۔جب آنحضرتؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے تو ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا تھا:''یارسولؐ اللہ! آپؐ کے اہل بیت کون ہیں؟'' آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:''علیؑ اور اس کی اولاد کے پاک و پاکیزہ افراد''۔آنحضرتؐ نے تو ان الفاظ سے خلافت وولایت کے لئے قطعی نص ارشاد فرمائی تھی۔لہٰذا اے ابوبکر! تم آنحضرتؐ کے فرمان کے پہلے منکر مت بنو، خدا و رسولؐ سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو جبکہ تمہیں بخوبی معلوم ہے''۔

۱۲۔ابوایوبؓ انصاری کی تقریر

پھر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے کھڑے ہوکر کہا:''بندگان خدا! اہل بیتؑ نبیؐ کی بابت اللہ سے ڈرو اور انہیں ان کا وہ حق واپس کردو جو انہیں اللہ نے عطا کیا ہے۔آنحضرتؐ سے متعدد بار تم سب یہ کلمات سن چکے ہو۔حضورؐ اکرم ہمیشہ علیؑ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے''اَھْلُ بَیْتِیْ اَئِمَّتُکُمْ بَعْدِیْ ''میرے بعد میرے اہل بیت تمہارے امام ہیں،علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے علیؑ کی طرف اشارہ کرکے متعدد بار اشارہ فرمایا:''ھٰذَا اَمِیْرُ الْبَرَرَۃِ وَ قَاتِلُ الْکَفَرَۃِ مَخْذُوْلٌ مَنْ خَذَلَہٗ مَنْصُوْرٌ مَنْ نَصَرَہٗ ''یہ متقین کا امام اور کفار کا قاتل ہے۔جو اسے چھوڑے گا،اسے خدا بے یار و مددگار چھوڑے گا اور جو اس کی مدد کرے گا،خدا اس کی مدد کرے گا۔لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اپنی غلطی کی توبہ کرو۔بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور علیؑ سے روگردانی نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:''جب بارہ افراد گفتگو کرچکے اور جناب ابوبکر سے ان کا جواب نہ بن آیا تو بس یہی کہا کہ:''مجھے تمہارا حاکم بنادیا گیا۔میں تم سے افضل نہیں ہوں۔مجھے حکومت واقتدار سے علیحدہ کردو''۔جناب عمر نے کہا:''واقعی تو اس مقام کے لائق ہی نہیں ہے کیونکہ تو تو مہاجرین وانصار کے چند افراد کا جواب تک دینے کا اہل بھی نہیں ہے۔اگر تیری یہی حالت رہی تو میں چاہتا ہوں کہ تجھے معزول کرکے سالم مولیٰ ابوحذیفہ کو اقتدار پر فائز کردوں''۔پھر جناب ابوبکر منبر سے اتر کر اپنے گھر چلے گئے اور مسلسل تین دن تک مسجد نبویؐ میں نہیں آئے۔

جب چوتھا دن ہوا تو خالد بن ولید ایک ہزار کا لشکر لے کر ان کے دروازے پر گیا اور سالم مولی ابوحذیفہ اور معاذ بن جبل بھی اپنے ساتھ ایک ایک ہزار افراد لے کر وہاں جمع ہوئے جبکہ مجموعی طور پر چار ہزار افراد اکٹھے ہوگئے۔ان تمام افراد نے اپنی تلواروں کو نیام سے نکال لیا اور جناب عمر بن خطاب کی قیادت میں مذکورہ افراد مسجد میں آئے اور جناب عمر نے آتے ہی اعلان کیا:''خبردار! علیؑ کے بہی خواہوں میں سے پھر کسی نے جسارت کی تو ہم اس کی گردن جدا کردیں گے''۔جناب عمر کی دھمکی سن کر خالد بن سعید بن العاص نے کہا:''ایک حبشی عورت کے فرزند! تم اپنی تلواریں دکھا کر ہمیں مرعوب کرنا چاہتے ہو تو سن لو(ہم تمہاری ان تلواروں سے مرعوب ہونے والے ہرگز

نہیں ہیں بلکہ) ہماری تلواریں تمہاری تلواروں سے زیادہ تیز دھار ہیں اور ہم اپنی قلت کے باوجود بھی تمہاری اس کثرت پر بھاری ہیں۔ اگر میرے امام نے مجھے تلوار اٹھانے سے نہ روکا ہوتا تو میں تمہیں اپنی تلوار کے وہ جوہر دکھاتا جسے تمہاری نسلیں یاد رکھتیں''۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''خالد! اب بیٹھ جاؤ۔ اللہ تمہاری مساعی قبول فرمائے''۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''اللہ اکبر، اللہ اکبر میں نے رسولؐ خدا سے سنا تھا اگر میں جھوٹ بولوں تو میرے کان بہرے ہو جائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: ''ایک دن میرا بھائی اور میرا ابن عم اپنے چند اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوگا کہ اہل نار کی ایک جماعت اس کے اور اس کے اصحاب کے قتل کے ارادہ سے مسجد میں داخل ہوگی''۔ اور آنحضرتؐ کی مذکورہ پیش گوئی آج حرف بحرف پوری ہوگئی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی مذکورہ پیش گوئی تمہارے متعلق تھی''۔ جناب عمر لڑنے کی غرض سے آگے بڑھے تو حضرت علیؑ نے انہیں پکڑ کر فرش مسجد پہ پچھاڑ دیا اور فرمایا: ''فرزند ضحاک! اگر اللہ کا فیصلہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو آج میں تجھے دکھاتا کہ ہم میں سے کم مددگار رکھنے والا کون ہے اور کس کے پاس افراد کی قلت ہے''۔ پھر آپؑ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ خدا تم پر رحم فرمائے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ میں بھی آج موسیٰ و ہارون کی طرح بے یار و مددگار ہوں.....اور میں آئندہ مسجد میں یا قبر رسولؐ کی زیارت کے لئے آؤں گا یا کبھی حق و باطل کے فیصلے کے لئے آؤں گا۔ کیونکہ لوگوں کو حیرت و پریشانی سے نجات دلانا میرا فرض ہے''۔

آگ دروازہ بتولؑ پر

احتجاج طبرسی میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جناب عمر نے اپنی کمر کو مضبوطی سے کسا اور مدینہ کی گلیوں میں آواز دینے لگے: ''لوگو! آؤ ابوبکر کی بیعت کرو''۔ انہیں جس گروہ کا پتہ چلتا کہ اس نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے، اس کے پاس جاتے اور انہیں بیعت کرنے کا حکم دیتے۔ اور ان سے زبردستی بیعت لیتے۔ چند دن گذرنے کے بعد اپنے ساتھ ایک جمعیت لے کر حضرت علیؑ کے دروازے پر آئے اور آتے ہی آواز دے کر کہا کہ: ''علیؑ! باہر نکل آؤ اور بیعت کرو''۔ حضرت علیؑ نے آنے سے انکار کیا تو جناب عمر نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ اور لکڑیاں لاؤ میں اس گھر کو اس کے مکینوں سمیت جلا دینا چاہتا ہوں۔ کسی نے کہا: ''خدا کا خوف کرو! اس گھر میں رسولؐ خدا کی بیٹی اور ان کی اولاد بھی رہتی ہے''۔ جب جناب عمر نے اپنے ساتھیوں کے چہرے متغیر دیکھے تو کہا: ''میں درحقیقت ان لوگوں کو ڈرانا دھمکانا چاہتا تھا، انہیں جلانا نہیں چاہتا تھا''۔ حضرت علیؑ نے انہیں کہلا بھیجا کہ میں اس وقت کسی قیمت پر باہر نہیں آ سکتا۔ کیونکہ میں اس وقت قرآن مجید کی جمع و تدوین میں مصروف ہوں۔ جبکہ تم دنیا کے فریب میں آ چکے ہو اور میں قسم اٹھا چکا ہوں جب تک قرآن مجید کو مکمل طور پر جمع نہیں کروں گا، اس وقت تک اپنے کندھے پر چادر نہیں ڈالوں گا اور نہ ہی اپنے گھر سے باہر نکلوں گا''۔ حضرت سیدہؑ نے شور سنا تو دروازے کے پاس آئیں اور فرمایا: ''میں نے تم سے زیادہ بری قوم آج تک نہیں دیکھی جنہوں نے رسولؐ خدا کو بے گور و کفن چھوڑ کر حکومتوں کے فیصلے شروع کر دیئے اور ہم سے کسی طرح کا مشورہ لینا گوارا نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے غدیر خم کا خطبہ فراموش کر دیا ہے۔ اللہ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا''۔

منبر پہ پہلے پہل بیعت کرنے والا

غایت المرام میں بحوالہ کتاب سلیم بن قیس الہلالی منقول ہے۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمانؓ سے سنا: ''جب آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات ہوئی تو جناب ابوبکر، جناب عمر، ابوعبیدہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ گئے اور انصار سے کہا کہ تم قریش سے خلافت کے لئے کوئی تنازعہ نہ کرو کیونکہ قریش تمہاری بہ نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا تعلق قریش سے تھا اور مہاجرین، انصار سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مہاجرین کا ذکر پہلے کیا اور انصار کا تذکرہ بعد میں کیا۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ کا فرمان ہے (اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ) امام قریش میں سے ہوں گے۔ سلمان کہتے ہیں میں حضورؐ اکرم کے بیت الشرف آیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ جسد رسولؐ کو غسل دے رہے تھے اور آنحضرتؐ نے علیؑ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ انہیں غسل دیں۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے پوچھا تھا کہ اس کام میں میری مدد کون کرے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرائیل تمہاری مدد کریں گے۔ حسب وصیت حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کو غسل دیا۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ: ''میں آنحضرتؐ کے جس عضو مبارک کو غسل دینا چاہتا تھا تو حضرتؐ کا پہلو خود بخود بدل جاتا تھا اور میں غسل دیتا رہا''۔

جب غسل و کفن کی تکمیل ہوگئی تو حضرت علیؑ نے مجھے، ابوذر، مقداد اور حضرت فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو بلایا۔ علیؑ آگے بڑھے۔ ہم نے ان کے پیچھے صف بنائی اور آنحضرتؐ کی نماز جنازہ ادا کی۔ جناب عائشہ اپنے حجرہ میں تھیں اور انہیں علم نہ تھا اس کے بعد دس دس مہاجرین و انصار کے افراد حجرہ رسولؐ میں آتے اور حضورؐ اکرم پر درود و سلام پڑھتے اور چلے جاتے۔ اس ترتیب سے تمام مہاجرین و انصار نے حضورؐ اکرم کی نماز جنازہ ادا کی''۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ: ''ابھی حضرت علیؑ رسالت مآب ﷺ کو غسل دے رہے تھے کہ میں نے جا کر انہیں بتایا کہ ابوبکر منبر رسول پر بیٹھ چکے ہیں اور لوگ دونوں ہاتھوں سے ان کی بیعت کر رہے ہیں''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جانتے ہو کہ منبر پر سب سے پہلے ان کی بیعت کس نے کی ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''مولاؑ! مجھے زیادہ علم نہیں ہے البتہ اتنا جانتا ہوں کہ سقیفہ میں ان کی بیعت سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے پھر بشیر بن سعد نے پھر ابوعبیدہ بن جراح نے پھر عمر بن خطاب نے پھر سالم مولی ابوحذیفہ نے پھر معاذ بن جبل نے کی تھی۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: ''میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا۔ میں نے تم سے یہ پوچھا ہے کہ منبر پر اس کی بیعت سب سے پہلے کس نے کی ہے؟'' سلمان کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''مولاؑ! جب وہ منبر پر بیٹھے تو میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جس کی پیشانی پہ سجدوں کے داغ تھے اور اس نے اپنی تہمد کے کنارے کافی اوپر اٹھائے ہوئے وہ روتا ہوا منبر کے قریب آیا اور کہا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک میں نے تجھے اس جگہ دیکھ نہیں لیا۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں بیعت کروں''۔ اس نے اپنا ہاتھ دراز کیا تو اس شخص نے ان کی بیعت کی اور بیعت کر کے مسجد سے چلا گیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''جانتے ہو وہ کون تھا؟'' سلمان نے کہا: میں نے عرض کی: ''نہیں میں اسے نہیں جانتا البتہ مجھے اس کی گفتگو سن کر غصہ آیا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ شاید آنحضرتؐ کی وفات پر خوش نظر آتا تھا''۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''وہ ابلیس لعین تھا۔ جب آنحضرتؐ نے غدیر خم میں میری ولایت و امارت کا اعلان کیا تھا تو ابلیس کے

چیلوں نے اسے کہا تھا کہ اب اس امت پر ہمارا جادو اثر نہیں کرے گا کیونکہ رسولؐ خدا نے دین کو مضبوط ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ اس دن ابلیس بڑا پریشان ہوا اور اس نے اپنے چیلوں سے کہا تھا کہ ہم پوری کوشش کریں گے کہ کسی طرح سے علیؑ کو اقتدار سے محرم رکھا جائے۔ آنحضرتؐ نے مجھے خبر دی تھی کہ میری وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں اس طرح کا اجتماع منعقد ہوگا اور اس اجتماع کے نتیجہ میں فلاں شخص برسر اقتدار آجائے گا اور جیسے ہی وہ میرے منبر پر آکر بیٹھے گا تو سب سے پہلے ابلیس آکر اس کی بیعت کرے گا اور بیعت سے قبل وہ یہ جملے کہے گا۔ اب جبکہ ابلیس بیعت کر کے چلا گیا تو اس نے اپنے تمام چیلوں کو جمع کر کے بڑے ناز سے کہا کہ تم نے میرا جادو دیکھا میں نے کس طرح سے امت کو اس کے حقیقی وارث سے محروم کر دیا ہے.....''

علیؑ اتمام حجت کرتے ہیں

سلمانؓ کہتے ہیں کہ جب رات ہوئی تو حضرت علیؑ نے اپنی زوجہ حضرت فاطمہؑ کو موروی پر سوار کیا اور حسنؑ و حسینؑ کا بازو پکڑا، تمام با اثر مہاجرین وانصار کے گھروں میں تشریف لے گئے، انہیں اپنا حق یاد دلایا اور انہیں اپنی نصرت کی دعوت دی۔ چوالیس افراد نے ان سے نصرت کا وعدہ کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ کل تم سر منڈوا کر میرے دروازے پر پہنچ جانا اور اپنے آپ کو ہتھیاروں سے لیس کر کے آنا۔ جیسے ہی صبح ہوئی تو ہم چار افراد کے علاوہ ان کے دورازے پر کوئی نہ آیا۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ سے پوچھا: ''وہ چار افراد کون تھے؟'' انہوں نے بتایا: ''ایک میں تھا اور میرے ساتھ ابوذر، مقداد اور زبیر بن عوام تھے۔ حضرتؑ پھر دوسری رات ان کے پاس گئے اور انہیں ان کا وعدہ نصرت یاد دلایا ان افراد نے صبح آنے کا وعدہ کیا۔ لیکن دوسری صبح بھی ہم چار افراد کے علاوہ ان کے در دولت پر کسی نے حاضری نہ دی۔ حضرتؑ نے جب لوگوں کی بے وفائی ملاحظہ کی تو آپؑ گوشہ نشین ہو گئے اور قرآن مجید کی جمع وتدوین کا کام شروع کر دیا۔ حضرتؑ نے قرآن مجید کو اس کی ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا اور اس میں آپؑ نے ناسخ ومنسوخ کی نشان دہی کی۔

جب آپؑ قرآن مجید کی جمع وتدوین میں مصروف تھے تو جناب ابوبکر نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ آؤ اور میری بیعت کرو۔ حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: ''میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک قرآن مجید کو جمع نہ کرلوں اس وقت تک ردا اوڑھ کر باہر نہیں آؤں گا''۔ جب آپؑ جمع قرآن مجید سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے قرآن مجید کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور مسجد نبوی میں تشریف لے گئے۔ وہاں جناب ابوبکر منبر پہ بیٹھے تھے۔ حضرتؑ نے مسجد میں فرمایا: ''لوگو! آنحضرتؐ کی وفات کے بعد میں نے قرآن مجید کو جمع کرنا شروع کیا اور الحمدللہ اب میں اس عظیم کام سے فارغ ہو چکا ہوں۔ اللہ نے اپنے رسولؐ پر جو قرآن مجید نازل فرمایا تھا، رسولؐ خدا نے مجھے اس کی تعلیم دی تھی اور میں نے پورا قرآن تمہارے لئے جمع کیا ہے۔ تاکہ کل تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں اس کی خبر نہیں۔ اور یاد رکھو! قیامت کے دن تم اللہ کے سامنے یہ بھی نہیں کہہ سکو گے کہ میں نے تمہیں اپنی نصرت کی دعوت نہیں دی تھی اور تمہیں اپنے حق کی یاد دہانی نہیں کرائی تھی۔ میں تم لوگوں کو کتاب اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تمہیں فاتحہ سے اختتام تک پورے قرآن کی دعوت دیتا ہوں''۔ جناب عمر نے کہا: ''ہمیں تمہارے جمع کردہ قرآن کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے''۔ یہ سن کر حضرتؑ اپنے گھر تشریف لے آئے اور خاموشی سے آکر

اپنے گھر بیٹھ گئے۔ جناب عمر نے جناب ابوبکر سے کہا: ''آپ پیغام بھیج کر علیؑ کو بلائیں کیونکہ جب تک وہ آپ کی بیعت نہیں کر لیتے اس وقت تک ہم مطمئن نہیں ہو سکتے اور جب علیؑ بیعت کر لیں گے تو ہمیں بھی اطمینان نصیب ہوگا''۔ جناب ابوبکر نے ان کے پاس قاصد بھیجا۔ جس نے آ کر حضرتؑ سے کہا کہ آپؑ کو رسول خدا کا خلیفہ بلا رہا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تم نے کتنی جلدی سے رسولؐ خدا پر جھوٹ تراش لیا ہے۔ تجھے بھیجنے والا بھی جانتا ہے اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے افراد بھی بخوبی جانتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ نے میرے علاوہ کسی کو خلیفہ نہیں بنایا''۔ قاصد یہاں سے چلا گیا اور حضرتؑ کا فرمان جا کر ارباب حکومت کو سنایا۔ ارباب حکومت نے قاصد سے کہا: ''اب کی بار جا کر علیؑ سے کہو کہ تمہیں امیر المومنین ابوبکر یاد کرتے ہیں۔ قاصد نے آ کر مذکورہ الفاظ حضرتؑ کے گوش گذار کئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! ابھی تو صرف چند ہی دن گذرے ہیں جبکہ وہ بخوبی جانتا ہے یہ اسم (امیر المومنین) صرف میرے لیے خاص ہے اور اس کا رسولؐ خدا نے حکم دیا تھا۔ خود اس نے بھی باقی چھے افراد کے ہمراہ آ کر مجھے امیر المومنین کہہ کر سلام کیا تھا تو کیا اتنا نزدیک کا واقعہ بھی اسے یاد نہیں رہا؟ اور انہوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تھا کہ کیا علیؑ کی ولایت واقعی حق ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: ''بے شک اس کی ولایت برحق ہے وہ امیر المومنین اور سید المسلمین ہے اور قیامت کے روز کامیاب ہونے والے افراد کا پرچم اٹھانے والا ہے۔ اللہ قیامت کے دن اسے صراط پر بٹھائے گا۔ علیؑ اپنے دوستوں کو جنت اور دشمنوں کو دوزخ روانہ کرے گا''۔ قاصد نے حضرتؑ کا پیغام ارباب حکومت کو سنایا۔ رات ہوئی تو حضرت نے اپنی زوجہ اور فرزندوں کو ساتھ لیا اور اصحاب رسولؐ کے گھروں پر گئے اور انہیں اپنی نصرت کی دعوت دی۔ صبح کے وقت ہم چار افراد کے علاوہ کوئی بھی سر منڈا کر اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر نہیں آیا۔ جب حضرتؑ نے لوگوں کے اس رویہ کو دیکھا تو بے حد دلبرداشتہ ہوئے اور خانہ نشین ہو کر بیٹھ گئے۔ جناب عمر نے جناب ابوبکر سے کہا: ''آخر آپ علیؑ کو بلا کر اس سے اپنی بیعت کیوں نہیں لیتے کیونکہ علیؑ اور اس کے چار ساتھیوں کے علاوہ باقی تمام افراد بیعت کر چکے ہیں.....'' جناب ابوبکر نے کہا: ''کس کو علیؑ کے پاس بھیجیں؟'' جناب عمر نے کہا: ''ہم قُنفُذ کو روانہ کریں گے''۔ قُنفُذ ایک اکھڑ مزاج، درشت خو اور سنگدل شخص تھا اس کا تعلق عدی بن کعب کے طلقاء سے تھا۔ چنانچہ قُنفذ کو بلایا گیا اور اس کے ساتھ ایک دستہ روانہ کیا گیا، قنفذ اپنے ساتھیوں کو لے کر حضرت علیؑ کے دروازے پر آیا اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ لیکن اسے اجازت نہ ملی۔ قنفُذ کے ساتھی جناب ابوبکر اور عمر کے پاس آئے اور کہا کہ علیؑ ہمیں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ جناب عمر نے کہا: ''جاؤ! اب کی بار جاؤ اور اجازت طلب کرو اگر اجازت مل جائے تو بہتر ورنہ تم گھر میں بلا اجازت ہی چلے جاؤ''۔

قنفذ اور اس کے ساتھی دوبارہ آئے اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت فاطمہؑ زہرا نے فرمایا: ''میں تمہیں اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی''۔ یہ الفاظ سن کر باقی لوگ واپس چلے گئے لیکن قنفذ بدستور کھڑا رہا۔ لوگوں نے جناب عمر کو جا کر بتایا کہ بنت رسول ﷺ ہمیں داخلہ کی اجازت نہیں دیتیں۔ جناب عمر یہ سن کر غضب ناک ہوئے اور کہا: ''ہمارا عورتوں سے کیا تعلق ہے''۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ لکڑیاں اٹھاؤ۔ لوگوں نے لکڑیاں اٹھائیں اور لکڑیوں کا ایک گٹھا جناب عمر نے اپنے سر پہ اٹھایا اور حضرت علیؑ کے دروازہ پر آئے۔ گھر میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ زہرا، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ موجود تھے۔ پھر جناب عمر نے بلند آواز سے پکار کر کہا: ''علیؑ! باہر آؤ اور خلیفہ رسول کی بیعت کرو ورنہ میں تمہارا گھر جلا کر خاکستر کر دوں گا''۔ حالات کی نزاکت دیکھ کر قنفذ

جناب ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے خوف ہے کہ علیؑ کہیں تلوار لے کر ہم سب پر حملہ نہ کر دے۔

جناب ابوبکر نے کہا: ''تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے جاؤ اور علیؑ کو باہر نکالنے کی کوشش کرو اگر وہ باہر نکلنے پر آمادہ نہ ہو تو اس کے گھر میں داخل ہو جاؤ اور اگر کہیں مزاحمت نظر آئے تو ان کے گھر کو نذر آتش کر دو''۔ شاہی حکم ملتے ہی قنفذ اپنے ساتھیوں سمیت حضرتؑ کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو گیا اور داخل ہوتے ہی حضرتؑ کی تلوار اٹھائی اور حضرتؑ کو گرفتار کر کے گھر سے باہر لایا گیا اور حضرتؑ کے گلے میں رسی ڈال کر کشاں کشاں جناب ابوبکر کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت سیدہؑ نے اپنے خاوند کو چھڑانے کی کوشش کی تو قنفذ نے انہیں تازیانہ مارا جس کی وجہ سے حضرت سیدہؑ کے بازو پر بڑا سا گومڑ پیدا ہو گیا اور حضرت سیدہؑ کی وفات کے وقت تک وہ نشان موجود رہا۔ جب حضرت علیؑ کو دربار میں پیش کیا گیا تو اس وقت خلیفہ کے پاس خالد بن ولید، ابوعبیدہ بن جراح، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، معاذ بن جبل، مغیرہ بن شعبہ، اسید بن حصین اور بشیر بن سعد کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ سلیم کہتے ہیں: ''میں نے سلمانؓ سے پوچھا: ''تو کیا یہ لوگ بنت رسولؐ کے گھر میں بلا اجازت گھس گئے تھے؟'' سلمانؓ نے کہا: ''جی ہاں! خدا کی قسم اس وقت حضرت سیدہؑ کے سر پر اوڑھنی موجود نہ تھی۔ سیدہؑ نے چیخ کر استغاثہ بلند کیا اور کہا: ''بابا جان! اے اللہ کے رسولؐ! ہماری حالت دیکھیں آپؐ کے بعد ابوبکر و عمر نے ہم سے بُرا سلوک روا رکھا ہے۔ بابا جان! ابھی تک آپ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا''۔

جب حضرت سیدہؑ نے رو رو کر اپنے بابا کو صدائیں دیں تو میں نے دیکھا کہ ابوبکر اور اس کے ساتھ چند افراد رونے لگے۔ سیدہؑ کے آہ و بکا نے جناب عمر، خالد بن ولید اور مغیرہ بن شعبہ کے علاوہ ہر شخص کو آبدیدہ کر دیا۔ جناب عمر نے سیدہؑ کے بین سن کر کہا: ''ہم عورتوں کے رونے اور ان کے رائے سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں''۔ اس ہنگامہ میں حضرت سیدہؑ کو صرف تازیانہ ہی نہیں لگا بلکہ دروازہ گرایا گیا تو حضرت سیدہؑ دراور دیوار کے درمیان میں آ گئیں۔ ٹوٹا ہوا دروازہ حضرت سیدہؑ کے پہلو پہ لگا جس کی وجہ سے حضرت سیدہؑ کی ایک پسلی ٹوٹ گئی اور حضرت سیدہؑ اس وقت حاملہ تھیں، دروازہ لگنے کی وجہ سے ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت سیدہؑ صاحب فراش ہو گئیں اور انہی ضربات کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئیں۔ حضرت علیؑ رسن بستہ دربار میں پیش ہوئے، جناب عمر نے جھڑک کر کہا بیعت کرو۔ حضرت علیؑ نے کہا: ''اگر میں بیعت نہ کروں تو تم کیا کرو گے؟'' جواب میں کہا گیا ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ حضرت علیؑ نے کہا: ''اس صورت میں تم ایک خدا کے بندے اور رسولؐ خدا کے بھائی کے قاتل قرار پاؤ گے''۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''خدا کے بندے والی بات تو درست ہے لیکن ہم تجھے رسولؐ خدا کا بھائی تسلیم نہیں کرتے''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تو کیا تجھے عقد مواخات کا واقعہ بھول گیا ہے''۔ رسولؐ خدا نے مجھے اپنا بھائی بناتے ہوئے فرمایا تھا (اَنْتَ اَخِی فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ) تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے (قول مترجم)۔ پھر حضرت نے فرمایا: ''گروہ مہاجرین و انصار! میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر تم سے دریافت کرتا ہوں کہ مجھے بتاؤ کیا آنحضرتؐ نے غدیر خم میں میرے لئے یہ یہ الفاظ نہیں فرمائے تھے؟ اور جنگ تبوک پر انہوں نے میرے لئے یہ یہ الفاظ نہیں کہے تھے؟''۔ غرضیکہ حضرت علیؑ نے ایک ایک کر کے اپنے فضائل گنوائے سامعین نے کہا: ''بے شک آپؑ سچ کہتے ہیں ہم نے یہ تمام باتیں آنحضرتؐ سے سنی تھیں اور ہمیں بخوبی یاد ہیں''۔ جب اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں لوگ آپؑ کی مدد نہ کریں اور اس امر پر رکاوٹ نہ ڈالیں۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''علیؑ! یہ تمام باتیں

درست ہیں لیکن رسولؐ خدا نے ایک اور بات بھی ارشاد فرمائی تھی کہ: ''اللہ نے میرے اہل بیت کے لئے آخرت کو پسند کیا ہے۔ اور میرے اہل بیت کے لئے نبوت وخلافت کو یکجا نہیں کرے گا''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تم جو کچھ بیان کر رہے ہو، تمہارے پاس اس بات کا کوئی گواہ بھی موجود ہے؟'' جناب عمر نے کہا: ''رسولؐ خدا کے خلیفہ نے سچ کہا۔ جو کچھ انہوں نے کہا ہے میں نے خود رسول کریمؐ کی زبانی یہ الفاظ سنے تھے''۔ اس کے بعد ابوعبیدہ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور معاذ بن جبل نے کہا کہ ہم نے رسولؐ خدا سے یہ بات خود اپنے کانوں سے سنی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ نے فرمایا: ''واقعی تم نے اس صحیفہ پر عمل کیا ہے جو تم نے لکھا تھا۔ اور مجھے علم ہے کہ تم نے کعبہ میں بیٹھ کر باہم عہد و پیمان کیا تھا کہ آنحضرتؐ کے شہید ہونے یا طبعی موت کے بعد تم امر خلافت کو ان کے اہل بیت سے دور رکھو گے''۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''تو کیا ہم میں سے کسی نے آپؑ کو اس امر کی خبر دی ہے؟'' حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تم نے مجھے خبر نہیں دی رسولؐ خدا نے مجھے اس سے باخبر کیا تھا اور زبیر وسلمان وابوذر اور مقداد کے سامنے خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ ان افراد نے ایک معاہدہ کعبہ میں بیٹھ کر تحریر کیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میری شہادت یا طبعی موت کے بعد علیؑ کو خلافت سے محروم رکھا جائے گا''۔

پھر آپؑ نے اپنے چاروں ساتھیوں کو قسم دے کر فرمایا کہ کیا رسولؐ خدا سے تم نے خود یہ الفاظ سنے تھے یا نہیں؟ چاروں اصحاب نے گواہی دی کہ بے شک ہم نے رسولؐ خدا سے یہ الفاظ سنے تھے۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تھا کہ اس وقت مجھے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے؟'' آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: ''علیؑ اگر تمہیں مددگار میسر ہوں تو ان سے جنگ کرنا اور اگر مددگار نہ ملیں تو جنگ نہ کرنا اور اپنے خون کی حفاظت کرنا۔ اے کاش اگر وہ چالیس افراد بھی جنہوں نے موت پر میری بیعت کی تھی، اپنی بیعت پر قائم رہتے تو بھی میں تم سے جنگ کرتا''۔ جناب عمر نے کہا: ''خدا کی قسم! تمہاری نسل میں سے قیامت تک اس عہدہ پر کوئی بھی فائز نہ ہوگا''۔ حضرت علیؑ نے قبر رسولؐ مقبول کی طرف رخ کر کے کہا جبکہ رسی آپؑ کی گردن میں تھی: ''(یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ) ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور کر دیا تھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے''۔ پھر آپؑ نے اجباری صلح کر لی۔

پھر زبیر کو مارا پیٹا گیا اور اسے بیعت پر مجبور کیا گیا۔ اور سلمان وابوذر اور مقداد پر بھی بے انتہا تشدد کیا گیا۔ اور دوران تشدد جناب عمر و جناب زبیر میں کچھ تند و تیز کلمات کا بھی تبادلہ ہوا..... جناب ابوبکر نے بڑی مشکل سے ان میں مصالحت کرائی۔ (سلیم کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ سے کہا: ''تو نے مجبوراً بیعت کر لی اور کچھ بھی منہ سے نہ کہا!) سلمانؓ نے کہا: ''میں نے بہت کچھ کہا تھا۔ میں نے انہیں کہا اگر تم اپنے طرز عمل پر غور کرتے تو تمہیں یقیناً معلوم ہو جاتا کہ تم نے اپنے طرز عمل سے امم سابقہ کے غلط کردار کی پیروی کی ہے اور انبیاء کی راہ کو چھوڑ دیا ہے'' جناب عمر نے کہا: ''کوئی بات نہیں، تو ہماری بیعت کر چکا ہے اب جو تمہارے جی میں آئے آزادی سے بیان کرتے پھرو'' میں نے کہا: ''میں نے رسولؐ خدا سے سنا تھا کہ تو اور تیرا ساتھی قیامت کے دن پوری امت کے گناہوں کے برابر بوجھ اٹھائے ہوئے حاضر ہوں گے''۔ انہوں نے کہا: ''کوئی بات نہیں اب جو تمہارے جی میں آئے کہتے رہو''۔ میں نے کہا: ''میں نے ایک آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ تو اپنے نام وصفت کے ساتھ دوزخ کا ایک دروازہ ہے''۔ انہوں نے کہا: ''تمہیں سب کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ یاد رکھ لو کہ اللہ نے

منصب خلافت کو اس خاندان سے دور کر دیا ہے جنہیں تم معبود بنائے ہوئے تھے''۔ میں نے کہا: ''میں نے آنحضرتؐ سے اس آیت کے متعلق پوچھا تھا (فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذَّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ وَلَا يُوثَقُ وِثَاقَهُ أَحَدٌ) تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اس سے مراد تو ہے''۔ (تو آنحضورؐ نے اس سے تمہیں مراد لیا تھا) یہ سن کر اس نے کہا: ''خاموش ہو جا۔ اللہ تیری آواز کو خاموش کرے''۔ پھر حضرت علیؑ نے مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ اگر میرے آقا و مولا مجھے منع نہ کرتے تو میں انہیں وہ سب کچھ سناتا جو ان کے متعلق آنحضرتؐ سے سن چکا تھا۔ جناب عمر نے مجھے کہا: ''تمہاری طرح ابوذرؓ و مقدادؓ نے بھی تو آخر بیعت کی ہے مگر انہوں نے تمہاری طرح زبان نہیں چلائی۔ تم اہل بیت کے کچھ زیادہ ہی حبدار اور طرفدار لگتے ہو!''۔ یہ سن کر ابوذرؓ نے کہا: ''کیا تو ہمیں جوش دلانا چاہتا ہے اور محبت آل محمدؐ کی وجہ سے ہمیں ملامت کرنا چاہتا ہے۔ آل محمدؐ کے مخالفین نے ان پر ظلم و ستم کیا ہے اور لوگوں کو ان کی گردنوں پر سوار کیا ہے اور اس امت کے لئے کفر و ارتداد کا دروازہ کھول دیا ہے''۔ جناب عمر نے کہا: ''بے شک اللہ کا اس پر غضب نازل ہو جس نے آل محمدؐ پر ظلم کیا ہے۔ البتہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خلافت پر جملہ امت کا حق ہے کسی ایک فرد اور قبیلہ کو امتیاز نہیں ملنا چاہئے''۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: ''اگر تم اتنے ہی مخلص ہو تو تم نے انصار کو خلافت سے محروم کیوں رکھا؟'' حضرت علیؑ نے جناب عمر سے کہا: ''کیا امر خلافت ہمارے لئے نہیں صرف تمہارے اور تیرے ساتھیوں کے لئے ہے''۔ جناب عمر نے کہا: ''حقیقت یہ ہے کہ عامۃ المسلمین آپؑ کی خلافت پر راضی نہیں تھے اسی لئے لوگوں نے آپؑ کو اہمیت نہیں دی اور اس کے برعکس لوگوں نے جناب ابوبکر کی دل و جان سے بیعت کی ہے۔ بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' حضرت علیؑ نے فرمایا: ''یہ اور بات ہے کہ تو اور تیری بزم میری خلافت پر راضی نہیں لیکن خدا اور رسولؐ تو میری خلافت و امارت پر راضی ہیں.....''۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''عمر! تمہیں اب بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ علیؑ چار و ناچار ہماری حکومت کو تسلیم کر ہی چکے ہیں۔ اب ہمیں علیؑ کی طرف سے کسی طرح کی شورش کا اندیشہ نہیں ہے.....''۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''میں نے رسالت مآبؐ سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے چند صحابی پل صراط سے گذرنے کے لئے آئیں گے۔ وہ مجھے جانتے ہوں گے اور میں بھی انہیں پہچانتا ہوں گا کہ اچانک فرشتے انہیں مجھ سے دور کر دیں گے تو اس وقت میں کہوں گا: ''خدایا! یہ میرے اصحاب ہیں تو اس وقت مجھے کہا جائے گا: ''آپ نہیں جانتے انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کچھ کیا تھا۔ آپؐ کے بعد یہ پچھلے پاؤں پلٹ گئے تھے''۔ اس وقت میں کہوں گا: ''جو میرے بعد بدل گیا اس کے لئے ہلاکت و تباہی ہو''(۱)۔ علاوہ ازیں میں نے رسول کریمؐ سے سنا، انہوں نے فرمایا: ''میری امت بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چلے گی حتی کہ اگر وہ کسی سوسمار کے بل میں بھی داخل ہوئے تو میری امت بھی ان کی طرح سوسمار کے بل میں داخل ہوگی۔ کیونکہ تورات و قرآن کو جھلی پر لکھنے والا فرشتہ ایک ہی تھا اور حالات و واقعات بھی دونوں امتوں کو ایک جیسے پیش آئیں گے''۔

قولِ مؤلف.....

(۱) اسی مضمون کی کئی احادیث کتاب صحیح بخاری باب الحوض میں مل جائیں گی جن کے راویوں میں عبداللہ، انس، سہل بن سعد، ابوہریرہ، عقبہ، ابوسعید خدری اور اسماء بنت ابی بکر جیسی شخصیات شامل ہیں۔ از مترجم۔

مثالی صاحبانِ ایمان

رجال کشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''آنحضرتؐ کی وفات کے بعد سوائے تین افراد کے مکمل طور پر کوئی اور ثابت قدم نہ رہا اور وہ افراد سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ ہیں'' راوی کہتا ہے کہ میں نے عمار کے متعلق پوچھا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ''ان میں معمولی سی لچک پیدا ہوئی تھی لیکن پھر وہ ثابت قدم ہو گئے۔ اور ان میں سے وہ شخصیت جس کے دل میں ایک لحہ کے لئے تزلزل پیدا نہیں ہوا تھا وہ حضرت مقدادؓ تھے، سلمان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس اللہ کا اسم اعظم ہے اگر وہ اس اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگ لیں تو حالات فوراً بدل جائیں گے، ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ارباب حکومت نے انہیں پکڑ کر خوب زدوکوب کیا۔ اسی اثنا میں حضرت علیؑ کا گذر ہوا تو فرمایا: ''سلمان! تجھے یہ تکلیف تیری اس سوچ کی وجہ سے پہنچی ہے۔ ابوذر کو امیر المومنینؑ نے خاموش رہنے کا حکم دیا لیکن وہ کسی لومۃ لائم کو خاطر میں لانے والے نہیں تھے اسی لئے وہ جناب عثمان سے جھگڑ پڑے۔ پھر آہستہ آہستہ باقی لوگ حق کو سمجھنے لگے اور حق کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اور حق کی جانب رجوع کرنے والے افراد میں سب سے پہلے ابوساسان انصاری، ابوعمرہ اور شتیرہ تھے۔

قول مؤلف:

ابوساسان کا نام حصین بن منذر ہے اور ابوعمرہ انصاری کا نام ثعلبہ بن عمرو ہے اور شتیرہ کو سمیر بھی کہا جاتا ہے اور یہ بزرگوار جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کی فوج کے علم بردار تھے اور اپنے بھائیوں سمیت انہوں نے جنگ صفّین میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ شیخ مفیدؒ نے کتاب الاختصاص میں عمرو بن ثابت سے نقل کیا، وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا: ''وفات رسولؐ کے بعد تین افراد مکمل طور پر ثابت قدم رہے اور وہ سلمانؓ، مقدادؓ اور ابوذر غفاریؓ تھے۔ رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد چالیس افراد امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہم آپؑ کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہیں۔ حضرتؑ نے پوچھا: ''وہ کیوں؟'' تو انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ نے آپ کے متعلق غدیر خم میں یہ یہ ارشاد فرمایا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تو کیا تم ارباب حکومت سے مقابلہ کرو گے؟''۔ انہوں نے کہا: ''جی ہاں!''۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ''پھر تم کل سر منڈوا کر میرے دروازے پر آجانا''۔ جیسے ہی دوسری صبح ہوئی تو مذکورہ تین افراد کے علاوہ کوئی بھی شخص سر منڈوا کر حضرتؑ کے در دولت پر نہ آیا۔ اس دن عمارؓ بن یاسر بھی ظہر کے بعد آیا۔ حضرتؑ نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا: ''کیا خواب غفلت سے بیدار ہونے کا تیرے لئے وقت ابھی نہیں ہوا؟ تم لوگ واپس جاؤ جب تم نے میرے کہنے پر سر کے بال منڈانا پسند نہیں کئے تو تم میری خاطر سر کٹانا کب برداشت کرتے ہو؟ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں''۔

اسامہ بن زید کے نام جناب ابوبکر کا خط

احتجاج میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب عمر نے جناب ابوبکر کو مشورہ دیا کہ ''آپ اسامہ بن زید کو خط لکھیں تا کہ وہ آ کر آپ کی بیعت کر لے اس سے آپ کی خلافت کو استحکام نصیب ہوگا''(۱)۔ چنانچہ جناب ابوبکر نے اسامہ کے نام یہ عبارت تحریر کی

ابوبکر خلیفہ رسولؐ کی طرف سے اسامہ بن زید کے نام

امابعد! جب تجھے میرا یہ خط موصول ہو تو اپنے ساتھ افراد لشکر کو لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ مسلمانوں کا مجھ پر اجماع ہو چکا ہے اور انہوں نے اپنے امور کا حاکم مجھے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا تجھے میری بیعت سے ہرگز تخلف نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ تجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ والسلام

جب یہ خط اسامہ بن زید کو ملا تو اس نے جواب میں تحریر کیا:

رسول خدا کی طرف سے غزوہ شام کے لئے مقرر ہونے والے عامل اسامہ بن زید کی طرف سے ابوبکر بن قحافہ کے نام:

امابعد! واضح ہو کہ تمہارا خط موصول ہوا جو کہ سراسر تضاد پر مبنی ہے اور (خط کے آخری جملے پہلے جملوں کی تردید کر رہے تھے) خط کے آغاز میں تم نے اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ لکھا اور خط کے آخر میں تم نے تحریر کیا کہ مسلمانوں نے تجھے امور حکومت چلانے کے لئے منتخب کیا ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اور میرے ساتھیوں نے نہ تو تجھے منتخب کیا ہے اور نہ ہی تیری حکومت پر راضی ہیں۔ تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ حقدار کو اس کا حق پہنچا دو، وہ ہر لحاظ سے تجھ سے لائق و فائق ہے۔ ماضی قریب میں غدیر خم کا واقعہ رونما ہوا تھا مجھے امید ہے کہ ابھی تک تجھے وہ واقعہ بھولا نہیں ہوگا۔ تمہیں خدا اور رسولؐ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہئے اور اس شخصیت کی نافرمانی سے بھی پرہیز کرو جسے رسولؐ خدا نے تجھ پر اور تیرے دوست پر حاکم و خلیفہ مقرر کیا تھا۔ حقیقی خلیفہ رسولؐ نے مجھے معزول نہیں کیا ہے۔ جب کہ تو اور تیرا ساتھی میرے ماتحت ہو اور تم نے میری اجازت کے بغیر مدینہ میں قیام کیا ہوا ہے۔

اسامہ کا یہ خط پڑھ کر جناب ابوبکر نے خلافت سے دست بردار ہونے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن جناب عمر نے انہیں ایسا کرنے سے یہ کہتے ہوئے منع کیا: ''آپ اس قمیض کو مت اتاریں جو اللہ نے آپ کو پہنائی ہے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ خطوط کے ذریعہ سے مسلسل اس سے رابطہ رکھیں اور فلاں فلاں افراد کو کہیں کہ وہ بھی اسامہ کو اس مضمون کے خط تحریر کریں کہ وہ جماعت مسلمین سے علیحدہ نہ رہے اور اسے چاہئے کہ جماعت سے وابستہ ہو کر آپ کی خلافت کو تسلیم کرے''۔

چنانچہ جناب ابوبکر اور ان کے بہی خواہوں نے اسامہ کو مسلسل خطوط تحریر کئے کہ آپ مسلمانوں کے اجتماعی فیصلہ کو تسلیم کریں اور جماعت میں تفرقہ اندازی کا سبب نہ بنیں۔ کیونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اس تفرقہ اندازی سے اسلام کو ہی نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اسامہ اپنے لشکر کو لے کر مدینہ آئے۔ یہاں جناب ابوبکر کو منبر پہ بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ سیدھے حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا:

(۱) اس وقت اسامہ مدینہ سے باہر جرف نامی مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور رومیوں پر حملہ آور ہونے کے لیے اپنی سپاہ کے منتظر تھے (از مترجم)

''یہ سب کچھ کیا ہے؟'' حضرتؑ نے فرمایا: ''یہ وہی کچھ ہے جو تم دیکھ رہے ہو''۔ اسامہ نے عرض کیا: ''تو کیا آپؑ نے اس حکومت کو تسلیم کر لیا ہے؟'' حضرتؑ نے فرمایا: ''جی ہاں!'' اسامہ نے عرض کیا: ''خوشی سے یا مجبور ہو کر؟'' حضرتؑ نے فرمایا: ''مجبور ہو کر میں نے اس حکومت کو تسلیم کیا ہے''۔ پھر اسامہ جناب ابوبکر کے پاس آئے اور کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ الْمُسْلِمِيْنَ'' جناب ابوبکر نے کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ''۔

آئندہ خطبات کی تشریح میں اس باب سے تعلق رکھنے والے واقعات طرق عامہ وخاصہ سے نقل کئے جائیں گے۔ (واللہ المستعان)

مقدمہ چہارم

درطرق خطبہ ورفع اختلاف

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرتؑ نے یہ خطبہ اپنی خلافت ظاہری کے ایام میں دیا اور یہ خطبہ جمل وصفین ونہروان کی جنگوں کے بعد ارشاد فرمایا۔ البتہ حضرتؑ نے یہ خطبہ کس مقام پر دیا اور کن حالات میں دیا؟ اس کے لئے مختلف روایات ہیں۔

۱۔ بعض روایات میں موقع ومحل کی تعیین نہیں کی گئی جیسا کہ علامہ حلّی طاب ثراہ نے اپنی کتاب کشف الحق ونہج الصدق میں حسن بن عبداللہ بن عبد بن مسعود عالم اہل سنت کی کتاب معانی الاخبار کے حوالہ سے عبداللہ بن عباس کی زبانی نقل کیا ہے کہ حضرتؑ کے پاس خلافت کا تذکرہ ہوا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا اَخَوَيْتُمْ وَاَنَّهٗ لَيَعْلَمُ.....الی آخرہ'' سید رضیؒ کے نقل کردہ خطبہ اور کشف الحق میں نقل کردہ خطبہ میں چند الفاظ کا فرق ہے۔ مطلب ومفہوم دونوں کا یکساں ہے۔

علامہ مجلسی نے بھی شیخ صدق کی کتابوں معانی الاخبار اور علل الشرائع سے ماجیلویہ سے، اس نے اپنے چچا سے، اس نے برقی سے، اس نے اپنے والد سے، اس نے ابن ابی عمیر سے، اس نے ابان بن عثمان سے، اس نے ابان بن تغلب سے، اس نے عکرمہ سے، اس نے ابن عباس کی سند سے نقل کیا۔ ابن عباس نے کہا حضرتؑ کے پاس خلافت کا تذکرہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا اَخَوَيْتُمْ وَاَنَّهٗ لَيَعْلَمُ.....الی آخرہ''۔ معانی الاخبار اور علل الشرائع میں یہ خطبہ اس سند کے ساتھ بھی مذکورہ ہے: طالقانی سے، اس نے جلودی سے، اس نے احمد بن عمار بن خالد سے، اس نے یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی سے، اس نے عیسیٰ بن راشد سے، اس نے علی بن حذیفہ سے، اس نے عکرمہ سے، اس نے ابن عباس سے یہ خطبہ نقل کیا ہے۔ یہ خطبہ امالی شیخ میں اس سند سے مذکورہ ہے: حفار سے، اس نے ابی القاسم دعبلی سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے دعبل کے بھائی سے، اس نے محمد بن سلامہ شامی سے، اس نے زرارہ سے، اس نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس خطبہ کی روایت کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت امام باقر علیہ السلام نے ابن عباس سے روایت کی کہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس خلافت کا تذکرہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا ابْنُ اَبِیْ قَحَافَةٍ.....'' الفاظ کے معمول اختلاف کے ساتھ یہ خطبہ وارد ہے۔

۲۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرتؑ نے خطبہ مسجد کوفہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ اور علامہ مجلسی طاب ثراہ نے بحار الانوار کی

چودہویں جلد میں متقدمین کی بعض مؤلفات کے حوالہ سے مندرجہ ذیل سند سے اس خطبہ کو یوں نقل فرمایا ہے: قاضی ابوالحسن طبری سے روایت ہے، اس نے سعید بن یونس مقدسی سے، اس نے مبارک سے، اس نے خالص بن ابی سعید سے، اس نے وہب الجمال سے، اس نے عبد المنعم بن سلمہ سے، اس نے وہب رائدی سے، اس نے یونس بن میسرہ سے، اس نے شیخ معتمر رقی سے، اس نے ابوجعفر میثم تمار سے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جوان مسجد کوفہ میں داخل ہوا اور مجمع کے درمیان میں بیٹھ گیا جب امیر المومنین علیہ السلام احکام سے فارغ ہوئے تو جوان نے اٹھ کر آپؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''ابوتراب! میں آپؑ کے پاس قاصد بن کر آیا ہوں، میں آپؑ کے پاس وہ خط لایا ہوں کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرز اٹھیں گے اور اس خط کو اس نے تحریر کیا ہے جس نے کتاب خدا کو اول سے آخر تک حفظ کیا ہے، جس کے پاس عدالت واحکام کا علم موجود ہے، جو کلام میں آپؑ سے زیادہ فیصح وبلیغ ہے اور جو خلافت کا آپؑ سے زیادہ حقدار ہے لہٰذا آپؑ جواب کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اس کی تحریر کو جھٹلانے کی کوشش نہ کریں''۔ معاویہ کے قاصد کی یہ لاف وگزاف سن کر حضرتؑ کو غصہ آیا اور غضب کے آثار آپؑ کے چہرے پہ نظر آنے لگے۔

پھر آپؑ نے عمار سے فرمایا: ''عمار! تم قبائل کوفہ میں جا کر اعلان کرو کہ علیؑ کی آواز پر لبیک کہو تا کہ تم حق وباطل، حلال وحرام اور بیمار وتندرست کو اچھی طرح پہچان سکو''۔ حضرتؑ کا حکم پاتے ہی عمار قبائل کوفہ میں گئے اور ہر جگہ کھڑے ہو کر منادی دینے لگے۔ چند ہی لمحوں میں مسجد انسانوں سے بھر گئی اور تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی۔ انسانوں کے انبوہ کی وجہ سے مسجد تنگ نظر آنے لگی۔ تو اس وقت داماد رسولؐ، زوج بتول، شجاع غضنفر اٹھے اور منبر پہ تشریف لے گئے اور تنخ کیا۔ مسجد میں تمام افراد پر خاموشی طاری ہوگئی تو اس وقت حضرتؑ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم کرے جو میری گفتگو کو سن کر یاد کرے۔

لوگو! معاویہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ امیر المومنین ہے۔ خدا کی قسم! اس وقت تک کوئی شخص امام کہلانے کا حقدار نہیں بن سکتا جب تک وہ مردوں کو زندہ نہ کرے، آسمان سے بارش نہ برسائے یا کوئی ایسا کام کر کے نہ دکھائے جس سے باقی لوگ عاجز ہوں۔ تم میں یقیناً ایسے افراد موجود ہیں جنہیں اس بات کا علم ہے کہ میں اللہ کی باقی رہنے والی آیت ہوں، خدا کا کامل کلمہ ہوں اور اللہ کی حجت بالغہ ہوں۔ معاویہ نے میرے پاس ایک جاہل بدو کو روانہ کیا ہے جسے بات کرنے کی تمیز تک نہیں ہے۔ اگر میں چاہتا تو اس کی ہڈیوں کو پیس کر رکھ دیتا اور اسے زمین میں دھنسا دیتا لیکن جاہل کی گستاخی کو برداشت کرنا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے۔ پھر آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نبی اکرمؐ پر درود بھیجا۔ پھر آپؑ نے فضا کی طرف اشارہ کیا۔ بس اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ گھنگھور گھٹا چھا گئی اور اس گھٹا سے ہم نے یہ آواز سنی ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ وَيَاسَيِّدَالْوَصِيِّيْنَ وَيَا اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ وَيَا كَنْزَ الْمَسَاكِيْنَ وَمَعْدِنَ الرَّاغِبِيْنَ'' امیر المومنین اے سید الوصیین، اے امام المتقین، اے فریاد کرنے والوں کے فریادرس، اے مساکین کے خزانے اور اے رغبت کرنے والوں کے لئے کانِ جود وسخا آپؑ پر سلام ہو۔ پھر آپؑ نے بادل کی طرف اشارہ کیا تو وہ نیچے آ گیا اور اتنا قریب ہوا کہ اندھیرا سا چھا گیا اور لوگ حیران وپریشان ہو گئے۔ میثم تمار فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنا پاؤں بلند کیا، بادل پر سوار ہو گئے۔

اورعمارؓ(۱) سے فرمایا: ''تم بھی میرے ساتھ بادل پرسوار ہوجاؤ اور پڑھو ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا '' حضرتؑ کا حکم ملتے ہی عمارؓ بادل پرسوار ہوگئے اور بادل بلند ہوا۔ کچھ دیر کے بعد بادل ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ چند ساعات کے بعد بادل دوبارہ ظاہر ہوا اور جامع کوفہ میں اترنے لگا۔ جیسے ہی بادل بلند ہوا تو ہم نے دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام مسجد کے دکۃ القضا پہ بیٹھے ہوئے تھے اور عمارؓ، حضرتؑ کے سامنے کھڑے تھے۔ لوگ دوڑ کر آپؑ کے پاس آئے۔ پھر آپؑ اٹھے اور منبر پر تشریف لے گئے اور آپؑ نے خطبہ شقشقیہ ارشاد فرمایا۔ جب آپؑ خطبہ سے فارغ ہوئے تو لوگ بڑے پریشان ہوئے اور حضرتؑ کی ذات والاصفات کے متعلق مختلف قسم کی گفتگو کرنے لگے۔ کچھ تو وہ لوگ تھے جن کے ایمان ویقین میں اللہ نے اضافہ فرمایا اور کچھ وہ بھی تھے جن کے کفر وسرکشی میں اضافہ ہوا''۔

عمار کا بیان ہے کہ ''بادل پہ سوار ہوکر فضا میں سفر کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد ہم ایک بڑے شہر جا کر اترے جس کے اگر دگرد بلند وبالا درخت تھے اور جو دریاؤں میں گھرا ہوا تھا۔ اس شہر کے باسی عربی کے علاوہ کوئی اور زبان بول رہے تھے۔ جیسے ہی ہم وہاں اترے تو اہل شہر نے مولائے کائنات کو گھیر لیا اور مولا نے انہیں ان کی زبان میں وعظ ونصیحت فرمائی۔ پھر مولا نے مجھے حکم دیا کہ عمار! اٹھو اور بادل پہ سوار ہو جاؤ میں نے حضرتؑ کے فرمان پر عمل کیا پھر چند لمحات کے بعد ہم مسجد کوفہ پہنچ گئے۔ حضرتؑ نے مجھے فرمایا: ''عمار! تمہیں معلوم ہے کہ ہم کہاں گئے تھے؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ، رسولؐ اور اللہ کا ولی بہتر جانتے ہیں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''ہم ملک چین کے ساتویں جزیرہ میں گئے تھے۔ میں جیسا کہ تمہیں تبلیغ کرتا ہوں، اسی طرح سے انہیں بھی تبلیغ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا اور رسولؐ خدا کے لئے فرض قرار دیا کہ وہ تمام مخلوق کو دعوت دیں اور اہل ایمان کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائیں۔ اور میں نے تجھے جو نظارہ دکھایا اس پر اللہ کا شکر ادا کر اور نا اہلوں سے اس کو مخفی رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بہت سے مخفی احسانات فرمائے ہیں جنہیں وہ خود جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جو رسولؐ کا جزو ہو اور خدا نے اسے چن لیا ہو۔

اس واقعہ کے بعد لوگوں نے حضرتؑ سے پوچھا: ''مولا! ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آتی جب اللہ نے آپؑ کو ولایت تکوینی کی یہ قدرت عطا کی ہے تو آپؑ لوگوں کو معاویہ سے جنگ کرنے کی دعوت کیوں دے رہے ہیں؟'' حضرتؑ نے فرمایا: ''بات یہ ہے کہ اللہ نے کفار ومنافقین، ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگ کا حکم دیا ہے اسی لئے میں لوگوں کو دعوت جہاد دیتا ہوں۔ ورنہ خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو یہ ہاتھ بلند کر کے شام میں بیٹھے ہوئے معاویہ کے سینہ پر ماروں اور اس کی داڑھی کے بال اس ہاتھ سے نوچ لوں''۔ پھر آپؑ نے ہاتھ بڑھایا اور جب ہاتھ واپس کیا تو آپؑ کی مٹھی میں بہت سے بال تھے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ تعجب کرنے لگے، ایک مدت کے بعد شام سے خبر کوفہ پہنچی کہ معاویہ ایک دن اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک غیب سے ایک ہاتھ برآمد ہوا اور معاویہ کے سینہ پر لگا۔ جس کی وجہ سے معاویہ بے ہوش ہوگیا اور جب اسے افاقہ ہوا تو داڑھی کے بہت سے بال غائب تھے۔

ہم نے یہ روایت تفصیل کے ساتھ اس لئے نقل کی تا کہ شیعیان علیؑ کی آنکھوں کو طراوت نصیب ہو اور ان کے دلوں میں ٹھنڈک پیدا ہو۔ موالیان حیدرؑ کرار کو مبارک ہو کہ اللہ نے انہیں ایسا امام عطا فرمایا ہے جو عظیم مناقب اور معجزات کا حامل ہے۔

(۱) حضرت عمارؓ بن یاسر کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ جنگ صفین سے پہلے پیش آیا۔ کیونکہ حضرت عمارؓ جنگ صفین میں باغی گروہ کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ از مترجم

۳۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے یہ خطبہ رحبہ (مضافاتِ) کوفہ میں ارشاد فرمایا تھا۔جیسا کہ مرحوم طبرسی نے احتجاج میں روایت کرتے ہوئے تحریر کیا۔اہل نقل کی ایک جماعت نے طرق مختلفہ سے ابن عباس سے روایت کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں رحبہ میں امیر المومنینؑ کے پاس تھا کہ خلافت کا تذکرہ ہوا اور سابق خلفاء کے طرز عمل پہ بات چل نکلی۔تو حضرتؑ نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:''اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا''اور اس خطبہ کے اکثر الفاظ سید رضی کے نقل کردہ خطبہ سے ملتے ہیں۔علامہ مجلسی نے شیخ قطب راوندی کی شرح نہج البلاغہ سے اس خطبہ کو اس سند سے نقل کیا:مجھے شیخ ابونصر حسن بن محمد بن ابراہیم نے خبر دی،اس نے حاجب ابی الوفا محمد بن بدیع اور حسین بن احمد بن عبدالرحمان سے روایت کی،اس نے حافظ ابوبکر بن مردویہ اصفہانی سے،اس نے سلیمان بن احمد طبرانی سے،اس نے احمد بن علی الدبار سے،اس نے اسحاق بن سعید ابوسلمہ دمشقی سے،اس نے خلید بن دعلج سے،اس نے عطاء بن ابی رباح سے، اس نے ابن عباسؓ سے روایت کی۔ابن عباسؓ نے کہا:''ہم رحبہ میں علیؑ کے ساتھ تھے کہ خلافت کا تذکرہ ہوا اور خلفائے سابقین کے طرز عمل پر گفتگو ہوئی تو حضرتؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:''اَمَاوَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا فُلَانٌ.....الی اخرہ''ہم نے محققین کے علمی اضافہ کے لئے خطبہ کے مختلف اسناد وطرق کا تذکرہ کیا ہے اور یہ منافات اس طرح سے ختم ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے کہ حضرتؑ نے ایک ہی خطبہ رحبہ میں دیا ہو اور پھر آپؑ نے وہی خطبہ کوفہ کی جامع مسجد میں دیا ہو۔(واللہ العالم)

اب جبکہ آپ ان مقدمات کو پڑھ چکے تو ہم توفیق ایزدی سے حضرتؑ کے کلام کی شرح کرنا چاہتے ہیں اور اس خطبہ کی شرح ہم چند فصلوں میں کریں گے۔

خطبہ ۳، فصل اول

وراثت کے چھن جانے پر صبر

اَمَا وَاللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَاِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْھَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحٰی یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقیٰ اِلَیَّ الطَّیْرُ فَسَدَلْتُ دُوْنَھَا ثَوْبًا وَطَوَیْتُ عَنْھَا کَشْحًا وَطَفِقْتُ اَرْتَاِی بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ اَوْ اَصْبِرَ عَلیٰ طَخْیَۃٍ عَمْیَاءَ یَھْرَمُ فِیْھَا الْکَبِیْرُ وَیَشِیْبُ فِیْھَا الصَّغِیْرُ وَ یَکْدَحُ فِیْھَا مُؤْمِنٌ حَتّٰی یَلْقیٰ رَبَّہٗ فَرَاَیْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلیٰ ھَاتَا اَحْجیٰ فَصَبَرْتُ وَ فِی الْعَیْنِ قَذیً وَفِی الْحَلْقِ شَجًا اَریٰ تُرَاثِیْ نَھْبًا

خدا کی قسم! فرزند ابوقحافہ نے پیراہن خلافت زبردستی پہن لیا حالانکہ وہ میرے متعلق اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے میں وہ (کوہ بلند) ہوں کہ جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا، اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف، بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے، مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا لہٰذا میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں (غبارِ اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج) کے پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔

تشریح لغات

''قَمَّصَہٗ قَمِیْصًا'' اس نے اسے قمیض پہنائی ''تَقَمَّصَ'' از باب تفعُّل، اس میں مادہ تکلف پایا جاتا ہے یعنی اس نے وہ قمیض پہنی جو اسے پوری نہیں آتی تھی۔ ''قُحَافَۃُ'' قاف کی پیش اور حاء کی زبر کے ساتھ۔ ''قُطْبُ الرَّحیٰ'' چکی کی کیلی جو کہ دو پاٹوں کے عین درمیان میں ہوتی ہے۔ ''سَدَلَ الثَّوْبَ یَسْدِلُہٗ'' کپڑا لٹکایا ''اَلْکَشْحُ'' پہلو عربی کا محاورہ ہے ''فُلَانٌ طَویٰ کَشْحَہٗ'' یعنی فلاں نے اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیا، ''طَفِقَ فِیْ کَذَا'' یعنی اس نے فلاں کام شروع کر دیا، ''اِرْتَاَی فِی الْاَمْرِ'' اس نے کام میں غور فکر کیا اور اچھی رائے طلب کی ''اَلصَّوْلَۃُ'' حملہ، ''اَلْیَدُ الْجَذَّاءُ'' کٹا ہوا ہاتھ۔ ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے اپنے خطبہ میں ''اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ'' کے جملے ارشاد فرمائے ہیں یعنی میں سوچنے لگا کہ صبر کروں یا کٹے ہوئے ہاتھ سے حملہ کروں۔ اس سے حضرتؑ کا مقصود یہ تھا کہ نافرمان ساتھیوں کو لے کر جنگ کروں۔ کیونکہ سپاہ کسی بھی امیر کے لئے بمنزلہ ہاتھ کے ہوتی ہے۔ بعض روایات میں ''جَذَّاءَ'' کی بجائے ''حذاء'' کے الفاظ وارد ہیں اور ''حذاء'' اس چھوٹے ہاتھ کو کہتے ہیں جو مطلوبہ چیز تک پہنچ نہ سکتا ہو۔ ''طُخْیَۃٌ'' اکثر نسخوں میں (طاء) کی پیش وارد ہے اور چند نسخوں میں زبر ہے، تاریکی اور بادل۔ ''اَلْعَمْیَاءُ'' اَعْمیٰ کی مؤنث ہے۔ اسی سے ''مَفَازَۃٌ عَمْیَاءُ'' بنا ہے اور ''مَفَازَۃٌ عَمْیَاءُ'' اس صحرا کو کہا جاتا ہے جہاں راہ نما بھی بھٹک جاتا ہو۔ حضرتؑ نے

تاریکی کی شدت کے اظہار کے لئے (طُخْیَۃُ) کی صفت (عَمْیَاء) بیان فرمائی (ھَرِمَ) بروزن (فَرِحَ) یعنی بڑھاپے کی حد آخر کو پہنچا۔ (اَلشَّیْبُ) بالوں کی سفیدی (کَدَحَ) بروزن (مَنَعَ) جد وجہد کرنا۔ (اَحْجیٰ) یعنی اچھا اور بہتر۔ ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں (اَحْجیٰ) کا معنی عقل کے زیادہ قریب بھی کہا گیا ہے۔ (اَلْقَذٰی) آنکھ کا تنکا وغیرہ جس سے آنکھ میں چبھن اور تکلیف کا احساس ہو۔ (قَذٰی فِی الشَّرَابِ) پانی میں مٹی یا بوکا ہونا جس کی وجہ سے پانی کا ذائقہ صحیح معلوم نہ ہو۔ (شَجاً) حلق میں چبھنے والی ہڈی وغیرہ۔ (اَلتُّرَاثُ) کسی شخص کی وارثوں کے لئے چھوڑی ہوئی جائداد وغیرہ۔ (تُرَاث) میں (تا) (واو) کے بدلہ میں ہے۔ (اَلنَّھْبُ) لوٹ غارت اور سلب ہونا

(اَمَا) حرف تشبہ ہے اور اپنے مابعد کے واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ (اَمَا) اَلَا کے ہم وزن وہم معنی ہے۔ (اَمَا) افادہ تحقیق کے معانی دیتا ہے۔ اسی لئے اس کا مابعد قسم سے شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں ہے

اَمَا وَ الَّذِیْ اَبْکیٰ وَ اَضْحَکَ وَ الَّذِیْ اَمَاتَ وَ اَحْیٰی وَ الَّذِیْ اَمْرُہُ الْاَمْرُ

(تَقَمَّصَھَا) میں ضمیر کا مرجع خلافت ہے جو کہ قرینہ مقام سے مستفاد ہے جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت (حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ) میں ضمیر کا مرجع سورج ہے، اگرچہ اس سے قبل سورج کا تذکرہ موجود نہیں ہے لیکن قرینہ مقام اسی کا مقتضی ہے۔ اسی طرح سے خطبہ میں مذکور تین ضمائر کا مرجع بھی خلافت ہے۔ (وَاِنَّہٗ لَیَعْلَمُ.....) کا جملہ حالیہ ہے۔ (یَنْحَدِرُ.....) کا جملہ استینافیہ ہے (اَوْ اَصْبِرَ) میں حرف (اَو) بمعنیٰ واؤ ہے کیونکہ اقتضاء کلمہ یہی ہے اس کے بعد کے جملہ کا عطف واو جمع کے بغیر ممکن نہیں ہے اسی لئے (جَلَسْتُ بَیْنَ زَیْدٍ وَ عَمْرٍو) کا جملہ صحیح ہے۔ لیکن اس کے برعکس (جَلَسْتُ بَیْنَ زَیْدٍ اَوْ عَمْرٍو) کا جملہ صحیح نہیں ہے۔ بعض نسخوں میں (اَوْ اَصْبِرَ) کی بجائے (وَاَصْبِرَ) کے الفاظ وارد ہیں (اَنَّ الصَّبْرَ عَلیٰ ھَاتَا) میں کلمہ (ھَاتَا) کا (ھَا) تنبیہ کے لئے ہے اور (تَا) طَخْیَۃِ مونث کی طرف اشارہ ہے۔

مفہوم خطبہ

(اَمَا وَ اللّٰہِ لَقَدْ تَقَمَّصَھَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ) خدا کی قسم! ابوقحافہ کے بیٹے نے خلافت کا پیراہن زبردستی پہن لیا۔ ابن ابی قحافہ کا اشارہ جناب ابوبکر کی طرف ہے۔ ان کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سلام بن تیم بن مرہ ہے۔ ان کی والدہ سلمیٰ بنت صَخر بن عامر بن کعب تھیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جاہلیت میں ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ جب مسلمان ہوئے تو حضورؐ اکرم نے ان کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھا تھا۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ ان کا نام عتیق تھا جو ان کی والدہ نے رکھا تھا یا لفظ (عتیق) ان کا لقب تھا.....۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جناب ابوبکر خاندانی طور پر صاحب وجاہت نہیں تھے۔ دور جاہلیت میں وہ بچوں کے معلّم تھے اور دور جاہلیت میں استاد کا جو مقام تھا اس کا اندازہ اس شعر سے بخوبی ہو سکتا ہے

کَفیٰ بِالْمَرْءِ نَقْصًا اَنْ یُقَالَ لَہٗ مُعَلِّمُ صِبْیَانٍ وَ اِنْ کَانَ فَاضِلًا

چاہے کوئی شخص کتنا فاضل ہی کیوں نہ ہو، اس کی حقارت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اسے (بچوں کا استاد) کہہ کر پکارا جائے۔ اور اسلام

قبول کرنے کے بعد آپ درزی تھے اور لوگوں کے کپڑے سی سی کر گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد بھی انتہائی غریب اور فقیر تھے وہ زیادہ تر فاختاؤں کا شکار کر کے انہیں بیچ کر رزق روزی کماتے تھے۔ بڑھاپے میں آنکھوں سے نابینا ہو گئے۔ اولاد نے بوڑھے باپ کی کسی طرح سے کوئی خدمت نہ کی تو مکہ کے ایک رئیس عبداللہ بن جدعان کے پاس چلے گئے۔ وہ خدا ترسی کر کے انہیں کھانا کھلا دیا کرتا تھا اور ابوقحافہ اس کے دسترخوان کے لئے لوگوں کو پکارا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جناب ابوبکر مسند اقتدار پر فائز ہوئے تو ابوسفیان نے ان کا خاندانی پس منظر یاد کر کے حضرت علیؑ سے کہا تھا (اَرَضِیْتُمْ یَا بَنِیْ عَبْدَ مَنَافٍ اَنْ یَلِیَ عَلَیْکُمْ تِیْمِیٌّ رَذِل) اے بنی عبدمناف! کیا تم ایک پسماندہ تیمی کی حکومت پر راضی ہو چکے ہو؟ حاکم نیشاپوری اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ جب ابوقحافہ نے اپنے بیٹے کی حکومت کا سنا تو کہا: کیا بنی عبدمناف اور بنی مغیرہ میرے بیٹے کی حکومت پر راضی ہو گئے؟ لوگوں نے بتایا: جی ہاں۔ تو اس وقت اس نے کہا تھا (اَللّٰھُمَّ لَا وَاضِعَ لِمَارَفَعْتَ وَ لَارَافِعَ لِمَاوَضَعْتَ) خدایا! تو جسے بلندی دے اسے کوئی پست نہیں کر سکتا اور تو جسے پست کرے اسے کوئی بلندی نہیں دے سکتا۔ (جناب ابوبکر کی خاندانی وجاہت اور ان کی دولت وامارت سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بخوبی واقف تھیں۔ اسی لئے) حضرت سیدہؑ نے اپنے بعض کلمات میں ارشاد فرمایا: (اِنَّهٗ مِنْ اَعْجَازِ قُرَیْشٍ وَاَذْنَابِهَا) ان کا تعلق قریش کے حقیر اور پست طبقہ سے ہے۔

''الزام النواصب'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ علمائے نسب کا متفقہ بیان ہے کہ ابوقحافہ یہودیوں کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ اس کے باوجود ہمیں تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جناب ابوبکر کی دولت سے اپنے نبی کو مالا مال کر دیا تھا جبکہ ان کے پاس دولت نام کی سرے سے کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اگر ان کے پاس دولت ہوتی تو اپنے والد محترم کو گھر میں بٹھا کر ان کی خدمت کرتے اور یوں انہیں عبداللہ بن جدعان اور یہود کی نوکری سے نجات مل جاتی۔

جناب ابوبکر کا والد کے نام خط

احتجاج طبرسی میں ہے کہ جب رسولؐ پاک کی وفات ہوئی اور جناب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اس وقت ابوقحافہ طائف میں قیام پذیر تھے۔ جناب ابوبکر نے اپنے والد کو اس مضمون کا خط تحریر کیا

''رسولؐ خدا کے جانشین کی طرف سے اس کے والد ابوقحافہ کے نام!

امابعد! تمہیں معلوم ہو کہ لوگوں نے مجھے منتخب کر لیا ہے اور میں آج خلیفہ اللہ ہوں۔ اگر آپ میرے پاس تشریف لے آئیں تو آپ کے لئے بہتر ہوگا''۔

جب یہ خط ابوقحافہ کو ملا اور وہ اس کے مضمون سے مطلع ہوئے تو قاصد سے پوچھا: ''تم لوگوں نے علیؑ کی بیعت کیوں نہ کی؟'' قاصد نے کہا: ''وہ نوجوان ہیں علاوہ ازیں غزوات میں قریش کے بہت سے افراد ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔ اسی لئے قریش ان کی حکومت پر راضی نہیں ہیں۔ جب کہ ابوبکر، عمر میں بڑے ہیں''۔ یہ سن کر ابوقحافہ نے کہا: ''اگر تمہارا معیار یہی ہے تو پھر میں اس کا بھی باپ ہوں اگر سن وسال کی وجہ سے کسی کو حکومت دینی ہی ہے تو میں اپنے بیٹے سے اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ لوگوں نے علیؑ پر ظلم کیا ہے اور اسے

یقیناً اس کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ جب کہ رسولؐ خدا نے ہمیں ان کی بیعت کا حکم دیا تھا''۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے بیٹے کو خط لکھا:

''ابوقحافہ کی طرف سے ابوبکر کے نام!

امابعد! تمہارا خط ملا۔ میں نے اس خط کو حماقتوں کا مجموعہ پایا۔ جس کے بعض الفاظ دوسرے الفاظ کی تردید کر رہے تھے۔ تم نے خط میں اپنے آپ کو کبھی رسولؐ خدا کا خلیفہ اور کبھی اللہ کا خلیفہ تحریر کیا ہے اور پھر اسی خط میں تم نے مزید یہ لکھا ہے کہ تمہیں لوگوں نے یہ منصب عطا کیا ہے۔ مجھے تو یہ سب ایک گورکھ دھندہ سا نظر آتا ہے۔ میری مانو تو اس میں کبھی قدم ہی نہ رکھو جہاں سے واپسی کا راستہ نہ ہو اور اس امر سے پرہیز کرو جس سے آخرت میں پشیمان اٹھانی پڑے اور قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرنی پڑ جائے۔ یاد رکھو ہر کام میں کچھ داخلہ کے راہ ہوتے ہیں اور کچھ نکلنے کے راہ ہوتے ہیں۔ تم اپنے سے افضل و فائق شخص کو بخوبی جانتے اور پہچانتے ہو۔ لہٰذا خدا سے یوں ڈرو گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور یہ عہدہ اس کے مالک کے حوالے کر دو کیونکہ آج اس کا چھوڑنا تمہارے لئے آسان ہے اور اسی میں تمہاری سلامتی مضمر ہے''۔

درج بالا تاریخی حوالہ جات کے باوجود جناب ابوبکر کے خاندان میں کوئی اخلاقی برائی نہیں تھی۔ اور محدث جزائری اپنی کتاب ''انوار نعمانیہ'' میں لکھتے ہیں: ''شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسی خاندان کی ایک خاتون ام فروہ کا امام محمد باقر علیہ السلام سے عقد ہونا تھا اور اس خاتون نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ اور باقی چھ ائمہ کی دادی بننا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جناب ابوبکر کے خاندان کو اخلاقی قباحتوں سے محفوظ رکھا تھا''۔

قطب خلافت

حضرتؑ نے خلیفہ اوّل کے پیراہن خلافت پہننے کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی خلافت کا ابطال اور اپنے حق خلافت کا اثبات کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (وَاِنَّہٗ لَیَعْلَمُ اَنَّ مَحَلِّیْ مِنْھَا مَحَلَّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحیٰ) حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا کلمات سے حضرتؑ نے خلافت کی تشبیہ چکی سے دی اور اپنی ذات والا صفات کی تشبیہ چکی کی کیلی سے دی ہے۔ اس تشبیہ سے حضرتؑ کا مقصود یہ ہے کہ:

۱۔ جس طرح چکی کے لئے کیلی کا وجود ضروری ہے۔ اسی طرح سے خلافت کے لئے بھی میرا وجود ضروری ہے۔

۲۔ اگر کیلی نہ ہو تو چکی بے فائدہ ہے۔ اسی طرح سے نظام خلافت میں سے اگر مجھے نفی کر دیا جائے تو خلافت بے فائدہ ہے۔

۳۔ چکی میں اگر کیلی نہ ہو تو چکی گردش نہیں کر سکتی اور اگر نظام خلافت میں میرا وجود نہ ہو تو خلافت کی چکی بھی گردش نہیں کر سکتی۔

۴۔ (چکی کے دو پاٹوں میں آنے والے دانے پس کر آٹا بن جاتے ہیں مگر وہ چند دانے محفوظ رہتے ہیں جو اپنے آپ کو کیلی سے وابستہ کر لیتے ہیں تو ایسے دانے آٹا بننے سے بچ جاتے ہیں بعینہٖ آپؑ نے فرمایا گردش روزگار سے صرف وہی افراد بچیں گے جو میرے ساتھ وابستگی اختیار کر لیں گے۔

انہی بلاغت آمیز کلمات کے ساتھ آپؑ نے لوگوں کو بتایا کہ مجھ پر زیادتی کی گئی ہے کہ میری موجودگی میں کسی اور کو منصب خلافت پہ فائز کر دیا گیا۔ جب کہ میں قطب خلافت ہونے کی وجہ سے کسی کا محتاج نہیں اور باقی تمام افراد اپنے معاملات کی ادائیگی کے لئے میرے محتاج ہیں۔ مترجم)

یہی مضمون آپؑ نے خطبہ ۱۱۸ میں بھی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَاِنَّمَا اَنَا قُطْبُ الرَّحٰی تَدُوْرُ عَلَیَّ وَاَنَا بِمَکَانِیْ فَاِذَافَارَقْتُهٗ اِسْتَحَارَ مَدَارُهَا وَاضْطَرَبَ ثُفَالُهَا) میں چکی کے اندر کا وہ قطب ہوں کہ جس پر وہ گھومتی ہے۔ جب تک میں اپنی جگہ پر ٹھہرا ہوں اور اگر میں نے اپنا مقام چھوڑ دیا تو اس کے گھومنے کا دائرہ متزلزل ہو جائے گا اور اس کا نیچے والا پتھر بھی بے ٹھکانہ ہو جائے گا۔ حضرتؑ نے (وَاِنَّهٗ لَیَعْلَمُ) کے الفاظ میں حرف ''اِنَّ'' اور ''لام مفتوحہ'' کے ذریعہ سے کلام میں تاکید پیدا کر کے لوگوں کو باور کرایا کہ میرے غیر کا خلافت پر قبضہ کرنا از روئے جہالت و نادانی ہرگز نہ تھا اور وہ میرے مقام و مرتبہ سے ناواقف نہیں تھا۔ ہاں اگر ناواقف ہوتا تو اس کا یہ فعل قابل عفو و درگذر قرار پا سکتا تھا لیکن اس نے میرا مقام و مرتبہ جانتے ہوئے بھی خلافت کا پیراہن پہنا جو کسی طور بھی اسے موزوں نہیں تھا۔

مقام علیؑ بزبان ابوبکر

جناب ابوبکر، مقام علیؑ سے ناآشنا نہیں تھے۔ جب وہ برسر اقتدار آئے تو منافقین نے کہا کہ ابوبکر لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں ''میں علیؑ سے افضل ہوں''۔ روایت احتجاج کے مطابق جب یہ الفاظ جناب ابوبکر کے گوش گذار ہوئے کہ منافقین نے ان کی طرف یہ نا روا نسبت دی ہے تو وہ منبر پر آئے اور تقریر کی: ''انسان کو اس شخص کی باتیں سن کر صبر کرنا چاہئے جس کا دین سے کوئی تعلق خاطر نہ ہو، جسے احکام دین کی پرواہ نہ ہو اور ولایت دین کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ جس نے ذلیل ہو کر اظہار ایمان کیا ہو اور دل میں منافقت کو چھپائے بیٹھا ہو۔ یقیناً ایسے افراد شیطان کا گروہ ہیں اور سرکش ٹولے سے ان کا تعلق ہے۔ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں لوگوں سے کہتا پھر رہا ہوں کہ میں علیؑ سے افضل ہوں حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ میں یہ جملے کیسے کہہ سکتا ہوں؟ کیونکہ مجھے علیؑ جیسی سبقت اسلام، اس جیسی قرابت اور اس جیسی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ علیؑ نے اس وقت توحید کی تصدیق کی جب میں منکر تھا، اس نے مجھ سے بہت پہلے اللہ کی عبادت کی، اس نے رسولؐ کی اس وقت حمایت و نصرت کی جب میں ان کا مخالف تھا۔ اس نے ہر مقام پر مجھ سے سبقت کی اسی لئے میں اس کی غبار راہ کو بھی نہیں پا سکتا۔ یقیناً علیؑ ابن ابی طالب نے اللہ کی محبت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی، رسولؐ کی قرابت کا شرف حاصل کیا اور ایمان میں عظیم رتبہ حاصل کیا۔ انبیاء کے علاوہ اگر اولین و آخرین اس کے درجہ کے حصول کی کوشش کریں تو بھی اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکیں گے۔ علیؑ تو وہ ہے جس نے اللہ کے لئے اپنی جان کو قربان کیا اور اپنے ابن عم کا حق مودت ادا کیا۔ علیؑ نے رسولؐ خدا کی تکلیفیں دور کیں، لشکر شکوک و شبہات کا بھیجا نکال دیا، اسباب کفر کا قلع قمع کیا اور رشد و ہدایت کے مینار قائم کئے، شرک کا خاتمہ کیا اور لوگوں کے دلوں سے منافقت کو ختم کیا۔ علیؑ ہر میدان میں پیش پیش رہے اور علیؑ نے علم و حلم و فہم کو یکجا کیا، علیؑ کا دل فہم و حکمت کا عظیم خزانہ ہے جسے اس نے اللہ کے لئے خرچ کیا ہے۔ کسے یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ علیؑ کا درجہ پانے کا خیال تک دل میں لائے؟ خدا اور اس کے رسولؐ نے اسے مومنین کا ولی مقرر کیا ہے۔ وہ نبی کا وصی،

خلافت کا نگہباں اور امامت کو قائم رکھنے والا ہے۔ ایسا جاہل کون ہوسکتا ہے جو اس کے مقام کی تمنا بھی کر سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب علیؑ مجھے کھڑا ہونے کو کہے گا میں کھڑا ہو جاؤں گا اور مجھے کوئی حکم دے گا تو میں اس کی اطاعت کروں گا۔

میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے سنا تھا: (اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَ عَلِیٌّ مَعَ اَلْحَقِّ مَنْ اَطَاعَ عَلِیًّا رَشَدَ وَ مَنْ عَصٰی عَلِیًّا فَسَدَ وَ مَنْ اَحَبَّہٗ سَعُدَ وَ مَنْ اَبْغَضَہٗ شَقِیَ) حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہے، جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، جس نے علیؑ کی نافرمانی کی وہ تباہ ہوا، جس نے علیؑ سے محبت کی اسے خوش نصیبی ملی اور جس نے علیؑ سے بغض کیا اسے بدنصیبی ملی۔ اگر کوئی شخص صرف علیؑ سے اس لئے محبت کرے کہ اس نے کبھی فعل حرام کا ارتکاب نہیں کیا، خدا کو چھوڑ کر اس کی پیشانی کسی بت کے آگے سرنگوں نہیں ہوئی اور لوگوں کو اپنے نبیؐ کے بعد قدم قدم پر اس کی رہنمائی کی ضرورت ہے، تو بھی درست ہے۔ جبکہ علیؑ کو رسولؐ سے خصوصی قرابت کا شرف حاصل ہے، ہر پست و بلند کا علم اس کے پاس ہے اور علیؑ صبر جمیل کرنے والا اور قضائے الٰہی پر راضی رہنے والا ہے۔ علیؑ ان صفات کا مالک ہے جن کی تعداد کو شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ علیؑ کی عظمت کی تمنا کرنا ناممکن ہے۔ علیؑ پر اعتراض کرنے والے افراد قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش وہ فرزند ابوطالب کے قدموں کی خاک ہوتے۔ کیا علیؑ (لواء الحمد) اٹھانے والا نہیں ہے؟ کیا علیؑ قیامت کے دن ساقی کوثر نہیں ہے؟ کیا علیؑ کے پاس ہر کریم کا کرم اور ہر عالم کا علم جمع نہیں ہے؟ اور کیا علیؑ خدا کی بارگاہ میں پہنچنے کا وسیلہ نہیں ہے؟''.....

مقام علیؑ کتنا بلند و بالا ہے؟

حضرتؑ نے اس خطبہ میں اپنی عظمت و رفعت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَایَرْقیٰ اِلَیَّ الطَّیْرُ) میں وہ (کوہ بلند) ہوں جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ ان کلمات سے حضرتؑ نے اپنی عظمت و رفعت کو بلند و بالا پہاڑ سے تشبیہ دی اور ممکن ہے کہ آپؑ نے اپنے سینہ سے ظاہر ہونے والے علوم کو سیلاب سے تشبیہ دی ہو۔ حضرتؑ نے اپنے فیوض و برکات و علوم کی تشبیہ پانی سے دی ہے اور یہ بلیغ ترین تشبیہ ہے اور وجہ اشتراک یہ ہے کہ پانی حیات جسمانی کا سبب ہے اور علم حیات روحانی کا ذریعہ ہے۔ پانی کے بغیر حیات جسمانی قائم نہیں رہ سکتی اور علم کے بغیر حیات روحانی قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ تشبیہ بیان کی ہے (قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ۔ ملک/۳۰) کہہ دیجئے کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارا سارا پانی زمین کے اندر جذب ہو جائے تو تمہارے لئے چشمہ کا پانی بہا کر کون لائے گا؟۔ اسی آیت کے ضمن میں علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر قمی میں فضالہ بن ایوب کی زبانی امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ راوی کہتا ہے: امام علی رضا علیہ السلام سے (قُلْ اَرَاَیْتُمْ) کی آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: (مَاؤُکُمْ اَبْوَابُکُمْ ای الاَئِمَّۃُ) تمہارے پانی سے مراد تمہارے دروازے یعنی تمہارے امام ہیں۔ اور ائمہ خلق اور خالق کے درمیان دروازے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی اگر علم امام روک دیا جائے تو (فَمَنْ یَاْتِیْکُمْ بِمَاءٍ مَعِیْنٍ) پھر تمہارے لئے چشمہ کا پانی بہا کر کون لائے گا؟ تفسیر قمی میں ہے (وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ حج/۴۵) ''ان کے کنوئیں معطل پڑے ہیں اور ان کے مضبوط محل بھی مسمار ہو گئے'' امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''اس کی تطبیق آل محمدؐ کے حالات سے ہوتی ہے امام غائب

جس کے علم سے استفادہ نہ ہوتا ہو وہ معطل کنوئیں کی مانند ہے اور مضبوط محل کی تشبیہ امیر المومنین اور دیگر ائمہ کرام پر منطبق ہوتی ہے جن کے فضائل ومناقب اتنے مشہور ومعروف ہیں کہ دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور اللہ نے انہیں ''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ'' کا سبب قرار دیا ہے۔

کسی شاعر نے ''معطل کنوئیں اور مضبوط محل'' کی آیت کو مدنظر رکھ کر کہا تھا:

بِئْرٌ مُعَطَّلَةٌ وَ قَصْرٌ مُشَرَّفٌ　　مَثَلٌ لِآلِ مُحَمَّدٍ مُسْتَطْرَفٌ

فَالْقَصْرُ مَجْدُهُمُ الَّذِیْ لَا یُرْتَقٰی　　وَ الْبِئْرُ عِلْمُهُمُ الَّذِیْ لَا یُنْزَفُ

ویران کنوئیں اور مضبوط محل کی مثال آل محمدؐ کے لئے ایک اچھوتی تشبیہ ہے۔ محل سے مراد ان کی وہ عظمت ہے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہے اور کنوئیں سے مراد ان کا نہ ختم ہونے والا علم ہے۔

''مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا''

حضرتؑ نے ان کلمات کے ذریعہ سے اپنی عظمت ورفعت کا اظہار کیا ہے کہ سیلاب مجھ تک پہنچ نہیں سکتا اور میں بلندی کی اس منزل پر فائز ہوں کہ کسی پرندہ کی پرواز وہاں تک ممکن نہیں ہے۔ درج بالا الفاظ سے غالباً حضرتؑ یہ کہنا چاہتے ہیں فکر وعقل کا طائر مجھ تک پرواز نہیں کر سکتا کیونکہ جہاں عقل وفکر کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے میرے مقام کی ابتدا ہوتی ہے۔ میرے مقام کے سامنے تمہاری عقل وخرد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تمہارے اوہام وخیال کی سرحدوں سے میں بہت بلند وبالا ہوں۔ اللہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: (وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ لقمان/۲۷) اور اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر کا سہارا دینے کے لئے سات سمندر اور آجائیں تو بھی کلمات الٰہی تمام ہونے والے نہیں ہیں بے شک اللہ صاحب عزت بھی ہے اور صاحب حکمت بھی۔ آیت بالا کے متعلق احتجاج طبرسی میں یہ روایت مذکور ہے کہ یحییٰ بن اکثم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے پوچھا کہ سات سمندر کون سے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا وہ یہ ہیں (عَیْنُ الْكِبْرِیْتِ، عَیْنُ الْیَمِیْنِ، عَیْنُ الْبَرَهُوْتِ، عَیْنُ طَبَرِیَه، سیدان اور افریقہ کے گرم سمندر اور عین باحوارن) اور ہم اللہ کے وہ کلمات ہیں جن کے فضائل کے لئے یہ سات سمندر بھی کم ہیں۔

خلافت سے اعراض

اپنی عظمت ورفعت کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرتؑ نے غصب خلافت کی طرف اشارہ کیا اور اپنے اعراض ویاس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا (فَسَدَلْتُ دُوْنَهَا ثَوْبًا وَ طَوَیْتُ عَنْهَا كَشْحًا) پس میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی۔ یعنی میں نے خلافت واقتدار سے بے رغبتی اختیار کی، اس سے اعراض کر لیا اور اس کے حصول سے مایوس ہو گیا۔ اور جب میں نے خلافت کو غیر مستحق کے ہاتھ میں دیکھا تو (وَطَفِقْتُ اَرْتَاِیْ بَیْنَ اَنْ اَصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّآءَ) میں سوچنے لگا کہ مجھے دو میں سے کون سا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے:

۱۔کیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے حملہ کروں۔یعنی میں سوچنے لگا کہ کیا میں کسی معاون ومددگار کے بغیر غاصبان حکومت سے جنگ کروں۔حضرتؑ نے معاون ومددگار کی عدم دستیابی کو کٹے ہوئے ہاتھ سے اس لئے تشبیہ دی کہ جس طرح سے کٹے ہوئے ہاتھ والا شخص کسی چیز کو قابو نہیں کرسکتا،اسی طرح سے معاون ومددگار کے بغیر تنہا شخص بھی کچھ نہیں کرسکتا اور بالخصوص جب اسی کا مقابلہ ایک منظّم حکومت سے ہو۔حضرتؑ نے اسے بطور استعارہ استعمال کیا۔

۲.(اَوْاَصْبِرَ عَلٰی طَخْیَۃٍ عَمْیَآءَ)یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کرلوں۔غصب خلافت ایک ایسی تاریکی تھی جس میں راستہ چلنے والوں کو راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا اور یہ تیرگی وہی تھی جس کا ذکر اللہ نے قرآن مجید میں ان الفاظ سے کیا ہے(اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآاَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰھَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَالَہٗ مِنْ نُّوْر ۔نور/۴۰)یا ان اعمال کی مثال ایسے گہرے دریا کی تاریکیوں کی ہے جسے ایک کے اوپر ایک لہر ڈھانک لے اور اس کے اوپر تہہ بہ تہہ بادل بھی ہوں کہ جب وہ اپنے ہاتھ نکالے تو تاریکی کی بنا پر کچھ نظر نہ آئے اور جس کے لئے خدا نور قرار نہ دے تو اس کے لئے کوئی نور ہے ہی نہیں۔احادیث میں ''ظلمات'' کی تفسیر تین حکومتوں سے کی گئی ہے۔

لمبی تاریکی

حضرتؑ نے بیان فرمایا کہ میں نے سوچا کہ مجھے اندریں حالات کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے تو میرے سامنے صرف دو ہی راستے تھے: ۱۔بغیر کسی معاون ومددگار کے جنگ کروں یا ۲۔اس بھیانک تیرگی پر صبر کروں۔اور وہ تیرگی بھی چند روزہ نہیں ہے وہ تیرگی اتنی طویل ہے کہ(یَھْرَمُ فِیْھَاالْکَبِیْرُوَیَشِیْبُ فِیْھَاالصَّغِیْرُ)جس میں سن رسیدہ ضعیف اور بچہ بھی بوڑھا ہو جائے یعنی غصب اقتدار کے ایام اتنے لمبے تھے کہ سن رسیدہ ضعیف اور بچہ کا سر وریش سفید ہو جائے۔علاوہ ازیں مجاز وتوسع کے تحت درج بالا الفاظ کا یہ مفہوم بھی ممکن ہے کہ غصب خلافت کے ایام اتنے کٹھن اور صبر آزما تھے جس کی وجہ سے سن رسیدہ ضعیف اور بچہ قبل از وقت بوڑھا ہو جائے۔اور یہ دن قیامت کی طرح سے بچوں کو ضعیف بنا دینے کے لئے کافی تھے۔جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے''یَوْمَ یَجْعَلُ الْوِلْدَانُ شِیْبًا ''۔(وَیَکْدَحُ فِیْھَا مُؤْمِنٌ) اور مؤمن اس تمام عرصہ میں حمایت حق اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے جد وجہد کرتا رہے۔(حَتّٰی یَلْقٰی رَبَّہٗ)یہاں تک کہ اس پر موت وارد ہو اور وہ اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائے۔

اب مجھے اپنے لئے دو میں سے ایک لائحہ عمل کا انتخاب کرنا تھا۔آیا جنگ کروں یا صبر کروں تو میں گہرے فکر کے بعد(فَرَأَیْتُ) اس نتیجہ پر پہنچا(اَنَّ الصَّبْرَ عَلٰی ھَاتَا اَحْجٰی)اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل ہے کیونکہ مخلوق خدا کو گمراہی وجہالت میں چھوڑنا اس وقت قبیح ہے جب انسان کے پاس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت ہو اور انسان یہ گمان کرتا ہو کہ قتال وجدال کے ساتھ ظلم وگمراہی کو روکا جا سکتا ہے اور جب انسان یہ محسوس کرے کہ اس کا بھری دنیا میں کوئی یار ومددگار نہیں ہے تو اس سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے اور انسان کو ان حالات میں صبر کرنا چاہئے۔چنانچہ حضرتؑ نے بھی محسوس کیا کہ ان صبر آزما لمحات میں جنگ وجدال کا نتیجہ اپنے

آپ کو قتل کے لئے پیش کرنے کے مترادف اور آل محمدؐ کا سلسلہ ختم کرنے کے برابر ہے۔ کیونکہ اگر آپؑ جنگ کرتے تو نتیجے میں صرف آپؑ ہی نہیں بلکہ تمام آل محمدؐ قتل کر دیئے جاتے اور دین اسلام ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا اور لوگ الٹے پاؤں پھر جاتے اور کلمہ اسلام مضمحل ہو جاتا اور شجرہ اسلام مرجھا جاتا اسی لئے، ان حالات کا تقاضا یہ تھا کہ صبر کیا جائے اسی لئے حضرتؑ نے فرمایا: ''مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا''۔ (فَصَبَرْتُ وَفِي الْعَيْنِ قَذًى وَفِي الْحَلْقِ شَجًى) پس میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں غبار اندوہ کی خلش تھی جس طرح سے آشوب چشم میں مبتلا شخص درد محسوس کرتا ہے میں نے صبر آزما حالات میں صبر کیا لیکن مجھے صبر کرنے پر سخت اذیت محسوس ہو رہی تھی اور حلق میں غم واندوہ کے پھندے تھے۔ غرضیکہ میں سخت ذہنی اذیت میں مبتلا تھا (اَرَىٰ تُـرَاثِـىْ نَهْبًـا) میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔ میراث سے اپنی زوجہ طاہرہ کی میراث (فدک) اور اپنی میراث خلافت مراد ہے۔

خطبہ ۳، فصل دوم

ناقہ خلافت کی حالت زار

حَتّٰی مَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِہٖ فَاَدْلٰی بِھَا اِلٰی ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَہٗ ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰی: شَتَّانَ مَا یَوْمِیْ عَلٰی کُوْرِھَا وَیَوْمُ حَیَّانَ اَخِیْ جَابِرٍ. فَیَاعَجَبًا! بَیْنَا ھُوَ یَسْتَقِیْلُھَا فِیْ حَیَاتِہٖ اِذْعَقَدَھَا لِآخَرَ بَعْدَوَفَاتِہٖ لَشَدَّمَاتَشَطَّرَا ضَرْعَیْھَا فَصَیَّرَھَا فِیْ حَوْزَۃٍ خَشْنَآءَ یَغْلُظُ کَلَامُھَا وَیَخْشُنُ مَسُّھَا وَیَکْثُرُ الْعِثَارُ فِیْھَا وَالْاِعْتِذَارُ مِنْھَا فَصَاحِبُھَا کَرَاکِبِ الصَّعْبَۃِ اِنْ اَشْنَقَ لَھَا خَرَمَ وَ اِنْ اَسْلَسَ لَھَا تَقَحَّمَ فَمُنِیَ النَّاسُ لَعَمْرُاللّٰہِ بِخَبْطٍ وَّشِمَاسٍ وَتَلَوُّنٍ وَّ اعْتِرَاضٍ فَصَبَرْتُ عَلٰی طُوْلِ الْمُدَّۃِ وَشِدَّۃِ الْمِحْنَۃِ

یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا (پھر حضرتؑ نے بطور تمثیل اعشیٰ کا یہ شعر پڑھا) ''کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو حیان برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا'' تعجب تو یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خلافت سے تو سبک دوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کرتا گیا بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت محل میں رکھ دیا جس کے چرکے کاری تھے، جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بات بات پر ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا۔ جس کا اس سے سابقہ پڑے تو وہ ایسا شخص ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے) اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہی مہلکوں میں پڑ جائے گا، اس کی وجہ سے بقائے ایزدی کی قسم! لوگ کجروی، سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا۔

تشریح لغات (مَضٰی فُلَانٌ لِسَبِیْلِہٖ) فلاں شخص مر گیا۔ (اَدْلٰی بِھَا اِلٰی فُلَانٍ) فلاں کے حوالے کیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَلَاتَاْ کُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَا اِلَی الْحُکَّامِ) اور خبردار ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھانا اور نہ حُکّام کے حوالہ کرنا (البقرہ/۱۸۸) یہ لفظ دراصل عربی کے اس جملہ سے ماخوذ ہے۔: (اَدْلَیْتُ الْحَبْلَ فِی الْبِئْرِ اَدْلَاءً) میں نے کنوئیں میں پانی حاصل کرنے کے لئے رسی ڈالی (تَمَثَّلَ بِالْبَیْتِ) کسی شعر کو بطور تمثیل پڑھنا۔ (شَتَّانَ) اسم فعل ہے اور اس میں تعجب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے (بڑا فرق ہے) مثلاً آپ کہتے ہیں (شَتَّانَ مَابَیْنَھُمَا) ان دونوں میں بڑا فرق ہے شارح معتزلی کہتے ہیں کہ (شَتَّانَ مَابَیْنَھُمَا) کا جملہ صحیح نہیں ہے البتہ ایک قول ضعیف کے مطابق درست ہے۔ (اَلْکُوْرُ) اونٹ کا پالان (اَلْاِقَالَۃُ) معاہدہ فسخ کرنا اور (اِسْتِقَالَۃٌ) کا معنی ہے کسی عہدہ و منصب سے سبک دوشی کی خواہش کرنا۔ جدید اصطلاح کے مطابق

مستغنی ہونا۔(شَدَّ) سخت ہوگیا۔اسی طرح سے (حَبَّ) کے معنی ہیں محبوب بن گیا۔(تَشَطَّرَ) شَطْرٌ سے مشق ہے جس کا معنی نصف ہوتا ہے، کہا جاتا ہے (شَطَرَ مَالَهٗ) اس نے اپنی دولت کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ (شِطْرَ) سے ماخوذ ہو اور (شِطْرٌ) ناقہ کے پچھلے حصے کو کہا جاتا ہے۔(تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا) یعنی ان دونوں نے خلافت سے اپنا حصہ وصول کیا۔کتب لغت میں (شَطْرٌ) سے باب تفعّل موجود نہیں ہے۔علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ روایت مفیدؒ میں (شَاطَرَا) کے الفاظ وارد ہیں اور (شَاطَرْتُ نَاقَتِیْ) کا معنی ہے کہ میں نے ناقہ سے اپنے حصے کا دودھ دوہ لیا اور دوسرے کا حصہ چھوڑ دیا۔اور (شَاطَرْتُ فُلَاناً مَالِیْ) کا معنی ہے میں نے فلاں کو اپنی آدھی دولت دے دی۔(اَلْحَوْزَةُ) طبیعت، کنارا۔(اَلْغَلْظُ) سختی، نرمی کا متضاد۔(اَلْكَلْمُ) کاف کی زبر اور لام کی جزم کے ساتھ، یہ لفظ۔(كَلَمْتُهٗ كَلْمًا) سے مشق ہے اور اس کا معنی ہے میں نے اسے زخم لگایا۔پھر اس کے مصدر کا معنی زخم ہوتا ہے اور اس کی جمع (كُلُوْمٌ) اور (كَلَامٌ) بروزن (بَحْرٌ بَحُوْرٌ بَحَارٌ) آتی ہے۔(اَلْعِثَارُ) عین کی زیر کے ساتھ، (عَثَرَ الرَّجُلُ وَالْفَرَسُ) سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے ٹھوکر کھانا۔اور یہ باب (ضَرَبَ، نَصَرَ اور عَلِمَ) کے وزن سے تعلق رکھتا ہے۔(اَلصَّعْبَةُ) وہ اونٹنی جو سرکش ہو اور جس پر محمل اور سواری نہ کی گئی ہو۔

(اَشْنَقَ بَعِيْرَهٗ) اس نے روکنے کی غرض سے اونٹ کی مہار کھینچی۔سیدرضیؒ خطبہ کے آخر میں لکھتے ہیں: ''خطبہ کے یہ الفاظ (كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ اِنْ اَشْنَقَ لَهَا خَرَمَ وَاِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ) سے مراد یہ ہے کہ سوار جب مہار کھینچنے میں ناقہ پر سختی کرتا ہے تو اس کھینچا تانی میں اس کی ناک زخمی ہو جاتی ہے اور اگر اس کی سرکشی کے باوجود باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اسے کہیں نہ کہیں گرا دے گی اور اس کے قابو سے باہر ہو جائے گی۔(اَشْنَقَ النَّاقَةُ) اس وقت بولا جاتا ہے، جب سوار باگوں کو کھینچ کر اس کے سر کو اوپر کی طرف اٹھائے اور اسی طرح (شَنَقَ النَّاقَةُ) استعمال ہوتا ہے۔ابن سکیت نے اصلاح المنطق میں اس کا ذکر کیا ہے۔حضرت نے (اَشْنَقَهَا) کی بجائے (اَشْنَقَ لَهَا) استعمال کیا ہے۔چونکہ آپؑ نے یہ لفظ (اَسْلَسَ لَهَا) کے بالمقابل استعمال کیا ہے اور سلاست اسی وقت باقی رہ سکتی تھی جب ان دونوں لفظوں کا نہج استعمال ایک ہو۔گویا حضرتؑ نے (اِنْ اَشْنَقَ لَهَا) کو (اِنْ رَفَعَ لَهَا) کی جگہ استعمال کیا ہے۔یعنی اس کی باگیں اوپر کی طرف اٹھا کر روک رکھے۔(اَلْخَرْمُ) پھٹنا یعنی اس کی ناک کا درمیانی حصہ شگافتہ ہوتا ہے۔(اَسْلَسَ لَهَا) مہار کو ڈھیلا کیا۔(تَقَحَّمَ) فلاں، فلاں شخص نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔اسی سے (تَقَحَّمَ اَلْفَرَسُ) مشتق ہے اور یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب گھوڑا اپنے سوار کو منہ کے بل گرا دے۔(مُنِیَ) ماضی مجہول، مبتلا ہوا۔(اَلْخَبْطُ) بغیر واقفیت کے کسی راہ پر چلنا (اَلشِّمَاسُ) شین کی زیر کے ساتھ سرکشی۔اسی سے (فَرَسٌ شَمُوْسٌ) سرکش گھوڑا، ماخوذ ہے۔(اَلتَّلَوُّنُ) انسان کا متلون مزاج ہونا، پل پل بدلتے رہنا (اَلْاِعْتِرَاضُ) بے راہ روی۔(اَلْمِحْنَةُ) مصیبت و آزمائش۔

اعراب

(لِسَبِیْلِہٖ) میں لام بمعنی علیٰ ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے (فَخَرَّ صَرِیْعًا لِّلْیَدَیْنِ وَالْفَمِ) وہ ہاتھوں اور منہ کے بل گرا (شَتَّانَ) مبنی بر فتح ہے اور یہ اسم فعل (اِفْتَرَقَ) کے ساتھ تعجب کو بھی متضمّن ہے۔ یہ اسم فعل دو فاعلوں کا مقتضی ہوتا ہے۔ مثلاً (شَتَّانَ زَیْدٌ وَ عَمْرٌو) یعنی زید و عمرو ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور کبھی (شَتَّانَ) کے بعد ما کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ اعشیٰ کے شعر میں (شَتَّانَ مَایَوْمِیْ.....)۔ یَوْمِیْ وَ یَوْمُ حَیَّانٍ فاعلیّت کی وجہ سے مرفوع ہیں۔ (یَاعَجَبًا) حرف ندا کی وجہ سے منصوب ہے۔ اصل میں یہ جملہ (یَاعَجَبِیْ) تھا۔ پھر ''یا'' کو ''الف'' میں تبدیل کر دیا گیا گویا متکلم اپنے تعجب کو صدا دیتے ہوئے کہتا ہے (اُحْضُرْ فَھٰذَا اَوَانُ حُضُوْرِكَ) اے میرا تعجب حاضر ہو کیونکہ یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ (بَیْنَا) یہ دراصل (بَیْنَ) ظرفیت کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ زبر کو اشباع کے ذریعہ سے الف میں تبدیل کر دیا گیا اور عام طور پر اس کے بعد ''اِذْ'' فجائیہ آتا ہے۔ (لَشَدَّ) میں لام قسم مقدر کا جواب ہے۔ (شَدَّ) یعنی سخت ہو گیا، (مَا) مصدریہ ہے اور (شَدَّ) فعل کا فاعل مصدر ہے اور یہ فعل تعجب کے علاوہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ (فِیْھَا، مِنْھَا) کی ضمیروں کا مرجع (حوزہ) ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ (کَثْرَۃُ عِثَارٍ) سے مستفاد (عَثَرَاتٌ)، مِنْھَا کی ضمیر کا مرجع ہو۔ (وَالْاِعْتِذَارُ مِنْھَا) میں (مِنْ) ''اعتذار'' مصدر کا صلہ ہے یا صفت مقدرہ کا صلہ بن کر (اِعْتِذَارٌ) کی صفت ہے یا حال واقع ہو رہا ہے۔ شارح معتزلی کہتے ہیں کہ اس مقام پر لفظ (مِنْ) تعلیل و سببیّت کا بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ (لَعَمْرُ اللّٰہِ) لفظ عمر کی عین پر پیش اور زبر دونوں جائز ہیں، (عُمْرُ الرَّجُلِ) مصدر ہے اور (عُمْرُ الرَّجُلِ) کا معنی ہے کہ کوئی شخص طویل عرصہ تک زندہ رہے۔ اور جب یہ لفظ قسم میں استعمال ہو تو پھر عین پر زبر پڑھی جاتی ہے۔ اور جب اس پر لام تاکید داخل کی جائے تو بر بنائے مبتدا اسے مرفوع پڑھا جائے گا اور اس کی خبر محذوف ہوتی ہے اس کی تقدیر عبارت یہ قرار پائے گی (لَعَمْرُ اللّٰہِ قَسَمِیْ) اور جب آپ لام داخل نہ کریں تو مصادر کی طرح اس پر نصب پڑھی جائے گی۔

مفہوم خطبہ

(حَتّٰی اِذَامَضَی الْاَوَّلُ لِسَبِیْلِہٖ) یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی یعنی جناب ابوبکر کی وفات واقع ہوئی۔ جناب ابوبکر کی مدت خلافت میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ان کی مدت خلافت دو سال دو ماہ اور پچیس دن تھی۔ ایک اور قول یہ ہے کہ ان کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ اور سات دن تھی، ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ان کی مدت خلافت دو سال تین ماہ اور بارہ دن تھی۔ بعض روایات میں دس دن اور بعض میں بیس دن بیان کیے گئے ہیں۔ خواہ کچھ بھی ہو جب ان پر وقت وفات طاری ہوا تو (اَدْلٰی بِھَا اِلٰی ابْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَہٗ) اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔ لفظ (اَدْلٰی) اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ جناب ابوبکر کی طرف سے جناب عمر کی خلافت کا اعلان نادرست تھا اور وہ گویا ایک قسم کی رشوت تھی اور وہ (تُدْلُوْا بِھَا اِلَی الْحُکَّامِ) کی ایک قسم تھی۔

اگر اس مقام پر یہ کہا جائے کہ رشوت تو کوئی شخص اپنی زندگی میں دیتا ہے موت کے وقت رشوت دینے کا کوئی مطلب و مفہوم نہیں ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظر میں انہیں عہدہ خلافت دینا، غیر مستحق کو عہدہ جلیلہ

دینے کے مترادف تھا اسی لئے حضرتؑ نے خلیفہ اول کے اس عمل کو کسی حاکم کو رشوت دینے سے تعبیر کرتے ہوئے لفظ (اِدْلَاءٌ) کا استعارہ استعمال کیا۔ جناب عمر کا شجرہ نسب اس طرح سے ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح اور ماں کی طرف سے ان کا شجرہ نسب یہ ہے: عمر بن حَنتمہ (حَنتمہ۔ابن ابی الحدید) بنت ھاشم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم اور موصوف چند ان قابل فخر نسب سے تعلق نہیں رکھتے تھے علاوہ ازیں آپ دور جاہلیت میں بھی کوئی قابل قدر شخصیت کے مالک نہیں تھے۔ابن عبدربہ نے عقدالفرید میں لکھا ہے کہ جب جناب عمر نے عمرو بن العاص کو اپنا عامل مقرر کیا تو عمرو بن العاص نے کہا: ''اللہ اس دور کو رسوا کرے جب عمرو بن العاص، عمرو بن خطاب کا عامل بنا ہے۔ زمانہ کا انقلاب ہے کہ آج عمر حاکم ہے اور میں اس کا عامل ہوں ورنہ میں نے خطاب اور اس کے بیٹے کو مکہ میں اس حال میں بھی دیکھا جب باپ بیٹا دونوں کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوتا تھا جس کی قیمت ایک درہم بھی نہیں ہوتی تھی اور جس کی اجرت سے ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہ آتی تھی جبکہ اس دور میں میرا باپ عاص ریشمی چادریں زیب تن کیا کرتا تھا''۔ شارح معتزلی، زبیر بن بکار کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے کہا تھا: ''اللہ اس دور کو غارت کرے جس میں میں عمر بن خطاب کا عامل ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے عمر اور اس کے باپ کو دیکھا تھا کہ انہوں نے قطوانی عبائیں پہنی ہوئی تھیں جو اُن کے گھٹنوں تک بھی پوری نہیں ہوتی تھیں اور انہوں نے اپنے سروں پہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا ہوا ہوتا تھا جبکہ اس وقت میرا باپ عاص بن وائل دیباج کے کپڑوں میں ملبوس ہوتا تھا۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار میں نہایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جناب عمر بازار میں کاروبار کیا کرتے تھے اور دوکاندار اور گاہک کے درمیان کرایہ پر سودا طے کراتے تھے'' اور قاموس میں ہے کہ جناب عمر کرایہ کے گھوڑوں اور گدھوں کا کرایہ طے کراتے تھے اور فریقین سے انعام حاصل کرتے تھے.....''

جناب عمر کی نامزدگی

شارح معتزلی رقم طراز ہیں کہ جب جناب ابوبکر کا وقت وفات آیا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور ان سے کہا: ''مجھے بتاؤ کہ عمر کیسے ہیں؟'' عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: ''میں نے جتنے لوگوں کو دیکھا ہے عمر ان سے بہتر ہیں۔ مگر ان کی طبیعت میں سختی ہے''۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''وہ اس لئے سخت ہیں کہ میں نرم ہوں اور جب ان پر ذمہ داری عائد ہوگی تو نرم ہو جائیں گے۔ جب میں کسی پر ناراض ہوتا ہوں تو عمر مجھے اس سے راضی ہونے کی ترغیب دیتے ہیں اور جب میں کسی پر زیادہ نرمی کرتا ہوں تو عمر مجھے اس پر سختی کی رغبت دلاتے ہیں''۔ پھر انہوں نے جناب عثمان بن عفان کو بلایا اور ان سے پوچھا: ''تمہاری نظر میں عمر کیسے ہیں؟''۔ انہوں نے کہا: ''اس کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے اور ہماری جماعت میں اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے''۔ جناب ابوبکر نے ان سے کہا: ''میری اس گفتگو کا عمر سے تذکرہ نہ کرنا''۔ پھر طلحہ بن عبیداللہ جناب ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے کہا: ''میں نے سنا ہے کہ آپ عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں! آپ کی موجودگی میں لوگ عمر سے تنگ ہیں اور جب عمر مکمل حاکم بنیں گے تو لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ آپ اپنے خدا کے حضور پیش ہونے والے ہیں اور جب خدا نے آپ سے رعیت کے متعلق پوچھا تو آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟'' جناب ابوبکر نے کہا: ''مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ''۔ جب بیٹھ گئے تو انہوں نے کہا: ''تو مجھے خدا سے ڈرانا چاہتا ہے تو سن لے جب اللہ نے مجھ سے پوچھا تو میں کہوں گا: میں اسے اپنا

جانشین بنا کر آیا ہوں جو سب سے بہتر ہے''۔ یہ جملے سن کر طلحہ نے از راہ تعجب کہا: ''تو کیا عمر تمام انسانوں سے افضل ترین فرد ہیں؟'' طلحہ کے یہ الفاظ سن کر جناب ابوبکر کو سخت غصہ آیا اور کہا: ''جی ہاں! عمر سب سے بہتر ہے اور تو سب سے برا ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں نے تجھے حاکم بنا دیا تو تیری ناک تیری پشت پر آجائے گی۔ اور تو اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ تجھے رسوا کرے گا۔ تو اس وقت میرے پاس اسی لئے آیا ہے کہ تو مجھے میرے دین سے بھٹکا دے اور مجھے میری رائے سے منحرف کر دے۔ میرے یہاں سے اٹھ کر چلا جا خدا تجھے اٹھنا نصیب نہ کرے۔ اگر میں کچھ دیر زندہ رہا اور میں نے تیرے متعلق یہ سنا کہ تو نے عمر پر تنقید کی ہے تو میں تجھے ''خمصات قنہ'' کے مقام پر جلاوطن کر کے بھیج دوں گا۔ جہاں تیرا خاندان پہلے ذلت کی زندگی بسر کیا کرتا تھا''۔ جناب ابوبکر کی یہ تند و تلخ گفتگو سن کر طلحہ اٹھ کر چلے گئے۔ پھر جناب ابوبکر نے جناب عثمان کو بلایا اور عالم نزع میں اسے کہا کہ لکھو: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ تحریر ہے جو عبداللہ بن عثمان نے مسلمانوں کے لئے لکھوائی ہے۔ امابعد!''۔ درج بالا الفاظ لکھا کر جناب ابوبکر بے ہوش ہو گئے اور جناب عثمان نے یہ جملے لکھے: ''میں نے تم پر عمر بن خطاب کو والی مقرر کیا ہے''۔ جب وہ ہوش میں آئے تو جناب عثمان سے کہا: ''مجھے پڑھ کر سناؤ''۔ جب انہوں نے پوری عبارت پڑھ کر سنائی تو جناب ابوبکر نے تکبیر کہی، خوش ہوئے اور کہا: ''تو نے یہ جملے شاید اس لئے لکھے ہیں کہ تجھے اس بات کا خوف تھا کہ میں اس بے ہوشی میں دینا کو خیر باد نہ کہہ دوں اور لوگ اختلاف کا شکار نہ ہو جائیں؟'' جناب عثمان نے کہا: ''جی ہاں!''۔ جناب ابوبکر نے کہا: ''اللہ تجھے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے''۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ ان کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے اور جناب عمر کو بلایا اور انہیں چند وصیتیں کہیں پھر خدا کو پیارے ہو گئے ان کی وفات منگل کی شب بائیس جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو واقع ہوئی۔

اہل انصاف کو دعوت فکر

(قول مؤلف) سطور بالا میں ہم نے جناب عمر کی نامزدگی کی تفصیل بیان کی ہے اب اس کے بعد اہل انصاف قارئین کو دعوت فکر دینا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ جناب ابوبکر نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں خدا جانے جناب عمر کو افضل الناس کیسے کہا؟ تو کیا انہوں نے حدیث طیر نہیں سنی تھی کہ رسولؐ خدا کے سامنے ایک بھنا ہوا پرندہ لایا گیا تو انہوں نے دعا مانگی تھی کہ خدایا اس وقت میرے پاس اسے بھیج جو تیری تمام مخلوق میں تجھے زیادہ محبوب ہو۔ رسولؐ خدا کی دعا قبول ہوئی اور حضرت علیؑ آئے اور انہوں نے رسالت مآبؐ کے ساتھ اس پرندے کا گوشت تناول فرمایا۔ علاوہ ازیں فضائل علیؑ کی دیگر احادیث ان کے حافظہ سے اتر گئی تھیں؟

۲۔ بے ہوشی کے عالم میں جناب عثمان نے عمر کا نام لکھ دیا جسے بعد میں ابوبکر نے قبول کر لیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر کے اس حق کو تسلیم کر لیا گیا کہ انہیں خلیفہ مقرر کرنے کا تو حق ہے۔ لیکن رسولؐ خدا کے لئے جمہور مسلمین نے اس حق کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔

۳۔ جناب عمر کی نامزدگی کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ جناب ابوبکر امت کے لئے شفیق تھے اسی لئے انہوں نے امت کو اختلاف سے بچانے کے لئے خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ تو کیا حضرت رسولؐ خدا جنہیں اللہ نے (بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَحِيْمٌ) رسولؐ مومنوں پر شفیق و مہربان

ہیں کہا ہے، انہوں نے امت کو خلیفہ کے بغیر چھوڑ دیا تھا؟

۴۔ اگر جمہور مسلمین کے اس نظریہ کو قبول بھی کر لیا جائے کہ حضور کریمؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا اور جناب ابوبکر نے خلیفہ مقرر کیا۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کی سنت خلیفہ مقرر نہ کرنا اور جناب ابوبکر کی سنت ہے خلیفہ مقرر کرنا۔ تو ان دو سنتوں میں سے جو کہ ہر لحاظ سے ایک دوسرے کی متضاد ہیں، صحیح طرز عمل کس کا ہے؟ کیا رسولؐ کا عمل صحیح ہے یا عمل خلیفہ صحیح ہے؟

دل صاحب انصاف سے انصاف طلب ہے

۵۔ صحاح ستہ اور دیگر مستند کتابوں میں مذکور ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنے زندگی کے آخری لمحات میں کاغذ و قلم دوات طلب کیا تھا اور فرمایا تھا: ''میں ایک ایسی تحریر لکھنا چاہتا ہوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے''۔ رسولؐ خدا کی اس خواہش کے جواب میں جناب عمر نے کہا تھا: ''ہمیں کسی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود ہے اور رسولؐ اس وقت ہذیان کہہ رہے ہیں''۔ (نعوذ باللہ)

(اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں)

وفات رسولؐ کے تقریباً سوا دو سال بعد خلیفہ صاحب سخت بیماری کے عالم میں وصیت تحریر کرا رہے ہیں کہ میں نے عمر کو خلیفہ بنایا .....مسلمانو! رسولؐ خدا کی وصیت تو ہذیان ہے! لیکن خلیفہ کی وصیت حرز جان ہے! تمام مذہبی وابستگیوں سے بلند و بالا ہو کر انصاف فرمائیں۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو ان الفاظ سے بیان کیا تھا:

اَوْصَی النَّبِیُّ فَقَالَ قَائِلُهُمْ قَدْ خَلَّ یَهْجُرُ سَیِّدُ الْبَشَر

وَ رَأیُ اَبِیْ بَکْرٍ اَصَابَ وَ لَمْ یَهْجُرْ فَقَدْ اَوْصیٰ اِلیٰ عُمَر

رسولؐ نے وصیت کی تو ایک کہنے والے نے کہا تھا کہ رسولؐ ہذیان کہتے ہیں۔ جناب ابوبکر نے ایک رائے قائم کی تو وہ ہذیان پر مبنی نہ تھی بلکہ صحیح رائے تھی کیونکہ اس طرح انہوں نے جناب عمر کو حاکم مقرر کیا تھا۔ حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ کی وصیت اس لئے ہذیان تھی کہ وہ علیؑ کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ لیکن ابوبکر کی وصیت صحیح تھی کیونکہ وہ عمر کے متعلق تھی.....آخر اس کا کیا جواز ہے؟

شعر اعشیٰ سے تمثیل

(ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الْاَعْشٰی) پھر حضرت نے بطور تمثیل اعشیٰ کا مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔ اعشیٰ عرب کا مشہور شاعر تھا اس کا پورا نام ابوبصیر میمون بن قیس بن جندل تھا (شَتَّانَ مَا یَوْمِیْ عَلیٰ کُوْرِهَا..وَیَوْمَ حَیَّانَ اَخِیْ جَابِرٍ) کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو جابر کے بھائی حیان کی صحبت میں گزرتا تھا۔

شعر کا پس منظر

حیان بن سمین یمامہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کا سردار اور صاحب قلعہ و سپاہ تھا۔ جابر اس کے چھوٹے بھائی کا نام ہے اور اعشیٰ اس کی بزم

ناؤ ونوش میں ندیم ومصاحب کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے انعام واکرام سے خوش حالی وفارغ البالی کی زندگی بسر کرتا تھا۔اس شعر میں اس نے اپنی پہلی زندگی کا موجودہ زندگی سے تقابل کیا ہے کہ کہاں یہ دن کہ جب رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہوں اور کہاں وہ دن جو حیان کی مصاحبت میں آرام وسکون سے گزرے ہیں۔امیر المومنین کے اس شعر کو بطور تمثیل لانے کا مقصد عموماً یہ سمجھا گیا ہے کہ اپنے اس دکھ بھرے زمانے کا مقابلہ اس زمانہ سے کریں جو پیغمبرؐ کے دامان عاطفت میں گزرتا تھا اور ہر طرح کے غل وغشی سے پاک اور روحانی سکون کا سروسامان لئے ہوئے تھا۔لیکن محل تمثیل اور نیز مضمون شعر پر نظر کرتے ہوئے یہ مقصود ہو تو بعید نہیں ہے کہ برسر اقتدار افراد زمانہ رسولؐ میں بے وقعتی اور موجودہ حالت میں ان کے اقتدار واختیار کا فرق دکھلایا جائے۔یعنی ایک وقت وہ تھا کہ رسولؐ کے زمانے میں میرے سامنے ان کی بات بھی نہ پوچھی جاتی تھی اور اب یہ دور آیا ہے کہ یہ امور مسلمین کے واحد مالک بنے ہوئے ہیں۔

مقام تعجب

پھر آپؑ نے اس نامزدگی پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمایا(فَيَا عَجَباً بَيْنَمَا هُوَ يَسْتَقِيلُهَا فِيْ حَيَاتِهٖ اِذْ عَقَدَهَا لِآخَرَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ)تعجب ہے وہ اپنی زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کرتا گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بار بار(اَقِيلونی اَقِيلونی)مجھے اس منصب سے سبکدوش کردو کہنا صرف زبان کی حد تک محدود تھا اگر وہ اس دعویٰ میں سچا ہوتا تو کسی دوسرے کو اپنا جانشین نامزد کر کے نہ جاتا۔خلیفہ اول کی طرف سے سبکدوشی کی خواہش کا اظہار کتب تاریخ میں موجود ہے۔انہوں نے متعدد بار یہ لفظ کہے تھے(اَقِيْلُوْنِیْ اَقِيْلُوْنِیْ فَلَسْتُ بِخَيْرِكُم وَعَلِیٌّ فِيْكُمْ)مجھے اس عہدہ سے سبکدوش کردو مجھے اس عہدہ سے سبکدوش کردو میں تم سے بہتر نہیں ہوں جب کہ علیؑ تم میں موجود ہیں۔علامہ مجلسیؒ نے خلیفہ اول کے یہ الفاظ بحار الانوار میں تاریخ طبری، بلاذری کی انساب الاشراف، سمعانی کی الفضائل اور ابوعبیدہ کے بعض مصنفات سے نقل کئے ہیں۔اور لطف یہ ہے کہ علامہ رازی نے ان الفاظ کی صحت کو تسلیم کر کے اپنی طرف سے چند کمزور قسم کے جواب تحریر کئے ہیں۔علاوہ ازیں حضرت امیرؑ کی طرف سے اس بات کو نقل کرنا روایت کے صحیح ہونے کی اقوی دلیل ہے۔

بعض شیعہ محققین نے لکھا ہے کہ دراصل ان الفاظ سے خلیفہ اول یہ کہنا چاہتے تھے کہ جب تک علیؑ زندہ سلامت موجود ہیں تو اس وقت تک میں تم سے بہتر قرار نہیں پا سکتا،اسی لئے بہتر یہ ہے کہ علیؑ کو قتل کر دیا جائے تا کہ میری خلافت غیر متنازعہ قرار پائے۔(لَشَدَّمَا تَشَطَّرَا ضَرْعَيْهَا)بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔حضرتؑ نے ان الفاظ سے خلافت کی تشبیہ دودھ دینے والی ناقہ سے دی ہے اور پھر فرمایا کہ دونوں نے خلافت کے تھنوں کو آپس میں تقسیم کر لیا اور دونوں منصب خلافت سے دل کھول کر لطف اندوز ہوئے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ فوائد سمیٹے۔حضرتؑ نے سقیفہ کی کارروائی کے بعد جناب عمر سے کہا تھا(اَحْلِبْ حَلَبًا لَكَ شَطْرَهٗ اُشْدُدْ لَهٗ الْيَوْمَ يَرِدْهُ عَلَيْكَ غَدًا)اچھی طرح سے اس کے تھنوں سے دودھ دوہ لو اس میں تمہارا بھی حصہ ہے اور آج اس کی حکومت کو مستحکم کرو تا کہ کل وہ یہ حکومت تیرے سپرد کرے۔

تند مزاجی

حضرتؑ نے اس داستان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ شخص جو اپنی زندگی میں تو سبکدوشی کی باتیں کیا کرتا تھا مرتے وقت ایک اور شخص کو اپنا جانشین نامزد کر کے چلا گیا۔ اے کاش! کسی صاحب خُلق کو ہی جانشین بنایا ہوتا۔ مگر یہاں تو یہ ہوا کہ (فَصَيَّرَهَا فِيْ حَوْزَةٍ خَشْنَاءَ) اس خلافت کو ایک سخت اور درشت محل میں رکھ دیا۔ (جناب ابوبکر نے ایک ایسے شخص کو اپنا جانشین مقرر کر کے امت اسلامیہ کی گردن پر سوار کیا جو تند مزاج اور درشت خو تھا۔ جس شخص کی طبیعت میں ملائمت و ملاطفت کا نام تک نہیں تھا۔ اور جس کی دوسری صفت یہ تھی) (يَغْلِظُ كَلْمُهَا) جس کے لگائے ہوئے لفظوں کے زخم کاری تھے۔ نفسیاتی اعتبار سے یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ تلوار کے زخموں سے زبان کے گھاؤ زیادہ کاری ہوتے ہیں۔ تیر و سناں کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم مندمل نہیں ہوتے۔ ایک شاعر نے اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

نئے خلافت مآب کی تیسری صفت حضرت نے یہ بیان فرمائی (يَخْشُنُ مَسُّهَا) جس کو چھو کر بھی سختی محسوس ہوتی تھی۔ یعنی نئے خلیفہ اس قدر درشت اور اکھڑ مزاج کے مالک تھے کہ طبع سلیم رکھنے والا شخص ان سے ہاتھ ملا کر راضی نہیں ہوتا تھا اور تاریخ ان کی ہیبت کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی بدمزاجی اور اکھڑ پن تاریخ کا حصہ ہے۔ ہم صرف چند مثالوں پر اکتفا کریں گے:

۱۔ جناب عمر کی وفات کے بعد ابن عباسؓ نے ''مسئلہ عول'' کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا تو کسی نے ان سے پوچھا: ''میراث میں مسئلہ عول کو کس نے ایجاد کیا تھا؟'' ابن عباسؓ نے کہا: ''عمر بن خطاب نے مسئلہ عول ایجاد کیا تھا''۔ کہنے والے نے کہا: ''پھر تم نے ان کی زندگی میں اس کے باطل ہونے کا فتویٰ کیوں نہ دیا؟'' ابن عباسؓ نے کہا: ''ان کی ہیبت سے میں خوف زدہ تھا''۔

۲۔ جناب عمر نے جبلہ بن ایہم پر ناروا سختی کی تو وہ اس سختی کو برداشت نہ کر سکا۔ نومسلم تھا اور طبع حساس رکھتا تھا اس لئے نصرانی ہو گیا۔ اگر اس سے نرمی کا سلوک کیا جاتا تو وہ کبھی مرتد نہ ہوتا۔ جب کہ اس کے برعکس حبیبؐ خدا کے اخلاق کی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے تصویر کشی کی ہے: (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ) بے شک آپ خلق عظیم کے وارث ہیں۔

۳۔ صلح حدیبیہ کے وقت موصوف نے رسولؐ خدا سے تند و تیز لہجہ میں گفتگو کی۔ جس پر جناب ابوبکر کو مجبور ہو کر انہیں ٹوکنا پڑا۔

۴۔ رسولؐ خدا نے اپنی مرض موت میں قلم دوات طلب کی تو انہوں نے قول رسولؐ کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور فرمان رسولؐ کو ہذیان کہہ کر ٹھکرا دیا۔

شارح معتزلی کا عذر لنگ

شارح معتزلی نے خطبہ شقشقیہ میں حضرتؑ کے اس فرمان کو نقل کیا اور پھر جناب عمر کی درشت مزاجی کی خود ہی مثالیں تحریر کیں لیکن اپنے مذہبی عقیدہ سے مجبور ہو کر جناب عمر کی وکالت کرتے ہوئے کہا: ''اس میں جناب عمر کا کوئی قصور نہیں ہے۔ انہیں اللہ نے فطری

طور پر بنایا ہی ایسا تھا کہ وہ جو کچھ دل میں رکھتے تھے اس کا صحیح اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ بعض اوقات وہ کسی کی مدح کرنا چاہتے تو ان کی زبان سے مذمت کے الفاظ جاری ہو جاتے تھے اس میں ان کا کوئی دوش نہ تھا۔ سننے والے سمجھتے کہ وہ سختی کر رہے ہیں جب کہ ان کے دل میں نرمی اور شفقت ہوتی تھی اور نبیؐ اکرم کی مشہور حدیث ہے (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ان کی نیت صلح حدیبیہ اور مرض رسولؐ میں نیک تھی اگرچہ ان کی زبان ان کے دلی جذبات کی ترجمانی سے قاصر رہی تھی۔ شارح معتزلی کے جواب میں ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ اگر یہی اصول بنا لیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی شخص گناہ گار نہیں قرار پائے گا۔ ایک جھوٹا آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں میری خلقت ہی کچھ ایسی ہوئی ہے کہ میں جھوٹ بولے بغیر نہیں رہ سکتا البتہ میری نیت پھر بھی اچھی ہوتی ہے۔ مال یتیم کھانے والا ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں فطرت سے مجبور ہو کر ایسا کرتا ہوں ورنہ میرا دل تو یتیم کی محبت سے لبریز ہے۔

بلاتشبیہ اگر ابلیس یہ کہہ دے کہ میں نے سجدہ آدم سے انکار اپنی ناری جبلت سے مجبور ہو کر کیا تھا ورنہ میرے دل میں اللہ کے فرمان کا بے حد احترام موجود تھا اور میرے ظاہری الفاظ کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ میری نیت نیک تھی اسی لئے مجھے اس کی جزا ملنی چاہئے تو اس منطق کی رو سے اسے بھی نیک اور اطاعت گزار سمجھنا ہوگا۔ الغرض شارح معتزلی کے جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حضرتؑ نے نئے نامزد کردہ خلیفہ کی چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (یَکْثُرُ الْعِثَارُ فِیْهَا وَ الْاِعْتِذَارُ مِنْهَا) جہاں بات بات پر ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا۔ ان الفاظ سے حضرتؑ کا مقصود یہ ہے کہ جناب ابوبکر نے جن کی نامزدگی کی تھی ان کی حالت یہ تھی کہ وہ احکام وقضایا میں بکثرت غلطیاں کرتے تھے اور فتاویٰ وشرائع اسلام سے سخت ناواقف تھے قدم قدم پہ ٹھوکر کھانا ان کا معمول اور بات بات پہ معذرت کرنا ان کا دستور تھا۔

جناب عمر کے غلط فیصلے

اگر ہم جناب عمر کے غلط اقوال اور غلط فیصلوں کو جمع کرنا چاہیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی اور ایسا کرنا ہمارے موضوع اور مقصود سے باہر ہے۔ بطور نمونہ ہم ان کی چند غلط فہمیوں کی نشان دہی کئے دیتے ہیں۔

۱۔ میراث جد کا فیصلہ

شارح معتزلی رقم طراز ہیں کہ جناب عمر کبھی ایک فیصلہ پر قائم نہیں رہتے تھے، اپنے فیصلوں میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کرتے تھے۔ انہوں نے بھائیوں کے ساتھ دادا کی موجودگی کے ساتھ میراث کے متعلق مختلف فتوے جاری کئے تھے جو سب ایک دوسرے کی نقیض تھے اور آخر کار ایک مرتبہ تنگ آ کر فرمایا: ''جو جہنم کے انگارے منہ میں بھرنے کا خواہش مند ہو تو وہ دادا کی میراث کے متعلق اپنی رائے سے فتویٰ دے''۔

۲۔ وفات رسولؐ کا انکار

جب سید المرسلینؐ کی وفات ہوئی اور لوگ جوق در جوق رسولؐ خدا کے دروازے پر جمع ہونے لگے تو حضرت عمر تلوار لیے ہوئے وہاں آ پہنچے اور کہنے لگے: ''خبردار! جس نے (حضرت) محمدؐ کے متعلق کہا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔

(حضرت) محمدؐ فوت نہیں ہوئے۔ البتہ ہماری آنکھوں سے چند دنوں کے لئے غائب ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ چند دنوں کے لئے اپنی قوم کو چھوڑ کر طور سینا پر گئے تھے اور عنقریب (حضرت) محمدؐ واپس آئیں گے اور جو لوگ ان کی موت مشہور کر رہے ہیں ان کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ ابھی موصوف کی یہ تقریر جاری تھی کہ جناب ابوبکر آئے اور کہا ''لوگو! جو شخص (حضرت) محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو (حضرت) محمدؐ فوت ہو چکے ہیں اور جو رب محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اس پر موت نہیں ہے پھر انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔ (اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ) تو کیا محمدؐ اگر طبعی موت مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟''۔ جناب عمر کہتے ہیں: ''مجھے یوں معلوم ہوا جیسے میں نے زندگی میں یہ آیت پہلی بار سنی ہو۔ چنانچہ میں نے سر جھکا لیا اور یقین ہو گیا کہ نبی کریمؐ کی وفات ہو گئی ہے''۔ (قول مؤلف:)۔ مقام تعجب ہے جس شخص کی معرفت رسولؐ کا یہ عالم ہو کہ وہ حضور اکرمؐ کی موت کا انکار کر بیٹھے اور یہ کہتا پھرے کہ رسولؐ واپس آ کر لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، وہ خلیفہ رسولؐ کیسے بن گیا؟

۳۔ ایک عورت نے لاجواب کر دیا

جناب عمر نے ایک مرتبہ منبر پر بیٹھ کر اعلان کیا کہ جس عورت کا حق مہر ازواج پیغمبرؐ کے حق مہر سے زیادہ ہوگا، وہ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے گا۔ گلی سے گزرنے والی ایک عورت نے ان کا یہ اعلان سنا تو بے دھڑک مسجد میں چلی آئی اور انہیں خطاب کر کے کہا: ''تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اللہ تو ہمیں زیادہ سے زیادہ حق مہر لینے کی اجازت دے اور عمر ہمیں اس سے منع کرے؟''۔ جناب عمر نے کہا: ''تمہارے پاس اپنے دعویٰ کی کیا دلیل ہے؟''۔ عورت نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا (وَاِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّکَانَ زَوۡجٍ وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَیۡئًا اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ۔ نساء/ ۲۵) اگر تم ایک زوجہ کی جگہ دوسری زوجہ لانا چاہو اور ایک کو مال کثیر بھی دے چکے ہو تو خبردار اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اس مال کو بہتان اور کھلے گناہ کے طور پر لینا چاہتے ہو''۔ جب عورت نے قرآنی استدلال پیش کیا تو جناب عمر نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے برملا کہا: ''(کُلُّ النَّاسِ اَفۡقَهُ مِنۡ عُمَرَ حَتّٰی رَبَّاتِ الۡحِجَالِ اَخۡطَاَ عُمَرُ وَ اَصَابَتۡ اِمۡرَاَۃٌ) سب لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں حتیٰ کہ پردہ نشین عورتیں بھی عمر سے زیادہ فقیہ ہیں۔ عمر نے غلطی کی اور عورت نے صحیح کہا''۔ مقام تعجب ہے کہ اولین و آخرین کے علم رکھنے والے علیؑ کی موجودگی میں ایک عورت سے لاجواب ہونے والا شخص امت اسلامیہ کا حاکم کیسے بن گیا؟

۴۔ نہی عن المنکر کے قواعد سے لاعلمی

نہی عن المنکر اسلام کا عظیم فریضہ ہے لیکن اس فریضہ کے بھی اپنے حدود و قیود ہیں۔ انسان کو ان حدود کا خصوصی خیال رکھنا چاہئے ایک مرتبہ جناب عمر رات کے وقت مدینہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے۔ انہیں ایک گھر سے غیر شرعی آوازیں سنائی دیں۔ موصوف بے دریغ دیوار کو پھلانگ کر اندر جا پہنچے۔ اندر انہوں نے دیکھا کہ ایک مرد و عورت ایک ساتھ بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے شراب رکھی ہوئی ہے۔ جناب عمر نے اس شخص کو ڈانٹ کر کہا: ''دشمن خدا! کیا تو سمجھتا تھا کہ اللہ تیری پردہ پوشی کرے گا؟'' اس شخص نے ترکی بہ ترکی جواب دیا:

''جناب! میں نے ایک غلطی کی اور آپ نے بیک وقت تین غلطیاں کی ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَلَا تَجَسَّسُوْا) ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو۔تم نے جاسوسی کیوں کی؟ (۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا) دروازہ عبور کر کے گھروں میں جاؤ۔تم نے دیوار کیوں پھاندی؟ (۳) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (وَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا) جب گھروں میں داخل ہو جاؤ تو سلام کرو۔تم نے سلام کیوں نہ کیا؟''۔یہ سن کر جناب عمر خاموشی سے باہر نکل آئے۔

۵۔تحریم متعہ

شارح معتزلی اور دیگر علمائے خاصہ وعامہ نے جناب عمر کا یہ قول نقل کیا ہے۔(مُتْعَتَانِ كَانَتَاعَلىٰ عَهْدِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَ اَنَا مُحَرِّمُهُمَاوَمُعَاقِبٌ عَلَيْهِمَامُتْعَةُالنِّسَاءِ وَمُتْعَةُالْحَجِّ) رسولؐ خدا کے عہد میں دو متعہ موجود تھے میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے ارتکاب پر سزا دوں گا اور وہ ہیں متعہ النساء اور متعہ الحج۔حالانکہ واضح سی بات ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو بھی کسی حلال کے حرام کرنے کا اختیار نہیں دیا۔(يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمَ مَااَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ.....) اے نبیؐ! تم اس کو کیوں حرام قرار دیتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے؟ (تو جب یہ اختیار رسول کریمؐ کو بھی حاصل نہیں ہے تو جناب عمر کو یہ اختیار کس نے تفویض کیا تھا؟۔مترجم) شارح معتزلی نے جناب عمر کی وکالت کی کوشش کی ہے لیکن کوئی جامع بات کرنے سے پھر بھی قاصر رہے ہیں۔ان شاءاللہ ہم کسی مناسب موقع پر اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کریں گے۔

۶۔آیت کا غلط انطباق:

ایک مرتبہ راہ چلتے ہوئے جناب عمر نے ایک انصاری جوان سے پانی طلب کیا۔جوان نے شہد ملا ہوا پانی پیش کیا تو انہوں نے پینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا'' تم نے اپنے سارے مزے دنیا ہی کی زندگی میں لے لئے۔جوان نے کہا: آپ شوق سے پانی پئیں۔یہ آیت امت اسلامیہ کے افراد کے لئے ہرگز نہیں ہے آپ اس آیت کا ماقبل پڑھیں تو حقیقت سامنے آجائے گی۔اور اس آیت کا ماقبل یہ ہے ''وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِالْحَقِّ وَبِمَاكُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ''
(الاحقاف ۲۰) اور جس دن کفار کو جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ تم نے اپنے سارے مزے دنیا ہی کی زندگی میں لے لئے اور وہاں آرام کر لیا تو آج ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی کہ تم روئے زمین پر بلاوجہ اکڑتے اور اپنے پروردگار کے احکام کی نافرمانی کرتے تھے۔آیت کا ماقبل و مابعد سن کر جناب عمر نے کہا: ''كُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ'' سب لوگ عمر سے زیادہ سمجھدار ہیں۔

۷۔رجم حاملہ

جناب عمر نے ایک حاملہ عورت کے رجم کا حکم صادر کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اگر مجرم ہے تو یہ عورت ہے اس کے شکم میں پرورش پانے والا بچہ تو مجرم نہیں ہے۔اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ وضع حمل سے فارغ ہو جائے بعد میں اس پر حد شرعی نافذ کرنا'' یہ سن کر جناب

عمر نے بے ساختہ کہا: ''لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ'' اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

۸۔ مجنون حاملہ

ایک مرتبہ جناب عمر نے ایک پاگل عورت کو زنا کے جرم میں سنگسار کرنے کا حکم صادر کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا: ''مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے لہٰذا اسے سزا نہیں دی جائے گی''۔ جناب عمر نے یہ الفاظ سن کر رجم کا حکم واپس لے لیا اور کہا ''لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

۹۔ جعل سازوں کا عورت کے پاس امانت رکھنا

الفقیہ میں ابراہیم بن محمد ثقفی سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک عورت کے پاس کچھ سامان بطور امانت رکھا اور کہا جب تک ہم دونوں اکٹھے تیرے پاس نہ آئیں کسی ایک کو یہ امانت واپس نہ کرنا۔ چند دنوں بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور کہا کہ ہماری امانت واپس کرو۔ عورت نے کہا: ''تمہاری شرط یہ تھی کہ جب تک دونوں مل کر نہ آئیں امانت واپس نہ کرنا اب تم اپنے ساتھی کو لے کر آؤ تو میں تمہاری امانت واپس کروں گی''۔ اس شخص نے کہا: ''میرا ساتھی مر گیا ہے''۔ اور کئی روز تک وہ شخص مسلسل اس عورت کے پاس آ کر اپنی امانت طلب کرتا رہا اور کہتا تھا کہ میرا ساتھی مر گیا ہے۔ آخر کار عورت نے وہ امانت اسے واپس کر دی۔ چند دن گزرنے کے بعد دوسرا شخص اس عورت کے پاس آیا اور امانت کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ عورت نے کہا: ''مگر تمہارا دوسرا ساتھی مجھ سے وہ امانت لے چکا ہے اور اس نے بتایا تھا کہ تو مر چکا ہے!''۔ اس شخص نے اپنی امانت کی واپسی کے لئے دربار جناب عمر کا رخ کیا اور جناب عمر نے اس عورت کو طلب کیا۔ عورت جب دربار میں آئی تو اس نے جناب عمر سے کہا: ''آپ میرا مقدمہ علیؑ کے سپرد کر دیں''۔ جب مقدمہ حضرت علیؑ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے امانت کا مطالبہ کرنے والے شخص سے کہا: ''تم نے اس عورت سے کہا تھا کہ جب تک ہم دونوں مل کر نہ آئیں اس وقت تک کسی اکیلے کو امانت واپس نہ کرنا لہٰذا اب تم جاؤ اپنے ساتھی کو لے آؤ اور اپنی امانت وصول کرو''۔ وہ شخص چلا گیا اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''دراصل دونوں افراد جعل ساز تھے اور عورت کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے''۔

۱۰۔ جب ناحق رجم کا حکم ملا

الفقیہ میں (حذف اسناد کے ساتھ) اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے نے ایک جوان عورت سے شادی کی اور شب زفاف حقوق زوجیت ادا کرتے ہوئے بوڑھا مر گیا۔ دس ماہ بعد عورت نے ایک بچے کو جنم دیا۔ بوڑھے کی اولاد نے اس بچہ کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چند گواہ بنا کر جناب عمر کے پاس آئے اور اپنی سوتیلی ماں کی بدکاری کی گواہی دلائی۔ جناب عمر نے گواہوں کے بیان سن کر عورت کو سنگسار کرنے کا حکم جاری کیا۔ سپاہی عورت کو سنگسار کے لئے لے کر جا رہے تھے کہ مولا علیؑ کا وہاں سے گذر ہوا آپؑ نے تمام واقعات سن کر فرمایا اسے رجم نہ کیا جائے۔ پھر آپؑ نے حکم دیا کہ اس کے بچہ کو پیش کیا جائے۔ عورت کے بچے کو سامنے لایا گیا تو آپؑ نے اسے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا حکم دیا۔ جب بچے خوب کھیل چکے تو حضرت نے تمام بچوں کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ تمام بچے حکم ملتے ہی بیٹھ

گئے پھر آپؑ نے تمام بچوں کو کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ تمام بچے کھڑے ہوئے تو وہ بچہ بھی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرتؑ نے فرمایا: ''عورت بے گناہ ہے۔ اور جنہوں نے اس عورت کے خلاف زنا کا دعویٰ کیا تھا انہیں حد قذف کے تحت اَسی اَسی کوڑے مارے جائیں۔ اور فرمایا یہ بچہ واقعی اسی بوڑھے کا بیٹا ہے''۔ جناب عمر نے کہا: ''آپؑ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ بچہ واقعی اس بوڑھے کا نطفہ ہے؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے جب بچوں کو کھڑا ہونے کا حکم دیا تو یہ بچہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر بصد مشکل کھڑا ہوا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بچہ بوڑھے کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے''۔

۱۱۔ دانیال جیسا فیصلہ

شیخ صدوق نے سعد بن طریف سے، اس نے اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے۔ جناب عمر کے زمانہ خلافت میں ایک شخص نے ایک بے کس و یتیم لڑکی کو اپنی بیوی کے سپرد کیا اور خاص طور پر حفاظت کے لئے کہا۔ وہ شخص خود اکثر سفر پر رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ لمبے سفر پر دوسرے ملک گیا اور کافی عرصہ باہر رہا۔ اس عرصہ میں وہ یتیم لڑکی جوان ہوگی اور اس شخص کی بیوی کو یہ خیال ہوا کہ یہ لڑکی تو بہت حسین و جمیل نکلی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا خاوند سفر سے واپس آ کر اس کی خوبصورتی اور جوانی پر ریجھ جائے اور یہ لڑکی میری سوت بن جائے۔ اس خوف کے پیش نظر اس عورت نے اپنی چند ہمسایہ عورتوں کی مدد سے اس لڑکی کو شراب پلائی اور جب یہ لڑکی بالکل مست ہوگئی تو اپنی انگلی سے اس کا پردہ بکارت زائل کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کیا گیا۔ لڑکی کو بے ہوشی میں کچھ پتہ نہ لگ سکا اور حسب سابق رہنے لگی۔ کچھ عرصہ بعد اس عورت کا خاوند سفر سے واپس آیا اور اس یتیم لڑکی کی خیریت پوچھی۔ تب بیوی نے رو رو کر کہا: ''اس حرام زادی کا کیا پوچھتے ہو! یہ لڑکی فاحشہ ہے۔ اب یہ کنواری نہیں رہی اور یہ سب کچھ میری پڑوسنوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے''۔ یہ الزام سن کر لڑکی کہنے لگی: ''یہ غلط ہے۔ آج تک میرے جسم کو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ بخدا یہ عورت مجھ پہ تہمت لگا رہی ہے''۔ آخر میں یہ مقدمہ بھی جناب عمر کی خدمت میں پیش ہوا۔ لڑکی اپنی بے گناہی پہ بار بار قسمیں کھا رہی تھی اور اس شخص کی بیوی جرم کے گواہ پیش کرتی تھی۔ ہمسایہ عورتوں نے کہا: ''ہم نے اس عورت کو غیر مردوں کے ساتھ اپنی آنکھوں سے اختلاط میں مبتلا دیکھا ہے''۔ جناب عمر کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو گھر سے بلایا گیا اور کہا: ''آپؑ یہ مقدمہ سن کر فیصلہ کریں''۔ آپؑ نے تمام مقدمہ سنا اور فرمایا: ''اس کا فیصلہ بالکل آسان ہے ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں''۔ آپؑ نے کہا: ''گواہ عورت کو پیش کرو''۔ گواہ عورت پیش ہوئی، اس نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے سامنے برہنہ تلوار رکھی ہے۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑی رہی، تب آپؑ نے حکم دیا: ''اس عورت کو ایک مکان میں قید کر دو''۔ پھر آپؑ نے دوسری عورت کو بلایا اور کہا: ''جانتی ہے میں کون ہوں؟ میں علیؑ بن ابی طالب، رسولؐ کا بھائی اور خدا کا شیر ہوں۔ یہ ننگی تلوار دیکھتی ہے؟ اگر جھوٹ بولا تو ابھی گردن اڑا دوں گا اور اگر پہلی عورت کی طرح سچ کہہ دیا تو جان بخش دی جائے گی''۔ یہ سن کر وہ عورت بلبلا اٹھی اور کہنے لگی: ''یا علیؑ! میری جان بخش دیں میں بھی پہلی کی طرح سچ کہہ دیتی ہوں''۔ فرمایا: ''کہو!''۔ چنانچہ عورت نے کہا: ''یا علیؑ! یہ عورت بالکل بے گناہ ہے ہم نے اس کا کوئی بھی گناہ نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ اس شخص کی بیوی نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ اس حسین و جمیل لڑکی سے اس کا خاوند شادی نہ کرے، اس کو شراب میں مدہوش کر کے

ہماری مدد سے اس کا پردہ بکارت زائل کر دیا تھا۔ آپؑ نے یہ سن کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا: ''میں وہ شخص ہوں جس نے دانیال کے بعد گواہوں میں جدائی ڈالی''۔ پھر آپؑ نے سب کو اپنے سامنے بلا کر یہ فیصلہ سنایا کہ اس شخص کی بیوی پر تہمت کی حد جاری کی جائے اور اس کو اس کے خاوند سے الگ کر دیا جائے اور ان چاروں گواہ عورتوں سے بکارت کی دیت چار سو درہم لے کر اس یتیم لڑکی کو دیئے جائیں اور اس شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ پھر آپؑ نے اس شخص کا اس لڑکی سے نکاح کرا دیا اور مہر کی رقم اپنی جیب سے عطا فرمائی۔

حضرت دانیال کا فیصلہ

جب حضرتؑ اپنا فیصلہ فرما چکے تو جناب عمر نے کہا: ''آپؑ ہمیں دانیال نبی کے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں''۔ حضرت امیر المومنینؑ نے بیان فرمایا: ''دانیال بچپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ ان کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا تو ایک بوڑھی عورت انہیں اپنے گھر لے گئی اور ان کی پرورش کرنے لگی۔ انہیں دنوں بنی اسرائیل میں ایک نیک طینت بادشاہ حکومت کرتا تھا اور بادشاہ نے دو قاضیوں کو فیصلہ کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک عابد و زاہد شخص بادشاہ کا دوست تھا اور وہ اکثر اوقات بادشاہ کے پاس آ کر اس سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ بادشاہ کو کہیں سفارت کے لئے کسی امین شخص کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے اپنے قاضیوں سے مشورہ کیا کہ میں نے فلاں جگہ قاصد بھیجنا ہے، تم مشورہ دو کہ میں کسے اپنا قاصد بنا کر بھیجوں؟ قاضیوں نے کہا: ''آپ کے دوست سے اور کوئی زیادہ موزوں شخص ہمیں نظر نہیں آتا۔ آپ اسی کو ہی اپنا قاصد بنا کر روانہ کریں''۔ بادشاہ نے کہا: ''اس میں قباحت یہ ہے کہ اس کی جوان بیوی ہے اس کا خیال کون کرے گا؟'' قاضیوں نے کہا: ''آپ بے فکر رہیں۔ ہم دونوں اس کا خیال رکھیں گے''۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے دوست کو اپنا قاصد بنا کر دور دراز مقام پر روانہ کیا۔ دونوں قاضی روزانہ اس کے گھر جاتے اور اس کی بیوی سے اس کی ضروریات پوچھتے۔ آہستہ آہستہ دونوں قاضی اس عورت پر عاشق ہو گئے اور عورت سے اپنی مطلب برآری کی خواہش کا تقاضا کیا عورت نیک سیرت تھی اس نے ان کا غیر شرعی مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ قاضیوں نے عورت کو دھمکی دی: ''اگر تم نے ہمارا کہنا نہ مانا تو ہم تجھ پر زنا کا الزام عائد کر کے تجھے سنگسار کرا دیں گے''۔ عورت نے کہا: ''جو تمہارے جی میں آئے وہ کرو لیکن میں تمہارا یہ مطالبہ کبھی پورا نہیں کروں گی''۔ دونوں قاضیوں نے بادشاہ کے پاس جا کر گواہی دی کہ آپ کے دوست کی بیوی زانیہ ہے اور ہم اس کے غیر شرعی فعل کے عینی گواہ ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ کو شدید صدمہ ہوا کیونکہ وہ عورت کے متعلق حسن ظن رکھتا تھا اور ادھر قاضیوں کی گواہی کو ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی شش و پنج میں اس عورت کو گرفتار کیا اور کہا: ''اس کا فیصلہ تین دن بعد کیا جائے گا''۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا: ''اس مسئلہ کا حل تلاش کرو! کیونکہ میں اس عورت کو نیک سیرت سمجھتا ہوں جب کہ قاضیوں کی گواہی کو بھی کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا''

وزیر حیران و پریشان اس مسئلہ کے حل کی کوشش میں رہا لیکن اسے کہیں سے بھی امید کی کرن نظر نہ آئی۔ تیسرے دن وزیر ایک جگہ سے گزر رہا تھا کہ اس نے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ ان بچوں میں حضرت دانیالؑ بھی موجود تھے۔ حضرت دانیالؑ نے بچوں سے کہا: ''آؤ میں اس عورت کے مقدمہ کا فیصلہ کرتا ہوں! تم میرے لئے مٹی کا بلند چبوترہ بناؤ''۔ بچوں نے مٹی کا چبوترہ بنایا۔ وزیر یہ منظر دیکھ کر رک گیا۔ دانیالؑ چبوترے پر بیٹھ گئے اور ایک لڑکے سے کہا: ''تو فلاں عورت بن جا اور دور جا کر بیٹھ جا، پھر دو لڑکوں سے کہا کہ تم دونوں قاضی بن

جاؤ''۔ دو بچے قاضی بن گئے۔ دانیالؑ نے کہا: ''دونوں قاضیوں کو علیحدہ علیحدہ بٹھایا جائے''۔ چنانچہ دونوں قاضیوں کو علیحدہ کر کے ایک دوسرے سے دور کر دیا گیا۔ پھر دانیالؑ نے حکم دیا: ''ایک قاضی کو میرے سامنے حاضر کیا جائے''۔ بچے ایک قاضی کو پکڑ کر دانیالؑ کے پاس لے آئے دانیالؑ نے لکڑی کی ایک تلوار اپنے پاس رکھی اور قاضی بننے والے بچہ سے کہا: ''اگر تو نے جھوٹ بولا تو میں تیری گردن جدا کر دوں گا اب تم بتاؤ کہ تمہاری گواہی کیا ہے؟''۔ بچے نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اس عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے''۔ دانیال نے کہا: ''یہ کس دن کا وقوعہ ہے؟''۔ قاضی بننے والے بچے نے کہا: ''یہ فلاں دن کا وقوعہ ہے''۔ دانیالؑ نے کہا: ''اچھا یہ بتاؤ کہ یہ غیر شرعی فعل کس وقت سرانجام دیا گیا تھا؟''۔ بچے نے ایک وقت بتایا۔ دانیالؑ نے کہا: ''یہ فعل کس مقام پر سرانجام پایا؟'' بچے نے ایک جگہ کے متعلق بتایا۔ دانیالؑ نے کہا: ''تو اس عورت نے کس مرد سے جنسی تعلق پیدا کیا تھا؟'' بچے نے ایک مرد کا نام لیا۔ پھر دانیالؑ نے کہا: ''اس قاضی کو یہاں سے دور لے جاؤ اور دوسرے قاضی کو پیش کرو''۔ دوسرا قاضی حاضر ہوا تو دانیالؑ نے اس سے وہی سوالات کئے تو دوسرے بچے کے جوابات مختلف تھے۔ دانیالؑ نے یہ سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا: ''دونوں قاضی جھوٹے ہیں اور ان دونوں کو سزائے موت دیتا ہوں''۔ وزیر نے بڑی دلچسپی سے اس فیصلہ کو سنا اور بادشاہ کو جا کر دانیالؑ کا یہ فیصلہ سنایا۔ چنانچہ بادشاہ نے قاضیوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے اپنی عدالت میں طلب کیا اور ان سے سوالات کئے۔ قاضیوں کے جوابات میں اختلاف تھا، بادشاہ نے عورت کو باعزت طور پر بری کر دیا اور قاضیوں کو قتل کرا دیا۔

۱۲۔ اسقاطِ حمل

ایک دفعہ جناب عمر نے ایک عورت کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب وہ آئی تو وہ سخت دہشت زدہ ہوگئی اور اسی دہشت کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہوگیا۔ جناب عمر نے اپنے مصاحبین سے پوچھا: ''اس اسقاط حمل کا کوئی فدیہ ہے؟'' مصاحبین نے کہا: ''آپ خود صاحب اجتہاد ہیں۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں اور آپ پر کوئی فدیہ عائد نہیں ہوتا''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تیرے مصاحبین نے اگر یہ فیصلہ اجتہاد کی بنا پر کیا ہے تو انہوں نے غلطی کی ہے اور اگر انہوں نے اجتہاد کے بغیر یہ فیصلہ کیا ہے تو انہوں نے تجھے دھوکا دیا ہے۔ تمہیں اس اسقاط حمل کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا''۔ یہ فیصلہ سن کر جناب عمر نے کہا: ''خدا مجھے اس وقت زندہ نہ رکھے جب مشکل کشائی کے لئے آپؑ موجود نہ ہوں''۔

جناب عمر اپنے فیصلوں میں اکثر غلطی کیا کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام اس کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ روایات میں ہے کہ جناب عمر نے ستر مرتبہ یہ کلمات کہے تھے ''لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ'' ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا''۔ مگر اپنی کم علمی کے اعتراف کے باوجود پھر بھی خلافت کی مسند پر براجمان رہے۔ جب کہ واضح سی بات ہے کہ خدا کی نظر میں حکومت کا استحقاق دو چیزوں پر ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ'' ''انہیں (طالوت کو) اللہ نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے۔ (البقرہ/ ۲۴۷) ہم اہل بیت طاہرینؑ کو اس لئے امام و خلیفہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ کبھی کسی سوال کے جواب میں عاجز نہیں آتے تھے اور نہ ہی انہوں نے فیصلہ کرنے میں کبھی غلطی کی کیونکہ وہ ذوات طاہرہ و مطہرہ آثار نبوت کے حامل اور انوار نبوت کا اقتباس کرنے والے

ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وحکمت کا مرکز بنایا اور انہیں صحیح فیصلہ کی قوت عطا کی اور روح القدس سے ان کی تائید فرمائی۔

بصائر الدرجات میں حمید الہمد انی سے روایت ہے کہ میں نے امام علی زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا: ''آپؑ کے فیصلہ کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟''۔حضرتؑ نے فرمایا: ''ہم آل داؤد کی طرح فیصلہ کرتے ہیں اگر اس سے ہم عاجز آ جائیں تو روح القدس ہماری رہنمائی کرتا ہے''۔ساباطی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ''آپؑ کس قسم کا فیصلہ کرتے ہیں؟''۔امام علیہ السلام نے فرمایا: ''ہم اللہ کے فرمان کے تحت داؤدی فیصلے کرتے ہیں اور اگر ہمیں فیصلہ میں کوئی دقت پیش آ جائے تو روح القدس ہماری رہنمائی کرتا ہے''۔داؤدی فیصلہ سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح سے حضرت داؤدؑ گواہوں کی گواہی کو ہی فیصلہ کی بنیاد نہیں بناتے تھے بلکہ وہ حکم واقعی کے تحت فیصلہ کرتے تھے۔اسی طرح سے اہل بیتؑ بھی جھوٹے گواہوں کی شہادت پر فیصلہ صادر نہیں کر دیتے تھے بلکہ علم الٰہی کے ذریعہ حکم واقعی کے تحت فیصلہ کرتے تھے۔عبدالعزیز نے اپنے باپ سے روایت کی، اس نے کہا: ''میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا اور حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ جب بھی میرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوا تو مجھے فیصلہ کرنے میں کبھی تردد کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔میں نے ہر مقدمہ کا فیصلہ اللہ اور رسولؐ کے فرمان کے تحت کیا''۔یہ سن کر امام جعفر صادق نے فرمایا: ''جی ہاں یہ سچ ہے''۔میں (راوی) نے عرض کی: ''یہ کیسے ممکن ہے جبکہ اس وقت پورا قرآن نازل نہیں ہوا تھا اور رسولؐ خدا بھی علیؑ سے دور تھے؟'' امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''روح القدس ان کی رہنمائی کیا کرتا تھا.....''۔

حضرت امیر المومنینؑ نے خلافت مآب کی درشت مزاجی کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا (فَصَاحِبُهَا كَرَاكِبِ الصَّعْبَةِ اِنْ اَشْنَقَ لَهَاخَرَمَ وَاِنْ اَسْلَسَ لَهَا تَقَحَّمَ) اس خلافت کا مالک تو ایسے ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو اس کی منہ زوری سے اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا۔اور حضرتؑ کا یہ فرمان بالکل بجا ہے اس ناقہ نے انہیں ہلاکت کی وادی میں جا پھینکا۔حضرتؑ کے مذکورہ جملے کی ایک تاویل یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے سخت مزاج اور درشت خو شخص کو مشورہ دینے والے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا وہ سرکش اونٹنی کا سوار ہے جس کی مہار کھینچنا بھی مشکل اور جسے آزاد چھوڑنا بھی باعث ہلاکت ہے۔بعض علماء نے اس جملہ کی تشریح یوں کی ہے کہ حضرتؑ نے سرکش اونٹنی کے سوار سے اپنی ذات والا صفات کی تشبیہ دی ہے مقصود یہ ہے کہ خلافت کا حصول میرے لئے جنگ وجدال کے بغیر ناممکن تھا اور اگر میں جنگ کرتا تو امت اسلامیہ میں سخت قسم کی تفریق واقع ہو جاتی اور نظام دین ہی شکست وریخت کا شکار ہو جاتا اور اگر میں خاموشی اختیار کرتا تھا تو بھی میری ذات کے منصب ومقام کے شایان شان نہ تھی۔مذکوہ جملے کی ایک تاویل یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ (فَصَاحِبُهَا) سے مراد خلیفہ وحکمران ہے۔اور آپؑ نے ان جملوں سے حکمرانوں کی مجبوری ولاچاری ظاہر کی ہے یعنی اگر کوئی حاکم شدت سے احکام الٰہی کی پیروی کرے اور لوگوں کی خواہشات کو یکسر نظر انداز کر دے تو لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی حکمران لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے لگے تو وہ ورطہ ہلاکت میں جا گرتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آخری تاویل دور از کار ہے اور لائق توجہ نہیں ہے۔اور جب کسی قوم وملت پر اس طرح کا سخت مزاج حاکم مسلط ہو جائے تو پھر لوگوں کی حالت کیا ہوتی ہے۔اس کا تذکرہ حضرتؑ نے اپنے ان جملوں سے فرمایا۔

اس دور میں لوگوں کی حالت زار

(فَمُنِیَ النَّاسُ لَعَمْرُاللّٰہِ بِخَبْطٍ وَشَمَاسٍ وَتَلَوُّنٍ وَاعْتِرَاضٍ)اس کی وجہ سے بقائے ایزدی کی قسم!لوگ کجروی،سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہوگئے۔(خَبْطُ الْبَعِیْرِ وَ شَمَاسٍ)اونٹ کی غیر منظّم حرکت کو کہا جاتا ہے۔اوران الفاظ سے امیر المومنینؑ نے خلافت مآب کی سیمابی فطرت کی جانب اشارہ کیا ہےاوراس کی طبیعت کی سختی وخشونت کے اظہار کے لئے یہ استعارہ بیان کیا ہے۔اورحضرتؑ نے بیان فرمایا کہ لوگ اس کی متلون مزاجی اور بے راہ روی کی وجہ سے آزردہ رہنے لگے تھے۔علاوہ ازیں حضرتؑ کے اس فرمان کی دوسری تاویل یہ بھی ممکن ہے کہ حضرتؑ کا اشارہ اس وقت کے عوام الناس کی جانب ہواورحضرتؑ نے عوام الناس کی اخلاقی سطح کی کمزوری کا ذکران الفاظ سے کیا ہو۔دنیا کا اصول ہے''اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ ''لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں اورحاکم کے کردار سے عوام متاثر ہوتے ہیں اوراس کے اوصاف اپنے میں پیدا کرنے کو باعث کمال تصور کرتے ہیں چنانچہ جب اہل حکومت ہی ہروقت گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہے ہوں تو وہاں عوام کی حالت بھی یہی قرار پائے گی۔''لوگ کجروی وسرکشی ،متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہوگئے'' ان تمام روح فرسا حالات کو دیکھ کربھی حضرتؑ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔جیسا کہ انہوں نے فرمایا (فَصَبَرْتُ عَلیٰ طُوْلِ الْمُدَّۃِ وَشِدَّۃِ الْمِحْنَۃِ)میں نے اس طویل مدت اورشدید مصیبت پرصبر کیا کیونکہ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ امت اسلامیہ میں تفرقہ پیدا نہ ہواورعوام الناس دین سے منحرف نہ ہوجائیں۔اسی لئے ان تمام اعصاب شکن حالات وواقعات پر میں نے صبر کیا اورامت کوتفرقہ سے بچایا۔

فصل سوم

چھرکنی شوریٰ کی اختراع

حَتّٰی اِذَا مَضٰی لِسَبِیْلِہٖ جَعَلَھَا فِیْ سِتَّۃٍ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُھُمْ فَیَا لَلّٰہِ وَ لِلشُّوْرٰی مَتٰی اعْتَرَضَ الرَّیْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْھُمْ حَتّٰی صِرْتُ اِلٰی ھٰذِہِ النَّظَائِرِ وَ لٰکِنَّنِیْ اَسْفَفْتُ اِذَا اَسَفُّوْا وَ طِرْتُ اِذَا طَارُوْا فَمَضٰی رَجُلٌ مِّنْھُمْ لِضِغْنِہٖ وَ مَالَ الْاٰخَرُ لِصِھْرِہٖ مَعَ ھَنٍ وَ ھَنٍ

یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ پر لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا فرد خیال کیا۔ اے اللہ! مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ میں ہی میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا جو اب ان لوگوں میں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچی اڑان رکھیں تو میں بھی اس طرح پرواز کروں (حتی الامکان نباہ کرتا رہوں) ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہو گیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے اُدھر جھک گیا۔

تشریح لغات (اَلزَّعْمُ) ظن وتخمین۔ مرزوقی کہتے ہیں کہ عام طور پر اس لفظ کا اطلاق امر باطل یا قابل شک چیزوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں جب (زَعَمُوْا فِیْ حَدِیْثٍ) کے الفاظ ہوں تو اس سے مراد بے سند و بے ثبوت گفتگو ہوتی ہے۔ زمخشری لکھتے ہیں لفظ زعم کا اطلاق نا قابل وثوق گفتگو کے لئے کیا جاتا ہے (اَلشُّوْرٰی) تَشَاوَرَ الْقَوْمُ سے اسم مصدر ہے۔ بعض اہل لغت بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی (بُشْرٰی) کے وزن پر مصدر ہے، مگر اس کا پہلا معنی اظہر ہے۔ (اِعْتَرَضَ) الشَّیْءُ کسی چیز کا پیش آنا اور ایک پھٹے کی طرح رکاوٹ بننا۔ (اُقْرَنُ) مضارع مجہول صیغہ واحد متکلم، یعنی مجھے ان کا ساتھی بنایا جا رہا ہے اور مجھے ان جیسا تصور کیا جا رہا ہے۔ (اَسَفَّ) الطَّائِرُ جب پرندہ زمین کے قریب پرواز کرے (اَسَفَّ الرَّجُلُ) لِاَمْرٍ جب کوئی شخص کسی امر کے قریب آ جائے۔ (طِرْتُ) میں نے بلند ہو کر پرواز کی۔ (صَغٰی اِلٰی کَذَا) فلاں چیز کی طرف جھکا (صَغَتِ النُّجُوْمُ) ستارے غروب ہونے کے لئے جھکے (اَلضِّغْنُ) حسد اور کینہ۔ (اَلصِّھْرُ) خلیل کہتے ہیں کہ اس لفظ سے مراد بیوی کا خاندان ہوتا ہے۔ اور بعض عرب دیور اور بہنوئی کو بھی (اَصْھَار) کہتے ہیں۔ ازہری لکھتے ہیں لفظ (صِھْرٌ) کا اطلاق محرم مردوں اور عورتوں پر ہوتا ہے مثلاً والدین، بھائی، بھتیجے، چچا، ماموں اور خالائیں۔ یہ تمام رشتے خاوند کے (اَصْھَارٌ) کہلاتے ہیں اور شوہر کے قریبی رشتہ دار بیوی کے (اَصْھَارٌ) کہلاتے ہیں۔ ابن سکیت کا قول ہے کہ شوہر کا باپ، بھائی اور چچا (اَحْمَاءٌ) کہلاتے ہیں اور عورت کے رشتہ دار اور مرد کے قرابت دار دونوں کو مجموعی طور پر لفظ (اَصْھَارٌ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ھَنٌ) خفت نون کے ساتھ، یہ لفظ ہر طرح کے اسم جنس کا کنایہ ہوتا ہے۔ اس کا کلمہ لام اور واو ہے کیونکہ اس کی جمع (ھَنَوَاتٌ) آتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا کلمہ لام (ھَا) ہے کیونکہ اس کی تصغیر (ھُنَیَّۃٌ) آتی ہے اور ایک اور قول

کے مطابق اس کا کلمہ لام (نون) ہے اور یہ لفظ اصل میں (هَنٌ) نون کی تشدید کے ساتھ ہے اور اس کی تصغیر (هُنَيْنٌ) ہے نجم الائمہ رضی کہتے ہیں کہ ہرنا گفتہ بہ بات کو (هَنٌ) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اعراب

(لَلّٰهِ) میں لام مفتوحہ ہے کیونکہ مستغاث پر داخل ہے اور (لِلشُّوْرٰی) میں لام مستغاث منہ پر داخل ہے اسی وجہ سے مکسور ہے جیسا کہ شاعر کا شعر ہے

يَبْكِيْكَ نَاءُ بَعِيْدِ الدَّارِ مُغْتَرِبٍ يَالَلْكَهُوْلِ وَلِلشَّبَانِ لِلْعَجَبِ

اس شعر میں (كَهُوْلٌ) کے لام پر زبر پڑھی جائے گی کیونکہ وہ مستغاث ہے اور (لِلْعَجَبُ) کی لام پر کسرہ پڑھا جائے گا کیونکہ وہ مستغاث منہ ہے۔ اور لفظ (شَبَانٌ) کی لام معطوف ہے اور اس میں حرف ندا کا اعادہ موجود نہیں ہے، اسی لئے اس پر کسرہ پڑھا جائے گا۔ ہاں اگر حرف ندا کا اعادہ ہوتا تو اس پر فتحہ یعنی زبر پڑھی جاتی۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے؛

يَالَقَوْمِیْ وَ يَالَاَمْثَالَ قَوْمِیْ لِاُنَاسٍ عَتَوْهُمْ فِیْ اِزْدِيَادٍ

(وَ لِلشُّوْرٰی) میں واو کے متعلق دو احتمال ہیں۔ واو زائدہ ہے یا محذوف مستغاث پر عطف ہے۔ جیسا کہ آپ کو مفہوم خطبہ میں معلوم ہو جائے گا۔

مفہوم خطبہ

(حَتّٰی اِذَا مَضٰی لِسَبِيْلِهٖ) یہاں تک کہ دوسرا خلیفہ دس سال چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد اس دنیا سے جانے لگا (جَعَلَهَا فِیْ سِتَّةٍ) تو خلافت کو چھ افراد کی جماعت میں منحصر کر گئے۔ بعض روایات میں لفظ (سِتَّةٍ) کی بجائے (جَمَاعَةٍ) کے الفاظ وارد ہیں۔ (وَ زَعَمَ اَنِّیْ اَحَدُهُمْ) اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ تلخیص الشافی میں یہ الفاظ وارد ہیں (وَزَعَمَ اَنِّیْ سَادِسُهُمْ) یعنی اس نے مجھے اس جماعت کا چھٹا فرد خیال کیا۔ چھ افراد پر مشتمل جو شوریٰ تشکیل دی گئی تھی اس کے اراکین درج ذیل ہیں:

(۱) امیر المومنین علیہ السلام (۲) طلحہ بن عبداللہ التیمی (۳) زبیر بن عوام
(۴) سعد بن ابی وقاص (۵) عبدالرحمان بن عوف (۶) عثمان بن عفان

ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ شوریٰ میں پانچ افراد شامل تھے اور طبری لکھتے ہیں کہ طلحہ کو شوریٰ کے ارکان میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور اس وقت طلحہ مدینہ میں موجود بھی نہیں تھے۔ احمد بن اعثم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا کہ تین دن طلحہ کا انتظار کرنا اگر آ جائے تو اسے شوریٰ میں شامل کر لینا ورنہ انہی پانچ افراد سے خلیفہ کا انتخاب کرنا۔

انتہائے تعجب

(فَیَا لَلّٰہِ) اے اللہ! تو ہی مددگار و معین ہے۔ میں زمانہ کے لائے ہوئے مصائب پر تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں (وَ لِلشُّوریٰ) خاص طور پر میں اس شوریٰ کی تکلیف واذیت پر تجھ سے مدد کا خواستگار ہوں۔ مجھے ان لوگوں کے مساوی کر دیا گیا جو کہ فضائل ومناقب میں کسی طرح سے بھی میرے برابر نہیں اور جو کسی طرح سے بھی خلافت وامارت کے اہل ہی نہیں ہیں۔ پس خدایا اس ناانصافی پر فریاد ہے۔ پھر آپؑ نے انکار وتعجب کرتے ہوئے فرمایا (مَتٰی اعْتَرَضَ الرَّیْبُ فِیَّ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْھُمْ) ان کے بنائے ہوئے پہلے خلیفہ کے مقابلہ میں میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا؟ میں تو جمہور کے نامزد کردہ پہلے خلیفہ سے بھی خلافت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہوں_ لیکن ناقدری ایام ملاحظہ ہو_ (حَتّٰی صِرْتُ اُقْرَنُ اِلیٰ ھٰذِہِ النَّظَائِرِ) اب حالت یہ آ پہنچی کہ ان جیسے لوگوں میں مَیں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔ اس ناقدری کا کس قدر شکوہ کیا جائے کہ آج ان پانچ افراد کو بھی میرے مساوی قرار دیا جا رہا ہے اور مجھے ان کے ساتھ گنا جا رہا ہے حالانکہ خاک کو عالَم پاک سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور ذرہ کو طور سے کیا نسبت؟ لیکن اس تمام تر ناقدری کے باوجود بھی میں نے نباہ برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی (وَلٰکِنِّیْ اَسْفَفْتُ اِذَا اَسَفُّوْا وَطِرْتُ اِذَا طَارُوْا) اگرچہ شوریٰ کے دیگر ارکان میرے مثیل ونظیر نہ تھے۔ پھر بھی میں نے امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب وہ زمین کے قریب ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچا ہو کر اڑنے لگیں تو میں بھی اس طرح پرواز کروں۔ مگر اس شوریٰ میں بھی ڈنڈی ماری گئی اور میرا حق تلف کیا گیا اور اس حق تلفی کی تفصیل یہ ہے (فَصَغٰی رَجُلٌ مِّنْھُمْ لِضِغْنِہٖ) ان میں سے ایک شخص کینہ وعناد کی وجہ سے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جھک گیا۔ قطب راوندیؒ، شارح بحرانیؒ اور محدث جزائریؒ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے حضرتؑ کا اشارہ سعد بن ابی وقاص کی طرف ہے۔ اور سعد کے کینہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے راوندی تحریر کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے جنگ بدر میں سعد کے باپ کو قتل کیا تھا اور سعد کے دل میں باپ کی موت کا درد موجود رہا (چنانچہ جب شوریٰ کا اجلاس ہوا تو سعد نے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ یوں چکایا کہ اس نے حضرتؑ کی مخالفت کی) اور اسی سعد نے حضرت امیر المومنین کی خلافت ظاہری میں بھی حضرتؑ کی بیعت نہیں کی تھی _ اور اسی کا بیٹا عمر میدان کربلا میں افواج یزید کا سالار تھا۔ مترجم_ شارح معتزلی رقم طراز ہیں کہ سعد کے باپ ابو وقاص کا اصل نام مالک بن اُہیب تھا اور وہ دور جاہلیت میں طبعی موت مرا تھا۔ اور اس خطبہ میں حضرتؑ نے جس شخص کے کینہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس سے مراد طلحہ بن عبداللہ تیمی ہے۔ طلحہ کا تعلق حضرت ابوبکر کے خاندان بنی تیم سے تھا۔ غصب خلافت کی وجہ سے بنی ہاشم، بنی تیم سے نفرت کرتے تھے اور بنی تیم بھی بنی ہاشم سے کینہ رکھتے تھے اور قبائلی کینہ پروری عربوں کی جبلت میں شامل ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ طلحہ سرے سے شوریٰ کے اجلاس میں موجود ہی نہیں تھا تو پھر حضرتؑ کے الفاظ کا اشارہ سعد بن ابی وقاص کی طرف ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاص کی ماں، ابوسفیان کی بیٹی حمنہ تھی اور حضرت علیؑ نے جنگ بدر میں اس کے کئی ماموں جہنم واصل کئے تھے۔ بنی امیہ اس کا ننہیال تھے اور حضرت عثمان بھی اموی تھے اسی لئے اس کا فطری رجحان انہی کی طرف ہوا۔ (وَمَالَ الْآخَرُ لِصِھْرِہٖ مَعَ ھَنٍ وَھَنٍ) اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا۔ حضرتؑ

کے ان الفاظ کا اشارہ عبدالرحمان بن عوف کی جانب ہے اور اس کی حضرت عثمان سے رشتہ داری دامادی کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ عبدالرحمان بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھی اور وہ خاتون حضرت عثمان کی مادری بہن اردی بنت کریز کی بہن تھی اور عبدالرحمان بن عوف نے صرف اس رشتہ داری کی وجہ سے ہی حضرت عثمان کی حمایت نہیں کی تھی بلکہ اس میں اور بھی ناگفتہ بہ عوامل شامل تھے۔ اور ان عوامل میں حضرت علیؑ سے بعض وحسد اور خلیفہ گر بن کر زیادہ سے زیادہ دنیاوی مفادات کا حصول اور مستقبل میں منصب حکومت کے ملنے کی امیدیں پیش پیش تھیں۔

حضرت عمر کا قتل

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابولولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بھاری محصول (ٹیکس) مقرر کیا ہے جس کی ادائیگی سے قاصر ہوں، آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی تو اس نے کہا روزانہ دو درہم۔ حضرت عمر نے پوچھا: ''تو کون سا پیشہ کرتا ہے؟'' بولا: ''نجاری، نقاشی، آہنگری'' انہوں نے کہا: ''ان صفتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ زیادہ نہیں ہے اور میں نے سنا ہے کہ تو اچھی چکی بنالیتا ہے! مجھے بھی ایک چکی بنا دے''۔ فیروز نے جو کہ ان کا جواب سن کر سخت کبیدہ خاطر ہو چکا تھا کہا: ''کیوں نہیں! میں آپ کے لئے ایک چکی بناؤں گا جس کی سارے عالم میں دھوم ہوگی''۔ دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں درست ہو جاتی تھیں تو حضرت عمر امامت کراتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتہً گھات سے نکل کر چھ وار کئے۔ جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا اور حضرت عمر اس صدمہ سے زمین پر گر پڑے۔ لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی ایک طبیب کو بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں۔ اس پر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب ان کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے۔ کتب عامہ کے مطابق ماہ ذی الحج کے آخر میں ان کی وفات ہوئی اور کتب خاصہ کے مطابق ان کی وفات نور ربیع الاول کو واقع ہوئی.....۔

شوریٰ کی تشکیل

حضرت عمر کے چند ساتھیوں نے ان سے خلیفہ منتخب کرنے کے لئے اصرار کیا۔ پہلے پہل تو انہوں نے کہا: ''کیا میں ہی رہ گیا ہوں جو زندگی اور موت میں تمہارے بوجھ اٹھاتا پھروں؟!''۔ ساتھیوں نے کہا: ''اگر آپ کی چند بھیڑ بکریاں ہوتیں اور آپ کا چرواہا نہیں جنگل میں کوئی چرواہا مقرر کئے بغیر چلا آتا تو کیا آپ کو دکھ نہ ہوتا؟'' کہا: ''یقیناً دکھ ہوتا؟!''۔ پھر ساتھیوں نے کہا: ''آپ امت مصطفیٰ کو کسی نہ کسی کے حوالہ کر کے جائیں''۔ حضرت عمر نے کہا: ''اگر میں خلیفہ مقرر کروں تو یہ ابوبکر کی سنت ہوگی اور اگر خلیفہ مقرر نہ کروں تو یہ رسولؐ خدا کی سنت ہوگی۔ جب رسولؐ خدا ہی ہمیں خلیفہ مقرر کر کے نہیں گئے تو میں کسی کو خلیفہ کیسے بناؤں؟ اور اے کاش! آج ابوعبیدہ زندہ ہوتا تو میں

اسے خلیفہ بنا کر جاتا اور اگر خدا مجھ سے اس کی نامزدگی کے متعلق سوال کرتا تو میں خدا سے کہتا کہ میں نے اسے خلیفہ مقرر کیا جس کے متعلق تیرے رسولؐ نے کہا تھا کہ ابوعبیدہ اس امت کا امین ہے۔ اور اگر آج سالم مولیٰ ابی حذیفہ زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا اور اگر ربّ تعالیٰ مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ خدایا میں نے تیرے رسولؐ سے سنا تھا کہ سالم، اللہ سے بہت محبت رکھتا ہے''۔ ایک شخص نے کہا: ''آپ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ مقرر کریں''۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا: ''تو نے یہ الفاظ رضائے پروردگار کے لئے ہرگز نہیں کہے۔ میں اس کو خلیفہ کیسے مقرر کروں جو اپنی بیوی کو شرعی طلاق بھی صحیح طریقہ سے نہیں دے سکا''۔ شرح معتزلی میں مرقوم ہے کہ جب حضرت عمر کو یقین ہو گیا کہ اب وہ مزید زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ لوگوں نے ان سے خلیفہ مقرر کرنے کی درخواست کی اور چند افراد نے عبداللہ بن عمر کی خلافت کے اعلان کا انہیں مشورہ دیا تو حضرت عمر نے کہا: ''خطاب کی نسل میں اور کوئی شخص یہ عہدہ حاصل نہیں کرے گا۔ نسل خطاب کے لئے وہی بوجھ ہی کافی ہے جو میں اٹھاتا رہا''۔ بعد ازاں انہوں نے چھ افراد کی نامزدگی کا اعلان کرتے ہوئے کہا: ''میں چھ افراد پر مشتمل شوریٰ تشکیل دیتا ہوں اور یہی افراد اپنا ایک حاکم منتخب کریں گے۔ میں ان افراد کو اس لئے شوریٰ کے لئے نامزد کرتا ہوں کہ رسولؐ خدا وفات کے وقت ان سے راضی تھے''۔ پھر انہوں نے شوریٰ کے لئے علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کے ناموں کا اعلان کیا۔ اور کہا: ''اگر میں خلیفہ مقرر کروں تو یہ ابوبکر کی سیرت ہے اور اگر نہ کروں تو یہ رسولؐ خدا کی سیرت ہے''۔ پھر حضرت عمر نے کہا: ''ان ارکان شوریٰ کو میرے سامنے لایا جائے''۔ جب تمام ارکان شوریٰ آ گئے تو حضرت عمر نے ان سے کہا: ''میرے بعد تم سب خلافت کے امیدوار ہو؟''۔ تمام ارکان شوریٰ خاموش رہے۔ حضرت عمر نے دوبارہ یہی الفاظ کہے تو زبیر نے کہا: ''آخر ہم میں کون سی کمی ہے؟ اگر تم خلیفہ بن سکتے ہو تو ہم کیوں نہیں بن سکتے؟ قریش میں ہمارا مقام تم سے بلند و بالا ہے اور سبقت اسلام اور قرابت رسولؐ کا شرف بھی ہمیں حاصل ہے''۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ شیخ ابوعثمان جاحظ نے کہا: ''زبیر کو یہ کلمات کہنے کی جرأت اس لئے پیدا ہوئی کہ وہ دیکھ رہا تھا، عمر چند لمحات کے مہمان ہیں ورنہ حضرت عمر کی زندگی میں انہیں یہ الفاظ کہنے کی جرأت ہرگز نہ ہوتی۔ ارکان شوریٰ میں سے کچھ لوگوں نے ان سے کہا: ''آپ ہمارے متعلق جو خیالات رکھتے ہوں ان کا اظہار فرماتے جائیں تاکہ ان کی روشنی میں قدم اٹھایا جائے''۔ اس پر آپ نے فرداً فرداً ہر ایک کے متعلق اپنی زریں رائے کا اظہار کیا۔

ارکان شوریٰ کے متعلق حضرت عمر کی رائے

۱۔ حضرت عمر نے سعد کے متعلق کہا: ''وہ درشت خو اور تند مزاج ہیں۔ وہ صرف فوج کی کمان کرنے کے لائق ہیں اس لئے کہ سعد کا تعلق بنی زہرہ سے ہے اور بنی زہرہ کے افراد حکومت چلانے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے''۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے متعلق کہا: ''اگر آدھے مسلمانوں کے ایمان کا تیرے ایمان سے موازنہ کیا جائے تو تیرا ایمان ان سے وزنی ہوگا لیکن تجھ جیسا کمزور رائے رکھنے والا شخص امارت و حکومت کے لائق نہیں ہے۔ اور ویسے بھی بنی زہرہ کا حکومت سے کیا واسطہ؟''

۳۔ زبیر کے متعلق ارشاد ہوا: ''زبیر خوش ہوں تو مومن اور غصہ میں ہوں تو کافر''۔

۴۔ پھرانہوں نے طلحہ کی طرف رخ کر کے کہا: ''اجازت ہوتو کچھ کہہ دوں ورنہ خاموش رہوں''۔ طلحہ نے کہا: ''آپ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اچھے کلمات ادانہیں کریں گے''۔ حضرت عمر نے کہا: ''میں تجھے اس دن سے بخوبی جانتا ہوں جب تیرا ہاتھ زخمی ہوا تھا۔ تیری جسارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ازواج محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مومنین کی مائیں قرار دیا تھا اور اہل ایمان کے لئے ان سے نکاح کو حرام قرار دیا تھا اور مجھے معلوم ہے کہ تیری اس زبان درازی کی وجہ سے رسولؐ خدا آخری وقت تک تجھ سے ناراض تھے''۔

شارح معتزلی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابوعثمان جاحظ کہتے تھے: ''جب آیت حجاب نازل ہوئی تھی تو طلحہ نے کہا آخر محمدؐ کب تک اپنی ازواج کو حجاب میں بٹھائیں گے۔ آج جتنا چاہیں حجاب کرالیں کل ان کی موت کے بعد ہم ان کی بیویوں سے نکاح کرلیں گے''۔ ہمارے شیخ ابوعثمان کہا کرتے تھے: ''اگر اس دن کوئی شخص حضرت عمر سے یہ کہہ دیتا کہ جب حالت یہ ہے تو آپ نے ارکان شوریٰ کے متعلق یہ کیوں کہہ دیا کہ رسولؐ خدا وقت وفات ان سے راضی تھے؟ یقیناً اگر اس دن کوئی شخص حضرت عمر سے یہ الفاظ کہہ دیتا تو وہ لاجواب ہوجاتے''۔ پھرانہوں نے طلحہ کے متعلق اپنی بے لاگ رائے یوں بیان فرمائی: ''طلحہ غرور ونخوت کا پیکر ہیں اور اگر انہیں خلیفہ بنایا گیا تو خلافت کی انگوٹھی اپنی بیوی کے ہاتھ میں پہنا دیں گے''۔

۵۔ پھرانہوں نے عثمان سے کہا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش تجھے اپنا حاکم مقرر کریں گے کیونکہ انہیں بوجوہ تم سے محبت ہے اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ تم اقتدار پر آتے ہی بنی امیہ اور ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کردو گے اور ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے لوگ تجھے قتل کر ڈالیں گے''۔ اور پھر ان کی پیشانی پکڑ کر کہا: ''اگر تم حکمران بن جاؤ تو میری اس بات کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا۔ اور میں نے اپنی فراست سے جو پیش گوئی کی ہے وہ یقیناً پوری ہو کر رہے گی''۔

۶۔ اور پھر حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''میں سمجھتا ہوں کہ صرف تم ہی خلافت کو صحیح راستہ پر چلانے کی صلاحیت رکھتے ہو مگر تم میں حس مزاح ہے''۔ بعدازاں انہوں نے ابوطلحہ انصاری کو بلا کر حکم دیا کہ جب ارکان شوریٰ کا اجتماع منعقد ہو تو تم پچاس ہتھیار بند افراد لے کر آ کھڑے ہونا۔ مجلس شوریٰ کی تشکیل کچھ اس طرح سے کی گئی تھی جس سے خلافت کا رخ خود بخود بنی امیہ کی طرف مڑتا تھا اور معمولی فہم وفراست کا حامل شخص بھی اس شوریٰ کو دیکھ کر باآسانی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ساری تگ ودو حضرت عثمان کے برسر اقتدار آنے کے لئے سرانجام پائی تھی اور شوریٰ تشکیل دے کر حضرت عثمان کی کامیابی کے تمام اسباب فراہم کئے گئے۔ اس کے ارکان کو دیکھئے تو ان میں ایک حضرت عثمان کے بہنوئی عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور دوسرے سعد بن ابی وقاص ہیں جو امیرالمومنین سے کینہ وعناد رکھنے کے علاوہ عبدالرحمٰن کے عزیز اور ہم قبیلہ بھی ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عثمان کے خلاف تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تیسرے طلحہ بن عبیداللہ تھے اور وہ بھی حضرت عثمان کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے اور حضرت علیؑ سے منحرف تھے، کیونکہ یہ تیمی تھے اور حضرت ابوبکر کی خلافت سے بنی تیم اور بنی ہاشم میں رجنشیں پیدا ہو چکی تھیں باقی رہے زبیر تو یہ اگر حضرت امیرالمومنین کا ساتھ بھی دیتے تو ایک اکیلی رائے کیا بنا سکتی تھی۔ کیونکہ حضرت عمر کے ذہن رسانے (مترجم)_ طریق کار یہ تجویز کیا تھا کہ ''فَاِنْ رَضِیَ ثَلَاثَۃٌ رَجُلًا وَثَلَاثَۃٌ رَجُلًا مِنْھُمْ فَحَکَمُوْا عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ حَکَمَ لَہٗ فَلْیَخْتَارُوْا رَجُلًا مِنْھُمْ فَاِنْ لَمْ یَرْضُوْا بِحُکْمِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ فَکُوْنُوْا مَعَ الَّذِیْنَ مِنْھُمْ

عَبۡدُ الرَّحۡمٰنِ بۡنُ عَوۡفٍ وَ اقۡتُلُوا الۡبَاقِيۡنَ اِنۡ رَغِبُوۡا عَمَّا اجۡتَمَعَ عَلَيۡهِ النَّاسُ ''اگر تین ایک پر اور تین دوسرے پر رضامند ہوں تو اس صورت میں عبداللہ بن عمر کو ثالث بناؤ۔ جس فریق کے متعلق وہ حکم لگائے وہی فریق اپنے میں سے خلیفہ کا انتخاب کرے اور اگر وہ عبداللہ بن عمر کے فیصلہ پر رضامند نہ ہوں تو تم اس فریق کا ساتھ دو جس میں عبدالرحمان بن عوف ہو اور دوسرے لوگ اگر اس سے اتفاق نہ کریں تو انہیں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قتل کر دو۔

(اس مقام پر عبداللہ بن عمر کے فیصلہ پر نارضامندی کے کیا معنی؟ جب یہ ہدایت کر دی جاتی ہے کہ وہ اسی گروہ کا ساتھ دیں جس میں عبدالرحمٰن ہوں۔ چنانچہ عبداللہ کو حکم دیا: ''اے عبداللہ! اگر قوم میں اختلاف ہو تو تم اکثریت کا ساتھ دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین ایک طرف تو تم اس فریق کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمٰن ہوں''۔ اس فہمائش سے اکثریت کی عبدالرحمٰن کے ساتھ ہمنوائی سے بھی یہی مراد ہے کہ ہر قیمت پر عبدالرحمٰن کا ساتھ دیا جائے، اندریں حالات دوسری طرف اکثریت ہو ہی کیسے سکتی تھی جبکہ ابوطلحہ انصاری کی زیر قیادت پچاس خونخوار تلواروں کو حزب مخالف کے سروں پر مسلط کر کے عبدالرحمٰن کے اشارہ چشم وابرو پر جھکنے کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ امیر المومنین کی تیز نظروں نے اسی وقت ہی بھانپ لیا تھا کہ خلافت حضرت عثمان کی ہوگئی ہے۔ چنانچہ حضرتؑ نے ابن عباس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''خلافت کا رخ ہم سے موڑ دیا گیا ہے''۔ انہوں نے کہا: ''یہ کیسے معلوم ہوا؟'' فرمایا: ''میرے ساتھ عثمان کو بھی لگا دیا گیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اکثریت کا ساتھ دو اور اگر دو ایک پر اور دو ایک پر متفق ہوں تو تم ان لوگوں کا ساتھ دو جن میں عبدالرحمٰن بن عوف ہو۔ چنانچہ سعد تو اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمٰن کا ساتھ دے گا اور عبدالرحمٰن تو عثمان کا بہنوئی ہوتا ہی ہے۔)

شوریٰ کا اجلاس

حضرت عمر کی رحلت کے بعد حضرت عائشہ کے حجرہ میں یہ اجتماع ہوا، اور دروازہ پر ابوطلحہ انصاری پچاس آدمیوں کے ساتھ شمشیر بکف آ کھڑا ہوا طلحہ نے کاروائی کی ابتدا کرتے ہوئے سب کو گواہ بنا کر کہا: ''میں اپنا حق رائے دہندگی حضرت عثمان کو دیتا ہوں''۔ اس پر زبیر کی رگ حمیت پھڑکی، کیونکہ اس کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب حضرتؑ کی پھوپھی تھیں اور انہوں نے اپنا حق رائے دہندگی حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام کو سونپ دیا۔ پھر سعد نے اپنا حق رائے دہندگی عبدالرحمٰن کے حوالے کر دیا۔ اب مجلس شوری کے ارکان صرف تین رہ گئے۔ جن میں سے عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں اس شرط پر اپنے حق سے دست بردار ہونے پر تیار ہوں کہ آپ دونوں (علیؑ بن ابی طالب اور عثمان بن عفان) اپنے میں سے ایک کو منتخب کر لینے کا حق مجھے دے دیں یا آپ میں سے دست بردار ہو کر یہ حق لے لے۔ یہ ایسا جال تھا جس میں امیر المومنین کو ہر طرف سے جکڑ لیا گیا تھا کہ یا تو اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں یا عبدالرحمٰن کو اپنی من مانی کارروائی کرنے دیں۔ پہلی صورت حضرتؑ کے لئے ممکن ہی نہ تھی کہ اپنے حق سے دست بردار ہو کر عثمان یا عبدالرحمٰن کو منتخب کریں۔ اسی لئے آپ اپنے حق پر جمے رہے اور عبدالرحمٰن نے اپنے کو اس سے الگ کر کے یہ اختیار سنبھال لیا اور امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہا: ''اُبَايِعُكَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَ سِيۡرَةِ الشَّيۡخَيۡنِ اَبِىۡ بَكۡرٍ وَعُمَرَ ''میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب خدا اور سنت رسولؐ

اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر چلیں گے۔ آپؑ نے فرمایا: ''بَلْ عَلیٰ کِتَابِ اللّٰہِ وَ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ اجْتِھَادِ رَأْیِیْ ''نہیں بلکہ میں اللہ کی کتاب رسولؐ کی سنت اور اپنے مسلک پر چلوں گا اور میں ابوبکر و عمر کی سیرت پر نہیں چلوں گا۔ تین مرتبہ دریافت کرنے کے بعد جب یہی جواب ملا تو عثمان سے مخاطب ہو کر کہا: ''کیا آپ کو یہ شرائط منظور ہیں؟'' انہوں نے ان شرائط کو مان لیا اور ان کی بیعت ہوگئی۔ جب امیر المومنین نے اپنے حق کو یوں پامال ہوتے دیکھا تو تاریخ طبری کے الفاظ کے مطابق آپؑ نے فرمایا: ''لَیْسَ ھٰذَا اَوَّلُ یَوْمٍ تَظَاھَرْتُمْ فِیْہِ عَلَیْنَا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلیٰ مَاتَصِفُوْنَ وَاللّٰہِ مَاوَلَّیْتَ عُثْمَانَ اِلَّا لِیَرِدَ الْاَمْرَ اِلَیْکَ '' یہ پہلا دن نہیں کہ تم نے ہم پر زیادتی کی ہو۔ اب صبر جمیل کے علاوہ کیا چارہ ہے اور جو باتیں تم کرتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے۔ خدا کی قسم! تم نے عثمان کو اس امید پر خلافت دی ہے کہ وہ اسے کل تمہارے حوالہ کر جائے۔ شارح معتزلی نے شوریٰ کے واقعات لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ جب حضرت عثمان کی بیعت ہوگئی تو امیر المومنین نے عبدالرحمٰن اور عثمان کو مخاطب کر کے کہا: ''دَقَّ اللّٰہُ بَیْنَکُمَا عَطْرَ مَنْشَمٍ ''خدا تمہارے درمیان عطر منشم چھڑکے اور تمہاری ایک دوسرے سے بن نہ آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن ہوگئے اور عبدالرحمٰن نے مرتے وقت حضرت عثمان سے بات چیت کرنا گوارا نہ کی اور بستر مرگ پر بھی انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

شوریٰ کے متعلق چند سوالات

ہم نے سابقہ صفحات میں شوریٰ کی تشکیل سے لے کر شوریٰ کے آخری فیصلہ تک کے تمام واقعات بلا کم و کاست فریقین کی کتابوں سے نقل کئے ہیں۔ البتہ ہمیں اس شوریٰ پر چند اعتراض ہیں:۔

(۱) حضرت عمر نے ارکان شوریٰ کو تند و تیز لہجے میں مخاطب کیا اور سب کے نقائص بیان کئے۔ ان کی یہ باتیں دراصل ان کی اس درشت مزاجی کی مظہر ہیں جس کے متعلق حضرت علیؑ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا تھا ''اس نے خلافت کو ایک درشت اور سخت محل میں رکھ دیا جس کے چرکے کاری تھے اور جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی''۔

(۲) حضرت عمر نے شوریٰ تشکیل دے کر نص اور اختیار خلیفہ کی عملی نفی فرمائی۔

(۳) شوریٰ کو صرف چھ افراد میں ہی کیوں محدود کیا گیا اور اس کے ساتھ طرفہ یہ ہے کہ پہلے ان سب کی مذمت فرمائی اور مذمت کرنے کے بعد انہیں خلافت کا امیدوار قرار دیا۔ اگر مذکورہ افراد واقعی قابل مذمت تھے تو انہیں خلافت جیسے منصب جلیل کے لئے منتخب کیوں کیا گیا؟

(۴) حضرت علیؑ پر حس مزاح کی پھبتی کسنا بھی ہر لحاظ سے غلط تھا۔ جیسا کہ خطبہ ۸۳ میں اس پر مکمل بحث کی جائے گی۔

(۵) شوریٰ میں بظاہر چھ افراد نامزد کئے گئے لیکن سب کو عبدالرحمٰن بن عوف کے فیصلہ کی پابندی کا حکم دیا گیا۔ اگر سارا فیصلہ عبدالرحمٰن نے ہی کرنا تھا تو یہ سارا کھڑاک آخر کس لئے کھڑا کیا گیا تھا؟۔ ثانیاً: آخر عبدالرحمٰن بن عوف میں ایسی کون سی خوبی تھی کہ باقی کبار صحابہ جس سے محروم تھے۔ ہمیں تو اس میں حضرت عثمان کے بہنوئی ہونے کے علاوہ کوئی اور خوبی نظر نہیں آتی۔ اور اس امر کا حیران کن پہلو یہ

ہے کہ حضرت عمر نے خود ہی عبدالرحمٰن سے کہہ دیا تھا کہ تجھ جیسا ضعیف الرائے شخص خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا۔ تو اس کے باوجود کون سی مجبوری تھی کہ اس ''ضعیف الرائے'' کو فیصلہ کن اختیارات سے لیس کیا گیا؟؟؟

(۶) حضرت عثمان کے متعلق حضرت عمر نے اپنی فہم وفراست سے یہ پیش گوئی صادر کردی تھی کہ یہ حضرت، اللہ کا تمام تر مال بنی امیہ پر نوازشات کر کے لٹائیں گے اور آخر الامر امت اسلامیہ انہیں قتل کردے گی۔ تو اس کے باوجود انہوں نے حضرت عثمان کو شوریٰ میں کیوں شامل فرمایا؟؟

(۷) حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ جو فریق عبدالرحمٰن کی رائے سے متصادم ہوا سے بے دریغ قتل کردیا جائے۔ تو کیا کسی مسلمان اور وہ بھی جلیل القدر صحابی کو دوسرے صحابی سے اختلاف رکھنے کے جرم میں قتل کرنا جائز ہے؟ اور گر بالفرض ایسا ہی ہے تو عدالت صحابہ کا نظریہ کس طرح سے درست مانا جاسکتا ہے؟؟

(۸) آخر میں حضرت عمر نے حکم دیا کہ اگر تین دن گذرنے کے باوجود ارکان شوریٰ کسی کو اپنا خلیفہ بنانے میں کامیاب نہ ہوں تو ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ تو کیا اس حکم سے اجتہاد صحابہ کو باطل نہیں قرار دیا گیا۔ کیونکہ کسی مجتہد کو مجبور نہیں جاسکتا کہ وہ اتنے ایام میں اجتہاد کرلے ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا؟ جب ایک عام مجتہد کو قتل کرنا درست نہیں تو جلیل القدر صحابہ کو قتل کرانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اور کیا خلیفہ ثانی کا یہ حکم بغض صحابہ پر تو محمول نہیں کیا جائے گا؟؟؟

مجلس شوریٰ میں حضرتؑ کا احتجاج

شوریٰ میں جب حضرتؑ نے اپنے حق کو یوں بے دردی سے پامال ہوتے ہوئے دیکھا تو آپؑ نے ارکان شوریٰ کو اپنے فضائل و خصوصیات یاد دلائے، حضرتؑ کا یہ احتجاج علمائے عامہ وخاصہ نے اپنی کتابوں میں رقم کیا ہے اور ہم صرف ایک روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔

احتجاج طبرسی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت چھ رکنی شوریٰ تشکیل دی اور اس شوریٰ کے اراکین کی اکثریت نے اپنے ذاتی وجود اور مفادات کے حصول کے لئے حضرت عثمان کی بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت امیرالمومنینؑ اتمام حجت کے لئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ لوگو! میری باتیں غور سے سنو اگر میری باتیں سچ ہوں تو انہیں قبول کرو اور اگر غلط ہوں تو انکار کردو۔

(۱۔ میں تمہیں اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جو تمہارے صدق وکذب سے آگاہ ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہو؟۔ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۔ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ تم ایسا ہے جسے دو بیعتوں یعنی بیعت فتح اور بیعت رضوان کا شرف حاصل ہوا ہو؟ ارکان شوری نے کہا: ''کوئی نہیں''۔

(۳۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے بھائی کو اللہ نے جنت

میں دو پر دیئے ہوں اور وہ جنت میں پرواز کرتا ہو۔(یعنی جعفر طیار تمہارا بھائی ہے یا میرا بھائی ہے؟) ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۔تم سب کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے چچا کو سید الشھدا کا لقب ملا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۵۔میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کی بیوی تمام خواتین جنت کی سردار ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے بیٹوں کو اللہ نے رسولؐ کے بیٹے قرار دیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے بیٹے جوانان جنت کے سردار ہوں۔ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۔میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی قرآن کے تمام ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہے؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۔تمہیں خدا کی قسم! میرے علاوہ تم میں ایسا کوئی ہے جس سے اللہ نے رجس کو دور رکھا ہو اور اسے تطہیر عطا کی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا تم میں سے کسی نے میرے علاوہ جبرائیل امین کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہے اور ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ'' تمہارا ولی بس اللہ اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہوئے حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں، کی آیت تمہارے لئے نازل ہوئی ہے؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۲۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ کہ کیا میرے علاوہ رسولؐ خدا نے تم میں سے کسی کی آنکھوں پہ لعاب دہن لگایا ہو اور اسے اسلامی پرچم عطا کیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۳۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ کہ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے باذن خدا خلیفہ نصب کیا ہو اور اس کے لئے ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ'' کے الفاظ فرمائے ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۴۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ میرے علاوہ تم سے کسی کو رسولؐ خدا نے اپنا بھائی مقرر کیا ہے؟ اور میرے علاوہ تم میں سے کوئی رسولؐ خدا کا رفیق سفر بھی ہے؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۵۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کسی نے خندق میں عمرو بن عبدود کو قتل کیا ہے؟ ارکان

شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۶۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ رسولؐ خدا نے تم میں سے کسی کو مثیل ہارون قرار دے کر ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ'' تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، کہا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۷۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے اللہ نے قرآن کی دس آیات میں لفظ ''مؤمن'' سے تعبیر کیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۸۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے رسولؐ خدا کو مشت خاک اٹھا کر دی ہو جسے رسول کریمؐ نے کفار کے چہروں پہ پھینکا ہو اور وہی مشت خاک ان کی شکست کا ذریعہ بنی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۱۹۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے ساتھ غزوہ اُحد میں فرشتے کھڑے ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۰۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے یہ بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے رسولؐ خدا کا قرض اتارا ہو؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۱۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے یہ بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے دیدار کا جنت کو اشتیاق ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۲۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے یہ بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کی گود میں رسولؐ خدا نے وفات پائی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۳۔تمہیں خدا کی قسم! مجھے بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے رسولؐ خدا کو غسل وکفن دیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۴۔تمہیں خدا کی قسم! میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا کے ہتھیار، پرچم اور انگشتری میراث میں ملی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے اپنی ازواج کی طلاق کا وکیل مقرر کیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے دوش رسولؐ پر سوار ہو کر بیت اللہ کے بت توڑے ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ میدان جہاد میں ہاتف غیبی نے جس کے لئے

صدا دے کر کہا ہو ''لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ وَ لَافَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ''؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے رسولؐ خدا کے ساتھ بھنا ہوا پرندہ کھایا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۲۹۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق حضور اکرمؐ نے فرمایا ہو ''اَنْتَ صَاحِبُ رَایَتِیْ فِی الدُّنْیَا وَصَاحِبُ لِوَائِیْ فِی الْاٰخِرَۃِ ''تم دنیا میں میرے علمدار ہو اور آخرت میں تم لواء الحمد کے اٹھانے والے ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کہ میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس نے حضورؐ سے سرگوشی کرنے سے قبل صدقہ دیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کو رسولؐ خدا کا ''خَاصِفُ النَّعْلِ ''ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۲۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے کہا ہو۔ ''اَنَا اَخُوْكَ وَاَنْتَ اَخِیْ ''میں تیرا بھائی ہوں اور تو میرا بھائی ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۳۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے یہ دعا مانگی ہو ''اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَیَّ وَاَقْوَاھُمْ بِالْحَقِّ ''خدایا جو تجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور جو حق کے لئے سب سے مضبوط ہو، میرے پاس بھیج؟ ارکان شوریٰ کہا: ''نہیں''۔

(۳۴۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے پانی کے سو ڈول کھینچ کر مزدوری میں سو کھجوریں لی ہوں اور پھر وہ تمام کھجوریں آ کر رسولؐ خدا کو کھلائی ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس پر جنگ اُحد کے دن جبرائیل ومیکائیل واسرافیل نے ایک ایک ہزار فرشتوں کی معیت میں سلام کیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے حضور کریمؐ کی وفات کے وقت ان کی آنکھیں بند کی ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے سب سے پہلے خدا کی وحدانیت کی گواہی دی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو سب سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہو اور سب سے آخر میں ان کی بارگاہ میں سے اٹھتا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۳۹۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم سے کوئی ایسا ہے جو حضور کریمؐ کے ساتھ ایک باغ سے گذرا ہو اور باغ

کو دیکھ کر کہا ہو کہ یا رسولؐ اللہ! یہ باغ کتنا خوبصورت ہے، تو رسولؐ خدا نے اسے فرمایا ہو کہ جنت میں تیرا باغ اس باغ سے بدرجہا بہتر ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو ''اَنْتَ اَوَّلُ مَنَ اٰمَنَ بِیْ وَ اَوَّلُ مَنْ یُّصَافِحُنِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' تو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہے اور قیامت کے دن تو سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے میدان مباہلہ میں رسولؐ خدا اپنا ''نفس''، جس کی بیوی کو ''نساء'' اور جس کے بیٹوں کو ''ابناء'' بنا کر لے گئے ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۲۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ رسولؐ خدا نے تم میں سے کسی کے لئے اَنس کو خطاب کر کے کہا تھا: ''انس'' ابھی ابھی جو اس دروازہ سے داخل ہوگا وہ امیر المومنین، سید المسلمین، خیر الوصیین اور لوگوں کا حاکم ہوگا''۔ یہ الفاظ سن کر اَنس نے دعا مانگ کر کہا تھا کہ خدایا کسی انصاری کو بھیج دے لیکن ان الفاظ کے بعد میں وہاں پہنچا تھا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۳۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کی مدح میں اللہ نے سورہ دہر نازل فرمائی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۴۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کی ہو ''اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ'' (توبہ/ ۱۹) کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تولیت کو اس شخص کے مرتبہ کے مساوی سمجھ لیا جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک یہ مساوی نہیں ہیں؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے ہزار کلمات کی تعلیم دی ہو اور ہر کلمہ ایک ہزار کلمہ کی چابی ثابت ہوا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے ایک طویل وقت تک آنحضرتؐ سے سرگوشی کی ہو اور جب لوگوں نے اس سرگوشی پر اعتراض کیا تھا تو لوگوں کے اعتراض کرنے پر حضورؐ نے فرمایا ہو کہ میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی ہے بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے ''مہراس''(۱) سے پانی پلایا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق حضور کریمؐ نے فرمایا ہو ''اَنْتَ اَقْرَبُ الْخَلْقِ اِلَیَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَدْخُلُ بِشَفَاعَتِكَ الْجَنَّةَ اَکْثَرُ مِنْ عَدَدِ رَبِیْعَةَ وَ مُضَرٍ'' قیامت کے دن تو تمام لوگوں کی نسبت میرے

قریب ترین ہوگا اور تیری شفاعت کی وجہ سے قبیلہ ربیعہ ومضر کی تعداد سے بھی زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۴۹۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہو۔''اَنْتَ وَ شِیْعَتُكَ الْفَائِزُوْنَ ''تو اور تیرے شیعہ کامیاب ہیں؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہو''كَذِبَ مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ يُحِبُّنِیْ وَ يُبْغِضُ هٰذَا ''وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو یہ گمان کرے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور اس سے بغض رکھتا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا ہو:''مَنْ اَحَبَّ شَعَرَاتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ فَقِيْلَ لَهٗ وَمَاشَعَرَاتُكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ عَلِیٌّ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَ فَاطِمَةُ'' جس نے میرے ان بالوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی۔آنحضرتؐ سے پوچھا گیا:''یارسولؐ اللہ! آپ کے بال کون ہیں؟''فرمایا:''وہ علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور فاطمہؑ ہیں''؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۲۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہو''اَنْتَ خَيْرُ الْبَشَرِ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ ''انبیاء کے علاوہ تو تمام انسانوں سے افضل ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۳۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہو:''اَنْتَ الْفَارُوْقُ تُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ ''تو فاروق ہے اور حق وباطل میں تو تفریق کرتا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۱) مہر اس پتھر کو کہا جاتا ہے جس میں پیالہ سا بنا ہوا ہو۔

(۵۴۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہو:''اَنْتَ اَفْضَلُ الْخَلَائِقِ عَمَلاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ ''عمل کے اعتبار سے قیامت کے دن تو تمام مخلوقات میں سے افضل ہے سوائے انبیاء کے؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ رسولؐ خدا نے اس پر اس کی بیوی اور اس کے دونوں بیٹوں پہ چادر ڈال کر فرمایا ہو:''اَللّٰهُمَّ اَنَا وَ اَهْلُ بَيْتِیْ اِلَيْكَ لَا اِلَى النَّارِ ''خدایا! میں اور میرے اہل بیت تیرے ہیں دوزخ کے نہیں ہیں؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو غار میں آنحضرتؐ کے پاس طعام بھیجتا رہا ہو اور مکہ کے حالات ان کے گوش گزار کرتا رہا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا:''نہیں''۔

(۵۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا ہو''لَا سِرًّا

لِلّٰہِ دُوْنَکَ ''تمہارے علاوہ اللہ کا اور کوئی راز نہیں ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۵۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''اَنْتَ اَخِیْ وَ وَزِیْرِیْ وَ صَاحِبِیْ مِنْ اَھْلِیْ ''تو میرا بھائی، میرا وزیر اور میرے خاندان میں سے میرا ساتھی ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۵۹۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تمہاری بزم میں کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''اَنْتَ اَقْدَمُھُمْ سِلْمًا وَ اَفْضَلُھُمْ عِلْمًا وَ اَکْثَرُھُمْ حِلْمًا ''تو اطاعت وتسلیم میں سب سے مقدم از روئے علم سب سے بہتر اور سب سے زیادہ حلم رکھنے والے ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی نے یہودیوں کے بڑے پہلوان مرحب کو قتل کیا تھا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے سامنے آنحضرتؐ نے دعوت اسلام رکھی ہو اور اس نے کہا ہو کہ مجھے اپنے والد سے ملاقات تک کی مہلت دیں، رسولؐ خدا نے فرمایا ہو کہ یہ تمہارے پاس امانت ہے اور اس نے کہا ہو یا رسولؐ اللہ! اگر یہ میرے پاس امانت ہے تو پھر میں نے اسلام قبول کر لیا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۲۔تمہیں خدا قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو در خیبر اکھاڑ کر سو قدم تک چلا ہو اور بعد میں اس دروازے کو چالیس افراد نے حرکت دی ہو لیکن اسے حرکت نہ دے سکے ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۳۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''مَنْ سَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ سَبَّنِیْ وَمَنْ سَبَّنِیْ فَقَدْ سَبَّ اللّٰہَ ''جس نے علیؑ کو گالیاں دیں اس نے مجھے سب کیا اور جس نے مجھے سب کیا اس نے اللہ کو برا بھلا کہا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۴۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہو: ''مَنْزِلِیْ مُوَاجِہُ مَنْزِلِکَ فِی الْجَنَّۃِ ''جنت میں میرا مکان تیرے مکان کے سامنے ہوگا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولؐ خدا نے یہ الفاظ فرمائے ہوں: ''قَاتَلَ اللّٰہُ مَنْ قَاتَلَکَ وَعَادَی اللّٰہُ مَنْ عَادَاکَ ''خدا اسے غارت کرے جو تم سے جنگ کرے اور خدا اس سے دشمنی کرے جو تم سے دشمنی رکھے؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو شب ہجرت رسولؐ خدا کی جان بچانے کے لئے ان کے بستر پر بے خطر سویا ہو اور اپنی جان کو رسولؐ خدا کی جان پر فدا کیا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''اَنْتَ اَوْلیٰ النَّاسِ بِاُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ ''میرے بعد تو لوگوں کا حاکم و والی ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''اَنْتَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ وَاللّٰهُ یَکْسُوْكَ ثَوْبَیْنِ اَحَدُهُمَا اَخْضَرُ وَالْآخَرُ وَرْدِیٌّ ''تو قیامت کے دن عرش کی دائیں طرف بیٹھا ہوگا اور اللہ تجھے دو پوشاکیں پہنائے گا ایک کا رنگ سبز ہوگا اور دوسری کا رنگ گلابی ہوگا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۶۹۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے تمام لوگوں سے سات برس اور چند ماہ قبل رسولؐ خدا کے ساتھ نماز ادا کی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہو: ''اَنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اٰخِذٌ بِحُجْزَةِ رَبِّیْ وَ الْحُجْزَةُ النُّوْرُ وَ اَنْتَ اٰخِذٌ بِحُجْزَتِیْ وَ اَهْلُ بَیْتِیْ اٰخِذُوْنَ بِحُجْزَتِكَ ''میں قیامت کے روز اپنے رب کے نور کو تھامے ہوئے ہوں گا، تو میرے دامن کو تھامے ہوئے ہوگا اور میرے اہل بیتؑ تیرے دامن کو تھامے ہوئے ہوں گے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا فرد بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوں: ''اَنْتَ کَنَفْسِیْ وَ حُبُّكَ حُبِّیْ وَ بُغْضُكَ بُغْضِیْ ''تو میری جان ہے اور تیری محبت میری محبت اور تیرا بغض میرا بغض ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۲۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''وِلَایَتُكَ کَوِلَایَتِیْ عَهْدٌ عَهِدَهٗ اِلَیَّ رَبِّیْ وَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُبَلِّغَكُمُوْهُ ''تیری ولایت وحکومت میری ولایت وحکومت کی طرح ہے یہ ایک ایسا عہد ہے جو میرے ربّ نے مجھ سے کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں تک یہ عہد پہنچاؤں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۳۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے یہ دعا مانگی ہو ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لِیْ عَوْنًا وَعَضُدًا وَنَاصِرًا ''خدایا! اسے میرا مددگار اور میرا قوت بازو اور ناصر بنا۔؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۴۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولؐ خدا نے یہ الفاظ فرمائے تھے: ''اَلْمَالُ یَعْسُوْبُ الظَّلَمَةِ وَاَنْتَ یَعْسُوْبُ الْمُؤْمِنِیْنَ ''دولت ومال ظالموں کا سردار ہے اور تو مومنین کا سردار ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے اَعراب سے یہ کہا ہو: ''لَاَبْعَثَنَّ اِلَیْکُمْ رَجُلاً اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ لِلْاِیْمَانِ ''میں تمہاری سرکوبی کے لئے اس مرد کو تمہارے پاس روانہ کروں گا جس کے قلب کا اللہ ایمان کے لئے امتحان لے چکا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جسے رسولؐ خدا نے انار کھلا کر فرمایا ہو کہ یہ جنت کا انار ہے اور اسے یا تو نبی کھا سکتا ہے یا نبی کا وصی کھا سکتا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''مَا

سَاَلْتُ رَبِّیْ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَانِیْہِ وَلَمْ اَسْأَلْ رَبِّیْ شَیْئًا اِلَّا سَأَلْتُ لَكَ مِثْلَہٗ ''میں نے اپنے ربّ سے جو کچھ بھی مانگا میرے ربّ نے مجھے عطا فرمایا اور میں نے ربّ سے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا تو تیرے لئے اس جیسا سوال ضرور کیا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۸۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے متعلق رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہے: ''اَنْتَ اَقْوَمُھُمْ بِاَمْرِ اللّٰہِ وَاَوْفَاھُمْ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَ اَعْلَمُھُمْ بِالْقَضِیَّۃِ وَ اَقْسَمُھُمْ بِالسَّوِیَّۃِ ''تو سب لوگوں سے زیادہ امر خداوندی کو قائم رکھنے والا ہے، اللہ کے عہد کو سب سے زیادہ نبھانے والا ہے، سب لوگوں سے زیادہ فیصلہ کو جاننے والا ہے اور سب لوگوں سے زیادہ مساوات سے تقسیم کرنے والا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۷۹۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''فَضْلُكَ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کَفَضْلِ الشَّمْسِ عَلَی الْقَمَرِ وَ کَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَی النُّجُوْمِ ''اس امت پر تمہیں وہی فضیلت حاصل ہے جو سورج کو چاند پر حاصل ہے اور جو چاند کو باقی ستاروں پر حاصل ہے؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۰۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''یُدْخِلُ اللّٰہُ وَلِیَّكَ الْجَنَّۃَ وَ عَدُوَّكَ النَّارَ ''اللہ تیرے دوست کو جنت اور تیرے دشمن کو دوزخ میں داخل کرے گا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۱۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا ہے: ''اَلنَّاسُ مِنْ اَشْجَارٍ شَتّٰی وَ اَنَا وَ اَنْتَ مِنْ شَجَرَۃٍ وَّاحِدَۃٍ ''لوگ مختلف درختوں سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ میں اور تو ایک ہی شجر کے برگ و بار ہیں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۲۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَ اَنْتَ سَیِّدُ الْعَرَبِ (وَالْعَجَمِ ع) وَ لَا فَخْرَ ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور تو عرب (وعجم) کا سردار ہے اس کے باوجود فخر نہیں کرتے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۳۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اللہ نے قرآن کی دو آیات میں اپنی رضامندی کی سند عطا کی ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۴۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہو: ''مَوْعِدُكَ مَوْعِدِیْ وَمَوْعِدُ شِیْعَتِكَ الْحَوْضُ اِذَا خَافَتِ الْاُمَمُ وَ وُضِعَتِ الْمَوَازِیْنُ ''جس دن امتیں خوف سے کانپ رہی ہوں گی اور میزان اعمال نصب کئے جائیں گے تو تیری اور میری اور تیرے شیعوں کی آخری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے؟ ارکان شوری نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۵۔ تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہو: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَوْدِعُكَہٗ ''خدایا! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، خدایا! میں اسے تیری امان میں دیتا ہوں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''اَنْتَ تُحَاجَّ النَّاسَ فَتَحُجُّهُمْ بِاِقَامِ الصَّلَاةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اِقَامَةِ الْحُدُوْدِ وَ الْقِسْمِ بِالسَّوِيَّةِ'' تو لوگوں پر اپنی حقانیت کے اثبات کے لئے حجت تمام کرے گا اور ان کے سامنے اقامت صلاۃ، ادائیگی زکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حدود الٰہی کے قیام اور برابری کی سطح پر تقسیم کرنے کی وجہ سے حجت کرے گا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ رسولؐ خدا نے غدیر (بدر خ)(۱) کے دن جس کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند کیا ہو کہ ان کے بغلوں کی سفیدی دنیا نے دیکھی ہو اور بازو کو بلند کر کے یہ فرمایا ہو: ''اَلَا اِنَّ هٰذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَخِيْ وَابْنِ عَمِّيْ وَوَزِيْرِيْ فَوَازِرُوْهُ وَ نَاصِحُوْهُ وَصَدِّقُوْهُ فَهُوَ وَلِيُّكُمْ'' آگاہ رہو! یہ علیؑ بن ابی طالب میرا بھائی، میرا ابن عم اور میرا وزیر ہے تم اس کی مدد کرو، اسے قوت پہنچاؤ، اس کی خیر خواہی کرو اور اس کی تصدیق کرو کہ وہ تمہارا ولی ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی ہو ''وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر/۹)'' اور وہ اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچا لیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۸۹۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کا مہمان جبرائیل امین بنا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۰۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولؐ خدا نے حنوط جنت عطا کیا ہو اور فرمایا ہو کہ اس حنوط کے تین حصے کرو ایک حصہ میرا اور ایک حصہ میری بیٹی کا اور ایک حصہ تیرا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۱۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو جب بھی خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا ہو اور رسولؐ خدا پر سلام کیا ہو تو رسولؐ نے اسے ہمیشہ خوش آمدید کہا ہو، اسے اپنے پاس بٹھایا ہو اور اسے دیکھ کر حضورؐ کا چہرہ دمکنے لگا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۲۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہو: ''اَنَا اَفْتَخِرُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِذَا افْتَخَرَتِ الْاَنْبِيَاءُ بِاَوْصِيَائِهَا'' قیامت کے دن جب کہ انبیاء اپنے اوصیاء کی وجہ سے فخر کریں گے تو میں تیری وجہ سے فخر کروں گا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

---

(۱) اس اعلان کا تعلق غدیر سے ہے اور ممکن ہے کہ رسولؐ خدا نے بدر میں بھی یہ اعلان کیا ہو۔ مترجم

(۹۳۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ خدا نے سورہ برأت دے کر مشرکین مکہ کے پاس بھیجا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۴۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ رسولؐ خدا نے تم میں سے کسی کے متعلق یہ فرمایا تھا: ''اِنِّیْ لَاَرْحَمُكَ مِنْ ضَغَائِنِ فِیْ صُدُوْرِاَقْوَامٍ عَلَیْكَ لَا یُظْهِرُوْنَهَا حَتّٰی یَفْقِدُوْنَنِیْ فَاِذَا فَقَدُوْنِیْ خَالَفُوْا فِیْهَا '' مجھے تم پر رحم آتا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اپنے سینوں میں تمہارے لئے کینہ چھپائے ہوئے ہیں اور جب تک میں موجود ہوں وہ اپنے کینے ظاہر نہیں کریں گے اور جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا تو وہ تیری مخالفت کریں گے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۵۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کے لئے رسولؐ خدا نے یہ الفاظ فرمائے ہیں: ''اَدَّی اللّٰهُ عَنْ اَمَانَتِكَ اَدَّی اللّٰهُ عَنْ ذِمَّتِكَ '' اللہ نے تیری امانت ادا کی ہے، اللہ نے تیرا عہد و معاہدہ ادا کیا ہے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۶۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کسی کیلئے رسولؐ خدا نے یہ فرمایا ہے: ''اَنْتَ قَسِیْمُ النَّارِ تُخْرِجُ مِنْهَا مَنْ زَكٰی وَ تَذَرُ فِیْهَا كُلَّ كَافِرٍ '' تو دوزخ کے تقسیم کرنے والا ہے ہر پاک طینت کو تو وہاں سے نکال لے گا اور ہر کافر کو اس میں رہنے دے گا؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۷۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے قلعہ خیبر کو فتح کیا ہو اور مرحب کی بیٹی کو قید کر کے رسولؐ خدا کے سامنے لایا ہو؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

(۹۸۔تمہیں خدا کی قسم! بتاؤ کیا میرے علاوہ تم میں سے کوئی ہے جس کے متعلق رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: ''تَرِدُ عَلَیَّ الْحَوْضَ اَنْتَ وَ شِیْعَتُكَ رَوًّا مَرْوِیِّیْنَ مُبَیَّضَةً وُجُوْهُهُمْ وَیَرِدُ عَلَیَّ عَدُوُّكَ ظَمْأً مُظْمَئِیْنَ مُسْوَدَّةً وُجُوْهُهُمْ ''تو اور تیرے شیعہ حوض کوثر پر میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ تم اچھی طرح سیراب ہو چکے ہو گے اور ان کے چہرے سفید ہوں گے اور تیرے دشمن اس حال میں میرے پاس آئیں گے کہ وہ بالکل پیاسے ہوں گے، انہیں قدرت کی طرف سے پیاسا رکھا گیا ہوگا، ان کی گردنیں جھکی ہوں گی، ان کی گردنوں سے طوق وابستہ ہوں گے اور ان کے چہرے سیاہ ہوں گے؟ ارکان شوریٰ نے کہا: ''نہیں''۔

پھر امیر المومنین نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''جب تم ان حقائق کو تسلیم کرتے ہو اور اپنے نبیؐ کے فرمان کی تصدیق کرتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ تم واحد لاشریک خدا سے ڈرو اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی ناراضگی اور اس کے غضب سے بچو اور حقدار کو اس کا حق واپس کر دو۔ اور اپنے نبیؐ کی سنت پر عمل کرو اگر تم سنت رسولؐ کی مخالفت کرو گے تو تم درحقیقت اللہ کی مخالفت کرنے والے قرار پاؤ گے۔ لہٰذا یہ منصب خلافت اس کے سپرد کرو جو اس کی اہلیت رکھتا ہے اور جسے خلافت زیب بھی دیتی ہے۔ اس کے بعد ارکان شوریٰ نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے کہ ہم اس کی فضیلت کو جانتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ سب سے زیادہ خلافت کا حقدار ہے۔ لیکن اگر ہم نے اسے اقتدار دے دیا تو یہ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دے گا اور یوں ہمارا طبقاتی نظام تباہ ہو جائے گا کیونکہ یہ تمہارے ساتھ وہی

سلوک کرے گا جو ایک عام مسلمان سے کرے گا اور اگر اس کے برعکس تم نے عثمان کو خلافت دے دی تو وہ اس طبقاتی نظام کی حفاظت بھی کرے گا اور وہ بھی وہی کچھ چاہتا ہے جو کچھ تم چاہتے ہو اسی لئے حضرت علیؑ کو محروم کر کے خلافت کے منصب پر حضرت عثمان کو فائز کیا گیا۔

فصل چہارم

حضرت عثمان کا انداز حکومت

اِلیٰ اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِجًا حِضْنَیْهِ بَیْنَ نَثِیْلِهٖ وَمُعْتَلَفِهٖ وَقَامَ مَعَهٗ بَنُوْ اَبِیْهِ یَخْضَمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِیْعِ اِلیٰ اَنِ انْتَکَثَ فَتْلُهٗ وَ اَجْهَزَ عَلَیْهِ عَمَلُهٗ وَکَبَتْ بِهٖ بِطْنَتُهٗ

یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل گئے اور اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور شکم پری نے اسے منہ کے بل گرا دیا

تشریح لغات (اَلنَّفْجُ) بلند کرنا، (نَفَجَ الثَّدْیُ الثَّوْبَ) میں نفج بمعنی بلند کرنے کے ہے (اَلْحِضْنُ) پہلو، بغل اور پہلو کا درمیانی حصّہ متکبر کے لئے بطور محاورہ کہا جاتا ہے (جَآءَ نَافِجًا حَضِیْنُهٗ) اور جس کا پیٹ کھانے کی وجہ سے پھولا ہوا ہو اس کے لئے بھی یہی محاورہ استعمال کیا جاتا ہے اور مقام کی مناسبت سے یہاں پیٹ پھلائے کا معنی ہی مناسب ہے اور یہاں حضرت نے پیٹ پھلائے کی تشبیہ شکم سیر اونٹ کے ساتھ دی ہے جس کا پیٹ زیادہ چارے کی وجہ سے پھول چکا ہو۔ (اَلنَّثِیْلُ) گوبر (اَلْمُعْتَلَفُ) چراگاہ، جانور کا چارہ کھانا (اَلْخَضْمُ) منہ بھر کر کھانا یعنی کھانے میں ہر دانت کو شریک کرنا اور اس کا متضاد (قَضْمٌ) ہے اور اس کا معنی ہے ایک سمت کے دانت سے تھوڑا تھوڑا کھانا، حضرت ابوذرؓ نے بھی خلیفہ ثالث کے سامنے یہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا تھا: (تَاْکُلُوْنَ خَضْمًا وَ نَاْکُلُ قَضْمًا) تم منہ بھر کر کھا رہے ہو جب کہ ہم تھوڑا تھوڑا کھاتے ہیں۔ (اَلنَّبْتَةُ) اگنے والی گھاس۔ (اَلنَّکْثُ) توڑنا (نَکَثَ فُلَانٌ الْعَهْدَ) فلاں نے عہد توڑا۔ (فَتَلَ) (اَلْحَبْلَ) اس نے رسی کو بٹا اور مضبوط بنایا۔ (اَلْاِجْهَازُ) زخمی کا چل بسنا (کَبَا) (اَلْفَرَسُ یَکْبُوْ) گھوڑا منہ کے بل گرا (کَبَابِهٖ) اس نے اسے گرا دیا (اَلْبِطْنَةُ) با کی زیر کے ساتھ، شکم سیری، زیادہ کھانا۔

اعراب

(بَیْنَ نَثِیْلِهٖ وَمُعْتَلَفِهٖ) قَامَ کا متعلق ہے یعنی گوبر اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا (یَخْضِمُوْنَ..) کا جملہ حالیت کی بنا پر محلاً منصوب ہے۔

مفہوم

حضرت علیؑ نے ارشادفرمایا کہ خلیفہ ثانی نے مرتے وقت ایک شوریٰ تشکیل دی تھی اوراس شوری کے متعلق یہ بھی گمان کرلیا گیا تھا کہ میں بھی اس کا ایک رکن ہوں۔اوراس شوریٰ کی پیچ در پیچ کاروائی کے نتیجہ میں حضرت عثمان برسراقتدار آئے (اِلیٰ اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ) یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص کھڑا ہوا۔ یہاں کھڑا ہونے سے مراد برسراقتدار آنا ہے اور حضرت عثمان کا نسب یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ان کے والد ڈھول باجے کے شیدائی تھے؛ کمارواہ العلامہ فی کشف الحق۔

پھر حضرتؑ نے ان کی حالت کی تصویرکشی کرتے ہوئے فرمایا (نَافِجًا حَضِنَيْهِ) کسی اونٹ کی طرح پیٹ پھلائے ہوئے سریر خلافت پر بیٹھا۔(بَيْنَ نَثِيْلِهٖ وَ مُعْتَلَفِهٖ) یعنی موصوف سرگین اور چارے کے درمیان پیٹ پھلائے آوارد ہوئے۔مقصد یہ ہے کہ جیسے کسی جانور کا مطمح نظر صرف پیٹ بھرنا اور پیٹ کا خالی کرنا ہوتا ہے اوراس کے پیش نظر اور کوئی مقصد نہیں ہوتا اسی طرح سے خلافت مآب کا مقصد بھی صرف شکم پری اور مالی مفادات کا حصول تھا ان کے پیش نظر نہ تو امت اسلامیہ کی صلاح وفلاح تھی اور نہ ہی امت کی اخلاقی وروحانی تربیت ان کے پیش نظر تھی۔(وَ قَامَ مَعَهٗ بَنُوْ اَبِيْهِ يَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خَضْمَةَ الْاِبِلِ نِبْتَةَ الرَّبِيْعِ) موصوف کے اقتدار میں آتے ہی ان کے بھائی بند یعنی بنی امیہ اٹھ کھڑے ہوئے اورانہوں نے اللہ کے مال کو اس بے دردی سے نگلنا شروع کیا جس طرح سے اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرتا ہے۔حضرتؑ نے بنی امیہ کی لوٹ مار کی تشبیہ اس اونٹ سے دی ہے جو فصل ربیع (موسم بہار) کا چارہ کھاتا ہے۔فصل ربیع سے قبل موسم سرما ہوتا ہے اوراونٹ کے لئے چارہ موجود نہیں ہوتا وہ بصد مشکل وہ موسم بسر کرتا ہے جیسے ہی موسم ربیع شروع ہوتا ہے زمین پہ سبزہ اگتا ہے تو مدتوں کا بھوکا اونٹ اپنی بھوک اس سبزے سے مٹاتا ہے۔بعینہٖ بنی امیہ کے افراد جو انتہائی مفلوک الحال تھے حضرت عثمان کے برسراقتدار آتے ہی ان کی شہ پا کر اُمت اسلامیہ کے خزانے کو بے دردی سے لوٹنا شروع کیا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اونٹ موسم بہار کا سبزہ چر رہا ہو۔حضرتؑ نے درج بالا الفاظ کے ساتھ اس حقیت کی طرف اشارہ کیا کہ بنی امیہ کی لوٹ مار کسی مخفی انداز سے نہ تھی بلکہ وہ مقربانِ شاہ ہونے کی وجہ سے ایسا کررہے تھے اور حاکم اعلیٰ ان کا طرفدار تھا جو انہیں زیادہ سے زیادہ مالی طور پر مضبوط دیکھنے کا خواہش مند تھا۔چاہے امت اسلامیہ مفلوک الحال کیوں نہ ہوجائے۔اور یہ کسی بھی حاکم کی نااہلی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو لوٹ کھسوٹ کی اجازت دے دے اور یوں پورا ملک تباہی کے کنارے آن کھڑا ہو۔

اقرباپروری کے چندنمونے

(حضرت عثمان کی طرف سے بنی امیہ پر نوازشات کی فہرست بہت طویل ہے جس کے لئے ایک مستقل رسالہ کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں شارح معتزلی کے بیان کو نقل کرنے پر ہی اکتفا کریں گے)

شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے متعلق حضرت عمر کی پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی، انہوں نے برسراقتدار آتے ہی بنی امیہ کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کردیا، انہیں بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، انہیں اہم ترین اور کلیدی مناصب پر فائز کیا اور

بیت المال کے خزانے بنی امیہ کے لئے کھول دیئے۔اوراس دریادلی کی چندمثالیں ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱)ارمنیہ اسی دور میں فتح ہوا۔مال غنیمت کا پانچواں حصہ خزانے میں جمع کرایا گیا تو حضرت عثمان نے وہ تمام خزانہ مروان بن حکم کوبطور تحفہ عطا فرمایا۔

(۲)جناب کے ایک اورقریبی عزیز عبداللہ بن خلد بن اسید نے ان سے امداد کی درخواست کی تو انہوں نے اسے چارلاکھ درہم بیت المال سے عطا فرمائے۔

(۳)جناب رسولؐ خدا نے حاکم بن ابی العاص کواس کی خباثتوں کی وجہ سے اس کے بیٹے مروان سمیت مدینہ سے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا کیونکہ وہ لعین رسول خداؐ کی نعلین اتارا کرتا تھا۔اورشیخین نے بھی اسے واپس مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن حضرت عثمان جیسے ہی برسراقتدار آئے تو انہوں نے اپنے جلاوطن چچا کو مدینہ بلایا اوراسے ایک لاکھ درہم انعام عطا کیا۔

(۴)بازارمدینہ میں بہزورایک جگہ تھی جسے رسولؐ خدا نے مسلمانوں کے لئے وقف عام قرار دیا تھا۔حارث بن حاکم کوبخش دی۔

(۵)فدک، جسے صدقہ عام کہہ کر پیغمبرؐ کی قدسی صفات بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ سے روک لیا گیا تھا مروان کوعطائے خسروانہ کے طور پر دے دیا گیا۔

(۶)مدینہ کے گردجتنی چراگاہیں تھیں ان میں بنی امیہ کےعلاوہ کسی کے اونٹوں کو چرنے کی اجازت نہ تھی۔

(۷)ملک افریقہ انہی دنوں فتح ہوا تو اس کا تمام ترخمس اپنے ایک اورقریبی عزیز عبداللہ بن ابی سرح کوعطا فرمایا۔

(۸)ابوسفیان بن حرب کودولاکھ درہم عطا فرمائے۔

(۹)مروان کا رشتہ اپنی بیٹی ام ربان سے کیا اوراس وقت اپنے داماد کوایک لاکھ درہم بیت المال سے عطا کئے۔

زید بن ارقم بیت المال کے خازن تھے وہ اس عطائے خسروانہ کو برداشت نہ کرسکے،انہوں نے خزانے کی چابیاں لاکرعثمان کے پاس رکھ دی اورروديئے۔حضرت عثمان نے کہا کیا وجہ ہے اگر میں نے تھوڑی سی صلہ رحمی کی ہے تو تم رونے لگے ہو۔یہ سن کرزید بن ارقم نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے۔میرا خیال ہے کہ تم نے زمانہ رسولؐ میں جو کچھ دولت اسلام پہ خرچ کی تھی آج تو اس دولت کومنافع سمیت وصول کررہا ہے، خدا گواہ ہے کہ مروان جیسے رسوا شخص کوایک سودرہم دینا بھی غیرمناسب ہے جب کہ تو اسے ایک لاکھ درہم دے رہا ہے۔حضرت عثمان نے کہا پھرتم چابیاں یہاں رکھ کرچلے جاؤ ہمیں تمہاری جگہ کوئی اورآدمی مل جائے گا۔

(۱۰)ابوموسیٰ،عراق سے بہت بڑی دولت لے کرحاضر ہوا۔حضرت عثمان نے وہ تمام دولت بنی امیہ میں تقسیم کردی

(۱۱)حرث بن حکم کواپنی بیٹی عائشہ کا رشتہ دیااور بیت المال سے اسے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

(۱۲)سیدمرتضیٰ قدس سرہ نے محکی الشافی میں تحریرفرمایا کہ واقدی نے اپنی اسناد سے مسود بن عنبہ سے روایت کی، وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت عثمان کی زبانی یہ الفاظ سنے:''ابوبکروعمر بیت المال سے اپنا حق نہیں لیتے تھےاور میں بیت المال سے اپنا حق لے

کرصلہ رحمی کرتا ہوں۔علاوہ ازیں ایک مرتبہ ابوموسیٰ نے عراق سے ایک بہت بڑی دولت زیاد بن عبید کے ہاتھوں مدینہ روانہ کی۔میں بھی اس کاروان میں شریک تھا جیسے ہی سونے چاندی کے یہ انبار مدینہ پہنچے تو حضرت عثمان نے برتن بھر بھر کر اسے بنی امیہ میں تقسیم کر دیا۔یہ منظر دیکھ کر زیاد رو پڑا تو حضرت عثمان نے کہا: عمر خدا کی رضا اس میں سمجھتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو محروم رکھیں اور میں خدا کی رضا اس میں سمجھتا ہوں کہ انہیں مالا مال کردوں''۔

(۱۳) واقدی بیان کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کے اونٹ مدینہ لائے گئے تو حضرت عثمان نے وہ تمام اونٹ حرث بن حکم بن ابی العاص کو عطا کر دیئے۔

(۱۴) حضرت عثمان کی اقربا پروری یہیں تک محدود نہ تھی۔انہوں نے حکم بن ابی العاص کو بنی قضاعہ کی زکوٰۃ و صدقات کا عامل مقرر کیا۔وہاں سے تین لاکھ درہم زکوٰۃ وصول ہوئی تو انہوں نے وہ تمام رقم حکم بن ابی العاص کو عطا کر دی۔

(۱۵) ابومخنف اور واقدی رقم طراز ہیں کہ حضرت عثمان نے سعد بن العاص کو ایک لاکھ درہم کی خطیر رقم عطا کی تو لوگوں نے اس پہ اعتراض کیا اور حضرت علیؑ، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کے پاس جا کر انہیں ملامت کی تو انہوں نے کہا: ''کوئی حرج نہیں ہے وہ میرا رشتہ دار ہے''۔ان بزرگ صحابہ نے کہا: ''تو کیا اس دنیا میں ابوبکر و عمر کے رشتہ دار نہیں تھے؟ حضرت عثمان نے کہا کہ وہ دونوں اپنے رشتہ داروں کو محروم کرنا عبادت جانتے تھے اور میں رشتہ داروں پہ نوازش کرنا عبادت سمجھتا ہوں''۔اس پر ان بزرگ صحابہ نے کہا: ''خدا کی قسم ان دونوں کی روش تیری روش سے بہتر تھی''۔

(۱۶) ابومخنف روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العاص بن امیہ اپنے ساتھ بنی امیہ کے چند افراد کو لے کر حضرت عثمان کے پاس آیا تو حضرت عثمان نے اسے تین لاکھ درہم عطا کیے اور اس کے وفد میں شامل ایک ایک فرد کو ایک ایک لاکھ درہم انعام کا حکم صادر کیا اور حکم تحریر کر کے بیت المال کے خازن زید بن ارقم کے پاس حکم نامہ روانہ کیا۔زید بن ارقم نے جب مسلمانوں کے مال کو اس بے دردی سے لٹتا ہوا محسوس کیا تو اس نے تعمیل حکم سے معذرت کا اظہار کیا۔حضرت عثمان نے دوبارہ ان کے پاس شاہی حکم لکھ بھیجا تو زید بن ارقم حضرت عثمان کے پاس گئے۔حضرت عثمان نے انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا: ''تمہاری یہ جرأت کہ تم ہمارے حکم سے انحراف کرو!۔تم تو بیت المال کے خازن ہو لہٰذا تمہیں ہر حال میں ہمارے فرمان کی تعمیل کرنی چاہئے''۔زید بن ارقم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: ''میں آپ کی دولت کا امین نہیں ہوں۔آپ کی ذاتی دولت کا امین آپ کا غلام ہے میں امت اسلامیہ کے خزانے کا امین ہوں اور میں اس لوٹ مار کی اجازت نہیں دے سکتا''۔پھر اس نے بیت المال کی چابیاں منبر رسولؐ پر رکھ دیں اور مستعفی ہو گیا۔حضرت عثمان نے چابیاں اٹھا کر اپنے غلام نائل کے حوالے کر دیں۔

(۱۷) اس تلخ کلامی کے بعد حضرت عثمان نے زید بن ارقم کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے تین لاکھ درہم اس کے پاس بھیجے اور کہا: ''آپ نے مسلمانوں کی خدمت کی ہے اور آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اس رقم کو قبول کرو اور اسے بچوں کے نان ونفقہ کے لئے خرچ کرو''۔جب زید بن ارقم نے اس رقم کو دیکھا تو کہا: ''میری تنخواہ ہرگز اتنی نہیں بنتی۔اگر یہ بیت المال سے لیا گیا ہے تو میں یہ

دولت قبول کر کے امت اسلامیہ کا خائن بننا پسند نہیں کرتا اور اگر یہ دولت خلیفہ کی ذاتی ہے تو میں یہ دولت لے کر اس کا ممنون احسان بننا پسند نہیں کرتا''۔

آخر کار حضرت عثمان کی مذکورہ مالی بے ضابطگیاں اور اقربا پروری کو دیکھ کر مسلمان تنگ آ گئے۔علاوہ ازیں انہوں نے کبار صحابہ پر جو تشدد کیا اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔انہوں نے عبداللہؓ بن مسعود کو بے دردی سے پٹوایا۔عمارؓ بن یاسرؓ پر اتنا تشدد کیا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور انہیں ''فتق'' کا عارضہ لاحق ہو گیا۔حضرت ابوذرؓ پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے گئے کہ تمام امت اسلامیہ اس پر لرز اٹھی۔آخر کار ان تمام کارستانیوں کا یہ نتیجہ برآمد ہوا (اِلیٰ اَنِ انتَکَثَ فَتلُہٗ) یہاں تک کہ قدرت کی طرف سے مکافات عمل کا سلسلہ جاری ہوا اور اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل گئے۔حضرت عثمان نے بنی امیہ کو حکومت میں حصہ دار اس لئے بنایا تھا کہ ان کی حکومت مضبوط ہو سکے اور ان کی گرفت زیادہ سے زیادہ سخت ہو سکے مگر ان کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور ان کی یہی روش ان کی ہلاکت کا سبب ثابت ہوئی۔امت اسلامیہ ان کی مخالف ہو گئی،کوفہ،بصرہ ومصر کی جماعتیں ان سے استعفا کا مطالبہ کرنے لگیں اور بنی امیہ کی حمایت ان کے لئے کارگر ثابت نہ ہوئی۔(وَاَجْھَزَ عَلَیْہِ عَمَلُہٗ) اور اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور وہ مکافات عمل کا شکار ہو گئے۔(وَکَبَتْ بِہٖ بِطْنَتُہٗ) اور شکم پری نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔بیت المال کی لوٹ کھسوٹ اور غلط کاموں کے لئے جان لیوا ثابت ہوئے اور آخر کار ایک طویل محاصرہ کے نتیجہ میں اٹھارہ ذی الحج پینتیس (۳۵) ہجری کو قتل کر دیئے گئے۔انہوں نے بارہ دن کم بارہ سال تک حکومت کی تھی اور سیاہ وسفید کے مالک رہنے کے بعد جب قتل ہوئے تو تین دن تک قبر نصیب نہ ہوئی اور تین دن کے بعد جنت البقیع کے قریب ''حش کوکب'' میں دفن ہوئے۔لیکن جب معاویہ برسر اقتدار آیا تو اس نے حش کوکب کو جنت البقیع میں شامل کر دیا۔

شارح معتزلی کا عجیب موقف

علامہ معتزلی نے تمام واقعات کو درست تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عثمان سے واقعی بہت زیادہ غلطیاں صادر ہوئی تھیں مگر انہیں قتل کرنا پھر بھی ناجائز تھا۔البتہ انہیں خلافت سے معزول کرنا ایک صحیح فعل تھا۔شارح معتزلی کے اس عجیب موقف پر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ شارح نے خود تسلیم کیا ہے کہ ان میں خلافت کی صلاحیت نہیں تھی تو ہمیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس عدم صلاحیت کے باوجود شارح انہیں تیسرا خلیفہ تسلیم کیسے کرتے ہیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آباء واجداد کی کورانہ پیروی کا نتیجہ ہے کہ وہ انہیں خلافت کا نااہل سمجھ کر بھی انہیں خلیفہ تسلیم کئے ہوئے ہیں۔اور ان کی حالت زار کی صحیح عکاسی قرآن مجید کی ان آیات میں کی گئی ہے۔''اِنَّھُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَھُمْ ضَآلِّیْنَ فَھُمْ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ یُھْرَعُوْنَ'' (الصافات/ ۶۹۔۷۰) انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا پھر بھی انہیں کے نقش قدم پر بھاگتے چلے گئے۔

خطبہ ۳، فصل پنجم

حضرت علیؑ کی بیعت پر ہجوم

فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا وَ النَّاسُ اِلَیَّ کَعُرْفِ الضَّبُعِ یَنْثَالُوْنَ عَلَیَّ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ حَتّٰی لَقَدْ وُطِیَٔ الْحَسَنَانِ وَشُقَّ عِطْفَایَ مُجْتَمِعِیْنَ حَوْلِیْ کَرَبِیْضَةِ الْغَنَمِ فَلَمَّا نَهَضْتُ بِالْاَمْرِ نَکَثَتْ طَائِفَةٌ وَ مَرَقَتْ اُخْرٰی وَ فَسَقَ اٰخَرُوْنَ کَاَنَّهُمْ لَمْ یَسْمَعُوْا اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ بَلٰی وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعُوْهَا وَ وَعَوْهَا وَلٰکِنَّهُمْ حَلِیَتِ الدُّنْیَا فِیْ اَعْیُنِهِمْ وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا.

اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجوّ کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگا تار بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ و حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے۔ وہ سب میرے گرد بکریوں کے ریوڑ کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا۔ تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہی نہیں تھا یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا) بلندی چاہتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ ہاں ہاں ان لوگوں نے خدا کی قسم اس آیت کو سنا تھا اور یاد کیا تھا لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھا دیا تھا۔

تشریح لغات (رَاعَنِیْ) الشَّیْءُ رَوْعًا رَاعَ بروزن قَالَ اس نے مجھے ڈرا دیا، دہشت زدہ کر دیا (رَاعَنِیْ جَمَالُهٗ) اس کے حسن نے مجھے دہشت زدہ کر کے رکھ دیا۔ ازہری شرح مقامات میں لکھتے ہیں (مَا رَاعَنِیْ اِلَّا مَجِیْئُكَ) کا معنی یہ ہے۔ مجھے تیری آمد کے علاوہ اور کوئی پتہ نہ چل سکا تو گویا یہ الفاظ کہنے والا درحقیقت یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ دہشت زدہ ہونے کا سبب تیری آمد ہے اور یہ ہمیشہ مفاجات امر کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ (اِذَا) استعمال ہوتا ہے جو کہ اچانک اور مفاجات کے معنی کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً آپ کہتے ہیں (خَرَجْنَا فَاِذَا زَیْدٌ بِالْبَابِ) ہم جیسے ہی گھر سے نکلے تو اچانک زید دروازے پر کھڑا تھا۔ اور اس جملہ کی طرح یہ جملہ ہے (خَرَجْتُ فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا فُلَانٌ بِالْبَابِ) میں گھر سے نکلا تو فلاں شخص کی دروازہ پر اچانک موجودگی نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ (عُرْفُ) جانور کی گردن کے بال۔ (عُرْفُ الضَّبُعِ) سے لوگوں کے اژدھام کا بیان مقصود ہے۔ (اَلثَّوْلُ) جو کچھ برتن میں ہو اس کا بہا دینا اور (اِنْثَالَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ) مسلسل اصرار کرنا۔ مقامات حریری کی شرح میں مطرزی رقم طراز ہیں (اِنْثِیَالٌ) ثَوْلٌ سے باب انفعال ہے اور اس کا معنی اجتماع ہے اور (ثَوْلٌ) شہد کی مکھیوں کے جتھے کو کہا جاتا ہے اور (ثَوْلَةٌ مِنَ النَّاسِ) کے معنی ہیں مختلف

گھروں سے تعلق رکھنے والے افراد کا اجتماع (اِنْثَالُوْا عَلَيْهِ) کے معنی ہیں وہ اس پر جمع ہو گئے اور (اِنْثَالَ عَلَيْهِ النَّاسُ) کا معنی ہے کہ لوگ جمع ہو کر اُس پر ٹوٹ پڑے۔ (عِطْفٌ) کسی چیز کا پہلو (عِطْفَانِ) دونوں پہلو بعض نسخوں میں (وَشُقَّ عِطَافِیْ) کے الفاظ بھی وارد ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ کثرت اژدھام کی وجہ سے میری چادر پھٹ گئی اور یہ الفاظ زیادہ مناسب حال ہیں۔ (اَلرَّبِیْضُ وَالرَّبِیْضَۃُ) بکریوں کا گلہ (اَلنَّکْثُ) توڑنا۔ (اَلْمَرْوُقُ) باب نَصَر، نکل جانا۔ (مَرَقَ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ) تیر کمان سے نکلا۔ (فُلَانٌ مَرَقَ مِنَ الدِّیْنِ) فلاں شخص دین سے خارج ہو گیا۔ (فَسَقَ) فاجر ہو گیا بعض نسخوں میں (قَسَطَ) وارد ہے اور یہ لفظ متضاد معانی کا حامل ہے۔ (قَسَطَ) کے معنی اس نے عدل کیا اور اسی لفظ کا دوسرا معنی ہے اس نے ظلم کیا اور یہاں ظلم والا معنی مراد ہے۔ (وَعَى الْحَدِیْثَ وَعْیًا) اس نے بات کو یاد رکھا (وَتَعِیَهَا اُذُنٌ وَاعِیَةٌ) یاد رکھنے والا کان اسے یاد رکھے گا۔ (حَلِیَ الشَّیْءُ عِنْدِیْ) فلاں چیز میرے دل میں یا آنکھوں میں سما گئی، مجھے اچھی لگی (رَاقَنِی الشَّیْءُ) مجھے وہ چیز بھلی معلوم ہوئی۔ (اَلزِّبْرِجُ) زینت، سونا۔

اعراب

(رَاعَنِیْ) کا فاعل محذوف ہے اور فعل کے ذریعہ سے اس پہ دلالت موجود ہے۔ (وَالنَّاسُ اِلَیَّ) جملہ حالیہ ہے اور یہ مفعول کی حالت بیان کر رہا ہے اور مستثنیٰ محذوف کا مفسر ہے (اِلَیَّ) متعلق ہے محذوف کا، اور تقدیر عبارت یوں قرار پائے گی (وَ النَّاسُ رُسُلٌ اِلَیَّ) اور احتجاج میں بھی یہی الفاظ وارد ہیں۔ جملہ محذوف کا مفسر ہے اور اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے ''ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآیَاتِ لَیَسْجُنُنَّهُ حَتّٰی حِیْنٍ '' زمخشری کشاف میں رقم طراز ہیں کہ (بَدَا) کا فاعل مضمر ہے۔ کیونکہ جملہ اس کا مفسر ہے اور معنی یہ ہے (بَدَا لَهُمْ بَدَاءً اَیْ ظَهَرَ لَهُمْ رَأْیٌ) بعینہ کلام امام کی تقدیری عبارت بھی یوں قرار پائے گی۔ (مَا رَاعَنِیْ رَایِعٌ اِلَّا حَالَةٌ اَعْنِیْ کَوْنُ النَّاسِ رُسُلًا اِلَیَّ) یعنی مجھے کسی ڈرانے والی چیز نے دہشت زدہ نہیں کیا سوائے ایک حالت کے میرا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا جوق در جوق اور گروہ در گروہ میرے پاس آنا۔ (یَنْثَالُوْنَ) کا جملہ لفظ (نَاسٌ) کی دوسری خبر ہے یا دوسرا حال ہے۔ (مُجْتَمِعِیْنَ) یَنْثَالُوْنَ کے فاعل کا حال ہے۔

مفہوم عبارت

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے پیش رو تین حکمرانوں کا تذکرہ فرمایا اور اس میں لوگوں کی مشکلات میں جس قدر اضافہ ہوا، آپؑ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ اس تذکرہ کے بعد آپؑ نے اپنے برسر اقتدار آنے کا تذکرہ کیا۔ آپؑ کی بیعت جمعہ کے دن ماہ ذالحج ۳۵ھ کو عمل میں لائی گئی چنانچہ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (فَمَا رَاعَنِیْ اِلَّا وَالنَّاسُ اِلَیَّ کَعُرْفِ الضَّبُعِ یَنْثَالُوْنَ عَلَیَّ) لوگوں کے ہجوم کی اس حالت نے مجھے دہشت زدہ کر دیا جو میری طرف بجو کے ایال کی طرح جمع ہو کر آ گئے، مجھ سے بار خلافت اٹھانے کی درخواست کرنے لگے اور ہر طرف سے لوگ مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ لوگوں کے اژدھام سے یہ حالت ہو گئی تھی (لَقَدْ وُطِئَ الْحَسَنَانِ) کثرت اژدھام کا یہ عالم تھا کہ حسنؑ و حسینؑ کچلے جا رہے تھے۔ سید مرتضیٰ قدس سرہ رقم طراز ہیں کہ ابو عمر محمد بن عبد الواحد غلام ثعلب نے اس

لفظ کی وضاحت یوں کی ہے:''(وُطِئَ الْحَسْنَانِ)سے مراد یہ ہے کہ میرے دونوں انگوٹھے کچلے گئے''اوراس نے اس مطلب کے اثبات کے لئے''شَنُفرُ'' کا یہ شعر پڑھا:(مَهْضُومَةُ الْكَشْحَيْنِ خَرْمَاءُ الْحَسَنِ)ناقہ کا پیٹ خالی ہےاوراس کا انگوٹھا چیرا ہوا ہے۔اس شعر میں لفظ (حسن) کا معنی انگوٹھا ہے،اصل بات یہ ہے کہ بیعت کے دن حضرت امیر المومنین حالت احتباء میں بیٹھے ہوئے تھے یعنی پاؤں پر بیٹھ کر ٹانگوں اور پیٹھ کو کپڑے سے باندھ لیا اور رسولؐ خدا بھی اکثر اوقات اسی طرح سے بیٹھا کرتے تھے۔بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہوا تو حضرتؑ کے پاؤں کے انگوٹھے کچلے گئے اور حضرتؑ کی ردا پھٹ گئی۔بہرنوع لفظی معنی کچھ بھی ہومقصود یہ ہے کہ لوگوں کی ایک بھاری جمعیت شرف بیعت حاصل کرنے کی غرض سے جمع تھی۔اوراسی مفہوم کی مزید تاکید کے لئے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا(وَشُقَّ عِطْفَایَ)اور کثرت اژدھام کی وجہ سے میرے دونوں پہلو زخمی ہوگئے یا یہ کہ میری چادر کے دونوں اطراف پھٹ گئے اور چادر کے کنارے پھٹنے کے مفہوم کی تائید اس خطبہ کے بعض نسخوں کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے(وَشُقَّ عِطَافِیْ)میری چادر پھٹ گئی۔

حضرتؑ کے پہلو زخمی ہوئے ہوں یا چادر کے کنارے پھٹے ہوں،اس کی وجہ یا تو کثرت اژدھام ہے یا عربوں کی بے ادبی کی پرانی عادت ہے کہ وہ ادب وتوقیر کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا کرتے تھے۔(مُجْتَمِعِيْنَ حَوْلِیْ كَرَبِيْضَةِ الْغَنَمِ)وہ سب میرے گرد بکریوں کے ریوڑ کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔بیعت کے وقت تمام لوگوں نے طیب خاطر سے میری بیعت کی۔(فَلَمَّا نَهَضْتُ بِالْاَمْرِ نَكَثَتْ طَائِفَةٌ)مگراس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا اور میں نے خلافت کی ذمہ داری ان کے شدید اصرار پر قبول کی تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی۔ان الفاظ سے حضرتؑ کا اشارہ اصحاب جمل کی طرف ہے اور روایات میں ہے کہ جب جنگ جمل کے محرکین حضرتؑ کی بیعت کررہے تھےتو حضرتؑ نے اس وقت اس آیات کو تلاوت فرمایا''فَمَنْ نَكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ''(الفتح/۱۰)اب اس کے بعد جو بیعت کو توڑے گا وہ اپنے ہی خلاف اقدام کرے گا اور جو عہد الٰہی کو پورا کرے گا خدا بھی عنقریب اسی کو اجر عظیم عطا کرے گا۔(وَمَرَقَتْ اُخْرٰی)اور دوسرا گروہ دین سے نکل گیا۔اس سے مراد اصحاب نہروان ہیں _جن کے لئے حضورؐ اکرم نے پیشین گوئی فرمائی تھی:''يَحْقِرُاَحَدُكُمْ صَلَاتَهٗ بِصَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهٗ بِصِيَامِهِمْ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ وَالْقُرْآنُ لَايُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ''تمہاری نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر نظر آئیں گی،تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں ہیچ نظر آئیں گے اور وہ قرآن تو پڑھیں گے جب کہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔مترجم_

(وَ فَسَقَ اٰخَرُوْنَ)اور تیرے گروہ نے فسق اختیار کرلیا کیونکہ انہوں نے امام عادل پر خروج کیا اور راہ حق سے منحرف ہوگئے۔ان الفاظ سے حضرتؑ نے معاویہ اوراس کے گروہ کی طرف اشارہ کیا ہے بعض نسخوں میں (وَقَسَطَ اٰخَرُوْنَ)کے الفاظ مروی ہیں اوراس جملے کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ ایک اور گروہ نے ظلم وزیادتی کا راستہ اختیار کیا اور انہوں نے امیر المومنین اور آل محمد علیہم السلام پر ظلم کیا۔جناب رسالت مآبؐ نے ان تینوں گروہوں کے نام بھی خود تجویز فرمائے تھے حضورؐ اکرم نے اصحاب جمل کا نام وحی الٰہی کے تحت ناکثین اور اصحاب نہروان کا نام مارقین اور اصحاب صفین کا نام قاسطین تجویز کیا تھا۔

فضائل امیر المومنینؑ بزبان ام المومنین

غایۃ المرام میں بحوالہ امالی شیخ مفیدؒ، فضل بن عمر کی زبانی روایت نقل کی گئی۔ انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی زبانی نقل کیا کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ان کا ایک غلام امیر المومنین علیہ السلام سے عداوت رکھتا ہے اور ان کے متعلق ناسزا الفاظ کہتا ہے تو آپ نے اسے بلا کر فرمایا: ''بیٹا! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو علیؑ سے عداوت رکھتا ہے اور ان کے حق میں گستاخی کرتا ہے؟'' غلام نے کہا: ''جی ہاں ام المومنین!'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے میرے سامنے بیٹھ جا اور مجھ سے رسولؐ خدا کی ایک حدیث سن۔ اس کے بعد جو تیرے جی میں آئے اس پر عمل کر۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضور کریمؐ کی نو بیویاں تھیں رسولؐ خدا ہر بیوی کو اس کی باری کے مطابق ایک دن اور ایک رات دیا کرتے تھے ایک دن جب میری باری تھی جناب رسولؐ خدا میرے حجرے میں تشریف فرما تھے تو میں دروازے پر گئی اور حضور کریمؐ سے اذن دخول طلب کیا۔ رسولؐ خدا نے مجھے اندر آنے سے روک دیا۔ مجھے دل میں قلق سا ہوا اور اس قلق کی وجہ یہ تھی کہ میں سمجھی کہ ممکن ہے رحمت عالمؐ مجھ سے ناراض ہوں یا میرے متعلق آسمان سے سخت وحی نازل ہوئی ہو۔ کچھ دیر رکنے کے بعد میں نے پھر آنحضورؐ سے داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو اس بار بھی حضور کریمؐ نے مجھے اندر آنے سے روک دیا۔ اس بار اجازت نہ ملنے کی وجہ سے میں اور زیادہ پریشان ہوگئی پھر کچھ دیر بعد میں دروازے پر گئی اور حضور اکرمؐ سے اجازت طلب کی تو آپؐ نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب میں حجرے میں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ رسالت مآبؐ کے سامنے حضرت علیؑ بن ابی طالب بیٹھے ہوئے تھے اور عرض کر رہے تھے: ''یا رسولؐ اللہ! میرے والدین آپؐ پر نثار، جب حالات ایسے ہو جائیں تو آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟'' رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میں تجھے صبر کرنے کا حکم دیتا ہوں''۔ علیؑ نے دوبارہ حضور کریمؐ سے دریافت کیا: ''آقا! جب حالات یہ ہوں تو آپؐ کا حکم میرے متعلق کیا ہے؟''۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''میں تجھے صبر کرنے کا حکم دیتا ہوں''۔ پھر تیسری مرتبہ علیؑ نے عرض کی: ''آقا! جب حالات اس نہج پہ پہنچ جائیں تو میری تکلیف شرعی کیا ہے؟'' رسولؐ خدا نے فرمایا: ''بھائی علیؑ! جب ایسا ہو تو تلوار کو نیام سے نکال کر اپنے کندھے پہ رکھ لینا اور دشمنوں پر قدم قدم پر تلوار چلانا اور آخری دم تک تلوار چلاتے رہنا۔ جب میرے پاس آؤ تو تمہاری تلوار سے دشمنوں کا خون ٹپک رہا ہو''۔ بعد ازاں رسولؐ خدا میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''ام سلمہؓ! تو اتنی پریشان کیوں ہے؟'' میں نے عرض کی: ''آپؐ نے مجھے دو مرتبہ اندر آنے سے منع فرمایا میں اسی لئے پریشان ہوں''۔ میری عرض سن کر رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا: ''ام سلمہؓ! میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے تجھے اندر آنے سے نہیں روکا تھا، اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تو خیر پر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس جبرائیل امین تشریف رکھتے تھے، وہ اللہ کے حکم سے مجھے آنے والے واقعات بتا رہے تھے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں علیؑ کو بھی ان واقعات کی خبر کر دوں۔ ام سلمہؓ! غور سے سنو اور گواہ رہو! یہ علیؑ بن ابی طالب دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔ ام سلمہ! غور سے سنو اور گواہ رہو، یہ علیؑ بن ابی طالب میرا وصی، میرے بعد میرا جانشین، میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے حوض سے منافقین کو ہٹانے والا ہے۔ ام سلمہؓ! غور سے سنو اور گواہ رہو! یہ علیؑ بن ابی طالب دنیا میں میرا علمدار ہے اور قیامت کے دن لواء الحمد کا اٹھانے

والا بھی یہی ہے۔ام سلمہؓ! غور سے سنو اور گواہی دو! یہ علی بن ابی طالب سید المسلمین ہے اور متقین کا امام ہے اور روشن چہرے رکھنے والوں کا قائد ہے اور ناکثین، قاسطین اور مارقین کا قاتل ہے''۔ میں نے عرض کی: ''یارسولؐ اللہ ناکثین کون لوگ ہیں؟'' حضور کریمؐ نے فرمایا: ''ناکثین وہ ہیں جو مدینہ میں علیؑ کی بیعت کریں گے اور بصرہ جا کر بیعت توڑ دیں گے''۔ میں نے عرض کی: ''یارسولؐ اللہ! قاسطین کون لوگ ہیں؟''۔حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''معاویہ اور اس کے شامی دوست''۔ پھر میں نے عرض کی: ''یارسولؐ اللہ! مارقین کون لوگ ہیں؟'' حضور کریمؐ نے فرمایا: ''وہ نہروان والے لوگ ہیں''۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام نے جب یہ حدیث سنی تو کہا: ''بی بی جان! آپؓ نے میری رہنمائی فرمائی اور میری مشکل حل کی ہے۔اللہ آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ کی مشکلات حل فرمائے۔خدا کی قسم! اب میں علیؑ کو کبھی بھی سب نہیں کروں گا (نازیبا الفاظ نہ کہوں گا)''۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اس مفہوم کی بہت سی احادیث مروی ہیں جنہیں ان شاء اللہ موقع ومحل کی مناسبت سے حیطہ تحریر میں لایا جائے گا۔حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ناکثین وقاسطین ومارقین کے عمل کی مذمت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا (**كَانَّهُمْ لَمْ يَسْمَعُوْا اللّٰهَ يَقُوْلُ** "تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ) تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہی نہیں تھا کہ ''یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا) بلندی چاہتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دار آخرت کا مستحق ان لوگوں کو ٹھہرایا ہے جو بے جا بلندی اور فساد کے خواہش مند نہیں ہوتے۔مگر مخالفین بے جا بلندی کے خواہش مند ہیں اور زمین پہ فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں تو ان کے طرز عمل کے پیش نظر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے آج تک یہ آیت اپنے کانوں سے سنی ہی نہیں ہے۔مگر معاملہ اتنا آسان نہیں ہے ان لوگوں نے یہ نہیں کہ یہ آیت نہیں سنی بلکہ حقیقت تو یہ ہے (بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعُوْهَا وَ وَعَوْهَا) ہاں! ہاں! ان لوگوں نے خدا کی قسم اس آیت کو سنا تھا اور یاد کیا تھا۔حضرتؑ نے اثبات مدعا کے لئے واو قسم، لام تاکید کے ساتھ اس حقیقت کی تاکید کی کہ میرے مخالفین قرآن سے جہل کی وجہ سے سرکشی وفساد پہ آمادہ نہیں ہیں بلکہ وہ قرآن مجید کی اس آیت کو سن چکے ہیں۔اور آیت انہیں اچھی طرح سے یاد ہے وہ جان بوجھ کر سرکشی اور فساد کی راہ اپنائے ہوئے ہیں۔اور اس سرکشی اور فساد کی راہ اپنانے اور حکم قرآن کو پس پشت ڈالنے کا سبب یہ ہے کہ وہ قرآن کو تو جانتے تھے (وَلٰكِنَّهُمْ حُلِيَتِ الدُّنْيَا فِىْ اَعْيُنِهِمْ وَ رَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا) لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھا دیا۔اسی لئے ان لوگوں نے حکم قرآن کو پس پشت ڈال دیا اور یوں انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدا اور زمین میں فتنہ فساد برپا کیا۔حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ان لوگوں نے حکم قرآن نہ سنا ہوتا تو انہیں معذور اور لائق معافی سمجھا جا سکتا تھا۔لیکن اب یہ ہرگز معذور اور قابل بخشش نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ قرآن مجید کی یہ آیت اچھی طرح سے سن چکے ہیں۔لہٰذا اللہ کے نزدیک ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔یہ لوگ اول وآخر اقتدار دنیا کے پجاری اور زینت دنیا کے متلاشی ہیں۔''لٰكِنَّهُمْ''، ''لَمْ يَسْمَعُوْا''، ''سَمِعُوْا'' اور ''وَعَوْا'' کی ضمائر کا مرجع مذکورہ تینوں گروہ ہیں اور یہ لفظاً اقرب اور معناً انسب ہے۔لیکن علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان ضمائر کا اشارہ سابق حکمران ہیں اور مخالفین کے تین گروہ نہیں ہیں کیونکہ حضرتؑ نے یہ خطبہ دراصل غاصبین خلافت کے

متعلق ارشاد فرمایا ہے اور اس میں ناکثین وقاسطین و مارقین کا تذکرہ ضمنی طور پر کیا گیا ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر

خطبہ شقشقیہ میں حضرتؑ نے جس آیت کی تلاوت کی ہے ذیل میں ہم اس کی مختصر سی تفسیر بیان کرتے ہیں اور اس کے چند نکات و لطائف قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ میں ''دار آخرت'' سے مراد جنت ہے اور ''تِـــلْكَ'' اشارہ بعید سے اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے گویا قدرت اسم اشارہ بعید سے کہنا یہ چاہتی ہے کہ تم نے جس جنت کا ذکر سنا اور جس کی توصیف تم نے اپنے کانوں سے ہمیشہ سنی ہے تو ہم اس جنت کا وارث انہیں قرار دیں گے جو زمین میں ناحق بلندی اور فساد کے خواہش مند نہیں ہوتے۔ ''عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ'' سے مراد جبر و تکبر ہے البتہ بندگان خدا کی تحقیر اور عبادت پروردگار سے تکبر کرنا بھی اس میں شامل ہے اور ''فَسَادًا'' سے مراد غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینا، ناحق کسی کے مال پہ قبضہ جمانا، کسی کو ناجائز قتل کرنا اور گناہوں پر عمل کرنا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں زاذان سے روایت ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کا دستور تھا کہ آپؑ تنہا بازاروں میں چلے جاتے تھے، راہ پوچھنے والوں کی رہنمائی فرماتے، کمزوروں کی مدد کرتے تھے اور دوکانداروں کے پاس جا کر قرآن مجید کھول کر یہ آیت سنایا کرتے تھے (تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَايُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَافَسَادًا) ہم دار آخرت ان کے لئے بنائیں گے جو زمین پہ ناحق بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اور حضرتؑ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت تواضع و عدل کرنے والے حکام اور انصاف پسند مالدار طبقہ کے حق میں نازل ہوئی۔

کتاب غایۃ المرام میں بحوالہ مناقب ابی الحسن الفقیہ ابن مغازلی شافعی، زاذان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو دیکھا کہ آپؑ جوتے کا تسمہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے بازار میں آتے، بھٹکے ہوئے کو راہ دکھاتے، مزدور کی مدد کر دیتے تھے، یہ آیت پڑھا کرتے تھے ''تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ.... '' اور فرماتے کہ یہ آیت حکام اور مقتدر طبقہ کے لئے نازل ہوئی ہے۔ مجمع البیان میں ابی سلام اعرج نے حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان نقل کیا ہے (اِنَّ الرَّجُلَ لَيُعْجِبُهُ شِرَاكُ نَعْلِهِ فَيَدْخُلُ فِیْ هٰذِهِ الْآيَةَ) بعض اوقات کسی شخص کو اپنی جوتی کا تسمہ بھلا معلوم ہونے لگتا ہے تو وہ بھی اس آیت کے ضمن میں داخل ہو جاتا ہے۔ تفسیر کشاف میں بھی قریباً یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ طبرسی اعلی اللہ مقامہ رقم طراز ہیں جو شخص اپنے لباس کی وجہ سے کسی پر تکبر کرے تو وہ ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے جو زمین میں ناحق بلندی کے طالب ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت قارون کے قصہ کے بعد اور فرعون کے قصہ سے قبل موجود ہے۔ تو اس آیت کی ترتیب کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''عُـلُوّ'' لفظ فرعون کے کفر کی طرف اور ''فَسَاد'' کا لفظ قارون کی بغاوت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ اللہ نے فرعون کے متعلق یہ الفاظ فرمائے (اِنَّ فِـرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ) بے شک فرعون زمین پہ بڑا بن بیٹھا اور اللہ تعالیٰ نے قارون کے متعلق اہل ایمان کی یہ نصیحت بیان فرمائی (وَ لَاتَبْـغِ الْفَسَادَ فِیْ الْاَرْضِ) زمین میں فساد پسند نہ کر۔ کلام امامؑ کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا درست ہوگا ممکن ہے کہ حضرتؑ نے (عُلُوّ) کا اشارہ شیخین کی طرف اور (فَسَاد) کا اشارہ ثالث کی طرف فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سب کی طرف اشارہ ہو۔

ہماری رائے یہ ہے کہ حضرتؑ نے (عُلُوّ) کا اشارہ طلحہ، زبیر، معاویہ اور ان کے ہم نواؤں کی طرف اور (فَسَادُ) کا اشارہ اصحاب

نہراون کی جانب فرمایا ہے۔علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرتؑ کے ان الفاظ کا اشارہ مذکورہ تینوں طبقات کی جانب ہو۔آیت مذکورہ کے ضمن میں یہ عرض ضروری ہے کہ اللہ نے دار آخرت کا حقدار انہیں قرار نہیں دیا جو ''عُلُوّ وَ فَسَاد'' کرتے ہوں بلکہ اللہ نے انہیں دار آخرت کا حقدار بنایا جو سرے سے ''عُلُوّ وَ فَسَاد'' کے طالب نہ ہوں۔یعنی اللہ نے ظلم سے ہی منع نہیں کیا بلکہ ظالموں کی طرف جھکاؤ سے بھی منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وَ لَاتَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ...'' (ھود/۱۱۳) اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرنا کہ جہنم کی آگ تمہیں چھولے گی۔اسی طرح سے مؤمن معاشرہ میں برائی پھیلانا ہی جرم نہیں ہے بلکہ برائی پھیلنے کو پسند کرنا بھی جرم ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ..'' (النور/۱۹) بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔اسی طرح سے بری نیت رکھنا بھی باعث مؤاخذہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔''وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْتُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ....'' (البقرہ ۔۲۸۴) اور تم اپنے دل کی باتوں کا اظہار کرو یا ان پر پردہ ڈالو وہ سب کا محاسبہ کرے گا۔درج بالا تینوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف برائی کرنا ہی قابل مؤاخذہ نہیں ہے بلکہ برائی کی نیت بھی برائی میں شامل ہے اسی لئے احادیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں (اِنَّمَا یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی نِیَّاتِهِمْ نِیَّةُ الْکَافِرِ شَرٌّ مِّنْ عَمَلِهٖ) لوگ اپنی نیتوں پر محشور کئے جائیں گے۔کافر کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بری ہے۔اہل جنت کو ہمیشہ کی نعمات میسر آئیں گی اور اہل دوزخ کو ابدی عذاب دیا جائے گا۔اور اس ہمیشگی کی وجہ بھی یہی ہے کہ اہل جنت کی نیت یہ تھی کہ اگر انہیں ہمیشہ کی زندگی بھی مل جائے تو بھی وہ نیک عمل کرتے رہیں گے۔اب اگر چہ فعلاً انہیں ہمیشہ کی زندگی نصیب نہیں ہوئی البتہ انہیں ان کی نیت کا ثمر یہ ملا کہ جنت میں انہیں ہمیشہ کی زندگی عطا ہوئی اور جاودانی نعمات میسر آئیں۔اور اسی طرح سے اہل دوزخ کی بھی یہی خواہش تھی کہ اگر انہیں ہمیشہ کی زندگی مل جائے تو وہ ہمیشہ گناہ کرتے رہیں گے۔اگر چہ انہیں دنیا میں ہمیشہ کی زندگی نصیب نہیں ہوئی تھی البتہ انہیں ان کی نیت کی خرابی کا یہ ثمر ملا کہ انہیں دوزخ میں ہمیشہ کا عذاب دیا جائے گا۔تو جنت کی نعمات کی ہمیشگی اور دوزخ کے عذاب کا باقی رہنا عمل کا نہیں بلکہ نیت کا مرہون ہے۔شیخ حر عاملیؒ نے اس حقیقت کو الوسائل کے آغاز میں تحریر کیا اور علامہ حلیؒ، ابن ادریسؒ، صاحب مدارکؒ، شیخ بہائیؒ اور محقق طوسیؒ ان تمام علمائے اعلام کا یہی موقف ہے۔البتہ بعض روایات میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف نیت پر ہی محاسبہ نہیں کرتا جب تک نیت پر عمل نہ کیا جائے اور نیت وارادہ قابل گرفت نہیں ہے۔اس سلسلہ میں علامہ شیخ انصاریؒ رقم طراز ہیں کہ ہر وہ نیت قابل گرفت ہے کہ جس کے بعد انسان کچھ مقدمات فراہم کرے اور وہ نیت قابل گرفت نہیں ہے جہاں صرف نیت ہی ہو عمل نہ ہو۔اور اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف نیت کرنا قابل مؤاخذہ نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس نیت پر باقی رکھنا قابل مؤاخذہ ہے۔بعض علما لکھتے ہیں کہ مسلم کی نیت میں اگر کہیں فتور آجائے تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے اور اگر کافر کی نیت میں خرابی واقع ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرماتا ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ نیت کی خرابی کی وجہ سے آخرت میں عذاب نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں عذاب دیا جائے گا۔(وَاللّٰهُ الْعَالِمُ بِحَقَائِقِ اَحْکَامِهٖ)

فصل ششم

حکومت علماء کی حقیقت

اَمَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْلاَ حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ وَ مَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَلَّا یُقَارُّوْا عَلٰی کِظَّةِ ظَالِمٍ وَ لَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلٰی غَارِبِهَا وَ لَسَقَیْتُ اٰخِرَهَا بِکَأْسِ اَوَّلِهَا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهٖ اَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عِفْطَةِ عَنْزٍ

دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں، تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پہ ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے

تشریح لغات (اَلْفَلْقُ) پھاڑنا، شگافتہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی) اللہ دانے اور گٹھلی کو شگافتہ کرنے والا ہے۔ (بَرَأَ) پیدا کیا۔ انسان کے علاوہ یہ لفظ دوسری مخلوقات کے لئے انتہائی کم استعمال ہوتا ہے، (اَلنَّسَمَةُ) تمام حروف کی حرکت کے ساتھ انسان، نفس اور روح انسان کے علاوہ یہ لفظ دوسری مخلوق کے لئے بھی کبھی استعمال ہوتا ہے۔ (قَارَّهٗ) ایک دوسرے سے اقرار لینا۔ (اَلْکِظَّةُ) شکم سیری۔ (اَلسَّغَبُ) بھوک، (اَلْغَارِبُ) ناقہ کی گردن کا اوپر والا حصہ۔ (اَلزُّهْدُ) بے رغبتی، (زَهِیْدٌ) قلیل۔ (اَلْعِفْطَةُ) ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس کا معنی جانور کا گوز مارنا ہے۔ شارح معتزلی کہتے ہیں کہ (عِفْطَةٌ) بکری کے ناک سے بہنے والے پانی کو کہا جاتا ہے اور یہ لفظ عموماً بھیڑ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور بکری کے لئے لفظ (نَفْطَةٌ) استعمال ہوتا ہے اسی لئے عرب کسی کی بے بضاعتی کو ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں (مَالَهٗ عَافِطٌ وَ لَا نَافِطٌ) اس کے پاس کوئی بھیڑ بکری تک نہیں ہے اگر کہا جائے کہ کیا یہاں (عِفْطَةٌ) بمعنی گوز کو درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں یہ معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے مگر امیر المومنین کی جلالت و عظمت کے پیش نظر اس کا معنی چھینک کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ لفظ (عِفْطَةٌ) بھیڑ کی چھینک کے لئے استعمال ہوتا ہے بکری کی چھینک کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ حضرتؑ نے بکری کے لئے بطور مجاز اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

اعراب

(مَا اَخَذَ اللّٰہُ)اس جملہ میں حرف (مَا) مصدر یہ ہے اور پورا جملہ تاویل مصدر بن کر'' حُضُوْرٌ '' پر معطوف ہے۔یا یہ کہ (مَا) موصولہ ہے اور صلہ محذوف ہے (اَنْ لَایُقَارُّوْ)''اَخَذَ ''فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے یا (مَا اَخَذَ اللّٰہُ) کا بیان ہے اور حرف جر کو مصدر مانا جائے گا یا یہ کہ''اَنْ ''تفسیر یہ کہ ذریعہ سے بیان ہے۔جیسا کہ ان آیات میں ہے (وَنَوَدُّوْ اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّۃُ)اور (فَانْطَلَقَ الْمَلَأُ اَنْ امْشُوْا)اور اس جملہ کو بدل اور عطف بیان بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مفہوم

حضرتؑ نے خطبہ میں سقیفائی حکومت اور اس کی وصیت کے نتیجہ میں قائم ہونے والی دوسری خلافت اور شوریٰ کی پہنچ در پہنچ کاروائی کے تحت قائم ہونے والی تیسری حکومت کا تذکرہ کیا اور بعد ازاں اپنی حکومت کے قائم ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے جیسے ہی عنان خلافت سنبھالی تو طالع آزما قسم کے لوگوں نے میرے خلاف مسلح بغاوتیں کیں اور قدم قدم پہ شورشیں کھڑی کیں۔ان تمام تر کٹھن حالات کے باوجود میں نے تین اسباب کی وجہ سے حکومت واقتدار کو قبول کیا،اگر یہ تین وجوہات نہ ہوتیں تو مجھے اس حکومت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔اور وہ اسباب یہ ہیں (اَمَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَأَ النَّسَمَۃَ)اس ذات برحق کی قسم جس نے اپنی قدرت کاملہ سے دانے کو شگافتہ کیا اور جس نے ذی روح اشیاء بالخصوص انسان کو اپنی قدرت جامعہ سے خلق فرمایا (لَوْلَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ)

(۱)۔اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی نہ ہوتی۔یعنی اس سے قبل میں مجبور ومعذور تھا کیونکہ مجھے بیعت کرنے والے افراد ہی میسر نہیں آئے تھے۔جبکہ اس وقت انصار ومہاجرین نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔اس جملہ کا ایک اور مفہوم یہ بھی ممکن ہے کہ حضورؐ اکرم نے مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام کے لئے جس وقت کا تعین فرمایا تھا اگر وہ وقت نہ آیا ہوتا تو میں حکومت وامارت قبول نہ کرتا۔(وَ قِیَامُ الْحُجَّۃِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ)

(۲)۔اور مدد کرنے والوں کی موجودگی کی وجہ سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوئی ہوتی۔یعنی اس حکومت وامارت کے قبول کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ مجھے مددگار مل چکے تھے اور اس سے قبل میں مددگاروں سے محروم تھا۔اور رسالت مآبؐ نے بھی مجھے فرمایا تھا کہ جب تمہیں مددگار میسر آجائیں تو باطل پرستوں سے جنگ کرنا۔اور یوں مددگاروں کی موجودگی کی وجہ سے مجھ پر حجت تمام ہوگئی تو میں نے عنان حکومت کو سنبھال لیا۔(وَ مَا اَخَذَ اللّٰہُ عَلَی الْعُلَمَاءِ اَنْ لَّایُقَارُّوْا عَلیٰ کِظَّۃِ ظَالِمٍ وَلَاسَغَبِ مَظْلُوْمٍ)

(۳)۔اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں۔میرے اقتدار قبول کرنے کا تیسرا سبب یہ ہوا کہ اللہ نے علماء سے بالعموم اور آل محمدؐ سے بالخصوص یہ عہد لے رکھا ہے کہ جب وہ ظالم کو شکم سیر اور مظلوم کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے ملاحظہ کریں تو اس صورت حال میں آرام وسکون سے نہ بیٹھیں۔

چنانچہ جب مجھ سے عنان حکومت سنبھالنے کی درخواست کی گئی تھی تو اس وقت ظالم شکم سیر تھے اور مظلوم بھوک کی وجہ سے جان

بلب تھے اور ادھر اللہ نے علماء سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ وہ اس حالت پر خاموش ہو کر نہ بیٹھے رہیں۔ اسی لئے ان تینوں مذکورہ علل و اسباب کی وجہ سے میں نے عنان حکومت سنبھال لی۔ اور اگر مذکورہ تینوں اسباب نہ ہوتے تو مجھے خلافت کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی اور اگر مجھے ان مذکورہ اسباب کی غیر موجودگی میں حکومت کی پیش کش کی جاتی (لَاَلْقَیْتُ حَبْلَهَا عَلیٰ غَارِبِهَا) تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پہ ڈال دیتا ان الفاظ سے حضرتؑ نے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ میں حکومت و اقتدار کا ہرگز حریص نہیں ہوں اور حکومت برائے حکومت میرے منشور میں شامل نہیں ہے۔ مذکورہ الفاظ سے حضرتؑ نے خلافت کی تشبیہ ناقہ سے دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر مذکورہ اسباب مجھے مجبور نہ کرتے تو میں خلافت کی رسی اسی ناقہ کے کندھے پر ڈال دیتا اور پھر کبھی یہ سوچنے کی زحمت تک نہ کرتا کہ وہ ناقہ کہاں چلی گئی ہے اور اس پہ کون سوار ہوا ہے علم بلاغت کے اعتبار سے (غَارِبٌ) کندھا تخییل ہے اور اس پہ رسی کا ڈالنا ترشیح ہے۔ (وَ لَسَقَیْتُ اٰخِرَهَا بِكَأْسٍ اَوَّلِهَا) اور میں اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا۔ خلیفہ ثالث کے قتل کے بعد میں حکومت کی ذمہ داری قبول نہ کرتا اور لوگ اس حیرت و گمراہی میں سر ٹکراتے رہتے جیسا کہ میری حکومت سے پہلے اندھیروں میں سر ٹکرایا کرتے تھے۔ (وَ لَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاكُمْ هٰذِهٖ اَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عِفْطَةِ عَنْزٍ) اور جس دنیا کی محبت میں تم سرشار ہو، تم دیکھتے کہ تمہاری یہ دنیا میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ قابل نفرت ہے۔

فصل ہفتم

ابن عباسؓ کی حسرت

قَالُوْا: وَقَامَ اِلَیْهِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ السَّوَادِ عِنْدَ بُلُوْغِهٖ اِلٰی هٰذَا الْمَوْضِعِ مِنْ خُطْبَتِهٖ فَنَاوَلَهٗ كِتَابًا. فَاَقْبَلَ یَنْظُرُ فِیْهِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَائَتِهٖ قَالَ لَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَوِاطَّرَدْتَ مَقَالَتَكَ مِنْ حَیْثُ اَفْضَیْتَ فَقَالَ: هَیْهَاتَ یَابْنَ عَبَّاسٍ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَوَاللّٰهِ مَا اَسَفْتُ عَلٰی كَلَامٍ قَطُّ كَاَسَفِیْ عَلٰی هٰذَا الْكَلَامِ اَلَّا یَكُوْنَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلَغَ مِنْهُ حَیْثُ اَرَادَ

لوگوں کا بیان ہے کہ جب حضرتؑ خطبہ پڑھتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو ایک عراقی باشندہ آگے بڑھا اور ایک نوشتہ حضرتؑ کے سامنے پیش کیا۔ آپؑ اسے دیکھنے لگے اور جب فارغ ہوئے تو ابن عباسؓ نے کہا: ''یا امیر المومنینؑ! آپؑ نے جہاں خطبہ چھوڑا تھا، وہیں سے اس کا سلسلہ آگے بڑھائیں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اے ابن عباس! یہ تو شقشقہ (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا جو اونٹ کے منہ سے مستی و ہیجان کے وقت نکلتا ہے) تھا جو ابھر کر دب گیا''۔ ابن عباسؓ کہتے تھے: ''مجھے کسی کلام کے متعلق اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام کے متعلق اس بنا پر افسوس ہوا کہ حضرتؑ وہاں تک نہ پہنچ سکے جہاں تک پہنچنا چاہتے تھے''۔

تشریح لغات (اَھْلُ السَّوَادِ) دیہات کا رہنے والا، دیہات کو سرسبز ہونے کی وجہ سے (سَوَادَ) کہتے ہیں کیونکہ دور سے درخت اور سبزہ، سیاہ سے نظر آتے ہیں اور عرب گہرے سبز رنگ کو لفظ (اَسْوَدُ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور عراق کو بھی اس کی سرسبزی کی وجہ سے سواد کہا جاتا ہے۔ (نَاوَلَهٗ) سامنے پیش کیا۔ (اَلْاِطِّرَادُ) آگے بڑھانا، جاری کرنا (اِطَّرَدَ الْاَمْرُ) جب امر ایک دوسرے کے بعد لگاتار جاری رہے۔ (وَنَهْرَانِ يَطَّرِدَانِ) دو دریا بہہ رہے ہیں۔ (اَلْاِفْضَاءُ) ختم کرنا، قطع کرنا۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ اس لفظ کا وضعی معنی کھلی فضا میں داخل ہونا ہے۔ اور کسی تقریر کے اختتام کو لفظ (اِفْضَاءٌ) سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی خطیب اپنے خطبہ میں معروف ہوتا ہے تو اس کے تمام اعضاء و جوارح اور ذہن و قلب تقریر کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور جب وہ اپنی تقریر ختم کر دیتا ہے تو تمام اعضاء ایک طرح کی آزادی محسوس کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کھلی فضا میں تصور کرتے ہیں۔ (اَلشِّقْشِقَةُ) گوشت کا وہ نرم لوتھڑا جو اونٹ کے منہ سے مستی و ہیجان کے وقت نکلتا ہے۔ اس لئے کسی بڑے خطیب کو بھی ''ذُوْشِقْشِقَةٌ'' کہا جاتا ہے۔ (هَدِيْرُ الْجَمَلِ) اونٹ کا اپنی آواز کو حنجرہ میں گردش دینا۔

اعراب

(لَوْلَا) کلمہ تمنی ہے اور اس کا جواب محذوف ہے یعنی (لَكَانَ حَسَنًا)، (مَقَالَتَكَ) اگر (اِطَّرَدَتْ) کو باب افتعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ تسلیم کیا جائے تو لفظ (مَقَالَتُكَ) اس کا فاعل ہوگا اور اگر لفظ (اِطَّرَدْتَ) فعل کو باب افعال یا باب افتعال سے واحد مذکر مخاطب کے طور پر پڑھا جائے تو لفظ (مَقَالَتَكَ) اس کا مفعول ہوگا۔

مفہوم

(قَالُوْا: وَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ السَّوَادِ) لوگوں کا بیان ہے کہ ایک دیہاتی شخص کھڑا ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق عراقی علاقوں سے تھا۔ (عِنْدَ بُلُوْغِهٖ اِلٰى هٰذَا الْمَوْضِعِ مِنْ خُطْبَتِهٖ فَنَاوَلَهٗ كِتَابًا فَاَقْبَلَ يَنْظُرُ فِيْهِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَائَتِهٖ) جب آپؑ خطبہ پڑھتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو اس نے ایک نوشتہ حضرتؑ کے سامنے پیش کیا اور آپؑ اسے دیکھنے لگے جب اس کے جواب سے فارغ ہوئے تو (قَالَ لَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَوِاطَّرَدْتَ مَقَالَتَكَ مِنْ حَيْثُ اَفَضَيْتَ فَقَالَ هَيْهَاتَ يَابْنَ عَبَّاسٍ تِلْكَ شِقْشِقَةٌ هَدَرَتْ ثُمَّ قَرَّتْ) ابن عباسؓ نے کہا: ''یا امیر المومنینؑ! آپؑ نے جہاں خطبہ چھوڑا تھا وہیں سے اسی کا سلسلہ بڑھائیں تو بہتر ہوگا۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اے عباسؓ! یہ تو شقشقہ تھا جو ابھر کر دب گیا''۔ حضرتؑ نے بطور استعارہ اپنے جذبات سے لبریز خطبہ کو شقشقہ سے تعبیر فرمایا اور حضرتؑ نے اسے مزید آگے بڑھانے سے چند وجوہات کی بنا پر احتراز کیا:

(۱) سامعین میں اس کی جس قدر تاثیر ہونی چاہئے، اتنی تاثیر حضرتؑ کو ان میں نظر نہ آئی۔

(۲) حضرتؑ خلافت کو صرف امر سلطنت سمجھ کر اسے زیادہ اہمیت دینے پر رضامند نہ تھے۔

(۳)نورالٰہی سے آپ کومعلوم ہو چکا تھا کہ آپ کے ایام شہادت قریب ہیں۔

(۴)تمام حقائق کے اظہار سے تقیہ مانع تھا۔

(قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :فَوَاللّٰهِ مَااَسَفتُ عَلیٰ كَلَامٍ قَطُّ كَاَسَفِیْ عَلیٰ هٰذَا الْكَلَامِ اَنْ لَايَكُوْنَ اَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ بَلَغَ مِنْهُ حَيْثُ اَرَادَ)ابن عباسؓ کہتے تھے! مجھے کسی کلام کے متعلق اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام کے متعلق اس بنا پر ہوا کہ حضرتؑ وہاں تک نہ پہنچ سکے جہاں تک پہنچنا چاہتے تھے۔شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ میرے بزرگ شیخ ابوالخیر مصدق بن شبیب واسطی کہتے ہیں کہ میں نے یہ خطبہ اپنے استاد شیخ ابی محمد عبداللہ بن احمد المعروف ابن خشاب کے سامنے پڑھا اور جب میں نے ابن عباس کا یہ قول استاد کے سامنے پڑھا تو میرے استاد نے مجھے روک کر کہا:''اگر ابن عباس میرے سامنے یہ بات کہتے تو میں یقیناً انہیں کہتا کہ آپ کو ہرگز افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ کے ابن عم نے کیا کسی کو معاف کیا ہے انہوں نے تو سب کی غلط روش عیاں کر دی ہے''۔

اس نوشتہ میں کون سے مسائل تھے؟

شارح بحرانی اور محدث جزائری نے ابوالحسن کندری سے روایت کی،انہوں نے کہا کہ میں نے ایک قدیم کتاب میں پڑھا تھا کہ خطبہ شقشقیہ کے دوران حضرتؑ کے سامنے جو نوشتہ پیش کیا گیا تھا اس میں درج ذیل مسائل پوچھے گئے تھے:

(۱)وہ کون سا جاندار ہے جو ایک جاندار کے پیٹ سے برآمد ہوا لیکن دونوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں تھی؟ حضرتؑ نے جواب میں فرمایا:''وہ یونس نبی ہیں جو مچھلی کے پیٹ سے برآمد ہوئے تھے۔یونس اور مچھلی میں کوئی رشتہ داری نہیں تھی''۔

(۲)وہ کون سی چیز ہے جس کی قلیل مقدار حلال اور کثیر مقدار حرام ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا:''وہ نہر طالوت ہے جس کے متعلق حضرت طالوتؑ نے اپنے لشکر سے فرمایا تھا کہ اس کا پانی نہ پینا (اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ)سوائے اس کے کہ ایک چلو بھر پانی پی سکتے ہو''۔

(۳)وہ کون سی عبادت ہے اگر کوئی وہ عبادت کرے تو بھی عذاب کا حقدار قرار پائے اور اگر اسے بجا نہ لائے تو بھی عذاب کا حقدار قرار پائے؟ حضرتؑ نے فرمایا:''وہ حالت نشہ والے شخص کی نماز ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى)ایمان والو! حالت نشہ میں نماز کے قریب مت جاؤ۔اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز ادا کرے تو بھی مجرم اور اگر نماز ادا نہ کرے تو بھی ترک صلاۃ کا مجرم ہے''۔

(۴)دنیا میں کون سا ایسا پرندہ ہے جس کا کوئی ماں باپ نہیں ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا:''وہ وہی پرندہ ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنایا تھا''۔

(۵)ایک شخص پر ایک ہزار درہم قرض ہے اور اس کے پاس ایک ہزار درہم تھیلی میں بھی موجود ہیں اور اس نے ایک ہزار درہم کی ضمانت بھی دی ہے۔تو اب زکوٰۃ اس کے کس مال پر فرض ہوگی آیا اس کے ذاتی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا جس کا وہ ضامن بنا

ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''اگر وہ شخص مقروض کی اجازت سے ضامن بنا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اگر اجازت کے بغیر اس نے ضمانت دی ہے تو پھر زکوٰۃ اس کے ذاتی مال سے لی جائے گی''۔

(۶) حاجیوں کا ایک گروہ مکہ میں آیا، مکہ میں انہوں نے ایک مکان کرایہ پر حاصل کیا اور مکان میں انہوں نے اپنے کپڑے رکھے اور ان میں سے ایک شخص نے مکان کا دروازہ بند کر دیا اور جب واپسی پر دروازہ کھولا گیا تو اس مکان میں چند کبوتر بھوک اور پیاس کی وجہ سے مرے پڑے تھے۔ تو ان مرنے والے کبوتروں کا کفارہ پوری جماعت پر فرض ہے یا کسی ایک فرد پر فرض ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''اس شخص پر کفارہ فرض ہے جس نے کبوتروں کے آگے دانہ پانی ڈالے بغیر دروازہ بند کیا تھا''۔

(۷) چند افراد نے خلیفہ کے سامنے کسی شادی شدہ شخص پر زنا کی گواہی دی، خلیفہ نے اس شخص کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ رجم کے وقت ایک گواہ سنگساری میں شریک ہوا باقی شریک نہ ہوئے دوسروں لوگوں نے سنگساری میں شرکت کی۔ کچھ دیر بعد جب کہ حاکم وہاں سے واپس چلا آیا اس وقت تک رجم ہونے والا مرا نہیں تھا بعد میں مر گیا اور اس کی موت کے بعد گواہ اپنی گواہی سے منحرف ہو گئے تو مرنے والے کی دیت (خون بہا) کس پر واجب ہوگی؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''جس گواہ نے اسے سنگسار کیا تھا اور اس کے ساتھ دوسرے سنگسار کرنے والوں پر مرنے والے کی دیت واجب ہوگی''۔

(۸) دو یہودیوں نے مل کر کسی یہودی کے متعلق گواہی دی کہ وہ مسلمان ہو گیا، تو کیا یہ گواہی قابل قبول ہوگی؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''نہیں کیونکہ یہودی کلام الٰہی میں تبدیلی اور جھوٹی گواہی کو جائز سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے''۔

(۹) دو عیسائیوں نے کسی عیسائی یا مجوسی کے متعلق گواہی دی کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے، تو کیا یہ گواہی قبول کی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''ہاں ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ نصاریٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى..... الآیہ) آپ دیکھیں گے کہ اہل ایمان کی محبت کے لئے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں''۔

(۱۰) ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا اور قاضی کے پاس چار افراد نے یہ گواہی دی کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے یہ شادی شدہ ہے اور اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ قاضی نے اسے سنگسار کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ شخص سنگسار ہونے سے پہلے ہی ہاتھ کٹنے کی وجہ سے مر گیا تو ہاتھ کاٹنے والے کو ہاتھ کی دیت ادا کرنی ہوگی یا مکمل انسانی جان کی دیت ادا کرنی ہوگی؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''اگر اس نے نصاب سے کم چوری کی تھی اور دوسرے شخص نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تھا تو ہاتھ کاٹنے والے کو ہاتھ کی دیت دینی ہوگی اور اگر چوری نصاب کے برابر تھی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو پھر اس کی کوئی دیت نہیں دی جائے گی''۔ (وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

خطبہ ۴

طلحہ وزبیر اور ان کے ہم نواؤں سے خطاب

(مَنْ خُطْبَةٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ مَقْتَلِ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ خ) ''طلحہ وزبیر کے قتل کے بعد حضرتؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا''۔ جیسا کہ شرح بحرانی اور شرح معتزلی میں ہے۔ اور آپؑ نے خطبہ کے آخر میں ان دونوں اور ان کے ہم نواؤں کو مخاطب کیا۔ یہ خطبہ ایک طویل خطبہ سے ماخوذ ہے اور اس خطبہ میں بعض لوگوں نے اپنی خواہشات ونظریات کی ملاوٹ کے لئے ایسے کلمات کا اضافہ کیا ہے جو کسی طور بھی حضرتؑ کی فصاحت سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ہمیں ان کلمات کی ہرگز احتیاج نہیں ہے علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں قطب راوندی سے اس سند کے ساتھ اس خطبہ کو نقل کیا ہے ہمیں ایک جماعت نے جعفر دوریستی کی زبانی خبر دی، اس نے اپنے باپ محمد بن عباس سے، اس نے اپنے باپ محمد بن علی بن موسیٰ سے، اس نے محمد بن علی استرآبادی سے، اس نے علی بن محمد بن یسار سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے اس خطبہ کو نقل کیا۔ علاوہ ازیں شارح معتزلی نے اس خطبہ کا اقتباس نقل کیا ہے شیخ مفید رحمۃ اللہ نے ارشاد میں چند الفاظ کے تغیر سے اس خطبہ کو یوں نقل کیا:

''حضرتؑ نے یہ خطبہ اہل بصرہ کی بیت شکنی اور طلحہ وزبیر کے قتل کے بعد ارشاد فرمایا'' بِنَا تَسَنَّمْتُمُ الشَّرَفَ وَبِنَاانْفَجَرْتُمْ عَنِ السَّرَارِوَبِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظُّلَمَاءِ وُقِرَ سَمْعٌ لَّمْ يَفْقَهِ الْوَاعِيَةَ كَيْفَ يُرَاعِي النُّبُوَّةَ مَنْ اَصَمَّتْهُ الصَّيْحَةُ رُبِطَ جِنَانٌ لَّمْ يُفَارِقْهُ الْخَفَقَانُ،مَازِلْتُ اَنْتَظِرُ بِكُمْ عَوَاقِبَ الْغَدْرِ،وَاَتَوَسَّمُكُمْ بِحُلْيَةِ الْمُغْتَرِّيْنَ ،سَتَرَنِيْ عَنْكُمْ جِلْبَابُ الدِّيْنِ وَبَصَّرَنِيْكُمْ صِدْقُ النِّيَّةِ اَقَمْتُ لَكُمُ الْحَقَّ حَيْثُ تُعْرِفُوْنَ وَلَادَلِيْلَ وَتَحْتَفِرُوْنَ وَلَاتَمِيْهُوْنَ اَلْيَوْمَ اَنْطِقُ لَكُمُ الْعَمَّاءَ ذَاتَ الْبَيَانِ عُزِبَ فَهْمُ امْرِءٍ تَخَلَّفَ عَنِّيْ مَا شَكَكْتُ فِي الْاَمْرِ مُنْذُ رَأَيْتُهٗ كَانَ بَنُوْيَعْقُوْبَ عَلَى الْمَحَجَّةِ الْعُظْمٰى حَتّٰى عَقَّوْآبَائَهُمْ وَبَاعُوْا اَخَاهُمْ وَبَعْدَ الْاِقْرَارِ كَانَتْ تَوْبَتُهُمْ وَبِاسْتِغْفَارِ اَبِيْهِمْ وَاَخِيْهِمْ غُفِرَلَهُمْ هٰذَا''۔ ہماری وجہ سے تم نے رفعت وبلندی کی چوٹیوں پر قدم رکھا۔ اور ہمارے سبب سے اندھیری راتوں کی اندھیاریوں سے صبح کے اجالوں میں آ گئے۔ ہماری وجہ سے تم نے (گمراہی) کی تیرگیوں میں ہدایت کی روشنی پائی۔ وہ کان بہرے ہوجاہیں جو چلانے والے کی چیخ وپکار کو نہ سنیں۔ بھلا وہ کیونکر میری کمزور اور دھیمی آواز کو سن پائیں گے جو اللہ ورسولؐ کی بلند بانگ صداؤں کے سننے سے بھی بہرے رہ چکے ہوں۔ ان دلوں کو سکون وقرار نصیب ہو، جن سے خوف خدا کی دھڑکنیں الگ نہیں ہوتیں۔ میں تم سے ہمیشہ غدر وبے وفائی ہی کے نتائج کا منتظر رہا اور فریب خوردہ لوگوں کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ تمہیں بھانپ لیا تھا۔ اگرچہ دین کی نقاب نے مجھ کو تم سے چھپائے رکھا لیکن میری نیت کے صدق وصفا نے تمہاری صورتیں مجھے دکھا دی تھیں۔ میں تمہارے لئے جادہ حق پر کھڑا تھا جہاں تمہیں راستہ دکھانے والا اور کوئی نہیں تھا۔ تم کنواں کھودتے تھے مگر پانی نہیں نکال سکتے تھے۔ آج میں نے اپنی خاموش زبان کو (جس میں بڑی قوت بیان ہے) گویا کیا ہے۔ اس شخص کی فہم کے لیے دوری ہو جس نے مجھ سے کنارہ کشی کی۔ جب سے مجھے یہ امر دکھایا گیا میں نے کبھی اس میں شک نہیں کیا۔ یعقوب کی اولاد ہدایت کی شاہراہ پر تھی اگر پھر انہوں نے اپنے بزرگوں کی نافرمانی کی اور

اپنے بھائی کو فروخت کیا۔ اور گناہ کے اقرار کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ان کے باپ اور بھائی نے ان کے گناہوں کے لئے مغفرت طلب کی تو ان کے گناہ معاف ہوئے۔ سید رضی قدس سرہ کے بیان کردہ خطبہ کی تشریح ہم دو فصلوں میں کریں گے۔

فصل اول

علیؑ کا تعارف علیؑ کی زبانی

بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظُّلَمَاءِ وَتَسَنَّمْتُمُ الْعُلْيَاءَ وَبِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ السَّرَارِ وُقِرَ سَمْعٌ لَّمْ يَفْقَهِ الْوَاعِيَةَ كَيْفَ يُرَاعِي النَّبْأَةَ مَنْ اَصَمَّتْهُ الصَّيْحَةُ رُبِطَ جِنَانٌ لَّمْ يُفَارِقْهُ الْخَفَقَانُ مَازِلْتُ اَنْتَظِرُبِكُمْ عَوَاقِبَ الْغَدْرِ وَاَتَوَسَّمَكُمْ بِحُلْيَةِ الْمُغْتَرِّيْنَ سَتَرَنِيْ عَنْكُمْ جِلْبَابُ الدِّيْنِ وَبَصَّرَنِيْكُمْ صِدْقُ النِّيَّةِ

ہماری وجہ سے تم نے (گمراہی) کی تیرگیوں میں ہدایت کی روشنی پائی اور بلندی کی چوٹیوں پر قدم رکھا اور اندھیری راتوں کی اندھیاریوں سے صبح (ہدایت) کے اجالوں میں آ گئے۔ وہ کان بہرے ہو جائیں جو چلانے والے کی چیخ و پکار کو نہ سنیں بھلا وہ کیونکر میری دھیمی آواز کو سن پائیں گے جو اللہ و رسولؐ کی بلند بانگ صداؤں کے سننے سے بھی بہرے رہ چکے ہوں، ان دلوں کو سکون و قرار نصیب ہو جن سے خوف خدا کی دھڑکنیں الگ نہیں ہوتیں۔ میں تم سے ہمیشہ بے وفائی ہی کے نتائج کا منتظر رہا اور فریب خوردہ لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ کے ساتھ تمہیں بھانپ لیا تھا۔ اگرچہ دین کی نقاب نے مجھ کو تم سے چھپائے رکھا لیکن میری نیت کے صدق و صفا نے تمہاری صورتیں مجھے دکھا دی تھیں۔

تشریح لغات اَلظَّلْمَاءُ بروزن (صَحْرَآءُ) تاریکی، یہ لفظ بطور وصف بھی استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے (لَيْلَةٌ ظَلْمَآءُ) یعنی سخت تاریک رات۔ (تَسَنَّمْتُمْ) تم بلندی پہ فائز ہوئے اس کا اصل معنی ہے کوہان پر سوار ہونا۔ (اَلْعَلْيَآءُ) بروزن (صَحْرَآءُ) آسمان، پہاڑ کی چوٹی اور بلند و بالا مقام (اِنْفَجَرْتُمْ) تم فجر میں داخل ہوئے۔ (اَلسَّرَارُ) قمری ماہ کی آخری دو راتیں جب چاند نظر نہ آئے۔ شارح معتزلی بیان کرتے ہیں کہ (اِنْفَجَرْتُمْ) کی بجائے (اَفْجَرْتُمْ) زیادہ مناسب ہے..... (اَلْوَقْرُ) کانوں کا بوجھل ہونا اور قوت سماعت کا ختم ہونا اور یہ (وَعَدَ يَعِدُ) کے وزن پر آتا ہے۔ (اَلْوَاعِيَةُ) چیخ و آواز (كَذَا فِي الْقَامُوْسِ) (اِرْتَفَعَتِ الْوَاعِيَةُ) کا معنی ہے آوازیں بلند ہوئیں (كَذَا فِي الْاَسَاسِ) (سَمِعْتُ وَاعِيَةَ الْقَوْمِ) کا معنی ہے میں نے لوگوں کی چیخ و پکار کی آوازیں سنیں (كَذَا فِي الْاُفْيَانُوْسِ)۔ (اَلنَّبْأَةُ) دھیمی آواز (خَفِقَتِ الرَّايَةُ) پرچم پھڑ پھڑایا۔ (تَوَسَّمَ الشَّيْءَ) کسی چیز کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر اسے بھانپ لینا۔ (مُتَوَسِّمٌ) اس سے اسم فاعل ہے جو کسی چیز کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ اس کی اچھائی اور برائی بھانپ لے۔ (اَلْجِلْبَابُ) جیم کی زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، معنی قمیص۔ مصباح میں ہے کہ (جِلْبَاب) اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا ہو۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ (جِلْبَابُ) ڈھانپ دینے والی ہر چیز کو کہا جاتا ہے خواہ وہ کپڑا ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

اعراب

(بِنَا) میں با بمعنی سببیّت کے ہے۔(عَنِ السَّرَارِ) میں لفظ (عَنْ) اپنی حقیقت وضعیّہ پر محمول ہے اور اس کا وضعی معنی گذرنا ہے۔ یعنی ہماری وجہ سے تم رات کی تاریکیوں سے گذر کر صبح کی روشنی میں آ گئے۔(وَقُرِءَ) اسے معلوم اور مجہول دونوں طریقوں سے پڑھنا درست ہے اگر اسے معلوم پڑھا جائے تو اس کا فاعل لفظ (سَمْعٌ) ہوگا اور اگر مجہول پڑھا جائے تو اس کا فاعل اللہ ہوگا اور نائب فاعل (سَمْعٌ) ہوگا۔

مفہوم

حضرتؑ کا یہ خطبہ اختصار کے باوجود آپؑ کے فصیح ترین خطبات میں سے ہے اور یہ خطبہ اپنے دامن میں مطالب شریفہ اور نکات لطیفہ لئے ہوئے ہے اور یہ خطبہ مقاصد عالیہ پر مشتمل ہے۔اگر آپ اس خطبہ کو نگاہ بصیرت سے پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا ہر فقرہ مقام وحال کے تقاضوں کی پوری ترجمانی کرتا ہے۔وقت وحال نے جتنی مدد کی ہم اس کی طرف اشارہ ضرور کریں گے۔(بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَآءِ) ہماری وجہ سے تم نے (گمراہیوں) کی تیرگی میں ہدایت کی روشنی پائی۔حضرتؑ نے یہ خطاب طلحہ وزبیر اور اس کے ہم نواؤں کے سامنے کیا لیکن حضرتؑ کا یہ خطاب صرف اس موقع تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک آنے والے ہر شخص کے لئے ہے۔حضرتؑ نے ان الفاظ سے دنیا کو یہ بتایا کہ آل محمد علیہم السلام ہی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انسانوں کے رہنما ہیں۔

ظلمت ونور

ظلمت اس تاریکی کو کہا جاتا ہے جو اس چیز میں پائی جائے جسے روشن ہونا چاہئے اور لفظ (ظلمت) نور کا متضاد ہے(جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ) اللہ وہی ہے جس نے تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔اس لئے ظلمت ایک وجودی کیفیت ہے فقط عدم نہیں ہے۔اگر ظلمت فقط عدم ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی مخلوق نہ فرماتا۔بہرنوع حقیقت کچھ بھی ہو حضرتؑ کے اس جملہ کا دلالت مطابقی کے تحت مفہوم یہ بنتا ہے کہ وہ ذوات طاہرہ اندھیروں اور تاریکیوں میں راہ نجات کے ہادی ورہبر ہیں۔اور دلالت التزامی کے تحت اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ذوات قدسیہ روشن نور اور قمر منیر ہیں اور تاریکی میں راستہ پانے کے لئے نور کی ضرورت ہوتی ہے۔اور نور کی تعریف یہ ہے(اَلظَّاهِرُ فِيْ ذَاتِهٖ وَ الْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ) جو اپنی ذات کے لحاظ سے ظاہر ہو اور غیر کو ظاہر کرنے والا ہو۔مدلول مطابقی کی طرف قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث متواترہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔الکافی میں عبداللہ بن سنان سے مروی ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق دریافت کیا۔﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الاعراف/۱۸۱) ہماری مخلوق ہی میں سے وہ قوم بھی ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتی ہے اور حق ہی کے ساتھ انصاف کرتی ہے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:''وہ ائمہ علیہم السلام ہیں''۔تفسیر قمی میں ہے کہ ابوالجارود نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا﴿اَفَمَنْ يَّهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَا يَهِدِّيْ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ (یونس/۳۵) کیا وہ جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ قابل اتباع ہے یا وہ جو ہدایت کرنے کے قابل نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی ہدایت کی جائے؟ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے

فیصلے کرتے ہو؟۔تو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ان کے بعد آل محمدؐ حق کے ہادی ہیں۔اور وہ جو ہدایت کرنے کے قابل نہیں بلکہ خود ہی محتاج ہدایت ہیں تو وہ رسولؐ خدا اور ان کی اہل بیتؑ کے مخالفین ہیں۔

بحارالانوار میں بحوالہ تفسیر عیاشی معلّٰی بن خُنیس سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق دریافت کیا ﴿وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيۡرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ (القصص/۵۰) اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدائی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی اتباع کرے۔امام علیہ السلام نے فرمایا:''اس سے مراد وہ شخص ہے جو امام حق کی ہدایت کے بغیر دین میں اپنی ذاتی رائے اور نظریہ قائم کرے''۔بحارالانوار ہی میں بحوالہ کنز، جامع الفوائد و تاویل الآیات، عیسیٰ بن داود نجار سے مروی ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے والد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشۡقٰى﴾ (طٰہٰ/۱۲۳) جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا نہ پریشان۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا''اَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا هُدَى اللّٰهِ تَهۡتَدُوا وَ تُرۡشِدُوا وَ هُوَ هُدَى عَلِيِّ بۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ(علیه السلام) فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاهُ فِیۡ حَيَاتِیۡ وَ بَعۡدَ مَوۡتِیۡ فَقَدِ اتَّبَعَ هُدَایَ وَمَنۡ اتَّبَعَ هُدَایَ فَقَدِاتَّبَعَ هُدَى اللّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَ هُدَى اللّٰهِ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشۡقٰیۡ ''اے لوگو! اللہ کی ہدایت کی اتباع کرو تو ہدایت پاؤ گے اور راہ راست پر چلو گے۔اور وہ علی بن ابی طالب ہی کی ہدایت ہے۔میری زندگی میں اور میری موت کے بعد جو بھی علیؑ کی ہدایت کی پیروی کرے گا تو اس نے درحقیقت میری ہدایت کی پیروی کی اور جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو اس نے اللہ کی ہدایت کی پیروی کی اور جس نے اللہ کی ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ تو گمراہ ہوگا نہ پریشان ہوگا۔

آل محمدؐ نور ہیں

حضرتؑ کے خطبہ کے پہلے جملہ کا التزامی مدلول یہ ہے کہ یہ ذوات قدسیہ وہ نور ہیں جو دنیا میں روشنی پھیلاتے ہیں اور یہ ذوات طاہرہ وہ ستارے ہیں جن سے نشان منزل کا پتہ چلتا ہے۔اس مفہوم کو قرآن مجید کی بہت سی آیات میں بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں اس مفہوم کی کماحقہ وضاحت کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ﴾ (التغابن/۸) تفسیر قمی میں (بحذف اسناد) ابوخالد کابلی سے روایت ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:''يَا اَبَا خَالِد! اَلنُّوۡرُ وَاللّٰهِ الۡاَئِمَّةُ مِنۡ آلِ مُحَمَّدٍ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ هُمۡ وَ اللّٰهِ نُوۡرُ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ وَ هُمۡ وَ اللّٰهِ نُوۡرُ اللّٰهِ فِی السَّمٰوَاتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اللّٰهِ يَا اَبَا خَالِدُ! لَنُوۡرُ الۡاِمَامِ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡوَرُ مِنَ الشَّمۡسِ الۡمُضِيۡئَةِ بِالنَّهَارِ وَ هُمۡ وَ اللّٰهِ يُنَوِّرُوۡنَ قُلُوۡبَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ يَحۡجُبُ اللّٰهُ نُوۡرَهُمۡ عَمَّنۡ يَّشَاءُ فَتَظۡلَمُّ قُلُوۡبَهُمۡ وَ اللّٰهِ يَا اَبَا خَالِدُ! لَا يُحِبُّنَا عَبۡدٌ حَتّٰى يُطَهِّرُ اللّٰهُ قَلۡبَهٗ وَ لَا يُطَهِّرُ اللّٰهُ قَلۡبَ عَبۡدٍ حَتّٰى يُسَلِّمَ لَنَا وَ يَكُوۡنَ سِلۡمًا لَنَا فَاِذَا كَانَ سِلۡمًا لَنَا سَلَّمَهُ اللّٰهُ مِنۡ شَدِيۡدِ الۡحِسَابِ وَ اٰمَنَهٗ مِنۡ فَزَعِ يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ الۡاَكۡبَرِ ''اے ابوخالد! نور سے مراد قیامت تک آنے والے آل محمدؐ کے ائمہ ہیں۔خدا

کی قسم! وہ اللہ کا نور ہیں جسے نازل کیا گیا۔ خدا کی قسم! وہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کا نور ہیں۔ ابوخالد خدا کی قسم! مؤمنین کے دلوں میں امام کا نور سورج کے نور سے بھی زیادہ روشنی پیدا کرتا ہے۔ خدا کی قسم! ائمہ مؤمنین کے دلوں کو منور کرتے ہیں اور اللہ جس سے چاہتا ہے ان کے نور کو پوشیدہ رکھتا ہے جس کی وجہ سے ان کے دل تاریک ہو جاتے ہیں۔ ابوخالد خدا کی قسم! جب کوئی بندہ ہم سے محبت وولاء رکھتا ہے تو اللہ اس کے دل کو پاک کرتا ہے اور اس وقت تک کسی بندہ کا دل پاک نہیں ہوسکتا جب تک وہ ہمارے فرمان پر سر تسلیم خم نہ کرے اور ہمارے دوست نہ بنے اور جب وہ ہم سے صلح کرنے والا بن جائے گا تو اللہ اسے سخت حساب سے سلامتی دے گا اور قیامت کے سخت خوف سے اسے محفوظ رکھے گا۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق مروی ہے ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیَاءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمَاتِ اُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ﴾ (البقرہ/۲۵۷) اللہ صاحبانِ ایمان کا ولی ہے، وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور کفار کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ جہنمی ہیں اور وہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' اس آیت میں نور سے مراد آل محمدؐ ہیں اور ظلمات سے مراد ان کے دشمن ہیں''۔ بحار الانوار میں تفسیر فرات کے حوالہ سے جعفر بن محمد فرازی کی متصل اسناد کے ساتھ اس آیت مجیدہ کے متعلق ابن عباس سے منقول ہے ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الحدید/۲۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر واقعی ایمان لے آؤ تا کہ خدا تمہیں اپنی رحمت کے دوہرے حصے عطا فرمائے اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دے جس کی روشنی میں تم چل سکو اور تمہیں بخش دے اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (آپؑ نے فرمایا:) ''رحمت کے (كِفْلَیْنِ) دو حصے سے مراد امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ہیں، کیونکہ رحمت حضورؐ اکرم کا لقب ہے اور حسنین علیہما السلام ان کے دو ٹکڑے ہیں۔ (نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ) تمہارے لئے ایسا نور قرار دے گا جس کی روشنی میں تم چل سکو گے۔ اس نور سے مراد حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں''۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیَاتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ﴾ (انعام/۹۷) وہی وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستارے مقرر کئے ہیں کہ ان کے ذریعہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرسکو۔ ہم نے تمام نشانیوں کو اس قوم کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو جاننے والی ہے۔ اسی آیت مجیدہ کے متعلق تفسیر علی بن ابراہیم میں منقول ہے کہ ستاروں سے مراد آل محمدؐ علیہم السلام ہیں۔ اسی تفسیر میں عبدالرحمٰن بن محمد العلوی سے مروی ہے، اس نے اپنی اسناد سے عکرمہ سے روایت کی ہے، اس سے قرآن مجید کی ان آیات کے متعلق دریافت کیا گیا ﴿وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَ اللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰهَا﴾ (شمس/۱ تا ۴) آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے چلے، دن کی قسم جب وہ روشنی بخشے اور رات کی قسم جب وہ اسے ڈھانپ لے۔ تو اس نے کہا: ''آفتاب سے مراد جناب رسولؐ خدا ہیں اور پیچھے چلنے والے چاند سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور روشنی بخشنے والے دن سے مراد امام حسن وحسین علیہما السلام ہیں اور تاریک رات سے مراد بنوامیہ ہیں''۔

بحارالانوار میں بحوالہ تفسیر عیاشی معلیٰ بن خُنیس سے روایت ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت ﴿وَ عَلَامَاتٍ وَّ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل/۱۶) اور اللہ نے علامتیں مقرر کردیں، لوگ ستاروں سے بھی راستے دریافت کر لیتے ہیں، کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ امیر المؤمنینؑ ہیں''۔ اسی آیت کے متعلق مناقب ابن شہر آشوب میں ابی الورد نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ امامؑ نے فرمایا: ''وہ راہ دکھانے والے ستارے ہم ہیں''۔

درج بالا آیات سے ہر عارف خبیر یہ جان سکتا ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام آسمانوں اور زمین میں اللہ کا نور ہیں اور ہر خشکی و تری کی تاریکیوں میں راہ دکھانے والے ستارے ہیں۔ اور بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے قمر منیر کا حکم رکھتے ہیں۔

کیا اہل جمل ہدایت یافتہ تھے؟

اس مقام پر اذہان میں اس سوال کا پیدا ہونا لازمی ہے کہ اس خطبہ کا روئے سخن طلحہ و زبیر اور اہل جمل کی طرف ہے اور خطبہ کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں ''بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَآءِ'' ہماری وجہ سے تم نے تاریکیوں میں ہدایت کی روشنی پائی۔ تو کیا جنگ جمل کے محرکین ہدایت یافتہ افراد تھے؟ جبکہ جنہوں نے امام عادل امیر المؤمنینؑ پر خروج کیا اور بیعت شکنی کی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور جنہوں نے اتباع کیا تو تو فرمان خدا کے مطابق محزون نہ ہونگے۔

اس سوال کے ہم دو جواب دیں گے:۔

۱۔ لفظ ''اِهْتَدَيْتُمْ''، فعل ماضی کا صیغہ ہے یعنی تم نے سابقہ زمانے میں ہدایت پائی تھی۔ اور لفظ ''ہدایت'' کے دو معانی ہیں:

۱۔ راہ دکھانا ۲۔ مقصود تک پہنچانا

پہلے معنی کے اثبات کے لئے ہم یہ آیت پیش کر سکتے ہیں ﴿وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ (حٰمٓ سجدہ/۱۷) اور ثمود کو بھی ہم نے ہدایت دی لیکن ان لوگوں نے گمراہی کو ہدایت کے مقابلہ میں زیادہ پسند کیا۔ اس آیت میں لفظ ہدایت کا معنی راہ دکھانا ہے۔ اور دوسرے معنی (یعنی منزل مقصود تک پہنچانے) کے لئے ہم یہ آیت پیش کر سکتے ہیں ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ (قصص/۵۶) پیغمبر! بے شک آپؐ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے۔ اب واضح سی بات ہے کہ پیغمبرؐ کا کام ہی ہدایت کرنا ہے، یہاں لفظ ہدایت منزل مقصود تک پہنچانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تو اس خطبہ میں حضرتؑ کا محرکین جمل کو یہ فرمانا کہ ہماری وجہ سے تم نے تاریکیوں میں ہدایت کی روشنی پائی، یہاں لفظ ہدایت پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ہم نے تمہیں حق کا راستہ دکھایا، اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ اس راستے پر چلو یا نہ چلو۔

۲۔ لفظ ''ظَلْمَآء'' (تاریکی) سے مراد کفر و شرک کی تاریکی ہے اور ''اِهْتِدَآء'' سے مراد اسلام کی ہدایت قبول کرنا ہے۔ تو اس حقیقت میں کسی کو شک نہیں ہے کہ محرکین جمل بھی باقاعدہ مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے کفر و شرک کی تاریکیوں کو چھوڑا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ نجات اخروی کے لئے صرف کلمہ طیبہ کا پڑھنا ہی کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ نور ولایت کے ساتھ اتصال

بھی انتہائی ضروری ہے۔اوراس مسئلہ کی تفصیلی بحث ہم پہلے خطبہ کی فصل چہارم کے تیسرے حصہ میں بیان کر چکے ہیں۔موقع کی مناسبت سے ہم صرف دواحادیث نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:۔

الف۔بحارالانوار میں بحوالہ غیبت نعمانی والکافی ابن ابی یعفور سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:''میں لوگوں سے میل جول رکھتا ہوں تو میں ان لوگوں کو دیکھ کر تعجب کرتا ہوں جو آپؑ سے محبت نہیں رکھتے اور فلاں، فلاں کو دوست رکھتے ہیں مگران میں صدق ووفا نظر آتی ہے اور میں ایسے لوگ بھی دیکھتا ہوں جو آپؑ سے ولاء رکھتے ہیں لیکن ان میں وہ امانت ووفا نظر نہیں آتی''۔میرے یہ الفاظ سن کر امام علیہ السلام اٹھ کر بیٹھ گئے اور ناراض ہو کر مجھ فرمایا:''جو ظالم امام سے ولاء رکھے اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو عادل امام سے ولاء رکھے وہ کسی طرح کی ملامت کا حقدار نہیں ہے''۔میں نے کہا:''عجیب بات ہے صدق ووفا والوں کا تو کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی ملامت نہیں؟''۔امامؑ نے فرمایا:''تو کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے اور انہیں گناہوں کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ اور مغفرت کے نور میں لے آتا ہے۔کیونکہ وہ امام عادل سے محبت کرتے ہیں۔﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ اور کفار کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔یہ بتاؤ کہ کافر کے پاس نور ہوتا ہی کہاں ہے کہ طاغوت اسے اس سے نکال کر تاریکیوں میں لے جائیں؟ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کو پہلے نور اسلام میسر تھا لیکن جب انہوں نے ظالم امام کی امامت کو تسلیم کیا تو وہ نور اسلام سے نکل کر کفر وضلالت کی تاریکیوں میں چلے گئے۔اور اللہ نے ان کے لئے ابدی دوزخ کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿اُولٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ یہی لوگ تو دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ب۔اس سے بھی از روئے دلالت درج ذیل حدیث زیادہ واضح ہے۔بحارالانوار میں بحوالہ تفسیر عیاشی سعید بن ابی الاصبغ سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''مستقر'' اور ''مستودع'' کی بحث سنی۔امام علیہ السلام نے فرمایا:''نطفہ رحم مادر میں مستقر ہوتا ہے اور صلب پدر میں مستودع ہوتا ہے۔یعنی مستقل رہائش کا مقام رحم مادر اور عارضی رہائش کا مقام صلب پدر ہوتی ہے۔اسی طرح سے بعض اوقات ایمان بھی مستقر اور مستودع ہوتا ہے یعنی مستقل اور غیر مستقل ہوتا ہے۔بعض دفعہ ایمان مستودع ہوتا ہے پھر نور ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔زبیر حیاتِ پیغمبرؐ میں نور ایمان کی روشنی میں چلتا رہا، جب رسولؐ خدا کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی زبیر ایمان کی روشنی میں سفر کر رہا تھا۔اس کے ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے تلوار بے نیام کر کے کہا تھا کہ ہم علیؑ کے سوا کسی دوسرے کی بیعت نہیں کریں گے''۔ تفسیر عیاشی میں جعفر بن مروان سے روایت ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:'وفات نبوی کے وقت زبیر نے تلوار نکال کر کہا تھا کہ جب تک میں علیؑ کی بیعت نہ کرلوں اس تلوار کو نیام میں بند نہیں کروں گا۔اور جب اللہ نے اس سے ایمان سلب کیا تو وہی زبیر تھا جس نے علیؑ کے مقابلہ میں تلوار بے نیام کی اور علیؑ سے جنگ کی''۔

اہل بیتؑ ذریعہ عزت ہیں

(وَ تَسَنَّمْتُمُ الْعُلْيَآءَ)اور ہماری وجہ سے تم نے رفعت و بلندی کی چوٹیوں پر قدم رکھا۔ ہماری وجہ سے تمہیں اسلام کا شرف ملا اور اسلام کی وجہ سے تمہارا ذکر بلند ہوا اور تمہاری قدر و قیمت میں اضافہ ہوا۔ حضرتؑ نے اس جملے میں بلندی کی تشبیہ ناقہ سے دی اور بطور ''تخییل'' اس کا کوہان ثابت کیا اور صنعتِ ترشیح کے طور پر کوہان پر بیٹھنا ثابت فرمایا۔ (وَ بِنَا انْفَجَرْتُمْ اَفْجَرْتُمْ ع عَنِ السَّرَارِ)اور تم لوگ ہماری وجہ سے اندھیری راتوں کی اندھیاریوں سے صبح (ہدایت) کے اجالوں میں آ گئے۔ یعنی تم تاریکیوں کی شب دیجور سے نکل کر فجر کے نور میں آ گئے۔ دور جاہلیت درحقیقت ایک تاریک شب کی مانند تھا جہاں تمام لوگ گمراہی و گمنامی کے اندھیروں میں سر پٹک رہے تھے کہ اللہ نے ان پر احسان کیا کہ نبیؐ اکرم کو مبعوث فرمایا اور انہیں کفر کی تاریکیوں سے نجات ملی اور آل محمد علیہم السلام کے نورانی وجود سے انہیں ضیائے صبح نصیب ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴾ (تکویر ۱۷۔۱۸) رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے اور صبح کی قسم جب سانس لینے لگے۔ ایک مرتبہ ابن کوا نے اس آیت کے متعلق امیر المومنینؑ سے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: ''اس سے مراد ظلمت شب ہے اور اللہ نے اسے بطور مثال اس کے لئے بیان فرمایا جو امام حق سے انحراف کر کے اپنی امامت کا ناحق دعویٰ کرے اور سانس لینے والی صبح سے مراد نبیؐ اکرم کے اوصیاء ہیں کیونکہ ان کا نور صبح کی روشنی سے بھی زیادہ روشن اور فروزاں ہے''۔ حضرتؑ نے اپنی ذات کے متعلق لوگوں کو یہ بتایا کہ وہ ہدایت کا سبب، بلندیوں تک رسائی کا ذریعہ اور تاریکی شب سے لوگوں کو نکالنے والے اور انہیں نور ہدایت سے آشنائی دلانے والے ہیں۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنے حق ناشناس مخالفین کو ان الفاظ سے بددعا دی (وُقِرَ سَمْعٌ لَّمْ يَفْقَهِ الْوَاعِيَةَ)خدا کرے کہ وہ کان بہرے ہو جائیں جو چیخنے والے کی چیخ و پکار نہیں سنتے۔ درج بالا الفاظ سے حضرتؑ نے اپنے حریفوں کی کند ذہنی اور غباوت کی طرف اشارہ کر کے یہ بتلایا کہ میرے مخالف اتنے نااہل ہیں کہ میرا بیان سننے کے بعد انہوں نے اسے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی اور جان بوجھ کر انہوں نے میری نافرمانی کی۔

شارح بحرانی رقم طراز ہیں کہ حضرتؑ کے یہ جملے ایسے ہی ہیں جیسے ایک لائق و فائق استاد اپنے کسی نالائق اور بے ادب طالب علم سے کہتا ہے ''میری وجہ سے تو نے جہالت میں راستہ پایا اور میری وجہ سے لوگوں میں تجھے عزت نصیب ہوئی۔ تیری تمام تر عزت کا ذریعہ میں ہوں، لیکن اس کے باوجود بھی تو میرا مقابلہ کرتا ہے؟ خدا کرے کہ تیرے کان بہرے ہو جائیں، تو میری بات کو سمجھتا ہی نہیں''۔ لفظ ''وَاعِيَة'' بمعنی آواز و چیخ و پکار ہو تو معنی یہ بنے گا کہ وہ کان بہرا ہو جو آواز کو سننے کے بعد اسے نہ سمجھے۔ اور اگر لفظ ''وُقِرَ'' کو صیغہ مجہول کے طور پر پڑھا جائے تو حضرتؑ کے کلام کا معنی یہ ہوگا ''خدا اس کان کو بہرا کر دے جو چیخ و پکار کو نہ سنے.....''۔ قول مؤلف: اگر اس مقام پر یہ کہا جائے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرتؑ نے کان کی صفت سننے کی بجائے سمجھنے سے بیان فرمائی ہے؟ جبکہ کان کا تعلق محض سننے سے ہوتا ہے، سمجھنے سے نہیں ہوتا۔ ہم عرض کریں گے کہ حضرتؑ محض سننے کو کافی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ کسی وعظ و نصیحت کو محض کانوں سے سن لینا ہی کافی نہیں ہے۔ جب تک اسے اچھی طرح سے سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا جائے۔ جیسا کہ ذیل کی آیت میں رب العزت نے صرف سننے والوں کو بہرا قرار

دیا ہے ﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَ لَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴾ (یونس/۴۲) اوران میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بظاہر کان لگا کر سنتے بھی ہیں لیکن کیا آپؐ بہروں کو بات سنانا چاہتے ہیں جبکہ وہ سمجھتے بھی نہیں؟!

اس آیت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کچھ سننے والے ایسے بھی تھے کہ اللہ نے انہیں بہرے قرار دیا تو انہیں بہرا قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سن کر اچھی طرح سے غور نہیں کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا۔ علم نفسیات کا قانون ہے کہ جب کسی شخص کو کسی سے عداوت ہو تو اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے صحیح کلام کو بھی غلط معانی پہنائے۔ تو ایسا شخص اور بہرا شخص دونوں برابر ہو جائیں گے بلکہ مذکورہ شخص بہرے سے بھی زیادہ پست حالت کا حامل قرار پائے گا۔ جس طرح سے کسی بہرے کو صحیح کانوں والا کہنا درست نہیں ہے اسی طرح سے اس سرسخت دشمن جان کو اطاعت گزار دوست کہنا صحیح نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؑ نے اپنی بات کو نہ سننے والوں کی وجہ یہ بتائی ہے (كَيۡفَ يُرَاعِي النَّبۡلَةَ مَنۡ اَصَمَّتۡهُ الصَّيۡحَةُ) بھلا وہ کیونکر میری کمزور اور دھیمی آواز سن پائیں گے جو اللہ اور رسولؐ کی بلند بانگ صداؤں کے سننے سے بھی بہرے رہ چکے ہوں۔ اور یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ جو کان بلند آواز کو نہ سنیں تو ان سے کمزور آواز سننے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ درج بالا الفاظ سے حضرتؑ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ میرے منکر اور مخالف صرف میرے ہی مخالف نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ اللہ اور رسولؐ کے بھی مخالف رہ چکے ہیں۔ اور ان کے دل پہلے دن سے ہی کفر و تاریکی کے پردوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اللہ کے کلام کو کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور قرآن میں انہون نے کبھی تدبر نہیں کیا اور میری بیعت کر کے عہد شکنی کی۔ حدیث قدسی میں تاثیر قبول نہ کرنے والوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالی نے فرمایا: ''يَا ابۡنَ آدَمَ اِسۡتِقَامَةُ سَمَاوَاتِيۡ فِي الۡهَوَاءِ بِلَا عَمَدٍ بِاسۡمٍ مِّنۡ اَسۡمَائِيۡ وَ لَا يَسۡتَقِيۡمُ قُلُوۡبُكُمۡ بِاَلۡفِ مَوۡعِظَةٍ مِّنۡ كِتَابِيۡ يَا اَيُّهَا النَّاسُ كَمَا لَا يُلِيۡنُ الۡحَجَرُ فِي الۡمَاءِ كَذَالِكَ لَا يُغۡنِي الۡمَوۡعِظَةُ لِلۡقُلُوۡبِ الۡقَاسِيَةِ'' فرزند آدم! میرے آسمان ہوا میں کسی ستون کے بغیر میرے اسماء میں سے ایک اسم کے سہارے کھڑے ہیں، لیکن تمہارے دل میری کتاب کی ہزار نصیحتوں سے بھی سیدھے نہیں ہوتے۔ اے لوگو! جس طرح سے پانی میں پتھر نرم نہیں ہوتا اسی طرح سے سخت دلوں کو بھی وعظ و نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

(رُبِطَ جِنَانٌ لَّمۡ يُفَارِقۡهُ الۡخَفَقَانُ) ان دلوں کو سکون و قرار نصیب ہو جن سے خوف خدا کی دھڑکنیں الگ نہیں ہوتیں۔ بعد از آں آپؑ نے اصحاب جمل کے زندہ اور مردہ افراد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا (مَازِلۡتُ اَنۡتَظِرُ بِكُمۡ عَوَاقِبَ الۡغَدۡرِ) میں تم سے ہمیشہ غدر و بے وفائی ہی کے نتائج کا منتظر رہا۔ یعنی مجھے ہمیشہ تم سے مکاری اور دھوکا دہی کا انتظار ہی رہا کیونکہ رسولؐ خدا نے مجھے تمہاری بیعت شکنی کے متعلق پہلے ہی فرما کر گئے تھے۔ اور تمہارے حالات و واقعات کو دیکھ کر مجھے یقین تھا کہ تم ضرور میری اطاعت سے انحراف کرو گے۔ (وَ اَتَوَسَّمَكُمۡ بِحُلۡيَةِ الۡمُغۡتَرِّيۡنَ) اور میں نے تمہیں فریب خوردہ لوگوں کے رنگ ڈھنگ سے بھانپ لیا تھا۔ مجھے تمہارے متعلق یقین تھا کہ تم چھوٹے سے شبہ سے ہی دھوکا کھا جاؤ گے اور حق سے کنارہ کشی کر لو گے۔ روایات میں ہے کہ طلحہ و زبیر مدینہ میں حضرتؑ کی خدمت میں آئے اور آپؑ سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تم عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ نہیں جا رہے''۔ طلحہ و زبیر نے قسم کھا کر کہا کہ ہم صرف عمرہ کے لئے ہی مکہ جانا چاہتے ہیں اور ہمارے کسی قسم کے سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ حضرتؑ نے پھر فرمایا: ''تم عمرہ کی غرض

سے مکہ جانا نہیں چاہتے، تمہاری نیت بیعت شکنی اور فساد برپا کرنے کی ہے''۔اس پر ان دونوں نے پھر قسم اٹھا کر کہا کہ ہم بیعت شکنی اور فساد برپا کرنے کے لئے مکہ نہیں جارہے، ہم صرف اور صرف عمرہ کی غرض سے مکہ جانا چاہتے ہیں۔حضرتؑ نے فرمایا:''پھر تم دونوں تجدید بیعت کرو''۔دونوں نے تجدید بیعت کی اور شرعی قسمیں اٹھا کر حضرتؑ کو یقین دلایا کہ وہ صرف عمرہ کی غرض سے مکہ جارہے ہیں اور ان کے پیش نظر کسی طرح کے سیاسی عزائم نہیں ہیں۔حضرتؑ نے انہیں مکہ جانے کی اجازت دے دی۔جب وہ حضرتؑ کے پاس سے اٹھ کر چلے تو آپؑ نے فرمایا:''یہ دونوں فساد بپا کرنے کی نیت سے جارہے ہیں اور دونوں اس میں قتل ہو جائیں گے''۔لوگوں نے کہا:''آپؑ انہیں مت جانے دیں اور انہیں مدینہ میں ہی روک لیں''۔حضرتؑ نے فرمایا:''اللہ کا امر پورا ہو کر ہی رہتا ہے''۔(سَتَرَنِیْ عَنْکُمْ جِلْبَابُ الدِّیْنِ)دین کی نقاب نے مجھے تم سے چھپائے رکھا۔تم نے دین کی چادر اوڑھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے میں نے اتنا عرصہ انتظار کیا اور تمہیں شورش کے آغاز پر ہی قتل نہیں کیا اور ہر طرح سے اتمام حجت کرتا رہا۔اسی دین کے حجاب کی وجہ سے میں نے اپنے لشکر کو حکم دیا تھا کہ وہ تم میں سے کسی بھاگتے ہوئے کا تعاقب نہ کریں، تمہارے زخمیوں کو قتل نہ کریں اور تمہارے مال ومتاع کو مال غنیمت سمجھ کر غارت نہ کریں۔تمہیں آج تک میری صحیح معرفت حاصل ہی نہیں ہوئی جبکہ میں تمہیں بخوبی جانتا پہچانتا ہوں۔

جماعت متوسمین

(وَبَصَّرَنِیْکُمْ صِدْقُ النِّیَّةِ)جبکہ میری نیت کے صدق وصفا نے تمہاری صورتیں مجھے دکھا دی تھیں۔مذکورہ جملہ سے حضرتؑ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ وہ اپنے صفائے نفس، خلوص نیت اور نور باطن کی وجہ سے انہیں بخوبی جانتے تھے۔حضرتؑ نے اپنی ایمانی فراست سے انہیں پہچان لیا تھا۔رسولؐ خدا کا فرمان ہے:''اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُوْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ''مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔بصائر الدرجات میں امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے''لَنَا عَیْنٌ لَا تُشْبِهُ اَعْیُنَ النَّاسِ وَ فِیْهَا نُوْرٌ لَیْسَ لِلشَّیْطَانِ فِیْهِ شِرْکٌ ''ہماری آنکھیں لوگوں کی آنکھوں سے مشابہت نہیں رکھتیں۔ہماری آنکھوں میں نور ہے جس میں شیطان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔چنانچہ اسی نور سے آپ ہر مؤمن اور منافق اور اپنے دوست ودشمن کو پہچان لیتے ہیں۔اور بہت سی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، بطور مثال:

۱۔بحار الانوار میں بحوالہ عیون اخبار الرضا تمیم القرشی سے، اس نے احمد بن علی انصاری سے، اس نے حسن بن جہم سے روایت کی ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ لوگوں کے دلوں کی خبر کیسے دیتے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا:''کیا تم نے رسولؐ خدا کا یہ فرمان نہیں سنا؟''اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُوْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ''مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔سوال کرنے والے نے کہا:''جی ہاں! میں نے سنا ہے''۔تو آپؑ نے فرمایا:''اللہ نے ہر مؤمن کو اس کے ایمان کی مقدار میں فراست عطا کی ہے جس کی وجہ سے وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔اور اللہ نے جملہ مؤمنین کو جو فہم وفراست عطا کی ہے وہ تمام کی تمام ائمہ ہدیٰ کو عطا کی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا﴿اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَاٰیَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴾(حجر/۷۵)اور ان باتوں میں صاحبان ہوش کے لئے بڑی

نشانیاں پائی جاتی ہیں۔متوسمین میں سے پہلے رسولؐ خدا ہیں، پھر امیر المؤمنینؑ ہیں، پھر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ہیں اور ان کے بعد اولاد حسینؑ میں سے قیامت تک ہونے والے امام ہیں''۔

۲۔البصائر اور الاختصاص میں سندی بن ربیع سے، اس نے ابن فضال سے، اس نے ابن رئاب سے، اس نے ابوبکر حضرمی سے، اس نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی۔آپؑ نے فرمایا:''لَیسَ مَخلُوقٌ اِلَّا وَ بَینَ عَینَیہِ مَکتُوبٌ اَنَّہٗ مُومِنٌ اَو کَافِرٌ وَ ذَالِكَ مَحجُوبٌ عَنکُم وَ لَیسَ بِمَحجُوبٍ مِنَ الاَئِمَّةِ مِنَ آلِ مُحَمَّدٍ علیهم السلام لَیسَ یَدخُلُ عَلَیهِم اَحَدٌ اِلَّا عَرَفُوہُ ھُوَ مُومِنٌ اَو کَافِرٌ ثم تلا ھذہ الآیة اِنَّ فِی ذَالِكَ لَآیَاتٍ لِلمُتَوَسِّمِینَ ثم قال فَھُمُ المُتَوَسِّمُونَ ''اللہ کی ہر مخلوق کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہے کہ یہ مومن ہے یا کافر ہے لیکن وہ تحریر تم سے پوشیدہ ہے جبکہ ائمہ آل محمدؐ سے وہ تحریر پوشیدہ نہیں ہے۔ان کے پاس جو شخص بھی جاتا ہے وہ اس تحریر سے پہچان لیتے ہیں کہ آنے والا مؤمن ہے یا کافر ہے۔پھر آپؑ نے اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَآیَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ﴾ یقیناً ان باتوں میں ہوش مندوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔اور ائمہ ہی متوسمین ہیں''۔

۳۔کتاب اختصاص میں جابر سے روایت ہے کہ امیر المؤمنینؑ مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک عورت نے آپؑ کے پاس اپنے شوہر کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔امیر المؤمنینؑ نے اس کے شوہر کے حق میں فیصلہ کیا تو اس عورت نے گستاخی کرتے ہوئے کہا:''آپؑ نے اس فیصلہ میں حق کا ساتھ نہیں دیا، آپؑ عادلانہ تقسیم نہیں کرتے اور رعیت میں انصاف نہیں کرتے''۔امیر المومنینؑ نے فرمایا:''اے بے حیا، بداخلاق اور موذی عورت! تو نے جھوٹ کہا۔تو وہی ہے جہاں سے اور عورتیں حاملہ ہوتی ہیں تُو وہاں سے حاملہ نہیں ہوتی''۔جب اس عورت نے حضرتؑ سے یہ الفاظ سنے تو یہ کہتی ہوئی مسجد سے نکلی''ہائے میری بدنصیبی! علیؑ نے مجھے رسوا کر دیا اور میرے جو عیب پوشیدہ تھے آج علیؑ نے سرعام بیان کر دیئے''۔عورت جب مسجد سے نکل کر چلی گئی تو عمرو بن حریث اس کے پیچھے گیا اور اس سے کہا:''کیا بات ہے؟! پہلے تو تُو نے علیؑ کے سامنے بڑی باتیں کیں! لیکن جب علیؑ نے تجھے جواب دیا تو ہائے ہائے کرتی ہوئی مسجد سے نکل بھاگی؟!''۔عورت نے کہا: ''بات یہ ہے کہ علیؑ نے مجھے سچی بات بتائی اور علیؑ نے مجھے وہ بات بتائی جو آج تک میرے شوہر کو بھی معلوم نہیں ہے''۔اس عورت سے باتیں کرنے کے بعد عمرو بن حریث امیر المومنینؑ کی خدمت میں آیا اور جو کچھ عورت نے کہا تھا وہ آپؑ کے گوش گزار کیا تو امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''یہ باتیں میں نے کسی کہانت کی بنیاد پر ہرگز نہیں کی تھیں۔اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ارواح کو ان کے ابدان سے دو ہزار برس پہلے خلق کیا۔جب ابدان خلق فرمائے تو ان میں ارواح کو ودیعت کیا اور ہر شخص کی آنکھوں کے درمیان اس کے متعلق تحریر کر دیا کہ یہ مومن ہے یا کافر ہے اور اس پر کیا کچھ وارد ہونے والا ہے۔اور ان کے اچھے اور برے عمل کے متعلق بھی لکھ دیا۔اور یہ سب کچھ چوہے کے کان کی برابر جگہ میں تحریر کیا ہے۔اور اللہ نے اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا﴿اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَآیَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ﴾ رسولؐ خدا متوسم تھے، ان کے بعد میں متوسم ہوں اور میرے بعد میری اولاد میں سے ہونے والے امام متوسم ہیں۔اسی لئے میں نے اس عورت کو دیکھا تو اس کی علامت کو پہچان کر میں نے اس کے متعلق صحیح صحیح خبر دے دی''۔

۴۔بصائر الدرجات میں عبد الرحمٰن یعنی ابن کثیر سے روایت ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے

ساتھ حج کرنے کے لئے گیا۔آپؑ راستے میں تھے کہ ایک پہاڑ پر چڑھے اور مخلوق کے ہجوم کو دیکھ کر فرمایا:''شور بہت زیادہ ہے اور حاجی بہت کم ہیں''۔داؤد رقی نے کہا:''فرزند رسولؐ! تو کیا جس مجمع کو میں دیکھ رہا ہوں اللہ ان کی دعائیں قبول فرمائے گا؟''امام علیہ السلام نے فرمایا: ''ابوسلیمان! تم پر افسوس! اللہ شرک کو کسی قیمت پر معاف نہیں کرتا اور ولایت علیؑ کا منکر بھی بت پرست کی مانند ہے''۔میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا:''کیا آپؑ اپنے دوست و دشمن کو جان لیتے ہیں؟''۔امام علیہ السلام نے فرمایا:''ابوسلیمان! تم پر افسوس! ہر پیدا ہونے والے شخص کی آنکھوں کے درمیان اس کا مومن یا کافر ہونا لکھ دیا جاتا ہے اور جب ہمارے پاس کوئی شخص آتا ہے تو ہم اس تحریر کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ ہماری ولایت لے کر آیا ہے یا ہم سے برائت لے کر اور اس کی آنکھوں کے درمیان مؤمن یا کافر لکھا ہوا دیکھ کر فوراً پہچان لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا﴿اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَآیَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ﴾یقیناً اس میں ہوش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔اس لئے ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانتے ہیں''۔

درج بالا چار واقعات سے(اَتَوَسَّمَكُمْ بِحُلْیَةِ الْمُغْتَرِّیْنَ) کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرتؑ نے اہل جمل کی پیشانیوں کی عبارت کو پڑھا ہوا تھا اور آپؑ اس دن کے منتظر تھے جب انہوں نے آپؑ سے جنگ کرنا تھی۔

فصل دوم

حقیقی رہبر کی خصوصیات

اَقَمْتُ لَكُمْ عَلیٰ سُنَنِ الْحَقِّ فِیْ جَوَآدِّ الْمَضَلَّةِ حَیْثُ تَلْتَقُوْنَ وَلَادَلِیْلَ وَتَحْتَفِرُوْنَ وَلَاتَمْیَهُوْنَ اَلْیَوْمَ اُنْطِقُ لَكُمُ الْعَجْمَآءَ ذَاتَ الْبَیَانِ غَرَبَ رَأْیُ امْرِئٍ تَخَلَّفَ عَنِّیْ مَا شَكَكْتُ فِی الْحَقِّ مُذْ رَأَیْتُهٗ لَمْ یُوْجِسْ مُوْسٰی خِیْفَةً عَلیٰ نَفْسِهٖ اَشْفَقَ مِنْ غَلَبَةِ الْجُهَّالِ وَ دَوَلِ الضَّلَالِ اَلْیَوْمَ تَوَاقَفْنَا عَلیٰ سَبِیْلِ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ مَنْ وَثِقَ بِمَآءٍ لَّمْ یَظْمَأْ

میں بھٹکانے والی راہوں میں تمہارے لئے جادہ حق پر کھڑا تھا جہاں تم ملتے ملاتے تھے مگر کوئی راہ دکھانے والا نہ تھا۔تم کنواں تو کھودتے تھے مگر پانی نہیں نکال سکتے تھے۔آج میں نے اپنی اس خاموش زبان کو(جس میں بیان کی بڑی قوت ہے) گویا کیا۔اس شخص کا عقیدہ برباد ہو جس نے مجھ سے دوری اختیار کی،جبکہ جب سے مجھے حق دکھایا گیا میں نے کبھی اس میں شک وشبہ نہیں کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی جان کے لئے خوف کا لحاظ کبھی نہیں کیا بلکہ جاہلوں کے غلبہ اور گمراہی کے تسلط کا ڈر تھا(اسی طرح میری اب تک کی خاموشی سمجھ جانا چاہئے) آج ہم حق و باطل کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔جسے پانی کا اطمینان ہو وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرتا۔

تشریح لغات (اَقَامَ بِالْمَكَانِ) کسی مکان میں رہائش اختیار کرنا۔(سُنَنٌ) راستے،جہتیں سُنَّةٌ راستہ اور(سُنَّةُ اللّٰه) سے مراد اللہ کا حکم،امر و نہی اور زمین ہے۔(مَضَلَّةٌ) میم اور ضاد کی زبر کے ساتھ،جہاں راہ گم ہو جائے۔(اَمَاهُ) پانی تک

پہنچنا۔(اَلْعَجْمَآءُ)واضح نہ کرنے والی، گونگی (کَلِمَۃٌ عَجْمَآءُ)مبہم گفتگو۔(غَرَبَ)ازباب قَعَدَ دور ہوا، ڈوب گیا۔(اَلْوَجَسُ)دل میں پیدا ہونے والا خوف واضطراب۔(اَلْاِشْفَاقُ)خوف۔

(دُوَلٌ)دَوْلَۃٌ کی جمع ،حکومت وتسلط۔فیومی کہتے ہیں کہ(تَدَاوَلَ الْقَوْمُ تَدَاوُلًا)کا معنی ہے ایک چیز کبھی کسی گروہ کے ہاتھ میں ہو اور کبھی کسی دوسرے گروہ کے ہاتھ میں چلی جائے۔اور اس سے اسم مصدر''دَوْلَۃٌ''دال کی زبر اور دال کی پیش سے آتا ہے۔اور جب (دَوْلَۃٌ)اسم مصدر ہو اور دال پر زبر ہو تو اس کی جمع (دِوَلٌ)دال کی زیر سے آتی ہے اور جب (دُوْلَۃٌ)اسم مصدر ہو اور دال پر پیش ہو تو اس کی جمع (دُوَلٌ)دا کی پیش سے آتی ہے۔جیسے غُرْفَۃٌ سے غُرَفٌ۔اور پہلے کی مثال قَصْعَۃٌ سے قِصَعٌ ہے۔

بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اگر لفظ (دَوْلَۃٌ) دال کی زبر سے ہو تو اس کا تعلق جنگ سے ہوتا ہے اور اگر لفظ (دَوْلَۃٌ)دال کی پیش سے ہو تو اس کا تعلق مال وثروت سے ہوتا ہے۔اسی لئے خطبہ میں اس لفظ کو(دِوَلٌ) دال کی زیر سے پڑھنا زیادہ مناسب ہے اور یہ لفظ (دَوْلَۃٌ) کی جمع ہے۔(اَلتَّوَاقُفُ)فا سے پہلے قاف ہے،رک جانا۔(اَلظَّمَأُ)پیاس کی شدت۔

اعراب

(اَلْعَجْمَآءَ)اُنْطِقُ فعل کا مفعول بہ ہے یا لفظ (کَلِمَات) محذوف کی صفت ہے۔(خِیْفَۃً)لَمْ یُوْجِسْ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔(اَشْفَقَ)اسم تفضیل اور(خِیْفَۃً) کی صفت ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لفظ فعل ماضی ہو اور بیان سابق کا استدراک ہو تو عبارت کا مفہوم یہ قرار پائے گا''لَمْ یُوْجِسْ مُوْسٰیؑ خِیْفَۃً عَلٰی نَفْسِہٖ وَ لٰکِنَّہٗ اَشْفَقَ مِنْ غَلَبَۃِ الْجُھَّالِ''۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ نے خطبہ کے آغاز میں اہل بصرہ اور محرکین جنگ جمل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:''ہماری وجہ سے تمہیں تاریکیوں میں صبح ہدایت کا نور نصیب ہوا اور ہماری ہی وجہ سے تم جیسے پست ترین افراد کو عزت وعظمت نصیب ہوئی۔لیکن اس کے باوجود تم نے ہماری قدر و قیمت صحیح نہیں پہچانی اور تم نے ہم سے غداری کی اور بیعت کرنے کے بعد بلاوجہ بیعت شکنی کی''۔اس کے بعد حضرتؑ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے اپنی اتباع کی طرف متوجہ فرمایا اور اس کے ساتھ حضرتؑ نے اتباع کی ضرورت کو بھی بیان فرمایا اور لوگوں کو بتایا کہ ان کے متبوع ہونے کا استحقاق کیا ہے اور کس وجہ سے ان کی اتباع کرنا ضروری ہے۔

صراط مستقیم کا ہادی

چنانچہ حضرتؑ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا(اَقَمْتُ لَکُمْ عَلٰی سُنَنِ الْحَقِّ فِیْ جَوَآدِّ الْمَضَلَّۃِ)میں بھٹکانے والی راہوں میں تمہارے لئے جادہ حق پر کھڑا تھا۔جب فتنہ نے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، دین حق کی راہیں تاریکیوں میں گم ہونے کو آئیں،لوگ جادہ حق سے منحرف ہونے لگے،ان کے قدم دین حنیف کی شاہراہ سے ڈگمگانے لگے اور دنیا اس صراط مستقیم کو چھوڑ کر تاریک راہوں پر سفر کرنے لگی تو اس وقت میں ہی تھا جو جادہ حق پر کھڑا تھا اور اس سے بال برابر بھی انحراف نہیں کیا تھا اور میں لوگوں کو خبردار

کرتا رہا کہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر شیطانی راستوں پر مت چلیں ورنہ دوزخ میں جا گریں گے۔عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسولؐ خدا نے مسجد میں بیٹھ کر ایک سیدھی لکیر کھینچی اور پھر فرمایا: ''لوگو! یہ صراط مستقیم ہے، یہ اللہ کا راستہ ہے''۔ پھر آپؐ نے اسی لکیر کے دائیں بائیں بہت سی منحنی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: ''یہ دوسرے راستے ہیں اور ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے''۔ پھر آنحضورؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾(انعام/۱۵۳) ترجمہ: اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہو جاؤ گے۔ اسی راستے کی پروردگار نے ہدایت دی ہے کہ اس طرح شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اور حضرتؑ نے اَقَمْتُ لَكُمْ... کے جملوں سے لوگوں کو پیغام دیا کہ میں راہ حق پر کھڑا ہو کر لوگوں کو یہ کہہ کر صراط مستقیم کی دعوت دے رہا ہوں ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ﴾(یوسف/۱۰۸) آپؐ کہہ دیجئے کہ یہی میرا راستہ ہے کہ میں بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میرے ساتھ میرے اتباع کرنے والے بھی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''داعی الی اللہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور امیر المومنین اور باقی اوصیاء علیہم السلام حضورؐ اکرم کی اتباع کرنے والے ہیں۔ لہٰذا جس کسی نے ان کی دعوت حق کو قبول کیا تو وہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق قرار پائے گا ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصَّالِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴾(نساء/۶۹).....تو وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین جیسے لوگوں کے ساتھ رہے گا جن پر خدا نے نعمتیں نازل کی ہیں اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔ اور جو بھی ان کی دعوت کو ٹھکرائے گا اور ان کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ اس آیت کا مصداق قرار پائے گا ﴿وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یٰوَیْلَتٰى لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ﴾(فرقان/۲۷و۲۸) اور اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے رسولؐ کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا''۔

بہرحال حضرتؑ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری ہدایت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے میں جو کچھ بھی کر سکتا تھا کیا اور میں صراط مستقیم پر کھڑے ہو کر تمہیں اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا رہا اور میں نے ہر قدم پر تمہیں یہ بتایا کہ متفرق راستوں کی اتباع نہ کرو وگرنہ گمراہ اور ہلاک ہو جاؤ گے۔ (حَیْثُ تَلْتَقُوْنَ وَلَا دَلِیْلَ وَتَحْتَفِرُوْنَ وَلَا تَمِیْهُوْنَ) جہاں تم ایک دوسرے سے ملتے ملاتے تھے مگر تمہیں کوئی راہ دکھانے والا نہ تھا اور تم اپنی پیاس مٹانے کے لئے کنوئیں کھودتے تھے مگر پانی نہیں نکال سکتے تھے۔

.....اور خاموشی ٹوٹ گئی

(اَلْیَوْمَ اُنْطِقُ لَكُمُ الْعَجْمَآءَ ذَاتَ الْبَیَانِ) آج میں تمہارے لئے خاموش مگر بیان سے لبریز چیزوں کو گویا کروں گا تا کہ تمام چیزیں اپنی زبان حال سے پکار کر تمہیں میرے اتباع کے واجب ہونے کے متعلق بتا سکیں۔ (عَجْمَآءَ ذَاتَ الْبَیَانِ) خاموش مگر قوت بیان

سے لبریز، سے حضرتؑ کی مراد عبرت انگیز واقعات ہیں اور قوموں کی تباہی کی وہ داستانیں ہیں جو انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے ان پر نازل ہوئی۔ تو یہ تمام تر عبرت انگیز مناظر اگر چہ خاموش ہیں لیکن فریاد سے معمور ہیں، اگر کوئی شخص باشعور ہو تو یہ اسے بہت کچھ بتانے پر آمادہ ہیں اور زبان حال سے اپنی تباہی و ویرانی کی داستانیں دہرانے کے لئے تیار ہیں۔

بعض شارحین نے لفظ (عَجْمَآء) کو کلمات محذوف کی صفت قرار دیا ہے تو اس صورت میں الفاظ خطبہ کے معانی یہ ہوں گے کہ آج میں خاموش کلمات کو زبان دینے پر آمادہ ہوں۔ یعنی غم کا وہ تلاطم جو بڑے عرصے سے میرے سینے کے سمندر میں کھول رہا تھا۔ آج میں اسے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بالفاظ دیگر آج مدت سے خاموش رہنے والی زبان تم سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا کہ میری زبان جو عرصہ دراز سے خاموش تھی، اس کی خاموشی کہ وجہ قوت بیان سے خالی ہونا ہرگز نہیں تھا بلکہ چند شرعی وجوہات تھے جن کی وجہ سے بھرپور قوت بیان رکھنے والی زبان آج تک خاموش رہی لیکن آج اس خاموشی کے سلسلہ کو میں توڑنا چاہتا ہوں اور مدت دراز کے سکوت کو کلام سے بدلنا چاہتا ہوں۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں: ''ان الفاظ سے حضرتؑ نے ان رموز کی طرف اشارہ کیا جن کا یہ خطبہ متضمن ہے اور حضرتؑ نے بتایا کہ اگر چہ یہ رموز مخفی ہیں مگر عقل مندوں کے لئے واضح ہیں اور یہ رموز گویا یوں بول رہے ہیں جیسا کہ ظاہری زبان رکھنے والے افراد بولا کرتے ہیں''۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کون سے امور ہیں جو بیک وقت صامت بھی ہیں اور ناطق بھی؟ تو ہم عرض کریں گے کہ واضح عبرت انگیز واقعات اور دلائل مخبرہ ایسے امور ہیں جو ظاہر میں خاموش نظر آتے ہیں لیکن صاحبان عقل کے لئے بیان سے لبریز ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ''سَلِ الْاَرْضَ مَنْ شَقَّ اَنْهَارَكِ وَ اَخْرَجَ ثِمَارَكِ؟ فَاِنْ لَّمْ تُجِبْكَ حَوَارًا اَجَابَتْكَ اعْتِبَارًا '' زمین سے پوچھو کہ تجھ پہ کس نے دریاؤں کو جاری کیا اور تجھ سے پھلوں کو کس نے نکالا؟ اگر الفاظ کے ساتھ زمین نے تجھے جواب نہ دیا تو اپنی عبرت کے ذریعہ سے تجھے ضرور جواب دے گی۔

اس کے بعد حضرتؑ نے ان لوگوں کی سوچ کی مذمت فرمائی جنہوں نے حضرتؑ سے دوری اور کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ (عَرَبَ رَأْیُ امْرِئٍ تَخَلَّفَ عَنِّیْ) اس شخص کی رائے کے لئے دوری ہو جس نے مجھ سے کنارہ کشی کی۔ حضرتؑ سے کسی فرد یا جماعت کی دوری اور کنارہ کشی دراصل اس فرد اور جماعت کے احمق اور سفیہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ عقل مند انسان کسی غیر معصوم سے تو بہ آسانی کنارہ کشی پہ آمادہ ہو جاتا ہے لیکن کوئی صاحب شعور شخص امام معصومؑ سے کنارہ کشی پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا۔ اس طرح سے جن افراد نے حضرت علیؑ جیسے سفینہ نجات کو چھوڑ کر بحر حوادث میں قدم رکھا وہ یقیناً غرق ہو گئے۔ پھر آپؑ نے اپنے اتباع کے وجوب کی ایک اور دلیل یہ بیان فرمائی (مَا شَكَكْتُ فِی الْحَقِّ مُذْ رَأَيْتُهُ) جب سے مجھے حق دکھایا گیا ہے میں نے اس میں کبھی شک وشبہ نہیں کیا اور شک نہ کرنے والا شخص شک کرنے والے کی بہ نسبت زیادہ لائق اتباع ہوتا ہے کیونکہ راہ دکھلانے والا اور راہ کے دیکھنے کے خواہش مند میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ﴿اَفَمَنْ يَّهْدِیْ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّیْ اِلَّا اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ﴾ (یونس/۳۵) اور جو حق کی اتباع کرتا ہے وہ واقعاً قابل اتباع ہے یا جو ہدایت کرنے کے قابل بھی نہیں مگر یہ کہ خود اس کی ہدایت کی جائے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

حضرت موسیٰؑ کیوں ڈرتے تھے؟

(لَمْ یُوْجِسْ مُوْسٰی علیہ السلام خِیْفَةً عَلٰی نَفْسِهٖ اَشْفَقَ مِنْ غَلَبَةِ الْجُهَّالِ وَ دَوَلِ الضَّلَالِ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جان کے لئے خوف کا لحاظ کبھی نہیں کیا بلکہ وہ جاہلوں کے حق پر غلبہ اور گمراہی کے تسلط سے خوف زدہ تھے۔ ان الفاظ سے حضرتؑ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جب دربار فرعون میں جادوگروں سے ان کا مقابلہ ہوا تھا جس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات وارد ہیں ﴿قَالُوْا یَا مُوْسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴾ (طٰہٰ) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰؑ تم اپنا جادو پھینکو گے یا ہم پہل کریں؟ موسیٰؑ نے کہا نہیں تم ابتدا کرو۔ ایک مرتبہ کیا دیکھا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں جادو کی بنا پر ایسے لگنے لگیں جیسے سب دوڑ رہی ہوں تو موسیٰؑ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا کہ موسیٰؑ ڈرو نہیں! تم بہر حال غالب رہنے والے ہو۔

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے خوف کھانے کا باعث یہ نہیں تھا کہ وہ رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ کی طرح دوڑتے دیکھ رہے تھے اسی لئے انہیں اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور وہ اس سبب سے خائف ہو گئے ہوں بلکہ ان کے ڈرنے کا سبب یہ خیال تھا کہ کہیں دنیا والے ان شعبدہ بازیوں سے متاثر ہو کر گمراہی میں نہ پڑ جائیں اور ان نظر بندیوں سے باطل کی بنیادیں مستحکم نہ ہو جائیں اور جادو اور معجزہ کو ایک چیز نہ سمجھ بیٹھیں۔ چنانچہ موسیٰؑ کو یہ ڈھارس نہیں دی جاتی کہ تمہاری جان محفوظ ہے بلکہ یہ کہا گیا کہ تم ہی غالب رہو گے اور تمہارا ہی بول بالا ہو گا۔ چونکہ انہیں حق کے دب جانے اور باطل کے ابھرنے کا اندیشہ تھا نہ اپنی جان کے جانے کا کہ حق کی فتح و کامرانی کی بجائے انہیں حفظ جان کی تسلی دی جاتی۔ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خوف یہی ہے کہ کہیں دنیا والے ان لوگوں (طلحہ و زبیر وغیرہ) کی فریب کاریوں کے پھندے میں نہ پھنس جائیں اور حق سے منہ موڑ کر ضلالت و گمراہی میں نہ جا پڑیں ورنہ مجھے اپنی جان کی کبھی پروا نہیں ہوئی۔ (اَلْیَوْمَ تَوَاقَفْنَا عَلٰی سَبِیْلِ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ) آج ہم حق و باطل کے دوراہے پر کھڑے ہیں۔ یعنی میں حق کی راہ اور تم باطل کے راستے پر کھڑے ہو۔ حضرتؑ نے اپنے آپ کو اہل بصرہ کے ساتھ ویسے ہی شامل کیا جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں مؤمنین و کافرین کو شامل کیا گیا ﴿اِنَّا اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (سبا/۲۴) ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اہل ایمان ہدایت اور کفار گمراہی پر تھے مگر اس کے باوجود دونوں گروہوں کا ایک ساتھ تذکرہ کیا گیا۔ (وَ مَنْ وَثِقَ بِمَآءٍ لَّمْ یَظْمَاْ) اور جسے پانی کا اطمینان ہو وہ پیاس محسوس نہیں کرتا۔ مقصد یہ ہے کہ جو حق پر ہو اور اسے اپنے رب پر بھروسہ ہو تو وہ انجام کی پروا نہیں کرتا۔ شارح بحرانی اور شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ حضرتؑ نے ان الفاظ سے اہل بصرہ کو اپنی اتباع کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ میری اتباع سے تمہیں ہدایت و سلامتی نصیب ہو گی اور تم گمراہی کے خطرات سے بھی بچ جاؤ گے۔

خطبہ ۵

ابوسفیان کی چالاکی اور حضرتؑ کا جواب

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی تو عباس اور ابوسفیان بن حرب نے آپؑ سے عرض کیا کہ ہم آپؑ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، جس پر حضرتؑ نے مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔ علامہ مجلسیؒ نے اس خطبہ کو چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مناقب ابن جوزی سے نقل کیا ہے اور ہم وہ خطبہ آخر میں نقل کریں گے۔

اَیُّھَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ وَعَرِّجُوْا عَنْ طَرِیْقِ الْمُنَافَرَةِ وَضَعُوْا تِیْجَانَ الْمُفَاخَرَةِ اَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ اَوِ اسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ مَآءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَةٌ یَعَصُّ بِهَا اٰكِلُهَا وَمُجْتَنِی الثَّمَرَةِ لِغَیْرِ وَقْتِ اِیْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَیْرِ اَرْضِهٖ فَاِنْ اَقُلْ یَقُوْلُوْا حَرَصَ عَلَی الْمُلْكِ وَ اِنْ اَسْكُتْ یَقُوْلُوْا جَزَعَ مِنَ الْمَوْتِ هَیْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَیَّا وَ الَّتِیْ وَاللّٰهِ لِابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهٖ بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰی مَكْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْ بُحْتُ بِهٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْاَرْشِیَةِ فِی الطَّوِیِّ الْبَعِیْدَةِ.

اے لوگو! فتنہ وفساد کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر اپنے کو نکال لے جاؤ، تفرقہ وانتشار کی راہوں سے اپنا رخ موڑ لو اور فخر ومباہات کے تاج اتار ڈالو۔ صحیح طریقہ سے عمل کرنے میں کامیاب وہ ہے جو اٹھے تو پر وبال کے ساتھ اٹھے، نہیں تو (اقتدار کی کرسی) دوسروں کے لئے چھوڑ بیٹھے اور اس طرح سے خلق خدا کو بدامنی سے راحت میں رکھے۔ اس وقت طلب خلافت کیلئے قیام ایک ایسا گدلا پانی اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کے گلوگیر ہو کر رہے گا۔ اور پھلوں کو ان کے پکنے سے پہلے چننے والا ایسا ہے جیسا دوسروں کی زمین میں کاشت کرنے والا۔ اگر بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیوی سلطنت پر مرمٹے ہیں۔ اور چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے۔ افسوس، اب یہ بات! جبکہ میں ہر طرح کے نشیب وفراز دیکھے بیٹھا ہوں۔ خدا کی قسم! ابوطالب کا بیٹا موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا۔ البتہ ایک پوشیدہ علم میرے سینے کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے کہ اسے ظاہر کردوں تو تم اسی طرح پیچ وتاب کھانے لگو جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں۔

تشریح لغات (عَرِّجُوْا) منحرف ہو جاؤ، کنارہ کشی اختیار کرلو۔ (عَرَجْتُ مِنْهُ) کا معنی ہے میں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اسے چھوڑ دیا۔ (تِیْجَانٌ) تاج کی جمع ہے۔ (فَاخَرَهٗ) کسی پر فخر ومباہات کرنا۔ شارح معتزلی کہتے ہیں کہ مفاخرہ دو افراد کا ایک دوسرے پر بایں طور فخر ومباہات کرنا کہ اس کے لئے ایک ثالث مقرر کیا جائے اور اس سے فیصلہ لیا جائے۔ اور فخر ومباہات پیش کرنے کے دن کو ''یَوْمُ الْفِخَار'' کہا جاتا ہے۔ (اَلْمَاءُ الْاٰجِنُ) گدلا پانی، جس کا رنگ وبو بدل چکا ہو۔ (غِصَصٌ) غین کی زبر

اور زیر دونوں کے ساتھ، لقمہ کا گلے میں پھنس جانا۔(جَنَیْتُ الثَّمَرَۃَ) میں نے پھل توڑا۔(یَنْعَتِ الثِّمَارُ) پھل پک گیا، اس فعل کا تعلق ضَرَبَ اور مَنَعَ کے باب سے ہے۔(اَللَّتَیَا)اَلَّتِیْ کی تصغیر ہے اور یہ اسمائے ''دَاھِیَۃ'' میں ہے، جب کوئی شخص کسی افتاد میں پھنس جائے تو کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ فِی اللَّتَیَا وَ الَّتِیْ ''یعنی فلاں مصیبت وتکلیف میں ہے۔اور ''اللَّتَیَّا وَ الَّتِیْ '' کا پس منظر بعض کتب ادب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے چھوٹے قد والی عورت سے شادی کی تو اس عورت نے اسے خوب ستایا۔ چنانچہ مجبور ہو کر اس نے اسے طلاق دی اور پھر لمبے قد والی عورت سے نکاح کر لیا، لیکن لمبے قد والی عورت نے اسے پہلی بیوی سے بھی زیادہ اذیتیں دیں تو اس نے اسے بھی طلاق دے دی اور کہا ''بَعُدَ اللَّتَیَا وَ الَّتِیْ لَا اَتَزَوَّجُ '' کہ اس چھوٹی اور بڑی کے بعد میں شادی نہیں کروں گا۔ (اِنْدَمَجَ فِی الشَّیْءِ) کسی چیز میں داخل ہوا اور کسی چیز کو چھپایا۔(بَاحَ بِسِرِّہٖ)اس نے اپنا راز فاش کر دیا۔(اَرْشِیَۃٌ)کِسَاء کے وزن پر رِشَاء کی جمع ہے، معنی رسیاں۔(اَلطَّوِیُّ)ذُوْ طُوٰی کے نام پر ایک کنوئیں کا نام ہے جیسا کہ فیروز آبادی نے لکھا ہے، یہاں مراد ہر کنواں ہے۔

اعراب

(مَآءٌ اٰجِنٌ) مبتدا مرفوع ہے اور اس کی خبر ابن جوزی کی روایت میں مذکور ہے اور وہ ہے ''اَجْدَرُ بِالْعَاقِلِ '' یا یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے، تو عبارت یوں قرار پائے گی ''مَا تَدْعُوْنِیْ اِلَیْہِ مَآءٌ اٰجِنٌ ''۔(مُجْتَنِی الثَّمَرِ) مبتدا ہے اور ''کَالزَّارِعِ ''اس کی خبر ہے۔(عَلٰی مَکْنُوْنِ عِلْمٍ)، میں ''عَلٰی'' بمعنی ''فِیْ '' ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَۃٍ مِّنْ اَھْلِھَا ﴾۔(بَعِیْدَۃٌ) صفت ہے اور اسے مؤنث لانے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ (طَوِیٌّ) مؤنث کی صفت ہے اور لفظ (طَوِیٌّ) ہر طرح کے کنوئیں کے لئے بطور اسم استعمال ہوا ہے اسی لئے اسے مؤنث لفظی تصور کیا جاتا ہے۔

خطبہ کا پس منظر

شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ جب جناب رسولؐ خدا کی وفات حسرت آیات ہوئی تو حضرت علیؑ رسالت مآبؐ کی تجہیز وتکفین میں مصروف ہو گئے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہو گئی۔ بنی ہاشم، ابوسفیان، زبیر اور جماعت مہاجرین کے چند افراد نے عباس بن عبدالمطلب سے گفتگو کی اور کہا کہ بنی ہاشم کی موجودگی میں بنی تیم کا ایک فرد مسند خلافت پر کس طرح سے فائز ہو گیا۔ لہٰذا تم ہمارے ساتھ علی بن ابی طالب کے پاس چلو اور ان سے گزارش کرو کہ وہ سقیفائی حکومت سے محاذ آرائی کریں، ہم ان کی مدد کریں گے۔ چنانچہ عباس مذکورہ افراد کو لے کر حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؑ سے درخواست کی کہ وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو حضرتؑ نے فرمایا: ''اَلصَّبْرُ حِلْمٌ وَ التَّقْوٰی دِیْنٌ وَ الْحُجَّۃُ مُحَمَّدٌؐ وَ الطَّرِیْقُ الصِّرَاط. اَیُّھَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ .....الی آخرہ''۔

شارح بحرانی رقم طراز ہیں کہ جب پیغمبر اسلامؐ کی وفات ہوئی تو ابوسفیان مدینہ میں موجود نہیں تھا۔ واپس آ رہا تھا کہ اسے راستے

میں اس المناک حادثہ کی اطلاع ملی، فوراً پوچھنے لگا کہ مسلمانوں کی امارت وقیادت کس کو ملی ہے؟ اسے بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر عرب کا مانا ہوا فتنہ ساز سوچ میں پڑ گیا اور آخر ایک تجویز لے کر عباس بن عبدالمطلب کے پاس آیا اور کہا: ''دیکھو ان لوگوں نے دھاندلی مچا کر خلافت ایک تیمی کے حوالے کر دی اور بنی ہاشم کو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم کر دیا۔ یہ اپنے بعد بنی عدی کے ایک درشت خو، تند مزاج کو ہمارے سروں پر مسلط کر جائے گا۔ چلو علی بن ابی طالب سے کہیں کہ وہ گھر کا گوشہ چھوڑیں اور اپنا حق لینے کے لئے میدان میں اتریں''۔ چنانچہ وہ عباس کو لے کر حضرتؑ کے پاس آیا اور کہا: ''آپؑ ہاتھ بڑھائیں، میں آپؑ کی بیعت کرتا ہوں اور اگر کوئی مخالفت کے لئے اٹھا تو میں مدینہ کی گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا''۔ امیر المومنینؑ کے لئے یہ انتہائی نازک مرحلہ تھا، وہ اپنے آپ کو پیغمبرؐ کا صحیح وارث و جانشین سمجھتے تھے اور ابوسفیان ایسا جتھے والا بھی امداد کے لئے آمادہ کھڑا تھا۔ صرف ایک اشارہ کافی تھا کہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے۔ مگر امیر المومنینؑ کے تدبر اور اصابت رائے نے مسلمانوں کو فتنہ کے منہ سے بچا لیا اور آپؑ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ یہ قبائلی تعصب اور نسلی امتیاز کو ابھار کر آپس میں لڑوانا چاہتا ہے تاکہ اسلام میں ایک ایسا زلزلہ آئے جو اس کی بنیاد تک کو ہلا دے۔ لہٰذا آپؑ نے اس کی رائے کو ٹھکرا کر اسے سختی سے جھڑکا اور اس موقع پر یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

مفہوم

امواج فتنہ سے بچنے کا حکم

(اَیُّھَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاۃِ) اے لوگو! فتنہ وفساد کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر اپنے کو نکال لے جاؤ۔ حضرتؑ نے فتنہ وفساد کی بحر تلاطم خیز سے تشبیہ دی اور ان دونوں میں وجہ شبہ یہ ہے کہ جس طرح سے سمندر میں اترنے والا ڈوب مرتا ہے اسی طرح سے فتنہ وفساد میں داخل ہونے والا شخص بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ فتنہ کے شعلوں کی تشبیہ حضرتؑ نے بحر متلاطم کی سر بفلک موجوں سے دی ہے پھر فرمایا کہ لوگو! فتنہ کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیرو اور یقینی ہلاکت سے اپنے آپ کو نجات دلاؤ۔ (وَعَرِّجُوْا عَنْ طَرِیْقِ الْمُنَافَرَۃِ) اور نفرت وانتشار کی راہوں کو چھوڑ کر مصالحت کی راہوں کا سفر اختیار کرو۔ (وَضَعُوْا تِیْجَانَ الْمُفَاخَرَۃِ) اور فخر مباہات کے تاج اتار ڈالو۔ اور نسلی اور قبائلی عصبیت کے تاج سے دست بردار ہو جاؤ کیونکہ تمہارا یہ نسلی فخر ومباہات فتنہ کے بھڑکنے کا ذریعہ بنے گا اور عصبیت کو از سر نو زندہ کر دے گا۔

دو راستے

حضرتؑ نے نفرت وانتشار سے منع کرنے کے بعد لوگوں کو صلاح وفلاح کا راستہ دکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا (اَفْلَحَ مَنْ نَھَضَ بِجَنَاحٍ اَوِ اسْتَسْلَمَ فَاَرَاحَ) صحیح طریقۂ عمل کرنے میں کامیاب وہ ہے جو اٹھے تو بال وپر کے ساتھ اٹھے اور نہیں تو (اقتدار کی کرسی) دوسروں کے لئے چھوڑ دے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اس وقت ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں، پہلا راستہ تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر مددگاروں کی مناسب تعداد ہو تو ہمیں اپنا حق بزور شمشیر لینا چاہئے۔ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ اگر ہمیں مددگار میسر نہیں ہیں تو جھگڑے سے

اجتناب کیا جائے ۔اوراس وقت چونکہ ہمیں مددگار میسرنہیں ہیں لہٰذا ہمیں جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہئے اور مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہئے ۔اوراگرہم ان نامساعد حالات میں کوئی راست اقدام کریں گےتواس کی حیثیت کچھ یوں قرار پائے گی (مَآءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَةٌ يَعَصُّ بِهَا اٰكِلُهَا) یہ ایک گدلا پانی اورایسا لقمہ ہے جوکھانے والے کےگلوگیر ہوکررہے گااورہضم ہونے میں ہرگزنہیں آئے گا۔حضرتؑ اگرچہ اپنے آپ کوخلافت کا مستحق جانتے تھےلیکن حضرتؑ نے ان روح فرسا حالات میں بزورشمشیرخلافت کے حصول کونا قابل ہضم لقمہ قرار دیا۔ حضرتؑ کے ان الفاظ کا مقصود یہی ہے کہ جس انجام کی خاطرتکالیف ومصائب کا برداشت کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ جلد بازی میں کوئی اقدام کیا جائے جس کے نتیجہ میں حالات مزید بدتر ہوجائیں اورامت اسلامیہ ہمیشہ کے لئے خانہ جنگی کا شکار ہوجائے اوراسلام کا یہ نوخیز پودااپنی ہی سرزمین میں مرجھاجائے۔

بعدازاں حضرتؑ نے اس وقت راست اقدام نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے اس تشبیہ بلیغ سے اپنے مقصد کا اظہارفرمایا (وَمُجْتَنِ الثَّمَرَةِ لِغَيْرِ وَقْتِ اِيْنَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ اَرْضِهٖ)اورپھلوں کوان کے پکنے سے پہلے چننے والا ایسا ہے جیسے دوسروں کی زمین میں کاشت کرنے والا۔ جیسے وقت سے پہلے پھل کو چننا صحیح نہیں ہے اور دوسرے کی زمین میں کاشت کرنا درست نہیں ہے ایسے ہی ان حالات میں ہمارا خلافت کے لئے جنگ کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت ہمیں مددگار میسرنہیں ہیں اوراس کے علاوہ کچھ اور مجبوریاں بھی دامن گیر ہیں اسی لئے ہمارا جنگ کرنا کسی طور بھی سودمند نہیں ہے اور یہ جنگ امت اسلامیہ کے کسی مفاد پر منتج نہ ہوگی۔اس جنگ سے امت اسلامیہ کوتو کوئی فائدہ نہ پہنچتا البتہ ابوسفیان خلافت گر کے طور پر ضرور سامنے آجاتا اور ہرحکم قیامت تک کیلئے اس کا ممنون رہتا ہے۔ حضرتؑ نورامامت سے اس حقیقت کو دیکھ رہے تھے کہ ابوسفیان کی یہ پیشکش کسی ہمدردی اوراخلاص پرمبنی نہیں ہے بلکہ وہ اس ذریعے سے اسلام کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے۔حضرتؑ اپنا ذاتی حق غصب ہوتے ہوئے دیکھ سکتے تھےلیکن اسلام کی تباہی کو برداشت کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے اس جملے کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرتؑ نے جنگ کرنے کی صورت میں اپنی تشبیہ پھلوں کو وقت سے پہلے چننے والے سے دی ہے اورسقیفائی حکام کی تشبیہ دوسروں کی زمین میں کاشت کرنے والے سے دی ہے اورفرمایا ہے کہ اگر میں ان ناسازگار حالات میں خلافت کےثمرنارسیدہ کوتوڑنے کی کوشش کرتا تواس سے باغ بھی اجڑ جاتا اور میرے ہاتھ بھی کچھ نہ آتا۔اورمیرے حریفوں کی حالت یہ ہے کہ غیر کی زمین میں کھیتی تو کر بیٹھے مگر نہ اس کی حفاظت کرسکے اور نہ جانوروں سے اسے بچاسکے، نہ وقت پر پانی دے سکے اور نہ اس سے کوئی جنس حاصل کرسکے۔

ہرصورت میں لوگوں کا اعتراض

اب حالت یہ ہے کہ(فَاِنْ اَقُلْ یَقُوْلُوْا حَرَصَ عَلَی الْمُلْکِ وَ اِنْ اَسْکُتْ یَقُوْلُوْا جَزَعَ مِنَ الْمَوْتِ)اگر میں خلافت کے لئے بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ خلافت پر مٹے ہوئے ہیں (جیسا کہ حضرت عمر نے کئی بار کہا بھی تھا) اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گیا۔ دنیا میں انسان کسی طور بھی لوگوں کی باتوں سے بچ نہیں سکتا۔ جیسا کہ المجالس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''لوگوں کی رضامندی حاصل کرنا اور ان کی زبان کو خاموش رکھنا بڑا مشکل ہے۔ جنگ بدر کے موقع پر لوگوں نے رسولؐ خدا پر ایک سرخ چادر چھپانے کی تہمت لگائی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی برائت کے لئے آیات نازل فرمائیں اور جہاں سرخ چادر موجود تھی اس کے متعلق نشاندہی فرمائی''۔ تفسیر صافی میں بحوالہ المجالس امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لوگوں کی رضا حاصل کرنا اور ان کی زبان سے محفوظ رہنا بڑا مشکل ہے۔ لوگوں کی زبان سے تو اللہ کے انبیاء و رسل اور حجج خدا بھی محفوظ نہیں رہے تو تم کس طرح محفوظ رہ سکتے ہو؟ کیا لوگوں نے رسولؐ خدا کے متعلق یہ نہیں کہا تھا کہہ دیا رسولؐ (نعوذ باللہ) اپنی خواہش کے تحت علیؑ کے فضائل بیان کرتا رہتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی برائت کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (النجم ۵۳، ۳،۴) اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی الٰہی کے تحت بولتے ہیں۔

ایک شاعر کا یہ شعر اس مفہوم کی صحیح ترجمانی کرتا ہے اور بعض لوگوں نے اس شعر کی نسبت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف دی ہے:

قِیْلَ اَنَّ الْاِلٰـہَ ذُوْ وَلَدٍ وَ قِیْلَ اَنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ کَھَنَا

مَا نَجَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ مَعًا مِنْ لِّسَانِ الْوَرٰی فَکَیْفَ اَنَا

اللہ کے متعلق لوگوں نے کہا کہ وہ صاحب اولاد ہے اور رسولؐ کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ کاہن ہیں۔ جب خلق کی زبان سے خدا اور رسولؐ محفوظ نہیں رہے تو میں کیسے محفوظ رہ سکتا ہوں۔

؎ ناوک تیرے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں

پھر حضرتؑ نے لوگوں کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا(ھَیْھَاتَ بَعْدَ اللَّتَیَا وَ الَّتِیْ)افسوس اب یہ بات جب کہ میں ہر طرح کے نشیب و فراز دیکھے بیٹھا ہوں۔ یعنی اب جبکہ میں زمانہ کے ہر قسم کے مصائب و آلام سہے بیٹھا ہوں اب میرے متعلق حرص یا بزدلی کی تہمت بے مقصد ہے۔

علیؑ موت سے کتنے مانوس ہیں؟

(وَ اللّٰہِ لَابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّہٖ)خدا کی قسم ابوطالب کا بیٹا موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا۔ ہر دودھ پیتا بچہ فطری اور طبعی طور پر اپنی ماں کی چھاتی سے مانوس ہوتا ہے لیکن جب وہ بچہ ذرا سا بڑا

ہوتا ہے تو ماں کی چھاتی سے اس کا انس ختم ہو جاتا ہے۔ اور بچہ کی یہ مانوسیت مادہ سے ہے لیکن میں موت کو اس لئے پسند کرتا ہوں کہ موت لقائے پروردگار کا ذریعہ اور نعیم الابدی کا پیش خیمہ ہے۔ موت میرے نزدیک ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے ایک دودھ پیتا بچہ بھی ماں کی چھاتی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا جتنا کہ میں موت سے مانوس ہوں۔ (یہی وجہ تھی کہ ہر شخص موت کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے لیکن جب ابن ملجم لعین نے مسجد کوفہ میں آپؑ پر وار کیا تو حضرتؑ نے فرمایا ''فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ'' رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا _ مترجم)۔

اس کے بعد حضرتؑ نے اپنے حق کے مطالبے سے چپ رہنے کا ایک سبب یہ بیان فرمایا (بَلِ انْدَمَجْتُ عَلٰی مَکْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْبُحْتُ بِہٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْاَرْشِیَۃِ فِی الطَّوِیِّ الْبَعِیْدَۃِ) البتہ ایک پوشیدہ علم میرے سینے کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے کہ اسے ظاہر کر دوں تو تم اس طرح پیچ و تاب کھانے لگو جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں۔

علم مکنون سے کیا مراد ہے؟

وہ پوشیدہ علم کیا تھا؟ اس کے متعلق اہل علم سے چند اقوال منقول ہیں:۔

۱۔ اس سے مراد رسولؐ خدا کی وہ وصیت ہے جس میں آنحضرتؐ نے انہیں غصب خلافت پر صبر کرنے کا حکم دیا تھا۔

۲۔ اس سے مراد حضرتؑ کا وہ علم امامت ہے جس کے تحت آپؑ کو مستقبل کے حالات سے آگاہی حاصل تھی اور جانتے تھے کہ جلد بازی ان کے لئے ضرر رساں ثابت ہوگی اور مصلحت امامت اسی میں تھی کہ امت اسلامیہ کو خانہ جنگی کی آگ سے محفوظ رکھا جائے۔

۳۔ حضرتؑ کے پیش نظر ہمیشہ آخرت کے مناظر تھے، اس کی وجہ سے آپؑ کو ہوس ملک گیری کی فرصت ہی میسر نہ تھی اور لوگوں سے فرمایا کہ میں جو علم (آخرت) رکھتا ہوں اگر اسے تمہارے سامنے ظاہر کر دوں تو تم تھرتھرانے لگو گے اور دنیائے فانی کی طلب باز آجاؤ گے۔

۴۔ اس مقام پر میں (مؤلف کتاب) یہ عرض کرتا ہوں کہ اس علم مکنون سے مراد وہ علم ہے جو رسولؐ خدا نے وحی الٰہی کے تحت آپؑ کو تعلیم فرمایا کہ ان سے ایک طویل عرصے کے لئے خلافت غصب کر لی جائے گی پھر چند روزہ حکومت انہیں ملے گی، بعد ازاں بنی امیہ اور بنی عباس کی طاغوتی حکومتیں قائم ہوں گی جن میں اہل ایمان کا امتحان ہوگا اور انہیں مصائب و آلام کا نشانہ بنایا جائے گا۔ اور یہ تمام امور قضائے ازلی اور قدر حتمی کے تحت طے پا چکے ہیں اسی لئے حضرت نے یہ جملے ارشاد فرمائے۔ وَاللّٰہُ الْعَالِمُ بِحَقَائِقِ کَلَامِ وَلِیِّہٖ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

تکمیل

علامہ مجلسیؒ نے حضرتؑ کا یہ خطبہ چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مناقب ابن جوزی سے بحار الانوار میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے:

مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین کے بعد عباس، بنی ہاشم کے چند دیگر افراد اور ابوسفیان حضرتؑ کی خدمت میں آئے اور آپؑ سے کہا: ''آپؑ ہاتھ بڑھائیں ہم آپؑ کی بیعت کرتے ہیں''۔ اور ابوسفیان نے کہا: ''اگر آپؑ چاہیں تو میں

مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں''۔ حضرتؑ نے ان لوگوں کی یہ بات سن کر درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

''اَیُّھَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاۃِ وَعَرِّجُوْا عَنْ طَرِیْقِ الْمُنَافَرَۃِ وَضَعُوْا تِیْجَانَ الْمُفَاخَرَۃِ فَقَدْ فَازَ مَنْ نَھَضَ بِجَنَاحٍ اَوِاسْتَسْلَمَ فَارْتَاحَ مَآءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَۃٌ یَغُصُّ بِھَا اٰکِلُھَا اَجْدَرُ بِالْعَاقِلِ مِنْ لُقْمَۃٍ تَحْشٰی بِزَنْبُوْرٍ وَ شَرْبَۃٍ تَلَذُّ بِھَا شَارِبُھَا مَعَ تَرْکِ النَّظَرِ فِیْ عَوَاقِبِ الْاُمُوْرِفَاِنْ اَقُلْ یَقُوْلُوْا حَرَصَ عَلَی الْمُلْکِ وَ اِنْ اَسْکُتْ یَقُوْلُوْا جَزِعَ مِنَ الْمَوْتِ ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ بَعْدَ اللَّتَیَا وَ الَّتِیْ وَاللّٰہِ لِاَبْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّہٖ وَ مِنَ الرَّجُلِ بِاَخِیْہِ وَ عَمِّہٖ وَ لَقَدِ انْدَمَجْتُ عَلٰی مَکْنُوْنِ عِلْمٍ لَوْبُحْتُ بِہٖ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْاَرْشِیَۃِ فِی الطَّوِیِّ الْبَعِیْدَۃِ''ترجمہ کے لئے خطبہ کے اول میں رجوع کریں۔

خطبہ ۶

وَ مِنْ کَلَامٍ لَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامِ لَمَّا اُشِیْرَ اِلَیْہِ بِاَنْ لَّا یَتْبَعَ طَلْحَۃَ وَ الزُّبَیْرَ وَ لَا یُرْصِدَ لَھُمَا الْقِتَالَ

جب آپؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپؑ طلحہ وزبیر کا پیچھا نہ کریں اور ان سے جنگ کرنے کی نہ ٹھان لیں تو آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا

علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں یہ خطبہ امالی شیخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ شرح بحرانی کے مطابق ابوعبید سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے طلحہ وزبیر کے تعاقب کا ارادہ کیا تو ان کے فرزند امام حسن علیہ السلام نے آپؑ کو مشورہ دیا کہ ان کا تعاقب نہ کریں اور ان سے جنگ کا ارادہ نہ فرمائیں تو آپؑ نے اس کے جواب میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

شیر خدا کی حق پر اٹھنے والی تلوار

وَاللّٰہِ لَا اَکُوْنُ کَالضَّبُعِ تَنَامُ عَلٰی طُوْلِ اللَّدْمِ حَتّٰی یَصِلَ اِلَیْھَا طَالِبُھَا وَ یَخْتِلُھَا رَاصِدُھَا وَ لٰکِنِّیْ اَضْرِبُ بِالْمُقْبِلِ اِلَی الْحَقِّ الْمُدْبِرَ عَنْہُ وَ بِالسَّامِعِ الْمُطِیْعِ الْعَاصِیَ الْمُرِیْبَ اَبَدًا حَتّٰی یَاْتِیَ عَلَیَّ یَوْمِیْ فَوَاللّٰہِ مَا زِلْتُ مَدْفُوْعًا عَنْ حَقِّیْ مُسْتَاْثِرًا عَلَیَّ مُنْذُ قَبَضَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ حَتّٰی یَوْمِ النَّاسِ ھٰذَا

خدا کی قسم! میں اس بجّو کی طرح نہ ہوں گا جو لگاتار کھٹکھٹائے جانے سے سویا ہوا بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا طلب گار (شکاری) اس تک پہنچ جاتا ہے اور گھات لگا کر بیٹھنے والا اس پر اچانک قابو پالیتا ہے۔ بلکہ میں تو حق کی طرف بڑھنے والوں اور گوش برآواز اطاعت شعاروں کو لے کر ان خطا وشک میں پڑنے والوں پر اپنی تلوار چلاتا رہوں گا یہاں تک کہ میری موت کا دن آجائے۔ خدا کی قسم! جب سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو دنیا سے اٹھایا برابر دوسروں کو مجھ پر مقدم کیا گیا اور مجھے مجھے میرے حق سے محروم رکھا گیا ہے اور وہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے

تشریح لغات (اَلضَّبُعُ) باکے پیش کے ساتھ، ایک مشہور جانور (بجو) کا نام۔ فیروزآبادی کہتے ہیں کہ یہ بھی بھیڑیئے کی طرح کا ایک درندہ ہوتا ہے لیکن جب یہ چلتا ہے تو اس کی چال میں لنگڑاپن پایا جاتا ہے اسی لئے عرب اسے (سَبُعُ

العَرْجَاء) لنگڑا درندہ کہتے ہیں۔(اَللَّدْمُ) زور زور سے کھٹکھٹانا۔(خَتَلَهٗ) یَخْتِلُ، از باب نَصَرَ وَضَرَبَ قابو پانا۔(اِسْتَأْثَرَ بِالشَّیْءِ) کسی چیز پر قبضہ وتسلط جمانا۔

اعراب

(عَلٰی طُوْلِ اللَّدْمِ) میں لفظ (عَلٰی) ''استعلاء مجازی'' کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ﴾۔(بِالْمُقْبِلِ، بِالسَّامِعِ) میں با استعانت یا مصاحبت کے معنی میں ہے۔(یَاتِیْ عَلَیَّ) میں ''عَلَیَّ'' زائد ہے۔(حَتّٰی یَوْمِ النَّاسِ) میں لفظ ''حَتّٰی'' بمعنی ''اِلٰی'' ہے.....۔

مفہوم

ضَبُعٌ کے معنی بجّو کے ہیں، اس کی کنیت ام عامر اور ام طریق ہے اور اسے 'حَضَاجِرٌ' بھی کہا جاتا ہے۔ حَضَاجِر، حَضْجَرٌ کی جمع ہے جس کے معنی پیٹو کے ہیں، لیکن جب جمع کی صورت میں اسے استعمال کیا جائے تو اس سے بجو مراد لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ہر چیز نگل جاتا ہے اور جو پاتا ہے اسے ہڑپ کر جاتا ہے۔ اسے نَعْثَلٌ بھی کہتے ہیں، یہ بڑا سیدھا سادا دوسروں کے اشارے پر چلنے والا اور بڑا بے وقوف جانور ہوتا ہے۔ اگر کسی کی انتہائی حماقت دکھانا مقصود ہو تو یہ کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ اَحْمَقُ مِنَ الضَّبُعِ'' فلاں تو بجو سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔ اس کی حماقت اس کے بآسانی شکار ہو جانے سے ہی ظاہر ہے کہ شکاری اس کے بھٹ کے گرد گھیرا ڈال لیتا ہے اور لکڑی سے یا پیر سے زمین کو تھپتھپاتا ہے اور چپکے سے کہتا ہے ''اُطْرُقِیْ اُمُّ الطَّرِیْقِ خَاصِرِیْ اُمُّ عَامِرٍ'' اے بجو! اپنے سر کو جھکا لے، اے بجو! چھپ جا۔ اس جملے کو دہرانے سے وہ بھٹ کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے، پھر شکاری کہتا ہے ''اُمُّ عَامِرٍ لَیْسَتْ فِیْ وِجَارِهَا اُمُّ عَامِرٍ نَائِمَةٌ'' بھلا وہ اپنے بھٹ میں کہاں وہ تو کسی گوشے میں سویا پڑا ہوگا۔ یہ سن کر وہ اپنے ہاتھ پیر پھیلا دیتا ہے اور سوتا ہوا بن جاتا ہے اور شکاری اس کے پیروں میں پھندا ڈال کر اسے باہر کھینچ لیتا ہے اور یہ بزدلوں کی طرح بے مقابلہ کیے اس کے قابو میں آجاتا ہے۔

(وَاللّٰهِ لَا اَكُوْنُ كَالضَّبُعِ تَنَامُ عَلٰی طُوْلِ اللَّدْمِ حَتّٰی یَصِلَ اِلَیْهَا طَالِبُهَا وَ یَخْتِلُهَا رَاصِدُهَا) خدا کی قسم! میں اس بجو کی طرح نہ ہوں گا جو لگاتار کھٹکھٹائے جانے سے سوتا ہوا بن جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا طلب گار (شکاری) اس تک پہنچ جاتا ہے اور گھات لگا کر بیٹھنے والا اس پر اچانک قابو پا لیتا ہے۔ حضرتؑ کے ان کلمات کا ماحصل یہ ہے کہ میں کب تک اپنا حق چھنتا ہوا دیکھتا رہوں گا اور بیٹھا رہوں گا۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں ان سے لڑوں گا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر رہوں گا اور انہیں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ میں بجو کی طرح بآسانی ان کے قابو میں آجاؤں گا۔(وَ لٰكِنِّیْ اَضْرِبُ بِالْمُقْبِلِ اِلَی الْحَقِّ الْمُدْبِرَ عَنْهُ وَ بِالسَّامِعِ الْمُطِیْعِ الْعَاصِیَ الْمُرِیْبَ اَبَدًا) بلکہ میں تو حق کی طرف بڑھنے والوں اور گوش بر آواز اطاعت شعاروں کو ساتھ لے کر ان حق برگشتہ لوگوں اور خطا وشک میں پڑنے والوں پر اپنی تلوار چلاتا رہوں گا۔(حَتّٰی یَاتِیَ عَلَیَّ یَوْمِیْ فَوَاللّٰهِ مَا زِلْتُ مَدْفُوْعًا عَنْ حَقِّیْ مُسْتَاثِرًا عَلَیَّ مُنْذُ قَبَضَ اللّٰهُ

نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ حَتّٰی یَوْمِ النَّاسِ ھٰذَا) یہاں تک کہ میری موت کا دن آجائے۔خدا کی قسم! جب سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو دنیا سے اٹھایا، برابر دوسروں کو مجھ پر مقدم کیا گیا اور مجھے آج تک میرے حق سے محروم رکھا گیا۔

احتجاج طبرسی میں اس خطبہ کے ضمن میں حضرتؑ کے یہ مزید الفاظ موجود ہیں:۔

ھٰذَا طَلْحَۃُ وَالزُّبَیْرُ لَیْسَامِنْ اَھْلِ النُّبُوَّۃِ وَلَامِنْ ذُرِّیَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی رَاَیَااَنَّ اللّٰہَ قَدْ رَدَّ عَلَیْنَاحَقَّنَابَعْدَ عَصْرٍفَلَمْ یَصْبِرَا حَوْلًا کَامِلًا وَّ لَاشَھْرًاحَتّٰی وَثَبَا عَلَیَّ دَاَبَ الْمَاضِیْنَ قَبْلَھُمَا لِیَذْھَبَا بِحَقِّیْ وَیُفَرِّقَا جَمَاعَۃَ الْمُسْلِمِیْنَ عَنِّیْ۔ ثُمَّ دَعَا عَلَیْھِمَا۔

یہ طلحہ وزبیر نہ تو اہل بیت نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی رسولؐ خدا کی ذریت ہیں۔انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک طویل عرصہ کے بعد اللہ نے ہمیں ہمارا حق واپس دلایا ہے تو یہ ایک سال بلکہ ایک ماہ تک بھی یہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے مجھ پر پہلوں کی طرح سے حملہ کر دیا، ان کا مقصد میرے حق کو ختم کرنا اور مجھ سے جماعت مسلمین کو منتشر کرنا ہے۔(بعدازاں حضرتؑ نے ان دونوں کے لئے بددعا کی.....)۔

طلحہ وزبیر نے بیعت کیوں توڑی؟

شارح معتزلی کا بیان ہے کہ جب امیر المؤمنین علیہ السلام مسند اقتدار پر فائز ہوئے، آپؑ نے معاویہ کو خط لکھا جس میں تحریر فرمایا ''امابعد! لوگوں نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر عثمان کو قتل کیا اور مشورہ واجماع سے میری بیعت کی۔ جب تجھے میرا خط پہنچے تو تجھے فوراً میری بیعت کرنی چاہئے اور شام کے معززین کا ایک وفد میرے پاس روانہ کر''۔

جب امیر المؤمنینؑ کا قاصد معاویہ کے پاس گیا اور اسے حضرتؑ کا خط سنایا تو معاویہ نے زبیر بن عوام کے نام ایک خط لکھوایا اور بنی عیس کے ایک شخص کو قاصد بنا کر زبیر کے پاس روانہ کیا اور اس نے خط میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔معاویہ کی طرف سے امیر المومنین زبیر کی طرف۔تجھ پر سلام ہو اور سلام کے بعد واضح ہو کہ میں نے اہل شام کو تیری بیعت کی دعوت دی تو سب نے کوئی چوں چرا کئے بغیر میرے ہاتھ پر تیری بیعت کر لی ہے۔تمہیں چاہئے کہ تم فوراً کوفہ وبصرہ پر قبضہ کر لو تا کہ ان شہروں پہ علیؑ قبضہ نہ کر سکے اور اگر تم نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا تو علیؑ کے ہاتھ میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔میں نے تیرے بعد طلحہ بن عبیداللہ کی بیعت کی ہے، تم دونوں مل کر خون عثمان کا نعرہ بلند کرو اور اس کے لئے خوب جدوجہد کرو۔اللہ تمہیں کامیاب کرے اور تم سے منحرف ہونے والوں رسوا کرے۔والسلام

جب یہ خط زبیر کو ملا تو وہ بہت خوش ہوا اور طلحہ کو بھی اس نے خط پڑھایا اور انہیں یقین ہو گیا کہ معاویہ کی مدد سے انہیں عنقریب خلافت ملنے ہی والی ہے اور معاویہ ان کا خیر خواہ ہے۔اس خط کے بعد یہ دونوں امیر المومنینؑ کے مخالف بن گئے۔پھر چند دنوں کے بعد یہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ لوگ عثمان کے دور میں بڑے تنگ تھے اور عثمان نے تمام کلیدی مناصب پر بنی امیہ کو فائز کر دیا تھا۔اب اللہ نے آپؑ کو یہ منصب عطا کیا ہے تو آپؑ ہمیں بھی اس میں شریک کریں اور ہمیں بھی گورنری عطا کریں۔یہ سن کر حضرت علیؑ

ؑ نے فرمایا: ''تم فی الحال اللہ کی تقسیم پر راضی رہو، میں تمہارے متعلق مزید غور وفکر کروں گا اور تم دونوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں صرف دیانت دار افراد کو ہی عامل مقرر کروں گا''۔ حضرتؑ کا یہ جواب سن کر دونوں مایوس ہو کر واپس چلے آئے، پھر وہ چند روز بعد آپؑ سے عمرہ کی اجازت لینے کے لئے گئے۔

احتجاج طبرسی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ میں امیر المومنینؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ طلحہ وزبیر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؑ سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپؑ نے فرمایا: ''تم اس سے پہلے بھی عمرہ کی سعادت حاصل کر چکے ہو، لہٰذا تمہیں نہیں جانا چاہئے''۔ ان دونوں نے بار بار حضرتؑ سے اجازت طلب کی تو آپؑ نے انہیں اجازت دے دی۔ جب اجازت لے کر چند قدم چلے تو حضرتؑ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''یہ دونوں عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے''۔ میں نے عرض کی: ''تو آپؑ انہیں جانے کی اجازت ہی نہ دیں''۔ حضرتؑ نے ان دونوں کو پھر بلایا اور ان سے کہا: ''تم عمرہ کرنے نہیں جا رہے، تم صرف بیعت توڑنے اور امت میں تفرقہ ڈالنے کی خاطر جانا چاہتے ہو''۔ دونوں نے حضرتؑ کے سامنے قسم کھائی کہ ہم نہ تو بیعت توڑنے جا رہے ہیں اور نہ ہی کوئی فتنہ وفساد کھڑا کریں گے۔ بعد ازاں حضرتؑ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ جانے لگے تو حضرتؑ نے مجھے فرمایا: ''یہ عمرہ کے لئے نہیں جا رہے''۔ میں نے عرض کی: ''تو آپؑ نے انہیں جانے کی اجازت ہی کیوں دی''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے انہیں اس لئے اجازت دی ہے کہ وہ دونوں اللہ کی قسم کھا چکے ہیں''۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرتؑ کا فرمان درست ثابت ہوا، دونوں مکہ گئے اور حضرت عائشہ سے ملاقات کی، آخر کار انہیں کو لے کر میدان کارزار میں آ گئے۔

علامہ معتزلی نے ابومخنف کی کتاب ''الجمل'' کے حوالہ سے تحریر کیا کہ جب طلحہ وزبیر بی بی عائشہ کو ساتھ لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت علیؑ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! عائشہ، طلحہ وزبیر کو ساتھ لے کر بصرہ روانہ ہو چکی ہے۔ اور طلحہ وزبیر میں سے ہر ایک اپنے آپ کو خلافت کا دوسرے سے زیادہ مستحق سمجھتا ہے۔ طلحہ بی بی عائشہ کا چچا زاد ہے اور زبیر اس کا بہنوئی ہے۔ یہ دونوں اپنا مقصود ہرگز حاصل نہ کر سکیں گے اور اگر بفرض محال یہ کامیاب بھی ہو گئے تو یہ دونوں حصول اقتدار کے لئے ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ یاد رکھو! خدا کی قسم! سرخ اونٹ پر بیٹھ کر سفر کرنے والی جتنا سفر کر رہی ہے وہ اللہ کی معصیت ونافرمانی اور ناراضگی میں کر رہی ہے۔ یہ اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارے گی۔ خدا کی قسم! اس کے لشکر کی تہائی قتل ہو جائے گی، تہائی بھاگ جائے گی اور تہائی توبہ کر لے گی۔ اور رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق مقام حوأب کے کتے اس پر بھونکیں گے..... طلحہ وزبیر بخوبی جانتے ہیں کہ وہ خطا کار ہیں اور کتنے ہی عالم ایسے گزرے ہیں جنہیں ان کی جہالت نے قتل کیا ہے اور ان کے پاس علم بھی تھا جس نے انہیں فائدہ نہیں پہنچایا تھا۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین نگہبان ہے۔ یاد رکھو! فتنہ شروع ہو چکا اور اسی فتنہ سے باغی گروہ بھی جنم لینے والا ہے۔ اپنا احتساب کرنے والے مؤمن کہاں ہیں؟ میرا قریش سے کیا تعلق؟ خدا کی قسم! جب یہ ظاہری کافر تھے تو میں نے انہیں قتل کیا تھا اور آج جب وہ فتنہ کی لپیٹ میں آ چکے ہیں تو بھی میں انہیں قتل کروں گا۔ اور ہم نے عائشہ کا کوئی قصور نہیں کیا البتہ ہم نے اسے اپنے خاندان میں شامل کیا ہے۔ خدا کی قسم! میں باطل کے پیٹ کو چیر کر حق کو اس کی کوکھ سے برآمد کر کے رہوں گا''۔

خطبہ کا پس منظر

محدث مجلسیؒ نے امالی مفیدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کاتب نے زعفرانی سے، اس نے ثقفی سے، اس نے فضل بن دکین سے، اس نے قیس بن مسلم سے، اس نے طارق بن شہاب سے روایت کی ہے۔ طارق کا بیان ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام اپنا لشکر لے کر ربذہ پہنچے تو میں نے حضرتؑ سے ملاقات کی اور آپؑ سے دریافت کیا کہ وہ لشکر لے کر کہاں جا رہے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''طلحہ، زبیر اور عائشہ نے میری مخالفت کی ہے اور انہوں نے بصرہ میں شورش بپا کی ہے، میں ان کی سرکوبی کے لئے جا رہا ہوں''۔ میں حضرتؑ کے پاس بیٹھا رہا یہاں تک کہ حضرتؑ نے ظہر و عصر کی نماز ادا کی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپؑ کے فرزند حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اٹھ کر آپؑ کے سامنے جا بیٹھے اور رونے لگے اور عرض کی: ''بابا جان! میری اتنی جرأت نہیں کہ میں آپؑ کے سامنے کچھ عرض کر سکوں''۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''فرزند! تمہیں رونے کی ضرورت نہیں ہے اور جو کہنا ہے ہو کہہ دو''۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! جب لوگوں نے عثمان کا محاصرہ کیا تھا اور انہوں نے اس سے رد مظالم کا تقاضا کیا تو میں نے آپؑ سے عرض کیا تھا کہ آپؑ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور خاموشی سے مکہ چلے جائیں۔ مجھے یقین تھا کہ قتل عثمان کے بعد لوگ خلافت کے لئے آپؑ کا ہی انتخاب کریں گے اور آپؑ تک پہنچ جائیں گے (مگر آپؑ نے میری درخواست ان سنی کر دی)۔ پھر طلحہ و زبیر نے آپؑ کی مخالفت کی تو میں نے عرض کیا کہ آپؑ طلحہ و زبیر کا تعاقب نہ کریں اور آج بھی میں آپؑ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپؑ عراق نہ جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں آپؑ شہید ہو جائیں''۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''فرزند! تمہارا یہ کہنا کہ لوگوں نے عثمان کا محاصرہ کیا تو اس سے میرا کیا واسطہ تھا، محاصرہ کرنے والوں سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ میں مکہ چلا جاؤں تو یاد رکھو! میں وہ فرد بننا پسند نہیں کرتا جس کہ وجہ سے مکہ کی بے حرمتی ہو۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں طلحہ و زبیر کا تعاقب نہ کروں تو میں بجّو کی طرح بننا ہرگز پسند نہیں کرتا جو خاموش ہو کر پڑا رہتا ہے یہاں تک کہ شکاری اس کے پاؤں میں جا کر رسی ڈال دیتا ہے اور پھر اسے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ تیرا باپ حق کی طرف بڑھنے والوں اور گوش بر آواز اطاعت شعاروں کو لے کر حق سے انحراف کرنے والوں پر اپنی تلوار چلائے گا۔ یہاں تک کہ میری موت کا دن آ جائے۔ خدا کی قسم! جب سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو اٹھایا اس دن سے لے کر آج تک تیرے باپ کو حق سے محروم رکھا گیا اور دوسروں کو مجھ پر مقدم کیا گیا''۔ طارق بن شہاب جب بھی یہ روایت بیان کرتا تھا تو رو دیتا تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے یہ خطبہ ربذہ میں دیا اور شارح بحرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے یہ خطبہ مکہ میں دیا تھا۔ (شاید دونوں جگہ پر یہ خطبہ دیا تھا، کیونکہ ان کے الفاظ میں اختلاف سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دونوں علیحدہ علیحدہ خطبے ہیں)۔ وَاللّٰہُ الْعَالِمُ بِحَقَائِقِ الْوَقَائِعِ

خطبہ ۷

شیطان کے آلہ کار

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِتَّخَذُوا الشَّيْطَانَ لِاَمْرِهِمْ مِلَاكًا وَ اتَّخَذَهُمْ لَهٗ اَشْرَاكًا فَبَاضَ وَ فَرَّخَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ وَ دَبَّ وَ دَرَجَ فِیْ حُجُوْرِهِمْ فَنَظَرَ بِاَعْيُنِهِمْ وَ نَطَقَ بِاَلْسِنَتِهِمْ فَرَكِبَ بِهِمُ الزَّلَلَ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الْخَطَلَ فِعْلَ مَنْ قَدْ شَرَّكَهُ الشَّيْطَانُ فِیْ سُلْطَانِهٖ وَ نَطَقَ بِالْبَاطِلِ عَلٰی لِسَانِهٖ.

اور یہ آپؑ کا ہی خطبہ ہے؛

انہوں نے اپنے ہر کام کا کرتا دھرتا شیطان کو بنا رکھا ہے اور اس نے انہیں اپنا آلہ کار بنا لیا ہے۔ اس نے ان کے سینوں میں انڈے دیئے اور بچے نکالے ہیں اور انہی کی گود میں وہ بچے اچھلتے کودتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے تو ان کی آنکھوں سے اور بولتا ہے تو ان کی زبانوں سے۔ اس نے انہیں خطاؤں کی راہ پر لگایا ہے اور بری باتیں سجا کر ان کے سامنے رکھی ہیں جیسے اس نے انہیں اپنی سلطنت میں شریک بنا لیا ہو اور انہی کی زبانوں سے اپنے کلام باطل کے ساتھ بولتا ہو۔

تشریح لغات (اَلشَّيْطَانُ) بروزن فِيْعَالٌ (فَعْلَانٌ) شَطُنَ سے ماخوذ ہے اور شَطُنَ کا معنی ہے تَبَاعَدَ یعنی دور ہوا کیونکہ ابلیس لعین اللہ کا ذکر سن کر دور ہو جاتا ہے یا یہ کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے اسی لئے اسے شیطان کہا جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ (شَاطَ يَشِيْطُ) سے (فَعْلَانٌ) کے وزن پر اسم فاعل ہے اور (شَاطَ يَشِيْطُ) کا معنی ہے غصہ سے جل بھن جانا، تو یہ لعین جب کسی بندہ کو اطاعت الٰہی میں مصروف دیکھتا ہے تو غصہ سے جل بھن جاتا ہے، اسی لئے اسے شیطان کہا جاتا ہے۔ (مِلَاكُ) الْاَمْرِ کسی چیز کی بنیاد اور معیار بن جانا۔ (اَشْرَاكٌ) کے متعلق دو قول ممکن ہیں:

۱۔ شریک کی جمع ہے، جیسے شریف کی جمع اشراف بنتی ہے اسی طرح سے شریک کی جمع اشراک بنتی ہے۔

۲۔ یا یہ لفظ (شِرْكٌ) کی جمع ہے اور (شِرْكٌ) شکاری کے جال کو کہا جاتا ہے۔ اور عام طور پر اس کی جمع (شُرُكٌ) یعنی شین اور را پر پیش کے ساتھ آتی ہے۔ اور کبھی اس کی جمع (اَشْرَاكٌ) آتی ہے۔ جیسا کہ (جَبَلٌ) کی جمع (اَجْبَالٌ) بھی آتی ہے۔ (بَاضَ) الطَّائِرُ پرندے نے انڈے دیئے۔ (فَرَّخَ) از باب تفعیل، پرندے نے بچے نکالے۔ (دَبَّ) الصَّغِيْرُ دَبِيْبًا کسی بچے کا پاؤں پاؤں چلنا۔ اس کا تعلق باب (ضَرَبَ) اور باب (قَعَدَ) سے ہے اور لفظ (دَبِيْبٌ) حرکت کے لئے مخصوص ہے۔ (اَلْخَطَلُ) کلام باطل، بے ہودہ گفتگو (اَخْطَلَ فِیْ كَلَامِهٖ) کا معنی ہے اس نے اپنی گفتگو میں خطا کی۔

اعراب

(فِعْلَ مَنْ قَدْ شَرَّكَهُ)''اِتَّخَذُوْا''،فعل کا مفعول مطلق مجازی ہے۔اس کا عامل محذوف ہےاور تقدیرعبارت یوں ہے:فَعَلُوْا ذٰلِکَ فِعْلَ مَنْ.....

مفہوم

حضرتؑ نے یہ خطبہ منافقین اورآپؑ کی اطاعت سے سرپیچی کرنے والےافراد کی مذمت میں ارشادفرمایااوراعلان کیا(اتَّخَذُوْا الشَّيْطَانَ لِاَمْرِهِمْ مِلَاكًا)انہوں نے ہرکام کا کرتادھرتا شیطان کو بنارکھا ہے۔ان لوگوں نے شیطان کواپناحاکم ووالی بنایا ہوا ہےاوروہی ان کامتصرف کُل ہےاوروہی اپنے احکامات ان میں جاری کرتا ہے۔یہ لوگ ان آیات کے مصداق ہیں﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوْا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾(اعراف/۲۷،۳۰)بےشک ہم نے شیاطین کو بے ایمان انسانوں کا سرپرست بنادیا ہے،انہوں نے شیاطین کواپناولی بنالیا ہےاورخدا کونظرانداز کردیا ہےاورپھران کا خیال ہے کہ وہ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔یقیناً ایسے افرادحق کے دشمن اور باطل نواز ہوتے ہیں اور ایسے لوگ رحمان کی ولایت سے نکل کر شیطان کی ولایت میں آجاتے ہیں اور یہ اسی لعین کے اوامرونواہی کی پابندی کرتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴾(النحل/۱۰۰)شیطان کا غلبہ صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جواسے سرپرست بناتے ہیں اوراللہ کے بارے میں شرک کرتے ہیں۔

حزب شیطان

(وَ اتَّخَذَهُمْ لَهٗ اَشْرَاكًا)اوراس نے انہیں اپنا آلہ کار بنالیا ہے۔یہ لوگ شیطان کےلشکر کے سپاہی بن چکے ہیں اوران کی حالت کی ترجمانی قرآن مجید کی اس آیت سے بخوبی ہوتی ہے﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ﴾(مجادلہ/۱۹)ان پرشیطان غالب آگیا ہےاوراس نے انہیں ذکرخدا سے غافل کردیا ہے۔آگاہ ہوجاؤ کہ یہ شیطان کا گروہ ہیں اورشیطان کا گروہ بہرحال خسارے میں رہنے والا ہے۔اوراگرلفظ(اَشْرَاكٌ)کو(شِرْكٌ)کی جمع قرار دیا جائےتو شارح بحرانی کےفرمان کے مطابق یہ ایک حسین استعارہ ہوگا،کیونکہ(اَشْرَاك)شکاری کے دام اور پھانسنے کے آلات کوکہا جاتا ہے توان لفظوں سے حضرتؑ نےحسین اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:''ان لوگوں نے ابلیس کواپنا سرپرست اورکرتا دھرتا بنایا ہوا ہےاوراس ملعون نے جواباًان کواپنا جال بنالیا ہے وہ کسی کوشکار کرتا ہےتوانہی کے ذریعہ سے،وہ کسی کو پھانستا ہےتوان کی تقریر سے،کسی کواپنا ہم نوا بناتا ہےتو انہی کے کردار سے اورکسی کوخلیفۃ اللہ اورامام وقت کی اطاعت سے منحرف کرکے باغی بناتا ہےتوانہی کے وسیلہ سے ایسا کرتا ہے۔یہ لوگ صرف شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ بذات خودشیطان کے پھندے ہیں''۔

بعدازاں حضرتؑ نے ان کے شیطان سے قریبی تعلقات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا(فَبَاضَ وَ فَرَّخَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ)اس نے

ان کے سینوں میں انڈے دیئے اور بچے نکالے ہیں۔کوئی بھی پرندہ پہلے دن نہ تو انڈے دیتا ہے اور نہ ہی بچے نکالتا ہے، اس کے لئے ایک طویل وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب اسے انڈے دینا ہو تو سب سے پہلے اپنا آشیانہ بناتا ہے۔تو ان منافقوں کے دلوں میں شیطان نے گھر کیا ہوا ہے اور ان کے منحوس سینے اس کے لئے آشیانہ کی طرح ہیں۔وہ رہتا ہے تو ان کے سینوں میں اور انڈے دیتا ہے تو بھی انہی کے دلوں میں۔ان کے دلوں میں شیطانی وسوسے جنم لیتے ہیں اور وہیں پر فروغ پاتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں۔اور اس جملہ کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ اپنے اصلی معنی پر محمول ہو، کیونکہ ابلیس لعین اپنی نسل کشی کے لئے انڈے دیتا ہے اور اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ذیل میں الخصال اور علل الشرائع کی روایات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''باپ تین ہیں:

۱۔آدم نے مؤمن کو جنا۔ ۲۔''جان'' نے کافر کو جنا۔ ۳۔ابلیس نے بھی کافر کو جنا۔

اس میں مرد و عورت کا سلسلہ نہیں ہے، اس کی اولاد میں صرف نر ہی نر ہیں۔وہ انڈے دیتا ہے اور اس سے اس کی نسل چلتی ہے''۔علل الشرائع میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے جب حضرت آدمؑ کو جنت سے بھیجا تو آدمؑ و حوا جنت سے برآمد ہوئے اور ان کے ساتھ شیطان بھی جنت سے باہر نکلا۔اس کی بیوی نہیں تھی اور سانپ بھی نکلا، اس کی مادہ بھی اس کے ساتھ نہ تھی، اس کائنات میں ابلیس نے سب سے پہلے اپنے آپ سے بدفعلی کی تو اس سے اس کی نسل نے جنم لیا اور سانپ کی نسل بھی اسی طرح سے جاری ہوئی اور نسل آدم اس کی بیوی سے جاری ہوئی۔اللہ نے آدم و حوا کو خبردار کیا کہ شیطان اور سانپ اس کے دشمن ہیں''۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد حقیقی معانی نہیں، کیونکہ کنایہ تصریح سے فصیح تر ہوتا ہے۔حضرتؑ کے مذکورہ فرمان کا مقصد یہ ہے کہ شیطان بلا روک ٹوک ان کے پاس آجاتا ہے وہ اس طرح ان کے خون میں رچ کیا اور روح میں بس گیا ہے کہ دوئی کے پردے بھی اٹھ چکے ہیں، جیسا کہ رسولؐ خدا کا فرمان ہے: ''اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اِبْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ ''شیطان اولاد آدم کے رگ و پے میں خون کی جگہ دوڑتا ہے۔

الغرض ابلیس لعین ان کے سینوں میں یوں قبضہ کر کے بیٹھ گیا ہے جیسا کہ کوئی پرندہ اپنے آشیانہ میں اپنے انڈوں پر بیٹھتا ہے۔(وَ دَبَّ وَ دَرَجَ فِیْ حُجُوْرِهِمْ) اور انہی کی گود میں وہ بچے رینگتے اور اچھلتے کودتے ہیں۔یعنی وہ بچے بغیر کسی جھجک کے ان کی گودیوں میں اچھل کود مچاتے ہیں۔بالفاظ دیگر ان کے دلوں میں شیطانی وسوسے جنم لیتے ہیں اور وہیں پر فروغ پاتے اور پروان چڑھتے ہیں۔شیطانی تفکرات کے لئے ان کے ہاں کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور نہ ہی کسی قسم کی بندش ہے۔وہ سوتے جاگتے اور اٹھتے بیٹھتے برابر برائیوں کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔(فَنَظَرَ بِاَعْیُنِهِمْ وَ نَطَقَ بِاَلْسِنَتِهِمْ) چنانچہ شیطان دیکھتا ہے تو ان کی آنکھوں سے اور بولتا ہے تو بھی ان کی زبانوں سے۔حضرتؑ نے بیان فرمایا کہ منافقین کے اعضاء و جوارح ان کے اپنے اختیار میں ہرگز نہیں ہیں۔ان کے تمام اعضاء و جوارح براہ راست ابلیس کے تصرف میں ہیں لہٰذا یہ لوگ اگر دیکھیں گے تو صرف وہی جسے شیطان دیکھنا چاہتا ہے اور اگر زبان کھولیں گے تو شیطان کے مفاد میں ان کی زبان کھلے گی۔یہ لوگ شیطان لعین کے آلہ کار ہیں۔(فَرَکِبَ بِهِمُ الزَّلَلَ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الْخَطَلَ فِعْلَ مَنْ قَدْ شَرَّکَهُ

الشَّيْطَانُ فِيْ سُلْطَانِهٖ وَ نَطَقَ بَالْبَاطِلِ عَلٰى لِسَانِهٖ)اس نے انہیں اپنی خطاؤں کی راہ پر لگا دیا ہے اور بری باتیں سج کر ان کے سامنے رکھی ہیں جیسے اس نے انہیں اپنے تسلط میں شریک بنالیا ہو اور انہی کی زبانوں سے اپنے کلام باطل کے ساتھ بولتا ہو۔ ان لوگوں کی تمام حرکات وسکنات ابلیس کے تابع ہیں اور یہ لوگ ابلیسی وسوسوں کی پذیرائی کے لئے ہمہ وقت آمادہ ومستعد رہتے ہیں اور یہی لوگ اسلام کا نقاب اوڑھ کر کفر کو فروغ دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

خطبہ ۸

زبیر کی بیعت شکنی

وَ مِنْ كَلَامٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْنِىْ بِهِ الزُّبَيْرَ فِىْ حَالٍ اِقْتَضَتْ ذٰلِكَ

يَـزْعَمُ اَنَّهٗ بَايَعَ بِيَدِهٖ وَ لَمْ يُبَايِعْ بِقَلْبِهٖ فَقَدْ اَقَـرَّ بِـالْبَيْـعَةِ وَ ادَّعَـى الْـوَلِيْجَةَ فَلْيَأْتِ عَلَيْهَا بِاَمْرٍ يُعْرَفُ وَ اِلَّا فَلْيَدْخُلْ فِيْمَا خَرَجَ مِنْهُ

یہ کلام زبیر کے متعلق اس وقت فرمایا جب حالات اس قسم کے بیان کے مقتضی تھے۔

وہ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ اس نے بیعت ہاتھ سے تو کر لی تھی مگر دل سے نہیں کی تھی۔ بہر حال اس نے بیعت کا اقرار تو کر لیا، لیکن اسے چاہئے کہ اپنے اس دعویٰ کیلئے کہ اس کے دل میں کھوٹ تھا، کوئی واضح دلیل پیش کرے ورنہ جس بیعت سے وہ منحرف ہوا ہے اس میں واپس آئے۔

تشریح لغت (وَلَجَ) يَلِجُ وَلُوْجًا، داخل ہوا۔ (وَلِيْجَةٌ) دل کی بات، معتمد خاص اور یہاں دل کی بات مراد ہے۔

اعراب

فَقَدْ اَقَرَّ، فَلْيَأْتِ میں فاء فائے فصیحہ ہے۔ اور فَلْيَدْخُلْ میں فاء جواب شرط ہے۔

مفہوم

زبیر بن عوام نے حضرتؑ کی بیعت توڑ کر بغاوت وسرکشی کی راہ لی تو وہ اپنی بغاوت کے متعلق مختلف تاویلوں کا سہارا لیتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ میں نے مجبوراً بیعت کی تھی اور دل سے بیعت نہیں کی تھی اور کبھی کہتا تھا کہ میں نے توریہ سے کام لیا تھا میرا دل اس سے مطمئن نہیں تھا۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے اس کے اس حیلہ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا (يَـزْعَـمُ اَنَّـهٗ بَايَعَ بِيَدِهٖ وَ لَمْ يُبَايِعْ بِقَلْبِهٖ) وہ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ اس نے ہاتھ سے بیعت کی تھی لیکن دل سے بیعت نہیں کی تھی۔ اس کے اس عذر کا جواب دیتے ہوئے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (فَقَدْ اَقَرَّ بِالْبَيْعَةِ) بہر صورت اس نے بیعت کا تو اقرار کر لیا۔ اور اس نے یہ تسلیم کیا کہ وہ بیعت کر چکا ہے۔ (وَ ادَّعَى الْوَلِيْجَةَ) اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ دل میں اس بیعت پر راضی نہ تھا۔ (فَلْيَأْتِ عَلَيْهَا بِاَمْرٍ يُعْرَفُ) اسے اس دعویٰ کے اثبات کیلئے کوئی واضح دلیل پیش کرنی چاہئے۔ جب کہ بیعت کو تو وہ خود بھی تسلیم کرتا ہے اور بہانہ یہ بناتا ہے کہ اس کا دل بیعت پر مطمئن نہیں تھا۔ تو اسے اس کے لئے کوئی

واضح ثبوت پیش کرنا چاہئے۔(وَ اِلَّا فَلْیَدْخُلْ فِیْمَا خَرَجَ مِنْهُ)ورنہ جس بیعت سے وہ منحرف ہوا ہے اس میں واپس آجائے۔کیونکہ وہ اپنے دل کے عدم اطمینان کے لئے کوئی واضح دلیل و برہان لانے سے عاجز ہے۔لہٰذا اس کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ دوبارہ اپنی بیعت کو نبھانے کی کوشش کرے اور طاعت وفرمانبرداری کے تقاضوں کو پورا کرے۔

زبیر کی بیعت شکنی اوراس کا انجام

شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ طلحہ وزبیر جب مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تو راستے میں ہر ملنے والے سے کہتے تھے کہ ہماری گردن میں علیؑ کی کوئی بیعت نہیں ہے، ہم نے مجبور ہوکر علیؑ کی بیعت کی تھی۔حضرت علی علیہ السلام کو جب ان کی اس گفتگو کا علم ہوا تو فرمایا:''خدا انہیں دور کرے اوران کے گھروں کو دور کرے اور خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ دونوں بہت برے طریقے سے قتل ہوں گے۔اور اپنے ساتھ اپنے پیروکاروں کو بھی بدترین گھاٹ پر اتاریں گے۔میرے پاس فاجر بن کر آئے اور عہد شکن بن کر یہاں سے نکلے۔خدا کی قسم! میری اوران کی ملاقات عنقریب ایک بہت عظیم لشکر میں ہوگی جہاں یہ دونوں قتل ہوں گے۔خدا انہیں اپنی رحمت سے دور کرے''۔

احتجاج طبرسی میں نصر بن مزاحم سے روایت ہے کہ جنگ جمل میں جب طلحہ قتل ہوگیا تو حضرت امیر المؤمنینؑ رسولؐ خدا کے شہباء نامی خچر پر سوار ہوکر دونوں صفوں کے درمیان آئے اور زبیر کو بلایا۔زبیر اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر حضرتؑ کے قریب آیا، یہاں تک کہ دونوں کے گھوڑوں کی کنوتیاں ایک دوسرے سے مل گئیں تو حضرتؑ نے فرمایا:''زبیر! تجھے خدا کا واسطہ دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں کیا تو نے رسولؐ خدا سے یہ الفاظ نہیں سنے تھے کہ تو علیؑ سے جنگ کرے گا اور تو ظالم ہوگا''۔زبیر نے کہا:''جی ہاں! میں نے یہ الفاظ سنے تھے!''۔حضرتؑ نے فرمایا:''پھر یہاں کیوں آیا ہے؟''۔زبیر نے کہا:''میں لوگوں کی اصلاح کی غرض سے آیا تھا''۔اس کے بعد زبیر یہ شعر پڑھتا ہوا میدان سے واپس جانے لگا؛

تَرْكُ الْاُمُوْرِ الَّتِیْ یُخْشٰی عَوَاقِبُهَا ۔۔۔ لِلّٰهِ اَجْمَلُ فِی الدُّنْیَا وَ فِی الدِّیْنِ

اَتٰی عَلِیٌّ بِاَمْرٍ کُنْتُ اَعْرِفُهٗ ۔۔۔ قَدْ کَانَ عُمْرُ اَبِیْكَ الْخَیْرِ مُذْ حِیْنَ

فَقُلْتُ حَسْبُكَ مِنْ عَدْلٍ اَبَا حَسَنٍ ۔۔۔ فَبَعْضُ مَا قُلْتَهٗ ذَا الْیَوْمِ یَکْفِیْنِیْ

فَاخْتَرْتُ عَارًا عَلٰی نَارٍ مُؤْجَحَةٍ ۔۔۔ اَنِّیْ بِقَوْمٍ لَهَا خَلْقٌ مِنَ الطِّیْنِ

نَبِئْتُ طَلْحَةَ وَسَطَ النَّقْعِ مُنْجَدِلًا ۔۔۔ مَأْوَی الضُّیُوْفِ وَ مَأْوٰی کُلِّ مِسْکِیْنِ

قَدْ کُنْتُ اَنْصُرُهٗ اَحْیَانًا وَ یَنْصُرُنِیْ ۔۔۔ فِی النَّائِبَاتِ وَ یَرْمِیْ مَنْ یُرَامِیْنِیْ

حَتّٰی ابْتُلِیْنَا بِاَمْرٍ ضَاقَ مَصْدَرُهٗ ۔۔۔ فَاَصْبَحَ الْیَوْمَ مَا یُغْنِیْهِ یُغْنِیْنِیْ

ان امور کا چھوڑ دینا جن کے انجام کے متعلق خطرہ ہو، دین اور دنیا دونوں کے لئے بہتر ہے۔علیؑ نے میرے سامنے وہ امر پیش کیا جسے

میں جانتا تھا۔ تیرے باپ کا بھلا ہوا گر چہ اس خبر کو بڑا عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے کہا: ''ابوالحسن! بلحاظ عدل وعدالت تو کافی ہے اور جو کچھ تو نے کہا ہے اس کے تھوڑے سے الفاظ بھی میرے لئے کافی ہیں''۔ میں نے بھڑکتی ہوئی آگ پر عار اور ذلت کو ترجیح دی ہے۔ بھلا آگ کے سامنے مٹی سے بنی ہوئی مخلوق کیا تاب لاسکتی ہے؟ طلحہ کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میدان میں مارا جا چکا ہے۔ وہ مہمان نواز اور مسکینوں کا سہارا تھا۔ زندگی میں کبھی میں اس کی مدد کرتا تھا اور وہ بھی مشکلات میں میری مدد کرتا تھا اور میرے دشمنوں سے جنگ کرتا تھا۔ پھر ہم ایسی مشکل میں جا پھنسے جہاں سے نکلنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ آج وہ اور میں ایک ہی مسئلے کا شکار ہیں۔

پھر زبیر بی بی عائشہ کے پاس آیا اور کہا: ''امی جان! اب میرے پاس کوئی بصیرت و روشن دلیل نہیں ہے لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں''۔ بی بی عائشہ نے کہا: ''عبداللہ کا باپ! فرزند ابوطالب کی تلواروں کو دیکھ کر فرار ہو رہا ہے؟''۔ زبیر نے کہا: ''خدا کی قسم! وہ تلواریں بھی بڑی لمبی اور کاٹ دار ہیں جنہیں بہادروں نے اٹھایا ہوا ہے''۔ پھر زبیر میدان کو چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ اس کا گزر وادی السباع سے ہوا۔ وہاں احنف بن قیس، بنی تمیم کو لے کر الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے احنف کو خبر سنائی کہ زبیر واپس جا رہا ہے تو اس نے کہا: ''عجیب بات ہے! مسلمانوں کو دست و گریباں کرانے کے بعد اب وہ واپس اپنے اہل وعیال میں جا رہا ہے؟ بھلا ایسے شخص کا میں کیا کروں؟''۔ ابن جرموز نے یہ سنا تو دو آدمیوں کو لے کر زبیر کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اس وقت زبیر کے ساتھ بنی کلب کا ایک شخص تھا اور اس کا ایک غلام بھی تھا۔ جب زبیر کے ساتھیوں نے ابن جرموز کو آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے گھوڑے دوڑائے اور زبیر کو تنہا چھوڑ دیا۔ زبیر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یوں کیوں بھاگ رہے ہو؟ ہم بھی تین افراد ہیں اور آنے والے بھی تین ہی آدمی ہیں۔ اتنے میں ابن جرموز، زبیر کے پاس پہنچ گیا زبیر نے اس سے کہا: ''خدا کے بندے تجھے مجھ سے کیا کام ہے؟''۔ ابن جرموز نے کہا: ''میں تجھ سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ لوگوں کا کیا بنا؟'' زبیر نے کہا: ''جب میں وہاں سے روانہ ہوا تھا تو لوگ تلواریں لے کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے''۔

ابن جرموز نے کہا: ''مجھے چند سوالات کے جواب دو!''۔ زبیر نے کہا: ''بھلا پوچھو!''۔ ابن جرموز نے کہا: ''مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے عثمان کی مخالفت کیوں کی؟ علیؑ کی بیعت کیوں کی؟ اور پھر بیعت کیوں توڑی؟ ام المؤمنین کو گھر سے نکال کر میدان میں کیوں لائے؟ اپنے بیٹے کی امامت میں نماز کیوں پڑھی؟ اور پھر جنگ بپا کر کے اپنے گھر کی طرف روانگی کیوں اختیار کر لی؟''۔ زبیر نے کہا: ''عثمان کی مخالفت کر کے میں نے غلطی کی تھی پھر توبہ کر لی، علیؑ کی بیعت اس لئے کی تھی کہ تمام مہاجرین وانصار اس کی بیعت کر چکے تھے اس لئے میرے پاس بیعت نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا تھا، میں نے بیعت اس لئے توڑی کہ میں نے صرف رسماً بیعت کی تھی دل سے بیعت نہیں کی تھی۔ اور ام المؤمنین کو گھر سے اس لئے باہر نکال لایا کہ ہم نے تو ایک امر کا ارادہ کیا تھا جب کہ اللہ کا ارادہ اور تھا اور میں نے اپنے بیٹے کے پیچھے اس لئے نماز پڑھی کہ اس کی خالہ نے اسے مصلائے امامت پر کھڑا کیا تھا''۔ یہ سن کر ابن جرموز تھوڑا سا پیچھے ہوا اور کہا: ''مجھے اللہ مارے اگر میں نے تجھے قتل نہ کیا''۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ اس مکالمے کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر کچھ فاصلہ رکھ کر چلنے لگے اور دونوں ایک دوسرے سے خوفزدہ تھے۔ اسی اثناء میں نماز کا وقت ہوا تو زبیر نے کہا: ''میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں''۔ ابن جرموز نے کہا: ''میں بھی نماز پڑھنا چاہتا ہوں''۔ زبیر نے کہا پھر میری طرف سے تجھے امان ہے اور تو بھی مجھے امان دے۔ ابن جرموز نے کہا: ''میری طرف سے تجھے امان

ہے''۔ زبیر نے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہوا۔ ابن جرموز نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر، انگشتری اور تلوار لے کر احنف بن قیس کے پاس آیا۔ احنف نے کہا: ''خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ تو نے اچھا کیا یا برا کیا، تو علیؑ کے پاس چلا جا''۔ چنانچہ زبیر کا قاتل حضرتؑ کے پاس آیا اور دربان سے کہا کہ علیؑ سے جا کر کہو کہ عمرو بن جرموز دروازے پر کھڑا ہے اور اس کے پاس زبیر کا سر اور تلوار ہے اور وہ داخل ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرتؑ نے اسے داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

بہت سی روایات میں یوں مروی ہے کہ وہ زبیر کا سر لے کر نہیں آیا تھا، وہ فقط زبیر کی تلوار لے کر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ حضرتؑ نے اس سے فرمایا: ''تو نے اسے قتل کیا ہے؟''۔ ابن جرموز نے کہا: ''جی ہاں! میں نے اسے قتل کیا ہے''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''صفیہ کا بیٹا بزدل اور لئیم تو نہیں تھا البتہ ہلاکت اس پر وارد ہونی تھی اور بری طرح سے قتل ہونا اس کا مقدر بن چکا تھا''۔ پھر حضرتؑ نے زبیر کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا: ''اس تلوار نے کئی بار رسولؐ خدا کے چہرے سے مصائب کو ہٹایا تھا''۔ ابن جرموز نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! آپؑ مجھے انعام دیں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ فرزند صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دینا''۔ ابن جرموز ناکام ہو کر حضرتؑ کے پاس سے باہر آیا اور اس نے یہ اشعار پڑھے؛

اَتَیْتُ عَلِیًّا بِرَأْسِ الزُّبَیْرِ ... اَبْغِیْ بِهٖ عِنْدَهُ الزُّلْفَةَ

فَبَشَّرَ بِالنَّارِ یَوْمَ الْحِسَابِ ... فَبِئْسَتْ بَشَارَةٌ ذِی التُّحْفَةِ

فَقُلْتُ لَهُ اِنَّ قَتْلَ الزُّبَیْرِ ... لَوْ لَا رِضَاكَ مِنَ الْكُلْفَةِ

فَاِنْ تَرْضَ ذَاكَ فَمِنْكَ الرِّضَا ... وَ اِلَّا فَدُوْنَكَ لِیْ كُلْفَةٌ

وَ رَبُّ الْمُحِلِّیْنَ وَ الْمُحْرِمِیْنَ ... وَ رَبُّ الْجَمَاعَةِ وَ الْاُلْفَةِ

لَسَیَّانِ عِنْدِیْ قَتْلُ الزُّبَیْرِ ... وَ ضُرْطَةُ عَنْزٍ بِذِی الْجُحْفَةِ

میں علیؑ کے پاس زبیر کا سر لے کر گیا اور چاہتا تھا کہ مجھے علیؑ کا تقرب نصیب ہو۔ لیکن اس نے مجھے روز آخرت کی دوزخ کی بشارت دی۔ اس تحفہ کے بدلے میں بہت بری بشارت دی گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپؑ کی رضا شامل نہ ہو تو زبیر کا قتل ایک تکلیف دہ امر ہے۔ اگر آپؑ اس بات پہ راضی ہو جائیں تو یہ بہتر ہے ورنہ میں آپؑ سے دوری اختیار کر لوں گا۔ حل وحرم میں رہنے والوں کے رب اور جماعت و الفت کے رب کی قسم! مقام ذی جحفہ میں بھیڑ کی ناک سے بہنے والا پانی اور زبیر کا قتل دونوں میری نظر میں یکساں ہیں۔ پھر ابن جرموز چلا گیا اور یہی ابن جرموز بعد میں خارجی ہو گیا تھا اور حضرتؑ کے ہاتھوں نہروان میں قتل ہو گیا تھا۔

ایک سوال اوراس کا جواب

اس مقام پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر زبیر کی توبہ صحیح نہ ہوتی تو حضرت علیؑ اس کے قاتل کو دوزخ کی بشارت نہ دیتے۔ اور علامہ معتزلی لکھتے ہیں کہ گروہ معتزلہ اسی وجہ سے زبیر کی توبہ کو صحیح سمجھتا ہے اور انہیں تائب قرار دیتا ہے۔

اس سوال کے جواب کے لئے چند اقوال کہے جا سکتے ہیں؛

۱۔ کسی فرد کے قاتل کے دوزخی ہونے کا یہ مفہوم ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا کہ مقتول جنتی تھا اور وہ تائب تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن جرموز نے اسے امان دی تھی اور امان دینے کے بعد (نماز کی حالت میں) اسے قتل کیا تھا اور یہ بدترین غداری ہے اور اس کے معصیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اسی غداری کی وجہ سے ابن جرموز دوزخی قرار پایا، اس سے مقتول کا جنتی ہونا کسی طور بھی ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن جرموز کے دوزخی ہونے کا اس لئے اعلان کر گئے تھے کہ آپؐ نے نوروحی سے معلوم کر لیا تھا کہ وہ گروہ خوارج میں شمولیت اختیار کرے گا (اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوگا) اور خوارج کے لئے جنت میں جانا محال ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن جرموز، زبیر کے قاتل ہونے کی وجہ سے دوزخی نہیں بنا بلکہ خوارج میں شمولیت کی وجہ سے دوزخی قرار پایا۔ اس سے زبیر کی نجات اور صحت توبہ کا استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ سب سے واضح ترین بات یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ زبیر کو تائب اور بے گناہ سمجھتے تو ابن جرموز کو قصاص میں قتل کرتے، لیکن آپؑ نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ، زبیر کو تائب ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔

اس مسئلے کی مزید تحقیق خطبہ ۱۳۷ کی شرح میں پیش کی جائے گی۔

خطبہ ۹

گرجنے والے بزدل

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور یہ بھی آپؑ ہی کا کلام ہے

وَ قَدْ اَرْعَدُوْا وَ اَبْرَقُوْا وَ مَعَ هٰذَيْنِ الْاَمْرَيْنِ الْفَشَلُ وَ لَسْنَا نُرْعِدُ حَتّٰى نُوْقِعَ وَ لَا نُسِيْلُ حَتّٰى نُمْطِرَ.

وہ رعد کی طرح گرجے اور بجلی کی طرح چمکے مگر ان دونوں باتوں کے باوجود بزدلی ہی دکھائی۔ اور ہم جب تک دشمن پر ٹوٹ نہیں پڑتے گرجتے نہیں اور جب تک عملی طور پر برس نہیں لیتے (لفظوں کا) سیلاب نہیں بہاتے۔

تشریح لغت

(اَرْعَدَ الرَّجُلُ وَ اَبْرَقَ) اس نے ڈرایا دھمکایا۔ کمیت کا ایک شعر ہے ؎

اَبْرِقْ وَ اَرْعِدْ يَا يَزِيْدُ فَمَا وَعِيْدُكَ لِيْ بِضَائِرٍ

یزید! جتنا چاہے گرج چمک لے۔ تیری دھمکیاں مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ (اَلْفَشَلُ) فا اور شین کی زبر کے ساتھ، بزدلی اور کمزوری۔

اعراب

(اَلْفَشَلُ) مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر کو بطور ''توسع'' مقدم رکھا گیا ہے۔(حَتّٰی) کے بعد دونوں فعل منصوب ہیں اور لفظ (حَتّٰی) کے عامل افعال ہونے کے متعلق دو اقوال ہیں:

۱۔(حَتّٰی) بذات خود فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔ یہ کوفیین کا قول ہے۔

۲۔(حَتّٰی) اَنْ مضمرہ کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، کیونکہ (حَتّٰی) اسماء پر داخل ہو کر انہیں جر دیتا ہے اور ہر وہ لفظ جو اسماء کا عامل ہو وہ افعال کا عامل نہیں بن سکتا۔ اسی لئے (حَتّٰی) کے بعد (اَنْ) مقدرہ کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بصریوں کا قول ہے۔

بہرنوع (حَتّٰی) کے عمل کی جو بھی کیفیت ہو خطبہ میں یہ لفظ یا تو (اِلٰی) کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی﴾ یہاں تک کہ ہمارے پاس موسیٰ لوٹ آئیں۔ یا لفظ (حَتّٰی) اِلَّا کے معنی میں ہے، جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں ہے؛

لَیْسَ الْعَطَاءُ مِنَ الْفُضُوْلِ سَمَاحَةٌ حَتّٰی تَجُوْدَ وَ مَالَدَیْكَ قَلِیْلٌ

اس شعر میں (حَتّٰی) بمعنی (اِلَّا) ہے۔ ابن ہشام کا قول ہے کہ سیبویہ نے جو (وَ اللّٰهِ لَا اَفْعَلَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلَ) کی تفسیر کی ہے اس سے یہی معنی ظاہر ہوتا ہے۔ اور خطبہ میں بھی یہی معنی زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

مفہوم

جوگر جتے ہیں وہ برستے نہیں۔

حضرت امیر المؤمنین علیؑ نے مذکورہ فرمان سے طلحہ و زبیر اور ان کے ساتھیوں کی گیدڑ بھبھکیوں کی مذمت کی ہے اور ارشاد فرمایا (وَ قَدْ اَرْعَدُوْا وَ اَبْرَقُوْا) وہ رعد کی طرح گرجے اور بجلی کی طرح چمکے۔ یعنی جنگ سے پہلے انہوں نے خوب دھمکیاں دیں۔ یہ لوگ خوب گرجتے، دندناتے ہوئے اٹھے اور انہوں نے اپنی دھمکیوں سے آسمان و زمین کے قلابے ملا دیئے۔(وَ مَعَ هٰذَیْنِ الْاَمْرَیْنِ الْفَشَلُ) مگر ان دونوں باتوں کے باوجود بزدلی ہی دکھائی۔ جنگ سے پہلے دھمکیاں دینا بزدلی اور کمزوری کی علامت سمجھی جاتی ہے اور جنگ کے میدان میں سکوت و خاموشی جرأت و شجاعت کا مظہر ہوتی ہے۔ اسی لئے خطبہ ۱۲۴ میں حضرتؑ نے جنگ کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا: ''وَ اَمِیْتُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَاِنَّهٗ اَطْرَدُ لِلْفَشَلِ'' جنگ میں اپنی آواز بند رکھنا کہ اس سے ناکامی اور بزدلی دور ہوتی ہے۔ اور جنگ کے میدان میں سکوت و خاموشی جرأت و شجاعت کا مظہر ہوتی ہے اس لئے خطبہ نمبر ۱۲۴ میں حضرت کا یہ فرمان جو آپ نے جنگ کے آداب کے بارے میں فرمایا: ''وَ اَمِیْتُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَاِنَّهٗ اَطْرَدُ لِلْفَشَلِ'' جنگ میں آوازوں کو بلند کر دینا اس سے ناکامی و بزدلی دور ہوتی ہے۔ اسی طرح سے جنگ جمل میں حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''اِیَّاكُمْ وَ كَثْرَةَ الْكَلَامِ فَاِنَّهٗ فَشَلٌ'' زیادہ باتیں کرنے سے پرہیز کرو یہ ناکامی اور بزدلی ہے۔ (البتہ ہماری نظر میں امامؑ عالی مقام جنگ کی حکمت عملی بیان کرتے ہوئے یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جنگ سے پہلے شور و غوغا نہیں کرنا چاہئے اور اپنی کامیابی کے متعلق بڑھکیں نہیں مارنی چاہئیں یعنی یہ پروپیگنڈا نہیں کرنا چاہئے کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس صورت

میں دشمن چوکنا ہوکر مقابلہ کرتا ہے اور اگر بڑے بڑے دعوے کرنے والے کو ناکامی ہوتی ہے تو دوہری ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ اور ان جملوں میں کس قدر حکمت پوشیدہ ہے، ایک تیر سے دو شکار کے مصداق حضرتؑ نے جنگی حکمت عملی بھی بیان فرمائی ہے اور یہ بھی جتا دیا ہے کہ ہمارے دشمنوں کو جنگ کے ابتدائی ترین اصول بھی نہیں آتے۔ از مترجم)

حضرتؑ نے اپنے مخالفین کی رذالت نفس بیان کرنے کے بعد اپنی بلند ہمتی بیان کرتے ہوئے فرمایا (وَلَسْنَا نُرْعِدُ حَتّٰی نُوْقِعَ وَلَا نُسِیْلُ حَتّٰی نُمْطِرَ) اور ہم جب تک دشمن پر ٹوٹ نہ پڑیں، گرجتے نہیں اور جب تک (عملی طور پر) برس نہیں لیتے (لفظوں کا) سیلاب نہیں بہاتے۔ یعنی ہم لوگ لڑائی سے پہلے دھمکیاں نہیں دیتے، نہ ہی شیخیاں بھگارتے ہیں اور نہ ہی خوامخواہ کا ہلڑ مچا کر دشمن کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ بہادروں کا وطیرہ نہیں ہوتا کہ وہ ہاتھوں کی بجائے زبان سے کام لیں.....۔

؎ جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے۔

حضرتؑ نے اپنے حریفوں پہ طنز کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ برسنے سے پہلے سیلاب جاری کرنے والے لوگ ہیں۔ جبکہ ہم ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

خطبہ ۱۰

حضرتؑ ایک بابصیرت شخصیت

وَ مِنْ کَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہ بھی آپؑ کے خطبہ کا حصہ ہے

اَلَا وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ جَمَعَ حِزْبَهٗ وَ اسْتَجْلَبَ خَيْلَهٗ وَ رَجْلَهٗ وَ اِنَّ مَعِیْ لَبَصِيْرَتِیْ مَا لَبَّسْتُ عَلٰی نَفْسِیْ وَ لَا لُبِّسَ عَلَیَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَاُفْرِطَنَّ لَهُمْ حَوْضًا اَنَا مَاتِحُهٗ لَا يَصْدِرُوْنَ عَنْهُ وَ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ.

شیطان نے اپنے گروہ کو جمع کرلیا ہے اور اپنے سوار و پیادے سمیٹ لئے ہیں۔ اور میرے ساتھ یقیناً میری بصیرت ہے، نہ میں نے خود (جان بوجھ کر) کبھی اپنے آپ کو دھوکا دیا اور نہ مجھے واقعی کبھی دھوکا ہوا۔ خدا کی قسم میں ان کے لئے ایسا حوض چھلکاؤں گا جس کا پانی نکالنے والا میں ہوں، ان کے پاس ہمیشہ کے لئے نکلنے یا (نکل کر) پھر واپس آنے کوئی امکان ہی نہ ہوگا۔

تشریح لغت

(اَلْخَيْلُ) سوار۔ (اَلرَّجْلُ) پیادے، رَاجِلٌ کی جمع ہے۔ اسی طرح سے (رَاكِبٌ) کی جمع رَكْبٌ آتی ہے۔ (اَيْمُ اللّٰهِ) اَيْمِنُ کا مخفف ہے، فیومی کا قول ہے کہ لفظ (اَيْمِنُ) اسم ہے جو قسم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ (اَيْمُ) کی میم پر رفع کا لگانا ضروری ہے جس طرح سے لفظ (لَعَمْرُ اللّٰهِ) کی را کا رفع ضروری ہے۔ اور لفظ (اَيْمُ اللّٰهِ) میں اس کا ہمزہ بصریوں کے نزدیک وصلی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ (يُمْنٌ) بمعنی برکت سے مشتق ہے۔ اور کوفی کہتے ہیں کہ (اَيْمُ اللّٰهِ) کا ہمزہ قطعی ہے اور کوفیوں کے نزدیک یہ

لفظ (یَمِیْنٌ) کی جمع ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے اسے مختصر کر کے (وَایْمُ اللّٰہِ) پڑھا جاتا ہے۔ اور بعض اہل زبان اسے مزید مختصر کر لیتے ہیں اور وہ اسے (مُ اللّٰہِ) میم کے پیش اور زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ (اَفْرُطَنَّ) ہمزہ کی زبر اور را کے پیش کے ساتھ، فَرُطَ کا مضارع ہے، نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ۔ اور (فَرُطَ زَیْدٌ الْقَوْمَ) کا معنی ہے کہ زید قوم سے سبقت لے گیا۔ اور اگر اس فعل ماضی کو (فَرَطَ) یعنی فا اور را کے زبر سے پڑھا جائے تو اس کا معنی ہوگا کہ وہ شخص پانی کی تلاش کے لئے سب سے پہلے کنوئیں پر پہنچا اور رسیاں اور ڈول فراہم کئے۔ علاوہ ازیں یہ لفظ (اُفْرِطَنَّ) باب افعال سے بھی ممکن ہے اور اس کا معنی ہے بھر دینا۔ (اَلْمَاتِحُ) کنوئیں کا پانی لینے والا۔ اور لفظ مَایِحُ بھی اس کا تقریباً مترادف ہے البتہ ان دونوں کے معنی میں فرق یہ ہے کہ جو کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر پانی حاصل کرے اسے (مَاتِحُ) کہا جاتا ہے اور جو کنوئیں میں اتر کر پانی بھرے اسے (مَایِحٌ) کہا جاتا ہے۔

اعراب

(اَلَا) ہمزہ استفہام اور لائے نفی سے مرکب ہے اور حرف تنبیہ ہے۔ اور اپنے مابعد کے وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اصول یہی ہے کہ جب ہمزہ استفہام نفی پر داخل ہو تو تحقیق کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات میں ہے ﴿اَلَیْسَ ذَالِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی﴾.....کیا وہ ذات اس پر قادر نہیں کہ وہ مردہ کو زندہ کر دے۔

(اَیْمُ اللّٰہِ) مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں قرار پائے گی (اَیْمُ اللّٰہِ قَسَمِیْ) اور کبھی تاکید کے لئے اس پر لام تاکید داخل ہوتی ہے تو یہ عبارت یوں بن جاتی ہے (لَیْمُنُ اللّٰہِ قَسَمِیْ) اور لفظ (اَفْرُطَنَّ) اگر (فَعَلَ) سے مشتق ہو تو لفظ (حَوْضٌ) منصوب بنزع الخافض ہوگا۔ (لَھُمْ) میں لام تقویت کے لئے ہے جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے (وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ) یا بیان علت کے لئے ہے۔ تو عبارت کا مفہوم یہ قرار پائے گا (لَاَسْبِقَنَّ لِاَجْلِھِمْ اِلَی الْحَوْضِ) اس کی نظیر (وَ اخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ) کی آیت قرار پائے گی۔ اور اگر لفظ (اَفْرُطَنَّ) کو باب افعال سے تسلیم کیا جائے تو لفظ (حَوْضٌ) مفعول بہ ہوگا۔ اور لفظ (لَھُمْ) مفعول لہ ہے۔ (لَا یَصْدِرُوْنَ عَنْهُ وَ لَا یَعُوْدُوْنَ) کا جملہ حالیہ ہے یا حوض کی صفت ہے۔

تشریح

یہ خطبہ دراصل ایک طویل خطبہ کا اقتباس ہے اور ہم خطبہ ۲۲ کی شرح میں مفصل خطبہ لکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ اور حضرتؑ نے یہ خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب حضرتؑ کو معلوم ہوا کہ طلحہ و زبیر نے بیعت توڑ ڈالی ہے اور بصرہ کی طرف چلے گئے ہیں تو آپؑ نے فرمایا (اَلَا اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ جَمَعَ حِزْبَهٗ) آگاہ رہو! شیطان نے اپنے گروہ کو جمع کر لیا ہے۔ شارح معتزلی کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہاں لفظ شیطان سے امیر شام مراد ہو۔ لیکن ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے یہاں شیطان سے حقیقی شیطان مراد ہے اور گروہ سے مراد طلحہ و زبیر اور ان کے ہم نوا ہیں۔ (وَ اسْتَجْلَبَ خَیْلَهٗ وَ رَجْلَهٗ) اور اس نے اپنے سوار و پیادہ سمیٹ لئے ہیں۔ حضرتؑ نے ان الفاظ سے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ شیطان نے انہیں مخالفت حق پر آمادہ کیا اور ان کے دلوں میں باطل کو مزین کر دیا اور ان لوگوں نے اس کی

اطاعت کر کے اپنے آپ کو اس کے گروہ میں شامل کرلیا اور شیطانی گروہ کے سوار و پیادوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت موجود ہے ﴿وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكۡهُمۡ فِى الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ وَ عِدۡهُمۡ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطَانُ اِلَّا غُرُوۡرًا﴾ (بنی اسرائیل/۶۴) جا! جس پر بھی بس چلے اپنی آواز سے گمراہ کر اور اپنے سوار و پیادوں سے حملہ کر دے اور ان کے اموال و اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے خوب وعدے کر اور شیطان سوائے دھوکہ دینے کے اور کوئی سچا وعدہ کر نہیں سکتا ہے۔ آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے ابلیس لعین کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ وہ جسے چاہے فساد فی الارض کی دعوت دے سکتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کی معصیت کے لئے پیدل چلنے والا اور سوار ہونے والا شخص ابلیسی لشکر اور اس کے سواروں کا فرد ہے۔ اور وہ تمام انسان ابلیسی لشکر ہیں جو شیطان کی اطاعت کے لئے کمر بستہ ہوں۔

حضرت علیؑ ایک بابصیرت انسان

اس کے بعد حضرتؑ نے اپنے کمال عقل و بصیرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (وَ اِنَّ مَعِیَ لَبَصِیۡرَتِیۡ) اور یقیناً میرے ساتھ میری بصیرت موجود ہے۔ اور یہ وہی بصیرت ہے جو زمانہ رسولؐ مقبول میں میرے ساتھ تھی۔ اس بصیرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اور یہ وہی بصیرت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو یہ الفاظ کہنے کا حکم دیا ﴿قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِىۡ وَ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴾ (یوسف/۱۰۸) آپؐ کہہ دیجئے کہ یہی میرا راستہ ہے کہ میں بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میرے ساتھ میرا اتباع کرنے والا بھی ہے اور خدا پاک و بے نیاز ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ اس آیت کے متعلق الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے: ''اس سے مراد جناب رسولؐ خدا اور امیر المؤمنینؑ اور دیگر ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں''۔ یعنی بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دینے والے رسولؐ خدا اور امیر المؤمنینؑ اور رسولؐ کریم کے اقوال و افعال کی پیروی کرنے والے اوصیاء ہیں۔

پھر حضرتؑ نے اپنے کمال عقل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے کبھی کم عقل افراد کی طرح دھوکا نہیں کھایا اور مقدمات کو مرتب کر کے اس کا نتیجہ برآمد کرنے میں ان سے کبھی بھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (مَا لَبَّسۡتُ عَلٰى نَفۡسِىۡ) میں نے کبھی جان بوجھ کر اپنے آپ کو دھوکا نہیں دیا۔ مقصد یہ ہے کہ میں نفس مطمئنہ کا مالک ہوں اور نفس امارہ کی ترغیبات سے کبھی بھی متاثر نہیں ہوا اور نفس امارہ کے دھوکے میں کبھی نہیں آیا۔ (وَ لَا لُبِّسَ عَلَىَّ) اور نہ مجھے کبھی واقعی دھوکا ہوا ہے۔ یعنی آج تک میں کبھی نفس امارہ کے دھوکے میں نہیں آیا اور بیرونی اغوا کنندگان کے دھوکے میں بھی کبھی نہیں آیا، کیونکہ نفس و شیطان کا دھوکا اسے لاحق ہوتا ہے جس میں بصیرت کی کمی ہو اور میں بحمداللہ بصیرت سے لبریز اور سرشار ہوں۔ اب ابلیس اور اس کے گماشتے لاکھ کوشش کریں اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کریں تو بھی میں ان کے جال میں پھنسنے والا نہیں ہوں۔

(وَ اَيۡمُ اللّٰهِ لَاُفۡرِطَنَّ لَهُمۡ حَوۡضًا اَنَا مَاتِحُهٗ) خدا کی قسم! میں ان کے لئے ایسا حوض چھلکاؤں گا جس کا پانی نکالنے والا میں

ہوں۔حضرتؑ کا یہ فرمان تہدید (دھمکی) پر مبنی ہے مقصد یہ ہے کہ میں ان کے لئے جنگ کے وہ حوض بھر دوں گا جن سے میں بخوبی آشنا ہوں۔شارح بحرانی کہتے ہیں کہ حوض بھرنا ایک استعارہ ہے مقصد یہ ہے کہ میں ان کی سرکوبی کے لئے لاؤلشکر لے کر جاؤں گا اور ان سے بھرپور جنگ کروں گا اور (اَنَا مَاتِحَهٗ) کے جملے سے آپؑ نے اپنے حریفوں کو خبردار کیا کہ موت کے اس حوض کو معمولی ہرگز نہ سمجھیں۔اس حوج کا پانی نکالنے والا میں جرار و کرار ہوں، میری جگہ کوئی بزدل اور کم ہمت نہیں ہے۔(لَا یَصْدِرُوْنَ عَنْهُ وَ لَا یَعُوْدُوْنَ اِلَیْهِ) ہمیشہ کے لئے ان کے پاس نکلنے یا (نکل کر) واپس آنے کا کوئی امکان ہی نہ ہوگا۔مقصد یہ ہے کہ اس موت کے حوض پر جو بھی آئے گا وہ اس میں ڈوب جائے گا اور اگر بالفرض کوئی ان میں سے بچ بھی گیا تو دوبارہ میدان جنگ میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

خطبہ ۱۱

علیؑ،فنون حرب میں طاق

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنِهٖ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ لَمَّا اَعْطَاهُ الرَّايَةَ يَوْمَ الْجَمَلِ

جب جنگ جمل میں نے علم اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو دیا تو ان سے فرمایا:

تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَلَاتَزُلْ عَضَّ عَلٰى نَاجِذِكَ اَعِرِ اللّٰهَ جُمْجُمَتَكَ تِدْ فِي الْاَرْضِ قَدَمَكَ اِرْمِ بِبَصَرِكَ اَقْصَى الْقَوْمِ وَ غُضَّ بَصَرَكَ وَ اعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ.

پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اپنے دانتوں کو بھینچ لینا، اپنا کاسۂ سر اللہ کو عاریت دے دینا، اپنے قدم زمین میں گاڑ دینا، لشکر کی آخری صفوں پر اپنی نظر رکھنا، (دشمن کی کثرت و طاقت سے) آنکھوں کو بند کر لینا اور یقین رکھنا کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

تشریح لغت (عَضَّ) عَضَضْتُ اللُّقْمَةَ سے فعل امر ہے، از باب مَنَعَ یَمْنَعُ پکڑنا، بھینچنا۔(اَلنَّاجِذُ) داڑھ، بعض کے نزدیک آخری داڑھ جو بالغ ہونے کے بعد نکلتی ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ تمام داڑھوں کو (نَوَاجِذ) کہا جاتا ہے۔(جُمْجُمَةٌ) کھوپڑی اور بعض دفعہ یہ لفظ بول کر انسان مراد لیا جاتا ہے کبھی لفظ (رَأْسٌ) بول کر بھی انسان مراد لیا جاتا ہے۔(تِدْ) وَتَدَ سے فعل امر ہے، میخ یا میخ کی طرح گاڑ دینا۔

اعراب

(تَزُوْلُ، لَا تَزُلْ) کا متعلق محذوف ہے، پوری عبارت یوں ہوگی (تَزُوْلُ الْجِبَالُ عَنْ مَكَانِهَا وَ لَا تَزُلْ عَنْ مَقَامِكَ)۔(اِرْمِ بِبَصَرِكَ) میں با زائدہ ہے.....۔

عبارت

اس خطبہ میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو آداب حرب وضرب کی تعلیم دی ہے اور آپؑ نے چھ بنیادی نکات اپنے فرزند کو تعلیم فرمائے؛

آداب حرب

۱۔ثبات قدمی۔اور جنگ جیتنے کے لئے یہ سب سے اہم چیز ہے۔چنانچہ حضرتؑ نے اس سلسلے میں تاریخی جملہ ارشاد فرمایا (تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَلَاتَزُلْ) پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں لیکن تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہٹنا عادتاً محال ہے،مگر حضرتؑ نے فرمایا جس چیز کا عادتاً اپنی جگہ چھوڑنا محال ہے اگر وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹنا چاہے تو بے شک ہٹ جائے لیکن تمہارے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلنے چاہئیں۔کوہ ثبات بن کر دشمن کے سامنے ڈٹ جاؤ۔

۲۔دانتوں کا بھینچنا۔(عَضَّ عَلیٰ نَاجِذِکَ) اپنے دانتوں کا بھینچ لینا۔دانت بھینچنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ سر کی ہڈیاں سخت ہو جاتی ہیں اور حملہ آور کی تلوار اوچٹ جاتی ہے۔حضرتؑ نے ایک اور مقام پر بھی آداب حرب تعلیم دیتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے: ''وَ عَضُّوْا عَلَی النَّوَاجِذِ فَاِنَّهٗ اَنْبَأُ لِلصَّوَارِمِ عَنِ الْهَامِ ''اور اپنے دانتوں کو بھینچ لو کیونکہ اس سے تلوار کھوپڑی سے اچٹ جاتی ہے۔علاوہ ازیں دانت بھینچنے کا ایک اضافی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے دل کو تسکین ملتی ہے اور ہر طرح کے خوف اور بزدلی سے انسان آزاد ہو جاتا ہے اور اس کے جسم پر کپکپی طاری نہیں ہوتی۔جیسا کہ موسم سرما میں اگر کوئی شخص سردی کی شدت سے کانپ رہا ہو تو اگر وہ اپنے دانت مضبوطی سے بھینچ لے تو اس کی کپکپی چند ثانیوں میں ختم ہو جاتی ہے۔اسی طرح سے اگر دشمن کی فوج کو دیکھ کر جسم کے رونگھٹے کھڑے ہونے لگیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ دانتوں کو بھینچ لیا جائے۔

۳۔سر کی پرواہ نہ کرنا۔اپنے سر کی پرواہ نہ کرنا بھی جنگ میں میابی کا ایک بنیادی عنصر ہے۔چنانچہ حضرتؑ نے فرمایا (اَعِرِ اللّٰهَ جُمْجُمَتَکَ) اپنا کاسہ سر اللہ کو عاریت دے دینا۔تا کہ اس حیات فانی کے بدلے حیات باقی حاصل کر سکو،کیونکہ عاریت دی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حق ہوتا ہے،لہٰذا جان سے بے نیاز ہو کر لڑنا چاہئے۔اور اگر خیال جان بچانے کے متعلق اٹکا رہے گا تو انسان خوفناک مقامات پر اپنا قدم نہیں رکھے گا اور خونی منظر کو دیکھ کر گھبرا جائے گا۔شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کے مذکورہ جملے میں محمد بن حنفیہ کے لئے یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ اس جنگ میں شہید نہیں ہوں گے،کیونکہ حضرتؑ نے انہیں فرمایا تھا ''اپنا کاسہ سر اللہ کو عاریت دے دینا'' اور عاریت والی چیز واپس لی جاتی ہے۔میدان جنگ میں اترنے والے ہر مجاہد کو چاہئے کہ وہ جان و مال سے ہاتھ اٹھا کر اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرے اور اللہ سے کئے ہوئے اس معاہدہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَنْفُسَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ .....﴾ (توبہ/۱۱۱) بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کا جان و مال جنت کے بدلے میں خریدا ہے،پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔

۴۔قدموں کا گاڑ دینا۔آداب جنگ میں سے ایک یہ ضروری نکتہ حضرتؑ نے اپنے فرزند کو تعلیم فرمایا(تِدْ فِی الْاَرْضِ قَدَمَکَ)اپنے قدم زمین میں گاڑ دینا۔قدموں کو ڈگمگانے نہ دو، کیونکہ قدموں کی لغزش سے دشمن کی ہمت بڑھ جاتی ہے اور اکھڑے ہوئے قدم حریف کے قدم جما دیتے ہیں۔

۵۔دشمن کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھنا۔پہلی صف سے لے کر آخری صف تک مکمل نظر ہو اور دشمن کی نقل وحرکت کسی طرح سے بھی مخفی نہ رہنے پائے۔چنانچہ فرمایا(اِرْمِ بِبَصَرِکَ اَقْصَی الْقَوْمِ)لشکر کی آخری صفوں تک اپنی نظر رکھنا۔آخری صفوں کو اپنا مطمح نظر بنانا چاہئے تاکہ دشمن عزم کی بلندیوں سے مرعوب ہو جائے اور ان کی صفوں کو چیر کر نکلنے میں آسانی رہے۔

۶۔دشمن کی کثرت کو خاطر میں نہ لانا۔اگر کوئی مجاہد دشمن کی کثرت کو نگاہوں میں لائے گا تو اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور وہ دل جمعی سے جنگ نہیں کر سکے گا۔چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا(وَ غُضَّ بَصَرَکَ)اور اپنی آنکھوں کو بند کر لینا۔یعنی اس طرح آنکھیں پھاڑ کر نہ دیکھنا کہ ہتھیاروں کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کر دے اور دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر وار کر بیٹھے۔

حرب وضرب کے چھے بنیادی نکات تعلیم دینے کے بعد حضرتؑ نے اپنے فرزند کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا کہ فتح وکامیابی کو صرف وسائل کا مرہون منت مت سمجھو بلکہ یہ عقیدہ رکھو کہ(وَ اعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ)یہ عقیدہ اور یقین رکھو کہ مدد خداوند کریم کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ﴾اگر اللہ نے تمہاری مدد کی تو پھر کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔لہٰذا مادی اسباب پر بھروسا کرنے کی بجائے اللہ کی تائید ونصرت کا سہارا ڈھونڈھنا چاہئے۔

جنگ جمل

علامہ مجلسیؒ نے انساب الاشراف کے حوالہ سے بحار الانوار میں تحریر فرمایا کہ امیر المؤمنینؑ دس جمادی الثانی ۳۶ھ کو جمعہ کی صبح میدان جمل میں وارد ہوئے۔ جب یہ سپاہ بصرہ کے قریب پہنچی تو سب سے پہلے انصار کا ایک دستہ سامنے آیا جس کا پرچم ابوایوب انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک اور دستہ نمودار ہوا جس کے سپہ سالار خزیمہ بن ثابت انصاری تھے۔ پھر ایک اور دستے پر نظر پڑی جس کا علَم ابوقتادہ ربعی اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ایک ہزار بوڑھے اور جوانوں کا جمگھٹا دکھائی دیا جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان چمک رہے تھے، چہروں پر خشیت الٰہی کے آثار نمایاں تھے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا جلال کبریا کے سامنے موقف حساب میں کھڑے ہیں۔ ان کا سپہ سالار سبز گھوڑے پر سوار سفید لباس میں ملبوس، عمامہ سر پر باندھے بآواز بلند قرآن مجید پڑھتا جا رہا تھا، یہ حضرت عمار بن یاسرؓ تھے۔ پھر ایک اور دستہ نظر آیا جس کا علم قیس بن سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر ایک فوج دیکھنے میں آئی جس کا قائد سفید لباس پہنے اور سر پر سیاہ عمامہ باندھے تھا اور خوش جمال اتنا کہ نگاہیں اس کے گرد طواف کر رہی تھیں، یہ عبداللہ بن عباس تھے۔ پھر اصحاب پیغمبرؐ کا ایک دستہ آیا جس کے علم بردار قثم بن عباس تھے۔ پھر چند دستوں کے گزرنے کے بعد ایک انبوہ کثیر نظر آیا جس میں نیزوں کی ایسی کثرت تھی کہ ایک دوسرے میں گتھے جا رہے تھے اور رنگا رنگ پھریرے لہرا رہے تھے۔ ان میں ایک بلند و بالا علَم امتیازی نشان لئے ہوئے تھا اور اس کے پیچھے جلال و عظمت کے پہروں میں ایک سوار دکھائی دیا، جس کے بازو بھرے ہوئے اور نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں اور ہیبت و وقار کا یہ عالَم تھا کہ کوئی نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا، یہ اسد اللہ الغالب امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے، جن کے دائیں بائیں حسن اور حسین علیہما السلام تھے اور آگے آگے محمد بن حنفیہ پرچم فتح و اقبال لئے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے اور پیچھے جوانان بنی ہاشم، اصحاب بدر اور عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھے۔ جب یہ لشکر مقام زاویہ میں پہنچا تو امیر المؤمنینؑ گھوڑے سے اترے اور چار رکعت نماز پڑھنے کے بعد خاک پر رخسار رکھ دیئے اور جب سر اٹھایا تو زمین آنسوؤں سے تر تھی اور زبان پر یہ الفاظ تھے: ''اے آسمان و زمین اور عرش برین کے پروردگار! یہ بصرہ ہے، اس کی بھلائی سے ہمارا دامن بھر اور اس کے شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھ''۔

اس کے بعد صفیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہوئیں۔ حضرتؑ نے نماز فجر سے لے کر نماز ظہر تک اتمام حجت فرمائی اور بی بی عائشہ سے فرمایا: ''اللہ نے آپ کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ خوف خدا کریں اور واپس چلی جائیں''۔ اور طلحہ و زبیر سے فرمایا: ''تم نے اپنی بیویوں کو پردوں میں چھپا رکھا ہے اور رسولؐ خدا کی زوجہ کو میدان میں لے آئے ہو!''۔ اس جنگ میں بی بی عائشہ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور محمل کے گرداگرد لوہے کی جالیاں کھڑی کی گئیں تھیں اور محمل ایک اونٹ پر رکھا تھا جسے عسکر کہا جاتا تھا۔

زبیر پر اتمام حجت

ابن مردویہ نے آٹھ ذرائع سے کتاب الفضائل میں تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے زبیر کو بلا کر ارشاد فرمایا: ''کیا تجھے آج وہ دن یاد ہے کہ جب تو میرے ساتھ ایک دن ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل رہا تھا اور رسولؐ خدا نے تجھے اس حال میں دیکھا تو فرمایا: ''زبیر!

کیا تو علیؑ سے محبت کرتا ہے؟''۔تو نے کہا تھا:''یا رسولؐ اللہ! میں علیؑ سے محبت کیسے نہ کروں؟! علیؑ میرا قریبی رشتہ دار ہے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لئے میں اس سے محبت کرنا ضروری سمجھتا ہوں''۔یہ سن کر جناب رسولؐ خدا نے فرمایا تھا:''زبیر! ایک دن تو علیؑ سے جنگ کرے گا اور تو اس وقت ظالم ہوگا''۔تو نے آنحضرتؐ کا فرمان سن کر کہا تھا:''میں اس کے لئے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں''۔پھر حضرتؐ نے زبیر سے فرمایا: ''آج وہ وقت آ گیا ہے۔آج تو مجھ سے لڑنے کے لئے آچکا ہے''۔زبیر نے کہا:''میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں''۔امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''کل تو نے خوشی سے میری بیعت کی تھی اور آج جنگ کرنے کے لئے آ گیا! آخر اس کا سبب کیا ہوا؟''۔زبیر نے کہا:''اب میں آپ سے ہرگز جنگ نہیں کروں گا''۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں تحریر کرتے ہیں کہ اس کے بعد زبیر اپنی صفوں کی طرف آئے اور جنگی سامان اتارنے لگے۔ان کے بیٹے عبداللہ نے انہیں دیکھا تو کہا:''بابا جان! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟''۔زبیر نے کہا:''بس اب میں علیؑ سے جنگ نہیں کروں گا۔مجھے حضرت علیؑ نے رسالت مآبؐ کا ایک فرمان یاد دلا دیا ہے،اسی وجہ سے میں نے قسم کھائی ہے کہ علیؑ سے ہرگز نہیں لڑوں گا''۔عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا:''تو ڈر گیا ہے،اسی لئے تو نے بزدلی اختیار کی ہے''۔زبیر نے کہا:''بیٹا! تمام لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ تیرا باپ بزدل نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ علیؑ نے مجھے رسالت مآبؐ کا ایک فرمان یاد دلا دیا اور میں نے قسم کھائی ہے کہ علیؑ سے جنگ نہیں کروں گا''۔عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے کہا:''تیری قسم کے کفارہ کے طور پر میں اپنے غلام مکحول کو آزاد کرتا ہوں،اب تو مطمئن ہو کر جنگ کر''۔

ہمام ثقفی نے اس واقعہ کو نظم بند کرتے ہوئے لکھا تھا؛

اَ یُعْتَقُ مَکْحُوْلًا وَ یُعْصٰی نَبِیَّهٗ لَقَدْ تَاهَ عَنْ قَصْدِ الْهُدٰی ثُمَّ عُوِّقُ

لَشَتَّانَ مَا بَیْنَ الضَّلَالَةِ وَ الْهُدٰی وَ شَتَّانَ مَنْ یُّعْصِی الْاِلٰهَ وَ یُعْتِقُ

عجیب بات یہ ہے کہ مکحول (زبیر کا غلام) کو آزادی ملے اور نبیؐ کی نافرمانی ہو! ہدایت اور گمراہی میں بڑا فرق ہے اور اللہ کی نافرمانی کر کے ایک غلام کو آزاد کرنے میں بڑا فرق ہے۔

بی بی عائشہ نے زبیر کو بلا کر کہا:''میں جانتی ہوں تو حدیث رسولؐ کی وجہ سے نہیں جانا چاہتا،تو علیؑ بن ابی طالبؑ کی تلواروں کو دیکھ کر بھاگنا چاہتا ہے،میں جانتی ہوں کہ ان کے پاس لمبی تلواریں ہیں جنہیں جوانمردوں نے اٹھایا ہوا ہے۔ان تلواروں کو دیکھ کر صرف تو ہی نہیں ڈرا اور بھی بہت سے لوگ تلواروں سے ڈر گئے ہیں''۔زبیر پھر واپس میدان میں آ گیا۔حضرتؑ سے کہا گیا کہ زبیر پھر میدان میں آ گیا ہے''۔حضرتؑ نے فرمایا:''اسے کچھ نہ کہو،اسے مجبور کر کے بھیجا گیا ہے''۔پھر آپؑ نے ارشاد فرمایا:''لوگو! اپنی نگاہوں کو جھکا لو اور اپنے دانت بھینچ لو اور اپنے پروردگار کا زیادہ ذکر کرو اور کثرت کلام سے پرہیز کرو۔کثرت کلام ناکامی کا باعث ہے''۔بی بی عائشہ نے حضرت علیؑ کو اپنے لشکر میں یوں چلتے ہوئے دیکھ کر کہا:''اسے دیکھو یہ وہی کچھ کر رہے ہیں جو رسولؐ خدا نے جنگ بدر میں کیا تھا،یہ ہمارے لئے زوال آفتاب کا انتظار کر رہے ہیں''۔حضرت علیؑ نے بی بی عائشہ کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی ﴿عَمَّا قَلِیْلٍ لَّتُصْبِحُنَّ نَادِمِیْنَ﴾ تم عنقریب ندامت اٹھاؤ گے۔لوگوں نے حضرتؑ سے بار بار جنگ شروع کرنے کی اجازت طلب کی،لیکن حضرتؑ نے انہیں منع کیا اور فرمایا:''جب

تک مکمل طور پر اتمام حجت نہ ہو جائے اس وقت تک ہم جنگ شروع نہیں کریں گے''۔

پھر حضرتؑ نے آواز دے کر فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا ہے جو قرآن لے کر ان کے پاس جائے اور ان کے سامنے ﴿وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا.....﴾ کی آیت تلاوت کرے؟''، یہ سن کر حضرتؑ کے لشکر میں سے ایک جوان جس کا نام مسلم مجاشعی تھا، کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''میں یہ ذمہ داری پوری کروں گا''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اگر تم نے ایسا کیا تو یہ لوگ تیرے دونوں بازو قطع کریں گے اور پھر تجھے قتل کر دیں گے''۔ مسلم مجاشعی نے کہا: ''مجھے اللہ کی راہ میں یہ سب کچھ منظور ہے''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''پھر خدا کا نام لے کر چلے جاؤ''۔ چنانچہ مسلم مجاشعی نے قرآن مجید اٹھایا اور مخالف لشکر کے سامنے گیا اور انہیں حکم قرآن تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ مخالف فوج نے اس کے دائیں بازو پہ تلوار ماری اور قطع کر دیا۔ مسلم نے قرآن مجید کو بائیں ہاتھ میں پکڑا اور انہیں حکم قرآن کی دعوت دی، مخالفین نے اس کا بایاں بازو بھی قلم کر دیا تو اس نے قرآن مجید کو دانتوں سے پکڑا تو مخالف فوج نے سخت تیر اندازی کر کے اسے قتل کر دیا۔

مسلم مجاشعی کی ماں نے بیٹے پر یہ مرثیہ پڑھا؛

يَا رَبِّ اِنَّ مُسْلِمًا اَتَاهُمْ بِمُحْكَمِ التَّنْزِيْلِ اِذْ دَعَاهُمْ

يَتْلُوْ كِتَابَ اللّٰهِ لَايَخْشَاهُمْ فَرَمَلُوْهُ رَمَلَتْ لِحَاهُمْ

خدایا! مسلم ان کے پاس گیا اور انہیں قرآن کے فرمان کی دعوت دی اور بے خوف ہو کر ان کے سامنے اللہ کی کتاب کی تلاوت کی۔ مگر انہوں نے اسے خاک وخون میں غلطاں کر دیا۔ خدا کرے کہ ان کی داڑھیاں خاک وخوں میں غلطاں ہوں۔

مسلم مجاشعی جیسے ہی شہید ہوئے، تو حضرتؑ نے فرمایا: ''اب حجت تمام ہوگئی ہے، اب ان سے جنگ کرنا ہمارے لئے حلال ہو چکا ہے''۔ پھر آپؑ نے محمد بن حنفیہ کو علَم دے کر حملہ کرنے کا حکم دیا اور آداب حرب سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اپنے دانتوں کو بھینچ لینا، اپنا کاسہ سر اللہ کو عاریت دے دینا، اپنے قدم زمین میں گاڑ دینا، لشکر کی آخری صفوں پر نظر رکھنا (دشمن کی کثرت وطاقت سے) آنکھوں کو بند کر لینا اور یقین رکھنا کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے''۔

محمد بن حنفیہ علَم لے کر میدان کی طرف بڑھے مگر تیر اس کثرت سے آ رہے تھے کہ ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ امیر المؤمنینؑ نے یہ دیکھا تو پکار کر فرمایا: ''محمد! آگے کیوں نہیں بڑھتے؟''۔ کہا: ''بابا! تیروں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھنے کا کوئی راستہ بھی تو ہو، بس اتنا توقف فرمایئے کہ تیروں کا زور تھم جائے''۔ فرمایا: ''نہیں! تیروں اور سنانوں کے اندر گھس کر حملہ کرو''۔ ابن حنفیہ کچھ آگے بڑھے مگر تیر اندازوں نے اس طرح گھیرا ڈالا کہ قدم روک لینے پڑے۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنینؑ کی جبین پر شکن آئی اور آگے بڑھ کر تلوار کا دستہ محمد کی پشت پر مارا اور فرمایا: ''اَدْرَكَ عِرْقٌ مِّنْ اُمِّكَ یہ مادری رگ کا اثر ہے''۔ یہ کہہ کر علَم ان کے ہاتھ سے لے لیا اور آستینیں چڑھا کر اس طرح حملہ کیا کہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فوج دشمن میں تہلکہ مچ گیا۔ جس صف کی طرف مڑے وہی صف خالی تھی اور جدھر کا رخ کیا لاشے تڑپتے ہوئے اور سر گھوڑے کے سموں سے لنڈھکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب صفوں کو تہہ وبالا کر کے پھر اپنے مرکز کی طرف پلٹ آئے تو ابن حنفیہ سے فرمایا: ''دیکھو بیٹا! اس طرح سے جنگ کی جاتی ہے'' اور پھر انہیں علَم دے کر فرمایا؛

اَطْعِنُ بِهَا طَعْنَ اَبِيْكَ تُحْمَدُ لَا خَيْرَ فِي الْحَرْبِ اِذْ لَمْ تُوْقَدُ
بِالْمُشْرَفِيْ وَ الْقِنَا الْمُسَدَّدُ وَ الضَّرْبُ بِالْخَطِّيْ وَ الْمُهَنَّدُ

اپنے باپ کی طرح سے نیزہ بازی کروتا کہ دنیا تمہاری تعریف کر سکے۔اور جب تک جنگ کو اچھی طرح سے بھڑکایا نہ جائے تو اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ جنگ کو مقام شارف کی بنی ہوئی تلواروں، مضبوط نیزوں اور مقام خطاو ہندوستان کی بنی ہوئی تلواروں کے ساتھ بھڑکانا چاہئے۔

محمد بن حنفیہ انصار کا ایک دستہ لے کر دشمن کی طرف بڑھے، دشمن بھی نیزے ہلاتے اور برچھیاں تولتے ہوئے آگے نکل آئے مگر شیر دل باپ کے جری بیٹے نے سب پر ے الٹ دیئے اور دوسرے جانباز مجاہدوں نے بھی میدان کارزار کو لالہ زار بنادیا اور کشتوں کے ڈھیر لگادیئے۔اس جنگ میں مالک اشتر نے دشمن کے میمنہ کے جرنیل ہلال بن وکیع کو قتل کیا۔اس کے بعد مخالف فوج کا ایک پہلوان عبداللہ بن یثربی یہ رجز پڑھتا ہوا آیا؛

يَا رَبِّ اِنِّيْ طَالِبٌ اَبَا الْحَسَنِ ذَاكَ الَّذِيْ يُفْرِقُ حَقًّا بِالْفِتَنِ

پروردگار! میں ابوالحسن سے جنگ کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ وہ (نعوذ باللہ) فتنہ بھڑکانے والے ہیں۔

جیسے ہی حضرتؑ نے دشمن کی یہ لاف زنی سماعت فرمائی تو آپؑ اس کے سامنے آئے اور جوابی رجز میں فرمایا؛

اِنْ كُنْتَ تَبْغِيْ اَنْ تَرٰى اَبَا الْحَسَنِ فَالْيَوْمَ تَلْقَاهُ مَلِيًّا فَاعْلَمَنْ

اگر تو ابوالحسنؑ کو دیکھنے کا خواہش مند ہے تو آج تو انہیں دیکھ سکے گا۔

پھر آپؑ نے اپنی شمشیر کا وار کر کے اسے جہنم پہنچادیا۔عبداللہ بن یثربی کے قتل کے بعد اس کی قوم بنی حُبّہ میں ایک ہیجان سا پیدا ہوگیا اور وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے؛

نَحْنُ بَنُوْ حُبَّةٍ اَعْدَاءُ عَلِيٍّ ذَاكَ الَّذِيْ يُعْرَفُ فِيْهِمْ بِالْوَصِيِّ

ہم بنی حُبّہ علیؑ کے دشمن ہیں جسے اس کے پیروکار وصی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مقتول کا بھائی عمر بن یثربی یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا؛

اِنْ تَنْكُرُوْنِيْ فَاَنَا ابْنُ الْيَثْرَبِيْ قَاتِلُ عَلِيًّا وَ هٰذَا الْجَمَلِيْ
ثُمَّ ابْنَ صَوْحَانٍ عَلٰى دِيْنِ عَلِيْ

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو جان لو! میں یثربی کا بیٹا ہوں، میں علیؑ اور اس جملی کو قتل کرنا چاہتا ہوں، پھر زید بن صوحان کو بھی جو علیؑ کے دین کا پیروکار ہے۔اس کی یہ لاف زنی سن کر حضرت عمارؓ آگے بڑھے اور یہ رجز پڑھا؛

لَا تَبْرَحِ الْعَرْصَةَ يَابْنَ الْيَثْرَبِيْ اَثْبِتْ اُقَاتِلُكَ عَلٰى دِيْنِ عَلِيْ

یثربی کا بیٹا! میدان میں جمے رہنا اور میدان چھوڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں علیؑ کے دین کا پیروکار ہو کر تجھ سے جنگ کروں گا۔

اس کے بعد حضرت عمارؓ نے اس پر حملہ کیا اور اس کی ٹانگ سے پکڑ کر اسے گھوڑے سے کھینچ لیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے حضرت علیؑ کے پاس لے گئے۔ آپؑ نے اسے دوزخ روانہ کیا۔ اس کے بعد اس کا ایک اور بھائی یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں وارد ہوا؛

اَضْرِبُكُمْ وَ لَوْ اَرىٰ عَلِيًّا عَمَمَتُهٗ اَبْيَضَ مُشْرِفِيًّا

وَ اَسْمَرًا عَنَطْنَطًا خَطِيًّا اَبْكِىْ عَلَيْهِ الْوَلَدُ وَ الْوَلِيًّا

میں تم سے جنگ کروں گا اور آج میں نے علیؑ کو دیکھ لیا تو مقام مشارف کی سفید چمک دار تلوار سے اس پر حملہ کروں گا۔ اور گندم گوں لمبے نیزے سے اس پر ایسا حملہ کروں گا کہ اس کی اولاد اور اس کے دوست اس پر روئیں گے۔

یہ رجز سن کر حضرتؑ اس کے مقابلہ میں رزم آرا ہوئے اور یہ رجز پڑھا؛

يَا طَالِبًا فِىْ حَرْبِهٖ عَلِيًّا يَمْسَخُهٗ اَبْيَضَ مُشْرَفِيًّا

اَثْبِتْ سَتَلْقَاهُ بِهَا مَلِيًّا مُهَذَّبًا سَمِيْدَعًا كَمِيًّا

جنگ میں علیؑ کو بلانے والے اور اس پر مقام مشارف کی تلوار سے حملہ کرنے کی خواہش کرنے والے! رک جا! تو علیؑ سے ملاقات کرے گا جو کہ مہذب ہے اور سردار اور شجاع ہے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے اس پر حملہ کیا اور چند ثانیوں میں اس کی گردن اڑا دی۔

اس کے بعد عبداللہ بن خلف بصری آگے بڑھا۔ واضح ہو کہ یہ وہی شخص ہے جس کے گھر میں بی بی عائشہ نے قیام کیا تھا۔ اس نے بڑھ کر حضرتؑ سے کہا: ''کیا مجھ سے مقابلہ کرو گے؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اس میں کونسا حرج ہے، لیکن مجھے یہ بتا آخر تو میرے ہاتھ سے قتل ہو کر دوزخ جانے کا خواہش مند کیوں ہے؟!''۔ اس بد بخت نے کہا: ''علیؑ! تم اپنے متکبرانہ الفاظ سے مجھے مرعوب نہیں کر سکتے''۔ پھر اس نے یہ رجز پڑھا؛

اِنْ تُدْنِ مِنِّىْ يَا عَلِىُّ فُتْرًا فَاِنَّنِىْ دَانٍ اِلَيْكَ شِبْرًا

بِصَارِمٍ يُسْقِيْكَ كَاسًا مُّرًّا هَا اِنَّ فِىْ صَدْرِىْ عَلَيْكَ وَتْرًا

علی! اگر تم ایک انچ میرے قریب ہوئے تو میں ایک بالشت تیرے قریب آؤں گا۔ اور میں تمہیں اپنی تلوار سے موت کا کڑوا گھونٹ پلاؤں گا۔ میرے دل میں تیرے خلاف بہت سا کینہ پایا جاتا ہے۔ حضرتؑ نے اس کے جواب میں یہ رجز پڑھا؛

يَا ذَا الَّذِىْ يَطْلُبُ مِنِّىْ الْوَتْرَا اِنْ كُنْتَ تَبْغِىْ اَنْ تَزُوْرَ الْقَبْرَا

حَقًّا وَ تُصْلٰى بَعْدَ ذَالِكَ جَمْرًا فَادْنُ تَجِدْنِىْ اَسَدًا هَزْبَرًا

مجھ سے انتقام کی خواہش رکھنے والے! معلوم ہوتا ہے کہ تو قبر میں جانا چاہتا ہے اور اس کے بعد آتش دوزخ کا ایندھن بننے کا خواہش مند ہے۔ تو قریب تو آ پھر دیکھ لے گا کہ تیرا واسطہ ایک شیر ببر کے ساتھ پڑا ہے۔ یہ فرما کر حضرتؑ نے تلوار کا ایک ہی وار کیا اور اس ملعون کی گردن دور جا پڑی۔ پھر ماذن ضبی یہ رجز پڑھتا ہوا آیا؛

لَا تَطْمَعُوْا فِیْ جَمْعِنَا الْمُکَلَّلِ اَلْمَوْتُ دُوْنَ الْجَمَلِ الْمُجَلَّلِ

ہماری جمعیت کے فنا ہونے کی لالچ نہ کرنا، کیونکہ اس باعظمت اونٹ کے گرداگرد تمہیں موت کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ عبداللہ بن نہشل اس کے مقابلے میں صف آرا ہوئے اور اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ رجز پڑھا؛

اِنْ تَنْکُرُوْنِیْ فَاَنَا ابْنُ نَهْشَلٍ فَارِسُ هَیْجَاءٍ وَ خَطِیْبُ فَیْصَلٍ

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو جان لو کہ میں فرزند نہشل ہوں، میدان کا شہسوار اور فیصلہ کرنے والا خطیب ہوں۔ پھر دونوں جوان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اور عبداللہ بن نہشل نے اسے قتل کر دیا۔

اسی اثناء میں جب کہ جنگ زوروں پر تھی۔ مروان نے اپنے ہی لشکر میں ایک تیر کا نشانہ طلحہ کو بنایا اور وہ تیر عین اس کے دل کے مقام پر لگا، طلحہ گھوڑے سے گرا اور مر گیا۔ پھر مروان نے آہستہ سے عثمان کے بیٹے ابان بن عثمان سے کہا کہ میں نے تیرے باپ کے ایک قاتل کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے بنی ضُبّہ پر زوردار حملہ کیا اور بنی ضُبّہ کا لشکر آپؑ کے سامنے سے کائی کی طرح چھٹ گیا۔ زبیر میدان چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ راستہ میں ابن جرموز نے اس کا کام تمام کر دیا۔ بی بی عائشہ کو بتایا گیا کہ طلحہ و زبیر قتل ہو چکے ہیں اور عبداللہ بن عامر زخمی ہو چکا ہے، آپ کسی طرح علیؑ سے مصالحت کر لیں۔ بی بی عائشہ نے کہا: ''نہیں! مصالحت ناممکن ہے''۔ جب حضرت علیؑ نے بی بی عائشہ کے یہ تیور دیکھے تو آپؑ نے فرمایا: ''اس اونٹ پر حملہ کرو! یہ شیطان ہے۔ جب تک یہ اونٹ کھڑا رہے گا لوگ یونہی قتل ہوتے رہیں گے''۔ حضرتؑ کا یہ حکم سن کر مالک اشتر جانبازوں کا گروہ لے کر اونٹ کی طرف بڑھے۔ لوگ اونٹ کو بچانے کے لئے پروانہ وار قربان ہونے لگے اور ہودج پر اتنے تیر لگے کہ دور سے وہ خار پشت کی طرح نظر آنے لگا۔ مالک اپنے جانبازوں کو لے کر مسلسل پیش قدمی کرتے رہے اور عمار نے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹ گرنے لگا تو حضرتؑ نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا کہ اپنی بہن کو سنبھالنا۔ جیسے ہی اونٹ گرا تو محمد نے اپنی بہن کو سہارا دے کر زخمی ہونے سے بچا لیا اور حضرت علیؑ آگے بڑھے اور فرمایا: ''عائشہ! کیا رسولؐ خدا نے تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا؟''۔ بی بی عائشہ نے کہا: ''علیؑ! اب تو فتح حاصل کر چکا ہے اب تجھے احسان کرنا چاہئے''۔ حضرت محمد بن ابی بکر نے اپنی بہن سے فرمایا: ''ہائے بہن! تو نے یہ کیا غضب ڈھایا؟ اپنے رب کی نافرمانی کی، اپنے پردہ کو ضائع کیا، تو نے اپنی عزت و حرمت کو یوں پامال کیا اور یوں مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئیں۔ ایسا کرتے ہوئے تجھے اللہ کا خوف دامن گیر کیوں نہ ہوا اور رسولؐ مقبول سے حیا کیوں نہ آئی؟''۔ بی بی عائشہ نے کہا: ''بھائی! تجھے خدا کا واسطہ عبداللہ بن زبیر کو جا کر تلاش کرو! اشتر اسے قتل کرنا چاہتا ہے''۔ محمد میدان میں آئے اور عبداللہ بن زبیر کو ایک جگہ جا کر پایا اور اسے بازو سے پکڑ کر بی بی کے پاس لائے اور فرمایا: ''پورے خاندان کو برباد کرنے والے بد بخت! بیٹھ جاؤ''۔ بی بی عائشہ نے کہا: ''بھائی! خدا کے واسطے تم علیؑ کے پاس جاؤ اور اس کے لئے امان حاصل کرو''۔ محمد حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عبداللہ بن زبیر کے لئے امان طلب کی تو حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے اسے اور اس کے علاوہ تمام لوگوں کو امان دی''۔

مقتولین جنگ کی تعداد

جنگ جمل بصرہ کے قریب خریبہ کے مقام پر ہوئی۔ یہ جنگ نماز ظہر کے بعد شروع ہوئی اور شام ہوتے ہی ختم ہوگئی۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس بیس ہزار کا لشکر تھا، جس میں اسی بدری صحابی تھے، دوسو پچاس ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا تھا اور یوں مجموعی طور پر پندرہ سو صحابی حضرتؑ کے لشکر میں شامل تھے۔ بی بی عائشہ کا لشکر قریباً تیس ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں سے چھ سو افراد کا تعلق مکہ سے تھا۔ قتادہ کا بیان ہے کہ جنگ جمل میں بیس ہزار افراد قتل ہوئے تھے۔ کلبی کہتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت علیؑ کے لشکر میں سے ایک ہزار ستر افراد شہید ہوئے جن میں زید بن صوحان، ہند جملی، ابوعبد اللہ عبدی اور عبداللہ بن رقیہ سرفہرست تھے۔ ابومخنف اور کلبی کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں بنی ازد کے چار ہزار افراد کام آئے، بنی عدی اور ان کے حلیفوں میں سے نوے افراد قتل ہوئے، بنی بکر بن وائل سے آٹھ سو افراد مارے گئے، بنی حنظلہ میں سے نو سو افراد قتل ہوئے اور بنی ناجیہ سے چار سو افراد کھیت رہے۔ علاوہ ازیں مختلف قسم کے لوگوں میں سے آٹھ ہزار دس افراد قتل ہوئے۔

جنگ جمل میں قریش کے مقتولین میں سے سرفہرست یہ افراد تھے:

طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عتاب بن اسید، عبداللہ بن حکیم بن حزام، عبداللہ بن شافع بن طلحہ، محمد بن طلحہ، عبداللہ بن ابی بن خلف جمحی، عبدالرحمٰن بن معد اور عبداللہ بن معد۔ بی بی عائشہ کے اونٹ کو سب سے پہلے امیر المؤمنین علیہ السلام نے ضرب ماری تھی۔ علاوہ ازیں مختلف اقوال میں مسلم بن عدثان، ایک انصاری، ایک ذہلی اور عبدالرحمٰن بن صرد الشوخی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اور عبدالرحمٰن کی طرف یہ شعر بھی منسوب ہے؛

عَقَرْتُ وَ لَمْ اَعْقِرْ بِهَا لِهَوَانِهَا عَلَیَّ وَ لٰكِنِّیْ رَأَیْتُ الْمَهَالِكَا

میں نے اونٹ کی کونچیں اس لئے نہیں کاٹی تھیں کہ میں اسے حقیر و ذلیل سمجھتا تھا لیکن میں ہلاکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسی کے ان اشعار میں ایک مصرع یہ بھی ہے:

فَیَا لَیْتَنِیْ عَرْ قَبْتُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَا اے کاش! میں نے اسے پہلے ہی پے کیا ہوتا۔

محمد بن حنفیہ کی شخصیت

ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر بن قیس تھا اور ان کا تعلق بنی حنیفہ سے تھا اس لئے انہیں ابن حنفیہ کہا جاتا ہے۔ جناب رسولؐ خدا نے ان کے لئے اجازت دی تھی کہ ان کا نام محمد ہو اور کنیت ابوالقاسم ہو۔ آپ کے علاوہ حضور کریمؐ نے کسی کو اپنی کنیت اور اپنا نام مبارک جمع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ كَمَا ذَكَرَهُ اِبْنُ خَلَّكَانِ فِیْ تَارِیْخِهٖ.

شارح معتزلی بیان کرتے ہیں کہ محمد کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس بن سلمہ بن عبید بن ثعلبہ بن یربوع بن دوَل بن حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل تھیں۔ ان کی مدینہ آمد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے اور اس سلسلے میں چند اقوال پائے جاتے ہیں:۔

۱۔ایک قول یہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب بہت سے اہل عرب مرتد ہوگئے تھے تو ان کے ساتھ بنوحنفیہ بھی مرتد ہوگئے تھے اور مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس قبیلہ نے اس کی تصدیق کی اور حضرت ابوبکر نے ان کے مقابلے کے لئے خالد بن ولید کو لشکر دے کر روانہ کیا۔ خالد نے ان سے جنگ کی اور فتح پائی۔ جنگ کے خاتمہ پر بہت سی عورتیں گرفتار ہوئیں، ان میں یہ خولہ بنت جعفر بھی شامل تھیں۔ قیدیوں کو مدینہ لایا گیا اور لونڈیوں کو تقسیم کیا گیا تو خولہ بنت جعفر حضرت علیؑ کے حصہ میں آئیں۔

۲۔مورخ مدائنی اور ان کے علاوہ بعض دیگر مورخین بیان کرتے ہیں کہ خولہ بنت جعفر جناب رسولؐ خدا کی حیات طیبہ میں ہی قیدی بن کر مدینہ لائی گئی تھی۔ اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ حیات رسولؐ مقبول میں عمرو بن معدی کرب مرتد ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ اس کی قوم زبید بھی مرتد ہوگئی تھی۔ رسولؐ خدا نے ان کے مقابلے کے لئے حضرت علیؑ کو روانہ کیا تھا اور حضرت علیؑ نے یمن جا کر ان کا قلع قمع کیا اور آخر میں حضرت علیؑ نے ان کی عورتوں کو گرفتار کیا تو ان میں خولہ بنت جعفر بھی موجود تھیں۔ اور ان کی موجودگی کا سبب یہ تھا کہ عمرو بن معدی کرب کی قوم بنی زبید نے چند دن قبل بنوحنفیہ پر غارت گری کی تھی، اس غارت گری میں یہ بی بی قید ہو کر بنی زبید کے ہاتھ آئی اور بعد ازاں وہاں سے حضرت علیؑ اسے دیگر عورتوں کے ساتھ گرفتار کر کے مدینہ لائے تو یہ بی بی حضرت علیؑ کے حصہ میں آئی اور رسولؐ خدا نے فرمایا: ''اگر تمہیں اس سے بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اور اس کی کنیت میری کنیت پر ابوالقاسم رکھنا''۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی رحلت کے بعد ان سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حضرت علیؑ نے محمد رکھا اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔

۳۔محققین کی ایک جماعت کا بیان ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ قول زیادہ مستند ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کے دنوں میں بنی اسد نے بنی حنفیہ پر غارت گری کی اور اس غارت گری میں خولہ بنت جعفر بھی قید ہوئی اور بنی اسد بغرض فروخت اسے مدینہ لائے۔ حضرت علیؑ نے اسے خرید لیا، چند دنوں بعد اس کی قوم کو پتہ چلا کہ ہمارے خاندان کی لڑکی حضرت علیؑ کے پاس بک چکی ہے تو وہ لوگ مدینہ میں حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان سے اپنی لڑکی کی رہائی کی درخواست کی۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے اسے آزاد فرمایا اور پھر اس کے خاندان کی رضامندی سے اس سے نکاح فرمایا۔ چنانچہ اس خاتون سے محمد پیدا ہوئے اور حضرتؑ نے اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی۔ اس واقعہ کو احمد بن یحییٰ بلاذری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ الاشراف (انساب الاشراف) میں نقل کیا ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ امیر المؤمنینؑ انہیں پرخطر مقامات پر روانہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے میدان جنگ میں ان سے کہا کہ محمد! تیرے باپ نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا، تجھے جنگ میں بھیج دیا اور حسنؑ اور حسینؑ کو خیمہ میں بٹھا رکھا ہے۔ یہ سن کر محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ! اگر کوئی تمہاری آنکھ پر حملہ کرے تو تم اس کا دفاع کس چیز سے کرو گے؟۔ اس نے کہا: ''ہاتھ سے آنکھوں کا دفاع کروں گا!''۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے فرمایا: ''تو سن لے! حسن اور حسین (علیہما السلام) میرے والد کی آنکھیں ہیں اور میں اپنے والد کا ہاتھ ہوں اور ہمیشہ ہاتھ ہی آنکھوں کی حفاظت کیا کرتا ہے''۔ (اس مقام پر مؤلف عرض کرتا ہے کہ محمد بن حنفیہ کا یہ جواب ان کی جلالت قدر اور خلوص باطن کا مظہر ہے)۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے جنگ صفین میں تلوار کے ایسے جوہر دکھائے کہ ایک دنیا عش عش کر اٹھی

اور انصار نے حضرت امیر المؤمنینؑ سے کہا کہ اگر اللہ نے حسنینؑ کو رسولؐ خدا جیسا نانا اور جناب زہرا سلام اللہ علیہا جیسی والدہ عطا نہ کی ہوتی تو ہم محمد کے برابر کسی کو نہ جانتے۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''شمس وقمر کے سامنے ایک ستارے کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟۔ محمد نے واقعی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں۔ اسے اللہ اس کی جزائے خیر عطا فرمائے گا اور یہ میرے اس بیٹے کی ایک فضیلت ہے لیکن اس کی فضیلت حسنینؑ کی فضیلت کے مساوی نہیں ہے۔ تمہارے اس دوست کے لئے اتنی ہی فضیلت ہے جتنی اللہ نے اس پر نعمت فرمائی ہے''۔ انصار نے عرض کیا: ''امیر المؤمنینؑ! ہم محمد کو ہرگز حسنینؑ پر فضیلت نہیں دینا چاہتے۔ ہم بہر نوع حسنینؑ کو اس سے افضل تسلیم کرتے ہیں''۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''بھلا میرا بیٹا رسولؐ خدا کے بیٹوں کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہے؟''۔ یعنی محمد میرا بیٹا اور حسنینؑ رسولؐ خدا کے بیٹے ہیں۔

مشہور صحابی خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین نے محمد کو خطاب کرکے یہ نظم کہی تھی؛

مُحَمَّدٌ مَّا فِیْ عَوْدِكَ الْیَوْمَ وَصْمَةٌ ۔۔۔ وَلَا كُنْتَ فِی الْحَرْبِ الضَّرُوْسِ مَعْرَدًا

اَبُوْكَ الَّذِیْ لَمْ یَرْكَبِ الْخَیْلَ مِثْلُهٗ ۔۔۔ عَلِیٌّ وَ سَمَّاكَ النَّبِیُّ مُحَمَّدًا

فَلَوْكَانَ حَقًّا مِنْ اَبِیْكَ خَلِیْفَةٌ ۔۔۔ لَكُنْتَ وَ لٰكِنْ ذَاكَ مَا لَا یَرٰی لَهٗ بُدًّا

وَ اَنْتَ بِحَمْدِ اللّٰهِ اَطْوَلُ غَالِبٍ ۔۔۔ لِسَانًا وَ اَنْدَاهَا بِمَا مَلَكْتَ یَدًا

وَ اَقْرَبُهَا مِنْ كُلِّ خَیْرٍ تُرِیْدُهٗ ۔۔۔ قُرَیْشٌ وَ اَوْفَاهَا بِمَا قَالَ مَوْعِدًا

وَ اَطْعَنُهُمْ صَدْرَ الْكُمٰی بِرَمْحِهٖ ۔۔۔ وَ اَكْسَاهُمْ لِلْهَامِ غَضْبًا مُهَنَّدًا

سِوٰی اَخَوَیْكَ السَّیِّدَیْنِ كِلَاهُمَا ۔۔۔ اِمَامَ الْوَرٰی وَ الدَّاعِیَانِ اِلَی الْهُدٰی

اَبَی اللّٰهُ اَنْ یُعْطِیَ عَدُوَّكَ مَقْعَدًا ۔۔۔ مِنَ الْاَرْضِ اَوْفِی اللَّوْحِ مَرْقیٰ وَ مَصْعَدًا

محمد! تیرے حسب ونسب میں کوئی عیب نہیں ہے اور سخت جنگ میں تو پشت دکھانے والا نہیں ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو، تو اس باپ کا بیٹا ہے جس سے بہتر کوئی شہسوار نہیں گزرا اور نبی کریمؐ نے تیرا نام محمد رکھا۔ اگر تیرے باپ کا کوئی جانشین ہوسکتا ہے تو وہ تو ہی ہوسکتا ہے، لیکن حسنینؑ کریمین کی وجہ سے ایسا ہونا مشکل ہے۔ اور اللہ کے فضل کی وجہ سے تو زبان اور سخاوت کی وجہ سے سب پر غالب ہے اور قریش میں جس بھی اچھائی کی توقع کی جاسکتی ہے تو ہر اس اچھائی کے زیادہ قریب ہے اور وعدہ وفائی میں تیرا کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور جب کسی بہادر کے سینہ پر نیزہ مارنا ہو تو اس وقت تو سب سے بڑا نیزہ باز ہے اور جب کسی کے سر پر ہندی تلوار چلانی مقصود ہو تو اس وقت بھی تو سب سے بڑا شمشیر زن ہے۔ تو تمام لوگوں سے افضل و برتر ہے لیکن تیرے دو سردار بھائی تجھ سے بھی افضل ہیں۔ تیرے دونوں بھائی خلق خدا کے امام ہیں اور ہدایت کی دعوت دینے والے ہیں۔ اللہ تیرے کسی دشمن کو زمین پر اقتدار دینا پسند نہیں کرتا اور تیرے کسی دشمن کو لوح محفوظ میں کوئی ترقی دینا پسند نہیں کرتا۔

علامہ مجلسی بحارالانوار میں رقم طراز ہیں کہ جنگ جمل میں امیر المؤمنینؑ نے محمد کو نیزہ دیا اور فرمایا: ''جاؤ! یہ نیزہ لے جاکر اونٹ کو مارو''۔ محمد نیزہ لے کر روانہ ہوئے لیکن بنی خُبّہ نے اونٹ کو اس طرح گھیر رکھا تھا کہ محمد نیزہ نہ مار سکے اور خالی نیزہ لئے ہوئے امیر المؤمنینؑ کی

خدمت میں واپس آئے۔امام حسن علیہ السلام نے بھائی کے ہاتھ سے نیزہ لیا اور اونٹ کی طرف روانہ ہوئے۔بنی خُبّہ کے پورے دفاع کے باوجود امام حسن علیہ السلام نے اونٹ کو نیزہ مارا اور اونٹ کے وجود سے خون کا چشمہ پھوٹ نکلا۔حسن علیہ السلام وہ خون آلود نیزہ لے کر امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔جب محمد نے بھائی کے ہاتھ میں خون آلود نیزہ دیکھا تو اپنی ناکامی پر سخت پریشان ہوئے۔امیر المؤمنینؑ نے محمد کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:''بیٹا!تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔تو علیؑ کا بیٹا ہے اور حسنؑ نبی کریمؐ کا بیٹا ہے۔بھلا علیؑ کا بیٹا نبیؐ کے بیٹے کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہے؟''۔

امام زین العابدینؑ اور محمد حنفیہ

امیر المؤمنینؑ کی شہادت کے بعد محمد حنفیہ حسنینؑ کریمین کے ہمیشہ مخلص رہے۔ثقۃ الاسلام کلینی نے الکافی میں مفضل بن عمر سے روایت کی ہے۔انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ جب امام حسن مجتبیٰؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے قنبر سے فرمایا:''قنبر!باہر دیکھو،کیا دروازے پر آل محمدؐ کے علاوہ کوئی دوسرا مؤمن موجود ہے؟''۔قنبر نے عرض کیا:''خدا،رسولؐ اور فرزند رسولؐ مجھ سے بہتر جانتے ہیں''۔پھر حسن علیہ السلام نے فرمایا:''قنبر!جاؤ اور محمد حنفیہ بن علیؑ کو بلا لاؤ''۔قنبر کہتے ہیں کہ میں محمد حنفیہ کے پاس گیا تو انہوں کہا:''کیا خبر ہے؟''۔میں نے کہا:''آپ کو امام حسن مجتبیٰ یاد کررہے ہیں''۔محمد حنفیہ نے جیسے ہی بھائی کا پیغام سنا تو جوتے کا تسمہ تک نہ باندھا اور میرے ساتھ دوڑتے ہوئے امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام حسنؑ نے فرمایا:''محمد!بیٹھ جاؤ۔تجھ جیسے انسان کے لئے ایسے کلام سے غائب رہنا مناسب نہیں ہے جو مردوں کو زندگی عطا کرے اور جس سے بعض زندہ افراد موت کے گھاٹ چلے جاتے ہیں۔تم علم کا ظرف اور ہدایت کا چراغ بننا۔دن کے بعض حصے بعض حصوں کی نسبت زیادہ روشن ہوتے ہیں۔کیا تجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ اللہ نے اولاد ابراہیمؑ کو امام بنایا اور بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اللہ نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔اور محمد!تو بخوبی جانتا ہے کہ اللہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرمایا۔اور یاد رکھو!مجھے تمہارے متعلق حسد کا اندیشہ ہے اور حسد کفار کی ایک وصف ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿.....كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِنْ بَّعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾(مفہوم آیت:ہدایت واضح ہونے کے بعد کافر حسد کرتے ہیں)۔اور اللہ نے تجھ پر شیطان کا غلبہ نہیں ہونے دیا۔اے محمد بن علی!کیا میں تمہیں وہ فرمان نہ سناؤں جو تمہارے والد ماجد نے تمہارے متعلق فرمایا تھا؟''۔محمد نے عرض کیا:''جی ہاں!ضرور سنائیں''۔امام حسن مجتبیٰؑ نے فرمایا:''میں نے بصرہ کے دن تیرے والد ماجد سے یہ سنا تھا،انہوں نے فرمایا:''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ دنیا و آخرت میں مجھ سے بھلائی کرے تو اسے چاہئے کہ وہ میرے بیٹے محمد سے بھلائی کرے''۔محمد!میں اگر چاہوں تو تیرے حالات اس وقت سے بھی بیان کرسکتا ہوں جب تو اپنے والد کی صلب میں بصورت نطفہ موجود تھا۔محمد بن علیؑ!یاد رکھو!میری وفات اور میرے جسم و روح کی مفارقت کے بعد حسینؑ بن علیؑ امام ہے۔حسینؑ کتاب اللہ کا وارث ہے اور محمد مصطفیٰؐ علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ کا وارث ہے۔اللہ نے دیکھا کہ تم بہترین خاندان ہو اسی لئے اللہ نے تم میں سے محمد مصطفیٰؐ کو منتخب کیا اور محمد مصطفیٰؐ نے علیؑ کو منتخب کیا،علیؑ نے مجھے امامت کے لئے چنا اور میں نے حسینؑ بن علیؑ کو

منتخب کیا ہے''۔ یہ سن کر محمد حنفیہ نے عرض کیا: ''بے شک آپؑ امام ہیں اور محمد مصطفیٰ ؐ کے حضور رسائی کے لئے آپؑ میرا وسیلہ ہیں، کاش آپ ؑ سے یہ کلام سننے سے قبل میں مر گیا ہوتا۔ اللہ نے آپؑ کو عظیم منزلت عطا فرمائی ہے جس کے لکھنے سے کاتب کا قلم و قرطاس عاجز ہے۔ یقیناً حسینؑ بلحاظ علم ہم سے بڑے عالم، حلم میں ہم سے افضل ہیں اور رشتہ کے اعتبار سے رسولؐ خدا کے زیادہ قریب ہیں۔ اور حسینؑ ظاہری پیدائش سے پہلے ہی فقیہ و عالم تھے اور دنیا میں زبان کھولنے سے قبل حسینؑ وحی کی تلاوت کرتے تھے۔ اگر اللہ کو ہمارے خاندان کے علاوہ کسی خاندان میں بھلائی نظر آتی تو اللہ محمد مصطفیٰ ؐ کو کبھی منتخب ہی نہ کرتا۔ اللہ نے محمد مصطفیٰ ؐ کو منتخب کیا، محمد مصطفیٰ ؐ نے علیؑ مرتضیٰ کو منتخب کیا، علیؑ مرتضیٰ نے آپؑ کو ہمارا امام و رہبر منتخب کیا اور آپؑ نے حسینؑ کو منتخب کیا تو ہم نے تسلیم کیا اور آپؑ کے انتخاب کے سامنے ہماری گردن خم ہے اور آپؑ نے دراصل اسے منتخب کیا جس سے ہم اپنی مشکلات حل کراتے رہتے ہیں''۔

محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ، امام حسنؑ مجتبیٰ کا جنازہ لے کر نانا کے پہلو میں دفن کرنے کے لئے لے گئے تو بی بی عائشہ نے مزاحمت کی اور امام حسینؑ نے بی بی عائشہ کے سامنے اپنے حقوق کے لئے احتجاج کیا، ان کے بعد محمد حنفیہ نے بی بی عائشہ سے کہا: ''کچھ تو خدا کا خوف کرو! کبھی اونٹ پر سوار ہوتی ہو اور کبھی خچر پر سوار ہو کر مقابلہ میں آتی ہو۔ تم اپنے آپ پر قابو پاؤ اور ان عادات کو چھوڑ دو''۔ محمد بن حنفیہ کے یہ الفاظ سن کر بی بی عائشہ کو غصہ آ گیا اور کہنے لگیں: ''ابن حنفیہ! فاطمہؑ کی اولاد تو بات کرے، بھلا تو کیوں باتیں کرتا ہے؟!''۔ امام حسینؑ نے فرمایا: ''تو نے محمد کو فواطم سے علیحدہ کب سے کیا ہے؟ اسے فاطمہ نامی تین خواتین نے جنم دیا ہے اور وہ یہ ہیں: ۱۔ فاطمہ بنت عمران بن عائذ بن عمرو بن مخزوم ۲۔ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ۳۔ فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن رواحہ بن حجر بن عبد معیص بن عامر''۔

ابوعبیدہ اور زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے فرمایا: ''امام حسینؑ کی شہادت اور اہل حرم کی اسیری کے بعد محمد حنفیہ نے امام زین العابدین علیہ السلام کو بلایا اور خلوت میں بیٹھ کر انہوں نے امام زین العابدینؑ سے کہا: ''جان عم! آپؑ کو معلوم ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی اور امت کا امام مقرر کیا تھا، امیر المؤمنینؑ نے امام حسنؑ کو منتخب فرمایا تھا، امام حسنؑ نے امام حسینؑ کو اپنا وصی اور امت کا امام منتخب کیا تھا اور آپؑ کے والد ماجد پر اللہ کی طرف سے درود و سلام ہو، انہوں نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا اور میں آپؑ کا چچا اور بمنزلہ والد کے ہوں، میں امیر المؤمنینؑ کا بلافصل فرزند ہوں اور ماہ و سال کے لحاظ سے آپؑ سے بڑا ہوں، اس لئے آپؑ وصیت اور امامت کے لئے مجھ سے مت جھگڑیں''۔ یہ سن کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا: ''چچا جان! خدا سے ڈریں اور ناحق دعویٰ کرنے سے باز رہیں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپؑ جاہل نہ بنیں۔ میرے والد ماجد علیہ الصلاۃ والسلام نے عراق جانے سے قبل مجھے اپنا وصی مقرر کیا تھا اور شہید ہونے سے ایک ساعت قبل انہوں نے مجھ سے عہد امامت لیا تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ رسولؐ خدا کے ہتھیار میرے پاس ہیں اور میرے جسم پر پورے آتے ہیں۔ آپ اس امر کے لئے مجھ سے مت جھگڑیں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ کی عمر کم نہ ہو جائے اور آپ کے حالات دگرگوں نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے امامت وصیت کو ذریت حسینؑ میں قرار دیا ہے۔ اگر آپ مزید یقین کرنا چاہیں تو ہم حجر اسود کو اپنا حکم بنا لیتے ہیں اور اس سے امام وقت کا فیصلہ کرا لیتے ہیں''۔ امام محمد باقرؑ کا بیان ہے کہ یہ گفتگو مکہ میں ہوئی تھی۔ اس گفتگو کے بعد دونوں

بزرگوار حجر اسود کے پاس آئے، امام زین العابدینؑ نے کہا: ''چچا جان! آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ آپ کے لئے حجر اسود کو گویا کرے''۔ حضرت محمد حنفیہ کافی دیر تک اللہ سے محو مناجات رہے پھر حجر اسود کے پاس آئے اور اللہ سے دعا کی کہ وہ ان کے لئے پتھر کو گویا کرے۔ مگر حجر اسود سے کوئی جواب برآمد نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا: ''چچا جان! اگر آپ وصی یا امام ہوتے تو حجر اسود آپ سے ضرور کلام کرتا''۔ حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا: ''جانِ عم! اب آپ پتھر پہ سلام کریں''۔ امام زین العابدینؑ نے اللہ سے دعا مانگی پھر حجر اسود کے قریب تشریف لائے اور اس سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ''أَسْأَلُكَ بِالَّذِي جَعَلَ فِيكَ مِيثَاقَ الأَنْبِيَاءِ وَ مِيثَاقَ الأَوْصِيَاءِ وَ مِيثَاقَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ لَمَّا خَبَّرْتَنَا مَنِ الْوَصِيُّ وَ الْإِمَامُ بَعْدَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ'' اے حجر اسود! تجھے اس ذات کا واسطہ دے کر دریافت کرتا ہوں جس نے تجھ میں انبیاء و اوصیاء اور تمام انسانوں کا میثاق رکھا ہے، ہمیں یہ بتا کہ حسین بن علی علیہما السلام کے بعد امام کون ہے؟''۔ جب امام زین العابدینؑ کی یہ گفتگو مکمل ہوئی تو حجر اسود میں حرکت پیدا ہوئی اور قریب تھا کہ حجر اسود اپنے مقام کو چھوڑ دے، پھر حکم خدا سے صاف عربی زبان میں حجر اسود گویا ہوا: ''حسین بن علی علیہما السلام کے بعد وصیت و امامت آپ کے لئے ہے''۔ یہ دیکھ کر محمد بن حنفیہ نے امام زین العابدینؑ کی پیشانی چوم کر کہا: ''بے شک آپ ہی امام زمانہ ہیں اور میں آپ سے ولاء رکھتا ہوں''۔

عرض مترجم: حضرت محمد حنفیہ صاحب بصیرت تھے۔ انہیں امام زین العابدینؑ کی امامت میں قطعاً کوئی شک و شبہہ نہیں تھا۔ فرقہ کیسانیہ کے افراد نے اپنی طرف سے محمد بن حنفیہ کی امامت و وصایت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس لئے محمد حنفیہ نے سوچا کہ اس کا محاکمہ حجر اسود سے کرا کے ہمیشہ کے لئے امام زین العابدینؑ کی امامت کا اعلان کرا دیا جائے اور مذکورہ واقعہ اسی وجہ سے پیش آیا۔

خطبہ ۱۲

محبّ ناصر ہوتا ہے

وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا اَظْفَرَهُ اللّٰهُ بِاَصْحَابِ الْجَمَلِ وَ قَدْ قَالَ لَهٗ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ وَدِدْتُّ اَنَّ اَخِیْ فُلَانًا كَانَ شَاهِدَنَا لِيَرٰى مَا نَصَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ عَلٰى اَعْدَائِكَ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَهَوٰى اَخِيْكَ مَعَنَا؟ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ فَقَدْ شَهِدَنَا وَلَقَدْ شَهِدَنَا فِيْ عَسْكَرِنَا هٰذَا قَوْمٌ فِيْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرْحَامِ النِّسَآءِ سَيَرْعَفُ بِهِمُ الزَّمَانُ وَيَقْوٰى بِهِمُ الْاِيْمَانُ.

جب خداوند عالَم نے آپؑ کو جمل والوں پر غلبہ عطا کیا تو اس موقعہ پر آپؑ کے ایک صحابی نے آپؑ سے عرض کیا کہ میرا فلاں بھائی بھی یہاں موجود ہوتا تو وہ بھی دیکھتا کہ اللہ نے آپؑ کو دشمنوں پر کیسی فتح و کامرانی عطا فرمائی ہے، تو حضرتؑ نے فرمایا: ''کیا تمہارا بھائی ہمیں دوست رکھتا ہے؟''۔ اس نے عرض کیا: 'ہاں'۔ تو آپؑ نے فرمایا: ''وہ ہمارے پاس موجود تھا، بلکہ ہمارے اس لشکر میں وہ افراد بھی موجود تھے جو ابھی مردوں کی صلب اور عورتوں کے شکم میں ہیں۔ عنقریب زمانہ انہیں ظاہر کرے گا اور ان سے ایمان کو تقویت پہنچے گی''۔

تشریح لغت (يَرْعَفُ بِهِمُ الزَّمَانُ) زمانہ انہیں ظاہر کرے گا۔ وقت انہیں وجود میں لائے گا۔ اصل میں لفظ (رَعْفٌ) نکسیر کے لئے استعمال ہوتا ہے جو انسان کی ناک سے ٹپکتی ہے۔ اور ایک شاعر نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے؛

وَ مَا رَعَفَ الزَّمَانُ بِمِثْلِ عَمْرٍو وَ لَا تَلِدُ النِّسَاءُ لَهٗ ضَرِيْبًا

زمانہ نے عمرو جیسا فرد پیدا نہیں کیا اور عورتیں اس کی نظیر پیدا نہ کر پائیں گی۔

اعراب

(هَوٰى) مبتدا ہے اور محلاً مرفوع ہے۔ (مَعَنَا) اس کی خبر ہے۔ (شَهِدَ) پہلے ''شَهِدَ'' کا فاعل ضمیر ہے جو لفظ (اَخِيْكَ) کی طرف راجع ہے اور دوسرے لفظ ''شَهِدَ'' کا فاعل (قَوْمٌ) ہے۔ (يَرْعَفُ) کے فعل کی زمانہ کی طرف نسبت مجاز عقلی کے طور پر ہے کیونکہ حقیقی موجد و خالق تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور یہ نسبت ایسی ہی ہے جیسے ظرف یا شرط کی طرف ہوتی ہے، کیونکہ زمانہ لوگوں کے وجود کو دنیا میں لانے کا ایک اہم عنصر ہے۔ اسی لئے حضرتؑ نے (يَرْعَفُ) فعل کی نسبت زمانہ کی طرف فرمائی ہے۔

مفہوم عبارت

جنگ جمل کے وقت حضرتؑ کے ایک صحابی کا بھائی کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ میں شامل نہیں تھا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مخالفین پر فتح مبین عطا فرمائی تو اس صحابی نے انتہائی اخلاص سے کہا کہ اے کاش! آج میرا بھائی بھی یہاں موجود ہوتا تو وہ اس فتح و نصرت کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتا تو اس پر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (اَهَوٰى اَخِيْكَ مَعَنَا؟) کیا تمہارے بھائی کی یہ خواہش تھی کہ وہ ہمارے گروہ میں

شامل ہوکر دشمنوں سے جنگ کرے؟ (فَقَالَ نَعَمْ) صحابی نے عرض کیا کہ جی ہاں! وہ آپؑ کا شیدائی اور فدائی ہے (قَالَ فَقَدْ شَهِدَنَا) حضرتؑ نے فرمایا: ''وہ ہمارے پاس موجود تھا، یعنی تیرا بھائی اگر چہ بالفعل موجود نہ تھا مگر بالقوہ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ اور اسے بھی اللہ تعالیٰ وہی اجر عطا فرمائے گا جو ہمارے ساتھ موجود مجاہدین کو عطا کرے گا۔ پھر آپؑ نے مزید ارشاد فرمایا (وَلَقَدْ شَهِدَنَا فِيْ عَسْكَرِنَا هٰذَا قَوْمٌ فِيْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرْحَامِ النِّسَآءِ) اس لشکر میں وہ افراد بھی ہمارے ساتھ موجود تھے جو ابھی تک عرصۂ کتم سے نکل کر منصۂ شہود پر نہیں آئے اور جو ابھی تک اصلاب آباء اور ارحام امہات کا سفر کر رہے ہیں۔ یقیناً ہمارے تمام چاہنے والے محبّ اور موالی بھی ہمارے ساتھ شریک تھے اور ہمارے تمام خیر خواہ ہمارے ساتھ تھے جو کہ ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے۔ (سَيَعْرِفُ بِهِمُ الزَّمَانُ وَيَقْوٰى بِهِمُ الْاِيْمَانُ) جنہیں عنقریب زمانہ ظاہر کرے گا اور اس سے ایمان کو تقویت پہنچے گی۔

حضرتؑ کے اس خطبہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسباب و ذرائع کے ہوتے ہوئے کسی عمل خیر میں کوتاہی کر جائے تو یہ کوتاہی اس کی نیت کی کمزوری کی آئینہ دار ہوگی اور اگر عمل میں کوئی مانع سد راہ ہو جائے یا زندگی وفا نہ کرے جس کی وجہ سے عمل تشنۂ تکمیل رہ جائے تو اس صورت میں ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ '' کی بنا پر اللہ اسے اجر و ثواب سے محروم نہ کرے گا، کیونکہ اس کی نیت تو بہر حال عمل کے بجالانے کی تھی، لہٰذا کسی حد تک وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ عمل میں تو بعض اوقات ظاہر داری اور ریا کاری سے ثواب میں کمی آسکتی ہے مگر نیت دل کی گہرائیوں میں مخفی ہوتی ہے اس میں نہ دکھاوا ہوسکتا ہے اور نہ ریا کاری کا شائبہ ہوسکتا ہے۔ اگر موقع و محل کے گزر جانے کی وجہ سے نیت وارادہ کی گنجائش نہ بھی ہو لیکن دل میں تڑپ اور ولولہ ہو تو انسان اپنے قلبی کیفیات کی بنا پر اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا اور اسی چیز کی طرف امیر المؤمنینؑ نے اس خطبہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ اگر تمہارے بھائی کو ہم سے محبت تھی تو وہ ان لوگوں کے ثواب میں شریک ہوگا جنہوں نے ہماری معیت میں جام شہادت پیا ہے۔

مقتولین جمل سے حضرتؑ کی گفتگو

اس خطبے کی شرح میں شارح معتزلی نے بہت سے واقعات لکھے ہیں جن میں سے اکثر کا اس خطبہ کے نفس مضمون سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ البتہ موصوف نے حضرتؑ کا مقتولین جمل سے گفتگو کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم اس مقام پر معتزلی کی تحریر کا اقتباس پیش کرنے سے پہلے کتب خاصہ سے اس مضمون کی چند روایات بیان کرنا چاہتے ہیں۔

طبرسی نے احتجاج میں لکھا ہے کہ جب جنگ جمل ختم ہوگئی اور حضرتؑ اپنے مخالفین کی لاشوں پر سے گزر رہے تھے تو آپؑ کا گزر طلحہ کی لاش سے ہوا، آپؑ نے دیکھا کہ اس کی لاش مقتولین میں پڑی ہوئی ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: ''اسے پکڑ کر بٹھاؤ''۔ حضرتؑ کے ساتھیوں نے اس کی لاش کو پکڑ کر بٹھا دیا۔ پھر حضرتؑ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تجھے اگر چہ دینی سبقت حاصل تھی لیکن شیطان تیرے نتھنوں میں داخل ہوگیا اور تجھے دوزخ میں پہنچا دیا''۔ اسی احتجاج میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ جب حضرتؑ کا گزر طلحہ کی لاش سے ہوا تو فرمایا: ''یہ میری بیعت توڑنے والا ہے، امت میں فتنہ بپا کرنے والا ہے، لوگوں کو میری مخالفت میں جمع کرنے والا ہے اور لوگوں کو میرے

اور میرے خاندان کے قتل کی دعوت دینے والا ہے''۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ''اسے میرے سامنے بٹھاؤ''۔ جب طلحہ کی لاش کو آپؑ کے سامنے بٹھایا گیا تو آپؑ نے فرمایا: ''اے طلحہ بن عبیداللہ! جو میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچا پایا کیا تو نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟''۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ''طلحہ کو لٹا دو''۔ اسے لٹا دیا گیا تو آپؑ چلے گئے۔ حضرتؑ کے چند ساتھیوں نے آپؑ سے کہا: ''امیر المؤمنین! آپؑ نے طلحہ کے مرنے کے بعد اس سے کلام کی ہے تو کیا اس نے بھی آپؑ کا کلام سنا ہے؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! اس نے میرا کلام اسی طرح سنا ہے جیسا کہ کنوئیں میں پڑے ہوئے کفار مقتولین نے بدر میں رسولؐ خدا کا کلام سنا تھا''۔ اسی طرح سے جب آپؑ کا گزر بصرہ کے قاضی کعب بن سور کی لاش سے ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جو اپنی گردن میں قرآن حمائل کر کے نکلا تھا اور وہ اپنے خیال باطل کے مطابق اپنی ماں کی مدد کرنے آیا تھا۔ اور لوگوں کو قرآن کی دعوت دیتا تھا جب کہ مفہوم قرآن سے نا آشنا تھا۔ پھر وہ ذلیل و رسوا اور ناکام و نامراد ہوا۔ اس نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ وہ مجھے قتل کرے مگر اللہ نے اسے قتل کر دیا''۔ بحارالانوار میں ''کتاب الکافیہ لابطال توبۃ الخاطئہ'' کے حوالے سے خالد بن مخلد سے روایت ہے، اس نے زیاد بن منذر سے، اس نے امام محمد باقر علیہ السلام اور انہوں نے اپنے آباء طاہرین سے روایت کی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام طلحہ کی لاش کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اسے بٹھاؤ''۔ اسے بٹھایا گیا تو آپؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! تجھے رسولؐ خدا کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تھا اور تو نے حضورؐ اکرم کو دیکھا بھی تھا اور ان کی گفتگو سنی بھی تھی، لیکن شیطان نے تجھے ٹیڑھا کر دیا اور تجھے دوزخ میں روانہ کر دیا''۔

شارح معتزلی اصبغ بن نباتہ کی روایت سے رقم طراز ہیں کہ جب جنگ جمل ختم ہوئی اور اہل بصرہ کو شکست ہوئی تو امیر المؤمنینؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہباء نامی خچر پر سوار ہوئے اور مقتولین کو دیکھتے گئے، جب آپؑ بصرہ کے قاضی کعب بن سور کی لاش کی پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اسے بٹھاؤ''۔ جب اس کی لاش کو بٹھایا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا: ''کعب بن سور! تیری ہلاکت ہو، تیرے پاس علم تھا لیکن اس نے تجھے فائدہ نہیں دیا۔ شیطان نے تجھے گمراہ کیا اور تجھے پھسلایا بڑی جلدی سے تجھے دوزخ میں پہنچا دیا''۔ پھر آپؑ کا گزر طلحہ کی لاش سے ہوا تو فرمایا: ''اسے پکڑ کر بٹھاؤ''۔ جب اسے بٹھایا گیا تو شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ ابومخنف کی روایت ہے کہ حضرتؑ نے اسے فرمایا: ''طلحہ! تیری ماں تیرے غم میں روئے۔ تجھے سبقت کا شرف حاصل تھا کاش وہ تجھے فائدہ دیتا۔ شیطان نے تجھے گمراہ کیا اور تجھے پھسلایا بڑی بڑی جلدی سے تجھے دوزخ میں پہنچا دیا''۔

اس کے بعد شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کے برعکس روایت موجود ہے۔ ہمارے نزدیک جب حضرتؑ کے حکم سے طلحہ کی لاش کو حضرتؑ کے سامنے بٹھایا گیا تو حضرتؑ نے فرمایا: ''طلحہ! مجھے یہ بات سخت ناگوار گزر رہی ہے کہ میں تجھے اس وادی میں کھلے آسمان تلے مقتول دیکھ رہا ہوں۔ طلحہ! تجھے کیا ہو گیا تھا؟ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور رسولؐ مقبول کا دفاع کرنے کے بعد تو نے بغاوت کیوں کی؟''۔ حضرتؑ ابھی طلحہ سے یہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص حضرتؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''امیر المؤمنینؑ! جب اسے تیر لگا اور یہ زمین پر گرا تو میں اس کے پاس سے گزرا، میں نے دیکھا کہ وہ مرنے کے بالکل قریب تھا۔ اس نے چیخ کر مجھے بلایا اور پوچھا کہ تیرا تعلق کس گروہ سے ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ میرا تعلق امیر المؤمنینؑ کے گروہ سے ہے تو اس نے کہا کہ اپنا ہاتھ دراز کر میں تیرے ہاتھ پر

امیر المؤمنینؑ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں اپنا ہاتھ بڑھایا تو طلحہ نے میرے ہاتھ پر آپؑ کی بیعت کی''۔ یہ سن کر امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''اللہ چاہتا تھا کہ جب طلحہ جنت میں جائے تو اس کی گردن میں میری بیعت کا قلادہ موجود ہو''۔ انتہیٰ کلامہ

شارح معتزلی پر تنقید

شارح معتزلی کی یہ روایت چند وجوہات کی بنا پر قابل تسلیم نہیں ہے:۔

۱۔ اس روایت کو فقط معتزلی کے اصحاب نے ہی روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ اس روایت کی کسی اور معتبر ذرائع سے تصدیق نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے یہ روایت نا قابل قبول ہے، جبکہ مؤرخین میں ابومخنف کی روایت مشہور اور مستند سمجھی جاتی ہے۔

۲۔ شارح معتزلی اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اس سے قبل خود لکھ چکے ہیں کہ ہم گروہ معتزلہ اصحاب جمل کو امام عادل کے باغی جانتے ہیں اور انہیں دوزخی سمجھتے ہیں سوائے بی بی عائشہ، طلحہ اور زبیر کے۔ انہوں نے بھی بغاوت کی تھی لیکن بعد میں توبہ کر لی تھی۔ اگر یہ افراد بھی توبہ نہ کرتے تو ہم انہیں بھی امام عادل کے باغی ہونے کی وجہ سے دوزخی کہتے۔ درج بالا عبارت سے یہ تو فیصلہ ہو گیا ہے کہ حضرت علیؑ کے باغی دوزخی ہیں، البتہ موصوف اپنے آبائی نظریات کو سہارا دینے کے لئے محرکین جمل کی توبہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سلسلے میں ہمارا موقف انتہائی واضح ہے کہ مذکورہ افراد کا بغاوت کرنا تو ثابت ہے لیکن ان کی توبہ کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اور اگر طلحہ کے متعلق معتزلی کے اصحاب کی بیان کردہ روایت کو درست بھی مان لیا جائے تو عالم نزع کی توبہ ویسے ہی قابل قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (النساء/ ۱۷، ۱۸) توبہ خدا کے ذمہ صرف ان لوگوں کی ہے جو جہالت کی بنا پر برائی کرتے ہیں اور پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں کہ خدا ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے وہ علیم و دانا بھی ہے وہ صاحب حکمت بھی۔ اور توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو پہلے تو برائیاں کرتے رہتے ہیں اور پھر جب موت سامنے آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اب ہم نے توبہ کر لی اور نہ ان کے لئے ہے جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں کہ ان کے لئے ہم نے بڑا دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اور اگر طلحہ کے متعلق یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ اس نے مرتے وقت امیر المؤمنینؑ کی بیعت کر لی تھی تو بھی یہ بیعت اس کے لئے چنداں سودمند نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ جب وہ بد بخت ڈوبنے لگا تھا تو اس نے بھی اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا تھا۔ مگر اس وقت کا ایمان اس کے لئے مفید ثابت نہیں ہوا۔ ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا حَتّٰٓى اِذَا اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اٰلْاٰنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ مِنْ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (یونس/ ۹۰) فرعون اور اس کے لشکریوں نے از راہ ظلم و تعدی ان (بنی اسرائیل) کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب غرقابی نے اسے پکڑ لیا تو اس نے آواز دی کہ میں اس خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آیا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں

اطاعت گزاروں میں ہوں۔تو آواز آئی کہ اب؟! جب کہ تو پہلے نافرمانی کر چکا ہے! اور تیرا شمار مفسدوں میں ہو چکا ہے۔الغرض حاصل بحث یہ ہے کہ پہلے تو محرکین جمل کی توبہ ثابت ہی نہیں اور بفرض تسلیم توبہ ان کے لئے فائدہ مند نہیں ہے۔کیونکہ توبہ اگر کیا بھی تھا تو آخری وقت کیا تھا جب کہ وہ امام عادل کے خلاف خروج کر کے اپنا نام مفسد فی الارض کی فہرست میں ثبت کروا چکے تھے۔

شیخ مفید اور ریاّنی

موقع کی مناسبت سے یہاں شیخ مفید اور شیخ ریانی کی گفتگو خالی از فائدہ نہیں ہوگی۔محدث شیخ بحرانی صاحب حدائق نے لؤلؤۃ البحرین میں شیخ مفید کے حالات بیان کرتے ہوئے شیخ ورام بن ابی فراس کی کتاب کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ شیخ مفید جن کا اصل نام محمد بن محمد بن نعمان تھا، عکبرا کے رہنے والے تھے اور حصول علم کے لئے بچپن میں بغداد آ گئے تھے۔اور بغداد میں مشہور علماء یعنی شیخ ابوعبداللہ المعروف جعل اور ابو یاسر سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔اس دور میں علمائے عامہ میں سے شیخ علی بن عیسیٰ رمانی کا علم کلام میں چرچا تھا۔شیخ مفیدؒ ایک دن شیخ رمانی کی محفل میں تشریف لے گئے، شیخ کی محفل علماء وطلباء سے لبریز تھی اور شیخ مفید ابھی لڑکے تھے اسی لئے انہیں پائین محفل بیٹھنے کی جگہ نصیب ہوئی۔لوگ مسائل پوچھ کر جاتے رہے تو شیخ مفید بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے شیخ رمانی کے قریب پہنچ گئے۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر شیخ رمانی سے واقعہ غار اور حدیث غدیر کے متعلق سوال کیا تو شیخ رمانی نے کہا کہ غار کا واقعہ درایت ہے اور حدیث غدیر روایت ہے۔اور روایت کو درایت پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔سائل کے پاس مزید علم تھا نہیں لہٰذا وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد شیخ مفید نے رمانی سے پوچھا کہ آپ یہ بتائیں کہ جو شخص امام عادل کے خلاف خروج کرے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ شیخ رمانی نے کہا: ''وہ کافر ہے''۔پھر کہا: ''نوجوان! معاف کرنا میں نے جلد بازی میں کافر کہہ دیا ہے، ایسا شخص کافر نہیں فاسق ہے''۔شیخ مفید نے کہا: ''تو پھر آپ طلحہ وزبیر اور بی بی عائشہ کے متعلق کیا کہیں گے جنہوں نے امام عادل کے خلاف خروج کیا تھا؟''۔شیخ ریانی نے کہا: ''درست ہے کہ انہوں نے خروج کیا تھا لیکن بعد میں انہوں نے توبہ کر لی تھی''۔شیخ مفیدؒ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا: ''جناب شیخ! ان کا خروج و بغاوت درایت ہے اور ان کا توبہ کرنا روایت ہے۔اور روایت کو درایت پر ترجیح نہیں دی جاسکتی''۔جیسے ہی شیخ ریانی نے شیخ مفید کا استدلال سنا تو بے ساختہ کہا: ''میاں صاحبزادے! معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ہمارا پہلا جواب سن لیا ہے اور اسی جواب سے ہی تم نے ہم کو لاجواب کر دیا ہے''۔پھر اس نے پوچھا: ''نوجوان! تم کس کے پاس پڑھ رہے ہو؟''۔شیخ نے اسے بتایا کہ وہ شیخ ابی عبداللہ المعروف جعل کے ہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔پھر شیخ رمانی نے کہا: ''آپ یہاں کچھ دیر بیٹھے رہیں''۔شیخ مفیدؒ کا بیان ہے کہ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا تو شیخ ایک رقعہ لکھ کر میرے پاس آئے اور کہا: ''یہ رقعہ میری طرف سے اپنے استاد کو پہنچا دینا''۔میں نے مذکورہ رقعہ استاد کو پہنچایا، انہوں نے رقعہ پڑھ کر مجھے کہا کہ اس رقعہ میں اس شیخ نے تمہارے سوال اور اپنی لاجوابی کے متعلق تحریر کیا ہے اور انہوں نے تجھے مفید کا لقب دیا ہے۔

خطبہ ۱۳

اہل بصرہ کی مذمت

حضرتؑ نے یہ خطبہ جنگ جمل کے بعد دیا۔ طبرسی نے اس خطبہ کو احتجاج میں اور علی بن ابراہیم قمی اور محدث بحرانی نے چند الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے جس کی تفصیل اول تنبیہات میں آپ پڑھ سکیں گے۔

وَمِنْ كَلَامٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ ذَمِّ اَهْلِ الْبَصْرَةِ

كُنْتُمْ جُنْدَ الْمَرْاَةِ وَ اَتْبَاعَ الْبَهِيْمَةِ رَغَا فَاَجَبْتُمْ وَ عُقِرَ فَهَرَبْتُمْ اَخْلَاقُكُمْ دِقَاقٌ وَ عَهْدُكُمْ شِقَاقٌ وَ دِيْنُكُمْ نِفَاقٌ وَ مَاؤُكُمْ زُعَاقٌ وَ الْمُقِيْمُ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ مُرْتَهِنٌ بِذَنْبِهٖ وَ الشَّاخِصُ عَنْكُمْ مُتَدَارِكٌ بِرَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَاَنِّيْ بِمَسْجِدِكُمْ كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهَا الْعَذَابَ مِنْ فَوْقِهَا وَمِنْ تَحْتِهَا وَغَرِقَ مَنْ فِيْ ضِمْنِهَا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) وَايْمُ اللّٰهِ لَتُفْرَقُنَّ بَلْدَتُكُمْ حَتّٰى كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَسْجِدِهَا كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ اَوْ نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ) كَجُؤْجُؤِ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ (وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى) بِلَادُكُمْ اَنْتَنُ بِلَادِ اللّٰهِ تُرْبَةً اَقْرَبُهَا مِنَ الْمَآءِ وَ اَبْعَدُهَا مِنَ السَّمَآءِ وَ بِهَا تِسْعَةُ اَعْشَارِ الشَّرِّ. اَلْمُحْتَبَسُ فِيْهَا بِذَنْبِهٖ وَ الْخَارِجُ بِعَفْوِ اللّٰهِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى قَرْيَتِكُمْ هٰذِهٖ قَدْ طَبَّقَهَا الْمَآءُ حَتّٰى مَا يُرٰى مِنْهَا اِلَّا شَرَفُ الْمَسْجِدِ كَاَنَّهٗ جُؤْجُؤُ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ.

یہ بھی آپؑ ہی کا کلام ہے جو اہل بصرہ کی مذمت میں ارشاد فرمایا گیا

تم ایک عورت کی سپاہ اور ایک چوپائے کے تابع تھے، وہ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے بڑھے، وہ زخمی ہوا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے، تم پست اخلاق اور عہد شکن ہو، تمہارے دین کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ اور، تمہاری سرزمین کا پانی تک شور ہے، تم میں رہنے والا گناہوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے اور تم سے نکل جانے والا اپنے پروردگار کی رحمت کو پالینے والا ہے۔ وہ (آنے والا) منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ تمہاری مسجد یوں نمایاں ہوگی جیسے کشتی کا سینہ جبکہ اللہ نے تمہارے شہر پر اس کے اوپر اور نیچے سے عذاب بھیج دیا ہوگا اور وہ اپنے رہنے والوں سمیت ڈوب چکا ہوگا۔ (ایک روایت میں یوں ہے) خدا کی قسم! تمہارا شہر غرق ہو کر رہے گا اس حد تک کہ اس کی مسجد کشتی کے اگلے حصہ یا سینہ کے بل بیٹھے ہوئے شتر مرغ کی طرح مجھے نظر آ رہی ہے۔ (ایک روایت میں یوں ہے) جیسے پانی کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔ (ایک اور روایت میں اس طرح ہے) تمہارا شہر اللہ کے تمام شہروں سے مٹی کے لحاظ سے گندا اور بدبودار ہے، یہ (سمندر کے) پانی سے قریب اور آسمان سے دور ہے، برائی کے دس حصوں میں سے نو حصے اس میں پائے جاتے ہیں، جو اس میں آ پھنسا تو وہ اپنے گناہوں میں اسیر ہے اور جو اس سے نکل گیا تو وہ عفو الٰہی اس کے شریک حال ہے۔ گویا میں اپنی آنکھوں سے تمہاری اس بستی کو دیکھ رہا ہوں کہ سیلاب نے اسے اس حد تک ڈھانپ لیا ہے کہ مسجد کے کنگروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور وہ یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے سمندر کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔

تشریح لغت (اَلرُّغَآءُ) بروزن ''غُرَابٌ'' اونٹ کی آواز، رَغَتِ النَّاقَةُ تَرْغُوْا فَهِيَ رَاغِيَةٌ ،ناقہ بلبلائی، ناقہ نے شوق کا اظہار کیا۔(اَلدَّقِيْقُ) جلیل کا متضاد۔(شَاقَّهٗ مَشَاقَةً وَ شِقَاقًا)اس نے اس کی مخالفت کی اور اس لفظ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ دو شخص ایک دوسرے کی اس طرح سے مخالفت کریں کہ دونوں مشقت و تکلیف میں پڑ جائیں (نَافَقَ الرَّجُلُ نِفَاقًا)جب کوئی شخص منافقت کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان اور غیر مسلموں کے سامنے اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کرے۔ (اَلزُّعَاقُ) زا کی پیش کے ساتھ، نمکین اور شور۔(بَيْنَ اَظْهُرِ النَّاسِ)لوگوں کے درمیان، لوگوں کے ساتھ پشت ٹکائے ہوئے اور لوگوں کی پشت پناہی کا سہارا لئے ہوئے۔(جُؤْجُؤٌ) بروزن ''هُدْهُدٌ'' سینہ، ''جُؤْجُؤُ السَّفِيْنَةِ'' کشتی کا سینہ اور ''جُؤْجُؤُ الطَّيْرِ'' پرندے کا سینہ، بعض اہل لغت کے نزدیک سینے کی ہڈیاں۔(جَشَمَ يَجْشِمُ) بروزن ''ضَرَبَ يَضْرِبُ'' کسی جاندار کا سینہ کے بل بیٹھنا۔

اعراب

(فَاَجَبْتُمْ، فَهَرَبْتُمْ) میں فا، فائے فصیحہ ہے۔(كَاَنِّيْ بِمَسْجِدِكُمْ)اس میں كَاَنَّ تقریب کے لئے ہے اور با زائدہ ہے اور اس کی اصل عبارت یہ ہے ''كَاَنِّيْ اَبْصُرُ مَسْجِدَكُمْ '' گویا میں تمہاری مسجد کو دیکھ رہا ہوں، پھر فعل کو حذف کر دیا گیا اور باء کا اضافہ کیا گیا۔ جیسا کہ شرح مقامات حریری میں ''كَاَنِّيْ بِكَ تَنْحِطُ '' کی شرح میں مطرزی نے لکھا ہے کہ اس کی اصل (كَاَنِّيْ اَبْصُرُكَ تَنْحَطُ) ہے، یہاں فعل کو حذف کیا گیا اور با زائدہ کا اضافہ کیا گیا۔ابن عصفور کہتے ہیں (كَاَنِّيْ بِكَ تَنْحِطُ، كَاَنَّكَ بِالدُّنْيَا لَمْ تَكُنْ) میں با اور کاف كَاَنَّ حرف مشبہ بالفعل کے عمل کو روک دینے والے ہیں۔(بِمَسْجِدِكُمْ) میں با مبتدا میں زائدہ ہے اور یوں یہ لفظ بِمَسْجِدِكُمْ مبتدا اور (كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ)اس کی خبر ہے۔اور ''قَدْ بَعَثَ ..... '' کا جملہ معنی کلام کی تکمیل کرنے والا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں حال کی مانند یہ جملہ واقع ہے ﴿فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴾ (سورہ مدثر/۳۹) نجم الائمہ رضی، دوسری مثال کے متعلق بیان کرتے ہیں: ''بہتر یہ ہے کہ (كَاَنَّ) کو تشبیہ کے معنی میں رہنے دیا جائے کسی چیز کے زائد ہونے کا فیصلہ نہ کیا جائے اور تقدیر عبارت یہ قرار دی جائے (كَاَنَّكَ تَبْصُرُ بِالدُّنْيَا)۔اور اسی طرح سے قرآن کی اس آیت میں ہے ﴿فَبَصَرُكَ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ﴾ اور با کے مجرور کے بعد والا جملہ حال ہے اور عبارت یوں ہوگی (كَاَنَّكَ تَبْصُرُ بِالدُّنْيَا وَ تُشَاهِدُهَا غَيْرُ كَاذِبَةٍ)''۔

مفہوم عبارت

امیر المؤمنینؑ نے اہل بصرہ کی مذمت کرتے ہوئے سات نکات بیان فرمائے ہیں۔اور یہ سات امور ان کی بدبختی کا سبب ہیں:

ا۔عورت کے زیر کمان ہونا

حضرتؑ نے فرمایا (كُنْتُمْ جُنْدَ الْمَرْاَةِ)تم ایک عورت کا لشکر ہو۔اور یہاں عورت سے مراد بی بی عائشہ ہیں، کیونکہ اہل بصرہ نے بی بی کی پیروی کرتے ہوئے حضرتؑ کے خلاف خروج کیا تھا۔اور عورت فطری طور پر ناقص ہوتی ہے۔عورت کی گواہی آدھی ہے، میراث میں مرد کی نسبت اس کا حصہ آدھا ہے اور مخصوص ایام میں عبادت کے لائق نہیں رہتی۔ جب کہ اللہ نے مرد کو ان فطری کمزوریوں سے

دور رکھا ہے اور تمام عقلاء عورت کی سربراہی کو قبیح خیال کرتے ہیں۔(اور جناب رسولؐ خدا کی اس سلسلے میں ایک مشہور حدیث بھی ہے ''لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً :وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے عورت کو اپنا سربراہ بنایا ہو''۔ یہ حقیقت مسلم ہے کہ عورت ناقص العقل ہے اور جو معاشرہ عورت کو اپنا سربراہ بنائے وہ اس سے بھی زیادہ ناقص العقل ہے۔مترجم)

علامہ مجلسیؒ نے بحار میں کنز جامع الفوائد وتاویل الآیات کے حوالہ سے امام محمد باقر علیہ السلام سے درج ذیل آیت کی تاویل نقل کرتے ہوئے لکھا ہے ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ (عنکبوت/۴۱) جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور سرپرست بنائے ہیں وہ اس مکڑی کی طرح ہیں جس نے اپنا گھر بنایا ہو اور تمام گھروں میں سے مکڑی کا گھر نہایت کمزور ہوتا ہے۔اس آیت کی تاویل کرتے ہوئے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''حمیرا بھی اس میں شامل ہے''۔امام عالی مقام نے حمیرا کی تشبیہ عنکبوت سے شاید اس لئے دی ہے کہ عنکبوت ایک کمزور جاندار ہے اور اس کا جالا بھی تمام گھروں کی بہ نسبت انتہائی کمزور ہوتا ہے۔اسی طرح سے بی بی بھی اپنے فطری نقائص کی وجہ سے کمزور تھیں اور پھر انہوں نے ضعف عقل وتدبیر سے امام عادل کے خلاف بغاوت کا جو منصوبہ تیار کیا وہ بھی بیت عنکبوت کی طرح انتہائی کمزور ترین منصوبہ تھا۔

۲۔ایک جانور کا پیرو ہونا

(وَ اَتْبَاعَ الْبَهِیْمَةِ)تم ایک جانور کے پیروکار ہو۔جانور سے مراد بی بی عائشہ کا اونٹ ہے۔علامہ مجلسی بحارالانوار میں لکھتے ہیں کہ یعلی بن منبہ نے اس اونٹ کو دوسو دینار میں خرید کر بی بی عائشہ کے حوالے کیا تھا اور بعض مؤرخین نے اس کی قیمت اسّی دینار بیان کی ہے۔ایک اور روایت کے مطابق یہ اونٹ بنی عرنیہ کے ایک شخص کی ملکیت تھا۔وہ شخص بیان کرتا ہے کہ میں اپنے اونٹ پر جارہا تھا کہ ایک گھڑ سوار میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا:''اپنا اونٹ بیچو گے؟''۔میں نے کہا:''جی ہاں!''۔اس شخص نے کہا:''اس کی کیا قیمت لو گے؟''۔میں نے کہا:''ہزار درہم لوں گا''۔اس شخص نے کہا:''کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟''۔میں نے کہا:''ہرگز نہیں! میرے اونٹ میں یہ خوبی ہے کہ جب میں اس پر سوار ہو کر کسی کی تلاش میں نکلا تو میں نے اسے جا لیا اور اگر کسی نے میرا تعاقب کرنا چاہا تو وہ کف افسوس ملتا رہ گیا اور میں اس کی نگاہوں سے دور چلا گیا''۔اس شخص نے کہا:''ہم یہ اونٹ بی بی عائشہ کے لئے خریدنا چاہتے ہیں!؟''۔تو میں نے کہا:''اگر یہ بات ہے تو پھر میں اس کی قیمت وصول نہیں کروں گا''۔اس شخص نے کہا:''ایسے نہیں! ہمارے ساتھ ہمارے قافلے تک آؤ''۔میں اس کے ساتھ اس کی مطلوبہ جگہ گیا تو انہوں نے مجھ سے اونٹ لے لیا اور اس کے بدلہ میں مجھے ایک ناقہ اور چار سو درہم دیئے۔بعض روایات میں ایک ناقہ اور چھ سو درہم بیان کئے گئے ہیں۔شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ جب بی بی عائشہ نے خروج کا ارادہ کیا تو طلحہ وزبیر کو اس کے لئے اونٹ کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ بی بی کا محمل اس پر رکھا جا سکے۔یعلی بن منبہ ان کے لئے ایک اونٹ لے کر آیا جس کا نام ''عسکر'' تھا اور وہ اونٹ خوب موٹا تازہ تھا۔ساربان اونٹ لے کر بی بی کے پاس آیا، بی بی کو اونٹ پسند آیا اور ساربان نے بھی اس کی تعریفیں شروع کر دیں اور باتوں باتوں میں اس نے بی بی کو بتایا کہ اس کا نام ''عسکر'' ہے۔جب بی بی نے یہ نام سنا تو کہا:''یہ اونٹ واپس لے جاؤ! میں اس اونٹ پر سوار ہونا پسند

نہیں کرتی۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھے فرمایا تھا کہ عائشہ! ''عسکر'' پر سوار نہ ہونا۔ لہٰذا تم لوگ یہ اونٹ واپس لے جاؤ اور اس کے بدلے میں کوئی اور اونٹ لے آؤ''۔ طلحہ وزبیر کو متبادل اونٹ نہ مل سکا تو انہوں نے اس کے ہودج اور پلان کے کپڑوں کو تبدیل کر دیا اور بی بی کے پاس لائے اور کہا: ''ہمیں پہلے جانور سے اب اچھا جانور مل گیا ہے''۔ چنانچہ بی بی کا ہودج اس پر رکھ دیا گیا۔ حضرتؑ نے اہل بصرہ کی حماقت اور رذالت بیان کرتے ہوئے فرمایا (رَغَا فَاَجَبْتُمْ) اونٹ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے بڑھے اہل بصرہ کے لئے اونٹ ہی سب سے مقدس جانور تھا اور اونٹ کی حفاظت کو انہوں نے اپنا نصب العین قرار دیا تھا۔ اہل بصرہ پروانہ وار اونٹ کے گرداگرد جمع تھے اور اس کی مہار پکڑ کر قتل ہونا اپنے لئے سعادت اور شہادت تصور کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ ستر افراد نے اونٹ کی مہار کو پکڑا اور قتل ہو گئے اور اونٹ کی محافظت کی سب سے زیادہ بنی ضُبّہ اور بنی ازد نے کی تھی۔ امیر المؤمنینؑ نے جب مشاہدہ کیا کہ جب تک اونٹ کھڑا رہے گا لوگ یوں ہی قتل ہوتے رہیں گے اسی لئے آپؑ نے حکم دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ کر اسے گرایا جائے۔ چنانچہ حضرتؑ نے بآواز بلند ارشاد فرمایا: ''اُعْقِرُوْا الْجَمَلَ فَاِنَّہٗ شَیْطَانٌ'' اونٹ کو گرا دو یہ شیطان ہے۔ اور آپؑ نے مزید فرمایا: ''جب تک اونٹ نہیں گرے گا لڑائی یوں ہی جاری رہے گی اور عرب یوں ہی کٹتے رہیں گے''۔ جب مجاہدین نے اونٹ کو زخمی کیا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تو اونٹ گرا اور زور زور سے بلبلایا، جیسے ہی اونٹ گرا اہل بصرہ ٹڈی دل کی طرح منتشر ہو گئے۔ اسی لئے حضرتؑ نے اہل بصرہ کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (وَ عُقِرَ فَھَرَبْتُمْ) اونٹ زخمی ہوا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔

ابومخنف کا بیان ہے کہ مسلم اعور نے حبہ عرنی سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے دیکھ لیا جب تک اونٹ کھڑا رہے گا جنگ ختم نہیں ہوگی تو حضرتؑ نے تلوار اپنے کاندھے پر رکھی اور اونٹ کی جانب اپنے ساتھیوں کو لے کر چل پڑے۔ اس وقت بنی ضُبّہ اونٹ کی محافظت کر رہے تھے۔ حضرت علیؑ قبیلہ نخع اور ہمدان کے جانبازوں کو لے کر آگے بڑھے، قبیلہ نخع کے جانبازوں میں ایک کا نام ''بجیر'' تھا۔ حضرتؑ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: ''بجیر! اونٹ پر حملہ کرو''۔ بجیر نے اونٹ کی پچھلی سمت میں تلوار کا وار کیا تو اونٹ پہلو کے بل زمین پر آ گرا اور اس نے اپنا سینہ زمین سے ٹکایا اور زور زور سے بلبلایا۔ جب اونٹ گرا تو اہل بصرہ یوں تیزی سے بھاگ کھڑے ہوئے جیسے تیز ہوا میں ٹڈی دل تیزی سے اڑ جاتا ہے۔ اور بی بی عائشہ کے محمل کو اٹھا کر عبداللہ بن خلف کے گھر لایا گیا، حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ اونٹ کے ٹکڑے کر کے اسے آگ میں جلایا جائے، پھر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے۔ اور پھر فرمایا: ''اس جانور پر خدا کی لعنت ہو یہ سامری کے بچھڑے کی شبیہ ہے''۔ پھر آپؑ نے یہ آیت پڑھی ﴿وَانْظُرْ اِلٰی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا لَّنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا﴾ (طٰہٰ/ ۹۷) اور اب اپنے خدا کو دیکھ جس کے گرد تو نے اعتکاف کر رکھا ہے، میں اسے جلا کر خاکستر کر دوں گا اور اس کی راکھ دریا میں اڑا دوں گا۔ احتجاج طبرسی میں ہے کہ محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر کی کمان میں اونٹ کو شدید خونریزی کے بعد گرایا گیا اور عجیب بات یہ تھی کہ جب اونٹ کا ایک پاؤں قطع ہوتا تو وہ دوسرے پاؤں کے بل کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب چاروں پاؤں کاٹے گئے تو اونٹ تب جا کر گرا۔

۳۔ پست اخلاقی

(اَخْلَاقُکُمْ دِقَاقٌ) تم لوگ پست اخلاق ہو۔تم رذیل وحقیر کردار کے مالک ہو۔شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کی: ''یارسولؐ اللہ! میں فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر اس عورت کے خاندان کے افراد پست اخلاق ہیں''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِیَّاکُمْ وَ خُضَرَاءُ الدِّمْنِ اِیَّاکَ وَ الْمَرْأَۃِ الْحَسْنَاءِ فِیْ مَنْبَتِ السَّوْءِ ''اروڑی پر اگے ہوئے سبزے سے پرہیز کرو اور ایسی حسین عورت سے بھی پرہیز کرو جس نے برے خاندان میں جنم لیا ہو۔

محدث بحرانیؒ نے اہل بصرہ کی پست اخلاقی کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فضائل اخلاق کی تین بنیادیں ہیں:

۱۔حکمت ۲۔عفت ۳۔شجاعت

اور اہل بصرہ مختلف وجوہات کی وجہ سے ان تینوں خوبیوں سے عاری تھے۔علم وحکمت کی بجائے ان میں جہالت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی،عفت کی بجائے وہ فسق وفجور کے رسیا تھے اور شجاعت کے جوہر سے بے بہرہ تھے اور بزدلی میں ضرب المثل تھے۔ان کی جہالت کا واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ جیسے امام عادل کو چھوڑ کر ایک عورت کی پیروی کی،شاہ دلدل سوار کو چھوڑ کر ایک اونٹ کے محافظ بن گئے اور ان کی بزدلی کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے ہی اونٹ گرا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کے فجور کا یہ ثبوت ہے کہ امام عادل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے بلاوجہ جنگ کی۔

۴۔عہد شکنی

(وَ عَھْدُکُمْ شِقَاقٌ) اور تم عہد شکن ہو۔تم لوگ عہد وپیمان کی پابندی سے عاری ہو،تمہارے عہد وپیمان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا،تم سے کیا ہوا عہد وپیمان ظاہری شکل وصورت تو رکھتا ہے لیکن حقیقت واقعیّہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے،کیونکہ تم بیعت کر کے منحرف ہو گئے ہو اس لئے تم پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ظاہر وباطن کا تفاوت (منافقت)

(وَ دِیْنُکُمْ نِفَاقٌ) تمہارا دین منافقت ہے۔یعنی تمہارے ظاہر وباطن میں بڑا تفاوت ہے،تم منافقت اور دوغلے پن کا شکار ہو، تمہاری زبان بڑی میٹھی اور تمہارے دل کڑواہٹ سے لبریز ہیں۔اور اس کے لئے بطور نمونہ زبیر کو پیش کیا جا سکتا ہے،جس کے لئے حضرتؑ نے فرمایا تھا ''اَنَّہٗ یَزْعَمُ اَنَّہٗ بَایَعَ بِیَدِہٖ وَ لَمْ یُبَایِعْ بِقَلْبِہٖ فَقَدْ اَقَرَّ بِالْبَیْعَۃِ وَ ادَّعَی الْوَلِیْجَۃ..... ''وہ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ اس نے بیعت ہاتھ سے کر لی تھی مگر دل سے نہیں کی تھی،بہرصورت اس نے بیعت کا تو اقرار کر لیا ہے لیکن اس کا یہ ادعا کہ اس کے دل میں کھوٹ تھا تو اسے چاہئے کہ اس دعویٰ کے لئے کوئی واضح دلیل پیش کرے ورنہ جس بیعت سے منحرف ہوا ہے اس میں واپس آ جائے۔

۶۔کھارا پانی

(وَ مَاؤُکُمْ زُعَاقٌ)اورتمہاری سرزمین کا پانی تک شور ہے۔یعنی سمندر کی وجہ سے تمہارا زیرزمین پانی تک کڑوا ہے جو بہت سی امراض بالخصوص بدمزاجی، کند ذہنی اور تلی کی خرابی کا موجب ہے، اگر چہ پانی کا کڑوا ہونا اہل بصرہ کے اختیار سے باہر ہے لیکن پھر بھی وہ اس کے بداثرات سے مبرا نہیں ہوسکتے کیونکہ انہوں نے ایسے خراب شہر میں رہائش اختیار رکھی ہوئی ہے۔کسی شاعر نے ایسے شہر کے متعلق کہا تھا:

فَاِنِّیْ لِمَنْ قَدْ حَلَّ فِیْهَا لَرَاحِمٌ وَ اِنِّیْ لِمَنْ لَمْ یَاتِهَا لَنَذِیْرٌ

اس شہر کے رہائش پذیر لوگوں پر مجھے رحم آتا ہے اور جو وہاں نہیں گیا میں اسے وہاں جانے سے خبردار کرتا ہوں۔

۷۔وہاں رہنے والا گناہوں میں جکڑا جاتا ہے

(وَ الْمُقِیْمُ بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ مُرْتَهِنٌ بِذَنْبِهٖ)اورتم میں اقامت کرنے والا گناہوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔کیونکہ وہاں رہنے والا شخص دو میں سے ایک حالت کا حامل ضرور ہوگا۔

۱۔ان کے گناہوں میں برابر کا شریک ہوگا۔

۲۔یا ان کی برائیاں دیکھ کر مصلحتوں کا اسیر ہوجائے گا اور کلمۂ حق ادا نہیں کرے گا۔اس لئے وہ بھی عملی طور پر ان ہی کا ساتھی قرار پائے گا۔ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے لوگوں کو غیر صالح معاشرے میں رہنے سے منع فرمایا ہے اور لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اہل معاصی سے کسی قسم کا تعلق واسطہ نہ رکھیں ورنہ وہ بھی عذاب خدا کی لپیٹ میں آجائیں گے۔اس کے لئے درج ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں

الف۔الوسائل میں مہاجر اسدی کی زبانی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ حواریوں کو لے کر کہیں جا رہے تھے کہ آپؑ کا گذر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں کی آبادی اور چوپائے اور پرندے تک مرے پڑے تھے اور کسی نے انہیں دفن تک نہیں کیا تھا۔حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:''اگر یہ طبعی موت مرتے تو انہیں ضرور دفن کیا جاتا لیکن یوں بے گوروکفن ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اچانک اللہ کا عذاب آیا جس کی وجہ سے پوری آبادی تہس نہس ہوگئی''۔حواریوں نے عرض کیا:''اے روح اللہ! آپؑ اللہ سے دعا مانگیں کہ وہ ان میں سے کسی کو آپ سے کلام کرنے کی اجازت عطا فرمائے تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ ان پر اللہ کا عذاب کیوں نازل ہوا تاکہ ہم ان سے نصیحت حاصل کرسکیں اور ان برائیوں اپنے آپ کو بچالیں''۔حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے دعا مانگی۔کچھ دیر بعد فضا میں آواز بلند ہوئی کہ روح اللہ! ان سے گفتگو کرو، تمہیں جواب ملے گا۔

رات کا وقت تھا، حضرت عیسیٰؑ ایک ٹیلے پر کھڑے ہوئے اور آواز دے کر فرمایا:''اے اس بستی کے رہنے والو! ہمیں جواب دو''۔ پھر اچانک ایک طرف سے لبیک کی صدا سنائی دی۔حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:''مرنے والے لوگو! ہمیں بتاؤ تمہارے عمل کیا تھے جس کی وجہ سے تم ہلاک ہوئے ہو؟!''۔جواب میں صدا بلند ہوئی:''طاغوت کی عبادت اور حب دنیا۔اور ہم میں خوف خدا بہت قلیل تھا، دور دراز کی

آرزوئیں ہم نے سجا رکھی تھیں اور لہو ولعب کی وجہ سے ہم غفلت میں ڈوبے رہتے تھے''۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''طاغوت کی عبادت کے لئے تمہارا انداز کیا تھا؟''۔ آواز آئی: ''ہم اہل معاصی کی اطاعت کیا کرتے تھے اور ہمیں دنیا سے اتنی محبت تھی جتنی کہ شیر خوار بچے کو ماں کی چھاتی سے ہوتی ہے۔ جب دنیا ہم پر مہربان ہوتی تو ہم خوشیاں مناتے اور دنیا کچھ وقت کے لئے ہم سے روٹھ جاتی تو ہم پریشان ہو جاتے تھے''۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''پھر تمہارا انجام کیا ہوا؟''۔ آواز آئی: ''ہم رات کو خیر وعافیت سے سوئے اور صبح کے وقت ہم هَاوِيَة میں پہنچ گئے''۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''هَاوِيَه کیا ہے؟''۔ آواز آئی: ''هَاوِيَه، سِجِّيْن کو کہا جاتا ہے''۔ حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا: ''سِجِّيْن کیا ہے؟''۔ آواز آئی: ''سِجِّيْن آگ کا ایک پہاڑ ہے جو قیامت تک بھڑکتا رہے گا اور ہم بدنصیب اس میں جلتے رہیں گے''۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''اس کی کیا وجہ ہے کہ تیرے علاوہ کسی اور نے مجھ سے گفتگو نہیں کی؟''۔ آواز آئی: ''روح اللہ! وہ کیسے بات کریں۔ ان کے منہ پر دوزخ کی لگامیں چڑھ چکی ہیں۔ اس لئے وہ آپ کو جواب دینے سے قاصر ہیں اور میں ان لوگوں میں رہتا تھا لیکن ان کے افعال میں شریک نہیں تھا۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو اس نے ان کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت دوزخ کے ایک پل پر میں اپنے بالوں کے ساتھ لٹکا کھڑا ہوں اور مجھے اپنے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے کہ مجھے آگ میں ڈالا جائے گا یا میں نجات پا جاؤں گا''۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''دنیا وعقبیٰ کی عافیت کے ساتھ کھارے نمک کے ساتھ خشک روٹی کھا کر اور وڑی پر سو رہنا انسان کے لئے بہت بہتر ہے''۔

ابوحمزہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے فرمایا: ''کوئی بھی سال دوسرے سال کی بہ نسبت بارش کے اعتبار سے کم نہیں ہوتا لیکن جب کوئی قوم اللہ کی نافرمانی میں لگ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے حصے کی بارش ان سے ہٹا کر پہاڑوں اور سمندروں پر برسا دیتا ہے اور انہیں اور ان کے علاقے کو بارش سے محروم کر دیتا ہے''۔

معصیت کاروں کی صحبت سے بچو

ابوحمزہ نے امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے فرمایا: ''نافرمان لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو اور ظالموں کی امداد اور فاسقوں کی ہمسائیگی سے بچو۔ ان کے فتنہ سے بچو اور ان کے قرب سے دوری اختیار کرو''۔ الفقیہ میں محمد بن مسلم سے روایت ہے، ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ مدینہ کے قاضی کے پاس بیٹھا تھا، اسی اثناء میں امام محمد باقر علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا اور انہوں نے مجھے قاضی کے پاس بیٹھا ہوا دیکھ لیا۔ جب دوسرے دن میں امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''تم کل کہاں بیٹھے تھے؟''۔ میں نے عرض کی: ''میں آپؑ پر قربان جاؤں یہ قاضی میری عزت کرتا ہے اسی لئے میں اس کے پاس بیٹھ گیا تھا''۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''خیال رکھنا! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر لعنت آئے اور تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے''۔ دوسری روایت کے الفاظ کے مطابق حضرتؑ نے فرمایا: ''خیال رکھنا! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر لعنت آئے اور پوری محفل کو اپنی لپیٹ میں لے لے''۔

الکافی میں جعفری کا بیان ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام نے ایک دفعہ مجھ سے ارشاد فرمایا: ''میں نے تمہیں عبدالرحمٰن بن یعقوب کی

محفل میں دیکھا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟!''۔ میں نے عرض کی: ''وہ میرا اماموں ہے''۔ آپؑ نے فرمایا: ''مگر وہ اللہ کے متعلق اپنی طرف سے بہت سی باتیں کرتا ہے اور اللہ کے لئے وہ اوصاف بیان کرتا ہے جو اس کے مقام عظمت کے شایان شان نہیں ہیں۔ تم یا تو اس کے پاس بیٹھا کرو اور ہماری محفل کو چھوڑ دو یا پھر ہماری محفل میں بیٹھنے کی خواہش ہو تو اس کی مجلس میں جانا چھاڑ دو''۔ میں نے عرض کیا: ''مولا! اس کی باتوں کا وبال اس پر ہوگا، میرا اس سے کیا واسطہ ہے؟''۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر عذاب آئے تو تم بھی اس کی لپیٹ میں آجاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب موسیٰؑ نے رات کے وقت مصر کو چھوڑا تھا تو ایک نوجوان ان کے ہمراہ تھا۔ فرعون نے ان کا تعاقب کیا، صبح کے وقت دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ حضرت موسیٰؑ کو دریا نے راستہ دیا۔ اس نوجوان نے دیکھا کہ اس کا باپ فرعون کے ہمراہ تھا، وہ باپ کو نصیحت کرنے کے لئے اپنے گروہ سے جدا ہوا اور باپ کو نصیحت کرنے لگا کہ فرعون کو چھوڑ کر موسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور ان کی مدد کرے۔ اتنے میں آل فرعون پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور چند لحات میں فرعون اپنے تمام لشکر سمیت ڈوب گیا اور ان ڈوبنے والوں میں وہ جوان بھی شامل تھا جو موسیٰؑ کے ساتھ نکلا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: ''ہمارا ساتھی اس وقت اللہ کی رحمت میں ہے۔ لیکن جب عذاب آتا ہے تو ان لوگوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جو گناہ گار کے قریب موجود ہوتے ہیں''۔

(وَ الشَّاخِصُ عَنكُمْ مُتَدَارِكٌ بِرَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ) اور تم میں سے نکل جانے والا اللہ کی رحمت کو پا لینے والا ہے۔ جب بصرہ کے فاسد ماحول میں رہنے والا گناہوں کے جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کے فاسد ماحول کو چھوڑ کر جانے والا شخص رحمت خداوندی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اور فاسد ماحول کے اثرات بد سے محفوظ ہو جائے گا۔

بصرہ کے غرق ہونے کی پیشین گوئی

اس کے بعد حضرتؑ نے اہل بصرہ کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب سے قبل اللہ ان پر دنیاوی عذاب نازل کرے گا اور وہ عذاب، غرقابی کی شکل میں نمودار ہوگا۔ (كَأَنِّيْ بِمَسْجِدِكُمْ كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ عَلَيْهَا الْعَذَابَ مِنْ فَوْقِهَا وَمِنْ تَحْتِهَا وَغَرِقَ مَنْ فِيْ ضِمْنِهَا) یاد رکھو! وہ آنے والا منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جب تمہاری مسجد پانی میں یوں نمایاں ہوگی جس طرح کشتی کا سینہ جبکہ اللہ نے تمہارے اس شہر پر اس کے اوپر اور نیچے سے عذاب بھیج دیا ہوگا اور وہ اپنے رہنے والوں سمیت ڈوب چکا ہوگا۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں (وَايْمَ اللّٰهِ لَتُفْرَقُنَّ بَلْدَتُكُمْ حَتّٰى كَأَنِّيْ أَنْظُرُ اِلٰى مَسْجِدِهَا كَجُؤْجُؤِ سَفِيْنَةٍ اَوْ نَعَامَةٍ جَاثِمَةٍ) خدا کی قسم! تمہارا شہر غرق ہو کر رہے گا، اس حد تک کہ گویا اس کی مسجد کشتی کے اگلے حصہ، یا سینہ کے بل بیٹھے ہوئے شتر مرغ کی طرح مجھے نظر آرہی ہے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں (كَجُؤْجُؤِ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ) جیسے پانی کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنینؑ کی اس پیشین گوئی کے مطابق بصرہ دو دفعہ غرقاب ہوا۔ ایک دفعہ قادر باللہ کے دور میں اور ایک مرتبہ قائم باللہ کے عہد حکومت میں۔ اور غرق ہونے کی بالکل یہی صورتحال تھی کہ شہر تو زیر آب تھا لیکن مسجد کے کنگرے پانی کی سطح پر

یوں نظر آتے تھے جیسے کوئی پرندہ سینہ ٹیکے بیٹھا ہو۔ پہلی بار پانی بحر فارس کے جزیرہ فرس سے آیا تھا اور دوسری مرتبہ جزیرہ سنام سے پانی کی شوریدہ لہروں نے بصرہ کو غرق کیا۔ مگر امیر المؤمنینؑ کے بعض خطبات سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ سیاہ رنگ کے زیر زمین پانی سے غرق ہوگا اور سارا شہر ڈوب جائے گا مگر مسجد کے کنگرے ڈوبنے سے محفوظ رہیں گیا ور پانی کی سطح پر بیٹھے ہوئے پرندے کے سینے یا کشتی کے اگلے حصے کی طرح نمایاں ہوں گے۔ اور حضرتؑ کی یہ پیشین گوئی ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ وَ اللّٰهُ الْعَالِمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ۔

تنبیہ اول

اہل بصرہ کی مذمت اور حسن بصری کی گفتگو

یہ خطبہ مختلف اسناد سے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے، اضافہ فوائد کے لئے ہم اسے یہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

احتجاج طبرسی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب امیر المؤمنینؑ جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو آپؑ کے لئے پالانوں کا منبر بنایا گیا۔ جس پر حضرتؑ تشریف فرما ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبیؐ کریم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''یَا اَهْلَ الْبَصْرَةِ وَ یَا اَهْلَ الْمُؤْتَكِفَةِ وَ یَا اَهْلَ الدَّاءِ الْعِضَالِ یَا اَتْبَاعَ الْبَهِیْمَةِ یَا جُنْدَ الْمَرْأَةِ رَغَا فَاَجَبْتُمْ وَ عُقِرَ فَهَرَبْتُمْ مَاؤُكُمْ زُعَاقٌ وَ دِیْنُكُمْ نِفَاقٌ وَ اَحْلَامُكُمْ دِقَاقٌ'' اے بصرہ والو! اے الٹی بستی والو! اے لاعلاج مرض کے مریضو! اے چوپائے کی پیروی کرنے والو! اور اے ایک عورت کے لشکریو! جب اونٹ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے اور جب اونٹ زخمی ہوا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔ تمہارا پانی شُور ہے، تمہارا دین منافقت ہے اور تمہارے خیالات انتہائی پست ہیں۔

اس کے بعد آپؑ منبر سے اتر آئے اور چلنے لگے۔ ہم بھی حضرتؑ کے ساتھ چلنے لگے، آپؑ نے دیکھا کہ حسن بصری وضو کر رہا تھا۔ آپؑ نے فرمایا: ''حسن! وضو اچھی طرح سے کرو''۔ اس نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! کل آپؑ نے ان لوگوں کو قتل کیا جو خدا کی وحدانیت اور رسولؐ خدا کی نبوت کی گواہی دیتے تھے اور جو نماز پنجگانہ ادا کرتے اور اچھی طرح سے وضو کیا کرتے تھے''۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''حالات کو تم نے اچھی طرح سے دیکھا ہے، پھر کیا وجہ ہے تو نے ہمارے دشمنوں کی مدد کیوں نہ کی؟!''۔ حسن بصری نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! میں آپؑ سے بالکل سچ کہنا چاہتا ہوں۔ میں پہلے دن غسل اور حنوط کر کے گھر سے نکلا اور بقیہ کافور اپنے ہتھیاروں پر چھڑکا اور مجھے یقین تھا کہ ام المؤمنین عائشہ کی مدد نہ کرنا صریحاً کفر ہے۔ اور جب میں خریبہ کے مقام پر پہنچا تو ایک منادی نے ندا دے کر کہا کہ حسن! کہاں جا رہے ہو؟ واپس چلے جاؤ! کیونکہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ چنانچہ میں یہ سن کر کانپتا ہوا واپس آیا اور اپنے گھر میں بیٹھ گیا۔ اور جب دوسرا دن ہوا تو اس وقت بھی مجھے یقین تھا کہ ام المؤمنین کی مدد نہ کرنا کفر وضلالت ہے، چنانچہ پہلے دن کی طرح اس دن بھی میں نے غسل اور حنوط کیا اور ہتھیار لگا کر ام المؤمنین کی مدد کے لئے گھر سے روانہ ہوا اور جب میں اسی مقام خریبہ کے پاس پہنچا تو وہی صدا مجھے دوبارہ مجھے سنائی دی۔ کوئی ہاتف غیبی مجھے پکار کر کہہ رہا تھا کہ حسن! اب پھر کہاں جاتے ہو؟ واپس چلے جاؤ! قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ یہ سن کر میں واپس آ گیا اور اگر میں یہ آوازیں نہ سنتا تو ام المؤمنین کی ضرور مدد کرتا''۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا، لیکن کیا تو جانتا ہے

کہ ندا دینے والا کون تھا؟''۔حسن نے کہا:''نہیں! مجھے کوئی علم نہیں ہے''۔امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:''ذَاكَ اَخُوكَ اِبلِيسُ وَ صَدَقَكَ اَنَّ الْقَاتِلَ وَ الْمَقْتُولَ مِنْهُمْ فِي النَّارِ آواز دینے والا تیرا بھائی ابلیس تھا اور اس نے تجھ سے سچ کہا تھا کہ اس گروہ کے قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں''۔اس وقت حسن بصری نے کہا:''اچھا! مجھے اب معلوم ہوا کہ اصحاب جمل سب کے سب ہلاک ہونے والے ہیں''۔

علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں سورہ نجم کی آیت ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مُؤْتَفِكَةٌ''بصرہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے اہل بصرہ سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا تھا:''يَا اَهْلَ الْبَصْرَةِ وَ يَا اَهْلَ الْمُؤْتَكِفَةِ وَ يَا اَهْلَ الدَّاءِ الْعِضَالِ يَا اَتْبَاعَ الْبَهِيْمَةِ يَا جُنْدَ الْمَرْأَةِ رَغَا فَاَجَبْتُمْ وَ عُقِرَ فَهَرَبْتُمْ مَاؤُكُمْ زُعَاقٌ وَ دِيْنُكُمْ نِفَاقٌ وَ اَحْلَامُكُمْ دِقَاقٌ (وَ اَحْلَامُكُمْ رِقَاقٌ خ ل) وَفِيْكُمْ خَتَمَ النِّفَاقُ وَلُعِنْتُمْ عَلٰى لِسَانِ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَ سَلَّمَ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ جِبْرِيْلَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ طَوٰى لَهُ الْاَرْضَ فَرَأَى الْبَصْرَةَ اَقْرَبَ الْاَرْضِيْنَ مِنَ الْمَآءِ وَ اَبْعَدُهَا مِنَ السَّمَآءِ وَ فِيْهَا تِسْعَةُ اَعْشَارِ الشَّرِّ وَ الدَّاءِ الْعِضَالِ الْمُقِيْمُ فِيْهَا مُذْنِبٌ وَ الْخَارِجُ عَنْهَا بِرَحْمَةٍ وَ قَدْ ائْتَكَفَتْ بِاَهْلِهَا مَرَّتَيْنِ وَ عَلَى اللّٰهِ تَمَامُ الثَّالِثَةِ وَ تَمَامُ الثَّالِثَةِ فِي الرَّجْعَةِ''۔اے بصرہ والو! اے الٹی بستی والو! اے لاعلاج مرض کے مریضو! اے چوپائے کی پیروی کرنے والو! اور اے ایک عورت کے لشکریو! جب اونٹ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے اور جب اونٹ زخمی ہوا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔تمہارا پانی شور ہے، تمہارا دین منافقت ہے اور تمہارے خیالات انتہائی پست ہیں (تمہارے خیالات انتہائی گھٹیا ہیں)، نفاق کی مہر تم پر لگی ہوئی ہے اور ستر انبیاء کی زبان سے تم پر لعنت کی گئی ہے۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بتایا تھا کہ جبریل امین نے ان کے لئے زمین کو سمیٹ دیا تھا اور رسالت مآبؐ نے بصرہ کو دیکھا کہ وہ باقی شہروں کی نسبت پانی کے زیادہ قریب اور آسمان سے زیادہ دور تھا۔برائی کے دس حصوں میں سے نو حصے اسی شہر میں پائے جاتے ہیں اور تم لوگ لاعلاج بیماری میں مبتلا ہو، اس شہر میں رہنے والا گناہگار ہے اور شہر سے نکل جانے والا رحمت ایزدی کا حقدار ہے۔یہ شہر اپنے باسیوں سمیت دو مرتبہ پہلے بھی الٹایا جا چکا ہے اور تیسری مرتبہ بھی الٹایا جائے گا اور اس کے الٹنے کی تکمیل زمانہ رجعت میں ہوگی۔

قول مؤلف اس مقام پر مؤلف عرض کرتا ہے کہ قرآن مجید کی ایک تنزیل ہے اور ایک تاویل ہے۔سورہ نجم کی اس آیت ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى﴾ کی تنزیل قوم لوط کے متعلق ہے۔قوم لوط کی بستیوں کو جبریل امین نے خدا کے حکم سے الٹا دیا تھا، اس کی اوپر کی سطح نیچے اور نیچے کی سطح اوپر کر دی گئی تھی۔تنزیل کے مطابق اس سے مراد قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ہیں لیکن تاویل کے تحت اس سے بصرہ مراد ہے۔اور غالباً یہی وجہ ہے کہ علی بن ابراہیم قمیؒ نے ﴿وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَكِفَاتُ بِالْخَاطِئَةِ﴾ (الحاقہ/۹) اور فرعون اور اس سے پہلے والے اور الٹی بستیوں والے سب نے غلطیوں کا ارتکاب کیا) کی آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق لکھا کہ ''مؤتفكات''بصرہ ہے اور''خاطئه''فلاں خاتون ہے۔

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ قمیؒ نے جو تاویل لکھی ہے وہ ان کی طبع زاد ہرگز نہیں ہے۔تاویل الآیات الباہرہ کے مؤلف نے محمد برقی سے روایت کی ہے، اس نے سیف بن عمیرہ سے، اس نے اپنے بھائی سے، اس نے منصور بن حازم سے، اس نے حمران سے روایت کی۔وہ

کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا، انہوں نے فرمایا: ''﴿وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ﴾ سے مراد ثالث، ﴿وَ مَنْ قَبْلَهٗ﴾ سے مراد اس کے سابق پیش رو ﴿وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ﴾ سے مراد اہل بصرہ اور ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ سے مراد حمیرا ہے۔ اگر ثالث اور اس کے پیش رو ظلم وستم کی بنیاد قائم نہ کرتے تو ایک عورت کو خروج کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی۔ اگر وہ اہانت اہل بیت علیہم السلام کا ارتکاب نہ کر چکے ہوتے تو ایک عورت کبھی بھی یہ جسارت نہ کر سکتی تھی۔ پہلے افراد نے زمین ہموار کر دی تھی اسی لئے ایک عورت نے خروج کی جسارت کی''۔

مذمت بصرہ کی تفصیلی روایت

محدث بحرانی علیہ الرحمہ نے متفرق مقامات پر مذمت بصرہ کے متعلق امیر المؤمنینؑ کے فرمودات لکھے ہیں۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں سب کو یکجا کر کے لکھا ہے، چنانچہ ہم اس مقام پر بحار الانوار سے درج ذیل خطبہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

علامہ مجلسیؒ رقم طراز ہیں کہ شیخ کمال الدین بن میثم بحرانی نے مرسلاً روایت کی ہے کہ جب امیر المؤمنینؑ جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو شہر بصرہ میں تشریف لائے اور منادی کو حکم دیا کہ پورے شہر میں اعلان کیا جائے کہ لوگ مسلسل تین روز تک جامع مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کریں اور عذر شرعی کے بغیر کوئی شخص پیچھے نہ رہنے پائے ورنہ وہ شخص اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔ حضرتؑ کا فرمان سن کر اہل بصرہ جوق در جوق مسجد میں حاضر ہوئے، حضرتؑ نے جامع مسجد میں نماز فجر کی امامت کرائی اور نماز کے بعد حضرتؑ نے قبلہ کی دیوار سے پشت لگائی اور اللہ کی حمد وثناء کی اور رسول کریمؐ پر درود بھیجنے کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''يَا اَهْلَ الْبَصْرَةِ يَااَهْلَ الْمُؤْتَكِفَةِ ائْتَكَفْتُ بِاَهْلِهَا ثَلَاثًا وَ عَلَى اللّٰهِ تَمَامَ الرَّابِعَةِ يَا جُنْدَ الْمَرْأَةِ يَا اَعْوَانَ الْبَهِيْمَةِ رَغَا فَاَجَبْتُمْ وَ عُقِرَ فَانْهَزَمْتُمْ اَخْلَاقُكُمْ دِقَاقٌ وَ دِيْنُكُمْ نِفَاقٌ وَمَاؤُكُمْ زُعَاقٌ وَبِلَادُكُمْ اَنْتَنُ بِلَادِ اللّٰهِ تُرْبَةً وَ اَبْعَدُهَا مِنَ السَّمَآءِ بِهَا تِسْعَةُ اَعْشَارُ الشَّرِّ اَلْمُحْتَبَسُ فِيْهَا بِذَنْبِهٖ وَ الْخَارِجُ مِنْهَا بِعَفْوِ اللّٰهِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى قَرْيَتِكُمْ هٰذِهٖ وَ قَدْ طَبَقَهَا الْمَآءُ حَتّٰى مَا يُرٰى مِنْهَا اِلَّا شُرَفُ الْمَسْجِدِ كَاَنَّهٗ جُؤْجُؤُ طَيْرٍ فِيْ لُجَّةِ بَحْرٍ فَقَامَ اِلَيْهِ الْاَحْنَفُ ابْنُ قَيْسٍ فَقَالَ لَهٗ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَتٰى يَكُوْنُ ذَالِكَ؟ قَالَ يَا اَبَا بَحْرٍ اِنَّكَ لَنْ تُدْرِكَ ذَالِكَ الزَّمَانَ وَ اَنَّ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ لَقُرُوْنًا وَ لٰكِنْ لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ عَنْكُمْ لِكَيْ يُبَلِّغُوْا اِخْوَانَهُمْ اِذَا هُمْ رَأَوُا الْبَصْرَةَ قَدْ تَحَوَّلَتْ اِخْصَاصُهَا دُوْرًا وَ آجَامُهَا قُصُوْرًا فَالْهَرْبُ الْهَرْبُ فَاِنَّهٗ لَا بَصْرَةَ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰى يَمِيْنِهٖ فَقَالَ كَمْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الْاُبُلَةِ؟ فَقَالَ لَهُ الْمُنْذِرُ ابْنُ الْجَارُوْدِ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ اَرْبَعَةُ فَرَاسِخَ قَالَ لَهٗ صَدَقْتَ فَوَ الَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا وَ اَكْرَمَهٗ بِالنُّبُوَّةِ وَ خَصَّهٗ بِالرِّسَالَةِ وَ عَجَّلَ بِرُوْحِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ لَقَدْ سَمِعْتُ مِنْهُ كَمَا تَسْمَعُوْنَ مِنِّيْ اَنْ قَالَ لِيْ يَا عَلِيُّ هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ بَيْنَ الَّتِيْ تُسَمَّى الْبَصْرَةُ وَ تُسَمَّ الْاُبُلَةُ اَرْبَعَةُ فَرَاسِخَ وَ سَيَكُوْنُ فِي الَّتِيْ تُسَمَّى الْاُبُلَةَ مَوْضِعُ اَصْحَابِ الْعُشُوْرِ يُقْتَلُ فِيْ ذَالِكَ الْمَوْضِعِ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا شَهِيْدٌ هُمْ يَوْمَئِذٍ بِمَنْزِلَةِ شُهَدَاءِ بَدْرٍ فَقَالَ لَهُ الْمُنْذِرُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّقْتُلُهُمْ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ؟ قَالَ يَقْتُلُهُمْ اِخْوَانُ الْجِنِّ وَ هُمْ جِيْلٌ كَاَنَّهُمُ الشَّيَاطِيْنُ سُوْدٌ اَلْوَانُهُمْ مُنْتَةٌ اَرْيَاحُهُمْ شَدِيْدٌ كَلَبُهُمْ قَلِيْلٌ سَلَبُهُمْ طُوْبٰى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَ طُوْبٰى لِمَنْ قَتَلُوْهُ يَنْفِرُ لِجِهَادِهِمْ فِيْ ذَالِكَ الزَّمَانِ قَوْمٌ هُمْ اَذِلَّةٌ عِنْدَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ مِنْ

اَهلِ ذَالِكَ الزَّمَانِ مَجهُوْلُوْنَ فِیُ الْاَرْضِ مَعْرُوْفُوْنَ فِیُ السَّمَآءِ تَبْكِی السَّمَآءُ عَلَيْهِمْ وَ سُكَّانُهَا وَ الْاَرْضُ وَ سُكَّانُهَا ۔

ثُمَّ هَمَلَتْ عَيْنَاهُ بِالْبُكَاءِ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ يَا بَصْرَةُ وَيْلَكَ يَا بَصْرَةُ لَا رَهَجَ لَهٗ وَ لَا حِسَّ **فَقَالَ لَهُ الْمُنْذِرُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَا الَّذِیُ يُصِيْبُهُمْ مِنْ قَبْلِ الْغَرْقِ مِمَّا ذُكِرَتْ وَ مَا الْوَيْحُ وَ مَا الْوَيْلُ؟ فَقَالَ** هُمَا بَابَانِ فَالْوَيْحُ بَابُ رَحْمَةٍ وَالْوَيْلُ بَابُ عَذَابٍ يَاابْنَ الْجَارُوْدِ نِعْمَ تَارَاتٌ عَظِيْمَةٌ مِنْهَايَقْتُلُ بَعْضُهَا بَعْضًا وَمِنْهَا فِتْنَةٌ يَكُوْنُ بِهَا خَرَابُ مَنَازِلٍ وَخَرَابُ دِيَارٍوَانْتِهَاكُ اَمْوَالٍ وَقَتْلُ رِجَالٍ وَسَبْیُ نِسَاءٍ يُذْبَحْنَ وَنَجَايَا وَيْلٌ اَمْرُهُنَّ حَدِيْثٌ عَجِيْبٌ مِنْهَا اَنْ يَّسْتَحِلَّ بِهَا الْاَجَالُ الْاَكْبَرُ الْاَعْوَرُ الْمَمْسُوْحُ الْعَيْنِ الْيُمْنٰی وَ الْاُخْرٰی كَاَنَّهَا مَمْزُوْجَةٌ بِالدَّمِّ لَكَاَنَّهَا فِیُ الْحُمْرَةِ عَلَقَةٌ نَاتِیُ اَلْحَدَقَةُ كَهَيْئَةِ حَبَّةِ الْعِنَبِ الطَّافِيَةِ عَلَى الْمَاءِ فَيَتْبَعَهٗ مِنْ اَهْلِهَا عِدَّةُ مَنْ قَتَلَ بِالْاَبَلَةِ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنَاجِيْلُهُمْ فِیُ صُدُوْرِهِمْ يُقْتَلُ مَنْ يُّقْتَلُ وَ يَهْرُبُ مَنْ يَّهْرُبُ ثُمَّ رَجْفٌ ثُمَّ قَذْفٌ ثُمَّ خَسْفٌ ثُمَّ مَسْخٌ ثُمَّ الْجُوْعُ الْاَغْبَرُ ثُمَّ الْمَوْتُ الْاَحْمَرُ وَ هُوَ الْغَرْقُ يَا مُنْذِرُ اِنَّ لِلْبَصْرَةِ ثَلَاثَةُ اَسْمَاءٍ سِوَى الْبَصْرَةِ فِیُ الزُّبُرِ الْاَوَّلِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا الْعُلَمَاءُ مِنْهَا الْخَرِيْبَةُ وَ مِنْهَا التَّدَمُّرُ وَ مِنْهَا الْمُؤْتَفِكَةُ يَا مُنْذِرُ وَ الَّذِیُ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْ اَشَاءُ لَاَخْبَرْتُكُمْ بِخَرَابِ الْعَرَصَاتِ عَرْصَةً عَرْصَةً مَتٰی تَخْرُبُ وَ مَتٰی تُعْمَرُ بَعْدَ خَرَابِهَا اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ اِنَّ عِنْدِیُ مِنْ ذَالِكَ عِلْمًا جَمًّا وَ اِنْ تَسْاَلُوْنِیُ تَجِدُوْنِیُ بِهٖ عَالِمًا لَا اَخْطَئُ مِنْهُ عِلْمًا وَ لَا دَافِنًا وَ لَقَدِ اسْتَوْدَعْتُ عِلْمَ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی وَ مَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ

(ثُمَّ قَالَ) يَا اَهْلَ الْبَصْرَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ لِاَحَدٍ مِنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِيْنَ خِطَّةَ شَرَفٍ وَ كَرَمٍ اِلَّا وَ قَدْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَفْضَلَ ذَالِكَ وَ زَادَكُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بِمَنِّهٖ مَا لَيْسَ لَهُمْ اَنْتُمْ اَقْوَمُ النَّاسِ قِبْلَةً قِبْلَتُكُمْ عَلَى الْمَقَامِ حَيْثُ يَقُوْمُ الْاِمَامُ بِمَكَّةَ وَ قَارِئُكُمْ اَقْرَءُ النَّاسِ وَ زَاهِدُكُمْ اَزْهَدُ النَّاسِ وَ عَابِدُكُمْ اَعْبَدُ النَّاسِ وَ تَاجِرُكُمْ اَتْجَرُ النَّاسِ وَ اَصْدَقُهُمْ فِیُ تِجَارَتِهٖ وَ مُتَصَدِّقُكُمْ اَكْرَمُ النَّاسِ صَدَقَةً وَ غَنِيُّكُمْ اَشَدُّ النَّاسِ بَذْلًا وَ تَوَاضُعًا وَ شَرِيْفُكُمْ اَحْسَنُ النَّاسِ خُلُقًا وَ اَنْتُمْ اَكْرَمُ النَّاسِ جَوَارًا وَ اَقَلُّهُمْ تَكَلُّفًا لِمَا لَا يُغْنِيْهِ وَ اَحْرَصُهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ فِیُ جَمَاعَةٍ ثَمَرَتُكُمْ اَكْثَرُ الثِّمَارِ وَ اَمْوَالُكُمْ اَكْثَرُ الْاَمْوَالِ وَ صِغَارُكُمْ اَكْيَسُ الْاَوْلَادِ نِسَاؤُكُمْ اَقْنَعُ النِّسَاءِ وَ اَحْسَنُهُنَّ تَبَعُّلًا سَخَّرَ لَكُمُ الْمَاءَ يَغْدُوْ عَلَيْكُمْ وَ يَرُوْحُ صَلَاحًا لِمَعَاشِكُمْ وَ الْبَحْرُ سَبَبًا لِكَثْرَةِ اَمْوَالِكُمْ فَلَوْ صَبَرْتُمْ وَ اسْتَقَمْتُمْ لَكَانَتْ لَكُمْ شَجَرَةُ طُوْبٰی مُقِيْلًا ظِلًّا ظَلِيْلًا غَيْرَ اَنَّ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْكُمْ مَاضٍ وَ قَضَاؤُهٗ نَافِذٌ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَ هُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ ﴿وَ اِنْ مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّانَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذَالِكَ فِیُ الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا﴾ **(بنی اسرائیل/ ۵۸)** اُقْسِمُ لَكُمْ يَا اَهْلَ الْبَصْرَةِ مَا الَّذِیُ ابْتَدِئُكُمْ مِنَ التَّوْبِيْخِ اِلَّا تَذْكِيْرًا وَ مَوْعِظَةً لِمَا بَعْدُ لِكَيْلَاتَسْرَعُوْا اِلَى الْوُثُوْبِ فِیُ مِثْلِ الَّذِیُ وَثَبْتُمْ وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ لِنَبِيِّهٖ ﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ **(ذاریات/ ۵۵)** وَ لَا الَّذِیُ ذَكَرْتُ فِيْكُمْ مِنَ الْمَدْحِ وَ التَّطْرِيَةِ بَعْدَ التَّذْكِيْرِ وَ الْمَوْعِظَةِ رَهْبَةً مِّنِّیُ لَكُمْ وَ لَا رَغْبَةً فِیُ شَیْءٍ مِمَّا قَبْلَكُمْ فَاِنِّیُ لَا اُرِيْدُ الْمَقَامَ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لِاُمُوْرٍتَحْضُرُنِیُ قَدْ يُلْزِمُنِیُ الْمَقَامُ بِهَافِيْمَابَيْنِیُ وَ بَيْنَ اللّٰهِ لَا عُذْرَ لِیُ فِیُ تَرْكِهَا وَ لَا عِلْمَ لَكُمْ بِشَیْءٍ مِّنْهَا حَتّٰی يَقَعَ مِمَّا اُرِيْدُ اَنْ اَحُوْضَهَا مُقْبِلًا وَمُدْبِرًا فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَاخُذَ بِنَصِيْبِهٖ مِنْهَا فَلْيَفْعَلْ

فَلَعَمْرِیْ اَنَّہٗ لِلْجَھَادُ الصَّافِیُ صَفَّاہُ لَنَا کِتَابُ اللّٰہِ وَلَاالَّذِیْ اَرَدْتُ بِہٖ مِنْ ذِکْرِبِلَادِکُمْ مَوْجِدَۃٌ مِنِّیْ عَلَیْکُمْ لِمَا شَاقَقْتُمُوْنِیْ غَیْرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ قَالَ لِیْ یَوْمًا وَ لَیْسَ مَعَہٗ غَیْرِیْ اَنَّ جِبْرِیْلَ الْاَمِیْنَ حَمَلَنِیْ عَلٰی مَنْکِبِہِ الْاَیْمَنِ حَتّٰی اَرَانِیَ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْھَا وَ اَعْطَانِیْ اَقَالِیْدَھَا وَ لَمْ یَکْبُرْ ذَالِکَ عَلَیَّ کَمَا لَمْ یَکْبُرْ عَلٰی اَبِیْ آدَمَ عَلَّمَہُ الْاَسْمَاءَ وَ لَمْ یَعْلَمُہُ الْمَلَائِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ اِنِّیْ رَاَیْتُ بُقْعَۃً عَلٰی شَاطِیِٔ الْبَحْرِ تُسَمَّی الْبَصْرَۃَ فَاِذَا ھِیَ اَبْعَدُ الْاَرْضِ مِنَ السَّمَاءِ وَ اَقْرَبُھَا مِنَ الْمَاءِ وَ اَنَّھَا لَاَسْرَعُ الْاَرْضِ خَرَابًا وَ اَخْشَنُھَاتُرَابًاوَاَشَدُّھَاعَذَابًاوَلَقَدْخَسَفَ بِھَا قُرُوْنُ الْخَالِیَۃِ مِرَارًا وَ لَیُاْتِیَنَّ عَلَیْھَا زَمَانٌ وَ اَنَّ لَکُمْ یَا اَھْلَ الْبَصْرَۃِ وَ مَا حَوْلَکُمْ مِنَ الْقُرٰی مِنَ الْمَاءِ لَیَوْمًاعَظِیْمًابَلَاؤُہٗ وَاِنِّیْ لَاَعْرِفُ مَوْضِعَ مُنْفَجِرِہٖ مِنْ قَرْیَتِکُمْ ھٰذِہٖ ثُمَّ اُمُوْرٌقَبْلَ ذَالِکَ تُدْھِمُکُمْ اَخْفَیْتُ عَلَیْکُمْ وَعَلَمْنَاہُ فَمَنْ خَرَجَ عِنْدَ دُنُوِّغَرْقِھَافَبِرَحْمَۃٍ مِنَ اللّٰہِ سَبَقَتْ لَہٗ وَمَنْ بَقِیَ فِیْھَا غَیْرَ مُرَابِطٍ لَھَا فَبِذَنْبِہٖ وَمَااللّٰہُ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ''۔

ترجمہ عبارت

''بصرہ والو! اے اس الٹی ہوئی سرزمین میں رہنے والو! جو اپنے باشندوں سمیت تین بار پہلے الٹ چکی ہے اور جسے چوتھی دفعہ اللہ مکمل طور پر الٹ دے گا، اے عورت کے لشکر میں شامل ہونے والو! اے چوپائے کے مددگارو! جب وہ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے آئے اور جب وہ زخمی ہوا تو تم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تمہارا کردار پست، تمہارا دین منافقت، تمہارا پانی کھارا، تمہاری زمین خدا کے تمام شہروں کی زمین سے زیادہ بدبودار ہے اور تمہارا شہر آسمان سے زیادہ دور ہے۔ دس میں سے نو حصے برائی اس میں ہے۔ اس میں رہنے والا گناہوں میں جکڑا ہوا ہے اور اس سے نکل جانے والا خدا کی رحمت کا حقدار ہے۔ میں گویا تمہارے اس شہر کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ پانی نے اسے گھیرا ہوا ہے اور مسجد کے کنگرے کے سوا باقی کچھ نظر نہیں آتا اور وہ بھی یوں نظر آتا ہے جیسے پانی کے گہراؤ میں کوئی پرندہ سینے کے بل بیٹھا ہوا ہو''۔ احنف بن قیس (۱) نے کھڑے ہو کر کہا: ''امیر المؤمنینؑ! یہ واقعہ کب ہوگا؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''ابو بحر! تو اس زمانے کو ہرگز نہیں پا سکے گا اور تیرے اور اس واقعہ کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے، لیکن میں تم لوگوں کو اس لئے بتا رہا ہوں کہ حاضر غائب کو خبر کرے اور نسل در نسل یہ پیغام جاری رہنا چاہئے اور اپنے تمام بھائیوں کو اطلاع کرنی چاہئے کہ جب جھونپڑیوں کی جگہ گھر بن جائیں اور جنگلات میں محل تعمیر ہو جائیں تو یہاں سے بھاگ جانا۔ پھر بصرہ تمہارے لئے بصرہ نہیں رہے گا''۔ پھر آپؑ دائیں بائیں متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''یہاں سے ابلہ کتنے فاصلے پر ہے؟''۔ منذر بن جارود نے کہا: ''میرے ماں باپ آپؑ پر قربان! یہاں سے چار فرسخ کے فاصلے پر ہے''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا، مجھے اس ذات برحق کی قسم جس نے محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث بہ نبوت فرمایا، جس نے انہیں رسالت کے لئے مخصوص کیا اور جس نے ان کی روح اطہر کو جلدی سے جنت بھیجا، میں نے بھی ان سے اسی طرح سنا تھا جیسا کہ آج تم میری زبانی سن رہے ہو۔

---

(۱) احنف بن قیس کی کنیت ابو بحر تھی اور اس کا تعلق بنی تمیم سے تھا اور یہ جنگ میں غیر جانبدار رہا تھا۔

انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا: ''اے علیؑ! جانتے ہو کہ بصرہ اور ابلہ نامی دو مقامات کے درمیان چار فرسخ کا فاصلہ ہے۔ ابلہ میں ''اصحاب عشور'' کا مقام ہوگا۔ وہاں میری امت کے ستر ہزار افراد قتل ہوں گے اور ان شہداء کا رتبہ شہدائے بدر جیسا ہوگا''۔ منذر نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! میرے والدین آپؑ پر فدا ہوں، ان کو کون قتل کرے گا؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''انہیں جنات کے بھائی بند قتل کریں گے اور ان میں بہت سے گروہ ہوں گے، گویا وہ شیطان ہوں گے۔ ان کے رنگ سیاہ ہوں گے اور ان کے پسینے سے بدبو آتی ہوگی۔ وہ سخت حملہ کرنے والے اور بہت کم لوٹ مار کرنے والے ہوں گے۔ ان کو قتل کرنے والے کے لئے خوشخبری ہو اور جو ان کے ہاتھوں سے قتل ہو جائے اس کے لئے بھی خوشخبری ہو(۱)۔ اس زمانہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے ایسے لوگ کمر بستہ ہوں گے جو متکبرین کے نزدیک گمنام لیکن آسمانوں میں معروف ہوں گے۔ اور ان لوگوں کی موت پر آسمان، اہل آسمان اور زمین اور اہل زمین گریہ کریں گے'' اور ان کی موت پر زمین اور زمین کے رہنے والے روئیں گے۔

پھر آپؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور فرمایا: ''بصرہ! تجھ پر افسوس، بصرہ تجھ پر تباہی۔ اس لشکر کا غبار نہ ہوگا اور اس لشکر کی آوازیں بلند نہ ہوں گی''۔ منذر نے کھڑے ہو کر کہا: ''امیر المؤمنینؑ! آپؑ نے جس غرقابی کا ذکر کیا ہے اس سے پہلے بصرہ پر کیا مصیبت نازل ہوگی اور افسوس اور تباہی کیا ہے؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''افسوس رحمت کا دروازہ اور تباہی عذاب کا دروازہ ہے۔ ہاں ہاں ابن جارود! کئی عظیم انقلاب درپیش ہیں۔ ایک واقعہ میں لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ ایک واقعہ میں مکانات تباہ ہو جائیں گے اور شہر اجڑ جائے گا اور اموال لوٹ لئے جائیں گے اور مرد قتل ہوں گے اور عورتوں کو قید کر کے ذبح کر دیا جائے گا۔ ان کا معاملہ انتہائی عجیب ہوگا۔ اور ایک واقعہ یہ رونما ہوگا کہ کانا دجال یہاں آ کر قیام کرے گا، جس کی آنکھ انگور کے دانے کی طرح پانی پر تیرتی ہوئی نظر آئے گی اور دوسری آنکھ خون کی طرح سرخ ہوگی۔ پھر یہاں کے ابلہ میں شہید ہونے والوں کے خاندان کے کچھ لوگ اس کا تعاقب کریں گے، جن کی کتابیں ان کے سینوں میں ہوں گی۔ قتل ہونے والے قتل ہوں گے اور بھاگنے والے بھاگیں گے۔ پھر زلزلے ہوں گے اور پتھروں کی بارش ہوگی پھر زمین دھنسے گی پھر چہرے مسخ ہوں گے پھر بدترین بھوک ہوگی پھر سرخ موت غرقابی کی شکل میں نمودار ہوگی۔ منذر! سابقہ کتابوں میں اس بصرہ کے تین اور نام بھی ہیں جنہیں اہل علم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کا نام خریبہ بھی ہے، تدمر بھی اور مؤتفکہ بھی۔ منذر! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور جاندار کو پیدا کیا اگر میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں کہ کون کون سا علاقہ کب تباہ ہوگا اور پھر کب آباد ہوگا اور میں اس کے متعلق صبح قیامت کے طلوع ہونے تک کے واقعات بتا سکتا ہوں۔ بے شک میرے پاس بہت بڑا علم ہے اور اگر تم مجھ سے اس کے متعلق سوال کرو گے تو مجھے اس کا عالم پاؤ گے۔ میں کسی ظاہر اور پوشیدہ چیز کے متعلق خطا نہیں کروں گا۔ مجھے سابقہ زمانوں اور مستقبل میں قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا علم عطا کیا گیا ہے''۔

بصرہ کی خوبیاں

پھر آپؑ نے ارشاد فرمایا: ''بصرہ والو! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے جس خطے کو بھی شرف و کرم سے نوازا ہے، تمہیں اس سے بہتر طور پر نوازا ہے۔ اللہ نے تم پر احسان کرتے ہوئے تمہیں دوسرے علاقوں سے زیادہ نوازا ہے۔

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کا اشارہ صاحب زنج (زنگی) کے حملہ کی طرف ہے جس کا تمام تر لشکر پیادہ تھا، ان کے لشکر میں کسی گھوڑے اور جانور کی آواز تک نہ تھی۔ (بحار الانوار)

۱۔تمہارا شہر قبلہ کے لحاظ سے بالکل سیدھا ہے۔تمہارا قبلہ اسی سیدھ میں ہے جہاں امام کعبہ کھڑا ہوتا ہے۔

۲۔تمہارے قاری باقی لوگوں سے بڑے قاری ہیں۔

۳۔تمہارے زاہد باقی لوگوں سے بڑے زاہد ہیں۔

۴۔تمہارے عابد باقی لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہیں۔

۵۔تمہارے تاجر باقی لوگوں سے بڑے تاجر اور تجارت میں سچے ہیں۔

۶۔تمہارے صدقہ دینے والے باقی لوگوں سے بہتر صدقہ دینے والے ہیں۔

۷۔تمہارے دولت مند باقی دولت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خرچ کرنے والے اور باتواضع ہیں۔

۸۔تمہارے رؤسا اخلاق کے اعتبار سے باقی لوگوں سے بہتر ہیں۔

۹۔ہمسائیگی کی رو سے بھی تم اچھے لوگ ہو۔

۱۰۔بے فائدہ چیزوں کے ترک کرنے میں تم بے نظیر ہو۔

۱۱۔نماز باجماعت کے زیادہ دلدادہ ہو۔

۱۲۔تمہارے پھل اور پھلوں سے زیادہ ہیں۔

۱۳۔تمہاری دولت باقی لوگوں کی دولت سے زیادہ ہے۔

۱۴۔تمہارے بچے باقی بچوں سے زیادہ دانا ہیں۔

۱۵۔تمہاری عورتیں باقی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ قناعت پسند اور بہتر شوہر داری کرنے والی ہیں۔

۱۶۔اللہ نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا ہے، اس کا پانی صبح وشام تمہارے پاس آتا ہے اس سے تمہاری معیشت کو بہتر بنایا گیا ہے۔

۱۷۔سمندر تمہاری دولت کی کثرت کا سبب ہے۔

اگر تم صبر واستقامت اختیار کرلو تو شجرہ طوبیٰ کا سایہ تمہیں نصیب ہوسکتا ہے۔لیکن یاد رکھو! اللہ کا فیصلہ جاری ہوکر رہے گا۔اس کے فیصلے کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَ اِنْ مِنْ قَرْیَۃٍ اِلَّانَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا کَانَ ذَالِکَ فِیْ الْکِتَابِ مَسْطُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل/ ۵۸) کوئی نافرمان آبادی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے برباد نہ کردیں یا اس پر عذاب شدید نازل نہ کردیں کہ یہ بات کتاب میں لکھ دی گئی ہے۔اے بصرہ والو! میں نے تمہیں ابتدا میں جو کچھ ملامت کیا ہے اس کا مقصد تمہیں وعظ ونصیحت کرنا ہے تاکہ تم آئندہ اس طرح کا غلط اقدام نہ کرو جیسا کہ پہلے کرچکے ہو۔اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی کو حکم دیا ہے﴿وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْریٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (ذاریات/ ۵۵) اور یاددہانی بہرحال کراتے رہیں کہ یاددہانی صاحبان ایمان کے حق میں مفید ہوتی ہے۔اور یہ بھی یاد رکھو کہ وعظ ونصیحت کے بعد میں نے جو تمہاری تعریف کی ہے وہ نہ تو تمہارے خوف

سے کی ہے اور نہ ہی مجھے تم لوگوں سے کچھ امید وابستہ ہے۔ کیونکہ میں تمہارے یہاں رہنے کا ارادہ نہیں رکھتا، البتہ چند ضروری امور نمٹانے کے لئے جن کی ادائیگی مجھ پر فرض ہے تمہارے پاس ٹھہروں گا.....۔ جس نے اپنا حصہ لینا ہو وہ لے لے۔ مجھے اپنی جان کی قسم! یہ خالص جہاد ہے اور میں نے جو کچھ تمہارے شہر کی تباہی و بربادی کا تذکرہ کیا ہے یہ تمہاری موجودہ نافرمانی کی بنا پر نہیں کیا۔

ایک دن میں رسولؐ خدا کی خدمت میں اکیلا موجود تھا، آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''جبرائیل امین نے مجھے اپنے دائیں کندھے پر سوار کیا اور مجھے تمام زمین اور اہل زمین دکھائے اور زمین کی چابیاں میرے حوالے کیں۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کے لئے اسماء کا علم گراں نہ تھا جب کہ ملائکہ مقربین اس سے لاعلم تھے۔ اسی طرح سے ان چابیوں کا اٹھانا بھی مجھے گراں نہ گزرا۔ میں نے سمندر کے کنارے ایک ٹکڑا دیکھا جسے بصرہ کہا جاتا ہے۔ وہ زمین مجھے آسمان سے دور اور پانی کے قریب نظر آئی، وہ روئے زمین پر جلد خراب ہونے والا شہر ہے، اس کی مٹی بہت سخت ہے اور اس پر سخت عذاب نازل ہونا ہے۔ سابقہ ادوار میں وہ کئی مرتبہ دھنس چکا ہے اور پھر اس پر براوقت ضرور آکر رہے گا''۔ اے بصرہ اور اس کے گرد ونواح میں رہنے والے لوگو! اس پانی سے تمہیں بدترین دن دیکھنا پڑے گا۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پانی تمہارے شہر کے کس مقام سے پھوٹے گا۔ علاوہ ازیں کچھ اور حوادث ہیں جن کا تمہیں سامنا کرنا ہے۔ جن کا ہمیں علم ہے لیکن تم سے مخفی رکھ رہے ہیں اور جو شخص اس کی غرقابی کے وقت نکل گیا تو اللہ کی رحمت کی وجہ سے ہی نکل پائے گا اور جو اس میں باقی رہا وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے باقی رہے گا۔ اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم روا رکھنے والا نہیں ہے''۔

حقیقی اہل جماعت

پھر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ''امیر المؤمنین! آپؑ بتائیں کہ اہل جماعت کون ہیں؟ اہل تفریق کون ہیں؟ اہل بدعت کون ہیں؟ اور اہل سنت کون ہیں؟''۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''تو نے مجھ سے سوال کیا ہے تو پھر اچھی طرح سے سمجھ لے اور میرے بعد تجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ میں اور میری جماعت کے افراد اہل جماعت ہیں، اگرچہ ہماری تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہوں، یہ بات اللہ اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق حق ہے۔ وہ اہل تفریق اور میرے اور میرے پیروکاروں کے مخالفین ہیں اگرچہ وہ کثرت میں کیوں نہ ہو۔ اہل سنت وہ ہیں جو خدا اور رسولؐ کے طریقے سے تمسک رکھیں اگرچہ کم کیوں نہ ہوں اور اہل بدعت خدا، اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرنے والے ہیں جو اپنی رائے پر عمل کریں، اگرچہ ان کی تعداد زیادہ بھی ہو۔ ان میں سے پہلی فوج گزر چکی ہے اور باقی کچھ فوجیں باقی ہیں اور اللہ روئے زمین سے ان کا قلع قمع فرمائے گا اور توفیق دینے والا اللہ ہی ہے''۔

احتجاج طبرسی میں حضرتؑ کے اس فرمان کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ پھر عمار بن یاسر کھڑے ہوئے اور عرض کی: ''امیر المؤمنینؑ! لوگ مال غنیمت کی باتیں کر رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے ہم سے جنگ کی وہ خود اور ان کی دولت اور اولاد ہماری ملکیت ہے اور ہمارے لئے حلال ہے''۔ اتنے میں بنی بکر بن وائل میں سے ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام عباد بن قیس تھا اور وہ بڑا زبان دراز انسان تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا: ''امیر المؤمنینؑ! آپؑ نے تقسیم میں مساوات کو نظر انداز کر دیا ہے اور رعیت میں عدل کا خیال نہیں کیا''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہو! بھلا وہ کیسے؟''۔ اس نے کہا: ''آپؑ نے لشکر کے مال کو غنیمت قرار دیا ہے اور اسے فوج میں

تقسیم کیا لیکن آپؑ نے مخالفین کے گھروں اوران کی عورتوں اور بچوں کو مال غنیمت قرار نہ دیا''۔حضرتؑ نے فرمایا:''لوگو! جسے کوئی زخم ہو وہ گھی سے اس کا علاج کرے''۔عباد نے کہا:''ہم اپنے لئے مال غنیمت کا مطالبہ کرتے ہیں اور آپؑ نے مزاح شروع کر دی ہے''۔آپؑ نے فرمایا:''اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھ پر بنی ثقیف کے ایک جوان کو مسلط کرے گا''۔آپؑ سے لوگوں نے پوچھا:''ثقفی جوان کون ہوگا؟''۔آپؑ نے فرمایا:''وہ ایک ایسا بے رحم اور سفاک شخص ہوگا جو کسی کی بھی حرمت کا خیال نہیں کرے گا''۔پھر لوگوں نے پوچھا:''آیا وہ شخص اپنی طبعی موت مرے گا یا اسے قتل کر دیا جائے گا؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''جباروں اور سرکشوں کی گردن مروڑنے والا خدا اس کی بھی گردن مروڑ دے گا اور اسے بدترین موت سے ہمکنار کرے گا۔اس کی آنتیں کٹ کٹ کر دبر کے راستے سے باہر آئیں گے اور اس کی دبر تک جل جائے گی''۔پھر آپؑ نے سوال کرنے والے شخص سے فرمایا:''اے بنی بکر بن وائل کے فرد! تو کمزور رائے رکھنے والا شخص ہے۔کیا تجھے علم نہیں ہے کہ ہم بڑے کے گناہ میں کسی چھوٹے کو نہیں پکڑتے۔یہ مال واولاد ازواج تفرقہ میں مبتلا ہونے سے پہلے ان کی ملکیت تھے اور ان کا نکاح شریعت اسلام کے مطابق ہو چکا تھا اور ان کے بچے بھی فطرت اسلام پر پیدا ہوئے تھے۔جو کچھ ان کی اردوگاہ میں تھا وہ مال تمہارے لئے حلال ہے اور جو کچھ ان کے گھروں میں ہے اس پہ میراث کا قانون نافذ ہوگا۔اگر ان میں سے کوئی ہم پر زیادتی کرے گا تو ہم زیادتی کرنے والے کا مؤاخذہ کریں گے دوسروں کے گناہوں کے بدلے میں کسی اور کا مؤاخذہ نہیں کریں گے۔میں نے اہل بصرہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو رسولؐ خدا نے اہل مکہ کے ساتھ کیا تھا۔رسولؐ کریم نے بھی ان کی اردوگاہ کے مال کو غنیمت قرار دیا تھا اور ان کے گھروں کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔اس سلسلے میں میں نے سنت رسولؐ کی مکمل پیروی کی ہے۔

بنی بکر کے فرد! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ دارالحرب میں سب کچھ حلال ہوتا ہے اور دارالہجرت میں حق کے علاوہ اور کچھ حلال نہیں ہوتا۔خدا تم پر رحم کرے،آرام وسکون اختیار کرو اور ذرا ٹھنڈے دل سے مجھے بتاؤ کہ تم میں کوئی ایسا ہے جو حرم رسولؐ کو اپنا حصہ سمجھ کر لے سکے؟''۔یہ سن کے لوگ کہنے لگے:''امیرالمؤمنینؑ! آپؑ کا فیصلہ بالکل درست ہے،ہم غلطی پر تھے،ہم اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں''۔اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے شور بپا ہوا کہ امیرالمؤمنینؑ کا فیصلہ درست ہے۔

اس وقت حضرت عمارؓ یاسر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:''لوگو! بخدا اگر تم نے علیؑ کی اتباع واطاعت کی تو وہ تمہیں تمہارے نبیؐ کے طریقے سے سرِمو بھی ادھر ادھر نہیں ہونے دیں گے کیونکہ علیؑ وہ ہیں جنہیں رسولؐ خدا نے علم القضایا والمنایا سپرد کیا تھا اور فصل الخطاب کی انہیں تعلیم دی تھی اور رسولؐ خدا نے انہی کے متعلق فرمایا تھا:''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ''تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔خدا اور رسولؐ نے علیؑ کو وہ کچھ عطا کیا جو عالمین میں سے کسی کو نہیں ملا''۔پھر امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا:''لوگو! خدا تم پر رحم کرے تم ہمارے فرمان کی تعمیل کرو کیونکہ عالم آنے والے حالات کے لئے جاہل سے بہتر منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔اگر تم نے میری اطاعت کی تو میں تمہیں راہ نجات پر گامزن رکھوں گا مگر اس میں محنت اور تکلیف ضرور برداشت کرنا ہوگی۔دنیا ظاہری طور پر میٹھی نظر آتی ہے اور جو اس پر فریفتہ ہو جائے اسے بعد میں شقاوت اور بدبختی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔میں تمہیں یہ بتائے دیتا ہوں کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو ان کے نبی نے دریا کا پانی پینے سے روکا تھا تو اکثریت نے نبی کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔تم بنی اسرائیل

کے اس گروہ کی مانند بننے کی کوشش نہ کرنا۔ نبی کے فرماں بردار بنو اور اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ اور جہاں تک عائشہ کا تعلق ہے تو اس پر زنا نہ سوچ غالب آ گئی تھی اور اس کے بعد اس کی پہلے کی طرح حرمت ہے اور حساب اللہ کے ذمہ ہے اور وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے''۔

تنبیہ دوم

زوجہ رسولؐ کی غلطی

اس عنوان کے تحت ہم قرآن مجید اور فرمان رسولؐ سے زوجہ رسولؐ کے اقدام کی غلطی ثابت کرنا چاہتے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ازواج پیغمبرؐ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّأْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَ کَانَ ذَالِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا﴾ اے زنان پیغمبرؐ! جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائی کا ارتکاب کرے گی اس کا عذاب بھی دہرا کر دیا جائے گا اور یہ بات خدا کے لئے بہت آسان ہے (احزاب/۳۰)۔ علی بن ابراہیم نے تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں ''فاحشہ'' سے مراد تلوار لے کر خروج کرنا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج پیغمبرؐ کو مزید حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی .....﴾ اور تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنے آپ کو مت ظاہر کرو (احزاب/۳۳)۔ تفسیر صافی میں کتاب اکمال کے حوالہ سے ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد ان کے وصی یوشع بن نون نے بنی اسرائیل کی قیادت کی اور انہوں نے پورے تیس برس تک امت موسیٰؑ کی رہنمائی کی۔ ان کے دور میں حضرت موسیٰؑ کی زوجہ صفرا (صفورا) بنت شعیب نے ان کے خلاف خروج کیا تھا اور اس نے دعویٰ کیا تھا کہ موسیٰؑ کی جانشینی کے لئے میں زیادہ حقدار ہوں۔ چنانچہ ان میں شدید جنگ ہوئی تھی اور اللہ نے یوشع کو زوجہ موسیٰؑ پر فتح دی تھی۔ انہوں نے فتح پا کر کمالِ رحمدلی سے کام لیتے ہوئے انتقام نہیں لیا تھا۔ اور میرے بعد ابوبکر کی بیٹی بھی ہزاروں افراد کو ساتھ لے کر میرے وصی اور جانشین علیؑ کے خلاف خروج کرے گی اور ان کے درمیان شدید جنگ ہوگی، جس میں علیؑ کامیاب ہوں گے اور وہ بھی سنت یوشع پر عمل کرتے ہوئے اس سے کوئی انتقام نہیں لیں گے۔ اور ﴿وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی﴾ سے یہی مراد ہے یعنی جس طرح سے زوجہ موسیٰؑ نے اپنے آپ کو ظاہر کیا تھا تو اے ازواج پیغمبرؐ! تم اس کی طرح اپنے آپ کو اغیار میں ظاہر نہ کرنا۔ قمی نے حضرت امام جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے فرمایا: ''سَیَکُوْنُ جَاهِلِیَّةٌ اُخْرٰی، ایک اور جاہلیت بھی نمودار ہوگی''۔ تفسیر کلبی میں ابن عباس سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کو معلوم تھا کہ حضورؐ اکرم کی ایک بیوی گھر کو چھوڑ کر میدان میں آئے گی اس لئے اللہ نے تمام ازواج کے نام یہ حکم جاری فرمایا ﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ اور تم اپنے

گھروں میں بیٹھی رہو۔

۳۔احتجاج طبرسی میں شعبی سے روایت ہے،اس نے عبدالرحمٰن بن مسعود العبدی سے روایت کی، وہ کہتا ہے کہ میں مکہ میں عبد اللہ بن زبیر کے ساتھ تھا اتنے میں اسے طلحہ وزبیر کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ عثمان مظلوم مارے گئے اور ہمیں امت محمدیہ کی فکر ہے اس لئے ہم خروج کرنا چاہتے ہیں۔تم اپنی خالہ (بی بی عائشہؓ) کے پاس جاؤ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ روانہ ہوجائیں تو ہمیں قوی امید ہے کہ امت کا مستقبل محفوظ ہوجائے گا۔پیغام ملنے کے بعد عبداللہ بن زبیر ام المؤمنین کے پاس گئے۔اس وقت میں بھی اس کے ساتھ تھا،عبداللہ تو ام المؤمنین کے حجرہ میں چلے گئے اور میں حجرہ کے باہر بیٹھ گیا اور دونوں کی گفتگو سننے لگا۔عبداللہ نے بی بی کو طلحہ کا پیغام پہنچایا تو بی بی نے کہا: ''سبحان اللہ! مجھے تو باہر نکلنے کا حکم نہیں ہے۔البتہ اس وقت امہات المؤمنین میں سے ام سلمہؓ موجود ہیں، میں ان سے گفتگو کرتی ہوں۔اگر انہوں نے خروج کیا تو میں بھی ان کے ساتھ خروج کروں گی''۔عبداللہ یہ جواب لے کر واپس آئے تو طلحہ وزبیر نے اس سے کہا کہ تم خود اپنی خالہ کو لے کر ام سلمہؓ کے پاس جاؤ ورنہ وہ نہیں جائے گی۔چنانچہ عبداللہ واپس اپنی خالہ کے پاس آئے اور انہیں لے کر ام سلمہؓ کے پاس پہنچے، ام سلمہؓ نے بی بی عائشہؓ کے خوش آمدید کہا اور فرمایا:''عائشہؓ! تم میرے پاس آنے والی تو نہ تھیں،آخر تمہیں آج میرے پاس آنے کا خیال کیسے پیدا ہوا؟!''۔بی بی عائشہؓ نے کہا:''طلحہ وزبیر مدینہ سے یہاں آئے ہیں اور انہوں نے آکر خبر دی ہے کہ عثمان کو مظلومی کی حالت میں قتل کر دیا گیا ہے''۔حضرت ام سلمہؓ نے بی بی عائشہؓ کی زبان سے جیسے ہی یہ جملہ سنا تو انہوں نے زوردار چیخ ماری اور چیخ کی آواز پورے گھر میں سنی گئی،انہوں نے چیخ کر کہا:''عائشہؓ! میں تمہاری زبانی یہ کیا سن رہی ہوں؟! کل تک تو تم عثمانؓ پر کفر کا فتویٰ لگاتی تھیں اور آج اسے امیر المؤمنین اور مظلوم کہہ رہی ہو؟! آخر تمہارا مقصد کیا ہے!؟''۔

بی بی عائشہؓ نے کہا:''میں چاہتی ہوں کہ آپ ہمارے ساتھ خروج کریں تا کہ امت محمدؐ یہ کا معاملہ درست ہوسکے''۔بی بی ام سلمہؓ نے کہا:''عائشہؓ! اگر تمہیں جانا ہے تو چلی جاؤ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ رسولؐ خدا نے کیا فرمایا تھا۔عائشہؓ! تجھے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں کیا تجھے وہ دن بھول گیا جب تیری باری کا دن تھا اور میں نے گھر میں حلوہ تیار کیا اور حلوہ لے کر حضورؐ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس وقت آپؐ یہ فرمارہے تھے:''شب وروز کا یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ مقام حوأب کے کتے میری ایک بیوی کو بھونکیں گے اور وہ ہزاروں کا لشکر لے کر جارہی ہوگی۔اور وہ باغی لشکر ہوگا''۔میں نے جیسے ہی حضورؐ کریم کی زبانی یہ جملے سنے تو حلوہ کی تھالی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی تھی اور رسولؐ خدا نے سر اٹھا کر مجھے فرمایا تھا:''ام سلمہؓ! تجھے کیا ہوگیا ہے؟''۔میں نے عرض کی تھی:''یارسولؐ اللہ! آپ کی زبانی یہ خبر سن کر برتن کیسے نہیں گرے گا؟ ہوسکتا ہے کہ وہ میں ہی ہوں!''۔اس وقت تو مجھے دیکھ کر ہنسنے لگی تھی، تجھے ہنستا دیکھ کر رسولؐ خدا نے فرمایا تھا:''حمیرا! تو کیوں ہنس رہی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ وہ عورت تو ہی ہوگی''۔عائشہؓ! تجھے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں آیا تجھے وہ دن یاد ہے جب ایک سفر میں علیؑ نے تیرے اونٹ کو چابک مارا تھا تو تو ناراض ہونے لگی تھی۔تو اس وقت رسولؐ خدا نے تجھ سے فرمایا تھا:''اس کا تجھ سے ایک دن کا واسطہ نہیں ہے اور تیری طرف سے ایک مرتبہ کی ایذاء رسانی نہیں ہے،علیؑ سے بغض صرف وہی رکھ سکتا ہے جو منافق اور کذاب ہو''۔

عائشہؓ! تجھے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں، کیا تجھے وہ موقع یاد ہے جب حضورؐ اکرم مریض تھے اور علیؑ آئے اور حضورؐ کریم کی نعلین اٹھا کر حجرہ کے پیچھے بیٹھ گئے اور نعلین گانٹھنے لگے۔ اتنے میں حضرات ابوبکر اور عمر دونوں آپؐ کی عیادت کے لئے آئے اور حضورؐ سے مزاج پرسی کی تو حضورؐ نے فرمایا تھا: ''اللہ کی حمد کرتا ہوں''۔ ان دونوں نے کہا تھا: ''ہمیں موت نظر آرہی ہے''۔ آپؐ نے فرمایا: ''موت سے کوئی مفر نہیں ہے''۔ تو دونوں نے کہا تھا: ''یارسولؐ اللہ! تو کیا آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے؟''۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''جوتی گانٹھنے والے کے سوا اور میرا جانشین کون ہوسکتا ہے؟!''۔ یہ سن کر دونوں وہاں سے اٹھے تو انہوں نے علیؑ کو جوتا گانٹھتے ہوئے پایا۔ عائشہؓ! میں سمجھتی ہوں کہ تجھے تمام باتیں اچھی طرح سے یاد ہیں اور تو ان تمام باتوں کی گواہ ہے۔ تو کیا یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد بھی میں علیؑ کے خلاف خروج کرسکتی ہوں؟''۔ حضرت ام سلمہؓ کی باتیں سن کر بی بی عائشہؓ واپس اپنے حجرے میں آئیں اور ابن زبیر سے کہا: ''میں ام سلمہؓ کی باتیں سن چکی ہوں۔ میں خروج نہیں کرسکتی، تم جا کر طلحہ و زبیر کو میرے فیصلے سے آگاہ کردو''۔ راوی کہتا ہے کہ پھر آدھی رات گزرنے کے بعد ہم نے اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنی۔ پتہ چلانے پر معلوم ہوا کہ بی بی، طلحہ و زبیر کے ساتھ روانہ ہوچکی ہیں۔

۴۔ احتجاج میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا ''میں نے فجر کی نماز آقائے نامدارؐ کی خدمت میں ادا کی، پھر حضورؐ اکرم مسجد سے باہر آئے اور فرمایا کہ میں عائشہؓ کے گھر جارہا ہوں۔ آپؐ عائشہ کے گھر چلے گئے اور میں اپنے گھر چلا آیا۔ کچھ دیر بعد میں حضورؐ کریم کا شرف زیارت حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہوا تو میں حجرہ عائشہؓ پر آیا اور دستک دی۔ بی بی عائشہؓ نے کہا: ''کون؟''۔ میں نے بتایا کہ میں علیؑ ہوں۔ بی بی نے کہا کہ حضورؐ اکرم آرام فرمارہے ہیں۔ یہ سن کر میں واپس آیا اور گھر پہنچنے سے پہلے پھر میں شوق زیارت سے بے تاب ہوگیا اور دوبارہ حجرہ عائشہؓ پر دستک دی۔ بی بی عائشہؓ نے پوچھا: ''کون؟''۔ تو میں نے بتایا کہ میں علیؑ ہوں۔ بی بی عائشہؓ نے کہا: ''حضورؐ کریم رفع حاجت میں مصروف ہیں''۔ میں پھر واپس آیا اور گھر پہنچنے سے پہلے پھر شوق زیارت سے بے تاب ہوگیا اور تیسری مرتبہ آکر دستک دی۔ بی بی عائشہؓ نے پوچھا: ''کون؟''۔ تو میں نے کہا: ''میں علیؑ ہوں''۔ رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ عائشہؓ دروازہ کھولو۔ دروازہ کھلا تو میں اندر داخل ہوا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''علیؑ! کوئی بات کرو''۔ میں نے عرض کی: ''میں تو آپؐ سے کچھ سننے کے لئے حاضر ہوا ہوں''۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''علیؑ! مجھے بھوک نے سخت اذیت پہنچائی تو میں حجرہ عائشہؓ میں چلا آیا، لیکن یہاں بھی کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ میں نے پروردگار عالم سے دعا مانگی کہ وہ میری بھوک مٹانے کا انتظام فرمائے۔ جیسے ہی میں نے دعا ختم کی تو جبریل امین ایک بھنا ہوا پرندہ لے کر میرے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے یہ جنت کی بہترین غذا ہے اللہ نے اسے آپؐ کے لئے بھیجا ہے، آپؐ اسے تناول فرمائیں۔ اور اکیلا کھاتے ہوئے مجھے بھی مزہ نہیں آتا تھا۔ اس لئے میں نے اللہ سے پھر دعا مانگی کہ وہ کسی ایسے انسان کو میرے پاس بھیج دے جو اس کا محبّ اور محبوب ہو اور وہ اس پرندے کو کھانے میں میرا شریک ہو۔ چنانچہ میری دعا قبول ہوئی اور تم آگئے''۔

پھر میں نے بھی اپنا حال سنایا اور عرض کیا: ''اس سے قبل دو مرتبہ میں نے دستک دی تھی لیکن بی بی عائشہؓ نے ہر دفعہ مجھے واپس

کیا''۔رسولؐ خدا نے بی بی عائشہؓ سے فرمایا:''تو نے ایسا کیوں کیا؟''۔بی بی عائشہؓ نے کہا:''یارسولؐ اللہ!اصل بات یہ ہے کہ میں چاہتی تھی کہ میرا والد آ کر آپؐ کے ساتھ شریک طعام ہوتا کہ اسے بھی جنتی غذا کھانے کا اعزاز مل جائے''۔یہ سن کر رسولؐ خدا نے فرمایا:''عائشہؓ!یہ تمہاری طرف سے علیؑ کے لئے کینے کے اظہار کا پہلا موقع نہیں ہے میں تمہارے دلی جذبات کو بخوبی جانتا ہوں تو ایک دن علیؑ سے جنگ کرے گی''۔ یہ سن کر بی بی عائشہؓ نے کہا:''یارسولؐ اللہ! بھلا عورتیں بھی مردوں سے جنگ کر سکتی ہیں؟!''۔حضورؐ اکرم نے فرمایا:''تم تنہا نہ ہوگی میرے کچھ اصحاب اور خاندان کے افراد بھی تیرے ساتھ ہوں گے اور تو علیؑ سے اتنی بڑی جنگ کرے گی کہ اس کا تذکرہ پہلے اور پچھلے لوگ کیا کریں گے۔اور اس کی علامت یہ ہوگی کہ تو شیطان پر سوار ہوگی اور مقام حوأب کے کتے تجھے بھونکیں گے۔تو واپس آنا چاہے گی کہ چالیس افراد تیرے سامنے جھوٹی قسم کھا کر گواہی دیں گے کہ اس جگہ کا نام حوأب نہیں ہے۔پھر تو ایک ایسے شہر میں وارد ہوگی جہاں کے لوگ تیرے چاہنے والے ہوں گے اور وہ ایسا شہر ہوگا جو آسمان سے بہت دور اور پانی کے زیادہ قریب ہوگا۔پھر تو شکست کھا کر اور شرمندہ ہو کر وہاں سے واپس آئے گی اور اس وقت یہی علیؑ چند با اعتماد افراد کے ذریعہ سے تجھے واپس مدینہ پہنچائیں گے اور علیؑ تجھے مجھ سے جدا کرنے کی دھمکی بھی دیں گے۔اور یاد رکھنا! میری وفات کے بعد علیؑ نے جس عورت کو مجھ سے جدا کر دیا تو وہ عورت مجھ سے جدا ہو جائے گی اور میں جدائی کا اختیار علیؑ کو دے کر جاؤں گا''۔اس وقت بی بی عائشہؓ نے کہا:''اے کاش! یہ سب کچھ ہونے سے قبل میں مر جاؤں تو بہتر ہوگا''۔رسولؐ خدا نے فرمایا:''ہرگز نہیں! میں جو کچھ کہہ چکا ہوں ایسا ہی ہوگا۔اور یہ تمام منظر گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''جنگ جمل میں جب بی بی عائشہؓ کے ہودج پر چاروں طرف سے تیر برس رہے تھے تو اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ میں اس کو طلاق دیتا چاہتا ہوں اور آپؑ نے فرمایا:''جس شخص نے رسولؐ خدا سے یہ سنا ہو کہ میری عورتوں کا معاملہ علیؑ کے ہاتھ میں ہے وہ اٹھ کر گواہی دے''۔چنانچہ تیرہ افراد نے کھڑے ہو کر گواہی دی جن میں دو بدری صحابی بھی تھے کہ ہم نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اے علیؑ! میری بیویوں کا معاملہ میرے بعد تیرے ہاتھ میں ہے۔جب بی بی عائشہؓ کو حضرت علیؑ کے ان کلمات کا پتہ چلا تو وہ ہودج میں بیٹھی اتنے زور سے روئیں کہ ان کے رونے کی صدا بہت سے لوگوں نے سنی''۔

بحار الانوار میں کتاب''الکافیہ لابطال توبۃ الخاطئۃ''کے حوالے سے اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے جب اونٹ گر گیا تو حضرت علیؑ بی بی عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا:''تو نے ایسا کیوں کیا؟''۔بی بی عائشہؓ نے کہا:''بس جو ہونا تھا وہ ہو گیا''۔امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:''تو نے کئی بار رسولؐ خدا کو اصحاب جمل اور اصحاب نہروان پر لعنت کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے۔ان میں سے جو زندہ ہیں وہ فتنہ میں قتل ہوں گے اور جو مر گئے ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور ملت یہود پر مبعوث ہوں گے۔

تنبیہ سوم

علامہ حلی کا جامع تبصرہ

علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الحق و نہج الصدق میں لکھتے ہیں: ''بی بی عائشہؓ نے امیر المؤمنینؑ سے جنگ کر کے خدا اور رسولؐ کے کئی احکام کی نافرمانی کی۔

۱۔ اسے اللہ نے باہر نکلنے سے منع کیا تھا اور گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا تھا۔ مگر اس نے خود گھر کو چھوڑ کر خدا کے فرمان کی حکم عدولی کی۔

۲۔ بی بی عائشہؓ کو خون عثمانؓ کے قصاص کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ وہ مقتول کی شرعی وارث نہیں تھیں۔

۳۔ خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے اس نے حضرت علیؑ کو مورد الزام ٹھہرایا جو کہ سراسر ناجائز اقدام تھا کیونکہ حضرت علیؑ نے نہ تو عثمانؓ کو قتل کیا تھا اور نہ ہی اس کے قتل کا حکم صادر کیا تھا۔

۴۔ خود بی بی عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی شدید ترین مخالف تھیں اور لوگوں کو ان کے قتل کا حکم دیتی رہتی تھیں۔ جب انہوں نے قتل عثمانؓ کی خبر سنی تو خوش ہوئیں لیکن جب یہ سنا کہ اقتدار امیر المؤمنینؑ کے پاس چلا گیا تو عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگیں اور ہزاروں افراد کو ساتھ لے کر امام عادل کے خلاف بغاوت کی۔

تعجب تو یہ ہے کہ زوجہ رسولؐ کا اقدام اگرچہ ہر لحاظ سے غلط تھا پھر بھی لوگوں نے اس کی پیروی کی اور اس کے ہر اقدام کی توجیہ و تاویل کی اور بنت رسولؐ نے اپنا شرعی حق مانگا تو کسی نے ان کی مدد نہیں کی تھی!''۔

خطبہ ۱۴

اہل بصرہ کی مشکلات

وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مِثْلِ ذَالِكَ

اَرْضُكُمْ قَرِيْبَةٌ مِّنَ الْمَآءِ وَ بَعِيْدَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ خَفَّتْ عُقُوْلُكُمْ وَسَفِهَتْ حُلُوْمُكُمْ فَاَنْتُمْ غَرَضٌ لِنَابِلٍ وَ أُكْلَةٌ لِاٰكِلٍ وَ فَرِيْسَةٌ لِصَائِلٍ.

یہ آپؑ کا فرمان بھی اہل بصرہ کی مذمت میں ہے۔

تمہاری زمین (سمندر کے) پانی سے قریب اور آسمان سے دور ہے۔ تمہاری عقلیں سبک اور دانائیاں خام ہیں۔ تم ہر تیر انداز کا نشانہ اور ہر کھانے والے کا لقمہ اور ہر شکار کی صید انگینیوں کا شکار ہو۔

تشریح لغت (سَفِهَ) بروزن تَعِبَ، ''سَفُهَ'' بروزن کَرُمَ سفاہت کے معنی عقل کی کمی کے ہیں سَفِهَ الْحَق کا معنی حق سے جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ..... ﴾ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے، ملت ابراہیم سے وہی اعراض کرے گا جو اپنی قدر و قیمت سے جاہل ہو۔ (حُلُمٌ) عقل، جمع حُلُوْمٌ و اَحْلَامٌ۔ (اَلْغَرَضُ) تیر اندازی کا نشانہ۔ (نَابِلٌ) تیر انداز۔ (اَلْاُكْلَةٌ) ہمزہ کی پیش کے ساتھ، نوالہ، لقمہ۔ (فَرِيْسَةٌ) شکار بننے والا جانور۔ (فَرِيْسَةُ الْاَسَدِ) شیر کا شکار۔ (صَوْلٌ، صَالَةٌ) صَوْلُ الْبَعِيْرِ وَ الْاَسَدِ جب اونٹ اور شیر لوگوں سے لڑنے لگیں، لفظی ترجمہ ہے حملہ۔

اعراب

(وَ سَفِهَتْ حُلُوْمُكُمْ) میں واو عطف تفسیر و تاکید کے لئے ہے بشرطیکہ ''سَفِهَ'' سے پہلا معنی مراد لیا جائے۔ اگر معنی اول مراد نہ ہو تو تاسیس کے لئے ہوگی اور ''فَاَنْتُمْ'' کی فا فائے فصیحہ قرار پائے گی۔

مفہوم عبارت

سابقہ خطبے کی شرح میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ جب رسولؐ کریم کو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین دکھائی تو آپؐ نے بصرہ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ وہ سرزمین پانی کے قریب اور آسمان سے دور ہے۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے بھی حضورؐ اکرم کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل بصرہ کو فرمایا (اَرْضُكُمْ قَرِيْبَةٌ مِّنَ الْمَآءِ وَبَعِيْدَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ) تمہاری زمین پانی سے قریب اور آسمان سے قریب ہے۔ ''زمین پانی سے دور ہے'' اس جملے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

۱۔ بصرہ کا شہر سطح سمندر سے بھی کم گہرائی پر واقع ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ سمندر کا پانی صبح و شام بصرہ کے باغات میں آتا

رہتا ہے۔

۲۔یا یہ مقصد ہے کہ تمہارا شہر غرق ہونے کے زیادہ قریب ہے۔

''تمہاری زمین آسمان سے دور ہے''۔اس جملے کے تین مفہوم ممکن ہیں:

ا۔تمہاری زمین باقی زمین کی بہ نسبت زیادہ گہرائی پر واقع ہے اور اس لئے وہ آسمان سے زیادہ دور ہے۔

۲۔آسمان کے دائرہ اعتدال سے تمہاری زمین دور ہے۔

شارح معتزلی کہتے ہیں کہ علم ہیئت ونجوم میں بیان کرتے ہیں کہ مقام ابلہ آسمان سے بہت دور ہے، یعنی اعتدال نہار سے بہت فاصلے پر ہے۔اور واضح رہے کہ ''ابلہ'' بصرہ کا ہی ایک محلّہ ہے۔بلاد عرب میں ''ابلہ'' سب سے پست زمین ہے اور یوں باقی زمین کی بہ نسبت آسمان سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے۔لیکن یہ کہنا کہ پوری روئے زمین کا پست ترین مقام بصرہ وابلہ ہے تو غالبا ایسا نہیں ہے۔ البتہ حضرتؑ کا روئے سخن بھی اہل بصرہ کی جانب تھا اور وہ عرب تھے، تو گویا حضرتؑ نے انہیں فرمایا کہ تمہارا شہر تمام بلاد عربیہ میں پست ترین ہے۔

۳۔آسمان سے دور ہونے کا تیسرا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا شہر آسمان رحمت سے دور ہے۔اور آسمانی فیوض وبرکات تمہارے شہر تک کم ہی پہنچتے ہیں اور تم لوگ آسمانی رحمت کے لائق نہیں ہو، تم لوگ بس آسمانی عذاب کی صلاحیت رکھتے ہو۔

(خَفَّتْ عُقُوْلُكُمْ وَسَفِهَتْ حُلُوْمُكُمْ) تمہاری عقلیں خفیف اور تمہاری دانائیاں خام ہیں۔اور اسی قلت عقل ودانش کی وجہ سے دینی اور دنیاوی طور پر تمہیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔اور عقل ودانش کی کمی کا یہ کرشمہ کیا کم ہے کہ ایک عورت کے لشکر میں چلے گئے اور امام عادل کی اطاعت سے کنارہ کشی کر لی۔اور ایک اونٹ کے محافظ بن گئے، جب تک وہ بلبلاتا رہا پروانہ وار اپنی جانیں قربان کرتے رہے اور جیسے ہی اونٹ زخمی ہوکر گرا تو پشت دکھا کر بھاگ گئے۔اسی عدم تفکر اور جلد بازی اور حقیقت تک نارسائی کی وجہ سے اہل بصرہ کی یہ حیثیت باقی رہ گئی ہے (فَاَنْتُمْ غَرَضٌ لِنَابِلٍ وَ اُكْلَةٌ لِاٰكِلٍ وَ فَرِيْسَةٌ لِصَائِلٍ) پس تم ہر تیرانداز کا نشانہ، ہر کھانے والے کے لئے ایک لقمہ اور ہر شکاری کی صید انگینیوں کا شکار ہو۔یعنی ہر طالع آزما تمہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔اور تم اپنی خفت عقل کی وجہ سے ہر سلطان کے لئے ایک لقمہ تر ہو اور ہر شکاری کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں اور ہر حکمران تمہیں اپنے دام تزویر میں پھنسالینا چاہتا ہے اور تم اپنی فطری غباوت اور سفاہت کی وجہ سے پھنسنے کے لئے تیار بیٹھے ہو اور عملی طور پر

؎ سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کا منظر پیش کررہے ہو۔

خطبہ ۱۵

آپؑ کی عدالت کا بیان

وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْمَا رَدَّهٗ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَطَائِعِ عُثْمَانَ

وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُّهٗ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَآءُ وَ مُلِكَ بِهِ الْاِمَآءُ لَرَدَدْتُّهٗ فَاِنَّ فِي الْعَدْلِ سَعَةً وَ مَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَيْهِ اَضْيَقُ.

حضرت عثمانؓ کی عطا کردہ جاگیریں جب مسلمانوں کو پلٹا دیں، تو فرمایا خدا کی قسم! اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آیا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جا چکا ہو تو اسے بھی واپس پلٹا دوں۔ چونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو اسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔

تشریح لغت (اَلْقَطَائِعُ) قَطِيْعَةٌ کی جمع، غیر منقولہ جائداد مثلاً زمینیں اور قلعہ جات۔ اور منقولہ جائداد کو (صَفَايَا) کہا جاتا ہے۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ قطائع اس جاگیر کو کہا جاتا ہے جو حاکم کسی شخص کو سرکاری جائیداد سے الاٹ کر دے اور اس کا خراج معاف کرے اور خراج کی جگہ معمولی سا مالیہ وصول کیا جائے۔

اعراب

لفظ ''نساء''، ''اماء'' مؤنث ہیں اور ان کے لئے حضرتؑ نے فعل (تُزُوِّجَ) اور (مُلِكَ) مذکر استعمال کیا ہے۔ یہ بعینہٖ سورہ یوسف کی آیت ﴿وَ قَالَ نِسْوَةٌ﴾ کی نظیر ہے۔ کیونکہ آیت میں بھی (نِسْوَةٌ) مؤنث کے لئے فعل مذکر کا استعمال کیا گیا ہے۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ نے یہ خطبہ اپنے برسر اقتدار آنے کے بعد ارشاد فرمایا تھا اور مذکورہ جملے حضرت کے ایک خطبے کا اقتباس ہیں جسے ہم اگلے خطبے کی شرح میں مکمل نقل کریں گے۔ اور اس مقام پر صرف یہی کہنا چاہتے ہیں کہ شارح معتزلی نے کلبی سے ابی صالح اور ابن عباس کی سند سے نقل کیا ہے کہ جب قتل عثمان کے دوسرے دن لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی تو آپؑ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: ''عثمان نے اپنے دور اقتدار میں جسے کوئی جاگیر اور مال دیا ہے ہم اسے بیت المال میں واپس لینے کا اعلان کرتے ہیں، کیونکہ سابقہ حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ اور یاد رکھو! مجھے اگر کہیں بھی ایسا مال نظر آیا چاہے وہ عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر بھی صرف ہو چکا ہو تو میں اسے پلٹاؤں گا، یاد رکھو! عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو اسے ظلم کی صورت میں اور بھی زیادہ تنگی محسوس ہوگی''۔

خطبہ شقشقیہ کی شرح کی چوتھی فصل میں ہم تفصیلاً لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمان نے سرکاری جاگیروں اور بیت المال کو بڑی بے دردی سے بنی امیہ میں تقسیم کیا تھا اور حضرتؑ نے برسر اقتدار آتے ہی اس کا بحق سرکار ضبطی کا اعلان کر دیا۔ اور واضح ہو کہ حضرت عثمان سے قبل حضرت عمر نے بھی لوگوں میں جائیدادیں تقسیم کی تھیں لیکن حضرتؑ نے ان کی واپسی کا اعلان اس وجہ سے نہیں کیا تھا کہ حضرت عمر نے مذکورہ جائیدادیں غرباء و مساکین میں تقسیم کی تھیں یا ان لوگوں کو کچھ جائیدادیں دی تھیں جنہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ جبکہ اس کے بالکل برعکس حضرت عثمان نے دل کھول کر بنی امیہ اور اسلام دشمن افراد میں جاگیریں تقسیم کی تھیں اس لئے حضرتؑ ان کی ضبطی کا اعلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (وَ اللّٰہِ لَوْ وَجَدْتُّہٗ) خدا کی قسم! اگر میں نے عثمانی عطیات کو اس حالت میں بھی پایا۔ (قَدْ تُزُوِّجَ بِہِ النِّسَآءُ وَ مُلِکَ بِہِ الاِمَآءُ) کہ وہ عورتوں کے حق مہر میں استعمال ہو چکے ہوں یا کنیزوں کی اس سے خریداری ہوئی ہو (لَرَدَدْتُہٗ) تو بھی میں اسے واپس پلٹاؤں گا۔ اور اسے بیت المال میں جمع کراؤں گا۔ پھر آپؑ نے اس فرمان کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا (فَاِنَّ فِی الْعَدْلِ سَعَۃً) کیونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے۔ کیونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے سے لوگوں کو ان کے حقوق میسر آ سکتے ہیں، ان کے حالات درست رکھے جا سکتے ہیں اور عوام الناس میں خوشحالی پیدا کی جا سکتی ہے۔ (وَ مَنْ ضَاقَ عَلَیْہِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَیْہِ اَضْیَقُ) اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو، اسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔ حضرتؑ نے ان الفاظ سے بنی امیہ کو انتباہ فرمایا ہے کہ وہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مذکورہ جاگیریں خوشی سے واپس کر دیں، اسی میں ہی ان کی بھلائی ہے۔ ورنہ اگر انہوں نے سابقہ ظلم و ستم کو برقرار رکھا تو یہ ان کے لئے دنیا و آخرت کی تنگی کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ دنیاوی تنگی کی شکل یہ ہے کہ لوگ ان کو غاصب سمجھتے ہوئے ان سے شدید نفرت کریں گے اور اخروی تنگی اللہ کے عذاب کی صورت میں نمودار ہوگی۔

بعض شارحین نے اس جملے کی تشریح میں ایسے اقوال تحریر کئے ہیں جنہیں ذوق سلیم ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی، اس لئے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔ سابقہ روایت نقل کرنے کے بعد کلبی لکھتے ہیں کہ حضرتؑ نے حکم دیا کہ قلعہ نما مکان کی تلاشی لی جائے اور تمام ہتھیار برآمد کر کے ضبط کر لئے جائیں، علاوہ ازیں صدقہ کے تمام اونٹ جو عثمان کے زیر تصرف ہیں وہ سب کے سب ضبط کر کے بیت المال میں واپس کر دیئے جائیں، البتہ اس کے ذاتی سامان کو نہ چھیڑا جائے علاوہ ازیں وہ تمام جاگیریں جو اس وقت بنی امیہ کو تحفے میں دی تھیں وہ سب کی سب بحق سرکار ضبط کر دی جائیں۔ اس وقت عمرو بن عاص شام کے قریب مقام ایلہ میں سکونت پذیر تھا، جب اس نے امامؑ کے انقلابی کارناموں کو دیکھا تو اس نے معاویہ کو خط لکھا اور اس میں تحریر کیا: ''خوب سوچ سمجھ لے جب علیؑ بن ابی طالبؑ نے تیری تمام جائیداد تجھ سے چھین لی تو اس وقت تو کیا کرے گا؟ اور علیؑ تمہاری تمام تر جاگیریں اس طرح سے چھین لے گا جس طرح سے لکڑی سے اس کا چھلکا اتارا جاتا ہے۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے بنی امیہ کی جائیدادیں اور جاگیریں ضبط کیں تو عثمان کے مادری بھائی ولید بن عقبہ نے یہ اشعار پڑھے؛

بَنِیْ ھَاشِمٍ رُدُّوْا سِلَاحَ اِبْنِ اُخْتِکُمْ وَ لَا تُنَبِّھُوْہُ لَا تَحِلُّ مَنَا ھِبُہٗ

بَنِیْ ھَاشِمٍ کَیْفَ الْمُوَادَّۃُ بَیْنَنَا وَ عِنْدَ عَلِیٍّ دَرْعُہٗ وَ نَجَائِبُہٗ

بَنِیْ هَاشِمٌ کَیْفَ التَّوَدُّدُ مِنْکُمْ وَ بُزُّ اُبِنِ اَرْدٰی فِیْکُمْ وَ حَرَائِبُهٗ

بَنِیْ هَاشِمٌ اَلَّا تَرُدُّوْا فَاِنَّنَا سَوَاءٌ عَلَیْنَا قَاتَلَاهُ وَ سَالَبُهٗ

بَنِیْ هَاشِمٌ اَنَا وَ مَا کَانَ مِنْکُمْ کَصَدْعِ الصَّفَا لَایَنْسَعِبُ الصَّدْعُ شَاعِبُهٗ

قَتَلْتُمْ اَخِیْ کَیْ مَا تَکُوْنُوْا مَکَانَهٗ کَمَا غَدَرَتْ یَوْمًا بِکَسْرٰی مَرَازِبُهٗ

بنی ہاشم! اپنے بھانجے کے ہتھیار واپس کردو، ان کا لوٹنا حلال نہیں ہے۔

بنی ہاشم! ہمارے اور تمہارے درمیان محبت ہو تو کیسے ہو؟ جب کہ عثمان کی زرہ اور اونٹنیاں تمہارے پاس ہیں۔

بنی ہاشم! ہم تم سے محبت کریں بھی تو کیسے کریں؟ کیونکہ عثمان کا مال وترکہ تمہارے پاس ہے۔

بنی ہاشم! اگر تم نے عثمان کا اثاثہ واپس نہ کیا تو ہماری نظر میں اس کے قاتل اور اثاثہ ضبط کرنے والے دونوں برابر ہوں گے۔

بنی ہاشم! ہم اور تم اب ایسے ہی ہیں جیسے چٹان میں شگاف آجائے تو پھر وہ بھرنے کا نام نہیں لیتا۔ تم نے میرے بھائی کو قتل کر کے اس کی جگہ پر قبضہ کرلیا، جیسا کہ کسریٰ کو قتل کر کے مرزبان نے قبضہ کرلیا تھا۔

ان اشعار کے جواب میں عبداللہ بن ابی سفیان بن حرث بن عبدالمطلب نے درج ذیل اشعار پڑھے؛

فَلَا تَسْأَلُوْنَا سَیْفَکُمْ اِنَّ سَیْفَکُمْ اَضَیَّعُ وَ اَلْقَاهُ لَدَی الرَّوْعِ صَاحِبُهٗ

سَلُوْ اَهْلَ مِصْرٍ عَنْ سَلَاحِ ابْنِ اُخْتِنَا فَهُمْ سَلَبُوْهُ سَیْفَهٗ وَ حَرَائِبَهٗ

وَ کَانَ وَلِیُّ الْاَمْرِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ عَلِیٌّ وَ فِیْ کُلِّ الْمَوَاطِنِ صَاحِبُهٗ

عَلِیٌّ اِلٰی اَنْ اَظْهَرَ اللّٰهُ دِیْنَهٗ وَ اَنْتَ مَعَ الْاَشْقِیْنَ فِیْمَنْ یُحَارِبُهٗ

وَ اَنْتَ امْرُؤٌ مِنْ اَهْلِ صَفُوْرٍ نَارِخٍ فَمَا لَکَ فِیْنَا مِنْ حَمِیْمٍ یُغَائِبُهٗ

وَ قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمَانُ اَنَّکَ فَاسِقٌ وَ مَالَکَ فِی الْاِسْلَامِ سَهْمٌ تُطَالِبُهٗ

وَ شَبِیْهُتَهٗ کِسْرٰی وَ قَدْ کَانَ مِثْلُهٗ شَبِیْهًا بِکِسْرٰی هَدْیُهٗ وَ ضَرَائِبُهٗ

ہم سے اپنی تلوار کا مطالبہ نہ کرو کیونکہ جب گھر میں مقابلہ ہوا تھا تو تلوار کے مالک نے گھبرا کر تلوار پھینک ڈالی تھی۔ ہمارے بھانجے کے ہتھیاروں کا اگر مطالبہ کرنا ہو تو اہل مصر سے کرو۔ کیونکہ تلواریں اور نیزے وہی لوٹ کر لے گئے تھے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علیؑ ہی ان کے جانشین ہیں جو تمام مقامات پر محمدؐ کے ساتھ رہے۔ تُو تو صفورنارخ کے رہنے والا شخص ہے۔ تیری ہم سے کیا رشتہ داری ہوسکتی ہے؟ اور کیا دوستی ہوسکتی ہے؟ علیؑ ہمیشہ رسولؐ خدا کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ نے دین کو غلبہ دیا اور تو اس وقت بھی بد بخت لوگوں کے ساتھ مل کر علیؑ سے جنگوں میں مصروف رہتا تھا۔ اللہ نے قرآن مجید میں تجھے ''فاسق'' کہا ہے۔ اسلام میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے جس کا تو مطالبہ کرنے کے قابل ہو۔ تو نے عثمان کو کسریٰ سے تشبیہ دی ہے، بے شک وہ کسریٰ کی شبیہ ہی تھا اور اس کے عطیات اور خراج بھی کسریٰ جیسے ہی تھے۔

روایت میں ہے کہ جب منصور دوانیقی عباسی، ولید کے یہ شعر سنتا تو کہا کرتا تھا: ''خدا کی ولید پر لعنت ہو۔اس نے ان اشعار سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا''۔

خطبہ ۱۶

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا بُوْيِعَ بِالْمَدِيْنَةِ

جب مدینہ میں آپؑ کی بیعت ہوئی تو فرمایا۔

اس فرمان کا عنوان ''وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ'' کی بجائے ''وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ'' ہونا چاہئے تھا کیونکہ یہ خطبہ حضرتؑ کے عظیم الشان خطبات میں سے ایک ہے اور بعض نسخوں میں اس پر ''وَمِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ'' کا عنوان لگایا گیا ہے۔اس خطبہ کو علمائے خاصہ وعامہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔علمائے خاصہ میں سے ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے روضہ کافی میں، شیخ مفیدؒ نے الارشاد میں، علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں اور محدث بحرانیؒ نے اپنی شرح میں اسے نقل کیا ہے۔شارح معتزلی نے جاحظ کی کتاب ''البیان والتبیین'' کے حوالے سے ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ کی سند سے نقل کیا ہے۔خطبہ کے الفاظ میں بہت سا اختلاف ہے۔اس لئے ہم دو فصلوں میں اس کی شرح کریں گے۔پہلی فصل میں سید رضیؒ کے بیان کردہ خطبے کی شرح کریں گے اور تکمیل میں ثقۃ الاسلام کلینیؒ کے تحریر کردہ خطبے کو نقل کریں گے۔

فصل اول

مسلمانوں کا سخت امتحان

ذِمَّتِیْ بِمَا اَقُوْلُ رَهِیْنَةٌ وَاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ اِنَّ مَنْ صَرَّحَتْ لَهُ الْعِبَرُ عَمَّا یَدَیْهِ مِنَ الْمَثُلَاتِ حَجَزَتْهُ التَّقْوٰی عَنْ تَقَحُّمِ الشُّبُهَاتِ اَلَا وَ اِنَّ بَلِیَّتُکُمْ قَدْ عَادَتْ کَهَیْئَتِهَا یَوْمَ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیَّکُمْ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم وَ الَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً وَ لَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً وَ لَتُسَاطَنَّ سَوْطَ الْقِدْرِ حَتّٰی یَعُوْدَ اَسْفَلُکُمْ اَعْلَاکُمْ وَ اَعْلَاکُمْ اَسْفَلَکُمْ وَ لَیَسْبِقَنَّ سَابِقُوْنَ کَانُوْا قَصَّرُوْا وَ لَیَقْصُرَنَّ سَبَّاقُوْنَ کَانُوْا سَبَقُوْا وَ اللّٰهِ مَا کَتَمْتُ وَشْمَةً وَ لَا کَذَبْتُ کِذْبَةً وَ لَقَدْ نُبِّئْتُ بِهٰذَا الْمَقَامِ وَ هٰذَا الْیَوْمِ اَلَا وَ اِنَّ الْخَطَایَا خَیْلٌ شُمُسٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَ خُلِعَتْ لُجُمُهَا فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ فِی النَّارِ اَلَا وَاِنَّ التَّقْوٰی مَطَایَا ذُلُلٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَ اُعْطُوْا اَزِمَّتَهَا فَاَوْرَدَتْهُمُ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَ بَاطِلٌ وَ لِکُلٍّ اَهْلٌ فَلَئِنْ اَمَرَ الْبَاطِلُ لَقَدِیْمًا فَعَلَ وَ لَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا وَ لَعَلَّ وَ لَقَلَّمَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ.

میں اپنے قول کا ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں، جس شخص کو اس کے دیدۂ عبرت نے گزشتہ عقوبتیں واضح طور سے دکھادی ہوں اسے تقویٰ شبہات میں اندھا دھند کودنے سے روک لیتا ہے۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی آزمائشیں پھر پلٹ آئی ہیں جو بعثت رسولؐ کے وقت تھیں۔ اس ذات کی قسم جس نے نبیؐ کو حق وصداقت کے ساتھ بھیجا، تم بری طرح تہہ وبالا کئے جاؤ گے اور اس طرح چھانٹے جاؤ گے جس طرح چھلنی سے کسی چیز کو چھانا جاتا ہے اور اس طرح خلط ملط کئے جاؤ گے جس طرح چمچے سے ہنڈیا، یہاں تک کہ تمہارے ادنیٰ، اعلیٰ اور اعلیٰ، ادنیٰ ہو جائیں گے جو پیچھے تھے آگے بڑھ جائیں گے اور ہمیشہ آگے رہتے تھے وہ وہ پیچھے چلے جائیں گے۔ خدا کی قسم! میں نے کوئی بات پردے میں نہیں رکھی نہ کبھی کذب بیانی سے کام لیا۔ مجھے اس مقام اور اس دن کی پہلے سے خبر دی جا چکی ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ گناہ ان سرکش گھوڑوں کی مانند ہیں جن پر ان کے سواروں کو سوار کر دیا گیا ہو اور باگیں بھی ان کی اتار لی گئی ہوں وہ انہیں لے جا کر دوزخ میں پھاند پڑیں اور تقویٰ رام کی ہوئی سواریوں کی مانند ہے جن پر ان کے سواروں کو سوار کیا گیا ہو، ان کی باگیں ان کے ہاتھ میں دے دی گئی ہوں اور وہ انہیں اطمینان کے ساتھ لے جا کر جنت میں اتار دیں، ایک حق ہوتا ہے اور ایک باطل اور کچھ حق والے ہوتے ہیں اور کچھ باطل والے اب اگر باطل زیادہ ہوگیا تو یہ پہلے بھی بہت ہوتا رہا ہے۔ اور اگر حق کم ہوگیا تو بسا اوقات ایسا ہوا ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ اس کے بعد باطل پر چھا جائے اگر چہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی چیز پیچھے ہٹ کر آگے بڑھے۔

(اَقُوْلُ)اِنَّ فِیْ هٰذَاالْکَلَامِ الْاَدْنٰی مِنْ مَوَاقِعِ الْاِحْسَانِ مَا لَا تَبْلُغُهٗ مَوَاقِعُ الْاِسْتِحْسَانِ اِنَّ حَظَّ الْعَجَبِ مِنْهُ اَکْثَرُ مِنْ حَظِّ الْعُجْبِ بِهٖ وَفِیْهِ مَعَ الْحَالِ الَّتِیْ وَصَفْنَا زَوَائِدُ مِنَ الْفَصَاحَةِ لَایَقُوْمُ بِهَا لِسَانٌ وَلَایَطَّلِعُ فَجَّهَااِنْسَانٌ وَلَایَعْرِفُ مَا اَقُوْلُ اِلَّا مَنْ ضَرَبَ فِیْ هٰذِهِ الصَّنَاعَةِ بِحَقٍّ وَ جَرٰی فِیْهَاعَلٰی عِرْقٍ ﴿وَ مَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾

علامہ رضیؒ فرماتے ہیں کہ اس مختصر سے کلام میں واقعی خوبیوں کے اتنے مقام ہیں کہ خوبی کا احساس، اس کے تمام گوشوں کو پا نہیں سکتا اور اس کلام سے حیرت واستعجاب کا حصہ پسندیدگی کی مقدار سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس حالت کے باوجود جو ہم نے بیان کی ہے اس میں فصاحت کے اتنے بے شمار پہلو ہیں کہ جن کے بیان کرنے کا یارا نہیں ہے۔ نہ کوئی انسان اس کی عمیق گہرائیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور میری اس بات کو وہی جان سکتا ہے جس نے اس فن کا پورا حق ادا کیا ہو اور اس کے رگ وریشے سے واقف ہو۔ (اور جاننے والوں کے سوا کوئی ان کو نہیں سمجھ سکتا)۔

تشریح لغت (رَهِیْنَةٌ) ذمہ دار۔(زَعِیْمٌ) کفیل، ضامن۔(صَرَّحَتْ) ظاہر کیا۔(اَلْعِبَرُ) عبرت کی جمع۔(اَلْمَثُلَاتِ) عقوبتیں(اَلْحَجْزُ) روکنا۔(تَقَحَّمَ) اندھادھند داخل ہونا۔(تَبَلْبَلَتْ) الاَلْسُنُ زبانوں کا مخلوط ہوجانا۔نہایہ میں ابن اثیر لکھتے ہیں(بَلَابِلُ) غموں کو کہا جاتا ہے۔اور ''بَلْبَلَةُ الصَّدْرِ'' سینے کے وسوسے کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت علیؑ کے خطبے میں ''لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً'' کے الفاظ وارد ہیں۔(لَتُغَرْبَلُنَّ) تمہیں چھلنی میں چھانا جائے گا جیسا کہ آٹے کو چھلنے سے چھانا جاتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ تمہارا اچھی طرح سے امتحان لیا جائے گا۔اور جو حالات کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے گا نجات پائے گا۔(سَاطَ الْقِدْرَ بِسَوْطِهٖ) چمچہ ہاتھ میں لے کر ہنڈیا کو ہلایا۔(سَبَّاقٌ) بروزن شَدَّادٌ و حَدَّادٌ آگے بڑھنے والا۔(شَمَسَ الْفَرَسُ شَمُوْسًا) گھوڑا بے قابو ہوجائے۔یا اپنی پشت پر کسی کو سوار نہ ہونے دے۔(لُجُمٌ) لام اور جیم کی پیش کے ساتھ، لِجَامٌ کی جمع، لگامیں۔(ذُلُلٌ) ذَلُوْلٌ کی جمع، جیسے رَسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ آتی ہے، رام کی ہوئی سواری، فرماں بردار سواری۔﴿فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکَ ذُلُلًا﴾ اطاعت گزار ہوکر اپنے رب کی راہوں پر چلتی جا(نحل/۶۹)۔

اعراب

(مِنَ الْمَثُلَاتِ) لِمَا کا بیان ہے۔(حَجَزَهٗ) کا جملہ ''اِنَّ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔(تُغَرْبَلُنَّ، تُسَاطُنَّ، تُبَلْبَلُنَّ) مجہول ہیں۔(کَتَمْتُ) اسے معروف اور مجہول دونوں طریقوں سے پڑھنا صحیح ہے۔(خَلَعَتْ) کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور اس کا مرجع ''خَیْلٌ'' ہے۔(لُجُمَهَا) مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا ''خُلِعَتْ'' کو مجہول پڑھا جائے تو لفظ ''لُجُمُهَا'' اس کا نائب فاعل ہوگا۔(حَقٌّ وَ بَاطِلٌ) مبتدا محذوف کی خبر ہیں اور عبارت یوں ہوگی ''اَلْاُمُوْرُ کُلُّهَا اِمَّا حَقٌّ اَوْ بَاطِلٌ''۔(لَقَدِیْمًا فَعَلَ) فاعل فعل، باطل کی طرف عائد ہے۔اور مفعول محذوف ہے یعنی عبارت یوں ہوگی ''قَدِیْمًا فَعَلَ الْبَاطِلُ ذَالِكَ'' اور فعل کی نسبت باطل

کی طرف نسبت مجازی ہے۔اوراس سے مراداہل باطل ہیں.....۔(فَلَرُبَّمَا) میں (مَا) کافہ ہے جو(رُبَّ) کوفعل محذوف پر داخل ہونے کے لئے مدد دیتا ہے۔(لَعَلَّ) ترجی کے لئے ہےاور معمول محذوف ہے۔تقدیرعبارت یہ ہوگی''وَ لَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا يَكُوْنُ غَالِبًا وَ لَعَلَّهُ يُنْتَصَرُ اَهْلَهُ''۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ کا یہ خطبہ ہرلحاظ سے سامعین کے سننے کے لائق تھا۔اس لئے حضرتؑ نے اس خطبے کا آغاز ان الفاظ سے کیا(ذِمَّتِیْ بِمَا اَقُوْلُ رَهِيْنَةٌ وَ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ) میں اپنے قول کا ذمہ دار ہوں اوراس کے حق وصداقت کا ضامن ہوں۔پھرآپؑ نے لوگوں کوعبرت پذیری کی جانب متوجہ فرمایا اور یہ بتایا کہ بابصیرت انسان عبرتوں سے نصیحت حاصل کرتا ہےاور اندھادھند شبہات کی وادی میں گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔(اِنَّ مَنْ صَرَّحَتْ لَهُ الْعِبَرُ عَمَّا يَدَيْهِ مِنَ الْمَثُلَاتِ) جوشخص دیدہ عبرت سے گذشتہ افرادواقوام کی عقوبتوں کی داستان کودیکھےاور سن چکا ہو۔(حَجَزَتْهُ التَّقْوٰى عَنْ تَقَحُّمِ الشُّبُهَاتِ) تو ایسے شخص کوتقویٰ شبہات میں اندھادھند کودنے سے روک لیتا ہے۔شبہات سے یہاں مراد ایسے امور باطلہ ہیں جوحق کے مشابہ ہیں اورتقویٰ انسان کوان چیزوں سے روک دیتا ہے۔حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام سے پوچھا گیا:''تقویٰ کیا ہے؟''۔آپؑ نے فرمایا:''اَلتَّقْوٰى اَنْ لَا يَفْقِدَكَ اللّٰهُ حَيْثُ اَمَرَكَ وَ لَا يَرَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ''تقویٰ یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ نے تجھے حکم دیا ہے اس مقام سے اللہ تجھے غائب نہ پائے اور جس چیز کے بجالانے سے روکا ہے وہ تجھے وہاں نہ پائے۔تقویٰ صرف حرام صریح سے بچنے کا نام نہیں ہے،تقویٰ تو یہ ہے کہ انسان مشتبہ امر سے بھی پرہیز کرے کہ مبادا وہ حرام ہو۔

تقویٰ

تقویٰ کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔اگران کوجمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ہم موقع کی مناسبت سے صرف تین احادیث پر اکتفا کرتے ہیں اور باقی روایات کوکسی مناسب مقام کے لئے چھوڑ رہے ہیں:۔

۱۔الوسائل میں فضیل بن زیاد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام سے دریافت کیا:''مَنْ اَوْرَعُ النَّاسِ ؟''لوگوں میں سب سے بڑا پرہیزگار کون ہے؟۔تو آپؑ نے فرمایا:''اَلَّذِیْ يَتَوَرَّعُ عَنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ وَيَجْتَنِبُ هٰؤُلَاءِ فَاِذَا لَمْ يَتَّقِ الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ وَ هُوَ لَا يَعْرِفُهٗ''سب سے بڑا پرہیزگار وہ ہے جواللہ کے حرام کردہ امور سے دوری اختیار کرے اور شبہات سے پرہیز کرے۔کیونکہ جوشخص شبہات سے پرہیز نہیں کرے گا وہ لاشعوری طور پر حرام میں پڑ جائے گا۔

۲۔عمر بن حنظلہ سے روایت ہے کہ امام جعفرصادق علیہ السلام نے فرمایا:''اِنَّمَا الْاَمْرُ ثَلَاثَةٌ اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَيُتَّبَعُ اَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَيُجْتَنَبُ وَاَمْرٌ مُشْكِلٌ يُرَدُّ عِلْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ حَلَالٌ بَيِّنٌ وَ حَرَامٌ بَيِّنٌ وَ شُبُهَاتٌ بَيْنَ ذَالِكَ فَمَنْ تَرَكَ الشُّبُهَاتِ نَجَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ وَ مَنْ اَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ اِرْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ وَ هَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ فَاِنَّ الْوُقُوْفَ عِنْدَ الشُّبُهَاتِ خَيْرٌ مِّنَ الْاِقْتِحَامِ فِی الْهَلَكَاتِ''معاملات کی تین قسمیں ہیں: ۱۔وہ امر جس کا صحیح ہونا واضح ہوتا ہےاور وہ

لائق اتباع ہوتا ہے۔ ۲۔ وہ امر جس کی گمراہی واضح ہوتی ہے اور تو اس کا چھوڑ دینا ضروری ہوتا ہے۔ ۳۔ وہ امر جو مشکل ہے تو اس کا علم خدا پر چھوڑ دینا چاہئے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ ایک واضح حلال ہے اور ایک واضح حرام اور حلال و حرام کے درمیان شبہات ہوتے ہیں۔ جس نے شبہات کو چھوڑ دیا وہ محرمات سے محفوظ رہا اور جس نے شبہات کی پروانہ کی وہ محرمات میں پڑ گیا اور لاشعوری طور پر ہلاک ہو گیا کیونکہ شبہات کے وقت رک جانا ہلاکتوں میں اندھا دھند کودنے سے بہتر ہے''۔

۳۔ نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا، آپؐ نے فرمایا: ''اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حُمًی وَ اِنَّ حُمَی اللّٰہِ حَلَالُہٗ وَ حَرَامُہٗ وَ الْمُشْتَبِہَاتُ بَیْنَ ذَالِکَ کَمَا لَوْ اَنَّ رَاعِیًا رَعٰی اِلٰی جَانِبِ الْحُمٰی لَمْ یَثْبُتْ غَنَمُہٗ اَنْ تَقَعَ فِیْ وَسَطِہٖ فَدَعُوْا الْمُشْتَبِہَاتِ''۔ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ اور ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کے حلال و حرام ہیں اور مشتبہ امور ان دونوں کے درمیان میں ہیں۔ جو چرواہا چراگاہ کے قریب اپنے ریوڑ کو چرائے گا تو عین ممکن ہے کہ اس کی بکریاں چراگاہ میں چلی جائیں۔ لہٰذا تم مشتبہ امور سے پرہیز کرو۔

حضرتؑ نے تقویٰ کا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ اس سے انسان شبہات کی پرخطر وادی میں جانے سے بچ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے سامعین کو آنے والے حالات و واقعات سے متنبہ کیا اور انہیں بتایا کہ ان کی اصل آزمائش اب شروع ہونے والی ہے۔ چنانچہ آپؑ نے ارشاد فرمایا (اَلَا وَ اِنَّ بَلِیَّتُکُمْ قَدْ عَادَتْ کَھَیْئَتِھَا یَوْمَ بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیَّکُمْ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی ابتلائات پھر پلٹ آئے ہیں جو رسولؐ خدا کی بعثت کے وقت تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی تو لوگ گمراہی کا شکار تھے اور آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے اور ان کا دین حنیف سے چنداں واسطہ تک نہ تھا۔ بعینہٖ اسی طرح سے جب حضرتؑ نے زمام اقتدار سنبھالی تو لوگ اس وقت قبائلی اور نسلی تفرقوں میں بٹ چکے تھے اور ہر شخص کے سامنے بس اپنا مفاد ہی سب کچھ تھا۔ جانثاری اور للّٰہیّت کے جذبات عنقا ہو چکے تھے اور ہر شخص اپنی اور اپنے خاندان کی برتری کے لئے کوشاں نظر آتا تھا۔ جس طرح سے ایام بعثت کے لوگوں کو نور نبوت کی شدید ضرورت تھی۔ اسی طرح سے خلافت گزیدہ عوام کے لئے بھی نور امامت کی شدید ضرورت تھی اور ان کی نجات کا واحد راستہ صرف یہی تھا کہ وہ شمس امامت کی روشنی سے اقتباس نور کرتے ہوئے تاریک وادی کو چھوڑ کر حقیقی اسلام کی پرنور وادی میں قدم رکھیں۔

الوسائل میں تفسیر عیاشی کے حوالے سے عبداللہ بن جندب کی سند سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے: ''اِنَّ ھٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ سَنَحَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ اِغْتَرَّھُمْ بِالشُّبْھَۃِ وَ لَبَّسَ عَلَیْھِمْ اَمْرَ دِیْنِھِمْ وَ اَرَادُوْا الْھُدٰی مِنْ تِلْقَاءِ اَنْفُسِھِمْ فَقَالُوْا لِمَ وَ مَتٰی وَ کَیْفَ؟ فَاَتَاھُمُ الْھَلَکُ مِنْ مَأْمَنِ اِحْتِیَاطِھِمْ وَ ذَالِکَ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ وَ لَمْ یَکُنْ ذَالِکَ لَھُمْ وَ عَلَیْھِمْ بَلْ کَانَ الْفَرْضُ عَلَیْھِمْ وَ الْوَاجِبُ لَھُمْ مِنْ ذَالِکَ اَلْوُقُوْفُ عِنْدَ التَّحَیُّرِ وَ رَدُّ مَا جَھِلُوْہُ مِنْ ذَالِکَ اِلٰی عَامِلِہٖ وَ مُسْتَنْبِطِہٖ لِاَنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ فِیْ کِتَابِہٖ ﴿وَ لَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اِلٰی اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَتُہٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطَانَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (نساء/۸۳) یَعْنِیْ آلَ مُحَمَّدٍ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَ ھُمُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَ مِنَ الْقُرْآنِ

وَ یَعْرِفُوْنَ الْحَلَالَ وَ الْحَرَامَ وَ هُمُ الْحُجَّةُ لِلّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ ''ان لوگوں کو شیطان نے ایک رائے سجھائی، شیطان نے شبہہ کے ذریعے سے انہیں فریب دیا اور ان پر دین کا امر پوشیدہ کر دیا اور ان لوگوں نے اپنی طرف سے ہدایت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے کیوں؟ کیسے؟ اور کب؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے احتیاط کے مقام سے ان پر ہلاکت آئی اور یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا تھا اور تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ انہیں دراصل اس بات کا اختیار ہی نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس بات کے مکلّف تھے (کہ اپنی رائے سے دین کو سمجھیں) ان کا فرض صرف یہی تھا کہ جب وہ حیرت و تاریکی محسوس کریں تو وہاں رک جائیں اور جب ان کی جہالت ان کے سدراہ ہو تو وہ قرآن کے عالم اور اس سے استنباط کرنے والے کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ﴿وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ اگر یہ لوگ ان معاملات کو رسولؐ اور صاحبان امر کی طرف پلٹا دیتے تو ان سے استفادہ کرنے والے حقیقت حال کا علم پیدا کر لیتے اور اگر تم لوگوں پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نازل نہ ہوتی تو چند افراد کے علاوہ سب شیطان کی اتباع کر لیتے۔ (نساء/۸۳) اور اولی الامر سے مراد آل محمدؐ ہیں اور صرف وہی قرآن سے استنباط کرنے والے ہیں اور حلال و حرام کو جاننے والے ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت ہیں۔

آزمائش کیا رنگ لائے گی؟

حضرتؑ نے اپنے سامعین کو خبردار کیا کہ اب ان کی ویسی ہی آزمائش ہوگی جیسا کہ ایام بعثت میں لوگوں کی آزمائش ہوئی تھی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ آزمائش کی گھڑی میں مخلصین نجات حاصل کریں گے اور مذبذبین ناکام ہو جائیں گے۔ اور اس سلسلے میں مولائے کائنات علیہ السلام نے کچھ اس طرح فرمایا (اَمَا وَ الَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً) اس ذات کی قسم! جس نے رسولؐ کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا تم بری طرح سے تہ و بالا کئے جاؤ گے۔ میری خلافت حقہ کے قائم ہوتے ہی تم پر غموں اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جائیں گے اور تمہارے سینے غم واندوہ سے بھر جائیں گے۔ (وَ لَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً) اور تمہیں امتحان کی چھلنی سے گذارا جائے گا۔ اور اس چھلنی سے گزرنے کے بعد مؤمن و منافق، طیب و خبیث اور جید اور ردی جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس طرح سے چھلنی کے ذریعے سے آٹا اور چھان جدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے آزمائشات کی چھلنی سے گزر کر مؤمن و منافق علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔

الکافی کے باب التمحیص میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَنْ یَمْحَصُوْا وَ یَمِیْزُوْا وَ یُغَرْبَلُوْا وَ یَسْتَخْرِجُ فِی الْغِرْبَالِ خَلْقٌ كَثِیْرٌ'' ضروری ہے کہ لوگوں کا امتحان ہو اور ان میں تمیز ہو اور انہیں حالات کی چھلنی سے چھانا جائے اور اس چھلنی سے بہت سی مخلوق ناکارہ قرار دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا کہ زبان سے صرف کلمہ اسلام پڑھنا کافی نہیں ہے، جب تک آزمائشات میں کامیابی حاصل نہ کی جائے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ ﴾ بنام خدائے رحمان ورحیم ۔الٓمّٓ۔کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں ہوگا۔ بے شک ہم نے ان سے پہلے والوں کا بھی امتحان لیا ہے اور اللہ تو بہر حال یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان میں کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹے۔(عنکبوت/ ۱تا۳) اور سنت الٰہی یہی ہے کہ امتحان کے ذریعے سے خبیث وطیب کو جدا کیا جائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے﴿مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ..... ﴾ خدا صاحبان ایمان کو انہیں حالت میں نہیں چھاڑ سکتا، جب تک خبیث اور طیب کو الگ الگ نہ کر دے۔

(وَ لَتُسَاطَنَّ سَوْطَ الْقِدْرِ حَتّٰی یَعُوْدَ اَسْفَلُکُمْ اَعْلَاکُمْ وَ اَعْلَاکُمْ اَسْفَلَکُمْ)اور تم اس طرح خلط ملط کئے جاؤ گے (جس طرح چمچے سے ہنڈیا) تک کہ تمہارے ادنیٰ، اعلیٰ اور اعلیٰ، ادنیٰ ہو جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ائمہ جور کے ذریعہ سے تمہاری آزمائش ہوگی اور تم حال سے بدحال ہو جاؤ گے اور بندگان خدا کی قدم قدم پر اہانت کی جائے گی۔ یہاں تک کہ شریف افراد کو ذلیل کر دیا جائے گا اور ذلیل افراد عزت مآب بن بیٹھیں گے۔(وَ لَیَسْبِقُنَّ سَابِقُوْنَ کَانُوْا قَصَرُوْا)اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ آگے بڑھ جائیں گے۔ ممکن ہے اس سے وہ افراد مراد ہوں جو وفات رسولؐ کے وقت حضرتؑ کی نصرت کرنے سے قاصر رہے ہوں اور حضرتؑ کے ایام خلافت میں کھل کر آپؑ کی نصرت کی سعادت حاصل کی ہو۔(وَ لَیَقْصُرُنَّ سَبَّاقُوْنَ کَانُوْا سَبَقُوْا)اور جو ہمیشہ آگے رہتے تھے وہ پیچھے رہ جائیں گے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ وہ افراد جو زمانہ رسولؐ میں اسلام کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے وہ حضرتؑ کی نصرت سے قاصر رہ جائیں گے اور یوں اپنی پوری زندگی کی محنت رائگاں کر بیٹھیں گے۔ شارح بحرانی لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کے اس کلام کو عموم پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے اور یوں مقصد یہ قرار پائے گا کہ ابتدائے اسلام میں جن افراد کی کوئی خاص قربانی نہیں تھیں۔ توفیق الٰہی ان کے شامل حال ہوگی اور وہ اسلامی خدمات کے لئے کوشاں ہو جائیں گے اور بعض وہ افراد جن کی اسلامی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہوں گیان سے توفیق الٰہی سلب ہو جائے گی اور یوں وہ بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ اور شیطان کی اتباع کی وجہ سے اپنی اسلامی خدمات ختم کر بیٹھیں گے۔

حضرتؑ نے مذکورہ پیش گوئی کے بعد اپنے سامعین کو بتایا کہ آپؑ یہ پیش گوئی حالات کے دھارے کو دیکھ کر نہیں کر رہے بلکہ آپؑ کی یہ پیش گوئی پیغمبر اسلام کی زبان مبارک سے جاری ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا(وَ اللّٰہِ مَا کَتَمْتُ وَشْمَۃً)اگر کُتِمْتُ فعل کو مجہول پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے خدا کی قسم! مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی گئی۔ رسولؐ خدا نے مجھے ہر بات تفصیل سے بتا دی ہے۔ اور اگر کَتَمْتُ فعل کو معروف پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے خدا کی قسم! میں نے کوئی چیز پردے میں نہیں رکھی، میری ہمیشہ سے یہ سیرت رہی ہے کہ جس چیز کو میں نے اسلام کی مفاد کے لئے ضروری خیال کیا ہے اسے فرزندان اسلام کے سامنے بیان کیا ہے اور میں نے کبھی حقائق کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔(وَ لَا کَذِبْتُ کِذْبَۃً)اور میں نے کبھی کذب بیانی سے کام نہیں لیا۔ میری پوری زندگی حق وصداقت سے عبارت ہے، میں جماعت صادقین کا فرد کامل اور امت اسلامیہ میں صدیق اکبر ہوں۔ اور میں نے رسولؐ خدا کی ذات پر کبھی جھوٹ نہیں تراشا۔(وَ لَقَدْ نُبِّئْتُ بِھٰذَا الْمَقَامِ وَ ھٰذَا الْیَوْمِ)مجھے رسولؐ خدا کی طرف سے اس دن اور اس مقام کی پہلے سے خبر مل چکی ہے۔ یعنی

رسولؐ خدا مجھے بتا کر گئے تھے کہ تم لوگ میری بیعت کرو گے اور میں تم سے خطاب کروں گا۔

بعدازاں آپؑ نے لوگوں کو گناہوں سے بچنے اور تقویٰ کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا(اَلا وَ اِنَّ الْخَطَایَا خَیْلٌ شُمُسٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَ خُلِعَتْ لُجُمُهَا فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ فِی النَّارِ)معلوم ہونا چاہئے کہ گناہ ان سرکش گھوڑوں کی مانند ہیں جن پر ان کے سواروں کو سوار کیا گیا ہو اور باگیں بھی ان سے اتار لی گئی ہوں، وہ انہیں لے جا کر دوزخ میں پھاند پڑیں۔ حضرتؑ نے گناہوں اور گناہ گاروں کے لئے انتہائی لطیف تشبیہ دی اور یہ معقول کی محسوس سے تشبیہ ہے اور وجہ شبہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو سرکش گھوڑے پر سوار کر دیا جائے تو یہ ایک مصیبت ہے اور اگر اس کے ہاتھ سے لگام بھی لے لی جائے تو مصیبت دوگنی ہو جائے گی اور سواری کی ہلاکت یقینی ہو جائے گی۔ بعینہٖ اسی طرح سے جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو گویا وہ سرکش گھوڑے پر سوار ہو چکا ہے اور جب گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کا نفس لوامہ اس سے رخصت ہو جاتا ہے جو کہ کسی بھی گناہ گار کے لئے لگام کا کام دیتا ہے اور جب نفس لوامہ رخصت ہو جائے تو انسان نفس امارہ کے تصرف میں آ جاتا ہے اور یوں گناہوں اور خواہشات کا بے لگام گھوڑا اسے دوزخ کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔(اَلا وَاِنَّ التَّقْوٰی مَطَایَا ذُلُلٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَ اُعْطُوْا اَزِمَّتَهَا فَاَوْرَدَتْهُمُ الْجَنَّةَ)اور تقویٰ رام کی ہوئی سواریوں کی مانند ہے جن پر ان کے سواروں کو سوار کیا گیا ہو، اس طرح کہ ان کی باگیں بھی ان کے ہاتھوں میں دے دی گئی ہوں اور وہ انہیں اطمینان سے لے جا کر جنت میں اتار دیں۔ اس تمثیل میں بھی سابقہ وجہ شبہ پائی جاتی ہے۔ جس طرح سے ایک رام کی ہوئی سواری پر انسان سوار ہو اور اس کی باگ بھی اس کے اپنے ہاتھ میں ہو تو وہ سواری اپنے منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح سے تقویٰ بھی وہ سواری ہے جس پہ متقی سوار ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں اس کی لگام ہوتی ہے۔ وہ لگام کو ہاتھ میں تھامے ہوئے اپنی سواری کو ہر کھائی سے بچاتا ہوا ابدی جنت تک پہنچاتا ہے اور یوں اس کی سعادت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

بعدازاں حضرتؑ نے اپنے سامعین کو بتایا کہ دنیا میں ہمیشہ سے دو ہی راستے ہیں۔ ایک غلط راستہ ہے اور اسے باطل کہا جاتا ہے اور ایک سیدھا راستہ ہے اسے حق کہا جاتا ہے۔(حَقٌّ وَ بَاطِلٌ)یعنی تقویٰ حق ہے اور خواہشات کی اتباع باطل ہے۔ یا یہ کہ جملہ امور دو قسموں میں منقسم ہیں ایک حق ہے اور دوسرا باطل ہے۔(وَ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا اَهْلٌ)اور کچھ حق والے ہوتے ہیں اور کچھ باطل والے ہوتے ہیں۔ اور ہر دور میں حق و باطل ایک دوسرے سے رزم آرا رہے ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال کا شعر ہے

؎ موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید این دو قوت از حیات آمد پدید (از مترجم)

اور کچھ لوگ حق پرست ہوتے ہیں اور کچھ باطل نواز ہوتے ہیں۔ نیک طینت افراد حق کے شیدائی اور بدطینت افراد باطل پرست ہوتے آئے ہیں۔(فَلَئِنْ اَمَرَ الْبَاطِلُ لَقَدِيْمًا فَعَلَ)اب اگر باطل زیادہ ہو گیا تو یہ پہلے بھی بہت ہوتا رہا ہے۔ اور باطل اگرچہ کثرت میں کیوں نہ ہو پھر بھی وہ حق کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِیْ الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ﴾ پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجئے کہ خبیث و پاکیزہ برابر نہیں ہو سکتے چاہے خبیث کی کثرت اچھی ہی کیوں نہ لگے۔(مائدہ/۱۰۰) بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کربلا والے ہزاروں یزیدیوں سے بہتر ہیں۔ مترجم۔(وَ لَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا)اور اگرچہ حق کم بھی ہو جائے تو بعض اوقات اپنی قلت کے

باوجود بھی وہ باطل پر غالب آجاتا ہے۔(وَ لَعَلَّ)حق اپنے پیروکاروں کو باطل پرستوں پر غلبہ عطا کرتا ہے۔(وَ لَقَلَّمَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ) اوراگر چہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی چیز پیچھے ہٹ کر آگے بڑھے۔

درج بالا جملہ کی شرح کرتے ہوئے شارح بحرانی لکھتے ہیں کہ اس جملہ سے حضرتؑ کا مقصود یہ ہے کہ جب حق کمزور ہوجائے اور قلت کا شکار ہوجائے تو پھر اس کا دوبارہ برسر اقتدار آنا انتہائی نادر الوقوع ہوجاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی امر کی استعداد زائل ہوجائے تو اس کی صورت بھی زائل ہوجاتی ہے۔اور یہ حقیقت ہے کہ صورت حق کا افاضہ صرف پاک قلوب پر ہوتا ہے جو اس کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔اور جب قلوب پر نور حق کے بعد ظلمات باطل چھاجائے یا وہ صاحبان قلوب اللہ کو پیارے ہوجائیں تو ظلمت باطل میں اضافہ ہوجائے گا۔اور جب کسی دل سے نور حق سلب ہوجائے تو پھر اس دل میں نور حق کی تجلی مشکل سے ہی ہوتی ہے۔البتہ اگر خدا چاہے تو مردہ دلوں کو پھر سے حیات عطا کردے اور نور حق سے انہیں آشنا کردے تو یہ اور بات ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ سے یہ بات ہرگز بعید نہیں ہے۔اور عین ممکن ہے کہ نور حق ظلمت باطل پر حملہ کرکے اسے پاش پاش کردے۔اور حضرتؑ کے اس جملے کا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرتؑ نے اپنے سامعین کے دراصل یہ پیغام دیا ہے کہ میری نورانی حکومت کی قدر و قیمت کو سمجھو،اگر تم نے حق و باطل کے معرکہ میں میرا ساتھ نہ دیا تو پھر ہمیشہ حق کی بالادستی دیکھنے کے لئے ترستے رہو گے۔تمہیں پھر عادلانہ حکومت اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ دیکھنے کا موقع نصیب نہیں ہوگا۔

ملاّ خلیل قزوینی روضہ کافی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ (حَقٌّ وَ بَاطِلٌ.....) کا جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔یعنی حضرتؑ یہ کہنا چاہتے ہیں اَلْاِمَامُ حَقٌّ وَ بَاطِلٌ یعنی امام دو قسم کے ہوتے ہیں،ایک حق کا امام ہوتا ہے اور ایک باطل کا امام ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے ﴿وَ جَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ اور ہم نے انہیں ایسا امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں (انبیاء/۷۳)۔اور کچھ امام دوزخ کی طرف بلانے والے بھی ہیں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَ جَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ وَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴾ اور ہم نے انہیں ایسا امام بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی (قصص/۴۱)۔(فَلَئِنْ اَمَرَ الْبَاطِلُ لَقَدِیْمًا فَعَلَ)اگر باطل کو حکومت مل جائے تو تعجب نہیں ہے کیونکہ پہلے سے یہ ہوتا آیا ہے۔(وَ لَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا وَ لَعَلَّ)اور اگر کبھی حق کو سربلند دیکھو تو ایسا اس سے قبل بھی کئی بار ہو چکا ہے۔مقصد یہ ہے کہ ان الفاظ سے کائنات کو یہ پیغام دیا ہے کہ حق کبھی غالب ہوتا ہے جیسا کہ سلیمان اور ذوالقرنین اور رسولؐ خدا کے عہد میں غالب تھا اور آج میرے دور اقتدار میں بھی اسی طرح سے حق غالب ہے۔اور کبھی حق مغلوب ہوتا ہے۔جیسا کہ نوح،ہود،شعیب اور صالح علیہم السلام کے زمانے میں حق مغلوب تھا اور مجھ سے قبل اغیار کے دور حکومت میں حق مغلوب تھا۔اور حق کو مغلوب دیکھ کر ہمیشہ یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کہ اب حق کے آنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔بعض اوقات حق باطل کے تمام تر پردوں کو چیر کر بھی غالب آجاتا ہے۔اگر چہ ایسے اتفاقات بہت کم ہیں اور اس اتفاق کی مثال میرا برسر اقتدار آنا ہے جو کہ سراسر حق کی باطل پر فتح ہے۔انتہیٰ کلامہ واللہ العالم۔

تکمیل

ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے علی بن ابراہیم سے، اس نے اپنے والد سے، اس نے ابن محبوب سے، اس نے علی بن رئاب اور یعقوب سراج سے، اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ''جب قتل عثمان کے بعد لوگوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت کی تو آپؑ منبر پر تشریف لائے اور یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَا فَاسْتَعْلٰی وَ دَنَا فَتَعَالٰی وَ ارْتَفَعَ فَوْقَ کُلِّ مَنْظَرٍ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَی الْعَالَمِیْنَ مُصَدِّقًا لِلرُّسُلِ الْاَوَّلِیْنَ وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا صَلَّی اللّٰهُ وَ مَلَائِکَتُهٗ عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ اَمَّا بَعْدُ اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّ الْبَغْیَ یَقُوْدُ اَصْحَابَهٗ اِلَی النَّارِ وَ اِنَّ اَوَّلَ مَنْ بَغٰی عَلَی اللّٰهِ جَلَّ ذِکْرُهٗ عُنَاقُ بِنْتُ آدَمَ وَ اَوَّلُ قَتِیْلٍ قَتَلَهُ اللّٰهُ عُنَاقُ وَ کَانَ مَجْلِسُهَا جَرِیْبًا مِّنَ الْاَرْضِ فِیْ جَرِیْبٍ وَ کَانَ لَهَا عِشْرُوْنَ اَصْبُعًا فِیْ کُلِّ اَصْبُعٍ ظَفَرَانِ مِثْلَ الْمَنْجَلَیْنِ فَسَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْهَا اَسَدًا کَالْفِیْلِ وَ ذِئْبًا کَالْبَعِیْرِ وَ نَسْرًا مِثْلَ الْبَغْلِ فَقَتَلُوْهَا وَ قَدْ قَتَلَ اللّٰهُ الْجَبَابِرَةَ عَلٰی اَفْضَلِ اَحْوَالِهِمْ وَاٰمِنٍ مَّا کَانُوْا عَلَیْهِ وَاَمَاتَ هَامَانَ وَ اَهْلَكَ فِرْعَوْنَ وَ قَدْ قَتَلَ عُثْمَانَ اَلَا وَ اِنَّ بَلِیَّتُکُمْ قَدْ عَادَتْ کَهَیْئَتِهَا یَوْمَ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِیَّهٗ صلی اللّٰه علیه و آله و سلم وَ الَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً وَ لَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً وَ لَتُسَاطَنَّ سَوْطَ الْقِدْرِ حَتّٰی یَعُوْدَ اَسْفَلُکُمْ اَعْلَاکُمْ وَ اَعْلَاکُمْ اَسْفَلَکُمْ وَ لَیَسْبِقَنَّ سَابِقُوْنَ کَانُوْا قَصَّرُوْا وَ لَیُقَصِّرَنَّ سَبَّاقُوْنَ کَانُوْا سَبَقُوْا وَ اللّٰهِ مَا کَتَمْتُ وَشْمَةً وَ لَا کَذَبْتُ کِذْبَةً وَ لَقَدْ نُبِّئْتُ بِهٰذَا الْمَقَامِ وَ هٰذَا الْیَوْمِ.

اَلَا وَ اِنَّ الْخَطَایَا خَیْلٌ شُمُسٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَ خُلِعَتْ لُجُمُهَا فَتَقَحَّمَتْ بِهِمْ فِی النَّارِ اَلَا وَاِنَّ التَّقْوٰی مَطَایَا ذُلُلٌ حُمِلَ عَلَیْهَا اَهْلُهَا وَ اُعْطُوْا اَزِمَّتَهَا فَاَوْرَدَتْهُمُ الْجَنَّةَ وَ فُتِحَتْ لَهُمْ اَبْوَابُهَا وَ وَجَدُوْا رِیْحَهَا وَ طِیْبَهَا قِیْلَ لَهُمُ ادْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ اَلَا وَ قَدْ سَبَقَنِیْ اِلٰی هٰذَا الْاَمْرِ مَنْ لَّمْ اُشْرِکْهُ فِیْهِ وَ مَنْ لَّمْ اَهِبْهُ لَهٗ وَ مَنْ لَّیْسَتْ لَهٗ تَوْبَةٌ اِلَّا بِنَبِیٍّ یُّبْعَثُ اَلَا وَ لَا نَبِیَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ اَشْرَفَ مِنْهُ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ حَقٌّ وَ بَاطِلٌ وَ لِکُلٍّ اَهْلٌ فَلَئِنْ اَمَرَ الْبَاطِلُ لَقَدِیْمًا فَعَلَ وَ لَئِنْ قَلَّ الْحَقُّ فَلَرُبَّمَا وَ لَعَلَّ وَ لَقَلَّمَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ وَ لَئِنْ رُدَّ عَلَیْکُمْ اَمْرُکُمْ اَنَّکُمْ سُعَدَآءُ وَ مَا عَلَیَّ اِلَّا الْجُهْدُ وَ اِنِّیْ لَاَخْشٰی اَنْ تَکُوْنُوْا عَلٰی فَتْرَةٍ مُلْتُمْ عَنِّیْ مَیْلَةً کُنْتُمْ فِیْهَا عِنْدِیْ غَیْرَ مَحْمُوْدِی الرَّأْیِ وَ لَوْ اَشَآءُ لَقُلْتُ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ.

سَبَقَ فِیْهِ الرَّجُلَانِ وَ قَامَ الثَّالِثُ کَالْغُرَابِ هِمَّتُهٗ بَطْنُهٗ وَیْلُهٗ لَوْ قُصَّ جَنَاحَاهُ وَ قُطِعَ رَأْسُهٗ لَکَانَ خَیْرًا لَّهٗ شَغَلَ عَنِ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ اَمَامَهٗ ثَلَاثَةٌ وَ اِثْنَانِ خَمْسَةٌ لَّیْسَ لَهُمْ سَادِسٌ مَلَکٌ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ وَ نَبِیٌّ اَخَذَ اللّٰهُ بِضَبْعَیْهِ وَ سَاعٍ وَ مُجْتَهِدٌ وَ طَالِبٌ یَرْجُوْ وَ مُقَصِّرٌ فِی النَّارِ اَلْیَمِیْنُ وَ الشِّمَالُ مَضَلَّةٌ وَ الطَّرِیْقُ الْوُسْطٰی هِیَ الْجَادَّةُ عَلَیْهَا بَاقِی الْکِتَابِ وَ اٰثَارِ النُّبُوَّةِ هَلَکَ مَنِ ادَّعٰی وَ خَابَ مَنِ افْتَرٰی اِنَّ اللّٰهَ اَدَّبَ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِالسَّیْفِ وَ السَّوْطِ وَ لَیْسَ لِاَحَدٍ عِنْدَ الْاِمَامِ فِیْهِمَا هَوَادَةٌ فَاسْتَتِرُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ وَ التَّوْبَةُ مِنْ وَّرَائِکُمْ مَنْ اَبْدٰی صَفْحَتَهٗ لِلْحَقِّ هَلَکَ.

و فی مروی البحرانی: اَلَا وَ اِنَّ کُلَّ قَطِیْعَۃٍ اَقْطَعَھَا عُثْمَانُ وَ مَا اَخَذَہٗ مِنْ بَیْتِ مَالِ الْمُسْلِمِیْنَ فَھُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَیْھِمْ فِیْ بَیْتِ مَالِھِمْ وَ لَوْ وَجَدْتُّہٗ قَدْ تُزُوِّجَ بِہِ النِّسَآءُ وَ فُرِّقَ فِی الْبَلَدِ فَاِنَّہٗ اِنْ لَّمْ یَسَعَہُ الْحَقُّ فَالْبَاطِلُ اَضْیَقُ عَنْہُ .

ترجمہ

حمد ہے اس خدا کے لئے جو بلند ہوا اور بہت بلند ہوا اور جو ہر منظر سے بلند ہوا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد لاشریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے عبد اور اس کے رسولؐ ہیں، سلسلہ انبیاء کے خاتم، تمام جہانوں پر اللہ کی حجت ہیں اور سابقہ انبیاء کے تصدیق کرنے والے ہیں۔ وہ مؤمنوں پر شفیق اور مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کی آپؐ پر اور آپؐ کے خاندان پر درود ہو۔ حمد و ثناء کے بعد، اے لوگو! بغاوت اپنے اہل کو دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے اللہ کے خلاف سرکشی کی تھی وہ عناق بنت آدم تھی اور سب سے پہلے اللہ نے جس مخلوق کو قتل کیا تھا وہ بھی وہی عناق تھی اور جو زمین پر بیٹھتی تو ایک جریبی اضعاف پر بیٹھا کرتی تھی۔ اس کی بیس انگلیاں تھیں اور ہر انگلی میں درانتی کی طرح کے دو دو ناخن تھے۔ اللہ نے اس پر ہاتھی جتنا قد و قامت رکھنے والا شیر، اونٹ کی جسامت رکھنے والا بھیڑیا اور خچر کا قد کاٹھ رکھنے والی گدھ کو مسلط کیا جنہوں نے عناق کا کام تمام کر دیا۔ اللہ نے ستم گروں کو ان کے بہترین حالات اور پر اطمینان لمحات میں مارا ہے۔ اللہ نے ہامان کو مارا، فرعون کو ہلاک کیا اور عثمان مارا گیا۔ تمہیں جاننا چاہئے کہ تمہارے لئے وہی ابتلائات پلٹ آئے ہیں جو رسولؐ کی بعثت کے وقت تھے۔ اس ذات کی قسم! جس نے رسولؐ کو حق وصداقت کے ساتھ بھیجا، تم بری طرح تہہ و بالا کئے جاؤ گے اور اس طرح چھانے جاؤ گے جس طرح چھلنی سے کسی چیز کو چھانا جاتا ہے اور اس طرح خلط ملط کئے جاؤ گے جس طرح چمچے سے ہنڈیا، یہاں تک کہ تمہارے ادنیٰ، اعلیٰ اور اعلیٰ، ادنیٰ ہو جائیں گے۔ جو پیچھے تھے آگے بڑھ جائیں گے اور جو ہمیشہ آگے رہتے تھے وہ پیچھے چلے جائیں گے۔ خدا کی قسم! میں نے کوئی بات پردے میں نہیں رکھی اور نہ کبھی کذب بیانی سے کام لیا۔ مجھے اس مقام اور اس دن کی پہلے سے خبر دی جا چکی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ گناہ اُن سرکش گھوڑوں کی مانند ہیں جن پر ان کے سواروں کو سوار کر دیا گیا ہو اور باگیں بھی ان سے اتار لی گئی ہوں اور وہ لے جا کر انہیں دوزخ میں پھاند پڑیں۔ اور تقویٰ رام کی ہوئی سواریوں کی مانند ہے جن پر ان کے سواروں کو سوار کیا گیا ہو، اس طرح کہ باگیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئی ہوں اور وہ انہیں لے جا کر اطمینان سے جنت میں اتار دیں۔ اور ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں اور وہ جنت کی خوشبو پائیں اور ان سے کہا جائے کہ سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ آگاہ رہو! مجھ سے پہلے ایک ایسا شخص حکمران تھا جس کے افعال میں مَیں کسی طور شریک نہیں تھا اور میں نے اس کے جرم بھی اسے معاف نہیں کئے اور جس کی توبہ اس وقت تک قابل قبول نہیں ہے جب تک کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہو۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ محمدؐ مصطفیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور وہ ایک گرتے ہوئے کنارے پر پہنچ چکا ہے جو اسے لے کر جہنم میں گرنے والا ہے۔ ایک حق ہوتا ہے اور ایک باطل، کچھ حق والے ہوتے ہیں اور کچھ باطل والے ہوتے ہیں۔ اب اگر باطل زیادہ ہو گیا تو یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ اور اگر حق کم ہو گیا تو بسا اوقات ایسا

ہی ہوا ہے۔اور بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد باطل پر چھا جائے،اگر چہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی چیز پیچھے ہٹ کر آگے بڑھے۔اور آج اگر تمہارا حق تمہیں واپس ملا ہے تو تم خوش نصیب ہو اور میرا کام تو جد و جہد کرنا ہے۔اور مجھے تمہارے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ تم مجھ سے تنگ دل ہو جاؤ گے اور اس صورت میں تم میرے نزدیک غلط رائے والے افراد ٹھہرو گے۔اور اگر میں چاہوں تو تو کہہ سکتا ہوں کہ سابقہ معاملات سے اللہ درگزر فرمائے۔دو شخص پہلے گزرے اور ان کے بعد تیسرا شخص کوے کی مانند کھڑا ہوا،جس کی تمام تر سوچ کا محور اس کا شکم تھا۔اے کاش! اس کے پر کاٹ دیئے جاتے اور اس کا سر جدا کر دیا جاتا تو اس کے لئے بہتر ہوتا۔وہ جنت سے روک دیا گیا ہے اور دوزخ اس کے سامنے ہے۔

پانچ ہی قسم کے افراد ہوتے ہیں:۔

۱۔پروں سے پرواز کرنے والا فرشتہ۔ ۲۔اللہ کا نبی جس کے بازو کو اللہ نے تھام رکھا ہو۔ ۳۔دین کے لئے محنت مشقت کرنے والا۔ ۴۔رحمت خدا کی امید کرنے والا۔ ۵۔تقصیر کرنے والا دوزخی۔

دائیں بائیں گمراہی ہے اور درمیانی راہ ہی صراط مستقیم ہے۔کتاب اور نبوت کے آثار کا تعلق بھی اسی درمیانی راستے سے ہے۔ غلط دعویٰ کرنے والا ہلاک ہوا اور جھوٹ باندھنے والا ناکام ہوا۔تلوار اور کوڑے سے اللہ نے اس امت کی تادیب کی ہے اور امام،ان دونوں کے متعلق کوئی کوتاہی نہیں کرے گا لہٰذا اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھ جاؤ اور آپس کے جھگڑوں کی اصلاح کرو۔تمہارے پیچھے توبہ موجود ہے،جو شخص حق کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے تباہ ہو جاتا ہے''۔

بحرانی کی روایت میں مذکورہ الفاظ کے بعد یہ جملے ہیں:''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عثمان نے جتنی جاگیریں لوگوں میں تقسیم کی تھیں اور جو کچھ خود اس نے بیت المال سے لیا تھا وہ بیت المال میں واپس کیا جاتا ہے اور اگر اس سلسلہ کا ایسا مال بھی مجھے نظر آیا جو عورتوں کے مہر پر صرف ہو چکا ہو اور ملک میں تقسیم ہو چکا ہو تو بھی میں اسے واپس پلٹاؤں گا۔جس کے لئے حق میں وسعت نہ ہو تو اسے باطل میں زیادہ تنگی محسوس ہوتی ہے''۔

فصل دوم

انسان کی قدرومنزلت

شُغِلَ مَنِ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ اَمَامَهٗ سَاعٍ سَرِيْعٌ نَجَا وَ طَالِبٌ بَطِيْءٌ رَجَا وَ مُقَصِّرٌ فِی النَّارِ هَوٰی اَلْيَمِيْنُ وَ الشِّمَالُ مَضَلَّةٌ وَ الطَّرِيْقُ الْوُسْطٰی هِیَ الْجَادَّةُ عَلَيْهَا بَاقِی الْكِتَابِ وَ اٰثَارِ النُّبُوَّةِ وَ مِنْهَا مَنْفَذُ السُّنَّةِ وَاِلَيْهَا مَصِيْرُ الْعَاقِبَةِ هَلَكَ مَنِ ادَّعٰی وَخَابَ مَنِ افْتَرٰی مَنْ اَبْدٰی صَفْحَتَهٗ لِلْحَقِّ هَلَكَ عِنْدَ جَهَلَةِ النَّاسِ وَ كَفٰی بِالْمَرْءِ جَهْلًا اَنْ لَّا يَعْرِفَ قَدْرَهٗ وَ لَا يَهْلِكُ عَلَی التَّقْوٰی سِنْخُ اَصْلٍ وَلَا يَظْمَأُ عَلَيْهِ زَرْعُ قَوْمٍ فَاسْتَتِرُوْا بُيُوْتَكُمْ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَالتَّوْبَةُ مِنْ وَّرَائِكُمْ لَايَحْمِدُ حَامِدٌ اِلَّا رَبَّهٗ وَلَايَلُمْ لَائِمٌ اِلَّا نَفْسَهٗ.

جس کے پیش نظر دوزخ و جنت ہو، اس کی نظر کسی اور طرف نہیں اٹھ سکتی۔ جو تیز قدم دوڑنے والا ہے وہ نجات یافتہ ہے، جو سست رفتار طلبگار ہو اسے بھی یہ توقع ہوسکتی ہے مگر جو ارادۃً کوتاہی کرنے والا ہو اسے تو دوزخ میں ہی گرنا ہے، دائیں بائیں گمراہی ہے اور درمیانی راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ اس راستہ پر اللہ کی ہمیشہ رہنے والی کتاب اور نبوت کے آثار ہیں، اسی سے شریعت کا نفاذ اور اجرا ہوا اور اسی کی طرف آخر بازگشت ہے۔ جس نے غلط ادعا کیا وہ تباہ و برباد ہوا، جس نے افترا باندھا وہ ناکام و نامراد رہا اور جو حق کی خاطر کھڑا ہوا وہ جاہلوں کے نزدیک تباہ و برباد ہوتا ہے۔ انسان کی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ اپنی قدرومنزلت کو نہ پہچانے۔ وہ اصل و اساس جو تقویٰ پر ہو وہ برباد نہیں ہوتی اور اس کے ہوتے ہوئے کسی قوم کی کشت عمل بے آب و خشک نہیں رہتی۔ تم اپنے گھر کے گوشوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ اور آپس کے جھگڑوں کی اصلاح کرو، توبہ تمہارے عقب میں ہے۔ حمد کرنے والا صرف اپنے پروردگار کی حمد کرے اور برا بھلا کہنے والا صرف اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔

تشریح لغت (اَلطَّرِيْقُ) لغت نجد میں یہ لفظ مذکر استعمال ہوتا ہے، قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مذکر استعمال ہوا ہے بطور مثال ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِی الْبَحْرِ﴾ لغت حجاز میں یہ لفظ مؤنث استعمال ہوا ہے اور حضرتؑ نے بھی اپنے خطبہ میں اسے مؤنث ادا کیا ہے۔ (اَلْجَادَّةُ) بڑی شاہراہ۔ (اَلصَّفْحَةُ) کنارا۔ (اَلسِّنْخُ) ہر چیز کی اصل۔ (اَلْبَيْنُ) با کی زبر کے ساتھ، یہ الفاظ اضداد میں سے ہے اور بیک وقت دو متضاد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لفظ ''ذَاتُ الْبَيْنِ'' دشمنی، بغض اور باہمی اصلاح کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

اعراب

(شُغِلَ) ماضی مجہول۔(مَنْ) موصولہ، نائب فاعل ہے۔(اَلْجَنَّةُ وَ النَّارُ) مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔(اَمَامُهٗ) خبر ہے اور جملہ ''مَنْ موصولہ'' کا صلہ ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ لفظ ''شُغِلَ'' کا نائب فاعل ضمیر ہے اور اس کا مرجع خلیفہ ثالث ہے، جیسا کہ الکافی کی روایت میں ہے۔(مِنَ الْجَنَّةِ) جار و مجرور ہے۔(اَلنَّارُ اَمَامُهٗ) مبتدا و خبر ہیں۔اور اس کی تائید الکافی کی روایت سے ہوتی ہے جہاں ''مِنْ'' کی بجائے لفظ ''عَنْ'' وارد ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ثالث کو جنت سے روک دیا گیا ہے اور دوزخ اس کے سامنے ہے۔ (سَاعٍ، طَالِبٌ اور مُقَصِّرٌ) بر بنائے خبر مرفوع ہیں اور قرینہ مقام اس کی دلیل ہے۔(بَاقِی الْکِتَابِ) میں لفظ باقی کی کتاب کی طرف اضافت وہی ہے جو صفت کی موصوف کی طرف ہوتی ہے.....۔(کَفٰی بِالْمَرْءِ) میں با زائدہ ہے۔(سِنْخُ اَصْلٍ) میں وہی اضافت کارفرما ہے جو ''سَعِیْدُ کَرْزٍ'' اور ''کُرَی الْقَوْمِ'' میں پائی جاتی ہے۔(اِسْتَتِرُوْا بُیُوْتَکُمْ) یعنی ''فِیْ بُیُوْتِکُمْ'' منصوب بنزع الخافض ہے۔(وَالتَّوْبَةُ مِنْ وَّرَائِکُمْ) میں لفظ ''مِنْ''، ''فِیْ'' کے معنی میں ہے۔

مفہوم عبارت

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حصہ سابقہ خطبہ کا ہی ایک جزو ہے۔حضرتؑ نے اس خطبے کے اس حصہ میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (شُغِلَ مَنِ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ اَمَامَهٗ) جس کے پیش نظر جنت اور دوزخ ہو، اس کی نظر کسی اور طرف نہیں اٹھ سکتی

فکرآخرت

جنت و دوزخ پہ نظر رکھنے والا شخص دنیا کی زیب و زینت پہ فریفتہ نہیں ہوسکتا۔ایسے شخص کی سوچ کا محور ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح سے اپنی عزیز جان کو دوزخ کے شعلوں سے بچائے اور جنت حاصل کر سکے۔اور ایسی سوچ رکھنے والا شخص کسی اور طرف کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔انسان ہر وقت حالت سفر میں ہے اگر چہ وہ اپنے اس سفر کو محسوس نہیں کر پاتا۔اگر کوئی شخص دیدہ بینا رکھتا ہے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ انسانی جسم ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور انسان کا ایک ایک قدم موت کی طرف اٹھ رہا ہے۔جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کی شکل وصورت کیا ہوتی ہے، پھر بچپن میں اس کی حالت میں کیا کچھ تغیر آجاتا ہے، لڑکپن اور جوانی کے ایام میں اس کا وجود کس طرح سے شاداب اور قوت سے بھرپور ہوتا ہے پھر بڑھاپے میں اس کے اعضاء و جوارح کس طرح سے غیر مؤثر بن جاتے ہیں۔

الغرض انسانی جسم میں ہر لحہ تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں پھر انسان پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب اس پر موت وارد ہوتی ہے۔ اور ہادیان دین کی تعلیم یہ ہے کہ موت فنائے مطلق نہیں ہے بلکہ موت ایک طرح پل ہے جہاں سے گزر کر انسان دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔پھر انسان کو ایک وسیع ترین عالَم یعنی عالم ارواح و برزخ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں اس جسم کے بدلے میں انسان کو جسم لطیف دیا جاتا ہے _ البتہ علماء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ وہاں بھی انسان کو اسی جسم سے محشور کیا جائے گا جس جسم کے ساتھ وہ اس دنیا میں رہا

ہے۔ازمترجم _ پھر اس کے بعد انسان کو قیامت میں حساب کتاب کے لئے پیش ہونا ہے۔لہٰذا جس شخص کو اتنا بڑا سفر درپیش ہو تو اس کا فرض بنتا ہے کہ اس طویل سفر کے لئے زادراہ جمع کرے اور اس سفر کا زادراہ اس دنیا میں رہ کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔طویل مسافت کرنے والے مسافر کی نظر ہمیشہ اپنے سفر پر رہتی ہے اور دوران سفر کوئی مسافر اپنی منزل کو فراموش کر کے راستے کے خوشنما مناظر میں اپنے آپ کو الجھانا پسند نہیں کرتا۔

نتیجہ کے لحاظ سے آخرت میں تین گروہ

اس کے بعد حضرتؑ نے بتایا کہ نتیجہ کے لحاظ سے لوگوں کی تین قسمیں ہی:

۱۔(سَاعٍ سَرِیْعٌ نَجَا) پہلا گروہ ان خوش نصیب افراد کا ہے جو رب العالمین کی رضا کے حصول کے لئے تیزی سے دوڑنے والے ہیں اور وہ نجات یافتہ ہیں۔

۲۔(وَ طَالِبٌ بَطِیْءٌ رَجَا) دوسرا گروہ سست رفتار طلب گاروں کا ہے۔انہیں بھی رحمت کی توقع ہوسکتی ہے۔

۳۔(وَ مُقَصِّرٌ فِی النَّارِ هَوٰی) تیسرا گروہ ناکام افراد پر مشتمل ہے۔اور کوتاہی کرنے والے کو دوزخ میں گرنا ہے۔

افراد بشر کی یہ تقسیم دراصل قرآن مجید سورہ واقعہ سے ماخوذ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وَ کُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلَاثَةً فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾اور قیامت کے دن تم تین گروہ ہو جاؤ گے، پھر داہنے ہاتھ والے اور کیا کہنا داہنے ہاتھ والوں کا اور بائیں ہاتھ والے اور کیا پوچھنا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں، وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔(واقعہ/ ۷ تا ۱۳) اصحاب میمنہ (دائیں ہاتھ والے) یہ ایسے مؤمن ہوں گے جن سے حساب لیا جائے گا اور بعد میں انہیں جنت دی جائے گی۔اصحاب مشئمہ (بائیں ہاتھ والے) شیطان کے پیروکار ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔اور سابقین درجہ کمال پر فائز ہوں گے اور مقربان بارگاہ احدیت ہوں گے اور جنت النعیم کے مزے لوٹیں گے، ان سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔اس تیسری قسم میں انبیاء واوصیاء شامل ہیں اور حضرتؑ نے بھی تین گروہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ''سَاعٍ سَرِیْعٌ نَجَا'' (خدا کی رضا کے لئے تیزی سے دوڑنے والے) کے الفاظ سے جماعت سابقین کی طرف اشارہ کیا ہے۔اس کی مزید تائید تفسیر ثعلبی کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ابن عباس کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:''اللہ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قسم کا فرد بنایا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَا اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ﴾اور داہنی ہاتھ والے اصحاب اور کیا کہنا ان اصحاب یمین کا۔اور میں اصحاب یمین کا افضل فرد ہوں۔اور پھر ان دو قسموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور فرمایا﴿وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾سابقین تو سابقین ہیں، وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔اور اللہ نے مجھے سابقین کی جماعت کا سردار بنایا۔پھر اللہ نے ان تین گروہوں کو بہت سے گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے پاک وپاکیزہ گھر کا مالک بنایا اور فرمایا﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾اے اہل بیتؑ! بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس

طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔(احزاب/۲۲)

''غایۃ المرام'' سے ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں۔مؤلف غایۃ المرام نے امالی شیخ کے حوالے سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے قرآن کی اس آیت ﴿وَ السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ ﴾(اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں۔ وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں،نعمتوں والی جنت میں ہوں گے) کے متعلق فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے بتایا:''ذَالِكَ عَلِیٌّ وَ شِیْعَتُهٗ هُمُ السَّابِقُوْنَ اِلَی الْجَنَّةِ الْمُقَرَّبُوْنَ مِنَ اللّٰهِ بِكَرَامَةٍ لَّهُمْ ''علیؑ اور اس کے شیعہ جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ نے انہیں کرامت عطا کی ہے۔مذکورہ روایت کی مزید تائید تفسیر قمی کی اس روایت سے ہوتی ہے۔علی بن ابراہیم قمی نے اپنی اسناد سے اس آیت ﴿وَ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ..... ﴾اور مہاجرین وانصار میں پہلے سبقت کرنے والے.....(التوبہ/۱۰۰) کے متعلق تحریر کیا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:''اس سے مراد ابوذر،مقداد،سلمان اور عمار سے نقیب ہیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ مراد ہیں جو امیر المؤمنین کی ولایت کے عقیدے پر ثابت قدم رہے''۔

درمیانی راہ یا صراط مستقیم

حضرتؑ نے لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔پھر آپؑ نے اپنے سامعین کو سیر وسلوک کا درس دیتے ہوئے بتایا کہ وہ کونسی راہ پر چلیں تو ان کو نجات مل سکتی ہے۔چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا(اَلْیَمِیْنُ وَ الشِّمَالُ مَضَلَّةٌ وَ الطَّرِیْقُ الْوُسْطٰی هِیَ الْجَادَّةُ)دائیں بائیں گمراہی کی راہیں ہیں اور درمیانی راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔اور یہی وہ شاہراہ ہے جو خاکی انسان کو حظیرۃ القدس کے جزیرے میں پہنچاتی ہے۔ ہر سالک الی اللہ کو علم وعمل کا سہارا لینا پڑتا ہے۔علم کا تعلق قوت نظریہ سے ہے اور عمل کا تعلق قوت عملیہ سے ہے۔اور علم وعمل کے لئے افراط وتفریط ممکن ہے۔لہٰذا نہ تو افراط کا راستہ صحیح ہے اور نہ تفریط کا راستہ درست ہے۔صرف درمیانی راستہ ہی چلنے کے قابل ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔

عرض مؤلف ممکن ہے کہ دائیں بائیں سے مراد جبت وطاغوت کی راہیں ہوں اور درمیانی راستے سے مراد آپؑ کی ولایت کا راستہ ہو۔ اور حضرتؑ نے اپنے نورانی الفاظ سے لوگوں کو بتایا کہ دائیں بائیں مت جاؤ ادھر گمراہی ہی گمراہی ہے اور اگر تم منزل مقصود پر پہنچنا چاہتے ہو تو درمیانی راستے پر سفر کرو اور وہ راستہ میری ولایت کا ہے، یہ راستہ ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ ہے وراس شاہراہ پر قدم قدم پر ہدایت کے چراغ روشن ہیں۔میری ولایت ہی شاہراہ اعظم ہے۔لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی اللہ کی محبت،اس کی جنت اور اخروی کامیابی کا خواہش مند ہو تو اسے چاہئے کہ میری ولایت کو تسلیم کرے اور مجھ سے محبت کرتے ہوئے میری اطاعت کا شرف حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ اعمال بندگان کو صرف اس صورت میں قبول فرمائے گا جب وہ صحیح راستے سے ادا ہوئے ہوں ورنہ اللہ انہیں مسترد کر دے گا،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴾خدا صرف صاحبان تقویٰ کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔(مائدہ/۲۷) درج بالا آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ صرف متقی کے اعمال کو ہی شرف قبولیت عطا فرماتا ہے اور غیر متقی کے اعمال اگر

چہ کمیت کے اعتبار سے کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، قبول نہیں کرتا۔ متقی وہ ہے جو خدا اور رسولؐ سے محبت کرے، اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے اور اللہ کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ متقی پرہیزگار کو کہتا جاتا ہے اور پرہیزگاری کے لئے ضروری ہے کہ انسان دشمنان اہل بیتؑ سے پرہیز کرے۔ اور قبولیت اعمال کا صرف یہی راستہ ہے ورنہ دائیں بائیں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ کتب تفسیر و حدیث سے اس موضوع کی بخوبی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ کتاب غایۃ المرام میں الکافی کے حوالے سے برید عجلی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔ (نساء/۵۹) کے متعلق سوال کیا تو امام علیہ السلام نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی: ''﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کو کتاب کا کچھ حصہ دے دیا گیا وہ شیطان اور بتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کفار کو بھی بتاتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔ (نساء/۵۱) یعنی گمراہوں کے سربراہ اور دوزخ کے داعی یہ کہتے ہیں کہ یہ آل محمدؐ علیہم السلام سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا﴾ اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا لعنت کر دے آپ پھر اس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ (نساء/۵۲)''۔

علاوہ ازیں تفسیر عیاشی میں برید العجلی سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھا ﴿وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہو جاؤ گے۔ اسی کی پروردگار نے ہدایت دی ہے کہ اس طرح شاید متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ (انعام/۱۵۳) اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''جانتے ہو صراط مستقیم کیا ہے؟''۔ میں نے عرض کیا: ''نہیں''۔ تو فرمایا: ''علیؑ اور اوصیاء کی ولایت ہی صراط مستقیم ہے''۔ پھر فرمایا: ''فَاتَّبِعُوْہُ (اس کی اتباع کرو) کا مقصد جانتے ہو؟''۔ میں نے عرض کیا: ''نہیں''۔ تو فرمایا: ''یعنی علیؑ بن ابی طالب کی اتباع کرو!''۔ پھر فرمایا: ''وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ) کا کیا مطلب ہے؟''۔ میں نے عرض کیا: ''نہیں''۔ تو فرمایا: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں فلاں کی پیروی نہ کرو''۔ پھر فرمایا: ''جانتے ہو فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ (راہ خدا سے تمہیں الگ کر دیں گے) کا کیا مقصد ہے؟''۔ میں نے عرض کیا: ''میں نہیں جانتا''۔ فرمایا: ''مقصد یہ ہے کہ فلاں فلاں کی پیروی نہ کرنا ورنہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے راستے سے ہٹ جاؤ گے''۔

ثقۃ الاسلام کلینی نے اپنی اسناد سے محمد بن فضیل سے روایت کی، اس کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْھِہٖٓ اَھْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ کیا وہ شخص جو منہ کے بل چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا جو سیدھے سیدھے صراط مستقیم پر چل رہا ہے۔ (ملک/۲۲) پھر فرمایا: ''جو شخص ولایت علیؑ سے منحرف ہو گیا ہو، اللہ نے اس کی تشبیہ اس شخص سے دی ہے جو منہ کے بل چلتا ہو اور جسے راہ راست کا علم نہ ہو۔ اور جو علیؑ کی اتباع کرتا ہے اس کی تشبیہ

اس شخص سے دی ہے جو صراط مستقیم پہ چل رہا ہو۔ اور واضح ہو کہ علیؑ ہی صراط مستقیم ہیں''۔ ابن شہر آشوب نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسولؐ خدا تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؑ ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور علی علیہ السلام کے دائیں بائیں ایک ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر رسولؐ خدا نے فرمایا: ''دائیں بائیں گمراہی ہے اور درمیان میں ہدایت کی شاہراہ ہے''۔ پھر حضورؐ اکرم نے اپنے ہاتھ سے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اِنَّ ھٰذَا صِرَاطُ عَلِیٍّ مُسْتَقِیْمٌ فَاتَّبِعُوْہُ '' (بے شک علیؑ کا راستہ صراط مستقیم ہے، اس کی پیروی کرو)

علی بن ابراہیم قمی نے اپنی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان نقل کیا۔ آپؑ نے فرمایا: ''نَحْنُ وَ اللّٰہِ سَبِیْلُ اللّٰہِ الَّذِیْ اَمَرَکُمْ بِاِتِّبَاعِہٖ وَ نَحْنُ وَ اللّٰہِ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ وَ نَحْنُ وَاللّٰہِ الَّذِیْنَ اَمَرَ اللّٰہُ بِطَاعَتِھِمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیَاْخُذْ مِنْ ھُنَا وَمَنْ شَآءَ فَلْیَاْخُذْ مِنْ ھُنَاکَ لَا تَجِدُوْنَ عَنَّا وَاللّٰہِ مَحِیْصًا'' خدا کی قسم! ہم وہ راستہ ہیں جس کی اتباع کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ خدا کی قسم! ہم ہی صراط مستقیم ہیں۔ خدا کی قسم! ہم وہ لوگ ہیں جن کی اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اب جس کی مرضی ہو ہم سے لے اور جس کی مرضی ہو وہاں سے لے۔ خدا کی قسم! ہمارے علاوہ تمہیں کوئی چارہ کار نہیں ملے گا۔ بصائر الدرجات میں زربن حبیش سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنینؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''جب کوئی شخص اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کی قبر میں دو فرشتے آتے ہیں جن کا نام منکر و نکیر ہوتا ہے۔ وہ مردے سے اس کے رب، اس کے نبی اور اس کے ولی کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اگر مرنے والے نے صحیح جواب دیا تو وہ خوش ہو کر چلے جاتے ہیں ورنہ اسے عذاب دیتے ہیں''۔ ایک شخص نے حضرتؑ سے پوچھا: ''اگر کوئی شخص رب کے متعلق تو صحیح جواب دے لیکن ولی کے متعلق سوال کا جواب نہ دے پائے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''ایسا شخص مذبذب ہے، نہ ادھر کا ہے اور نہ ادھر کا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو اس کو کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ ایسے شخص کی نجات کا کوئی وسیلہ نہیں ہے''۔

رسولؐ خدا سے پوچھا گیا تھا کہ ہمارا ولی کون ہے؟۔ حضورؐ اکرم نے فرمایا: ''اس زمانے میں علیؑ تمہارا ولی ہے اور اس کے بعد اس کا وصی ہے اور ہر زمانے میں ایک عالم ہوتا آئے گا جو اللہ کی حجت ہوگا۔ اگر اوصیاء کا سلسلہ قائم نہ ہو تو لوگ سراسر گمراہ ہو جائیں اور ان کا یہ اعتراض درست قرار پائے ﴿لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیَاتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی﴾ پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری نشانیوں کی اتباع کر لیتے (طٰہٰ/۱۳۴)۔ مقصد یہ ہے کہ تو نے ہمارے پاس ہادیان حق بصورت اوصیاء کیوں نہیں بھیجے؟ تو اللہ کی طرف سے حبیب خدا کو اس سوال کا یہ جواب تلقین کیا گیا ﴿قُلْ کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَ مَنِ اھْتَدٰی﴾ آپؐ کہہ دیجئے کہ سب اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھے راستے پر چلنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں (طٰہٰ/ ۱۳۵)۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو اتنی مہلت ضرور دی گئی ہے جس میں وہ اپنے دور کے ہادی کی پہچان کر سکیں۔ اس لئے اللہ نے انہیں یہ طعنہ دیا ہے کہ وہ صراط مستقیم کے مالکوں کی پہچان کر سکتے تھے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اور جنت میں صرف وہی جائے گا جو اوصیاء کو پہچانتا ہو اور اوصیاء اسے پہچانتے ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَ عَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمَاھُمْ﴾ اعراف پر کچھ انسان ہوں گے جو ہر شخص کو اس کی

علامت سے پہچانیں گے (اعراف/۴۶)۔ یہ لوگ نبی کی طرف سے خلق خدا کے گواہ ہوں گے اور نبی ان کے گواہ ہوں گے۔ اور وہ نبی کے بعد اس کی نبوت کا پیغام پہنچانے والے ہوں گے۔ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴾ اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے اور پیغمبرؐ! آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر بلائیں گے۔ اس دن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یہ خواہش کریں گے کہ اے کاش! ان کے اوپر سے زمین برابر کر دی جاتی۔ اور وہ خدا سے کسی بات کو بھی نہیں چھپا سکتے (نساء/۴۱)۔

تفسیر قمی اور بصائر الدرجات میں سورہ طٰہٰ کی آخری آیت کے اس حصے ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴾ (تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھے راستے پر چلنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں) کے متعلق مذکور ہے کہ ''صِرَاطٍ سَوِيٍّ'' (سیدھے راستے) کا مالک علیؑ ہے اور ہدایت پانے والے ان کے شیعہ ہیں۔ مذکورہ روایت سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ولایت علیؑ ہی درمیانی راستہ ہے اور قرآن مجید میں اسے کبھی صِرَاطٌ سَوِیٌّ، کبھی صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ، کبھی طَرِيْقٌ سَوِیٌّ اور کبھی سَبِيْلُ اللّٰهِ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اللہ نے پورے قرآن میں اس کی اتباع کی بار بار دعوت دی ہے۔

(عَلَيْهَا بَاقِي الْكِتَابِ) اس پر ہمیشہ باقی رہنے والی کتاب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خداوند عالَم کی لاریب کتاب بھی اس درمیانی راستے کی دعوت دیتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کا ایک اور مفہوم یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص ولایت کی شاہراہ پر سفر کرے گا اس کے لئے کتاب کا علم حاصل کرنا آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ وارث کتاب سے اس کا براہ راست رابطہ ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت طاہرین ہی کتاب خدا کے عالم ہیں۔ وہ اس کی تنزیل، تاویل، عام، خاص، مرسل، محدود، مجمل، مبین، ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، ظاہر اور باطن کو جانتے ہیں اور وہ ذوات عالیہ قرآن کے اسرار و رموز اور دقائق و غوامض کے جاننے والے ہیں۔ جو شخص انہیں چھوڑ کر کسی اور سے کتاب کا علم حاصل کرنا چاہے وہ علم کتاب کے حصول میں ناکام ہوگا۔ اور ان کے بغیر علم قرآن کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہوگا۔ بعض نسخوں میں ''عَلَيْهَا بَاقِي الْكِتَابِ'' کے الفاظ کی بجائے یہ الفاظ وارد ہیں ''عَلَيْهَا مَا فِي الْكِتَابِ'' یعنی مفہوم قرآن کا دارومدار اسی درمیانی راستے سے وابستہ ہے

(وَ اٰثَارِ النُّبُوَّةِ) اور نبوت کے آثار بھی اسی سے وابستہ ہیں۔ اس مذکورہ جملے کے دو مفہوم ممکن ہیں؛

۱۔ نبوت کے آثار کا تعلق جادہ وسطیٰ یعنی ولایت اہل بیت کے ساتھ ہے۔

۲۔ نبوت کے فرمودات بھی اسی سے متعلق ہیں۔ یعنی رسالت مآب نے اپنی حیات طیبہ میں لوگوں کو اہل بیت کی اتباع کی بار بار دعوت دی ہے اور انہیں ثالی قرآن، مع القرآن اور وارثانِ قرآن قرار دیا ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث نے ہر قدم پر اہل بیت طاہرین کا تعارف کرایا ہے اور ان کی شان و مقام بیان کیا ہے۔ اسی لئے سنت کا دروازہ بھی یہی ہیں۔ (وَ مِنْهَا مَنْفَذُ السُّنَّةِ) اسی سے ہی شریعت کا نفاذ ہوا۔ شریعت محمدیہ کے یہی وارث ہیں اور شریعت اسلامیہ کو کما حقہ بیان کرنے والے یہی ہیں۔ احکام شرائع اور حلال و حرام کو بیان کرنے والے ہیں۔ شریعت کا نفاذ انہی کی تعلیمات سے ہی ممکن ہے۔

لوگوں کی بازگشت انہی کی طرف ہے

(وَ اِلَیْھَا مَصِیْرُ الْعَاقِبَۃِ) اوراسی کی طرف آخر بازگشت ہے۔ دنیاوآخرت میں خلق خدا کی بازگشت انہی ذوات طاہرہ کی طرف ہے۔ دنیا میں بازگشت کا مطلب یہ ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی جملہ حرکات وسکنات قوانین شرعیہ پر مبنی ہیں۔ اور پوری امت اسلامیہ کوان کی سیرت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وضاحت سے ارشاد فرمایا: ''اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰہِ وَ (عِتْرَتِیْ) اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ (اَبَدًا) ''میں تم میں دوگرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری اہل بیت۔ تم جب تک ان سے تمسک (پیروی) کرو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ دنیاوی زندگی میں ہی اہل بیت علیہم السلام مرجع کائنات ہیں اوراخروی حساب کا تعلق بھی انہی سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ اِلَیْنَا اِیَابَھُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ﴾ ان کی بازگشت ہماری طرف ہے پھران کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے (غاشیہ/۲۶)۔ تفسیر اہل بیت میں اس آیت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد مخلوق کی بازگشت اولیائے خدا کی طرف ہے اوران کے اعمال کی جزاوسزا بھی انہی کے ذمہ ہے۔ اسی مفہوم کو زیارت جامعہ کبیرہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی زبانی عقائد ومعارف کی تعلیم دیتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ''اَشْھَدُ اَنَّ اِیَابَ الْخَلْقِ اِلَیْكُمْ وَ حِسَابَھُمْ عَلَیْكُمْ ''اے اہل بیت! میں گواہی دیتا ہوں کہ مخلوق کی بازگشت آپ کی طرف ہے اوران کا حساب بھی آپ کے ذمہ ہے۔

درج بالا زیارت کے جملے کی شرح کرتے ہوئے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ زیارت ومسائل میں لوگوں کی بازگشت آپ کی طرف ہے اور مرنے کے بعد ان کا حساب بھی آپ کے ذمہ ہے۔ احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ یہ ذوات مقدسہ میزان حقیقی ہیں اور قیامت کے دن خدا کے نمائندے بن کر یہ حساب لیں گے۔ اوراحادیث میں بکثرت یہ الفاظ وارد ہیں ''كُلُّ اُمَّةٍ یُّحَاسِبُھَا اِمَامُ زَمَانِھَا ''ہرامت کا حساب ان کے زمانے کا امام کرے گا۔ اوراس میں تعجب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء وجوارح کو بھی اس کے اعمال کا گواہ بنایا، کراماً کاتبین کو بھی اس کے اعمال کا گواہ بنایا اورامت وسطیٰ کو بھی تمام مخلوق کا گواہ بنایا اور رسولؐ کو امت وسطیٰ کا گواہ بنایا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ خود ہے ﴿وَ كَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا﴾ تو اس طرح سے مالک یوم الدین خدا ہی ہے البتہ یہ بزرگوار اس کے نمائندے کی حیثیت سے لوگوں کا حساب لیں گے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الفاظ برسبیل مجاز ہوں اور مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا حساب لے رہا ہوگا تو یہ ہستیاں انبیاء وملائکہ کے ساتھ عرصۂ محشر حساب کے وقت موجود ہوں گے۔

عرض مؤلف اس مقام پر مؤلف عرض کرتا ہے کہ علامہ مجلسیؒ نے جو دوسرا احتمال بیان کیا ہے وہ چند وجوہات کی بنا پر قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ مجازی معنی وہاں مراد لئے جاتے ہیں جہاں حقیقی معنی مُتعذر اور محال ہو۔ اور جب حقیقی معنی مراد لیا جاسکتا ہو تو

پھر مجازی معنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔اور یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے مروی بہت سی احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن محتسب اور محاسب ہوں گے۔تو اتنی احادیث کی موجودگی میں حقیقی معنی مراد لینا ہی مناسب ہے۔اس مفہوم کے اثبات کے لئے ہم الکافی سے دو حدیثیں نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

۱۔عَنِ الْبَاقِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ''اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَ جَمَعَ اللّٰهُ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ لِفَصْلِ الْخِطَابِ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) وَ دُعِيَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) فَيُكْسٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) حِلَّةَ خَضْرَاءِ تُضِيْءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ يُكْسٰى اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) مِثْلَهَا وَ يُكْسٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) وِرْدِيَةً يَضِيْءُ لَهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ يُكْسٰى عَلِيٌّ (ع) مِّثْلَهَا ثُمَّ يَصْعُدَانِ عِنْدَهَا ثُمَّ يُدْعٰى بِنَا فَيُدْفَعُ اِلَيْنَا حِسَابَ النَّاسِ فَنَحْنُ وَاللّٰهِ مُدْخِلُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَ اَهْلِ النَّارِ النَّارَ''۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ فیصلہ کے لئے اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو جناب رسولؐ خدا اور جناب علیؑ مرتضٰی کو بلایا جائے گا۔رسولؐ خدا کو سبز خلعت پہنائی جائے گی جس کی روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی اور امیر المؤمنینؑ کو بھی ایسی ہی خلعت پہنائی جائے گی۔پھر رسولؐ خدا کو گلابی خلعت پہنائی جائے گی جس کی روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی اور حضرت علیؑ کو بھی ایسی ہی خلعت پہنائی جائے گی۔پھر دونوں بزرگوار منبر پر بیٹھیں گے۔پھر ہمیں بلایا جائے گا اور لوگوں کا حساب ہمارے سپرد کیا جائے گا۔خدا کی قسم اہل جنت کو جنت میں ہم داخل کریں گے اور اہل دوزخ کو دوزخ میں بھی ہم ہی داخل کریں گے۔

۲۔عَن، الْكَاظِمِ عَلَيْهِ السَّلَامِ: '' وَ اِلَيْنَا اِيَابُ هٰذَا الْخَلْقِ وَ عَلَيْنَا حِسَابُهُمْ فَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ ذَنْبٍ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَتَّمْنَا عَلَى اللّٰهِ فِيْ تَرْكِهٖ لَنَا فَاَجَابَنَا اِلٰى ذَالِكَ وَمَا كَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّاسِ اسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْهُمْ وَ اَجَابُوْا اِلٰى ذَالِكَ وَ عَوَّضَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هٰذَا''۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:''اس خلق کی بازگشت ہماری طرف اور ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔ہمارے شیعوں کے ذمہ جو خدا کے گناہ ہوں گے ہم خدا سے ان کی معافی کی درخواست کریں گے تو اللہ ہماری وجہ سے ان کے گناہ معاف کردے گا اور ان کے ذمہ جو مخلوق کے گناہ ہوں گے تو ہم،لوگوں سے ان گناہوں کے معاف کرنے کے لئے کہیں گے تو لوگ ہماری وجہ سے معاف کردیں گے اور اللہ انہیں ان حقوق کا بدلہ عطا کرے گا''۔

بازگشت کا ایک اور مفہوم

حضرتؑ کے اس جملہ''وَ اِلَيْهَا مَصِيْرُ الْعَاقِبَةِ''اور آخرت کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔اس کا ایک مفہوم یہ بھی ممکن ہے کہ مخلوق کے برے اور اچھے انجام کا دارومدار عقیدۂ ولایت پر ہے۔اگر کوئی شخص عقیدہ ولایت رکھتا ہوگا تو اس کی عاقبت بخیر ہوگی اور جو کوئی اس

کا منکر ہوگا اس کی عاقبت خراب ہوگی...جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ہے﴿وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ﴾ترجمہ:اور انہیں روک لو بے شک ان سے سوال کیا جائے گا(صافات/۲۴)۔اس آیت مجیدہ کے متعلق غایۃ المرام میں مصباح الانوار کے حوالہ سے عبداللہ بن عباس سے مروی

ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اَقِفُ اَنَا وَ عَلِيٌّ عَلَى الصِّرَاطِ بِيَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنَّا سَيْفٌ فَلَا تَمُرُّ اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ إِلَّا سَأَلْنَاهُ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيٍّ (ع) فَمَنْ مَّعَهٗ شَيْءٌ مِنْهَا نَجَا وَإِلَّا ضَرَبْنَا عُنُقَهٗ وَ اَلْقَيْنَاهُ فِي النَّارِ ثُمَّ تَلَا: وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ مَا لَكُمْ لَاتَنَاصَرُوْنَ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَلِمُوْنَ ''جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اور علیؑ دونوں پل صراط پر کھڑے ہوں گے اور ہم میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار ہوگی۔ مخلوق خدا میں سے جو بھی وہاں سے گزرے گا، جس کے پاس ولایت کا کچھ حصہ ہوگا نجات پائے گا ورنہ ہم اس کی گردن مار کر اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت کی ''وَقِفُوْهُمْ ..... ''اور انہیں روک لو بے شک ان سے سوال کیا جائے گا۔ اب تمہیں کیا ہوگیا ہے ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ہو بلکہ آج تو سب کے سب سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اس مفہوم کی بہت سی احادیث موجود ہیں، ہم ان احادیث کو جمع کر کے کتاب کا حجم نہیں بڑھانا چاہتے۔

(هَلَكَ مَنِ ادَّعىٰ) غلط دعویٰ کرنے والا ہلاک ہوا۔ بالخصوص جس نے استحقاق کے بغیر امامت کا دعویٰ کیا ہو تو اس کی ہلاکت میں تو کوئی کلام نہیں ہے (وَخَابَ مَنِ افْتَرىٰ) اور جس نے افتراء باندھا، وہ ناکام و نامراد رہا۔ ہر وہ شخص جو اپنے غلط دعویٰ کے لئے خدا اور رسولؐ پر جھوٹ تراشے وہ ناکام و خاسر رہے گا۔ مذکورہ بالا دونوں جملے دعا اور خبر کے متحمل ہیں اور ہلاکت سے اخروی ہلاکت مراد ہے اور نامرادی سے حرماں نصیبی اور خسارہ مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ﴿وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾ اور تم روز قیامت دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر بہتان باندھا ہے ان کے چہرے سیاہ ہوگئے ہیں اور کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ (زمر/۶۰)۔ بحار الانوار میں غیبت نعمانی کے حوالہ سے ابن ظبیان سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ آیت اس کے متعلق ہے جو امام نہ ہوتے ہوئے امام ہونے کا دعویٰ کرے۔ خدا پر جھوٹ باندھنا بہت بڑا ظلم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں اس کا تذکرہ کیا ہے ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرىٰ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلَآئِكَةُ بَاسِطُوْا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹا الزام لگائے یا اس کے وحی نازل کئے بغیر یہ کہہ دے کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے اور جو یہ کہہ دے کہ میں بھی خدا کی طرح باتیں نازل کر سکتا ہوں اور اگر آپ دیکھتے ہیں کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور ملائکہ اپنے ہاتھ بڑھائے ہوئے آواز دے رہے ہیں کہ اب اپنی جان نکال دو کہ آج تمہیں تمہارے جھوٹے بیانات اور الزامات پر رسوائی کا عذاب دیا جائے گا کہ تم آیات خدا سے انکار اور استکبار کر رہے تھے (انعام/۹۳)۔

اس آیت کے متعلق تفسیر عیاشی میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''اس سے مراد وہ شخص ہے جو امام تو نہ ہو لیکن امامت کا دعویٰ کرے''۔ علی بن میمون صائغ نے ابن ابی یعفور سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''ثَلَاثَةٌ لَايَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَايُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: مَنِ ادَّعىٰ الْاِمَامَةَ مِنَ اللّٰهِ وَ لَيْسَتْ لَهٗ وَمَنْ جَحَدَ اِمَامًا مِنَ اللّٰهِ وَمَنْ قَالَ لِفُلَانٍ وَ فُلَانٍ نَصِيْبًا فِي الْاِسْلَامِ''۔ تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

نظر کرم نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے؛ ۱۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے اسے امامت دی ہے جبکہ اللہ نے اسے امامت نہ دی ہو۔ ۲۔ جو اللہ کے بنائے ہوئے امام کا انکار کرے۔ ۳۔ جو یہ سمجھے کہ فلاں فلاں کا اسلام میں کوئی حصہ ہے۔

محاسن برقی میں علاء سے روایت ہے، اس نے محمد سے روایت کی ہے، اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''إِنَّ اَئِمَّةَ الْجَوْرِ وَ اَتْبَاعَهُمْ لَمَعْزُوْلُوْنَ عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ وَ الْحَقِّ قَدْ ضَلُّوْا بِاَعْمَالِهِمُ الَّتِیْ يَعْمَلُوْنَهَا ﴿كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِیْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِمَّا كَسِبُوْا ذَالِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيْدُ﴾ (ابراہیم/۱۸)''۔ ظالم حکام اور ان کے پیروکاروں کا اللہ کے دین اور حق سے کوئی واسطہ نہیں اور وہ دنیا میں رہ کر جو اعمال کیا کرتے تھے وہ اس راکھ کی طرح سے اڑ جائیں گے جسے آندھی کے دن کی تند ہوا اڑا لے جائے اور وہ اپنے حاصل کئے ہوئے پر بھی کوئی اختیار نہ رکھیں گے اور یہی بہت دور تک پھیلی ہوئی گمراہی ہے۔

چون حرف حق بلند می شود دار می شود

(وَمَنْ اَبْدیٰ صَفْحَتَهٗ لِلْحَقِّ هَلَکَ عِنْدَجَهَلَةِالنَّاسِ) جو حق کی خاطر کھڑا ہوا وہ جاہلوں کے نزدیک تباہ و برباد ہوتا ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ سے حضرتؑ نے اپنی ذات کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ میرے حق پر مبنی احکامات کی وجہ سے استحصالی طبقہ میری مخالفت کرے گا اور اپنی پوری قوت سے مجھ سے ٹکرائے گا۔ اور میرے ان اقدامات کو دیکھ کر جاہل افراد یہ سمجھ لیں گے کہ میں ان اقدامات سے تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ محدث جزائری نے ''زَهر الربیع'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ: ''اس کی کیا وجہ ہے کہ شیخین کے دور حکومت میں امور خلافت درست طرح سے انجام پاتے رہے، عوام میں کوئی بے چینی پیدا نہیں ہوئی تھی اور بہت سے علاقے بھی فتح ہوئے، لیکن عثمان اور امیر المؤمنینؑ کے دور حکومت میں معاملات مختل ہو کر رہ گئے تھے۔ عثمان کے خلاف عوام میں اتنی بے چینی پیدا ہوئی تو انہوں نے اس کے گھر کا محاصرہ کر کے اسے قتل کر دیا اور حضرت علیؑ کے خلاف شورشیں بپا ہوئیں اور وہ اپنے دور اقتدار میں ان ہی سے نبرد آزما ہوتے رہے؟'' حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''_ تمہارے _ دنیاوی امور نہ تو خالص باطل سے سر انجام پاتے ہیں اور نہ ہی خالص حق سے سرانجام پاتے ہیں۔ عثمان نے خالص باطل کے ذریعہ سے نظام چلایا تو قتل ہو گیا اور حضرت علیؑ نے مکمل حق سے نظام حکومت چلایا تو لوگ ان کے مخالف ہو گئے اور ان کے خلاف شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور شیخین اپنے دور حکومت میں حق و باطل کو مخلوط کر کے حکومت چلاتے رہے لہذا وہ دنیاوی طور پر کامیاب رہے''۔

جہالت کا سب سے بڑا ثبوت

(وَكَفیٰ بِالْمَرْءِ جَهْلاً اَنْ لَا يَعْرِفَ قَدْرَهٗ) انسان کی جہالت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچانے اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچاننے کی وجہ سے انسان غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات یہ تکبر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ انسان دوسروں کو اپنے

مقابلے میں ہیچ تصور کرتا ہے اور اپنے سے بہتر افراد کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ان سے آمادۂ پیکار ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے معاویہ بن ابی سفیان کی مثال کافی ہے جس نے غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر امام عادل کے خلاف خروج کیا اور خلافت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ جبکہ امیر المؤمنین علیہ السلام صرف ہر قیمت پر حق کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے۔ اور یہ بات اس کے لئے قابل قبول نہیں تھی۔

تقویٰ کے دو فائدے

پھر آپؑ نے لوگوں کو تقویٰ کی جانب متوجہ کیا اور تقویٰ کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۱۔ (وَ لَا یَهْلِکُ عَلَی التَّقْوٰی سِنْخُ اَصْلٍ) وہ اصل و اساس جو تقویٰ پر ہو برباد نہیں ہوتی۔ اور اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرمایا ﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ کیا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی جو اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑے (توبہ/۱۰۹)۔

۲۔ (وَ لَا یَظْمَأُ عَلَیْهِ زَرْعُ قَوْمٍ) اور اس کے ہوتے ہوئے کسی قوم کی کشت (عمل) بے آب و خشک نہیں رہتی۔ جو شخص اپنے قلب کی سرزمین میں عقبیٰ کی کھیتی کاشت کرے یعنی معارف الٰہی اور عقائد حقہ کا بیج ڈالے اور اسے تقویٰ کا پانی دیتا رہے تو ایسی کھیتی کبھی بھی سوکھنے اور جلنے کا نام نہیں لے گی۔ یہ کھیتی ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے گی اور بہترین پیداوار دے گی۔

(فَاسْتَتِرُوْا بُیُوْتَکُمْ) تم اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ آپ جانتے ہیں کہ خطبہ کا یہ حصہ سابقہ حصے سے متصل ہے۔ اس حصے میں حضرتؑ نے فرمایا تھا: ''اِنَّ اللّٰهَ اَدَّبَ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِالسَّیْفِ وَ السَّوْطِ'' اللہ نے اس امت کی تادیب تلوار اور کوڑے سے کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ نے حدود و تعزیرات کے لئے تلوار اور کوڑے کے استعمال کی اجازت دی ہے، اور تمہارا امام حدود و تعزیرات کے لئے کسی کی سفارش قبول کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ شور شرابہ اور گلیوں بازاروں میں سیاسی تبصرہ کرنے کی بجائے اپنے گھروں میں جا کر چھپ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تمہارے خلاف تلوار یا کوڑا اٹھانا پڑے۔ ان حالات میں تم، لوگوں کی باتوں سے لاتعلق ہو جاؤ اور کسی بھی قسم کی شورش میں حصہ دار مت بنو۔ (وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ) اور آپس کے جھگڑوں کی اصلاح کرو اور سابقہ غلطیوں سے توبہ کرو کیونکہ (وَ التَّوْبَةُ مِنْ وَّرَائِکُمْ) توبہ تمہارے عقب میں ہے۔ کیونکہ اگر تم نے خلوص دل سے اپنے سابقہ گناہوں پر ندامت محسوس کی اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بالجزم کر لیا اور دل کی گہرائیوں سے مالک حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے تو تمہیں توبہ کے رسمی الفاظ کی احتیاج نہیں رہے گی، توبہ آگے بڑھ کر تمہیں اپنے دامن عافیت میں لے لے گی۔

بعض شارحین نے ''وَرَاء'' کا معنیٰ ''سامنے'' لیا ہے۔ یعنی توبہ تمہارے سامنے ہے۔ (وَ لَا یَحْمَدُ حَامِدٌ اِلَّا رَبَّهٗ وَ لَا یَلُمْ لَائِمٌ اِلَّا نَفْسَهٗ) حمد کرنے والا صرف اپنے پروردگار کی حمد کرے اور برا بھلا کہنے والا اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔ مذکورہ دونوں جملے انشائیہ ہیں مقصد یہ ہے کہ ہر حمد و ثنا کرنے والے کو اپنے اللہ کی حمد و ثنا کرنی چاہئے کیونکہ تمام اچھائیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ وہی ہے اور

ہر ملامت کنندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرے کیونکہ نفس ہی تمام خطاؤں اور غلطیوں کا سرچشمہ ہے۔فرمان خداوندی ہے ﴿مَـــا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ﴾تم تک جو اچھائی اور کامیابی پہنچی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی پہنچی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہے(نساء/۷۹)۔(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَاةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَ وَلِيِّهٖ وَ اٰلِهٖ)

خطبہ ۱۷

نااہل قاضیوں کی مذمت

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامِ فِيْ صِفَةِ مَنْ يَّتَصَدّٰى لِلْحُكْمِ بَيْنَ الْاُمَّةِ وَلَيْسَ لِذٰلِكَ بِاَهْلٍ

إِنَّ اَبْغَضَ الْخَلَائِقِ اِلَى اللّٰهِ رَجُلَانِ رَجُلٌ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ فَهُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِيْلِ مَشْغُوْفٌ بِكَلَامِ بِدْعَةٍ وَ دُعَاءِ ضَلَالَةٍ فَهُوَ فِتْنَةٌ لِّمَنِ افْتَتَنَ بِهٖ ضَآلٌّ عَنْ هَدْيِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ مُضِلٌّ لِّمَنِ اقْتَدٰى بِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَ وَفَاتِهٖ حَمَّالٌ خَطَايَا غَيْرِهٖ رَهْنٌ بِخَطِيْئَتِهٖ وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا مُوْضِعٌ فِيْ جُهَّالِ الْاُمَّةِ عَادٍ فِيْ

ان لوگوں کے متعلق آپؑ کا کلام جو امت کے فیصلے چکانے کے لئے مسند قضا پر بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اہل نہیں ہوتے۔

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں: ایک وہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو (یعنی اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی توفیق سلب کر لی ہو) جس کے بعد وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا، بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر مٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہوا خواہوں کے لئے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے۔ وہ تمام ان لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد پیروی کریں، گمراہ کرنے والا ہے وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اور خود اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور دوسرا شخص وہ

اَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ عَمٍ بِمَا فِیْ عَقْدِ الْهُدْنَةِ قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَیْسَ بِهٖ بَکَّرَ فَاسْتَکْثَرَ مِنْ جَمْعِ مَا قَلَّ مِنْهُ خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ حَتّٰی اِذَا ارْتَوٰی مِنْ اٰجِنٍ وَ اسْتَکْثَرَ مِنْ غَیْرِ طَائِلٍ جَلَسَ بَیْنَ النَّاسِ قَاضِیًا ضَامِنًا لِتَخْلِیْصِ مَا الْتَبَسَ عَلٰی غَیْرِهٖ فَاِنْ نَزَلَتْ بِهٖ اِحْدَی الْمُبْهَمَاتِ هَیَّأَ لَهَا حَشْوًا رَثًّا مِّنْ رَّأْیِهٖ ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ فَهُوَ مِنْ لُّبْسِ الشُّبُهَاتِ فِیْ مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْکَبُوْتِ لَا یَدْرِیْ اَصَابَ اَمْ اَخْطَاَ فَاِنْ اَصَابَ خَافَ اَنْ یَّکُوْنَ قَدْ اَخْطَاَ وَ اِنْ اَخْطَاَ رَجَا اَنْ یَّکُوْنَ قَدْ اَصَابَ جَاهِلٌ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ عَاشٍ رَکَّابُ عَشَوَاتٍ لَمْ یَعَضَّ عَلَی الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ یُذْرِیْ الرِّوَایَاتِ اِذْرَاءَ الرِّیْحِ الْهَشِیْمَ لَا مَلِیْءٌ وَ اللّٰهِ بِاِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَیْهِ وَ لَا هُوَ اَهْلٌ لِّمَا فُوِّضَ اِلَیْهِ لَا یَحْسَبُ الْعِلْمَ فِیْ شَیْءٍ مِّمَّا اَنْکَرَهٗ وَ لَا یَرٰی اَنَّ مِنْ وَّرَاءِ مَا بَلَغَ مَذْهَبًا لِّغَیْرِهٖ وَ اِنْ اَظْلَمَ عَلَیْهِ اَمْرٌ اَکْتَمَ بِهٖ لِمَا یَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهٖ تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهٖ الدِّمَاءُ وَ تَعُجُّ مِنْهُ الْمَوَارِیْثُ اِلَی اللّٰهِ اَشْکُوْ مِنْ مَّعْشَرٍ یَّعِیْشُوْنَ جُهَّالًا وَ یَمُوْتُوْنَ ضُلَّالًا لَیْسَ فِیْهِمْ سِلْعَةٌ اَبْوَرُ مِنَ الْکِتَابِ

ہے جس نے جہالت کی باتوں کو (اِدھر اُدھر سے) بٹور لیا ہے۔ وہ امت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ اور فتنوں کی تاریکیوں میں غافل و مدہوش پڑا رہتا ہے۔ اور امن وآشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چند انسانی شکل وصورت سے ملتے جلتے لوگوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں۔ (وہ ایسی) بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہو لیتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود ہی اپنے جالے کے اندر۔ وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو۔ وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلا پن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ نہ اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہہ تک پہنچا۔ وہ روایات کو اس طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ خدا کی قسم! وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابل اعتناء علم ہی نہیں قرار دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اس کے آگے وہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا بھی پہنچ سکتا ہے۔ اور جو بات اسے سمجھ نہیں آتی اسے پی جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے۔ (ناحق بہائے ہوئے) خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مر جاتے ہیں۔ ان میں قرآن

اِذَا تُـلِـیَ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ وَ لَا سِلْعَةٌ أَنْفَقُ بَيْعًا وَ لَا اَغْـلٰی ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ إِذَاحُرِّفَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ لَا عِـنْـدَهُـمْ أَنْكَرُمِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ لَا أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْكَرِ.

سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں جس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے۔ ان کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔(۱)

تشریح لغت ''وَكَلَهٗ اِلٰی نَفْسِهٖ ''وَكَلَ يَكِلُ وَكْلًا وَ وَكُوْلًا اسے نفس کے حوالے کر دیا۔''اَلْجَائِرُ'' تجاوز کرنے والا، حیرت زدہ۔''عَنْ قَصْدِ السَّبِيْلِ مَشْغُوْفٌ'' شغاف القلب سے ماخوذ ہے اور قرآن مجید میں ہے ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ یعنی بھٹکا ہوا، بعض نسخوں میں لفظ عین کے ساتھ لکھا گیا ہے یعنی ''مَشْعُوْفٌ'' اور شعف کے معنی شدت محبت کے ہوتے ہیں۔''اَلْبِدْعَةُ'' اِبْتَدَعَ الْاَمْرُ سے اسم مصدر ہے اور اس کا معنی ہے اس نے ایک نیا کام ایجاد کیا۔ لفظ بدعت کی طرح اِرْتَفَعَ، اِخْتَلَفَ سے بالترتیب رَفْعَةٌ اور خَلْفَةٌ بھی اسم مصدر ہیں۔''اَلْهَدْیُ'' طریقہ وسیرت اور اگر لفظ ''هُدیٰ'' ہو تو اس کا معنی راہ راست اور ہدایت ہوتا ہے۔ ''رَهَنٌ'' بعض نسخوں میں ''رَهِيْنٌ'' ہے یعنی ماخوذ۔''قَمَشَ'' اِدھر اُدھر سے کسی چیز کو حاصل کیا، کمایا۔''مُوْضِعٌ'' میم کی پیش اور ضاد کی زیر کے ساتھ ''وَضَعَ الْبَعِيْرُ وَ اَوْضَعَهٗ رَاكِبُهٗ'' سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے جلدی کرنے والا۔''غَارٍّ'' غافل، بعض نسخوں میں لفظ ''غَادٍّ'' مروی ہے اور مذکورہ لفظ کی بنیاد بیک وقت ''عَدْوٌ'' (دوڑنا) اور ''عُدْوَانٌ'' (سرکشی) ہو سکتا ہے تو لفظ ''عَادٍ'' کے دو معنی ہو سکتے ہیں؛ دوڑنے والا، سرکشی کرنے والا۔ اور الکافی میں لفظ ''عَانٍ'' ہے جس کا معنی ہے قیدی۔''اَلْاَغْبَاشُ'' (غَبَشٌ) کی جمع جیسے سبب کی جمع اسباب ہوتی ہے۔ اور (غَبَشٌ) آخر شب کی تاریکی کو کہا جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں ''اَغْطَاشُ الْفِتْنَةِ'' کے الفاظ وارد ہیں، اس کا معنی بھی تاریکی ہے''عَمِیَ'' بروزن ''رَضِیَ'' نظر کا ختم ہونا، اندھا پن ''عَمٍ'' اندھا پن۔''بَكَّرَ'' جلدی کی۔ حدیث میں ہے ''بَكِّرُوْا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ'' نماز مغرب پڑھنے میں جلدی کرو۔''اِرْتَوٰی'' شکم سیر ہو کر پانی پیا۔''اٰجِنٌ'' جس چیز کا رنگ وذائقہ بدل چکا ہو۔ ''اِكْتَنَزَ'' اکٹھا کرنا۔ اسی لئے خزانے کو ''كَنْزٌ'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں مال ودولت اکٹھی ایک ہی مقام پر ہوتی ہے۔''اَلتَّخْلِيْصُ'' بیان کرنا۔''اَلْحَشْوُ'' بے فائدہ کلام۔''اَلرَّثُّ'' پرانا۔''عَاشٍ'' تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والا۔''اَلْعَشْوَةُ'' تاریکی شب۔ ''ذَرَتِ الرِّيْحُ ذَرْوًا'' ہوا نے اڑا دیا۔''اَلْهَشِيْمُ'' خشک گھاس کے تنکے۔ بعض نسخوں میں ''يَذْرُوْ'' بروزن ''يَدْعُوْ'' کے الفاظ وارد ہیں، معنی بہر حال ایک ہی ہے۔''اَلْمَلِئُ'' لائق، قابل اعتماد۔ جزری لکھتے ہیں کہ لوگ اس کے ہمزہ کو حذف کر کے یا اس پر شد پڑھنے کے عادی ہیں، یعنی اسے ''مَلِیٌّ'' پڑھتے ہیں۔''اَلْعَجُّ'' آواز کا بلند کرنا۔''اَلسِّلْعَةُ'' سودا، سامان۔''اَبْوَرُ'' بے قیمت، فاسد، جس کے خریدنے پر کوئی تیار نہ ہو۔''نَفَقَ الْبَيْعُ'' مقبول عام سودا۔

(۱) اس خطبے کو شیخ مفید نے ارشاد میں خاصہ وعامہ کے لائق وثوق رواۃ کی زبانی نقل کیا اور طبرسی نے حسب عادت اسے احتجاج میں مرسل نقل کیا۔ اور ثقۃ الاسلام کلینی نے الکافی کے باب البدع والرأی والمقاییس میں سنداً اور مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اور سید رضی کا نقل کردہ خطبہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ (مترجم)

اعراب

''بَکَّرَ فَاسْتَکْثَرَ مِنْ جَمْعِ مَا قَلَّ مِنْهُ خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ ''مذکورہ جملے میں ما موصولہ مبتدا ہے۔''قَلَّ''اس کا صلہ ہے اور ''خَیْرٌ''اس کی خبر ہے۔لفظ''ضَامِنٌ''قاضی کی صفت ہے یا حال کے بعد دوسرا حال ہے۔

مفہوم

لفظ بغض،حب کی نقیض ہے اور محبت و بغض دونوں کا تعلق صفات نفس سے ہے اور اللہ تعالیٰ صفات نفس سے منزہ ہے کیونکہ محبت و بغض کیفیات ہیں اور اللہ تعالی کی شان یہ ہے''هُوَ الَّذِیْ کَیَّفَ الْکَیْفَ ''اللہ نے کیفیات کو پیدا کیا ہے،لہذا اس مقام پر اس لفظ کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا یعنی فیض واحسان کا سلب کرنا۔اور حضرتؑ کے اس خطبے کے ابتدائی جملے کا یہی مطلب ہے۔

دو مبغوض شخص

(**إِنَّ اَبْغَضَ الْخَلاَئِقِ إِلَی اللهِ رَجُلاَنِ**) تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں اور ان کے مبغوض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حق و باطل کو ملانے والے افراد ہیں،اپنے موہوم توہمات اور جہالت کو علوم دین قرار دیتے ہیں اور مراتب یقین کی معراج بتاتے ہیں۔درج بالا دونوں اشخاص کے مبغوض خلائق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جہالت و نادانی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ متعدی ہے اور دوسروں کو اپنی لپیٹ میں لینے والی ہے،ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی صدیوں تک جاری رہتی ہے اور بندگان خدا کی ایک بڑی تعداد ان کے دام میں پھنس جاتی ہے۔اور مذکورہ دونوں افراد عوام الناس کو جادہ یقین سے ہٹا کر شک کی وادی اور معارفِ دین سے دور کر کے الحاد و زندیقی میں دھکیلتے ہیں۔

پہلا مبغوض شخص

امیر المومنین علیہ السلام نے پہلے مبغوض شخص کا تعارف کچھ اس طرح فرمایا(رَجُلٌ وَکَلَهُ اللهُ اِلیٰ نَفْسِهٖ)ایک وہ شخص ہے جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو۔یعنی اللہ نے اسے حیرت کی وادی میں چھوڑ دیا ہو اور توفیق الٰہی اس سے سلب کر کے اسے اس کے نفس کی تحویل میں دے دیا ہو۔اور اللہ کسی کو یوں ہی نفس کی تحویل میں نہیں دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص اپنی رائے اور قیاس و استحسانات کو معارف دین کا درجہ دینے لگا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی توفیق سلب کر لیتا ہے اور اسے اس کے نفس کی تحویل میں دے دیتا ہے۔اور بعد میں یہ پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کون سی وادی میں ہلاک ہوا﴿وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہوتا(رعد/۳۳)۔(فَهُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِیْلِ)پس وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہے۔اس نے راہ حق کو چھوڑ کر راہ باطل اختیار کی ہوئی ہے اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہوں پر چلنے لگا ہے اور یوں خیر سے دور ہو کر شر کی وادی میں جا گرا ہے۔ہادیان دین کی دعاؤں میں ہمیں یہ فقرہ نظر آ سکتا ہے''اَللّٰهُمَّ وَ لَاتَکِلْنِیْ اِلیٰ نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ فَاِنَّكَ اِنْ وَکَلْتَنِیْ اِلیٰ نَفْسِیْ تَقْرِبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَ تَبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ ''خدایا!مجھے چشم زدن کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالے نہ کرنا۔کیونکہ اگر تو نے مجھے

میرے نفس کے حوالے کردیا تو وہ مجھے برائی کے قریب کردے گا اور اچھائی سے دور کردے گا۔ جب تک اللہ کی توفیق ورحمت انسان کے شامل حال نہ ہوتو انسان نفس اور شیطان کی چیرہ دستیوں سے نجات حاصل نہیں کرسکتا ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾ (یوسف/۵۳)

(مَشْغُوْفٌ بِکَلَامِ بِدْعَةٍ وَ دُعَاءِ ضَلَالَةٍ) جو بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر مٹا ہوا ہے۔ یعنی بدعت وضلالت اس کے دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہے اور وہ ان کا دلدادہ وشیفتہ ہے۔ اور جو چیز دل کی گہرائیوں میں اتر جائے وہ جیتے جی دل سے خارج نہیں ہوتی۔ مقصد یہ ہے کہ ایسا شخص کلام بدعت کا رسیا ہے یعنی وہ دین کے نام پر ان اصول وعقائد کی تعلیم دینے کا عادی ہے جن کا دین کی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ کہہ دیں کیا ہم آپ کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع دیں جو اپنے اعمال میں بدترین خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش زندگانی دنیا میں بہک گئی ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں (کہف/۱۰۳،۱۰۴)۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ کُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ'' ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔ کافی میں آنحضرتؐ کی حدیث موجود ہے: ''اَبَی اللّٰهُ لِصَاحِبِ الْبِدْعَةِ التَّوْبَةَ''۔ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: ''وَ کَيْفَ ذٰلِكَ؟''۔ قَالَ: ''اِنَّهُ قَدْ اَشْرَبَ قَلْبُهُ حُبَّهَا''۔ اللہ تعالیٰ صاحب بدعت کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ آپؐ سے پوچھا گیا: یا ''رسول اللہؐ وہ کیوں؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ''صاحب بدعت کا دل بدعت کی محبت سے لبریز ہوتا ہے''۔

بدعت کیا ہے؟

محل ومقام کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ بدعت کی تحقیق کی جائے۔ بدعت کے لفظی معنی ہیں نئی چیز۔ عرف عام میں بدعت دین میں زیادتی یا کمی کو کہا جاتا ہے۔ اور بدعت کی مشہور تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ''ہر وہ چیز بدعت ہے جو رسولؐ خدا کے دور میں نہ ہو''۔ علامہ اردبیلیؒ نے درج بالا تعریف کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اَلْبِدْعَةُ هِیَ کُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ تَکُنْ مَشْرُوْعَةً ثُمَّ اُحْدِثَتْ بِغَيْرِ دَلِيْلٍ شَرْعِیٍّ اَوْ دَلَّ دَلِيْلٌ شَرْعِیٌّ عَلٰی نَفْيِهَا'' بدعت ہر وہ غیر مشروع عبادت ہے جو حیات شارع میں نہ ہو اور کسی دلیل شرعی کے بغیر اسے بنایا جائے یا دلیل شرعی اس کی نفی کرتی ہو پھر بھی ایجاد کرلی جائے۔ مثلاً ایک شخص اگر سارا دن نماز پڑھتا رہے یا دعا مانگتا رہے تو اس کی نماز ودعا کو یہ کہہ کر حرام کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا کہ شارع علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا تھا۔

شہید ثانیؒ لکھتے ہیں ''آنحضرتؐ کے بعد کئی جدید کام ہوئے ہیں، ان کی مختلف قسمیں ہیں اور ہم ہر نئے کام کو بدعت تسلیم نہیں کرتے۔ ہماری نظر میں صرف وہی نیا کام بدعت ہے جو حرام ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کچھ جدید کام ایسے بھی ہوئے جن کا کرنا واجب تھا۔ مثلاً قرآن وحدیث کی تدوین بالخصوص جب اسلام کے ان دو عظیم القدر منابع کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا تو قرآن وسنت کی تدوین امت اسلامیہ کے علماء پر واجب تھی، انہوں نے اپنا فریضہ پورا کیا اور امام زمانہؑ کے ظہور تک یہ سلسلہ واجب رہے

گا۔ جب امام زمانہؑ کا ظہور ہوگا تو وہ یہ فریضہ خود سنبھالیں گے۔ اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نیا کام بدعت نہیں کہلاتا۔ اور حضور اکرمؐ کے بعد ہونے والے کاموں میں سے کچھ مستحب بھی ہیں مثلاً مدارس کی تعمیر اور جہاد کے لئے اصطبل وغیرہ۔ مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ گھوڑے اور اصطبل دشمنان خدا کو مرعوب کرنے کی غرض سے ہوں اور اپنی غریب رعایا کو مرعوب کرنے کی نیت سے نہ ہوں۔ اور کچھ کام آنحضرتؐ کے بعد ایسے بھی ہوئے ہیں جو مباح ہیں۔ مثلاً رسول خداؐ کی حیات طیبہ میں آٹا چھاننے کے لئے چھلنی نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ کی وفات کے فوراً بعد چھلنی ایجاد کر لی گئی۔ اور چھلنی کے مباح ہونے میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے۔ کیونکہ اچھی آرام وآسائش مباح ہے تو اس کا وسیلہ بھی مباح ہے۔ ہاں آنحضرتؐ کے بعد نئے سرانجام پانے والے کاموں میں بعض امور حرام تھے اور وہ بلاشبہ بدعت ہیں۔ اور ہر وہ کام بدعت ہے جسے قواعدِ تحریم اور ادلہ شرعیہ حرام قرار دیں۔ مثلاً معصومینؑ کو چھوڑ کر غیر معصوم کی اطاعت، معصومینؑ کا منصب غصب کرنا، ظالم حکام کا دولت کے ڈھیر جمع کرنا اور مستحقین کو محروم رکھنا، اہل حق سے جنگ کرنا، انہیں جلاوطن کرنا اور معمولی سے شک کی بنا پر کسی کو قتل کرنا، لوگوں کو کسی بدکار کی بیعت کے لئے مجبور کرنا اور وضو میں مسح کی جگہ عضو کا دھونا اور گردن کا مسح، نبیذ وغیرہ کو حلال قرار دینا، دور پار کے رشتہ داروں کو وراثت میں شریک کرنا اور اصل حق داروں کو میراث سے محروم رکھنا، خمس کے حقداروں کو خمس نہ دینا، وقت سے پہلے افطار کرنا جیسے امور بدعت ہیں اور یقیناً حرام ہیں''۔

درج بالا بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نیا کام بدعت نہیں ہے بلکہ ہر حرام کام جسے ایجاد کیا گیا ہو بدعت ہے۔ اور بدعت کی دعوت دینے والا شخص خدا کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ (**فَهُوَ فِتْنَةٌ لِّمَنِ افْتَتَنَ بِهٖ**) وہ اپنے ہواخواہوں کے لئے فتنہ ہے، اور اپنے پیروکاروں کے لئے مصیبت ہے (**ضَآلٌّ عَنْ هَدْيِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ**) اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے۔ یعنی ہادیان دین کی سیرت سے منحرف اور رہنمایان حقیقی کی تعلیمات سے غافل ہے۔ اور جن ذوات طاہرہ نے الہام الٰہی اور ارشاد نبوی سے براہ راست فیض حاصل کیا ہے وہ ان سے لاتعلق ہے۔ اور قرآن مجید کے حقیقی رہنماؤں کو چھوڑ کر اپنی ذاتی رائے پر انحصار کرتا ہے۔ جیسا کہ کافی کے باب البدع والرای میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا فرمان مذکور ہے ''...لَعَنَ اللّٰهُ اَبَا حَنِيْفَةٍ كَانَ يَقُوْلُ قَالَ عَلِيٌّ وَ قُلْتُ اَنَا وَ قَالَتِ الصَّحَابَةُ وَ قُلْتُ هٰذَا''۔ اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ کو رحمت سے دور رکھے وہ کہا کرتا تھا کہ علیؑ کا یہ قول ہے اور میرا یہ قول ہے اور صحابہ کا یہ قول ہے اور میرا یہ قول ہے۔ حضرتؑ کے خطبہ میں اس لفظ کو اگر ''**هُدیٰ**'' پڑھا جائے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم سے برگشتہ ہے۔ جب کہ اس سے پہلے ایسی ہدایت بھی موجود ہے جس کی اتباع کا اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور رسولؐ خدا کی سنت جس کا عملی نمونہ معصومینؑ کی زندگی ہے۔ یہ اس منارہ نور کو چھوڑ کر اپنی رائے کو اہمیت دیتا ہے۔

ابوحنیفہ کا سنت سے انحراف

زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ یوسف بن اسباط کہا کرتا تھا: ''ابوحنیفہ نے رسولؐ خدا کی چار سو احادیث یا اس سے بھی کچھ زیادہ کو ٹھکرا دیا تھا''۔ کسی نے اس سے پوچھا: ''اس کی کوئی مثال بتاؤ؟''۔ تو اس نے کہا: ''رسولؐ خدا نے مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق فرمایا:

''لِلْفَرِسِ سَهْمَانِ '' گھڑسوار کو دو حصے ملیں گے۔اس فرمان کے مقابلہ میں ابوحنیفہ نے کہا کہ میں ایک جانور کے حصہ کو مؤمن کے حصہ سے کبھی نہیں بڑھا سکتا۔رسولؐ خدا اور آپؐ کے صحابہ قربانی کے جانور کے گلے میں چمڑے وغیرہ کا پٹہ ڈالتے تھے۔ابوحنیفہ نے کہا کہ پٹہ ڈالنا درحقیقت جانور کی شکل مسخ کرنا ہے لہٰذا پٹہ نہیں ڈالنا چاہئے۔رسولؐ خدا نے فرمایا:''خرید وفروخت کرنے والے جب تک اٹھ کر چلے نہ جائیں انہیں سودا منسوخ کرنے کا اس وقت تک حق حاصل ہے''۔ابوحنیفہ نے کہا کہ جب کوئی چیز فروخت ہوگئی تو پھر منسوخ کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔رسولؐ خدا جب سفر پر جاتے تھے تو اپنی بیویوں کے لئے قرعہ ڈالتے تھے،جس زوجہ محترمہ کا قرعہ میں نام نکلتا تھا تو اسے اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے۔ابوحنیفہ نے کہا قرعہ اندازی جواء کی ایک شکل ہے،لہٰذا ناجائز ہے''۔

ضال ومضل

(**مُضِلٌّ لِّمَن اِقْتَدیٰ بِهٖ فِیْ حَیَاتِهٖ وَ بَعْدَ مَوْتِهٖ**) وہ ان تمام لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے۔یقیناً جو شخص خود گمراہ ہو اور قرآن وسنت کے سرچشمہ کو چھوڑ کر اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دیتا ہو تو ایسے شخص کی گمراہی صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ دوسرے بہت سے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔اور گمراہی کا سلسلہ صرف اس کی زندگی تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم ودائم رہتا ہے۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا میں کتنے مذاہب باطلہ اب بھی موجود ہیں جب کہ ان کے بانیوں کو دنیا چھوڑے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے۔اور امام صاحب الزمان (عج) کے ظہور تک یہ سلسلہ قائم رہے گا۔(**حَمَّالٌ خَطَایَا غَیْرِهٖ**) وہ دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔کیونکہ دوسروں کی گمراہی کا سبب یہ خود ہے۔(**رَهْنٌ بِخَطِیْئَتِهٖ**) اور خود اپنی غلطیوں میں جکڑا ہوا ہے۔یعنی ایسا شخص نہ صرف یہ کہ اپنی غلطیوں میں جکڑا ہوا ہے بلکہ دوسروں کی گمراہی کا بوجھ بھی اسی کی گردن پر ہے۔اور قیامت کے دن اسے اپنے بوجھ کے ساتھ اپنے پیروکاروں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں فرمایا ہے﴿لِیَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیَامَةِ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ﴾ تاکہ یہ مکمل طور پر اپنا بوجھ بھی اٹھائیں اور اپنے مریدوں کا بھی بوجھ اٹھائیں جنہیں علم وفہم کے بغیر گمراہ کرتے رہے ہیں۔بے شک یہ بڑے بدترین بوجھ اٹھانے والے ہیں (نحل/۲۴)۔درج بالا آیت کے متعلق فخر الدین رازی لکھتے ہیں''ان سرداروں کو اپنے مریدوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔اور اس کا سبب یہ ہے کہ رسولؐ خدا سے مروی ہے،آپؐ نے فرمایا:''اَیُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلَی الْهُدیٰ فَاُتُبِعَ كَانَ لَهٗ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ اَتْبَعَهٗ لَا یَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْءٌ وَ اَیُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلَی ضَلَالَةٍ فَاُتُبِعَ كَانَ عَلَیْهِ وِزْرُ مَنْ اَتْبَعَهٗ لَا یَنْقُصُ مِنْ اَثَامِهِمْ شَیْءٌ ''۔جس دعوت دینے والے نے ہدایت کی دعوت دی اور لوگوں نے اس کی پیروی کی تو اسے تمام پیروکاروں کی تعداد کے مطابق اجر ملے گا اور پیروی کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔اور جس دعوت دینے والے نے گمراہی کی دعوت دی اور لوگوں نے اس کی پیروی کی تو اسے تمام پیروکاروں کی تعداد کے مطابق سزا دی جائے گی۔جب کہ پیروکاروں کی سزا میں بھی کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔اس مقام پر یہ نکتہ ہمیشہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی پیروکار کے گناہ کا بوجھ اس کے سردار پر نہیں ڈالتا کیونکہ یہ عدل الٰہی کے خلاف

ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے﴿وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی﴾ ہر انسان کو اس کی محنت کا ہی پھل ملتا ہے۔اور دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں یوں ارشاد فرمایا ہے﴿وَلَا تَزِرُوَازِرَةٌ وِزۡرَ اُخۡرٰی﴾ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔اس مقام پر صرف پیروکاروں کے ان بوجھ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کسی پیرومرشد کے گمراہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔علاّمہ واحدی نے ''وَ مِنۡ اَوۡزَارِالَّذِیۡنَ یُضِلُّوۡنَهُمۡ '' اپنے مریدوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے، کے تحت لکھا ہے''اس مقام پر'مِن' تبعیض کی غرض سے نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو پیروکاروں کے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جاتی۔ یہاں پر لفظ'مِنۡ' افادہ جنس کے لئے ہے۔مقصد یہ ہے کہ ان پیروں کو اپنا بوجھ بھی اٹھانا ہے اور اپنے مریدوں کے بوجھ کی جنس کو بھی اٹھانا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ کی ابتداء میں دو ناپسندیدہ ترین افراد کا تذکرہ کیا چنانچہ پہلے کی جملہ علامات یہاں تک آپؑ نے بیان فرمائیں پھر یہاں سے آپؑ نے دوسرے ناپسندیدہ شخص کے کوائف وعلامات بیان کرتے ہوئے اس کی اکیس علامتیں بیان فرمائیں۔

دوسرے ناپسندیدہ شخص کی علامتیں

۱۔جہالتوں کو جمع کرنے والا

(**وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهۡلاً**) اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو (اِدھر اُدھر سے) بٹور لیا ہے۔اس مقام پر حضرت نے ایضاح کی خاطر معقول کے لئے محسوس کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔مقصد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس نے غیر مستند افراد کی ادھر ادھر کی باتوں کو جمع کیا اور غیر مؤثق روایات کو حفظ کیا یا پھر اپنے قیاس واستحسان کو بروئے کار لاتے ہوئے چند باتیں یاد کر لیں ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ ہے۔

۲۔جُہّال میں بھاگ دوڑ کرنے والا

(**مُوۡضِعٌ فِیۡ جُهَّالِ الۡاُمَّةِ**) امت کے جہال میں بھاگ دوڑ کرنے والا یا یہ کہ جو افراد امت میں انتہائی فرومایہ سمجھے جاتے ہیں۔بحرانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرتؑ نے کسی ایسے معین ومخصوص فرد کے لئے یہ خطبہ دیا ہو جو رذیل شمار ہوتا ہو۔مگر اس خطبہ کو کسی فرد کے لئے محدود نہیں کیا جا سکتا۔خطبہ کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے جو مذکورہ صفات کے حامل افراد پر تا قیامت صادق آتا رہے گا۔

۳۔فتنہ کی تاریکی میں مدہوش رہنے والا

(**عَادٍ فِیۡ اَغۡبَاشِ الۡفِتۡنَةِ**) اور فتنے کی تاریکیوں میں غافل ومدہوش پڑا رہتا ہے۔حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی اس میں جرأت نہیں ہے۔یا یہ کہ حق وباطل کی تمیز سے قاصر ہے۔

۴۔فوائد امن سے صرف نظر کرنے والا

(**عَمٍ بِمَا فِیۡ عَقۡدِ الۡهُدۡنَةِ**) امن وآشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔یعنی وہ بصیرت سے اس قدر بے بہرا ہے کہ اسے

امن وآشتی کے فوائد تک نظر نہیں آتے اور مصالحت کے لئے وہ کبھی کوشش تک نہیں کرتا۔اس کا کام سوئے ہوئے فتنوں کو بھڑکانا اور جنگ کی چنگاریوں کو ہوا دینا ہے۔

۵۔جاہلوں کی نظر میں علاّمہ

(**وَقَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَيْسَ بِهٖ**)اورانسانی شکل وصورت سے ملتے جلتے چندلوگوں نے اسے عالم کالقب دے رکھا ہے،حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔یعنی عوام کالانعام اور چند جہالت مآب افراد جوظاہری طور پر توانسانوں کی سی شکل وصورت رکھتے ہیں لیکن وہ حقائق ومعارف اورعلوم حقیقی سے نابلد ہونے کی وجہ سے انسان کہلانے کے حقدار نہیں ہیں،ایسے ہی چندافراد نے ایسے شخص کوعلماء کے لباس میں ملبوس دیکھا تو انہوں نے اسے بھی عالم کہنا شروع کردیا جبکہ اس شخص کے پاس صرف علماء کا لباس تو ہے لیکن وہ علم سے بے بہرہ ہے۔ ؎نہ ہر کہ موبتراشد قلندری داند

۶۔ہررطب ویابس کی جمع آوری

(**بَكَّرَ فَاسْتَكْثَرَ مِنْ جَمْعٍ مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ**)وہ ایسی بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔منہ اندھیرے اٹھنا شدت اہتمام سے کنایہ ہے اوراس سے مراد دنیاوی زیب وزینت اور مال ودولت ہے۔یعنی وہ اوائل عمر سے ہی اسباب دنیا کے جمع کرنے میں کوشاں رہتا ہے،یا یہ کہ وہ منہ اندھیرے اٹھ کرآرائے فاسدہ اورعقائد باطلہ کی جستجو میں لگ جاتا ہے اورعقائد باطلہ کے جمع کرنے کا نتیجہ یوں برآمد ہوتا ہے۔

۷۔عہدہ قضا حاصل کرنا

(**حَتّٰى إِذَا ارْتَوىٰ مِنْ مَآءٍ آجِنٍ وَ اكْتَثَرَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا**) یہاں تک کہ جب وہ گندے پانی سے سیراب ہولیتا ہے اور لایعنی و بے سود باتوں کو جمع کرلیتا ہے اورعلوم باطلہ کا ذخیرہ کرلیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ حضرتؑ نے علوم حقیقی اور معارف یقینیہ کو صاف پانی سے تعبیر کیا اور اورعلوم باطلہ اورآرائے فاسدہ کو گندے پانی سے تعبیر کیا ہے۔

۸۔مشتبہ مسائل کی ذمہ داری لینا

ایسا شخص جب قاضی کے عہدہ پر متمکن ہوتا ہے تو اس کا کردار کچھ یوں ہوتا ہے؛(**ضَامِنًا لِتَخْلِيْصِ مَا الْتَبَسَ عَلٰى غَيْرِهٖ**) وہ دوسروں پر مشتبہ رہ جانے والے مسائل کے حل کا ذمہ لے لیتا ہے۔کیونکہ اس نے جو چندعلوم باطلہ حاصل کئے ہوتے ہیں،ان علوم کی وجہ سے وہ زیادہ خوداعتمادی میں مبتلا ہوجاتا ہے،اپنے متعلق خوش فہمی کا شکار ہوجاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو مسائل آج تک جیدعلماء سے حل نہیں ہوئے وہ حل کرسکتا ہے۔

۹۔مشکل مسائل کے لئے بھرتی کے دلائل

(**فَإِنْ نَزَلَتْ بِهٖ إِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ هَيَّأَ لَهَا حَشْوًا رَثًّا مِنْ رَأْيِهٖ ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ**)اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش

ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لئے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے۔یعنی وہ جاہل مرکب ہوتا ہے اور طبع زاد دلائل سے لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور پھر اس کی نادانی کی انتہا یہ ہے کہ خود بھی اس پر یقین کر لیتا ہے۔

۱۰۔شبہات میں الجھ جانا

(**فَهُوَ مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِيْ مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ**) وہ اس طرح شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود اپنے ہی جالے کے اندر پھنسی ہوتی ہے۔جس طرح سے مکڑی ہمیشہ جالا بننے میں مصروف رہتی ہے اور آخر کار اپنے ہی جالے میں پھنس کر مر جاتی ہے۔اسی طرح سے ایسا شخص بھی حقیقی علم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ذہن میں جالے ہی بنتا رہتا ہے۔اور یہ بات واضح ہے کہ حشرات الارض قسم کے ننھے جانور اس جالے میں پھنس جاتے ہیں جنہیں وہ شکار کر لیتا ہے،اسی طرح سے بے علم اور بے یقین افراد بھی اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔پھر آہستہ آہستہ اس جال میں وہ خود بھی جکڑا جاتا ہے جہاں سے نکلنے کی اسے امید تک نہیں رہتی۔

۱۱۔اپنے ہی فیصلوں کے متعلق الجھن

(**لَا يَدْرِيْ اَصَابَ اَمْ اَخْطَأَ فَاِنْ اَصَابَ خَافَ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَخْطَأَ وَ اِنْ اَخْطَأَ رَجَا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ اَصَابَ**) وہ خود نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط،اگر بات صحیح بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو۔حکم وافتاء کے متعلق عدم درایت کی وجہ سے وہ اپنے کسی فیصلے پر مطمئن نہیں ہوتا۔

۱۲۔جہالتوں میں بھٹکنے والا

(**جَاهِلٌ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ**) وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل ہے۔جس طرح سے اندھی ناقہ اندھیروں میں چلتی ہے اور قدم قدم پہ ٹھوکریں کھاتی ہے اسی طرح سے یہ نام نہاد عالم بھی جہالتوں میں سر ٹپکتا رہتا ہے اور قدم قدم پر غلط فتویٰ دیتا ہے۔

۱۳۔اندھیروں کا مسافر

(**عَاشٍ رَكَّابُ عَشَوَاتٍ**) اپنی نظر کے دھندلے پن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اس کی زندگی میں تاریکیوں کا راج ہے اور روشنی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔یعنی وہ دن رات تاریک امور میں مشغول رہتا ہے اور اس کی پوری زندگی تاریکی کی گہری تہوں میں گزرتی ہے۔بحرانیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کے پاس نور بصیرت موجود نہ ہو وہ تاریک وادی کا سفر کر کے نور حق کو تلاش نہیں کر سکتا اور جب تک کسی سالک کو قواعد دین اور سلوک طریقت کا علم نہ ہو اور وہ سلوک کی منزل کی طرف چل پڑے تو کبھی تو نور حق اس پر واضح ہوگا اور کبھی باطل کی تاریکی اس پر چھا جائے گی اور تمام راستے بند ہو جائیں گے۔اور یوں ایسا شخص تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا اور راہ راست سے دور ہو جائے گا۔

''عرض مترجم:ممکن ہے کہ اس جملے سے یہ مقصود ہو کہ مذکورہ شخص کی اپنی نظر کمزور ہے یعنی وہ خود تو راہ راست دیکھنے کے قابل نہیں ہے اور پھر اس کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ ان سواریوں پر سوار ہے جو تاریکیوں میں بھٹکتی پھر رہی ہیں یعنی اس کی سواریاں بھی نعمت بصارت سے

محروم ہیں۔تو گویا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص عدم بصیرت کی وجہ سے راہ حق دیکھنے سے قاصر تو تھا ہی پھر اسے جو ساتھی ملے ہیں وہ بھی اسی طرح اندھیروں میں بھٹکنے والے تھے۔یوں کسی طرف سے بھی اس کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔واللہ العالم بحقائق الامور''

۱۴۔حقیقت علم سے بے خبری

(**لَمْ يَعَضَّ عَلَى الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ**) نہ اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہہ تک پہنچا۔مقصد یہ ہے کہ مذکورہ شخص علوم میں بالکل بے بصیرت اور قوانین شرعیہ سے سراسر جاہل ہے۔اس کے پاس علم نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے۔

۱۵۔روایات کا انکار

(**يَذْرُو الرِّوَايَاتِ ذَرْوَ الرِّيحِ الْهَشِيمَ**) وہ روایات کو اس طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ مقصد یہ ہے کہ جب اس کو ملامت کی جاتی ہے کہ تیرا فیصلہ فلاں فلاں احادیث کے خلاف ہے تو وہ اتنا بے توفیق ثابت ہوتا ہے کہ احادیث و روایات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی بجائے احادیث کی نفی کرنے لگ جاتا ہے۔تو جس طرح سے ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو درہم برہم کرتی ہے اسی طرح سے وہ بھی روایات واحادیث کو درہم برہم کرتا ہے۔

۱۶۔مسائل کے لئے عدم کفایت

(**لَامَلِيٌّ ـ وَاللهِ ـ بِإِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَيْهِ**) خدا کی قسم وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں ہے۔دراصل اس کے پاس یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ وہ ان مسائل کو حل کر سکے۔ایسا شخص صرف زبانی دعوے ہی کرسکتا ہے ورنہ مسائل کے حل سے یکسر بے بہرہ ہے۔

۱۷۔منصب کی لیاقت نہ رکھنا

(**وَلاَ هُوَ اَهْلٌ لِمَا قُرِّظَ بِهِ (فُوِّضَ اِلَيْهِ)**) اور نہ وہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے۔ایسا شخص اس لائق ہی نہیں ہے کہ امور دین اس کے سپرد کئے جائیں۔اکثر نسخوں میں یہ جملہ موجود نہیں ہے۔الکافی کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں (**وَلاَ هُوَ اَهْلٌ لِمَا فَرَطَ**) یعنی وہ لائق نہیں ہے جس کی وجہ سے اس نے لوگوں پر سبقت حاصل کر کے ریاست وحکومت کا عہدہ سنبھالا ہے۔اور ارشاد مفید میں یہ الفاظ ہیں (**وَلاَ يَنْدِمُ عَلىٰ مَا مِنْهُ فَرَّطَ**) یعنی وہ اپنی کوتاہیوں پر ندامت وشرمندگی محسوس نہیں کرتا۔شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ ابن قُتیبہ کی کتاب میں یہ الفاظ ہیں (**وَلاَ اَهْلٌ لِمَا فُرِّطَ بِهِ**) یعنی جہال کی طرف سے اس کی جو مدح وتوصیف کی گئی ہے وہ اس کے ہرگز قابل نہیں ہے۔

۱۸۔جسے وہ نہیں جانتا اسے نا قابل توجہ سمجھنا

(**لاَ يَحْسَبُ الْعِلْمَ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا اَنْكَرَهُ**) اور جس چیز کو نہیں جانتا اس چیز کو قابل اعتناء علم ہی قرار نہیں دیتا۔اس کی جہالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے غلط اور باطل معلومات پر مبنی علم کے علاوہ کسی اور علم کو لائق توجہ ہی تصور نہیں کرتا اور وہ اپنے آپ کو اعلم العلماء تصور کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز اس کے پاس نہیں ہے وہ کسی دوسرے کے پاس بھی ہرگز نہیں ہے۔اور اگر کسی دوسرے کے پاس صحیح معلومات پر

مبنی علم موجود ہو بھی تب بھی وہ اس علم و دانش کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا۔

۱۹۔اپنے آپ کو علم و فضل کی معراج پر خیال کرنا

(**وَ لَا یَرٰی اَنَّ مِنْ وَرَاءِ مَا بَلَغَ مَذْهَبًا لِغَیْرِهٖ**) وہ جہاں تک پہنچ سکتا ہے، اس کے آگے وہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے۔ جس طرح سے ایک کنوئیں کے مینڈک کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس کنوئیں سے بھی زیادہ پانی دنیا میں موجود ہے۔ اس طرح سے یہ بد بخت بھی اپنی جہالت کی وجہ سے یہ تصور کرتا ہے کہ وہ علم و فضل کی معراج پر فائز ہے اور اس کے بعد علم کا کوئی زینہ باقی ہی نہیں ہے۔

۲۰۔جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو اسے پی جانا

(**وَ اِنْ اَظْلَمَ عَلَیْهِ اَمْرٌ اکْتَتَمَ بِهٖ لِمَا یَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهٖ**) جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی، اسے پی جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خوب جانتا ہے۔ جب بھی اس کے سامنے امور دین میں سے کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا ہے تو وہ اس کو چھپا لیتا ہے اور دوسرے اہل علم کی طرف رجوع کرنا اپنی توہین خیال کرتا ہے۔ کیونکہ اسے اس صورت میں اپنی جہالت کا بھانڈا پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

۲۱۔ناحق خون اور میراث کا سراپا احتجاج ہونا

(**تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ الدِّمَاءُ وَ تَعِجُّ مِنْهُ الْمَوَارِیْثُ**) ناحق بہائے ہوئے خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ کافی میں اس عبارت کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں (وَ یَسْتَحِلُّ بِقَضَائِهِ الْفَرْجَ الْحَرَامَ وَ یُحَرِّمُ بِقَضَائِهِ الْفَرْجَ الْحَلَالَ) وہ اپنے فیصلے سے حرام رشتہ کو حلال اور حلال رشتہ کو حرام قرار دیتا ہے۔

حضرتؑ نے خون اور میراث کے متعلق فرمایا کہ وہ نوحہ کناں ہیں اور اس کے ناحق فیصلوں پر فریاد کرتے ہوئے چلّا رہے ہیں۔ یہاں خون اور میراث کی طرف چلانے کی نسبت یا تو حذف و ایصال کے انداز میں ہے۔ یعنی اصل عبارت یہ ہوگی ''تَصْرُخُ اَوْلِیَاءُ الدِّمَاءِ وَ مُسْتَحِقُّوا الْمَوَارِیْثِ'' خون کے وارث اور میراث کے حقدار چلّا رہے ہیں۔ یا یہ کہ حضرتؑ نے خون اور میراث کی تمثیل روتے ہوئے انسان سے دی اور پھر ان کے لئے چلّانا ثابت فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ ناحق بہائے ہوئے خون اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں زبان حال سے چلّا رہی ہیں اور سراپا احتجاج ہیں۔ اور حرام رشتوں کو حلال اور حلال رشتوں کو حرام اس لئے قرار دیتا ہے کہ وہ شرعی احکام سے جاہل اور احتیاط کے طریقوں سے ناواقف ہے یا یہ کہ سلاطین جور کے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کرتا ہے یا پھر رشوت لے کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتا ہے۔

اللہ کی نظر میں ان دو ناپسندیدہ افراد کی علامات و کردار بیان کرنے کے بعد حضرتؑ نے بارگاہ احدیت میں ان دونوں اور جملہ جاہلین کی شکایت کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے (**اِلَی اللّٰهِ اَشْکُوْا مِنْ مَّعْشَرٍ یَعِیْشُوْنَ جُهَّالاً وَ یَمُوْتُوْنَ ضُلَّالاً**) اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہ ہو کر مر جاتے ہیں۔ اس جملے میں پہلا لفظ سبب اور دوسرا مسبب ہے، یعنی جہالت کی زندگی گمراہی کی موت کا سبب بنتی ہے۔ (**لَیْسَ فِیْهِمْ سَلْعَةٌ اَبْوَرُ مِنَ الْکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ**) ان میں قرآن سے زیادہ کوئی بے

قیمت چیز نہیں جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات ان کی اغراض فاسدہ کی تائید نہیں کرتیں اس لئے ان کی نظر میں قرآن انتہائی بے قیمت چیز ہے۔(نعوذ باللہ)۔

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

(**وَلاَسِلْعَةٌ أَنْفَقُ بَيْعًا وَلاَ أَغْلٰى ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ إِذَا حُرِّفَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ**)اوراس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں اس وقت جب اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے۔یعنی اس قسم کے لوگ اتنے بے توفیق ہو چکے ہیں کہ اپنے اغراض و مقاصد کے لئے قرآنی آیات کے بے محل استدلال سے بھی نہیں چوکتے۔(**وَلاَعِنْدَهُمْ أَنْكَرُ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلاَ أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْكَرِ**)اوران کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں ہے۔یعنی وہ اس قدر مردہ ضمیر ہو چکے ہیں کہ ان کے نزدیک اچھائی اور برائی کی تمیز تک ختم ہو چکی ہے۔نیکی ان کی اغراض فاسدہ کے مطابق نہیں ہوتی اس لئے وہ ان کی نظر میں برائی کا درجہ رکھتی ہے اور انہیں نیکی کسی قیمت پر راس نہیں آتی اور برائی ان کی طبیعت ومیلان طبع کے مطابق ہوتی ہے اس لئے وہ برائی کو برائی خیال نہیں کرتے اور اسے نیکی سمجھ کر بجالاتے ہیں۔

مذکورہ دونوں افراد میں کیا فرق ہے؟

شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ اگر یہ پوچھا جائے کہ ان دو افراد میں فرق کیا ہے؟ جبکہ حضرتؑ نے پہلے شخص کے متعلق فرمایا:''**رَجُلٌ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ**''(وہ شخص جسے خدا نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو)اور دوسرے شخص کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:''**وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلاً**''(اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو اِدھر اُدھر سے بٹور لیا ہے)؟

تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ پہلے شخص سے مراد وہ انسان ہے جو اصول عقائد میں گمراہ ہو جیسے مُشَبِّہَہ اور مُجَبِّرَہ قسم کے فرقے ہیں۔اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ حضرتؑ نے پہلے قسم کے شخص کا تعارف کراتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:''**مَشْعُوْفٌ بِكَلاَمِ بِدْعَةٍ وَ دَعَاءِ ضَلاَلَةٍ**''وہ بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر مٹا ہوا ہے۔اور حضرتؑ کے مذکورہ الفاظ اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ پہلے ناپسندیدہ شخص سے مراد اصول عقائد میں منحرف شخص ہے۔اسی لئے حضرتؑ نے اس کے متعلق یہ فرمایا:''**اِنَّهٗ فِتْنَةٌ لِمَنِ افْتَتَنَ بِهٖ ضَالٌّ عَنْ هَدْيِ مَنْ قَبْلَهٗ مُضِلٌّ لِمَنْ يَّجِيْءُ بَعْدَهٗ**''وہ اپنے ہوا خواہوں کے لئے فتنہ،اپنے پیروکاروں کے لئے مصیبت،سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ اور بعد میں آنے والوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

دوسرے شخص سے مراد فروع دین میں ناجائز فقیہ ہونے کا دعوے دار ہے۔یعنی اس سے مراد وہ فقیہ سوء ہے جو اس کا اہل نہیں ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کے یہ الفاظ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں''**جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا**''وہ لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے۔پھر آپؑ نے مزید فرمایا''**تَصْرُخُ مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ الدِّمَاءُ وَ تَعُجُّ مِنْهُ الْمَوَارِيْثُ**''ناحق بہائے ہوئے خون اس کے ناروا فیصلوں سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلاّ رہی ہیں۔علامہ مجلسی نے''مرآۃ العقول''میں شارح معتزلی کا یہ قول نقل

کرنے کے بعد لکھا ہے ''ممکن ہے پہلے شخص سے مراد وہ شخص ہو جو اپنے نفس کو افادہ وارشاد کے منصب پر متمکن کرے اور دوسرے شخص سے مراد وہ شخص ہو جو لوگوں کے درمیان قاضی وحاکم بن بیٹھے''۔ اور یہی مفہوم بہتر ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے فرد سے مراد وہ افراد ہوں جنہوں نے عمل وعبادت میں خودساختہ بدعتیں ایجاد کی ہیں، جیسے متصوفہ اور غیر شرعی ریاضتیں کرنے والے افراد اور دوسرے شخص سے مراد علمائے مخالفین اور ان کے پیروکار ہوں جنہوں نے فاسد قیاس اور ذاتی رائے کو قرآن وحدیث کا متبادل بنا کر پیش کیا ہے اور یوں عوام الناس کو گمراہ کیا ہے۔

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں تحریر فرمایا ہے کہ ''**رَجُلٌ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ**'' سے ''**رَهْنٌ بِخَطِيْئَتِهٖ وَقَدْ قَمَشَ جَهْلاً**'' تک حضرتؑ کا کلام ایک ہی صنف کی صفت ہے۔

بصیرت افروز تکمیل

درج بالا خطبہ کو ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کافی میں اور طبرسی نے احتجاج میں نقل کیا ہے۔ خطبہ کے الفاظ میں چند الفاظ کا اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا ہم محققین کے لئے اس خطبہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

کافی میں محمد بن یحییٰ سے روایت ہے، اس نے اپنے بعض اصحاب اور علی بن ابراہیم سے روایت کی، اس نے ہارون بن مسلم سے، اس نے سعدہ بن صدقہ سے اور اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔ اور اس خطبہ کی دوسری سند یہ ہے کہ علی بن ابراہیم نے اپنے والد سے، اس نے ابن محبوب سے اور اس نے اپنی اسناد سے امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کی، آپؑ نے فرمایا: ''مِنْ اَبْغَضِ الْخَلَائِقِ اِلَى اللّٰهِ لَرَجُلَيْنِ: رَجُلٌ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ فَهُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِ السَّبِيْلِ مَشْغُوْفٌ بِكَلَامٍ بِدْعَةٍ قَدْ لَهِجَ بِالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ فَهُوَ فِتْنَةٌ لِّمَنِ افْتَتَنَ بِهٖ ضَآلٌّ عَنْ هُدٰى مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ مُضِلٌّ لِّمَنِ اقْتَدٰى بِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ وَبَعْدَ مَوْتِهٖ حَمَّالٌ خَطَايَا غَيْرِهٖ رَهْنٌ بِخَطِيْئَتِهٖ وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلاً مُوْضِعٌ فِيْ جُهَّالِ النَّاسِ عَانٍ بِاَغْبَاشِ الْفِتْنَةِ قَدْ سَمَّاهُ اَغْبَاشُ النَّاسِ عَالِمًا وَ لَمْ يَغْنِ فِيْهِ يَوْمًا سَالِمًا بَكَّرَ فَاسْتَكْثَرَ مِنْ جَمْعِ مَاقَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ حَتّٰى إِذَا ارْتَوٰى مِنْ آجِنٍ وَاكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ قَاضِيًا ضَامِنًا لِتَخْلِيْصِ (لِتَخْلِيْصِ خ) مَاالْتَبَسَ عَلٰى غَيْرِهٖ وَاِنْ خَالَفَ قَاضِيًا سَبَقَهٗ لَمْ يَأْمَنْ مِنْ اَنْ يُنْقَضَ حُكْمُهٗ مَنْ يَأْتِيْ بَعْدَهٗ كَفِعْلِهٖ بِمَنْ كَانَ قَبْلَهٗ وَإِنْ نَزَلَتْ بِهٖ إِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ الْمُعْضِلَاتِ هَيَّأَ لَهَا حَشْوًا مِنْ رَأْيِهٖ ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ فَهُوَ فِيْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِيْ مِثْلِ غَزْلِ الْعَنْكَبُوْتِ لَا يَدْرِيْ اَصَابَ اَمْ اَخْطَأَ لَايَحْسَبُ الْعِلْمَ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا اَنْكَرَهٗ وَلَا يَرٰى اَنَّ مِنْ وَرَاءِ مَا بَلَغَ مِنْهُ مَذْهَبًا اِنْ قَاسَ شَيْئًا بِشَيْءٍ لَمْ يُكَذِّبْ نَظَرَهٗ وَ إِنْ أَظْلَمَ عَلَيْهِ اَمْرٌ اكْتَتَمَ بِهٖ لِمَا يَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهٖ لِكَيْلَا يُقَالُ لَهٗ لَا يَعْلَمُ ثُمَّ جَسَرَ فَقَضٰى فَهُوَ مَفَاتِيْحُ (مِفْتَاحُ خ ل) عَشَوَاتٍ رَكَّابُ شُبُهَاتٍ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ لَايَعْتَذِرُ مِمَّا لَا يَعْلَمُ فَيَسْلِمُ وَ لَا يَعُضُّ فِي الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ فَيَغْنِمُ يَذْرِيْ الرِّوَايَاتِ ذَرْوَ الرِّيْحِ الْهَشِيْمَ تَبْكِيْ مِنْهُ الْمَوَارِيْثُ وَ تَصْرُخُ مِنْهُ الدِّمَاءُ وَ يَسْتَحِلُّ بِقَضَائِهِ الْفَرْجَ الْحَرَامَ وَ يُحْرِمُ بِقَضَائِهِ الْفَرْجَ الْحَلَالَ لَامَلِيٌّ بِإِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَيْهِ وَلَا هُوَ اَهْلٌ لِمَا مِنْهُ فَرَطَ مِنْ اِدِّعَائِهٖ عِلْمَ الْحَقِّ.''

اللہ کے مبغوض ترین لوگوں میں سے دو شخص بڑے مبغوض ہیں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو اور وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہو۔ بدعت کی باتوں پر فریفتہ ہو جبکہ نماز اور روزے کا شوق رکھتا ہو۔ وہ اپنے ہوا خواہوں کے لئے فتنہ ہے اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے اور وہ ان تمام لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اٹھانے والا اور خود اپنی غلطیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جاہلوں سے جہالت کی باتوں کو جمع کیا ہے۔ اور فتنہ کی تاریکیوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ انسانوں کی شکل وصورت سے ملتے جلتے لوگوں نے اس کا نام عالم رکھ دیا ہے۔ جبکہ علم کے لئے اس نے ایک پورا دن بھی زندگی میں کبھی وقف نہیں کیا۔ وہ ایسی بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ گندے پانی سے سیراب ہو لیتا ہے اور لایعنی اور بے سود باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ دوسروں پر مشتبہ رہ جانے والے مسائل کے حل کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر وہ کسی پہلے قاضی کی مخالفت کرتا ہے تو اسے اپنے متعلق بھی یہ اندیشہ دامن گیر رہتا ہے کہ جس طرح اس نے پہلے قاضی کی مخالفت کی ہے، بعد میں آنے والا قاضی بھی اس کی مخالفت کرے گا۔ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لئے بھرتی کی دلیلیں پیش کرتا ہے پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ وہ اس طرح شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی اپنے ہی جالے کے اندر پھنسی ہوتی ہے۔ وہ خود نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ جس چیز کو نہیں جانتا اسے وہ قابل اعتناء علم ہی قرار نہیں دیتا۔ وہ جہاں تک پہنچ سکا ہے اس کے آگے وہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے۔ اگر ایک چیز کا قیاس دوسری چیز سے کرتا ہے تو اپنے نظریے کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے تاکہ اس کے متعلق کوئی یہ نہ کہے کہ اسے علم نہیں ہے، پھر جسارت کر کے ایسا فیصلہ صادر کرتا ہے جو اس کی تاریکیوں کی کلید ثابت ہوتا ہے۔ وہ شبہات کا شہسوار اور جہالتوں میں بھٹکنے والا ہے۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اگر اس کے لئے معذرت کر لیتا تو سلامتی پاتا۔ اور اگر وہ حقیقت علم کو پرکھ لیتا تو فائدے میں رہتا۔ وہ روایات کو اس طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ اس کے طرز عمل کی وجہ سے غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں رو رہی ہیں اور ناحق خون چلا رہے ہیں۔ وہ اپنے فیصلوں سے حرام رشتوں کو حلال اور حلال رشتوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ ان مسائل کو حل کرنے کا اہل ہی نہیں اور اس نے جس علم حق کا دعویٰ کیا ہے وہ اس کے لائق ہی نہیں ہے۔

طبرسی کی روایت

طبرسی نے احتجاج میں اس خطبہ کو ان الفاظ سے لکھا ہے:

''اِنَّ اَبْغَضَ الْخَلَائِقِ اِلَی اللّٰہِ رَجُلَانِ: رَجُلٌ وَکَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی نَفْسِہٖ فَھُوَ جَائِرٌ عَنْ قَصْدِالسَّبِیْلِ سَائِرٌ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَ لَا دَلِیْلٍ مَشْغُوْفٌ بِکَلَامِ بِدْعَۃٍ وَ دُعَاءِ ضَلَالَۃٍ فَھُوَ فِتْنَۃٌ لِّمَنِ افْتَتَنَ بِہٖ ضَآلٌّ عَنْ ھُدیٰ مَنْ کَانَ قَبْلَہٗ مُضِلٌّ لِّمَنِ اقْتَدیٰ بِہٖ فِیْ حَیَاتِہٖ وَ بَعْدَ وَفَاتِہٖ حَمَّالُ خَطَایَا غَیْرِہٖ رَھْنٌ بِخَطِیْئَتِہٖ وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَھْلًا فَوَضَعَ فِیْ جَھْلَۃِ الْاُمَّۃِ عَانَ بِاَغْبَاشِ فِتْنَۃٍ قَدْ لَھِجَ مِنْھَا

بِالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ عَمٍ بِمَا فِیْ عَقْدِ الْهُدْنَةِ قَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ عَارِيًا مُنْسَلَخًا وَ قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِمًاوَ لَمَّا يَفُنِ فِیْ الْعِلْمِ يَوْمًا وَاحِدًا سَالِمًا بَكَّرَ فَاسْتَكْثَرَ مِنْ جَمْعٍ مَا قَلَّ مِنْهُ خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ حَتّٰى إِذَاارْتَوٰى مِنْ آجِنٍ وَاكْتَنَزَمِنْ غَيْرِطَائِلٍ جَلَسَ بَيْنَ النَّاسِ مُفْتِيًا قَاضِيًا ضَامِنًالِتَخْلِيْصِ (لِتَخْلِيْصِ خ) مَاالْتَبَسَ عَلٰى غَيْرِهٖ اِنْ خَالَفَ مَنْ سَبَقَهٗ لَمْ يَأْمَنْ مِنْ نَقْضِ حُكْمِهٖ مَنْ يَأْتِیْ مِنْ بَعْدِهٖ كَفِعْلِهٖ بِمَنْ كَانَ قَبْلَهٗ وَ إِنْ نَزَلَتْ بِهٖ إِحْدَى الْمُبْهَمَاتِ (الْمُعْضِلَاتِ خ ل) هَيَّأَ لَهَا حَشْوًا مِنْ رَأْيِهٖ ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ فَهُوَ فِیْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِیْ مِثْلِ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ الَّذِیْ اِذَا مَرَّتْ بِهِ النَّارُ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا لَا يَعُضُّ عَلَى الْعِلْمِ بِضِرْسٍ قَاطِعٍ فَيَغْنِمُ يَذْرِی الرِّوَايَاتِ اِذْرَاءَ الرِّيْحِ الْهَشِيْمَ لَامَلِیٌّ ـوَاللّٰهِـ بِإِصْدَارِ مَا وَرَدَ عَلَيْهِ لَا يَحْسَبُ الْعِلْمَ فِیْ شَيْءٍ مِمَّا اَنْكَرَهٗ وَ لَايَرٰى أَنَّ مِنْ وَرَاءِ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ مَذْهَبٌ نَاطِقٌ وَ اِنْ قَاسَ شَيْئًا بِشَيْءٍ لَمْ يُكَذِّبْ رَأْيَهٗ لِكَيْلَا يُقَالُ لَهٗ لَا يَعْلَمُ شَيْئًا وَ اِنْ خَالَفَ قَاضِيًا سَبَقَهٗ لَمْ يَأْمَنْ فِیْ صِحَّتِهٖ حِيْنَ خَالَفَهٗ وَإِنْ أَظْلَمَ عَلَيْهِ اَمْرٌ اكْتَتَمَ بِهٖ لِمَا يَعْلَمُ مِنْ جَهْلِ نَفْسِهٖ مِنْ مَعْشَرٍ يَعِيْشُوْنَ جُهَّالًا وَ يَمُوْتُوْنَ ضُلَالًا لَايَعْتَذِرُ مِمَّا لَا يَعْلَمُ فَيَسْلِمُ تَصْرُخُ مِنْهُ الدِّمَاءُ وَ تَوَلْوَلُ مِنْهُ الْفُتْيَا وَ تَبْكِیْ مِنْهُ الْمَوَارِيْثُ وَ يُحَلِّلُ بِقَضَائِهِ الْفَرْجَ الْحَرَامَ وَيُحْرِمُ بِقَضَائِهِ الْفَرْجَ الْحَلَالَ وَ يَاخُذُ الْمَالَ مِنْ اَهْلِهٖ وَ يَدْفَعُهٗ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ.''

طبرسی اور مفید کی روایت کے مطابق اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: ''اَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَ الْمَعْرِفَةِ بِمَنْ لَا تَعْذِرُوْنَ بِجَهَالَةٍ فَاِنَّ الْعِلْمَ الَّذِیْ هَبَطَ بِهٖ ادَمُ وَ جَمِيْعُ مَا فُضِّلَتْ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اِلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ فِیْ عِتْرَةِ نَبِيِّكُمْ مُحَمَّدٍ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ فَاَنّٰى تَيَاهَ بِكُمْ بَلْ اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ يَا مَنْ نَسَخَ مِنْ اَصْلَابِ اَصْحَابِ السَّفِيْنَةِ هٰذِهٖ مِثْلَهَا فِيْكُمْ فَارْكُبُوْهَا فَكَمَا نَجَا فِیْ هَاتِيْكَ مَنْ نَجَا فَكَذٰلِكَ يَنْجُوْ فِیْ هٰذِهٖ مَنْ دَخَلَهَا اَنَا رَهِيْنٌ بِذٰلِكَ قَسَمًا حَقًّا وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ وَ الْوَيْلُ لِمَنْ تَخَلَّفَ ثُمَّ الْوَيْلُ لِمَنْ تَخَلَفَ اَمَا بَلَغَكُمْ مَا قَالَ نَبِيُّكُمْ فِيْكُمْ حَيْثُ يَقُوْلُ فِیْ حِجَّةِ الْوِدَاعِ: اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ كِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِیْ اَهْلَ بَيْتِیْ وَ اِنَّهُمَا لَمْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِيْهِمَا اَلَا هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ فَاشْرَبُوْا وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ فَاجْتَنِبُوْا.''

''اپنی پوری مخلوق میں اللہ تعالی کو دو شخص انتہائی مبغوض ہیں۔ایک وہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو اور وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا ہو۔علم و دلیل کے بغیر چلنے والا، بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر مٹا ہوا ہو۔وہ اپنے ہوا خواہوں کے لئے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے۔وہ ان تمام لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد پیروی کریں گے، گمراہ کرنے والا ہے۔وہ دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اور خود اپنی غلطیوں میں جکڑا ہوا ہے۔

اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو جمع کیا اور امت کے جہلاء میں اسے پھیلا دیا۔فتنہ کی تاریکیوں کا دلدادہ ہے اور نماز روزے سے عشق کرتا ہے۔وہ امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔اللہ نے تو اس کا نام خالی اور ننگا رکھا ہوا ہے لیکن انسانوں کی سی شکل وصورت رکھنے والے افراد نے اس کا نام عالم رکھا ہے جبکہ اس نے پورا ایک دن بھی علم کے لئے کبھی وقف نہیں کیا۔وہ ایسی بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے

سیراب ہو لیتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں مفتی اور قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر وہ اپنے سے پہلے والے کسی قاضی کی مخالفت کرتا ہے تو اسے یہ اندیشہ دامن گیر رہتا ہے کہ اس کی طرح سے آنے والے بھی اس کے فتویٰ کی مخالفت کریں گے۔ اور اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لئے فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ وہ اس طرح شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود اپنے ہی جالے کے اندر۔ وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا اور اپنی نظر کے دھندلے پن کی بنا پر بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ اور وہ بذات خود شبہات کی چابی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو بھی اسے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو۔ اس کی رائے مکڑی کے جالے کی مانند ہے۔ اس کے پاس آگ کا گذر ہو تو بھی اسے معلوم نہیں ہوتا۔ اگر وہ علم کی حقیقت سے واقف ہو جاتا تو فائدہ حاصل کرتا۔ وہ روایات کو اس طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ خدا کی قسم! وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل ہی نہیں۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو کوئی قابل اعتناء علم ہی قرار نہیں دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکا ہے، اس کے آگے وہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ ایک چیز کا دوسری چیز سے قیاس کرتا ہے تو اپنی رائے کی تکذیب نہیں کرتا تا کہ اس کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اور اگر اپنے سے سابقہ کسی قاضی کی مخالفت کرتا ہے تو مخالفت کرتے وقت اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس کا فتویٰ صحیح ہو۔ جو بات اسے سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو بہتر جانتا ہے۔ ان افراد کا تعلق اس گروہ سے ہے جو جہالت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور گمراہ ہو کر مرتے ہیں۔ وہ جسے نہیں جانتا اگر اس کے لئے معذرت کر لیتا تو سلامتی حاصل کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے خون چیخ رہے ہیں، فتاویٰ مضطرب ہیں اور میراثیں رو رہی ہیں اور اس کے فیصلوں سے حرام رشتے حلال اور حلال رشتے حرام ہو رہے ہیں۔ مستحقین سے مال لے کر غیر مستحق لوگوں کو دیتا ہے''۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ''تمہیں اس کی اطاعت اور معرفت حاصل کرنی چاہئے جس کی ناواقفیت کے متعلق تمہیں معذور نہیں سمجھا جائے گا وہ علم جسے آدمؑ لے کر نازل ہوئے تھے اور وہ تمام علم جو تمام انبیاء کی فضیلت کا سبب بنا، آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ تک کا تمام علم تمہارے نبی محمد مصطفیٰؐ کی عترت میں موجود ہے۔ تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ بلکہ تم کہاں جا رہے ہو؟ سفینہ نوح پہ سوار ہونے والے لوگوں کی اولاد! غور سے سنو! سفینہ نوحؑ جیسی ہستی تمہارے سامنے موجود ہے اس پہ سوار ہو جاؤ (اس کی پناہ میں آ جاؤ) جس طرح سے اس کشتی میں بیٹھنے والوں نے نجات پائی تھی اسی طرح سے اس کشتی میں داخل ہونے والا بھی نجات پا جائے گا۔ اور میں اس کا ضامن ہوں اور سچی قسم کھا کر تمہیں یقین دلاتا ہوں جبکہ میں تصنع کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ پیچھے رہ جانے والوں پر ہلاکت ہو اور پھر بھی پیچھے رہ جانے والوں پر ہلاکت ہو۔ تو کیا تم نے اپنے پیغمبرؐ کا فرمان ان کے متعلق نہیں سنا؟ پیغمبرؐ خدا نے حجۃ الوداع میں فرمایا: میں تمہارے اندر دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے؛ اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت۔ یہ جب تک حوض پر میرے پاس نہ آ جائیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ دیکھنا میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟ آگاہ رہو! یہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی ہے، اسے پیو اور وہ کڑوا اور شور ہے اس سے پرہیز کرو!''۔

خطبہ ۱۸

اختلاف علماء کی مذمت

وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ(ع)فِیْ ذَمِّ اِخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ فِی الْفُتْيَا

تَرِدُ عَلٰی اَحَدِهِمُ الْقَضِيَّةُ فِیْ حُكْمٍ مِّنَ الْاَحْكَامِ فَيَحْكُمُ فِيْهَا بِرَأْيِهٖ ثُمَّ تَرِدُ تِلْكَ الْقَضِيَّةُ بِعَيْنِهَا عَلٰی غَيْرِهٖ فَيَحْكُمُ فِيْهَا بِخِلَافِ قَوْلِهٖ ثُمَّ يَجْتَمِعُ الْقُضَاةُ بِذٰلِكَ عِنْدَ الْاِمَامِ الَّذِی اسْتَقْضَاهُمْ فَيُصَوِّبُ اٰرَائَهُمْ جَمِيْعًا وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَ نَبِيُّهُمْ وَاحِدٌ وَ كِتَابُهُمْ وَاحِدٌ اَفَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰی اِتْمَامِهٖ اَمْ كَانُوْا شُرَكَآءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا وَ عَلَيْهِ اَنْ يَّرْضٰی اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا تَآمًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ عَنْ تَبْلِيْغِهٖ وَ اَدَائِهٖ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِنْ شَیْءٍ وَ فِيْهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ وَ ذَكَرَ اَنَّ الْكِتَابَ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَ اَنَّهٗ لَا اِخْتِلَافَ فِيْهِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ وَ اِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهٗ اَنِيْقٌ وَ بَاطِنُهٗ عَمِيْقٌ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُهٗ وَ لَا تَنْقَضِیْ

فتاویٰ میں علماء کے مختلف الآراء ہونے کی مذمت میں فرمایا

جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی (شرعی) معاملہ فیصلہ کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا ایک حکم لگا دیتا ہے، پھر جب وہی مسئلہ بعینہٖ کسی دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنے سے پہلے کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے۔ پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس خلیفہ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنا رکھا ہے تو وہ سب کی رائے کو صحیح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے (انہیں غور تو کرنا چاہئے) آیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجالاتے ہیں؟ یا اس نے تو حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے جبکہ یہ اختلاف کر کے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں؟ یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا؟ یا یہ کہ یہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے؟ یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسولؐ نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی؟ جبکہ اللہ نے تو قرآن میں یہ فرمایا ہے: ہم نے قرآن میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس میں لوگ کافی اختلاف پاتے۔ اور قرآن کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔ اس کے عجائبات مٹنے والے ہیں نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے۔ ظلمتوں (جہالتوں) کا

غَرَائِبُهُ وَ لَا تَكْشِفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِهٖ پردہ صرف اسی سے ہی چاک کیا جاسکتا ہے۔

تشریح لغت (اَلْفُتْيَا) فا کے پیش کے ساتھ، فتویٰ (اِسْتَقْضٰى) قاضی بننے کی خواہش کرنا اور قاضی بنانا۔ (اَلتِّبْيَانُ) تا کی زیر کے ساتھ واضح بیان اور کبھی زبر بھی پڑھی جاتی ہے اور یہ شاذ مصادر میں سے ہے، کیونکہ وہ مصادر جو (تَفْعَال) کے وزن پر آتے ہیں وہ زبر کے ساتھ آتے ہیں، مثلاً تَكْرَارٌ، تَذْكَارٌ وغیرہ۔ (اَنِيْقٌ) بروزن اَمِيْرٌ، خوش نما۔

اعراب

''**بِخِلَافِ غَيْرِهٖ(قَوْلِهٖ خ)** ''میں دوسرے ''غَيْرِهٖ'' کی ضمیر کا مرجع پہلا ''غَيْرِهٖ'' ہے اور احتجاج کی روایت میں لفظ (قَوْلِهٖ) وارد ہے تو اس ضمیر کا مرجع بھی لفظ ''غَيْرِهٖ'' ہے اور پہلے ''غَيْرِهٖ'' کی ضمیر کا مرجع لفظ ''اَحَدِهِمْ'' ہے۔ ''وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ ''میں واو اظہار حالت کے لئے ہے، اسی طرح سے دوسرے دو ''واو'' بھی اظہار حالت کے لئے ہیں ''أَفَأَمَرَهُمُ اللّٰهُ ''میں ہمزہ انکار ابطالی کے لئے ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴾ کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے مخصوص کیا ہے؟ یعنی یہ بات قطعاً غلط ہے کہ اللہ نے تمہیں بیٹوں کے لئے مخصوص کیا ہو۔ ''مِنْ شَيْءٍ ''میں لفظ ''مِنْ ''زائد ہے۔ ''اِنَّ الْقُرْآنَ '' سے ایک نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔

مقدمہ مطلب

حضرتؑ کے اس خطبہ کی توضیح وتشریح سے قبل ہمیں ایک تمہیدی مقدمہ کی ضرورت ہے۔ علمائے خاصہ وعامہ میں مجتہد کے تخطئہ و تصویب کے متعلق بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ ہمارے اسلاف رضوان اللہ علیہم نے اپنی کتب اصولیہ میں اس پر مکمل بحث کی ہے جس سے زیادہ بحث ممکن ہی نہیں ہے۔ مؤلف علام کی بحث کا خلاصہ علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہٗ نے یوں فرمایا ہے:

یہ مسئلہ محل نزاع ہے کہ جس چیز پر شرع کی رو سے کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو، آیا واقع میں اس کا کوئی حکم ہوتا بھی ہے کہ نہیں؟ ابو الحسن اشعری اور اس کے استاد ابوعلی جبائی کا مسلک یہ ہے کہ اللہ نے اس کا کوئی حکم تجویز ہی نہیں کیا بلکہ اس کے بارے میں تشریع وحکم کا اختیار مجتہدین کو سونپ دیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید سے جسے حرام ٹھہرالیں اسے واقعی حرام قرار دے دیا جائے گا اور جسے حلال کر دیں اسے واقعی حلال قرار دے دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ تو پھر جتنی ان کی رائے ہوگی اتنے احکام بنتے چلے جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کا نقطۂ نگاہ حکم واقعی کے مطابق ہوگا۔ مثلاً اگر ایک مجتہد کی رائے قائم ہوئی کہ نبیذ حرام ہے اور دوسرے مجتہد کی رائے یہ کہ نبیذ حلال ہے تو وہ واقع میں حلال بھی ہوگی اور حرام بھی، یعنی جو اسے حرام سمجھے اس کے لئے پینا ناجائز ہے اور جو حلال سمجھ کر پیئے اس کے لئے پینا جائز ہے۔ چنانچہ شہرستانی اس تصویب کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ: ''فَمِنَ الْاُصُوْلِيِّيْنَ مَنْ صَارَ اِلٰى اَلَّا حُكْمَ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِى الْوَاقِعِ الْمُجْتَهَدِ فِيْهَا حُكْمًا بِعَيْنِهٖ قَبْلَ الْاِجْتِهَادِ مِنْ جَوَازٍ وَ حَظْرٍ وَ حَلَالٍ وَ حَرَامٍ وَ اِنَّمَا حُكْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا اَدّٰى اِلَيْهِ اِجْتِهَادُ الْمُجْتَهِدِ فَاِنَّ هٰذَا الْحُكْمَ مَنُوْطٌ بِهٰذَا السَّبَبِ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدِ السَّبَبُ يَثْبُتُ الْحُكْمُ وَ عَلٰى هٰذَا الْمَذْهَبِ

كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيْبٌ فِي الْحُكْمِ ''اصولیین کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ جن مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے ان کے لئے جواز وعدم جواز اور حلال وحرام کے اعتبار سے کوئی طے شدہ حکم نہیں ہوتا بلکہ جو مجتہد کی رائے ہوتی ہے وہی خدا کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ حکم کا قرار پانا ہی اس پر موقوف ہے کہ وہ مجتہد کے نظریے سے قائم ہوا گر یہ چیز نہ ہوگی تو حکم بھی ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس مسلک کی بنا پر ہر مجتہد اپنی رائے میں صحیح ہوگا۔

اس صورت میں مجتہد کو خطا سے اس لئے بری سمجھا جاتا ہے کہ خطا تو اس وقت ہوتی ہے جہاں کوئی چیز واقع کے خلاف ہو اور جہاں کوئی واقع ہی نہ ہو وہاں خطا کا کیا مطلب؟ اس صورت میں بھی مجتہد سے خطا کا امکان نہ ہوگا جب یہ نظریہ قائم کر لیا جائے کہ مجتہدین کی آئندہ جتنی رائے قائم ہونے والی تھیں اللہ ان سے باخبر ہو کہ پہلے ہی ان کے احکام بنا رکھے ہیں جس کی وجہ سے ہر رائے حکم واقعی کے مطابق بنتی ہے، یا یہ کہ اس نے یہ التزام کر رکھا ہے کہ مجتہدین کی آراء کو ان کے طے شدہ احکام سے باہر نہ ہونے دیا جائے یا یہ کہ بر سبیل اتفاق ان میں سے ہر ایک کی رائے ان احکام سے کسی نہ کسی حکم سے بہر صورت موافقت کرے گی۔

لیکن فرقہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ نے کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے، نہ کسی حکم کو مجتہد کی رائے کے مطابق ٹھہرایا ہے اور نہ ہی آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کے لئے واقع میں متعدد احکامات بنائے ہیں۔ البتہ جب مجتہد کی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو تلاش وجستجو کے بعد اس کا جو نظریہ قرار پاتا ہے اس پر عمل پیرا ہونا اس کے لئے اور اس کے مقلدین کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے جو حکم واقعی کا بدل ہے اس صورت میں وہ حکم واقعی کے چھوٹ جانے پر معذور قرار پاتا ہے کیونکہ اس نے دریائے ناپیدکنارہ میں غوطہ لگا کر اس کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر اس میں اس کا کیا قصور کہ دُرِّ شہوار کی بجائے صدف ہی اس کے ہاتھ لگے، لیکن وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ دیکھنے والا اسے موتی ہی سمجھے اور وہ موتی کے بھاؤ بکے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا اس کی بھی آدھی قیمت لگا دے تا کہ اس کی محنت وہمت اکارت نہ جائے۔ اگر اس تصویب کو مان لیا جائے تو ہر فتویٰ کو درست اور ہر قول کو واقع کے مطابق ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ میبُدی نے فواتح میں لکھا ہے کہ ''حق دراین مسئلہ با مذہب اشعری است. پس تواند بود کہ مذاہب متناقضہ ہمہ حق باشند۔ زنہار درشان علماء گمان بد مبر وزبان بطعن ایشان مگشا''۔ جب متضاد فیصلے اور مختلف فتاویٰ صحیح بھی تسلیم کئے جاتے ہیں تو حیرت ہے کہ بعض نمایاں افراد کے اقدامات کو خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا جاتا ہے کیوں؟ جبکہ مجتہد کے لئے خطا کا تصور نہیں ہوسکتا۔ اگر عقیدۂ تصویب درست ہے تو امیر شام اور ام المؤمنین عائشہ کے اقدامات درست ماننا پڑیں گے، اگر ان کے اقدامات غلط سمجھے جائیں تو تسلیم کیجئے کہ اجتہاد ٹھوکر بھی کھا سکتا ہے اور تصویب کا عقیدہ غلط ہے۔ اور یہ اپنے مقام پر طے ہوتا رہے گا کہ ام المؤمنین کے اجتہاد میں انوثیت تو سدراہ نہیں ہوتی؟ یا امیر شام کا یہ اجتہاد تھا یا کچھ اور؟ بہر صورت یہ تصویب کا عقیدہ خطاؤں کو چھپانے اور حکم الٰہی پر نقاب ڈالنے کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تا کہ نہ مقصد برآریوں میں کوئی روک پیدا ہو اور نہ من مانی کاروائیوں کے خلاف کوئی زبان کھول سکے۔

امیر المؤمنینؑ نے اس خطبے میں ایسے لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اللہ کی راہ سے کٹ کر اور وحیِ الٰہی کی روشنی سے آنکھیں بند کر کے قیاس آرائیوں کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں اور دین کو افکار وآراء کی آماجگاہ بنا کر نئے نئے فتوے دیتے رہتے ہیں

اوراپنی طرف سے احکام گھڑ کر اختلاف چھوڑتے رہے ہیں اور پھر تصویب کی بناپر تمام متضاد اور اختلافی احکامات کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں گویا ان کا ہر حکم حکمِ الٰہی کا ترجمان ہے کہ نہ تو ان کا کوئی حکم غلط ہے اور نہ کوئی چیز ان کو مات دے سکتی ہے۔

چنانچہ حضرتؑ اس مسلک کی رو سے فرماتے ہیں:

۱۔ جب اللہ ایک، رسول ایک اور کتاب ایک ہے تو پھر دین بھی ایک ہونا چاہئے اور جب دین ایک ہے تو ایک ہی چیز کے لئے مختلف ومتضاد احکام کیونکر ہوسکتے ہیں کیونکہ حکم میں تضاد اس وقت ہوسکتا ہے جب حکم دینے والا پہلا حکم بھول چکا ہو یا اس پر غفلت یا مدہوشی طاری ہوگئی ہو یا جان بوجھ کر ان کو بھول میں رکھنا چاہتا ہو اور اللہ ورسولؐ ان چیزوں سے بلند تر ہیں۔ لہٰذا اس اختلاف کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ اختلاف ان لوگوں کے خیالات وآراء کا نتیجہ ہیں کہ جنہوں نے قیاس آرائیوں کے ذریعہ دین کو مسخ کرنے کا تہیہ کرلیا تھا۔

۲۔ اللہ نے یا تو انہیں اختلاف سے منع کیا ہوگا یا اختلاف کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ اگر حکم دیا ہے تو وہ کہاں اور کس مقام پر ہے؟ اور ممانعت کو سننا چاہتے ہو تو قرآن کہتا ہے ﴿قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ ان سے کہو کہ اللہ نے تمہیں اجازت دے دی ہے کہ تم اللہ پر افتراء کراتے ہو؟ اور ہر وہ چیز جو اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہو وہ افتراء ہے اور افتراء ممنوع وحرام ہے اور افتراء پردازوں کے لئے عقبیٰ میں فوز وکامرانی نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے ﴿وَ لَاتَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ جو تمہاری زبانوں پر جھوٹی باتیں چڑھی ہوئی ہیں انہیں نہ کہا کرو اور نہ اپنی طرف سے حکم لگایا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ اور بہتان باندھنے لگو اور جو افتراء پردازیاں کرتے ہیں وہ کامیابی وکامرانی سے ہمکنار نہ ہونگے۔

۳۔ اگر اللہ ہی نے دین کو ناتمام کر رکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے اپنے بندوں سے یہ چاہا ہوگا کہ وہ شریعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس کا ہاتھ بٹائیں اور شریعت سازی میں اس کے شریک ہوں تو یہ عقیدہ سراسر شرک ہے۔ اگر اس نے دین کو مکمل اتارا ہے تو پھر پیغمبرؐ نے اس کے پہنچانے میں کوتاہی کی ہوگی تاکہ دوسروں کے لئے اس میں قیاس ورائے کی گنجائش رہے تو معاذ اللہ یہ پیغمبرؐ کی کمزوری اور قدرت کے انتخاب پر بدنما دھبہ ہے۔

۴۔ اللہ سبحانہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی کسر کو اٹھا نہیں رکھا اور ہر ایک کو کھول کر بیان کردیا ہے تو پھر قرآن سے ہٹ کر جو حکم تراشا جائے گا وہ شریعت سے باہر ہوگا اور اس کی اساس علم وبصیرت اور قرآن وسنت پر نہ ہوگی بلکہ اپنی ذاتی رائے اور اپنا ذاتی فیصلہ ہوگا جس کا دین ومذہب سے کوئی واسطہ نہیں سمجھا جاسکتا۔

۵۔ قرآن دین کا منبع وماخذ ہے اور احکام شریعت کا سرچشمہ ہے۔ اگر احکام شریعت جدا جدا ہوتے تو پھر اس میں بھی اختلاف ہونا چاہئے تھا اور اس میں اختلاف ہوتا تو یہ اللہ کا کلام نہ ہوتا۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو شریعت میں اختلاف تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تمام مختلف ومتضاد نظریوں کو صحیح سمجھ لیا جائے اور قیاسی فتوؤں کو اس کا حکم قرار دیا جائے۔

مفہوم خطبہ

(**تَـرِدُ عَـلٰی اَحَـدِهِـمُ الْقَضِیَّةُ فِیْ حُکْمٍ مِّنَ الاَحْکَامِ فَیَحْکُمُ فِیْهَا بِرَأْیِهٖ**) جب ان میں سے کوئی معاملہ کسی ایک کے سامنے فیصلہ کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا حکم لگا دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مفتی شرعی مسئلہ کے جواب میں ادلہ شرعیہ اور مآخذ دینیہ کی بجائے اپنے ظن فاسد، خودساختہ عقلی استحسان اور نام نہاد فقہی قیاسات سے اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ (**ثُمَّ تَـرِدُ تِـلْکَ الْقَضِیَّةُ بِعَیْنِهَا عَـلٰی غَیْـرِهٖ فَیَحْکُمُ فِیْهَا بِخِلَافِ قَوْلِهٖ**) پھر وہی مسئلہ بعینہٖ کسی دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اس پہلے کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے۔ یعنی دوسرا مفتی اپنے خودساختہ اجتہاد کے زعم میں پہلے مفتی کے فقہی قیاسات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے دوسرا فتویٰ دیتا ہے۔ (**ثُـمَّ یَـجْتَـمِـعُ الْـقُـضَاةُ بِذٰلِکَ عِنْدَ الاِمَامِ الَّذِی اسْتَقْضَاهُمْ فَیُصَوِّبُ اٰرَائَهُمْ جَمِیْعًا**) پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس سربراہ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنا رکھا ہے تو وہ سب کی رائے اور فیصلوں کو درست قرار دیتا ہے۔ ان کو قاضی کے منصب پر فائز کرنے والا سربراہ بھی اتنا گمراہ ہے کہ وہ ایک ہی مسئلہ کے متعلق مختلف فیصلے دیکھ کر انہیں زجر و توبیخ کرنے کی بجائے سب کے فیصلوں کو سراہتے ہوئے درست اور عین حق قرار دیتا ہے جبکہ یہ طرز عمل سراسر گمراہی اور باطل ہے۔ (**وَاِلٰهُهُمْ وَاحِـدٌ وَنَبِیُّهُـمْ وَاحِـدٌ وَکِتَـابُهُـمْ وَاحِدٌ**) حالانکہ ان کا اللہ ایک نبیؐ ایک اور کتاب قرآن ایک ہے۔ اگر بالفرض ان مفتیوں کے خدا الگ الگ ہوتے یا یہ مختلف انبیاء کے امتی ہوتے یا ان کی کتابیں جدا جدا ہوتیں تو پھر فتویٰ کا یہ اختلاف درست قرار پا سکتا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن تھا کہ ایک کے خدا کا حکم اس مسئلہ کے متعلق کچھ ہو اور دوسرے کے خدا کا حکم دوسرا ہو۔ اسی طرح سے نبی اور کتابیں مختلف ہوتیں تو پھر اختلافِ فتویٰ کی گنجائش موجود تھی۔ لیکن یہاں تو یہ عالَم ہے کہ ان سب کا خدا ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ ایک ہی خدا نے ایک ہی مسئلہ کے لئے جدا جدا احکام نازل کئے ہوں اور پھر ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ انہیں قاضی مقرر کرنے والا شخص سب کے فیصلوں کو حق اور سچ قرار دیتا ہے۔ (**اَفَـاَمَـرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ**) _ انہیں غور کرنا چاہئے _ کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجالاتے ہیں یا اس نے تو حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کر کے عملاً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں۔ درج بالا جملہ میں ہمزۂ استفہام ''انکار علی سبیل الابطال'' کے لئے ہے اور اسی طرح سے لفظ ''اَمْ'' بھی اسی مفہوم کی دلالت کرتا ہے۔ اور اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے ﴿قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴾ ان سے کہو کیا اللہ نے تمہیں اجازت دے دی ہے یا تم اللہ پر افترا کرتے ہو؟ یعنی ہر وہ چیز جو بحکم خدا نہ ہو وہ افترا ہے اور افترا ممنوع و حرام ہے اور افترا پردازوں کے لئے آخرت میں ناکامی ہے۔

اختلاف ممنوع ہے

حضرتؑ کے کلام بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تو ان مفتیوں کو اختلاف کا حکم ہرگز نہیں دیا اللہ نے تو ہر مقام پر اتحاد و اتفاق کا حکم فرمایا ہے اور اتحاد کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور تفرقہ بازی سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اور نام نہاد مفتی آپس میں اختلاف کر کے اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اگر اختلاف جائز ہوتا تو کتاب و سنت میں اس کے جواز کا کہیں نہ کہیں اشارہ ضرور ہوتا۔ اللہ نے

اختلاف سے منع کیا ہے اور عقل ونقل کے تحت اختلاف قابل مذمت چیز ہے۔ عقل کا فیصلہ ہے کہ اتفاق بڑی دولت ہے اور دنیا کے تمام عقلاء اختلاف کی مذمت پر متفق ہیں (اور جو اختلاف کی بات کرتے ہیں ان کا شمار عقلاء میں نہیں ہوتا_ مترجم) اور جہاں تک نقل کا تعلق ہے تو آیت بالا یہ رہنمائی کرتی ہے کہ جو چیز بحکم خدا نہ ہو وہ افتراء ہے اور افتراء پردازوں کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ﴾ جو اللہ پر افتراء پردازی کرتے ہیں وہ کامیابی وکامرانی سے ہمکنار نہ ہوں گے۔ اور اپنی رائے سے کسی امر کا فیصلہ کرنا عملی طور پر خدائی تعلیمات کی نفی ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے فیصلوں کو چھوڑ کر جو لوگ اپنی طرف سے فیصلے کرتے ہیں، اللہ نے قرآن مجید کی تین آیات میں ان کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔﴿وَ مَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ﴾ جو اللہ کے نازل کردہ فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔

۲۔﴿وَ مَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ جو اللہ کے نازل کردہ فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

۳۔﴿وَ مَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ جو اللہ کے نازل کردہ فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

سنت کے سرچشموں میں بھی ''حکم بغیر علم'' کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اَلْقُضَاۃُ اَرْبَعَۃٌ: ثَلَاثَۃٌ فِی النَّارِ وَ وَاحِدٌ فِی الْجَنَّۃِ: رَجُلٌ قَضیٰ بِالْجَوْرِ وَ ھُوَ یَعْلَمُ فَھُوَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ قَضیٰ بِالْجَوْرِ وَ ھُوَ لَا یَعْلَمُ فَھُوَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ قَضیٰ بِالْحَقِّ وَ ھُوَ لَا یَعْلَمُ فَھُوَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ قَضیٰ بِالْحَقِّ وَ ھُوَ یَعْلَمُ فَھُوَفِی الْجَنَّۃِ''۔ قاضی چار طرح کے ہیں، ان میں سے تین طرح کے قاضی دوزخ میں جائیں گے اور ایک طرح کا قاضی جنت میں جائے گا:

۱۔ ایسا قاضی جس نے غلط فیصلہ دیا اور جانتا تھا کہ غلط ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔

۲۔ ایسا قاضی جس نے غلط فیصلہ دیا اور اپنی غلطی سے آگاہ نہیں تھا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

۳۔ ایسا قاضی جس نے فیصلہ تو صحیح دیا لیکن اپنے فیصلے کی صحت کو نہیں جانتا تھا وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

۴۔ ایسا قاضی جس نے صحیح فیصلہ دیا اور فیصلے کی صحت کو بھی جانتا تھا صرف وہی جنت میں جائے گا۔''

اس حدیث میں وجہ دلالت بڑی واضح ہے کیونکہ حدیث میں یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ لاعلمی پر مبنی فیصلہ خواہ صحیح ہو یا غلط دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔ اور ہر وہ چیز جو دوزخ میں جانے کا ذریعہ ثابت ہو وہ حرام اور ممنوع ہوگی۔ اور مختلف آراء کو مدنظر رکھ کر فیصلہ دینا بھی لاعلمی پر مبنی فیصلہ کہلاتا ہے، اسی لئے اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس تمام تر بحث کا نتیجہ یہی ہے کہ اختلاف ممنوع اور ناجائز ہے اور اللہ نے کہیں اس کا حکم نازل نہیں فرمایا۔

حضرتؑ نے خطبہ کے آغاز میں یہ ثابت فرمایا کہ اللہ نے انہیں اختلاف کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے منع

فرمایا ہے اور یہ کہ مفتیان دین کے جھوٹے دعوے دار اختلاف کر کے اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ پھر حضرتؑ نے اور وجوہات بیان فرمائیں اور ان کا ذکر کر کے ان کا ابطال کیا۔ اور وجہ استقراء یہ ہوسکتی ہے کہ دین وشریعت کے مسائل میں ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہے کہ دین سرے سے ناقص ہے یا یہ کہ نعوذ باللہ رسولؐ خدا نے دین پہنچانے میں کوتاہی کی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ اللہ نے دین ناقص نازل کیا اور ان نام نہاد مفتیوں سے اس کی تکمیل کی درخواست کی ہے یا یہ کہ یہ مفتی وقاضی (نعوذ باللہ) اللہ کے شریک ہیں۔ چنانچہ درج بالا تمام شقوں کو حضرتؑ نے باطل ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا (**اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰى اِتْمَامِهٖ**) یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا؟ (**اَمْ كَانُوْا شُرَكَآءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا وَ عَلَيْهِ اَنْ يَّرْضٰى**) یا یہ کہ یہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے؟ علاوہ ازیں تیسری ممکنہ صورت یہ رہ جاتی ہے کہ (**اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِيْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ عَنْ تَبْلِيْغِهٖ وَ اَدَائِهٖ**) یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسولؐ نے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوئی کوتاہی کی تھی۔ پھر حضرتؑ نے درج بالا تینوں شقوں کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (**وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَقُوْلُ** ﴿مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ وَ فِيْهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ﴾) اللہ سبحانہ نے تو قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے ہم نے قرآن میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔

قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر چیز کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ سورہ انعام کی آیت ۵۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ہو۔ علاوہ ازیں سورہ نحل کی آیت ۸۹ میں ارشاد فرمایا ﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے، یہ کتاب اطاعت گزاروں کے لئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

﴿تِبْيَانٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ سے مراد ان تمام امور کا بیان ہے جو انسانی تربیت کے لئے ضروری ہیں یا پھر جملہ امور کے اصل اور مصدر کا بیان ہے جس کی تفصیل رسول اکرمؐ اور اولی الامر سے معلوم ہوگی۔ یاد رہے کہ قرآن پہلے مرحلہ پر بیان ہے اس کے بعد ہدایت ہے پھر عمل کرنے والے کے لئے رحمت ہے اور آخر میں تکمیل عمل پر اطاعت گزاروں کے لئے بشارت ہے۔ درج بالا آیات سے پہلی دو وجوہات بخوبی باطل ہوتی ہیں کیونکہ جب کتاب مقدس میں کوئی کمی نہیں، ہر چیز کا بیان اس میں موجود ہے اور ہر رطب ویابس کا اس میں تذکرہ کیا گیا ہے تو کتاب مقدس کو چھوڑ کر ان ستم پیشہ مفتیوں کو کس نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی رائے سے مسائل بیان کریں اور فتویٰ صادر کریں۔

واضح رہے کہ دین کو ناقص سمجھنا کفر ہے اور احکام میں اپنے آپ کو خدا کا شریک ٹھہرانا شرک وزندیقی ہے۔ جب درج بالا دونوں وجوہات باطل ہیں تو لے دے کے ایک تیسری وجہ باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ رسولؐ خدا نے (عَيَاذًا بِاللّٰهِ) تبلیغ احکام میں کوتاہی کی تھی۔ اور یہ نظریہ بدیہی طور پر باطل ہے کیونکہ نبیؐ معصوم ہیں اور معصوم سے کوتاہی ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر نبی خدانخواستہ تبلیغ دین میں کوتاہی کرنے لگے تو

پھر ساری شریعت پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ آپؐ کہئے کہ میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں یا میں عالم الغیب ہوں اور نہ میرا کہنا ہے کہ میں مَلَک (فرشتہ) ہوں۔ میں تو صرف وحی پروردگار کی اتباع کرتا ہوں اور پوچھئے کہ کیا اندھے اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ آخر تم کیوں نہیں سوچتے ہو؟ (انعام/۵۰) شیخ صدوقؒ ''جلاء العیون'' میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی محفل میں بہت سے اہل علم بیٹھے تھے اور وہ ان احادیث کے متعلق بحث کرنے لگے جو آپس میں مختلف ہوں اور جن کا تعلق بھی ایک ہی مسئلہ سے ہو، تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ حَرَامًا وَ اَحَلَّ حَلَالًا وَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَمَا جَاءَ فِیْ تَحْلِیْلِ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَوْ تَحْرِیْمِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ اَوْ رَفَعَ فَرِیْضَةٍ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ رَسْمُهَا قَائِمٌ بِلَا نَسْخٍ نَسَخَ ذٰلِكَ فَذٰلِكَ شَیْءٌ لَا یَسَعُ الْاَخْذُ بِهٖ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) لَمْ یَكُنْ لِیُحَرِّمَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ وَ لَا لِیُحَلِّلَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ لَا لِیُغَیِّرَ فَرَائِضَ اللّٰهِ وَ اَحْكَامَهٗ وَ كَانَ فِیْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ مُتَّبِعًا مُسَلِّمًا مُؤَدِّیًا عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ ذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ. فَكَانَ مُتَّبِعًا مُؤَدِّیًا عَنِ اللّٰهِ مَا اَمَرَ بِهٖ مِنْ تَبْلِیْغِ الرِّسَالَةِ''۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا اور کچھ چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور فرائض مقرر فرمائے۔ اب اگر کوئی ایسی حدیث پائی جائے جو حرام کو حلال بناتی ہو یا حلال کو حرام ٹھہراتی ہو یا کتاب خدا میں کسی فریضے کا ذکر موجود ہو اور اس کو منسوخ نہ کیا گیا ہو اور حدیث اس کو منسوخ قرار دیتی ہو تو ایسی حدیث پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔ (حقیقتاً وہ حدیث ہی نہیں) کیونکہ آنحضرتؐ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال اور اللہ کے فرائض واحکام میں تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ آپؐ تو ہر حالت میں اتباع خدا کرنے والے، اطاعت گزار اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے تھے۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے قرآن مجید میں یہ الفاظ بیان کرائے ہیں کہ میں صرف وحی پروردگار کا اتباع کرتا ہوں۔ پس آنحضرتؐ پوری زندگی میں صرف اتباع کرنے والے اور خدائی رسالت کا پیغام پہنچانے والے تھے۔

جب امیر المؤمنین علیہ السلام اختلاف کی جملہ ممکنہ صورتوں کی تردید کر چکے تو آپؑ نے مزید تاکید کے لئے فرمایا (**وَ ذَكَرَ اَنَّ الْكِتَابَ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَ اَنَّهٗ لَا اِخْتِلَافَ فِیْهِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا**) اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''یہ لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس میں لوگ کافی اختلاف پاتے''۔ اور اس میں استدلال یہ ہے کہ قرآن دین کا ماخذ ہے، احکام شرعیہ کا سرچشمہ ہے اور جملہ احکام، قرآن میں موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ یہ بتا چکا ہے کہ قرآن میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں ہے۔ اور نفی عام کا لازمہ نفی خاص ہوتی ہے، یعنی جب قرآن میں اختلاف نہیں ہے تو پھر اس میں جن احکام شرعیہ کا تذکرہ موجود ہے اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اختلاف احکام نہ تو اللہ کی جانب سے ہے اور نہ ہی اللہ نے اختلاف کی اجازت دی ہے۔ ''مجمع البیان'' میں علامہ طبرسیؒ نے درج بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس میں اختلاف ہوتا تو یہ اللہ کا

کلام نہ رہتا۔تو ہر وہ چیز جو اللہ کی طرف سے ہوگی اس میں اختلاف نہیں ہوگا۔اور واضح رہے کہ اختلاف کی تین قسمیں ہیں:

۱۔اختلاف تناقض ۲۔اختلاف تفاوت ۳۔اختلاف تلاوت

قرآن مجید میں پہلے دو اختلاف کا کوئی وجود نہیں ہے، البتہ اختلاف تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ کسی مقام پر کسی واقعہ کا ابتدائی حصہ بیان کیا گیا ہو اور دوسرے مقام پر اس واقعہ کا باقی حصہ بیان کیا گیا ہو تو ایسا اختلاف ہگر قدح کا موجب نہیں ہے۔قرآن مجید میں اختلاف تلاوت موجود ہے۔تمام وجوہ اختلاف کی تردید کرنے کے بعد حضرتؑ نے لوگوں کو قرآن کی جانب متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا (**وَ اِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهٗ اَنِيْقٌ**) قرآن کا ظاہر خوش نما ہے قرآن انواع بیان اور غرابت اسلوب اور نظم ونسق کے اعتبار سے انتہائی حسین ہے۔(**وَ بَاطِنُهٗ عَمِيْقٌ**) اور اس کا باطن گہرا ہے۔قرآن امر بالمعروف ونہی عن المنکر، صحیح واقعات، مکارم اخلاق کی دعوت اور علم ما کان وما یکون پر مشتمل ہے۔تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا: ''نَحْنُ وَاللّٰهِ نَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا فِی الْجَنَّةِ وَ مَا فِی النَّارِ وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ''۔ **ثُمَّ قَالَ**: ''اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ ''۔ **ثُمَّ تَلَا قَوْلَهٗ تَعَالٰی** ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَیْءٍ﴾ خدا کی قسم! آسمانوں اور زمین، جنت اور جہنم میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ہم وہ سب جانتے ہیں''۔پھر فرمایا: ''یہ بات قرآن مجید میں موجود ہے''۔بعد ازاں آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ہم نے آپؐ پر کتاب نازل کی جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے۔کتاب کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے: ''اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا فِی الْجَنَّةِ وَ اَعْلَمُ مَا فِی النَّارِ وَ اَعْلَمُ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ ''۔ **ثُمَّ سَكَتَ هَنِيْئَةً فَرَأٰی اِنَّ ذٰلِكَ كَبُرَ عَلٰی مَنْ سَمِعَهٗ مِنْهُ فَقَالَ**: ''عَلِمْتُ ذٰلِكَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ﴿فِيْهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَیْءٍ﴾''۔جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے میں وہ سب جانتا ہوں، جو کچھ جنت ودوزخ میں ہے میں وہ سب بھی جانتا ہوں اور جو کچھ ہو چکا اور ہوگا میں وہ بھی سب جانتا ہوں۔پھر آپؑ ایک لحظہ کے لئے خاموش ہوئے اور محسوس کیا کہ سننے والوں پر یہ بات گراں گزری ہے تو آپؑ نے (ان کی پریشانی دور کرتے ہوئے) فرمایا: ''میں نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے حاصل کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے''۔(**لَا تَفْنٰی عَجَائِبُهٗ وَ لَا تَنْقَضِیْ غَرَائِبُهٗ وَ لَا تَكْشِفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِهٖ**) اس کے عجائبات مٹنے والے ہیں نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے۔ظلمتوں (جہالتوں) کا پردہ صرف اسی سے ہی چاک کیا جاسکتا ہے قیاس سے نہیں۔

عمل بالرائے حرام ہے

مذہب امامیہ میں عمل بالرائے حرام ہے اور عترت طاہرہ کی یہی تعلیم ہے اور اس سلسلے میں بہت سی روایات وارد ہیں جن میں سے ہم صرف چار روایات پر اکتفاء کرتے ہیں؛

۱۔ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کافی میں محمد بن ابی عبداللہ سے روایت کی ہے، اس نے اپنی اسناد سے یونس بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''میں عقیدۂ توحید کے کون سے تقاضے پورے کروں؟''

تو آپؑ نے فرمایا: ''یَا یُونُسُ! لَا تَکُونَنَّ مُبْتَدِعًا، مَنْ نَظَرَ بِرَأْیِہٖ هَلَكَ وَ مَنْ تَرَكَ اَهْلَ بَیْتِ نَبِیِّہٖ ضَلَّ وَ مَنْ تَرَكَ كِتَابَ اللّٰہِ وَ قَوْلَ نَبِیِّہٖ كَفَرَ''۔ یونس! بدعتی نہ بننا۔ جس نے اپنی رائے سے کوئی نظریہ قائم کیا ہلاک ہوا اور جس نے اپنے پیغمبرؐ کی اہل بیتؑ کو چھوڑا وہ گمراہ ہوا اور جس نے اللہ کی کتاب اور اپنے نبیؐ کے فرمان کو چھوڑا کافر ہوا۔

۲۔ علی بن ابراہیم سے، اس نے ہارون بن مسلم سے، اس نے سعدہ بن صدقہ سے روایت کی، اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے امیر المؤمنینؑ کا یہ فرمان نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا: '' مَنْ نَصَبَ نَفْسَہٗ لِلْقِیَاسِ لَمْ یَزَلْ دَهْرُہٗ فِیْ اِلْتِبَاسٍ وَ مَنْ دَانَ اللّٰہَ بِالرَّاْیِ لَمْ یَزَلْ دَهْرُہٗ فِیْ اِرْتِمَاسٍ ''۔ جس نے بھی اپنے آپ کو قیاس کے لئے وقف کیا وہ پوری زندگی حق و باطل کو مخلوط کرتا رہے گا۔ اور جس نے بھی اللہ کے دین میں اپنی رائے کو دخل دیا وہ پوری زندگی ضلالت و شبہات کی تاریکیوں میں غوطہ لگاتا رہے گا۔

وَ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامِ: ''مَنْ اَفْتٰی النَّاسَ بِرَاْیِہٖ فَقَدْ دَانَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰہَ حَیْثُ اَحَلَّ وَ حَرَّمَ فِیْمَا لَا یَعْلَمُ ''۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''جس نے بھی اپنی رائے سے لوگوں کو فتویٰ دیا تو اس نے اللہ کے دین میں اس چیز کو داخل کیا ہے جسے وہ نہیں جانتا اور جو کسی نامعلوم چیز کو اللہ کے دین میں داخل کرے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ کا شریک ٹھہرایا کیونکہ اس نے علم کے بغیر اشیاء کو حلال و حرام کیا ہے۔

۳۔ علی بن محمد بن عیسیٰ سے روایت ہے، اس نے یونس سے، اس نے قتیبہ سے روایات کی اس نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک مسئلہ دریافت کیا تو آپؑ نے اسے جواب دے دیا، وہ شخص کہنے لگا: ''اگر صورتحال اس اس طرح ہو تو پھر آپؑ کا اس بارے میں کیا جواب ہوگا؟'' امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خاموش ہو جا! میں نے تجھے وہی جواب دیا ہے جو رسولؐ خدا سے مروی ہے، ہم اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا کرتے''۔ اسی روایت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے ''اصل میں سائل آپؑ سے یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق آپؑ اپنے ظن و اجتہاد سے کیا فتویٰ دینا پسند کریں گے؟ حضرتؑ نے سائل کو ڈانٹ دیا اور فرمایا ہم ظن و اجتہاد سے کام نہیں لیتے، جزم و یقین سے جواب دیتے ہیں کیونکہ ہم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں''

۴۔ **امام جعفر صادق علیہ السلام کا خط**

الوسائل میں محاسن برقی کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا اہل رائے و قیاس کو ارسال کیا ہوا نامہ نقل کیا ہے جس میں آپؑ نے تحریر فرمایا: ''اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ مَنْ دَعَا غَیْرَہٗ اِلٰی دِیْنِہٖ بِالْاِرْتِیَاءِ وَ الْمَقَایِیْسِ لَمْ یُنْصِفْ وَ لَمْ یُصِبْ حَظَّہٗ لِاَنَّ الْمَدْعُوَّ اِلٰی ذٰلِكَ اَیْضًا لَا یَخْلُوْ مِنَ الْاِرْتِیَاءِ وَ الْمَقَایِیْسِ وَ مَتٰی لَمْ یَكُنْ بِالدَّاعِیْ قُوَّۃٌ فِیْ دُعَائِہٖ عَلَی الْمَدْعُوِّ لَمْ یُؤْمَنْ عَلَی الدَّاعِیْ اَنْ یَحْتَاجَ اِلَی الْمَدْعُوِّ بَعْدَ قَلِیْلٍ لِاَنَّا قَدْ رَاَیْنَا الْمُتَعَلِّمَ الطَّالِبَ رُبَّمَا كَانَ فَائِقًا لِمُعَلِّمِہٖ وَ لَوْ بَعْدَ حِیْنٍ وَ رَاَیْنَا الْمُعَلِّمَ الدَّاعِیَ رُبَّمَا احْتَاجَ فِیْ رَاْیِہٖ اِلٰی رَاْیِ مَنْ یَدْعُوْ وَ فِیْ ذٰلِكَ تَحَیَّرَ الْجَاهِلُوْنَ وَ شَكَّ الْمُرْتَابُوْنَ وَ ظَنَّ الظَّانُّوْنَ وَ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰہِ

جَـائِـزًا لَـمْ يَبْـعَثِ اللّٰهُ الرُّسُلَ بِمَا فِيْهِ الْفَصْلُ وَ لَمْ يَنْهَ عَنِ الْهَزْلِ وَ لَمْ يَعِبِ الْجَهْلَ وَ لٰكِنَّ النَّاسَ لَمَّا سَفِهُوْا الْحَقَّ وَ غَمَطُوْا النِّـعْمَةَ وَ اسْتَغْنُوْا بِجَهْلِهِمْ وَ تَدَابِيْرِهِمْ عَنْ عِلْمِ اللّٰهِ وَ اكْتَفُوْا بِذٰلِكَ عَنْ رُسُلِهٖ وَ الْقِوَامِ بِاَمْرِهٖ وَ قَالُوْا لَا شَیْءٌ اِلَّا مَا اَدْرَكَتْهُ وَ عَرَفَتْهُ اَلْبَابُنَا فَوَلَاهُمُ اللّٰهُ مَا تَوَلَّوْا وَ اَهْمَلَهُمْ وَ خَذَلَهُمْ حَتّٰى صَارُوْا عَبَدَةَ اَنْفُسِهِمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَ لَوْ كَانَ اللّٰهُ رَضِیَ مِـنْهُـمْ اِجْتِهَـادَهُـمْ وَ اِرْتِيَـائَهُمْ فِيْمَا ادَّعُوْا مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يَبْعَثْ اِلَيْهِمْ فَاصِلًا لِمَا بَيْنَهُمْ وَ لَا زَاجِرًا عَنْ وَصْفِهِمْ وَ اِنَّمَا اِسْتَدْلَلْنَا عَـلٰى اَنَّ رِضَاءَ اللّٰهِ غَيْرَ ذٰلِكَ بِبَعْثِهِ الرُّسُلَ بِالْاُمُوْرِ الْقَيِّمَةِ الصَّحِيْحَةِ وَ التَّحْرِيْرِ مِنَ الْاُمُوْرِ الْمُشْكِلَةِ المفسدةثُمَّ جَعَلَهُمْ اَبْوَابَهٗ وَ صِرَاطَهٗ وَ الْاَدِلَّاءَ عَلَيْهِمْ بِاُمُوْرٍ مَحْجُوْبَةٍ عَنِ الرَّأْیِ وَ الْقِيَاسِ فَمَنْ طَلَبَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بِقِيَاسٍ وَ رَأْیٍ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا وَ لَـمْ يَبْـعَثْ رَسُوْلًا قَطُّ وَ اِنْ طَالَ عُمُرُهٗ قَائِلًا مِنَ النَّاسِ خِلَافُ مَا جَاءَ بِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ مَتْبُوْعًامَرَّةً وَتَابِعًااُخْرٰى وَ لَمْ يَرَ اَيْضًا فِيْـمَـا جَـاءَ بِـهٖ اِسْتَـعْـمَلَ رَأْيًا وَ لَا مِقْيَاسًا حَتّٰى يَكُوْنَ ذٰلِكَ وَ رِضیً عِنْدَاللّٰهِ كَالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ وَفِیْ ذٰلِكَ دَلِيْلٌ لِكُلِّ ذِیْ لُبٍّ وَحَـجٍی اَنَّ اَصْحَابَ الرَّأْیِ وَالْقِيَاسِ مُخْطِئُوْنَ مُدْحِضُوْنَ ''۔ ''امابعد! معلوم ہونا چاہئے کہ ذاتی رائے اور قیاس سے کسی کو اپنے دین کی دعوت دینے والا بہت بے انصاف ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ جسے دعوت دے گا وہ بھی ذاتی رائے اور قیاس سے خالی نہیں ہوگا، جب دعوت دینے والے کو مدعو (جسے دعوت دی گئی ہو) پر کوئی قوت دعوت ہی حاصل نہ ہو تو اس دعوت دینے والے کے متعلق یہ اندیشہ موجود رہے گا کہ کسی دن اسے مدعو کی رائے اور قیاس کی ضرورت پڑ جائے کیونکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ کبھی کوئی ذہین وفطین شاگرد اپنے استاد سے بڑھ جاتا ہے اور استاد کو شاگرد کی رائے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور جب ایسا ہو تو جاہل حیرت میں مبتلا ہو جائیں گے، شک کرنے والوں کو شک کا موقع ملے گا اور ظن وتخمین والے ظن وتخمین سے کام لینا شروع کر دیں گے۔ (جیسا کہ آجکل مغربی مفکرین بھی یہی کام کر رہے ہیں، از مترجم)

اگر ذاتی رائے اور قیاس اللہ کے نزدیک جائز ہوتا تو اللہ انبیاء کو قول فیصل دے کر مبعوث نہ کرتا، اٹکل پچو سے لوگوں کو نہ روکتا اور جہالت کو عیب قرار نہ دیتا۔ لیکن لوگوں کی ناشکری کا یہ عالَم ہے کہ انہوں نے حق سے منہ پھیر لیا، نعمت کی قدر دانی نہ کی اور اللہ کے قطعی علم کو چھوڑ کر اپنے جہل وتدابیر پر انحصار کیا یعنی عملی طور پر رسولوں کو چھوڑ دیا، دین کے نگہبانوں سے منہ موڑ لیا اور کہنے لگے ہم صرف وہی کچھ تسلیم کریں گے جسے ہمارا عقل مانے گا اور بصیرت تسلیم کرے گی۔ جب لوگوں نے اس طرح سے کفران نعمت کیا تو اللہ نے بھی انہیں بے یار مدد گار چھوڑ دیا اور یہ لوگ لاشعوری طور پر اپنی ہی عبادت کرنے لگے۔ اگر اللہ ان کے اجتہاد وآراء کو پسند کرتا جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو پھر اللہ کبھی بھی ان کے درمیان فیصلہ کرنے والے کو نہ بھیجتا اور ان کے کردار سے منع کرنے والے کو کبھی مبعوث نہ کرتا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ اس اجتہاد وآراء پر راضی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے انبیاء کو امور قیّمہ وصحیحہ دے کر مبعوث فرمایا ہے اور مشکل اور مفسد امور سے خبردار کیا ہے، پھر اللہ نے انبیاء ومرسلین کو اپنا صراط مستقیم بنایا، اپنے دین کا رہنما بنایا اور انہیں ایسے امور کا دروازہ بنایا جو رائے وقیاس کی سرحدوں سے ماوراء ہیں۔ جو شخص اللہ کی رضا کو قیاس اور رائے سے تلاش کرے گا وہ اللہ سے دور ہو جائے گا۔ اور اللہ نے آج تک ایسا کوئی رسول مبعوث نہیں فرمایا جس نے اپنے ہی پیغام کے خلاف کچھ کہا ہو اگرچہ اس کی عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ

ہو۔یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک نبی کسی وقت میں تو تابع ہو اور کسی وقت میں متبوع۔اور آج تک کسی نبی نے قیاس واجتہاد سے کبھی کام نہیں لیا۔اگر ایسا ہوتا تو اس کا قیاس واجتہاد بھی وحی الٰہی کی طرح واضح ہوتا اور اس دلیل سے ہر صاحب عقل یہ سمجھ سکتا ہے کہ اصحاب رائے وقیاس خطا کار اور غلط کار ہیں''۔

اس موضوع کے متعلق ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی بکثرت احادیث موجود ہیں۔وسائل الشیعہ اور کافی میں اجتہاد ورائے کی مذمت میں مستقل باب موجود ہیں۔جنہیں مزید تحقیق مطلوب ہو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

خطبہ۱۹

اشعث بن قیس کی گستاخی اوراس کا جواب

وَ مِنْ كَلَامٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَهٗ لِلْاَشْعَثِ ابْنِ قَيْسٍ وَ هُوَ عَلٰى مِنْبَرِ الْكُوْفَةِ يَخْطُبُ فَمَضٰى فِيْ بَعْضِ كَلَامِهٖ شَيْءٌ اعْتَرَضَهُ الْاَشْعَثُ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هٰذِهٖ عَلَيْكَ لَا لَكَ. فَخَفَضَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ:

مَا يُدْرِيْكَ مَا عَلَيَّ مِمَّا لِيْ عَلَيْكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ لَعْنَةُ اللَّاعِنِيْنَ حَائِكُ ابْنُ حَائِكٍ مُنَافِقُ ابْنُ كَافِرٍ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَسَرَكَ الْكُفْرُ مَرَّةً وَ الْاِسْلَامُ اُخْرٰى فَمَا فَدَاكَ مِنْ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَالُكَ وَ لَا حَسَبُكَ وَ اِنَّ امْرَأً دَلَّ عَلٰى قَوْمِهِ السَّيْفَ وَ سَاقَ اِلَيْهِمُ الْحَتْفَ لَحَرِيٌّ اَنْ يَّمْقُتَهُ الْاَقْرَبُ وَ لَا يَاْمَنُهُ الْاَبْعَدُ.

اَقُوْلُ يُرِيْدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّهٗ اُسِرَ فِي الْكُفْرِ مَرَّةً وَ فِي الْاِسْلَامِ مَرَّةً وَاَمَّا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَلَّ عَلٰى قَوْمِهِ السَّيْفَ فَاَرَادَ بِهٖ حَدِيْثَ كَانَ لِلْاَشْعَثِ مَعَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ بِالْيَمَامَةِ غَرَّ فِيْهِ

امیر المؤمنین علیہ السلام منبر کوفہ پر ارشاد فرما رہے تھے کہ اشعث بن قیس نے آپؑ کے کلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ''یا امیر المؤمنینؑ یہ بات تو آپؑ کے حق میں نہیں بلکہ آپؑ کے خلاف پڑتی ہے''۔تو حضرتؑ نے اسے نگاہ غضب سے دیکھا اور فرمایا:

''تجھے کیا معلوم کہ کون سی چیز میرے حق میں ہے اور کون سی چیز میرے خلاف جاتی ہے؟ تجھ پر اللہ اور جملہ لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو! تو جولاہے کا بیٹا جولاہا اور کافر کی گود میں پلنے والا منافق ہے تو ایک دفعہ کافروں کے ہاتھوں اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا لیکن تجھ کو تیرا مال وحسب اس عار سے نہ بچا سکا۔اور جو شخص اپنی قوم پر تلوار چلوا دے اور ان کی طرف موت کو دعوت اور ہلاکت کو بلاوا دے تو وہ ہے ہی اسی قابل کہ قریبی اس سے نفرت کریں اور دور والے بھی اس پر بھروسہ نہ کریں''۔

قول مؤلف:''امام علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب ہے کہ یہ ایک دفعہ کفر کے زمانہ میں اور ایک دفعہ اسلام کے زمانہ میں اسیر کیا گیا تھا۔رہا حضرتؑ کا یہ ارشاد کہ جو شخص اپنی قوم پر تلوار چلوا دے تو اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو اشعث کو خالد بن ولید کے مقابلہ میں یمامہ میں پیش آیا تھا کہ جہاں اس نے اپنی قوم کو فریب دیا تھا اور ان

قَوْمَهٗ وَمَكَرَبِهِمْ حَتّٰى اَوْقَعَ بِهِمْ خَالِدُوكَانَ قَوْمُهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ يُسَمُّوْنَهٗ عُرْفَ النَّارِوَهُوَاِسْمٌ لِلْغَادِرِ عِنْدَهُمْ سے چال چلی تھی اوراس واقعہ کے بعداس کی قوم نے اس کا نام ''عرف النار'' رکھ دیااور یہ ان کے محاورہ میں غدار کے لئے بولا جاتا ہے۔

تشریح لغت (خَفَضَ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ) نگاہ غضب سے دیکھا۔(اَلْحَائِكُ) جولاہا۔(اَلْفِدَآءُ) وہ فدیہ جو قیدی اپنی آزادی کے لئے دے۔(اَلْحَتْفُ) موت۔(اَلْعُرْفُ) ریت اور بلند مکان۔

شارح بحرانیؒ لکھتے ہیں کہ اشعث ملعون کو عُرف النار کے استعارہ سے یاد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''عُـــرْف'' ہر بلند جگہ کو کہا جاتا ہے۔اور قرآن مجید کے ایک سورہ کا نام سورہ اعراف ہے اور ''اعراف'' ایک دیوار ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان ہوگی اور ہر بلند چیز اپنے پیچھے والی چیز کو پوشیدہ رکھتی ہے، اس طرح سے ایک خائن وغدار بھی بہت سے امور کو پوشیدہ رکھتا ہے۔اور اشعث نے اپنی قوم کو دھوکا دیا تھا اور غداری کی تھی اس لئے اس کی قوم نے اسے عرف النار کا لقب دیا تھا، کیونکہ اس نے جنگ کے شعلوں کو اپنی قوم سے پوشیدہ رکھا تھا اور اس کے بعد دوزخ کی آگ بھی اس کے عقب میں تھی۔

اشعث کا انجام

بحارالانوار کی جلد ہفتم باب ۱۱۳ میں امیر المؤمنین علیہ السلام کی غیبی پیشین گوئیاں درج ہیں۔اس باب میں ایک روایت یہ بھی ہے:۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ اشعث بن قیس کندی نے اپنے گھر میں ایک مینار بنا رکھا تھا۔اور جب بھی مسجد کوفہ سے اذان کی آواز بلند ہوتی تو وہ اس مینار پر چڑھ جاتا تھا اور کہتا تھا: ''اے شخص تو جھوٹا اور جادوگر ہے''۔میرے والد امیر المؤمنین علیہ السلام اسے ''عُنق النار'' کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ایک روایت میں ''عرف النار'' کے الفاظ ہیں۔امیر المؤمنین علیہ السلام سے اس لفظ کی وجہ تسمیہ پوچھی گئی تو آپؑ نے فرمایا: ''جب اسے موت آئے گی تو آسمان سے آگ کی ایک لمبی گردن اترتی ہوئی اس کے پاس آئے گی جو اسے جلا دے گی اور دفن کے وقت یہ سیاہ کوئلہ بن چکا ہوگا''۔جب اشعث کی موت کا وقت قریب آیا تو وہاں پر موجود افراد نے یہ منظر دیکھا کہ آگ کی ایک گردن آسمان سے اتری اور اس نے اشعث کو جلا دیا۔اس وقت یہ لعین اپنی ہلاکت اور تباہی کو صدائیں دے رہا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عرف النار کی وجہ تسمیہ وہ نہیں جو مرحوم بحرانیؒ نے بیان فرمائی ہے۔

اعراب

لفظ (**مَا**) مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔(**يُدْرِيْكَ**) اس کی خبر ہے۔دوسرا لفظ (**مَا**) بھی مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔(يُدْرِيْكَ) معنی استفہام کو متضمن ہے۔(**عَلَيٌّ**) اس کی خبر ہے اور پورا جملہ، فعل (يُدْرِيْكَ) کا متعلق ہے اور فعل ثانی کے قائم مقام ہے۔اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے ﴿اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ وَ مَا اَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ﴾ ثوری کہتے ہیں کہ قرآن میں معلوم چیز کے لئے ''مَا اَدْرَاكَ'' اور غیر معلوم چیز کے لئے ''مَا يُدْرِيْكَ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔(**حَائِكٌ**) مبتدا محذوف کی خبر ہے اور خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، یعنی اصل عبارت ہے: ''اَنْـــتَ حَـــائِكٌ'' یا حرف ندا محذوف ہے اور حائک اس کا منادیٰ ہے۔یا یہ کہ فعل

محذوف کا مفعول ہے، یعنی ''اَذُمُّ حَائِکَ بْنِ حَائِکٍ''۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر ﴿وَ امْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ کی آیت ہے۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ نے یہ خطبہ اشعث بن قیس کِندی کی گستاخی کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا۔ اشعث کا اصل نام معدیکرب اور کنیت ابومحمد تھی، مگر اپنے بالوں کی پراکندگی کی وجہ سے اشعث (پراکندہ مو) کے لقب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے: ''کَانَ الْاَشْعَثُ فِیْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ کَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَیٍّ سَلُوْلٍ فِیْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کُلٌّ مِنْهُمَا رَاْسُ النِّفَاقِ فِیْ زَمَنِهٖ'' حضرت علیؑ کی جماعت میں اشعث، اصحاب رسولؐ میں عبداللہ بن ابی سلول کی طرح تھا۔ یہ دونوں اپنے اپنے عہد میں چوٹی کے منافق تھے۔

(قَالَهٗ لِلْاَشْعَثِ ابْنِ قَیْسٍ وَ هُوَ عَلٰی مِنْبَرِ الْکُوْفَةِ یَخْطُبُ فَمَضٰی فِیْ بَعْضِ کَلَامِهٖ شَیْءٌ اعْتَرَضَهُ الْاَشْعَثُ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ هٰذِهٖ عَلَیْكَ لَا لَكَ) جنگ نہروان کے بعد مسجد کوفہ میں تحکیم کی بدعنوانیوں کے سلسلہ میں حضرتؑ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: ''یا امیر المؤمنینؑ! آپؑ نے پہلے تو ہمیں اس تحکیم سے روکا اور پھر اس کا حکم بھی دے دیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کون سی بات زیادہ صحیح اور مناسب تھی''۔ حضرتؑ نے یہ سن کر ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''هٰذَا جَزَاءُ مَنْ تَرَكَ الْعُقْدَةَ جوٹھوس رائے کو چھوڑ دیتا ہے اسے ایسا ہی خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے''۔ یعنی یہ تمہارے کرتوت کا پھل ہے جو تم نے حزم و احتیاط کا دامن چھوڑ کر تحکیم کے مان لینے پر اصرار کیا تھا۔ مگر اشعث اس جملے سے یہ سمجھا کہ حضرتؑ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میری یہ حیرانی و سرگردانی تحکیم کے مان لینے کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا بول اٹھا کہ یا امیر المؤمنینؑ اس سے تو آپؑ ہی کی ذات پر حرف آتا ہے۔

(فَخَفَضَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ: **مَا یُدْرِیْكَ مَا عَلَیَّ مِمَّا لِیْ**) تو حضرتؑ نے اسے نگاہ غضب سے دیکھ کر فرمایا: ''تجھے کیا معلوم کہ کون سی بات میرے حق میں ہے اور کون سی چیز میرے خلاف جاتی ہے''۔ (**عَلَیْكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ لَعْنَةُ اللَّاعِنِیْنَ**) تجھ پر خدا اور جملہ لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔ اشعث ملعون منافق تھا اور منافق ہمیشہ لعنت کے قابل ہوتا ہے، کیونکہ منافق حق و صداقت کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے، ہمیشہ دوغلے پن کا مظاہرہ کرتا ہے اور قرآن کی اس آیت کا مصداق ہوتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَ الْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتَابِ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُوْنَ﴾ جو لوگ ہمارے نازل کردہ واضح بیانات اور ہدایات کو ہمارے بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں (بقرہ/۱۵۹)۔

اشعث بن قیس کی منافقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ قتل امیر المؤمنینؑ کی سازش میں برابر کا شریک تھا۔ ابن ابی الحدید نے ابوالفرج سے یہ عبارت نقل کی ہے ''وَ قَدْ کَانَ ابْنُ مُلْجِمٍ اَتَی الْاَشْعَثَ فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ فَخَلَا بِهٖ فِیْ بَعْضِ نَوَاحِی الْمَسْجِدِ وَ مَرَّ بِهِمَا حُجْرُ بْنُ عُدَیٍّ فَسَمِعَ الْاَشْعَثَ وَ هُوَ یَقُوْلُ لِابْنِ مُلْجِمٍ النَّجَا النَّجَا بِحَاجَتِكَ فَقَدْ فَضَحَكَ الصُّبْحُ قَالَ لَهٗ حُجْرٌ قَتَلْتَهٗ یَا اَعْوَرُ وَ خَرَجَ مُبَادِرًا اِلٰی عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ قَدْ سَبَقَهُ ابْنُ مُلْجِمٍ وَ ضَرَبَهٗ وَ اَقْبَلَ

حُجْرٌ وَ النَّاسُ یَقُوْلُوْنَ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ''شب ضربت ابن ملجم اشعث بن قیس کے پاس آیا اور دونوں علیحدگی میں مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے کہ ادھر سے حجر بن عدی کا گزر ہوا تو انہوں نے سنا کہ اشعث ابن ملجم سے کہہ رہا تھا: ''بس اب جلدی کرو ورنہ پَو پھوٹ کر تمہیں رسوا کر دے گی''۔ حجر نے یہ سنا تو اشعث سے کہا: ''اے کانے! تو علیؑ کے قتل کا سروسامان کر رہا ہے''۔ پھر حجر تیزی سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف گئے، مگر جب امیر المؤمنینؑ کو نہ پا کر پلٹے تو ابن ملجم اپنا کام کر چکا تھا۔ اور لوگ کہہ رہے تھے کہ امیر المؤمنین قتل کر دیئے گئے۔

ابوالفرج کہتے ہیں کہ اشعث کے انحراف کے کئی واقعات ہیں جن کا ذکر بہت طویل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اشعث امیر المؤمنینؑ سے ملنے کے لئے آیا تو قنبر نے اسے واپس کر دیا۔ اشعث نے قنبر کی ناک پر مکہ مارا اور قنبر کے ناک سے خون جاری ہوا۔ اتنے میں حضرت علی علیہ السلام باہر تشریف لے آئے اور کہنے لگے: ''میرا اشعث سے کیا واسطہ ہے، اگر ثقیف کا لڑکا جوان ہوتا اور تو ایسا کرتا تو وہ تیرے بال اکھیڑ کے رکھ دیتا''۔ امیر المؤمنینؑ سے پوچھا گیا: ''یہ ثقفی لڑکا کون ہوگا؟''۔ آپؑ نے فرمایا: ''وہ بنی ثقیف کا فرد ہوگا اور عرب کے ہر گھر میں ذلت و رسوائی داخل کرے گا''۔ پھر آپؑ سے پوچھا گیا: ''وہ کتنے برس حکومت کرے گا؟'' تو حضرتؑ نے فرمایا: ''وہ بیس برس تک حکومت کرے گا''۔ ابوالفرج کے مطابق ایک مرتبہ اشعث، حضرت علی علیہ السلام کے پاس گیا اور حضرتؑ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو اشعث نے کہا: ''میں یہ کام تجھ سے پہلے کرلوں گا''۔ اشعث کے یہ الفاظ سن کر حضرتؑ نے فرمایا: ''کیا تو مجھے موت سے خوف زدہ کرنا چاہتا ہے اور مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے؟ خدا کی قسم! میں موت سے نہیں ڈرتا خواہ وہ مجھ پر آپڑے یا میں موت پر جا پڑوں''۔

مؤلف کا کہنا ہے کہ جس ثقفی جوان کا حضرتؑ نے تذکرہ فرمایا، اس سے حجاج بن یوسف ثقفی مراد ہے۔

علامہ مجلسیؒ بحار میں لکھتے ہیں کہ ابومخنف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ ضربتِ علیؑ، اشعث ملعون ابن ملجم کی مدد کے لئے موجود تھا۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ''اشعث بن قیس امیر المؤمنینؑ کے خون میں شریک ہوا، اس کی بیٹی جعدہ بنت اشعث نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دی اور اس کا بیٹا محمد بن اشعث امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک ہوا''۔

اس کے بعد حضرتؑ نے اشعث کو اس کی خاندانی دنائت و رذالت کا طعنہ دیتے ہوئے فرمایا (**حَائِکُ ابْنُ حَائِکٍ**) تو جولاہے کا بیٹا جولاہا ہے۔

جولاہے

شارحین نے امیر المؤمنینؑ کے اشعث کو حائک (جولاہا) کہنے کی یہ وجوہات تحریر کی ہیں:

۱۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ یہ اور اس کا باپ اپنے اکثر اہل وطن کی طرح کپڑا بننے کا کاروبار کرتے تھے اس لئے اس پیشے کی پستی و دنائت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسے جولاہا کہا ہے۔ یوں تو یمنیوں کے پیشے اور بھی کئی تھے مگر زیادہ تر کاروبار ان کے ہاں یہی ہوتا تھا۔ چنانچہ خالد بن صفوان ان کے پیشوں کا تعارف کراتے ہوئے پہلے اس پیشے کا ذکر کیا ہے: ''مَا عَسیٰ اَنْ اَقُوْلَ لِقَوْمٍ لَیْسَ فِیْهِمْ

اِلَّا حَـائِكُ بَـزٍ اَوْ دَابِغُ جِلْدٍ اَوْ سَائِسُ قِرَدٍ اَوْ رَاكِبُ عَرْدٍ دَلَّ عَلَيْهِمْ هُدْهُدٌ وَ اَغْرَقَتْهُمْ فَارَةٌ وَ مَلَّكَتْهُمْ اِمْرَاَةٌ ''۔ میں اس قوم کے متعلق کیا کہوں جن میں صرف کپڑا بننے والے جولاہے، چمڑا رنگنے والے موچی، بندر نچانے والے فقیر اور گدھے پر سوار ہونے والے ہی ہوتے ہیں۔ ہدہد نے ان کا ٹھکانہ بتایا، چوہیا نے انہیں غرق کر دیا اور عورت نے ان پر حکومت کی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ کا اس لفظ سے مقصود اللہ اور رسولؐ پر افترا پردازیوں کا جال بننے والا شخص ہے۔ چنانچہ ''وسائل الشیعہ'' میں ہے ''ذُكِرَالْحَائِكُ عِنْدَ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ مَلْعُوْنٌ فَقَالَ: اِنَّمَا ذٰلِكَ الَّذِیْ يَحُوْكُ الْكِذْبَ عَلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ''۔ امام جعفر صادقؑ کے سامنے حائک کے ملعون ہونے کا ذکر ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ اور رسولؐ پر جھوٹ کے تانے بانے بنتا ہے''۔ حضرت علیؑ نے لفظ حائک کے بعد لفظ منافق ارشاد فرمایا ہے اور دونوں کے درمیان واو عطف کا بھی فاصلہ نہیں رکھا تا کہ دونوں کے قریب المعنی ہونے پر روشنی پڑے پھر اس نفاق اور حق پوشی کی بنا پر اسے اللہ اور لعنت کرنے والوں کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے اور یہی نمایاں وجہ بھی ہے کہ اس کی حماقت اور دنائت کو ظاہر کرنے کے لئے اسے جولاہا کہا ہے۔ کیونکہ ہر پست فطرت انسان کو مثل کے طور پر جولاہا کہہ دیا جاتا ہے۔ ان کی فہم و فراست کا کرشمہ یہ ہے کہ ان کی حماقتیں ضرب المثل بن چکی تھیں۔ جبکہ خصوصی امتیاز کے بغیر کوئی چیز ضرب المثل کی حیثیت حاصل نہیں کیا کرتی اور اس جملے کے ساتھ امیر المؤمنینؑ نے بھی اس کی توثیق فرما دی جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ایک جولاہے کا زیادہ تر پالا بچوں اور عورتوں سے پڑتا ہے اور صحبت کی تاثیر سے انکار ممکن نہیں ہے اور اسی صحبت کی تاثیر معلمین اطفال میں بھی نمایاں ہوتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''لَا تَسْتَشِيْرُوْا الْمُعَلِّمِيْنَ وَ لَا الْحُوْكَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَلَبَهُمْ عُقُوْلَهُمْ ''۔ معلّمینِ اطفال اور جولاہوں سے مشورہ مت طلب کرو، کیونکہ اللہ نے ان سے عقل سلب کر لی ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: ''عَقْلُ اَرْبَعِيْنَ مُعَلِّمًا عَقْلُ حَائِكٍ وَ عَقْلُ اَرْبَعِيْنَ حَائِكًا عَقْلُ اِمْرَاَةٍ وَ الْمَرْاَةُ لَا عَقْلَ لَهَا ''۔ چالیس استادوں کی عقل جمع ہو تو ایک جولاہے کی عقل بنتی ہے، چالیس جولاہوں کی عقل ایک عورت کی عقل کے برابر ہے اور عورت میں ویسے ہی عقل نہیں ہوتی۔ اور تمام پیشوں میں سے جولاہوں کا پیشہ حقیر تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جولاہے کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں ''اِنَّ وَلَدَ الْحَائِكِ لَا يَنْجِبُ اِلٰى سَبْعَةِ بُطُوْنٍ ''سات پشتوں تک جولاہے کی اولاد نجیب نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح کے الفاظ ولد الزنا کے متعلق بھی مروی ہیں۔

جولاہوں کا حضرت مریمؑ سے سلوک

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات میں آیا ہے۔ ایک مقام پر وقت ولادت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں یہ الفاظ وارد ہیں ﴿وَ هُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ اور خرمے کی شاخ کو اپنی طرف ہلائیں گی تو اس سے تازہ تازہ خرمے گر پڑیں گے (مریم/۲۵)۔ اس آیت کے ضمن میں تفسیر قمی میں مرقوم ہے: ''وہ منڈی اور خرید و

فروخت کا دن تھا۔ حضرت مریمؑ ،حکم خداوندی کے تحت درخت خرما کی تلاش میں روانہ ہوئیں تو پہلے پہل ان کی ملاقات جولا ہوں کے ایک گروہ سے ہوئی۔ اس دور میں ان کے پیشہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور جولا ہے اپنے کپڑوں کے تھان لئے سفید خچروں پر سوار ہو کر منڈی کی طرف آرہے تھے۔ حضرت مریمؑ نے ان سے پوچھا کہ خرما کا خشک درخت کہاں ہے؟ تو وہ لوگ بی بی کی بات کا مذاق اڑانے اور بی بی کو ڈانٹنے لگے۔ حضرت مریمؑ نے فرمایا: ''اللہ تمہارے پیشے کو بے وقعت بنائے اور تمہیں لوگوں میں ذلیل کرے''۔ پھر حضرت مریمؑ وہاں سے چل پڑیں تو تاجروں کا ایک گروہ منڈی کی طرف آرہا تھا۔ بی بی نے ان سے خشک درخت خرما کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بی بی کی رہنمائی کی تو بی بی نے فرمایا: ''اللہ تمہارے کاروبار میں برکت ڈالے اور لوگوں کو تمہارا محتاج بنائے''۔

اللہ والوں سے جولا ہوں کا سلوک

محدث جزائریؒ نے ''زہر الربیع'' میں شیخ بہائیؒ کے حوالے سے لکھا ہے ایک روز کا ذکر ہے کہ امیر المؤمنینؑ اور ابن عباسؓ مسجد کوفہ میں بیٹھے علم کی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ آنے والا شخص سر سے گنجا اور انتہائی بدصورت تھا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اس نے سلام نہ کیا، پھر کچھ دیر وہاں بیٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور سلام کئے بغیر چل پڑا۔ امیر المؤمنینؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: ''اس شخص کے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو کہ یہ کیوں آیا، اس کا گھر کہاں ہے اور اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' ابن عباسؓ اس کے پیچھے گئے اور روک کر اس سے اس کے حسب ونسب کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ''میں خراسان کا باشندہ ہوں، میرا باپ قیروان کا باشندہ ہے اور میری ماں اصفہان کی رہنے والی ہے۔ اور میں علم کی تلاش میں بصرہ جارہا ہوں''۔ یہ سن کر ابن عباسؓ ہنس دیئے اور مسکرا کر کہا: ''بندۂ خدا! علیؑ کو مسجد میں چھوڑ کر تو علم کی تلاش میں بصرہ جارہا ہے؟! جبکہ نبی اکرمؐ کا فرمان ہے ''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَا بُھَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاتِ الْمَدِیْنَۃَ مِنْ بَابِھَا ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ پس جسے علم کی ضرورت ہو تو اسے دروازے سے شہر میں داخل ہونا چاہئے''۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں ابھی اس سے باتیں کر رہا تھا کہ میرے آقا و مولا بھی تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو کہ یہ کون سا کام کرتا ہے''۔ ابن عباسؓ نے اس سے اس کا پیشہ پوچھا تو اس نے: ''کہا میں جولاہا ہوں''۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میرے حبیب رسولؐ خدا نے سچ فرمایا، آپؐ نے مجھے فرمایا تھا ''اِیَّاکَ وَ الْحَائِکَ فَاِنَّ اللّٰہَ نَزَعَ الْبَرَکَۃَ مِنْ اَرْزَاقِھِمْ فِی الدُّنْیَا وَ ھُمُ الْاَرْذَلُوْنَ، علیؑ! جولاہے کی ہم نشینی سے پرہیز کرنا کیونکہ اللہ نے دنیا میں ان کے رزق سے برکت اٹھالی ہے اور وہ رذیل ترین ہوتے ہیں''۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا: ''ابن عباسؓ! تمہیں کچھ پتہ ہے آدمؑ سے لے کر آج تک جولاہوں نے انبیاء واوصیاء سے کیا سلوک کیا؟''۔ ابن عباسؓ نے کہا: ''خدا، رسولؐ اور رسولؐ خدا کا عم زاد بہتر جانتے ہیں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''جو شخص جولاہوں کے متعلق باتیں سننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اہل دیلم سے معاشرت رکھے۔ آگاہ رہو جو شخص کسی جولاہے کے ساتھ چلے گا اس کا رزق تنگ ہوگا اور جسے صبح سویرے جولاہا مل جائے وہ ظلم کا نشانہ بنے گا''۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''امیر المؤمنینؑ! ایسا کیوں ہے؟'' امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ سب اس لئے ہے کہ جولاہوں نے نوحؑ کا ذخیرہ، شعیبؑ کی دیگچی، شیثؑ کے جوتے، آدمؑ کا جبہ، حوا کی قمیض، داؤدؑ کی زرہ، ہودؑ کا کرتہ،

صالحؑ کی ردا، ابراہیمؑ کا شملہ، اسحاقؑ کا پیراہن، یعقوبؑ کی ہانڈی، یوشعؑ کا کمر بند، زلیخا کی شلوار، ایوبؑ کا تہمد، داؤدؑ کا لوہا، سلیمانؑ کی انگوٹھی، اسماعیلؑ کا عمامہ، سارہ کا سوت، ہاجرہ کا چرخہ، اور ناقۂ صالحؑ کا بچہ چوری کیا۔ لوطؑ کے گھر کا چراغ بجھایا اور شعیبؑ کے آٹے میں ریت ملائی تھی۔ انہوں نے ہی عزیرؑ کا گدھا چوری کر کے چھت سے لٹکا دیا تھا اور ان کے سامنے انہوں نے حلف اٹھایا تھا کہ ان کا گدھا نہ تو زمین پر ہے اور نہ آسمان پر۔ انہوں نے خضرؑ کا جھاڑو، زکریاؑ کا مصلّٰی، یحییٰؑ کی ٹوپی، یونسؑ کی پیٹی، اسماعیلؑ کی بکری، ذوالقرنینؑ کی تلوار، احمدؐ کا کمر بند، موسیٰؑ کا عصا، ہارونؑ کی چادر، لقمانؑ کا پیالہ اور مسیحؑ کا ڈول چوری کیا تھا۔ بی بی مریمؑ نے ان سے رستہ پوچھا تو انہوں نے غلط رستہ بتایا تھا۔ جولاہوں نے تو نبیؐ کی رکاب، ناقۂ رسولؐ کا پالان، میرے گھوڑے کی لگام، فاطمہ زہرا علیہا السلام کی اوڑھنی، ابوطالبؑ کی شلواریں، عباسؓ کا قمیص، خدیجہؑ اور فاطمہؑ کے بُندے، حسنؑ کا جوتا، حسینؑ کا رومال، ابراہیمؑ کا بندھنا، حمزہؓ کی چٹائی، ذوالنونؑ کا مصحف اور ادریس کا مقراض بھی چوری کیا تھا۔ ان لوگوں نے کعبہ میں تھوکا، زمزم میں پیشاب کیا اور مسلمانوں کے راستے پر کانٹے اور غلاظت ڈالی۔ یہ بلا کا ایک حصہ، فتنہ کے ہتھیار، غیبت کی جال بُننے والے اور خوارج کے مددگار ہیں۔ اللہ نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان سے برکت اٹھالی ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں انہی لوگوں کا تذکرہ کیا ہے ﴿وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ﴾ اور اس شہر میں نو افراد تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے (نمل/۲۸)۔ اور مذکورہ مفسد افراد جولا ہے اور حجام تھے۔ ان سے نشست و برخاست نہ رکھو اور انہیں اپنے ساتھ کسی چیز میں شریک نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے منع کیا ہے''۔

حضرت علیؑ کی طرف جولاہوں کی مذمت میں یہ شعر منسوب ہیں، اگرچہ یہ شعر دیوان علیؑ میں بھی نہیں ہیں اور مجھے بھی ان کا ماخذ معلوم نہیں ہے:

سَرَقُوْا قَدْرَ شُعَيْبٍ وَ حَرِيْصٍ اَكَلُوْهَا قَتَلُوْا نَاقَةَ صَالِحٍ ثُمَّ جَاؤُوْا قَسَمُوْهَا

وَمَنَادِيْلَ رَسُوْلٍ سَرَقُوْهَا حَرَقُوْهَا وَ بِسَبْعِيْنَ نَبِيٍّ كُلُّهُمْ قَدْ لَعَنُوْهَا

جولاہوں نے شعیب کی ہانڈی چوری کر کے اس میں حلوہ کھایا تھا، ناقۂ صالحؑ کو قتل کر کے قسمیں کھانے کے لئے ان کے پاس پہنچ گئے، رسولؐ خدا کے رومال چوری کر کے انہوں نے جلائے تھے اور ستر انبیاء نے ان پر لعنت کی تھی۔ جولاہا قوم کی رذالت و ذلت کے پیش نظر حضرتؑ نے اشعث کو حائک بن حائک (جولاہے کا بیٹا جولاہا) کے لفظ سے یاد کیا تھا۔ (**مُنَافِقُ ابْنُ كَافِرٍ**) تو کافر کی گود میں پرورش پانے والا منافق ہے۔ حضرتؑ نے حائک بن حائک کے بعد واو عطف کا بھی فاصلہ نہیں رکھا تا کہ دونوں کے قریب المعنی ہونے پر دلالت کرے۔

دور جاہلیت اور اسلام کا قیدی

(**وَاللّٰهِ لَقَدْ اسْتَرَكَ الْكُفْرُ مَرَّةً وَ الْاِسْلَامُ اُخْرٰى**) خدا کی قسم تو ایک مرتبہ کافروں کے ہاتھ میں اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا۔ یعنی کفر میں بھی اسیری کی ذلت سے نہ بچ سکا اور اسلام لانے کے بعد بھی ان رسوائیوں نے تمہارا پیچھا نہ چھوڑا اور تمہیں اسیر بنالیا گیا۔

چنانچہ کفر کی حالت میں اس کی اسیری کی صورت یہ ہوئی کہ اس کے باپ کو قبیلہ بنی مراد نے قتل کر ڈالا تو اس نے بنی کندہ کے جنگ آزماؤں کو جمع کیا اور انہیں تین ٹولیوں میں بانٹ دیا۔ ایک ٹولی کی باگ ڈور خود سنبھالی اور دوسری دو ٹولیوں پر کبیش بن ہانی اور قشعم بن ارقم کو سردار مقرر کیا اور بنی مراد پر حملہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ مگر بدبختی جو آئی تو بنی مراد کی بجائے بنی حارث بن کعب پر حملہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبیش بن ہانی اور قشعم بن ارقم قتل کر دیئے گئے اور اسے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ آخر میں تین ہزار اونٹ فدیہ دے کر جان چھڑائی۔

اس کی دوسری اسیری کا واقعہ یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ اسلام نے دنیا سے رحلت فرمائی تو حضرموت کے علاقہ میں بغاوت پھیل گئی جسے فرو کرنے کے لئے حضرت ابوبکر نے وہاں کے حاکم زیاد بن لبید کو لکھا کہ وہ ان لوگوں سے بیعت لے اور ان سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرے۔ چنانچہ جب زیاد بن لبید قبیلہ بنی عمرو بن معاویہ کے ہاں زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے گیا تو شیطان ابن حجر کی ایک خوبصورت اور مضبوط ڈیل ڈول والی اونٹنی اسے پسند آ گئی۔ اس نے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ شیطان اسے دینے پر اضامند نہ ہوا اور کہا اسے رہنے دیجئے اور اس کے بدلے میں کوئی اور اونٹنی لے لیجئے، مگر زیاد نہ مانا۔ شیطان نے اپنے بھائی عداء بن حجر کو اپنی حمایت کے لئے بلایا۔ اس نے بھی آ کر کہا سنا مگر زیاد اپنی ضد پر اڑا رہا اور کسی صورت میں اونٹنی سے دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر ان دونوں بھائیوں نے مسروق بن معدیکرب سے فریاد کی۔ چنانچہ مسروق نے بھی اپنا زور لگایا کہ کسی طرح زیاد اس اونٹنی کو چھوڑ دے مگر اس نے صاف صاف انکار کر دیا جس پر مسروق کو جوش آیا اور اس نے اونٹنی کھول کر شیطان کے حوالے کر دی۔ زیاد اس پر بھڑک اٹھا اور اپنے آدمیوں کو جمع کر کے مرنے مارنے پر تُل گیا۔ ادھر بنی لبید بھی مقابلہ کے لئے اکٹھے ہو گئے مگر زیاد کو شکست نہ دے سکے بلکہ بری طرح اس کے ہاتھوں پٹے، عورتیں چھن گئیں اور مال ومتاع بھی لٹ گیا۔ آخر جو بچے کھچے رہ گئے تو وہ اشعث کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اشعث نے اس شرط پر کمک کا وعدہ کیا کہ اسے اس علاقہ کا حکمران تسلیم کر لیا جائے۔ ان لوگوں نے اس شرط کو تسلیم کر لیا اور باقاعدہ اس کی رسم تاجپوشی بھی ادا کر دی گئی۔ جب اپنا اقتدار منوا چکا تو ایک فوج ترتیب دے کر زیاد سے لڑنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ ادھر حضرت ابوبکر نے مہاجر بن امیہ والی یمن کو خط لکھا کہ وہ ایک دستہ لے کر زیاد کی مدد کے لئے پہنچ جائے۔ چنانچہ مہاجر فوجی دستہ لئے آ رہا تھا کہ اس سے سامنا ہو گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تلواریں سونت لیں اور مقام زرقان میں معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اشعث میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ قلعہ بخیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ ادھر دشمن بھی ایسے نہ تھے جو پیچھا چھوڑ دیتے۔ انہوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔ اشعث نے سوچا کہ وہ اس بے سروسامانی کے عالَم میں کب تک قلعہ میں محصور رہ سکتا ہے، رہائی کی کوئی ترکیب کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ چپکے سے ایک رات قلعہ سے باہر نکل کر زیاد اور مہاجر سے جا کر ملا اور ان سے یہ سازباز کی کہ اگر اسے اور اس کے گھر کے نو آدمیوں کو امان دی جائے تو وہ قلعہ کا دروازہ کھلوا دے گا۔ انہوں نے اس شرط کو مان لیا اور ان سے کہا ان کے نام لکھ کر ہمیں دے دو۔ اس نے نو نام لکھ کر ان کے حوالے کر دیئے اور اپنی خاندانی اور روایتی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا نام اس فہرست میں لکھنا بھول گیا۔ ادھر یہ طے کرنے کے بعد اپنی قوم سے جا کر یہ کہا کہ میں تمہارے لئے امان حاصل کر چکا ہوں اب قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ دروازہ کھلا تو زیاد کی فوج ان پر ٹوٹ پڑی۔ ان لوگوں نے کہا ''ہم سے تو امان کا وعدہ کیا گیا تھا''۔ زیاد کی

سپاہ نے کہا ''غلط! اشعث نے صرف اپنے گھر کے دس آدمیوں کے لئے امان چاہی تھی جن کے نام ہمارے پاس محفوظ ہیں''۔ الغرض آٹھ سو افراد تہہ تیغ ہوئے اور کئی عورتوں کے ہاتھ قلم کر دیئے گئے اور حسب معاہدہ نو آدمیوں کو چھوڑ دیا گیا، مگر اشعث کا معاملہ پیچیدہ ہو گیا اور آخر یہ طے پایا کہ اسے حضرت ابوبکر کے پاس بھیج دیا جائے وہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ آخر ایک ہزار قیدی عورتوں کے ساتھ اسے بیڑیوں میں جکڑ کر مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ راستے میں اپنے، بیگانے عورتیں اور مرد سب اس پر لعنت کرتے جاتے تھے اور عورتیں اسے غدار کہہ کر پکار رہی تھیں۔ اور جو اپنی قوم میں تلوار چلوا دے اس سے زیادہ غدار ہو بھی کون سکتا ہے۔ بہرنوع جب یہ مدینہ پہنچا تو حضرت ابوبکر نے اسے رہا کر دیا اور اس موقع پر اپنی بہن ام فروہ سے اس کا عقد کر دیا۔ یہ واضح رہے کہ جناب ابوبکر کی بہن ام فروہ بنت ابی قحافہ پہلے ایک ازدی کے نکاح میں، پھر تیم داری کے عقد میں تھیں اور تیسری دفعہ اسی اشعث سے بیاہی گئیں۔ جن سے تین لڑکے محمد، اسماعیل اور اسحاق پیدا ہوئے۔ جنگ یرموک میں اشعث کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی اور کتب رجال میں درج ہے کہ اس کی بیوی ام فروہ بھی ایک آنکھ سے معذور تھیں۔

اشعث کا جب ام فروہ سے عقد ہو گیا تو وہ جیسے ہی محفل سے نکلا تو مدینے کی گلیوں میں اسے جتنے اونٹ اور بکریاں نظر آئیں اس نے اپنی تلوار سے ذبح کر ڈالیں اور خود ایک انصاری کے گھر میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ ہر طرف سے لوگوں نے چیخنا شروع کر دیا کہ اشعث دوبارہ مرتد ہو گیا ہے۔ جب چاروں طرف سے یہ آوازیں بلند ہوئیں تو اشعث مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور پکار کر کہا: ''لوگو! میں تمہارے شہر میں مسافر ہوں، میں نے یہ تمام جانور اپنے ولیمہ کے لئے ذبح کئے ہیں۔ لہٰذا تم ان جانوروں کا گوشت ولیمہ سمجھ کر کھاؤ اور جن لوگوں کے جانور ذبح ہوئے ہیں وہ کل آ کر مجھے ملیں میں انہیں جانوروں کی قیمت ادا کر دوں گا''۔ چنانچہ دوسرے دن اس نے جانوروں کے مالکوں کو قیمت دے کر راضی کیا۔ چنانچہ یہ ولیمہ اہل مدینہ میں ایک یادگار بن گیا اور لوگ ضرب المثل کے طور پر کہتے تھے ''فُلَانٌ اَوْلَمُ مِنْ اَشْعَثٍ'' فلاں اشعث سے بھی زیادہ ولیمہ دینے والا ہے۔

(**فَمَافَدَاکَ مِنْ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَامَالُکَ وَلَاحَسَبُکَ**) لیکن تیرا مال اور حسب تجھے اسیری کی ذلت سے نہ بچا سکا۔ یہاں فدیہ سے مراد حقیقی فدیہ نہیں ہے، کیونکہ وہ پہلی مرتبہ تین ہزار اونٹ کا فدیہ دے کر آزاد ہوا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ اسے مال کی فراوانی اور کنبہ میں توقیر و سربلندی اس عار سے نہ بچا سکی اور وہ اسیری کی ذلتوں سے اپنا دامن محفوظ نہ رکھ سکا۔ پھر حضرتؑ نے اس کی زندگی کے بدترین واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے عار دلائی اور فرمایا (**وَ اِنَّ امْرَأً دَلَّ عَلٰی قَوْمِهِ السَّیْفُ وَ سَاقَ اِلَیْهِمُ الْحَتْفُ لَحَرِیٌّ اَنْ یَّمْقُتَهُ الْاَقْرَبُ وَ لَا یَاْمَنَهُ الْاَبْعَدُ**) اور جو شخص اپنی ہی قوم میں تلوار چلوا دے اور ان کی طرف موت کو دعوت اور ہلاکت کو بلوا دے، وہ اسی قابل ہے کہ قریبی اس سے نفرت کریں اور دور والے اس پر بھروسہ نہ کریں۔ آپؑ نے ان الفاظ کے ساتھ اشعث لعین کو اس کی غداری پر سرزنش کی کہ اس نے اپنی قوم کو تلوار کے حوالے کرایا اور خود بچ نکلا، ایسا شخص اپنے پرائے کی نظروں میں لائق نفرت ہوتا ہے اور کسی طرح کے بھروسہ کے قابل نہیں ہوتا۔

سید رضی اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں کہ ''ان الفاظ سے حضرت نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو اشعث کو خالد بن ولید کے مقابلہ میں یمامہ میں پیش آیا تھا، جہاں اس نے اپنی قوم کو فریب دیا تھا اور ان سے چال چلی تھی''۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید رضیؒ کو تسامح ہوا ہے

ورنہ تاریخ کے اوراق میں اشعث اور خالد بن ولید کے درمیان معرکہ آرائی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ بحرانیؒ لکھتے ہیں کہ ''سید رضیؒ پر حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے بیان کردہ واقعہ کو درست سمجھا جائے''۔

خطبہ ۲۰

تنبیہ الغافلین

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

آپؑ کے خطبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے

فَاِنَّكُمْ لَوْ عَايَنْتُمْ مَا قَدْ عَايَنَ مَنْ مَاتَ مِنْكُمْ لَجَزِعْتُمْ وَ وَهِلْتُمْ وَ سَمِعْتُمْ وَ اَطَعْتُمْ وَلٰكِنْ مَحْجُوْبٌ عَنْكُمْ مَاقَدْعَايَنُوْا وَ قَرِيْبٌ مَا يُطْرَحُ الْحِجَابُ وَ لَقَدْ بُصِّرْتُمْ اِنْ اَبْصَرْتُمْ وَ اُسْمِعْتُمْ اِنْ سَمِعْتُمْ وَ هُدِيْتُمْ اِنِ اهْتَدَيْتُمْ وَ بِحَقٍّ اَقُوْلُ لَكُمْ لَقَدْ جَاهَرَتْكُمُ الْعِبَرُ وَزُجِرْتُمْ بِمَافِيْهِ مُزْدَجَرٌ وَ مَايُبَلِّغُ عَنِ اللّٰهِ بَعْدَ رُسُلِ السَّمَاءِ اِلَّا الْبَشَرُ

جن چیزوں کو تمہارے مرنے والوں نے دیکھا ہے اگر تم بھی انہیں دیکھ لیتے تو گھبرا جاتے اور سراسیمہ ومضطرب ہوجاتے اور تم اللہ کا پیغام سنتے اور اطاعت کرتے لیکن جو انہوں نے دیکھا ہے وہ ابھی تم سے پوشیدہ ہے اور عنقریب وہ پردہ اٹھا دیا جائے گا البتہ اگر تم چشم بینا اور گوش شنوا رکھتے ہو تو تمہیں سنایا اور دکھایا جاچکا ہے اور اگر ہدایت کے طالب ہو تو تمہیں ہدایت کی جاچکی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ عبرتیں تمہیں بلند آواز سے پکار چکی ہیں اور دھمکانے والی چیزوں سے تمہیں دھمکایا جاچکا ہے۔ آسمانی رسولوں (فرشتوں) کے بعد بشر ہی ہوتے ہیں جو تم تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں (اسی طرح سے میری زبان سے جو ہدایت ہورہی ہے وہ درحقیقت اللہ کا پیغام ہے جو تم تک پہنچ رہا ہے)۔

تشریح لغات (جَزِعَ) بروزن تَعِبَ کسی چیز کے اٹھانے سے عاجز آجانا اور مطلوبہ قوت نہ رکھنا۔ (وَهِلَ) بروزن تَعِبَ مضطرب ہوا (زَجَرْتُهٗ زَجْرًا) بروزن قَتَلَ میں نے اسے روکا، لفظ ''اِزْدَجَرَ'' لازم ومتعدی دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ (اَلْمُزْدَجَرُ) نصیحت، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ﴾ ان کے پاس ایسی خبریں آئی ہیں جن میں روکنے کی صلاحیت ہے، یعنی وہ کفر اور انبیاء کی تکذیب سے بچانے کے لئے رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

اعراب

(قَرِيْبٌ) مرفوع بر بنائے خبر ہے۔ (مَا) مصدریہ مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور اس کے بعد کا جملہ تاویل مصدر میں ہے۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ نے یہ خطبہ لذات دنیا میں ڈوبے ہوئے افراد کو بیدار کرنے کی غرض سے ارشاد فرمایا اور اس خطبہ سے آپؑ نے غافل افراد کو یہ بتایا کہ موت برحق ہے اور موت اور موت کے بعد کے ہولناک احوال کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ تو گویا آپؑ نے لوگوں کو

خطاب کر کے فرمایا: ''اے جہالت وعصیان میں ڈوبے ہوئے لوگو! رحمان کی اطاعت سے انحراف کرنے والے بدنصیبو! کب تک دنیا کی طرف تمہارا رجحان رہے گا؟ اور کب تک شہوات دنیا میں منہمک رہو گے؟ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ اب تم پہ بڑھاپا چھا چکا ہے اور یہ بڑھاپا خدا کی طرف سے تمہارے لئے نذیر بن کر آیا ہے اور تم ابھی تک اپنے فرائض سے غافل ہو اور یوم حساب کو بھولے ہوئے ہو!''۔ (**فَاِنَّكُمْ لَوْ عَايَنْتُمْ مَا قَدْ عَايَنَ مَنْ مَاتَ مِنْكُمْ**) جن چیزوں کو تمہارے مرنے والوں نے دیکھا ہے اگر تم بھی انہیں دیکھ لیتے۔ آج تمہاری آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود بند ہیں ابھی تک تم نے موت کی ہچکیوں اور سکرات کی تلخیوں کا ذائقہ نہیں چکھا۔ اور ابھی تک تم نے قبر کی وحشت وتاریکی کا مشاہدہ نہیں کیا، عقوبات برزخ کو تم نے نہیں دیکھا۔ اگر تم یہ تمام چیزیں اپنے مرنے والوں کی طرح سے دیکھ لیتے تو (**لَجَزِعْتُمْ وَ وَهِلْتُمْ وَ سَمِعْتُمْ وَ اَطَعْتُمْ**) تم یقیناً گھبرا جاتے اور سراسیمہ ومضطرب ہو جاتے اور تم اللہ کا پیغام سنتے اور اطاعت کرتے۔ تم اگر یہ تمام مناظر دیکھ لیتے تو تم ان مناظر کی ہولناکیوں کی وجہ سے گھبرا اٹھتے اور تم پیغمبروں کی باتوں کو گوش ہوش سے سنتے اور ان کی مکمل اطاعت کرتے۔ مناظر آخرت کو ہمیشہ مدنظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَوْ تَرٰىٓ اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ اور کاش آپؐ دیکھتے جب مجرمین پروردگار کی بارگاہ میں سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ (اور کہیں گے) پروردگار! ہم نے سب دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں واپس کر دے کہ ہم نیک عمل کریں۔ بے شک ہم یقین کرنے والوں میں سے ہیں (سجدہ/۱۲)۔ (**وَ لٰكِنْ مَحْجُوْبٌ عَنْكُمْ مَا قَدْ عَايَنُوْا**) لیکن جو انہوں نے دیکھا ہے وہ ابھی تم سے پوشیدہ ہے اس لئے تم لذات دنیا پر مرمٹے ہو اور شہواتِ دنیا کی گرفت میں پھنسے ہوئے ہو لیکن سن لو تمہارا یہ عذر قابل قبول نہیں ہے۔ (**وَ قَرِيْبٌ مَا يُطْرَحُ الْحِجَابُ**) اور عنقریب وہ پردہ اٹھا لیا جائے گا۔ جیسے ہی موت وارد ہوتی ہے آنکھ پر پڑے ہوئے حجاب ہٹا دیئے جاتے ہیں اور ہر مرنے والا فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عذاب وثواب کو دیکھتا ہے۔ اور اس لئے اس وقت کا ایمان قابل قبول نہیں ہے آج دنیا میں رہتے ہوئے جو کچھ کرنا ہے کر لو، کل تنگ وتاریک قبر میں اس کا حساب دینا ہوگا۔ (**وَ لَقَدْ بُصِّرْتُمْ اِنْ اَبْصَرْتُمْ وَ اُسْمِعْتُمْ اِنْ سَمِعْتُمْ وَ هُدِيْتُمْ اِنِ اهْتَدَيْتُمْ**) اگر تم چشم بینا اور گوش شنوا رکھتے ہو تو تمہیں سنایا اور دکھایا جا چکا ہے اور ہدایت کی طلب ہے تو تمہیں ہدایت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا آنکھیں رکھتے ہوئے نابینا اور کانوں کے ہوتے ہوئے بہرے مت بنو۔ آنکھوں سے صرف مادی اشیاء کو ہی نہیں بلکہ ان سے حق وباطل کو دیکھو، کان صرف مادی آواز کے لئے ہی نہیں بلکہ ان سے ہادیان دین کی آواز سنو۔ اور یاد رکھو! اللہ نے تمہیں عقل وقلب دے کر تم پر حجت تمام کر دی ہے اور ان کے ذریعہ تمہیں راہ راست دکھائی جا چکی ہے۔ اب تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ راہ راست دیکھنے کے بعد شکر کرو یا کفر کرو (**وَبِحَقٍّ اَقُوْلُ لَكُمْ لَقَدْ جَاهَرَتْكُمُ الْعِبَرُ**) میں سچ کہتا ہوں کہ عبرتیں تمہیں (زبان حال سے) بلند آواز سے پکار چکی ہیں۔ تمہارے لئے قدم قدم پر عبرت کا سامان موجود ہے، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو سابقہ امتیں کہاں ہیں؟ اور ان پر کون کون سے عذاب نازل ہوئے؟ اور نگاہ عبرت سے کبھی قبرستان جا کر دیکھو کہ کتنے حسین وشاداب چہرے پیوند زمین ہو چکے ہیں؟ اور محلات کے مالکوں کے نشان قبر تک مٹ چکے ہیں اور ان کے بھرپور جسم کس طرح سے کیڑوں کی غذا بن چکے ہیں۔ اور سلاطین زمن کے کی قبروں پر ویرانی کا راج ہے۔ اگر تم آنکھیں کھول کر یہ سب کچھ دیکھ سکتے ہو تو یقیناً تمہیں عبرت حاصل ہوگی۔ (**وَزُجِرْتُمْ بِمَافِيْهِ مُزْدَجَرٌ**) اور دھمکانے والی چیزوں سے

تمہیں دھمکایا جا چکا ہے۔ رب العالمین کی طرف سے تمہارے پاس نہی آ چکی ہے اور عذاب شدید بیان کیا جا چکا ہے، اس کے بعد کسی کے پاس کوئی حیلہ و بہانہ باقی نہیں ہے۔ (**وَ مَا یُبَلِّغُ عَنِ اللّٰہِ بَعْدَ رُسُلِ السَّمَاءِ اِلَّا الْبَشَرُ**) آسمانی رسولوں (فرشتوں) کے بعد بشر ہی ہوتے ہیں جو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تم پیغام الٰہی سن کر بھی برائیوں سے باز نہیں آئے۔ اس میں تبلیغ کی کوتاہی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ سب تمہارے نفس امارہ کا قصور ہے کہ اللہ کا پیغام سننے کے بعد بھی تم راہ راست پر نہیں آئے۔

امام زین العابدینؑ کا ندبہ

مولائے متقیان کے اس خطبہ کی مزید تائید کے لئے ہم امام زین العابدین علیہ السلام کا ندبہ نقل کرنا چاہتے ہیں تا کہ خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے افراد بیدار ہو جائیں اور یاد آخرت سے غافل افراد راہ راست پر آ جائیں۔ اس ندبہ کے لئے شاکر بن غنیمہ بن ابی الفضل نے عبدالجبار ہاشمی سے روایت کی کہ میں نے یہ ندبہ شیخ ابی بشر بن ابی طالب کندی سے سنا، وہ اس کی روایت ابی عیینہ زہری سے کرتے تھے۔ اور زہری کا بیان ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام مناجات کرتے ہوئے اس طرح فرماتے:

۱۔ قُلْ لِّمَنْ قَلَّ عَزَاؤُہٗ وَ طَالَ بُکَاؤُہٗ وَ دَامَ عَنَاؤُہٗ وَ بَانَ صَبْرُہٗ وَ تَقَسَّمَ فِکْرُہٗ وَ الْتَبَسَ عَلَیْہِ اَمْرُہٗ مِنْ فَقْدِ الْاَوْلَادِ وَ مُفَارِقَةِ الْآبَاءِ وَ الْاَجْدَادِ وَ الْاِمْتِعَاضُ بِشَمَاتَةِ الْحَسَادِ ﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾

تَعَزَّ فَکُلٌّ لِلْمَنِیَّةِ ذَائِقٌ وَ کُلُّ ابْنِ اُنْثٰی لِلْحَیَاةِ مُفَارِقُ

فَعُمْرُ الْفَتٰی لِلْحَادِثَاتِ ذَرِیْئَةٌ تَنَاھِیْہِ سَاعَاتُھَا وَ الدَّقَائِقُ

کَذَا تَتَفَانٰی وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ وَ تَطْرُقُنَا بِالْحَادِثَاتِ الطَّوَارِقُ

جو شخص اولاد کی موت، ماں باپ اور بزرگوں کی جدائی اور حسد کرنے والوں کی شماتت کے سبب تکلیف کے گھونٹ پی رہا ہے، جس کا صبر کم ہو گیا، گریہ و بکا طویل ہو گئی، تکلیف بڑھ گئی، صبر جواب دے گیا، سوچ تقسیم ہو کر رہ گئی اور جس پر اس کی معاملہ تاریک ہو کر رہ گیا ہے اس سے کہہ دو: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، ستون والے ارم والے۔ صبر کر ہر کسی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور حوا کا ہر بیٹا زندگی کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ جوان کی زندگی حادثات کا کھلونا ہے، گھنٹے اور منٹ اس کی زندگی کو لوٹ رہے ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہم سب فنا ہو جائیں گے اور حادثات ہم پر نازل ہوتے رہیں گے۔

۲۔ فَحَسِّنِ الْاَعْمَالَ وَ جَمِّلِ الْاَفْعَالَ وَ قَصِّرِ الْآمَالَ الطِّوَالَ، فَمَا عَنْ سَبِیْلِ الْمَنِیَّةِ مَذْھَبٌ وَ لَا عَنْ سَیْفِ الْحِمَامِ مَھْرَبٌ وَ لَا اِلٰی قَصْدِ النَّجَاةِ مَطْلَبٌ فَیَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ الْمُتَسَخِّطُ عَلَی الزَّمَانِ وَ الدَّھْرِ الْخَوَانِ مَا لَکَ وَ الْخُلُوْدُ اِلٰی دَارِ الْاَحْزَانِ وَ السُّکُوْنُ اِلٰی دَارِ الْھَوَانِ وَ قَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِالْبَیَانِ الْوَاضِحِ فِیْ سُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ﴾

لہٰذا تو نیک اعمال کر، اچھے افعال بجالا اور اپنی لمبی چوڑی امیدوں کو کم کر دے۔ موت سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں، موت کی تلوار

سے بچنے کے لئے کوئی جائے فرار نہیں اور موت سے نجات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اے زمانے پر ناراض اور خائن دور پر غصہ ہونے والے انسان! تو نے غموں سے معمور اس گھر میں رہ کر اور پست دنیا میں سکونت اختیار کر کے کیا کرنا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ جو بھی روئے زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والا ہے۔ صرف تمہارے رب کی صاحب جلال و اکرام ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

وَ فِيْمَ وَ حَتّٰى الشِّكَايَةُ وَ الرَّدِيُّ جُمُوْحٌ لِلْاٰجَالِ الْبَرِيَّةِ لَاحِقٌ
فَكُلُّ ابْنِ اُنْثٰى هَالِكٌ وَ ابْنُ هَالِكٍ لِمَنْ ضَمَّنَتْهَا غَرْبُهَا وَ الْمَشَارِقُ
فَلَا بُدَّ مِنْ اِدْرَاكِ مَاهُوَ كَائِنٌ وَ لَا بُدَّ مِنْ اِتْيَانِ مَا هُوَ سَابِقٌ

آدمی شکایت کرے بھی تو کیسے کرے اور کس چیز کی کرے؟ جبکہ موت لوگوں کی زندگانی کو ختم کرنے والی ہے۔ حوا کا ہر بیٹا ہلاک ہونے والا ہے اور ہلاک ہونے والے کی اولاد ہے۔ جو بھی زمین کے مشرق و مغرب کے حدود میں محدود ہے وہ ہلاک ہو کر رہے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا اور جو چیز (موت) حتمی ہو چکی ہے وہ تو آ کر رہے گی۔

۳۔ فَالشَّبَابُ لِلْهَرَمِ وَ الصِّحَّةُ لِلسُّقْمِ وَ الْوُجُوْدُ لِلْعَدَمِ وَ كُلُّ حَيٍّ لَا شَكَ مُخْتَرَمٌ بِذٰلِكَ جُرِيَ الْقَلَمُ عَلٰى صَفْحَةِ اللَّوْحِ فِي الْقِدَمِ فَمَا هٰذَا التَّاَسُّفُ وَ الْقَدَمَ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمُ الْاُمَمُ

اَتَرْجُوْ نَجَاةً مِنْ حَيَاةٍ سَقِيْمَةٍ وَ سَهْمُ الْمَنَايَا لِلْخَلِيْقَةِ رَاشِقٌ
سُرُوْرُكَ مَوْصُوْلٌ بِفُقْدَانِ لَذَّةٍ وَ مِنْ دُوْنِ مَا تَهْوَاهُ تَاتِي الْفَوَائِقُ
وَ حُبُّكَ لِلدُّنْيَا غُرُوْرٌ وَ بَاطِلٌ وَ فِيْ ضِمْنِهَا لِلرَّاغِبِيْنَ الْبَوَائِقُ

روز ازل سے صفحہ لوح پر قلم پھیر دیا گیا ہے کہ جوانی بڑھاپے کی امانت، صحت بیماری کی امانت اور وجود عدم کی امانت ہے۔ ہر زندہ فرد نے بلاشبہ مرنا ہے تو یہ واویلا اور پشیمانی کیسی ہے؟ تم سے پہلے بھی تو امتیں گزر چکی ہیں۔ کیا تو بیمار زندگی کے ذریعہ نجات چاہتا ہے؟ حالانکہ موت کے تیر تمام مخلوقات پر برس رہے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ تیری ہر خوشی ایک لذت کے فقدان سے متصل ہے اور تیری خواہش کی تکمیل کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی ہیں۔ تیرا دنیا سے محبت کرنا دھوکا اور باطل ہے اور دنیا کے طلب گاروں کے لئے تو ہلاکتیں ہیں۔

۴۔ اَفِي الْحَيَاةِ طَمَعٌ اَمْ اِلَى الْخُلُوْدِ نَزَعٌ اَمْ لِمَافَاتَ مُرْتَجِعٌ وَرَحَى الْمُنُوْنَ دَائِرَةٌ وَ فَرَاسُهَا غَائِرَةٌ وَ سَطَوَاتُهَا قَاهِرَةٌ فَقَرِّبِ الزَّادَ لِيَوْمِ الْمَعَادِ وَ لَا تَتَوَطَّ عَلٰى غَيْرِ مِهَادٍ وَ تَعَمَّدِ الصَّوَابَ وَ حَقِّقِ الْجَوَابَ فَلِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُوْ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابُ

فَسَوْفَ تُلَاقِيْ حَاكِمًا لَيْسَ عِنْدَهٗ سِوَى الْعَدْلِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ الْمُنَافِقُ
يَمِيْزُ اَفْعَالَ الْعِبَادِ بِلُطْفِهٖ وَ يَظْهَرُ مِنْهُ عِنْدَ ذَاكَ الْحَقَائِقُ
فَمَنْ حَسُنَتْ اَفْعَالُهٗ فَهُوَ فَائِزٌ وَ مَنْ قَبُحَتْ اَفْعَالُهٗ فَهُوَ زَاهِقٌ

تو کیا تجھے حیات فانی کی طمع ہے یا ہمیشہ رہنے کی تمنا ہے؟ یا جو کچھ گزر گیا اس کے واپس آنے کی توقع ہے؟ جبکہ موت کی چکی پوری رفتار سے گردش کر رہی ہے۔ موت کے شہسوار دور دور تک حملے کر رہے ہیں اور اس کے حملے مغلوب کر دینے والے ہیں۔ پس یوم آخرت کا زادراہ قریب کر لے اور سخت مقام کو اپنے پاؤں سے مت رگڑ، صحیح راستے کی جستجو کر اور جواب مکمل کر لے۔ ہر مدت اور میعاد کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے یا برقرار رکھتا ہے کیونکہ اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔ تیری ملاقات عنقریب ایک ایسے حاکم سے ہونے والی ہے جہاں عدل کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور منافق اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ اپنے لطف و کرم سے بندوں کے افعال جدا جدا کرے گا اور اس وقت تمام حقیقتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ جس کے افعال اچھے ہوئے وہ کامیاب ہوگا اور جس کے افعال برے ہوئے وہ ہلاک ہوگا۔

۵۔ اَیْنَ السَّلَفُ الْمَاضُوْنَ وَ الْاَهْلُوْنَ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ الْاَوَّلُوْنَ وَ الْآخِرُوْنَ وَ الْاَنْبِیَاءُ وَ الْمُرْسَلُوْنَ طَحِنَتْهُمْ وَ اللّٰهِ الْمَنُوْنُ وَ تَوَالَتْ عَلَیْهِمُ السَّنُوْنُ وَ فَقَدَتْهُمُ الْعُیُوْنُ وَ اِنَّا اِلَیْهِمْ صَائِرُوْنَ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

اِذَا كَانَ هٰذَا نَهْجُ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا فَاِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ تَتَلَاحَقُ
فَكُنْ عَالِمًا اَنَّكَ سَوْفَ تُدْرِكُ مَنْ مَضٰى وَ لَوْ عَصَمَتْكَ الرَّاسِیَاتُ الشَّوَاهِقُ
فَمَا هٰذِهِ دَارُ الْمَقَامَةِ فَاعْلَمَنْ وَ لَوْ عُمِّرَ الْاِنْسَانِ مَا ذَرَّ شَارِقٌ

کہاں ہیں پچھلے بزرگ؟ اہل خاندان اور قرابت دار کہاں ہیں؟ پہلے اور پچھلے کہاں ہیں؟ اور انبیاء و مرسلین کہاں ہیں؟ ان سب کو موت نے پیس ڈالا۔ انہیں برسہا برس گزر گئے اور وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور ہم بھی ان کی طرف جانے والے ہیں۔ ہم اللہ کے ہیں اور ہماری بازگشت اسی کی طرف ہے۔ جب ہم سے پہلے لوگوں کا یہ راستہ ہے تو ہم بھی ان کے نشان قدم پر چلتے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح سے جان لے جو پہلے چلے گئے تُو ان سے ملنے والا ہے۔ اگرچہ مضبوط پہاڑ نما قلعے بھی تجھے بچانے والے ہوں۔ یہ دنیا ٹھہرے کا مقام نہیں اور اس حقیقت کو جان لو۔ اگرچہ انسان کو ایک طویل زندگی بھی دے دی جائے پھر بھی اس نے یہاں سے کوچ کرنا ہے۔

۶۔ اَیْنَ مَنْ شَقَّ الْاَنْهَارَ وَ غَرَسَ الْاَشْجَارَ وَ عَمَرَ الدِّیَارَ اَلَمْ تَمْنَحْ مِنْهُمُ الْآثَارُ وَ تَحَلَّ بِهِمْ دَارَ الْبَوَارِ فَاخْشَ الْجَوَارَ فَلَكَ الْیَوْمَ بِالْقَوْمِ اِعْتِبَارٌ فَاِنَّمَا الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَ الْآخِرَةُ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ

تَحْزَمَهُمْ رَیْبَ الْمَنُوْنِ فَلَمْ تَكُنْ تَنْفَعُهُمْ جَنَّاتُهُمْ وَ الْحَدَائِقُ
وَ لَا حَمَلَتْهُمْ حِیْنَ وَ لَوْ بِجَمْعِهِمْ نَجَائِبُهُمْ وَ الصَّافِنَاتُ السَّوَابِقُ
وَ رَاحُوْا عَنِ الْاَمْوَالِ صَغْرًا وَ خَلَّفُوْا ذَخَائِرَهُمْ بِالرَّغْمِ مِنْهُمْ وَ فَارَقُوْا

آج نہروں کے جاری کرنے والے کہاں ہیں، درخت لگانے والے کہاں چلے گئے؟ اور شہروں کو آباد کرنے والے کہاں رخصت ہو گئے؟ تو کیا ان کے آثار مٹ نہیں گئے؟ اور وہ ہلاکت کے گھر میں سکونت پذیر نہیں ہوئے؟ ان کی ہمسائیگی سے ڈرو اور جو لوگ رخصت ہو گئے ان سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا تو صرف متاع قلیل ہے اور آخرت ہی رہائش گاہ ہے۔ موت کے حوادث ان کی جڑیں اکھاڑ

رہے ہیں اوران کے باغ و باغیچے انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکے۔ جب وہ یہاں سے رخصت ہوکر جارہے تھے تو ان کی بہترین اونٹنیوں نے انہیں نہ اٹھایا اور نہ تیز رفتار گھوڑے ہی انہیں موت سے بچا کر کہیں لے گئے۔ وہ دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ رخصت ہو گئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی دولت کے ڈھیر یہاں چھوڑ کر چل دیئے۔

۷۔اَیْنَ مَنْ بَنَی الْقُصُوْرَ وَ الْاَسَاکِرَ وَ هَزَمَ الْجُیُوْشَ وَ الْعَسَاکِرَ وَ جَمَعَ الْاَمْوَالَ وَ حَازَ الْآثَامَ وَ الْجَرَائِرَ اَیْنَ الْمُلُوْکُ وَ الْفَرَاعِنَةُ وَ الْاَکَاسِرَةُ وَ السِّیَاسَنَةُ اَیْنَ الْعُمَّالُ وَ الدَّهَاقِنَةُ اَیْنَ ذَوُوالنَّوَاحِیْ وَ الرَّسَاتِیْقِ وَ الْاَعْلَامِ وَ الْمَنَاجِیْقُ وَ الْعُهُوْدِ وَ الْمَوَاثِیْقِ.

کَاَنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اَهْلَ عِزٍّ وَ مَنْعَةٍ وَ لَا رَفَعَتْ اَعْلَامُهُمْ وَ الْمَنَاجِقُ

وَ لَا سَکَنُوْا تِلْکَ الْقُصُوْرَ الَّتِیْ بَنَوْا وَ لَا اَخَذَتْ مِنْهُمْ بِعَهْدٍ مَوَاثِقُ

وَ صَارُوْا قُبُوْرًا دَارِسَاتٍ وَ اَصْبَحَتْ مَنَازِلُهُمْ تِسْفِیْ عَلَیْهِ الْخَوَافِقُ

محلات اور عظیم الشان عمارتیں بنانے والے کہاں ہیں۔لشکروں کو شکست دینے والے کہاں ہیں؟ دولت جمع کرنے والے کہاں ہیں؟ گناہ و جرائم کے مرتکب کہاں ہیں؟ بادشاہ، فرعون، کسریٰ اور ساسانی حکمران کہاں ہیں؟ عُمّال اور مزدور کہاں ہیں؟ زمیندار اور دیہاتوں کے مالک کہاں ہیں؟ پرچم اور منجنیق والے کہاں ہیں؟ معاہدوں اور میثاق والے کہاں ہیں؟ آج یوں دکھائی دیتا ہے کہ وہ کسی دور میں بھی عظمت و طاقت والے نہیں تھے، نہ ہی ان کے پرچم بلند ہوئے تھے اور نہ ہی ان کی جوع الارض کے لئے کبھی منجنیقیں استعمال ہوئی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جن محلات کو انہوں نے بنایا تھا، ان میں وہ رہائش پذیر ہی نہیں رہے اور نہ ہی ان سے کوئی عہد و پیمان ہوئے تھے۔آج وہ لوگ بوسیدہ و تباہ حال قبروں میں مستقل ہو گئے ہیں اور آج ان کے گھروں پر آندھیاں چل رہی ہیں

۸۔مَا هٰذِهِ الْحَیْرَةُ وَ السَّبِیْلُ وَاضِحٌ وَ الْمُشِیْرُ نَاصِحٌ وَ الصَّوَابُ لَائِحٌ عَقِلْتَ فَاَغْفَلْتَ وَ عَلِمْتَ فَاَهْمَلْتَ هٰذَا هُوَ الدَّاءُ الَّذِیْ عَزَّ دَوَاؤُهٗ وَ الْمَرَضُ الَّذِیْ لَا یُرْجٰی شِفَاؤُهٗ وَ الْاَمَلُ الَّذِیْ لَا یُدْرَکُ اِنْتِهَاؤُهٗ اَفَاَمِنْتَ الْاَیَّامَ وَ طُوْلَ الْاَسْقَامِ وَ نُزُوْلَ الْهَمَامِ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ.

لَقَدْ شَقِیَتْ نَفْسٌ تَتَابَعَ غَیَّهَا وَ تَصَرَّفَتْ عَنْ اِرْشَادِهَا وَ تُفَارِقُ

وَ تَأَمُّلٌ مَا لَا یَسْتَطَاعُ بِحِیْلَةٍ (بِحَمْلِهٖ خ) وَ تَعْصِیْكَ اِنْ خَالَفْتَهَا وَ تُشَاقِقُ

وَ تَصْغِیْ اِلٰی قَوْلِ الْغَوِیِّ وَ تَنْثَنِیْ وَ تَعَرَّضَ عَنْ تَصْدِیْقِ مَنْ هُوَ صَادِقُ

یہ حیرت کیسی؟ جبکہ راستہ واضح، مشیر صادق اور درستگی ظاہر ہے۔تو نے جانا پھر غفلت کی اور تیرے پاس علم تھا مگر تو نے سستی کی۔ یہی تو وہ بیماری ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے اور اس مرض کے لئے شفا کی امید نہیں کی جاتی۔ یہ وہ آرزو ہے جس کی انتہا کو نہیں پایا جاسکتا۔ کیا تو زمانے سے مطمئن ہو گیا؟ اور لمبی بیماریوں اور موت کے وارد ہونے سے بے خوف ہو گیا؟ جبکہ اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ وہ نفس بد بخت ہے جس کی گمراہی یکے بعد دیگرے جاری رہے اور جو راہ راست سے منحرف رہے۔تو اس چیز کی امید کرتا ہے جو کسی بھی حیلے

بہانے سے حاصل نہیں ہوسکتی یا تو اس چیز کی امید کرتا ہے جسے اٹھا نہیں سکتا۔ اگر تو نفس کی مخالفت و نافرمانی کرتا ہے تو نفس بھی تیری نافرمانی کرنے لگ جاتا ہے۔ تو گمراہ شخص کی باتوں کو کان لگا کر سنتا ہے اور صادق کی تصدیق سے انحراف کرتا ہے۔

۹۔ فَيَا عَاقِلاً رَاحِلاً وَ لَبِيبًا جَاهِلاً وَ مُتَيَقِّظاً غَافِلاً اَتَفْرَحُ بِنَعْمٍ زَائِلٍ وَ سُرُوْرٍ حَائِلٍ وَ رَفِيْقٍ خَاذِلٍ فَيَا اَيُّهَا الْمَفْتُوْنُ بِعَمَلِهِ الْغَافِلِ عَنْ حُلُوْلِ اَجَلِهِ وَالْخَائِضُ فِيْ بِحَارِ زَلَلِهِ مَا هٰذَا التَّقْصِيْرُ وَ قَدْ وَخَطُكَ الْقَتِيْرُ وَ وَافَاكَ النَّذِيْرُ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ

طِلَابُكَ اَمْرٌ لَا يَتِمُّ سُرُوْرُهٗ وَ جُهْدُكَ بِاسْتِصْحَابِ مَنْ لَا يُوَافِقُ
وَ كُنْتَ كَمَنْ يَبْنِيْ بِنَاءً وَ غَيْرُهٗ يُعَاجِلُهٗ فِيْ هَدْمِهٖ وَ يُسَابِقُ
وَ يَنْسِجُ آمَالًا طِوَالًا بَعِيْدَةً وَ يَعْلَمُ اَنَّ الدَّهْرَ لِلنَّسْجِ خَارِقُ

اے آمادۂ سفر عقل مند! جاہل ہوشمند! اور حالت بیداری میں غافل! کیا تو زوال پذیر نعمت پر خوش ہوتا ہے؟ اور وقتی سرور اور بے وفا ساتھی پر خوش ہے؟ پس اے اپنے عمل پر شیدا و فریفتہ! اپنی موت کی آمد پر غافل! اور اپنی لغزشوں کے سمندروں میں غوطہ زن! یہ کیسی تقصیر ہے؟ جبکہ بڑھاپا تجھ پر چھا چکا ہے اور ڈرانے والے تیرے پاس آ چکے ہیں اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔ تیرا کسی چیز کو طلب کرنا ایسا امر ہے جس کا سرور مکمل نہیں ہوسکتا اور تو غیر موافق شخص کی صحبت کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ تیری مثال اس شخص کی سی ہے جو مکان بنا رہا ہو اور اس کا مخالف اس کے مکان کو تیزی سے گرا رہا ہو۔ اور جو لمبی چوڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہو جبکہ یہ بھی جانتا ہو کہ زمانہ اس کے بنے ہوئے جال کو پھاڑ ڈالے گا۔

۱۰۔ وَلَيْسَتِ الطَّرِيْقَةُ لِمَنْ لَيْسَ لَهُ الْحَقِيْقَةُ وَلَا يَرْجِعُ اِلٰى خَلِيْقَةٍ اِلٰى كَمْ تَكْدَحُ وَلَا تَقْنَعُ وَتَجْمَعُ وَ لَا تَشْبَعُ وَ تُوَفِّرُ لِمَا تَجْمَعُ وَ هُوَ لِغَيْرِكَ مَوْدِعٌ مَا ذَا الرَّائِ الْعَازِبُ وَ الرُّشْدُ الْغَائِبُ وَ الْاَمَلُ الْكَاذِبُ سَتَنْقُلُ مِنَ الْقُصُوْرِ وَ رَبَاتِ الْخُدُوْرِ وَ الْجَذَلِ وَ السُّرُوْرِ اِلٰى ضِيْقِ الْقُبُوْرِ وَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ الْخُبُوْرِ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.

فَعَالُكَ هٰذَا غُرَّةٌ وَ جَهَالَةٌ وَ تَحْسِبُ يَا ذَا الْجَهْلِ اَنَّكَ حَاذِقٌ
تَظُنُّ بِجَهْلٍ مِّنْكَ اَنَّكَ رَاتِقٌ وَ جَهْلُكَ لِلْعُقْبٰى لِدِيْنِكَ فَاتِقٌ
تُوْخِيْكَ مِنْ هٰذَا اَدَلُّ دَلَالَةً وَ اَوْضَحُ بُرْهَانًا بِاَنَّكَ مَائِقٌ

جس کے پاس حقیقت نہیں اس کے پاس طریقت نہیں اور وہ حقیقی طبیعت کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ تُو کب تک تکلیفیں اٹھائے گا اور قناعت نہیں کرے گا؟ جمع کرتا رہے گا اور سیر نہیں ہوگا؟ اور تُو بہت زیادہ جمع کرنے میں لگا رہے گا جبکہ وہ مال و دولت تیرے پاس کسی اور کی امانت ہے۔ پس دور کرنے والی یہ رائے کیسی؟ یہ غائب عقل مندی کیسی؟ اور جھوٹی امید کیسی؟ عنقریب تجھے محلات، پردہ نشین عورتوں اور خوشی و مسرت چھوڑ کر قبر کی تنگی میں منتقل ہونا ہے اور دار فنا چھوڑ کر بقا و مسرت کے گھر منتقل ہونا ہے۔ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور دنیاوی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔ اے جاہل! تیرے یہ افعال دھوکے اور جہالت پر مبنی ہیں، اس کے باوجود تو سمجھتا ہے کہ تو بڑا دانا ہے؟ تو اپنی جہالت کی وجہ سے یہ خیال کر رہا ہے کہ تو اصلاح کر رہا ہے جبکہ عقبیٰ سے تیری جہالت تیرے دین کو علیحدہ کر رہی ہے۔ دنیائے فانی سے

تیرا یہ بھائی چارہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تو بے وقوف ہے۔

۱۱۔عَجَبًا لِغَافِلٍ عَنْ صَلَاحِهٖ مُبَادِرٍ اِلٰی لَذَّاتِهٖ وَافِرَاحِهٖ وَ الْمَوْتُ طَرِيْدُهٗ فِیْ مَسَائِهٖ وَ صَبَاحِهٖ فَيَا قَلِيْلَ التَّحْصِيْلِ وَ يَا كَثِيْرَالتَّعْطِيْلِ وَيَاذَاالْاَمَلِ الطَّوِيْلِ اَلَمْ تَرَكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ بَنَاؤُكَ لِلْخَرَابِ وَمَالُكَ لِلذِّهَابِ وَاَجَلُكَ اِلَی اقْتِرَابٍ

وَ اَنْتَ عَلَی الدُّنْيَا حَرِيْصٌ مُكَاثِرٌ كَاَنَّكَ مِنْهَا بِالسَّلَامَةِ وَاثِقٌ
تَحُدِثُكَ الْاَطْمَاعُ اَنَّكَ لِلْبَقَاءِ خُلِقْتَ وَ اَنَّ الدَّهْرَ خِلٌّ مُوَافِقٌ
كَاَنَّكَ لَمْ تَبْصُرْ اُنَاسًا تَرَادَفَتْ عَلَيْهِمْ بِاَسْبَابِ الْمَنُوْنِ اللَّوَاحِقُ

اس پر تعجب ہے جو اپنی بھلائی سے غافل ہے اور لذات وخوشیوں کے حصول کے لئے جلد بازی کرتا ہے جبکہ موت صبح وشام اسے ہنکائے ہوئے ہے۔ اے انتہائی کم فائدہ حاصل کرنے والے، زیادہ وقت بے کار رہنے والے اور طویل آرزو رکھنے والے! کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا سلوک کیا؟ تیری اٹھائی ہوئی عمارت خراب ہونے کے لئے، تیری دولت رخصت ہونے کے لئے اور تیری زندگی کا خاتمہ قریب ہونے کو ہے۔ تو دنیا کا حریص اور کثرت طلبی میں مبتلا ہے، گویا تو اس کی سلامتی پر بھروسہ کئے ہوئے ہے۔ تیری لالچ تجھے کہتی ہے کہ تو باقی رہنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور زمانہ ایک موافق دوست ہے۔ یوں لگتا ہے کہ گویا تو نے آج تک ان انسانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں ہے جن پر یکے بعد دیگرے موت کے انقلابات آئے۔

۱۲۔هٰذِهٖ حَالَةُ مَنْ لَا يَدُوْمُ سُرُوْرُهٗ وَ لَا تَتِمُّ اُمُوْرُهٗ وَ لَا يَفُكُّ اَسِيْرُهٗ اَتَفْرَحُ بِمَالِكَ وَ نَفْسِكَ وَ وُلْدِكَ وَ عِرْسِكَ وَ عَنْ قَلِيْلٍ تَصِيْرُ اِلٰی رَمْسِكَ وَ اَنْتَ بَيْنَ طَيٍّ وَ نَشْرٍ وَ عَنْيٍ وَ فَقْرٍ وَ وَفَاءٍ وَ غَدْرٍ فَيَا مَنِ الْقَلِيْلُ لَا يَرْضِيْهِ وَ الْكَثِيْرُ لَا يُغْنِيْهِ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنَّكَ مُلَاقِيْهِ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِءٍ مِنْهُمْ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ

سَيَقْفِرُ بَيْتٌ كُنْتَ فَرْحَةُ اَهْلِهٖ وَ يَهْجُرُ مَثْوَاكَ الصَّدِيْقُ الْمُصَادِقُ
وَ يَنْسَاكَ مَنْ صَافَيْتَهٗ وَ اَلَّفْتَهٗ وَ يَجْفُوْكَ ذُوْ الْوُدِّ الصَّحِيْحُ الْمُوَافِقُ
عَلٰی ذَا مَضَی النَّاسُ اِجْتِمَاعٌ وَ فُرْقَةٌ وَ مَيِّتٌ وَ مَوْلُوْدٌ وَ قَالٌ وَ وَامِقٌ

یہ اس کی حالت ہے جس کا سرور دائمی نہ ہو، جس کے امور تکمیل کو نہ پہنچیں اور جس کا قیدی رہائی نہ پا سکے۔ کیا تو اپنی دولت، اپنی جان، اولاد اور دلہن کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے؟ جبکہ تو عنقریب قبر میں چلا جائے گا۔ تیری حالت لپٹنے اور کھلنے، امارت وغربت اور وفا و بے وفائی کے درمیان ہے۔ اے وہ شخص جسے قلیل راضی نہیں کرتا اور کثیر بے نیاز نہیں کرتا! جو تیرے جی میں آئے کر لے کہ تو اللہ کے حضور پیش ہونے والا ہے جس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ اس دن ہر شخص کو اپنی ہی جان کی پڑی ہوگی۔ وہ گھر عنقریب اجڑ جائے گا جس کی خوشیاں تیرے دم سے ہیں اور تیرا مخلص دوست بھی تیرے ٹھکانے پہ آنا چھوڑ دے گا۔ جس سے تو نے الفت و محبت کی تھی وہ تجھے بھلا دے گا اور تیرا سچا دوست بھی تجھ پر جفا کرے گا۔ دستور زمانہ یہی رہا ہے کہ لوگ اکٹھے بھی ہوتے ہیں اور جدا بھی ہوتے ہیں۔ کوئی مر رہا ہے تو کوئی پیدا ہو رہا ہے اور کوئی دشمن ہے تو کوئی دوست ہے۔

۱۳۔اُفٍّ لِدُنیَا لَا یَرْقیٰ سَلِیْمُهَا وَ لَا یَصِحُّ سَقِیْمُهَا وَ لَا یَنْدَمِلُ کُلُوْمُهَا وَ عَوْدُهَا کَاذِبَةٌ وَ سَهَامُهَا غَیْرُ خَاطِئَةٍ وَ اَمَالُهَا خَائِبَةٌ لَا تُقِیْمُ عَلیٰ حَالٍ وَ لَا تَمْتَعُ بِوِصَالٍ وَ لَا تَسُرُّ بِنَوَالٍ

وَ تِلْكَ لِمَنْ یَّهْوِیٰ هَوَاهُ مَلِیْكَةٌ تَعْبُدُهُ اَفْعَالُهَا وَ الطَّرَائِقُ
یَسُرُّ بِهَا مَنْ لَیْسَ یَعْرِفُ عُذْرَهَا وَ یَسْعٰی اِلیٰ تَطْلَابِهَا وَ یُسَابِقُ
اِذَا اَعْدَلَتْ جَارَتْ عَلیٰ اَثَرِ عَدْلِهَا فَمَكْرُوْهَةٌ اَفْعَالُهَا وَ الْخَلَائِقُ

افسوس ہے اس دنیا پر جس کا ڈسا ہوا کسی افسوں سے نہیں سنبھلتا، جس کے بیمار کو صحت نصیب نہیں ہوتی اور جس کے لگائے ہوئے زخم مندمل نہیں ہوتے۔ اس کی شاخِ امید جھوٹی، تیر بے خطا اور آرزوئیں لاحاصل ہیں۔ دنیا تو کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتی، اس کے وصال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس کی سخاوت کسی کو خوشی فراہم نہیں کرتی۔ جو دنیا سے عشق و محبت رکھے تو دنیا اس کی مالکہ ہے اور دنیا کے افعال و حالات اسے غلام بنا لیتے ہیں۔ دنیا کو دیکھ کر صرف وہی خوش ہوتا ہے جو اس کی غداری سے ناواقف ہوتا ہے اور دنیا کے حصول کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اگر دنیا کبھی عدل بھی کرے تو اس کے فوراً بعد ظلم کرتی ہے پس اس کے تمام عادات و اطوار ناپسندیدہ ہیں۔

۱۴۔مَنْ ذَا الَّذِیْ سَالَمَهُ الدَّهْرُ فَسَالَمَ وَ مَنْ ذَا الَّذِیْ تَاجَرَهُ الزَّمَانُ فَغَنِمَ وَ مَنْ ذَا الَّذِیْ اسْتَرْحَمَ الْاَیَّامَ فَرَحِمَ اِعْتِمَادُكَ عَلَی الصِّحَةِ وَ السَّلَامَةِ خَرْقٌ وَ سُكُوْنُكَ اِلَی الْمَالِ وَ الْوَلَدِ حُمْقٌ وَ الْاِغْتِرَارُ بِعَوَاقِبِ الْاُمُوْرِ خُلْقٌ فَدُوْنَكَ وَ حَزْمِ الْاُمُوْرِ وَ التَّیَقُّظِ لِیَوْمِ النُّشُوْرِ وَ طُوْلِ اللَّبْثِ فِیْ صَفَحَاتِ الْقُبُوْرِ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیَاةُ الدُّنْیَا وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ.

فَمَنْ صَاحَبَ الْاَیَّامَ سَبْعِیْنَ حَجَّةً فَلَذَّاتُهَا لَا شَكَّ مِنْهُ طَوَالِقُ
فَعُقْبٰی حَلَاوَاتِ الدَّهْرِ مَرِیْرَةٌ وَ اِنْ عَذَبَتْ حِیْنًا فَحِیْنًا خَرَائِقُ
وَ مَنْ طَرَقَتْهُ الْحَادِثَاتُ بِوَبْلِهَا فَلَابُدَّ اَنْ تَاتِیَهُ فِیْهَا الصَّوَاعِقُ

ایسا کون ہے جسے زمانہ کی طرف سے سلامتی نصیب ہوئی ہو اور وہ سالم رہا ہو؟ زمانہ سے تجارت کر کے کس نے فائدہ حاصل کیا؟ اور زمانہ سے رحم کی بھیگ مانگنے سے کس پر رحم ہوا ہے؟ صحت و سلامتی پر تیرا بھروسہ پاگل پن، دولت اور اولاد کی طرف جھکاؤ حماقت اور عواقب امور کے متعلق دھوکے میں رہنا غلط عادت ہے۔ لہٰذا تجھے تمام امور میں احتیاط کرنی چاہئے، قیامت کے دن کے لئے بیدار ہو جانا چاہئے اور قبروں کے قریب زیادہ وقت گزارنا چاہئے۔ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکا نہ دے اور اللہ کے متعلق کسی دھوکے میں مبتلا نہ ہونا۔ جو اس دنیا میں ستر برس تک بھی زندہ رہے تو دنیاوی لذات اس سے رخصت ہو جائیں گی۔ دنیا کی مٹھاس کا انجام بڑا کڑوا ہے اگرچہ کسی وقت میٹھا ذائقہ بھی ہوتا ہے تو پھر کبھی تلخ بھی ہوتا ہے۔ جس پر زمانہ اچھائیوں کی بارش برسائے تو اس بارش میں اس پر بجلیاں بھی گریں گی۔

۱۵۔فَمَا هٰذِهِ الطَّمَانِیْنَةُ وَ اَنْتَ مُزْعَجٌ وَ مَا هٰذِهِ الْوُلُوْجُ وَ اَنْتَ مُخْرَجٌ جَمْعُكَ اِلیٰ تَفْرِیْقٍ وَ رَفْوُكَ اِلیٰ تَمْزِیْقٍ وَ سَعْتُكَ اِلیٰ ضِیْقٍ فَیَا اَیُّهَا الْمَفْتُوْنُ وَ الطَّامِعُ بِمَا لَا یَكُوْنُ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ.

سَتَنْدِمُ عِنْدَ الْمَوْتِ شَرَّ نَدَامَةٍ اِذَا ضَمَّ اَعْضَاكَ الثُّرٰی وَ الْمُطَابِقُ

وَ عَـــاَيَـنْـــتَ اَعْلَامَ الْـمَـنِيَّةِ وَ الـــرَّدٰى وَ وَافَـــاكَ مَـــا تَبْيَـضَّ مِـنْـــهُ الْـمُـفَـارِقُ

وَ صِـرْتَ رَهِيْـنًـــا فِـــىْ ضَـرِيْـحِكَ مُـفْـرَدًا وَ بَـــاعَـدَكَ الْـجَـــارُ الْـقَـرِيْـبُ الْـمُلَاصِـقُ

تجھے دھتکارا جارہا ہے پھر بھی تو مطمئن ہے، آخر یہ کیسا اطمینان ہے؟ اور تجھے محفل سے نکالا جارہا ہے پھر بھی تو داخلے پر بضد ہے، پھر یہ داخلے کی کوشش کیسی؟ تیرے جمع کا نتیجہ تفریق ہے، تیرا رفو چاک ہونے کو ہے اور تیری وسعت کا انجام تنگی ہے۔ پس اے دنیا کے شیدا اور لاحاصل چیز کا خواہشمند! (کان کھول کے خدا کی دھمکی سن!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟ موت کے وقت تو سخت پشیمان ہوگا جب تیرے اعضاء مٹی اور پتھروں میں دفن ہوں گے۔ اور تو موت و ہلاکت کے پرچموں کو دیکھ چکا ہوگا اور تیرے پاس وہ چیز (اعمال نامہ) آچکی ہوگی جس سے ہڈیوں کے جوڑ تک بھی سفید پڑ جاتے ہیں جبکہ تو اپنی قبر میں تن تنہا رہ جائے گا اور تیرے قریبی ترین ہمسائے بھی تجھ سے دور ہو جائیں گے۔

۱۶۔ فَيَامَنْ عَدَمَ رُشْدَهٗ وَ جَارَقَصْدُهٗ وَنَسِىَ وِرْدَهٗ اِلٰى مَتٰى تَوَاصُلٌ بِالذُّنُوْبِ وَ اَوْقَاتُكَ مَحْدُوْدَةٌ وَ اَفْعَالُكَ مَشْهُوْدَةٌ اَفَتَـقُـوْلُ عَلَى الْاِعْتِذَارِ وَ تَهْمَلَ الْاَعْذَارَ وَ الْاِنْذَارَ وَ اَنْتَ مُقِيْمٌ عَلَى الْاِصْرَارِوَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ.

اِذَا نُـصِـبَ الْـمِيْـزَانُ لِـلْـفَـصْـلِ وَ الْقَضَاءِ وَ اِبْـلِيْـسٌ مُـحْـجَـاجٌ وَ اُخْـرِسَ نَـاطِـقٌ

وَ اُجِـجَـتِ الـنِّيْـرَانُ وَ اشْتَـدَّ غَيْـظُهَـا اِذَا فُتِـحَـتْ اَبْـوَابُهَـا وَ الْـمَـغَـالِـقُ

وَ قُـطِـعَـتِ الْاَسْبَـابُ مِـنْ كُـلِّ ظَـالِـمٍ يُـقِيْـمُ عَـلٰـىٰ اَسْـرَارِهٖ وَ يُـنَـافِـقُ

اے وہ شخص جس نے اپنے رشد فطری کو کھو دیا ہے، سیدھی راہ سے ہٹ گیا اور اپنی حاضری کو بھول گیا! تو کب تک گناہوں پر گناہ کرتا رہے گا، تبلیغ و انذار کو بے سود سمجھتا رہے گا اور گناہوں پر اصرار کرتا رہے گا۔ اور خبردار! خدا کو ظالمین کے افعال سے غافل نہ سمجھنا کہ وہ انہیں اس دن کے لئے مہلت دے رہا ہے جس دن آنکھیں خوف سے پتھرا جائیں گی۔ جس دن فیصلہ کے لئے میزان نصب ہوگا، ابلیس بھی جھگڑا کرے گا اور بولنے والا بھی گونگا ہو جائے گا۔ دوزخ کے شعلے بھڑکائے جائیں گے، اس کا غصہ بڑھ جائے گا اور اس دن دوزخ کے دروازے اور تالے کھول دیئے جائیں گے۔ جو ظالم اپنی پوشیدہ باتوں پر قائم رہتا ہوگا اور منافقت کرتا ہوگا، اس دن اس سے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

۱۷۔ فَـقَـدِّمِ التَّـوْبَةَ وَ اغْسِـلِ الْحَوْبَةَ فَلَا بُدَّ اَنْ تَبْلُغَ اِلَيْكَ النَّوْبَةَ وَ حَسُنَ الْعَمَلَ قَبْلَ حُلُوْلِ الْاَجَلِ وَ انْقِطَاعِ الْاَمَلِ فَكُلُّ غَائِبٍ قَادِمٌ وَ كُلُّ غَرِيْبٍ عَازِمٌ وَ كُلُّ مُفْرِطٍ نَادِمٌ فَاعْمَلْ لِلْخَلَاصِ قَبْلَ الْقِصَاصِ وَ الْاَخْذِ بِالنَّوَاصِ.

فَـــاِنَّكَ مَـــاخُـــوْذٌ بِـــمَـــا قَـدْ جَـنَيْتَـــهٗ وَ اِنَّكَ مَـطْـلُـوْبٌ بِـمَـا اَنْـتَ سَـارِقٌ

وَ ذَنْبُكَ اِنْ اَبْـغَـضْتَـــهٗ فَـمُـعَـانِـقٌ وَ مَـــالُكَ اِنْ اَحْبَبْتَـــهٗ فَـمُـفَـارِقٌ

فَـقَـارِبْ وَ سَـدِّدْ وَ اتَّـقِ الـلّٰـهَ وَحْـدَهٗ وَ لَا تَسْتَـقِـلِ الـزَّادَ فَـالْـمَـوْتُ طَـارِقٌ

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ.

پس توبہ کو آگے لے آ اور گناہوں کو دھوڈال کیونکہ تیری باری لازمی طور پر آنے ہی والی ہے۔موت کے وارد ہونے اور امیدوں کے ٹوٹنے سے قبل نیک عمل کرلے کیونکہ ہر غائب آگے بڑھ رہا ہے، ہر مسافر عازم سفر ہے اور ہر کوتاہی کرنے والا پشیمان ہوتا ہے۔قصاص سے پہلے اپنی آزادی کے لئے عمل کرلے اور اس دن سے پہلے نیک عمل کرلے جب پشیمانی سے پکڑا جائے گا۔تو نے جو کچھ غلط کام کیا ہے تو اس میں ماخوذ ہوگا اور تو نے جو چوری کی ہوگی اس میں تو مطلوب ہوگا۔اس دن تو گناہ سے جتنی بھی نفرت کرے گا وہ تجھ سے چمٹا ہوا ہوگا اور دولت سے اگر تو پیار بھی کرتا ہوگا تو بھی تو اس کو چھوڑ کر جائے گا۔تو درمیانہ طرز عمل اختیار کر، راہ راست پر آجا، واحد ولاشریک خدا سے ڈر اور قلیل زادراہ ساتھ نہ لے جا کیونکہ موت وارد ہونے والی ہے۔اس دن سے ڈرو جب تم سب پلٹا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے جاؤ گے۔ اس کے بعد ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تکمیل

الکافی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کا یہ خطبہ دراصل حضرتؑ کے طویل خطبے کا اقتباس ہے۔الکافی اور نہج البلاغہ کے ابتدائی الفاظ میں کچھ اختلاف ہے لہٰذا ہم الکافی میں سے اس خطبہ کے ابتدائی الفاظ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی کے باب ﴿مَا یَجِبُ مِنْ حَقِّ الاِمَامِ عَلَی الرَّعِیَّۃِ (رعیت پر امام کا حق)﴾ میں اپنی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: لَا تَخُتَانُوْا وُلَاتَکُمْ وَ لَا تَغُشُوْا هُدَاتَکُمْ وَ لَا تَجْهَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ وَ لَا تَصَدَّعُوْا عَنْ حَبْلِکُمْ فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَ عَلٰی هٰذَا فَلْیَکُنْ تَاسِیْسُ اُمُوْرِکُمْ وَ اَلْزَمُوْا هٰذِهِ الطَّرِیْقَةَ فَاِنَّکُمْ لَوْ عَایَنْتُمْ مَا عَایَنَ مَنْ قَدْ مَاتَ مِنْکُمْ مِمَّنْ خَالَفَ مَا قَدْ تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ لَبَدَرْتُمْ وَ خَرَجْتُمْ وَ لَسَمِعْتُمْ وَ لٰکِنْ مَحْجُوْبٌ عَنْکُمْ مَا قَدْ عَایَنُوْا وَ قَرِیْبًا مَا یَطْرَحُ الْحِجَابُ.

اپنے حکام سے خیانت نہ کرو، اپنے ہادیان دین کو دھوکا مت دو، اپنے ائمہ سے جاہل نہ رہو اور اپنی رسی سے جدائی اختیار نہ کرو ورنہ ناکام ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔تمہارے امور کی بنیاد اسی پر ہونی چاہئے اور اسی طریقہ سے وابستہ رہو کیونکہ جن چیزوں کی طرف تم دعوت دیتے ہو تمہارے مرنے والے مخالفین نے دیکھا ہے اگر تم بھی انہیں دیکھ لیتے تو تم ہماری اطاعت میں جلدی کرتے، تم جہاد کے لئے نکل پڑتے اور ہمارے احکام کو سنتے۔لیکن جو انہوں نے دیکھا ہے ابھی تم سے پوشیدہ ہے اور عنقریب وہ پردہ اٹھا دیا جائے گا۔

خطبہ ۲۱

موت کی تیاری

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ — یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے۔

فَاِنَّ الْغَایَةَ اَمَامَکُمْ وَ اِنَّ وَرَائَکُمُ السَّاعَةُ تَحْدُوْ کُمْ تَخَفَّفُوْا تَلْحَقُوْا فَاِنَّمَا یُنْتَظَرُ بِاَوَّلِکُمْ — تمہاری منزل مقصود تمہارے سامنے ہے، موت کی ساعت تمہارے عقب میں ہے جو تمہیں آگے کی طرف لے چل رہی ہے۔ ہلکے پھلکے رہو تاکہ آگے بڑھنے

اٰخِرَ کُمْ.

اَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْکَلَامُ لَوْ وُزِنَ بَعْدَ کَلَامِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَبَعْدَ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ(ص)بِکُلِّ کَلَامٍ لَمَالَ بِهٖ رَاجِحًا وَ بَرَزَ عَلَيْهِ سَابِقًا فَاَمَّا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ **تَخَفَّفُوْا تَلْحَقُوْا** فَمَا سُمِعَ کَلَامٌ اَقَلُّ مِنْهُ مَسْمُوْعًا وَ لَا اَکْثَرُ مَحْصُوْلًا وَ مَا اَبْعَدَ غَوْرُهَا مِنْ کَلِمَةٍ وَ اَنْقَعَ نُطْفَطَهَا مِنْ حِکْمَةٍ وَ قَدْ نَبَّهْنَا فِیْ کِتَابِ الْخَصَائِصِ عَلٰی عِظَمِ قَدْرِهَا وَ شَرَفِ جَوْهَرِهَا.

والوں کو پاسکو۔ کیونکہ تمہارے اگلوں کو تمہارے پچھلوں کا انتظار کرایا جا رہا ہے۔ (کہ یہ بھی ان تک پہنچ جائیں)۔

سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ کلام خدا اور رسولؐ کے بعد جس کلام سے بھی ان کلمات کا موازنہ کیا جائے تو حسن وخوبی میں ان کا پلہ بھاری رہے گا اور ہر حیثیت سے بڑھے چڑھے رہیں گے۔ آپؑ کا یہ ارشاد ''**تَخَفَّفُوْا تَلْحَقُوْا**'' اس سے بڑھ کر تو کوئی جملہ سننے میں نہیں آیا جس کے الفاظ کم اور معنی بہت ہوں۔ اس کلمہ کے معنی کتنے بلند اور اس حکمت کا سرچشمہ کتنا صاف وشفاف ہے! ہم نے اپنی کتاب خصائص میں اس فقرے کی عظمت اور اس کے معانی کی بلندی پر روشنی ڈالی ہے۔

تشریح لغات (حَدَا یَحْدُوْ حَدْوًا) بروزن ''دَعَا یَدْعُوْ'' اونٹ کو چلانا اور چلاتے وقت حُدیٰ خوانی کرنا تا کہ اونٹ حدی خوانی کی وجہ سے مست رہے اور وزن کی پرواہ نہ کرے۔ (اَلْغَوْرُ) گہرائی۔ (اَلنُّطْفَةُ) صاف پانی۔ (مَا اَنْقَعَ الْمَآءُ) پانی کس قدر پیاس بجھانے والا ہے، فعل تعجب، بعض نسخوں میں صرف (مَا اَنْقَعَ) کے الفاظ ہیں، یعنی کس قدر نفع بخش ہے۔

اعراب

(**تَحْدُوْکُمْ**) حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ (**تَلْحَقُوْا**) ''کَیْ'' مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔

مفہوم عبارت

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں محمد بن طلحہ کی کتاب مطالب السؤول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرتؑ کا یہ خطبہ دراصل پچھلے خطبہ کا حصہ ہے۔ شارحین نے درج بالا خطبہ کی شرح میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں اور جو مفہوم میرے نزدیک نمایاں ہے وہ کچھ یوں ہے:۔

(**فَاِنَّ الْغَایَةَ اَمَامَکُمْ**) تمہاری منزل مقصود تمہارے سامنے ہے۔ اس کلام میں منزل مقصود سے مراد موت ہے۔ اور حضرتؑ کے ایک اور فرمان میں اس مفہوم کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے: ''اَلْمَوْتُ غَایَةُ الْمَخْلُوْقِیْنَ''۔ موت تمام مخلوقات کی منزل مقصود ہے اور مخلوقات کی انتہا بہرصورت موت پر ہونی ہے، موت مخلوقات کے سیر وسفر کا آخری نقطہ ہے اس لئے حضرتؑ نے اسے لفظ ''**اَمَامَ**'' (سامنے) سے تعبیر کیا ہے۔ تمام مخلوقات اپنی فطری حرکت کے تحت موت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اسی لئے تو امامؑ نے موت کے لئے ''سامنے'' کے الفاظ بیان فرمائے۔ (**وَاِنَّ وَرَائَکُمُ السَّاعَةُ تَحْدُوْکُمْ**) اور ساعت تمہارے عقب میں ہے جو تمہیں آگے کی طرف لے چل رہی ہے۔ یہاں ساعت سے دن رات کی ساعتیں مراد ہیں۔ لفظ ''سَاعَةٌ''، ''سَعْیٌ'' سے مشتق ہے اور ''سَعْیٌ'' کے معنی دوڑنے کے ہیں۔ منٹ سیکنڈ اور گھنٹوں کو بھی لفظ ساعت سے تعبیر کرنے کی غالباً وجہ یہی ہے کہ یہ انسان کو موت کی طرف دوڑانے میں مصروف ہوتے ہیں اور روز قیامت کو بھی (یَوْمُ السَّاعَةِ) یا صرف (سَاعَة) کہنے میں بھی یہی وجہ کارفرما ہے کہ تمام مخلوق اپنی فطری اور جبلّی حرکت کے تحت اس کی

طرف دوڑی چلی جارہی ہے، اس لئے اسے (سَـاعَۃ) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زندگی کی ساعات اگر چہ ماضی، حال اور مستقبل پر مشتمل ہوتی ہے مگر حضرتؑ نے سب کے لئے عقب کے الفاظ استعمال فرما کر غالباً اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ساعات اگر چہ ان میں سے کچھ ساعات پیچھے کی بجائے آگے کی بھی ہیں پھر بھی انسان کو کشاں کشاں اس کے انجام یعنی موت کی طرف دھکیل رہی ہیں۔ (ساعتیں تمہیں آگے کی طرف دھکیل رہی ہیں) کا مقصد یہ ہے کہ ایک لمحہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نقطہ آغاز سے دور ہو کر نقطہ انجام کی طرف بڑھ رہا ہے اور ساعات روز و شب کسی بھی ہانکنے والے کی طرح اسے ہانکتے ہوئے اس نقطہ کی طرف لئے جارہی ہیں جو اس کی مادی زندگی کا اختتام اور اخروی زندگی کا نقطہ آغاز ہے اور ہانکنے والا پیچھے ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرتؑ نے روز و شب کی ساعات کے متعلق فرمایا کہ ساعت تمہارے عقب میں ہے۔ اور خبر کو اسم پر مقدم کرنے سے اس مفہوم کا استنباط ممکن ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ ہر انسان اس حقیقت سے واقف ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، اس لئے جو چیز مقدم تھی حضرتؑ نے اسے مقدم رکھا اور جو چیز مؤخر تھی حضرتؑ نے اسے مؤخر رکھا اور فرمایا: ''**فَاِنَّ الْغَایَۃَ اَمَامَکُمْ**''۔ روز و شب کی ساعتوں کو اس لئے عقب میں قرار دیا کہ اگر چہ ماضی انسان کے آگے ہوتا ہے اور مستقبل انسان کے عقب میں ہوتا ہے لیکن چونکہ ایک جاہل انسان کی نظر ماضی کی بجائے ہمیشہ مستقبل پر لگی رہتی ہے۔

حضرتؑ نے اپنے حسین جملوں سے غافل انسان کو درحقیقت یہ پیغام دیا ہے کہ جس مستقبل کو تم اپنے آگے سمجھ رہے ہو وہ درحقیقت تمہارے آگے نہیں، وہ تمہارے پیچھے ہے اور تمہیں ہانک کر موت کی جانب لئے جارہا ہے۔ اس لئے حضرتؑ نے خبر کو اسم پر مقدم رکھتے ہوئے فرمایا: ''**اِنَّ وَرَائَکُمُ السَّاعَۃُ تَحْدُوْکُمْ**'' اور ان لفظوں سے حضرتؑ نے شدت اہتمام کی جانب متوجہ کیا ہے۔ (**فَاِنَّ الْغَایَۃَ اَمَامَکُمْ**) کے متعلق شارح بحرانی لکھتے ہیں: ''انسانی تخلیق کی غرض و غایت اللہ کی عبادت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ﴾ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا (الذاریات/۵۶)۔ اور مقصود عبادت یہ ہے کہ انسان پروردگار کے مقام قرب میں پہنچ کر حظیرۃ القدس میں کمال کے پروں کے ساتھ ملائکہ مقربین کے ساتھ مل کر پرواز کرے۔ اور یہی تخلیق انسان کی غرض و غایت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ وہ چہرہ قلب کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرے۔ اگر اس نے اس کے حصول کی کوشش کی تو جنات النعیم میں اس کا ٹھکانہ ہوگا اور اگر اس نے بے توجہی سے کام لیا اور راہ مستقیم کو چھوڑ دیا تو دوزخ اس کا مقام ہوگا اور پھر جہنم ہی اس کی منزل مقصود ہوگی۔ اور اس مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے بھی اپنے لفظوں سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر انسان کے سامنے اس کی ایک منزل مقصود ہے جس کی طرف وہ گامزن ہے''۔

(**وَاِنَّ وَرَائَکُمُ السَّـاعَۃُ تَـحْدُوْکُمْ**) اور تمہارے عقب میں ساعت تمہیں ہانک رہی ہے۔ مذکورہ جملہ کی شرح میں بحرانی فرماتے ہیں: ''ساعت سے مراد قیامت صغریٰ یعنی موت ہے کیونکہ انسان فطری طور پر موت سے بدکتا ہے اور بدکنے والے جانور کو مالک پیچھے سے ہانکتا ہوا لے جاتا ہے۔ تو اسی طرح سے اللہ نے موت کو انسان کے پیچھے لگا دیا ہے جو اسے ہانک کر اس کی منزل مقصود یعنی جنت و دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ اور لفظ (**تَـحْـدُوْکُـمْ**) میں یہ حسین استعارہ پنہاں ہے کہ اونٹ پر جب بوجھ زیادہ ہو تو عقل مند ساربان حدی خوانی کرنے لگتا ہے اور یوں اونٹ حدی میں مشغول ہو کر اپنے بار کو بھلا دیتا ہے اور منزل مقصود کی طرف کشاں کشاں چل پڑتا ہے۔

امام علیہ السلام نے بھی ''**وَاِنَّ وَرَائَکُمُ السَّاعَۃُ تَحْدُوْکُمْ**'' کے جملہ میں یہی فرمایا ہے کہ موت تمہارے عقب میں حدی خوانی کرتے ہوئے تمہیں چلائے جارہی ہے۔اور موت کی حدی خوانی وہ مواعظ بلیغہ ہیں جو انسان کو لقاء اللہ کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اس کے حضور پیش ہونے کے لئے اشتیاق دلاتے ہیں۔اور موت کی حدی خوانی سنتے ہوئے انسان آخرت کی گھاٹیوں کا سفر کسی تکلیف وتردد کے بغیر طے کرلیتا ہے''۔

مذکورہ مفہوم کا تنقیدی جائزہ

بحرانی علیہ الرحمہ نے اپنے مفہوم کے اثبات کے لئے قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا اور اس کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ جنت وجہنم ہی انسان کی علت غائی ہے۔مگر ہم اس استدلال سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کو ہی تخلیق انسانی کی علت غائی قرار دیا ہے جنت وجہنم کو نہیں۔جبکہ جنت ودوزخ عبادت کرنے یا نہ کرنے کا ثمر ہیں تخلیق کی علت غائی ہرگز نہیں ہیں۔اور اگر بالفرض شارح بحرانی نے لفظ غایت سے منزل مقصود اور انجام کار مراد لیا ہے تو پھر انہیں اس آیت سے استدلال کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔شارح معتزلی لکھتے ہیں:''(**فَاِنَّ الْغَایَۃَ اَمَامَکُمْ**) منزل مقصود تمہارے سامنے ہے۔سے مقصود جزا وسزا ہے کیونکہ جملہ مکلفین کا انجام کار جزا یا سزا ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد موت ہو تو جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ موت تمہارے سامنے ہے۔اور موت کو سامنے کہنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان لحہ بہ لحہ موت کی طرف جارہا ہے اور انسان اپنی جزا وسزا کی طرف سفر کررہا ہے۔اور یہ دونوں چیزیں انسان کے سامنے ہیں۔(**وَاِنَّ وَرَائَکُمُ السَّاعَۃُ تَحْدُوْکُمْ**) اور ساعت تمہارے عقب میں ہے جو تمہیں دھکیل کر آگے لے جارہی ہے، سے مراد قیامت ہے۔یعنی قیامت انسانی نسل کو دھکیل کر موقف حساب کی طرف لے جارہی ہے''۔

مگر ہم اس تعبیر وتشریح سے بھی مطمئن نہیں ہیں کیونکہ کسی لفظ کے مجازی معنی لینے کی ایک شرط یہ ہوتی ہے کہ مجازی معنی کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں حضرتؑ کے کلام میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے مجازی معنی ضروری ہوجائے۔علاوہ ازیں شارح معتزلی نے لکھا ہے کہ قطب راوندی نے (**فَاِنَّ الْغَایَۃَ اَمَامَکُمْ وَاِنَّ وَرَائَکُمُ السَّاعَۃُ تَحْدُوْکُمْ**) کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں ''**اَمَامٌ**'' سے مراد پیچھے کی سمت اور ''**وَرَاءٌ**'' سے مراد سامنے کی سمت ہے۔تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ ترجمہ وتاویل کسی طرح سے بھی درست نہیں ہے کیونکہ آج تک کسی اہل لغت نے ''**اَمَامٌ**'' کا معنی پیچھے اور ''**وَرَاءٌ**'' کا معنی آگے نہیں لکھا اور اگر بالفرض اس معنی کے لئے تاویلات کا سہارا بھی لیا جائے تو بھی ذوق سلیم اس معنی ومفہوم کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

(**تَخَفَّفُوْا تَلْحَقُوْا**) ہلکے پھلکے رہو تا کہ آگے بڑھنے والوں کو پاسکو۔جب کسی شخص کے سر پر بوجھ نہ ہو تو وہ دوڑ کر آسانی سے دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کو پالیتا ہے اور ان سے مل جاتا ہے اور جب کسی نے بوجھ سر پر اٹھایا ہوا ہو تو وہ نہ تو تیزی سے چل سکتا ہے اور نہ ہی دوڑنے کا تصور کرسکتا ہے۔اسی طرح سے اگر انسان کے سر پر گناہوں کا بوجھ نہ ہو اور بار کی وجہ سے پشت جھکی ہوئی نہ ہو تو وہ آسانی سے سابقین اولین کے ساتھ مل کر ان کے مراتب حاصل کرسکتا ہے اور خدا کے پیاروں کا ہمسایہ بن سکتا ہے۔

سلمان فارسی کا اثاثہ

اس مفہوم کی مزید وضاحت کے لئے ہم حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ محدث جزائریؒ لکھتے ہیں کہ جب سلمان فارسیؓ کو مدائن کا گورنر بنایا گیا تو وہ حکومت کا پروانہ لے کر گدھے پر بیٹھے اور تن تنہا مدائن کی طرف چل پڑے۔ اہل مدائن کو اپنے ذرائع سے معلوم ہوا کہ حضرت سلمانؓ کی نئے گورنر کے طور پر تقرری ہوئی ہے اور بس اب وہ آنے ہی والے ہیں۔ چنانچہ اہل مدائن روزانہ امیر کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اہل مدائن شہر سے باہر بڑی بے چینی سے اپنے گورنر کا انتظار کر رہے تھے کہ حضرت سلمانؓ اپنے گدھے پر سوار وہاں آ پہنچے۔

تو کسی نے ان سے پوچھا: ''آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟''

حضرت سلمانؓ نے بتایا: ''میں مدینے سے آ رہا ہوں''۔

انہوں نے پوچھا: ''ہمارا حاکم تمہیں راستے میں کہیں ملا؟''

حضرت سلمانؓ نے جواب دیا: ''تمہارا حاکم کون ہے؟''

_____: ''ہمارے نئے حاکم کا نام سلمان فارسی ہے اور وہ نبی اکرمؐ کے معروف صحابی ہیں''۔

_____: ''تمہارے حاکم کو تو میں نہیں جانتا البتہ سلمان فارسی میں ہوں''۔

لوگوں نے جیسے ہی سنا کہ سلمان فارسیؓ آ گئے ہیں تو انہوں نے اپنی بہترین سواریاں ان کی خدمت میں پیش کیں اور گزارش کی کہ وہ ان میں سے کسی بھی سواری پر بیٹھ جائیں۔ حضرت سلمانؓ نے کہا: ''نہیں! مجھے تمہاری سواری کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس اپنی سواری موجود ہے۔ وہ مجھ سے اور میں اس سے مانوس ہوں''۔ الغرض اہل مدائن حضرت سلمان کو لئے ہوئے دارالامارہ تک آئے اور درخواست کی کہ دارالامارہ میں قیام فرمائیں۔ مگر حضرت سلمانؓ نے دارالامارہ میں ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور ایک دکان کرایہ پر لے کر اس میں اپنی چٹائی بچھائی اور احکام صادر کرنا شروع کر دیئے۔ حضرت سلمان کا کل اثاثہ ایک چٹائی، لوٹے اور عصا پر مشتمل تھا۔ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں طغیانی آئی اور سیلاب کا پانی شہر مدائن میں داخل ہو گیا۔ لوگ چاروں طرف سے چیخ و پکار کرنے لگے جبکہ حضرت سلمانؓ نے اپنی چٹائی لپیٹ کر بغل میں دبائی اور عصا اور لوٹا ہاتھ میں لے کر چل دیئے اور ایک ٹیلے پر جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''کم بوجھ والے افراد قیامت کے دن بھی اسی طرح سے نجات پائیں گے''۔

جزائری نے شیخ ورام کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضرت سلمانؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو جناب سَعد ان کی عیادت کرنے گئے اور ان سے ان کی حالت کا پوچھا تو سلمانؓ رونے لگے۔ سعد نے پوچھا: ''آپ رو کیوں رہے ہیں؟''۔ جناب سلمانؓ نے فرمایا: ''میں دنیا کی جدائی پر نہیں روتا اور نہ ہی مجھے دنیا سے کوئی لگاؤ ہے۔ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دنیا میں رہتے ہوئے بس اتنا زادراہ اپنے پاس رکھنا جتنا کہ ایک مسافر کے پاس ہوتا ہے۔ اور مجھے خطرہ ہے کہ میں نے بتائی ہوئی

مقدار سے کہیں تجاوز نہ کیا ہو۔ میرے اردگرد میرے گھر کا اثاثہ پھیلا ہوا ہے''۔ سعد کہتے ہیں: ''جب میں نے ان کے کمرے میں نظر ڈالی تو مجھے ایک لوٹا نظر آیا جس میں پانی بھرا رکھا تھا، ایک چٹائی تھی اور ایک نیام لٹک رہی تھی''۔ روایت میں ہے کہ ایک اور آدمی سلمانؓ کے پاس گیا تو اسے گھر میں قرآن اور تلوار کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ اس شخص نے حیران ہوکر کہا: ''بھلا یہ کیا؟ تمہارے گھر میں تو کچھ نہیں ہے!'' حضرت سلمانؓ نے فرمایا: ''اصل بات یہ ہے کہ مجھے ایک طویل سفر درپیش ہے اور میں نے اپنا تمام اثاثہ اس منزل کی طرف منتقل کر دیا ہے''۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے لوگوں کو سبک بار رہنے کی تعلیم دینے کے بعد فرمایا (فَاِنَّمَا یُنتَظَرُ بِاَوَّلِکُمْ اٰخِرَکُمْ) تمہارے اگلوں کو تمہارے پچھلوں کا انتظار کرایا جا رہا ہے۔ یعنی جب تک تمام لوگ خدا کے حضور نہیں پہنچ جاتے اس وقت تک قیامت کبریٰ قائم نہیں ہوگی۔

خطبہ ۲۲

جب طلحہ و زبیر نے آپؑ کی بیعت توڑی تو آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ شرح بحرانی میں مکمل خطبہ موجود ہے اور سید رضیؒ نے مختلف مقامات پر اس کی علیحدہ فصول بیان کی ہیں جن میں سے ایک فصل یہ ہے:۔

شیطانی لشکر

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامِ

یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے۔

اَلَا وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ ذَمَّرَ حِزْبَهٗ وَ اسْتَجْلَبَ جَلَبَهٗ لِيَعُوْدَ الْجَوْرُ اِلٰى اَوْطَانِهٖ وَ يَرْجِعُ الْبَاطِلُ اِلٰى نِصَابِهٖ وَ اللّٰهِ مَا اَنْكَرُوْا عَلَيَّ مُنْكَرًا وَ لَا جَعَلُوْا بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ نِصْفًا وَ اِنَّهُمْ لَيَطْلُبُوْنَ حَقًّا هُمْ تَرَكُوْهُ وَ دَمًا هُمْ سَفَكُوْهُ فَلَئِنْ كُنْتُ شَرِيْكَهُمْ فِيْهِ فَاِنَّ لَهُمْ لَنَصِيْبَهُمْ مِنْهُ وَ لَئِنْ كَانُوْا وَلُوْهُ دُوْنِيْ فَمَا التَّبِعَةُ اِلَّا عِنْدَهُمْ وَ اِنَّ اَعْظَمَ حُجَّتِهِمْ لَعَلٰى اَنْفُسِهِمْ يَرْتَضِعُوْنَ اُمًّا قَدْ فُطِمَتْ وَ يُحْيُوْنَ بِدْعَةً قَدْ اُمِيْتَتْ يَاخَيْبَةَ الدَّاعِيْ! مَنْ دَعَا! وَ اِلَامَ اُجِيْبَ! وَاِنِّيْ لَرَاضٍ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَ عِلْمِهٖ فِيْهِمْ فَاِنْ اَبَوْا اَعْتَيْطُهُمْ حَدَّ السَّيْفِ

معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان نے اپنے گروہ کو بھڑکانا شروع کر دیا اور اپنی فوجیں فراہم کر لی ہیں تاکہ ظالم اپنے انتہا کی حد تک اور باطل اپنے مقام تک پلٹ آئے۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ ہی اپنے اور میرے درمیان انصاف برتا۔ وہ مجھ سے اس خون کا مطالبہ کرتے ہیں جسے خود انہوں نے ہی چھوڑ دیا بلکہ اس خون کا عوض چاہتے ہیں جسے خود انہوں نے ہی بہایا ہے۔ اب اگر اس میں مَیں ان کا شریک تھا تو پھر اس میں ان کا بھی تو حصہ نکلتا ہے۔ اگر میرے علاوہ وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں تو پھر اس کی سزا بھی صرف انہی کو ہی بھگتنا چاہئے۔ اور ان کی سب سے بڑی دلیل ہی ان کے خلاف جاتی ہے۔ وہ اس ماں کا دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ منقطع ہو چکا ہے اور مری ہوئی بدعت کو پھر سے زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اف! کتنا نامراد ہے یہ جنگ کے لئے پکارنے والا، یہ للکارنے والا ہوتا کون ہے؟! اور کس مقصد کے لئے اس کی بات کو سنا جا رہا ہے! اور میں تو اس سے خوش ہوں کہ اللہ کی حجت ان پر تمام ہو چکی ہے اور ہر چیز ان کے علم میں ہے۔ اب اگر ان لوگوں نے اطاعت سے انکار کیا تو میں تلوار کی

وَ کَفیٰ بِہٖ شَافِیًا مِنَ الْبَاطِلِ وَ نَاصِرًا لِلْحَقِّ وَ مِنَ الْعَجَبِ بَعْثُھُمْ اِلَیَّ اَنْ اَبْرُزَ لِلطِّعَانِ وَ اَنْ اَصْبِرَ لِلْجِلَادِ ھَبِلَتْھُمُ الْھَبُوْلُ لَقَدْ کُنْتُ وَ مَا اُھَدَّدُ بِالْحَرْبِ وَ لَا اُرْھَبُ بِالضَّرْبِ وَ اِنِّیْ لَعَلیٰ یَقِیْنٍ مِنْ رَبِّیْ وَ غَیْرِ شُبْھَۃٍ مِنْ دِیْنِیْ.

باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا جو باطل سے شفا دینے اور حق کی نصرت کے لئے کافی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ وہ مجھے یہ پیغام دیتے ہیں کہ میں نیزہ زنی کیلئے میدان میں اتر آؤں اور تلواروں کی جنگ کے لئے جمنے کے لئے تیار رہوں۔ رونے والیاں ان کے غم میں بین کریں! میں تو ہمیشہ ایسا رہا ہوں کہ نہ تو جنگ سے مجھے دھمکایا جا سکا ہے اور نہ ہی شمشیر زنی سے خوفزدہ کیا جا سکا ہے۔ میں اپنے پروردگار کی طرف سے درجہ یقین پر فائز ہوں اور اپنے دین کی حقانیت پر مجھے کوئی شک نہیں ہے۔

تشریح لغات (ذَمَرَ) میم کی زبر اور شد دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، البتہ جب اسے باب تفعیل بنا کر پڑھا جائے گا تو اس میں کثرت کا مفہوم ہوگا بھڑکایا، بہت زیادہ بھڑکایا۔ (جَلَبْتُ الشَّیْءَ جَلْبًا) از باب ضَرَبَ وقَتَلَ کسی چیز کو کھینچ لینا۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ (جَلْبَۃٌ) اس بادل کو کہا جاتا ہے جس میں پانی نہ ہو یعنی شیطان نے بے فائدہ اور بے ہودہ قسم کا لشکر جمع کر لیا ہے۔ (نِصَابُ کُلِّ شَیْءٍ) ہر چیز کی اصل اور اس کی جمع نُصُبٌ، اَنْصِبَۃٌ آتی ہے جیسا کہ حِمَارٌ کی جمع حُمُرٌ، اَحْمِرَۃٌ آتی ہے۔ (النِّصْفُ) اسم مصدر انصاف، شارح معتزلی کہتے ہیں کہ یہاں لفظ انصاف کچھ اچھا نہیں لگتا، بلکہ اس کا معنی انصاف والا یعنی منصف ہے یعنی انہوں نے میرے اور اپنے درمیان کسی منصف کو مقرر نہیں کیا۔ (وَلِیَ) از باب حَسِبَ، کسی امر کا مالک بننا۔ (اَلتَّبِعَۃُ) بروزن فَرْحَۃٌ ''لِیْ قِبَلُ فُلَانٍ تَبِعَۃٌ'' مجھے فلاں سے شکایت ہے۔ (فَطَمَ الصَّبِیُّ) از باب ضَرَبَ بچے نے ماں کا دودھ پینا چھوڑ دیا۔ (حَدُّ السَّیْفِ) تلوار کی دھار۔ (اَلْجِلَادُ) جنگی ہتھیار لے کر جنگ کرنا۔ (ھَبَلَتْہُ اُمُّہٗ) اس کی ماں اسے روئے۔ (اَلْھَبُوْلُ) پسر مردہ ماں۔

اعراب

(**یَاخَیْبَۃَ الدَّاعِیْ**) ندا بر سبیل تعجب۔ یعنی جنگ کے لئے پکارنے والا کتنا بدنصیب و نامراد ہے۔ اور یہ اس آیت کی مانند ہے ﴿یَا حَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ﴾ معنی یہ ہے کہ اے ناکامی! آ جا کیونکہ تیرے آنے کا وقت پہنچ گیا ہے۔ (**مَنْ دَعَا**) میں لفظ ''مَنْ'' مبتدا ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور بعد والا فعل اس کی خبر ہے۔ یا (اُضْمِرَ عَامِلُہٗ عَلیٰ شَرِیْطَۃِ التَّفْسِیْرِ) کے تحت منصوب ہے۔.....

(**شَافِیًا ، نَاصِرًا**) حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ (**وَ مَا اُھَدَّدُ**) میں واؤ زائدہ ہے۔ (**کُنْتُ**) ''لَا زِلْتُ'' کے معنی میں ہے یعنی ''لَا زِلْتُ **اُھَدَّدُ بِالْحَرْبِ**'' مجھے کبھی بھی جنگ سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکا۔ اور قرآن مجید میں ''کَانَ'' کا لفظ ''مَا زَالَ'' کے مفہوم میں کئی مرتبہ استعمال ہوا ہے، مثلاً ﴿کَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ یعنی اللہ ہمیشہ سے صاحب علم و حکمت ہے۔

مفہوم خطبہ

حضرتؑ نے یہ خطبہ محرکین جنگ جمل کے متعلق ارشاد فرمایا جنہوں نے آپؑ کی بیعت شکنی کی تھی اور حضرتؑ نے ان کے گروہ کو

حزب شیطان اور جنود ابلیس قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا (**اَلَا وَاِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ ذَمَّرَ حِزْبَهٗ**) معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان نے اپنے گروہ کو بھڑکانا شروع کر دیا _ اور انہیں میری مخالفت میں لے آیا _ ہے۔(**وَ اسْتَجْلَبَ جَلَبَهٗ لِیَعُوْدَ الْجَوْرُ اِلٰی اَوْطَانِهٖ وَ یَرْجِعُ الْبَاطِلُ اِلٰی نِصَابِهٖ**) اور اس نے اپنی فوجیں جمع کر لی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ظلم اپنے انتہا کی حد تک اور باطل اپنے مقام تک پلٹ جائے۔ یعنی جس طرح سے پہلے عدل وانصاف معدوم تھا اور ظلم وجور رائج تھا یہ ایک مرتبہ پھر وہی غیر عادلانہ نظام لانا چاہتے ہیں۔(**وَ اللّٰهِ مَا اَنْکَرُوْا عَلَیَّ مُنْکَرًا**) خدا کی قسم! انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا۔ ان کی طرف سے مجھ پر قتل عثمان کا الزام تہمت تراشی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ (**وَ لَا جَعَلُوْا بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ نِصْفًا**) اور انہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف نہیں برتا۔ اگر وہ اپنے الزامات کو میزان عدل پر تولتے تو انہیں خود ہی معلوم ہو جاتا کہ وہ حق سے انحراف کر کے باطل کی حمایت کر رہے ہیں۔(**وَ اِنَّهُمْ لَیَطْلُبُوْنَ حَقًّا هُمْ تَرَکُوْهُ**) وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے خود انہوں نے چھوڑا تھا۔ انہوں نے خود ہی اسے مرنے کے لئے تنہا چھوڑا تھا مگر آج اس کے قصاص کا مجھ سے مطالبہ کرنے لگے ہیں۔(**وَ دَمًا هُمْ سَفَکُوْهُ**) وہ اس خون کا عوض چاہتے ہیں جسے انہوں نے خود بہایا ہے۔ یہی محرکین جمل ہی دراصل قاتلین عثمان ہیں اور عثمان کے خلاف حضرت عائشہؓ نے ہی جنگ کا آغاز کرتے ہوئے کہا تھا: ''نعثل کو قتل کر دو! خدا اسے قتل کرے''۔ اور مخالفین عثمان میں طلحہ بھی سرفہرست تھا۔

طلحہ کا طرز عمل

حضرت علیؑ نے خدا سے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے تھے: ''پروردگارا! تو جانتا ہے کہ طلحہ نے میری بیعت توڑی اور عثمان کے خلاف اسی نے لوگوں کو جمع کر کے اسے قتل کرایا تھا۔ مگر آج وہ مجھ پر قتل عثمان کا الزام عائد کر رہا ہے۔ خدایا اسے مزید مہلت نہ دے''۔

طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنی خیبر والی جاگیر کی طرف گئے ہوئے تھے اور جب واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ طلحہ کے گھر میں جمع ہیں۔ حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کی طرف ایک پیغام بھیجا جس میں طلحہ کے طرز عمل کی شکایت کی۔ حضرت علیؑ پیغام ملنے کے بعد طلحہ کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا: ''طلحہ! تو نے عثمان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہے؟''۔ طلحہ نے کہا: ''حضرتؑ! اب جانے دیں، اب حالات اس مقام تک پہنچ چکے ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہے''۔ حضرت علیؑ مخالفین عثمان کو اپنے ساتھ لئے ہوئے بیت المال آئے اور بیت المال کے کمرے کو کھولنے کا حکم دیا مگر چابی نہ مل سکی تو حضرتؑ نے دروازہ توڑ دیا اور بیت المال کی تمام دولت ان لوگوں میں تقسیم کر دی اس کے بعد تمام لوگ منتشر ہو گئے اور طلحہ اکیلا رہ گیا۔ جب حضرت عثمان نے یہ واقعہ سنا تو بہت خوش ہوئے۔ چند دنوں بعد طلحہ اپنے طرز عمل کی معذرت طلب کرنے کے لئے حضرت عثمان کے پاس گیا اور کہا: ''میں نے ایک امر کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ میرے اور میرے ارادے کے درمیان حائل ہو گیا۔ اب میں آپ کے پاس توبہ کی نیت سے آیا ہوں''۔ حضرت عثمان نے اس سے کہا: ''تو توبہ کرنے نہیں آیا، تو تو مغلوب ہو کر آیا ہے''۔ روایات میں ہے کہ جب زبیر جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں آیا تو حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا: ''بندۂ خدا! تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟'' زبیر نے کہا: ''میں خون عثمان کا قصاص طلب کر رہا ہوں''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تو نے اور طلحہ نے مل کر

عثمان کوقتل کرایا، تمہاری توبہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو وارثان عثمان کے سپرد کردو''۔

الغرض محرکین جمل کو کسی صورت میں خون عثمان سے بری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ان کا جرم دو حالتوں سے خالی نہیں؛

ا۔خون عثمان میں یہ لوگ شریک تھے اور ان کے ساتھ اور افراد بھی شریک تھے۔

۲۔یا یہ کہ خون عثمان کی تمام تر ذمہ داری ان کی گردنوں پر عائد ہوتی تھی۔

درج بالا دونوں صورتوں میں انہیں خون عثمان کا قصاص طلب کرنے کا کوئی شرعی اور اخلاقی جواز حاصل نہیں تھا۔اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان دونوں شقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا(**فَلَئِنْ كُنْتُ شَرِيْكَهُمْ فِيْهِ فَاِنَّ لَهُمْ لَنَصِيْبَهُمْ مِنْهُ**)اگر اس کام میں مَیں بھی ان کا شریک تھا تو پھر اس میں ان کا بھی تو حصہ نکلتا ہے۔یعنی بفرض محال ان کے بقول اگر میں قتل عثمان میں شریک تھا تو پھر میں تنہا تو نہیں تھا بلکہ یہ بھی اس کے برابر کے حصہ دار تھے۔اور اگر اب یہ واقعی اپنے طرز عمل پر شرمندہ ہیں اور قصاص عثمان کے طلبگار ہیں تو اپنے آپ کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کردیں۔پھر مجھے اپنا شریک مانتے ہوئے مجھ سے بھی قصاص کا مطالبہ کریں(**وَاِنْ كَانُوْا وَلُوْهُ دُوْنِىْ فَمَا التَّبِعَةُ اِلَّا عِنْدَهُمْ**)اور اگر صرف وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں، میں نہیں تو پھر اس کی سزا بھی انہیں ہی بھگتنا چاہئے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قتل عثمان میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔یہ سب کچھ ان لوگوں کا اپنا کیا دھرا ہے تو پھر انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہی لوگ سزا بھگتیں اور قصاص کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔(**وَ اِنَّ اَعْظَمَ حُجَّتِهِمْ لِنَفْسِهِمْ**)اور جو سب سے بڑی دلیل وہ میرے خلاف پیش کریں گے، وہی ان کے خلاف پڑے گی۔اور ہر لحاظ سے مجرم وہی لوگ نظر آئیں گے۔

مطالبہ قصاص کیوں؟

(**يَرْتَضِعُوْنَ اُمًّا قَدْ فُطِمَتْ وَ يُحْيُوْنَ بِدْعَةً قَدْ اُمِيْتَتْ**)وہ اس ماں کا دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ منقطع ہو چکا ہے اور مری ہوئی بدعت کو پھر سے زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ان لوگوں کو دراصل حضرت عثمان کے خون سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ یہ خود ہی عثمان کے قاتل ہیں۔حقیقت امر یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں ان سے وہی روش اختیار کروں جس کے یہ عادی رہ چکے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ میں سابقہ ادوار کی طرح ان کے لئے بیت المال کے دروازے کھول دوں لیکن انہیں مجھ سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ میں سابقہ ادوار کی بدعتوں کو پھر سے زندہ کروں گا اور امت اسلامیہ کے بیت المال سے ان پر نوازشات کی بارش کروں گا۔انہیں جان لینا چاہئے کہ جو ماں پہلے دودھ دیا کرتی تھی اب اس کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔

(**يَا خَيْبَةَ الدَّاعِىْ**)اف جنگ کے لئے پکارنے والا کتنا نامراد ہے! شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ جنگ کے داعی طلحہ، زبیر اور بی بی عائشہ تھیں۔حضرتؑ نے ان کی ناکامی و نامرادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نامرادی و ناکامی! آجا کیونکہ جنگ کے محرکین تجھے صدا دے رہے ہیں۔پھر حضرتؑ نے جنگ کے داعیوں کی حقارت اور پستی کے اظہار کے لئے فرمایا(**مَنْ دَعَا!**)یہ دعوت دینے والا اور للکارنے والا ہوتا کون ہے؟!(**وَ اِلَامَ اُجِيْبَ!**)اور کیسے رذیل ترین مقصد کے لئے اس کی بات کو سنا جارہا ہے؟! یعنی دعوت دینے والا بھی

حقیر اور اس کی دعوت بھی حقیر ہے۔(**وَ اِنِّیْ لَرَاضٍ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ**) اور میں تو اس پر خوش ہوں کہ اللہ کی حجت ان پر تمام ہو چکی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے حکم موجود ہے کیونکہ رب العزت کا فرمان ہے﴿.....فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآئَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾.....اگر ایک فریق دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آ جائے۔ پھر اگر پلٹ آئے تو عدل وانصاف کے ساتھ ان کے درمیان صلح کرادو۔ اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (الحجرات/۹)۔(**وَ عِلْمِهٖ فِيْهِمْ**) اور ان کے متعلق ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ ان کی شورش کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہیں۔ وہ ان کے ظاہر و باطن سے بخوبی آگاہ ہے۔(**فَاِنْ اَبَوْا**) اگر انہوں نے انکار کیا۔ یعنی اگر انہوں نے میری اطاعت قبول نہ کی اور فرمان خداوندی کی موجودگی میں میری بیعت میں دوبارہ داخل نہ ہوئے تو(**اَعْتَيْطُهُمْ حَدَّ السَّيْفِ**) میں تلوار کی باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا۔ امر الٰہی کے اجرا اور حکومت الٰہیہ کی بقا کے لئے ان سے جنگ کروں گا۔

مقاصد جنگ

(**وَ كَفٰى بِهٖ شَافِيًا مِنَ الْبَاطِلِ وَ نَاصِرًا لِلْحَقِّ**) جو تلوار باطل سے شفا دینے اور حق کی نصرت کے لئے کافی ہے۔ یعنی میری جنگ حصول اقتدار کے لئے نہ ہوگی اور نہ ہی حدود سلطنت میں اضافہ کے لئے ہوگی۔ مرض باطل کے علاج اور نصرت حق کی خاطر میری تلوار نیام سے باہر آئے گی۔ حضرتؑ نے اپنی جنگ کے دو مقاصد بیان فرمائے: ۱۔ باطل کی سرکوبی اور ۲۔ حق کی نصرت و سربلندی۔ اور مذکورہ مقاصد کی تکمیل جب مذاکرات کے ذریعہ ممکن نہ ہو تو پھر اعلائے کلمۃ الحق کے لئے تلوار اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے۔

دشمن کی تکلی کا جواب

(**وَ مِنَ الْعَجَبِ بَعْثُهُمْ اِلَیَّ اَنْ اَبْرُزَ لِلطِّعَانِ وَ اَنْ اَصْبِرَ لِلْجِلَادِ**) اور انتہائی حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ مجھے یہ پیغام دیتے ہیں کہ میں نیزہ زنی کے لئے میدان میں اتر آؤں اور تلواروں کی جنگ کے لئے جمے رہنے پر تیار رہوں۔ یعنی مجھے دشمن کی اس دیدہ دلیری پر تعجب ہے کہ وہ مجھے آج یہ پیغام دے رہے ہیں کہ میں شمشیر و سناں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤں_ حالانکہ وہ میری جرات سے بخوبی واقف ہیں_ اور مجھ جیسے تلوار کے دھنی کو شمشیر زنی سے ڈرانا چاہتے ہیں جبکہ میری شمشیر زنی کے متعلق انہیں مرحب کے سر سے اور خیبر کے در سے پوچھنا چاہئے۔ میرے اور میری شمشیر کے قصیدے تو جبرائیل پڑھتے ہوئے دکھائی دیتا ہے اور لَا فَتٰى اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کے ترانے گاتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے میں اپنے دشمن کی اس دیدہ دلیری پر جتنا بھی تعجب کروں کم ہے۔ بھلا جس کے محمد حنفیہ اور عباس جیسے تلوار کے دھنی بیٹے ہوں اسے جنگ کی دھمکی دینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ از مترجم_ (**هَبِلَتْهُمُ الْهَبُوْلُ**) رونے والیاں ان کے غم میں روئیں۔ ان کی یہ جرات کہ مجھے جنگ کی دھمکیاں دیں؟ (**لَقَدْ كُنْتُ وَ مَا اُهَدَّدُ بِالْحَرْبِ وَ لَا اُرْهَبُ بِالضَّرْبِ**) میں تو ہمیشہ سے ایسا رہا ہوں کہ جنگ سے مجھے دھمکایا نہیں جا سکا اور شمشیر زنی سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکا۔ میں تو روز ازل سے ہی

جنگ آزما اور کبھی نہ ڈرنے والا شخص ہوں میرے لئے جنگ کوئی نئی چیز نہیں اور شمشیر وسناں کے حملے کوئی نیا تجربہ نہیں کیونکہ (**وَ اِنِّیْ لَعَلٰی یَقِیْنٍ مِنْ رَبِّیْ وَ غَیْرِ شُبْهَةٍ مِنْ دِیْنِیْ**) میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے یقین کے درجہ پر فائز ہوں اور اپنے دین کی حقانیت پر مجھے کوئی شبہہ نہیں ہے۔ بے یقین افراد ڈرا کرتے ہیں اور میں بحمداللہ صاحب یقین ہوں اور صاحب یقین کبھی تلواروں سے ڈرا نہیں کرتے۔ باور نہ ہو تو شب ہجرت کو دیکھ لو جب میں تلواروں کے سائے میں بے خطر سویا تھا۔ اور جسے اپنے حق پر ہونے کا جتنا یقین ہوگا اس میں قوت مزاحمت اتنی ہی زیادہ ہوگی ایسا شخص میدان میں کٹ تو سکتا ہے لیکن اپنے مؤقف سے ہٹ نہیں سکتا۔ کیونکہ اسے ہر حال میں اپنے رب پر یقین ہوتا ہے اور وہ اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔

تکمیل

ہم نے خطبہ کے آغاز میں تحریر کیا تھا کہ یہ خطبہ دراصل حضرتؑ کے ایک طویل خطبہ کا اقتباس ہے اور ہم نے دسویں خطبہ کی شرح میں بھی یہی تحریر کیا تھا، یہاں موقع کی مناسبت سے ہم پورا خطبہ لکھنا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ شارح بحرانی رقم طراز ہیں کہ جب حضرتؑ نے یہ سنا کہ طلحہ زبیر نے بیعت توڑ دی ہے تو آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں حمد ثناء کے بعد آپؑ نے فرمایا:

''اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ الْجِهَادَ فَعَظَّمَهٗ وَ جَعَلَهٗ نُصْرَتَهٗ وَ نَاصِرَهٗ وَ اللّٰهِ مَاصَلَحَتْ دُنْیَا وَ لَا دِیْنَ اِلَّا بِهٖ وَ قَدْ جَمَعَ الشَّیْطَانُ حِزْبَهٗ وَ اسْتَجْلَبَ خَیْلَهٗ وَ مَنْ اَطَاعَهٗ لِیَعُوْدَ لَهٗ دِیْنَهٗ وَ سُنَّتَهٗ وَخَدَعَهٗ وَ قَدْ رَاَیْتُ اُمُوْرًا قَدْ تَمَخَّضَتْ وَ اللّٰهِ مَا اَنْکَرُوْا عَلَیَّ مُنْکَرًا وَ لَا جَعَلُوْا بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ نِصْفًا وَ اِنَّهُمْ لَیَبْطُلُوْنَ حَقًّا تَرَکُوْهُ وَ دَمًا سَفَکُوْهُ فَاِنْ کُنْتُ شَرِیْکَهُمْ فِیْهِ فَاِنَّ لَهُمْ لَنَصِیْبَهُمْ مِنْهُ وَ اِنْ کَانُوْا وَلُوْهُ دُوْنِیْ فَمَا الطَّلَبَةُ اِلَّا قِبَلَهُمْ وَ اِنْ اُدِلَّ عَدْلَهُمْ لَعَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ لَا اَعْتَذِرُ مِمَّا فَعَلْتُهٗ وَ لَا اَتَبَرَّءُ مِمَّا صَنَعْتُ وَ اِنْ هِیَ لَبَصِیْرَتِیْ مَا لَبِسْتُ وَ لَا اُلْبِسَ عَلَیَّ وَ اِنَّهَا لِلْفِئَةِ الْبَاغِیَةِ فِیْهَا الْحَمُّ وَ الْحَمَةَ طَالَتْ جَلْبَتُهَا وَ انْکَفَتْ جَوْنَتَهَا لَیَعُوْدَنَّ الْبَاطِلُ فِیْ نِصَابِهٖ یَا خَیْبَةَ الدَّاعِیْ مَنْ دَعَا لَوْ قِیْلَ مَا اَنْکَرَ فِیْ ذٰلِكَ وَ مَا اَمَامَهٗ وَ فِیْمَنْ سُنَنَهٗ وَ اللّٰهِ اِذًا لَزَاحَ الْبَاطِلُ مِنْ نِصَابِهٖ وَ انْقَطَعَ لِسَانُهٗ وَ مَا اَظُنُّ الطَّرِیْقَ لَهٗ فِیْهِ وَاضِحٌ حَیْثُ نَهَجَ وَ اللّٰهِ مَا تَابَ مَنْ قَتَلُوْهُ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ لَا تَنْصِلُ مِنْ خَطِیْئَتِهٖ وَ مَا اعْتَذَرَ اِلَیْهِمْ فَعَذَّرُوْهُ وَ لَا دَعَا فَنَصَرُوْهُ وَ ایْمَ اللّٰهُ لَاَقْرَطَنَّ لَهُمْ حَوْضًا اَنَا مَاتِحُهٗ لَا یَصْدِرُوْنَ عَنْهُ بَرِیْءٌ وَ لَا یَعُبُّوْنَ حَسْوَةً اَبَدًا وَ اِنَّهَا لَطِیْئَةُ نَفْسِیْ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ وَ عِلْمِهٖ فِیْهِمْ وَ اِنِّیْ رَاعِیْهُمْ فَمُعَذِّرٌ اِلَیْهِمْ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقْبَلُوْا وَ اَجَابُوْا وَ اَنَابُوْا فَالتَّوْبَةُ مَبْذُوْلَةٌ وَ الْحَقُّ مَقْبُوْلٌ وَ لَیْسَ عَلَیَّ کَفِیْلٌ وَ اِنْ اَبَوْا اَعْتَیَطُهُمْ حَدَّ السَّیْفِ وَ کَفٰی بِهٖ شَافِیًا مِنْ بَاطِلٍ وَ نَاصِرًا لِمُؤْمِنٍ وَ مَعَ کُلِّ صَحِیْفَةٍ شَاهِدَهَا وَ کَاتِبَهَا وَاللّٰهِ اِنَّ الزُّبَیْرَ وَ طَلْحَةَ وَ عَایِشَةَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ عَلَی الْحَقِّ وَ هُمْ مُبْطِلُوْنَ''۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کیا پھر جہاد کی عظمت بیان کی۔ اسے اپنی نصرت اور مجاہد کو اپنا ناصر قرار دیا۔ دین ودنیا کی اصلاح جہاد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ شیطان نے اپنے گروہ کو جمع کرلیا ہے اور اپنے تمام سواروں اور اطاعت گزاروں کو اکٹھا کرلیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طرح سے وہ اپنے دین وسنت اور مکر کو واپس لے آئے اور میں نے امور کو بدلتے ہوئے دیکھا ہے۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھ پر کوئی سچا

الزام نہیں لگایا اور انہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف روا نہیں رکھا۔ وہ اس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے خود انہوں نے چھوڑا ہے اور اس خون کا قصاص طلب کر رہے ہیں جو انہوں نے خود بہایا ہے۔ اگر بالفرض اس میں مَیں ان کا شریک تھا تو اس میں خود ان کا اپنا بھی حصہ ہے اور اگر وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں میں نہیں، تو مطالبہ میں بھی انہیں ہی قتل ہونا چاہئے۔ ان کی پہلی عدالت خوان کی ذات کے خلاف ہونی چاہئے۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنے کردار پر معذرت اور اپنے افعال سے بیزاری کا اعلان نہیں کروں گا۔ میرے پاس میری اپنی بصیرت موجود ہے۔ نہ تو میں نے خود جان بوجھ کر کبھی اپنے آپ کو دھوکا دیا ہے اور نہ ہی کبھی مجھے واقعی دھوکا ہوا ہے۔ یہ ایک باغی گروہ ہے جس میں پست افراد شامل ہیں۔ ان کی دیگچی الٹ چکی ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ باطل اپنے مرکز پر دوبارہ لوٹ آئے۔ اف! اس جنگ کے لئے پکارنے والا کتنا ہی نامراد ہے! اور اس کے لئے للکارنے والا ہوتا کون ہے؟! اگر اس سے یہ پوچھا جائے کہ اس نے کیا برائی دیکھی اور اس کا مقصد کیا ہے اور وہ کس کے طریقے پر چلنا چاہتا ہے؟ تو یقیناً باطل اپنے مرکز سے ہٹ جائے گا اور اس کی زبان خاموش ہو جائے گی۔ مجھے تو اس کا کوئی واضح نصب العین نظر نہیں آتا۔ اور جس کو انہوں نے قتل کیا تھا، خدا کی قسم! مرنے سے قبل اس نے تو نہ ہی کوئی توبہ کی تھی، نہ ہی اپنی غلطی سے بیزاری کا اعلان کیا تھا، نہ ہی ان کے سامنے کوئی معذرت کی تھی تا کہ انہوں نے اس کی معذرت قبول کر لی ہو اور نہ ہی اس نے انہیں مدد کے لئے پکارا تھا کہ یہ اس کی مدد کرتے۔

خدا کی قسم! میں ان کے لئے ایسا تالاب بہاؤں گا جس کا پانی نکالنے والا صرف میں ہی ہوں، انہیں کبھی بھی وہاں سے سیراب ہو کر نکلنے حتی کہ چلو بھر پانی پینے تک کا موقع نصیب نہیں ہوگا۔ مجھے خوشی تو اس بات کی ہے کہ خدا کی طرف سے ان پر حجت تمام ہو چکی ہے اور ان کے متعلق ہر چیز خدا کے علم میں ہے۔ میں تو پھر بھی ان پر شفقت کرنا چاہتا ہوں اور انہیں معذرت کا موقع فراہم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ سچی توبہ کر کے میری بات مان لیں اور حق کی طرف پلٹ آئیں تو ان کی توبہ قبول اور حق مقبول ہے اور میرے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے۔ اور اگر ان لوگوں نے اطاعت سے انکار کیا تو میں تلوار کی باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا۔ اور تلوار باطل سے شفا دینے اور مؤمن کے مددگار ہونے کے لئے کافی ہے۔ ہر صحیفہ کے ساتھ اس کا ایک شاہد اور کاتب ہوتا ہے۔ خدا کی قسم! طلحہ، زبیر اور عائشہ کو یقیناً اس بات کا علم ہے کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں۔

شارح معتزلی نے ابومخنف کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسافر بن عفیف بن ابی الاخنس کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ کے قاصد طلحہ، زبیر اور بی بی عائشہؓ کے پاس سے جنگ کا اعلان لے کر واپس آئے تو حضرتؑ منبر پر تشریف لائے، خطبہ دیا اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا:

''اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدْ رَاقَبْتُ ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ کَیْ یَرْعُوْا وَ یَرْجِعُوْا وَ وَبِخْتُھُمْ بِنَکْثِھِمْ وَ عَرَّفْتُھُمْ بَغْیَھُمْ فَلَمْ یَسْتَحْیُوْا وَ قَدْ بَعَثُوْا اِلَیَّ اَنْ اَبْرَزَ لِلطِّعَانِ فَاَ صْبِرَ لِلْجَلَادِ وَ اِنَّمَا تَمَنِّیْکَ نَفْسُکَ نَفْسُکَ اَمَانِیَ الْبَاطِلِ وَ تَعِدُکَ الْغُرُوْرَ اَلَا ھَبِلَتْھُمُ الْھُبُوْلُ لَقَدْ کُنْتُ وَ مَا اُھَدَّدُ بِالْحَرْبِ وَ لَا اُرَھَّبُ بِالضَّرْبِ وَ لَقَدْ اَنْصَفُ الْقَادَۃَ مَنْ رَامَاھَا فَلْیَرْعُوْا وَ لْیَرْبَقُوْا فَقَدْ رَأَوْنِیْ قَدِیْمًا وَ عَرَفُوْا نُکَایَتِیْ فَکَیْفَ رَأَوْنِیْ اَنَا اَبُو الْحَسَنِ الَّذِیْ فَلَلْتُ حَدَّ الْمُشْرِکِیْنَ وَ فَرَّقْتُ جَمَاعَتَھُمْ وَ بِذٰلِکَ الْقَلْبِ اَلْقٰی عَدُوِّیْ الْیَوْمَ وَ اِنِّیْ لَعَلٰی مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ مِنَ النَّصْرِ وَ التَّأْیِیْدِ وَ عَلٰی یَقِیْنٍ مِّنْ اَمْرِیْ وَ فِیْ غَیْرِ شُبْھَۃٍ مِنْ دِیْنِیْ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ الْمَوْتَ لَا

يَفُوْتُهُ الْمُقِيْمُ وَ لَا يَعْجُزُهُ الْهَارِبُ لَيْسَ عَنِ الْمَوْتِ مُحِيْدٌ وَ لَا مَحِيْصٌ وَ مَنْ لَّمْ يُقْتَلْ مَاتَ وَ اِنَّ اَفْضَلَ الْمَوْتِ الْقَتْلُ وَ الَّذِیْ نَفْسُ عَلِیٍّ بِيَدِهٖ لَاَلْفُ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ اَهْوَنُ عَلَیَّ مِنْ مَوْتَةٍ وَاحِدَةٍعَلَى الْفِرَاشِ اَللّٰهُمَّ اِنَّ طَلْحَةَ نَكَثَ بَيْعَتِیْ وَ اَلَبَّ عَلٰی عُثْمَانٍ حَتّٰی قَتَلَهٗ ثُمَّ عَضَنِیْ بِهٖ وَ رَمَانِیْ اَللّٰهُمَّ اِنَّ الزُّبَيْرَ قَطَعَ رَحِمِیْ وَ نَكَثَ بَيْعَتِیْ وَ ظَاهَرَ عَلٰی عَدُوِّیْ فَاكْفِنِيْهِ الْمَوْتَ بِمَا شِئْتَ''

لوگو! میں نے ان لوگوں کا انتظار کیا تا کہ وہ حقوق کا لحاظ رکھیں اور حق کی طرف لوٹ آئیں۔ میں نے بیعت شکنی کی بابت انہیں زجر وتوبیخ کی اور انہیں ان کی بغاوت کے انجام سے باخبر کیا لیکن انہیں پھر بھی شرم نہیں آئی بلکہ انہوں نے میری طرف یہ پیغام بھیجا کہ میں نیزہ زنی کے لئے میدان میں اتر آؤں اور تلواروں کی جنگ کے لئے تیار رہوں۔ تیرا نفس تجھے غلط امیدیں دلا رہا ہے اور تجھ سے جھوٹے وعدے کر رہا ہے۔ رونے والیاں ان کے غم میں روئیں، میں تو ہمیشہ سے ایسا رہا ہوں کہ نہ تو جنگ سے مجھے دھمکایا جا سکا ہے اور نہ ہی شمشیر زنی سے خوفزدہ کیا جا سکا ہے۔ میں جنگ کے بھڑکانے والوں سے پورا پورا انصاف کیا کرتا ہوں۔ یہ جتنا چاہیں گرج چمک لیں، انہوں نے مجھے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے اور میری شجاعت سے بھی واقف ہیں۔ خود انہی سے ہی پوچھ لو کہ انہوں نے مجھے کیسا دیکھا تھا؟ میں وہی ابوالحسن ہی تو ہوں جس نے مشرکین کی دھار کو کند کر دیا تھا اور ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا تھا۔ اور آج بھی وہی دل لے کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ میرے رب نے میرے ساتھ تائید ونصرت کا وعدہ کیا ہے اور میں اس وعدہ پر قائم ہوں۔ مجھے اپنے معاملہ کا پکا یقین ہے اور مجھے اپنے دین میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ لوگو! اپنے گھر میں ٹھہرنے والا موت سے کبھی بچ نہیں سکتا اور موت سے بھاگنے والا اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ موت سے نہ تو بھاگا جا سکتا ہے نہ بچا جا سکتا ہے۔ جو قتل سے بچ جائے گا وہ طبعی موت مرے گا مگر شہادت ہی بہترین موت ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں علیؑ کی جان ہے، تلوار کی ہزار ضربیں کھانا میرے لئے بستر پر ایک دفعہ کے مرنے سے بھی بہت زیادہ آسان ہے۔ پروردگارا! طلحہ نے میری بیعت توڑی ہے جبکہ اسی نے ہی عثمان کے خلاف لوگوں کو جمع کیا تھا لیکن پھر اُس نے اس کے قتل کا الزام مجھ پر دھرا ہے، خدایا! اسے مہلت نہ دے۔ پروردگارا! زبیر نے مجھ سے قطع رحمی کی ہے، میری بیعت توڑی ہے اور میرے خلاف میرے دشمنوں کی مدد کی ہے، تُو اسے اپنی مرضی سے موت دے کر میری مدد کر۔

ابوالحسن علی بن محمد مدائنی نے عبداللہ بن جنادہ سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے: ''میں حضرت علیؑ کی خلافت کے اوائل میں حجاز سے عراق جانا چاہتا تھا۔ میں عمرہ کے لئے مکہ گیا، عمرہ ادا کر کے مدینہ گیا اور جب مسجد نبوی میں گیا تو وہاں ''اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ'' کے الفاظ سے منادی کی ندا سنائی دی۔ منادی کی ندا سن کر لوگ جمع ہو گئے اور حضرت علیؑ تلوار حمائل کئے ہوئے تشریف لائے۔ تمام لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ انہوں نے اللہ کی حمد کی، رسولؐ خدا پر درود بھیجی اور پھر فرمایا:

''اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّهٗ لَمَّا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَ سَلَّمَ قُلْنَا نَحْنُ اَهْلُهٗ وَ وَرَثَتُهٗ وَ اَوْلِيَائُهٗ دُوْنَ النَّاسِ لَا يُنَازِعُنَا سُلْطَانَهٗ اَحَدٌ وَ لَا يَطْمَعُ فِیْ حَقِّنَا طَامِعٌ اِذَا انْتَزٰی لَنَا قَوْمُنَا فَغَصَبُوْنَا سُلْطَانَ نَبِيِّنَا وَ صِرْنَا سَوْقَةً يَطْمَعُ فِيْنَا الضَّعِيْفُ وَ يَتَعَزَّزُ عَلَيْنَا الذَّلِيْلُ فَبَكَتِ الْعُيُوْنُ مِنَّا لِذٰلِكَ وَ خَشَنَتِ الصُّدُوْرُ وَ جَزَعَتِ النُّفُوْسُ وَ ايْمَ اللّٰهِ لَوْ لَا مَخَافَةَ الْفُرْقَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اَنْ

يَعُوْدَ الْكُفْرُ وَيَبُوْرُ الدِّيْنُ لَكُنَّا عَلىٰ غَيْرِ مَا كُنَّا لَهُمْ عَلَيْهِ فَوَلَّى الْاَمْرَ وُلَاةٌ لَمْ يَالُوْا النَّاسَ خَيْرًا ثُمَّ اسْتَخْرَجْتُمُوْنِيْ اَيُّهَا النَّاسُ مِنْ بَيْتِيْ فَبَايَعْتُمُوْنِيْ عَلىٰ شَانٍ مِنِّيْ لِاَمْرِكُمْ وَ فَرَاسَةٍ تَصَدَّقَنِيْ مَا فِيْ قُلُوْبِ كَثِيْرٍ مِنْكُمْ وَ بَايَعَنِيْ هٰذَانِ الرَّجُلَانِ فِيْ اَوَّلِ مَنْ بَايَعَ يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ وَ قَدْ نَكَثَا وَ غَدَرَا وَ نَهَضَا اِلَى الْبَصْرَةِ بِعَايِشَةٍ لِيُفَرِّقَا جَمَاعَتَكُمْ وَ يُلْقِيَا بَأْسَكُمْ بَيْنَكُمْ اللّٰهُمَّ فَخُذْهُمَا بِمَا عَمِلَا اَخْذَةً وَاحِدَةً رَابِيَةً وَلَا تَنْعَشْ لَهُمَاصُرْعَةً وَ لَا تُقِلْهُمَا عَثْرَةً وَ لَا تُمْهِلْهُمَا فَوَاقًا فَاِنَّهُمَا يَطْلُبَانِ حَقًّا تَرَكَاهُ وَ دَمًا سَفَكَاهُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَقْتَضِيْكَ وَعْدَكَ فَاِنَّكَ قُلْتَ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ لِمَنْ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ. اَللّٰهُمَّ فَانْجِزْ لِيْ مَوْعِدِيْ وَ لَا تَكِلْنِيْ اِلىٰ نَفْسِيْ اِنَّكَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.....''

امابعد۔ جب سے رسولؐ خدا نے وفات پائی تھی تو ہم نے سوچا تھا کہ چونکہ دوسرے لوگوں کی بجائے ہم ہی ان کا خاندان، ان کے وارث، ان کی عترت اوران کے حقیقی جانشین ہیں اس لئے ان کی سلطنت کے متعلق ہم سے کوئی بھی تنازعہ نہ کرے گا اور ہمارے حق کے بارے میں کوئی طمع نہیں کرے گا لیکن اچانک ہماری قوم نے ہم پر حملہ کر دیا اور ہم سے ہمارے نبی کی سلطنت غصب کر لی اور ہمیں اتنا بے قدر کر دیا گیا کہ کمزور ترین فرد بھی ہمارے متعلق طمع کرنے لگا اور ذلیل ترین شخص بھی اپنے آپ کو ہم سے برتر تصور کرنے لگا۔ یہ حالات دیکھ کر ہماری آنکھیں بھر آئیں، ہمارے سینے غضب سے بھر گئے اور ہمارے دلوں نے غم وتکدر کا اظہار کیا۔ خدا کی قسم! اگر مسلمانوں میں تفرقہ کفر کے دوبارہ پلٹنے اور دین کے تباہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہمارا ان سے وہ برتاؤ نہ ہوتا جو اس صورتحال کے پیش نظر تھا۔ ایسے ایسے حکام برسر اقتدار آئے جنہوں نے لوگوں کے ساتھ اچھائی کی کوشش تک نہیں کی۔ پھر اے لوگو! تم نے ہی دل سے میری فراست کی تصدیق کرتے ہوئے مجھے گھر سے نکال کر میری بیعت کی تھی تا کہ میں اپنے طور پر تمہارے امور چلاؤں۔ ابتدائی بیعت کرنے والوں میں ان دو اشخاص نے بھی میری بیعت کی تھی اور لوگوں کو بھی ان کی بیعت کا علم ہے۔ پھر ان دونوں نے بیعت توڑ ڈالی، غداری کی اور عائشہ کو لے کر بصرہ کی طرف چل پڑے ان کا مقصد تمہاری جماعت کو منتشر کرنا اور تمہارے درمیان اختلاف پیدا کرنا ہے۔ خدایا! ان کے طرز عمل کی وجہ سے یکبارگی ان کی گرفت فرما، انہیں پچھاڑنے کے بعد بلند نہ فرما، ان کی لغزشوں کو معاف نہ فرما اور انہیں تیر کے سرے جتنی بھی مہلت نہ دے۔ یہ دونوں اس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے انہوں نے خود ہی چھوڑ دیا تھا اور اس خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے خود انہوں نے ہی بہایا تھا۔ پروردگارا! میں تجھ سے تیرے وعدے کے ایفا کا طالب ہوں کیونکہ تو نے خود فرمایا ہے اور تیرا فرمان حق ہے ''جس کے خلاف بغاوت کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا''۔ خدایا! مجھ سے اپنا وعدہ پورا فرما اور مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وَ عَنِ الْكُلَيْنِيْ قَالَ: لَمَّا اَرَادَ عَلِيٌّ الْمَصِيْرَ اِلَى الْبَصْرَةِ قَامَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ بَعْدَ اَنْ حَمِدَ اللّٰهَ وَ صَلّٰى عَلىٰ رَسُوْلِهٖ ''اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا قَبَضَ نَبِيَّهٗ اِسْتَأْثَرَتْ عَلَيْنَا قُرَيْشٌ بِالْاَمْرِ وَ دَفَعَتْنَا عَنْ حَقٍّ نَحْنُ اَحَقُّ بِهٖ مِنَ النَّاسِ كَافَّةً فَرَأَيْتُ اَنَّ الصَّبْرَ عَلىٰ ذٰلِكَ اَفْضَلُ مِنْ تَفْرِيْقِ كَلِمَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَفْكِ دِمَائِهِمْ وَالنَّاسُ حَدِيْثُوْعَهْدٍ بِالْاِسْلَامِ وَ الدِّيْنُ يَمْخُضُ مَخْضَ الْوَطَبِ يُفْسِدُهٗ اَدْنىٰ وَهْنٌ وَيَعْكِسُهٗ اَقَلُّ خَلْفٍ (خُلْقٍ خ ل) فَوَلَّى الْاَمْرَ قَوْمٌ لَمْ يَالُوْا فِيْ اَمْرِهِمْ اِجْتِهَادًا ثُمَّ انْتَقَلُوْا اِلىٰ

دَارِالْجَزَاءِ وَاللّٰهُ وَلِیُّ تَمْحِیْصِ سَیِّئَاتِهِمْ وَالْعَفْوِ عَنْ هَفَوَاتِهِمْ فَمَا بَالُ طَلْحَةَ وَالزُّبَیْرِ وَ لَیْسَا مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ بِسَبِیْلٍ لَمْ یَصْبِرَا عَلَیَّ حَوْلًا وَلَا شَهْرًا حَتّٰی وَثَبَا وَ مَرَقَا وَ نَازَعَانِیْ اَمْرًا لَمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُمَا اِلَیْهِ سَبِیْلًا بَعْدَ اَنْ بَایَعَا طَائِعِیْنَ غَیْرَ مُکْرِهِیْنَ یَرْتَضِعَانِ اُمًّا قَدْ فَطَمَتْ وَ یُحْیِیَانِ بِدْعَةً قَدْ اُمِیْتَتْ اَدَمُ عُثْمَانَ زَعَمًا مَا التَّبِعَةُ اِلَّا عِنْدَهُمْ وَ فِیْهِمْ وَ اِنَّ اَعْظَمَ حُجَّتِهِمْ لَعَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ اَنَا رَاضٍ بِحُجَّةِ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ وَ عِلْمِهٖ فِیْهِمْ فَاِنْ فَاءَا وَ اَنَا بِاَفْخَظِهِمَا اِحْرَازًا وَ اَنْفَسُهُمَا غَنَمًا وَ اَعْظَمَ بِهِمَا غَنِیْمَةً وَ اِنْ اَبَیَا اَعْتَیْطُهُمَا حَدَّالسَّیْفِ وَ کَفٰی بِهٖ نَاصِرًا لِحَقٍّ وَ شَافِیًا لِبَاطِلٍ''

ثقۃ الاسلام کلینیؒ لکھتے ہیں کہ جب امیر المؤمنینؑ نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو آپؑ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے خدا کی حمد اور نبی کریمؐ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو وفات دی تو قریش نے امر خلافت کے متعلق ہم پر زیادتی کی اور ہمیں اس حق سے محروم کر دیا جس کے ہم تمام لوگوں سے زیادہ حق دار تھے۔ میں نے سوچا کہ مسلمانوں کی تفریق اور خونریزی سے صبر کرنا بہتر ہے، کیونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور دین دودھ کی مَشک کی طرح بلویا جا رہا تھا جسے معمولی سی کمزوری خراب کر سکتی تھی اور تھوڑا سا اختلاف بھی اس کی تنزلی کا باعث بن سکتا تھا۔ پھر کچھ ایسے لوگ حکمران بنے جنہوں نے اپنے کام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی پھر وہ دار الجزا کی طرف منتقل ہو گئے۔ خدا ہی ان کے گناہ معاف کرنے اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرنے کا مالک ہے۔ لیکن طلحہ و زبیر کا کیا کام؟! ان کا تو امر خلافت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے انہوں نے میرے متعلق ایک سال تک صبر نہیں کیا بلکہ چند مہینے بھی صبر نہیں کیا اور چڑھائی کر دی، جماعت کو چھوڑ دیا اور مجھ سے اس امر کا تنازعہ کیا جس میں اللہ نے ان کا کوئی حصہ ہی نہیں رکھا۔ جب کہ اس سے قبل انہوں نے کسی جبر و اکراہ کے بغیر خوشی سے میری بیعت کی تھی۔ وہ دونوں اس ماں کا دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ ختم ہو چکا ہے۔ اور وہ دونوں مردہ بدعت کو از سر نو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ خون عثمان تو بس ایک بہانہ ہے جس کی سزا صرف انہیں ہی بھگتنی چاہئے اور خون عثمان کو صرف انہی میں ہی تلاش کیا جانا چاہئے۔ جو سب سے بڑی دلیل وہ پیش کریں گے وہ خود انہی کے خلاف پڑے گی۔ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اللہ کی حجت ان پر تمام ہو چکی ہے اور ان کے متعلق ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ اگر وہ دونوں واپس آ جائیں اور حق کی طرف رجوع کر لیں تو وہ اپنا حصہ پا لیں گے اور اپنی جانیں محفوظ کر لیں گے اور یہ ان کے لئے بڑی منفعت ہے۔ اور اگر انہوں نے انکار کیا تو میں تلوار کی باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا اور وہ حق کی مدد اور باطل سے شفا دینے کے لئے کافی ہے''۔ پھر آپؑ منبر سے اتر آئے۔

وَعَنْ اَبِیْ مَخْنَفٍ عَنْ زَیْدِبْنِ صَوْحَانٍ قَالَ شَهِدْتُ عَلِیًّا بِذِیْ قَارٍ وَ هُوَ مُعْتَمٌّ بِعَمَامَةٍ سَوْدَاءَ وَ مُلْتَفٌّ بِسَاجٍ یَخْطُبُ فَقَالَ فِیْ خُطْبَتِهٖ: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ اَمْرٍ فِی الْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَاَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَنْبَعَثَهٗ رَحْمَةً لِّلْعِبَادِ وَحَیَاةً لِلْبِلَادِ حِیْنَ امْتَلَأَتِ الْاَرْضُ فِتْنَةً وَاضْطَرَبَ حَبْلُهَا وَعُبِدَالشَّیْطَانُ فِیْ اَکْنَافِهَا وَاشْتَمَلَ عَدُوُّ اللّٰهِ اِبْلِیْسُ عَلٰی عَقَائِدِ اَهْلِهَا فَکَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الَّذِیْ اَطْفَأَ اللّٰهُ بِهٖ نِیْرَانَهَا وَ اَخْمَدَ بِهٖ شَرَارَهَا وَ نَزَعَ بِهٖ اَوْتَادَهَا وَ اَقَامَ بِهٖ مَیْلَهَا اِمَامَ الْهُدٰی وَ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی فَلَقَدْ صَدَعَ بِمَا اُمِرَ بِهٖ وَ بَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّهٖ فَاَصْلَحَ اللّٰهُ بِهٖ ذَاتَ الْبَیْنِ وَ اَمَّنَ بِهِ السُّبُلَ وَ حَقَنَ بِهِ الدِّمَاءَ وَ اَلَّفَ بِهٖ بَیْنَ ذَوِی الضَّغَاءِ الْوَاغِرَةِ فِی الصُّدُوْرِ حَتّٰی اَتَاهُ الْیَقِیْنُ ثُمَّ قَبَضَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ حَمِیْدًا ثُمَّ

اسْتُخْلِفَ النَّاسُ اَبَابَكْرٍفَلَمْ يَأْلُ جَهْدَهٗ ثُمَّ اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ عُمَرَ فَلَمْ يَأْلُ جَهْدَهٗ ثُمَّ اسْتُكْلِفَ النَّاسُ عُثْمَانَ فَنَالَ مِنْكُمْ وَ نِلْتُمْ مِنْهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ مَا كَانَ اَتَيْتُمُوْنِیْ لِتُبَايِعُوْنِیْ فَقُلْتُ لَا حَاجَةَ لِیْ فِیْ ذٰلِكَ وَدَخَلْتُ مَنْزِلِیْ فَاسْتَخْرَجْتُمُوْنِیْ فَقَبِضْتُ يَدَیَّ فَبَسَطْتُمُوْهَا وَ تَدَاكَكْتُمْ عَلَیَّ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّكُمْ قَاتِلِیْ وَ اَنَّ بَعْضَكُمْ قَاتِلُ بَعْضٍ فَبَايَعْتُمُوْنِیْ وَ اَنَا غَيْرُ مَسْرُوْرٍ بِذٰلِكَ وَ لَاجَذَلَ وَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِنِّیْ كُنْتُ كَارِهًالِلْحُكُوْمَةِ بَيْنَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَلَقَدْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ: مَا مِنْ وَالٍ يَلِیْ شَيْئًامِنْ اَمْرِاُمَّتِیْ اِلَّااُتِیَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ ثُمَّ يُنْشَرُكِتَابُهٗ فَاِنْ كَانَ عَادِلًا نَجَا وَ اِنْ كَانَ جَائِرًاهَوٰى حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَیَّ مَلَاُكُمْ وَ بَايَعَانِیْ طَلْحَةُ وَ الزُّبَيْرُ وَ اَنَا اَعْرَفُ الْغَدْرَ فِیْ اَوْجُهِهِمَا وَ النَّكْثَ فِیْ اَعْيُنِهِمَا ثُمَّ اسْتَاْذَنَانِیْ فِی الْعُمْرَةِ فَاَعْلَمْتُهُمَا اَنْ لَيْسَ الْعُمْرَةَ يُرِيْدَانِ فَسَارَا اِلٰى مَكَّةٍ وَ اسْتَحْفَا عَايِشَةَ وَ خَدَعَاهَا وَ شَخَصَا مَعَهَا ابْنَاءَ الطُّلَقَاءِ فَقَدَّمُوْا الْبَصْرَةَ وَ قَتَلُوْا بِهَا الْمُسْلِمِيْنَ وَ فَعَلُوْا الْمُنْكَرَ وَ يَا عَجَبًا لِاسْتِقَامَتِهِمَا عَلٰى اَبِیْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ بَغْيِهِمَا عَلَیَّ وَ هُمَايَعْلَمَانِ اَنِّیْ لَسْتُ دُوْنَ اَحَدِهِمَا وَلَوْ شِئْتُ اَنْ اَقُوْلَ لَقُلْتُ وَلَقَدْ كَانَ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ اِلَيْهِمَا مِنَ الشَّامِ كِتَابًا يَخْدَعُهُمَا فِيْهِ فَكَتَمَاهُ عَنِّیْ وَخَرَجَا يَوْهَمَانِ الظَّعَامَ اَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ بِدَمِ عُثْمَانَ وَاللّٰهِ مَااَنْكَرَا عَلَیَّ مُنْكَرًا وَلَاجَعَلَا بَيْنِیْ وَبَيْنَهُمْ نِصْفًا وَ اِنَّ دَمَ عُثْمَانَ لَمَغْصُوْبٌ بِهِمَا وَ مَطْلُوْبٌ مِنْهُمَا يَا خَيْبَةَ الدَّاعِیْ اِلٰى مَا دَعَا وَ لِمَا ذَا اُجِيْبَ وَ اللّٰهِ اِنَّهُمَا لَعَلٰى ضَلَالَةٍ صَمَّاءٍ وَ جَهَالَةٍ عَمْيَاءٍ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ ذَمَرَ لَهُمَا حِزْبَهٗ وَ اسْتَجْلَبَ مِنْهُمَا خَيْلَهٗ وَ رِجْلَهٗ لِيَعِدَ الْجَوْرُ اِلٰى اَوْطَانِهٖ وَ يَرِدَ الْبَاطِلُ اِلٰى نِصَابِهٖ '' ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ ''اَللّٰهُمَّ اِنَّ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرَ قَطَعَانِیْ وَ ظَلَمَانِیْ وَ اَلَّبَا عَلَیَّ وَ نَكَثَا بَيْعَتِیْ فَاحْلُلْ مَا عَقَدَا وَ انْكُثْ مَا اَبْرَمَا وَ لَا تَغْفِرْ لَهُمَا اَبَدًا وَ اَرِهُمَا الْمَسَائَةَ فِيْمَا عَمِلَا وَ اَمَّلَا''

ابومخنف نے زید بن صوحان سے روایت کی، زید کہتے ہیں کہ میں مقام ذی قار میں حضرت علیؑ کے پاس گیا تو آپؑ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور گوری چادر میں لپٹے ہوئے خطبہ دے رہے تھے۔ اور خطبہ میں فرمایا: ''ہر صبح وشام، ہر امر اور ہر حالت میں اللہ کی حمد ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ نے انہیں بندوں کے لئے رحمت اور شہروں کے لئے حیات بنا کر اس وقت بھیجا جب زمین فتنہ وشر سے بھری ہوئی تھی، اس کے امور خلل پذیر ہو چکے تھے، زمین کے تمام اطراف میں شیطان کی پوجا کی جاتی تھی اور دشمن خدا ابلیس لوگوں کے عقائد پر متصرف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ سے شیطانی آگ اور اس کے شعلوں کو بجھایا، آپؐ ہی کے ذریعہ سے شیطان کی گاڑی ہوئی میخوں کو اکھاڑا اور اہل زمین کی کجی کو سیدھا کیا۔ آپؐ ہدایت کے امام اور اللہ کے منتخب نبی ہیں۔ آپؐ نے ڈنکے کی چوٹ پر اللہ کے فرمان کو بیان فرمایا اور اپنے پروردگار کے تمام پیغاموں کی تبلیغ فرمائی۔ آپؐ کے ذریعہ سے اللہ نے اندرونی جھگڑوں کی اصلاح کی، راستے پرامن ہوئے، خون محفوظ ہوئے اور کینے سے بھرے ہوئے دلوں میں محبت پیدا کی یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی۔ اللہ نے قابل تعریف حالت میں انہیں دنیا سے اٹھایا۔ پھر لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تو اس نے اپنی سی کوشش کی، پھر ابوبکر نے عمر کو خلیفہ مقرر کیا تو اس نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر لوگوں نے عثمان کو خلیفہ مقرر کیا تو وہ تم سے ناراض ہوا اور تم اس سے ناراض ہوئے، پھر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا تو تم بیعت

کے لئے میرے پاس آ گئے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو تم نے مجھے (بیعت کے لئے) گھر سے نکالا، میں نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے تو تم نے اسے آگے کر دیا اور تم ہجوم کی صورت میں میرے گرد جمع ہو گئے۔ اتنے بڑے ہجوم کو دیکھ کر میں نے گمان کیا کہ تم کثرت ازدحام کی وجہ سے مجھے مار ڈالو گے یا کچل کر ایک دوسرے کو مار ڈالو گے۔ تم نے میری بیعت کی حالانکہ میں اس پر راضی اور خوش نہیں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں امت محمدؐ کی حکمرانی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اور میں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا ''جو شخص بھی میری امت کا حاکم بنے گا تو قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اس حالت میں لایا جائے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے۔ پھر اس کا نامۂ اعمال کھولا جائے گا، اگر وہ عادل ہوگا تو نجات پائے گا اور اگر ظالم ہوگا تو دوزخ میں جھونکا جائے گا۔ تمہارے تمام سربرآوردہ افراد کا مجھ پر اجتماع ہوا اور طلحہ و زبیر نے بھی میری بیعت کی جب کہ میں ان کے چہرے پر لکھی ہوئی غداری کو پہچان رہا تھا اور ان کی آنکھوں میں پوشیدہ بیعت شکنی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ دونوں عمرہ کی اجازت کے لئے میرے پاس آئے تو میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ ان کے پیش نظر عمرہ نہیں ہے۔ پھر وہ مکہ گئے اور عائشہ کو دھوکا دیا، ان کے ساتھ طلقاء مکہ کی اولاد شامل ہوگئی اور وہ بصرہ گئے جہاں انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا اور بہت سے غیر شائستہ افعال کے مرتکب ہوئے۔ مجھے تعجب تو یہ ہے کہ وہ دونوں ابوبکر اور عمر کی بیعت پر تو قائم رہے لیکن میرے خلاف بغاوت کر دی حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ اور اگر میں یہ کہنا چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ معاویہ نے ان دونوں کے نام شام سے خط لکھا تھا جس میں انہیں دھوکا دینے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن انہوں نے یہ خط مجھ سے چھپایا اور خون عثمان کے قصاص کا نعرہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ خدا کی قسم! وہ مجھ پر کوئی سچا الزام نہ لگا سکے اور نہ ہی اپنے اور میرے ساتھ انصاف کیا۔ خون عثمان کا اول و آخر انہی سے واسطہ ہے اور اس کا بدلہ ان دونوں سے لینا چاہئے۔ اف! جنگ کے لئے پکارے والا کتنا نامراد ہے اور کس چیز کی طرف پکار رہا ہے؟! اور اس کی بات کو کیوں سنا جا رہا ہے؟ ان کے لئے تو شیطان نے اپنے لشکر کو بھڑکایا ہے اور وہ اپنے سوار و پیادے باہر لے آیا ہے تا کہ ظلم اپنے مقام تک پلٹ آئے''۔ پھر آپؑ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور فرمایا: ''پروردگار! طلحہ و زبیر نے مجھ سے قطع رحمی کی مجھ پر ظلم کیا، میرے خلاف لوگوں کو جمع کیا اور میری بیعت توڑ دی۔ ان کی باندھی ہوئی گرہوں کو کھول دے، ان کے منصوبوں کو کاٹ دے، انہیں کبھی معاف نہ کرنا اور جو کچھ وہ بجا لائے ہیں یا امیدیں لگا رکھی ہیں اس میں انہیں برائی اور ناکامی کا منہ دکھا۔

خطبہ ۲۳

یہ خطبہ کافی میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ منقول ہے تشریح کے بعد وہ خطبہ نقل کیا جائے گا اور اس خطبے کی شرح دو فصلوں میں کی جائے گی۔

فصل اول

مردِ مسلم کی خوبیاں

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامِ

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَمْرَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ كَقَطْرِ الْمَطَرِ اِلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا قُسِّمَ لَهَا مِنْ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ لِاَخِيْهِ غَفِيْرَةً فِيْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ اَوْ نَفْسٍ فَلَا تَكُوْنَنَّ لَهٗ فِتْنَةً فَاِنَّ الْمَرْءَ الْمُسْلِمَ مَا لَمْ يَغْشَ دَنَائَةً تَظْهَرُ فَيَخْشَعُ لَهَا اِذَا ذُكِرَتْ وَ يُغْرٰى بِهَا لِئَامُ النَّاسِ كَالْفَالِجِ الْيَاسِرِ الَّذِيْ يَنْتَظِرُ اَوَّلَ فَوْزَةٍ مِّنْ قِدَاحِهٖ تُوْجِبُ لَهُ الْمَغْنَمَ وَ يُرْفَعُ بِهَا عَنْهُ الْمَغْرَمُ وَ كَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الْبَرِيْءُ مِنَ الْخِيَانَةِ يَنْتَظِرُ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ: اِمَّا دَاعِيَ اللّٰهِ فَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لَهٗ وَ اِمَّا رِزْقُ اللّٰهِ فَاِذَا هُوَ ذُوْ اَهْلٍ وَ مَالٍ وَ مَعَهٗ دِيْنُهٗ وَ حَسَبُهٗ اِنَّ الْمَالَ وَ الْبَنِيْنَ حَرْثُ الدُّنْيَا وَ الْعَمَلَ الصَّالِحَ حَرْثُ الْاٰخِرَةِ وَ قَدْ يَجْمَعُهُمَا اللّٰهُ لِاَقْوَامٍ فَاحْذَرُوْا مِنَ اللّٰهِ مَا حَذَّرَكُمْ مِنْ نَفْسِهٖ وَاخْشَوْهُ خَشْيَةً لَيْسَتْ بِتَعْذِيْرٍ وَ اعْمَلُوْا فِيْ غَيْرِ رِيَاءٍ وَّ سُمْعَةٍ

یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے۔

ہر شخص کے مقسوم میں جو کم یا زیادہ ہوتا ہے اسے لے کر فرمان قضا آسمان سے زمین پر بارش کے قطرات کی طرح اترتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے اہل و مال و نفس میں فراوانی و وسعت پائے تو یہ چیز اس کے لئے کبیدگی خاطر کا سبب نہ بنے۔ جب تک کوئی مرد مسلمان کسی ایسی ذلیل حرکت کا مرتکب نہیں ہوتا جو ظاہر ہو جائے تو اس کے تذکرہ سے اسے آنکھیں نیچی کرنا پڑیں اور جس سے ذلیل آدمیوں کی جرأت بڑھے، وہ اس کامیاب جواری کی مانند ہے جو جوئے کے تیروں کا پانسہ پھینک کر پہلے مرحلے پر ہی ایسی جیت کا متوقع ہوتا ہے جس سے اسے فائدہ حاصل ہو اور پہلے نقصان ہو بھی چکا ہے تو وہ دور ہو جائے۔ اسی طرح وہ مسلمان جو بد دیانتی سے پاک دامن ہو، دو اچھائیوں میں سے ایک کا منتظر ہوتا ہے: یا اللہ کی طرف سے بلاوا آئے تو اس شکل میں اللہ کے یہاں کی نعمتیں ہی اس کے لئے بہتر ہیں اور یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (دنیا کی) نعمتیں حاصل ہوں تو اس صورت میں اس کے مال بھی ہے اور اولاد بھی، پھر اس کا دین اور عزت نفس بھی برقرار ہے۔ بے شک مال و اولاد دنیا کی کھیتی اور عمل صالح آخرت کی کشت زار ہے اور بعض لوگوں کے لئے اللہ ان دونوں چیزوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ جتنا اللہ نے ڈرایا ہے، اتنا تو اس سے ڈرتے رہو اور (کم از کم) اتنا اس سے خوف کھاؤ کہ (کل کو) تمہیں کوئی عذر

فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعْمَلْ لِغَيْرِ اللّٰهِ يَكِلْهُ اللّٰهُ اِلٰى مَنْ عَمِلَ لَهٗ نَسْئَلُ اللّٰهَ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَ مُعَايَشَةَ السُّعَدَاءِ وَ مُرَافَقَةَ الْاَنْبِيَاءِ

پیش نہ کرنا پڑے۔عمل بے ریا کرو اس لئے کہ جو شخص کسی اور کے لئے عمل کرتا ہے، اللہ اس کو اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔ہم اللہ سے شہیدوں کی منزلت، نیکوں کی ہمدمی اور انبیاء کی رفاقت کا سوال کرتے ہیں۔

(اَقُوْلُ: اَلْغَفِيْرَةُ هٰهُنَا اَلزِّيَادَةُ وَ الْكَثْرَةُ مِنْ قَوْلِهِمْ لِلْجَمْعِ الْكَثِيْرِ اَلْجَمُّ الْغَفِيْرُ وَ الْجَمَّاءُ الْغَفِيْرُ وَ يُرْوٰى عَفْوَةً مِّنْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ وَ الْعَفْوَةُ اَلْخِيَارُ مِنَ الشَّيْءِ يُقَالُ اَكَلْتُ عَفْوَةَ الطَّعَامِ اَىْ خِيَارَهٗ)

شریف رضیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر ''غَفِيْرَةٌ'' کے معنی کثرت وزیادتی کے ہیں۔اور یہ عربوں کے قول ''اَلْجَمُّ الْغَفِيْرُ'' و''اَلْجَمَّاءُ الْغَفِيْرُ'' (اژدہام) سے ماخوذ ہے۔اور بعض روایتوں میں ''غَفِيْرَةٌ'' کی بجائے ''عَفْوَةٌ'' ہے اور ''عَفْوَةٌ'' کسی شئے کے عمدہ اور منتخب حصے کو کہتے ہیں۔مثلاً کہا جاتا ہے ''اَكَلْتُ عَفْوَةَ الطَّعَامِ'' یعنی میں نے منتخب اور عمدہ کھانا کھایا۔

تشریح لغات

(اَلْعَفْوَةُ) سید رضیؒ نے ''غَفِيْرَةٌ'' اور ''عَفْوَةٌ'' کے معانی بیان فرمائے ہیں اور میں یہاں اضافہ کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ ''عَفْوَةٌ'' کا لفظ ممکن ہے کہ ''عَفْوٌ'' سے ماخوذ ہو جس کے معنی زیادتی کے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ہے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا کچھ خرچ کریں؟ آپؐ کہہ دیں جو زیادہ ہو (سورہ بقرہ/ ۲۲۹)۔اور ایک شاعر کا شعر ہے:

وَ لٰكِنَّا يَعُضُّ السَّيْفُ مِنَّا بِاَسْوَقِ عَافِيَاتِ الشَّحْمِ كَوْمٌ

شعر میں ''عَافِيَاتُ الشَّحْمِ'' کا معنی ہے زیادہ چربی والی۔(غَشِيَ فُلَانًا) بروزن رَضِيَ وہ اس کے پاس آیا۔(غَرِيَ بِهٖ) بروزن رَضِيَ وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔(اَلْفَالِجُ) کامیاب تیر۔(اَلْيَاسِرُ) جوئے باز، جواری۔لفظ يَاسِرٌ، مَيْسِرٌ کا اسم فاعل ہے اور مَيْسِرٌ کا لفظ يُسْرٌ سے مشتق ہے۔يُسْرٌ کے معنی آسانی کے ہیں، کیونکہ جوئے کا مال بھی بغیر محنت ومشقت کے آسانی سے ہاتھ لگتا ہے، اسی لئے جوئے کو مَيْسِرٌ کہتے ہیں.....۔(اَلتَّعْذِيْرُ) ناحق عذر خواہی کرنا۔قرآنی آیت (وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ) کے متعلق فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ ''مُعَذِّرٌ'' عذر کرنے والا کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا ہوتا ہے۔

اعراب

(**بِمَا قُسِّمَ لَهَا**) میں با، عَلٰی کے معنی میں ہے۔(**مَا لَمْ يَغُشَ دَنَائَةٌ**) میں لفظ ''مَا'' ظرفیہ مصدریہ ہے۔(**تَظْهَرُ**) یہ جملہ لفظ ''**دَنَائَةٌ**'' کی صفت ہے اور محلاً منصوب ہے۔(**فَيَخْشَعُ**) کا عطف ''**تَظْهَرُ**'' پر ہے۔اس لئے یہ بھی محلاً منصوب ہے۔(**يُغْرٰى بِهَا**) بھی ''**تَظْهَرُ**'' پر عطف ہے اس لئے یہ بھی محلاً منصوب ہے۔(**كَالْفَالِجِ**) ''اِنَّ'' حرف مشبہ بالفعل کی خبر ہے۔(**اَلْيَاسِرِ**) صفت

ہے اور اصل کلام یوں ہے (**کَالْیَاسِرِ الْفَالِجِ**) یعنی کامیاب جواری۔ یہاں صفت، موصوف پر مقدم ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت ﴿وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ﴾ میں ہے.....۔(**تُوْجِبُ لَهُ الْمَغْنَمَ**) یہ جملہ ''**فَوْزَةٌ**'' کی صفت ہے۔(**اَلْمَغْرَمَ**) مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اگر (**تُوْجَبُ**) فعل کو مجہول پڑھا جائے تو لفظ ''**اَلْمَغْرَمُ**'' نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔(**اِذَا هُوَ ذُوْ اَهْلٍ**) میں لفظ ''اِذَا'' مفاجات کے لئے ہے۔(**اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ**) کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے۔(**لَیْسَتْ بِتَعْذِیْرٍ**) یعنی ''**لَیْسَتْ بِذَاتِ تَعْذِیْرٍ**'' مضاف محذوف ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت ﴿قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ﴾ میں مضاف محذوف ہے یعنی ذِی النَّارِ ۔(**مَنْ یَّعْمَلْ لِغَیْرِ اللّٰهِ یَکِلْهُ**) میں مَنْ شرطیہ ہے اور یَعْمَلْ اور یَکِلْ شرط اور جزا ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَ بِهٖ﴾ آیت میں دونوں افعال مَنْ شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

مفہومِ عبارت

حضرتؑ کا یہ خطبہ غریب وامیر دونوں طبقوں کے لئے ہے۔ اس میں آپؑ نے بنیادی طور پر چار نکتوں کی تعلیم دی ہے:۔

۱۔ غریب طبقہ کو آپؑ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ وہ خدا کی تقسیم پر راضی رہیں، حسد نہ کریں اور ہر صورت میں اپنی خود داری اور عزت نفس کو قائم رکھیں۔

۲۔ آپؑ نے طبقہ امراء کو یہ درس دیا کہ وہ قارون کی طرح مال جمع نہ کریں۔

۳۔ آپؑ نے دولت مند طبقہ کو تعلیم دی کہ وہ شہرت وریا کاری کے لئے دولت خرچ نہ کریں۔ دولت خرچ کرتے وقت صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھیں۔

۴۔ آپؑ نے دولت مند طبقہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دولت کے گھمنڈ میں اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کریں اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ نیکی اور احسان کا سلوک کریں۔

مذکورہ چار نکات میں سے پہلا نکتہ غریب طبقہ کے لئے اور باقی تین نکات دولت مند طبقہ کے لئے ہیں۔ اور خطبہ کی اس پہلی فصل میں پہلے تین نکات پر بحث کی جائے گی، جبکہ دوسری فصل میں چوتھے نکتہ پر گفتگو ہوگی۔ حضرتؑ نے براہ راست گفتگو کرنے سے قبل ایک خوبصورت تمہید قائم کی اور اس تمہید کے نتیجہ کے طور پر آپؑ نے مذکورہ چار نکات بیان فرمائے۔

انسانی طبقات کو معاشی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ غریب طبقہ اور امیر طبقہ۔ اور مذکورہ طبقے اکثر اوقات آپس میں بر سر پیکار رہتے ہیں۔ غریب طبقہ دوسرے طبقہ کو استحصالی اور ظالم سمجھتا ہے جب کہ امیر طبقہ غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں احمق اور گداگر تصور کرتا ہے۔ اور اس سلسلے میں اسلام کی الہامی تعلیم یہ ہے کہ دونوں طبقے اپنے اپنے مقام پر قابل احترام ہیں بشرطیکہ کوئی زیادتی نہ کرے اور دوسرے کو حقیر اور پست تصور نہ کرے۔ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی امیر سے امیر تر اور دوسرا غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے اور ایک مختصر سا گروہ پوری امت اسلامیہ کے وسائل پر قابض ہو جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کا منشا یہ بھی ہرگز نہیں ہے کہ

امیروں کی وہ تمام تر دولت جوانہوں نے جائز طریقہ سے حاصل کی ہو، اسے ان سے چھین لیا جائے اور معاشرے میں چند مزید غریبوں کا اضافہ کیا جائے۔ حضرتؑ نے اپنے خطبہ کی تمہید میں یہ فرمایا ہے کہ جملہ امور قضائے الٰہی اور تقدیر ربانی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ رزق کی کمی بیشی کا تعلق بھی خدا کی تقدیر سے ہے اور ایک انسان کو چاہئے کہ وہ باطیب خاطر تقدیر کے فیصلوں کو تسلیم کرے اور کسی کو خوش حال دیکھ کر آتش حسد میں نہ جلے اور مزید یہ کہ اس کی چاپلوسی نہ کرے۔ ہر صورت میں اپنی خودداری کو قائم رکھے۔ چنانچہ امام الموحدین امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا (**اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَمْرَ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ کَقَطْرِ الْمَطَرِ**) حمد وثناء کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ امر الٰہی بارش کے قطروں کی طرح آسمان سے زمین پر نازل ہوتا ہے۔ یعنی عالَم سفلی میں جتنے واقعات وحالات رونما ہوتے ہیں اور قوت سے فعل میں بدلتے ہیں یہ سب کچھ آسمانی صحیفوں کے مطابق اور قضاوقدر کے فیصلے کے تحت ہی واقع ہوتے ہیں۔ جس طرح سے اللہ نے بعض فرشتوں کو مدبرات امر بنایا ہے اور وہ بارشوں کے قطروں کو زمین کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ اسی طرح سے اللہ اپنے قضاء وقدر کے فیصلوں کے اجرا کے لئے بھی ملائکہ کو نازل کرتا ہے جو ہر قسم کا فیصلہ لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ ﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِکَةُ وَ الرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ .....﴾ اس رات ملائکہ اور روح، اللہ کے حکم سے ہر امر لے کر نازل ہوتے ہیں۔ تقدیر کے فیصلے شب قدر میں زمین پر اجرا کے لئے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ (**اِلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا قُسِّمَ لَهَا مِنْ زِیَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ**) ہر جاندار کے لئے کم یا زیادہ جو اس کے مقدر میں ہے، اتنا ہی نازل ہوتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور کوئی شئے ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم ہر شئے کو ایک معین مقدار میں ہی نازل کرتے ہیں (حجر/۲۱)۔

جب تمام امور اللہ کی تقدیر سے ہی وابستہ ہیں اور ایک عادل بادشاہ کی حکمت ومصلحت کے تحت ہیں تو پھر کسی سے حسد کیسا؟۔ چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (**فَاِذَا رَاٰی اَحَدُکُمْ لِاَخِیْهِ غَفِیْرَةً فِیْ اَهْلٍ اَوْ مَالٍ اَوْ نَفْسٍ فَلَا تَکُوْنَنَّ لَهٗ فِتْنَةً**) لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے اہل، مال اور نفس میں فراوانی اور وسعت پائے تو یہ چیز اس کے لئے کبیدگی خاطر کا سبب نہ بنے۔ ایک مسلم کو چاہئے کہ وہ اللہ کی تقدیر کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور کسی کی فراخی رزق اور کثرت اولاد، عزت اور مرتبہ دیکھ کر حسد نہ کرے اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرے۔ یہ فتنہ دو طرح کا ہے:۔

۱۔ کسی کی عزت وعظمت اور جاہ وجلال کو دیکھ کر حسد کرنا۔

۲۔ کسی کی دولت وعزت کو دیکھ کر اس کی خوشامد کرنا اور اس کی چاپلوسی اختیار کرنا۔

یہ دونوں صورتیں افراط وتفریط کا نتیجہ ہیں۔ انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو کسی فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچانا چاہئے۔ اور یہ دونوں صورتیں حق کے راستے سے مانع ہیں اور اللہ کی رضا کے حصول سے باز رکھتی ہیں اور درج بالا دونوں حالتیں رذالت نفس کی علامت ہیں۔

مرد مسلم دو میں سے ایک نیکی کا منتظر ہے

(**فَاِنَّ الْمَرْءَ الْمُسْلِمَ مَا لَمْ يَغْشَ دَنَائَةً تَظْهَرُ فَيَخْشَعُ لَهَا اِذَا اُذْكِرَتْ وَ يُغْرىٰ بِهَا لِئَامُ النَّاسِ**) جب تک کوئی مرد مسلمان کسی ایسی ظاہری رذالت کا مرتکب نہیں ہوتا جس کے تذکرے سے اسے آنکھیں نیچی کرنا پڑیں اور جس سے ذلیل آدمیوں کی جرأت بڑھے۔ جب تک کوئی مسلمان رسوا کن برائی کا ارتکاب نہ کرے جس سے اسے شرمندگی وندامت کا اٹھانی پڑے اور جس سے بدکار لوگوں کی جرأتوں اور جسارتوں میں اضافہ ہوتو اس وقت تک (**كَالْفَالِجِ الْيَاسِرِ الَّذِىْ يَنْتَظِرُ اَوَّلَ فَوْزَةٍ مِّنْ قِدَاحِهٖ تُوْجِبُ لَهُ الْمَغْنَمَ وَ يُرْفَعُ بِهَا عَنْهُ الْمَغْرَمُ**) وہ اس کامیاب جواری کی مانند ہے جو جوئے کے تیروں کا پانسہ پھینک کر پہلے مرحلے پر ہی ایسی جیت کا منتظر ہوتا ہے جس سے اسے فایدہ حاصل ہو اور اگر پہلے سے کوئی نقصان ہو بھی گیا ہو تو اس کا بھی ازالہ ہو جائے۔ یعنی نیک نام مسلمان اس جواری کی طرح سے ہے جو پانسہ پھینکتے ہی کامیاب ہو جائے، فائدہ حاصل کرے اور اپنے سابقہ نقصان کی تلافی کر دے۔ اسی طرح سے نیک نام مسلمان بہر نوع کامیاب ہوتا ہے، خواہ اس کے پاس دولت ہو یا نہ ہو، اسے دو میں سے ایک نہ ایک اچھائی ضرور ملے گی۔

(**وَ كَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الْبَرِىْءُ مِنَ الْخِيَانَةِ يَنْتَظِرُ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ**) اسی طرح سے وہ مسلمان جو اپنے نفس کو برائیوں سے بچانے والا اور دین کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو خیانت سے محفوظ رکھے، وہ دو میں سے ایک بھلائی کا منتظر ہوتا ہے۔ (**اِمَّا دَاعِىَ اللّٰهِ فَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لَهٗ**) یا اللہ کی طرف سے بلاوا آئے تو اس شکل میں اللہ کے یہاں کی نعمتیں اس کے لئے بہتر ہیں۔ یعنی نیک نام غریب مسلمان کو اگر موت آجائے تو بھی وہ گھاٹے میں ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ موت کی صورت میں اسے جنت وحریر، کوثر وطوبیٰ نصیب ہوگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (**وَ اِمَّا رِزْقُ اللّٰهِ**) یا پھر خدا کی طرف سے اس پر رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اسے دنیاوی وجاہت بھی عطا کر دی جائے گی۔ (**فَاِذَا هُوَ ذُوْ اَهْلٍ وَ مَالٍ وَ مَعَهٗ دِيْنُهٗ وَ حَسَبُهٗ**) تو اس صورت میں اس کے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی اور پھر اس کا دین اور عزت نفس بھی برقرار ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کسی شخص کی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے پاس مال واولاد بھی ہو اور دین وشرافت بھی۔ بالفاظ دیگر اس کے پاس دنیا بھی ہو اور آخرت بھی۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ انسان اپنے نفس کو اخلاقی رذائل سے آلودہ کئے بغیر دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کر لے۔ (**اِنَّ الْمَالَ وَ الْبَنِيْنَ حَرْثُ الدُّنْيَا وَ الْعَمَلَ الصَّالِحَ حَرْثُ الْاٰخِرَةِ**) بے شک مال واولاد دنیا کی کھیتی اور عمل صالح آخرت کی کھیتی ہے۔

دو کھیتیاں

_ اللہ تعالیٰ نے دو جہاں بنائے ہیں، ایک جہاں دنیا ہے اور دوسرا جہاں آخرت ہے۔ اور پھر ہر ایک کے لئے ایک نہ ایک کھیتی مقرر کی ہے۔ دنیا کی کھیتی مال واولاد ہے۔ اگر دنیا میں انسان کے ہاں مال واولاد نہ ہو تو اس کی دنیاوی زندگی بے رونق ہو جائے گی۔ اور آخرت کی کھیتی عمل صالح ہے۔ اگر کسی کے پاس عمل صالح کی دولت نہیں ہوگی تو وہ آخرت میں رسوا ہوگا اور نتیجہ کے طور پر اسے دوزخ میں جلنا پڑے گا۔ ایک اور مقام پر حضرتؑ نے ان لوگوں کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔جن کے پاس دین کی دولت ہے لیکن ان کا دامن دنیا سے خالی ہے۔
۲۔جن کے پاس دنیا ہی دنیا ہے لیکن ان کے پاس دین نہیں ہے۔
۳۔جن کے پاس دنیا بھی ہے اور دین بھی ہے۔
۴۔جن کے پاس نہ دنیا ہے اور نہ دین ہے۔ ازمترجم _

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو اللہ سے آخرت کی کھیتی طلب کرے تو اللہ آخرت کے ساتھ اسے دنیا میں بھی عزت و کامرانی عطا فرماتا ہے اور جو اللہ سے دنیاوی کھیتی کا سوال کرے تو اللہ اسے دنیا میں بہت کچھ دے دیتا ہے لیکن آخرت میں اسے محروم رکھتا ہے۔ دنیا کی کھیتی حقیر اور آخرت کی کھیتی عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کھیتیوں کی زینت بتاتے ہوئے فرمایا ہے ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا﴾ مال اور اولاد زندگانی دنیا کی زینت ہیں اور باقی رہ جانے والی نیکیاں پروردگار کے نزدیک ثواب اور امید دونوں اعتبار سے بہتر ہیں (کہف/ ۴۶)۔ (**وَ قَدْ یَجْمَعُهُمَا اللّٰهُ لِاَقْوَامٍ**) اور بعض لوگوں کے واسطے ان دونوں چیزوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی ایک دعا بیان فرمائی ہے اور پھر دعا کے ثمر کو یوں بیان فرمایا ہے ﴿وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ ان لوگوں کا قول صرف یہی تھا کہ خدایا ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمارے امور میں زیادتیوں کو معاف فرما، ہمارے قدموں کو ثبات عطا فرما اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ تو خدا نے انہیں دنیا کا ثواب بھی عطا کیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی دیا اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (آل عمران/ ۱۴۷۔۱۴۸)۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ نے دنیا طلب افراد اور دنیا و آخرت طلب کرنے والے افراد کی دعائیں بیان فرمائیں اور دونوں قسم کے افراد کا نتیجہ بھی بیان فرمایا ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ بعض لوگ ایسے ہیں کہ کہتے ہیں پروردگار! ہمیں دنیا ہی میں نیکی دے دے اور ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔ اور ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ فرما۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور خدا بہت جلد حساب کرنے والا ہے (بقرہ/ ۲۰۰ تا ۲۰۲)۔

(**فَاحْذَرُوْا مِنَ اللّٰهِ بِمَا حَذَّرَكُمْ مِنْ نَفْسِهٖ**) اور جتنا اللہ نے ڈرایا ہے، اتنا اس سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ اور خدا تمہیں اپنی ہستی سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے (آل عمران/ ۳۰) اور آیئے دیکھیں کہ اللہ نے کن لوگوں کو ڈرایا ہے؟۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں اس سوال کا جواب موجود ہے ﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ جو لوگ حکم خدا کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس امر سے ڈریں کہ ان تک کوئی فتنہ پہنچ جائے یا کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے (نور/ ۶۳)۔ (**وَاخْشَوْهُ خَشْیَةً لَیْسَتْ بِتَعْذِیْرٍ**) اور اتنا اس سے خوف کھاؤ کہ تمہیں

عذر نہ کرنا پڑے۔ عذر اور بہانہ وہاں کامیاب ہوسکتا ہے جہاں دوسرا فریق حقیقت حال سے آگاہ نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے، اس کے سامنے عذر و بہانے تراشنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ﴿یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ﴾ اس دن انسان کو بتایا جائے گا کہ اس نے پہلے اور بعد کیا کیا اعمال کئے ہیں۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے حالات سے خوب باخبر ہے چاہے وہ کتنے ہی عذر پیش کیوں نہ کرے (قیامت/۱۳ تا ۱۵) اللہ کی بارگاہ میں کوئی عذر اور حیلہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ رب العزت کا فرمان ہے ﴿فَیَوْمَئِذٍ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُھُمْ وَ لَا ھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ پھر اس دن ظالموں کو نہ کوئی معذرت فائدہ پہنچائے گی اور نہ ان کی کوئی بات سنی جائے گی (روم/ ۵۷)۔

شہرت وریا کے طالب نہ بنو

(وَ اعْمَلُوْا فِیْ غَیْرِ رِیَاءٍ وَّ سُمْعَۃٍ) ریا اور شہرت کی خواہش کے بغیر عمل کرو۔ یعنی کسی بھی کام کے وقت شہرت و ریا کی خواہش تمہارے اندر موجود نہیں ہونی چاہئے۔ یہاں متعلق محذوف ہے، لہٰذا اس کے مفہوم میں عمومیت پائی جاتی ہے اور اس میں تمام اعمال شامل ہیں۔ درج بالا جملہ تمام کاموں میں وجوب اخلاص کی دلیل ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''لَا بُدَّ لِلْعَبْدِ مِنْ خَالِصِ النِّیَّۃِ فِیْ کُلِّ حَرَکَۃٍ وَ سُکُوْنٍ لِاَنَّہٗ اِذْ لَمْ یَکُنْ بِھٰذَا الْمَعْنٰی یَکُوْنُ غَافِلًا وَ الْغَافِلُوْنَ قَدْ وَصَفَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی ﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾ (اعراف/ ۱۷۹)'' انسان کو اپنی ہر حرکت اور سکون میں اخلاص نیت سے ہونا چاہئے کیونکہ جب کسی میں اخلاص نیت نہ ہو تو وہ غافل ہوگا اور غافلوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اور یقیناً ہم نے انسان و جنات کی ایک کثیر تعداد کو گویا جہنم کے لئے پیدا کیا ہے کہ ان کے دل تو ہیں مگر سمجھتے نہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں''۔

بعض شارحین مذکورہ جملے کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں: ''انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا و آخرت کا جو کام بھی کرے وہ خالص اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کرے۔ اور اخلاص نیت صرف نماز اور روزہ تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ انسان کے لئے ہر کام میں حتی کی کھانے پینے، لباس، سونے اور نکاح کے وقت بھی اخلاص نیت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مذکورہ افعال کے متعلق بھی انسان سے باز پرس کی جائے گی۔ اگر مذکورہ اعمال حکم خدا کی پیروی اور رضائے الٰہی کے جذبے سے سرانجام دیئے ہوں گے تو ان کی جزا ملے گی اور اگر مذکورہ افعال صرف حیوانی جبلت کے تقاضوں کے تحت ادا ہوئے ہوں اور مقصد غیر اللہ ہو تو پھر وہی افعال برائیوں کے پلڑے میں رکھے جائیں گے اور ان افعال کا فاعل چوپایوں کی طرح ایک چوپایہ قرار دیا جائے گا۔ اور ایسے شخص کو انسان کہنا بھی انسانیت کی توہین ہے۔ اور ایسا شخص اس گروہ کا ایک فرد شمار ہوگا جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ﴿...اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا﴾ ہم نے اس کے قلب کو اپنے ذکر سے غافل پایا۔

ریاکاری کا نقصان

(**فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعْمَلُ لِغَیْرِ اللّٰهِ یَکِلُهُ اللّٰهُ اِلٰی مَنْ عَمِلَ لَهٗ**) اس لئے کہ جو شخص کسی اور کے لئے عمل کرتا ہے، اللہ اس کو اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔ اللہ ریاکار کو نگاہ لطف سے محروم کر دیتا ہے اور نیک عمل بھی وبال بن جاتا ہے۔ کتاب عدۃ الداعی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مجھے شریک سے نفرت ہے، جس نے اپنے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تو وہ عمل میرے لئے نہیں اس شریک کے لئے ہے، میں تو صرف وہی عمل قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لئے ہو''۔ مولائے متقیان کے پیش نظر ہمیشہ سعادت افروزی کا حصول ہوتا تھا۔ اسی لئے آپؑ نے اپنے ان مطالب عالیہ کے درمیان میں یہ دعا مانگی (**نَسْئَلُ اللّٰهَ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَمُعَایَشَةَ السُّعَدَاءِ وَمُرَافَقَةَ الْاَنْبِیَاءِ**) ہم اللہ سے شہیدوں کی منزلت، نیکوں کی ہمدمی اور انبیاء کی رفاقت کا سوال کرتے ہیں، شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ درج بالا جملے سے حضرتؑ نے اپنے سامعین کو اس دعا میں شامل فرمایا، یوں درحقیقت انہیں اپنی اتباع کی دعوت دی۔ حضرتؑ نے مرحلہ وار تین مراتب کی درخواست کی کیونکہ پہلا مرحلہ دوسرے مرحلے کا زینہ اور دوسرا مرحلہ تیسرے مرحلے کا زینہ ہے۔

بصیرت افروز تکمیل

اس عنوان کے تحت ہم ریا اور اس کے متعلق قرآن وحدیث میں وارد ہونے والی مذمت بیان کریں گے۔ اور اس کے ساتھ ریا کی اقسام پر بحث ہوگی اور اس کا علاج بھی بیان کیا جائے گا۔ اور ان تمام مطالب کو ہم چار فصلوں میں پیش کریں گے۔

فصل اول

ریا اور شہرت کے معانی

ریا غیر اللہ کی خاطر ترک اخلاص کا نام ہے۔ لفظ ''رِیَا'' عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ ''رُؤْیَةٌ'' سے ماخوذ ہے اور رؤیت دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔ اس عمل کو ریاء کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا عامل اس وقت عمل کرتا ہے جب کوئی شخص دیکھنے والا موجود ہو اور جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو وہ عمل ہی نہیں کرتا یا عمل کی کمیت اور کیفیت میں فرق روا رکھتا ہے۔ اور لفظ ''سُمْعَةٌ'' شہرت، سین کی پیش کے ساتھ۔ یہ مرض بھی ریاء کی طرح سے ہے لیکن ریاء کا تعلق حاسۂ چشم سے ہے اور ''سُمْعَةٌ'' کا تعلق کانوں سے ہے۔ تو گویا جو شخص کسی کے دکھاوے کے لئے لئے عمل کرتا ہے تو وہ ریا کر رہا ہے اور جو اپنے عمل کی شہرت کے لئے کوئی کام کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ دنیا کے کانوں تک میرے عمل کا شہرہ ہو تو ایسا شخص مرض ''سُمْعَةٌ'' کا مریض ہے۔ احیاء العلوم میں غزالی لکھتا ہے کہ لفظ ''ریا'' رؤیت سے اور لفظ ''سُمْعَةٌ'' سماع سے مشتق ہے۔ ریا نام ہے اعمال خیر کر کے لوگوں کے دلوں میں منزلت طلب کرنے کی خواہش کا۔ اللہ کے فرمان کی تعمیل کر کے غیر اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خواہش کو ریا کہا جاتا ہے۔ عرف عام میں عبادات واطلاعات کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں میں منزلت حاصل کرنے کا نام ریا ہے۔ ریا کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت سے بندوں کا ارادہ کرنا۔ تو ریاکار عبادت گزار ہوتا ہے اور جن کے لئے عبادت کی گئی ہے ء

وہ انسان ہیں۔تو بالفاظ دیگر، ریا کار عابد کا معبود وہ انسان ہوتے ہیں جن کے دکھانے کے لئے وہ عبادت کرتا ہے۔اور اعمال خیر وہ چیزیں ہیں جنہیں دکھایا جاتا ہے اور ریا اس کے قصد کو کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر ہم عرض کریں گے کہ ریا صرف کسی کام کے کرنے سے ہی وابستہ نہیں بلکہ بعض اوقات ترک عمل بھی ریا کا نتیجہ ہوتا ہے۔اور آئندہ صفحات میں آپ اس کی وضاحت پڑھیں گے۔

فصل دوم

ریا قرآن وحدیث کی روشنی میں

۱۔سورہ ماعون میں رب العزت کا فرمان ہے﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَآؤُونَ وَ يَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں کو بھولے ہوئے ہیں جو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اور برتنے کی چیزیں عاریت نہیں دیتے (ماعون/ ۷)۔

۲۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اِنَّ النَّارَ وَاَهْلَهَايَعْجُوْنَ مِنْ اَهْلِ الرِّيَاءِ''۔فَقِيْلَ:''يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَعِجُّ النَّارُ؟''۔قَالَ:''مِنْ حَرِّ النَّارِ الَّتِىْ يُعَذَّبُوْنَ بِهَا''۔دوزخ اور دوزخی ریا کاروں سے پناہ مانگیں گے۔آپؐ سے پوچھا گیا کہ آگ کیسے پناہ مانگے گی؟ تو فرمایا:''دوزخ کی دوسری آگ اس آگ کی تپش سے پناہ مانگے گی جس سے ریا کاروں کو عذاب دیا جائے گا''۔

۳۔حضورؐ اکرم نے فرمایا:''يُنَادَى الْمُرَائِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَرْبَعَةِ اَسْمَاءٍ: يَا كَافِرُ، يَا فَاجِرُ، يَا غَادِرُ، يَا خَاسِرُ، ضَلَّ سَعْيُكَ وَ بَطَلَ عَمَلُكَ وَ لَا خَلَاقَ لَكَ اِلْتَمِسِ الْاَجْرَ مِمَّنْ كُنْتَ تَعْمَلُ لَهٗ يَا مُخَادِعُ''۔قیامت کے روز ریا کار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ ۱۔اے کافر ۲۔اے فاجر ۳۔اے دھوکہ باز ۴۔اے خسارہ اٹھانے والا تیری محنت اکارت گئی، تیرا عمل ضائع ہوا اور تیرا کوئی حصہ نہیں ہے۔چل اپنے عمل کی اجرت اسی سے طلب کر جس کے لئے تو عمل کیا کرتا تھا، چالباز۔

۴۔حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:''قیامت کے دن تین افراد کو سب سے پہلے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا ۱۔جس نے قرآن حفظ کیا ہوگا ۲۔جس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہوگا ۳۔دولت مند شخص

خداوند عالَم حافظ قرآن سے فرمائے گا میں نے تیرے لئے قرآن آسان بنایا تھا تو نے قرآن یاد کر کے کیا کیا؟ اس وقت وہ کہے گا کہ خدایا! میں دن رات قرآن پڑھا کرتا تھا۔خداوند عالم فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔تو اس لئے قرآن پڑھتا تھا کہ لوگ تیری تعریف کریں اور کہیں کہ فلاں شخص قاری ہے۔تجھے تیری نیت کے مطابق دنیا میں اس کا اجر مل چکا ہے۔اس کے بعد خداوند عالم دولت مند شخص سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے وسعت رزق سے نوازا تھا۔تجھے کسی کا محتاج نہیں بنایا تھا، تو نے اس دولت کو کہاں خرچ کیا؟ دولت مند عرض کرے گا کہ پروردگار! تو نے مجھے دولت سے نوازا تھا، میں نے پوری زندگی اس سے صلہ رحمی کی تھی اور تیری راہ میں دولت خرچ کرتا تھا۔اس وقت ندا آئے گی کہ تو جھوٹا ہے۔فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے، تو اس لئے سخاوت کرتا تھا کہ لوگ تیری سخاوت

اور دریا دلی کی تعریف کریں۔ تیری نیت کے مطابق دنیا میں تجھے اس کا اجر مل چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجاہد سے خطاب فرمائے گا کہ تو نے دنیا میں رہ کر کیا کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ خدایا! تو نے جہاد کا حکم دیا تھا اور میں نے تیرے حکم پر جہاد کیا اور میں تیرے دین کی سربلندی کے لئے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اسے آواز قدرت سنائی دے گی کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ تو نے میری رضا کے حصول کے لئے جہاد نہیں کیا تھا۔ تو اس لئے جنگوں میں شریک ہوتا تھا کہ لوگ تیری جرأت وشجاعت کی تعریف کریں اور دنیا میں تیرا مقصد تجھے مل چکا ہے''۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: ''انہی گروہوں کے ذریعے سے آتش دوزخ کو بھڑکایا جائے گا''۔

۵۔ وسائل الشیعہ میں بحوالہ الکافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، آپؑ نے فرمایا: ''مَا یَصْنَعُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّظْهَرَ حَسَنَةً وَ یَسِرَّ سَیِّئًا اَلَیْسَ یَرْجِعُ اِلٰی نَفْسِهٖ فَیَعْلَمُ اَنَّ ذَالِكَ كَذَالِكَ وَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ یَقُوْلُ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ﴾ اِنَّ السَّرِیْرَةَ اِذَا صَحَّتْ قَوِیَتِ الْعَلَانِیَةُ'' ایسا شخص کیا کرے گا جو ظاہر میں نیکی بجالاتا ہے اور حقیقت میں برائی کو دل میں چھپاتا ہے۔ وہ اپنے دل کی طرف رجوع کیوں نہیں کر لیتا کہ اسے خود ہی معلوم ہو جاتا کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بلکہ انسان اپنے نفس کے حالات سے خود باخبر ہے۔ جب نیت درست ہوگی تو وہ ظاہر کو قوت فراہم کرے گی۔

۶۔ سکونی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی اسناد سے رسولؐ خدا سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: ''سَیَاتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ تَخْبُثُ فِیْهِ سَرَائِرُهُمْ وَ تَحْسُنَ فِیْهِ عَلَانِیَّتُهُمْ طَمَعًا فِی الدُّنْیَا لَا یُرِیْدُوْنَ بِهٖ مَا عِنْدَ رَبِّهِمْ یَكُوْنُ دِیْنُهُمْ رِیَاءً لَا یُخَالِطُهُمْ خَوْفٌ یَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ فَیَدْعُوْنَهٗ دُعَاءَ الْغَرِیْقِ فَلَا یَسْتَجِیْبُ لَهُمْ'' عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب ان کا اندر خراب اور طمع دنیا کے لئے ان کا ظاہر خوبصورت ہوگا۔ وہ عمل کے ذریعے سے اللہ کے یہاں کی نعمتیں نہیں چاہیں گے۔ ان کا دین ریاء ہوگا اور خدا کا خوف ان کے دلوں میں شامل نہ ہوگا۔ اللہ ان سب پر عذاب نازل کرے گا۔ اگر انہوں نے دعائے غریق بھی پڑھی تو بھی اللہ ان کی دعا کو قبول نہیں کرے گا۔

۷۔ محاسن برقی میں یحییٰ بن بشیر نبال نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا: ''مَنْ اَرَادَ اللّٰهَ بِالْقَلِیْلِ مِنْ عَمَلِهٖ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ اَكْثَرَ مِمَّا اَرَادَهٗ بِهٖ وَمَنْ اَرَادَ النَّاسَ بِالْكَثِیْرِ مِنْ عَمَلِهٖ فِیْ تَعَبٍ مِّنْ بَدَنِهٖ وَسَهْرٍ مِنْ لَیْلِهٖ اَبَی اللّٰهُ اِلَّا اَنْ یُّقَلِّلَهٗ فِیْ عَیْنِ مَنْ سَمِعَهٗ''۔ جو شخص قلیل عمل بھی خالص اللہ کے لئے کرے گا تو اللہ اس کے عمل کو زیادہ ظاہر کرے گا اور جو شخص اپنے بدن کو تھکا کر اور شب بیداری کر کے زیادہ عمل لوگوں کے دکھاوے کے لئے بجالائے گا تو ہر سننے والے کی نظر میں اللہ اس کے عمل کو قلیل بنا دے گا۔

۸۔ شیخ صدوق نے کتاب عقاب الاعمال میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یُؤْمَرُ بِرِجَالٍ اِلَی النَّارِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَالِكٍ قُلْ لِلنَّارِ لَا تَحْرِقُ لَهُمْ اَقْدَامًا فَقَدْ كَانُوْا یَمْشُوْنَ بِهَا اِلَی الْمَسَاجِدِ وَ لَا تَحْرِقُ لَهُمْ وُجُوْهًا فَقَدْ كَانُوْا یَسْبِغُوْنَ الْوُضُوْءَ وَ لَا تَحْرِقُ لَهُمْ اَیْدِیَ فَقَدْ كَانُوْا یَعْرِفُوْنَهَا بِالدُّعَاءِ وَ لَا تَحْرِقُ لَهُمْ اَلْسِنَةً فَقَدْ كَانُوْا یَكْثِرُوْنَ تِلَاوَةَ الْقُرْآنِ قَالَ: فَیَقُوْلُ لَهُمْ خَازِنُ النَّارِیَا اَشْقِیَا مَا كَانَ حَالُكُمْ؟ قَالُوْا كُنَّا نَعْمَلُ لِغَیْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَقِیْلَ لَنَا خُذُوْا ثَوَابَكُمْ مِمَّنْ

عَمِلْتُمْ''۔کچھ افراد کو دوزخ کی طرف روانہ کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ دوزخ کے داروغہ''مالک'' سے فرمائے گا کہ آگ سے کہہ دے ان کے پاؤں نہ جلائے کیونکہ یہ لوگ ان کے ساتھ مساجد میں جایا کرتے تھے،ان کے چہرے بھی نہ جلائے یہ وضو میں انہیں دھویا کرتے تھے،ان کے ہاتھ نہ جلائے یہ ہاتھ دعا کے لئے بلند ہوا کرتے تھے اور ان کی زبانوں کو نہ جلائے کہ یہ ان زبانوں سے قرآن کی بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے۔دوزخ کا داروغہ ان سے کہے گا کہ اے بدبختو!تمہاری حالت کیا تھی؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم غیر اللہ کے لئے عمل کیا کرتے تھے اور آج ہمیں کہا گیا ہے کہ جن کے لئے تم عمل کیا کرتے تھے ان سے اپنی اجرت طلب کرو۔

۹۔الوسائل میں بحوالہ الکافی منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے درج ذیل آیت کے بارے میں پوچھا گیا ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا﴾ جو شخص اپنے پروردگار کے حضور پیش ہونے کا خواہش مند ہو تو اسے چاہئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے (کہف)۔تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص نیکی کا کام اس نیت سے کرے کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو تو اس نے اپنے رب کی عبادت میں لوگوں کو شریک کیا''۔پھر آپؑ نے فرمایا:''جو شخص چھپا کر نیکی کرے چاہے اسے نیکی کئے ہوئے کتنا بھی عرصہ گزر جائے تو اللہ تعالیٰ ایک دن اس کی نیکی کو ضرور ظاہر کرے گا اور جو کوئی چھپ کر برائی کرے گا اور اسے بھی چاہے جتنا زمانہ گزر جائے تو بھی اللہ اس کی برائی کو ظاہر کرے گا''۔

۱۰۔رسولؐ خدا نے فرمایا:''فرشتہ ایک شخص کا عمل خوش ہو کر خدا کے پاس لے جاتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اس کی نیکی کو''سجین'' میں پھینک دے۔اس نے یہ نیکی میری خاطر نہیں کی.....''۔

فصل سوم

ریا کی اقسام

ویسے تو ریا کاری کی کئی اقسام ہیں لیکن بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔خالص ریا ۲۔مخلوط ریا

۱۔خالص ریا تو یہ ہے کہ کسی شخص کی عبادت کا اول و آخر مقصد صرف لوگوں کو دکھانا ہو۔ایسا شخص جہاں چند افراد کو دیکھے گا تو نماز پڑھے گا جب اکیلا ہوگا تو پھر نماز نہیں پڑھے گا۔اور یہ بھی اس سے بعید نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے جو نماز پڑھے وہ وضو کے بغیر ہی پڑھ ڈالے۔ایسی عبادت ہر قیمت پر ترک کر دینی چاہئے،یہ عبادت نہیں سراسر معصیت ہے،اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۲۔مخلوط ریا کی کئی اقسام ممکن ہیں:

الف:۔ایک شخص نے اخلاص کے ساتھ تو نماز شروع کی۔اسی اثنا میں کوئی شخص آ گیا تو شیطان نے اس نمازی کو ترغیب دی کہ نماز احسن انداز سے پڑھو تا کہ دیکھنے والے کی نگاہ میں تمہاری قدر و منزلت میں اضافہ ہو۔شیطان کی اس ترغیب کی وجہ سے نمازی نے اپنی نماز کو بہتر انداز سے پڑھنا شروع کر دیا تو یہ ریا کی ایک صورت ہوگی اور یہ حرکت قرب و اخلاص کے تقاضوں کے منافی ہے۔

بہت ہی شرمندہ ہوا

سید نعمت اللہ جزائری انوار نعمانیہ میں رقم طراز ہیں کہ ایک شخص کو ریا کاری کی عادت تھی اور وہ اپنی تمام تر عبادت لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرتا تھا۔ایک دفعہ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ پوری زندگی تو میں نے ریا کاری کی عبادت کی ہے ایک رات ریا سے مبرا ہوکر بھی عبادت کرلوں۔اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ فلاں محلّہ میں ویراں مسجد ہے،آج رات وہاں جا کر نماز پڑھوں گا۔جیسے ہی لوگوں کی آمد ورفت موقوف ہوئی تو وہ اس مسجد میں چلا گیا اور وہاں خلوت میں جا کر نمازیں پڑھنے لگا۔اسی اثنا میں مسجد کے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو وہ پھر جذبہ ریا سے سرشار ہوگیا اور دل میں کہا کہ اچھا ہوا،اس محلّہ والے میری عبادت سے ناواقف تھے۔اب کوئی نہ کوئی تو مسجد میں آ ہی گیا جو میری نمازیں دیکھے گا اور لوگوں کو میرے زہد وتقویٰ کی خبر دے گا۔چنانچہ اس نے پوری رات عبادت میں صرف کردی۔جیسے ہی صبح ہوئی اور روشنی پھیلی تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں سیاہ رنگ کا ایک کتا سویا ہوا تھا جو رات بارش سے بچنے کے لئے ویران مسجد میں چلا آیا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ انتہائی شرمندہ ہوا اور اپنے چہرے پر تھپیڑے مار کر اپنے آپ سے کہنے لگا کہ میں بھی کتنا بدنصیب ہوں کہ ایک سیاہ کتے کی خاطر ساری رات عبادت کرتا رہا۔اس سے پہلے میں اپنے جیسے انسانوں کو اپنی عبادت میں شریک کیا کرتا تھا اور آج رات میں نے سیاہ کتے کو اپنی عبات میں شریک کیا ہے۔

ب:۔ابلیس لعین کے پھانسنے کی دوسری شکل پہلی شکل سے زیادہ گہری ہے۔مثلاً وہ کسی نمازی سے کہتا ہے کہ تو رہبری وقیادت کے مقام پر فائز ہے۔لوگ تیری اتباع کرتے ہیں اور تو ہلکی پھلکی نماز پڑھ رہا ہے؟۔تجھے چاہئے کہ اپنے پیروکاروں کے سامنے احسن انداز میں نماز پڑھوتا کہ یہ بھی تیری پیروی کرتے ہوئے اچھے انداز سے نماز پڑھیں۔اب اگر ابلیس لعین کا یہ وار کارگر ہوگیا اور اس نے بہتر انداز میں نماز پڑھنی شروع کردی تو یہ بھی ریا کی ایک صورت ہوگی۔اور مذکورہ حرکت اخلاص کے منافی تصور ہوگی۔

ج:۔اگر عبادت گزار ابلیس کے پہلے دو پھندوں سے بچ جائے تو وہ لعین نمازی کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ خلوت وجلوت کی نماز ہمیشہ یکساں طور پر پڑھنی چاہئے۔چونکہ تو نے لوگوں کو متاثر کرنا ہے تو پھر خلوت وجلوت کی نمازوں کو یکساں طور پر بہتر انداز سے پڑھوتا کہ جب تمہیں لوگوں میں نماز پڑھنی پڑے تو تمہاری نمازوں میں کوئی فرق نہ ہو۔یہ بھی ریا کی ایک پوشیدہ ترین قسم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نمازی نے اپنی خلوت کی نمازوں کو اس لئے بہتر پڑھنا شروع کیا تھا کہ اس کی ذہنی خواہش یہ تھی کہ جب وہ لوگوں کے سامنے نماز پڑھے تو لوگ اس کی تعریف وتوصیف کریں۔

د:۔ابلیس لعین کا چوتھا پھندہ پہلے پھندوں سے زیادہ مضبوط ہے۔جب وہ سابقہ تینوں حربے آزما لیتا ہے اور عبادت گذار اس کے جال میں نہیں پھنستا تو جب نمازی لوگوں کے سامنے نماز پڑھ رہا ہو تو وہ لعین اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ تو اس وقت حالت نماز میں ہے تجھے خوب سوچ لینا چاہئے کہ اس وقت تو کس کی بارگاہ میں کھڑا ہے اور کس سے محو مناجات ہے۔لہٰذا تجھے چاہئے کہ اپنی پوری ہمت جمع کر کے دل کو خدا کے سامنے حاضر کرو۔چنانچہ نمازی اس کی بات کو معقول سمجھتے ہوئے اپنے دل سے تمام خیالات کو جبراً بے دخل کر

کے اپنے قلب کو حاضر کرتا ہے۔ یہ صورت اگر چہ عین اطاعت نظر آتی ہے لیکن اس میں بھی جذبہ ریا کارفرما ہے۔ کیونکہ دل کو پاک رکھنا صرف محفل میں ہی ضروری نہیں بلکہ خلوت میں بھی ضروری ہے۔

ھ:۔ مذکورہ چالوں کے علاوہ شیطان کی ایک چال یہ بھی ہے کہ انسان اپنی نماز مکمل جذبہ اطاعت واخلاص سے ادا کرے۔ لیکن نماز کے بعد ابلیس اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ اب اس کا نام مخلصین کے دیوان میں درج ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب لوگوں کو اپنے اخلاص عمل سے آگاہ کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ واضح رہے کہ یہ بھی ریا ہی کی ایک صورت ہے اور اس سے عمل فاسد ہو جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''جو شخص چھپ کر نیک عمل کرے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں چھپا کر نیکی لکھی جائے گی اور اگر وہ اس کا اظہار کرے تو نیکی مٹا دی جائے گی البتہ نامہ اعمال میں نیکی ظاہر کر دی جائے گی اور اگر کوئی دوبارہ اپنی نیکی کا اظہار کرے گا تو نیکی کی جگہ ریا لکھ دیا جائے گا۔ اور ظاہری نیکی سے پوشیدہ نیکی ستر گنا افضل ہے۔ ہاں اگر نیکی کا اظہار کئے بغیر کسی کو نیکی کی دعوت دینا ممکن نہ ہو تو پھر نیکی کے اظہار میں کوئی عیب نہیں''۔

و:۔ بعض اوقات ابلیس لعین انسان کو یہ ترغیب دیتا ہے کہ تجھے نیک اعمال نہیں کرنے چاہئیں، مبادا لوگ تجھے ریا کار نہ سمجھ لیں۔ اگر کوئی شخص اس کے اس پھندے میں آجائے تو اس کا مقصد پورا ہا جائے گا کیونکہ اس لعین کی تو خواہش ہی یہی ہے کہ اللہ کی عبادت نہ کی جائے۔ ابن فہد عدۃ الداعی اور شہید ثانی اسرار الصلاۃ میں لکھتے ہیں کہ ایسے شخص کی مثال اس غلام سے دی جاسکتی ہے جس کا آقا اسے سنگریزے ملی ہوئی گندم اس کے حوالے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس گندم سے یہ سنگریزے جدا کرو۔ اور غلام یہ عذر کرے کہ اس گندم کو صاف کرنا میرے بس میں نہیں ہے اس لئے میں یہ کام کرنے سے معذور ہوں۔ اہل علم کے نزدیک اس طرح کا عذر قابل قبول نہیں ہے۔ بندہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی طرف سے پوری جد جہد کرے اور اس کے باوجود بھی اگر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اللہ سے مغفرت طلب کرے۔

ز:۔ ابلیس لعین بعض اوقات انسان کو اس طرح سے گمراہ کرتا ہے کہ تجھے اب عمل خیر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ اب لوگ تیرے بے لوث عمل کو ریا کاری سمجھتے ہیں اور یوں انسان عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اور یہ بھی ریا کاری کی ایک صورت ہے کیونکہ اگر کوئی شخص خالص اللہ کے لئے عبادت کرتا ہے تو پھر اسے لوگوں کی باتوں پر توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس شکل میں مسلمانوں کے متعلق بدگمانی بھی موجود ہے۔

ح:۔ ابلیس لعین کبھی اس طرح سے انسان کو گمراہ کرتا ہے کہ اگر تو نے خواہ مخواہ نیک عمل کرنے ہی ہیں تو پھر تھوڑے کر۔ کیونکہ اگر تو زیادہ عمل کرے گا تو لوگوں میں تیری شہرت ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص اس لعین کے اس وسوسے کی وجہ سے عمل میں کمی کر دے تو یہ بھی ریا کی ہی ایک مخفی صورت ہے۔ کیونکہ ایک عبادت گذار کو کبھی یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہوتی ہے یا نہیں، اسے نیک نامی ملتی ہے یا بدنامی ملتی ہے۔ حقیقی عابد ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے.....۔

فصل چہارم

ریا کا علاج

غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایک چیز انسان کو مرغوب ہوتی ہے لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو انسان اپنی مرغوب چیز کو استعمال کرنا تو درکنار اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔ بطور مثال ایک شخص کو شہد بڑی مرغوب ہے لیکن اگر اسے یہ علم ہو جائے کہ اس کے سامنے اس وقت جو شہد رکھی ہوئی ہے اس میں زہر ملا ہوا ہے تو وہ اس شہد کو ہاتھ تک لگانا بھی پسند نہیں کرے گا۔ اس طرح سے ہر انسان کو نیک شہرت اچھی لگتی ہے لیکن جب اسے معلوم ہو جائے کہ نیک شہرت حاصل کرنے کی شعوری کوشش ''ریا'' ہے اور ریا بدترین صفت ہے اور عذاب الیم کی موجب ہے تو وہ ریا سے باز رہے گا۔ پھر انسان کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ آخر وہ ریا کاری کس لئے کرتا ہے؟ انسان یا تو اس لئے ریا کاری کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام قائم ہو۔ اور مذکورہ وجہ انتہائی غلط ہے کیونکہ دل اللہ کی ملکیت ہیں اور جب تک وہ خود نہ چاہے دل کسی کی طرف مائل بہ عقیدت نہیں ہو سکتے۔ مزید یہ کہ دلوں کی چاہت اور نفرت کا معیار بھی ایک نہیں ہوتا۔ ایک عمل پر اگر چند افراد خوش ہوتے ہیں تو اسی عمل پر چند دیگر افراد ناراض ہونے والے بھی موجود ہوتے ہیں۔

یا کوئی شخص اس لئے ریا کاری کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف و توصیف کریں گے۔ اور ریا کاری کی یہ وجہ بھی انتہائی لغو اور حماقت پر مبنی ہے کیونکہ اگر لوگ کسی کی تعریف کریں بھی تو کیا ان کی تعریف سے اس کے رزق میں اضافہ ہو جائے گا یا اس کی بیماری شفا میں بدل جائے گی یا ان کی تعریف سے اسے قبر و حشر میں عزت نصیب ہو جائے گی؟ جب مذکورہ امور میں سے ایک بھی لوگوں کی تعریف سے حاصل نہیں ہوتا تو پھر لوگوں کی تعریف کے حصول کی کوشش ہی کیوں کی جائے؟ ممکن ہے کوئی شخص اس لئے ریا کاری میں مبتلا ہو کہ اسے لوگوں سے کچھ ملنے کی توقع ہو۔ اور اس کے متعلق بھی ہم یہی عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نعمتوں کا مالک ہے اور پوری کائنات اس کی نعمتوں سے مستفید ہو رہی ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا ملنا یقینی ہے اور لوگوں سے کچھ حاصل ہونا غیر یقینی ہے اور عقل مند کو چاہئے کہ یقینی امر کو چھوڑ کر موہوم امر کے پیچھے نہ جائے۔ اور اگر بالفرض کوئی شخص ریا کاری کے ذریعہ سے کسی سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو بھی وہ اس پر احسان جتلائیں گے اور ہر موقع پر اسے نادم کریں گے۔ تو ایسے امر کے حصول سے انسان محروم ہی رہے تو بہتر ہے۔ انسان جب درج بالا باتوں پر غور کرے گا تو انشاء اللہ اسے ریا کاری کے مرض سے افاقہ ہوگا اور وہ دل و جان سے خالص اللہ کے لئے ہی عبادت کرے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے ذہن میں یہ عہد کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی اتنی عبادت کروں گا کہ پوری قوم میں میری عبادت کی شہرت ہوگی۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے عبادت گاہ میں جاتا اور سب سے آخر میں وہاں سے نکلتا اور ہر وقت قیام و قعود میں لگا رہتا اور لگاتار روزے رکھتا۔ ایک طویل عرصے تک وہ یہی کچھ کرتا رہا۔ اس اثنا میں وہ جہاں سے بھی گزرتا تو لوگ کہتے کہ اس ریا کار کو خدا غارت کرے یہ ہر وقت دکھاوے کی عبادت کرتا رہتا ہے۔ جب وہ لوگوں کی تعریف سے مایوس ہوا تو اس نے اپنے دل میں عہد کیا

کہ میں نے مخلوق کی تعریف وتوصیف کے لئے عبادت کی تھی لیکن میں پھر بھی اس تعریف سے محروم ہی رہا۔آئندہ کسی کی تعریف کی بجائے خالص اللہ کے لئے عبادت کروں گا۔ پھراس نے تمام عبادت اللہ کے لئے شروع کردی۔اس کے بعد وہ جہاں سے بھی گزرتا تو لوگ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے اور کہتے کہ اللہ اس پر رحم کرے اب وہ صحیح نیکی کرنے لگا ہے۔

اوراس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہمیشہ ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی نظر میں قابل مذمت ہواور لوگ اس کی تعریف بھی کرتے ہوں تو لوگوں کی تعریف اس کے لئے فائدہ مند ثابت نہیں ہوگی۔اوراس کے برعکس اگر کوئی شخص اللہ کے ہاں صاحب منزلت ہو اور لوگ اس کا شکوہ کریں تو ان کا شکوہ انہیں کیا نقصان دے گا؟۔فرض کریں کہ ایک انسان کے پاس ایک قیمتی اور نفیس ہیرا یا کوئی اور گوہر ہو جس کی قیمت کے طور پر قدر شناس جوہری اسے دس لاکھ دینے پر آمادہ بھی ہواور وہ شخص اتنا نالائق ہو کہ وہ مذکورہ گوہر اس قدر شناس جوہری کی بجائے کسی ناقدر شناس شخص کے ہاتھ چند درہموں کے بدلے میں فروخت کردے۔تو ہر شخص ایسے شخص کو احمق اور پاگل کہے گا۔اسی طرح سے جب انسان کی عبادتوں کا خریدار رب العالمین ہے اور وہ اس کی عبادت کے بدلے میں اسے جنت النعیم دینے پر آمادہ ہے تو اس کے باوجود اگر کوئی شخص رب العالمین کی بجائے اپنی عبادت صرف چند لوگوں کی تعریف وتوصیف کے عوض میں بیچ ڈالے تو اس سے بڑا احمق اور کون ہوسکتا ہے؟

ریاکاری کے علاج کی عملی دوا

ریاکاری سے بچنے کے لئے ہم نے جو معروضات پیش کیں ان کی حیثیت دوائی کے نسخے کی سی ہے اور ریاکاری سے بچنے کی عملی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہمیشہ چھپ کر عبادت کرنی چاہئے اور عبادت کے وقت تمام دروازے کھڑکیاں بند کردے اور اسے چاہئے کہ اپنے قلب ودماغ پر جبر کرے کہ وہ اپنے عمل کی بنیاد اخلاص پر قرار دیں اور ایسے شخص کو لوگوں کے سامنے اپنی عبادت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے عبادت کا یہ عملی طریقہ اگر چہ چند ابتدائی ایام میں تو گراں گزرے گا لیکن انسانی طبیعت آہستہ آہستہ اس سے مانوس ہوجائے گی اور یوں اخفائے عبادت کی وجہ سے انسان لطف خداوندی کا حقدار قرار پائے گا۔کیونکہ بندے کا کام کوشش کرنا ہے اور ہدایت کرنا اللہ کا کام ہے۔ بندہ کا کام دروازے پر دستک دینا ہے اور اللہ کا کام بند دروازے کو کھولنا ہے۔وَاللّٰہُ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

تکمیل

ثقۃ الاسلام کلینی نے حضرتؑ کا یہ خطبہ ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔(بحذف اسناد) امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المؤمنین ؑ نے خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

اَمَّا بَعۡدُ فَاِنَّهٗ اِنَّمَا هَلَكَ مَنۡ كَانَ قَبۡلَكُمۡ حَيۡثُ مَا عَمِلُوۡا مِنَ الۡمَعَاصِيِّ وَ لَمۡ يَنۡهَهُمُ الرَّبَّانِيُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارَ عَنۡ ذَالِكَ وَ اِنَّهُمۡ لَمَّا تَمَادَوۡا فِیۡ الۡمَعَاصِيِّ وَ لَمۡ يُنَبِّهَهُمُ الرَّبَّانِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ ذَالِكَ نَزَلَتۡ بِهِمُ الۡعُقُوۡبَاتُ فَاۡمُرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ انۡهُوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ اعۡلَمُوۡا اَنَّ الۡاَمۡرَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ النَّهۡیَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ لَمۡ يُقَرِّبَا اَجَلًا وَ لَنۡ يَّقۡطَعَا رِزۡقًا اِنَّ الۡاَمۡرَ يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى

الْاَرْضِ کَقَطْرِ الْمَطَرِ اِلیٰ کُلِّ نَفْسٍ بِمَا قَدَّرَ اللّٰہُ مِنْ زِیَادَۃٍ اَوْ نُقْصَانٍ فَاِنْ اَصَابَ اَحَدَکُمْ مُّصِیْبَۃٌ فِیْ اَھْلٍ اَوْ مَالٍ اَوْ نَفْسٍ وَ رَاٰی عِنْدَ اَخِیْہِ غَفِیْرَۃً فِیْ اَھْلٍ اَوْ مَالٍ اَوْ نَفْسٍ فَلَا یَکُوْنَنَّ لَھُمْ فِتْنَۃٌ اِنَّ الْمَرْءَ الْمُسْلِمَ لَبَرِیْءٌ مِنَ الْخِیَانَۃِ مَا لَمْ یَغُشَّ دَنَائَۃً تَظْھَرُ فَیَخْشَعَ لَھَا اِذَا ذُکِرَتْ وَ یَفْرِیْ بِھَا لِئَامُ النَّاسِ کَانَ کَالْفَالِجِ الْیَاسِرِ الَّذِیْ یَنْتَظِرُ اَوَّلَ فَوْزَۃٍ مِنْ قَدَاحِہٖ تُوْجِبُ لَہُ الْمَغْنَمَ وَ یَرْفَعُ عَنْہُ بِھَا الْمَغْرَمُ وَ کَذَالِکَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ الْبَرِیْءُ مِنَ الْخِیَانَۃِ یَنْتَظِرُ مِنَ اللّٰہِ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ اِمَّا دَاعِیَ اللّٰہِ فَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّہٗ وَ اِمَّا رِزْقُ اللّٰہِ فَاِذَا ھُوَ ذُوْ اَھْلٍ وَ مَالٍ وَّ مَعَہٗ دِیْنُہٗ وَ حَسَبُہٗ اِنَّ الْمَالَ وَ الْبَنِیْنَ حَرْثُ الدُّنْیَا وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ حَرْثُ الْاٰخِرَۃِ وَ قَدْ یَجْمَعُھُمَا اللّٰہُ لِاَقْوَامٍ فَاحْذَرُوْا مِنَ اللّٰہِ مَا حَذَّرَکُمْ مِنْ نَفْسِہٖ فَاخْشَوْہُ خَشْیَۃً لَیْسَتْ بِتَعْذِیْرٍ وَ اعْمَلُوْا فِیْ غَیْرِ رِیَاءٍ وَ سُمْعَۃٍ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعْمَلْ لِغَیْرِ اللّٰہِ یَکِلْہُ اللّٰہُ اِلیٰ مَنْ عَمِلَ لَہٗ نَسْاَلُ اللّٰہَ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَ مُعَایَشَۃَ السُّعَدَاءِ وَ مُرَافَقَۃَ الْاَنْبِیَاءِ

ترجمہ: حمد وثنا کے بعد، واضح ہو کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے غلط کام کئے تھے اور انہیں علماء وزہاد نے نہیں روکا تھا اور جب وہ غلط کاموں میں بہت زیادہ منہمک ہوئے تو بھی علماء وزہاد نے انہیں منع نہیں کیا تھا۔ اسی لئے ان پر عذاب نازل ہوئے۔ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور یہ بھی جان لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ تو موت جلدی آتی ہے اور نہ ہی رزق منقطع ہوتا ہے۔ ہر شخص کے مقسوم میں جو کم یا زیادہ ہوتا ہے اسے لے کر فرمان قضا آسمان سے زمین پر اس طرح اترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اہل و مال و جان پر مصیبت کا مشاہدہ کرے اور اپنے بھائی کے اہل، مال اور نفس میں فراوانی اور وسعت پائے تو یہ چیز اس کے لئے کبیدگی خاطر کا سبب نہ بنے۔ کیونکہ خیانت سے آزاد مسلمان جب تک کسی ایسی ذلیل حرکت کا مرتکب نہیں ہوتا جو کہ ظاہر ہو جائے، تو اس کے تذکرہ سے اسے آنکھیں نیچی کرنا پڑیں اور جس سے ذلیل آدمیوں کی جرأت بڑھے، وہ اس کامیاب جواری کی مانند ہوتا ہے جو جوئے کے تیروں کا پانسہ پھینک کر پہلے ہی مرحلے پر ایسی جیت کا متوقع ہوتا ہے جس سے اسے فائدہ حاصل ہو اور پہلے نقصان ہو بھی چکا ہے تو وہ دور ہو جائے۔ اس طرح وہ مسلمان جو بددیانتی سے پاک دامن ہو، دو اچھائیوں میں سے کسی ایک کا امیدوار ہوتا ہے۔ یا اللہ کی طرف سے بلاوا آجائے تو اس شکل میں اللہ کی یہاں کی نعمتیں ہی اس کے لئے بہتر ہیں۔ اور یا اللہ کی طرف سے (دنیا کی) نعمتیں حاصل ہوں تو اس صورت میں اس کے پاس مال اور اولاد بھی ہے اور پھر اس کا دین وعزت نفس بھی برقرار ہے۔

بے شک مال واولاد دنیا کی کھیتی اور عمل صالح آخرت کی کھیتی ہے اور بعض لوگوں کے لئے اللہ ان دونوں چیزوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ جتنا خدا نے ڈرایا ہے، اتنا اس سے ڈرتے رہو اور اتنا اس سے خوف کھاؤ کہ تمہیں عذر نہ کرنا پڑے۔ عمل، بے ریا کرو، اس لئے کہ جو شخص کسی اور کے لئے عمل کرتا ہے اللہ اس کو اس کے حوالے کر دیتا ہے جس کے لئے اس نے وہ عمل کیا۔ ہم اللہ سے شہیدوں کی منزلت، نیکوں کی ہمدمی اور انبیاء کی رفاقت کا سوال کرتے ہیں۔

دوسری فصل

قریبیوں کی حمایت ضروری ہے

خطبہ کا یہ حصہ الکافی میں بہت سے الفاظ کے اختلاف اور کمی بیشی کے ساتھ منقول ہے۔ آئندہ صفحات میں وہ خطبہ پیش کیا جائے گا۔

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا یَسْتَغْنِیْ الرَّجُلُ وَ اِنْ کَانَ ذَا مَالٍ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ وَ دِفَاعِهِمْ عَنْهُ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَلْسِنَتِهِمْ وَ هُمْ اَعْظَمُ النَّاسِ حِیْطَةً مِّنْ وَّرَائِهٖ وَ الْمُهِمُّ لِشَعْثِهٖ وَ اَعْطَفُهُمْ عَلَیْهِ عِنْدَ نَازِلَةٍ اِذَا نَزَلَتْ بِهٖ وَ لِسَانُ الصِّدْقِ یَجْعَلُهُ اللّٰهُ لِلْمَرْءِ فِی النَّاسِ خَیْرٌ لَّهٗ مِنَ الْمَالِ یُوَرِّثُهٗ غَیْرَهٗ

اے لوگو! کوئی شخص بھی اگر چہ وہ مالدار ہو اپنے قبیلہ والوں اور اس امر سے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے اس کی حمایت کریں، بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ وہی لوگ سب سے زیادہ اس کے پشت پناہ اور اس کی پریشانیوں کو دور کرنے والے اور مصیبت پڑنے کی صورت میں اس پر شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ اللہ جس شخص کا سچا ذکر خیر لوگوں میں برقرار رکھتا ہے تو یہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جس کا وہ دوسروں کو وارث بنا کر جاتا ہے۔

مِنْهَا: اَلَا لَایَعْدِلَنَّ اَحَدُکُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ یَرٰی بِهَا الْحَضَاضَةَ اَنْ یَّسُدَّهَا بِالَّذِیْ لَا یُرِیْدُهٗ اِنْ اَمْسَکَهٗ وَ لَا یَنْقُصُهٗ اِنْ اَهْلَکَهٗ وَ مَنْ یَّقْبِضْ یَدَهٗ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ فَاِنَّمَا تُقْبَضُ مِنْهُ عَنْهُمْ یَدٌ وَّاحِدَةٌ وَ تُقْبَضُ مِنْهُمْ عَنْهُ اَیْدٍی کَثِیْرَةٌ وَ مَنْ تَلِنْ حَاشِیَتُهٗ یَسْتَدِمْ مِنْ قَوْمِهِ الْمَوَدَّةَ.

اسی خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے: دیکھو تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے قریبیوں کو فقر و فاقہ میں پائے تو ان کی احتیاج کو اس امداد سے دور کرنے میں پہلو تہی نہ کرے جس کے روکنے پر یہ کچھ بڑھ نہ جائے گا اور صرف کرنے سے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور جو شخص اپنے قبیلے کی اعانت سے ہاتھ روک لیتا ہے تو اس کا تو صرف ایک ہاتھ رکتا ہے لیکن وقت پڑنے پر بہت سے ہاتھ اس کی مدد سے رک جاتے ہیں۔ جو شخص نرم خو ہو وہ اپنی قوم کی محبت ہمیشہ باقی رکھ سکتا ہے۔

(اَقُوْلُ) وَ مَا اَحْسَنَ الْمَعْنَی الَّذِیْ اَرَادَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِقَوْلِهٖ وَ مَنْ یَّقْبِضْ یَدَهٗ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ اِلٰی تَمَامِ الْکَلَامِ فَاِنَّ الْمُمْسِكَ خَیْرَهٗ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ اِنَّمَا یُمْسِكُ نَفْعَ یَدٍ وَّاحِدَةٍ فَاِذَا احْتَاجَ اِلٰی نُصْرَتِهِمْ وَ اضْطَرَّ اِلٰی مُرَادِفَتِهِمْ قَعَدُوْا عَنْ نَصْرِهٖ وَ تَثَاقَلُوْا عَنْ صَوْتِهٖ فَمُنِعَ تَرَافُدَ الْاَیْدِی الْکَثِیْرَةِ وَ تَنَاهُضَ الْاَقْدَامِ الْجَمَّةِ۔

سید رضی فرماتے ہیں: (**وَ مَنْ یَّقْبِضْ یَدَهٗ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ**) اس جملے کے معنی کتنے حسین و دلکش ہیں۔ حضرت کی مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے قبیلہ سے حسن سلوک نہیں کرتا تو اس نے تو ایک ہی ہاتھ کی منفعت کو روکا لیکن جب ان کی امداد کی ضرورت پڑے گی اور ان کی ہمدردی اور اعانت کے لئے لاچار اور مضطر ہوگا تو وہ ان کے بہت سے بڑھنے والے ہاتھوں اور اٹھنے والے قدموں کی ہمدردیوں اور چارہ سازیوں سے محروم ہو جائے گا۔

تشریح لغات (اَلْحِیْطَۃُ) حاء کی زیر اور یاء کی جزم کے ساتھ، حفاظت۔(لَمَّ) اللّٰہُ شَعْثَہٗ اللہ ان کے جداگانہ امور کو جمع کرے۔ (اَلْخَصَاصَۃُ) فقر وفاقہ، حاجت، قرآن مجید میں ہے ﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَ لَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ﴾ وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں خود بھی حاجت ہوتی ہے( )۔(حَاشِیَۃُ الرَّجُلِ)انسان کی ذات، پہلو، خواص، اہل اور پیروکار۔

اعراب

(یَرٰی بِھَا.....) یہ پورا جملہ حالیت کی وجہ سے منصوب ہے۔(**اَنْ یَّسُدَّھَا**)قَرَابَۃً کا بدل ہونے کی وجہ سے مقامِ جر میں ہے۔ (**حَاشِیَتَہٗ**) فاعل اور مرفوع ہے اور مفعول لہ ہونے کی بنا پر اس پر نصب بھی پڑھی جاسکتی ہے۔اور تقدیر عبارت یہ قرار پائے گی (یَلِیْنَ لِحَاشِیَتِہٖ)۔

مفہوم عبارت

دولت مندوں کو ہدایت

خطبہ کے ابتدائی حصہ میں حضرتؑ نے غریب لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ کسی سے حسد نہ کریں اور کسی دولت مند کی خوشامد نہ کریں۔عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دن پھیر دے اور وہ بھی دولت وثروت کے مالک بن جائیں۔اس کے بعد حضرتؑ نے امراء طبقے سے خطاب کرتے ہوئے انہیں یہ درس دیا کہ وہ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کی مالی امداد سے گریز نہ کریں۔چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (**اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَایَسْتَغْنِیْ الرَّجُلُ وَ اِنْ کَانَ ذَا مَالٍ عَنْ عَشِیْرَتِہٖ وَ دِفَاعِھِمْ عَنْہُ بِاَیْدِیْھِمْ وَ اَلْسِنَتِھِمْ**)لوگو! کوئی شخص بھی اگر چہ کہ وہ مالدار ہو اپنے قبیلہ والوں اور اس امر سے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے اس کی حمایت کریں، بے نیاز نہیں ہوسکتا۔یعنی ہر شخص کو اپنے جانی اور زبانی دفاع کے لئے اپنے خاندان اور قبیلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اور خاص کر امراء کو قوم وقبیلہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امراء وسلاطین اپنے کاموں کے لئے اپنے اہل قبیلہ کو مددگار مقرر کرتے ہیں۔اگر چہ انسان اپنے دفاع کے لئے کسی غیر کو بھی مقرر کرسکتا ہے لیکن اسے یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہئے کہ جتنا کسی کے لئے قوم وقبیلہ والے مخلص ہوسکتے ہیں اتنا غیر مخلص نہیں ہوسکتے۔دفاع کے لئے قبیلہ والوں کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا(**وَ ھُمْ اَعْظَمُ النَّاسِ حِیْطَۃً مِّنْ وَّرَائِہٖ وَ اَلْمُھِمُّ لِشَعْثِہٖ وَ اَعْطَفُھُمْ عَلَیْہِ عِنْدَ نَازِلَۃٍ اِذَا نَزَلَتْ بِہٖ**)وہی لوگ سب سے زیادہ اس کے پشت پناہ اور اس کی پریشانیوں کو دور کرنے والے اور مصیبت پڑنے کی صورت میں اس پر شفیق ومہربان ہوتے ہیں۔

حضرتؑ نے اس جملہ میں رشتہ داروں کے تین فوائد بتائے ہیں:۔

۱۔رشتہ دار جتنا اچھا پشت پناہ ہوسکتا ہے اتنا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

۲۔ پریشانی دور کرنے کے لئے رشتہ دار زیادہ کوشاں ہوتے ہیں۔

۳۔ مصیبت کے وقت دوسروں کی بہ نسبت رشتہ دار زیادہ شفیق و مہربان ہوتے ہیں۔

(وَ لِسَانُ الصِّدْقِ يَجْعَلُهُ اللّٰهُ لِلْمَرْءِ فِي النَّاسِ خَيْرٌ لَّهُ مِنَ الْمَالِ يُوَرِّثُهُ غَيْرُهُ) اللہ جس شخص کا سچا ذکر خیر لوگوں میں برقرار رکھتا ہے تو یہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جس کا وہ دوسروں کو وارث بنا کر جاتا ہے۔ حضرتؑ نے دو شخصوں کے متعلق فیصلہ فرمایا۔ ان میں سے ایک شخص اپنی نیک نامی کی داستانیں چھوڑ کر مرا اور دوسرا شخص اپنے ورثاء کے لئے مال و دولت چھوڑ کر مرا۔ تو حضرتؑ نے فیصلہ یہ دیا کہ نیک نامی کی داستانیں چھوڑ جانے والا مال چھوڑ جانے والے سے بہتر ہے۔

حاتم طائی کے اشعار

حاتم طائی عرب کا مشہور سخی شخص تھا۔ اس کی بیوی کا نام ماریہ تھا۔ ایک دفعہ ماریہ نے شوہر کو اس کی سخاوت و فیاضی پر سرزنش کی تو حاتم طائی نے جواب میں یہ شعر پڑھے:۔

أَمَارِيَ اَنْ يَّصْبَحَ صَدْرِيْ لِقُفْرَةٍ ۔۔۔ مِنَ الْاَرْضِ لَا مَاءَ لَدَيَّ وَ لَا خَمْرَ

تَرِيْ اِنْ مَّا اَنْفَقْتُ لَمْ يَكُ ضَرُبِيْ ۔۔۔ وَ اِنْ يَدِيْ مِمَّا بَخِلْتُ بِهٖ صَفَرٌ

اَمَارِيَ مَا يُغْنِيْنِيْ الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتٰى ۔۔۔ اِذَا مَشْرَجَتْ يَوْمًا وَ ضَاقَ بِهِ الصَّدْرُ

أَمَارِيَ اِنَّ الْمَالَ غَادَ وَ رَائِحٌ ۔۔۔ وَ يَبْقٰى مِنَ الْمَالِ الْاَحَادِيْثُ وَ الذِّكْرُ

وَ قَدْ عَلِمَ الْاَقْوَامُ لَوْ اَنَّ حَاتِمًا ۔۔۔ اَرَادَ ثَرَاءَ الْمَالِ كَانَ لَهُ وَفْرٌ

ماریہ! جس وقت میں مرجاؤں اور میری لاش میدان میں پڑی ہو اور میرے پاس پانی اور شراب نہ ہو، تو اس وقت تو دیکھے گی کہ میں جو کچھ خرچ کیا تھا، اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور بخل کرتے ہوئے میں نے جس مال کو گھر میں رکھا تھا وہ مال میرے ہاتھ میں نہیں ہوگا اور میرے ہاتھ خالی ہوں گے۔ ماریہ! جب جان کنی کا وقت ہو اور سانس غرغرا رہا ہو اور سینہ تنگ ہو تو اس وقت مال کسی انسان کی مدد نہیں کرے گا۔ ماریہ! مال تو آنے جانے والی چیز ہے۔ مال سے تذکرہ اور گفتگو باقی رہ جاتی ہے۔ تمام لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ اگر حاتم دولت اور مال کا خواہش مند ہوتا تو اس کے پاس دولت کے ڈھیر جمع ہو جاتے۔

رشتہ داروں کی مالی مدد سے دریغ نہ کریں

(اَلَا لَا يَعْدِلَنَّ اَحَدُكُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ يَرٰى بِهَا الْخَصَاصَةَ اَنْ يَّسُدَّهَا بِالَّذِيْ لَا يُرِيْدُهٗ اِنْ اَمْسَكَهٗ وَ لَا يَنْقُصُهٗ اِنْ اَهْلَكَهٗ) دیکھو اگر کوئی شخص اپنے قریبیوں کو فقر و فاقہ میں پائے تو ان کی احتیاج کو اس امداد سے دور کرنے میں پہلو تہی نہ کرے جس کے روکنے پر یہ کچھ بڑھ نہ جائے گا اور صرف کرنے سے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کا کوئی رشتہ دار فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اپنی فاضل دولت سے اس کی مدد کرے۔ **(وَ مَنْ يَّقْبِضْ يَدَهٗ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ فَاِنَّمَا تُقْبَضُ مِنْهُ عَنْهُمْ يَدٌ وَّاحِدَةٌ وَ**

تُقْبَضُ مِنْهُمْ عَنْهُ اَيْدِی كَثِيْرَةٌ)اور جو شخص اپنے قبیلہ کی اعانت سے ہاتھ روک لیتا ہے تو اس کا تو صرف ایک ہاتھ رکتا ہے لیکن وقت پڑنے پر بہت سے ہاتھ اس کی مدد سے رک جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک شخص اپنے قبیلہ کی امداد نہ کرے تو قبیلہ والے بھی اس کی مدد نہیں کریں گے اور یوں قبیلہ سے تو ایک ہاتھ رکے گا اور اس شخص سے سینکڑوں ہاتھ رک جائیں گے۔

(وَ مَنْ تَلِنْ حَاشِيَتُهُ يَسْتَدِمْ مِنْ قَوْمِهِ الْمَوَدَّةُ)اور جو شخص نرم خو ہو وہ اپنی قوم کی محبت ہمیشہ باقی رکھ سکتا ہے۔ تواضع اور حسن اخلاق سے انسان لوگوں کی محبت حاصل کر سکتا ہے اور اس کے برعکس بدخلق شخص کی دوستی کے لئے کوئی آمادہ نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خُلق عظیم کا پیکر بنا کر بھیجا اور پھر فرمایا ﴿.....وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ﴾ پیغمبرؐ! اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ لہٰذا اب انہیں معاف کر دو اور ان کے لئے استغفار کرو اور ان سے امر (جنگ) میں مشورہ کرو (آل عمران/ ۱۵۹)۔ درج بالا معنی اس صورت میں صحیح ہوگا جب ہم لفظ (**حَاشِيَتَهُ**) سے کسی کی ذات اور پہلو مراد لیں۔ اور اگر اس لفظ کا معنی خواص اور حاشیہ نشین افراد کیا جائے تو پھر مذکورہ جملے کا معنی یہ ہوگا کہ جس کے حاشیہ نشین نرم خو ہوں تو وہ اپنی قوم کی محبت ہمیشہ باقی رکھ سکتا ہے۔ جس شخص کے مشیر اور صلاح کار نرم مزاج ہوں تو لوگ بھی اس سے محبت کریں گے اور جس کے مشیر اور حاشیہ نشین بدخلق ہوں اور ہر آنے والے کی بے عزتی کرتے ہوں تو لوگ بھی اس سے نفرت کریں گے۔ کیونکہ انسان اپنے احباب اور حاشیہ نشینوں سے پہچانا جاتا ہے۔

تبصرہ

الکافی میں خطبہ کا یہ حصہ اختلاف الفاظ اور تقدیم و تاخیر سے منقول ہے اور ہم اسے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(بحذف اسناد) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يَرْغَبَ الْمَرْءُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ وَ اِنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَ وَلَدٍ وَ عَنْ مَّوَدَّتِهِمْ وَ كَرَامَتِهِمْ وَ دِفَاعِهِمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَلْسِنَتِهِمْ هُمْ اَشَدُّ النَّاسِ حِيْطَةً مِّنْ وَّرَائِهٖ وَ اَعْطَفُهُمْ عَلَيْهِ وَ اَلَمُّهُمْ لِشَعْثِهٖ اِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ وَّ نَزَلَ بِهٖ بَعْضُ مَكَارِهِ الْاُمُوْرِ وَ مَنْ يَّقْبِضْ يَدَهٗ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ فَاِنَّمَا يَقْبِضُ عَنْهُمْ يَدًا وَّاحِدَةً وَ يُقْبَضُ عَنْهُ مِنْهُمْ اَيْدِی كَثِيْرَةٌ وَ مَنْ يَّلِنْ حَاشِيَتَهٗ يَعْرِفْ صَدِيْقُهٗ مِنْهُ الْمَوَدَّةَ وَمَنْ بَسَطَ يَدَهٗ بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا وَجَدَهٗ يَخْلِفُ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَنْفَقَ فِیْ دُنْيَاهُ وَ يُضَاعِفُ لَهٗ فِیْ آخِرَتِهٖ وَ لِسَانَ الصِّدْقِ لِلْمَرْءِ يَجْعَلُهُ اللّٰهُ فِیْ النَّاسِ خَيْراً مِّنَ الْمَالِ يَاكُلُهٗ وَ يُوْرِثُهٗ لَا يَزْدَادَنَّ اَحَدُكُمْ كِبَرًا وَ عَظَمًا فِیْ نَفْسِهٖ وَ نَأْيًا عَنْ عَشِيْرَتِهٖ اِنْ كَانَ مُوْثِرًا فِی الْمَالِ وَ لَا يَزْدَادَنَّ اَحَدُكُمْ فِیْ اَخِيْهِ زُهْدًا وَ لَا مِنْهُ بُعْدًا اِذَا لَمْ يَرَ مِنْهُ مُرُوَّةً وَ كَانَ مَعْوُزًا فِی الْمَالِ لَا يَغْفِلُ اَحَدُكُمْ عَنِ الْقَرَابَةِ بِهَا الْخَصَاصَةُ اِنْ يَّسُدَّهَا بِمَا لَا يَنْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكَهٗ وَ لَا يَضُرُّهٗ اِنِ اسْتَهْلَكَهٗ ۔

انسان خواہ مال و اولاد والا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اپنے رشتہ داروں سے منہ نہ موڑے اور اپنے آپ کو ان کی محبت و عزت اور ہاتھ اور زبان کے دفاع سے محروم نہ کرے۔ یہی لوگ سب سے زیادہ اس کے پشت پناہ اور اس کی پریشانیوں کو دور کرنے والے اور مصیبت

پڑنے کی صورت میں اس پر شفیق و مہربان ہوتے ہیں۔ اور جو شخص اپنے خاندان کی امداد سے اپنا ہاتھ روک لے گا تو اس کی مدد سے کئی ہاتھ رک جائیں گے۔ اور جو شخص نرم خو ہوگا تو دوست کو بھی اس سے بہت محبت محسوس ہوگی۔ اور جو شخص مال کی موجودگی میں اچھائی کے لئے اپنا ہاتھ دراز کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے اس کا بدلہ دے گا اور آخرت میں اس کے لئے دگنا ثواب ہوگا۔ اللہ جس کا سچا ذکر لوگوں میں برقرار رکھتا ہے تو یہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جسے خود کھانے کے بعد اس کا دوسروں کو وارث بنا کر جاتا ہے۔ تم میں سے کسی شخص کو دل میں تکبر و بڑائی کا خیال کرتے ہوئے قبیلہ سے دور نہیں ہونا چاہئے۔ اگر چہ وہ کتنا ہی مال دار کیوں نہ ہو۔ جب تم میں سے کسی کا بھائی مالی پریشانی میں مبتلا ہو تو اپنے بھائی سے لاپروائی اور دوری اختیار نہ کرو۔ اور اپنے صاحب حاجت رشتہ داروں سے غفلت نہیں کرنی چاہئے۔ ان کے فقر و فاقہ کے دور کرنے کے لئے اس امداد سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہئے جس کے روکنے سے اس کی دولت میں اضافہ نہیں ہوگا اور جس کے خرچ کرنے سے اس کی دولت میں نمایاں کمی واقع نہ ہوگی۔

صلہ رحمی (رشتہ داروں سے نیک سلوک)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس خطبہ میں رشتہ داروں کے وجود کے فوائد بتائے اور پھر ان سے نیک سلوک کا فائدہ بیان فرمایا اور قطع رحمی کا نقصان بتایا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ رشتہ دار ہی انسان کے پشت پناہ اور پریشانیوں کو دور کرنے والے اور مصیبت کے وقت شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے والے شخص کا نام بلند ہوتا ہے۔ اور اسے ایک عرصہ تک یاد کیا جاتا ہے۔ اور رشتہ داروں سے نیکی نہ کرنا دراصل اپنے آپ سے برائی کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص قبیلہ کی مدد کرنے سے اپنا ایک ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو ضرورت پڑنے پر وہ قبیلے کے کئی ہاتھوں کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔

موقع کی مناسبت سے ہم الکافی سے اس موضوع کی چند احادیث نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسولؐ اللہ! میرے رشتہ دار مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں اور ہمیشہ میرے آزار کے درپے رہتے ہیں تو کیا میں ان کو چھوڑ دوں؟''۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''پھر اللہ تم سب کو چھوڑ دے گا''۔ اس شخص نے عرض کیا: ''پھر میں کیا کروں؟''۔ آپؐ نے فرمایا: ''جو تم سے تعلق توڑے، تو اس سے تعلق جوڑ اور جو تجھے محروم رکھے تو اسے عطا کر اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر۔ اگر تو نے ایسا کیا تو اللہ ان کے مقابلے میں تیری مدد کرے گا''۔

۲۔ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''بعض اوقات انسان کی عمر تین سال باقی ہوتی ہے کہ وہ صلہ رحمی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر تیس سال تک بڑھا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے''۔

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''صلہ رحمی سے اعمال کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے۔ مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے، آزمائش ہٹالی جاتی ہے، حساب آسان کر دیا جاتا ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔

۴۔ ابوذر کہتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امانت اور رحم صراط پر ہوں گے۔ جب کوئی صلہ رحمی کرنے

والا اور امانت ادا کرنے والا صراط سے گزرے گا تو یہ اس کی مدد کریں گے اور اسے جنت میں لے جائیں گے اور جب قاطع رحم اور خائن صراط سے گزرے گا چاہے اس کے پاس دوسرے عمل کتنے ہی موجود ہوں یہ اسے دوزخ میں گرادیں گے''۔

۵۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''صلہ رحمی اور حسن ہمسائیگی سے شہر آباد ہوتے ہیں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے''۔

۶۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''صلہ رحمی اور نیک سلوک حساب کو آسان بنادیتے ہیں اور گناہوں سے محفوظ رکھتے ہیں تم صلہ رحمی کرو اور اپنے بھائیوں سے نیک سلوک کرو۔ اگر چہ یہ سلوک صرف اچھی طرح سے سلام اور اس کے جواب کی شکل میں ہی ہو''۔

۷۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''صلہ رحمی قیامت کے حساب کو آسان بناتی ہے اور اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ بری موت سے بچاتی ہے اور رات کے وقت دیا جانے والا صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے''۔

۸۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''صلہ رحمی کے علاوہ ہمیں اور کسی چیز کا علم نہیں جو عمر میں اضافہ کردے۔ یہاں تک کہ کسی انسان کی عمر تین برس باقی ہوتی ہے اور وہ صلہ رحمی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں تیس برس کا اضافہ کر کے اس کی عمر کو تینتیس برس بنادیتا ہے اور کبھی کسی کی عمر تینتیس برس باقی ہوتی ہے اور وہ قطع رحمی کرتا ہے تو اللہ اس کی عمر میں تیس برس نکال دیتا ہے اور اس کی عمر صرف تین سال باقی رہ جاتی ہے۔

اس بارے میں دیگر بہت سی روایات بھی موجود ہیں لیکن جو کچھ بیان ہوا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خطبہ ۲۴

علیؑ نجات اخروی کا ضامن

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے۔

وَلَعَمْرِیْ مَاعَلَیَّ مِنْ قِتَالِ مَنْ خَالَفَ الْحَقَّ وَ خَابَطَ الْغَیَّ مِنْ اِدْهَانٍ وَلَااِیْهَانٍ فَاتَّقُوااللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ وَ فِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ وَ امْضُوْا فِی الطَّرِیْقِ الَّذِیْ نَهَجَهٗ لَكُمْ وَ قُوْمُوْا بِمَا عَصَبَهٗ بِكُمْ فَعَلِیٌّ ضَامِنٌ لِفُلْجِكُمْ اٰجِلاً وَ اِنْ لَّمْ تُمْنَحُوْهُ عَاجِلاً.

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں حق کے خلاف چلنے والوں اور گمراہی میں بھٹکنے والوں سے جنگ میں کسی قسم کی رورعایت اور سستی نہیں کروں گا۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اس کے غضب سے بھاگ کر اس کے دامن رحمت میں پناہ لو۔ اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلو اور اس کے عائد کردہ احکام کو بجالاؤ۔ (اگر ایسا کیا تو) علیؑ تمہاری نجات اخروی کا ضامن ہے، اگر چہ تمہیں دنیاوی کامرانی حاصل نہ ہو۔

تشریح لغت (خَابَطَ الْغَیَّ) صیغہ مفاعلہ کے ساتھ، دونوں ایک دوسرے میں بھٹکنے لگیں، لفظ (غَیٌّ) کا معنی گمراہی ہے۔ (اِدْهَانٍ) مُدَاهَنَةٌ یعنی منافقت۔ (اِیْهَانٌ) کمزور کرنا۔ (نَهَجَ الْاَمْرُ) معاملہ کو واضح کیا، یعنی صاف راستہ بنایا۔

(عَصَبَهٗ بِكُمْ) تمہارے ساتھ اسے باندھا۔ اور لفظ ''عِصَابَةٌ'' اس سے ماخوذ ہے اور ''عِصَابَةٌ'' اس پٹی کو کہا جاتا ہے جو سر پر باندھی جاتی ہے۔ (اَلْفُلْجُ) فا کی پیش کے ساتھ، کامیابی۔ اس کا اسم فاعل فَالِجٌ ہے۔ اور اس کی لغوی تحقیق سابقہ خطبہ میں پیش کی گئی ہے۔ (مَنَحَ) بروزن ضَرَبَ، مَنَحَ عطا کیا۔ اس سے اسم مصدر (مِنْحَةٌ) آتا ہے جس کے معنی عطیہ ہے۔

اعراب

(اَلْعَمْرُ) عین کی زبر اور پیش دونوں طرح سے اس کا پڑھنا درست ہے۔ اور اس کا معنی ہے بقا۔ جب یہ لفظ قسم میں استعمال ہو تو پھر عین پر زبر پڑھی جاتی ہے۔ بعض محققین کا قول ہے کہ جب کوئی شخص کہتا ہے لَعَمْرِیْ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کو محذوف رکھنا واجب ہے۔ اور اس کی خبر قَسَمِیْ یا یَمِیْنِیْ ہوتی ہے۔ اور یہ فصحائے عرب میں رائج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ اب اگر اس مقام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ غیر اللہ کی قسم ممنوع ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی قسم کیوں کھائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم درحقیقت ممنوع ہے۔ یعنی غیر اللہ کی تعظیم کو اللہ کی تعظیم کے برابر سمجھا جائے۔ لیکن اس آیت میں قسم کی صورت ہے تاکہ کلام کو آگے بڑھایا جائے۔ یا یہ کہ اس میں مضاف محذوف ہے یعنی اصل جملہ یہ ہے ''بِوَاهِبِ عُمُرِكَ'' آپ کو زندگی بخشنے والے کی قسم۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ نے یہ خطبہ ان لوگوں کے نظریہ کی تردید میں ارشاد فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ حضرتؑ کو مخالفین سے جنگ کی بجائے مصالحت کرنی چاہئے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے زعم باطل کی تردید کرنے کے لئے آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر اپنے دوٹوک موقف کا اعلان فرمایا (**وَلَعَمْرِیْ مَاعَلَیَّ مِنْ قِتَالِ مَنْ خَالَفَ الْحَقَّ وَ خَابَطَ الْغَیَّ مِنْ اِدْهَانٍ وَلَااِیْهَانٍ**) مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں حق کے خلاف چلنے والوں اور گمراہی میں بھٹکنے والوں سے جنگ میں کسی قسم کی رورعایت اور سستی نہیں کروں گا۔ کیونکہ اہل بغاوت و ضلالت کے ساتھ جہاد فرض ہے اور ان سے رورعایت کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب نبی کو وحی فرمائی کہ میں آپ کی قوم کے ایک لاکھ افراد پر عذاب نازل کروں گا۔ جن میں سے چالیس ہزار شریر ہیں اور ساٹھ ہزار اچھے لوگ ہیں۔ حضرت شعیبؑ نے عرض کیا: ''پروردگار! شریر لوگوں پر تو عذاب آنا چاہئے لیکن تو ساٹھ ہزار بے گناہ افراد پر کیوں عذاب نازل کرے گا؟''۔ آواز قدرت آئی: ''شعیب! میں ان لوگوں پر اس لئے عذاب نازل کروں گا کہ انہوں نے برے لوگوں کو برائی کرتے ہوئے دیکھا لیکن انہوں نے ان کے ساتھ رورعایت کا سلوک کیا اور میرے غضب کو دیکھتے ہوئے بھی وہ ان پر غضب ناک نہیں ہوئے''۔

درج بالا روایت اس حقیقت کی مظہر ہے کہ اہل معاصی کے ساتھ مداہنت، مسامحہ اور لگی لپٹی باتیں نہیں کرنی چاہئے۔ (**فَاتَّقُوْااللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ**) اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ (**وَ فِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ مِنَ اللّٰهِ**) اور اس کے غضب سے بھاگ کر اس کے دامن رحمت میں پناہ لو۔ اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا، ہاں اگر بھاگنا ہے تو اس کے غضب سے بھاگ کر رحمت کی طرف

آؤ۔(**وَامْضُوْا فِی الطَّرِیْقِ الَّذِیْ نَهَجَهٗ لَکُمْ**)اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلو۔اللہ کی مقرر کردہ شاہراہ شریعت پر گامزن رہو۔(**وَ قُوْمُوْا بِمَا عَصَبَهٗ بِکُمْ**)اوراس کے عائد کردہ احکام بجالاؤ۔دامن رحمت میں پناہ لینے کا بس یہی طریقہ ہے کہ انسان اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چلے اوراس کے احکام کی پابندی کرے۔اس کے اوامر پر عمل کرے اوراس کے نواہی سے پرہیز کرے۔

علیؑ اخروی نجات کی ضمانت دیتے ہیں

(**فَعَلِیٌّ ضَامِنٌ لِفُلْجِکُمْ اٰجِلاً**)پس علیؑ تمہاری نجات اخروی کا ضامن ہے۔علیؑ تمہاری اخروی کامیابی،حساب محشر اور جنت میں داخل ہونے کا ضامن ہے۔(**وَ اِنْ لَّمْ تُمْنَحُوْهُ عَاجِلاً**)اگر چہ دنیاوی کامرانی تمہیں حاصل نہ ہو۔کیونکہ ابھی تک تمہارے اندر دنیاوی کامرانی کی صلاحیت واستعداد نہیں ہے۔مولائے متقیان نے کامیابی کی ضمانت اہل تقویٰ کو دی ہے،لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے متعلق چند سطور یہاں بھی تحریر کرتے چلیں۔

تقویٰ

ہم درج ذیل سطور میں اختصار کے ساتھ تقویٰ کے لغوی اور شرعی معنی بیان کریں گے اور تقویٰ کے دنیوی اور اخروی ثمرات کی طرف اشارہ کریں گے۔تقویٰ لغت میں بچنے کو کہتے ہیں۔باالفاظ دیگر بچاؤ کے سامان تیار کرنے کے عمل کو تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔عرف عام میں اطاعت خدا کے ذریعہ سے عقوبت خدا سے بچنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔بعض عارفین کا بیان ہے کہ خوف خدا میں انسان اتنا منہمک ہوتا ہو جائے کہ اسے دنیا کے لذات وزینت تک کا خیال نہ رہے،اس حالت کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے تقویٰ کی تعریف پوچھی گئی تو آپؑ نے فرمایا:''تقویٰ یہ ہے کہ جس کا تجھے اللہ نے حکم دیا ہے تجھے اس سے غیر حاضر نہ پائے اور جس چیز سے تجھے روکا ہے وہاں تجھے موجود نہ پائے''۔عدۃ الداعی میں ہے کہ تقویٰ راہ جنت ہے۔قرآن مجید اس کی توصیف سے لبریز ہے اور تقویٰ کے شرف وعظمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا﴿**وَ لَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ اِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ**.....﴾ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو اور اب تم کو یہ وصیت کی ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (نساء/۱۳)۔آیت بالا اس حقیقت کی شاہد ہے کہ تقویٰ تمام امتوں کے لئے فرض کیا گیا۔اگر اس سے کوئی اور چیز افضل ہوتی تو اللہ تمام امتوں کو اس کا حکم دیتا۔

تقویٰ کے دنیوی اور اخروی ثمرات

تقویٰ کے بے شمار فوائد ہیں۔چند فوائد کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔اور قرآنی آیات سے استدلال کریں گے۔

ا۔معیار توصیف

﴿**اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ**﴾اب اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو یہی امور میں استحکام کا سبب ہے(آل عمران/۱۸۶)۔

۲۔دشمنوں سے تحفظ

﴿اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُھُمۡ شَیۡئًا﴾ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کے مکر سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا (آل عمران/۱۲۰)۔

۳۔اللہ کی معیت

﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ﴾ بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے (بقرہ/۱۹۴)۔

۴،۵۔اصلاح عمل، گناہوں کی بخشش

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ.....﴾ ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو، وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا (احزاب/۷۰،۷۱)۔

۶۔اللہ کی محبوبیت

﴿فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ﴾ بے شک اللہ متقین سے محبت رکھتا ہے (آل عمران/۷۶)۔

۷۔قبولیت اعمال

﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ﴾ خدا صرف صاحبان تقویٰ کے اعمال کو قبول کرتا ہے (مائدہ/۲۷)۔

۸۔حصول عزت

﴿.....اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقَاکُمۡ.....﴾ بے شک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے (حجرات/۱۳)

۹۔دنیا و آخرت کی بشارت

﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ.....﴾ جو لوگ ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے ان کے لئے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر بشارت اور خوشخبری ہے (یونس/۶۳،۶۴)۔

۱۰۔دوزخ سے نجات

﴿ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا.....﴾ پھر ہم تقویٰ رکھنے والوں کو نجات دیں گے (مریم/۷۲)

۱۱۔حصول جنت

﴿.....وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُھَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ﴾ اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور اسے صاحبان تقویٰ کے لئے مہیا کیا گیا ہے (آل عمران/۱۳۳)۔

۱۲۔حساب کی آسانی

﴿وَ مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ شَيْءٌ﴾ اور صاحبان تقویٰ پر ان کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے (انعام/۶۹)

۱۳،۱۴۔مشکلات سے نجات اور رزق حلال

﴿.....وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ اور جو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے۔ اور جو خدا پر بھروسہ کرے گا خدا اس کے لئے کافی ہے۔ بے شک خدا اپنے حکم کا پہنچانے والا ہے، اس نے ہر شئے کے لئے ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے (طلاق/۲،۳)۔

خطبہ ۲۵

اہل کوفہ کی مذمت

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے

وَ هِيَ مِنْ اَوَاخِرِ خُطْبَةٍ خَطَبَ بِهَا بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنْ صِفِّيْنَ وَ التَّحْكِيْمِ وَ الْخَوَارِجِ. وَ قَدْ تَوَاتَرَتْ عَلَيْهِ الْاَخْبَارُ بِاسْتِيْلَاءِ اَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْبِلَادِ وَ قَدِمَ عَلَيْهِ عَامِلَاهُ عَلَى الْيَمَنِ وَ هُمَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ الْعَبَّاسِ وَ سَعِيْدُ بْنُ عِمْرَانَ لَمَّا غَلَبَ عَلَيْهِمَا بُسْرُ بْنُ اَرْطَاةٍ فَقَامَ اِلَى الْمِنْبَرِ ضَجِرًا يَتَثَاقَلُ اَصْحَابَهٗ عَنِ الْجِهَادِ وَ مُخَالَفَتِهِمْ لَهٗ فِي الرَّأْيِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

مَا هِيَ اِلَّا الْكُوْفَةُ اَقْبِضُهَا وَ اَبْسِطُهَا اِنْ لَّمْ تَكُوْنِيْ اِلَّا اَنْتِ تَهُبُّ اَعَاصِيْرُكِ فَقَبَّحَكِ اللّٰهُ ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ: ’’لَعَمْرُ اَبِيْكَ الْخَيْرِ يَا عَمْرُو اِنَّنِيْ عَلٰى وَضَرٍ مِّنْ ذَا الْاِنَاءِ قَلِيْلِ‘‘. ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: **اُنْبِئْتُ بُسْرًا قَدِ اطَّلَعَ الْيَمَنَ وَ اِنِّيْ وَ اللّٰهِ لَاَظُنُّ اَنَّ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمَ سَيُدَالُوْنَ مِنْكُمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ**

یہ خطبہ حضرتؑ کے آخری خطبات میں سے ہے۔ آپؑ نے یہ خطبہ صفین اور حکمین اور خوارج کی جنگ کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔ جب امیر المؤمنینؑ کو پے در پے یہ اطلاعات ملیں کہ معاویہ کے اصحاب آپؑ کے شہروں پر تسلط جما رہے ہیں اور یمن کے عامل عبید اللہ بن عباس اور سعید بن عمران، بسر بن ارطاۃ سے مغلوب ہو کر حضرتؑ کے پاس پلٹ آئے۔ تو آپؑ، اپنے اصحاب کی جہاد میں سستی اور رائے کی خلاف ورزی سے بددل ہو کر منبر کی طرف بڑھے اور فرمایا: ’’یہ عالَم ہے اس کوفہ کا جس کا بند و بست میرے ہاتھ میں ہے۔ (اے شہر کوفہ) اگر تیرا یہی عالَم رہا تو تجھ میں آندھیاں چلتی رہیں، خدا تجھے غارت کرے‘‘۔ پھر آپؑ نے شاعر کا یہ شعر بطور تمثیل پڑھا: اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم، مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ہی ملی ہے جو برتن خالی ہونے کے بعد اس میں لگی رہتی ہے۔ پھر فرمایا: ’’مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے۔ بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب

عَلیٰ بَاطِلِهِمْ وَ تَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ وَ بِمَعْصِيَتِكُمْ اِمَامَكُمْ فِی الْحَقِّ وَ طَاعَتِهِمْ اِمَامَهُمْ فِی الْبَاطِلِ وَ بِاَدَائِهِمُ الْاَمَانَةَ اِلیٰ صَاحِبِهِمْ وَ خِيَانَتِكُمْ وَ بِصَلَاحِهِمْ فِیْ بِلَادِهِمْ وَ فَسَادِكُمْ فَلَوِ ائْتَمَنْتُ اَحَدَكُمْ عَلیٰ قُعْبٍ لَخَشِيْتُ اَنْ يَّذْهَبَ بِعَلَاقَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ مَلِلْتُهُمْ وَ مَلُّوْنِیْ وَ سَئِمْتُهُمْ وَ سَئِمُوْنِیْ فَاَبْدِلْنِیْ بِهِمْ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ اَبْدِلْهُمْ شَرًّا مِّنِّیْ اَللّٰهُمَّ مُثْ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُمَاثُ الْمِلْحُ فِی الْمَآءِ اَمَا وَ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِیْ اَلْفَ فَارِسٍ مِنْ بَنِیْ فِرَاسِ بْنِ غَنْمٍ هُنَالِكَ لَوْ دَعَوْتِ اَتَاكِ مِنْهُمْ فَوَارِسُ مِثْلَ اَرْمِيَةِ الْحَمِيْمِ. ثُمَّ نَزَلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْمِنْبَرِ۔

قَالَ السَّيِّدُ: اَلْاَرْمِيَةُ جَمْعُ رَمْیٍ وَ هُوَ السَّحَابُ وَ الْحَمِيْمُ فِیْ هٰذَا الْمَوْضِعِ وَقْتُ الصَّيْفِ وَ اِنَّمَا خَصَّ الشَّاعِرُ سَحَابَ الصَّيْفِ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ اَشَدُّ جُفُوْلًا وَ اَسْرَعُ خُفُوْفًا لِاَنَّهٗ لَا مَآءَ فِيْهِ وَ ذَالِكَ لَا يَكُوْنُ فِی الْاَكْثَرِ اِلَّا فِی الشِّتَآءِ وَ اَرَادَ الشَّاعِرُ وَصْفَهُمْ بِالسُّرْعَةِ اِذَا دُعُوْا وَ الْاِغَاثَةِ اِذَا اسْتُغِيْثُوْا وَ الدَّلِيْلُ عَلیٰ ذَالِكَ قَوْلُهٗ هُنَالِكَ لَوْ دَعَوْتِ اَتَاكِ مِنْهُمْ۔

تم سے سلطنت و دولت کو ہتھیا لیں گے۔ اس لئے کہ وہ (مرکز) باطل پر متحد ہیں اور تم اپنے (مرکز) حق سے پراگندہ و منتشر ہو۔ تم امر حق میں اپنے امام کے نافرمان اور وہ باطل میں بھی اپنے امام کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے، وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم شورشیں برپا کرتے ہو۔ اگر میں تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالے کا بھی امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اس کے کنڈے تک کو بھی توڑ کر لے جائے گا۔ اے اللہ! یہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں ان سے۔ مجھے ان کے بدلے میں اچھے لوگ عطا کر اور میرے بدلے میں انہیں کوئی برا حاکم دے۔ خدایا! ان کے دلوں کو (اپنے غضب سے) پگھلا دے جس طرح نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمہارے بجائے میرے پاس بنی فراس بن غنم کے ایک ہزار سوار ہوتے۔ (جن کا وصف شاعر نے یہ بیان کیا ہے) اگر تم کسی موقع پر انہیں پکارو تو تمہارے پاس ایسے سوار پہنچیں جو تیز روی میں گرمیوں کے ابر کی مانند ہیں''۔ اس کے بعد حضرتؑ منبر سے نیچے اتر آئے۔

سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ اس شعر میں لفظ ''اَرْمِيَةٌ''، ''رَمْیٌ'' کی جمع ہے جس کے معنی ابر کے ہیں اور ''حَمِيْمٌ'' کے معنی یہاں پر موسم گرما کے ہیں اور شاعر نے گرمیوں کے ابر کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ وہ تیز رفتار ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی سے خالی ہوتا ہے اور ابر سست گام تب ہوتا ہے جب اس میں پانی بھرا ہوا ہو اور ایسے ابر (ملک عرب میں) عموماً سردیوں میں اٹھتے ہیں، اس شعر سے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جب انہیں مدد کے لئے پکارا جاتا ہے اور ان سے فریاد رسی کی جاتی ہے تو وہ تیزی سے بڑھتے ہیں اور اس کی دلیل شعر کا پہلا مصرع ہے ''اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے''۔

تشریح لغات (قَبَضَ، بَسَطَ) بالترتیب از باب ضَرَبَ، نَصَرَ۔ (هَبَّتِ الرِّيْحُ) از باب نَصَرَ، ہوا کا چلنا۔ (اَلْاَعَاصِيْرُ) اِعْصَارٌ کی جمع، بگولا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ﴾ اس پہ بگولا ایسا آیا جس میں آگ تھی۔ (اَلْوَضَرُ) برتن پہ لگی ہوئی چکناہٹ، بطور استعارہ ہر قلیل النفع چیز کو کہا جاتا ہے۔ (اِطَّلَعَ عَلَيْهِ) کسی پہ غالب آنا۔ (اَدَالَنَا اللّٰهُ مِنْ عَدُوِّنَا) خدا دشمن سے دولت وسلطنت چھین کر ہمیں دے۔ (اَلْقُعْبُ) لکڑی کا پیالہ۔ (عِلَاقَتُهٗ) اس کا کنڈا۔ (مَاثَ) زَيْدٌ الْمِلْحَ فِي الْمَآءِ زید نے نمک کو پانی میں حل کیا۔ (بَنُوْ فَرَاسٍ) عرب کا مشہور بہادر خاندان ہے۔ (اَلْجُفُوْلُ) تیز روی۔ (اَلْخُفُوْقُ) پرواز۔

خطبہ کا پس منظر

واقعہ تحکیم کے بعد جب معاویہ کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو اس نے اپنا دائرہ سلطنت وسیع کرنے کے لئے امیر المؤمنینؑ کے زیر حکومت شہروں پر قبضہ جمانے کی تدبیریں شروع کر دیں اور مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں بھیج دیں تا کہ وہ جبر وتشدد اور لوگوں کو خوف زدہ کر کے امیر شام کے لئے بیعت حاصل کریں۔

چنانچہ اس سلسلے میں بسر بن ارطاۃ کو حجاز روانہ کیا، جس نے حجاز سے یمن تک ہزاروں بے گناہوں کے خون بہائے۔ قبیلوں کے قبیلے آگ میں زندہ جلا دیئے اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ عبیداللہ بن عباس کے دو کمسن بچوں قثم اور عبدالرحمٰن کو ان کی ماں حوریہ بنت خالد کے سامنے ذبح کر دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یمن کے علاقہ میں عثمانی المسلک قسم کے لوگوں نے شورش بپا کی لیکن یمن کے گورنر عبیداللہ بن عباس اور سعید بن نمران نے ان کی سرکوبی کی بجائے امیر المؤمنینؑ کو خط لکھ کر حالات سے مطلع کیا۔ حضرتؑ نے اپنے عاملوں کے اس طرز عمل کو سخت ناپسند کیا اور انہیں خط لکھا کہ اگر یہ لوگ شورش پسندی سے باز نہ آئیں تو ان سے جنگ کرو۔ شورش پسند افراد کو جیسے ہی حضرتؑ کے مکتوب سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے وقتی مصلحت کے پیش نظر شورش ترک کر دی اور خفیہ طور پر معاویہ کو خط لکھا کہ وہ ان کی مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کرے۔

چنانچہ معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو ایک فوج دے کر روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ حضرت علیؑ کے زیر نگین علاقوں میں جائے اور دہشت گردی اور لوٹ مار کی کاروائیوں سے لوگوں کو خوف زدہ کرے اور شیعیان علیؑ کا قتل عام کرے۔ بسر بن ارطاۃ کا شمار مشہور سنگدل اور ظالم افراد میں ہوتا تھا۔ معاویہ کا حکم ملتے ہی یہ لعین ایک بڑا لشکر لے کر مدینہ آیا۔ مدینہ کے عامل ابوایوب انصاری نے جب دشمن کی فوج کو آتا ہوا دیکھا تو وہ جان بچا کر مدینہ سے بھاگ گئے اور بسر کسی مزاحمت کے بغیر مدینہ میں داخل ہوا اور لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور بہت سے گھروں کو اس نے نذر آتش کر دیا۔ اہل مدینہ سے بزور شمشیر معاویہ کی بیعت لی اور پھر ابو ہریرہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے مکہ چلا گیا۔ مکہ کے راستے میں اسے جو بھی ملا اس نے بے دریغ اسے قتل کر دیا۔ چنانچہ اس کے مکہ پہنچنے سے قبل ہی اس کی سفاکی اور بے رحمی کی داستانیں وہاں پہنچ چکی تھیں۔ اس لعین کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے اہل مکہ نے شہر سے بھاگنا شروع کر دیا۔ عبیداللہ بن عباس کے بیٹے بھی اپنی ماں حوریہ بنت خالد کے ساتھ مکہ سے بھاگ رہے تھے لیکن راستہ بھٹک گئے اور بسر کی فوج نے انہیں دیکھ کر پکڑ لیا اور انہیں بسر بن ارطاۃ کے پاس

لائے۔اس لعین نے ان بچوں کو ماں کے سامنے ذبح کر دیا اور مظلوم ماں اپنے بچوں کے تڑپتے ہوئے لاشے دیکھتی رہ گئی۔

حضرت علیؑ کا عامل قثم بن عباس بھی مکہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور بسر کسی مزاحمت کے بغیر مکہ میں داخل ہوا۔اور اہل مکہ سے بھی بزور شمشیر معاویہ کی بیعت لی، پھر شیبہ بن عثمان کو اپنا نائب بنا کر طائف روانہ ہوگیا۔اور وہاں بھی اس نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔پھر نجران گیا اور عبید اللہ بن عباس کے داماد عبد اللہ بن عبد المدان اور اس کے فرزند مالک کو قتل کیا اور اہل نجران کو دھمکیاں دے کر کہا کہ اگر میں نے تمہارے متعلق کبھی یہ سن لیا کہ تم نے علیؑ کی حمایت کی ہے تو میں تمہاری نسل تباہ کر دوں گا اور تمہارے گھروں کو مسمار کر دوں گا۔پھر وہاں سے وہ لعین مقام ارحب پر آیا اور بنی ہمدان کے ایک بزرگ اور حضرت علیؑ کے مشہور محبّ ابو کرب کو شہید کر دیا۔پھر وہاں سے صنعاء آیا جہاں سے عبید اللہ بن عباس اور سعید بن نمران پہلے ہی نکل چکے تھے اور عمر بن ارا کہ ثقفی کو اپنا جانشین بنا گئے تھے۔عمر بن ارا کہ نے مزاحمت کی لیکن جنگ میں شہید ہوگیا اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی۔بسر صنعاء میں داخل ہوگیا اور وہاں شیعیان علیؑ کو چن چن کر قتل کیا۔اور مارب کا ایک وفد اسے ملنے آیا تو اس نے وفد کے تمام افراد کو قتل کرا دیا۔بعد ازاں وہ صنعاء سے اہل حیان آیا، وہاں کے لوگ شیعیان علیؑ تھے۔انہوں نے اس سے جنگ کی لیکن جنگ میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔بسر نے ان کے شہروں میں داخل ہو کر ان کا قتل عام کرایا۔وہاں سے پھر واپس صنعاء آیا اور وہاں ابنائے فارس میں سے ایک سو بزرگوں کا قتل کیا۔

الغرض امیر المؤمنینؑ کو جب اس کی سفاکیوں اور خون ریزیوں کا علم ہوا تو آپؑ نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کرنا چاہا، مگر پیہم جنگ آزمائیوں کی وجہ سے لوگ جی چھوڑ بیٹھے تھے اور ان میں بد دلی پیدا ہو چکی تھی۔حضرتؑ نے ان کی یہ بزدلی ملاحظہ فرمائی تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انہیں غیرت اور حمیت دلائی اور دشمن کی باطل نوازیوں اور ان کے مقابلے میں ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کر کے انہیں جہاد پر ابھارا۔آخر جاریہ بن قدامہ نے آپؑ کی آواز پر لبیک کہی اور دو ہزار کا لشکر لے کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کا پیچھا کر کے امیر المؤمنینؑ کے مقبوضہ علاقوں سے نکال باہر کیا۔

مفہوم عبارت

(**مَا هِیَ اِلَّا الْکُوْفَةُ اَقْبِضُهَا وَ اَبْسِطُهَا**) یہ عالم ہے اس کوفہ کا جس کا بندوبست میرے ہاتھ میں ہے۔حضرتؑ نے ان الفاظ سے کوفہ کی تحقیر فرمائی اور فرمایا کہ میں ایسے شہر کے بندوبست کا آخر کیا کروں جو اتنا حقیر ہے اور جس کا انتظام چلانا منافقین کی وجہ سے ویسے ہی دوبھر ہو چکا ہے۔شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ (**اَقْبِضُهَا وَ اَبْسِطُهَا**) کے الفاظ وجوہ تصرف پر دلالت کرتے ہیں۔یعنی حضرتؑ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ جب اکثر علاقے معاویہ نے ہتھیا لئے ہیں تو میں کوفہ پر کب تک حکومت کرتا رہوں گا۔اور اہل کوفہ کے ذریعہ سے کب تک میں اپنی مملکت کا دفاع کرتا رہوں گا۔پھر آپؑ نے غیبت کے الفاظ چھوڑ کر براہ راست شہر کوفہ کو خطاب کر کے فرمایا (**اِنْ لَّمْ تَکُوْنِیْ اِلَّا اَنْتِ**) اے شہر کوفہ! اگر میری حکومت صرف تجھ تک ہی محدود ہے۔اور تیری حالت تو یہ ہے (**تَهُبُّ اَعَاصِیْرُکِ**) کہ تجھ میں تو ہمیشہ آندھیاں چلتی رہتی ہیں۔یعنی تو ہمیشہ سے شورش اور نت نئے نظریات اور گمراہ کن تصورات کا مرکز ہے اور نت نئے فتنے تیری کوکھ سے جنم

لیتے رہتے ہیں۔(**فَقَبَّحَکِ اللّٰہُ**) تو خدا تجھے غارت کرے۔اگر تیرے شب وروز کا یہی عالم رہا تو خدا تجھے تباہ وبرباد کرے۔(ثُمَّ تَمَثَّلَ بِقَوْلِ الشَّاعِرِ: لَعَمْرُ اَبِیْكَ الْخَیْرِ یَا عَمْرُو اِنَّنِیْ عَلیٰ وَضَرٍ مِّنْ ذَا الْاِنَاءِ قَلِیْلِ) پھر آپؑ نے بطور تمثیل شاعر کا یہ شعر پڑھا۔ اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم، مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ہی ملی ہے۔حضرتؑ نے برتن کے ذریعہ سے دنیا کی تشبیہ دی اور بچی ہوئی چکناہٹ سے کوفہ کی تشبیہ دی ہے۔

(ثُمَّ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: **اُنْبِئْتُ بُسْرًا قَدِ اطَّلَعَ الْیَمَنَ وَ ظَهَرَ عَلیٰ اَهْلِهَا**) پھر آپؑ نے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے اور یمن والوں پر اس نے غلبہ پالیا ہے۔(**وَ اِنِّیْ وَ اللّٰہِ لَاَظُنُّ اَنَّ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمَ سَیُدَالُوْنَ مِنْكُمْ**) بخدا! میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب تم سے دولت وسلطنت ہتھیا لیں گے۔ پھر آپؑ نے اہل عراق کی خامیوں اور اہل شام کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تم میں یہ نقائص ہیں جب کہ اہل شام میں یہ نقائص نہیں ہیں۔اس لئے وہ غالب آجائیں گے اور تم مغلوب ہوجاؤ گے۔

شامیوں کی کامیابی اور عراقیوں کی ناکامی کے اسباب

حضرتؑ نے شامیوں کی چار خوبیاں گنوائیں اور عراقیوں کی چار خامیاں بیان کیں اور اس کے ساتھ یہ ناطق فیصلہ فرمایا کہ جس ملت وقوم میں یہ چار خامیاں پائی جائیں گی وہ ناکام ہوگی اور اس کے برعکس جس قوم میں یہ خوبیاں ہوں گی اور وہ قوم خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، ضرور کامیاب ہوگی۔چنانچہ حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ کامیاب ہوں گے

۱۔(**بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلیٰ بَاطِلِهِمْ وَ تَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ**) اس لئے کہ وہ باطل پر متحد ہیں اور تم حق سے پراکندہ ومنتشر ہو۔ یعنی مرکز پر متحد ہونا کامیابی اور مرکز سے جدا ہونا ناکامی کا اولین سبب ہے۔

۲۔(**وَ بِمَعْصِیَتِكُمْ اِمَامَكُمْ فِی الْحَقِّ وَ طَاعَتِهِمْ اِمَامَهُمْ فِی الْبَاطِلِ**) اور تم امر حق میں اپنے امام کے نافرمان اور وہ باطل میں بھی اپنے امام کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔اپنے رہبر کی اطاعت، کامیابی اور رہبر کی مخالفت، ناکامی کا زینہ ہے۔

۳۔(**وَ بِاَدَائِهِمُ الْاَمَانَةَ اِلیٰ صَاحِبِهِمْ وَ خِیَانَتِكُمْ صَاحِبَكُمْ**) اور وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم اپنے ساتھی (مجھ) سے خیانت کرتے ہو۔یعنی اگر چہ وہ باطل پر ہیں اور تم حق پر ہو، اس کے باوجود وہ اپنی بیعت کے تقاضوں پر عمل پیرا ہیں اور تم بیعت کے تقاضوں میں خیانت کرتے ہو اور جہاد کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔یعنی جو بھی قوم اپنے رہبر کی وفادار ہوگی وہ کامیابی حاصل کرے گی اور جو قوم اپنے رہبر کی مخلص نہیں ہوگی وہ ناکامی سے دوچار ہوگی۔

۴۔(**وَ بِصَلَاحِهِمْ فِیْ بِلَادِهِمْ وَ فَسَادِكُمْ**) اور وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم شورشیں بپا کرتے ہو۔

انہی درج بالا چار اسباب کی وجہ سے شامی کامیاب ہوں گے اور تم ناکام ہوجاؤ گے۔

شامیوں اور عراقیوں کا نفسیاتی تجزیہ

جاحظ نے اہل عراق کے اختلاف پسند اور اہل شام کے اطاعت پسند ہونے کی نفسیاتی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''..... اس کے متعلق میرا تجزیہ یہ ہے کہ اہل عراق بڑے ذہین اور فطین ہوتے ہیں اور ذہین افراد فطری طور پر نقاد ہوتے ہیں۔ جہاں نقادوں کا مجمع ہو تو نظریات میں اختلاف کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ اور اس کے برعکس اہل شام انتہائی کند ذہن لوگ ہیں اور ان کی حالت اس بیل کی سی ہے جس کی باگ ڈور مالک کے ہاتھ میں ہو اور بیل کبھی اپنے مالک سے نہیں پوچھتا کہ وہ اسے کہاں لے کر جا رہا ہے۔ اس لئے شامی فطری طور پر اطاعت پسند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے اوراق میں اہل شام کی بغاوت کے واقعات نظر نہیں آتے جب کہ عراق کی تاریخ اس طرح کے واقعات سے لبریز ہے''۔

اس کے بعد حضرتؑ نے اہل عراق کی خیانت کو مزید واضح کرتے ہوئے بطور کنایہ فرمایا (**فَلَوِ ائْتَمَنْتُ اَحَدَكُمْ عَلٰى قُعْبٍ لَخَشِيْتُ اَنْ يَّذْهَبَ بِعَلَاقَتِهٖ**) تمہاری خیانت کی حالت یہ ہے کہ اگر میں تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالے کا بھی امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اس کے کنڈے کو توڑ کر لے جائے گا، یا یہ کہ اسے کنڈے سمیت غائب کر دے گا۔ اور یہ خیانت کا بدترین درجہ ہے کہ وہ اپنی رذالت طبع کے باعث ایک پیالے کے امین بننے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ پھر حضرتؑ نے ان کی شکایت کرتے ہوئے بارگاہ احدیت میں فریاد کی (**اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ قَدْ مَلِلْتُهُمْ وَ مَلُّوْنِىْ وَ سَئِمْتُهُمْ وَ سَئِمُوْنِىْ**) اے اللہ! میں ان سے تنگ دل ہو چکا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں۔ اور میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا چکے ہیں۔ میں ان لوگوں کو جہاد کا حکم دے دے کر تھک چکا ہوں اور بقائے دین کے لئے احکام دے دے کر تھک چکا ہوں لیکن یہ میری اطاعت پر کسی طرح سے بھی راضی نہیں ہیں۔ اب ان کے ساتھ رہنا میرے لئے انتہائی دوبھر ہو چکا ہے۔

اہل کوفہ کے لئے بددعا

(**فَاَبْدِلْنِىْ بِهِمْ خَيْرًا مِّنْهُمْ**) مجھے ان کے بدلے میں اچھے لوگ عطا کر۔ یعنی اب مجھ میں ان کے ساتھ رہنے کا مزید یارا نہیں ہے۔ مجھے ان سے اٹھا لے اور جنت الفردوس میں انبیاء، صدیقین، شہداء و صالحین کی رفاقت عطا فرما۔ اور اس مشقت و تکلیف کی جگہ سے مجھے جنت الخلد میں منتقل فرما۔ یا یہ کہ ان کے بدلے میں مجھے وفادار افراد نصیب فرما۔ (**وَ اَبْدِلْهُمْ شَرًّا مِّنِّىْ**) اور میرے بدلے میں انہیں کوئی برا حاکم دے۔

تاریخ کے اوراق پڑھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرتؑ کی بددعا مکمل طور پر پوری ہوئی۔ اہل عراق بالعموم اور اہل کوفہ بالخصوص ظالم و جابر حکام کے رحم و کرم پر رہے۔ زیاد، ابن زیاد، حجاج بن یوسف اور مغیرہ بن شعبہ جیسے حکمران ان پر مسلط رہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ (**اَللّٰهُمَّ مُثْ قُلُوْبَهُمْ كَمَا يُمَاثُ الْمِلْحُ فِى الْمَآءِ**) خدایا! ان کے دلوں کو اپنے غضب سے ایسا پگھلا دے جس طرح نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔ حضرتؑ کی یہ بددعا نوحؑ کی اس بددعا کے مشابہ ہے ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا فَلَمْ

يَزِدْهُمْ دُعَائِيْ اِلَّا فَرَارًا وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا اِسْتِكْبَارًا ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا..... قَالَ نُوْحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يَضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كُفَّارًا ﴾نوح نے کہا کہ اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی بلایا اور رات میں بھی، پھر بھی میری دعوت کا کوئی اثر سوائے اس کے نہ ہوا کہ انہوں نے فرار اختیار کیا۔ میں نے جب بھی انہیں دعوت دی کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں میں رکھ لیا، اپنے کپڑے اوڑھ لئے، اپنی بات پر اڑ گئے اور شدت سے اکڑے رہے۔ پھر میں نے علی الاعلان ان کو دعوت دی۔ پھر میں نے اعلان بھی کیا اور خفیہ طور سے دعوت بھی دی..... ۔ پھر (آخر میں حضرت) نوحؑ نے بارگاہ احدیت میں عرض کی کہ پروردگار! اس زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑنا۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر و کافر کے علاوہ کوئی اولاد بھی پیدا نہ کریں گے (سورہ نوح سے اقتباس)۔

روایات میں ہے جس دن حضرت علیؑ نے منبر کوفہ پر یہ بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حجاج بن یوسف ثقفی کو پیدا کیا۔ اور اس نے اہل کوفہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا تھا: ''دنیا کی تمام قومیں اپنے اپنے خبیث اور فاجر لے کر آئے اور ہم صرف حجاج بن یوسف کو لے جائیں تو ہمارا خبیث تمام خبیثوں سے بازی لے جائے گا اور تمام خبیثوں پر ہمارے خبیث کا پلہ بھاری رہے گا''۔ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ جب حجاج پیدا ہوا تو اس کی دبر (پاخانے) کا سوراخ نہیں تھا اور وہ دودھ بھی نہیں پیتا تھا۔ ابلیس لعین حارث بن کلدہ کی صورت میں نمودار ہوا اور کہا: ''اس کے لئے ایک گوسفند ذبح کرو اور اسے اس کا خون چٹاؤ اور باقی خون اس کے چہرے اور بدن پر مل دو۔ جب ایسا کیا گیا تو اس نے ماں کا دودھ پینا شروع کیا۔ خون کی گھٹی کا اثر یہ ہوا کہ وہ لعین دن رات خون بہاتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے بہتے ہوئے خون اور تڑپتے ہوئے لاشے دیکھ کر سکون ملتا ہے۔ حجاج کے حکم سے ایک لاکھ چالیس ہزار افراد کو ناحق قتل کیا گیا۔ اس کی جیل میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں قید تھیں، زندان کی چھت نہ تھی اور جب قیدی دیواروں کے سائے میں بیٹھنے کی کوشش کرتے تو عقوبت خانے کے ملازم انہیں پتھر مارتے تھے۔ قیدیوں کو کھانے کے لئے نان جویں کے ساتھ نمک یا راکھ دی جاتی تھی۔ کسی نے حجاج کے منبر پر یہ آیت لکھ دی تھی ﴿قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ﴾ کہہ دے اپنے کفر کے ساتھ چند دن مزے اڑا لے بے شک تو دوزخی ہے۔ جب حجاج نے اس آیت کو لکھا دیکھا تو اس نے نیچے یہ آیت لکھ دی ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ کہہ دے کہ اپنے غصہ سے مرجاؤ بے شک اللہ دلوں کے حالات کو جانتا ہے (آل عمران/۱۱۹)۔

پھر حضرت امیر المؤمنینؑ نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا (**اَمَا وَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنَّ لِيْ اَلْفَ فَارِسٍ مِنْ بَنِيْ فِرَاسِ بْنِ غَنْمٍ هُنَالِكَ لَوْ دَعَوْتِ اَتَاكِ مِنْهُمْ فَوَارِسُ مِثْلَ اَرْمِيَةِ الْحَمِيْمِ**) خدا کی قسم! میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمہارے بجائے میرے پاس بنی فراس بن غنم کے ایک ہزار سوار ہوتے، جن کا شاعر نے یہ وصف بیان کیا ہے؛ اگر تم کسی موقع پر انہیں پکارو تو تمہارے پاس ایسے سوار پہنچیں گے جو تیز روی میں گرمیوں کے ابر کی مانند ہیں۔ بیت کا مفہوم واضح ہے اور متن خطبہ کے ساتھ ہی سید رضیؒ نے اس کی شرح

فرمادی ہے اس لئے ہمیں مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بسر کو بددعا

روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بسر کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ان الفاظ میں اسے بددعا دی تھی: ''پروردگار! بسر نے اپنے دین کو دنیا کے بدلے میں بیچ ڈالا ہے اور تیری اطاعت پر اس نے ایک فاسق کی اطاعت کو ترجیح دی ہے۔ خدایا! موت سے پہلے اس کی عقل سلب فرما اور اسے شب و روز اپنی رحمت سے محروم رکھنا۔ خدایا! بسر، معاویہ اور عمرو بن عاص پر لعنت فرما، ان پر اپنا غضب نازل فرما اور ان پر اپنا وہ عذاب نازل فرما جو کافروں پر نازل ہوتا رہتا ہے''۔ حضرتؑ کی اس بددعا نے اپنا پورا اثر دکھایا۔ چند دن بعد بسر پاگل ہوگیا اور ہر وقت کہتا کہ مجھے تلوار دو میں جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے اہل خانہ اسے لکڑی کی تلوار دے دیتے تھے اور وہ لعین سارا دن اس تلوار کو ہوا میں چلاتا رہتا تھا۔ اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی اور یوں وہ دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھا کر اللہ کی عدالت میں پہنچ گیا۔

خطبہ ۲۶

یہ خطبہ دراصل ایک طویل خطبہ کا اقتباس ہے۔ آپؑ نے یہ خطبہ نہروان روانہ ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ کی تشریح ہم تین فصلوں میں مکمل کریں گے۔

پہلی فصل

بعثت نبویؐ کے وقت عربوں کی حالت زار

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ نَذِيْرًا لِّلْعَالَمِيْنَ وَ اَمِيْنًا عَلَى التَّنْزِيْلِ وَ اَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلٰى شَرِّ دِيْنٍ وَ فِىْ شَرِّ دَارٍ مُنِيْخُوْنَ بَيْنَ حِجَارَةٍ خَشِنٍ وَ حَيَّاتٍ صُمٍّ تَشْرِبُوْنَ الْكَدِرَ وَ تَاْكُلُوْنَ الْجَشِبَ وَ تَفْسِكُوْنَ دِمَآئَكُمْ وَ تَقْطَعُوْنَ اَرْحَامَكُمْ اَلْاَصْنَامُ فِيْكُمْ مَنْصُوْبَةٌ وَ الْاٰثَامُ بِكُمْ مَعْصُوْبَةٌ.

یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے

اللہ نے حضرت محمدؐ کو تمام جہانوں کا (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ اے گروہ عرب! اس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں میں تھے۔ کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بود و باش رکھتے تھے۔ تم گندا گدلا پانی پیا کرتے تھے اور خراب غذا کھاتے تھے۔ تم ایک دوسرے کا خون بہایا کرتے تھے اور قطع رحمی کرتے تھے۔ تمہارے درمیان بت گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔

تشریح لغت (اَنَاخَ) اَلنَّاقَةَ اس نے اونٹنی کو بٹھایا۔ (اَلصُّمُّ) صاد کی پیش کے ساتھ، اس لفظ کے متعلق دو احتمال ہیں؛ ۱۔ یہ صَمَّاءٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی سخت زمین کے ہیں۔ ۲۔ یا یہ اَصَمُّ کی جمع ہے اور اَصَمُّ اس زہریلے سانپ کو کہا جاتا ہے جس پر کوئی افسوں کارگر نہ ہوتا ہو۔ اور اَلرَّجُلُ الْاَصَمُّ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کی اصلاح کی امید نہ ہو اور بے دریغ خواہشات کو پورا کرتا ہو۔ اَصَمَّهُ اللّٰهُ کے معنی ہیں اللہ نے اسے بہرا بنا دیا۔ (كَدِرَ كَدَرًا) گندا، گدلا ہونا۔ (جَشِبَ) اَلطَّعَامُ فَهُوَ جَشِبٌ طعام کا غلیظ اور سالن کے بغیر ہونا۔ (اَلْمَعْصُوْبَةُ) بندھا ہوا۔

مفہوم عبارت

خطبہ کی اس فصل میں مولائے متقیانؑ نے ایام جاہلیت کا ذکر کیا اور عربوں کی دینی اور دنیاوی بدبختی کا تذکرہ کیا اور انہیں یاد دلایا کہ وہ اس وقت کو یاد کریں جب ان کی زندگی ہر لحاظ سے بدتر تھی اور انہیں دنیا کی کوئی نعمت میسر نہیں تھی، پھر اللہ نے ان پر احسان کرتے ہوئے ان میں رسولؐ خدا کو مبعوث فرمایا اور آپؐ کی آمد سے عرب کے چرواہے دنیا کے رہنما بن گئے اور اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے دوسروں کی بیٹیوں کے محافظ بن گئے اور سسکتی ہوئی انسانیت کو قرار آ گیا۔ ان کی دنیا درست ہوئی اور ان کی آخرت صحیح ہوئی۔ چنانچہ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا (**اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ نَذِيْرًا لِّلْعَالَمِيْنَ**) بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کا نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو صرف نذیر ہی نہیں بلکہ بشیر بھی بنا کر بھیجا، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے اس مقام پر حضورؐ کی توصیف کے لئے لفظ بشیر کو ترک کر کے صرف نذیر ہونے کا تذکرہ کیوں فرمایا؟ اس سوال کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ انسانی نفسیات کا تقاضا یہ ہے کہ دفع ضرر، مستقبل کے فائدے سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کی بشارتوں کا تعلق زیادہ تر مستقبل کے ساتھ ہے اور اس وقت کا عربی بدو مستقبل کے فائدے کا متلاشی کم تھا اور وقت حاضر کے نقصانات سے بچنا چاہتا تھا۔ اسی وجہ سے اسرار فطرت کے امین حضرت امیر المومنینؑ نے آنحضرتؐ کے وصف بشارت سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کے وصف نذیر ہونے کا تذکرہ فرمایا۔

اور اس کے ساتھ ارشاد فرمایا (**وَ اَمِيْنًا عَلَى التَّنْزِيْلِ**) اور اللہ نے آنحضرتؐ کو اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ حضرتؑ نے لفظ امین کہہ کر آنحضرتؐ کے مقام عصمت کی طرف اشارہ کیا کہ آپؐ امین تھے یعنی آپؐ خائن نہ تھے۔ تبلیغ آیات میں کوتاہی کرنے والے نہ تھے اور کلمات وحی میں اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی صداقت و امانت اعلان نبوت سے قبل بھی مسلم تھی۔ اور اہل مکہ آپؐ کو اعلان نبوت سے قبل ہی صادق و امین کے القاب سے یاد کرتے تھے۔

عرب کی حالت زار

(**وَ اَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلٰى شَرِّ دِيْنٍ**) اے اہل عرب! اس وقت تم بدترین دین پر تھے۔ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ درختوں کو معبود مانتے تھے۔ مظاہر قدرت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور خدا کے ساتھ تم نے کئی شریک بنا رکھے تھے

اور ہر قبیلہ نے اپنے لئے علیحدہ معبود تراشا ہوا تھا۔(**وَ فِیْ شَرِّ دَارٍ**)اور تم اس وقت بدترین گھروں میں رہتے تھے۔تمہارے گھر بالکل بے کار تھے،خیموں اور جھونپڑیوں میں تم رہا کرتے تھے۔تمہارے رہنے کے لئے ڈھنگ کے مکان تک نہ تھے۔(**مُنِیْخُوْنَ بَیْنَ حِجَارَةٍ خَشِنٍ وَ حَیَّاتٍ صُمٍّ**)تم کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں بود و باش رکھتے تھے۔تمہاری زمین سخت کھردری تھی اور ہر طرف زہریلے سانپ ہوتے تھے۔اگر مرادی معنی لیا جائے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم بے رحم افراد اور جان کے دشمن لوگوں میں زندگی بسر کیا کرتے تھے۔(**تَشْرِبُوْنَ الْکَدِرَ**)تم گندا گدلا پانی پیتے تھے۔اہل عرب زیادہ تر جوہڑوں اور تالابوں کا پانی پیا کرتے تھے۔جو انتہائی بدبودار ہوتا تھا اور ان جوہڑوں سے ان کے مویشی بھی پانی پیا کرتے تھے۔اور جب کوئی آندھی آتی تو وہ اردگرد کی تمام غلاظت ان گڑھوں اور جوہڑوں میں ڈال دیتی تھی،مگر اس کے باوجود بھی عرب اسی پانی کے پینے پر مجبور ہوتے تھے۔

''_ ہم زندگی میں چند مرتبہ حج و عمرہ کی سعادت کے لئے مکہ گئے اور ہم نے اس کا مشاہدہ کیا کہ راستے کے جوہڑوں کا پانی پینے سے پیاسا رہنا بہتر ہے۔پانی کے گندے پن کی وجہ سے ہم نے بعض اوقات دو دو دن تک بھی پانی نہیں پیا تھا_ قول مؤلف''۔

(**وَ تَاْکُلُوْنَ الْجَشِبَ**)تم گندی اور غلیظ غذا کھایا کرتے تھے۔عرب ہر قسم کے جانور کھا لیتے تھے۔بعض عرب کھجور کی گٹھلیاں پیس کر جو کے آٹے کے ساتھ ملاتے اور اس کی روٹی پکا کر کھاتے تھے۔عرب گوشت کو پانی میں ابال کر اور اس میں نمک ڈال کر کھانے کے عادی تھے۔معاویہ کے دور میں عربوں نے مختلف قسم کے کھانے پکانے سیکھے۔ابو بردہ صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ انسان روٹی کھانے سے موٹا ہو جاتا ہے۔جب اللہ نے خیبر کی فتح عطا کی تو ہمیں پیٹ بھر کر روٹی کھانا نصیب ہوئی تو میں روزانہ اپنے آپ کو ناقدانہ نگاہ سے دیکھا کرتا تھا کہ کہیں میں موٹا تو نہیں ہو گیا؟۔خالد بن عمیر عدوی کا بیان ہے کہ فتح املہ کے وقت میں موجود تھا۔اخروٹوں کی بھری ہوئی ایک کشتی پر ہم نے قبضہ کیا،جب ہم نے بوریاں کھولیں تو ہم نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ پتھروں کی کون سے قسم ہے؟۔پھر ہم نے اسے توڑا تو اندر سے اس کا مغز برآمد ہوا،ہم نے کھا کر دیکھا تو وہ ہمیں اچھا لگا اور ہم نے کہا یہ بھی کوئی کھانے کی چیز معلوم ہوتی ہے۔اسی جنگ میں ایک شخص کے ہاتھ کافور کی بوری لگی،اس نے چکھا تو کہا کہ یہ بے ذائقہ نمک ہے۔ایک اور شخص نے اسے نمک کی بوری تھما کر اس سے کافور کی بوری لے لی۔

بنی اسد کتوں کو شوق سے کھایا کرتے تھے۔فرزدق نے کہا تھا؛

اِذَا اَسَدِیٌّ جَاعَ یَوْمًا بِبَلْدَةٍ وَ کَانَ سَمِیْنًا کَلْبُهٗ فَهُوَ اَکَلَهٗ

جب کوئی اسدی بھوکا ہوتا ہے تو وہ اپنے موٹے تازے کتے کو کھا جاتا ہے۔روبہ چوہے کھایا کرتے تھے اور بنی تمیم سوسمار (گوہ) شوق سے کھایا کرتے تھے۔ابو نواس نے کہا تھا؛

اِذَا مَا تَمِیْمِیٌّ اَتَاکَ مُفَاخِرًا فَقُلْ عِدْ عَنْ ذَا کَیْفَ اَکْلُکَ لِلضَّبِّ

جب کوئی تمیمی تیرے سامنے فخر و مباہات کرے تو اس سے کہنا!ان باتوں کو چھوڑ!یہ بتا کہ تو گوہ کیسے کھاتا ہے۔

اصمعی کا بیان ہے کہ میں ایک بیابان سے گزرا اور مجھے وہاں ایک خیمہ نظر آیا۔میں نے خیمہ والوں سے پانی مانگا تو ایک لڑکا ایک

میلے کچیلے برتن میں پانی لایا۔ پانی پینے کے بعد میں نے اس لڑکے سے پوچھا: ''کیا یہ برتن صاف ستھرا ہے؟''۔ لڑکے نے کہا: ''بالکل صاف ہے۔ دن کے وقت ہم اس میں کھانا کھاتے ہیں اور رات کے وقت اس میں پیشاب کرتے ہیں۔ صبح کے وقت اس برتن میں کتے کو پانی پلاتے ہیں۔ کتا پانی پی کر اسے چاٹ لیتا ہے تو یہ صاف وشفاف ہو جاتا ہے''۔ اصمعی کہتا ہے: ''یہ سن کر میں نے کہا کہ اللہ تجھ پر اور تیری اس صفائی پر لعنت کرے''۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ بعض قبائل عرب میں رواج تھا کہ جب عورت کی زچگی کا وقت ہوتا تو عورت کو زمین پر لٹا دیا جاتا تھا اور اس کے پہلو میں ایک گڑھا کھودا جاتا تھا۔ اگر عورت کے لڑکی پیدا ہوتی تو لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اس کی پرورش کرتے تھے۔ (**اَلْاَصْنَامُ فِیْکُمْ مَنْصُوْبَۃٌ وَ الْاٰثَامُ بِکُمْ مَعْصُوْبَۃٌ**) تمہارے درمیان بت گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔

دوسری فصل

حضرت علیؑ کی بے کسی

(وَ مِنْهَا)

فَنَظَرْتُ فَاِذَا لَیْسَ لِیْ مُعِیْنٌ اِلَّا اَهْلُ بَیْتِیْ فَضَنَنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ وَ اَغْضَیْتُ عَلَی الْقَذٰی وَ شَرِبْتُ عَلَی الشَّجٰی وَ صَبَرْتُ عَلٰی اَخْذِ الْکَظْمِ وَ عَلٰی اَمَرَّ مِنْ طَعْمِ الْعَلْقَمِ.

یہ اسی خطبہ کا ایک جز ہے۔

میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو مجھے اپنے اہل بیت کے علاوہ کوئی اپنا معین و مددگار نظر نہ آیا۔ میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا، آنکھوں میں خس و خاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی، حلق میں پھندے تھے مگر میں نے غم و غصے کے گھونٹ پی لئے اور گلوگرفتگی کے باوجود حنظل سے زیادہ تلخ حالات پر صبر کیا۔

تشریح لغت (ضَنَنْتُ) نون کی زبر اور زیر دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کا مصدر ضَنًّا ہے جس کے معنی ہیں بخل کرنا۔ (اَغْضَیْتُ عَلٰی کَذَا) میں نے فلاں چیز سے چشم پوشی کی۔ (اَلْقَذٰی) آنکھ میں جانے والا تنکا۔ (اَلشَّجٰی) حلق میں گلوگیر ہونے والی چیز مثلاً ہڈی، کانٹا وغیرہ۔ خطبہ شقشقیہ میں یہ دونوں الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ (اَخْذُ الْکَظْمِ) غصہ پینا۔ (اَلْعَلْقَمُ) ایک درخت یا بیل جس کا پھل انتہائی کڑوا ہوتا ہے، ایلوا۔

مفہوم عبارت

حضرتؑ نے خطبہ کی اس فصل میں رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد جن حالات نے آپؑ کو گوشہ عزلت میں بیٹھنے پر مجبور کیا تھا، ان کا تذکرہ کیا اور اپنے حق کے غصب ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ جب میرا حق غصب کیا گیا تو میں نے ادھر ادھر دیکھا، شاید مجھے کوئی معین و مددگار مل جائے تو میں اپنے حق کے حصول کے لئے ان سے جنگ کروں۔ لیکن جب میں نے گرد و پیش پر نظر دوڑائی تو (**فَنَظَرْتُ فَاِذَا لَیْسَ لِیْ مُعِیْنٌ اِلَّا اَهْلُ بَیْتِیْ**) میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے اپنے اہل بیت کے علاوہ کوئی اپنا معین و مددگار نظر نہ آیا۔

اور میرے خاندان کے افراد کی تعداد بہت کم تھی اور وہ مقابلہ کے قابل نہ تھے۔(**فَضَنَنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ**) میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔ کیونکہ اگر وہ جنگ کرتے تو وہ مارے جاتے اور مجھے یقین ہوگیا کہ میں ان قلیل افراد کے ساتھ کسی بھی طرح مقابلہ نہیں کرسکتا۔(**وَ اَغْضَيْتُ عَلَى الْقَذٰى وَ شَرِبْتُ عَلَى الشَّجٰى**)اور آنکھوں میں خس وخاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی، حلق میں پھندے تھے مگر میں نے غم وغصہ کے گھونٹ پی لئے۔ مقصد یہ ہے کہ نا قابل برداشت اذیتوں کو میں نے برداشت کیا اور اپنے حق کو لٹتا ہوا دیکھتا رہا اور صبر کرتا رہا۔(**وَ صَبَرْتُ عَلٰى اَخْذِ الْكَظْمِ وَ عَلٰى اَمَرَّ مِنْ طَعْمِ الْعَلْقَمِ**)اور گلوگرفتگی کے باوجود حنظل سے زیادہ تلخ حالات پر صبر کیا۔ حنظل کی تلخی جسمانی ہوتی ہے اور جن روح فرسا حالات سے میرا سابقہ پڑا ان کی تلخی ذہن وقلب کو متاثر کرتی تھی۔

حضرتؑ کے درج بالا فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ سے خلافت کو جبراً غصب کیا گیا اور حضرتؑ کی مجبوری تھی کہ آپؑ کے پاس مددگار نہیں تھے اس لئے انہوں نے سقیفائی حکومت سے جنگ نہیں کی تھی۔ غصب خلافت کی مکمل داستان ہم خطبہ شقشقیہ کی شرح میں تحریر کر چکے ہیں۔ اس مقام پر ہم سابقہ بحث کا اعادہ مناسب نہیں سمجھتے البتہ شارح معتزلی کے چند اقتباس لکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اہل سنت کے نزدیک اس کی تحریر بہرحال ایک اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ معتزلی لکھتے ہیں: ''سقیفہ کی داستان میں اختلاف پایا جاتا ہے، شیعہ اور ان کے علاوہ بہت سے محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کیا تھا لیکن بعد میں انہیں مجبوراً مصالحت کرنا پڑی تھی۔ اسی طرح سے زبیر بن عوام نے بھی سقیفائی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ ان کے علاوہ ابوسفیان بن حرب، خالد بن سعید بن عاص، عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن حرث بن عبدالمطلب اور دیگر بنی ہاشم نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔ محدثین کا بیان ہے کہ زبیر نے تلوار اٹھائی تھی، حضرت عمر اپنے ساتھ ایک گروہ کو لے کر آئے اور ان سے کہا کہ زبیر سے تلوار چھین لو اور اس کی تلوار کو پتھر پر مار کر کند کردو۔ چنانچہ زبیر سے تلوار چھین لی گئی اور پھر اس پوری جماعت کو حضرت ابوبکر کے سامنے لایا گیا اس گروہ میں علیؑ شامل نہ تھے وہ اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ انہیں جبراً نکالنے کی کوشش کی گئی تو حضرت زہراؑ نے لوگوں کو سخت سست کہا اور لوگ واپس چلے گئے۔ انہوں نے جا کر کہا کہ اکیلا علیؑ ہمیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد علیؑ سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔

ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ علیؑ کو بھی دیگر جماعت کے ساتھ ابوبکر کے سامنے لایا گیا تھا اور انہوں نے بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ مشہور مؤرخ ابوجعفر طبری کی کتاب میں اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں۔ شیعہ بیان کرتے ہیں کہ جناب زہراؑ کے دروازے کو آگ لگائی گئی تھی اور ان کے ساتھ بہت سے ظلم ہوئے اور علیؑ کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار ابوبکر میں پیش کیا گیا۔ تو یہ تمام باتیں درست نہیں ہیں، یہ روایت صرف شیعہ مؤرخین نے لکھی ہے۔ (لیکن یہ تمام باتیں ان کی اپنی کتابوں سے ثابت ہیں لیکن یہ لوگ ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے دیکھی کو ان دیکھی کرتے ہیں اور سچی روایتوں کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض انصاف پسند افراد اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں، جس طرح معتزلی خود بھی آگے جا کر اعتراف کرتا ہے_ از مترجم) البتہ اہل حدیث میں سے بھی چند علماء نے اس کا تذکرہ کیا ہے جس کا ہم ذکر کریں گے۔ اور جہاں تک حضرت علیؑ کے اس قول ''**لَيْسَ لِيْ مُعِيْنٌ اِلَّا اَهْلُ بَيْتِيْ فَضَنِنْتُ بِهِمْ عَنِ الْمَوْتِ**'' کا تعلق ہے تو یہ سچ ہے، حضرتؑ یہ فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں نصر بن مزاحم نے کتاب صفین اور دیگر علمائے سیرت نے حضرتؑ کا یہ قول بھی

نقل کیا ہے ''لَوْ وَجَدْتُ اَرْبَعِیْنَ ذَوِیْ عَزْمٍ'' اگر مجھے چالیس باہمت افراد مل جاتے تو ہمیں ان سے مقابلہ کرتا۔

مکتب خلفاء کے جوہری نے داؤد بن مبارک سے روایت کی ہے، اس نے کہا کہ ہم حج سے واپس آرہے تھے کہ عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن ابی طالب علیہم السلام، ایک جماعت کو ساتھ لئے ہوئے ہمارے قافلے میں آئے۔ ہم نے ان سے بہت سے مسائل پوچھے اور میں نے ان سے ابوبکر اور عمر کے متعلق بھی دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تیرے جواب میں اپنے دادا عبداللہ بن حسن کا قول دہرا دیتا ہوں، جب ان سے شیخین کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا تھا: ''حضرت فاطمہ زہراؑ صدیقہ اور پیغمبرؐ خدا کی دختر تھیں، جب ان کی وفات ہوئی تو وہ ان دونوں پر ناراض تھیں۔ اور ان کی ناراضگی کی وجہ سے ہم بھی ان پر ناراض ہیں''۔ جوہری رقم طراز ہیں کہ ابن عباس سے ایک دن عمر نے کہا: ''خدا کی قسم! وفات رسولؐ کے بعد تیرا ساتھی خلافت کا سب سے زیادہ حقدار تھا، لیکن ہمیں ان کے متعلق دو باتوں کا اندیشہ تھا اس لئے ہم نے اسے خلیفہ نہ بننے دیا''۔ ابن عباس نے کہا: ''وہ کونسی دو باتیں تھیں؟''۔ عمر نے کہا: ''پہلی بات یہ تھی کہ علیؑ ابھی کم سن تھے اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کی اولاد سے زیادہ محبت کرتے تھے''۔ علاوہ ازیں ایک روایت یہ بھی ہے، شعبی سے مروی ہے کہ ابوبکر نے پوچھا: ''زبیر کہاں ہے؟''۔ اسے بتایا گیا کہ وہ علیؑ کے پاس ہے اور اس نے تلوار بھی حمائل کی ہوئی ہے۔ تو ابوبکر نے عمر اور خالد بن ولید کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ دونوں روانہ ہوئے اور عمر گھر میں داخل ہوا اور خالد دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ عمر نے زبیر سے کہا: ''یہ تلوار تم نے کیوں اٹھائی ہوئی ہے؟''۔ زبیر نے کہا: ''ہم علیؑ کی بیعت کریں گے''۔ عمر نے اس سے تلوار چھین لی اور پتھر پر مار کر توڑ ڈالی اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے آیا اور خالد سے کہا کہ اس کا خیال رکھنا۔ پھر علیؑ کے پاس گیا اور کہا: ''تو بھی اٹھ اور ابوبکر کی بیعت کر''۔ علیؑ نے اٹھنے سے انکار کیا تو عمر نے جبراً انہیں اٹھایا اور گھر سے باہر لے آیا۔ یہ سلوک دیکھ کر حضرت فاطمہؑ گھر کے دروازے پر آگئیں اور فرمایا: ''ابوبکر! تم نے بڑی جلدی سے خاندان رسولؐ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ خدا کی قسم! میں جب تک زندہ رہوں گی عمر سے کلام نہیں کروں گی''۔

درج بالا تمام روایات لکھنے کے بعد شارح معتزلی نے لکھا: ''تاریخ و سیر میں اس قسم کے آثار و اخبار بکثرت موجود ہیں۔ اور ان واقعات کو پڑھ کر ہر منصف مزاج اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خلافت کے متعلق کوئی صریح نص موجود نہ تھی۔ جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے، بطور مثال شیعہ علیؑ کی خلافت کے اثبات کے لئے حدیث غدیر اور حدیث منزلت وغیرہ پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے دوٹوک اور غیر مبہم الفاظ میں علیؑ کی خلافت کا اعلان کیا تھا اور مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ انہیں امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کریں، وغیرہ وغیرہ۔ تو اگر شیعوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو وفات رسولؐ کے بعد کے واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ صحابہ کرام نے رسولؐ خدا کے فرمان کو اتنی جلدی بھلا دیا ہو اور سب کے سب گمراہ ہو گئے ہوں اور حضرت علیؑ نے بھی چنداں مزاحمت نہ کی ہو۔ اگر انہوں نے مزاحمت بھی کی تو چند دن بعد وہ بھی راضی ہو گئے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر کبھی غدیر اور حدیث منزلت کے ذریعہ سے اپنی خلافت کے لئے استدلال نہیں کیا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ علیؑ نے چند دن بیعت نہیں کی تھی جیسا کہ محدثین نے لکھا ہے اور جوہری نے بھی اس طرح کی روایات نقل کی ہیں اور جوہری ثقہ اور با اعتماد آدمی ہے۔

مگر ان چھوٹے سے واقعات کو دیکھ کر شیعوں نے بہت سے واقعات تخلیق کر لئے، مثلاً یہ کہ قنفذ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کے دروازے پر بھیجا گیا اور اس نے حضرتؑ کے بازو پر کوڑا مارا اور سیدہ کے بازو پر ایک گومڑ سا بن گیا اور وفات تک وہ نشان ویسے کا ویسا ہی رہا۔ علاوہ ازیں در و دیوار کے درمیان عمر نے ان پر دروازہ گرایا اور انہوں نے یا ابتاہ یا رسولؐ اللہ کے بین کئے اور اس وجہ سے ان کے حمل ساقط ہو گیا۔ اور علیؑ کے گلے میں رسی ڈال کر دربار تک لایا گیا اور حضرت فاطمہؑ شوہر کے پیچھے چیختی چلاتی آئیں اور حسنؑ و حسینؑ بھی ماں کے ساتھ روتے ہوئے آئے اور علیؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو علیؑ نے انکار کر دیا پھر انہوں نے علیؑ کو قتل کی دھمکی دی جس پر علیؑ نے فرمایا کہ اس صورت میں تم اللہ کے ایک بندے اور رسولؐ خدا کے بھائی کے قاتل ٹھہرو گے۔ انہوں نے کہ تھا کہ ہم تجھے اللہ کا بندہ تو مانتے ہیں لیکن رسولؐ خدا کا بھائی تسلیم نہیں کرتے۔ پھر حضرت علیؑ نے ان کے سامنے ان کی منافقت کے حالات بیان کئے اور یہ کہا کہ تم نے ایک نوشتہ لکھا تھا جس میں تم نے خلافت ہتھیانے کا معاہدہ کیا تھا اور شب عقبہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ کی ناقہ کو پہاڑی سے گرانے کی منصوبہ بندی کی تھی، وغیرہ۔ الغرض یہ تمام روایات شیعوں کی ساختہ و پرداختہ ہیں۔ ہمارے بزرگوں کے نزدیک ان روایات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ روایات بسند صحیح ثابت ہیں۔ محدثین نے ان میں سے کسی روایت کو نقل نہیں کیا۔ ان روایات میں شیعہ متفرد ہیں۔ انتہیٰ قولہ۔

شبہات معتزلی کا جواب

ہمیں معتزلی پر سخت تعجب ہے وہ ان روایات کا کیسے انکار کر سکتا ہے جن میں حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کی نص فرمائی گئی ہے۔ خطبہ شقشقیہ کی شرح میں ہم ان نصوص کا تذکرہ کر چکے ہیں جنہیں علمائے خاصہ و عامہ نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ ان روایات کا یہاں اعادہ کر کے ہم کتاب کے حجم کو مزید بڑھانا پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا قارئین اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ اور شارح معتزلی کے ان تمام اعتراضات کے جواب میں ہم صرف یہی کہیں گے ''مَنْ لَّمْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُوْرٍ'' جسے اللہ نور عطا نہ کرے تو اسے کہیں بھی نور نہیں مل سکتا۔ گر نبیند روز را شپرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ۔

ہمیں شارح معتزلی پر انتہائی تعجب ہے کہ وہ درج بالا روایات لکھنے کے باوجود یہ کیسے فرض کر لیتے ہیں کہ علیؑ نے خوشی خوشی بیعت کر لی تھی اور طیب خاطر سے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ جب کہ خود معتزلی کی پیش کردہ روایات سے تو صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس مددگار و معین نہیں تھے اسی لئے انہیں مجبور ہو کر مصالحت کرنا پڑی تھی۔ اور پھر ہمیں یہ تعجب ہے کہ اس نے خاتون جنت سلام اللہ علیہا کے دروازے جلانے کی روایت سے انکار کیسے کیا؟ اور یہ کیسے کہا کہ ایسی روایت صرف شیعوں کے ہاں پائی جاتی ہیں؟۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ دروازہ کی روایات صرف شیعہ کتب میں ہی نہیں، سنی کتب میں بھی موجود ہیں۔ مؤرخ طبری نے اس روایت کو لکھا اور شارح معتزلی کے ممدوح مؤرخ جوہری نے بھی اس روایت کو لکھا ہے اور شارح معتزلی کے بقول ''جوہری ایک مشہور محدث ثقہ اور امین ہیں''۔ ہمیں تعجب ہے کہ شارح معتزلی ایسے محدث، ثقہ اور امین کی روایت کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیوں نہیں ہیں؟۔ علاوہ ازیں بلاذری نے سلمہ بن محارب سے اور اس نے سلیمان تمیمی، اس نے ابوعون سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے علیؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آؤ مگر علیؑ نہ گئے۔ عمر

نے جلتی ہوئی لکڑیاں لے کر دروازے پر آئے۔حضرت فاطمہؑ نے فرمایا:''عمر! کیا تو آگ لگانے آیا ہے؟''۔عمر نے کہا:''جی ہاں! اس فعل سے آپ کے باپ کی شریعت کو تقویت ملے گی''۔ پھر علیؑ باہر آئے اور مصالحت کی۔ بات یہ نہیں ہے کہ اہل سنت کے محدثین و مؤرخین نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں لکھا ہے لیکن پیروکاروں نے مذہبی تعصب کی بنا پر اسے تسلیم نہیں کیا۔ جن کے بزرگوں نے رسولؐ خدا کی زبانی فرمان سن کر بھی (نعوذ باللہ) ہذیان کی تہمت لگائی ہو، بھلا ان کے پیروکار اس طرح کی روایات کیسے مانیں گے؟ پیروکار یہ بات کیسے مانیں کہ ان کے بزرگوں نے گھر کو صرف اس لئے آگ لگائی تھی کہ علیؑ ان کی غصبی خلافت پر ان کی بیعت کر لیں؟

فصل سوم

عمرو بن عاص اور معاویہ کی بیعت

(وَ مِنْهَا)

وَ لَمْ يُبَايِعْ حَتّٰى شَرَطَ اَنْ يُؤْتِيَهُ عَلَى الْبَيْعَةِ ثَمَنًا فَلَا ظَفِرَتْ يَدُ الْبَايِعِ (الْمُبَايِعِ) وَ خَزِيَتْ اَمَانَةُ الْمُبْتَاعِ فَخُذُوْا لِلْحَرْبِ اُهْبَتَهَا وَ اَعِدُّوْا لَهَا عُدَّتَهَا فَقَدْ شَبَّ لَظَاهَا وَ عَلَا سَنَاهَا وَ اسْتَشْفِرُوْا الصَّبْرَ فَاِنَّهُ اَدْعٰى اِلَى النَّصْرِ

اور اسی خطبہ کا ایک حصہ ہے

اس نے اس وقت تک معاویہ کی بیعت نہیں کی جب تک اس سے یہ شرط منوا نہ لی کہ وہ اس بیعت کی قیمت ادا کر دے۔ اس بیعت کرنے والے کے ہاتھوں کو فتح و فیروزمندی نصیب نہ ہو اور خریدنے والے کے معاہدے کو ذلت و رسوائی حاصل ہو۔ (لواب وقت آ گیا کہ) تم جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کے لئے ساز و سامان مہیا کر لو۔ اس کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں اور لپیٹیں بلند ہو رہی ہیں اور جامہ صبر پہن لو کہ اس سے نصرت و کامرانی حاصل ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

تشریح لغت (خَزِيَتْ) خِزْيٌ سے مشتق ہے، اس کا معنی ذلت و رسوائی ہے۔(اَلْاُهْبَةُ) سلاح جنگ۔(شَبَّ لَظَاهَا) اس کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اگر فعل کو مجہول پڑھا جائے تو معنی ہوگا، اس کے شعلے بھڑکائے گئے۔ اگر فعل کو مجہول پڑھا جائے تو معنی ہوگا اس کے شعلے بھڑکائے گئے،(اَلسَّنَاءُ) روشنی۔(اَدْعٰى لِلنَّصْرِ) نصرت و کامیابی کا زیادہ دعوت دینے والا، بعض نسخوں میں (اَحْزَمُ لِلنَّصْرِ) کے الفاظ وارد ہیں اور یہ لفظ''حَزَمْتُ الشَّيْءَ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی باندھ دینا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ صبر مضبوطی سے کامیابی کو باندھ دیتا ہے۔

اعراب

(**يُبَايِعْ**) کا فاعل عمرو بن عاص ہے۔(**فَلَا ظَفِرَتْ**) دعائیہ جملہ ہے اور امانت کی طرف اس کی نسبت از باب توسع ہے۔ اور لفظ ''**حَرْبٌ**'' مؤنث سماعی ہے، اسی لئے اس کے بعد مؤنث کی پانچ ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔

مفہوم عبارت

خطبہ کی اس فصل میں حضرتؑ نے اس ناپاک معاہدہ کا تذکرہ کیا جو معاویہ اور عمرو بن عاص کے درمیان طے پایا تھا۔(**وَ لَمْ يُبَايِعْ حَتّٰى شَرَطَ اَنْ يُؤْتِيَهُ عَلَى الْبَيْعَةِ ثَمَنًا**) عمرو بن عاص نے اس وقت تک معاویہ کی بیعت نہیں کی جب تک اس سے یہ شرط منوانہ لی کہ وہ اس بیعت کی قیمت ادا کرے۔عمرو بن عاص نے یہ شرط معاویہ کے سامنے رکھی تھی کہ میں اس شرط پر تیری حمایت کروں گا کہ تو مجھے ملک مصر کا والی بنادے۔(**فَلَا ظَفِرَتْ يَدُ الْبَايِعِ وَ خَزِيَتْ اَمَانَةُ الْمُبْتَاعِ**)اس بیعت کرنے والے کے ہاتھوں کو فتح و فیروزمندی نصیب نہ ہو اور خریدنے والے کے معاہدے کو ذلت و رسوائی حاصل ہو۔ بیعت کرنے والا عمرو بن عاص تھا اور بیعت لینے والا معاویہ تھا۔ واضح رہے کہ لفظ ''بیعت'' بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کے ہیں۔تو گویا بیعت کرنے والا اپنی جان و مال دوسرے کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے اور خرید و فروخت کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک چار اجزا جمع نہ ہوں اس وقت تک خرد و فروخت نہیں ہوسکتی۔اور وہ چار اجزا یہ ہیں:

۱۔ بکنے والا سودا۔ ۲۔سودے کی قیمت۔ ۳۔ بیچنے والا۔ ۴۔خریدنے ولا۔

اور حضرتؑ نے واضح کیا کہ عمرو بن عاص کی بیعت میں بھی چاروں اجزاء موجود تھے:۔

۱۔ یہاں بیچنے والا عمرو بن عاص ہے۔

۲۔خریدنے والا معاویہ بن ابی سفیان ہے۔

۳۔جو چیز بکی وہ عمرو کی اطاعت اور دین ہے۔

۴۔ملک مصر اس کی قیمت ہے۔

پھر حضرتؑ نے دونوں کے حق میں بددعا کی اور فرمایا:''خدا کرے بیچنے والے کے ہاتھوں کو فتح نصیب نہ ہو اور خریدنے والے کو ذلت و رسوائی حاصل ہو''۔شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ خریدار معاویہ ہے اور بکنے والا عمرو بن عاص ہے۔ کیونکہ معاویہ نے مصر کے بدلے میں عمرو بن عاص کو خریدا تھا''۔ظاہر کلام اس کی تائید نہیں کرتا۔ظاہر کلام سے تو یہی ماخوذ ہوتا ہے کہ نفس شئے عمرو کی وفاداری ہے اور قیمت مصر ہے۔پھر حضرتؑ نے اپنے اصحاب کو جنگ کی تیاری کا حکم صادر فرمایا(**فَخُذُوْا لِلْحَرْبِ اُهْبَتَهَا وَ اَعِدُّوْا لَهَا عُدَّتَهَا فَقَدْ شَبَّ لَظَاهَا وَ عَلَا سَنَاهَا**)اب وقت آ گیا ہے کہ تم جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور لڑائی کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔اور اس کے لئے ساز و سامان جمع کر لو۔ یقیناً جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں اور لپیٹیں بلند ہو رہی ہیں۔یعنی مخالفین نے اب طبل جنگ بجا دیا ہے،لہٰذا تم بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور جنگی ساز و سامان جمع کر لو۔ جنگ کے ہلاکت خیز شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔(**وَ اسْتَشْفِرُوْا الصَّبْرَ**)اور تم جامہ صبر پہن لو۔یعنی صبر و استقامت کا لباس زیب تن کر کے میدان میں آؤ۔(**فَاِنَّهٗ اَدْعٰى اِلَى النَّصْرِ**)صبر سے نصرت و کامرانی حاصل ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

تاریخ کا شرمناک معاہدہ

امیر المومنینؑ نے خطبہ کے اس حصہ میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے درمیان جو قول وقرار ہوا تھا، اس کا ذکر کیا ہے۔ اس معاہدے کی صورت یہ تھی کہ جب امیر المومنین علیہ السلام نے جریر بن عبداللہ بجلی کو بیعت لینے کے لئے معاویہ کے پاس روانہ کیا تو اس نے جریر کو جواب دینے کے بہانے سے روک لیا اور اس دوران میں اہل شام کو ٹٹولنا شروع کیا کہ وہ کہاں تک اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اور انہیں مسلسل خون عثمان کے انتقام پر ابھار کر اپنا ہم نوا بناتا رہا یہاں تک کہ شام کے مشہور سردار شرحبیل نے اس کی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا تو معاویہ نے اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان سے مشورہ کیا تو اس نے رائے دی کہ اگر اس کام میں عمرو بن عاص کو ساتھ ملا لیا جائے تو وہ اپنی سوجھ بوجھ سے بہت سی مشکلوں کو آسان کر سکتا ہے۔ لیکن وہ مفت آمادہ نہیں ہوگا اس کے لئے اسے منہ مانگی قیمت دینی پڑے گی۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو وہ تمہارے لئے بہترین مشیر اور مددگار ثابت ہوگا۔ معاویہ نے اس مشورے کو پسند کیا اور عمرو بن عاص کے نام خط لکھ کر اسے اپنے پاس آنے کی تاکید کی۔

عمرو بن عاص نے اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد سے مشورہ کیا تو عبداللہ نے اپنے باپ کو شام جانے سے منع کیا اور معاویہ کا ساتھ دینے کے اخروی نقصانات سے باخبر کیا۔ اور باپ کو تاکید کی کہ اس چند روزہ زندگی کے لئے اپنی عاقبت کو برباد نہ کرے۔ اور اس کے دوسرے بیٹے نے اسے شام جانے کا مشورہ دیا۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ عبداللہ نے مجھے وہ مشورہ دیا جس سے میری آخرت سنور سکتی ہے اور محمد نے مجھے وہ مشورہ دیا جس سے میری دنیا آباد ہو سکتی ہے اور آخرت ادھار ہے جبکہ دنیا نقد ہے اور کوئی بھی عقل مند نقد کو چھوڑ کر ادھار کا سودا نہیں کرتا۔ چنانچہ عمرو بن عاص، معاویہ کے پاس آیا اور طویل مذاکرات کے نتیجے میں آخر یہ طے پایا کہ وہ حکومت مصر کے بدلے میں امیر المومنینؑ کو موردالزام ٹھہرا کر قتل عثمان کا انتقام لے گا اور معاویہ کے شامی اقتدار کی بنیادوں کو مضبوط بنائے گا۔ چنانچہ ان دونوں نے معاہدہ کی پابندی کی اور اپنے قول وقرار کو پوری طرح نبھایا۔

امیر المومنینؑ کا خط

ہم نے خطبہ کے آغاز میں لکھا تھا کہ حضرتؑ کے خطبے کی یہ تین فصلیں دراصل ایک طویل خطبہ سے ماخوذ ہیں۔ حضرتؑ کا یہ خطبہ نفیس عناوین پر مشتمل ہے اسی لئے ہم اسے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار اور شارح معتزلی نے خطبہ ۶۷ کی شرح میں ابراہیم بن مسعود ثقفی کی کتاب الغارات سے نقل کیا۔ سقوط مصر کے بعد عمرو بن حمق، حجر بن عدی، حبۃ العرنی، حارث اعور اور عبداللہ بن سبا (البتہ مؤخر الذکر ایک خیالی اور افسانوی شخصیت ہے جسے فرقہ حقہ شیعہ اثنا عشریہ خیر البریہ کو موردالزام ٹھہرانے کے لئے گھڑا گیا ہے تاکہ ان کے برحق مؤقف کو کمزور کیا جا سکے۔ اس کی مزید تفصیلات عربی کی کتب میں شیخ محمود ابوریہ کی کتاب ''اضواء علی السنۃ المحمدیہ'' اور علامہ مرتضیٰ عسکری کی کتاب ''عبداللہ بن سبا'' اور ''مأۃ و خمسون صحابی مختلق'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ انشاءاللہ اس موضوع پر اردو میں کتاب بھی جلد منظر عام آئے

گی_ مترجم) حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور سقوط مصر کی وجہ سے حضرتؑ مغموم بیٹھے تھے۔ حاضرین نے آپؑ سے شیخین کے متعلق آپؑ کا نظریہ پوچھا اور عرض کیا: ''آپؑ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تو کیا تمہیں ان مسائل کے لئے فرصت مل گئی ہے؟ دشمن نے مصر پر قبضہ کرلیا اور وہاں ہمارے شیعہ قتل کر دیئے گئے۔ میں تمہارے اس سوال کا جواب ایک خط میں تحریر کروں گا۔ اور تم سے میرا تقاضا یہ ہے کہ تم نے اب تک جو میرا حق ضائع کیا اس کی حفاظت کرو۔ اور میرا یہ خط شیعوں کو پڑھ کے سنانا اور حق پر قائم رہنا۔ پھر حضرتؑ کی طرف سے جو خط جاری ہوا اس کی عبارت درج ذیل ہے۔

مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلِيٍّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَؑ اِلىٰ قُرَّاءِ كِتَابِيْ هٰذَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا نَذِيْرًا لِّلْعَالَمِيْنَ اَمِيْنًا عَلَى التَّنْزِيْلِ وَ شَهِيْدًا عَلىٰ هٰذِهِ الْاُمَّةِ.....وَ السَّلَامُ (نوٹ خطبہ بہت طولانی ہے ہم صرف اس کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں شائقین مذکورہ کتاب میں اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں) (مترجم)

ترجمہ خطبہ

اللہ کے بندے علی امیر المؤمنینؑ کی طرف سے اس خط کو پڑھنے والے جملہ مؤمنین و مسلمین کے نام

السلام علیکم! میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد بجالاتا ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ امابعد!

اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰؐ کو تمام جہانوں کے لئے نذیر بنا کر بھیجا، انہیں وحی کا امین بنایا اور انہیں اس امت کا گواہ بنایا۔ اے گروہ عرب! تم اس وقت بدترین دین پر تھے اور برے گھر میں رہتے تھے۔ سخت پتھروں، سنگلاخ چٹانوں اور بچھے ہوئے کانٹوں میں تمہاری بود و باش تھی۔ تم ناپاک پانی پیتے، خراب طعام کھاتے، ایک دوسرے کا خون بہاتے، اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے اور ناجائز طور طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھاتے تھے۔ تمہارے راستے پر خطر تھے اور تمہارے درمیان بت گڑے ہوئے تھے۔ تم میں سے اکثریت اگر خدا پر ایمان رکھتی بھی تھی تو وہ بھی مشرک ہی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ سے تم پر احسان کیا اور انہیں تمہارے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ''وہی تو خدا ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے، جو ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے'' (سورہ آل عمران آیت ۱۶۴)۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ''یقیناً تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے اور اس پر تمہاری پر مصیبت شاق ہوتی ہے۔ وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مؤمنین کے حال پر شفیق اور مہربان ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''بے شک اللہ نے مؤمنین پر انہی میں سے ایک رسول بھیج کر احسان فرمایا''۔ اور فرمایا ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے، اللہ عظیم فضل کا مالک ہے''۔

رسولؐ کا تعلق تم سے تھا۔ تمہاری طرف آئے اور تمہاری زبان بولتے تھے۔ انہوں نے تمہیں کتاب وسنت اور حکمت وفرائض کی تعلیم دی۔ آنحضرتؐ نے تمہیں صلہ رحمی اور خون کی حفاظت اور اندرونی حالات کی اصلاح کا حکم دیا اور انہوں نے تمہیں حکم دیا کہ امانت اس کے اہل تک پہنچاؤ اور وعدہ پورا کرو۔ اور دل سے قسم کھانے کے بعد اسے مت توڑو۔ آنحضرتؐ نے تمہیں شفقت، نیکی، باہمی میل ملاپ، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے کا حکم دیا۔ اور تمہیں لوٹ مار، ظلم، حسد، بغاوت، الزام تراشی، شراب نوشی اور ناپ تول میں کمی سے منع فرمایا۔ اور آپؐ نے قرآنی آیات کی تلاوت کر کے تمہیں بتایا کہ زنا، نہ کرو، سود اور یتیموں کا مال نہ کھاؤ، امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچاؤ، زمین میں فساد برپا نہ کرو اور زیادتیوں کا ارتکاب نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہر وہ اچھائی جو جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کرتی ہے، رسولؐ اللہ نے ان سب کا تمہیں حکم دیا اور ہر وہ برائی جو دوزخ کے قریب اور جنت سے دور کرتی ہے، رسولؐ اللہ نے تمہیں اس سے روکا ہے۔ جب دنیا میں آپؐ کی مدت حیات پوری ہوئی تو اللہ نے آپؐ کو باسعادت اور قابل تعریف حالت میں اپنی طرف بلا لیا۔ آنحضرتؐ کی رحلت ان کے اہل بیت اور رشتہ داروں کے لئے بالخصوص اور جملہ مسلمانوں کے لئے علی العموم ایک صدمہ تھی۔ اتنا بڑا صدمہ نہ تو پہلے پہنچا اور نہ ہی اس کے بعد اتنے بڑے صدمے کی امید ہے۔

جب آنحضرتؐ اس جہان سے رخصت ہو گئے تو مسلمانوں نے امر خلافت میں جھگڑا کیا۔ خدا کی قسم! اس سے پہلے میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد اہل عرب اس امر خلافت کو ان کے اہل بیت سے دور کریں گے اور میں نے کبھی یہ تصور بھی نہ کیا تھا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر کسی اور کو خلیفہ بنالیں گے۔ اور سب سے زیادہ اس چیز نے مجھے حیرت زدہ کر دیا کہ میں نے لوگوں کو ابوبکر کی بیعت کے لئے دوڑتا ہوا دیکھا۔ میں نے بیعت نہیں کی اور میں حقیقی طور پر نیابت رسولؐ کا حق دار تھا۔ کچھ عرصہ تک تو یہی حالت قائم رہی۔ پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو رہے ہیں اور اللہ کے دین اور ملت کو مٹانے پر تل گئے ہیں تو مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ اگر اس وقت میں نے آگے بڑھ کر اسلام اور مسلمین کی مدد نہ کی تو اسلام میں رخنہ پیدا ہو جائے گا اور اسلام منہدم ہو جائے گا۔ اور اسلام کا انہدام میری نظر میں خلافت کے غصب ہونے سے بڑا صدمہ تھا، کیونکہ حکومت تو چند روزہ ہوتی ہے اور اس طرح سے ختم ہو جاتی ہے جیسے سراب یا بادل چھٹ جاتے ہیں۔ صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ ان حالات و واقعات میں میں نے اس کی مدد کی، یہاں تک کہ باطل ٹل گیا اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا، اگرچہ کافروں کو ناگوار تھا..... اور میں نے کبھی یہ طمع نہیں کی تھی کہ اگر ابوبکر مر جائے اور میں زندہ رہوں تو تو خلافت مجھے ہی ملے گی البتہ میں خلافت کے ملنے سے مکمل طور پر مایوس بھی نہیں تھا۔ ہاں! اگر عمر کے ساتھ اس کے تعلقات نہ ہوتے تو پھر وہ مجھے ہی خلیفہ بناتا۔

جب عمر کی موت کا وقت قریب آیا تو بھی میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ مجھ سے خلافت کو دور نہیں کرے گا۔ لیکن اس نے خلافت کو چھ افراد میں رکھ دیا اور مجھے بھی اس کا چھٹا فرد قرار دیا۔ جبکہ اراکین شوریٰ میری (عدالت پر مبنی) حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے شوریٰ کا اجلاس شروع ہوتے ہی مجھے یہ سنانا شروع کر دیا کہ میں نے وفات رسولؐ کے بعد ابوبکر سے اختلاف کیا تھا۔ میں ان سے کہتا تھا: ''گروہ قریش! ہم تمہاری نسبت امر خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، کیا تم میں قرآن پڑھنے والا، سنت کو جاننے والا اور دین حق پر

ایمان رکھنے والا کوئی نہیں؟''۔شوریٰ والوں کو ڈر تھا کہ اگر میری حکومت قائم ہوگئی تو انہیں پھر خلافت سے میرے جیتے جی کوئی حصہ نہیں ملے گا اس لئے انہوں نے اجماع کر کے مجھے خلافت سے محروم کر دیا اور عثمان کو خلیفہ منتخب کر لیا۔انہوں نے یہ اقدام اس لئے کیا کہ انہیں توقع تھی کہ شاید انہیں کبھی حکومت مل جائے جبکہ میری حکومت کی صورت میں انہیں مایوسی لاحق تھی۔ان لوگوں نے عثمان کو خلافت دینے کے بعد کہا کہ علیؑ! آؤ اور بیعت کرو ورنہ ہم تجھ سے جنگ کریں گے۔مجھے مجبوراً ان سے مصالحت کرنی پڑی۔ان میں سے ایک نے مجھے کہا:''فرزند ابوطالب! تو امر خلافت کا بڑا حریص ہے''۔میں نے اسے کہا:''(اگر میں ایسا ہوں تو) تم تو مجھ سے بھی زیادہ حریص ہو۔میں تو تم سے اپنی میراث اور اپنا وہ حق طلب کرتا ہوں جو خدا اور رسولؐ نے مجھے عطا کیا ہے اور تم مجھے میرے حق سے دور کرتے ہو اور میرے اور میرے حق خلافت کے درمیان دیوار بن جاتے ہو۔بھلا بتاؤ اس صورت میں حریص میں ہوں یا تم ہو؟''۔یہ سن کر وہ لاجواب ہو گئے،اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔خدایا قریش کے مقابلے میں میں تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔انہوں نے مجھ سے قطع رحمی کی اور انہوں نے میرے حلم و تحمل کی قدر نہ کی اور میری عظیم منزلت کو کم کیا اور انہوں نے مل کر مجھ سے میرا وہ حق چھینا ہے جس کا میں مستحق تھا۔پھر انہوں نے مجھے کہا:''ہمارا فیصلہ یہی ہے،مرضی ہو تو تسلیم کرو اور پسند نہ آئے تو صبر کرو اور غم واندوہ سے مرنا ہے تو بے شک مر جاؤ''۔پھر اس وقت میں نے اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائی تو مجھے میرے اہل بیت کے سوا کوئی ناصر و مددگار نظر نہ آیا۔میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے گریز کیا اور اس خس و خاشاک پر میں نے چشم پوشی کی اور گلے میں پھندے تھے مگر غصہ کے گھونٹ پی کے رہ گیا اور گلوگرفتگی کے باوجود حنظل سے بھی زیادہ تلخ حالات اور دل خراش واقعات پر صبر کر لیا۔آخر کار وہ وقت بھی آیا جب تم عثمان پر ناراض ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔پھر تم میری بیعت کے لئے میرے پاس آئے اور میں نے بیعت لینے سے انکار کیا تو تم نے اصرار کیا۔تم بیعت لینے کے لئے میرے ہاتھ کو کھولتے تھے جبکہ میں بند کرتا تھا،تم میرے ہاتھ کو کھینچتے تھے اور میں سمیٹتا تھا۔اور پھر تمہارا ہجوم اتنا بڑھ گیا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ تم ایک دوسرے کو کچل ڈالو گے یا تم اژدہام کی وجہ سے مجھے مار ڈالو گے۔تم نے کہا تھا کہ ہم سے بیعت لو،ہمیں آپؑ کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتا اور آپؑ کے بغیر ہم کسی اور کی بیعت پر راضی بھی نہیں ہیں۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بیعت کے بعد کوئی اختلاف نہیں کریں گے اور کوئی تفریق پیدا نہیں ہونے دیں گے۔

چنانچہ میں نے تمہارے مسلسل اصرار پر تم سے بیعت لی تھی اور پھر میں نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔جس نے مرضی سے میری بیعت کی میں نے اس کی بیعت قبول کی اور جس نے بیعت سے انکار کیا تو میں نے اسے مجبور بھی نہیں کیا۔میری بیعت کرنے والوں میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے۔اگر وہ میری بیعت سے انکار بھی کر دیتے تو میں انہیں بھی دوسرے لوگوں کی طرح قطعاً مجبور نہ کرتا۔تھوڑا سا عرصہ گزرا کہ میں نے سنا کہ طلحہ و زبیر مکہ چھوڑ کر بصرہ چلے گئے ہیں اور انہوں نے ایسا لشکر تیار کیا کہ جن میں سے ہر شخص مجھ سے اطاعت گزاری کا وعدہ اور میری بیعت کر چکا تھا۔اور وہ لشکر لے کر بصرہ میں میرے عامل اور بیت المال کے خزانچیوں اور ان تمام شہریوں پر جا ٹوٹے جو میری بیعت کر چکے تھے اور وہ میرے اطاعت گزار بھی تھے۔وہاں جا کر انہوں نے اختلاف ڈالا،جماعت کو تباہ کیا اور پھر میرے شیعوں پر حملہ آور ہوئے۔ان میں سے بعض کو انہوں نے دھوکے سے قتل کیا اور بعض کو باندھ کر قتل کیا۔اور ایک گروہ نے خدا کی خوشنودی کی خاطر تلواریں اٹھائیں اور ان سے جنگ کی اور خدا کی بارگاہ میں صادق بن کر پیش ہوئے۔خدا کی قسم!اگر یہ صرف ایک مسلمان کو بھی جان

بوجھ کر قتل کرتے تو میرے لئے ان کے پورے لشکر کو قتل کرنا حلال ہوجاتا۔ان کے دیگر حساب کتاب کو رہنے دو کہ اس جرائم پیشہ لشکر نے اپنی تعداد سے بھی زیادہ بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا۔پھر اللہ نے ہی ان کی قوت وطاقت ختم کردی۔اور ظالم لوگوں کے لئے دوری ہو۔

اس کے بعد میں نے اہل شام کے متعلق سوچا تو وہ لوگ جاہل،اجڈ،لالچی،جفاپیشہ اور سرکش نظر آئے۔اہل شام کو دراصل تربیت اور تادیب کی شدید ضرورت تھی اور کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو ان کے ہاتھ سے پکڑ کر انہیں ادب سکھاتا۔اہل شام کا تعلق نہ تو مہاجرین سے ہے اور نہ یہ انصار ہیں اور نہ اچھائی میں پیروی کرنے والے ہیں۔ان کے سمجھانے کی غرض سے میں ان کے پاس گیا۔میں نے انہیں اطاعت واتحاد کی دعوت دی جس کے جواب میں انہوں نے تیروں اور نیزوں کی بارش کردی۔پھر میں مسلمانوں کا لشکر لے کر ان کے مقابلے میں گیا۔جب ہتھیاروں نے انہیں بے بس کیا،کاٹا اور انہیں زخموں کی تکلیف محسوس ہوئی تو انہوں نے قرآن کو بلند کیا اور تمہیں اس کی دعوت دی۔میں نے اس وقت بھی تمہیں بتایا تھا کہ ان لوگوں کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ان لوگوں نے صرف عیاری ومکاری کی غرض سے قرآن کو بلند کیا ہوا ہے۔لیکن اس وقت تم نے میری بات نہیں مانی تھی اور مجھے کہا تھا کہ قبول کرلو۔اگر انہیں قرآن میں ہمارا حق نظر آ گیا تو ہم سب اکٹھے ہوجائیں گے۔اور اگر اس کے بعد انہوں نے انکار کیا تو ہمارے پاس ان کے خلاف مضبوط حجت ہوگی۔آخر کار تمہاری ضد کی وجہ سے مجھے تمہاری بات ماننی پڑی۔اور فیصلہ کے لئے دو شخص مقرر ہوئے جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اس چیز کو زندہ کریں جسے قرآن نے زندہ رکھا ہے اور جس چیز کو قرآن نے ختم کیا ہے وہ بھی اسے ختم کریں۔ان دونوں کی رائے میں اختلاف ہوا اور انہوں نے جداگانہ فیصلے کئے۔اور ان دونوں نے حکم قرآن کو پس پشت ڈال دیا اور کتاب خدا کی مخالفت کی۔اس لئے اللہ نے بھی انہیں صحیح فیصلے سے دور رکھا اور انہیں گمراہی کے حوالے کردیا اور حَکَمَین تھے ہی اسی قابل۔

اس کے بعد ایک گروہ ہم سے جدا ہوگیا اور ہم نے ان کے متعلق یہ روش رکھی کہ جب تک یہ ہمیں نہ چھیڑیں گے ہم انہیں نہیں چھیڑیں گے۔لیکن جب انہوں نے سرکشی کی روش اپنائی اور زمین میں فساد شروع کیا تو ہم نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ہمارے دینی بھائیوں کے قاتل ہمارے سپرد کریں پھر اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے۔انہوں نے کہا کہ ہم سب نے انہیں قتل کیا ہے اور ہم ان کا اور تمہارا خون بہانا حلال جانتے ہیں۔پھر ان کے سوار اور پیادوں نے ہم پر حملہ کیا۔اللہ نے انہیں ظالموں کے مقام ہلاکت پر پہنچا دیا۔جب ان کا معاملہ ختم ہوگیا تو میں نے تمہیں حکم دیا کہ فوری طور پر اپنے دشمن کی طرف چلو۔لیکن تم نے یہ کہا اس وقت ہماری تلواریں کند ہوچکی ہیں اور تیر ختم ہوچکے ہیں،ہمارے نیزوں کا رخ ٹیڑھا ہوچکا ہے اور ہم میں سے کچھ لوگ واپس بھی چلے گئے ہیں،آپ ہمیں ہمارے شہر لے چلیں تا کہ ہم بہتر تیاری کر کے دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔چنانچہ جب تم شہر کوفہ کے قریب پہنچے تو میں نے تمہیں حکم دیا کہ تم نخیلہ میں ٹھہر جاؤ اور اپنی چھاؤنی میں رہ کر اپنے مقاصد پورے کرلو اور اپنے آپ کو دشمن سے جہاد کے لئے آمادہ کرو۔اور اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ زیادہ وقت صرف نہ کرو،کیونکہ جنگجو ہمیشہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔مگر اس کے باوجود کوئی بھی چھاؤنی میں نہ ٹھہرا اور جو بھی شہر گیا وہ واپس مڑ کر نہ آیا۔جب میں نے چھاؤنی میں نگاہ کی تو اس میں صرف پچاس آدمی تھے۔میں نے تمہاری یہ حالت دیکھی تو تمہیں جنگ کے لئے نکالنا چاہا لیکن تم میں سے ابھی تک کوئی بھی آمادہ نہیں ہوا۔

آخر تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ تمہارے اطراف مملکت سمٹتے جا رہے ہیں؟ اور مصر کو دشمن نے فتح کر لیا ہے اور میرے شیعوں کو وہاں قتل کیا جا رہا ہے۔ آج تمہاری سرحدوں پر جنگ ہو رہی ہے اور تمہارے شہروں کو لوٹا جا رہا ہے۔ جب کہ تم بڑی تعداد اور شان و شوکت رکھنے والے لوگ ہو۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اور تم پر کس نے جادو کر دیا ہے؟ اور تم کہاں بھٹکنے لگے ہو؟ تم اگر متحد ہو جاؤ تو دشمن تم پر حملہ نہیں کر سکے گا۔ مگر حالت یہ ہے کہ تمہارا دشمن متحد ہو چکا ہے اور وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں لیکن ایک تم ہو کہ ابھی تک رسوائی میں پڑے ہوئے ہو، ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہو اور تم میں افتراق پایا جاتا ہے۔ تمہاری حالت یہی رہی تو میری نظر میں تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہیں جس چیز سے روکا جائے رک جاؤ اور اپنے حقوق کے حصول کے لئے متحد ہو جاؤ۔ اور دشمن سے لڑنے کے لئے تلواروں کو نیاموں سے نکال لو۔ کیونکہ جھاگ ختم ہو رہی ہے اور دودھ ظاہر ہونے والا ہے اور آنکھوں والوں کے لئے صبح روشن ہونے ہی والی ہے۔ یاد رکھو! تمہاری جنگ مکہ کے طلقاء اور ان کی اولاد سے ہے اور تم ستم گروں سے مصروف پیکار ہو اور تم ان لوگوں سے جنگ کر رہے ہو جنہوں نے مجبور ہو کر اسلام کا اظہار کیا تھا اور تم ان سے جنگ کر رہے ہو جنہوں نے سب سے پہلے رسولؐ خدا سے جنگ کی تھی۔ تمہارے دشمن اللہ اور قرآن و سنت کے دشمن ہیں۔ یہ بدعت والے لوگ ہیں۔ یہ وہ بد بخت ہیں جن کی برائیوں سے لوگ ڈرتے ہیں۔ اور تمہارے مد مقابل وہی ہے جو کل تک اسلام اور مسلمین کو دھمکایا کرتا تھا۔ یہ رشوت خوار اور دنیا کے پجاری ہیں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ نابغہ کے بیٹے (عمرو بن عاص) نے یوں ہی معاویہ کی بیعت نہیں کی۔ اس نے اس سے اس کی بہت بڑی قیمت وصول کی ہے۔ اس بیعت کرنے والے دین فروش کے ہاتھوں کو خدا کبھی فتح و کامرانی سے ہمکنار نہ کرے۔ اور خریدنے والے کے معاہدے کو ذلت و رسوائی حاصل ہو۔ نابغہ کے بیٹے نے اس کی مدد کی ہے جو فاسق ہے اور جو اموال مسلمین کا خائن ہے۔ تمہارے مخالفین میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے شراب پی اور جن پر شرعی حد بھی نافذ ہو چکی ہے۔ اور ایسے بھی ہیں جو فساد فی الدین اور بدکاری میں بڑے مشہور ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو سرکوبی کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ تو ان کے رہبروں کی حالت ہے اور ان کے جن رہبروں کے عیوب میں نے بیان نہیں کئے وہ بھی ان جیسے ہی ہیں بلکہ وہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ یہ لوگ تم پر غالب آ کر کفر و فساد و فجور اور جابرانہ تسلط کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ خواہشات کی تکمیل چاہتے ہیں اور ظلم پر مبنی فیصلے صادر کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے اندر اگرچہ سستی اور کمزوری ہے لیکن اس کے باوجود تم ان سے بہتر ہو اور اور صحیح راہ پر چلنے والے ہو۔ تمہارے اندر علماء، فقہا، نجباء، حکماء اور حاملین کتاب، تہجد گزار اور تلاوت قرآن سے مساجد کو آباد کرنے والے موجود ہیں۔

آج رذیل اور شریر لوگ تم سے حکومت کے لئے جھگڑ رہے ہیں تو تمہیں اس بات پر غصہ کیوں نہیں آتا۔ تم میری بات سنو اور میں جب بھی کوئی فرمان جاری کروں تو اس کی اطاعت کرو۔ خدا کی قسم! اگر تم نے میری اطاعت کی تو گمراہی سے بچ جاؤ گے اور اگر تم نے نافرمانی کی تو راہ راست نہیں پا سکو گے۔ تم جنگ کے لئے ساز و سامان تیار کرو اور جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں اور پلٹیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور فاسق جنگ پر کمر بستہ ہو چکے ہیں تا کہ بندگان خدا کو عذاب دیں اور اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ یاد رکھو! شیطان کے دوست جو کہ لالچی اور جفا کار ہیں، خدا کے دوستوں سے زیادہ جدوجہد نہیں کر سکتے، کیونکہ خدا کے دوست نیکی و زہد اور رب کے اطاعت

گزار، امام کے خیر خواہ اور خدا کے حضور عاجزی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر پدری زمین بھی میرے ان دشمنوں سے بھری ہوئی ہو اور میں ان کے مقابلے میں تن تنہا رہ جاؤں تو بھی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور میں اس سے ہرگز نہیں گھبراؤں گا اور مجھے ان کے گمراہ ہونے کا یقین اور اپنے آپ کے متعلق ہدایت پر ہونے کا مکمل یقین اور بھروسہ ہوگا۔ اور میں اپنے پروردگار کی ملاقات کا مشتاق ہوں اور اپنے حسن ثواب کا منتظر ہوں۔ لیکن کیا کروں!؟ مجھے یہ دکھ دن رات بے آرام کیے ہوئے ہوئے ہے کہ اس امت پر احمق اور فاسق مسلط ہونے والے ہیں جو اللہ کے مال کو اپنے اندر گردش دیں گے اور بندگانِ خدا کو رسوا کریں گے اور بدکاروں کو اپنے گروہ میں شامل کریں گے مجھے اگر یہ فکر نہ ہوتی تو میں سرزنش بھی نہ کرتا، کیونکہ میں تمہاری پستی کو دیکھ چکا ہوں اور تمہاری نافرمانی میرے سامنے ہے۔ میں تمہیں آنے والے حالات سے بچانا چاہتا ہوں۔ ورنہ میں تو ان سے تن تنہا بھی ٹکرا جاتا۔

خدا کی قسم! میں حق پر ہوں اور شہادت کا شیدائی ہوں۔ ہلکے اور بوجھل ہو کر جیسے بھی چاہو نکلو اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور زمین سے مت چمٹو ورنہ تمہیں دھنسا دیا جائے گا اور ذلت و رسوائی تمہاری منزل قرار پائے گی۔ جنگجو ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور کمزوری کرنے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور جہاد کو چھوڑنے والا ضعیف الرائے اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ خدایا ہمیں اور انہیں ہدایت پر جمع رکھ۔ ہمیں اور انہیں دنیا سے بے التفاتی کا جذبہ عطا فرما۔ اور ہمارا اور ان کا انجام، آغاز سے بہتر فرما۔

والسلام

خطبہ ۲۷

یہ آپؑ کا مشہور خطبہ ہے اور اس خطبہ کا ابتدائی حصہ الوسائل میں بحوالہ کافی منقول ہے اور خطبہ کی سند یہ ہے: ''محمد بن یعقوب نے احمد بن محمد بن سعید سے، اس نے جعفر بن عبداللہ علوی اور احمد بن محمد کوفی سے، اس نے علی بن عباس سے، اس نے اسماعیل بن اسحاق سے، اس نے ابی روح فرخ بن فروہ سے، اس نے مسعدہ بن صدقہ سے، اس نے ابن ابی لیلیٰ سے، اس نے ابوعبدالرحمٰن سلّمی سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے کہ امیر المؤمنینؑ علیہ السلام نے یہ خطبہ دیا۔ اس خطبے کو مبرد نے الکامل کے آغاز میں اور علامہ مجلسی نے بحار میں معانی الاخبار سے شیخ صدوق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ سید رضی اور شیخ صدوق کی روایت میں چند الفاظ کا فرق ہے اور انشاءاللہ ہم آخر میں اس خطبہ کو لکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

جہاد کی فضیلت اور ترک جہاد کی مذمت

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامِ

یہ بھی آپؑ ہی کے خطبہ کا ایک حصہ ہے۔

فَاِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَتَحَهُ اللّٰهُ لِخَاصَّةِ اَوْلِيَائِهٖ وَ هُوَ لِبَاسُ التَّقْوٰى وَ دِرْعُ اللّٰهِ الْحَصِيْنَةُ وَ جُنَّتُهُ الْوَثِيْقَةُ فَمَنْ تَرَكَ رَغْبَةً عَنْهُ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذُّلِّ وَ شَمِلَهُ الْبَلَاءُ وَ دُيِّثَ بِالصَّغَارِ وَ الْقَمَآءِ وَ ضُرِبَ عَلٰى قَلْبِهٖ بِالْاَسْدَادِ وَ اُدِيْلَ الْحَقُّ مِنْهُ بِتَضْيِيْعِ الْجِهَادِ وَ سِيْمَ الْخَسْفَ وَ مُنِعَ النَّصَفَ اَلَا وَ اِنِّیْ قَدْ دَعَوْتُكُمْ اِلٰى قِتَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَيْلًا وَ نَهَارًا وَ سِرًّا وَ اِعْلَانًا وَ قُلْتُ لَكُمُ اغْزُوْهُمْ قَبْلَ اَنْ يَّغْزُوْكُمْ فَوَاللّٰهِ مَا غُزِیَ قَوْمٌ قَطُّ فِیْ عُقْرِ دَارِهِمْ اِلَّا ذَلُّوْا فَتَوَاكَلْتُمْ وَ تَخَاذَلْتُمْ حَتّٰى شُنَّتْ عَلَيْكُمُ الْغَارَاتُ وَ مُلِكَتْ عَلَيْكُمُ الْاَوْطَانُ فَهٰذَا اَخُوْ غَامِدٍ وَ قَدْ وَرَدَتْ خَيْلُهُ الْاَنْبَارَ وَ قُتِلَ حَسَّانُ بْنُ حَسَّانِ الْبَكْرِیُّ وَ اَزَالَ خَيْلَكُمْ عَنْ مَسَالِحِهَا وَ لَقَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْاَةِ الْمُسْلِمَةِ وَ الْاُخْرٰى الْمُعَاهَدَةِ فَيَنْتَزِعُ حِجْلَهَا وَ قُلْبَهَا وَ قَلَائِدَهَا وَ رِعَاثَهَا مَا تَمْتَنِعُ مِنْهُ اِلَّا بِالْاِسْتِرْجَاعِ وَ الْاِسْتِرْحَامِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا وَافِرِيْنَ مَا نَالَ مِنْهُمْ كَلْمٌ وَ لَا اُرِيْقَ لَهٗ دَمٌ فَلَوْ اَنَّ امْرَاً مُسْلِمًا مَاتَ

جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولا ہے اور وہ پرہیزگاری کا لباس، اللہ کی محکم زرہ اور مضبوط سپر ہے۔ جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہے، خدا اسے ذلت وخواری کا لباس پہناتا اور مصیبت وابتلا کی ردا اوڑھا دیتا ہے اور ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ مدہوشی وغفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور جہاد کو ضائع و برباد کرنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے حق لے لیا جاتا ہے۔ ذلت اسے سہنا پڑتی ہے اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ میں نے اس قوم سے لڑنے کے لئے شب وروز، اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تمہیں پکارا اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ حملہ کریں تم ان پر حملہ کردو۔ خدا کی قسم! جن افراد قوم پر ان کے گھروں کے حدود کے اندر حملہ ہوجاتا ہے وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ لیکن تم نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے، یہاں تک کہ تم پر غارت گریاں ہوئیں اور تمہارے شہروں پر زبردستی قبضہ کرلیا گیا۔ اسی بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) ہی کو دیکھ لو، اس کی فوج کے سوار ''انبار'' شہر کے اندر پہنچ گئے اور حسان بن حسان بکری کو قتل کردیا اور تمہارے محافظ سرداروں کو سرحدوں سے ہٹا دیا گیا۔ اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھر گھس کر ان کے پیروں سے پازیب (ہاتھوں سے کنگن)، گلوبند اور گوشوارے تک اتار لیتا تھا۔ اور ان کے پاس حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا سوائے اس کے کہ اِنَّا لِلّٰہ کہتے ہوئے صبر سے کام لیں یا خوشامدیں کر کے اس سے رحم کی التجا کریں۔ وہ لدے پھندے ہوئے پلٹ گئے، نہ کسی کے زخم لگا اور نہ کسی کا خون بہا۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات

مِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا كَانَ بِهٖ مَلُوْمًا بَلْ كَانَ بِهٖ عِنْدِیْ جَدِیْرًا فَیَا عَجَبًا عَجَبًا وَ اللّٰهِ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَ یُجْلِبُ الْهَمَّ مِنْ اِجْتِمَاعِ هٰؤُلَآءِ عَلٰی بَاطِلِهِمْ وَ تَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ فَقُبْحًا لَّكُمْ وَ تَرَحًا حِیْنَ صِرْتُمْ غَرَضًا یُّرْمٰی یُغَارُ عَلَیْكُمْ وَ لَا تُغِیْرُوْنَ وَ تُغْزَوْنَ وَ لَا تَغْزُوْنَ وَ یُعْصَی اللّٰهُ وَ تَرْضَوْنَ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِالسَّیْرِ فِیْ اَیَّامِ الْحَرِّ قُلْتُمْ هٰذِهٖ حَمَّارَةُ الْقَیْظِ اَمْهِلْنَا یَنْسَلِخْ عَنَّا الْحَرُّ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِالسَّیْرِ اِلَیْهِمْ فِی الشِّتَآءِ قُلْتُمْ هٰذِهٖ حَبَّارَةُ الْقُرِّ اَمْهِلْنَا یَنْسَلِخْ عَنَّا الْبَرْدُ كُلُّ هٰذَا فِرَارًا مِّنَ الْحَرِّ وَ الْقُرِّ فَاِذَا كُنْتُمْ مِنَ الْحَرِّ وَ الْقُرِّ تَفِرُّوْنَ فَاَنْتُمْ وَ اللّٰهِ مِنَ السَّیْفِ اَفَرُّ یَا اَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ حُلُوْمُ الْاَطْفَالِ وَ عُقُوْلُ رَبَّاتِ الْحِجَالِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَرَكُمْ وَ لَمْ اَعْرِفْكُمْ مَعْرِفَةً وَ اللّٰهِ جَرَّتْ نَدَمًا وَ اَعْقَبَتْ سَدَمًا قَاتَلَكُمُ اللّٰهُ لَقَدْ مَلَئْتُمْ قَلْبِیْ قَیْحًا وَ شَحَنْتُمْ صَدْرِیْ غَیْظًا وَ جَرَّعْتُمُوْنِیْ نُغَبَ التَّهْمَامِ اَنْفَاسًا وَ اَفْسَدْتُمْ عَلَیَّ رَأْیِیْ بِالْعِصْیَانِ وَ الْخِذْلَانِ حَتّٰی قَالَتْ قُرَیْشٌ اِنَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَجُلٌ شُجَاعٌ وَّ لٰكِنْ لَّا عِلْمَ لَهٗ بِالْحَرْبِ لِلّٰهِ اَبُوْهُمْ وَ هَلْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَشَدُّ لَهَا فِرَاسًا وَ اَقْدَمُ فِیْهَا مُقَامًا مِنِّیْ لَقَدْ نَهَضْتُ فِیْهَا وَ مَا بَلَغْتُ

کے بعد رنج و ملال سے مرجائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی بلکہ میرے نزدیک تو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ العجب ثم العجب، خدا کی قسم! ان لوگوں کا باطل پر ایکا کر لینا اور تمہاری جمعیت کا حق سے منتشر ہوجانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور رنج واندوہ بڑھا دیتا ہے۔ تمہارا برا ہو اور رنج وغم میں مبتلا رہو، تم تو از خود تیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہو، تمہیں ہلاک وتاراج کیا جارہا ہے مگر تمہارے قدم حملے کے لئے نہیں اٹھتے، وہ تم سے لڑ بھڑ رہے ہیں اور تم جنگ سے جی چراتے ہو اور اللہ کی نافرمانیاں ہورہی ہیں اور تم راضی ہورہے ہو۔ اگر گرمیوں میں میں تمہیں ان کی طرف بڑھنے کا کہتا ہوں تو تم کہتے ہو یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے اور اگر تمہیں سردیوں میں چلنے کا کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے اتنا ٹھہر جایئے کہ سردی کا موسم گزر جائے یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے باتیں ہیں۔ جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے زیادہ بھاگو گے۔ اے مردوں کی شکل والے نامردو! تمہاری عقلیں بچوں کی سی اور تمہاری سمجھ حجلہ نشین عورتوں کے مانند ہے۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا اور نہ تم سے ایسی جان پہچان ہوتی جو ندامت کا سبب اور رنج واندوہ کا باعث بنی ہے۔ اللہ تمہیں موت دے، تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ وغضب سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے مجھے غم وحزن کے جرعے پلائے، نافرمانی کر کے میری تدبیر ورائے کو تباہ کر دیا۔ یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ علیؑ ہے تو مرد شجاع لیکن جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں، اللہ ان سے سمجھے، کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کی مزاولت رکھنے والا اور میدان وغا میں میرے سے پہلے کارنمایاں کئے ہوئے ہو۔ میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب وضرب کے

الْعِشْرِيْنَ وَ هَا اَنَا ذَا قَدْ ذَرَّفْتُ عَلَى السِّتِّيْنَ وَ لٰكِنْ لَا رَأْىَ لِمَنْ لَّا يُطَاعُ.

لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اب تو ساٹھ سے بھی اوپر کا ہو گیا ہوں۔ لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔

تشریح لغت

(دِرْعُ) اَلْحَدِيْدِ، لوہے کی زرہ۔ یہ لفظ مؤنث سماعی ہے اور کبھی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے۔ (اَلْجُنَّةُ) بچانے والی چیز، ڈھال۔ (اَشْمَلَهُ) رداُڑھائی۔ (دَيَّثَهُ) اسے ذلیل کیا۔ لفظ دیوث بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ (اَلصِّغَارُ) ذلت وحقارت۔ (اَلْغُمَاءُ) مد کے ساتھ، چھوٹا پن۔ راوندی کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے غیر معروف۔ الکافی میں (اَلْقِمَاءُ) کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ذلت ورسوائی ہے۔ (اَلْاَسْدَادُ) سَدٌّ کی جمع، رکاوٹیں۔ (اُدِيْلَ الْحَقُّ مِنْهُ) یعنی اس کے حق پر کسی دوسرے نے قبضہ کرلیا۔ (سِيْمَ) سَامَهُ سے فعل مجہول ہے۔ ''سَامَهُ خَسْفًا'' یعنی اس کو ذلت دی۔ (اَلنِّصْفُ) انصاف۔ (عُقْرُ الشَّيْءِ) کسی چیز کا درمیانی حصہ۔ (اَلتَّوَاكُلُ) ایک دوسرے پر ڈالتے رہنا۔ (شُنَّتْ) پھینکی گئی۔ شارح معتزلی کہتے ہیں کہ اگر آہستہ آہستہ کسی چیز کو پھینکا جائے جیسے منہ پر پانی کے چھینٹے مسلسل مارتے رہیں تو اسے ''شَنٌّ'' کہتے ہیں اور اگر یکبارگی کوئی چیز پھینکی جائے تو اسے ''سَنٌّ'' کہا جاتا ہے۔ (اَخُوْ غَامِدٍ) اس سے سفیان بن عوف غامدی مراد ہے۔ (اَلْاَنْبَارُ) عراق کا مشہور شہر جو فرات کی مشرقی سمت پر واقع ہے۔ (اَلْمَنَالِحُ) ملکی سرحدیں جہاں ہر وقت مسلح افراد پہرہ دیتے ہوں۔ (اَلْمُعَاهَدَةُ) جس عورت نے معاہدہ کیا ہوا ہو۔ مراد ذمی عورت۔ (اَلْحِجْلُ) پازیب، پاؤں میں پہنا جانے والا زیور۔ (اَلْقُلُبُ) کنگن۔ (اَلرَّعَاثُ) گوشوارے۔ (اَلْاِسْتِرْجَاعُ) انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا۔ (اَلْاِسْتِرْحَامُ) رحم طلب کرنا۔ (اِنْصَرَفُوْا وَافِرِيْنَ) لدے پھندے روانہ ہوئے۔ (اَلْكَلْمُ) زخم۔ (اَلتَّرَحُ) غم۔ (اَلْغَرْضُ) نشانہ۔ (خَمَارَةُ الْقَيْظِ) گرمی کی شدت۔ (حَيَارَةُ الشِّتَاءِ) سردی کا زور۔ (اَلْقُرُّ) ٹھنڈک۔ (رَبَّاتُ الْحِجَالِ) حجلہ نشین عورتیں۔ (اَلسَّدَمُ) غم۔ (قَاتَلَكُمُ اللّٰهُ) تمہیں اللہ مارے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دور کرے اور تم پر لعنت فرمائے۔ (اَلنَّغْبُ) نَغْبَةٌ کی جمع، گھونٹ۔ (اَلتَّهْمَامُ) تا کی زبر کے ساتھ، غم۔ (اَنْفَاسًا) گھونٹ کے بعد گھونٹ۔ (لِلّٰهِ اَبُوْهُمْ) کلمہ مدح ہے اور اس مقام پر شاید تعجب کے لئے ہے (یعنی خدا ان سے سمجھے) (اَلْمِرَاسُ) مَارَسَهُ کا مصدر ہے، مزاولت، تجربہ۔ (ذَرَّفْتُ عَلَى السِّتِّيْنَ) را کی شد کے ساتھ، ساٹھ سے اوپر کا ہو گیا ہوں۔

خطبہ کا پس منظر

جنگ صفین کے بعد معاویہ نے ہر طرف کشت وخون کا بازار گرم کر رکھا تھا اور امیر المؤمنینؑ کے مقبوضہ شہروں پر جارحانہ اقدامات شروع کر دیئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہیت، انبار اور مدائن پر حملہ کرنے کر لئے سفیان بن عوف غامدی کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ پہلے تو ہیت پہنچا، مگر اسے خالی پا کر انبار کی طرف بڑھ نکلا۔ یہاں پر امیر المؤمنینؑ کی طرف سے پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ حفاظت کے لئے مقرر تھا، مگر وہ معاویہ کے اس لشکر جرار کو دیکھ کر جم نہ سکا، صرف سو آدمی اپنے مقام پر جمے رہے۔ انہوں نے جہاں تک ممکن

تھا، ڈٹ کر مقابلہ بھی کیا مگر دشمن کی فوج نے مل کر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کے بھی قدم اکھڑ گئے اور رئیس لشکر حسان بن حسان بکری تیس آدمیوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ جب میدان خالی ہو گیا تو دشمن نے پوری آزادی کے ساتھ انبار کو لوٹا اور شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ امیر المؤمنینؑ کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی تو آپؑ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو دشمن کی سرکوبی کے لئے ابھارا اور جہاد کی دعوت دی۔ مگر کسی طرف سے بھی صدائے ''لبیک'' بلند نہ ہوئی۔ تو آپؑ پیچ و تاب کھاتے ہوئے منبر سے نیچے اترے اور اسی عالَم میں پا پیادہ دشمن کی طرف چل پڑے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو ان کی غیرت و حمیّت بھی جوش میں آئی اور وہ بھی آپؑ کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ جب وادی نخیلہ پہنچ کر حضرتؑ نے منزل کی تو ان لوگوں نے آپؑ کے گرد گھیرا ڈال دیا اور باصرار کہنے لگے: ''یا امیر المؤمنینؑ! آپؑ پلٹ جائیں، ہم فوج دشمن سے نپٹ لینے کے لئے کافی ہیں''۔ جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا تو آپؑ پلٹنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور سعید بن قیس آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ادھر روانہ ہو گئے۔ مگر سفیان بن عوف کا لشکر جا چکا تھا اور وہ بغیر لڑے واپس آئے۔ جب سعید کوفہ پہنچا تو شارح معتزلی کی روایت کی بنا پر حضرتؑ رنج و اندوہ کے عالَم میں باب سدہ پر آ کر بیٹھ گئے اور ناسازی طبع کی وجہ سے یہ خطبہ لکھ کر اپنے غلام سعد کو دیا کہ وہ پڑھ کر سنائے۔ مگر مبرد نے ابن عائشہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضرتؑ نے یہ خطبہ مقام نخیلہ پر ایک بلندی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا اور ابن میثم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

مفہوم عبارت

فضیلت جہاد

(اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَتَحَهُ اللّٰهُ لِخَاصَّةِ اَوْلِيَائِهٖ) حمد و ثناء کے بعد واضح ہو کہ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھول رکھا ہے۔ الکافی میں علی بن ابراہیم سے روایت ہے، اس نے اپنے والد سے، اس نے نوفلی سے، اس نے سکونی سے، اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''لِلْجَنَّةِ بَابٌ يُقَالُ بَابُ الْمُجَاهِدِيْنَ يَمْضُوْنَ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ مَفْتُوْحٌ وَ هُمْ مُتَقَلِّدُوْنَ بِسُيُوْفِهِمْ وَ الْجَمْعُ فِي الْمَوْقِفِ وَ الْمَلَائِكَةُ تُرَحِّبُ بِهِمْ'' جنت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام باب ''المجاہدین'' ہے۔ مجاہد وہاں جائیں گے تو وہ کھلا ہوا ہو گا۔ مجاہدین اپنی تلواروں کو حمائل کئے ہوئے ہوں گے اور باقی مخلوق اس وقت عرصہ محشر میں حساب و کتاب میں مصروف ہو گی اور فرشتے انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ خواص اولیاء سے مراد اللہ کے وہ بندے ہیں جو اس کی محبت اور عبادت میں مخلص ہیں۔ صرف اللہ کی راہ میں جہاد کرنا محبت الٰہی اور عبادت خداوندی کے اخلاص کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب کوئی مسلمان اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اگر دشمن غالب آ گیا تو وہ قتل ہو جائے گا۔ اس کا ترکہ لوٹ لیا جائے گا اور اس کے اہل خانہ قیدی بنا لئے جائیں گے۔ پھر اس کے باوجود بھی وہ اللہ کی رضا کے لئے میدان جہاد میں وارد ہوتا ہے تو یقیناً ایسا شخص اللہ کا ولی کامل اور مخلص مؤمن ہے اور وہ اس آیت کے زمرے میں شامل ہے ﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ لَا يَحْزَنُوْنَ﴾ آگاہ ہو جاؤ کہ اولیاء خدا پر نہ خوف طاری

ہوتا ہے اور نہ محزون ورنجیدہ ہوتے ہیں (یونس/۶۲)۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی مجاہدین کو خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرَاۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْآنِ وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَ ذَالِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاکِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ الْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ بے شک اللہ نے صاحبان ایمان سے ان کے جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے کہ یہ لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور دشمنوں کو قتل کرتے ہیں، پھر خود بھی قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ وعدہ برحق تورات، انجیل اور قرآن میں ہر جگہ ذکر ہوا ہے اور خدا سے زیادہ اپنے عہد کا پورا کرنے والا کون ہوگا؟ تو اب تم لوگ اپنی اس تجارت پر خوشیاں مناؤ جو تم نے خدا سے کی ہے کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ یہ لوگ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد پروردگار کرنے والے، راہ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے اور حدود الٰہیہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے پیغمبرؐ! آپؐ انہیں جنت کی بشارت دے دیں (توبہ/۱۱۱۔۱۱۲)۔ (**وَ ھُوَ لِبَاسُ التَّقْوٰی**) اور وہ تقویٰ کا لباس ہے۔ واضح رہے کہ تقویٰ کے لفظی معنی بچاؤ کے ہیں، تو مقصد یہ ہے کہ جہاد دنیا میں شر اعداء سے حفاظت اور آخرت میں آتش دوزخ سے بچاؤ کا واحد ذریعہ ہے۔ جس طرح سے لباس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ لباس انسان کو سردی اور گرمی کی شدت سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح سے جہاد بھی مسلمان کو دنیاوی ذلت اور اخروی عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس میں مضاف حذف ہو۔ یعنی یہ اہل تقویٰ کا لباس ہے۔ (**وَ دِرْعُ اللّٰہِ الْحَصِیْنَۃُ وَ جُنَّتُہُ الْوَثِیْقَۃُ**) جہاد اللہ کی محکم زرہ اور مضبوط سپر ہے۔ یعنی اس کی مضبوط زرہ کو پہن کر اور اس مضبوط سپر کو ہاتھ میں لے کر انسان ذلت ورسوائی سے بچ سکتا ہے اور اہل شر کی شرارتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

ترک جہاد کے نقصانات

(**فَمَنْ تَرَکَ رَغْبَۃً عَنْہُ اَلْبَسَہُ اللّٰہُ لِبَاسَ الذُّلِّ**) جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہے تو خدا اسے ذلت و خواری کا لباس پہنا دیتا ہے۔ اور وہ ذلت دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ (**وَ شَمِلَہُ الْبَلَاءُ وَ دُیِّثَ بِالصِّغَارِ وَ الْقَمَآءِ**) مصیبت وابتلاء کی رداؤڑھا دیتا ہے اور ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ الکافی میں جناب رسولؐ خدا سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا: ''جو جہاد کو ترک کرے گا اللہ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا اور اس پر رزق تنگ کر دے گا اور اس کا دین تباہ ہو جائے گا۔ اللہ نے میری امت کو گھوڑوں کے سموں اور نیزوں کے ذریعہ سے دولت مند بنایا ہے۔ (**وَ ضُرِبَ عَلٰی قَلْبِہٖ بِالْاَسْدَادِ**) اور مدہوشی اور غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ تدبیر صالح سے عاجز ہو جاتا ہے اور راہ حق پر چلنے کے قابل نہیں رہتا۔ (**وَ اُدِیْلَ الْحَقُّ مِنْہُ بِتَضْیِیْعِ الْجِھَادِ**) اور جہاد کو ضائع اور برباد کرنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے حق لے لیا جاتا ہے۔ پھر وہ ضلالت کے

راستوں کا راہی بن جاتا ہے اور دنیا وعقبیٰ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔(وَ سِیْمَ الْخَسْفُ وَ مُنِعَ النِّصْفُ)اسے ذلت سہنا پڑتی ہے اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فطرت انسانی کے نباض اعلیٰ ہیں۔اس لئے آپؑ نے لوگوں کو براہ راست جہاد کا حکم دینے سے قبل جہاد کے فوائد بیان کئے اور ترک جہاد کے نقصانات سے انہیں باخبر کیا۔کیونکہ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ سہل پسند افراد کو جہاد پر آمادہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے اور عام طور پر لوگ جدال وقتال سے دور رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان فرمایا﴿کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَ ھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَ عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾تمہارے اوپر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور یہ ممکن ہے کہ جسے تم برا سمجھتے ہو وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور جسے تم دوست رکھتے ہو وہ برا ہو اور خدا سب کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (بقرہ/ ۲۱۶)۔(اسلام کی طرف سے یہ کھلا ہوا اعلان ہے کہ حکم خدا کسی کی مرضی کے تابع نہیں ہے۔اور اسلامی دستور حیات میں جہاد کو حیاتی اہمیت حاصل ہے جسے کبھی بھی اس سے نہیں نکالا جا سکتا ورنہ اسلام کی روح ختم ہو جائے گی۔بزدلوں کو جہاد برا لگتا ہے لیکن خدا نے واجب کر دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ تمہارا علم،علم خدا کے برابر نہیں ہے اور وہ حالات ومصالح کو تم سے بہتر جانتا ہے۔تمہارا فرض ہے کہ اس کے احکام پر ایمان لے آؤ اور عمل کرو۔مترجم)۔اگر چہ آج جہاد تمہیں شاق نظر آ رہا ہے لیکن یہ تمہارے حال اور مستقبل کے لئے انتہائی مفید ہے۔جب کہ ترک جہاد میں تمہیں اپنی سلامتی نظر آتی ہے لیکن اس میں بہت سے نقصانات ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ڈاکٹر ایک مریض کو کڑوی دوا دیتا ہے۔اس وقت تو مریض کو وہ دوا کڑوی ضرور لگتی ہے لیکن اس میں مریض کی صحت وشفا مضمر ہوتی ہے۔بعینہٖ اسی طرح سے آج تو جہاد تمہیں ناگوار معلوم ہو رہا ہے لیکن اس میں تمہارے لئے فوائد مضمر ہیں۔اور ترک جہاد کو تم نے اپنی سلامتی کا ضامن سمجھ لیا ہے جب کہ اس میں دینی ودنیاوی نقصانات ہیں۔ترک جہاد سے قوموں پر ذلت ورسوائی طاری ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ دشمن کی نگاہِ آز کا شکار رہتے ہیں اور لوگ انہیں تر نوالہ سمجھ کر نگلنے کی کوشش کرتے ہیں۔لہٰذا دنیا وعقبیٰ کی کامیابی کا راز جہاد میں مضمر ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْہُ وَ مَغْفِرَۃً وَّ رَحْمَۃً وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾اللہ نے اپنے جان ومال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں اجر عظیم عطا کیا ہے۔اس کی طرف سے درجات،مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے (نساء/ ۹۵)۔

مقام شہید

صلہ شہید کیا ہے؟ تب وتاب جاودانہ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''شہید کو اللہ کی طرف سے سات خصلتیں نصیب ہوتی ہیں۔

۱۔ جیسے ہی اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے اللہ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

۲۔ جنت کی دو حور عین اس کی بیویاں اس کا سر اپنی آغوش میں لے لیتی ہیں۔ اس کے چہرے سے غبار ہٹاتی ہیں اور اسے خوش آمدید کہتی ہیں۔ جواب میں وہ بھی انہیں خوش آمدید کہتا ہے۔

۳۔ اسے لباس جنت پہنایا جاتا ہے۔

۴۔ جنت کے خازن خوشبوئے جنت لے کر اس کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جسے چاہے اپنے لئے منتخب کرے۔

۵۔ اسے جنت میں اپنا مقام دکھایا جاتا ہے۔

۶۔ اس کی روح سے کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں جہاں چاہے چلی جائے۔

۷۔ اس کی نگاہ رضائے الٰہی پر ہوتی ہے اور یہ ہر نبی اور شہید کے لئے باعث راحت ہے''۔

بہرنوع امیر المؤمنینؑ نے تمہید باندھنے کے بعد ارشاد فرمایا (**اَلا وَ اِنِّیْ قَدْ دَعَوْتُکُمْ اِلیٰ قِتَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَیْلًا وَ نَهَارًا وَ سِرًّا وَ اِعْلَانًا وَ قُلْتُ لَکُمْ اُغْزُوْهُمْ قَبْلَ اَنْ یَّغْزُوْکُمْ فَوَاللّٰهِ مَا غُزِیَ قَوْمٌ قَطُّ فِیْ عُقْرِ دَارِهِمْ اِلَّا ذَلُّوْا**) میں نے اس قوم سے لڑنے کیلئے رات بھی، دن بھی، علانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تمہیں پکارا اور للکارا اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ تم پر حملہ کریں تم ان پر دھاوا بول دو۔ خدا کی قسم! جن قوموں پر ان کے گھروں کے حدود کے اندر ہی حملہ ہو جاتا ہے وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ یعنی دفاعی جنگ کرنے کی بجائے تم پیش قدمی کر کے لڑو تا کہ اپنے علاقوں کے حصول کے لئے تمہیں دشمن کی منت سماجت نہ کرنی پڑے بلکہ دشمن اپنے علاقوں کی آزادی کے لئے تم سے درخواست کرے۔ حضرتؑ نے علم حرب کا ایک عظیم الشان قاعدہ بیان کیا اور حضرتؑ کا بیان کردہ یہ قاعدہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''جس قوم کے حدود میں حملہ ہو جائے وہ قوم ذلیل و خوار ہو جاتی ہے''۔ کیونکہ اس سے جارح کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور متاثرہ قوم کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اور جنگ کا یہ فطری اصول ہے کہ جس فوج کے حوصلے پست ہو جائیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ (**فَتَوَاکَلْتُمْ**) لیکن تم نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور تم میں سے کسی نے بھی اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کیا۔ (**وَتَخَاذَلْتُمْ**) اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے۔ یعنی تم کسی طرح سے جہاد پر آمادہ نہ ہوئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا:

(**حَتّٰی شُنَّتْ عَلَیْکُمُ الْغَارَاتُ**) یہاں تک کہ تم پر ہر طرف سے غارت گری ہونے لگی۔ دشمن نے تمہیں تر نوالہ تصور کر لیا ہے اور وہ پے در پے تم پر غارت گری مسلط کر رہا ہے۔ (**وَ مُلِکَتْ عَلَیْکُمُ الْاَوْطَانُ**) اور تمہارے شہروں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ تمہاری مملکت کی حدود سمٹنے لگی ہیں۔ اور دشمن ان پہ قبضہ کئے جا رہا ہے۔ (**فَهٰذَا اَخُوْ غَامِدٍ**) اور اس بنی غامد کے ہی آدمی کو دیکھ لو۔ یعنی سفیان بن عوف غامدی کی غارت گری کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ (**وَ قَدْ وَرَدَتْ خَیْلُهُ الْاَنْبَارَ**) اس کی فوج کے سوار انبار شہر کے اندر پہنچ گئے۔ (**وَ قُتِلَ حَسَّانُ بْنُ حَسَّانِ الْبَکْرِیّ**) اور حسان بن حسان بکری کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت حسان بن حسان بکریؓ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے اور آپؑ کی طرف سے انبار شہر کے گورنر تھے۔ انہوں نے تیس افراد کے ساتھ چھ ہزار کی فوج کے ساتھ جنگ کی تھی اور میدان جہاد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی معاویہ کے لشکر نے انبار شہر کو لوٹا اور گھروں میں داخل ہو کر مستورات کے زیور تک

اتار لئے تھے۔(وَ اَزَالَ خَیْلُکُمْ عَنْ مَسَالِحِھَا)اورتمہارے محافظ سواروں کوسرحدوں سے ہٹادیا گیا تھا۔

داستان مظلومیت

(وَ لَقَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ الرَّجُلَ مِنْھُمْ کَانَ یَدْخُلُ عَلَی الْمَرْأَۃِ الْمُسْلِمَۃِ وَ الْاُخْرَی الْمُعَاھَدَۃِ فَیَنْتَزِعُ حِجْلَھَا وَ قَلْبَھَا وَ قَلَائِدَھَا وَ رِعَاثَھَا مَا تَمْتَنِعُ مِنْہُ اِلَّا بِالْاِسْتِرْجَاعِ وَ الْاِسْتِرْحَامِ)اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور دوسرے ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس کران کے پیروں سے پازیب، ہاتھوں سے کنگن،گلوبنداور گوشوارے تک اتار لیتا تھا۔اورانہیں حفاظت کا کوئی ذریعہ نظرنہیں آتا تھا،سوائے اس کے کہ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کرصبر سے کام لیں یا خوشامد کرکے اس سے رحم کی التجا کریں۔(ثُمَّ انْصَرَفُوْا وَافِرِیْنَ مَا نَالَ مِنْھُمْ کَلْمٌ وَ لَا اُرِیْقَ لَہٗ دَمٌ فَلَوْ اَنَّ امْرَأً مُسْلِمًا مَاتَ مِنْ بَعْدِ ھٰذَا مَا کَانَ بِہٖ مَلُوْمًا بَلْ کَانَ بِہٖ عِنْدِیْ جَدِیْرًا) پھروہ لدے پھندے پلٹ گئے۔نہ کسی کے زخم آیا اور نہ کسی کا خون بہا۔اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعدرنج وملال سے مرجائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی، بلکہ میرے نزدیک تو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

تعجب بالائے تعجب

(فَیَا عَجَبًا عَجَبًا وَ اللّٰہِ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَ یُجْلِبُ الْھَمَّ مِنْ اِجْتِمَاعِ ھٰؤُلَآءِ عَلٰی بَاطِلِھِمْ وَ تَفَرُّقِکُمْ عَنْ حَقِّکُمْ) مجھے تعجب ہےاور بہت ہی تعجب ہے۔خدا کی قسم!ان لوگوں کا باطل پرایکا کرلینا اورتمہاری جمعیت کا حق سے منتشر ہوجانا،دل کومردہ کردیتا ہے اور رنج واندوہ بڑھادیتا ہے۔یعنی معاویہ کے پیروکاروں کو بخوبی علم ہے کہ وہ باطل پر ہیں۔اس کے باوجود بھی وہ متحد ہیں اور تمہیں اپنی حقانیت کا بھی یقین ہے پھر بھی تم انتشار کا شکار ہو۔اہل باطل کا اتحاد اور اہل حق کا انتشار موجب صد تعجب ہے۔(فَقُبْحًا لَّکُمْ وَ تَرَحًا حِیْنَ)تمہارا برا ہواورتم غم وحزن میں مبتلا رہو۔کیونکہ تم نے جہاد کوچھوڑ دیا تو اس کے نتیجے میں(صِرْتُمْ غَرَضًا یُّرْمٰی)تم نے اپنے آپ کو ازخود تیروں کا نشانہ بنالیا ہے۔کیا تمہیں اپنے اس طرز عمل پر ندامت نہیں اور اپنے اس قبیح فعل پر شرمندگی محسوس نہیں ہوتی؟۔(یُغَارُ عَلَیْکُمْ وَ لَا تُغِیْرُوْنَ وَ تُغْزَوْنَ وَ لَا تَغْزُوْنَ وَ یُعْصَی اللّٰہُ)تمہیں ہلاک وتاراج کیا جارہا ہے مگرتمہارے قدم حملے کے لئے اٹھتے ہی نہیں۔وہ تم سے لڑبھڑ رہے ہیں اورتم جنگ سے ہی جی چراتے ہو۔اوراللہ کی نافرمانیاں ہورہی ہیں۔یعنی معاویہ کالشکر تمہیں قتل کرکے،تمہارے مال کو لوٹ کراورتمہارے شہروں کو ویران کرکے اللہ کی دانستہ طور پر نافرمانی کئے جارہا ہے۔(وَ تَرْضَوْنَ)اوران حالات پرتم راضی ہورہے ہو؟۔ کیونکہ اگرتم ان حالات وسانحات پر راضی نہ ہوتے اور جوانمردوں کی طرح اپنی مادروطن کا دفاع کرتے تو تمہیں یہ برے دن دیکھنا نصیب نہ ہوتے۔

خوئے بدرابہانہ بسیار

تمہاری غیرت وحمیت اس درجہ ختم ہوگئی ہے کہ(فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِالسَّیْرِ فِیْ اَیَّامِ الْحَرِّ قُلْتُمْ ھٰذِہٖ حَمَّارَۃُ الْقَیْظِ اَمْھِلْنَا یَنْسَلِخْ عَنَّا الْحَرُّ)اگرگرمیوں میں تمہیں ان کی طرف بڑھنے کا کہتا ہوں تو یہ عذر کرتے ہوکہ یہ انتہائی گرمی کا زمانہ ہے،اتنی مہلت دیجئے

کہ گرمی کا زار ٹوٹ جائے۔(**وَ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِالسَّیْرِ اِلَیْھِمْ فِی الشِّتَآءِ قُلْتُمْ ھٰذِہٖ حَبَّارَۃُ الْقُرِّ اَمْھِلْنَا یَنْسَلِخْ عَنَّا الْبَرْدُ**)اور اگر تمہیں سردیوں میں چلنے کا کہتا ہوں تو اس وقت تم یہ عذر کرتے ہو کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ اتنا ٹھہر جایئے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔ (**کُلُّ ھٰذَا فِرَارًا مِّنَ الْحَرِّ وَ الْقُرِّ فَاِذَا کُنْتُمْ مِنَ الْحَرِّ وَ الْقُرِّ تَفِرُّوْنَ فَاَنْتُمْ وَ اللّٰہِ مِنَ السَّیْفِ اَفَرُّ**) یہ سب گرمی اور سردی سے بچنے کی باتیں ہیں۔ جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے زیادہ بھاگو گے۔ گرمی و سردی کا برداشت کرنا آسان ہے، لیکن تلواروں کے سامنے ٹھہرنا بڑا مشکل ہے۔(**یَا اَشْبَاہَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ حُلُوْمُ الْاَطْفَالِ وَ عُقُوْلُ رَبَّاتِ الْحِجَالِ**) اے مردوں کی شکل وصورت رکھنے والے نامردو! تم میں غیرت وحمیت نہیں ہے۔ اس لئے تم مرد کہلانے کے حقدار نہیں ہو۔ تمہاری عقلیں بچوں کی سی اور تمہاری سوچ حجلہ نشین عورتوں کی مانند ہے۔ جس طرح سے ایک بچے کی عقل کامل نہیں ہوتی اسی طرح سے تمہاری عقل بھی ناقص ہے۔ کیونکہ اگر تمہاری عقل کامل ہوتی تو صفین میں معاویہ وعمرو بن عاص کے بچھائے ہوئے دام میں کبھی نہ پھنستے اور جس طرح سے ایک عورت مصالح کی تدبیر سے عاجز ہوتی ہے اسی طرح سے تم بھی تدبیر مصالح سے عاجز ہو۔ تم میں نہ تو تدبیر جنگ پائی جاتی ہے اور نہ ہی چہروں کے انتظام وانصرام کا تم میں کوئی سلیقہ ہے۔

(**لَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَرَکُمْ**) میں تو یہی چاہتا تھا کہ کاش میں نے تمہیں کبھی نہ دیکھا ہوتا۔(**وَ لَمْ اَعْرَفْکُمْ مَعْرِفَۃً**)اور میری تم سے ایسی کوئی جان پہچان نہ ہوئی ہوتی۔(**وَ اللّٰہِ جَرَّتْ نَدَمًا وَ اَعْقَبَتْ سَدَمًا**) تمہاری یہ شناسائی میرے لئے ندامت اور رنج واندوہ کا باعث بنی ہے۔(**قَاتَلَکُمُ اللّٰہُ**) اللہ تمہیں غارت کرے۔ ابن انباری لکھتے ہیں کہ مقاتلہ باب مفاعلہ سے ہے جس میں طرفین ملوث ہوتے ہیں۔ چونکہ اللہ سے تو کوئی جنگ کر نہیں سکتا اسی لئے اس میں ایک طرف کا مفہوم ہوتا ہے اور اللہ کا مقاتلہ بھی اور حقیقی اور ظاہری اعتبار سے نہیں ہوتا اسی لئے اس کا لازمہ مراد لیا جاتا ہے۔ اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تم پر لعنت کرے اور تمہیں اپنی رحمت سے دور رکھے۔(**لَقَدْ مَلَئْتُمْ قَلْبِیْ قَیْحًا وَ شَحَنْتُمْ صَدْرِیْ غَیْظًا وَ جَرَّعْتُمُوْنِیْ نُغَبَ التَّھْمَامِ اَنْفَاسًا**) تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے میرے سینے کو غیظ وغضب سے چھلکا دیا ہے۔ اور تم نے غم وغصہ کے پے در پے گھونٹ مجھے پلائے ہیں۔(**وَ اَفْسَدْتُمْ عَلَیَّ رَأْیِیْ بِالْعِصْیَانِ وَ الْخِذْلَانِ**) اور تم نے نافرمانی کر کے میری تدبیر اور رائے کو تباہ کیا ہے۔ یعنی تم نے میری رائے پر عمل نہ کر کے اسے غیر مؤثر بنا دیا ہے۔

نوبت بایں جارسید

تمہاری مسلسل نافرمانی کی وجہ سے اب میرے حریف میرے متعلق زبان کھولنے لگے ہیں(**حَتّٰی قَالَتْ قُرَیْشٌ اِنَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَجُلٌ شُجَاعٌ وَّ لٰکِنْ لَّا عِلْمَ لَہٗ بِالْحَرْبِ**) یہاں تک کہ قریش بھی کہنے لگے کہ علیؑ ہے تو مرد شجاع لیکن جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں ہے۔ دنیا کا یہ دستور رہا ہے کہ فوجیوں کی غلطی سپہ سالار کے سر منڈھ دی جاتی ہے۔ اب تمہاری غلطیوں کی وجہ سے لوگ میرے متعلق باتیں بنانے لگے ہیں۔(**لِلّٰہِ اَبُوْھُمْ وَ ھَلْ اَحَدٌ مِّنْھُمْ اَشَدُّ لَھَا مِرَاسًا وَ اَقْدَمُ فِیْھَا مُقَامًا مِنِّیْ لَقَدْ نَھَضْتُ فِیْھَا وَ**

مَا بَلَغْتُ الْعِشْرِیْنَ وَ هَا اَنَا ذَا قَدْ ذَرَّفْتُ عَلَی السِّتِّیْنَ)اللہ ان سے سمجھے، کیا ان میں سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کا تجربہ رکھنے والا ہو اور میدان وغا میں میرے پہلے سے کارہائے نمایاں کئے ہوئے ہو؟۔ میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب وضرب کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اب تو ساٹھ سے بھی اوپر کا ہو گیا ہوں۔ قریش کا میرے متعلق یہ گمان غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے(**وَ لٰکِنْ لَا رَأْیَ لِمَنْ لَّا یُطَاعُ**)لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔ حضرتؑ کے حریفوں کو یہ الفاظ کہنے کا اس لئے موقع ملا کہ آپ ہر صورت میں اور ہر قیمت پر شریعت کی اتباع کرتے تھے اور ناجائز کسی پر بھی حملہ نہیں کرتے تھے اور رشوت ولالچ اور دھمکیوں کے ذریعہ سے بااثر افراد کو اپنا ہم نوا بنانے کے قائل نہیں تھے، جبکہ آپؑ کا حریف یہ سب کچھ کر گزرتا تھا۔ اس لئے ایک موقع پر آپؑ نے فرمایا تھا: ''لَوْلَا الدِّیْنُ وَالتُّقٰی لَکُنْتُ اَدْهَی الْعَرَبِ '' اگر دین وتقویٰ کی پاسداری مطلوب نہ ہوتی تو پھر میں عرب کا سب سے بڑا سیاستدان کہلاتا۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں ارشاد القلوب کے حوالہ سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا: ''ایک دن امیر المؤمنینؑ منبر پر تشریف فرما تھے اور اپنے اصحاب کو معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں دو شخص کسی فیصلے کے لئے آپؑ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے کلام میں جلدی کی اور کچھ ناروا کلمات کہے۔ امیر المؤمنینؑ نے اس کی طرف دیکھا اور اسے کتے کی طرح دھتکار کر فرمایا (اُخْسَأْ) دور ہٹ۔ اتنا فرمانا تھا کہ اس شخص کا سر کتے کی طرح ہو گیا۔ تمام حاضرین یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ اس شخص نے تضرع وزاری کرنی شروع کر دی اور حاضرین نے اس کی غلطی کی معافی کی درخواست کی۔ حضرتؑ نے اس کی طرف دیکھا اور لبوں کو جنبش دی تو وہ شخص پہلے کی طرح صحیح سالم انسان بن گیا۔ جب آپؑ کے اصحاب نے یہ منظر دیکھا تو چیخ کر کہنے لگے: ''مولاؑ! جب آپؑ کو اللہ نے یہ قدرت عطا کی ہے تو آپؑ، لوگوں کو معاویہ کے مقابلے کی ترغیب کیوں دے رہے ہیں؟ اسے اپنی الٰہی طاقت سے ہلاک کیوں نہیں کر دیتے؟''۔ آپؑ نے کچھ دیر سر جھکایا اور پھر بلند کر کے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور جان کو پیدا کیا۔ اگر میں چاہوں تو اپنی اس ٹانگ کو پھیلاؤں اور صحراؤں اور جنگلوں کو عبور کرتی ہوئی معاویہ کے سینے پر جا لگے اور وہ سر کے بل زمین پر آ گرے۔ اور اگر میں چاہوں تو چشم زدن سے بھی قبل اسے اپنے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن اس قوت کے باوجود ہم امر الٰہی سے سبقت نہیں کرتے اور اس کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں''۔

اس واقعہ کے بعد علامہ مجلسی نے بحار میں ارشاد کے حوالہ سے میثم تمار کی روایت نقل کرتے ہیں۔ میثم نے فرمایا: ''امیر المؤمنینؑ مسجد کوفہ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور لوگ آپؑ کے خطبہ کے حسن وعظ اور ترغیب وترہیب سے محظوظ ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور فریاد کر کے کہنے لگا: ''امیر المؤمنینؑ! فریاد ہے، فریاد ہے۔ آپؑ اپنی رعیت اور شیعوں کی فریاد کو پہنچیں۔ معاویہ کے لشکر نے ہیت اور انبار میں غارت گری کی ہے''۔ امیر المؤمنینؑ نے اپنا خطبہ ختم کر دیا اور فرمایا: ''معاویہ کے لشکر کے کچھ گھڑ سوار انبار کی حدود میں داخل ہوئے اور انہوں نے سات عورتوں اور سات لڑکوں اور سات لڑکیوں کو قتل کیا ہے اور ان کی لاشوں کی تشہیر کی ہے اور پھر گھوڑوں سے ان کی لاشوں کو پامال کر کے کہا کہ یہ ہماری طرف سے علیؑ کے لئے تحفہ ہے''۔ یہ سن کر ابراہیم بن حسن ازدی نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: ''امیر المؤمنینؑ آپؑ منبر پر بیٹھ کر قوت امامت سے دیکھ سکتے ہیں کہ معاویہ کے لشکر نے اہل انبار پر یہ ستم ڈھائے ہیں۔ لیکن قوت امامت سے معاویہ

کوسزانہیں دے سکتے اور ہمیں یہ ترغیب دیتے ہیں کہ ہم اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''ابراہیم! میں چاہتا ہوں کہ جو زندہ رہے، دلیل و برہان سے زندہ رہے اور جو ہلاک ہو وہ بھی دلیل و برہان سے ہلاک ہو''۔حضرتؑ کی زبان سے یہ ارشاد سن کر شیعوں نے چیخ چیخ کر کہا:''مولاؑ! کب تک کوئی دلیل و برہان سے زندہ اور ہلاک ہوتا رہے گا؟۔اس عرصہ میں آپؑ کے شیعہ تو تباہ ہو جائیں گے''۔حضرتؑ نے فرمایا:''لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا یہاں تک کہ جس امر کو ہو کر رہنا ہے اللہ اس کا فیصلہ کرے''۔

پھر زید بن کثیر مرادی اٹھا اور چیخ کر کہنے لگا:''مولاؑ! کل کی بات ہے، ایک شخص نے زبان درازی کی تو اس کا سر کتے کا بن گیا۔ پھر ہم نے آپؑ سے درخواست کی تو وہ اپنی اصل حالت میں لوٹ آیا۔ جب آپؑ کے پاس اتنی قوت موجود ہے تو آپؑ ہمیں معاویہ کے شر سے نہیں بچاتے اور پھر ہم سے یہ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو اپنی یہ لات معاویہ کے سینے پر مار کر اسے سر کے بل زمین پر گرا دوں۔ بھلا جب آپؑ کے پاس اللہ کی عطا کردہ اتنی قوت موجود ہے تو آپؑ ایسا کیوں نہیں کرتے اور آپؑ کے ایسا نہ کرنے سے ہمارے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے اور ہم دوزخ کا ایندھن بن جائیں گے۔خدا کے لئے کچھ تو کریں''۔امیر المؤمنینؑ نے فرمایا:''اچھا میں ابھی ایسا کرتا ہوں''۔پھر آپؑ نے اپنی ایک ٹانگ کو دراز کیا تو وہ ٹانگ اتنی لمبی ہوگئی کہ دور ازہ مسجد سے بھی نکل گئی اور اتنی دور تک چلی گئی کہ کسی کی نگاہ کی رسائی وہاں تک نہ ہوتی تھی۔پھر آپؑ نے اپنی ٹانگ کو سمیٹ لیا۔اور فرمایا:''لوگو! اس وقت اور اس دن کو لکھ لو۔میں نے ابھی ابھی اپنا پاؤں معاویہ کے سینے پر مارا تو وہ تخت سے اچھل کر زمین پر جا گرا۔جب اس نے میری لات کو دیکھا تو چیخ کر کہا کہ امیر المؤمنینؑ! مہلت دیں۔ میں نے اپنی ٹانگ پھر سمیٹ لی ہے''۔

لوگوں نے حضرتؑ کے فرمان کے مطابق دن اور وقت لکھ لیا۔چند دن کے بعد شام سے ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ فلاں دن اور فلاں گھڑی، ایک ٹانگ کوفہ کی طرف سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور معاویہ کے ایوان میں آئی، اس وقت معاویہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر معاویہ کے سینے پر زور سے لات لگی تو وہ تخت سے اچھل کر سر کے بل زمین پر گرا۔جیسے ہی معاویہ زمین پر گرا تو اس نے چیخ کر کہا کہ امیر المؤمنینؑ! مہلت کہاں گئی؟ پھر اچانک وہ ٹانگ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی''۔جب کوفہ والوں نے ایک شامی کی زبانی یہ واقعہ سنا تو انہیں یقین ہوگیا کہ امیر المؤمنینؑ نے سچ فرمایا تھا۔

تکمیل

ہم نے خطبہ کے آغاز میں لکھا تھا کہ یہ خطبہ حضرتؑ کے مشہور خطبات میں سے ہے اور علمائے خاصہ وعامہ کی ایک جماعت نے اسے نقل کیا ہے۔شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطبہ کو معانی الاخبار میں نقل کیا ہے۔سید رضی اور شیخ صدوق کے بیان کردہ خطبات میں چند فقرات کا اختلاف ہے۔اسی لئے اضافہ بصیرت کے لئے ہم اس خطبہ کو معانی الاخبار سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔شیخ صدوق نے متصل اسناد کے ساتھ لکھا کہ امیر المؤمنینؑ کو یہ خبر ملی کہ معاویہ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر نے انبار پر حملہ کیا اور حضرتؑ کے گورنر حسان بن حسان البکری کو شہید کر دیا پھر شہر میں لوٹ مار کی۔یہ خبر سن کر حضرتؑ انتہائی غضب ناک ہوئے اور تن تنہا چل پڑے یہاں تک کہ

نخیلہ آ گئے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی حضرتؑ کے پیچھے ہو لئے۔ پھر آپؑ نے مقام نخیلہ پر ایک بلندی پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسولؐ خدا پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا:

''اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَتَحَهُ اللّٰهُ لِخَاصَّةِ اَوْلِيَائِهٖ وَ هُوَ لِبَاسُ التَّقْوٰى وَ دِرْعُ اللّٰهِ الْحَصِيْنَةُ وَ جُنَّتُهُ الْوَثِيْقَةُ فَمَنْ تَرَكَ رَغْبَةً عَنْهُ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذُّلِّ وَ سِيْمَاءَ الْخَسْفِ وَ دُيِّثَ بِالصِّغَارِ وَ قَدْ دَعَوْتُكُمْ اِلٰى حَرْبِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَيْلًا وَنَهَارًا وَ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَقُلْتُ لَكُمُ اغْزُوْهُمْ قَبْلَ اَنْ يَّغْزُوْكُمْ فَوَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا غُزِىَ قَوْمٌ قَطُّ فِىْ عُقْرِ دَارِهِمْ اِلَّا ذَلُّوْا فَتَوَاكَلْتُمْ وَتَخَاذَلْتُمْ وَثَقَلَ عَلَيْكُمْ قَوْلِىْ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَائَكُمْ ظِهْرِيًّا حَتّٰى شُنَّتْ عَلَيْكُمُ الْغَارَاتُ هٰذَا اَخُوْغَامِدٍ قَدْ وَرَدَتْ خَيْلُهُ الْاَنْبَارَ وَقَتَلُوْا حَسَّانَ بْنَ حَسَّانٍ وَرِجَالًا مِّنْهُمْ كَثِيْرًا وَّ نِسَاءً فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَقَدْ بَلَغَنِىْ اَنَّهٗ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْاَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْمُعَاهَدَةِ فَيَنْتَزِعُ اَحْجَالَهُمَا وَرَعْثَهُمَا ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَوْفُوْرِيْنَ لَمْ يُكْلَمْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ كَلْمًا فَلَوْ اَنَّ امْرَأً مُسْلِمًا مَاتَ مِنْ دُوْنِ هٰذَا اَسَفًا مَاكَانَ فِيْهِ عِنْدِىْ مَلُوْمًا بَلْ كَانَ بِهٖ عِنْدِىْ جَدِيْرًا فَيَا عَجَبًا كُلَّ الْعَجَبِ مِنْ تَظَافُرِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَ فَشَلِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ اِذَا قُلْتُ لَكُمُ اغْزُوْهُمْ فِى الشِّتَآءِ قُلْتُمْ هٰذَا اَوَانُ قُرٍّ وَّ صُرٍّ وَ اِذَا قُلْتُ لَكُمُ اغْزُوْهُمْ فِى الصَّيْفِ قُلْتُمْ هٰذَا حَمَّارَةُ الْقَيْظِ اَنْظِرْنَا يَنْصَرِمُ الْحَرُّ عَنَّا فَاِذَا كُنْتُمْ مِنَ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ تَفِرُّوْنَ فَاَنْتُمْ وَ اللّٰهِ مِنَ السَّيْفِ اَفَرُّ يَا اَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ وَيَا طُغَامَ الْاَحْلَامِ وَيَا عُقُوْلَ رَبَّاتِ الْحِجَالِ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَفْسَدْتُمْ عَلَىَّ رَأْيِىْ بِالْعِصْيَانِ وَ لَقَدْ مَلَئْتُمْ قَلْبِىْ غَيْظًا حَتّٰى قَالَتْ قُرَيْشٌ اِنَّ ابْنَ اَبِىْ طَالِبٍ شُجَاعٌ وَّ لٰكِنْ لَّا رَأْىَ لَهٗ بِالْحَرْبِ لِلّٰهِ دَرُّهُمْ وَ مَنْ ذَا يَكُوْنُ اَعْلَمُ بِهَا وَ اَشَدُّ لَهَا مِرَاسًا مِنِّىْ فَوَ اللّٰهِ لَقَدْ نَهَضْتُ فِيْهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِيْنَ وَ لَقَدْ نَيَّفْتُ عَلَى السِّتِّيْنَ وَ لٰكِنْ لَا رَأْىَ لِمَنْ لَّا يُطَاعُ''(يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا)

حمد وثناء کے بعد واضح ہو کہ جہاد، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولا ہے۔ یہ پرہیزگاری کا لباس، اللہ کی محکم زرہ اور مضبوط ڈھال ہے۔ جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہے، اللہ اسے ذلت کا لباس پہنا دیتا ہے، رسوائی کی علامتیں اس میں پیدا کر دیتا ہے اور اسے ذلت کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ میں نے اس قوم سے لڑنے کے لئے تمہیں شب و روز اور اعلانیہ اور پوشیدہ پکارا اور تم سے کہا کہ قبل اس کے کہ وہ تم پر حملہ کریں تم ان پر حملہ کر دو۔ اور خدا کی قسم! جن افراد قوم پر ان کے گھروں کے حدود کے اندر ہی حملہ ہو جاتا ہے، وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ لیکن تم نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے۔ اور تم نے میرے فرمان کو پس پشت ڈال دیا۔ یہاں تک کہ تم پر غارت گریاں ہوئیں۔ اسی بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) ہی کو دیکھ لو کہ اس کی فوج کے سوار انبار شہر کے اندر پہنچ گئے اور انہوں نے حسان بن حسان اور بہت سے مردوں اور عورتوں کو قتل کر دیا۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، انہوں نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس کر ان کی پازیب اور گوشوارے اتار لئے تھے۔ پھر وہ لدے پھندے پلٹ گئے اور ان میں سے کسی کو کوئی زخم تک بھی نہیں آیا۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج وملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک تو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

انتہائی تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ باطل پر ہونے کے باوجود کامیاب ہوں اور تم حق پر ہوتے ہوئے بھی ناکام رہو!۔ جب میں تم

سے کہتا ہوں کہ سردیوں میں ان سے جنگ کرو تو تم کہتے ہو کہ یہ جاڑے اور سردی کے دن ہیں۔ اور اگر میں تم سے کہتا ہوں کہ گرمیوں میں ان سے جنگ کرو تو تم کہتے ہو کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے، اتنی مہلت دیجئے کہ گرمیوں کا زور ٹوٹ جائے۔ جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے زیادہ تیز بھاگو گے۔ اے مردوں کی شکل وصورت رکھنے والے نامردو! اے جھوٹے خوابوں سے وابستہ رہنے والی رسیو! اے حجلہ نشین عورتوں جیسی عقل رکھنے والے لوگو! نافرمانی کر کے تم نے میری تدبیر اور رائے کو تباہ کر دیا۔ اور تم نے میرے دل کو غصہ سے بھر دیا۔ یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ ابو طالب کا بیٹا ویسے تو بہادر ہے لیکن وہ جنگ کی رائے سے محروم ہے۔ خدا ان سے سمجھے، مجھ سے بڑھ کر جنگ کو جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور مجھ سے زیادہ جنگ کا تجربہ رکھنے والا کون ہے؟۔ خدا کی قسم! میں نے تو جس وقت حرب وضرب کے میدان میں قدم رکھا تھا تو اس وقت میں ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا اور اب تو ساٹھ سے بھی اوپر کا ہو گیا ہوں۔ (بعد ازاں آپؑ نے تین بار یہ جملہ دہرایا:) لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔

اس وقت ایک شخص اپنے بھائی سمیت کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''میں اور میرا بھائی جنگ کے لئے آمادہ ہیں۔ آپؑ ہمیں حکم صادر فرمائیں ہم آپؑ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اگر چہ ہمارے سامنے درخت غضا کے جلتے ہوئے انگارے اور درخت قتاد کے کانٹے بھی حائل ہو جائیں، تو بھی ہم آپؑ کے فرمان کی تعمیل کریں گے۔ اور اس کے لئے ہم بھائیوں کا معاملہ بھی وہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا تھا ﴿رَبِّ اِنِّیۡ لَا اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ﴾ خدایا! میں اپنی جان اور بھائی کے علاوہ کسی کا مالک نہیں ہوں''۔ حضرتؑ نے انہیں دعا دی اور فرمایا: ''جو کچھ میں چاہتا ہوں تم دو آدمی اسے کیسے کر سکتے ہو؟''۔ پھر آپؑ منبر سے نیچے تشریف لائے۔ ابراہیم کتاب الغارات میں لکھتے ہیں کہ کھڑا ہونے والا شخص جندب بن عفیف ازدی تھا اور اس کے ساتھ اس کا بھائی عبدالرحمٰن یا عبداللہ بن عفیف ازدی تھا۔ وَ اللّٰہ الۡعَالِمُ بِحَقَائِقِ الۡاُمُوۡرِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

خطبہ ۲۸

علامہ مجلسیؒ نے اسی خطبہ کو بحار الانوار میں محمد بن طلحہ کی کتاب مطالب السؤل اور ارشاد دیلمی سے چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔

زہد دنیا اور رغبت آخرت کی ترغیب

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامِ

آپؑ ہی کے کلام کا ایک حصہ ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَ اٰذَنَتْ بِوَدَاعٍ وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدْ اَشْرَفَتْ بِاطِّلَاعٍ اَلَا وَ اِنَّ الْيَوْمَ الْمِضْمَارُ وَ غَدًا السِّبَاقُ وَ السَّبَقَةُ الْجَنَّةُ وَ الْغَايَةُ النَّارُ اَفَلَا تَائِبٌ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ قَبْلَ مَنِيَّتِهٖ؟ اَلَا عَامِلٌ لِنَفْسِهٖ قَبْلَ يَوْمِ بُؤْسِهٖ؟ اَلَا وَ اِنَّكُمْ فِيْ اَيَّامِ اَمَلٍ مِّنْ وَّرَائِهٖ اَجَلٌ فَمَنْ عَمِلَ فِيْ اَيَّامِ اَمَلِهٖ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهٖ فَقَدْ نَفَعَهٗ عَمَلُهٗ وَ لَمْ يَضُرُّهُ اَجَلُهٗ وَ مَنْ قَصَّرَ فِيْ اَيَّامِ اَمَلِهٖ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهٖ فَقَدْ خَسِرَ عَمَلُهٗ وَ ضَرَّهٗ اَجَلُهٗ اَلَا فَاعْمَلُوْا فِي الرَّغْبَةِ كَمَا تَعْمَلُوْنَ فِي الرَّهْبَةِ اَلَا وَ اِنِّيْ لَمْ اَرَ كَالْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا وَ لَا كَالنَّارِ نَامَ هَارِبُهَا اَلَا وَ اِنَّهٗ مَنْ لَّا يَنْفَعُهُ الْحَقُّ يَضُرُّهُ الْبَاطِلُ وَ مَنْ لَّا يَسْتَقِيْمُ بِهِ الْهُدٰى يَجُرُّ بِهِ الضَّلَالُ اِلَى الرَّدٰى اَلَا وَ اِنَّكُمْ وَ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَ دُلِلْتُمْ عَلَى الزَّادِ وَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَ طُوْلُ الْاَمَلِ تَزَوَّدُوْا مِنَ الدُّنْيَا مَا تَجْهَزُوْنَ

دنیا نے پیٹھ پھیر کر اپنے رخصت ہونے کا اعلان اور منزل عقبیٰ نے سامنے آ کر اپنی آمد سے آگاہ کر دیا ہے۔ آج کا دن تیاری کا ہے اور کل دوڑ کا ہوگا مقصد تو جنت ہے اور جہاں کچھ اشخاص (اپنے اعمال کی بدولت بلا اختیار) پہنچ جائیں گے وہ دوزخ ہے، کیا موت سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا کوئی نہیں؟ اور کیا اس روزِ مصیبت کے آنے سے قبل عمل خیر کرنے والا ایک بھی نہیں؟ تم امیدوں کے دور میں ہو جس کے پیچھے موت کا ہنگام ہے۔ تو جو شخص موت سے پہلے ان امیدوں کے دنوں میں عمل کر لیتا ہے تو یہ عمل اس کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے اور موت اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ اور جو شخص موت سے قبل زمانہ امید و آرزو میں کوتاہیاں کرتا ہے تو وہ عمل کے اعتبار سے نقصان رسیدہ رہتا ہے اور موت اس کیلئے پیغام ضرر لے کر آتی ہے۔ لہٰذا جس طرح ناگوار حالات میں نیک اعمال میں منہمک رہتے ہو ویسے ہی مسرت افزا حالات میں بھی نیک اعمال کرو مجھے جنت ایسی چیز نظر آتی ہے جس کا طلب گار سویا پڑا ہوا اور جہنم بھی ایسی شئے نظر آتی ہے جس سے دور بھاگنے والا خواب غفلت میں محو ہو۔ جو حق سے فائدہ نہیں اٹھاتا اسے باطل کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اور جس کو ہدایت ثابت قدم نہ رکھے اسے گمراہی ہلاکت کی طرف کھینچ کر لے جائے گی، تمہیں کوچ کا حکم مل چکا ہے اور زاد راہ کا پتہ بتایا جا چکا ہے۔ مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ دو ہی چیزوں کا خطرہ ہے ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسری امیدوں کا پھیلاؤ، اس دنیا میں رہتے

(تَحْرُزُوْنَ خ ل) بِهٖ اَنْفُسَكُمْ غَدًا.

(اَقُوْلُ) اِنَّهٗ لَوْ كَانَ كَلَامٌ يَّأْخُذُ بِالْاَعْنَاقِ اِلَى الزُّهْدِ فِى الدُّنْيَا وَ يَضْطَرُّ اِلٰى عَمَلِ الْاٰخِرَةِ لَكَانَ هٰذَا الْكَلَامُ وَ كَفٰى بِهٖ قَاطِعًا لِعَلَائِقِ الْاٰمَالِ وَ قَادِحًا زِنَادَ الْاِتِّعَاظِ وَ الْاِزْدِجَارِ وَ مِنْ اَعْجَبِهٖ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ ''اَلَا وَ اِنَّ الْيَوْمَ الْمِضْمَارُ وَ غَدًا السِّبَاقُ وَ السَّبَقَةُ الْجَنَّةُ وَ الْغَايَةُ النَّارُ'' فَاِنَّ فِيْهِ مَعَ فَخَامَةِ اللَّفْظِ وَ عَظْمِ قَدْرِ الْمَعْنٰى وَ صَادِقِ التَّمْثِيْلِ وَ وَاقِعِ التَّشْبِيْهِ سِرًّا عَجِيْبًا وَ مَعْنًا لَطِيْفًا وَ هُوَ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ ''وَ السَّبَقَةُ الْجَنَّةُ وَ الْغَايَةُ النَّارُ'' فَخَالَفَ بَيْنَ اللَّفْظَيْنِ لِاخْتِلَافِ الْمَعْنَيَيْنِ وَ لَمْ يَقُلْ اَلسَّبَقَةُ النَّارُ كَمَا قَالَ السَّبَقَةُ الْجَنَّةُ لِاَنَّ الْاِسْتِبَاقَ اِنَّمَا يَكُوْنُ اِلٰى اَمْرٍ مَّحْبُوْبٍ وَّ غَرَضٍ مَّطْلُوْبٍ وَ هٰذِهٖ صِفَةُ الْجَنَّةِ وَ لَيْسَ هٰذَا الْمَعْنٰى مَوْجُوْدًا فِى النَّارِ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا فَلَمْ يَجُزْ اَنْ يَّقُوْلَ وَ السَّبَقَةُ النَّارُ بَلْ قَالَ وَ الْغَايَةُ النَّارُ لِاَنَّ الْغَايَةَ يَنْتَهِىْ اِلَيْهَا مَنْ لَّا يَسُرُّهُ الْاِنْتِهَاءُ اِلَيْهَا وَ مَنْ يَّسُرُّهُ ذَالِكَ فَصَلَحَ اَنْ يُّعَبَّرَ بِهَا عَنِ الْاَمْرَيْنِ مَعًا فَهِىَ فِىْ هٰذَاالْمَوْضِعِ كَالْمَصِيْرِ وَ الْمَآلِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ﴾ وَ لَا يَجُوْزُ فِىْ هٰذَاالْمَوْضِعِ اَنْ يُّقَالَ

ہوئے اس سے اتنا زاد لے لو جس سے کل اپنے نفسوں کا بچا سکو۔

سید رضی کہتے ہیں کہ اگر کوئی کلام گردن پکڑ کر زہد دنیوی کی طرف لانے والا اور عمل اخروی کے لئے مجبور و مضطر کر دینے والا ہوسکتا ہے تو وہ یہی کلام ہے۔ جو امیدوں کے بندھنوں کو توڑنے اور وعظ و سرزنش سے اثر پذیری کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے کافی ووافی ہے۔ اس خطبے میں یہ جملہ ''**اَلَا وَ اِنَّ الْيَوْمَ الْمِضْمَارُ وَ غَدًا السِّبَاقُ وَ السَّبَقَةُ الْجَنَّةُ وَ الْغَايَةُ النَّارُ**'' تو بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ اس میں لفظوں کی جلالت، معنی کی بلندی، سچی تمثیل اور صحیح تشبیہ کے ساتھ ساتھ عجیب اسرار اور باریک نکات ملتے ہیں۔ حضرتؑ نے اپنے ارشاد ''**السَّبَقَةُ الْجَنَّةُ وَ الْغَايَةُ النَّارُ**'' میں دو جداگانہ الفاظ ''**السَّبَقَةُ**''، ''**الْغَايَةُ**'' استعمال کئے ہیں۔ جنت کے لئے لفظ ''**السَّبَقَةُ**'' (بڑھنا) فرمایا ہے جبکہ جہنم کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں فرمایا کیونکہ سبقت اس چیز کی طرف کی جاتی ہے جو مطلوب و مرغوب ہو اور یہ بہشت ہی کی شان ہے۔ اور دوزخ میں (خدا کی اس سے پناہ) مرغوبیت اور مطلوبیت کہاں کہ اس کی جستجو اور تلاش میں بڑھا جائے؟ اس بنا پر ''**السَّبَقَةُ النَّارُ**'' کہنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے آپؑ نے ''**الْغَايَةُ النَّارُ**'' فرمایا اور غایت صرف اس منزل منتہا کو کہتے ہیں جس تک پہنچا جائے خواہ رنج و کوفت سے ہو یا شادمانی و مسرت سے۔ پس یہ ان دونوں معنوں کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بہرحال اسے مصیر و مآل (بازگشت) کے معنی میں سمجھنا چاہئے اور ارشاد قرآنی ہے ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ﴾ (کہہ دو کہ تم دنیا سے اچھی طرح حظ اٹھا لو، آخر کو تمہاری بازگشت جہنم کی طرف ہے) یہاں ''مَصِيْرُكُمْ'' کی بجائے ''سَبَقَتُكُمْ'' کہنا صحیح و درست نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس میں غور و فکر کرو اور دیکھو کہ اس کا باطن کتنا عجیب ہے اور اس کا گہراؤ لطافتوں کو لئے ہوئے کتنی

فَاِنَّ سَبَقَتُكُمْ بِسُكُوْنِ الْبَاءِ اِلَى النَّارِ فَتَاَمَّلْ ذَالِكَ فَبَاطِنُهٗ عَجِيْبٌ وَ غَوْرُهٗ بَعِيْدٌ لَطِيْفٌ وَ كَذَالِكَ اَكْثَرُ كَلَامِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ (وَ فِىْ بَعْضِ النُّسَخِ) وَ قَدْ جَآءَ فِىْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى (وَ السُّبْقَةُ الْجَنَّةُ) بِضَمِّ السِّيْنِ وَ السُّبْقَةُ عِنْدَهُمْ اِسْمٌ لِّمَا يُجْعَلُ لِلسِّبَاقِ اِذَا سَبَقَ مِنْ مَالٍ اَوْ عِرْضٍ وَ الْمَعْنَيَانِ مُتَقَارِبَانِ لِاَنَّ ذَالِكَ لَا يَكُوْنُ جَزَاءً عَلٰى فِعْلِ الْاَمْرِ الْمَذْمُوْمِ وَ اِنَّمَا يَكُوْنُ جَزَاءً عَلٰى فِعْلِ الْاَمْرِ الْمَحْمُوْدِ

دور تک چلا گیا ہے۔ اور حضرتؑ کا بیشتر کلام اسی انداز پر ہوتا ہے۔ اور بعض روایتوں میں سین کے ضمہ کے ساتھ ''**السُّبَقَةُ**'' بھی آیا ہے اور ''**السُّبَقَةُ**'' اس مال ومتاع کو کہتے ہیں جو آگے نکل جانے والے کے لئے بطور انعام رکھا جائے۔ بہرصورت دونوں کے معنی قریب قریب یکساں ہیں اس لئے کہ معاوضہ و انعام کسی قابل مذمت فعل پر نہیں ہوتا بلکہ کسی اچھے اور لائق ستائش کارنامے کے بدلے ہی میں ہوتا ہے۔

تشریح لغت (اَذَنَتْ) یعنی اعلان کر دیا اور اسی سے لفظ ''اَذَانٌ'' ماخوذ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ مشرکین سے بیزار ہیں۔ (اَشْرَفَ) بلند ہو کر چہرہ دکھایا۔ (اِطِّلَاعٌ) خبر کرنا اور جاننا اس لفظ کا تعلق باب افتعال سے ہے۔ (ضَمَّرَ الْخَيْلَ تَضْمِيْرًا) گھوڑے کو خوب کھلا پلا کر مقابلہ کیلئے تیار کرنا۔ (مِضْمَارٌ) جولانگاہ اور وہ مقام جہاں دوڑ کی انتہا ہو۔ (اَلسِّبَاقُ) گھوڑ دوڑ کا مقابلہ۔ (اَلسُّبْقَةُ) جیتنے والے کا انعام، جیسا کہ سید رضیؒ نے خود فرمایا ہے۔ (اَلْبُؤْسُ) سختی، پریشان حالی۔ (ظَعْنٌ) اس کا مصدر عین کے سکون وحرکت سے باب ''مَنَعَ'' سے آتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے حرکت کرنا، چل پڑنا۔ (تَجَهَّزْتُ) اَلْاَمْرَ كَذَا یعنی میں نے فلاں کام کی تیاری کر لی۔ اس لئے ''جَهَازُ الْعَرُوْسِ'' دلہن کے اس (جہیز کے) سامان کو کہتے ہیں جو والدین اسے رخصتی کے وقت دیتے ہیں۔ اور اسی سے ''جَهَازُ الْمُسَافِرِ'' کے الفاظ بنے یعنی وہ سامان جو مسافر اپنے سفر کے لئے (بطور زادراہ) اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور سورہ یوسف میں بھی انہی معنوں کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کرایا۔

مفہوم عبارت

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ دراصل خطبہ ۴۴ کا ایک حصہ ہے جو کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرُ مَقْنُوْطٍ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ'' کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ہم روایت صدوقؒ کے مطابق اس کے اصل مقام پر اسے نقل کریں گے۔ سید رضیؒ نے اسے علیحدہ بیان کیا ہے۔ در

اصل سید کے مدنظر نظم وترتیب نہیں تھی، ان کے مدنظر علمی نکات تھے اور انہوں نے خطبہ کتاب میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آپؑ کا یہ خطبہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی ترغیب کے متعلق ہے۔ آپؑ نے دنیائے فانی پر بھروسہ نہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا (اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الدُّنْیَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَ اٰذَنَتْ بِوِدَاعٍ) دنیا نے پیٹھ پھیر کر اپنے رخصت ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ سے آپؑ نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ دنیا کے موجودہ حالات سمٹ چکے اور اس کے تمام لذات کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ آپؑ کی طرف منسوب دیوان کے یہ اشعار بھی دنیا کی بے ثباتی کی طرف اشارہ کرتے ہیں

رَاَیْتُ الدَّهْرَ مُخْتَلِفًا یَّدُوْرُ فَلَا حُزْنٌ یَّدُوْمُ وَ لَا سُرُوْرٌ

وَ قَدْ بَنَتِ الْمُلُوْكُ بِهٖ قُصُوْرًا فَمَا بَقِیَ الْمُلُوْكُ وَ لَا الْقُصُوْرُ

میں نے زمانہ کو گردش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں نہ تو غم ہمیشہ رہتا ہے اور نہ ہی یہاں کی خوشی دائمی ہے۔ بادشاہوں نے یہاں محلات تعمیر کئے، لیکن نہ تو بادشاہ رہے اور نہ ہی ان کے محل باقی رہے۔

امیر المؤمنینؑ نے لذات دنیا کو اِدبار سے اس لئے تعبیر کیا ہے کیونکہ یہ انسان سے دور ہو جاتی ہیں۔ اگر بالفرض دنیا کسی کا ساتھ بھی دے تو وہ شخص دنیا کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آخر کار موت اسے تمام لذات سے جدا کر دے گی۔ اور آپؑ نے لفظ ''اِدْبَارٌ'' سے لذات دنیا کی تشبیہ منہ موڑنے والے جانور سے دی ہے اور انسان کو اس کی جدائی ناگوار ہے اس لئے آپؑ نے اس کے لئے وداع کا حسین لفظ استعمال فرمایا (یہاں مناسب تھا کہ شارح اگر دنیا کی تشبیہ بیان کرنا بھی چاہتے تھے تو اس کی تشبیہ دھوکا دے کر منہ موڑنے والی دغاباز حسینہ سے دیتے، کیونکہ اس کے لئے ہمارے پاس خود حضرتؑ کا کلام بطور دلیل موجود ہے، جب دنیا ان کے سامنے ایک حسین وجمیل دوشیزہ کے روپ میں ظاہر ہوئی اور انہوں نے اس کا نام پوچھا جس پر اس نے اپنا نام دنیا بتایا تو انہوں نے دنیا سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا ''اِلَیْکِ عَنِّیْ یَا دُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ فَقَدْ طَلَّقْتُکِ ثَلَاثًا لَّا رَجْعَةَ فِیْهَا'' کہ اے دنیا! مجھ سے دور ہو جا اور جا کر کسی اور کو دھوکہ دے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دے رکھی ہیں جس میں پلٹنے کا امکان نہیں ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خوبرو عورتوں اور دوشیزاؤں کی جدائی بھی عام لوگوں کے لئے نہایت شاق ہوتی ہے اور آج کل کے زمانے میں اس پر تبصرے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس خطبہ میں بھی انہوں نے ''آذَنَتْ بِوِدَاعٍ'' کے جملے سے یہ اشارہ بھی دیا ہے کہ وہ کوئی بولنے والی چیز ہے جو رخصت ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ نیز تکمیل کے تحت عنوان مصنف نے امامؑ عالی مقام کا جو دوسرا خطبہ نقل کیا ہے اس میں آپؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا کے بیٹے ہوتے ہیں لیکن تم لوگ دنیا کے فرزند نہ بننا جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی تشبیہ عورت سے دینا بہتر ہے۔ از مترجم)۔ اور آپؑ نے غافل انسان کو یہ پیغام دیا ہے کہ دنیا زبان حال سے اسے الوداع کہہ رہی ہے مگر اس کے باوجود بھی انسان کی غفلت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اس پر والہ وشیدا نظر آتا ہے اور اس کے برعکس آخرت اپنی آمد کا اعلان کرتی ہوئی بڑھ رہی ہے۔

(وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدْ اَشْرَفَتْ بِاطِّلَاعٍ) منزل عقبیٰ نے سامنے آ کر اپنی آمد کا اعلان کر دیا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''پیارے فرزند! جب سے تو نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے تو لحہ لحہ دنیا سے دور ہوتا جا رہا ہے اور قدم بقدم آخرت

کے قریب ہو رہا ہے۔تمہاری زندگی کے جتنے بھی دن گذر رہے ہیں تم اتنا ہی دنیا سے دور اور آخرت کے قریب ہوتے چلے جا رہے ہو''۔ شارح بحرانیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت سے مراد مابعد الموت کی سعادت وشقاوت ہے اور انسانی عمر کا اختتام، اس سے قریب کرنے والا ہے۔ اسی لئے مولائے متقیانؑ نے اسے لفظ ''اِقْبَالٌ'' سے تعبیر فرمایا ہے اور آخرت کی بلندی کے پیش نظر اس کے لئے لفظ ''اِشْرَافٌ'' کا اطلاق فرمایا۔ میں اس مقام پر کہتا ہوں کہ اس حدیث قدسی میں بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ''یَا ابْنَ آدَمَ! اَلْمَوْتُ یَکْشِفُ اَسْرَارَکَ وَ الْقِیَامَۃُ یَتْلُوْا اَخْبَارَکَ وَ الْکِتَابُ یَھْتِکُ اَسْتَارَکَ..... ''الحدیث۔فرزند آدم! موت تیرے راز کھول دے گی، قیامت تیرے حالات بیان کرے گی اور نامہ عمل تیری پردہ دری کرے گا۔

آخرت کی تیاری

امیر المؤمنینؑ نے اس خطبہ میں غفلت میں ڈوبے ہوئے انسان کو ان کے مستقبل کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ اگر تمہارے عمل درست ہوئے تو انعام میں جنت اور اگر تمہارے عمل خراب ہوئے تو تمہیں دوزخ کا عذاب سہنا ہوگا۔(اَلَا وَ اِنَّ الْیَوْمَ الْمِضْمَارُ وَ غَدًا السِّبَاقُ) آج کا دن تیاری کا دن ہے اور کل دوڑ کا ہوگا۔آپؑ نے انسان کی باقی عمر کو لفظ ''آج'' سے تعبیر کرتے ہوئے اسے تیاری کا حکم دیا ہے۔مقصد یہ ہے کہ جس طرح سے گھوڑ دوڑ سے پہلے گھوڑوں کو اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے، اسی طرح سے انسان کو چاہئے کہ وہ فرصت کے ان لمحات سے استفادہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کر لے اور توبہ اور عمل صالح کا زاد راہ اکٹھا کر لے۔ پھر آپؑ نے منزل آخرت کی جانب روانگی کو دوڑ سے اس لئے تشبیہ دی کہ دوڑ میں شامل ہونے والے گھوڑے ایک جیسی استعداد کے مالک نہیں ہوتے، اسی طرح سے انسان بھی قرب الٰہی کے حصول میں یکساں حیثیت کے مالک نہیں ہوتے۔ان میں کچھ ''اسبق'' ہیں، کچھ ''سابق'' ہیں، کچھ ''صالح'' ہیں اور کچھ ''بدکار'' ہیں۔مگر تمام تر اختلاف استعداد کے باوجود آخرت کی دوڑ میں سب کو شامل ہونا پڑے گا۔اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپؑ نے ایک مقام پر فرمایا: ''سَاعٍ سَرِیْعٌ نَجیٰ وَ طَالِبٌ بَطِیْءٌ رَجیٰ وَ مُقَصِّرٌ فِی النَّارِ ھَویٰ ..... ''تیز رفتاری سے جدوجہد کرنے والے نے نجات پائی، سست طلبگار نے رحمت کی امید وابستہ کی اور تقصیر کرنے والا دوزخ میں اوندھے منہ گرا۔

(وَ السَّبَقَۃُ الْجَنَّۃُ وَ الْغَایَۃُ النَّارُ)جنت اس دوڑ کا انعام ہوگا اور پیچھے رہ جانے والے کا ٹھکانہ دوزخ قرار پائے گا۔بعد ازاں اس خطبہ میں آپؑ نے انسانوں کو حکم دیا کہ وہ مرنے سے پہلے توبہ کر لیں اور جو فرائض ان سے ترک ہوئے تھے ان کی تلافی کر لیں۔ (اَفَلَا تَائِبٌ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ قَبْلَ مَنِیَّتِہٖ؟) تو کیا موت سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا کوئی نہیں؟ توبہ مغفرت کا دروازہ اور شاہراہ نجات ہے۔توبہ نفس انسانی کو رذائل سے پاک کرنے اور فضائل سے آراستہ کرنے کی موجب ہے۔اور توبہ کو کبھی بھی آج اور کل پر مت ٹالیں۔وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرتا رہے۔جتنا بھی جلدی ممکن ہو توبہ کر لیں اور وقت کو اپنے لئے غنیمت تصور کریں۔ ''اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا وَ لَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّئَاتِ حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ ھُمْ کُفَّارٌ

اُولٰئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ''خدا کی بارگاہ میں توبہ تو صرف ان ہی لوگوں کی (مقبول) ہے جو نادانستہ بری حرکت کر بیٹھیں (اور) پھر جلدی سے توبہ کرلیں تو البتہ خدا بھی ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور خدا تو جاننے والا حکیم ہے۔ اور توبہ ان لوگوں کے لئے (مفید) نہیں ہے جو (عمر بھر تو) برے کام کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ اب میں نے توبہ کی (اسی طرح) ان لوگوں کے لئے (بھی توبہ مفید) نہیں ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ ایسے ہی لوگوں کے واسطے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (نساء/ ۱۷۔۱۸)

(اَلا عَامِلٌ لِنَفْسِهٖ قَبْلَ يَوْمِ بُؤْسِهٖ؟) اور کیا اس روزِ مصیبت کے آنے سے پہلے عمل (خیر) کرنے والا ایک بھی نہیں؟ مقصد یہ ہے کہ کیا کوئی شخص مصیبت کی گھڑی سے پہلے ایسا عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہے جو اسے اس یقینی مصیبت وعذاب سے نجات دلائے اور اس کے لئے ابدی راحت اور حسن ثواب کا ذریعہ بن جائے۔ اور وہ عمل، فرائض کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کا نام ہے۔ (اَلا وَ اِنَّكُمْ فِيْ اَيَّامِ اَمَلٍ مِّنْ وَّرَائِهٖ اَجَلٌ فَمَنْ عَمِلَ فِيْ اَيَّامِ اَمَلِهٖ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهٖ فَقَدْ نَفَعَهٗ عَمَلُهٗ وَ لَمْ يَضُرُّهُ اَجَلُهٗ وَ مَنْ قَصَّرَ فِيْ اَيَّامِ اَمَلِهٖ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهٖ فَقَدْ خَسِرَ عَمَلُهٗ وَ ضَرَّهٗ اَجَلُهٗ) تم امیدوں کے دور میں ہو جس کے پیچھے موت کا ہنگام ہے۔ تو جو شخص موت سے پہلے ان امید کے دنوں میں عمل کرلیتا ہے تو یہ عمل اس کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے اور موت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور جو شخص موت سے قبل امید وآرزو کے زمانے میں کوتاہیاں کرتا ہے تو وہ عمل کے اعتبار سے نقصان میں رہتا ہے اور موت اس کے لئے پیغام ضرر لے کر آتی ہے۔ اور اس کا حال اس بھاگے ہوئے غلام کی مانند ہوتا ہے جو اپنے آقا کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہو۔ بحارالانوار میں اسی مفہوم کے قریب آپؑ کے یہ کلمات وارد ہیں اور علامہ مجلسی نے ان کلمات کو کتاب اعلام الدین سے نقل کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: ''اَلنَّاسُ فِي الدُّنْيَا عَامِلٌ فِي الدُّنْيَا لِلدُّنْيَا ..... اس دنیا میں عمل کرنے والے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو دنیا میں رہ کر دنیا کے لئے عمل کرتا ہے۔ اسے دنیا نے آخرت سے غافل کر دیا ہے۔ ایسا شخص اپنے لئے فقر کا خوف نہیں رکھتا بلکہ اپنے متعلقین کے بہتر مستقبل کی فکر میں غلطاں رہتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو دوسروں کے فائدے کے لئے فنا کر دیتا ہے۔ اور دوسرا انسان وہ ہے جو دنیا میں رہ کر آخرت کے لئے عمل کرتا ہے۔ نتیجہ میں اسے آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرتا ہے اللہ اسے عطا کر دیتا ہے''۔

خوش گوار لمحات میں بھی عمل صالح کریں

سراللہ فی العالمین حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے اس خطبہ میں فرمایا (اَلا فَاعْمَلُوْا فِي الرَّغْبَةِ كَمَا تَعْمَلُوْنَ فِي الرَّهْبَةِ) خبردار! جب مستقبل کے آثار مسرت افزا محسوس ہوں اس وقت بھی نیک عمل میں منہمک رہو جیسا کہ ناگوار حالات میں عمل میں منہمک ہوتے ہو۔ ان الہامی فقرات سے آپؑ نے لوگوں کو تنبیہ کی ہے کہ انسان کو صرف خوف وشدت کے وقت خدا سے لو نہیں لگانی چاہئے بلکہ امن وآسائش کے لمحات میں بھی ہمیشہ عمل صالح کرنا چاہئے۔ وہ شخص دراصل انتہائی کم ظرف ہے جو کہ امن وآسائش کے لمحات میں ذکر خداوندی سے غافل اور لذات دنیا میں منہمک رہے۔ خداوند عالَم نے قرآن مجید میں ایسے افراد کی نشاندہی فرمائی ہے جنہیں صرف مشکل

اوقاتِ حیات میں ہی خدا کی یاد آتی ہے اور آسائش کے لمحوں میں یکسر خدا کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔﴿وَ اِذَا اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰی بِجَانِبِہٖ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِیْضٍ﴾ جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو (ہماری طرف سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بدل کر چل دیتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے (حٰمٓ السجدہ/ ۵۱)۔

مقامِ تعجب

(اَلَا وَ اِنِّیْ لَمْ اَرَ کَالْجَنَّۃِ نَامَ طَالِبُھَا وَ لَا کَالنَّارِ نَامَ ھَارِبُھَا) آگاہ رہو! مجھے جنت ہی ایسی نعمت نظر آتی ہے جس کا طلب گار سویا پڑا ہے اور جہنم ہی ایسی مصیبت نظر آتی ہے جس سے دور بھاگنے والوں کو میں محوِ خواب دیکھتا ہوں۔ ان ایمان پرور جملوں سے مولائے کائنات نے ان تمام لوگوں کو سرزنش کی ہے جو جنت اور دوزخ کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپؑ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ جنت جیسی نعمت کے حصول کے لئے انسان کو اعمال صالحہ کی شدید ضرورت ہے لیکن لوگ اس سے غافل ہو چکے ہیں، گویا انہیں جنت کی تمنا ہی نہ ہو اور آتش دوزخ سے نجات کے لئے بداعمالی ترک کرنے کی ضرورت ہے لیکن لوگ خوابِ غفلت میں مدہوش پڑے ہیں اور مقامِ تعجب ہے کہ جنت کے طالب کو اعمال صالحہ بجا لانے چاہئیں تھے لیکن وہ ان سے تہی دامن ہے اور دوزخ سے بچنے کے لئے اعمال بد سے پرہیز ضروری ہے جب کہ آتش دوزخ پر ایمان رکھنے کے باوجود بھی لوگ بے دھڑک برے اعمال کر رہے ہیں۔

حق و باطل

(اَلَا وَ اِنَّہٗ مَنْ لَّمْ یَنْفَعْہُ الْحَقُّ یَضُرُّہُ الْبَاطِلُ) خبردار! جو حق سے فائدہ نہیں اٹھاتا اسے باطل کا نقصان و ضرر اٹھانا پڑے گا۔ کیونکہ حق منفعت کا سبب ہے اور باطل ضرر و نقصان کا موجب ہے۔ اور جو شخص حق سے اعراض و کنارہ کشی کرے گا تو لامحالہ باطل کی گود میں اسے پناہ لینی پڑے گی اور پھر باطل اس کے لئے اپنی تمام تر چیرہ دستیوں سمیت نقصان کا سبب بنے گا۔ (وَ مَنْ لَّا یَسْتَقِیْمُ بِہِ الْھُدٰی یَجُرُّ بِہِ الضَّلَالُ اِلَی الرَّدٰی) اور جسے ہدایت ثابت قدم نہ رکھے، اسے گمراہی ہلاکت کی طرف کھینچ کر لے جائے گی۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی ہدایت سے اقتباس نور کرنے سے انکار کرے گا وہ گمراہی کی تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔ جو انسان اپنی بدبختی کی وجہ سے ہدایت کی پیروی نہ کرے اور چراغ عقل سے صراط مستقیم کی جانب سفر کرنا پسند نہ کرے تو وہ لازمی طور پر افراط و تفریط کا شکار ہو جائے گا۔ (اَلَا وَ اِنَّکُمْ وَ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَ دُلِلْتُمْ عَلَی الزَّادِ) آگاہ رہو! تمہیں کوچ کا حکم مل چکا ہے اور زادراہ کے متعلق بتایا جا چکا ہے۔ ممکن ہے اس خطبہ میں ''کوچ'' سے مراد صرف زندگی کا خاتمہ نہ ہو بلکہ اس سے سلوک الی اللہ اور رضوان الٰہی کا حصول ہو اور اس کے لئے تقویٰ کو زادراہ قرار دیا جا چکا ہے، کیونکہ تقویٰ ہی حظیرۃ القدس تک پہنچانے کا سبب ہے۔ تقویٰ ہی سلوک الی اللہ کا زادراہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی﴾ زادراہ ساتھ لو پس بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔

دو خصلتیں

اس خطبہ میں مولائے کائناتؑ نے حق سے روکنے والی دو خصلتوں کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا (وَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اِتِّبَاعُ الْھَوٰی وَ طُوْلُ الْاَمَلِ تَزَوَّدُوْا مِنَ الدُّنْیَا مَا تَجْھَزُوْنَ بِہٖ اَنْفُسَکُمْ غَدًا) مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ دو چیزوں کا خطرہ ہے۔ ۱۔خواہشات کی پیروی ۲۔امیدوں کا پھیلاؤ

اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے اتنا زاد لے لو جس سے کل اپنے نفسوں کو بچا سکو۔انسانی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ مذکورہ بالا دو عوامل نے انسان کو ہمیشہ حق سے باز رکھا ہے۔خواہشات کی پیروی نے ہمیشہ انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا اور طویل امیدوں نے انسان کو ہمیشہ آخرت کی فکر سے روکا ہے۔مولائے کائناتؑ نے لوگوں کو درس دیا ہے کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے لئے علم و عمل کا زادراہ حاصل کریں جو ان کی نجات کا سبب بن سکے۔انسان کو چاہئے کہ دنیا میں علم و عمل کو زادراہ بنائے کیونکہ علم تکمیل ذات کا ذریعہ ہے اور علم حواس ظاہرہ و باطنہ سے حاصل ہونے والی معلومات کا نام ہے۔علم سے اصول عقائد کا حصول ممکن ہے جو کہ ایمان کی شرط اول ہے۔اور اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو چاہئے کہ عمل کو اپنا زادراہ قرار دے۔اور عمل حرکات وسکنات سے عبارت ہے اور مذکورہ حرکات وسکنات کا تعلق بھی انسانی جسم سے ہے اور جسم اسی دنیا سے متعلق چیز ہے۔اور یہ دونوں چیزیں لقاء الٰہی کے سفر کے لئے بہترین زاد راہ ہیں اور اسی دنیا میں رہ کر ہی یہ زاد اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔اور یہی زاد عذاب نار اور غضب جبار سے بچانے والا ہے۔

تکمیل

ہم نے اس خطبہ کی ابتدا میں لکھا تھا کہ علامہ مجلسی نے اس خطبہ کو مطالب السؤل اور ارشاد مفید سے نقل کیا ہے۔ارشاد مفید میں یہ خطبہ کچھ اس طرح درج ہوا ہے کہ اس کے بعض الفاظ نہج البلاغہ کے الفاظ سے مختلف ہیں۔اس لئے ہم یہاں ارشاد سے مذکورہ خطبہ لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔شیخ مفید لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنینؑ کا ایک خطبہ جو علماء میں مشہور ہے اور جسے صاحبان فہم و حکمت نے حفظ کیا ہے وہ یہ ہے؛

''اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الدُّنْیَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَ اٰذَنَتْ بِوِدَاعٍ وَ اِنَّ الْاٰخِرَۃَ قَدْ اَقْبَلَتْ وَ اَشْرَفَتْ بِاطِّلَاعٍ اَلَا وَ اِنَّ الْمِضْمَارَ الْیَوْمُ وَ غَدًا السِّبَاقُ وَ السَّبَقَۃُ الْجَنَّۃُ وَ الْغَایَۃُ النَّارُ اَلَا وَ اِنَّکُمْ فِیْ اَیَّامِ مُھَلٍ مِنْ وَّرَائِہٖ اَجَلٌ یَّحُثُّہٗ عَجَلٌ فَمَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ عَمَلَہٗ لَمْ یَضُرُّہٗ اَجَلُہٗ وَ مَنْ اَبْطَأَ بِہٖ فِیْ اَیَّامِ مُھَلِہٖ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِہٖ فَقَدْ خَسِرَ عَمَلُہٗ وَ ضَرَّہٗ اَمَلُہٗ اَلَا فَاعْمَلُوْا فِی الرَّغْبَۃِ وَالرَّھْبَۃِ فَاِنْ نَزَلَتْ بِکُمْ رَغْبَۃٌ فَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ وَ اَجْمِعُوْا مَعَھَا رَھْبَۃً وَ اِنْ نَزَلَتْ بِکُمْ رَھْبَۃٌ فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ وَ اجْمِعُوْا مَعَھَا رَغْبَۃً فَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ تَأَذَّنَ لِلْمُحْسِنِیْنَ بِالْحُسْنٰی وَ لِمَنْ شَکَرَ بِالزِّیَادَۃِ وَ لَا کَسْبُ خَیْرٍ مَنْ کَسَبَہٗ لِیَوْمٍ تُذْخَرُ فِیْہِ الذَّخَائِرُ وَ یُجْمَعُ فِیْہِ الْکَبَائِرُ وَ تُبْلٰی فِیْہِ السَّرَائِرُ وَ اِنِّیْ لَمْ اَرَ کَالْجَنَّۃِ نَامَ طَالِبُھَا وَ لَامِثْلَ النَّارِ نَامَ ھَارِبُھَا اَلَا وَاِنَّہٗ مَنْ لَّا یَنْفَعُہٗ الْیَقِیْنُ یَضُرُّہُ الشَّکُّ وَ مَنْ لَا یَنْفَعُہٗ حَاضِرُ لُبِّہٖ وَ رَأْیِہٖ فَغَائِبُہٗ عَنْہُ اَعْجَزُ اَلَا وَ اِنَّکُمْ وَ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَ دُلِلْتُمْ عَلَی الزَّادِ وَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اِتِّبَاعُ الْھَوٰی وَ طُوْلُ الْاَمَلِ

لِاَنَّ اِتِّبَاعَ الْھَوٰی یَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَ طُوْلَ الْاَمَلِ یُنْسِی الْآخِرَۃَ وَ اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ تَرَحَّلَتْ مُدْبِرَۃً وَ اِنَّ الْآخِرَۃَ قَدْ تَرَحَّلَتْ مُقْبِلَۃً وَ لِکُلٍّ وَاحِدٍ مِّنْھَا بَنُوْنَ فَکُوْنُوْا اِنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَۃِ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْیَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابٌ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلٌ''

امابعد! دنیا نے پشت پھیر کر اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے اور آخرت نے آگے بڑھ کر اپنی آمد کی اطلاع دے دی ہے۔ آج تیاری کا دن ہے اور کل دوڑ کا دن ہوگا۔ انعام میں جنت ملے گی یا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ آج تم مہلت کے دنوں میں زندگی بسر کر رہے ہو، اس کے پیچھے موت ہے جسے جلدی اور تیز رفتاری چلا رہی ہے۔ جو اپنا عمل خالص اللہ کے لئے کرے گا اسے اس کی موت کوئی نقصان نہ دے گی۔ اور مہلت کے دنوں میں جس کے عمل میں سستی پیدا ہوئی تو اس کا عمل خسارہ کا سبب بنے گا اور اس کی آرزو اسے نقصان دے گی۔ خبردار! آسائش و تکلیف دونوں حالتوں میں نیک عمل کرتے رہو۔ اگر تمہیں آسائش حاصل ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو اور تکلیف و مصیبت کو بھی اس وقت ذہن میں رکھو اور جب مصیبت نازل ہو تو اللہ کو یاد کرو اور اس کے ساتھ آسائش کے حصول کے تصور کو بھی مت بھولو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے والوں کو نیک انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔ اور جو اس کا شکر ادا کرے تو اس کی نعمتوں کے اضافہ کی خبر دے چکا ہے۔ اور کوئی کسب و کمائی اس کمائی سے بہتر نہیں کہ اس دن کے لئے کمائی جائے اور اندوختہ جمع کیا جائے، جس دن تمام گناہ کبیرہ جمع ہوں گے اور جس دن اندرونی راز ظاہر کئے جائیں گے۔ میں نے جنت کی طرح کسی نعمت کو نہیں دیکھا جس کا طالب محو خواب ہو اور دوزخ کی طرح کسی کسی مصیبت کو نہیں دیکھا جس سے بھاگنے والا بھاگنے کی بجائے سویا ہوا ہے۔ جسے یقین فائدہ نہ دے تو شک اسے ضرور نقصان پہنچائے گا۔ اور جسے اس کی موجودہ فہم و عقل فائدہ نہ دے تو اس کی دور دراز کی عقل اور زیادہ عاجز رہے گی۔

آگاہ رہو! تمہیں کوچ کا حکم مل چکا ہے اور تمہیں زاد راہ کے متعلق بھی بتایا جا چکا ہے۔ مجھے تمہارے لئے سب سے زیادہ دو باتوں کا خطرہ ہے؛ ۱۔ خواہشات کی اتباع۔ ۲۔ لمبی امیدیں۔ خواہشات کی اتباع حق سے روک دیتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو فراموش کرا دیتی ہیں۔ آگاہ رہو! دنیا پشت پھیرے جا رہی ہے اور آخرت تمہاری جانب بڑھ رہی ہے (عنقریب تمہارے پاس پہنچ جائے گی)۔ دنیا و آخرت، ہر ایک کی اولاد ہیں۔ تم کوشش کر کے آخرت کے فرزند بنو اور دنیا کے فرزند نہ بنو۔ کیونکہ آج کا دن عمل کا ہے اور حساب نہیں ہے اور کل صرف حساب ہوگا اور عمل کی مہلت نہیں ہوگی۔

زہدورغبت کی مزید روایات

دنیائے فانی سے بے اعتنائی اور آخرت سے اشتیاق کے لئے ہادیان دین کے فرامین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں موقع کی مناسبت سے چند روایات نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے اپنے اسناد سے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ پسند ہے؟۔ آپؑ نے فرمایا: ''اللہ اور رسولؐ کی معرفت کے بعد اللہ تعالیٰ کو

بغض دنیا سب سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ حب دنیا کی کئی شاخیں ہیں اور تمام تر شاخیں اسباب معصیت ہیں۔ اس کی ایک شاخ تکبر ہے اور کائنات میں سب سے پہلے ابلیس لعین نے اللہ کی نافرمانی کی تھی تو اس کی بنیاد بھی تکبر پر تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ﴿اَبیٰ وَ اسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ﴾ اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا (بقرہ/۳۴)۔ اس کی ایک شاخ حرص ہے، چنانچہ ابوالبشر آدمؑ و حواء سے جو معصیت سرزد ہوئی تھی اس کی بنیاد بھی حرص پر تھی، کیونکہ رب العزت ان دونوں سے کہہ چکا تھا ﴿وَ کُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور تم دونوں جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں سے ہو جاؤ گے (بقرہ/ ۳۵)۔ تو آدم وحواء کو حرص نے مجبور کیا اور وہ شجرہ ممنوعہ کے پاس گئے جس کی انہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور پھر وہیں سے یہ حرص ان کی اولاد میں قیامت تک کے لئے جاری ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم عموماً اس چیز کے لئے حرص کرتی ہے جس کی اسے چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

اور اس کی ایک اور شاخ حسد ہے اور قابیل نے اپنے بھائی کو حسد کی بنا پر ہی قتل کیا تھا۔ الغرض اس کی محبت کی مجموعی طور پر سات شاخیں ہیں:۔

۱۔ عورتوں سے محبت ۲۔ دولت سے محبت ۳۔ مقام ومنصب سے محبت
۴۔ اپنی گفتگو سے محبت ۵۔ اقتدار سے محبت ۶۔ ثروت ومال سے محبت
۷۔ آسائش وآرام سے محبت

غرضیکہ یہ سات مذموم اخلاقی صفات ہیں جن کا سرچشمہ دنیا سے محبت ہے۔ یہی سبب ہے کہ انبیاء وعلماء اس حقیقت کو جانتے تھے اسی لئے انہوں نے فرمایا: ''حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کَلِّ خَطِیْئَةٍ'' دنیا کی محبت ہر خطا کی بنیاد ہے۔ اور یاد رکھو! دنیا دو طرح کی ہے:۔

۱۔ ایک وہ جو ضرورت کے مطابق ہو۔ ۲۔ وہ دنیا جو لعنت کے قابل ہے''۔

۲۔ اسی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: ''موسیٰ! دنیا مقام عقوبت ہے۔ آدم کی خطا کے وقت میں نے اسے سزا دی تھی اور میں نے دنیا کو ملعون بنایا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سبھی کچھ قابل لعنت ہے سوائے اس کے جو میرے لئے ہو۔ موسیٰ! میرے صالح بندے جتنا جتنا دنیا کی حقیقت کو سمجھتے گئے وہ اتنا ہی اس سے بے اعتنائی کرتے گئے اور باقی مخلوق اپنی جہالت کی مقدار میں اس کی طرف راغب ہوتی گئی۔ یاد رکھنا! جو بھی دنیا کی تعظیم کرے گا اسے اس دنیا سے کبھی بھی آسودگیِ چشم نصیب نہ ہوگی۔ اور جو دنیا کو حقیر سمجھے گا وہ اس سے فائدہ حاصل کرے گا''۔

۳۔ اسی اسناد سے مہاجر اسدی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰؑ کا گزر ایک آبادی سے ہوا جہاں کے رہائشی اور چوپائے اور پرندے تک مرے پڑے تھے۔ آپ نے یہ دلدوز منظر دیکھ کر فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے ان لوگوں پر اللہ کا عذاب آیا ہے ورنہ سب یوں اکٹھے نہ مرتے''۔ آپؑ کے حواریوں نے کہا: ''روح اللہ! آپؑ اللہ سے درخواست کریں کہ ان میں سے کسی کو بولنے کی طاقت عطا فرمائے تاکہ وہ ہمیں بتائے کہ ان کے کس گناہ کی پاداش میں ان پر عذابِ خداوندی نازل ہوا''۔

حضرت عیسیٰؑ نے اللہ سے درخواست کی تو اللہ نے فرمایا: ''عیسیٰ! ان سے گفتگو کرو، تمہیں جواب ملے گا''۔

حکم الٰہی سننے کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے رات کے وقت ایک ٹیلے پر کھڑے ہوکر آواز دی: ''بستی والو! مجھے جواب دو''۔ چنانچہ ایک شخص کی طرف سے جواب سنائی دیا: ''لبیک یاروح اللہ!''۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''تم پر افسوس! تم یہاں رہ کر کیا کیا کرتے تھے؟''۔

جواب دینے والے نے کہا: ''ہم شب وروز طاغوت کی عبادت کیا کرتے تھے اور محبت دنیا، لمبی امیدوں، لہولعب اور غفلت کے اسیر تھے''۔

_____ فرمایا: ''تم دنیا سے کس قدر محبت کیا کرتے تھے؟''۔

_____ کہا: ''ہم بدنصیب دنیا سے اتنا ہی محبت کرتے تھے جتنا کہ ایک چھوٹا بچہ اپنی شفیق ماں سے محبت کرتا ہے۔ جب دنیا ہم پر مہربان ہوتی تو ہم خوش ہوتے تھے اور جب دنیا ہم سے منہ موڑتی تو ہم اس کی جدائی پر روتے تھے''۔

_____ فرمایا: ''عبادت طاغوت کے لئے تمہارا انداز کیا تھا؟''۔

_____ کہا: ''ہم بدکاروں کی اطاعت کیا کرتے تھے''۔

_____ فرمایا: ''تمہارا انجام کیا ہوا؟''۔

_____ کہا: ''ہم رات کے وقت بستروں پر سوئے اور صبح ہوتے ہی ہم هَاوِيَه میں پہنچ گئے''۔

_____ فرمایا: ''هَاوِيَه کیا ہے؟''۔

_____ کہا: ''هَاوِيَه سے مراد سِجِّيْن ہے''۔

_____ فرمایا: ''وضاحت کرو کہ سِجِّيْن کیا ہے؟''۔

_____ جواب دیا: ''سِجِّيْن انگاروں کا ایک پہاڑ ہے جس میں ہم روز قیامت تک جلا کریں گے''۔

_____ فرمایا: ''تم نے خدا کے حضور کیا کہا اور تمہیں اس کا کیا جواب ملا؟''۔

_____ کہا: ''ہم نے خدا سے درخواست کی کہ ہمیں ایک مرتبہ دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے ہم جا کر دنیا سے بے اعتنائی کریں گے۔ تو ہمیں رب العزت کا یہ جواب سنائی دیا کہ تم جھوٹے ہو''۔

_____ فرمایا: ''آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ تمام مُردوں میں سے تو نے مجھے جواب دیا اور کسی نے جواب نہیں دیا؟''۔

_____ کہا: ''روح اللہ! وہ جواب دیں تو کیسے دیں، ان کے منہ پر دوزخ کی لگامیں چڑھی ہوئی ہیں اور ان لگاموں کا سرا سخت فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور میں ابھی تک اس لئے اس عذاب سے بچا ہوا ہوں کہ میں ان میں رہتا تو تھا لیکن ان کے اعمال میں شریک نہ تھا اور جب اللہ کا عذاب وارد ہوا تو اس نے ان کے ساتھ مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وقت دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر مجھے میرے بالوں سے لٹکایا جا چکا ہے اور مجھے کچھ پتہ نہیں کہ مجھے دوزخ میں ڈالا جائے گا یا اس سے نجات پا سکوں گا''۔

پھر حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''اے دوستانِ خدا! دنیا وآخرت کی عافیت کے ساتھ، خشک روٹی کو کھردرے نمک کے ساتھ کھا کر اروڑیوں پر سوجانا بہت بہتر ہے''۔

۴۔ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا: ''جو اپنے دل کو دنیا سے لگائے تو اس میں تین خصلتیں پیدا ہوں گی: ۱۔نہ ختم ہونے والا غم ۲۔کبھی نہ حاصل ہونیوالی آرزو ۳۔کبھی نہ پوری ہونے والی خواہش''۔

۵۔ابوحمزہ ثمالی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ میرے والد حضرت علی بن الحسین زین العابدین علیہما السلام نے فرمایا: ''اِنَّ الدُّنیَا قَدِ ارْتَحَلَتْ مُدْبِرَةً وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدِ ارْتَحَلَتْ مُقْبِلَةً ..... ''دنیا پشت پھرائے جا رہی ہے اور آخرت رخ کئے آگے بڑھ رہی ہے۔اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ چاہنے والے ہیں۔تم آخرت کے چاہنے والے بنو اور دنیا کے چاہنے والے مت بنو۔خبردار! ان لوگوں میں سے بنو جو دنیا سے بے اعتنائی کرنے والے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ اور یاد رکھو! دنیا سے بے اعتنائی کرنے والے لوگوں نے زمین کو اپنی بساط اور خاک کو بستر بنایا ہوا ہے اور انہوں نے پانی کو خوشبو قرار دیا ہے اور دنیا سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔یاد رکھو! جسے جنت کا شوق ہو وہ خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے اور جسے آگ کا ڈر ہو وہ محرمات سے باز رہتا ہے اور جو دنیا سے لاتعلقی اختیار کرے اس کے لئے مصائب کا جھیلنا آسان ہوجاتا ہے۔

آگاہ رہو! اس دنیا میں اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی موجود ہیں جو اس طرح سے زندگی بسر کرتے ہیں گویا وہ اپنی آنکھوں سے اہل جنت کو جنت کی نعمتیں لوٹتے دیکھ چکے ہیں اور اہل دوزخ کو دوزخ کے شعلوں میں جلتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔لوگ ان کے شر سے مطمئن رہتے ہیں اور ان کے دل ہمیشہ خوف خدا میں غمگین رہتے ہیں۔ان کے نفوس باعفّت اور ان کی حاجات خفیف ہیں۔انہوں نے زندگی کے تھوڑے سے دن صبر سے بسر کئے اور ان کے بدلے میں آخرت کی طویل راحت حاصل کی۔رات کے وقت وہ صفیں بنا کر مسجد میں ہوتے ہیں۔ان کے رخساروں پر آنسو رواں ہوتے ہیں۔وہ اپنے رب سے پناہ طلب کرتے ہیں اور اپنی رہائی کے لئے دست بدعا رہتے ہیں۔اور یہ افراد دن کے وقت صاحب علم وحکمت اور تقویٰ کے حامل نظر آتے ہیں۔وہ چھیلے ہوئے تیر کی مانند نظر آتے ہیں۔دیکھنے والا انہیں دیکھ کر سمجھتا ہے کہ وہ شاید بیمار ہیں، جب کہ انہیں کوئی جسمانی بیماری لاحق نہیں ہوتی۔اور دیکھنے والا انہیں بیوقوف سمجھتا ہے جب کہ وہ صحیح الدماغ ہیں۔انہیں اگر کوئی خوف کھائے جاتا ہے تو صرف آتشِ دوزخ کا خوف ہے''۔

شیخ صدوق عیون اخبار الرضا میں ابن مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا؛

اِنَّكَ فِیْ دَارٍ لَّهَا مُدَّةٌ ۔۔۔ یُقْبَلُ فِیْهَا عَمَلُ الْعَامِلِ

اَلَا تَرَی الْمَوْتَ مُحِیْطًا بِهَا ۔۔۔ یُكْذَبُ فِیْهَا اَمَلُ الْآمِلِ

تُعَجِّلُ الذَّنْبَ فِیْمَا تَشْتَهِیْ ۔۔۔ وَ تَأْمَلُ التَّوْبَةَ فِیْ قَابِلِ

وَ الْمَوْتُ یَأْتِیْ اَهْلَهٗ بَغْتَةً ۔۔۔ مَا ذَاكَ فِعْلُ الْحَازِمِ الْعَاقِلِ

تو ایسے گھر میں رہ رہا ہے جس کی مدت مقرر ہے اور اس میں عمل کرنے والے کا ہی عمل قبول ہوتا ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ موت

نے اس گھر کا احاطہ کیا ہوا ہے؟۔اور ہر امید کرنے والے کی امیدیں قطع ہو جاتی ہیں۔تو اپنی چاہت کے لئے تو گناہ میں جلدی کرتا ہے اور توبہ کے لئے مستقبل میں امیدیں رکھتا ہے۔موت تمام لوگوں پر اچانک وارد ہو جائے گی۔اسی لئے عقل مند انسان کا یہ کام نہیں ہے۔

خطبہ ۲۹۔ جوگر جتے ہیں وہ برستے نہیں

آپؑ نے یہ خطبہ ضحاک بن قیس کی غارت گری کے بعد دیا۔اس خطبہ کو ثقۃ الاسلام کلینی نے الکافی اور علامہ مجلسی نے بحار میں امالی شیخ اور ارشاد مفید سے نقل کیا ہے۔اور شیخ سعید ابو منصور احمد بن علی طبرسی نے احتجاج میں بھی اسے نقل کیا ہے۔خطبہ کے الفاظ میں بہت سے الفاظ کا اختلاف پایا جاتا ہے جس کی وضاحت آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَيُّهَا النَّاسُ الْمُجْتَمِعَةُ اَبْدَانُهُمُ الْمُخْتَلِفَةُ اَهْوَائُهُمْ كَلَامُكُمْ يُوْهِى الصُّمَّ الصِّلَابَ وَ فِعْلُكُمْ يُطْمِعُ فِيْكُمُ الْاَعْدَاءَ تَقُوْلُوْنَ فِى الْمَجَالِسِ كَيْتَ وَ كَيْتَ فَاِذَا جَاءَ الْجِهَادُ قُلْتُمْ حَيْدِىْ حَيَادِ مَا عَزَّتْ دَعْوَةٌ مَنْ دَعَاكُمْ وَ لَا اسْتَرَاحَ قَلْبُ مَنْ قَاسَاكُمْ اَعَالِيْلُ بِاَضَالِيْلَ وَ سَاَلْتُمُوْنِىَ التَّطْوِيْلَ دِفَاعَ ذِى الدَّيْنِ الْمَطُوْلِ لَا يَمْنَعُ الضَّيْمَ الذَّلِيْلُ وَ لَا يُدْرَكُ الْحَقُّ اِلَّا بِالْجِدِّ اَىُّ دَارٍ بَعْدَ دَارِكُمْ تَمْنَعُوْنَ وَ مَعَ اَىِّ اِمَامٍ بَعْدِىْ تُقَاتِلُوْنَ اَلْمَغْرُوْرُ وَ اللّٰهِ مَنْ غَرَرْتُمُوْهُ وَ مَنْ فَازَ بِكُمْ فَقَدْ فَازَ بِالسَّهْمِ الْاَخْيَبِ وَ مَنْ رَمٰى بِكُمْ فَقَدْ رَمٰى بِاَفْوَقَ فَاصِلٍ اَصْبَحْتُ وَ اللّٰهِ لَا اُصَدِّقُ قَوْلَكُمْ وَ لَا اَطْمَعُ فِىْ نَصْرِكُمْ وَ لَا اُوْعِدُ الْعَدُوَّ بِكُمْ مَا بَالُكُمْ مَا دَوَائُكُمْ مَا طِبُّكُمْ؟ اَلْقَوْمُ رِجَالٌ

یہ بھی آپؑ ہی کا خطبہ ہے۔

اے وہ لوگو جن کے جسم یکجا اور خواہشیں جدا جدا ہیں تمہاری باتیں تو سخت پتھروں کو بھی نرم کر دیتی ہیں اور تمہارا عمل ایسا ہے کہ جو دشمنوں کو تم پر دندانِ آز تیز کرنے کا موقع دیتا ہے اپنی محفلوں میں تو تم کہتے پھرتے ہو کہ یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے اور جب جنگ چھڑ ہی جاتی ہے تو تم اس سے پناہ مانگنے لگتے ہو، جو تم کو مدد کے لئے پکارے اس کی صدا بے وقعت اور جس کا تم جیسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو اس کا دل ہمیشہ بے چین ہے حیلے حوالے ہیں غلط سلط اور مجھ سے جنگ میں تاخیر کرنے کی خواہشیں ہیں، جیسے نادہندہ مقروض اپنے قرض خواہ کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ذلیل آدمی ذلت آمیز زیادتیوں کی روک تھام نہیں کر سکتا اور حق تو بغیر کوشش کے نہیں ملا کرتا۔اس گھر کے بعد اور کونسا گھر ہے جس کی حفاظت کرو گے اور میرے بعد کس امام کے ساتھ ہو کر جہاد کرو گے۔خدا کی قسم! جسے تم نے دھوکا دے دیا ہو، اس کے فریب خوردہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور جسے تم لوگ ملے ہوں تو اس کے حصہ میں وہ تیر آتا ہے جو خالی ہوتا ہے۔جس نے تم کو (تیروں کی طرح) دشمن پر پھینکا ہو اس نے گویا ایسا تیر پھینکا ہے جس کا سفار ٹوٹ چکا ہو اور پیکان بھی شکستہ ہو۔خدا کی قسم! میری کیفیت تو اب یہ ہے کہ نہ میں تمہاری کسی بات کی تصدیق کر سکتا ہوں، نہ مجھے تمہاری نصرت کی آس باقی رہی ہے اور نہ میں تمہاری وجہ سے دشمن کو جنگ کی دھمکی دے سکتا ہوں، تمہیں کیا ہو گیا، تمہارا مرض کیا ہے اور اس کا چارہ کیا ہے، اس قوم کے افراد بھی تو

اَمْثَالُكُمْ اَقَوْلًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ غَفْلَةٍ (وَ عِفَّةٍ خ) مِنْ غَيْرِ وَرَعٍ وَ طَمَعًا فِيْ غَيْرِ حَقٍّ.

تمہاری ہی شکل وصورت کے مرد ہیں کیا باتیں ہی باتیں رہیں گی جانے بوجھے بغیر، پرہیز گاری کے بغیر عفت اور حق کے بغیر طمع کیا معنی رکھتا ہے۔

تشریح لغت (اَلْوَهْيُ) ضعف وکمزوری اور ''وَهَى الْحَجَرُ'' بروزن (وَقٰى) کا معنی ہے پتھر پھٹ گیا اور جب اس فعل مجرد کو باب افعال میں استعمال کریں گے ''اَوْهَاهُ'' تو اس کا ترجمہ بنے گا کہ اس نے پتھر کو پھاڑا یا توڑا۔ (اَلصُّمُّ ، اَلصِّلَابُ) یہ پتھر کی صفات ہیں۔ اور عربی میں (صَخْرَةٌ صَمَّاءُ) اس سخت پتھر کی چٹان کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی سوراخ اور نرمی نہ ہو۔ (كَيْتَ وَ كَيْتَ) یعنی لاف زنی، بڑھکیں مارنا۔ (حَيْدِيْ حَيَادِ) شارح معتزلی کہتے ہیں کہ ان الفاظ کو شکست خوردہ جنگجو حالت فرار میں استعمال کرتا ہے اور اس کا مقصد ہوتا ہے کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اور مجھے بھاگنے دو۔ اور یہ لفظ ''حَادَ الشَّيْءُ'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی انحراف کے ہیں۔ شارح بحرانی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ یہ لفظ اسمائے افعال سے ہو جیسے ''نِزَالِ''..... ۔ اور نجم الائمہ رضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ ''حَيَادِ'' علم جنس ہے۔ مرحوم کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ لفظ کو بھاگنے والوں کی علامت یا اسم فعل سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ (عَزَّ) فُلَانٌ فلاں نے قوت حاصل کی۔ (قَاسَاهُ) اس نے جھیلا۔ (اَعَالِيْلُ وَ اَضَالِيْلُ) اَعْلَالٌ اور اَضْلَالٌ کی جمع ہے اور مذکورہ دونوں الفاظ بھی جمع ہیں جن کے مفرد ''عِلَّةٌ''، ''ضِلَّةٌ'' ہیں تو اس لحاظ سے دونوں الفاظ (جمع منتہی الجموع) قرار پائیں گے۔ (اَلْمَطُوْلُ) بروزن ''صَبُوْرٌ'' زیادہ ٹال مٹول کرنے والا اور آج کل پیڑ خانے والا مقروض۔ (اَلضَّيْمُ) یعنی ظلم۔ (اَلْاَخْيَبُ) بہت زیادہ حرماں نصیب۔ (اَلْاَفُوْقُ) وہ تیر جس کا سوفار ٹوٹ چکا ہو۔ (اَلنَّاصِلُ) شکستہ پیکان۔

خطبہ کا پس منظر

شارح معتزلی، ابراہیم بن محمد کی تصنیف کتاب الغارات سے نقل کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے یہ خطبہ ضحاک بن قیس کی غارت گری کے بعد ارشاد فرمایا۔ اور غارت ضحاک کا پس منظر کچھ یوں ہے:۔

واقعہ تحکیم کے بعد معاویہ کو اطلاع ملی کہ علیؑ لشکر لے کر شام پر حملہ آور ہونے والا ہونا چاہتے ہیں تو معاویہ نے شامی قبائل کے سرداروں کو پیغام بھیجا کہ علیؑ تمہارے ملک پر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا تم اپنی قوم کے جوانوں کو لے کر آجاؤ۔ چنانچہ شامی رؤسا اپنے ساتھ شامی دستے لے کر معاویہ کے پاس آگئے اور معاویہ چند دن انتظار کرتا رہا تا کہ صورتحال مزید واضح ہو جائے۔ اسی اثناء میں جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ تحکیم کے بعد علیؑ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی ہے، ان میں سے ایک گروہ نے علیؑ کے خلاف خروج کیا ہے اور علیؑ ان کی سرکوبی کے لئے نہروان چلے گئے ہیں۔ معاویہ یہ خبر سن کر بے حد خوش ہوا۔ چند دن بعد اسے یہ خبر ملی کہ علیؑ نے خوارج پر فتح پائی اور ان کی کمر توڑ کر رکھ دی، مگر علیؑ کا لشکر فی الحال شام پر یلغار کرنا پسند نہیں کرتا۔ اور لشکر مسلسل ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ پھر معاویہ نے ضحاک بن قیس فہری کو

چار ہزار کی نفری کا سردار مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اطراف کوفہ کی طرف چلا جائے، وہاں شورش پیدا کرے، قتل وغارت کا بازار گرم کرے اور کسی ایک جگہ ٹک کر نہ بیٹھے، صبح کہیں اور شام کہیں غارت گری کرے تا کہ علیؑ کے پیروکاروں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ اور امیر المؤمنین ؑ کو سکون واطمینان کا سانس نہ لینے دیا جائے۔

چنانچہ ضحاک بن قیس اس مقصد کے لئے روانہ ہوا اور اس نے بے دریغ بے گناہ افراد کا قتل عام کیا اور تباہی مچاتا ہوا ثعلبیہ کے مقام تک پہنچا۔ یہاں اس نے حجاج بیت اللہ کے قافلے کو تہہ تیغ کیا اور مقام قطقطانہ پر صحابی رسولؐ، عبداللہ بن مسعودؓ کے بھتیجے عمرو بن عمیس اور ان کے ساتھیوں کو بے دردی سے قتل کیا۔ امیر المؤمنینؑ کو جب ان کی غارت گریوں کا علم ہوا تو آپؑ نے اپنے ساتھیوں کو جہاد کی دعوت دی تا کہ ان لٹیروں کا مقابلہ کیا جا سکے، مگر لوگ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے۔ چنانچہ آپؑ اہل کوفہ کے اس غیر دانش مندانہ رویہ سے دل برداشتہ ہوئے اور منبر پر تشریف لے گئے اور انہیں ان کی اس روش پر سخت سست کہا اور انہیں غیرت دلاتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ وہ غلط سلط حیلوں بہانوں کو چھوڑیں اور مردوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوں۔ آخر حجر بن عدی کندی چار ہزار افراد کی نفری کے ساتھ دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے اور مقام ''تدمر'' پر دشمن سے جنگ ہوئی۔ ابھی معمولی سی جھڑپ ہوئی تھی کہ ضحاک کے انیس فوجی مارے گئے اور شام کا اندھیرا پھیلنے لگا اور دشمن نے تاریکی شب کا فائدہ اٹھایا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

مفہوم عبارت

(اَیُّھَا النَّاسُ الْمُجْتَمِعَۃُ اَبْدَانُھُمُ الْمُخْتَلِفَۃُ اَھْوَائُھُمْ کَلَامُکُمْ یُوْھِیُ الصُّمَّ الصِّلَابَ) اے انسانوں کا وہ جتھہ جن کے ابدان تو بظاہر جمع ہیں لیکن ان کی خواہشات اور آراء ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تمہاری باتیں تو سخت پہاڑوں اور چٹانوں میں سوراخ کر دیتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم لوگ باتیں کرتے ہو تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دو گے اور تمہاری باتیں سننے والے یہ تاثر لیتے ہیں کہ تم بڑے دلیر اور شجاع ہو۔ (وَ فِعْلُکُمْ یُطْمِعُ فِیْکُمُ الْاَعْدَاءَ) اور تمہارا فعل! دشمنوں کو تمہارے اندر طمع پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ تمہارے پاس صرف باتیں ہی باتیں ہیں اور عملی طور پر تم جنگ کی شدت سے کترانے والے ہو۔ اس وجہ سے آج دشمن تمہارے شہروں پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا ہے۔ اہل کوفہ کی اس روش کو مزید بیان کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا (تَقُوْلُوْنَ فِی الْمَجَالِسِ کَیْتَ وَ کَیْتَ) تم اپنی بزم میں تو یہ کہتے ہو کہ ہم یہ کر دیں گے، ہم وہ کر دیں گے۔ یعنی تم اپنی محفلوں میں یہ الفاظ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ہم دشمن پر غلبہ حاصل کریں گے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور دشمن میں ہمارے مقابلے کی سکت ہی نہیں ہے۔ (فَاِذَا جَاءَ الْجِھَادُ قُلْتُمْ حَیْدِیْ حَیَادِ) لیکن جب جہاد کا وقت ہوتا ہے تو تم اس سے پناہ مانگنے لگتے ہو۔ اور تمہاری حالت ان گدھوں کی سی ہوتی ہے جو شیر کو دیکھ کر دوڑنے لگتے ہیں۔

(مَا عَزَّتْ دَعْوَۃُ مَنْ دَعَاکُمْ وَ لَا اسْتَرَاحَ قَلْبُ مَنْ قَاسَاکُمْ) جو تمہیں مدد کے لئے پکارے اس کی صدا بے وقعت اور جس کا تم جیسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو اس کا دل ہمیشہ بے چین رہے گا۔ مقصد یہ ہے کہ جو تمہیں پکارے اسے کبھی عزت نصیب نہیں ہوگی اور

جوتم سے رابطہ رکھے گا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔اور میں نے تمہیں جب بھی جہاد کی دعوت دی،تم نے حیلے بہانے تراشے۔(اَعَالِیْلُ بِاَضَالِیْلَ وَ سَأَلْتُمُوْنِیَ التَّطْوِیْلَ)لیکن تمہارے تمام تر عذر ہمیشہ گناہ سے بدتر ہوتے ہیں۔اورتم مجھ سے تاخیر کا سوال کرتے رہتے ہو جب کہ میں تمہارے ہی علاقے اورتمہاری عظمت اور شرف کے تحفظ کے لئے جنگ کا خواہاں ہوں۔تم نے جنگ کی شدت سے بچنے کے لئے ہمیشہ اس طرح کے بہانے تراشے(دِفَاعَ ذِی الدَّیْنِ الْمَطُوْلِ)جس طرح سے مقروض نادہندہ اپنے قرض خواہ کے سامنے بہانے تراشا کرتا ہے۔(لَا یَمْنَعُ الضَّیْمَ الذَّلِیْلُ)حقیر وذلیل شخص ظلم وزیادتی کی روک تھام نہیں کرسکتا۔صرف خوددار اور باوقار شخص ہی ظلم کے خلاف چٹان ثابت ہوتا ہے۔پھرآپؑ نے یہ تاریخی جملہ ارشادفرمایا(وَ لَا یُدْرَکُ الْحَقُّ اِلَّا بِالْجِدِّ)حق کوشش کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوتا۔حق کو ہمیشہ چھین کرلیا جاتا ہے۔حق کے حصول کے لئے ہمیشہ سورما اور دلیر بننا پڑتا ہے۔کمزور کو کبھی حق نہیں ملا کرتا۔

(اَیَّ دَارٍ بَعْدَ دَارِکُمْ تَمْنَعُوْنَ وَ مَعَ اَیِّ اِمَامٍ بَعْدِیْ تُقَاتِلُوْنَ)تم اپنے اس گھر کے بعد اور کون سے گھر کا دفاع کروگے اور میرے بعد کس امام کے لشکر میں شامل ہوکر جہاد کروگے؟ عراق تمہارا وطن ہے،تمہارا گھر ہے جہاں تمہیں ہر طرح کی آرام وآسائش میسر ہے مگر تم لوگ اپنے وطن کے دفاع سے غافل ہو اور تمہارا طرز عمل بالکل غیر شائستہ ہے کہ تم مجھ جیسے امام حق کے ساتھ تو مل کر جہاد سے پہلوتہی کررہے ہو،آخر بتاؤ تو سہی کیا تمہیں مجھ سے بہتر امام ملنے کی توقع ہے جس کی قیادت میں تم مادروطن کا دفاع کروگے؟۔(اَلْمَغْرُوْرُ وَ اللّٰہِ مَنْ غَرَرْتُمُوْہُ)بخدا وہ شخص فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آجائے۔کیونکہ کوئی بھی دانشمند ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا اور جو شخص تمہاری مسلسل وعدہ خلافیوں اور جہاد سے انحراف کو دیکھ کر بھی تم پر اعتماد کرے بخدا اس کے فریب خوردہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔(وَ مَنْ فَازَ بِکُمْ فَقَدْ فَازَ بِالسَّھْمِ الْاَخْیَبِ)اور جو تمہیں اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگیا تو اس کے مقدر میں وہ تیر آیا جو خالی ہوتا ہے۔یعنی تمہارا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔جس طرح سے کسی جواری کے ہاتھ میں وہ تیر آجائے جو خالی ہوتا ہے تو اس جواری کو اس تیر کے حصول پر کوئی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔بعینہٖ تم لوگ بھی جوئے کے خالی تیر کی مانند ہو۔تمہاری رفاقت کسی طرح سے بھی کسی سربراہ کے لئے باعث افتخار نہیں ہے۔

اس جملے میں آپؑ نے اپنی ذات اور اپنے مخالفین کی تشبیہ جوابازوں سے دیتے ہوئے اس حسرت کا اظہار کیا کہ ان کے مقدر میں تم جیسے خالی تیر اور کھوکھلے صدف ہی آئے ہیں جن کا حاصل ہونا کسی طرح کی مسرت کا باعث نہیں ہے۔اورتم لوگ میرے لئے یارشاطر کی بجائے بارخاطر ثابت ہوئے۔اور خالی تیر کے حصول کو فوز وکامرانی سے تعبیر کرنا مجاز کے طور پر ہے۔(وَ مَنْ رَمٰی بِکُمْ فَقَدْ رَمٰی بِاَفْوَقَ فَاصِلٍ)اور جو تمہیں اپنا تیر بنا کر دشمنوں پر پھینکے تو اس نے گویا ایسا پتھر پھینکا جس کا سرا ٹوٹا ہوا اور جس کی پیکان بھی شکستہ ہو۔اس جملہ میں آپؑ نے اپنے درد دل کا اظہار کرتے ہوئے اہل کوفہ کو تیر سے تشبیہ دی اور پھر آپؑ نے تیر کے استعارے استعمال فرمائے اور ''اَفْوَقَ ''اور''فَاصِلٍ ''کے بلیغ استعاروں سے آپؑ نے اہل کوفہ کے ناکارہ ہونے کا اعلان کیا گویا اہل کوفہ وہ تیر ہیں جس کا سرا ٹوٹا ہوا اور جس کی پیکان سلامت نہ ہو تو بھلا ایسے ناکارہ تیروں سے کامرانی کی امید کیسے وابستہ کی جاسکتی ہے؟۔اور ایسے تیر ناکامی وشکست کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔(اَصْبَحْتُ وَاللّٰہِ لَا اُصَدِّقُ قَوْلَکُمْ)خدا کی قسم!اب تو میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ میں تمہاری کسی بات کی تصدیق

نہیں کرتا۔ کیونکہ میں تمہارے اتنے جھوٹ سن چکا ہوں کہ اس کے بعد تمہاری کسی بات کی تصدیق وتائید کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ (وَ لَا اَطْمَعُ فِیْ نَصْرِکُمْ) اور میں تم سے کسی قسم کی مدد کی امید نہیں کرتا۔ کیونکہ میں تمہیں کئی مرتبہ آزما چکا ہوں اور مشاہدہ کر چکا ہوں کہ تم لوگ نبرد آزمائی سے جی چرانے والے ہو۔ (وَ لَا اُوْعِدُ بِکُمُ الْعَدُوَّ) اور میں تمہاری وجہ سے دشمن کو جنگ کی دھمکی نہیں دے سکتا۔ یہ آپؑ کے جلے ہوئے دل کی صدا ہے کہ آپؑ فرمارہے ہیں تم لوگ اس لائق ہی نہیں رہے کہ تمہارا نام لے کر انسان کسی دشمن کو ڈرا دھمکا سکے اور جب بھی دشمن کو تمہارا نام لے کر ڈرایا جائے گا تو اس کا حوصلہ پست ہونے کی بجائے مزید بڑھے گا اور اس کی جسارت میں اضافہ ہوگا۔

(مَا بَالُکُمْ) تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ آخر تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو کہ تم میں ذرہ برابر بھی حمیت نہیں رہی اور تم میری صدا سن کر اتنے گونگے بہرے کیوں بن گئے؟۔ (مَا دَوَائُکُمْ مَا طِبُّکُمْ؟) آخر تمہاری دوا کیا ہے؟ اور تمہارا علاج کیا ہے؟۔ خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ میں تمہارا کیسے مداوا کروں اور تمہاری اس بیماری کا علاج کیسے کروں؟ جس کے سبب تم میری صدا سن نہیں پاتے۔ بعض اہل لغت کے نزدیک لفظ ''طب'' کے معنی عاجزی کے بھی ہیں اور اس کی دلیل میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے؛

فَمَا اَنْ طَبَّنَا جُبْنٌ وَ لٰکِنْ مَنَایَانَا وَ دَوْلَةُ اٰخَرِیْنَا

یعنی ہمیں کسی بزدلی نے عاجز نہیں کیا تھا لیکن ہماری موت وارد ہونی تھی اور دوسروں کی حکومت قائم ہونی تھی۔ لیکن طب بمعنی علاج زیادہ صحیح ہے۔ (اَلْقَوْمُ رِجَالٌ اَمْثَالُکُمْ) آخر اہل شام بھی تو تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں! تو پھر تم ان سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟۔ بنی خزاعہ کے ایک شاعر نے اپنی قوم کو مخالفین سے جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے اس طرح اظہار خیال کیا تھا؛

قَاتِلُوْا الْقَوْمَ یَا خُزَاعُ وَ لَا یَدْخُلُکُمْ مِنْ قِتَالِهِمْ فَشَلٌ

اَلْقَوْمُ اَمْثَالُکُمْ لَهُمْ شَعْرٌ فِی الرَّأْسِ وَ لَا یُنْشَرُوْنَ اِنْ قُتِلُوْا

اے بنی خزاعہ! دشمن قوم سے جنگ کرو اور ان سے جنگ میں تمہارے اندر کسی طرح کی کمزوری پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ آخر وہ لوگ بھی تو تمہاری طرح کے انسان ہیں، ان کے سروں پر بھی تمہاری طرح سے بال ہیں اور اگر وہ قتل ہو گئے تو دوبارہ بھی نہیں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (اَقَوْلًا بِغَیْرِ عِلْمٍ) تو کیا علم کے بغیر صرف باتیں ہی کیا کرو گے؟۔ یعنی تم لوگ جو یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ہم دشمنوں سے اس طرح کا سلوک کریں گے اور دشمن کو شکست فاش سے دوچار کریں گے، جب کہ تمہاری حالت یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں جنگ کا کوئی ارادہ ہی موجود نہیں ہوتا اور تم ایمان واطاعت کا خالی دعویٰ کرتے رہتے ہو جس کا عملی ثبوت تم نے کبھی فراہم نہیں کیا۔ دوسری روایت کے مطابق خطبہ کا یہ جملہ ان الفاظ سے مروی ہے (اَقَوْلًا بِغَیْرِ عَمَلٍ) تو کیا عمل کے بغیر زبانی باتیں ہی بناتے رہو گے؟۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں ''علم'' کی بجائے لفظ ''عمل'' زیادہ مناسب ہے۔ اس صورت میں اس جملے کا مقصود یہ ہوگا کہ تم لوگ جو ہمیشہ یہ وعدے کرتے ہو کہ ہم جنگ کے شعلوں میں بے دریغ کود پڑیں گے تو کیا صرف یہ زبانی دعوے ہی کرتے رہو گے یا کبھی ان پر عمل بھی کرو گے؟۔ جبکہ تمہاری حالت اس کے بالکل برعکس ہے، تم نے کبھی وعدہ وفائی نہیں کی اور آزاد مردوں کی طرح اپنے قول کی کبھی پاسداری نہیں کی۔ اسی لئے تمہیں صرف ایسی باتیں کرتے ہوئے حیا آنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا

تَفْعَلُوْنَ﴾ وہ بات کرتے کیوں ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ،اللہ کو یہ بات سخت ناگوار ہے کہ تم وہ بات کرو جس پر عمل نہ کرو (غافر/ ۳۵)۔

(وَ غَـفْـلَةٍ مِـنْ غَيْـرِ وَرَعٍ) تم غفلت میں ہو تم نے تقویٰ کو چھوڑا ہوا ہے۔اگر تم نے تقویٰ کو اختیار کیا ہوتا تو آج تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔تقویٰ کی وجہ سے تم محارم سے پرہیز کرتے اور غفلت کی نیند سے بیدار ہو جاتے۔دوسری روایت کے مطابق: (وَ عِـفَّةٍ مِـنْ غَيْرِ وَرَعٍ) کے الفاظ مروی ہیں۔اس صورت میں خطبہ کے اس جملے کا یہ مفہوم بنے گا کہ تم لوگ جس طرح عمل کے بغیر باتیں ہی کرنا جانتے ہو اسی طرح سے تقویٰ کے بغیر عفت و پاکبازی کے دعوے دار ہو۔لیکن تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنی چاہئے کہ عمل کے بغیر قول کی اور تقویٰ کے بغیر عفت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔(وَ طَـمَـعًا فِيْ غَيْرِ حَقٍّ) حق کے بغیر تم طمع کرتے ہو۔مذکورہ جملے کے ذریعہ ممکن ہے کہ آپؑ اہل کوفہ کی اس عادت طمع کی جانب اشارہ فرما رہے ہوں کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ علیؑ ان کے وظائف میں اضافہ کریں اور حضرت علی علیہ السلام ان کی ٹال مٹول کی روش سے سمجھ چکے تھے کہ ان کی اصل بیماری کیا ہے اور یہ کہ یہ لوگ کس روگ میں مبتلا ہیں۔اور معاویہ اور اس سے پہلے خلفاء نے ان کی حس طمع کو جس طرح متحرک کیا تھا آپؑ کو اس کا بخوبی علم تھا۔اسی لئے آپؑ نے ان کی غلط روش کی جانب انہیں متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ استحقاق کے بغیر وظائف وعطایا کی توقع فضول ہے اور یہ کہ ہر شخص حقوق کا مستحق تب بنتا ہے جب وہ اپنے فرائض سرانجام دے۔لیکن تمہاری کیفیت یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی پر تم سرے سے تیار ہی نہیں اور حقوق اور وظائف کی طمع و لالچ تمہیں کھائے جا رہی ہے۔

تکمیل

خطبہ کی ابتدا میں ہم نے عرض کیا تھا کہ یہ خطبہ متعدد طریقوں سے مروی ہے اور احتجاج طبرسی اور بحار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ دراصل ستائیسویں خطبہ کا ایک اقتباس ہے اور ہم یہاں اضافہ بصیرت کے لئے اس خطبہ کو بکمال وتمام لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔احتجاج و بحار میں بحوالہ ارشاد مفید لکھا ہے کہ جب آپؑ نے اپنے اصحاب میں سستی دیکھی تو آپؑ نے انہیں ان کے طرز عمل پر سرزنش کرتے ہوئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپؑ نے اپنے حق کا بطریق احسن اثبات فرمایا:

اَيُّهَـا النَّاسُ اِنِّیْ اسْتَنْفَرْتُكُمْ لِجِهَادِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَلَمْ تَنْفُرُوْا وَ اَسْمَعْتُكُمْ فَلَمْ تُجِيْبُوْا وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَلَمْ تَقْبَلُوْا شُهُوْدًا بِالْغَيْبِ اَتْلُوْا عَلَيْكُمُ الْحِكْمَةَ فَتُعْرِضُوْنَ عَنْهَا وَاَعِظُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ الْبَالِغَةِ فَتَفَرَّقُوْنَ عَنْهَا كَاَنَّكُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ وَ اَحُثُّكُمْ عَلٰى جِهَادِ اَهْلِ الْجَوْرِ فَمَا آتِی عَلَیَّ آخِرُ قَوْلِیْ حَتّٰی اَرَاكُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ اَيَادِیْ سَبَايَاتَرْجِعُوْنَ اِلٰى مَجَالِسِكُمْ تَتَرَبَّعُوْنَ حَـلْـقًا تَضْرِبُوْنَ الْاَمْثَالَ وَ تُنْشِدُوْنَ الْاَشْعَارَ وَ تَجَسَّسُوْنَ الْاَخْبَارَ حَتّٰی اِذَا تَفَرَّقْتُمْ تَسْئَلُوْنَ عَنِ الْاَسْعَارِ جَهْلَةً مِّنْ غَيْرِ عِلْمٍ وَ غَـفْلَةً مِّنْ غَيْرِ وَرَعٍ وَ تَتَبُّعًا مِّنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَ نَسِيْتُمُ الْحَرْبَ وَ الْاِسْتِعْدَادَ لَهَا فَاَصْبَحَتْ قُلُوْبُكُمْ فَارِغَةً مِّنْ ذِكْرِهَا شَغَلْتُمُوْهَا بِـالْاَعَـالِيْـلِ وَ الْاَضَـالِيْـلِ فَالْعَجَبَ كُلَّ الْعَجَبِ وَ كَيْفَ لَا اَعْجَبُ مِنْ اِجْتِمَاعِ قَوْمٍ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَ تَخَاذُلِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ اَنْتُمْ كَاُمِّ مُجَالِدٍ حَمَلَتْ فَاَمْلَصَتْ فَمَاتَ قَيِّمُهَا وَ طَالَ اَيِّمُهَا وَ وَرِثَهَا اَبْعَدُهَا وَ الَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسْمَةَ اِنَّ

مِـنْ وَرَائِـكُمُ الْاَعْوَرُ الْاَدْبَرُ جَهَنَّمُ الدُّنْيَا لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ وَ مِنْ بَعْدِهِ النَّحَاسُ الْغَرَّاسُ الْجَمُوْعُالْمَنُوْعُ ثُمَّ لَيَتَوَارَثَنَّكُمْ مِنْ بَنِيْ اُمَيَّةَ عِدَّةٌمَا الْآخِرُبِاَرْأَفَ بِكُمْ مِنَ الْاَوَّلِ مَا خَلَا رَجُلًا وَاحِدًا بَلَاءٌ قَضَاهُ اللّٰهُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ لَا مُحَالَةَ كَائِنٌ يَقْتُلُوْنَ اَخْيَارَكُمْ وَ يَسْتَعْبِدُوْنَ اَرَاذِلَكُمْ وَ يَسْتَخْرِجُوْنَ كُنُوْزَكُمْ وَ ذَخَائِرَكُمْ مِنْ جَوْفِ حِجَالِكُمْ نِقْمَةً بِمَا ضَيَّعْتُمْ مِنْ اُمُوْرِكُمْ وَ صَلَاحِ اَنْفُسِكُمْ وَ دِيْنِكُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ اُخْبِرُكُمْ بِمَا يَكُوْنُ قَبْلَ اَنْ يَّكُوْنَ لِتَكُوْنُوْا مِنْهُ عَلٰى حَذَرٍ وَ لِتُنْذِرُوْا بِهٖ مَنِ اتَّعَظَ وَ اعْتَبَرَ كَاَنِّنِيْ بِكُمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ عَلِيًّا يَّكْذِبُ كَمَا قَالَتْ قُرَيْشٌ لِنَبِيِّهَا وَ سَيِّدِهَا نَبِيِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ حَبِيْبِ اللّٰهِ فَيَا وَيْلَكُمْ فَعَلٰى مَنْ اَكْذِبُ؟ أَعَلَى اللّٰهِ فَاَنَا اَوَّلُ مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ وَ وَحَّدَهٗ اَمْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ فَاَنَّا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ صَدَّقَهٗ وَ نَصَرَهٗ كَلَّا وَ لٰكِنَّهَا لِهْجَةٌ غَدِعَةٌ كُنْتُمْ عَنْهَا اَغْنِيَاءُ وَ الَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ لَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهَا بَعْدَ حِيْنٍ وَ ذٰلِكَ اِذَا صَيَّرَهَا اِلَيْكُمْ جَهْلُكُمْ وَ لَا يَنْفَعُكُمْ عِنْدَهَا عِلْمُكُمْ فَقُبْحًا لَّكُمْ يَا اَشْبَاحَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ وَ حُلُوْمَ الْاَطْفَالِ وَعُقُوْلَ رَبَّاتِ الْحِجَالِ اَمَا وَ اللّٰهِ اَيُّهَا الشَّاهِدَةُ اَبْدَانُهُمُ الْغَائِبَةُ عَنْهُمْ عُقُوْلُهُمُ الْمُخْتَلِفَةُ اَهْوَائُهُمْ مَا اَعَزَّاللّٰهُ نَصْرَ مَنْ دَعَاكُمْ وَ لَا اسْتَرَاحَ قَلْبُ مَنْ قَاسَاكُمْ وَ لَا قَرَّتْ عَيْنُ مَنْ اَرَاكُمْ كَلَامُكُمْ يُوْهِنُ الصُّمَّ الصِّلَابَ وَ فِعْلُكُمْ يُطْمِعُ فِيْكُمْ عَدُوَّكُمُ الْمُرْتَابَ يَا وَيْحَكُمْ اَيَّ دَارٍ بَعْدَ دَارِكُمْ تَمْنَعُوْنَ وَ مَعَ اَيِّ اِمَامٍ بَعْدِيْ تُقَاتِلُوْنَ الْمَغْرُوْرُ وَ اللّٰهِ مَنْ غَرَرْتُمُوْهُ وَ مَنْ فَازَ بِكُمْ فَقَدْ فَازَ بِالسَّهْمِ الْاَخْيَبِ اَصْبَحْتُ لَا اَطْمَعُ فِيْ نُصْرَتِكُمْ وَ لَا اُصَدِّقُ قَوْلَكُمْ فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ اَعْقَبَنِيْ رَبُّكُمْ مَنْ هُوَ خَيْرٌ لِّيْ مِنْكُمْ وَ اَعْقَبَكُمْ مَنْ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ مِنِّيْ اِمَامُكُمْ يُطِيْعُ اللّٰهَ وَ اَنْتُمْ تَعْصُوْنَهٗ وَ اِمَامُ اَهْلِ الشَّامِ يَعْصِي اللّٰهَ وَ هُمْ يُطِيْعُوْنَهٗ وَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُّ اَنَّ مُعَاوِيَةَ صَارَفَنِيْ بِكُمْ صَرْفَ الدِّيْنَارِ بِالدِّرْهَمِ فَاَخَذَ مِنِّيْ عَشَرَةً مِنْكُمْ وَ اَعْطَانِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ وَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُّ اَنِّيْ لَمْ اَعْرِفَكُمْ وَ لَمْ تَعْرِفُوْنِيْ فَاِنَّهٗ مَعْرِفَةٌ جَرَتْ نَدَمًا لَقَدْ وَرَّيْتُمْ صَدْرِيْ غَيْظًا وَ اَفْسَدْتُمْ عَلَيَّ اَمْرِيْ بِالْخِذْلَانِ وَ الْعِصْيَانِ حَتّٰى لَقَدْ قَالَتْ قُرَيْشٌ اِنَّ عَلِيًّاابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رَجُلٌ شُجَاعٌ وَّ لٰكِنْ لَّا عِلْمَ لَهٗ بِالْحَرْبِ لِلّٰهِ دَرُّهُمْ هَلْ كَانَ فِيْهِمْ اَطْوَلُ لَهَا مِرَاسًا مِنِّيْ وَ اَشَدُّ لَهَا مُقَاسَاةً لَقَدْ نَهَضْتُ فِيْهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِيْنَ ثُمَّ هَا اَنَا ذَا قَدْ ذَرَفْتُ عَلَى السِّتِّيْنَ وَ لٰكِنْ لَا اَمْرَ لِمَنْ لَّا يُطَاعُ اَمَا وَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُّ اَنَّ رَبِّيْ اَخْرَجَنِيْ مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِكُمْ اِلٰى رِضْوَانِهٖ فَاِنَّ الْمَنِيَّةَ لَتَرْصُدُنِيْ فَمَا يَمْنَعُ اَشْقَاهَا اَنْ يَّخْضِبَهَا (وَ تَرَكَ يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ) عَهْدًا عَهِدَهٗ اِلَيَّ النَّبِيُّ الْاُمِيُّ وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى وَ نَجٰى مَنِ اتَّقٰى وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ دَعَوْتُكُمْ اِلٰى جِهَادِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَيْلًا وَنَهَارًا وَسِرًّا وَ اِعْلَانًا وَقُلْتُ لَكُمْ اُغْزُوْهُمْ قَبْلَ اَنْ يَّغْزُوْكُمْ فَاِنَّهٗ مَا غُزِيَ قَوْمٌ قَطُّ فِيْ عُقْرِ دَارِهِمْ اِلَّا ذَلُّوْا فَتَوَاكَلْتُمْ وَتَخَاذَلْتُمْ وَثَقُلَ عَلَيْكُمْ قَوْلِيْ وَ اسْتَصْعَبَ عَلَيْكُمْ اَمْرِيْ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَائَكُمْ ظِهْرِيًّاحَتّٰى اِذَا شُنَّتْ عَلَيْكُمُ الْغَارَاتُ وَ ظَهَرَتْ فِيْكُمُ الْفَوَاحِشُ وَ الْمُنْكَرَاتُ تُمْسِيْكُمْ وَ تُصْبِحُكُمْ كَمَا فُعِلَ بِاَهْلِ الْمَثُلَاتِ مِنْ قَبْلِكُمْ حَيْثُ اَخْبَرَ اللّٰهُ عَنِ الْجَبَابِرَةِ الْعُتَاةِ الطُّغَاةِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الْغُوَاةَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَائَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَائَكُمْ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ اَمَا وَ الَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ لَقَدْ حَلَّ بِكُمُ الَّذِيْ تُوْعَدُوْنَ عَاتَبْتُكُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ بِمَوَاعِظِ الْقُرْآنِ فَلَمْ اَنْتَفِعْ بِكُمْ وَ اَعْطَيْتُكُمْ بِالدُّرَّةِ فَلَمْ تَسْتَقِيْمُوْا لِيْ وَ عَاقَبْتُكُمْ بِالسَّوْطِ الَّذِيْ يُقَامُ بِهِ الْحُدُوْدُ فَلَمْ تَرْعَوُوْا وَ لَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ

الَّذِیْ یُصْلِحُکُمْ هُوَ السَّیْفُ وَ مَا کُنْتُ مُتَحَرِّیًا صِلَاحُکُمْ بِفَسَادِ نَفْسِیْ وَ لٰکِنْ سَیُسَلَّطُ عَلَیْکُمْ سُلْطَانٌ صَعْبٌ لَا یُوَقِّرُ کَبِیْرَکُمْ وَ لَا یَرْحَمُ صَغِیْرَکُمْ وَ لَا یُکْرِمُ عَالِمَکُمْ وَ لَا یُقْسِمُ الْفَیْءَ بِالسَّوِیَّةِ بَیْنَکُمْ وَ لَیَضْرِبَنَّکُمْ وَ لَیُذِلَّنَّکُمْ وَ لَیُجْهِزَنَّکُمْ فِی الْمَغَازِیْ وَ یَقْطَعَنَّ سُبُلَکُمْ وَ لَیَحْجُبَنَّکُمْ عَلٰی بَابِهٖ حَتّٰی یَاْکُلَ قَوِیُّکُمْ ضَعِیْفَکُمْ ثُمَّ لَا یُبْعِدُ اللّٰهُ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ لَقَلَّ مَا اَدْبَرَ شَیْءٌ فَاَقْبَلَ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّکُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ وَ مَا عَلَیَّ اِلَّا النُّصْحُ لَکُمْ یَا اَهْلَ الْکُوْفَةِ مُنِیْتُ بِکُمْ مِنْ ثَلَاثٍ وَّ اثْنَیْنِ صُمٌّ وَ ذُوْ اَسْمَاعٍ وَ بُکْمٌ وَ ذُوْ اَلْسُنٍ وَ عُمْیٌ وَ ذُوْ اَبْصَارٍ لَا اِخْوَانَ صِدْقٍ عِنْدَ اللِّقَاءِ وَ لَا اِخْوَانَ ثِقَةٍ عِنْدَ الْبَلَاءِ اللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ قَدْ مَلِلْتُهُمْ وَ مَلُّوْنِیْ وَ سَئِمْتُهُمْ وَ سَئِمُوْنِیْ اَللّٰهُمَّ لَا تُرْضِ عَنْهُمْ اَمِیْرًا وَ لَا تُرْضِیَهُمْ عَنْ اَمِیْرٍ وَ اَمِثْ قُلُوْبَهُمْ کَمَا یُمَاثُ الْمِلْحُ فِی الْمَآءِ اَمَا وَ اللّٰهِ لَوْ اَجِدُ بُدًّا مِنْ کَلَامِکُمْ وَ مُرَاسِلَتِکُمْ لَفَعَلْتُ وَ لَقَدْ عَاتَبْتُکُمْ فِیْ رُشْدِکُمْ حَتّٰی لَقَدْ سَئِمْتُ الْحَیَاةَ کُلُّ ذَالِكَ تَرْجِعُوْنَ بِالْهَزْوِ مِنَ الْقَوْلِ فَرَارًا مِنَ الْحَقِّ وَ اِلْحَادًا اِلَی الْبَاطِلِ الَّذِیْ لَا یُعِزُّ اللّٰهُ بِاَهْلِهِ الدِّیْنَ وَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ بِکُمْ اَنَّکُمْ لَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ کُلَّمَا اَمَرْتُکُمْ بِجِهَادِ عَدُوِّکُمْ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ وَ سَاَلْتُمُوْنِیَ التَّاخِیْرَ دِفَاعَ ذِی الدَّیْنِ الْمَطُوْلِ اِنْ قُلْتُ لَکُمْ فِی الْقَیْظِ سِیْرُوْا قُلْتُمْ اَلْحَرُّ شَدِیْدٌ وَ اِنْ قُلْتُ لَکُمْ فِی الْبَرْدِ سِیْرُوْا قُلْتُمْ اَلْقَرُّ شَدِیْدٌ کُلُّ ذَالِكَ فِرَارًا عَنِ الْحَرْبِ اِذَا کُنْتُمْ مِنَ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ تَعْجَزُوْنَ فَاَنْتُمْ مِنْ حَرَارَةِ السَّیْفِ اَعْجَزُ وَ اَعْجَزُ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ یَا اَهْلَ الْکُوْفَةِ قَدْ اَتَانِیْ الصَّرِیْحُ یُخْبِرُنِیْ اَنَّ ابْنَ غَامِدٍ قَدْ نَزَلَ بِالْاَنْبَارِ عَلٰی اَهْلِهَا لَیْلًا فِیْ اَرْبَعَةِ الافٍ فَاَغَارَ عَلَیْهِمْ کَمَا یُغَارُ عَلَی الرُّوْمِ وَ الْخَزَرِ فَقَتَلَ بِهَا عَامِلِیْ اِبْنَ حَسَّانٍ وَ قَتَلَ مَعَهٗ رِجَالًا صَالِحِیْنَ ذَوِیْ فَضْلٍ وَّ عِبَادَةٍ وَّ نَجْدَةٍ بَوَّاَ اللّٰهُ لَهُمْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ وَ اِنَّهٗ اَبَاحَهَا وَ لَقَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ الْعُصْبَةَ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ کَانُوْا یَدْخُلُوْنَ عَلَی الْمَرْاَةِ الْمُسْلِمَةِ وَ الْاُخْرٰی الْمُعَاهَدَةِ فَیُهْتِکُوْنَ سِتْرَهَا عَ یُؤْخِذُوْنَ الْقَنَاعَ مِنْ رَّاْسِهَا وَ الْخُرْصَ مِنْ اُذُنِهَا وَ الْاَوْضَاحَ مِنْ یَّدَیْهَا وَ رِجْلَیْهَا وَ عَضُدَیْهَا وَ الْخَلْخَالَ وَ الْمِیْزَرَ عَنْ سَوْقِهَا فَمَا تَمْتَنِعُ اِلَّا بِالْاِسْتِرْجَاعِ وَ النِّدَاءِ یَا لِلْمُسْلِمِیْنَ فَلَا یُغِیْثُهَا مُغِیْثٌ وَ لَا یَنْصُرُهَا نَاصِرٌفَلَوْ اَنَّ مُؤْمِنًا مَاتَ مِنْ دُوْنِ هٰذَا مَا کَانَ عِنْدِیْ مَلُوْمًا بَلْ کَانَ عِنْدِیْ بَارًّا مُّحْسِنًا وَا عَجَبًا کُلَّ الْعَجَبِ مِنْ تَظَافُرِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ عَلٰی بَاطِلِهِمْ وَ فَشْلِکُمْ عَنْ حَقِّکُمْ قَدْ صِرْتُمْ غَرَضًا یُّرْمٰی وَ لَا تَرْمُوْنَ وَ تُغْزَوْنَ وَ لَا تَغْزُوْنَ وَ یُعْصَ اللّٰهُ وَ تَرْضَوْنَ فَتَرِبَتْ اَیْدِیْکُمْ یَا اَشْبَاهَ الْاِبِلِ غَابَ عَنْهَا رُعَاتُهَا کُلَّمَا اجْتَمَعَتْ مِنْ جَانِبٍ تَفَرَّقَتْ مِنْ جَانِبٍ۔

ترجمہ: لوگو! میں نے تمہیں اُن لوگوں سے جہاد کے لئے کھڑا کرنا چاہا لیکن تم کھڑے نہ ہوئے، میں نے تمہیں صدائیں دیں لیکن تم نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے تمہیں نصیحت کی پس پشت گواہ بن کر بھی میری نصیحت قبول نہ کی۔ میں تمہارے سامنے علم و دانائی بیان کرتا ہوں مگر تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو۔ میں بلیغ مواعظ سے تمہیں وعظ کرتا ہوں لیکن تم ادھر اُدھر ہو جاتے ہو۔ گویا تم ایسے گدھوں کا ٹولہ ہو جو ایک شیر کو دیکھ کر بھاگ اٹھے ہوں۔ میں تمہیں ظالموں کے خلاف جہاد کی ترغیب دیتا ہوں لیکن ابھی میری گفتگو ہی مکمل نہیں ہوتی کہ تم سبا والوں کی طرح متفرق ہو جاتے ہو۔

تم اپنی محفلوں میں واپس جاتے ہو تو وہاں حلقے قائم کر کے بیٹھتے ہو اور ضرب الامثال بیان کرنے لگتے ہو اور اشعار کی محفل سجاتے

ہواور حالات دریافت کرتے رہتے ہو۔اور جب تم ان محافل سے منتشر ہوتے ہوتو اشیاء کے نرخ معلوم کرنے لگتے ہو۔یہ سب باتیں ایسی جہالت پرمبنی ہیں جس کے ساتھ علم نہیں اوراس غفلت کی پیدا کردہ ہیں جس کے ساتھ تقویٰ نہیں اور یہ اس جستجو کا ثمر ہیں جس میں خوف خدا شامل نہیں ہے۔تم نے جنگ اوراس کی تیاری کوفراموش کر دیا ہےاورتمہارے دل بھی جنگ کی یاد سے خالی ہوگئے ہیں۔تم نے اپنے دلوں کو غلط سلط حیلوں بہانوں میں مشغول کر دیا ہے۔کمال تعجب ہے!اور میں اس قوم سے تعجب کیوں نہ کروں جواپنے باطل پر مجتمع ہیں جبکہ تم لوگوں نے حق کو چھوڑ دیا ہے۔

کوفہ والو!تمہاری مثال ''ام مجالد'' کی سی ہے جو حاملہ ہوئی تو مردہ بچہ جنا اوراس کا شوہر بھی مرگیا اوراس کی بیوگی طویل ہوگئی اور دور والوں نے اس کی میراث پائی۔اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جان کو پیدا کیا،تمہاری اس تنگ وتاریک حالت کے بعد دنیاوی جہنم تمہاری منتظر ہے جو کسی کو باقی نہ رکھے گی اور کسی کو نہ چھوڑے گی۔اور پھراس کے بعد اس کا دور آئے گا جو دانتوں سے پکڑنے والا اور گردن توڑنے والا اور مال ودولت جمع کرنے والا اور حق داروں سے دولت کو روکنے والا ہوگا۔پھر بنی امیہ کی ایک پوری جماعت تم پر حکومت کرے گی جن کا آخری حکمران پہلے حکمران سے زیادہ رحم دل نہیں ہوگا۔سوائے ایک شخص کے(اس سے عمر بن عبدالعزیز مراد ہے)۔ یہ وہ آزمائش ہے جس کا فیصلہ اللہ نے قضاوقدر میں کر دیا ہے۔اور یہ آزمائش ہر حال میں امت پر آکر رہے گی۔وہ تمہارے نیک لوگوں کو قتل کریں گے،تمہارے کمزور لوگوں کو غلام بنائیں گے اور تمہارے ذخیروں اور خزانوں کو تمہارے آراستہ کمروں سے نکال لیں گے۔یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے تم پر عذاب ہوگا کیونکہ تم نے اپنے امور کو ضائع کیا اور اپنی ذات اور دین کی اصلاح کو پیش نظر نہیں رکھا۔

کوفہ والو!میں واقعات کے پیش آنے سے قبل تمہیں ان کی خبر دے رہا ہوں تا کہ تم بچ جاؤ اور جو وعظ ونصیحت قبول کرنے والا ہو اسے بھی اس سے خبردار کرو۔گویا میں اس وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہوں جب تم کہتے ہو کہ علیؑ (العیاذ باللہ) جھوٹ بولتا ہے۔تم سے پہلے قریش بھی اپنے نبی اور سردار، نبی رحمت محمد بن عبداللہ حبیب خدا ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے متعلق یہی کچھ کہتے تھے۔تم پر افسوس میں کس پر جھوٹ بولوں گا؟ تو کیا اللہ پر جھوٹ بولوں گا جب کہ سب سے پہلے میں نے ہی اللہ کی عبادت کی اوراس کی توحید کا اقرار کیا۔یا پھر کیا میں رسول اللہؐ پر جھوٹ بولوں گا؟ جبکہ سب سے پہلے ان پر ایمان لانے والا میں ہی تھا۔اوران کی تصدیق ونصرت سب سے پہلے میں نے ہی کی تھی۔تم ان باتوں کو ہرگز نہ سمجھ سکو گے۔میری باتیں اس بہلانے والے انداز میں تھیں جن سے تم بے نیاز ہو۔اس ذات کی قسم!جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جس نے جان کو پیدا کیا،عنقریب ان خبروں کی حقیقت کو تم جان لوگے اوراس انجام تک تمہاری جہالت تمہیں پہنچائے گی مگر اس وقت تمہارا علم تمہیں فائدہ نہیں دے گا۔پس تمہارا برا ہو،اے مرَدوں کی شکل وصورت رکھنے والے نامردو!تمہاری عقلیں بچوں کی سی اور تمہاری سمجھ بوجھ حجلہ نشین عورتوں کی مانند ہے۔بخدا!اے وہ لوگو!جن کے جسم یکجا ہیں اور جن کے عقول ان سے غائب ہیں اور جن کی خواہشیں جداجدا ہیں۔اللہ اسے نصرت کی عزت نہ دے جو تمہیں پکارے اوراس کا دل ہمیشہ بے چین رہے جس کا تم سے واسطہ ہواور وہ آنکھ کبھی ٹھنڈک محسوس نہ کرے جو تمہارا وجود دِکھائے۔تمہاری باتیں تو سخت پتھروں کو بھی نرم کر دیتی ہیں لیکن تمہارا عمل ایسا ہے جسے دیکھ کر تمہارا سرسخت دشمن طمع کرنے لگ جاتا ہے۔تم پر صد افسوس!اس گھر کے بعد اور کون سا گھر ہے جس کی تم حفاظت کرو گے؟اور میرے بعد اور کس

امام کے ساتھ ہوکر جہاد کرو گے؟۔خدا کی قسم! جسے تم نے دھوکا دے دیا ہے اس کے فریب خوردہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور جسے تم جیسے لوگ ملے ہوں تو گویا اس کے حصہ میں وہ تیر آتا ہے جو خالی ہوتا ہے۔اب تو میری حالت یہ ہوگئی ہے کہ میں تمہاری مدد سے بے آس ہوگیا ہوں اور میں تمہاری کسی بات کی تصدیق نہیں کرتا۔اللہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی پیدا فرمائے اور تمہارا رب مجھے تمہارے بدلے ان کی صحبت عطا فرمائے جو تم سے بہتر ہوں اور میرے بدلے میں خدا تمہیں وہ حاکم عطا کرے جو سب سے برا ہو۔تمہارا امام تو اللہ کی اطاعت کرتا ہے مگر تم اس امام کی نافرمانی کرتے ہو جب کہ شامیوں کا امام اللہ کی نافرمانی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود شامی اس کی اطاعت کرتے ہیں۔بخدا! میری یہ خواہش ہے کہ معاویہ مجھ سے تمہارا سودا درہم و دینار کی طرح کر لیتا کہ میں اسے تم میں سے دس افراد پکڑ کر دیتا اور وہ اپنا ایک شامی مجھے دیتا۔بخدا! میری یہ حسرت ہی رہی کہ میرا تم سے تعارف نہ ہوا ہوتا اور تم میرے شناسا نہ بنے ہوتے۔تمہاری شناسائی پشیمانی کو اپنے جلو میں لاتی ہے۔تم نے میرے سینے کو غصہ سے بھر دیا ہے اور تم نے میری اطاعت کو چھوڑ کر اور نافرمانی کر کے میرے معاملات کو خراب کر دیا ہے۔اور نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ قریش کہنے لگے ہیں کہ علیؑ بہادر انسان تو ہے لیکن وہ جنگی تدبیروں سے ناواقف ہے۔ خدا ان سے سمجھے! کیا ان میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کی مزاولت رکھنے والا اور جنگ کی سختیاں برداشت کرنے والا ہو؟ میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب وضرب کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اب تو ساٹھ سے بھی اوپر کا ہوگیا ہوں،لیکن اس کا حکم ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے!

بخدا! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے تمہارے درمیان سے نکال کر اپنی رضا میں پہنچائے۔یقیناً موت میری گھات لگائے ہوئے ہے۔کائنات کے بدبخت وبدنصیب (مرادابن ملجم ملعون) کو کس نے روکا ہوا ہے کہ وہ اسے خضاب کرے (پھر آپؑ نے اپنا ہاتھ اپنے سر اور ریش پر رکھا)۔یہ ایک ایسا عہد ہے جو نبی اُمیؐ نے مجھ سے کیا تھا اور وہ خسارے میں رہا جس نے افترا پردازی کی۔اور جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی اس نے نجات پائی۔کوفہ والو! میں نے تمہیں اس قوم سے جہاد کے لئے دن،رات اور دھیمی آواز میں اور علانیہ دعوت دی ہے۔اور میں نے تم سے کہا بھی کہ ان کی طرف سے جنگ شروع کرنے سے پہلے تم ان سے جنگ کرو کیونکہ جن افرادِ قوم پر ان کے گھروں کے حدود کے اندر ہی حملہ ہوجاتا ہے وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔لیکن تم نے سستی دکھائی اور پیچھے ہٹ گئے اور میری بات تمہیں گراں گزری اور میرا حکم تمہیں سخت نظر آیا اور تم نے اسے پس پشت ڈال دیا۔یہاں تک کہ تم پر غارت گری مسلط کی گئی اور تمہارے اندر فواحش اور بے ہودہ امور ظاہر ہوئے (تب میرے قول کی صداقت تم پر ظاہر ہوئی) اور صبح وشام تم پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہوئیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئی تھیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکش اور باغی جابروں اور کمزور لوگوں کے متعلق اس آیت میں خبر دی ہے ''وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی''۔

اس ذات کی قسم! جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جان کو پیدا کیا تم پر وہ عذاب نازل ہوچکا جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔اے اہل کوفہ! میں نے مواعظ قرآن کے ذریعہ سے تمہیں سرزنش کی لیکن میں تم سے فائدہ حاصل نہ کرسکا اور میں دُرّہ لے کر بھی اٹھا لیکن تم پھر بھی میرے لئے سیدھے نہ ہوئے اور میں نے تمہیں اس کوڑے سے سزا دی جسے حدود میں استعمال کیا جاتا ہے پھر بھی تم نے توجہ نہ کی اور بے شک

میں جانتا ہوں جو چیز تمہاری اصلاح کرسکتی ہے وہ صرف اور صرف تلوار ہے لیکن میں تمہاری اصلاح کے لئے اپنی ذات کو خراب نہیں کرسکتا۔ مگر عنقریب تم پر ایک سخت بادشاہ مسلط ہوگا جو تمہارے بزرگوں کا احترام نہ کرے گا اور تمہارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے گا۔ اور تمہارے عالم کی عزت نہ کرے گا اور مال فئے کو تم میں مساوات سے تقسیم نہ کرے گا۔ وہ تمہیں مارے گا اور تمہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں تیار کر کے جنگوں میں لے جائے گا۔ اور تمہارے حیلے بہانے کے تمام راستے کاٹ دے گا۔ اور اپنے دروازے پر حاجب بٹھا کر تم سے ملاقات نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ تمہارے طاقتور کمزور کو کھا جائیں گے پھر اللہ اس دور کے مظلوموں کو بھی اپنی شفقت سے دور رکھے گا کہ جانے والی چیز بہت کم ہی واپس آیا کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری تعداد کم ہو جائے گی البتہ میرا فرض تو تمہیں صرف نصیحت کرنا ہی تھا۔ اے اہل کوفہ! تمہارے ذریعہ سے تین اور دو قسم کے لوگوں سے میری آزمائش ہوئی ہے:۔

۱۔ کان رکھنے والے بہرے ۲۔ زبان رکھنے والے گونگے ۳۔ آنکھ رکھنے والے اندھے اور جو:

۱۔ ٹکراؤ کے وقت ثابت قدم رہنے والے نہیں ہیں۔ اور ۲۔ آزمائش کی گھڑی میں بھروسہ کے قابل نہیں ہیں۔

خدایا! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا چکے ہیں۔ میں ان سے تنگ آ چکا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ چکے ہیں۔ خدایا! کسی حاکم کو ان پہ راضی نہ کرنا اور انہیں کسی حاکم سے خوش نہ رکھنا اور ان کے دلوں کو ایسے گھول دے جیسے نمک کو پانی میں گھولا جاتا ہے۔ بخدا! اگر میں تم سے کلام کرنے اور رابطہ رکھنے سے باز رہ سکتا تو لازمی طور پر باز رہتا۔ مگر میں تمہاری ہدایت کے لئے تمہیں سرزنش کرتا رہا یہاں تک کہ میں زندگی سے تنگ آ گیا (اس کے باوجود) تم مذاق کرتے ہوئے لوٹتے ہو۔ یہ سب کچھ حق سے فرار ہے اور یہ اس باطل کی طرف جھکاؤ کا نتیجہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے اللہ اپنے دین کو ترقی نہیں دیتا۔ اور میں تمہارے متعلق یہ بات بخوبی جانتا ہوں کہ تم میرے لئے خسارہ کے اضافے کا سبب ہو۔ میں نے تمہیں تمہارے دشمن سے جہاد کرنے کا حکم دیا تو تم زمین سے چمٹ گئے اور تم نے مجھ سے جنگ کی تاخیر کی درخواست کی جیسا کہ نادہندہ مقروض اپنے قرض خواہ کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کبھی میں نے موسم گرما میں تمہیں چلنے کے لئے کہا تو تم نے کہا گرمی بہت سخت ہے اور اگر میں نے موسم سرما میں تمہیں نکلنے کے لئے کہا تو تم نے کہا سردی بڑی شدید ہے۔ یہ سب کچھ جنگ سے بچنے کے لئے تم نے کیا اور جب تم گرمی اور سردی کو برداشت کرنے سے عاجز ہو تو تلوار کی گرمی سے تو اور زیادہ عاجز ہو گے! ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ '' (ہم خدا کے ہیں اور خدا کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں)

کوفیو! میرے پاس ایک مخلص یہ خبر لے کر آیا ہے کہ ابن غامد (سفیان بن عوف) چار ہزار کا لشکر لے کر رات کے وقت ''انبار'' میں داخل ہوا اور اس نے شہر انبار پر ویسی غارت گری کی جیسا کہ روم و خزر (کے کافروں) پر کی جاتی ہے۔ اس نے وہاں میرے مقرر کردہ گورنر حسان بن حسان کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھ بہت سے نیک اور فضیلت و عبادت اور بزرگی رکھنے والے افراد کو بھی قتل کیا۔ اللہ انہیں جنت نعیم میں جگہ عطا فرمائے۔ اس غامدی نے شہر کو لوٹا اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ شامیوں کی جماعت مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتی تھی اور ان کی پردہ دری کرتی تھی، ان کے سر سے چادر اتارتی، کانوں سے گوشوارے، ہاتھوں سے کنگن، پاؤں سے پازیب اور ان کے گلو بند اتارتی تھی اور وہ بے چاری عورتیں سوائے انا للہ پڑھنے اور امت مسلمہ کو دہائی دینے کے اور کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔ مگر

ان کا کوئی فریادرس نہیں تھا اور کوئی مددگار ان کی مدد کے لئے موجود نہیں تھا۔ اب اگر کوئی مؤمن ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو میرے نزدیک وہ قابل ملامت نہیں بلکہ لائق تحسین اور نیکوکار ہے۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ وہ قوم تو باطل پر ہوتے ہوئے بھی کامیاب ہو اور تم حق پر ہوتے ہوئے بھی ناکام رہو۔ تم تو تیروں کا ازخود نشانہ بنے ہوئے ہو اور خود کوئی تیر نہیں مار سکتے۔ وہ تم سے لڑ بھڑ رہے ہیں اور تم جنگ سے جی چراتے ہو۔ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں! اے اونٹوں جیسے لوگو! جن کے چرانے والے غائب ہوں تو انہیں ایک جانب سے اکٹھا کیا جاتا ہے تو وہ دوسری جانب سے منتشر ہو جاتے ہیں۔

خطبہ ۳۰

قتل حضرت عثمانؓ کے سلسلے میں آپؑ کی روش

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہ بھی آپؑ کا ایک خطبہ ہے۔

لَوْ اَمَرْتُ بِهٖ لَكُنْتُ قَاتِلاً اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ لَكُنْتُ نَاصِرًا غَيْرَ اَنَّ مَنْ نَصَرَهٗ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقُوْلَ خَذَلَهٗ مَنْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ وَ مَنْ خَذَلَهٗ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقُوْلَ نَصَرَهٗ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ وَ اَنَا جَامِعٌ لَّكُمْ اَمْرَهٗ اِسْتَاْثَرَ فَاَسَاءَ الْاَثْرَةَ وَ جَزِعْتُمْ فَاَسَاْتُمُ الْجَزَعَ وَ لِلّٰهِ حُكْمٌ وَّاقِعٌ فِي الْمُسْتَاْثِرِ وَ الْجَازِعِ.

اگر میں ان کے قتل کا حکم دیتا تو البتہ ان کا قاتل ٹھہرتا اور اگر ان کے قتل سے دوسروں کو روکتا تو ان کا معاون و مددگار رہوتا (اس لئے میں بالکل غیر جانبدار رہا) لیکن حالات ایسے تھے کہ جن لوگوں نے ان کی نصرت و مدد کی وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان کی نصرت نہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔ اور جن لوگوں نے ان کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا وہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان کی مدد کرنے والے ہم سے بہتر و برتر ہیں۔ میں حقیقت امر کو تم سے بیان کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے (اپنے عزیزوں کی) طرف داری کی تو بہت بری طرح سے طرف داری کی اور تم گھبرا گئے تو بھی بری طرح سے گھبرا گئے۔ اور بے جا طرف داری کرنے والے اور گھبرا اٹھنے والے (ان دونوں فریق) کے درمیان اصل فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

تشریح لغت (اَلْاِسْتِئْثَارُ) بِالشَّیْءِ کسی چیز کو منفرد کر لینا اور اسی سے اسم مصدر (اَثَرَۃٌ) اَثْ رَ تینوں پر زبر ہے۔ (اَلْجَزْعُ) اضطراب اور بے صبری۔

وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ(ع)فِیْ ذَمِّ اِخْتِلَافِ الْعُلَمَاءِ فِی الْفُتْیَا

تَرِدُ عَلٰی اَحَدِهِمُ الْقَضِیَّةُ فِیْ حُكْمٍ مِّنَ الْاَحْكَامِ فَیَحْكُمُ فِیْهَا بِرَأْیِهٖ ثُمَّ تَرِدُ تِلْكَ الْقَضِیَّةُ بِعَیْنِهَا عَلٰی غَیْرِهٖ فَیَحْكُمُ فِیْهَا بِخِلَافِ قَوْلِهٖ ثُمَّ یَجْتَمِعُ الْقُضَاةُ بِذٰلِكَ عِنْدَ الْاِمَامِ الَّذِیْ اسْتَقْضَاهُمْ فَیُصَوِّبُ اٰرَائَهُمْ جَمِیْعًا وَاِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ وَ نَبِیُّهُمْ وَاحِدٌ وَ كِتَابُهُمْ وَاحِدٌ اَفَاَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْهُ اَمْ نَهَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِیْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِهِمْ عَلٰی اِتْمَامِهٖ اَمْ كَانُوْا شُرَكَآءَ لَهٗ فَلَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا وَ عَلَیْهِ اَنْ یَّرْضٰی اَمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ دِیْنًا تَآمًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ عَنْ تَبْلِیْغِهٖ وَ اَدَائِهٖ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ یَقُوْلُ ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِنْ شَیْءٍ وَ فِیْهِ تِبْیَانُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ وَ ذَكَرَ اَنَّ الْكِتَابَ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَ اَنَّهٗ لَا اخْتِلَافَ فِیْهِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴾ وَ اِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهٗ اَنِیْقٌ وَ بَاطِنُهٗ عَمِیْقٌ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُهٗ وَ لَا تَنْقَضِیْ غَرَائِبُهٗ وَ لَا تَكْشِفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِهٖ

فتاویٰ میں علماء کے مختلف الآراء ہونے کی مذمت میں فرمایا

جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی (شرعی) معاملہ فیصلہ کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا ایک حکم لگا دیتا ہے، پھر جب وہی مسئلہ بعینہٖ کسی دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنے سے پہلے کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے۔ پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس خلیفہ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنا رکھا ہے تو وہ سب کی رائے کو صحیح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے (انہیں غور تو کرنا چاہئے) آیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجا لاتے ہیں؟ یا اس نے تو حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے جبکہ یہ اختلاف کر کے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں؟ یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا؟ یا یہ کہ یہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضا مند رہے؟ یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسولؐ نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی؟ جبکہ اللہ نے تو قرآن میں یہ فرمایا ہے: ہم نے قرآن میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس میں لوگ کافی اختلاف پاتے۔ اور قرآن کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔ اس کے عجائبات مٹنے والے ہیں نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے۔ ظلمتوں (جہالتوں) کا پردہ صرف اسی سے ہی چاک کیا جا سکتا ہے۔

تشریح لغت

تشریح

(لَوْ اَمَرْتُ بِہٖ لَکُنْتُ قَاتِلاً) اگر میں نے قتل عثمان کا کسی کو حکم دیا ہوتا تو میں ضرور قاتل قرار پاتا۔ لغوی اعتبار سے قاتل صرف وہی ہوتا ہے جس سے اس فعل کا ارتکاب ہوا ہو۔ لیکن یہ لفظ عرف عام میں وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جس کے تحت قتل کا سبب بننے والا اور حکم دینے والا بھی قاتل ہی شمار ہوتا ہے۔ (اَوْ نَھَیْتُ عَنْہُ لَکُنْتُ نَاصِرًا) یا میں نے ان کے قتل سے لوگوں کو روکا ہوتا تو میں ان کا مددگار قرار پاتا۔ درج بالا دونوں امور یعنی امر و نہی کے سلب کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ آپؑ کا کردار نہ تو ان کے بچانے میں میں تھا اور نہ ہی ان کے قتل میں آپؑ کا کوئی حکم اور اشارہ کارفرما تھا۔ اور ان الفاظ سے آپؑ نے شورش کے دنوں میں اپنی غیر جانبداری کی حیثیت کا اظہار کیا اور یہ الفاظ معاویہ اور ان کے ہمنواؤں کی تردید ہیں جو آپؑ کو عثمان کا قاتل قرار دیتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے دنیاوی مفادات کے حصول کیلئے لوگوں میں مشہور کر دیا تھا کہ علیؑ کے حکم پر ہی عثمان قتل کئے گئے ہیں۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ آپؑ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے نہ تو عثمان کے قتل کا کسی کو حکم دیا تھا اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔ تو اس لحاظ سے آپؑ کی نظر میں قتل عثمان ایک مباح امر تھا، کیونکہ اگر قتل عثمان فرض تھا تو آیا لوگوں کو اس کا حکم دیتے اور اگر ان کا قتل حرام ہوتا تو آپؑ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرماتے۔ لیکن آپؑ نے دونوں امور سے اجتناب کر کے اسے مباح امور کی فہرست میں داخل کر دیا جن کے لئے کسی امر یا نہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مقام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولائے کائنات کی طرف سے ان کے قتل کا حکم نہ دینے کا ایک مقصد یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپؑ نے بر بنائے مصلحت اس کے حکم دینے سے گریز کیا ہو۔ کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں کتنی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ بحارالانوار میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اسی مقصد کی تائید کرتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ''اَللّٰہُ قَتَلَہٗ وَ اَنَا مَعَہٗ'' اسے اللہ نے مارا اور میں بھی اس کے ساتھ تھا۔

البتہ یہاں دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ آپؑ کا اس فعل سے منع نہ کرنا بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپؑ اس فعل کو جائز سمجھتے تھے۔ ممکن ہے کہ آپؑ نے اس لئے لوگوں کو روکنا مناسب نہ سمجھا ہو کہ ان حالات میں ان کے منع کرنے کا کوئی ثمر برآمد نہیں ہوگا۔ اور نہی عن المنکر کا فریضہ تب واجب ہوتا ہے جب انسان محسوس کرے کہ سننے والا اس پر عمل کرتے ہوئے غلط کام سے باز آجائے گا یا کم از کم نہی کرنے والے کو اس بات کا گمان ہو کہ سامع پر اس کی بات کا اثر ہوگا۔ لیکن جب یقین ہو کہ میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوگا تو اس صورت میں یہ وظیفہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں نہی عن المنکر کرنے والے کی دو ہی حالتیں قابل تصور ہیں:۔

۱۔ اس لئے نہی کر رہا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں گے۔ تو یہ صورت انتہائی قبیح ہے جو امامؑ کی شان کے خلاف ہے۔

۲۔ یا اس لئے کوئی شخص نہی عن المنکر کر رہا ہے کہ فعل منکر (برا فعل) واقع نہ ہو تو یہ بات غیر حاصل ہے۔

اس مقام پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہیں کہ آپؑ نے لوگوں کو سرے سے منع ہی نہیں کیا تھا، جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے بحار میں امالی کے حوالہ سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر لوگ پسند کریں تو میں مقام ابراہیمؑ کے پیچھے کھڑے ہو کر قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے نہ تو عثمان کو قتل کیا اور نہ ہی ان کے قتل کا حکم دیا، میں نے تو لوگوں کو اس

سے منع کیا تھا لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی تھی‘‘۔ اور اس جملہ کی موجوگی میں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ درج بالا روایات سے دو مختلف باتیں ثابت ہوتیں ہیں۔

۱۔ میں نے نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ ہی ان کی مدد کی۔

۲۔ میں نے لوگوں کو ان کے قتل سے روکا تھا لیکن لوگ باز نہ آئے۔ تو مذکورہ دونوں جملوں کے تضاد کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

حق یہ ہے کہ آپؑ کے فرامین پڑھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کا کلام مجمل اور متشابہ المراد ہے اور اس کا اصل مقصد ہی سامعین پر حقیقت کو مبہم رکھنا ہے۔ اور علامہ مجلسیؒ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں دو گروہ پائے جاتے تھے۔

۱۔ ایک گروہ کا نظریہ تھا کہ عثمان ناحق قتل کئے گئے ہیں اور وہ عثمان کی محبت کا دم بھرتے تھے اور ان کے دشمنوں سے برائت کیا کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ کہتا تھا کہ عثمان اپنے کرتوتوں کی بھینٹ چڑھے ہیں اور ان کے غلط کردار نے ہی انہیں اس انجام سے دوچار کیا ہے۔ اور اس گروہ میں بعض ایسے بھی تھے جو ان کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ بہرنوع دو مختلف نظریات کے حامل افراد امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر میں موجود تھے۔ اور لطف یہ کہ دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ حضرت علیؑ اس کی رائے سے متفق ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام ہر دو گروہ کے نظریات سے بخوبی واقف تھے اسی لئے آپؑ نے کھل کر اس مسئلہ پر کبھی لب کشائی نہیں کی تھی کیونکہ آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ جب بھی آپؑ نے کھل کر کسی فریق کی تائید کر دی تو دوسرا فریق علیحدہ ہو جائے گا اور اس بات کا خطرہ بھی موجود تھا کہ دونوں فریق آپس میں لڑ پڑیں گے جس سے ہزاروں جانوں کا اتلاف ہو سکتا تھا۔ اور مولائے کائنات ایک شیخ مقتول کی وجہ سے ہزاروں انسانوں کے قتل کو روا نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے اس حساس مسئلہ پر آپؑ نے جب بھی گفتگو فرمائی تو دانستہ طور پر آپؑ نے اپنی گفتگو کو مبہم ہی رکھا تا کہ امت اسلامیہ کو مزید کشت وخون سے بچایا جا سکے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے انہی مبہم فقرات کو دیکھ کر ایک شامی شاعر نے یہ نظم کہی تھی۔

اَرَی الشَّامَ تَکْرَهُ اَهْلَ الْعِرَاقِ ... وَ اَهْلَ الْعِرَاقِ لَهُمْ کَارِهُوْنَا

وَ کُلٌّ لِصَاحِبِهٖ مُبْغِضٌ ... یَرٰی کُلَّ مَا کَانَ مِنْ ذَاكَ دِیْنًا

اِذَا مَا رَمَوْنَا رَمَیْنَاهُمْ ... وَ دِنَّاهُمْ مِثْلَ مَا یُقْرِضُوْنَا

وَ قَالُوْا نَرٰی اَنْ تَدِیْنُوْا لَنَا ... فَقُلْنَا اَلَا لَا نَرٰی اَنْ نَدِیْنَا

وَ قَالُوْا عَلِیٌّ اِمَامٌ لَّنَا ... وَ قُلْنَا رَضِیْنَا ابْنَ هِنْدٍ رَضِیْنَا

وَ کُلٌّ یَسُرُّ بِمَا عِنْدَهٗ ... یَرٰی غِشَّ مَا فِیْ یَدَیْهِ سَمِیْنًا

وَ مَا فِیْ عَلِیٍّ لِمُسْتَعْتِبٍ ... یُقَالُ سِوٰی ضَمَّهُ الْمُحْدَثِیْنَا

وَ اِیْثَارُهُ الْیَوْمَ اَهْلَ الذُّنُوْبِ وَ رَفْعُ الْقِصَاصِ عَنِ الْقَاتِلِیْنَا
اِذَا سُئِلَ عَنْهُ حَذَا شُبْهَةً وَ عَمَی الْجَوَابَ عَنِ السَّائِلِیْنَا
فَلَیْسَ بِرَاضٍ وَّ لَا سَاخِطٍ وَ لَا فِی النُّهَاتِ وَ لَا الْآمِرِیْنَا
وَ لَا هُوَ سَاءَ وَ لَا سَرَّهٗ وَ لَا بُدَّ مِنْ بَعْضِ ذَا اَنْ یَّکُوْنَا

میں دیکھ رہا ہوں کہ شامی، عراقیوں سے نفرت کرتے ہیں اور عراقی بھی شامیوں سے نفرت کرتے ہیں ہر فریق دوسرے سے بغض رکھتا ہے اور اپنے اپنے نظریات کو دین قرار دیتا ہے۔ جب وہ ہم پر تیر چلاتے ہیں تو ہم بھی ان پر تیر چلاتے ہیں اور وہ جس طرح کا قرض ہمیں دیتے ہیں ہم بھی انہیں ان کا قرض واپس لوٹاتے ہیں۔ عراقی کہتے ہیں کہ تم ہمارا نظریہ قبول کرلو اور ہم کہتے ہیں کہ ہم تمہارا نظریہ قبول نہیں کرتے۔ عراقی کہتے ہیں کہ علیؑ ہمارے امام ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ہم ہند کے بیٹے (معاویہ) پر راضی ہیں۔ ہم میں سے ہر گروہ اپنے اپنے نظریہ پر خوش ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک اپنے لاغر نظریہ کو بھی قوی و فربہ تصور کرتا ہے۔ علیؑ کی شخصیت پر کسی طرح کا اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ شورش بپا کرنے والوں نے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اور آج وہ گناہ گاروں کو ترجیح دے رہے ہیں اور قاتلوں پر سے انہوں نے قصاص اٹھا لیا ہے۔ اور جب ان سے اس بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ ایک اور شبہہ پیدا کر دیتے ہیں اور سوال کرنے والوں پر جواب مخفی رہتا ہے۔ علیؑ نہ تو راضی تھے اور نہ ہی (قتل عثمان پر) ناراض تھے اور نہ تو روکنے والوں میں سے تھے اور نہ حکم دینے والوں میں سے تھے۔ (قتل عثمان پر) نہ تو وہ خوش ہوئے اور نہ ہی انہیں بُرا لگا۔ اور جو ایسا کرے تو اس سے یہی کچھ ہی ہوگا۔

تو یہ تھا مولائے کائنات کے مبہم رویہ کی وضاحت کا خلاصہ جو ہم نے یہاں پیش کیا اور اس رویہ میں جو مصالح امامت و امت مضمر تھیں، ہم نے انہیں تلخیص سے پیش کر دیا۔ اور آپؑ کی سیاسی بصیرت کو دیکھ کر یہ کہنا درست ہے کہ آپؑ عثمان کے غلط اقدامات پر دلبرداشتہ تھے اور آپ نے کئی مرتبہ انہیں صحیح راستہ دکھانے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ مروان آڑے آجاتا تھا مگر ان تمام حالات کے باوجود آپؑ ان کے قتل پر راضی نہ تھے۔ علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ آپؑ نے مفاسد و تقیہ کے پیش نظر ان کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور شورش کرنے والے افراد کو آپ نے اس لئے منع کرنا مناسب نہ جانا تھا کیونکہ وہ حق پر تھے۔ اور اس واقعہ کے متعلق آپؑ جب بھی مخالفین سے گفتگو کرتے تھے تو وہ بھی اس انداز سے کرتے تھے کہ جو حق کے خلاف نہ ہو اور جاہلوں اور سرکشوں کو بھی آپؑ پر اعتراض کا موقع نہ ملے۔ آپؑ کو اللہ نے فصل الخطاب عطا کیا ہوا تھا اس لئے آپؑ اس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے تھے کہ حق بھی واضح ہو جائے اور آپؑ کی ذات پر بھی کسی طرح کا حرف نہ آنے پائے اور درج ذیل جملوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپؑ کی ہمدردیاں عثمانی مددگاروں کے ساتھ نہیں تھیں بلکہ آپؑ کی ہمدردی اس گروہ کے ساتھ تھی جنہوں نے ان کی مدد سے ہاتھ اٹھا لئے تھے۔ (غَیْرَ اَنَّ مَنْ نَصَرَهٗ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّقُوْلَ خَذَلَهٗ مَنْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ وَ مَنْ خَذَلَهٗ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّقُوْلَ نَصَرَهٗ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِّنِّیْ) حالات ایسے تھے کہ جن لوگوں نے ان کی امداد کی وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان کی نصرت نہ کرنے والوں سے بہتر ہیں اور جن لوگوں نے ان کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا وہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان کی مدد و نصرت کرنے والے ہم سے بہتر و برتر ہیں۔ مذکورہ جملہ کی تشریح کرتے ہوئے شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ عثمان کی مدد سے ہاتھ اٹھانے والے

ان کے مددگاروں سے بہتر تھے کیونکہ حضرت عثمان کے مددگاروں میں مروان بن حکم اوراس قسم کے فاسق افراد تھےاوران کی مدد سے کنارہ کشی کرنے والوں میں مہاجرین وانصار تھے۔ میں اس مقام پرعرض کروں گا کہ مددگاروں کو دیکھ کر ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے لوگ جس کے مددگار ہوں گے وہ شخصیت کیسی ہوگی۔(وَ اَنَا جَامِعٌ لَّكُمْ اَمْرَهٗ) میں مختصر الفاظ میں ان کے معاملہ کی تمہارے لئے وضاحت کرتا ہوں۔

فیومی کہتے ہیں کہ آپؑ جوامع الکلم سے گفتگو کیا کرتے تھے۔آپؑ کا کلام کم حروف اور کثیر معانی پر مشتمل ہوتا تھا۔(اِسْتَـأْثَـرَ فَـأَسَـاءَ الْاَثَرَةَ) اس نے طرفداری کی تو بری طرح سے طرفداری کی۔اس نے خلافت کو گھر کی لونڈی بنالیا اوراس استبداد اوراقربا پروری کا ثمر یہ نکلا کہ ان کا نظم خلافت فاسد ہوگیا جوان کے قتل پر منتج ہوا۔(وَ جَـزِعْتُمْ فَاَسَأْتُمُ الْجَزْعَ) اورتم گھبرا اٹھے تو بری طرح سے گھبرائے۔ تم اس کے افعال دیکھ کر بری طرح سے بلبلانے لگے اورتم بری طرح سے گھبرائے اورتم نے احتجاج میں انہیں قتل کر دیا جب کہ حق یہ تھا کہ تم انہیں قتل کرنے کے بجائے مصالحت کرتے اورانہیں خلافت سے معزول کر دیتے اور کسی کو ان کا قائم مقام بناتے۔اس جملہ کی شرح میں ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ تم بری طرح سے اس کے قتل کے بعد گھبرا گئے جب کہ تمہیں قتل سے قبل گھبرانا چاہئے تھا۔

(وَ لِلّٰـهِ حُـكْـمٌ وَّاقِعٌ) اصل فیصلہ کرنے والا اللہ ہے اوراللہ یہ فیصلہ ضرور کرے گا خواہ فیصلہ دنیا میں ہو یا آخرت میں (فِـی الْـمُسْتَـأْثِـرِ وَ الْجَازِعِ) طرفداری کرنے والے اورگھبرانے والے کے درمیان ان جملوں کا ظاہری طور پر مفہوم یہی سامنے آتا ہے کہ اللہ قیامت کے روز اپنے عدل کے تقاضوں کے مطابق اس کا فیصلہ کرے گا اس دن خداوند عالم مجرم کو سزا دے گا اور بے گناہ کو جزا دے گا۔

قتل عثمان کے علل واسباب

شارح معتزلی، واقدی اورطبری کی روایت سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں ایسے کام کئے جن کی وجہ سے لوگ ان پر ناراض ہوئے اوران پر تنقید کی گئی۔خاص طور پران کی اقربا پروری کی داستانیں زبان زدعام وخاص ہوئیں۔اوران کے دور میں بنی امیہ کے فاسق اور بدقماش افراد کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا گیا جہاں انہوں نے اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امت کا استحصال کیا اورحکومتی وسائل کو بڑی بے دردی سے لوٹا اور بے گناہ افراد پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔اوراس کام میں انہیں مرکزی حکومت کی مکمل آشیر باد حاصل تھی۔حضرت عثمان نے انہیں بے بہا دولت سے نوازا۔اور بنی امیہ کے برعکس اکابر صحابہ پر سختیاں کی گئیں۔حضرت ابوذر کو ربذہ کے جنگل میں تن تنہا مرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔اورحضرت عمار اور عبداللہ بن مسعود کو سرعام بری طرح سے پیٹا گیا اوران کی پسلیاں توڑی گئیں یہ تمام ناگفتہ بہ حالات دیکھ کر عوام میں بے چینی پیدا ہوئی اورانہوں نے ایک دوسرے سے رابطے کئے اوران مظالم پر احتجاج کرنے کے لئے مصر سے دو ہزار افراد اور کوفہ وبصرہ سے بھی دو دو ہزار افراد حج کے قصد سے مدینہ آئے۔مدینہ کے قریب پہنچ کر اہل بصرہ نے مقام ذی خشب پر پڑاؤ ڈالا اور وہ طلحہ کی خلافت کے متمنی تھے۔اوراہل کوفہ نے مقام اعوص پر قیام کیا اور وہ زبیر کی خلافت کے خواہش مند تھےاوراہل مصر نے مقام ذوالمرہ میں قیام کیا اور یہ لوگ حضرت علیؑ کے طرف دار تھے۔اور پھر ہر گروہ میں سے کچھ افراد مدینہ

آئے اور صحابہ کرام اور ازواج سے ملاقات کی اور انہیں اپنے مسائل سے آگاہ کیا۔ اور صحابہ سے گذارش کی کہ وہ حضرت عثمان سے کہیں کہ وہ ان ظالم حکام کو معزول کریں مصریوں کی جماعت کے سرکردہ افراد مقام احجار الزیت کے پاس حضرت علیؑ سے ملے۔ اس وقت حضرت علیؑ تلوار حمائل کئے ہوئے تھے۔ آپؑ نے انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ تمام صالحین جانتے ہیں کہ ان تینوں مقامات پر قیام پذیر لشکروں پر رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے لعنت کی تھی۔ مصری حضرت علیؑ کا جواب سن کر ان کے پاس سے اٹھ کر چل دیئے اسی طرح سے اہل بصرہ اور اہل کوفہ کے نمائندہ وفود نے طلحہ وزبیر سے ملاقات کی انہوں نے بھی انہیں وہی جواب دیا جو حضرت علیؑ نے اہل مصر کو دیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے تمام اکابر صحابہ سے ملاقات کی اور صورت احوال کی تبدیلی کا مطالبہ کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کے مظالم مٹائے جائیں اور موجودہ روش کو بدلا جائے اور آئندہ کے لئے توبہ کی جائے۔ چنانچہ ایک شخص کو خط لکھ کر حضرت عثمان کے گھر بھیجا گیا۔ مگر آپؑ نے جواب دینے کے بجائے اس شخص کو گھر سے نکلوا دیا اور ان کے مطالبہ کو قابل اعتنا نہ سمجھا۔ اس کے بعد وہ لوگ اس غرور وطغیان کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے شہر کے اندر داخل ہوئے اور لوگوں سے حکومت کی ستم رانیوں کے ساتھ اس طرز عمل کا بھی شکوہ کیا۔ ادھر کوفہ اور بصرہ کے سینکڑوں آدمی اپنے شکوے شکایات لے کر مدینہ آئے ہوئے تھے، جو ان سے ہم نوا ہو کر اہل مدینہ کی پشت پناہی پر آگے بڑھے اور حضرت عثمان کو پابند مسکن بنا دیا مگر ان کے لئے مسجد آنے جانے کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن انہوں نے پہلے ہی جمعہ کو جو خطبہ دیا۔ اس میں ان لوگوں کو سخت الفاظ میں برا بھلا کہا اور انہیں ملعون تک قرار دیا۔ جس پر لوگوں نے مشتعل ہو کر ان پر سنگریزے پھینکے جس سے بے حال ہو کر منبر سے نیچے گرے اور چند دنوں کے بعد ان پر مسجد میں آنے جانے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔

جب حضرت عثمان نے اس حد تک حالات بگڑے ہوئے دیکھے تو بڑی لجاجت سے امیر المومنین علی علیہ السلام سے خواہش کی کہ وہ ان کے لئے چھٹکارے کی کوئی سبیل نکالیں اور جس طرح بن پڑے ان لوگوں کو متفرق کر دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''میں کس قرارداد پر انہیں جانے کے لئے کہوں جب کہ ان کے مطالبات حق بجانب ہیں''۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں اس کا اختیار آپؑ کو دیتا ہوں۔ آپؑ ان سے جو بھی معاہدہ کریں گے میں اس کا پابند رہوں گا۔ چنانچہ حضرتؑ مصریوں سے ملے اور ان سے بات چیت کی اور وہ اس شرط پر واپس پلٹ جانے کے لئے آمادہ ہو گئے کہ تمام مظالم مٹائے جائیں اور ابن ابی سرح کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مقرر کیا جائے۔ امیر المومنینؑ نے پلٹ کر حضرت عثمان کے سامنے ان کا مطالبہ رکھا جسے انہوں نے بغیر کسی پس وپیش کے مان لیا۔ اور یہ کہا کہ ان تمام مظالم سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے کچھ مہلت ملنی چاہئے۔ حضرتؑ نے فرمایا جو چیزیں مدینہ سے متعلق ہیں ان میں مہلت کے کوئی معنی نہیں۔ البتہ دوسری جگہوں کے لئے اتنا وقفہ دیا جا سکتا ہے کہ تمہارا پیغام وہاں تک پہنچ سکے۔ انہوں نے کہا نہیں مدینہ کے لئے بھی تین دن کی مہلت ہونا چاہئے۔ حضرت نے مصریوں سے بات چیت کر کے اسے بھی منظور کر لیا۔ اور ان کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی اور وہ لوگ حضرتؑ کے کہنے سے منتشر ہو گئے۔ کچھ محمد بن ابی کے ہمراہ مصر کو چلے گئے اور کچھ لوگ وادی ذی خشب میں ٹھہر گئے۔ اور یوں یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس واقعے کے دوسرے دن مروان نے حضرت عثمان سے کہا خیر یہ لوگ تو چلتے بنے مگر دوسرے شہروں سے آنے والوں کی روک تھام کے لئے آپ ایک بیان دیں تا کہ وہ مدینہ کا رخ نہ کریں اور اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو کر بیٹھے رہیں۔ اور وہ بیان یہ ہو کر مصر کے کچھ لوگ جھوٹ سچ

باتیں سن کر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ جو سنتے تھے غلط تھا، تو وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ حضرت عثمان ایسا صریح جھوٹ بولنا نہ چاہتے تھے مگر مروان نے کچھ ایسا چکمہ دیا کہ وہ آمادہ ہو گئے اور مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے کہا: ''ان مصریوں کو اپنے خلیفہ کے متعلق کچھ خبریں ملی تھیں اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ سب غلط اور بے سروپا تھیں تو وہ اپنے شہروں کی طرف پلٹ گئے''۔

یہ کہنا تھا کہ مسجد میں ایک ہلڑ مچ گیا اور لوگوں نے پکار پکار کہنا شروع کیا: ''اے عثمان! توبہ کرو، اللہ سے ڈرو۔ یہ تم کیا جھوٹ کہہ رہے ہو''۔ حضرت عثمان اس ہڑبونگ میں سٹپٹا کر رہ گئے اور توبہ کرنی ہی پڑی۔ چنانچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور پھر گھر پلٹ آئے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے غالباً اسی واقعہ کے بعد انہیں یہ مشورہ دیا کہ تم سابقہ لغزشوں سے کھلم کھلا توبہ کرو۔ تاکہ یہ شورشیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں ورنہ کل کو کہیں اور کے لوگ آ گئے تو پھر مجھے چھوٹو گے کہ تمہاری گلوخلاصی کراؤں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد نبوی میں خطبہ دیا جس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کی اور آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا عہد کیا۔ اور لوگوں سے کہا: ''جب میں منبر سے اتروں تو تمہارے نمائندے میرے گھر آئیں میں تمھاری شکایتوں ازالہ کروں گا اور تمھارے مطالبے پورے کروں گا''۔ جس پر لوگوں نے عثمان کے اقدام کو سراہا اور بڑی حد تک دلی کدورتوں کو آنسوؤں سے دھو ڈالا۔ یہاں سے فارغ ہو کر جب دولت سرا پر پہنچے تو مروان نے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ مگر حضرت عثمان کی زوجہ نائلہ بنت فرافصہ مانع ہوئیں اور مروان سے مخاطب ہو کر کہا: ''خدا کے لئے تم چپ رہو۔ تم کوئی ایسی ہی بات کہو گے جو ان کے لئے موت کا پیش خیمہ بن کر رہے گی''۔ مروان نے بگڑ کر کہا: ''تمہیں ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ تم اس کی بیٹی ہو جسے مرتے دم تک وضو کرنا بھی نہ آیا''۔ نائلہ نے جھلا کر کہا: ''تم غلط کہتے ہو اور بہتان باندھتے ہو۔ میرے باپ کو کچھ کہنے سے پہلے ذرا اپنے باپ کا بھی حلیہ دیکھ لیا ہوتا۔ اگر اس بزرگ کا خیال نہ ہوتا تو پھر وہ سناتی کہ لوگ کانوں پر ہاتھ دھر لیتے اور ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتے''۔ حضرت عثمان نے جب بات بڑھتے دیکھی تو انہیں روک دیا اور مروان سے کہا: ''کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟''۔ مروان نے کہا: ''یہ آپ مسجد میں کیا کہہ آئے اور کیسی توبہ کر آئے ہیں میرے نزدیک تو گناہ پر اڑے رہنا آپ کی اس توبہ سے ہزار درجہ بہتر تھا کیونکہ گناہ خواہ کی حد تک بڑھ جائیں ان کے لئے توبہ کی گنجائش رہتی ہے اور مارے باندھے کی توبہ کوئی توبہ نہیں ہوتی۔ کہنے کو تو آپ کہہ آئے ہیں مگر اس صدائے عام کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ دروازے پر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں تو اب آگے بڑھئے اور پورا کیجئے ان کے مطالبات کو''۔ حضرت عثمان نے کہا کہ خیر میں جو کہہ آیا سو کہہ آیا۔ اب تم ان لوگوں سے نپٹ لو۔ میرے بس کا یہ روگ نہیں کہ میں انہیں نپٹاؤں۔ چنانچہ مروان آپ کا ایماء پا کر باہر آیا اور لوگوں سے خطاب کر کے کہا: ''تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ کیا دھاوا بولنے کا ارادہ ہے یا لوٹ مار کا قصد ہے؟ یاد رکھو تم بآسانی ہمارے ہاتھوں سے اقتدار نہیں چھین سکتے اور یہ خیال دلوں سے نکال ڈالو کہ تم ہمیں دبا لو گے۔ ہم کسی سے دب کر رہنے والے نہیں ہیں۔ یہاں سے منہ کالا کرو، خدا تمہیں رسوا و ذلیل کرے''۔ لوگوں نے یہ بگڑے ہوئے تیور اور بدلا ہوا نقشہ دیکھا تو غیظ وغضب میں بھرے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے امیر المومنین علیہ السلام کے ہاں پہنچے اور انہیں ساری روئیداد سنائی۔ جسے حضرتؑ سن کر غصے سے پیچ وتاب کھانے لگے اور اسی وقت اٹھ کر عثمان کے ہاں گئے اور ان سے فرمایا: ''واہ سبحان اللہ! کیا خوب مسلمانوں کی درگت بنائی ہے۔ تم نے ایک بے دین اور بدکردار کی خاطر دین سے بھی ہاتھ اٹھا لیا اور عقل کو بھی جواب

دے دیا آخر تمہیں کچھ تو اپنے وعدے کا پاس ولحاظ ہونا چاہئے تھا۔ یہ کیا مروان کے اشارے پر آنکھ بند کر کے چل پڑو۔ یاد رکھو وہ تمہیں ایسے اندھے کنوئیں میں پھینکے گا کہ پھر اس سے نہ نکل سکو گے۔ تم تو مروان کی سواری بن گئے ہو کہ وہ جس طرح چاہے تم پر سواری گانٹھ لے اور جس غلط راہ پر چاہے تمہیں ڈال دے آئندہ سے میں تمہارے معاملہ میں کوئی دخل نہ دوں گا اور نہ لوگوں سے کچھ کہوں سنوں گا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام''۔ اتنا کہہ سن کر حضرتؑ تو واپس آئے اور نائلہ کی بن آئی۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ میں نہ کہتی تھی کہ مروان سے پیچھا چھڑائیے ورنہ وہ کلنک کا ایسا ٹیکہ لگائے گا کہ مٹائے نہ مٹے گا۔ بھلا اس کے کہنے پہ کیا چلنا جو لوگوں میں بے آبرو اور نظروں سے گرا ہوا ہو۔ آپ علی بن ابی طالب علیہ السلام کو منائیے ورنہ یاد رکھئے کہ بگڑے ہوئے حالات کا بنانا نہ آپ کے بس میں ہے نہ مروان کے اختیار میں ہے۔ حضرت عثمان اس سے متاثر ہوئے اور امیر المومنین کے پیچھے آدمی بھیجا مگر حضرت نے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ خود حضرت عثمان کے گرد گو محاصرہ نہ تھا مگر حیا زنجیر پا تھی کہ کون سا منہ لے کر گھر سے باہر نکلتے۔ مگر نکلے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا رات کے پردے میں چپکے سے نکلے اور امیر المومنین کے ہاں جا پہنچے اور اپنی بے بسی اور لاچاری کا رونا رویا، عذر و معذرت بھی کی، وعدے کی پابندی کا یقین بھی دلایا۔ مگر حضرتؑ نے فرمایا کہ تم مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے بھرے مجمع میں ایک وعدہ کرتے ہو، تو اس کا ایفا یوں ہوتا ہے کہ جب لوگ تمہارے ہاں پہنچتے ہیں تو انہیں برا بھلا کہا جاتا ہے اور گالیاں تک دی جاتی ہیں۔ جب تمہارے قول و قرار کی یہ صورت ہے کہ جسے دنیا دیکھ چکی ہے تو کس بھروسے پر میں آئندہ کے لئے تمہاری کسی بات پر اعتماد کر لوں اب مجھ سے کوئی توقع نہ رکھو۔ میں تمہاری طرف سے کوئی ذمہ داری اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں۔ راستے تمہارے سامنے کھلے ہوئے ہیں جو راستہ چاہو اختیار کرو اور جس دھرے پر چاہو چلو۔ اس بات چیت کے بعد حضرت عثمان پلٹ آئے اور الٹا امیر المومنین کو مورد الزام ٹھہرانا شروع کر دیا کہ ان کی شہہ پر ہنگامے اٹھ رہے ہیں اور وہ سب کچھ کر سکنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کرتے۔ ادھر تو یہ کا جو حشر ہوا سو ہوا اب دوسری طرف کی سنیے کہ جب محمد بن ابی بکر حجاز کی سرحد طے کر کے دریائے قلزم کے کنارے مقام ایلہ تک پہنچے تو لوگوں کی نظریں ایک ناقہ سوار پر پڑیں جو اپنی سواری کو اس طرح بگٹٹ دوڑائے لئے جا رہا تھا جیسے دشمن اس کے تعاقب میں ہوں۔ لوگوں کو اس پر کچھ شبہ ہوا تو اسے بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟

اس نے کہا: ''میں حضرت عثمان کا غلام ہوں''۔

پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

اس نے کہا: ''ارادہ مصر کا ہے''

پوچھا: ''کس کے پاس جا رہے ہو؟''

اس نے کہا: ''والی مصر کے پاس''

لوگوں نے کہا: ''مگر والی مصر تو ہمارے ہمراہ اور تمہارے سامنے ہیں۔ تم کس کے پاس جا رہے ہو؟''

اس نے کہا: ''مجھے ابن ابی سرح کے پاس جانا ہے''۔

لوگوں نے کہا: ''تمہارے پاس کوئی خط وغیرہ بھی ہے؟''

اس نے کہا: ''نہیں''۔

لوگوں نے پوچھا: ''بھلا کس مقصد سے جارہے ہو؟''

اس نے کہا: ''یہ نہیں معلوم''۔

لوگوں نے کہا: ''اس کی جامہ تلاشی لینی چاہئے''۔ چنانچہ تلاشی لی گئی مگر اس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔

کنانہ بن بشیر نے کہا: ''ذرا اس کا مشکیزہ تو دیکھو''۔

لوگوں نے کہا: ''چھوڑو بھلا پانی میں خط کہاں؟''

کنانہ نے کہا: ''تم کیا جانو کہ یہ لوگ کیا کیا چالیں چلا کرتے ہیں''۔

چنانچہ مشکیزہ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سیسے کی ایک نلکی تھی جس میں خط رکھا ہوا تھا۔

جب کھول کر پڑھا گیا تو فرمان خلافت یہ تھا ''جب محمد بن ابی بکر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تمہارے پاس پہنچے تو ان میں سے فلاں کو قتل کردو، فلاں کے ہاتھ کاٹو اور فلاں کو جیل میں ڈالو اور اپنے عہدہ پر برقرار رہو۔ یہ پڑھ کر سب پر سناٹا چھا گیا اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگ گئے اب آگے بڑھنا تو موت کے منہ میں جانا تھا۔ چنانچہ اس غلام کو ساتھ لے کر سب مدینہ کی طرف پلٹ آئے اور وہاں پہنچ کر وہ خط صحابہ کے سامنے مجمع عام میں پیش کیا۔ اس واقعہ کو جس نے سنا انگشت بدندان ہو کر رہ گیا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ جو حضرت عثمان کو برا نہ کہہ رہا ہو۔ اس کے بعد چند صحابہ ان لوگوں کے ہمراہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور وہ خط ان کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا کہ اس خط پر مہر کس کی ہے؟ کہا: ''میری''۔

پوچھا: ''یہ تحریر کس کی ہے؟''۔

کہا: ''میرے کاتب کی''۔

پوچھا: ''یہ غلام کس کا ہے؟''۔

کہا: ''میرا''۔

پوچھا: ''یہ سواری کس کی ہے؟''۔

کہا: ''حکومت کی''۔

پوچھا: ''یہ بھیجا کس نے ہے؟''۔

کہا: ''اس کا مجھے علم نہیں''۔

لوگوں نے کہا: ''سبحان اللہ! سب کچھ آپ کا اور آپ کو یہ تک پتہ نہ چلنے پائے کہ کس نے بھیجا ہے۔ جب آپ اتنے ہی بے بس ہیں تو چھوڑیئے خلافت کو اور الگ ہو جایئے تاکہ کوئی ایسا شخص آئے جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرسکتا ہو''۔

انہوں نے کہا: ''یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اس پیراہن کو اتار دوں جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے۔ البتہ توبہ کئے لیتا ہوں''۔

لوگوں نے کہا: ''توبہ کی بھلی کہی اس کی مٹی تو اس دن خراب ہوگئی تھی جب آپ کے دروازے پر مروان آپ کی ترجمانی کررہا تھا اور رہی سہی کسر اس خط نے نکال دی ہے اب ہم ان بھرّوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ خلافت کو چھوڑیئے۔ اگر آپ کے بھائی بند ہمارے سدراہ ہوئے تو ہم انہیں روکیں گے اور اگر لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے تو ہم بھی لڑیں گے۔ نہ ہمارے ہاتھ شل ہیں اور نہ ہماری تلواریں کند ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور انصاف کے علمبردار ہیں تو مروان کو ہمارے حوالہ کیجئے تاکہ ہم اس سے باز پرس کریں کہ وہ کس کے بل بوتے پر خط لکھ کر مسلمانوں کی عزیز جانوں سے کھیلنا چاہ رہا تھا''۔ مگر انہوں نے انکار کردیا جس پر لوگوں نے کہا کہ پھر یہ خط بھی آپ ہی حکم سے لکھا گیا ہے۔

بہرصورت سدھرے ہوئے حالات پھر سے بگڑ گئے اور انہیں بگڑنا ہی چاہئے تھا کیونکہ مطلوبہ مدت کے گزر جانے کے باوجود ہر چیز جوں کی توں تھی اور رائی برابر بھی ادھر سے ادھر نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ توبہ کا انجام دیکھنے کے لئے وادی خشب میں جو لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہ بھی پھر سیلاب کی طرح بڑھے اور مدینہ کی گلیوں میں پھیل گئے اور ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا انہی محاصرہ کے دنوں میں پیغمبرؐ کے ایک صحابی نیار بن عیاض نے حضرت عثمان سے بات چیت کرنا چاہی اور ان کے ہاں پہنچ کر پکارا۔ جب انہوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو آپ سے کہا: ''عثمان! خدا کے لئے اس خلافت سے دست بردار ہوجاؤ اور مسلمانوں کو اس خون خرابے سے بچاؤ''۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ حضرت عثمان کے آدمیوں میں سے ایک نے انہیں تیر کا نشانہ بنا کر جان سے مار ڈالا۔ جس سے لوگ بھڑک اٹھے اور پکار کر کہا کہ نیار کا قاتل ہمارے حوالے کرو۔ مگر حضرت عثمان نے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے ایک مددگار کو تمہارے حوالے کروں اس سینہ زوری نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور لوگوں نے جوش میں آکر ان کے گھر کے دروازے میں آگ لگادی اور اندر گھسنے کے لئے آگے بڑھے کہ مروان بن حکم، سعید بن عاص اور مغیرہ بن اخنس اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ محاصرہ کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے اور دروازے پر کشت وخون شروع ہوگیا۔ لوگ گھر کے اندر گھسنا چاہتے تھے مگر انہیں دھکیل دیا جاتا تھا اتنے میں عمرو بن انصاری نے کہ جن کا مکان حضرت عثمان کے گھر سے متصل تھا، اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا اور للکار کر کہا کہ آؤ ادھر سے بڑھو۔ چنانچہ محاصرہ کرنے والے اس مکان کے ذریعہ کاشانہ خلافت کی چھت پر پہنچ گئے اور وہاں سے گھر کے صحن میں اتر کر تلواریں سونت لیں ابھی ایک آدھ جھڑپ ہی ہونے پائی تھی کہ حضرت عثمان کے ہواخواہ اور بنی امیہ مدینہ کی گلیوں میں بھاگ گئے۔ اور کچھ ام حبیبہ کے گھر میں جا چھپے اور جو رہ گئے وہ ان کا حق نمک ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ قتل ہوگئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر امیر المومنین کا موقف واضح ہوجاتا ہے کہ نہ آپ اس جماعت کا ساتھ دے رہے تھے جو ان کے قتل پر ابھار رہی تھی اور نہ اس گروہ میں لائے جاسکتے ہیں کہ جو ان کی حمایت ومدافعت پر کھڑا ہوا تھا۔ بے شک جہاں تک حالات اجازت دیتے رہے، وہ ان کو ان کے بچاؤ کی صورتیں سمجھاتے رہے اور جب یہ دیکھا کہ جو کہا جاتا ہے، وہ عملاً کیا نہیں جاتا تو آپ اپنا دامن بچا کر الگ ہوگئے۔ جب دونوں فریق کو دیکھا جاتا ہے تو جن لوگوں نے حضرت عثمان کی نصرت سے ہاتھ اٹھالیا تھا ان میں امیر المومنین علیؑ، ام المؤمنین عائشہ اور روایات جمہور کے مطابق عشرہ مبشرہ کے باقی افراد، انصار ومہاجرین اولین اصحاب بدر اور دیگر ممتاز جلیل القدر افراد نظر آتے ہیں اور خود

معاویہ بھی دور بیٹھ کر صرف تماشا ہی دیکھتا رہا حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اپنے بزرگ کو بچا بھی سکتا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان کو اچانک قتل نہیں کیا گیا۔ چالیس روز ان کے گھر کا محاصرہ بھی رہا اور اس سال کے امیر حج عبداللہ بن عباس نے حج کے اجتماع میں بھی اعلان کیا تھا کہ خلیفہ اس وقت محاصرہ میں ہیں لیکن کسی حاجی نے ان کی رہائی کے لئے ایک لفظ تک نہیں کہا اور نہ ہی کوئی شخص ان کی مدد کے لئے مدینہ آیا۔ اور دوسری طرف حضرت عثمان کے دفاع میں ان کے چند غلام اور بنی امیہ کے چند افراد ہی نظر آتے ہیں۔ اگر مروان اور سعید بن عاص جیسے لوگوں کو مہاجرین اولین پر فوقیت نہں دی جاسکتی، تو پھر ان کے عمل کو بھی ان کے طرز عمل پر فوقیت دنیا مشکل ہوگا اور اگر اجماع مخصوص موارد ہی کے لئے حجت نہیں ہے تو پھر صحابہ کی اس زبردست اتفاق رائے پر انگشت نمائی مشکل ہوگی۔ یوں حضرت عثمان کا عمل اور ان کے طرفدار کسی بھی لحاظ سے لائق حمایت نہیں تھے اور نہ ہی ان کے کردار کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔

خطبہ ۳۱

جنگ جمل سے پہلے جناب زبیرؓ کو دعوت نصرت

وَمِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اَرْسَلَهٗ اِلَى الزُّبَيْرِ لِيَسْتَفِيْئَهٗ اِلٰى طَاعَتِهٖ قَبْلَ حَرْبِ الْجَمَلِ

جب جنگ جمل شروع ہونے سے پہلے حضرت نے ابن عباس کو زبیر کے پاس اس مقصد کے لئے بھیجا کہ وہ انہیں اطاعت کی طرف پلٹائیں، تو اس موقعہ پر ان سے فرمایا۔

لَا تَلْقَيَنَّ طَلْحَةَ فَاِنَّكَ اِنْ تَلْقَهٗ تَجِدْهُ كَالثَّوْرِ عَاقِصًا قَرْنَهٗ يَرْكَبُ الصَّعْبَ وَ يَقُوْلُ هُوَ الذَّلُوْلُ وَ لٰكِنِ الْقَ الزُّبَيْرَ فَاِنَّهٗ اَلْيَنُ عَرِيْكَةً فَقُلْ لَّهٗ يَقُوْلُ لَكَ ابْنُ خَالِكَ عَرَفْتَنِيْ بِالْحِجَازِ وَ اَنْكَرْتَنِيْ بِالْعِرَاقِ فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا

(اَقُوْلُ: هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ مَنْ سُمِعَتْ مِنْهُ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ اَعْنِيْ فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا)

طلحہ سے ملاقات نہ کرنا۔ اگر تم اس سے ملے تو تم اسے ایسا سرکش بیل پاؤ گے جس کے سینگ کانوں کی طرف مڑے ہوئے ہوں۔ وہ منہ زور سواری پر سوار ہوتا ہے اور پھر کہتا یہ ہے کہ یہ رام کی ہوئی سواری ہے۔ بلکہ تم زبیر سے ملنا اس لئے کہ وہ نرم طبیعت ہے اور اس سے یہ کہنا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی نے کہا کہ تم حجاز میں تو مجھ سے جان پہچان رکھتے تھے اور یہاں عراق میں آکر بالکل اجنبی بن گئے۔ آخر اس تبدیلی کا کیا سبب ہے۔ علامہ سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ اس کلام کا آخری جملہ (فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا) جس کا مطلب ہے کہ اس تبدیلی کا کیا سبب ہوا، سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے سنا گیا۔

تشریح لغت (یَسْتَفِیْئُہٗ) وہ اس سے پلٹنے کا مطالبہ کرتا ہے۔اس کا مادہ مجرد (فَاءَ ، یَفِیْءُ) ہے یعنی واپس آنا۔(تَلْقَہٗ) بعض نسخوں میں (تَلْفَہٗ) وارد ہے۔اس کا معنی ہے تو اسے پائے گا۔(عَقَصَ الثَّوْرُ قَرْنَہٗ) کلمہ عین پر فتح ہو تو یہ متعدی اور اگر کلمہ عین پر کسرہ پڑھا جائے تو لازم ہوتا ہے۔لفظ کا معنی ہے کہ سینگ کانوں کی طرف مڑے ہوئے ہیں۔اسی لئے جس بکری کے سینگ ٹیڑھے اور مڑے ہوئے ہوں، اسے (مِعْقَاصٌ) کہا جاتا ہے۔(اَلصَّعْبُ) متضاد ہے (ذَلُوْلٌ) کا۔اور (ذَلُوْلٌ) رام کی ہوئی سواری کو کہا جاتا ہے جب کہ (صَعْبٌ) سرکش سواری کو کہا جاتا ہے۔اور (ذَلُوْلٌ) کی جمع (ذُلُلٌ) بروزن (رُسُلٌ) آتی ہے۔اور (صَعْبٌ) کی جمع (صِعَابٌ) بروزن (کِتَابٌ) آتی ہے۔(اَلْعَرِیْکَۃُ) طبیعت: اسی لئے نرم طبیعت انسان کو (لَیِّنُ الْعَرِیْکَۃِ) کہا جاتا ہے۔(عَدَاہُ عَنِ الْاَمْرِ عَدْوًا وَعُدْوَاناً) کا معنی ہے منصرف کر دینا، پھیر دینا۔(بَدَا) ظاہر ہوا۔

تشریح

(لَا تَلْقِیَنَّ طَلْحَۃَ فَاِنَّکَ اِنْ تَلْقَہٗ تَجِدْہُ کَالثَّوْرِ عَاقِصًا قَرْنَہٗ) تم طلحہ سے ملاقات نہ کرنا کیونکہ اگر تم اس سے ملے بھی تو تم اسے ایسا سرکش بیل پاؤ گے جس کے سینگ کانوں کی طرف مڑے ہوئے ہوں۔آپؑ نے ابن عباس کو طلحہ کی ملاقات سے منع کیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ طلحہ میں غرور و تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ آپؑ نے طلحہ کو مڑے ہوئے سینگ والے بیل سے تشبیہ دے کر اس کی شجاعت کو بیان کیا ہے اور اس طرح کا سرکش بیل کسی کے قابو میں نہیں آتا۔اسی طرح سے ایک بہادر انسان میں غلبہ کی خواہش اور قوت پائی جاتی ہے۔اور بیل کے مڑے ہوئے سینگ اس کی قوت و شجاعت کا مظہر ہوتے ہیں اور اس قسم کا بیل جلدی سے قابو میں نہیں لایا جا سکتا۔اور کسی کے قابو میں نہ آنے کا سبب اس کا تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے۔اور سینگوں والا بیل جب کسی پر حملہ آور ہوتا ہے تو پہلے پہل اپنے سینگ زمین پر مارتا ہے اور نتھنوں سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہے تو گویا وہ اپنے اس عمل سے اپنے مخالف کو یہ پیغام دیتا ہے کہ میرے نزدیک تمہاری کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔حضرت نے طلحہ کی تمثیل بھی سینگوں والے بیل سے اسی لئے دی کہ اگر ابن عباس ان سے ملے بھی تو وہ مرنے مارنے پر تلا ہوا ہوگا اور ابن عباس کی کسی دلیل و برہان کو خاطر میں نہ لائے گا۔اسے اپنی قوت بازو پر گھمنڈ ہے اور وہ اپنے آپ کو شجاعت کی وجہ سے عواقب سے بے پرواہ سمجھتا ہے۔اسی لئے ایسے متکبر و مغرور انسان کی ملاقات بے فائدہ ہے۔(یَرْکَبُ الصَّعْبَ وَ یَقُوْلُ ھُوَ الذَّلُوْلُ) وہ سرکش سواری پر سوار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ رام کی ہوئی سواری ہے۔یعنی وہ مصائب و آلام کو کوئی اہمیت دینے پر تیار ہی نہیں ہے۔مقصد یہ ہے کہ وہ امت اسلامیہ میں تفریق پیدا کرنے جیسے بڑے جرم کو اپنے خاطر میں لانے والا نہیں ہے اور اس کی نظر میں امت کے باہمی جدال و قتال کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔اسی لئے اس سے ملاقات بے سود اور عبث ہے۔(وَ لٰکِنْ اِلْقَ الزُّبَیْرَ فَاِنَّہٗ اَلْیَنُ عَرِیْکَۃً) لیکن تم زبیر سے ملنا کیونکہ وہ نرم طبیعت ہے۔حضرت نے اپنے ان الفاظ سے زبیر کی ملاقات کا سبب بیان فرمایا ہے۔کہ وہ نرم اور دھیمے مزاج کا انسان ہے۔(فَقُلْ لَّہٗ یَقُوْلُ لَکَ ابْنُ خَالِکَ) اور اس سے جا کر کہو کہ تمہارا ماموں زاد بھائی تم سے کہہ رہا ہے۔حضرتؑ نے اپنے آپ کو اس مقام پر ماموں زاد بھائی فرما کر عظیم ماہر نفسیات ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔کیونکہ ان الفاظ کے

ذریعہ سے انسانی نفسیات کو آسانی سے متحرک کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی نظیر قرآن مجید میں حضرت ہارون علیہ السلام کا وہ قول ہے جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت ناراضگی کے عالم میں پایا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی دور کرنے کے لئے فرمایا تھا ﴿یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ.....﴾ (اعراف/۱۵۰) اے ماں جائے! بے شک قوم نے مجھے کمزور کر دیا تھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے۔ لہٰذا آپ میرے متعلق دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔ حضرت ہارون نے (ابن ام) کہہ کر حضرت موسیٰ کے عواطف واحساسات کو متحرک کیا اور اس کے برعکس انہوں نے حضرت موسیٰ کو (یا موسیٰ) اور (یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ) جیسے الفاظ سے مخاطب کرنا مناسب نہ جانا۔ کیونکہ یہ الفاظ انسانی جذبات وعواطف کو متحرک نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح سے ہارون محمدی حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنے پیغام میں یہ نہیں کہا کہ (تم جا کر اسے کہو کہ امیر المومنین کہہ رہے ہیں) کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان الفاظ سے زبیر کے جذبات کو متحرک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے آپ نے بھی فرمایا: (تم جا کر اس سے کہو کہ تمہارا ماموں زاد بھائی تم سے کہہ رہا ہے) حضرت علی علیہ السلام رشتہ کے لحاظ سے زبیر کے ماموں زاد بھائی تھے کیونکہ زبیر کی ماں صفیہ حضرت ابو طالب کی بہن تھیں۔ اسی لئے حضرتؑ نے زبیر کو اپنی حکومت واقتدار کی طرف متوجہ نہیں کیا بلکہ اسے اس رشتہ داری کی جانب متوجہ فرمایا ہے جسے زبیر اپنی نادانی سے چھوڑے ہوئے تھا۔ (عَرَفْتَنِیْ بِالْحِجَازِ وَ اَنْکَرْتَنِیْ بِالْعِرَاقِ) تم حجاز میں تو مجھ سے جان پہچان رکھتے تھے اور عراق میں آ کر اجنبی بن گئے۔ حضرتؑ نے ان الفاظ سے اپنے دیرینہ تعلقات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ کل تک جب تم مدینہ میں تھے تو تم میرے حمایتی تھے سقیفہ میں جب خلافت سازی ہوئی تو اس وقت تو تم میرے ساتھ تھے اور شوریٰ کے دن بھی تمہاری ہمدردیاں میرے ساتھ رہی تھیں اور قتل عثمان کے بعد میری بیعت میں بھی تم پیش پیش تھے اور یہاں بصرہ پہنچ کر اجنبی بن گئے ہو۔ تم نے میری بیعت توڑ دی اور میرے مقابلہ پر آ گئے ہو

(فَمَا عَدَا مِمَّا بَدَا) آخر اس تبدیلی کا سبب کیا ہوا؟ اور تم میں جو قلب ماہیت ہوئی ہے آخر اس کا کیا سبب ہے؟ اور میری بیعت واطاعت کے اظہار کے بعد کس بنا پر تم میری دشمنی پر اتر آئے۔ شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں لفظ (عَدَا)، (جَاوَزَ) کے معنی میں ہے اور (مِنْ) بیانیہ ہے۔ اس صورت میں اس جملہ کا معنی یہ قرار پائے گا۔ تو کس چیز نے تجھے میری بیعت سے متجاوز کیا یعنی تجھے بعد میں ظاہر ہونے والے واقعات نے مجھ سے برگشتہ کیا ہے۔ اس جملہ کے اظہر معانی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ شارے معتزلی رقم طراز ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا تھا کہ جب تم نے زبیر کو امیر المومنین علیہ السلام کا پیغام سنایا تو اس نے کیا جواب دیا؟ ابن عباس نے کہا: ''جب میں نے اسے امیر المومنین علیہ السلام کا پیغام دیا تو زبیر نے کہا۔ میں بھی وہی چاہتا ہوں جو آپ چاہتے ہیں لیکن قضا وقدر کا فرشتہ مجھے اس سے زیادہ کچھ کرنے نہیں دیتا''۔ میں نے واپس آ کر حضرتؑ کو زبیر کا جواب سنایا تو آپؑ نے فرمایا: ''اِنَّا مَعَ الْخَوْفِ الشَّدِیْدِ لَنَطْمَعُ'' (ہم شدید خطرہ کے باوجود بھی پر امید ہیں)۔ ابن عباس سے حضرت کے اس جملہ کا مقصد پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ حضرت کے اس فرمان کا یہ مقصد ہے کہ اگرچہ ہمیں خطرہ لاحق ہے پھر بھی ہمیں امید ہے کہ ہم اس امر کو حاصل کرنے میں کامیاب رہیں گے جس سے تم پشت دکھا رہے

ہو۔(عرض مترجم: مترجم یہ خیال کرتا ہے حضرتؑ کے قول کا کہ مقصد بھی ممکن ہے کہ ہمیں زبیر کی اس غلط روش کی وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ اطاعت امام سے انحراف کی وجہ سے اس کی زندگی کے اعمال تباہ ہو جائیں گے۔مگر اس کے باوجود بھی ہم توقع کرتے ہیں کہ شاید وہ حق کی طرف رجوع کرے اور اپنے اعمال کو اکارت ہونے سے بچا سکے۔واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ کی حمد اور حسن توفیق کی وجہ سے شرح نہج البلاغہ کی پہلی جلد مکمل ہوئی۔اور اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں نہج البلاغہ کے باقی خطبات وفرامین کی شرح کی توفیق عطا فرمائے۔اور اس کام سے عید غدیر کی شب فراغت نصیب ہوئی۔

والحمدلله اولاو اخر اوظاهر او باطنا شب ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

نوت:۔موجودہ ترتیب کے مطابق یہاں پر کتاب کی تیسری جلد مکمل ہوتی ہے۔اس کے بعد چوتھی جلد کا آغاز ہوتا ہے۔

(ازمترجم)

منهاج البراعه

فی شرح

نهج البلاغه

جلد چہارم

تالیف

علامہ محقق آیۃ اللہ سید حبیب اللہ ہاشمی خوئی قدس سرہ

ترجمہ

حجۃ الاسلام علامہ الشیخ محمد علی فاضل مدظلہ العالی

ناشر

حق برادرز

الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون:0333-4431382

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(نوٹ شارح مرحوم نے اس مقام سے دوسری جلد شروع کی تھی اور کتاب کا پہلا ایڈیشن بھی اسی طرح شائع ہوا تھا تصحیح کرنے والے نے اس مقام پر حفظ امانت کے لئے جلد دوم کے اس خطبہ کو نقل کیا تھا اور چونکہ یہ مصنف کا اپنا خطبہ تھا اس لئے ہم بھی اس کا ترجمہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اور موجودہ ترتیب کے مطابق یہ کتاب کی چوتھی جلد ہے۔ (مترجم)

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے آفاق میں ہمیں اپنی قدرت و جبروت کی نشانیاں دکھائیں۔ اور اپنی سلطنت و عظمت کے ان مناظر کی طرف ہماری رہنمائی کی جو اس نے سات طبقات کے صفحات پر تحریر کئے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اپنے انوار جمال کے مشاہدہ کی دلالت فرمائی۔ اور اس نے طول و عرض رکھنے والے حجابات و سرادقات میں پوشیدہ اپنے اسرار جلال کے مطالعہ کی رہنمائی فرمائی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ واحد، احد، فرد اور صمد ہے جس نے واجب الوجود ہونے کے ذریعہ سے اپنی وحدانیت کی رہنمائی کی۔ اور اپنی مخلوق کی بوقلمونی اور اپنی سخاوت کے ذریعہ سے اپنی قدرت و حکمت کو آشکارا کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے پسندیدہ رسول ہیں۔ اور وہ خدا کے صفی اور اس کے منتخب امین ہیں۔ اللہ نے انہیں راہ حق کی وضاحت اور طریقہ (حق) کی تبلیغ کے لئے بھیجا اور اللہ نے انہیں دین کی شریعت اور اتمام حجت کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے راہ حق کو واضح فرمایا اور حجت تمام کی۔ اور ہدایت کے پرچم قائم فرمائے اور روشنی کے مینار روشن فرمائے۔ اور اسلام کی بنیادیں جب ٹیڑھی ہو چکی تھیں تو آپ نے انہیں درست فرمایا۔ اور ایمان کے ستونوں کو کمزوری کے بعد آپ نے مستحکم و مضبوط فرمایا۔

اے تمام مخلوقات سے بہتر و برتر! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اعلان حق کرنے والی کتاب کو پھیلایا آپ نے اس سے ہدایت کی سنت جاری کی جب کہ ہم حق سے منحرف ہو چکے تھے اور جب حق تاریک ہو چکا تھا۔ آپ نے تاریکی میں چھپے ہوئے امر کو برہان سے منور فرمایا اور آپ نے جلتے ہوئے انگاروں کو دلیل و برہان کے پانی سے بجھا دیا۔ آپ نے حق کے راستوں کو سیدھا کیا جب کہ ان میں کجی آ چکی تھی اور راستوں کے خال مٹ رہے تھے تو آپ نے اسے قدیم طریقہ سے از سر نو درست کیا۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر اور آپ کی آل پر درود ہو جو کہ نعمتوں کے اترنے کا مقام اور جو تاریکی کے چراغ ہیں اور اچھائی کا دروازہ جن کی چابیوں کے بغیر کھولا نہیں جا سکتا اور جن کے چراغ ہدایت کے بغیر تاریکیوں کو ہٹایا نہیں جا سکتا۔ وہ اللہ کی مخلوق پر نگہبان ہیں اور خدا کے بندوں میں وہ اس کے حقیقی نمائندے ہیں۔ جنت میں وہی داخل ہوگا جو انہیں پہچانتا ہوگا اور جسے یہ ذوات مقدسہ پہچانتی ہوں گی۔ اور دوزخ میں وہی داخل ہوگا جس نے ان کا انکار کیا ہوگا اور جس کا انہوں نے انکار کیا ہوگا۔ جو اپنے زمانے کے امام کی پہچان کے بغیر مر گیا تو اس کی موت جہالت پر واقع ہوئی۔ خاص کر اس ذات پر سلام کہ غدیر میں رسول نے جس کے بازو کو پکڑ کر بلند کیا اور اس منظر کو ایک جم غفیر نے دیکھا تھا۔ رسولؐ خدا نے انہیں (علیؑ کو) انسانوں کے لئے پرچم اور امام مقرر کیا اور دین کا نگہبان و سرپرست قرار دیا۔ اور بلند آواز سے لوگوں کے کانوں اور دلوں پر دستک دے کر انہوں نے اعلان کیا تھا جس کا میں مولا ہوں، اس کا علیؑ مولا ہے ایک قوم نے اس حقیقت کو تسلیم کیا اور وہ کامیاب ہوئے اور دوسروں نے

منہ موڑا اور ناراض ہوئے تو وہ بحر ضلالت میں ڈوب مرے۔ پھر آپ نے علم کے دروازے کھولے اور علیؑ کو جوامع الکلم کا وارث بنایا اور خدا کے پیغامات اور تاویل آیات اور تمام کلمات کی تبلیغ کی انہیں تعلیم دی۔ علیؑ سلام اللہ علیہ وآلہ نے یہ تعلیم پا کر کلمات الٰہی کی بنیادوں کی تأسیس اور ضوابط حکمت کی مضبوطی کے لئے جدوجہد فرمائی اور ہمیں اپنے بیان کی بوقلمونیوں سے بلاغت کے راستے کی رہنمائی فرمائی اور وہ اپنی زبان کی مٹھاس سے ہمیں بلاغت کی راہوں پر لے آئے۔ اور انہوں نے اپنے انوار امامت سے ہمیں شرائع دین کی رہنمائی فرمائی۔ اور اپنے کردار سے ہمارے لئے یقین کی راہیں واضح کیں۔ جو ہو چکا اور جو ہوگا وہ اس کے جاننے والے ہیں اور شریعت کے تمام باریک اور واضح و غیر واضح احکام کے عالم ہیں۔ تمام صحیفوں میں ان کا نام نامی واضح کیا گیا تھا تم اہل کتاب سے پوچھو اور تلاوت کرنے والوں کی تلاوت سنو۔ اگر آپ کے وہ فیصلے نہ ہوتے جن کا ذکر مشہور ہوا تو شریعت کے تمام احکام، فرائض اور نفل معطل ہو کر رہ جاتے اس کے بعد واضح ہو کہ منہاج البراعہ کی مجلدات سے یہ دوسری جلد ہے۔ جسے رب غنی کی رحمت کی امید کرنے والے حبیب اللہ بن محمد ہاشم علوی الموسوی خوئی نے تحریر کیا۔ اللہ اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے اور اس کے والدین اور اس پر احسان فرمائے بے شک وہ احسان کا مالک ہے اور بخشنے والا اور احسان کرنے والا ہے۔ نوٹ:۔ موجودہ ترتیب کے مطابق یہ منہاج البراعہ کی چوتھی جلد ہے۔ (از مترجم)

اب میں اسی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ سید رضیؒ نے کہا۔

خطبہ ۳۲

اس خطبہ کو محدث علامہ مجلسیؒ نے محمد بن طلحہ کی کتاب مطالب السوؤل کے حوالہ سے بحار الانوار میں نقل کیا ہے۔ آپ نے اعیان سلطنت کی موجودگی میں مسجد کوفہ میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

مذمت دنیا و اقسام اہل دنیا

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا قَدْ اَصْبَحْنَا فِیْ دَهْرٍ عَنُوْدٍ وَّ زَمَنٍ شَدِیْدٍ (کَنُوْدٍ خ) یُعَدُّ فِیْهِ الْمُحْسِنُ مُسِیْئًا وَّ یَزْدَادُ الظَّالِمُ فِیْهِ عُتُوًّا لَا نَنْتَفِعُ بِمَا عَلِمْنَا وَ لَا نَسْئَلُ عَمَّا جَهِلْنَا وَ لَا نَتَخَوَّفُ قَارِعَةً حَتّٰی تَحُلَّ بِنَا فَالنَّاسُ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَصْنَافٍ مِنْهُمْ مَنْ لَّا یَمْنَعُهُ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَهَانَةُ نَفْسِهٖ وَ کَلَالَةُ حَدِّهٖ اَوْ نَضِیْضُ وَفْرِهٖ وَ مِنْهُمُ الْمُصْلِتُ بِسَیْفِهٖ وَ الْمُلْعِنُ بِشَرِّهٖ وَ الْمُجْلِبُ بِخَیْلِهٖ وَ

اے لوگو! ہم ایک ایسے کج رفتار زمانہ اور ناشکر گزار دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس میں نیکوکار کو خطا کار سمجھا جاتا ہے۔ اور ظالم اپنی سرکشی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جن چیزوں کو ہم جانتے ہیں ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور جن چیزوں کو نہیں جانتے، انہیں دریافت نہیں کرتے اور جب تک مصیبت آ نہیں جاتی ہم خطرہ محسوس نہیں کرتے (اس زمانے کے) لوگ چار طرح کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جنہیں مفسدہ سے مانع صرف ان کے نفس کا بے وقعت ہونا، اور ان کی دھار کا کند ہونا اور ان کے پاس مال کا کم ہونا ہے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تلواریں سونتے ہوئے علانیہ شر پھیلا رہے ہیں اور انہوں نے اپنے سوار اور

وَ رَجُلِهٖ قَدْ اَشْرَطَ نَفْسَهٗ وَ اَوْبَقَ دِيْنَهٗ لِحُطَامٍ يَّنْتَهِزُهٗ اَوْ مِقْنَبٍ يَّقُوْدُهٗ اَوْ مِنْبَرٍ يَّفْرَعُهٗ وَ لَبِئْسَ الْمُتْجَرُ اَنْ تَرَى الدُّنْيَا لِنَفْسِكَ ثَمَنًا وَ مِمَّا لَكَ عِنْدَ اللّٰهِ عِوَضًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّطْلُبُ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ وَ لَا يَطْلُبُ الْآخِرَةَ بِعَمَلِ الدُّنْيَا قَدْ طَامَنَ بِشَخْصِهٖ وَ قَارَبَ مِنْ خَطْوِهٖ وَ شَمَّرَ مِنْ ثَوْبِهٖ وَ زَخْرَفَ مِنْ نَّفْسِهٖ لِلْاَمَانَةِ وَ اتَّخَذَ سِتْرَ اللّٰهِ ذَرِيْعَةً اِلَى الْمَعْصِيَةِ وَ مِنْهُمْ مَنْ اَبْعَدَهٗ عَنْ طَلَبِ الْمُلْكِ ضَئُوْلَةُ نَفْسِهٖ وَ انْقِطَاعُ سَبَبِهٖ فَقَصَّرَتْهُ الْحَالُ عَلٰى حَالِهٖ فَتَحَلّٰى بِاِسْمِ الْقَنَاعَةِ وَ تَزَيَّنَ بِلِبَاسِ اَهْلِ الزَّهَادَةِ وَ لَيْسَ مِنْ ذَالِكَ فِيْ مُرَاحٍ وَّ لَا مَغْدًى وَ بَقِيَ رِجَالٌ غَضَّ اَبْصَارَهُمْ ذِكْرُ الْمَرْجِعِ وَ اَرَاقَ دُمُوْعَهُمْ خَوْفُ الْمَحْشَرِ فَهُمْ بَيْنَ شَرِيْدٍ نَادٍ وَ خَائِفٍ مَّقْمُوْعٍ وَّ سَاكِتٍ مَّكْعُوْمٍ وَّ دَاعٍ مُّخْلِصٍ وَّ ثَكْلَانَ مُوْجِعٍ قَدْ اَخْمَلَتْهُمُ التَّقِيَّةُ وَ شَمَلَتْهُمُ الذِّلَّةُ فَهُمْ فِيْ بَحْرٍ اُجَاجٍ اَفْوَاهُهُمْ ضَامِزَةٌ وَّ قُلُوْبُهُمْ قَرِحَةٌ قَدْ وَعَظُوْا حَتّٰى مَلُّوْا وَ قُهِرُوْا حَتّٰى ذُلُّوْا وَ قُتِلُوْا حَتّٰى قَلُّوْا فَلْتَكُنِ الدُّنْيَا فِيْ اَعْيُنِكُمْ اَصْغَرَ مِنْ حُثَالَةِ الْقَرَظِ. وَ قُرَاضَةِ الْجَلَمِ وَاتَّعِظُوْا بِمَنْ

پیادے جمع کر رکھے ہیں۔ صرف کچھ مال بٹورنے یا کسی دستہ کی قیادت کرنے یا منبر پر بلند ہونے کے لئے۔ انہوں نے اپنے نفسوں کو وقف کر دیا ہے اور دین کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔ اور کتنا ہی برا سودا ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت اور اللہ کے یہاں کی نعمتوں کا بدل قرار دے لو۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو آخرت والے کاموں سے دنیا طلب کرتے ہیں اور وہ یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں سے بھی آخرت کا بنانا مقصود رکھیں۔ یہ اپنے اوپر بڑا سکون اور وقار طاری رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں اور دامنوں کو اوپر کی طرف سمیٹتے رہتے ہیں اور اپنے نفسوں کو اس طرح سنوار لیتے ہیں کہ لوگ انہیں امین سمجھ لیں۔ یہ لوگ اللہ کی پردہ پوشی سے فائدہ اٹھا کر اس کا گناہ کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں ان کے نفسوں کی کمزوری اور ساز و سامان کی نافراہمی ملک گیری کے لئے اٹھنے نہیں دیتی۔ ان حالات نے انہیں ترقی و بلندی حاصل کرنے سے درماندہ و عاجز کر دیا ہے۔ اس لئے قناعت کے نام سے انہوں نے اپنے آپ کو آراستہ کر رکھا ہے اور زاہدوں کے لباس سے اپنے آپ کو سج لیا ہے۔ حالانکہ انہیں ان چیزوں سے کسی وقت کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ اس کے بعد تھوڑے سے وہ لوگ رہ گئے جن کی آنکھیں آخرت کی یاد اور حشر کے خوف سے جھکی ہوئی ہیں اور ان سے آنسو رواں رہتے ہیں۔ ان میں کچھ تو وہ ہیں جو دنیا والوں سے الگ تھلگ تنہائی میں پڑے ہیں۔ اور کچھ خوف و ہراس کے عالم میں ذلتیں سہہ رہے ہیں۔ اور بعض نے اس طرح چپ سادھ لی ہے کہ گویا ان کے منہ باندھ دیئے گئے ہیں۔ کچھ خلوص سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ کچھ غم زدہ اور درد رسیدہ ہیں جنہیں خوف نے گمنامی کے گوشہ میں بٹھا دیا ہے اور خستگی اور درماندگی ان پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ ایک شور دریا میں ہیں (کہ باوجود پانی کی کثرت کے پھر وہ پیاسے ہیں) ان کے منہ بند اور دل مجروح ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو اتنا اس دنیا کو تمہاری نظروں میں کیکر کے چھلکوں اور ان کے ریزوں سے بھی زیادہ حقیر و پست ہونا چاہئے اور اپنے

كَانَ قَبْلَكُمْ قَبْلَ اَنْ يَّتَّعِظَ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ وَارْفَضُوْهَا ذَمِيْمَةً فَاِنَّهَا قَدْ رَفَضَتْ مَنْ كَانَ اَشْغَفَ بِهَا مِنْكُمْ.

قبل کے لوگوں سے تم لوگ عبرت حاصل کرو اس سے قبل کہ تمہارے حالات سے بعد والے عبرت حاصل کریں۔ اور اس دنیا کی برائی محسوس کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کرو۔ اس لئے کہ اس نے آخر میں ایسوں سے قطع تعلق کر لیا جو تم سے زیادہ اس کے والہ وشیدا تھے۔

قَالَ السَّيِّدُ : اَقُوْلُ هٰذِهِ الْخُطْبَةُ رُبَّمَا نَسَبَهَا مَنْ لَّا عِلْمَ لَهَا اِلٰى مُعَاوِيَةَ وَهِيَ مِنْ كَلَامِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامِ الَّذِيْ لَا شَكَّ فِيْهِ وَ اَيْنَ الذَّهَبُ مِنَ الرُّغَامِ وَ الْعَذْبُ مِنَ الْاُجَاجِ وَ قَدْ دَلَّ عَلٰى ذَالِكَ الدَّلِيْلُ الْخِرِّيْتُ وَ نَقَدَهُ النَّاقِدُ الْبَصِيْرُ عَمْرُو ابْنُ بَحْرِ الْجَاحِظُ فَاِنَّهُ ذَكَرَ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ فِيْ كِتَابِ الْبَيَانِ وَ التَّبْيِيْنِ وَ ذَكَرَ مَنْ نَسَبَهَا اِلٰى مُعَاوِيَةَ ثُمَّ قَالَ هِيَ بِكَلَامِ عَلِيٍّ (ع) اَشْبَهُ وَ بِمَذْهَبِهٖ فِيْ تَصْنِيْفِ النَّاسِ وَ بِالْاِخْبَارِ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْقَهْرِ وَ الْاِذْلَالِ وَ مِنَ التَّقِيَّةِ وَ الْخَوْفِ اَلْيَقُ۔ قَالَ وَ مَتٰى وَجَدْنَا مُعَاوِيَةَ فِيْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ يَسْلُكُ فِيْ كَلَامِهٖ مَسْلَكَ الزُّهَّادِ وَ مَذَاهِبَ الْعُبَّادِ۔

سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنی لاعلمی کی بنا پر اس خطبہ کو معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ یہ امیر المومنینؑ کا کلام ہے۔ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ بھلا سونے کو مٹی سے کیا نسبت اور شیریں پانی کو شور پانی سے کیا ربط۔ چنانچہ اس وادی میں راہ دکھانے والے ماہر فن اور پرکھنے والے با بصیرت عمر بن بحر جاحظ نے اس کی خبر دی ہے اور اپنی کتاب البیان والتبیین میں اس کا ذکر کیا ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنہوں نے اسے معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ یہ کلام علی علیہ السلام کے کلام سے ہو بہو ملتا جلتا ہے اور اس میں جو لوگوں کی تقسیم اور ان کی ذلت وپستی اور خوف وہراس کی حالت بیان کی ہے، یہ آپ ہی کے مسلک سے میل کھاتی ہے ہم نے تو کسی حالت میں بھی معاویہ کو زاہدوں کے انداز اور عابدوں کے طریقہ پر کلام کرتے ہوئے نہیں پایا۔

تشریح لغات (عَنُوْدٌ) بروزن صَبُوْرٌ عِنْدَ الْقَصْدِ عَنُوْدًا وہ سیدھے راہ سے منحرف ہوا۔ اور اس کا تعلق باب نَصَرَ سے ہے۔ بعض نسخوں میں (زَمَنٍ شَدِيْدٍ) کے جملوں میں لفظ شَدِيْدٍ، کی جگہ پر (كَنُوْدٍ) وارد ہے اور لفظ كَنُوْدٍ، لفظا اور معنًی (كَفُوْرٍ) جیسا ہے یعنی ناشکرا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے (العادیات/ ٦)۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (كَنُوْدٌ) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اَلْكَنُوْدُ الَّذِيْ يَاْكُلُ وَحْدَهٗ وَيَمْنَعُ رِفْدَهٗ وَ يَضْرِبُ عَبْدَهٗ'' (كَنُوْدٌ) یعنی ناشکرا وہ ہے جو اکیلا کھائے اور سخاوت سے لوگوں کو محروم رکھے اور اپنے غلام کو مارے پیٹے۔

(اَلْعَتُوُّ) عَتَا الرَّجُلُ يَعْتُوْ سے مصدر ہے اس کا تعلق باب نَصَرَ سے ہے اور اس کا معنی تکبر کرنا اور حد سے تجاوز کرنا ہے۔ (اَلْقَارِعَةُ) کھڑکھڑا دینے والی چیز خطبہ میں اس سے مراد مصیبت ہے۔ (مَهَانَةُ النَّفْسِ) ذلت نفس۔ لفظ (مَهَانَةٌ) میم کے فتح

کے ساتھ ہے۔(کَلَالَۃُ حَدِّہٖ)کَلَّ السَّیْفُ کَلًّا وَّ کَلَالَۃً تلوار کا کند ہونا اور نہ کاٹنا۔(نَضِیْضُ وَفْرِہٖ)نَضَّ الْمَاءُ نَضًّا وَّ نَضِیْضًا پانی تھوڑا بہا اور یہاں اس لفظ کا معنیٰ ہے مال کی قلت۔(اَلْمُصْلِتُ)اَصْلَتَ سَیْفَہٗ تلوار کو نیام سے نکالا۔(اَلْمُصْلِتُ) اس سے اسم فاعل ہے یعنی تلوار کو نکالنے والا۔(اَلْمُجْلِبُ)اَجْلَبَ عَلَیْھِمْ سے اسم فاعل ہے یعنی حملہ کرنے والا (اَلرَّجُلُ) پیادے۔ رَاجِلٌ کی جمع جیسے (رَاکِبٌ) کی جمع (رَکْبٌ) آتی ہے قرآن مجید میں ہے ﴿وَ اَجْلِبْ عَلَیْھِمْ بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ ﴾ اور اپنے سوار اور اپنے پیادوں کو ملا کر ان پر چڑھائی کر (بنی اسرائیل/۶۴)۔

(اَشْرَطَ نَفْسَہٗ)اس نے اپنے نفس کو فساد پر آمادہ کیا۔(حُطَامٌ)وہ چیز جسے خشک ہونے کی وجہ سے توڑا جا سکتا ہو، مراد متاع دنیا (اَلْاِنْتِھَازُ)غنیمت حاصل کرنا۔(اَلْمِقْنَبُ)تیس سے چالیس کے درمیان گھوڑوں کا دستہ۔(یَفْرَعُہٗ)وہ اس پہ بلند ہوتا ہے۔ (طَامَنَ)ظَھْرَہٗ: اس نے اپنی پشت کو جھکایا اور خم کر لیا۔(شَمَّرَ)ثَوْبَہٗ: اس نے اپنے کپڑے کو اوپر کیا۔(زَخْرَفَ)نَفْسَہٗ: اس نے اپنے آپ کو مزین کیا۔(ضَئُوْلَۃُ النَّفْسِ)ضاد کے فتح کے ساتھ: حقارت نفس (اَلْمُرَاحُ)جہاں چوپایہ رات کو واپس آتا ہو۔اور لفظ (مُنَاخٌ اور مَأْوٰی) بھی اسی کے ہم معنیٰ ہیں۔بعض نسخوں میں (اَلْمَرَاحُ) میم کے فتح سے بھی مذکور ہے اور (اَلْقَوْمُ)اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں سے لوگ برآمد ہوں یا جہاں واپس ہوں۔(اَلشَّرِیْدُ) شَرَدَ الْبَعِیْرُ سے مشق ہے۔اور یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹ بھاگ کھڑا ہو۔(اَلنَّادُ)منفرد۔(مَقْمُوْعٌ)مغلوب۔(مَکْعُوْمٌ) کَعَمَ الْبَعِیْرُ باب مَنَعَ سے اسم مفعول ہے۔اور (کَعَمَ الْبَعِیْرُ) کا جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کے منہ پر جال مانند کوئی چیز باندھ دی جائے تا کہ وہ کچھ کھا پی نہ سکے۔(کِعَامٌ)اونٹ کے منہ میں مستی کے ایام میں جو چیز جال مانند باندھی جاتی ہے اسے (کِعَامٌ) کہا جاتا ہے۔

(ضَامِزَۃٌ)خاموش۔(اَلْقَرَظُ)اس کے تینوں حروف متحرک ہیں، کیکر کی چھال کو کہا جاتا ہے جو چمڑا رنگنے کے کام آتی ہے۔ (اَلْجَلَمُ)اس کے تمام حروف متحرک ہیں۔وہ مقراض جس سے اونٹ کی اون کاٹی جاتی ہے۔اور (قُرَاضَۃُ الْجَلَمِ) سے مراد مقراض سے اڑنے والے اون کے باریک ذرات۔(اَلرُّغَامُ)نرم مٹی یا وہ ریت جس میں مٹی شامل ہو۔(اَلْخِزِّیْتُ)خاء کے کسرہ کے ساتھ اور راء کی شد کے ساتھ۔ماہر راہ نما۔(صَنَّفَ)النَّاسَ تَصْنِیْفًا اس نے لوگوں کی قسمیں بیان کیں۔

تشریح

عالم میں صلاح وفساد کا عمل انسانوں کا اپنا پیدا کردہ ہے اور زمانہ کو خیر اور شر اور اصلاح وفساد کے اسباب میں شمار کیا جاتا ہے۔اسی لئے اگر کسی دور میں امن وسکون ہو اور قوانین شرعیہ اور سننِ نبویہ پر مکمل عمل ہو رہا ہو تو اس زمانہ کو خیر کا زمانہ کہنا درست ہوگا اور اگر اس کے برعکس لوٹ مار کا بازار گرم ہو اور پورے ملک میں طوائف الملوکی جیسی کیفیت طاری ہو اور عدل وانصاف عنقاء کی طرح ناپید ہو اور امن وامان کا نام ونشان تک نہ پایا جاتا ہو تو ایسے زمانہ کو شر کا زمانہ کہنا بھی صحیح ہوگا۔

یہی سبب ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا (اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا قَدْ اَصْبَحْنَا فِیْ دَھْرٍ عَنُوْدٍ وَّ زَمَنٍ شَدِیْدٍ (کَنُوْدٍ ج)) لوگو! ہم

ایسے کج رفتار زمانہ اور ناشکر گزار دنیا میں رہ رہے ہیں۔ حضرتؑ نے جور وستم اور ناشکرے پن کی مذمت کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ یہ تمام چیزیں اس دور میں سکہ رائج الوقت کی طرح سے جاری وساری ہیں، کیونکہ گمراہی کا غلبہ ہے اور نااہلوں کے ہاتھوں میں زمام اقتدار ہے جس کی وجہ سے حق مضمحل اور باطل روز بروز قوی تر ہوتا جا رہا ہے اور لوگ پچھلے پاؤں پلٹ رہے ہیں اور امام حق کو چھوڑ کر باطل کے داعیوں کی اتباع کر رہے ہیں اور ان روح فرسا حالات میں آپ معروف کو قائم نہیں کر سکتے اور برائی کو جڑ سے اکھاڑ نہ سکتے تھے۔ انہی حالات کی وجہ سے معاشرہ میں بہت سی برائیوں نے جنم لیا ہے جن میں سرفہرست یہ پانچ قسم کی برائیاں ہیں۔

اول: (یُعَدُّ فِیْهِ الْمُحْسِنُ مُسِیْئًا) نیکوکار کو بدکار سمجھا جاتا ہے۔

معاشرہ میں برائی کا راج ہے اور احسان کی قلت ہے اور اخلاقی قدریں اس حد تک پامال ہو چکی ہیں کہ نیکی کو بدی اور برائی کو اچھائی سے تعبیر کیا جانے لگا ہے اس دور میں سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اگر کوئی شخص نیک عمل بھی کرتا ہے تو اس کو بدنام کرنے کی سرتوڑ کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی عبادت کو ریاکاری اور اس کے انفاق فی سبیل اللہ کو خوف دنیا قرار دیا جاتا ہے یعنی ایسا دور آچکا ہے جس میں ہر طرح سے نیکی اور بھلائی کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

دوم: (وَ یَزْدَادُ الظَّالِمُ فِیْهِ عُتُوًّا) اور ظالم اپنی سرکشی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔

کیونکہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے وہ مزید ظلم پر کمربستہ نظر آتا ہے۔ اس جملہ کی مزید تشریح یہ ہے کہ ظالم کو اس کا نفس امارہ ظلم پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر زمانہ عدل ہو تو نفس امارہ حاکم عادل کی وجہ سے ظلم وجور پر آمادہ نہیں کر سکے گا۔ اور چونکہ حضرتؑ کے ہاتھ میں زمام اقتدار نہیں رہی تھی اسی لئے ظلم وستم کا بازار گرم ہو گیا تھا۔

سوم: (لَا نَنْتَفِعُ بِمَا عَلِمْنَا) جن چیزوں کو ہم جانتے ہیں، ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

یہاں حضرت نے جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے جو کہ درحقیقت (اِیَّاكِ اَعْنِیْ وَ اسْمَعِیْ یَا جَارَةٌ) یعنی کہنا کسی کو اور سنانا کسی کو کے زمرہ میں ہے۔ آپ کی ذات والا صفات اس میں کسی طور بھی شریک نہیں ہے۔ اور اس جملہ کے ذریعہ سے آپ نے صاحبان علم کو ان کے فریضہ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کیونکہ علم اس وقت ہی فائدہ مند ہوتا ہے جب عمل اس کی موافقت کرے اور علم وعمل کا آپس میں وہی رشتہ ہے جو جسم وجان کا ہے۔ جسم کو روح کی ضرورت ہے اگر روح نہ ہو تو جسم مردہ ہے اور اگر صرف روح موجود ہو اور اس کے ساتھ جسم نہ ہو تو ہو بھی کچھ کرنے کے لائق نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے ارتکاء کے لئے دونوں کے اتحاد کی ضرورت ہے۔ یعنی علم بھی اسی وقت مرحلہ تکمیل میں داخل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عمل موجود ہو ورنہ وہ روح بے جسد کی مانند بیکار شمار ہوتا ہے۔ اور علم کا ہر مرتبہ ایک مخصوص عمل کا متقاضی ہے اور ہر عمل، علم کا ہی مرہون احسان ہوتا ہے۔

علم کے لئے عمل کی ضرورت

علم کے بغیر عمل ممکن نہیں اور عمل کے بغیر علم بیکار ہے۔ اگر عمل نہ ہو تو علم وہ دریا ہے جس میں پانی نہ ہو اور وہ پھول ہے جس میں

خوشبو نہ ہو اور وہ جسم ہے جس میں روح نہ ہو۔ احادیث میں اس کی ضرورت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ جب کہ ہم یہاں الکافی سے صرف دو احادیث نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں

الف:۔ اسماعیل بن جابر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا: ''اَلْعِلْمُ مَقْرُوْنٌ اِلَی الْعَمَلِ فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ ، وَ مَنْ عَمِلَ عَلِمَ وَالْعِلْمُ یِسْتَدْعی بِالْعَمَلِ فَاِنْ اَجَابَهٗ وَاِلَّا اِرْتَحَلَ عَنْهُ'' علم عمل سے وابستہ ہے۔ جس نے جان لیا اس نے عمل کیا اور جس نے عمل کیا اس نے علم حاصل کیا۔ اور علم عمل کو صدا دیتا ہے اگر عمل شامل ہو جائے تو علم قیام پذیر ہوتا ہے ورنہ رخصت ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں عمل کو علم کی صدا کہا گیا مقصد یہ ہے کہ عمل علم کا مقتضی ہے اور علم کے رخصت ہونے سے مراد اس سے نفع حاصل نہ کرنا یا اس کا مکمل زوال ہے۔

ب:۔ علی بن ہاشم بن برید سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے چند مسائل دریافت کئے اور آپ نے ان کا جواب دیا۔ وہ جواب سن کر چلا گیا پھر چند لمحوں بعد دوبارہ آیا اور کچھ اور مسائل دریافت کرنے لگا تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ انجیل میں لکھا ہے کہ جب تک اپنے علم پر عمل نہ کر لو اس وقت تک مزید علم تلاش نہ کرو۔ کیونکہ جب علم پر عمل نہ ہو تو علم کفر اور خدا سے دوری کا سبب بن جاتا ہے۔

چہارم۔ (وَ لَا نَسْئَلُ عَمَّا جَهِلْنَا) جن چیزوں کو نہیں جانتے، ان کے متعلق دریافت نہیں کرتے۔

تحصیل علم کے لئے سوال کی ضرورت

اس جملہ کے ذریعہ سے حضرت نے جاہلوں کو علم کی جستجو نہ کرنے پر سرزنش فرمائی ہے۔ کیونکہ جب تک وہ سوال نہیں کریں گے اس وقت تک وہ علم سے محروم رہیں گے اور جب وہ علم سے تہی دست ہوں گے تو عمل سے بھی تہی دامن ہوں گے۔ تلاش علم کے لئے کتب حدیث میں بہت زیادہ روایات مروی ہیں جن میں سے ہم صرف تین احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

الف:۔ ثقۃ الاسلام کلینیؒ الکافی میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حمران بن اعین کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''اِنَّمَا هَلَكَ النَّاسُ لِاَنَّهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ'' لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ سوال نہیں کرتے تھے۔

ب:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی، آپؐ نے فرمایا: ''اُفٍّ لِّرَجُلٍ لَایَفْرَغُ نَفْسَهٗ فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ لِاَمْرِ دِیْنِهٖ فَیَتَعَاهَدُهٗ وَیَسْئَلُ عَنْ دِیْنِهٖ'' اس شخص پر نہایت افسوس ہے جو اپنے دین سے تجدید عہد کیلئے اور دینی معلومات کے سوال کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہر جمعہ کے دن فارغ نہیں رکھتا۔

ج:۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ''لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوْهُ وَ لَوْ بِسَفْكِ الْمُهَجِ وَ خَوْضِ اللُّجَجِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلٰی دَانِیَالَ اِنَّ اَمْقَتَ عَبْدِیْ اِلَیَّ الْجَاهِلُ الْمُسْتَخِفُّ بِحَقِّ اَهْلِ الْعِلْمِ التَّارِكُ لِلْاِقْتِدَاءِ بِهِمْ وَ اِنَّ اَحَبَّ عَبِیْدِیْ اِلَیَّ التَّقِیُّ الطَّالِبُ لِلثَّوَابِ الْجَزِیْلِ اَللَّازِمُ لِلْعُلَمَاءِ اَلتَّابِعُ لِلْحُكَمَاءِ اَلْقَائِلُ عَنِ الْحِكْمَةِ'' اگر

لوگوں کو طلب علم کے فوائد کا پتہ چل جاتا تو وہ اسے ضرور طلب کرتے اگر چہ اس کے لئے اپنی جانیں دینی پڑتیں اور تلاطم خیز موجوں کو عبور کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال کو وحی فرمائی: میرے بندوں میں سے میرے نزدیک مبغوض ترین شخص وہ جاہل ہے جو اہل علم کے حق کو معمولی سمجھتا ہے اور جو ان کی اقتداء کو چھوڑے ہوئے ہے۔ اور میرے بندوں میں سے وہ شخص مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے جو پرہیز گار ہو اور عظیم ثواب کا متلاشی ہو۔ علماء کی صحبت تلاش کرنے والا، صاحبان حکمت کی پیروی کرنے والا اور حکمت آمیز گفتگو کرنے والا ہو۔

پنجم۔ (وَ لَا نَتَخَوَّفُ قَارِعَةً حَتّٰی تَحُلَّ بِنَا) اور جب تک مصیبت آنہیں جاتی ہم خطرہ محسوس نہیں کرتے۔ دنیائے فانی کی لذات میں مست رہنے والے لوگوں کو آپؑ نے تنبیہ کی ہے کہ وہ ان لذات کی سرمستی میں مدہوش نہ ہوں اور مستقبل میں آنے والے مصائب کو درک کریں اور ان مصائب سے بچنے کی تدبیر سوچیں۔ پھر حضرتؑ نے اپنے اس الہامی خطبہ میں اپنے زمانہ کے افراد کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ اور ان اقسام کی وجہ تقسیم کچھ یوں ہے کہ لوگ یا تو آخرت کے طالب ہیں یا دنیا کے اور آخرت کے طلب گار لوگوں کا آپؑ نے ان اقسام کے آخر میں ان الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا (وَ بَقِیَ رِجَالٌ غَضَّ .....) اور وہ طبقہ جو دنیا کا طالب ہے، اس کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں:۔

۱۔ وہ جو دنیا طلبی کے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور دولت و اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

۲۔ یا وہ لوگ ہیں جو دنیا طلبی میں ناکام رہے۔ ان کی بھی تین قسمیں ہیں۔

الف:۔ وہ جو دنیا طلبی کے لئے حیلہ گری نہ کر سکے۔

ب:۔ وہ جنہوں نے دین کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنایا۔

ج:۔ وہ جو اپنی کم ہمتی کے باعث ناکام رہے اور اپنی ناکامی کو قناعت کے نام سے موسوم کیا۔

تو مجموعی طور پر افراد بشر کی پانچ قسمیں ہیں، جن میں سے چار قسم کے افراد دنیا طلب اور ایک قسم آخرت کے طلبگاروں کی ہے۔

دنیا طلب افراد کی اقسام

حضرت نے پہلے دنیا طلب افراد کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا (فَالنَّاسُ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَصْنَافٍ) لوگوں کی چار اقسام ہیں۔

۱۔ (مِنْهُمْ مَنْ لَّا یَمْنَعُهُ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَهَانَةُ نَفْسِهٖ وَ کَلَالَةُ حَدِّهٖ اَوْ نَفِیْضُ وَفْرِهٖ) ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہیں مفسدہ سے مانع صرف ان کے نفس کا بے وقعت ہونا، ان کی دھار کا کند ہونا اور ان کے پاس مال کا کم ہونا ہے۔ ایسا شخص چونکہ عاجز ہے اور اقتدار طلبی سے اسے تین امور مانع ہیں۔ ۱۔ اس کا نفس حقیر ہے۔ ۲۔ اس کی دھار کند ہے۔ ۳۔ اسے دولت دستیاب نہیں ہے۔ اس لئے وہ دنیا طلب افراد کی صف سے پیچھے رہ گیا ہے اور اگر اس کے حالات سازگار ہوتے تو وہ بھی یقیناً ریاست و اقتدار کو طلب کرنے والوں میں شامل ہوتا۔

۲۔ (وَ مِنْهُمُ الْمُصْلِتُ بِسَیْفِهٖ وَ الْمُلْعِنُ بِشَرِّهٖ وَ الْمُجْلِبُ بِخَیْلِهٖ وَ رَجْلِهٖ قَدْ اَشْرَطَ نَفْسَهٗ وَ اَوْبَقَ دِیْنَهٗ

لِحُطَامٍ يَنْتَهِزُهُ اَوْ مِقْنَبٍ يَقُوْدُهُ اَوْ مِنْبَرٍ يَفْرَعُهُ)اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تلواریں سونتے ہوئے اعلانیہ شر پھیلا رہے ہیں۔اور انہوں نے اپنے سواروں اور پیادوں سے لوگوں پر حملہ کیا ہوا ہے۔صرف کچھ مال بٹورنے یا صرف کسی دستہ کی قیادت کرنے، یا منبر پر بلند ہونے کے لئے انہوں نے اپنے نفسوں کو وقف کر دیا اور دین کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔آپؑ نے ان الفاظ سے دنیا طلبی کے حصول میں کامیابی حاصل کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ظلم وغلبہ کے اسباب کو جمع کر کے اپنے آپ کو فساد فی الارض کے لئے وقف کر دیا۔آپؑ نے ان کے دنیاوی مفادات کے حصول کو(حُطَام) سے تشبیہ دی ہے اور(حُطَام)اس گھاس کو کہا جاتا ہے جو خشک ہو چکی ہو۔ایسی گھاس جلد فنا ہو جاتی ہے۔تو گویا آپؑ نے ان کے حصول مملکت کو اس کی قلیل ترین منفعت کے پیش نظر خشک گھاس سے تعبیر فرمایا۔کیونکہ نعمات دنیا و آخرت کے مقابلہ میں یہ انتہائی قلیل ہیں۔اسی لئے دنیاوی نعمات کو عقبیٰ پر ترجیح دینا عقل مندوں کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔اس سلطنت طلب طبقہ کا ہدف صرف لذائذ دنیا کا حصول اور کسی دستہ کی قیادت اور کرسی اقتدار پر بیٹھنا ہے۔اور حضرتؑ کے بیان کردہ مذکورہ اوصاف خلفائے بنی امیہ و بنی عباس میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔اور رجائے الٰہی کے بدلہ میں متاع غرور کا سودا انتہائی خسارے کا سودا ہے اور اس کی طرف آپؑ نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا۔(وَ لَبِئْسَ الْمَتْجَرُ اَنْ تَرَى الدُّنْيَا لِنَفْسِكَ ثَمَنًا وَ مِمَّا لَكَ عِنْدَ اللّٰهِ عِوَضًا)اور یہ کتنا ہی برا سودا ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت اور اللہ کے یہاں کی نعمتوں کا بدل قرار دے لو۔انسانی جان بڑی قیمتی ہے اور اسے جنت کے عوض کسی چیز کے بدلہ میں فروخت نہیں کرنا چاہئے۔انتہائی بدنصیب ہے وہ شخص جو دنیا کی چند روزہ لذات کے بدلہ میں اپنی جان کا سودا کر دے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾(بنی اسرائیل/ ۱۸)اور جو شخص دنیا کا خواہاں ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اسی دنیا میں سر دست عطا کر دیتے ہیں۔(مگر) پھر ہم نے اس کے لئے جہنم ٹھہرا ہی رکھا ہے کہ وہ اس میں بری حالت سے راندہ ہوا داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا متمنی ہو اور اس کے لئے خوب چاہئے تھی کوشش بھی کی اور وہ ایمان دار بھی ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی۔

۳۔دنیا طلب افراد کی تیسری قسم وہ ہے جو دین کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہے۔اور انہوں نے دینی اعمال کو دنیا کے لئے جال بنایا ہوا ہے۔ان لوگوں کی حالت زار بیان کرتے ہوئے حضرتؑ نے فرمایا(وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّطْلُبُ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ وَ لَا يَطْلُبُ الْاٰخِرَةَ بِعَمَلِ الدُّنْيَا قَدْ طَامَنَ بِشَخْصِهٖ وَ قَارَبَ مِنْ خَطْوِهٖ وَ شَمَّرَ مِنْ ثَوْبِهٖ وَ زَخْرَفَ مِنْ نَّفْسِهٖ لِلْاَمَانَةِ وَ اتَّخَذَ سِتْرَ اللّٰهِ ذَرِيْعَةً اِلَى الْمَعْصِيَةِ)اور کچھ لوگ وہ ہیں جو آخرت والے کاموں سے دنیا کو طلب کرتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں سے آخرت کا بنانا بھی مقصود رکھیں اور یہ اپنے اوپر بڑا سکون و وقار طاری رکھتے ہیں۔آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں اور دامنوں کو اوپر کی طرف سمیٹے رہتے ہیں اور اپنے نفسوں کو اس طرح سنوار لیتے ہیں کہ لوگ انہیں امین سمجھ لیں۔یہ لوگ اللہ کی پردہ پوشی سے فائدہ اٹھا کر اس کا گناہ کرتے ہیں۔یقیناً ان لوگوں کا دل دنیا میں اٹکا ہوا ہے تو وہ دنیا کے حصول کے لئے آخرت کے عمل کا سہارا لئے ہوئے ہیں۔اور انہیں چونکہ آخرت کی ضرورت ہی نہیں ہے اسی لئے وہ دنیا میں عمل کر کے آخرت کے خریدار بننا ہی نہیں چاہتے۔اور عمل دنیا سے مراد تکالیف شرعیہ

(دینی فرائض) کی انجام دہی ہے۔اور دنیا کے تمام مباح امور بھی آخرت کی آبادی کا ذریعہ بن سکتے ہیں جب انسان ان کو قربت خداوندی کے قصد سے سرانجام دے اور ہر وہ امر اطاعت شمار ہوتا ہے جو اطاعت خداوندی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔اس طرح کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اس طبقہ کے افراد سکون و وقار کا خول چڑھائے رکھتے ہیں تا کہ لوگ انہیں پر وقار شخصیت کے طور پر جانیں اور اپنے وقار کے اظہار کے لئے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں اور طہارت لباس کے دکھاوے کے لئے اپنے پائنچے اوپر چڑھائے رہتے ہیں اور اس طبقہ کے افراد اپنے آپ کو صالحین اور متقین کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔تا کہ لوگ ان کی ظاہری شکل وصورت سے ان کے گرویدہ ہو جائیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کریں اور انہیں امین سمجھ کر اپنی امانتیں ان کے سپرد کریں۔ایسے لوگوں پر صد افسوس جو دین کے نام سے دنیا کو دھوکا دیتے ہیں اور لوگوں کی مدح حاصل کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے مذمت حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کے محبوب بننے کے لئے اللہ کے مبغوض قرار پاتے ہیں۔اور ایسے لوگ اللہ کی پردہ پوشی کو اپنی معصیت کا ذریعہ بناتے ہیں۔

علامہ مجلسیؒ بحار میں رقم طراز ہیں: کیدری نے کتاب المضاف والمنسوب میں بیان کیا کہ (ستر اللہ) اللہ کی پردہ پوشی کے مصداق اسلام، بڑھاپا، کعبہ اور دلوں کے راز ہیں۔تو خطبہ کے مذکورۃ الصدر کلمات کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس طبقہ کے افراد ظاہری اسلام اور اپنے دلی مضمرات کو کہ جن سے اللہ نے کسی کو واقفیت نہیں دی، اپنی معصیت کا ذریعہ بناتے ہیں۔شارح کا کہنا ہے کہ: ممکن ہے کہ حضرتؑ کے فرمان کا یہ مقصد ہو کہ چونکہ اللہ نے ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی ہے اور انہیں سر عام رسوا نہیں کیا اور لوگوں کو ان کے باطن سے باخبر نہیں کیا، اسی پردہ پوشی کو انہوں نے احکم الحاکمین کی معصیت کا ذریعہ بنایا ہے۔

۴۔دنیا طلب افراد مین چوتھا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو بالکل ہی کم ہمت ہیں اور اپنی اس کم ہمتی کو قناعت سے تعبیر کرتے ہیں جب کہ وہ لوگ قناعت پسند نہیں ہیں حضرت نے اس گروہ کے حالات وکوائف کو ان الفاظ سے بیان فرمایا: (وَ مِنْهُمْ مَنْ اَقْعَدَهُ عَنْ طَلَبِ الْمُلْكِ ضَئُوْلَةُ نَفْسِهٖ وَ انْقِطَاعُ سَبَبِهٖ فَقَصَّرَتْهُ الْحَالُ عَلٰى حَالِهٖ فَتَحَلّٰى بِاسْمِ الْقَنَاعَةِ وَ تَزَيَّنَ بِلِبَاسِ اَهْلِ الزُّهَادَةِ وَ لَيْسَ مِنْ ذَالِكَ فِيْ مُرَاحٍ وَّ لَا مَغْدٰى) اور کچھ لوگ وہ ہیں جنھیں ان کے نفسوں کی کمزوری اور ساز وسامان کی نافراہمی ملک گیری کے لئے اٹھنے نہیں دیتی۔ان حالات نے انہیں ترقی و بلندی حاصل کرنے سے درماندہ وعاجز کر دیا ہے۔اسی لئے قناعت کے نام سے انہوں نے اپنے آپ کو آراستہ کر رکھا ہے اور زاہدوں کے لباس سے اپنے آپ کو سج لیا ہے۔حالانکہ انہیں ان چیزوں سے کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا۔اور ان کا خانہ نشین ہونا کسی زہد و بے رغبتی کی وجہ سے ہرگز نہیں ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس اقتدار و دولت کے حصول کے اسباب ہی موجود نہیں ہیں۔ایسے افراد حالات کے جبر کی وجہ سے خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔دولت واقتدار کے عدم حصول کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو قناعت پسند کہلاتے ہیں اور ظاہری اطاعات وعبادات اس لئے بجالاتے ہیں تا کہ لوگ انہیں اقتدار کا بھوکا نہ سمجھیں بلکہ انہیں عابد و زاہد تصور کریں۔جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کا زہد وقناعت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ان کا زہد وقناعت کا اختیار کرنا ظاہری اور صوری حیثیت تو رکھتا ہے لیکن حقیقی اور واقعی حیثیت نہیں رکھتا۔اور اس جملہ کا یہ مفہوم بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں کے لیل و نہار زاہدوں جیسے نہیں ہیں۔کیونکہ زاہدوں کا دن روزہ میں اور رات بھی عبادت میں بسر ہوتی ہے جب کہ انہیں یہ سعادت میسر نہیں ہے۔

امام المتقین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس خطبہ میں یہاں تک تو دنیا طلب افراد کا تذکرہ فرمایا اور ان کی اقسام بیان فرمائیں اس کے بعد امام المتقینؑ نے خدا کے خاص بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

خاصان خدا

(وَ بَقِیَ رِجَالٌ غَضَّ اَبْصَارَھُمْ ذِکْرُ الْمَرْجَعِ)اوراس کے بعد کچھ وہ لوگ رہ گئے جن کی نگاہوں کو آخرت کی یاد نے جھکایا ہوا ہے۔خاصان خدا کی آپؑ نے اس کی خطبہ میں چند اہم علامات بیان فرمائی ہیں۔آپؑ نے ان کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ خوف محشر کی وجہ سے ان کی نگاہیں اس طرف نہیں اٹھتیں جن کا دیکھنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔اوران الفاظ کا وسیع ترین مفہوم یہ ہے کہ خوف محشر کی وجہ سے ان کی آنکھیں ماسوی اللہ (غیر اللہ) کی جانب التفات ہی نہیں کرتیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رب العالمین نے جسم میں قلب کو تمام اعضاء کا رئیس مقرر کیا ہے اور باقی تمام اعضاء کو اس کا تابع بنایا ہے اور جب کسی کا دل اللہ کے ذکر میں مشغول ہو اور جمال حق کے مشاہدہ میں ڈوبا ہوا ہو اور جلال پروردگار کے ملاحظہ سے ہی اسے فراغت نصیب نہ ہو اور دل اس حقیقت کا امین ہو کہ اس کی رجوع و بازگشت اللہ کی طرف ہے۔تو باقی اعضاء بھی قلب کی پیروی کریں گے۔اسی لئے جس جسم میں ایسا قلب سلیم موجود ہوگا تو اس جسم کی نگاہیں محرمات کو دیکھنے کی کبھی جرأت نہیں کریں گی۔اور ماسوی اللہ سے ہمیشہ صرف نظر کریں گی۔مولائے کائنات نے خاصان خدا کی نگاہوں کی پہلی صفت یہ قرار دی کہ خوف محشر نے ان کی نگاہوں کو جھکا دیا ہے اور اسی خوف محشر نے ان پر دوسرا اثر یہ مرتب کیا(وَ اَرَاقَ دُمُوْعَھُمْ خَوْفُ الْمَحْشَرِ)اور محشر کے خوف نے ان کے اشکوں کو رواں کر دیا ہے۔

خاصان خدا خوف محشر کی وجہ سے بے ساختہ روتے ہیں۔کیونکہ وہ جانتے ہیں جنت و دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے جہاں سے صرف انہی لوگوں کا گذر ممکن ہے جو خوف خدا میں روتے ہیں خوف خدا میں رونا عظیم عبادت ہے۔اور کتب حدیث میں ہادیان دین نے اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے جب کہ ہم یہاں کتاب عدۃ الداعی سے صرف تین احادیث نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

الف:۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:''کُلُّ عَیْنٍ بَاکِیَۃٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا ثَلَاثَ عَیْوُنٍ عَیْنٌ غَضَتْ عَنْ مَّحَارِمِ اللّٰہِ وَ عَیْنٌ سَھَرَتْ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَ عَیْنٌ بَکَتْ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ''قیامت کے دن ہر آنکھ روئے گی مگر تین قسم کی آنکھیں نہ روئیں گی۔۱۔وہ آنکھ جو محارم کو دیکھ کر جھک گئی ہو۔۲۔وہ آنکھ جو اطاعت خدا میں جاگتی رہی ہو۔۳۔وہ آنکھ جو رات کے لمحات میں خوف خدا سے روئی ہو۔

ب:۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:''مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا وَ لَہٗ کَیْلٌ اَوْ وَزْنٌ اِلَّا الدُّمُوْعُ فَاِنَّ الْقَطْرَۃَ یُطْفِیُ بِحَارًا مِّنَ النَّارِ فَاِذَا اغْرَوْرَقَتِ الْعَیْنُ بِمَائِھَا لَمْ یُرْھِقْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّۃٌ فَاِذَا فَاضَتْ حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ وَ لَوْ اَنَّ بَاکِیًا بَکٰی فِیْ اُمَّۃٍ لَرُحِمُوْا ''دنیا میں ہر چیز کی کچھ نہ کچھ ناپ تول ہوتی ہے سوائے آنسوؤں کے۔آنسو کا ایک قطرہ آگ کے کئی سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔جب آنکھ آنسو سے تر ہو جائے تو اس پہ ذلت و رسوائی طاری نہیں ہوتی۔اور جب آنکھ بہنے لگے تو اللہ اسے دوزخ پر حرام قرار دیتا

ہے اور اگر پوری امت میں ایک بھی رونے والا موجود ہو تو پوری امت پر رحم کیا جاتا ہے۔

ج:۔رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَصَبَ فِیْ قَلْبِهٖ نَائِحَةً مِّنَ الْحُزْنِ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ کُلَّ قَلْبٍ حَزِیْنٍ وَ اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ اِلَی الضَّرْعِ وَ اِنَّهٗ لَا یَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دُخَانُ جَهَنَّمَ فِیْ مَنْخَرَیْ مُؤْمِنٍ اَبَداوَ اِذَا اَبْغَضَ اللّٰهُ عَبْدًا جَعَلَ قَلْبَهٗ مَزَارًا (مِزْمَارًا) مِنَ الضِّحْكِ وَ اِنَّ الضِّحْكَ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ'' جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے دل کو غم کا نوحہ خوان بنا دیتا ہے کیونکہ یقیناً اللہ ہر غمگین دل کو پسند کرتا ہے اور خوف خدا میں رونے والا شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جب تک دودھ دوبارہ تھن میں داخل نہ ہو جائے۔(اور یہ محال ہے) اور اللہ کی راہ میں اٹھنے والا غبار اور دوزخ کا دھواں مومن کے ناک کے نتھنوں میں کبھی جمع نہیں ہوں گے۔اور جب اللہ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو اس کے دل کو ہنسی کا مرکز بنا دیتا ہے۔اور ہنسی دل کو مار دیتی ہے اور اللہ خوش رہنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

خاصان خدا پر دنیا میں گذری؟

خدا کے برگزیدہ افراد کے ساتھ ابنائے دنیا نے کیا سلوک کیا اور ان پر کیا بیتی؟ اس سوال کا جواب امیر المومنین علیہ لاسلام نے ان الفاظ میں دیا: (فَهُمْ بَیْنَ شَرِیْدٍ نَادٍ) ان میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے الگ تھلگ تنہائی میں پڑے ہوئے ہیں۔یہ لوگ خلق سے دور گوشہ تنہائی میں ان سے وحشت زدہ ہو کر چلے گئے۔اور ان کے الگ تھلگ ہونے کی دو وجوہات ہیں۔

۱۔جب وہ وطن میں رہتے تھے تو ان پر بہت زیادہ ظلم کیا گیا جس کی وجہ سے وہ بے چارے وطن اور احباب و اقارب سے دور تنہائی میں چلے گئے

۲۔لوگوں کی بداعمالیوں پر وہ صبر نہیں کر سکتے تھے۔اس لئے اس معصیت زدہ ماحول کو انہوں نے ترک کر دیا اور تنہائی میں سکون محسوس کیا۔

(وَ خَائِفٍ مَّقْمُوْعٍ وَّ سَاكِتٍ مَّكْعُوْمٍ وَّ دَاعٍ مُّخْلِصٍ وَّ ثَكْلَانَ مُوْجِعٍ) اور کچھ خوف وہراس کے عالم میں ذلتیں سہہ رہے ہیں۔اور بعض نے اس طرح چپ سادھ لی ہے کہ گویا ان کے منہ باندھ دیئے گئے ہیں اور کچھ خلوص سے دعائیں مانگ رہے ہیں اور کچھ غم زدہ اور درد رسیدہ ہیں۔خاصان خدا کی اب حالت یہ ہو چکی ہے وہ لوگوں کی محفلوں سے دور ہیں ان میں سے کچھ افراد نے تو اپنے وطن کو خیر باد کہہ دیا ہے اور بعض نے وطن کو ترک نہیں کیا اور برائی سے لوگوں کو روکتے ہیں اور نہی عن المنکر کے خدائی فریضہ کو سرانجام دیتے ہیں لیکن اس کے عواقب وانجام سے بھی خوف زدہ رہتے ہیں۔اور کچھ لوگ ظالم معاشرے میں رہتے ہیں لیکن خوف وتقیہ کی وجہ سے نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دے سکتے اور وہ دعاؤں میں مشغول ہیں۔اور بعض افراد اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس معاشرے میں رہ تو رہے ہیں لیکن لوگوں کی برائیوں اور بدکاریوں کو دیکھتے ہیں تو انہیں پسر مردہ ماں کی طرح سے دکھ درد اٹھانا پڑتا ہے۔(قَدْ اَخْمَلَتْهُمُ التَّقِیَّةُ وَ

شَمَلَتْهُمُ الذِّلَّةُ فَهُمْ فِیْ بَحْرٍ اُجَاجٍ)انہیں خوف نے گمنامی میں بٹھادیا اور خستگی اور درماندگی ان پر چھائی ہوئی ہے وہ ایک شور دریا میں ہیں۔خوف اور ہراس ان پر اتنا طاری کر دیا گیا کہ وہ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے اور ظالم معاشرہ میں انہیں حقیر و ذلیل تصور کیا گیا۔اس معاشرہ میں رہنے کے باوجود بھی وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے جس طرح سے ایک شخص دریائے شور میں رہ کر بھی پیاسا رہنے پر مجبور ہوتا ہے اور کھاری پانی سے استفادہ نہیں کر سکتا اسی طرح سے خاصان خدا بھی ہر طرح کے استفادہ سے محروم ہیں۔(اَفْوَاهُهُمْ ضَامِزَةٌ وَّ قُلُوْبُهُمْ قَرِحَةٌ قَدْ وَعَظُوْا حَتّٰی مَلُّوْا وَ قُهِرُوْا حَتّٰی ذُلُّوْا وَ قُتِلُوْا حَتّٰی قَلُّوْا)ان کے منہ بولنے سے بند اور خوف خدا اور منکرات کا مشاہدہ کرتے کرتے اور منکرات کو ختم نہ کر سکنے کی وجہ سے ان کے دل زخمی ہو چکے ہیں۔اور انہوں نے لوگوں کو بار بار وعظ و نصیحت کی لیکن لوگ ان کے مواعظ کی جانب قطعاً ملتفت نہیں ہوئے۔ جب خاصان خدا کو اپنی تقریر کا مدعا عنقا نظر آیا تو وہ بھی وعظ و نصیحت سے اکتا گئے۔اور ان پر اتنا جبر کیا گیا کہ وہ دب کر رہ گئے اور اتنے قتل کئے گئے کہ ان میں نمایاں کمی ہوگئی۔اس جملہ میں قتل کی نسبت سب کی طرف کی گئی اگر چہ سب خاصان خدا کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان میں سے بعض کو قتل ہونا پڑا تھا تو یہاں کل سے مراد اس کا جز ہے۔اور یہ کلام عرب میں شائع و رائج ہے جیسے عرب کہتے ہیں:(بَنُوْ فُلَانٍ قَتَلُوْا فُلَانًا)فلاں کے بیٹوں (فلاں قبیلے) نے فلاں کو قتل کر دیا۔حالانکہ قتل کرنے میں پوری قوم و قبیلہ شامل نہیں ہوتا اس جملہ میں کل بول کر اس کا ایک جز مراد لیا گیا ہے۔

امیر المؤمنینؑ نے جب خاصان خدا کی یہ حالت زار بیان کی تو پھر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں لوگو! جب اس دنیا نے خاصان خدا سے یہ سلوک کیا تو تم بھی اس سے دل نہ لگاؤ۔(فَلْتَكُنِ الدُّنْيَا فِیْ اَعْيُنِكُمْ اَصْغَرَ مِنْ حُثَالَةِ الْقَرَظِ وَ قُرَاضَةِ الْجَلَمِ)لہٰذا تمہیں بھی خاصان خدا کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور اس دنیا کو تمہاری نظروں میں کیکر کے چھلکوں اور اس کے ریزوں سے بھی زیادہ حقیر و پست ہونا چاہئے۔ان الفاظ سے آپؑ نے سامعین کو حکم دیا کہ وہ لذات دنیا پر فریفتہ نہ ہوں اسے حقیر ترین چیز خیال کریں اور اس کی جانب قطعاً متوجہ نہ ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت رسالت مآب صحابہ کرامؓ کے ساتھ ایک گلی سے گذر رہے تھے آپؐ نے دیکھا کہ بکری کا ایک چھوٹا سا مرا ہوا بچہ راستے کے قریب پڑا تھا۔آپؐ نے اس مردہ بچہ کو دیکھ کر صحابہ سے فرمایا:''کیا اس مردہ بچہ کی کوئی قدر و قیمت ہے؟''۔صحابہؓ نے عرض کی: ''اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے''۔یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:''اسی طرح سے اللہ کی نظر میں یہ دنیا اس بکری کے مردہ بچے سے بھی زیادہ حقیر و پست ہے''۔بعد ازاں آپؐ نے فرمایا:''اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ وَ مَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهٗ وَ لَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ وَ شَهَوَاتُهَا يَطْلُبُ مَنْ لَّا فَهْمَ لَهٗ وَ عَلَيْهَا يُعَادِیْ مَنْ لَّا عِلْمَ لَهٗ وَ عَلَيْهَا يَحْسُدُ مَنْ لَّا فِقْهَ لَهٗ وَ لَهَا يَسْعٰی مَنْ لَّا يَقِيْنَ لَهٗ ''دنیا کو وہی شخص اپنا گھر بناتا ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو اور دنیا کو مال وہی قرار دیتا ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو۔اور دنیا وہی جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو اور لذات دنیا کو وہی طلب کرتا ہے جس میں سمجھ نہ ہو۔اور حصول دنیا کے لئے وہی لوگوں سے دشمنی رکھتا ہے جس کے پاس علم نہ ہو۔اور دنیا کے لئے وہی حسد کرتا ہے جس میں سوجھ بوجھ نہ ہو اور دنیا کی دولت کے لئے دوڑ دھوپ وہی کرتا جس کے پاس یقین کی دولت نہ ہو۔

(وَاتَّعِظُوْا بِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَبْلَ اَنْ يَّتَّعِظَ بِكُمْ مَنْ بَّعْدَكُمْ)اپنے سے پہلے والے لوگوں سے عبرت حاصل کرو اس لئے

کہ وہ دنیا کو چھوڑ کر جا چکے ہیں اور ایسا نہ ہو کہ تمہارے بعد میں آنے والے لوگ تم سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ عقل مند وہی ہے جو دوسروں کے انجام سے عبرت حاصل کرے اور خود سامان عبرت نہ بنے۔(وَارْفَضُوْهَا ذَمِيْمَةً فَاِنَّهَا قَدْ رَفَضَتْ مَنْ كَانَ اَشْغَفَ بِهَا مِنْكُمْ)اور اس دنیا کی برائی محسوس کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کرلو کیونکہ صاحبان عقل وبصیرت کے نزدیک جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے کیونکہ اس کی نعمات فانی، اس کا سرور وقتی اور اس کی دوستی عارضی اور اس کی لذات فانی ہیں۔ اگر دنیا ہمیشہ رہنے والی چیز ہوتی تو ان لوگوں سے بھی ضرور وفا کرتی جو اس کے والہ وشیدا تھے۔ جب اس نے اپنے تمام عشاق کو چھوڑ دیا ہے تو یہ بے وفا حسینہ تم سے بھی کبھی وفا نہیں کرے گی۔ اسی لئے عقل مندی اسی میں ہے کہ اس سے قبل کہ دنیا تمہیں چھوڑے، تم اس کو چھوڑ دو۔

حضرت عیسیٰ اور دنیا کا مکالمہ

روایات میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو تمثیلی انداز میں دیکھا۔ انہیں زیورات سے لدی پھندی ایک عورت کی شکل میں نظر آئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ''تو نے کتنے شوہر کئے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''میں نے اتنے شوہر کئے کہ اب مجھے ان کی تعداد بھی یاد نہیں''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تو تمہارے شوہروں کا کیا بنا، کیا وہ سارے مر گئے یا انہوں نے تجھے طلاق دی؟''۔ دنیا نے کہا: ''ایسا نہیں ہے۔ نہ تو وہ مرے اور نہ ہی انہوں نے مجھے طلاق دی بلکہ میں نے سب کو قتل کر دیا''۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''تیرے باقی خاوندوں پر افسوس ہے وہ تیرے گذشتہ شوہروں کے انجام سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ تیرے ہاتھوں علیحدہ علیحدہ قتل ہونے کی بجائے وہ تجھ سے دوری اختیار کیوں نہیں کر لیتے؟''۔

ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا تھا:

يَا طَالِبَ الدُّنْيَا يَغُرُّكَ وَجْهُهَا وَ لَتَنْدُمَنَّ اِذَا رَأَيْتَ قَفَاهَا

اے طالب دنیا! آج تجھے اس کا چہرہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب تو نے اس کی پشت کو دیکھا تو پھر پچھتائے گا۔

خطبہ ۳۳

حضرت نے یہ خطبہ اہل بصرہ سے جنگ کے لئے روانہ ہوتے وقت ارشاد فرمایا تھا:

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ دَخَلْتُ عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِذِىْ قَارٍ وَ هُوَ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ فَقَالَ لِىْ مَا قِيْمَةُ هٰذِهِ النَّعْلِ فَقُلْتُ لَا قِيْمَةَ لَهَا فَقَالَ (ع) :

ابن عباس کہتے ہیں مقام ذی قار میں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنے جوتے کو اپنے ہاتھوں سے گانٹھ رہے تھے اور مجھے فرمایا: اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟ میں نے کہا اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

وَ اللّٰهِ لَهِىَ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ اِمْرَتِكُمْ اِلَّا اَنْ اُقِيْمَ حَقًّا اَوْ اَدْفَعَ بَاطِلًا ثُمَّ خَرَجَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلى الله عليه و آله و سلم وَ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ الْعَرَبِ يَقْرَأُ كِتَابًا وَ لَا يَدَّعِىْ نُبُوَّةً فَسَاقَ النَّاسَ حَتّٰى بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ وَ بَلَّغَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ فَاسْتَقَامَتْ قَنَاتُهُمْ وَ اطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ اَمَا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَفِىْ سَاقَتِهَا حَتّٰى وَلَّتْ بِحَذَافِيْرِهَا مَا ضَعُفْتُ وَ لَا جَبُنْتُ وَ اِنَّ مَسِيْرِىْ هٰذَا لِمِثْلِهَا فَلَاَبْقُرَنَّ الْبَاطِلَ حَتّٰى يَخْرُجَ الْحَقُّ مِنْ جَنْبِهٖ مَا لِىْ وَ لِقُرَيْشٍ وَ اللّٰهِ لَقَدْ قَاتَلْتُهُمْ كَافِرِيْنَ وَ لَاُقَاتِلَنَّهُمْ مَفْتُوْنِيْنَ وَ اِنِّىْ لَصَاحِبُهُمْ بِالْاَمْسِ كَمَا اَنَا صَاحِبُهُمُ الْيَوْمَ

اگر میرے پیش نظر حق کا قیام اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے یہ جوتا مجھے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ پھر آپؑ باہر آئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت بھیجا جب عربوں میں نہ کوئی کتاب (آسمانی) کا پڑھنے والا تھا اور نہ کوئی نبوت کا دعوے دار۔ آپؐ نے ان لوگوں کو ان کے (صحیح) مقام پر اتارا اور نجات کی منزل پر پہنچا دیا یہاں تک کہ ان کے سارے خم جاتے رہے اور حالات محکم و استوار ہوگئے۔ خدا کی قسم میں بھی ان لوگوں میں تھا جو اس صورت حال میں انقلاب پیدا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انقلاب مکمل ہوگیا۔ میں نے (اس کام میں) نہ کمزوری دکھائی اور نہ بزدلی سے کام لیا اور اب بھی میرا اقدام ویسے ہی مقصد کے لئے ہے۔ میں باطل کو چیر کر اس کے پہلو سے حق کو برآمد کروں گا۔ مجھے قریش سے وجہ نزاع ہی اور کیا ہے۔ خدا کی قسم میں نے تو ان سے جنگ کی، جب کہ وہ کافر تھے۔ اور اب بھی ان سے جنگ کروں گا جب کہ وہ باطل کے ورغلانے میں آچکے ہیں۔ اور جس شان سے میں کل ان کا مدمقابل رہ چکا ہوں، ویسا ہی آج ثابت ہوں گا۔

تشریح لغات (ذِىْ قَارٍ) بصرہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ اور یہاں عرب و فارس کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی جس میں عرب کامیاب ہوئے تھے۔ اور یہاں ایک چشمہ ہے جس کے پانی کا رنگ تارکول جیسا ہے۔ (خَصَفَ النَّعْلَ) اس نے جوتا گانٹھا اور (اَلنَّعْلُ) مونث سماعی ہے۔ (بَوَّأَهُ الْمَكَانَ) اس نے اسے ایک جگہ پر بٹھایا۔ (اَلْمَنْجَاةَ) مقام نجات، ظرف مکان۔ (اَلْقَنَاةُ) ٹیڑھا نیزہ جس کا استعمال بے فائدہ ہو۔ (اَلصَّفَاةُ) صاد کے فتحہ کے ساتھ، وہ سخت پتھر جس میں سے کوئی جڑی بوٹی سر نہ نکال سکے۔ (اَلسَّاقَةُ) سَائِقٌ، کی جمع ہے جیسے (حَائِكٌ) کی جمع (حَاكَةٌ) آتی ہے۔ لفظی معنی چلانے والا، ہانکنے والا، پھر بعد میں اس لفظ کا استعمال آخر میں آنے کے

لئے ہونے لگا کیونکہ(سَائِقُ الرَّکْبِ)میر کارواں، کارواں کے آخر میں ہوتا ہےاور(سَائِقُ الْجَیْشِ)سالار لشکر، سالار بھی لشکر کے آخر میں ہوتا ہے۔(تَوَلَّتْ)بعض نسخوں میں (وَلَّتْ)وارد ہوا ہے۔اور مذکورہ دونوں الفاظ کا معنی ایک ہی ہے اور اس کا معنی ہے پشت دکھا کر بھاگ گئی۔(اَلْحَذَافِیْرُ)حِذْفَارٌ، حاء کے کسرہ کے ساتھ اور اس کا معنی ہے۔کنارہ، عظیم، اور کثیر مجمع۔جیسا کہ کہا جاتا ہے،(اَخَذَهٗ بِحَذَافِیْرِهٖ)تو اس کا ترجمہ ہوگا: اس نے اسے مکمل طور پر پکڑا، اس نے اس کے اطراف سے پکڑا، اس نے اس کی بلندیوں سے پکڑا۔ (ضَعْفٌ وَّ جُبْنٌ)کلمۂ عین کے ضمہ کے ساتھ، کمزوری و بزدلی۔اس کا تعلق باب (کَرُمَ) سے ہے۔(اَلنَّقْبُ)سوراخ۔ بعض نسخوں میں(لَاَنْقُبَنَّ) کی جگہ(لَاَبْقُرَنَّ)وارد ہے۔اس کا معنی ہے میں ضرور پھاڑوں گا۔

تشریح

حضرتؑ نے یہ خطبہ اس غرض سے دیا کہ اہل جمل سے آپؑ کی جنگ حق کے قیام اور باطل کی سرکوبی کے لئے تھی۔اور آپؑ کی یہ جنگ کفار و مشرکین کے جہاد کے مساوی تھی۔اسی لئے آپؑ نے خطبہ کی ابتدا میں بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ فرمایا اور خطبہ کے آخر میں آپؑ نے اپنا مقصد تقریر بیان فرمایا۔(اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم وَ لَیْسَ اَحَدٌ مِّنَ الْعَرَبِ یَقْرَأُ کِتَابًا وَ لَا یَدَّعِیْ نُبُوَّةً)اللہ سبحانہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ عربوں میں اس وقت کوئی (آسمانی) کتاب پڑھنے والا تھا اور نہ کوئی نبوت کا دعویدار تھا۔اس جملہ میں ممکن ہے کہ (عرب) سے مراد ان کے قلیل ترین افراد ہوں۔کیونکہ ان کی اکثریت تو کسی دین و مذہب کی سرے سے قائل ہی نہ تھی۔اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے خطبہ اول کی سولہویں فصل میں ہم مکمل بحث کر چکے ہیں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان الفاظ سے آپ نے عام عربوں کی ترجمانی فرمائی ہو جیسا کہ ظاہر کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔اس مقام پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ بعثت سے قبل عرب میں اہل کتاب موجود تھے اور وہ کتابیں پڑھا کرتے تھے مگر آپؑ نے خطبہ میں عربوں کے کتاب پڑھنے کی نفی کی ہے۔اس سوال کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ جب حضور کریمؐ مبعوث ہوئے تو اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں جو کتابیں تھیں وہ اصلی تورات و انجیل نہ تھیں بلکہ تحریف شدہ تھیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا﴿وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْکِتَابِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْکِتَابِ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾(آل عمران۔۷۸)اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ضرور ہیں کہ کتاب میں اپنی زبانیں مروڑ مروڑ کے پڑھتے ہیں تا کہ تم یہ سمجھو کہ یہ کتاب کا جز ہے۔حالانکہ وہ کتاب کا جز نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے یہاں سے ہے حالانکہ وہ خدا کے یہاں سے نہیں اترا۔اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ جوڑتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں ابوعلی طبرسیؒ مجمع البیان میں تحریر کرتے ہیں کہ کہا گیا کہ یہ آیت احبار یہود کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اپنی خودساختہ کتابیں تحریر کی ہوئی تھیں۔جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا کوئی تذکرہ نہیں تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے الحاقی مسائل تحریر تھے۔اور اپنی خودساختہ کتابوں کو کتاب خدا کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔اور اس کے متعلق ایک

یہ بھی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی تھی اور کتاب کی بعض آیات کو بعض آیات پر پیش کیا تھا۔ اور بہت سے الحاقی مسائل ان میں تحریر کر دئے اور اپنی خود ساختہ کتابوں کو کتاب خدا کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے اور اس آیت کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت ان یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے تورات و انجیل میں تحریف کی تھی اور کتاب کی بعض آیات کو بعض آیات پر پیش کیا تھا اور بہت سی الحاقی باتیں ان میں تحریف کر دی تھیں اور ان سے دین حنیف کی سچی تعلیمات کو حذف کر دیا تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ کچھ بھی خواہ کیوں نہ ہو یہ حقیقت ہے کہ بعثت پیغمبرؐ کے وقت لوگ دور جاہلیت میں رہ رہے تھے اور کتاب و سنت سے بے بہرہ تھے۔

(فَسَاقَ النَّاسَ حَتّٰی بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ) آپؐ نے کتاب اللہ کی روشنی میں جہاد کر کے لوگوں کو ان کی اس منزلت و مرتبہ پر پہنچایا جس کے لئے اللہ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ (وَ بَلَّغَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ) آپؐ نے لوگوں کو ان کی منزل نجات پر پہنچا دیا۔ آپؐ نے لوگوں کو سلامتی اور نجات کی اس منزل پر پہنچایا جہاں پہنچنے والے کو کوئی خوف باقی نہیں رہتا اور جو اس منزل پر نہ پہنچے اسے سلامتی نصیب نہیں ہوتی۔ سلامتی کی منزل سے مراد دین اسلام ہے اور یہی دین ہی دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ، غضبِ جبار سے بچنے کی ڈھال اور دار القرار کی رہائش کا پروانہ ہے۔ اور انسانی خلقت کی یہی علتِ غائی ہے اور اسی وجہ سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ (فَاسْتَقَامَتْ قَنَاتُهُمْ) آپؐ کے ذریعہ سے ان کے نیزوں کی کجی دور ہوئی۔ آپؐ سے پہلے ان کے نیزے کج تھے۔ یعنی ان کے شب و روز بے مقصد لڑائیوں میں صرف ہوتے تھے۔ اور آپؐ کی بعثت سے جنگ کو ایک ہدف ملا۔ اور ان کے حالات محکم و استوار ہو گئے۔ جب کہ حضورؐ کی بعثت سے قبل ان کے حالات تزلزل و اضطراب سے عبارت تھے۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں۔ خطبہ میں (نیزوں) سے مراد قوت و غلبہ اور سلطنت ہے چونکہ حصول سلطنت کے لئے شمشیر و سناں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرتؑ نے مجازی طور پر سبب کو مسبب کے طور پر بیان فرمایا۔ آپؑ کی وجہ سے (وَ اسْتَقَرَّتْ صَفَاتُهُمْ) ان کے حالات میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا، آپؑ نے (وَ اطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ) کے الفاظ (یعنی ان کے مضبوط پتھر ٹھہر گئے) کا استعارہ ان کے حالات کے پیش نظر فرمایا۔ اور اس جملہ میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ بعثت سے قبل عربوں کو سکون و ٹھہراؤ میسر نہ تھا۔ وہ خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور کسی ایک جگہ پر ٹھہرنے کی انہیں عادت نہ تھی ان کی پوری زندگی خانہ بدوشی، لوٹ مار اور جلاوطنی سے عبارت تھی۔ گویا وہ ایک چکنے پتھر پر کھڑے تھے جہاں اضطراب ہی اضطراب تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے انہیں ایک مقام پر ٹھہرنا نصیب ہوا اور وطن کے تصور سے آشنا ہوئے۔ (اَمَا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَفِیْ سَاقَتِهَا) خدا کی قسم۔ دور جاہلیت کے بھگانے والوں میں مَیں بھی شامل تھا۔ حضرتؑ نے دور جاہلیت کے جوش و ہیجان کے شعلوں کو جنگ پر آمادہ لشکر سے تشبیہ دی اور فرمایا: اس لشکرِ ظلمت کو پیچھے ہٹانے والوں میں میرا شمار سرفہرست ہوتا تھا۔ اور میں جاہلیت کے لشکروں کو دھکیلنے والوں میں سرِ فہرست تھا۔ (حَتّٰی وَلَّتْ بِحَذَافِیْرِهَا) یہاں تک کہ کفر و ظلمت کے تمام لشکر پشت دکھا کر شکست کھا گئے اور ان میں سے کوئی بھی میرے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ (مَا ضَعُفْتُ وَ لَا جَبُنْتُ مَا عَجَزْتُ وَمَا جَنَبْتُ) تاریکیوں کے لشکر کو پیچھے دھکیلنے میں مجھ سے کوئی کمزوری و عاجزی صادر نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس جنگ

میں مَیں نے بزدلی دکھائی۔

کسی بھی شخص کی ناکامی میں دو اسباب بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

ا۔کوئی شخص اس لئے شکست سے ہمکنار ہوتا ہے کہ وہ مدمقابل کی قوت کے مقابلہ سے عاجز ہوتا ہے۔۲۔یا اسے مقابلہ کی طاقت ہوتی ہے لیکن وہ بزدلی دکھاتا ہے۔

حضرتؑ نے اسلامی تحریک برپا کرنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں لشکر ظلمت کے مقابلہ میں اس لئے کامیاب ہوا کہ میں اس کے مقابلہ سے عاجز نہ تھا اور میں بزدل بھی نہ تھا اسی لئے کامیاب ہوگیا (وَاِنَّ مَسِیْرِیْ هٰذَا لِمِثْلِهَا) اب بھی میرا اقدام ویسے ہی مقصد کے لئے ہے۔یعنی جس طرح میں نے لشکرِ ظلمت کو پوری قوت و بہادری سے پسپا کیا تھا۔ اب بھی میں اہلِ جمل کو اسی بھرپور قوت اور دلیری سے شکست فاش دوں گا (فَلَأَبْقُرَنَّ الْبَاطِلَ حَتّٰی یَخْرُجَ الْحَقُّ مِنْ خَاصِرَتِهٖ (جَنْبِهٖ خ)) میں باطل کے شکم کو چیر دوں گا یہاں تک کہ اس کے پہلو سے حق برآمد ہوگا۔حضرتؑ نے اس مقام پر باطل کی تشبیہ اس جانور سے دی ہے جس نے کوئی قیمتی جوہر نگل لیا ہو اور اس بیش قیمت جوہر کو برآمد کرنے کے لئے حیوان کو ذبح کر کے اس کا پیٹ چاک کرنا ضروری ہوگیا ہو۔تو آپؑ نے خطبہ کے ان حسین لفظوں کے ذریعہ سے لوگوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ میں اس حیوان باطل کے شکم کو چاک کردوں گا اور اس کے پہلو میں پوشیدہ حق کو برآمد کروں گا۔اور جب حق کا بیش قیمت موتی برآمد ہوگا تب لوگوں کو علم ہوگا کہ اس حیوانِ باطل نے کیسے کیسے بیش قیمت موتی نگل لئے ہوئے تھے۔(مَا لِیْ وَ لِقُرَیْشٍ) آخر میں نے قریش کا کیا بگاڑا ہے۔آخر قریش میری فضیلت کا انکار کیوں کر رہے ہیں، مجھ سے کس لئے جنگ جائز قرار دے رہے ہیں اور میری بیعت کو کیوں توڑ رہے ہیں؟ (وَ اللّٰهِ لَقَدْ قَاتَلْتُهُمْ كَافِرِیْنَ وَ لَأُقَاتِلَنَّهُمْ مَفْتُوْنِیْنَ) خدا کی قسم میں نے ان سے اس وقت جنگ کی جب وہ کافر تھے۔اس وقت میں ان سے ان کے کفر کی وجہ سے لڑا تھا اور اب بھی میں ان سے جنگ کروں گا جب کہ وہ باطل کے ورغلانے میں آچکے ہیں۔تاکہ وہ باطل کو چھوڑ کر حق کو تسلیم کرلیں۔

حضرت علیؑ سے جنگ کرنے والے کافر ہیں یا نہیں؟

الوسائل میں جناب رسالت مآب سے ایک حدیث مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: (یَا عَلِیُّ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَتَبَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ الْجِهَادَ فِی الْفِتْنَةِ مِنْ بَعْدِیْ كَمَا كَتَبَ عَلَیْهِمُ الْجِهَادَ مَعَ الْمُشْرِكِیْنَ مَعِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْفِتْنَةُ الَّتِیْ كُتِبَ عَلَیْنَا فِیْهَا الْجِهَادُ؟ قَالَ فِتْنَةُ قَوْمٍ یَّشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ هُمْ مُخَالِفُوْنَ سُنَّتِیْ وَطَاعِنُوْنَ فِیْ دِیْنِیْ فَقُلْتُ فَعَلٰی مَا نُقَاتِلُهُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ وَهُمْ یَّشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ عَلٰی اِحْدَاثِهِمْ فِیْ دِیْنِهِمْ وَ فِرَاقِهِمْ لِاَمْرِیْ وَ اسْتِحْلَالِهِمْ دِمَآءَ عِتْرَتِیْ هٰذَا)

یا علیؑ! میرے بعد فتنہ کے ایام میں اللہ نے مومنین پر اسی طرح سے جہاد فرض کیا ہے جیسا کہ میری زندگی میں مشرکین کے ساتھ جہاد کرنا فرض قرار دیا ہے۔میں نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! وہ کون سا فتنہ ہے جس میں ہم پر جہاد فرض کیا گیا؟ آپؐ نے فرمایا: اس قوم کا فتنہ

جولَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی گواہی دیتے ہوں گے لیکن وہ میری سنت کے مخالف ہوں گے اور میرے دین پر اعتراض کرتے ہوں گے۔ میں نے عرض کی: ہم ان سے کس بات پر جنگ کریں گے جبکہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی گواہی دیتے ہوں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا: دین میں بدعات پیدا کرنے کی وجہ سے اور میرے حکم کو چھوڑنے اور میری اس عترت اہل بیتؑ کے خون کو حلال سمجھنے کی بنا پر ان سے جنگ کرنا۔

شارح معتزلی (وَ لَاُقَاتِلَنَّهُمْ مَفْتُوْنِيْنَ) کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کا یہ قول ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے کیونکہ ہمارا یہ نظریہ ہے کہ امام کا باغی فاسق اور مفتون ہے یعنی باطل کے ورغلانے میں آچکا ہے اور شیعہ امامیہ امام کے باغی کو کافر کہتے ہیں۔ اور حضرتؑ نے مخالفین اصحاب جمل کو مفتون قرار دیا ہے کافر قرار نہیں دیا۔ شارح معتزلی کے جواب میں یہ کہنا درست ہے کہ حضرتؑ نے اصحاب جمل کو مفتون فرمایا ہے اور باطل کے ورغلانے میں آنے والے لوگ بھی کئی قسموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گمراہ بھی مفتون ہے، کافر بھی مفتون ہے، گناہ کا ارتکاب کرنے والا بھی مفتون ہے اور فضیحت وعذاب میں مبتلا ہونے والا انسان بھی مفتون ہی ہوتا ہے۔ البتہ کافر اور مفتون میں یہ فرق پھر بھی باقی رہے گا کہ لفظ کافر کا اطلاق عام طور پر اس پر ہوتا ہے جو کبھی دائرہ اسلام میں داخل ہی نہ ہوا ہو۔ اور مفتون وہ ہے جو دائرہ اسلام میں تو داخل ہوا ہو لیکن باطل کے ورغلانے میں آ گیا ہو۔ اور اس حقیقت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ علیؑ سے جنگ کرنے والا کافر ہے۔ کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے (حَرْبُكَ حَرْبِیْ) یعنی یا علیؑ! تیری جنگ میری جنگ ہے اور جو پیغمبرؐ اسلام سے جنگ کرے اس کا اسلام معلوم ہے۔

شارح معتزلی کے سوال

شارح معتزلی نے علمائے امامیہ کی رد میں لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے حریف زیادہ سے زیادہ مفتون اور باغی ہیں، انہیں کسی طرح سے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب کہ امامیہ ان کو کافر گردانتے ہیں اور ان کا کافر نہ ہونا ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت کے مخالفین اگر دوسرے کافروں کی طرح سے کافر ہوتے تو ان کی اولاد کو قید کرنا اور ان کی بیویوں کو لونڈی بنانا اور ان کے اموال پر قبضہ کرنا جائز ہوتا۔ جب کہ حضرتؑ نے اپنے مخالفین سے یہ سلوک ہرگز نہیں کیا۔

۲۔ حضرت کے مخالفین اگر مرتد ہوتے تو ان کی توبہ قابل قبول نہ ہوتی، اور ان کے اموال کو ان کی زندگی ہی میں ورثا میں تقسیم کیا جاتا اور ان کی ازواج کو حضرت حکم دیتے کہ وہ عدت وفات رکھیں اور مرتد شوہروں سے جدا ہو جائیں۔ مگر حضرتؑ نے مرتد کے احکام میں سے کسی حکم پر بھی عمل نہیں کیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ افراد نہ تو کافر تھے اور نہ ہی مرتد تھے۔

علمائے امامیہ کا موقف

علمائے امامیہ کا اس سلسلہ میں جو موقف ہے اسے درحقیقت شارح معتزلی نے سرے سے سمجھا ہی نہیں ہے۔ علمائے امامیہ کا موقف یہ ہے کہ حضرتؑ کے خلاف جن لوگوں نے بغاوت کی تھی وہ باطنی کافر ہیں لیکن اس دور میں ان سے سلوک ظاہری اور حقیقی مسلمانوں کا

سا کیا جائے گا۔ انہیں کفار و مشرکین کی طرح سے نجس نہیں سمجھا جائے گا بلکہ انہیں پاک تصور کیا جائے گا اور تر حالت میں ان سے مصافحہ کرنے کو بھی جائز سمجھا جائے گا، ان کا ذبیحہ حلال، ان کا نکاح درست گردانا جائے گا غرضیکہ ان پر اہل قبلہ کے تمام احکام جاری کئے جائیں گے۔ لیکن یہ سب کچھ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور تک ہوگا۔ جب آپ کا ظہور ہو جائے گا تو ایسے لوگوں کو کافر حربی تصور کیا جائے گا۔ اور اس موقف کو سمجھنے کے لئے الوسائل کی درج ذیل احادیث سے مدد ملتی ہے۔

۱۔ عبداللہ بن سلمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اہل بصرہ سے جنگ کی لیکن ان کے مال کو نہ لوٹا اور اب سوال یہ ہے کہ دارالشرک کی ہر چیز حلال ہوتی ہے اور دارالاسلام کی ہر چیز حرام ہوتی ہے تو اگر وہ لوگ کافر تھے تو حضرتؑ نے ان کے مال کو مالِ غنیمت کیوں نہ قرار دیا؟''۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام نے فرمایا: ''اِنَّ عَلِیًّا اِنَّمَا مَنَّ عَلَیْهِمْ کَمَا مَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) عَلٰی اَهْلِ مَکَّةَ وَ اِنَّمَا تَرَکَهُمْ عَلِیٌّ (ع) لِاَنَّهٗ کَانَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ سَیَکُوْنُ لَهُمْ شِیْعَةٌ وَ اَنَّ دَوْلَةَ الْبَاطِلِ سَتُظْهِرُ عَلَیْهِمْ فَاَرَادَ اَنْ یُّقْتَدٰی بِهٖ فِیْ شِیْعَتِهٖ وَ قَدْ رَاَیْتُمْ آثَارَ ذَالِكَ هُوَ ذَا یُسَارُ فِی النَّاسِ بِسِیْرَةِ عَلِیٍّ (ع) وَ لَوْ قَتَلَ عَلِیٌّ (ع) اَهْلَ الْبَصْرَةِ جَمِیْعًا وَ اتَّخَذَ اَمْوَالَهُمْ لَکَانَ ذَالِكَ لَهٗ حَلَالًا لٰکِنَّهٗ مَنَّ عَلَیْهِمْ لِیُمَنَّ عَلٰی شِیْعَتِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ ''کہ حضرت علیؑ نے ان پر وہی احسان کیا تھا جو رسولؐ خدا نے اہل مکہ پر کیا تھا۔ علاوہ ازیں آپؑ نے ان کے ترکہ کو مال غنیمت اس وجہ سے بھی قرار نہ دیا کیونکہ آپؑ کو معلوم تھا کہ آنے والے دور میں آپ کے شیعہ بھی ہوں گے اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ باطل کی حکومت ان پر غالب آجائے گی۔ آپ نے یہ چاہا کہ آپ کا سلوک شیعوں کے تحفظ کا ذریعہ ثابت ہو۔ اور اہل باطل آپؑ کے شیعوں سے وہی سلوک کریں جو آپؑ نے اہل بصرہ سے کیا تھا۔ اور اس کے اثرات بھی مشاہدہ کئے ہیں۔ باطل حکومتیں شیعوں سے وہی سلوک کر رہی ہیں جو آپ نے ان سے کیا تھا۔ اور اگر علی علیہ السلام تمام اہل بصرہ کو قتل کر دیتے اور ان کے مال کو مال غنیمت قرار دے کر اس پر قبضہ کر لیتے تو یہ آپ کے لئے حلال ہوتا لیکن آپ نے ایسا صرف اس لئے نہ کیا تا کہ آپ کے بعد آپ کے شیعوں پر احسان ہو سکے اور ان کو تحفظ مل سکے۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مَالُ النَّاصِبِ وَ کُلُّ شَیْءٍ یَّمْلِکُهٗ حَلَالٌ اِلَّا امْرَاَتَهٗ فَاِنَّ نِکَاحَ اَهْلِ الشِّرْكِ جَایِزٌ وَ ذَالِكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) قَالَ لَا تَسُبُّوْا اَهْلَ الشِّرْكِ فَاِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ نِّکَاحًا وَ لَوْلَا اِنَّا نَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ یُّقْتَلَ رَجُلٌ مِّنْکُمْ بِرَجُلٍ مِّنْهُمْ وَ رَجُلٌ مِّنْکُمْ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ رَجُلٍ مِّنْهُمْ لَاَمَرْنَاکُمْ بِالْقَتْلِ لَهُمْ وَ لٰکِنْ ذَالِكَ لِلْاِمَامِ ''ناصبی کا مال اور اس کی بیوی کے علاوہ اس کی تمام ملکیت حلال ہے کیونکہ مشرکین کا نکاح بھی جائز ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل شرک کو گالیاں مت دو کیونکہ ہر قوم کا ایک نکاح ہوتا ہے اور اگر ہمیں یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کے آدمی کے بدلہ میں تمہارا آدمی قتل ہو جائے گا تو ہم تمہیں ان کے قتل کا حکم دیتے لیکن تمہارا ایک آدمی ان کے ہزار آدمیوں سے بہتر ہے۔ اس لئے یہ معاملہ امام کی ذاتی صوابدید پر منحصر ہے۔

۳۔ ابوبکر حضرمی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''لَسِیْرَةُ عَلِیٍّ (ع) فِیْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ کَانَتْ خَیْرًا لِّشِیْعَتِهٖ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ اِنَّهٗ عَلِمَ اَنَّهٗ لِلْقَوْمِ دَوْلَةٌ فَلَوْ سَبَاهُمْ لَسُبِیَتْ شِیْعَتُهٗ''۔ **قُلْتُ**: ''**فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْقَائِمِ یَسِیْرُ بِسِیْرَتِهٖ؟**'' قَالَ: ''لَا اِنَّ عَلِیًّا (ع) سَارَ فِیْهِمْ بِالْمَنِّ لِمَا عَلِمَ مِنْ دَوْلَتِهِمْ وَ اِنَّ الْقَائِمَ (ع)

یَسِیرُ فِیهِمْ بِخِلَافِ تِلْكَ السِّیرَةِ لِأَنَّهُ لَا دَوْلَةَ لَهُمْ ''اہل بصرہ کے متعلق حضرت علیؑ کی سیرت آپ کے شیعوں کے لئے تمام ان مقامات سے بہتر ہے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی تمام روئے زمین کی ملکیت سے بہتر ہے)۔حضرتؑ جانتے تھے کہ باطل پرستوں کی حکومت قائم ہوگی اگر علیؑ انہیں قید کرتے تو آج ان کے شیعہ بھی قید ہوتے۔میں (راوی) نے عرض کی تو کیا حضرت قائم آل محمد (عج) بھی حضرت علیؑ کی سیرت پر عمل کریں گے؟ آپؑ نے فرمایا: نہیں۔حضرت علیؑ کو علم تھا کہ باطل پرستوں کی حکومت قائم ہوگی اسی لئے آپ نے ان پر احسان کیا اور قائم آل محمد (عج) ایسا نہیں کریں گے کیونکہ ان کے بعد باطل کی حکومت قائم نہیں ہوگی۔

۴۔محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ جب حضرت قائم آل محمد (عج) کا ظہور ہوگا تو وہ کس کی سیرت پر عمل کریں گے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''یَسِیرُ بِسِیرَةِ مَا سَارَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ (ص) ''وہ رسولؐ خدا کی سیرت پر عمل کر کے اسلام کو غلبہ عطا کریں گے۔میں نے پوچھا: سیرت رسولؐ مقبول کیا تھی؟ آپؑ نے فرمایا: '' اَبطَلَ مَا كَانَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَ اسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِالْعَدْلِ وَ كَذَالِكَ الْقَائِمُ إِذَا قَامَ یُبْطِلُ مَا كَانَ فِی الْهُدْنَةِ مِمَّا كَانَ فِی أَیْدِی النَّاسِ وَ یَسْتَقْبِلُ بِهِمُ الْعَدْلَ '' حضورؑ اکرم نے تمام امور جاہلیت کو باطل قرار دے کر لوگوں میں عدل جاری فرمایا۔اسی طرح سے قائم آل محمد (عج) بھی (زمانِ ہُدنہ) میں جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اسے باطل قرار دے کر لوگوں میں عدل جاری کریں گے۔

وضاحت: قائم آل محمد (عج) کے ظہور سے قبل کے دور کو (زمان ہدنہ) کہا جاتا ہے یعنی جنگ بندی کا دور۔

۵۔حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ جن لوگوں سے آپ کی جنگ ہوئی ہے، کیا وہ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''كَفَرُوا بِالْاَحْكَامِ وَ كَفَرُوا بِالنِّعَمِ لَیْسَ كُفْرَ الْمُشْرِكِینَ الَّذِینَ دَفَعُوا النُّبُوَّةَ وَ لَمْ یُقِرُّوا بِالْإِسْلَامِ وَ لَوْ كَانُوا كَذَالِكَ مَا حَلَّتْ لَنَا مَنَاكِحُهُمْ وَلَا ذَبَایِحُهُمْ وَ لَا مَوَارِیثُهُمْ ''انہوں نے احکام کا کفر کیا اور انہوں نے نعمتوں کا کفر کیا لیکن ان کا کفر مشرکین کے کفر جیسا نہیں ہے جنہوں نے نبوت کا انکار کیا اور سرے سے جنہوں نے اسلام کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔اگر یہ لوگ بھی انہی کی طرح کافر ہوتے تو ہمارے لئے ان سے نکاح کرنا حرام ہوتا اور ان کا ذبیحہ حرام ہوتا اور ان کے لئے میراث کا اجرا نہ ہوتا۔

ذخیرہ حدیث میں اس مفہوم کی بہت سی روایات وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ (زمانہ ہدنہ) میں باغیوں پر مسلمین کے احکام جاری ہوتے ہیں۔اور کتب سیَر و تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے ان لوگوں سے تعلقات بھی رکھے ہیں اور ہادیان دین نے انہیں احکام اسلام کے ہی مکلّف قرار دیتے رہے تھے۔لیکن یہ علیحدہ بات ہے کہ جب امام یا امام کی طرف سے منصوب شخص ان سے جنگ کا اعلان کرے تو ان سے جہاد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔لیکن با این ہمہ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں ہو جائیں گے اور اس مسئلہ کی وضاحت خطبہ نمبر ۱۵۵ کی شرح میں کی جائے گی۔البتہ خوارج نے صرف بغاوت ہی نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے اپنے لئے علیحدہ دین بھی وضع کر لیا تھا اسی لئے خوارج پر احکام کفر جاری ہوں گے۔لیکن احکام کفر کا نفاذ فقط بغاوت کی وجہ سے نہیں ہے بغاوت کے ساتھ ساتھ نیا دین وضع کرنے کی وجہ سے انہیں کافر سمجھا جائے گا۔(وَ اِنِّیْ لَصَاحِبُهُمْ بِالْأَمْسِ كَمَا اَنَا صَاحِبُهُمُ الْیَوْمَ) اور جس شان سے میں کل ان کا مدمقابل رہ چکا ہوں ویسا ہی آج ثابت ہوں گا۔جب یہ لوگ کافر تھے تو میں نے ان سے جس دلیرانہ شان

سے جنگ کی تھی آج بھی میں اسی شجاعت و دلیرانہ شان سے جنگ ان کے ساتھ جنگ کروں گا۔

شارح معتزلی نے (اَنَا صَاحِبُهُمُ الْيَوْمَ) کے بعد یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں (وَ اللّٰهِ مَا تَنْقِمُ مِنَّا قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنَا عَلَيْهِمْ فَاَدْخَلْنَاهُمْ فِيْ حَيِّزِنَا فَكَانُوْا كَمَا قَالَ الْاَوَّلُ:

اَدَمْتُ لَعَمْرِیْ شُرْبَکَ الْمَحْضَ صَابِحًا وَ اَكْلُكَ بِالزُّبْدِ الْمُقَشَّرَةِ الْبُجْرَا

وَ نَحْنُ وَهَبْنَاكَ الْعُلَاءَ وَ لَمْ تَكُنْ عَلِيًّا وَّ حُطْنَا حَوْلَكَ الْجُرْدَ وَ السُّعْرَا)

خدا کی قسم قریش ہم سے صرف اس بات کا بدلہ لے رہے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان پر فضیلت دی۔ جبکہ ہم نے ان کو اپنے اچھے لوگوں میں شامل کر دیا۔ ان کا معاملہ وہی ہے جیسا کہ پہلے ایک شاعر نے کہا تھا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم تو زندہ رہے آج تیرا صبح سویرے دودھ پینا اور گٹھلیاں نکالی ہوئی کھجوروں کو مکھن کے ساتھ کھانا کچھ عجیب وغریب سی بات ہے۔ تجھے ہم نے ہی بزرگی عطا کی ہے جب کہ تو پہلے بلند مرتبہ نہیں تھا اور ہم نے ہی تیرے گرد کم موگھوڑے اور گندم گوں نیزوں کا پہرہ لگایا ہے۔

ضروری وضاحت: اسی خطبہ کو ہم خطبہ ۱۰۳ میں اور طریقے سے نقل کریں گے اور شرح میں تیسرے طریقے سے بھی خطبہ نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

تبصرہ

شارح معتزلی نے ابی مخنف سے روایت کی انہوں نے کلبی سے، انہوں نے ابو صالح سے، انہوں نے زید بن علی سے، انہوں نے ابن عباس سے روایت کی۔ انہوں نے کہا، جب ہم نے ذوقار میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ قیام کیا تو میں نے حضرت سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ کوفہ سے بہت کم لوگ آپ کی مدد کے لئے آئیں گے۔ حضرتؑ نے یہ سن کر فرمایا: ''خدا کی قسم! کوفہ سے میرے پاس چھ ہزار پانچ سو ساٹھ افراد آئیں گے۔ ان کی تعداد اس سے نہ زیادہ ہوگی اور نہ کم ہوگی''۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس بات کو سن کر میرے دل میں شک پیدا ہو گیا۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ان کی گنتی کروں گا۔ پھر حضرتؑ نے مقام ذوقار میں پورے پندرہ دن قیام کیا۔ اور سولہویں دن گھوڑوں اور خچروں کی آوازیں آنے لگیں تو آپؑ نے فرمایا کہ اب یہاں سے کوچ کرو۔ حضرتؑ نے اپنے مددگاروں کی جو تعداد بیان کی تھی وہ لوگوں کو یاد تھی میں نے دل میں کہا کہ بہتر ہے کہ میں انہیں گن لوں اگر تعداد کم ہوئی تو میں اِدھر اُدھر سے تعداد کو پورا کر لوں گا تا کہ لوگ حضرت کے فرمان کی وجہ سے شک میں مبتلا نہ رہیں۔ خدا کی قسم جب میں نے کوفہ سے آنے والے مجاہدوں کی گنتی کی تو ان کی تعداد پوری چھ ہزار پانچ سو ساٹھ تھی۔ اس تعداد سے نہ تو ایک مرد کم تھا اور نہ زیادہ تھا۔

خطبہ ۳۴

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اِسْتِنْفَارِ النَّاسِ اِلٰى اَهْلِ الشَّامِ

لوگوں کو اہل شام سے آمادہ جنگ کرنے کے لئے فرمایا حضرتؑ نے یہ خطبہ خوارج سے جنگ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اور آپ ان شاء اللہ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے۔

اُفٍّ لَّكُمْ لَقَدْ سَئِمْتُ عِتَابَكُمْ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ عِوَضًا وَّ بِالذُّلِّ مِنَ الْعِزِّ خَلَفًا اِذَا دَعَوْتُكُمْ اِلٰى جِهَادِ عَدُوِّكُمْ دَارَتْ اَعْيُنُكُمْ كَاَنَّكُمْ مِنَ الْمَوْتِ فِيْ غَمْرَةٍ وَ مِنَ الذُّهُوْلِ فِيْ سَكْرَةٍ يُرْتَجُ عَلَيْكُمْ حَوَارِيْ فَتَعْمَهُوْنَ فَكَاَنَّ قُلُوْبَكُمْ مَاْلُوْسَةٌ فَاَنْتُمْ لَا تَعْقِلُوْنَ مَا اَنْتُمْ لِيْ بِثِقَةٍ سَجِيْسَ اللَّيَالِيْ وَ مَا اَنْتُمْ بِرُكْنٍ يُمَالُ بِكُمْ وَ لَا زَوَافِرُ عِزٍّ يُفْتَقَرُ اِلَيْكُمْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا كَاِبِلٍ ضَلَّ رُعَاتُهَا فَكُلَّمَا جُمِعَتْ مِنْ جَانِبٍ انْتَشَرَتْ مِنْ آخَرَ لَبِئْسَ لَعَمْرُ اللّٰهِ سَعْرُ نَارِ الْحَرْبِ اَنْتُمْ تُكَادُوْنَ وَ لَا تَكِيْدُوْنَ وَ تُنْتَقَصُ اَطْرَافُكُمْ فَلَا تَمْتَعِضُوْنَ لَا يُنَامُ عَنْكُمْ وَ اَنْتُمْ فِيْ غَفْلَةٍ سَاهُوْنَ غُلِبَ وَ اللّٰهِ الْمُتَخَاذِلُوْنَ وَ ايْمُ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَظُنُّ بِكُمْ اَنْ لَّوْ حَمِسَ الْوَغٰى وَ اسْتَحَرَّ الْمَوْتُ قَدِانْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اِنْفِرَاجَ الرَّاْسِ وَ اللّٰهِ اِنَّامْرَاً يُمَكِّنُ عَدُوَّهٗ مِنْ نَفْسِهٖ يَعْرُقُ لَحْمَهٗ وَ

حیف ہے تم پر میں تو تمہیں ملامت کرتے کرتے بھی اکتا گیا ہوں۔ کیا تمہیں آخرت کے بدلے دنیوی زندگی اور عزت کے بدلے ذلت ہی گوارا ہے؟ جب تمہیں دشمنوں سے لڑنے کے لئے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے لگ جاتی ہیں کہ گویا تم موت کے گرداب میں ہو۔ اور جان کنی کی غفلت اور مدہوشی تم پر طاری ہے۔ میری باتیں جیسے تمہاری سمجھ ہی میں نہیں آتیں تو تم ششدر رہ جاتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے جیسے تمہارے دل و دماغ پر دیوانگی کا اثر ہے۔ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے اپنا اعتماد کھو چکے ہو۔ نہ تم کوئی قوی سہارا ہو کہ تم پر بھروسہ کر کے دشمنوں کی طرف رخ کیا جائے اور نہ تم عزت و کامرانی کے وسیلے ہو کہ تمہاری ضرورت محسوس ہو۔ تمہاری مثال تو ان اونٹوں کی سی ہے جن کے چرواہے گم ہو گئے ہوں۔ اگر انہیں ایک طرف سے سمیٹا جائے تو دوسری طرف سے تتر بتر ہوتے ہیں خدا کی قسم تم جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لئے بہت برے ثابت ہوئے ہو۔ تمہارے خلاف سب تدبیریں ہوا کرتی ہیں اور تم دشمنوں کے خلاف کوئی تدبیر نہیں کرتے۔ تمہارے (شہروں کے) حدود (دن بہ دن) کم ہوتے جا رہے ہیں مگر تمہیں غصہ نہیں آتا۔ وہ تمہاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔ خدا کی قسم! ایک دوسرے پر ٹالنے والے ہارا ہی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں تمہارے متعلق ہی گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑے اور موت کی گرم بازاری ہو تو تم فرزند ابی طالب سے اس طرح کٹ جاؤ گے جس طرح بدن سے سر (کہ دوبارہ پلٹنا ممکن ہی نہ ہو) خدا کی قسم! جو

يَهْشِمُ عَظْمَهُ وَ يَفْرِىْ جِلْدَهُ لَعَظِيْمٌ عَجْزُهُ ضَعِيْفٌ مَّا ضُمَّتْ عَلَيْهِ جَوَانِحُ صَدْرِهٖ اَنْتَ فَكُنْ ذَاكَ اِنْ شِئْتَ فَأَمَّا أَنَا فَوَاللّٰهِ دُوْنَ اَنْ أُعْطِىَ ذَالِكَ ضَرْبٌ بِالْمَشْرِفِيَّةِ تَطِيْرُ مِنْهُ فِرَاشُ الْهَامِ وَ تَطِيْحُ السَّوَاعِدُ وَ الْاَقْدَامُ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ ذَالِكَ مَا يَشَاءُ أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لِىْ عَلَيْكُمْ حَقًّا وَ لَكُمْ عَلَىَّ حَقٌّ فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَىَّ فَالنَّصِيْحَةُ لَكُمْ وَ تَوْفِيْرُ فَيْئِكُمْ عَلَيْكُمْ وَ تَعْلِيْمُكُمْ كَيْلَا تَجْهَلُوْا وَ تَأْدِيْبُكُمْ كَيْمَا تُعَلِّمُوْا وَ اَمَّا حَقِّىْ عَلَيْكُمْ فَالْعَفَاءُ بِالْبَيْعَةِ وَ النَّصِيْحَةُ فِى الْمَشْهَدِ وَ الْمَغِيْبِ وَ الْاِجَابَةُ حِيْنَ اَدْعُوْكُمْ وَ الطَّاعَةُ حِيْنَ آمُرُكُمْ.

شخص کہ اپنے دشمن کو اس طرح اپنے پر قابو دے دے کہ وہ اس کی ہڈیوں سے گوشت تک اتار ڈالے اور ہڈیوں کو توڑ دے اور کھال کو پارہ پارہ کر دے، تو اس کا عجز انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور سینے کی پسلیوں میں گھرا ہوا (دل) کمزور و ناتواں ہے۔ اگر تم ایسا ہونا چاہتے ہو تو ہوا کرو۔ خدا کی قسم! میں ایسا اس وقت تک نہ ہونے دوں گا جب تک مقام مشارف کی (تیز دھار) تلواریں نہ چلا لوں کہ جس سے سر کی ہڈیوں کے پرخچے اڑ جائیں اور بازو اور قدم کٹ کٹ کر گرنے لگیں اس کے بعد جو اللہ چاہے، وہ کرے۔ اے لوگو! ایک تو میرا تم پر حق ہے۔ اور ایک تمہارا مجھ پر حق ہے۔ تمہارا حق مجھ پر یہ ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی پیش نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں تا کہ تم جاہل نہ رہو اور اس طریقے تمہیں تہذیب سکھاؤں جس پر تم عمل کرو۔ اور میرا تم پر یہ حق ہے کہ بیعت کی ذمہ داریوں کو پورا کرو، اور سامنے اور پس پشت خیر خواہی کرو۔ جب بلاؤں تو میری صدا پر لبیک کہو اور جب کوئی حکم دوں تو اس کی تعمیل کرو۔

تشریح لغت (اُفٍّ) الف کے ضمہ اور فاء کی شد اور تنوین کے ساتھ، کلمہ نفرت ہے۔ اور اس کی لغت میں چالیس اقوال بیان ہوئے ہیں۔ (سَئِمْتُ) سَئِمَ یَسْئَمُ باب عَلِمَ مہموز العین، اکتا جانا۔ (اَلْغَمْرَةُ) شدت (غَمَرَاتُ الْمَوْتِ) یعنی سکرات الموت جس میں عقل و شعور باقی نہ رہے۔ (اَلسَّكْرُ) مدہوشی، ہوش مندی کا متضاد۔ اور اس کا اسم مصدر سین کے ضمہ کے ساتھ آتا ہے۔ (رَتِجَ) بروزن فَرِحَ کسی کی بات کا سمجھ میں نہ آنا بمعنی (اُرْتِجَ عَلَيْهِ)۔ (اَلْحِوَارُ) گفتگو، بات چیت۔ (عَمِهَ) الرَّجُلُ بروزن عَلِمَ: گمراہی کی وجہ سے ششدر ہو کر رہ گیا۔ (اَلْاَلَسُ) لام پر سکون کے ساتھ، جنون، خرابی عقل۔

(سَجِيْسَ اللَّيَالِىْ) یہ کلمہ ابدیت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔ مثلاً (لَا اَفْعَلُهٗ سَجِيْسَ اللَّيَالِىْ) میں کبھی وہ کام نہیں کروں گا۔ اور (سَجِيْسَ الْاَوْجَسِ)، (سَجِيْسَ عَجِيْسَ) کا بھی یہی معنی ہے۔ (اَلزَّوَافِرُ) زَافِرَةٌ کی جمع، (زَافِرَةُ الرَّجُلِ) سے مراد کسی شخص کا قبیلہ اور مددگار ہوتے ہیں۔ (اَلْاِبِلُ) اسم جمع، اونٹ، (سَعُرُ نَارِ الْحَرْبِ) آتش جنگ کو بھڑکانے والے۔ واحد سَاعِرٌ (اِسْعَارُ النَّارِ) آگ کا بھڑکانا۔ (اَلْاِمْتِعَاضُ) غصہ و غضب۔ (حَمِسَ) بروزن فَرِحَ، شدید ہونا (اَلْوَغٰى) شور اور کان پھاڑنے والی آواز، چونکہ جنگ میں بھی سخت شور ہوتا ہے اور کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی اسی لئے جنگ کو بھی (اَلْوَغٰى) کہا جاتا ہے۔ (عَرَقَ اللَّحْمَ) باب نَصَرَ گوشت کو اس انداز سے کھانا کہ ہڈی پر کچھ بھی باقی نہ بچے۔ (هَشَمَ) الْعَظْمَ باب ضَرَبَ ہڈی کو توڑا۔

(یَفْرِیْ)فَرٰی یَفْرِیْ بروزن رَمٰی یَرْمِیْ ۔(فَرَیْتَ الشَّیْءَ)تو نے چیز کے ٹکڑے کر دیئے۔(اَلْجَوَانِحُ)وہ پسلیاں جو سینے کے نیچے ہوں۔(مَا ضُمَّتْ عَلَیْهِ الْجَوَانِحُ)مراد دل۔(اَلْمَشْرَفِیَّةُ)میم اور راء کے فتح کے ساتھ مشارف سے منسوب جو یمن کا ایک علاقہ ہے وہاں عمدہ تلواریں بنائی جاتی تھیں۔معنی ہے۔مشارف کی بنی ہوئی تلوار۔(فَرَاشُ الْهَامِ)فتح کے ساتھ پتلی ہڈیاں۔(تَطِیْحُ) طَاحَ یَطِیْحُ،گرنا۔

خطبہ کا پس منظر

امیر المومنین علیہ السلام نے خوارج سے نہروان میں فیصلہ کن جنگ کی اور خوارج کی سرکوبی کے بعد آپ نے اپنے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اللہ نے تمہاری مدد کی اور تمہارے دشمنوں کو شکست فاش دی۔اب تم شامیوں سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور یہاں سے ہی شام کی جانب پیش قدمی کرو۔آپ کے لشکر میں سے چند افراد نے کھڑے ہو کر کہا ہمارے ترکش خالی ہو چکے ہیں اور ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں۔بہتر یہ ہے کہ آپ ہمیں واپس لے چلیں تا کہ ہم از سر نو بہتر تیاری کے ساتھ شام کی طرف چلیں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے جتنے ساتھی جنگ نہروان میں شہید ہوئے ہیں،ان کی جگہ ہمیں اور مددگار بھی مل جائیں ساتھیوں کا یہ عذر سن کر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی ﴿یَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِیْنَ ﴾اے میری قوم!(شام کی)اس مقدس زمین میں جاؤ جہاں خدا نے تمہاری تقدیر میں (حکومت) لکھ دی ہے اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) پیٹھ نہ کرو(کیونکہ)اس میں تو تم خود الٹا گھاٹا اٹھاؤ گے (المائدہ/۲۱)۔اس کے باوجود لوگوں کا اصرار بدستور جاری رہا اور کہنے لگے کہ سردی شدید ہے۔حضرتؑ نے فرمایا:''سردی صرف تمہیں تو محسوس نہ ہوگی تمہارے مخالف کو بھی سردی لگے گی''۔لیکن لوگ اپنی بات پر اڑے رہے۔یہ دیکھ کر آپؑ نے فرمایا:''تمہارا یہ کردار بنی اسرائیل کے کردار سے ہو بہو مشابہت رکھتا ہے،کیونکہ انہوں نے بھی حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا﴿قَالُوْا یَا مُوْسٰی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ ﴾(المائدہ /۲۲)﴿قَالُوْا یَامُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًامَّادَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾(المائدہ/۲۴)وہ لوگ کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ!اس ملک میں تو بڑے زبردست (سرکش) لوگ رہتے ہیں۔اور جب تک وہ لوگ اس میں سے نکل نہ جائیں ہم کبھی اس میں پاؤں نہ رکھیں گے ہاں اگر وہ لوگ خود اس میں سے نکل جائیں تو البتہ ہم ضرور جائیں گے۔وہ کہنے لگے اے موسیٰؑ!(چاہے جو کچھ ہو) جب تک وہ لوگ اس میں ہیں ہم تو اس میں ہرگز پاؤں نہ رکھیں گے ہاں تم اور تمہارا خدا جاؤ اور تم دونوں جا کے لڑو۔ہم تو یہیں جمے بیٹھے ہیں۔

لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں ایک مرتبہ کوفہ ضرور لے چلیں اور بعد ازاں شام روانہ ہوں پھر آپ ناچار انہیں کوفہ کے قریب مقام نُخَیلہ میں لے آئے اور آپ نے خود نخیلہ میں قیام فرمایا اور لشکر سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ لیکن بہت جلد واپس آ جاؤ۔لشکر کے افراد کوفہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور واپس آنے کا کسی نے نام تک نہ لیا یہ دیکھ کر آپ کوفہ تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب

کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! خدا کی قربت کے حصول اور مقام وسیلہ کے حصول کے لئے دشمن سے جہاد کی تیاری کرو۔ تمہارا دشمن حق سے نا آشنا ہے اور باطل میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ وہ اپنے حاکم کے ظلم و جور کے باوجود بھی اس کی مدد کرتے ہیں اور کسی کو اس کے مدمقابل تسلیم نہیں کرتے۔ تمہارا دشمن خدا کی کتاب کو خاطر میں نہیں لاتا اور سرکشی وطغیانی میں مدہوش ہے اور گمراہی کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ ایسے دشمن کے مقابلہ کے لئے جس قدر ممکن ہو اپنے اندر قوت پیدا کرو اور جہاد کے لئے گھوڑے تیار کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی بہترین نگہبان ہے''۔ آپ کا خطاب سن کر بھی لوگ تیار نہ ہوئے تو چند دنوں بعد آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

تشریح

(أُفٍّ لَكُمْ لَقَدْ سَئِمْتُ عِتَابَكُمْ) حیف ہے تم پر میں تو تمہارے ناشائستہ افعال واقوال اور جہاد سے سستی جیسے امور پر تمہیں ملامت کرتے کرتے بھی اکتا گیا ہوں۔ (اَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ عِوَضًا) کیا تم نے آخرت کی زندگی کے بدلے میں دنیا پر قناعت کر لی ہے؟ تم نے چند روزہ بقا کے لئے جہاد جیسے امر عظیم کو چھوڑ دیا ہے۔ جب کہ جہاد اللہ کی رحمت ومغفرت اور درجات اخروی کا ذریعہ ہے اور جہاد بہترین عمل ہے اور مجاہد کو باقی اعمال صالحہ کرنے والوں پر فضیلت حاصل ہے، جہاد دین کے دفاع اور سید المرسلین ﷺ کی شریعت کی سربلندی کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ نے مومنین سے ان کی جان و مال خرید کر ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ آخر تم لوگوں نے اس افضل ترین عمل کو کیوں چھوڑ رکھا ہے اور آخرت کی ابدی زندگی کے بدلے میں دنیا کی چند روزہ زندگی پر تم نے قناعت کیوں کر لی ہے؟ (وَّ بِالذُّلِّ مِنَ الْعِزِّ خَلَفًا) اور عزت کے بدلہ میں تم نے ذلت کو کیوں گوارا کر لیا ہے؟ ترک جہاد صرف آخرت کی ناکامی کا ہی موجب نہیں بلکہ دنیاوی ذلت ورسوائی کا بھی سبب ہے۔ کیونکہ تمہارے جذبہ جہاد کو سرد دیکھ کر آج دشمن تمہاری سرزمین کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور آج دشمن تمہیں قتل کر کے تمہارے اور تمہاری دولت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے اور دشمن تمہاری اولاد کو قیدی بنانے کا سوچ رہا ہے۔ یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ تم نے جہاد کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ جو قوم ہمہ وقت جہاد پر آمادہ ہو اسے نہ تو غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی جھکایا جا سکتا ہے۔

تمہاری تو اب یہ حالت ہے (اِذَا دَعَوْتُكُمْ اِلٰى جِهَادِ عَدُوِّكُمْ دَارَتْ اَعْيُنُكُمْ كَاَنَّكُمْ مِنَ الْمَوْتِ فِيْ غَمْرَةٍ وَ مِنَ الذُّهُوْلِ فِيْ سَكْرَةٍ) میں تمہیں جب بھی دشمنوں سے لڑنے کے لئے بلاتا ہوں تو تم حیران رہ جاتے ہو کہ آیا ہم جہاد کے لئے تیاری کریں یا گھر میں بزدلی دکھاتے ہوئے بیٹھے رہیں۔ جب بھی تمہیں دعوت جہاد دی جائے تو شدت خوف سے تمہاری آنکھیں گھومنے لگتی ہیں گویا تم موت کے گرداب میں ہو اور جان کنی کی غفلت اور مدہوشی تم پر طاری ہے۔ تمہاری حالت قرآن مجید کی اس آیت کے بالکل عین مطابق ہوتی ہے ﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ اور جب (ان پر) کوئی خوف (کا موقع) آپڑا تو آپؐ دیکھیں گے کہ وہ (یاس سے) تمہاری طرف دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے کسی شخص پر موت کی بے ہوشی چھا جائے (الاحزاب۔۱۹)۔ (يُرْتَجُ عَلَيْكُمْ حِوَارِيْ فَتَعْمَهُوْنَ) میری باتیں گویا تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں اور جذبہ جہاد

سے غفلت کی وجہ سے تم ششدر رہ جاتے ہو۔(فَكَأَنَّ قُلُوبَكُمْ مَأْلُوسَةٌ فَأَنْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ)معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دل ودماغ پر دیوانگی کا اثر ہے اور میری بات تمہیں سمجھ میں نہیں آتی۔اور تم میں اپنے امور کی صلاح وفساد کی تمیز تک باقی نہیں رہی۔(مَا أَنْتُمْ لِي بِثِقَةٍ سَجِيسَ اللَّيَالِي)تم مجھ سے ہمیشہ کے لئے اپنا اعتماد کھو چکے ہو۔اور تم لوگ اپنی کاہلی اور مسلسل وعدہ خلافی کی وجہ سے اس قابل ہی نہیں رہے کہ میں تم پر اعتماد کرسکوں اور تمہارے ذریعہ سے دشمن پر یلغار کرسکوں۔(وَ مَا أَنْتُمْ بِرُكْنٍ يُمَالُ بِكُمْ وَ لَا زَوَافِرُ عِزٍّ يُفْتَقَرُ إِلَيْكُمْ)اور تم نہ تو کوئی ایسا قوی سہارا ہو کہ تم پر بھروسہ کرکے دشمنوں کی طرف رخ کیا جائے اور نہ ہی تم ذلت وناکامی سے بچانے کے لئے عزت وکامرانی کا وسیلہ ہو کہ تمہاری ضرورت محسوس کی جائے۔(مَا أَنْتُمْ إِلَّا كَإِبِلٍ ضَلَّ رُعَاتُهَا فَكُلَّمَا جُمِعَتْ مِنْ جَانِبٍ انْتَشَرَتْ مِنْ آخَرَ)تمہاری خواہشات وآراء ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور اسی انتشار کی وجہ سے تم دنیا ودین کے کاموں کی اصلاح کے لائق نہیں رہے۔تمہاری مثال بھیڑ بکریوں یا اونٹوں کے اس گلہ کی سی ہے جس کے چرواہے گم ہوگئے ہوں اور اگر انہیں ایک طرف سے جمع کیا جائے تو دوسری طرف سے منتشر ہوجائیں(لَبِئْسَ لَعَمْرُ اللَّهِ سَعْرُ نَارِ الْحَرْبِ أَنْتُمْ)تم لوگ اپنی فطری بزدلی اور ضعف تدبیر کی وجہ سے جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لئے بہت برے ثابت ہوئے ہو۔

اور اب تمہاری حالت یہ ہوچکی ہے(تُكَادُونَ وَ لَا تَكِيدُونَ)دشمن تمہارے خلاف تدبیریں کررہے ہیں لیکن تم کسی کے خلاف تدبیر نہیں کرسکتے۔(وَ تُنْتَقَصُ أَطْرَافُكُمْ)دشمن تمہاری مملکت کے حدود کو روزانہ کم سے کم کرتا جارہا ہے۔تمہارے شہروں کو تاراج کررہا ہے اور تمہارے بزرگوں کو قتل کررہا ہے۔(فَلَا تَمْتَعِضُونَ)مگر یہ حالات دیکھ کر بھی تم ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم کی تصویر بنے خاموش بیٹھے ہو تمہیں غصہ تک بھی نہیں آتا۔اور ان حالات میں بھی تمہاری ایمانی غیرت بیدار نہیں ہورہی۔آخر تم کیسے لوگ ہو؟(لَا يُنَامُ عَنْكُمْ وَ أَنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ سَاهُونَ غُلِبَ وَ اللَّهِ الْمُتَثَاقِلُونَ)دشمنوں کی آنکھیں تمہاری طرف سے بند نہیں ہیں اور تمہاری حالت یہ ہے کہ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہو۔اور خدا کی قسم ایک دوسرے پر ٹالنے والے ہارا ہی کرتے ہیں۔اور تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو۔اسی لئے قانون فطرت کے تحت تمہاری شکست یقینی ہے۔(وَ ايْمُ اللَّهِ إِنِّي لَأَظُنُّ بِكُمْ أَنْ لَوْ حَمِسَ الْوَغَى وَ اسْتَحَرَّ الْمَوْتُ قَدِ انْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ انْفِرَاجَ الرَّأْسِ)خدا کی قسم میں تمہارے متعلق یہی گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑ لے اور موت کی گرم بازاری ہو۔تو تم مجھ سے یوں کٹ کر جدا ہوجاؤ گے جس طرح بدن سے سر۔کہ دوبارہ پلٹنا ممکن ہی نہ ہو۔(انْفِرَاجُ الرَّأْسِ)کے الفاظ سب سے پہلے حکیم عرب اکثم بن صیفی نے اپنے بچوں کو اتفاق واتحاد کی تعلیم دیتے ہوئے کہے تھے۔چنانچہ اس کا قول ہے۔(يَا بُنَيَّ لَا تَنْفَرِجُوا عِنْدَ الشَّدَائِدِ انْفِرَاجَ الرَّأْسِ فَإِنَّكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ لَا تَجْتَمِعُونَ)بیٹو!سختی کے وقت ایک دوسرے سے الگ نہ ہوجانا،ورنہ پھر کبھی ایک جگہ جمع نہ ہوسکو گے۔اور لفظ(انْفِرَاجُ الرَّأْسِ)کی تشریح کے لئے چند اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

۱۔ ابن وردید کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح سر بدن سے کٹ جاتا ہے،تو پھر اس کا جڑنا ناممکن ہوتا ہے۔یونہی تم ایک دفعہ ساتھ چھوڑنے کے بعد پھر مجھ سے نہ مل سکو گے۔

۲۔ مفضل کا قول ہے کہ رَأْسٌ(سر)ایک شخص کا نام تھا اور شام کا ایک گاؤں جو چٹائیوں کی خرید وفرخت کا مرکز ہے،اسی کے

نام سے منسوب ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اپنا گھر بار چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا اور پھر پلٹ کر اپنے گاؤں میں نہ آیا۔جس سے کہ کہاوت چل نکلی کہ تم یوں گئے جس طرح رأس گیا تھا۔

۳۔ ایک معنی یہ ہے کہ جس طرح سر کی ہڈیوں کے جوڑ الگ ہو جائیں تو آپس میں جڑا نہیں کرتے یونہی تم مجھ سے کٹ کر پھر نہ جڑ سکو گے۔

۴۔ یہ بھی کہا گیا کہ جملہ (وَ انْفَرَجْتُمْ عَنِّیْ رَأْسًا) یعنی تم پورے طور پر (سرے سے ہی) مجھ سے جدا ہو جاؤ گے کے معنی میں ہے۔شارح معتزلی نے یہ معنی قطب الدین راوندی کی شرح سے نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ یہ معنی درست نہیں ہے۔کیونکہ رَأْسٌ جب کُلِّیَّۃً کے معنی میں آتا ہے تو اس پر الف لام داخل نہیں ہوا کرتا۔

۵۔ قطب راوندی سے اس جملہ کا یہ معنی بھی منقول ہے کہ یہ لفظ (اِنْفِرَاجُ رَأْسٍ مَنْ اَدْنٰی رَأْسَہٗ) کسی کے قریب سر لیجا کر دور کر لینا) سے لیا گیا ہے۔شارح معتزلی نے اس معنی پر اعتراض کرتے ہوئے تحریر کیا کہ آخر اس میں سر کی خصوصیت ہی کیا ہے۔انسان اپنا ہاتھ اور پاؤں بھی کسی کے قریب کر کے پیچھے ہٹا سکتا ہے۔

۶۔ اس کے یہ معنی بھی کئے جا سکتے ہیں کہ تم مجھ سے اس طرح دامن چھڑا کر چلتے بنو گے جس طرح کوئی سر بچا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

۷۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ الفاظ (اِنْفِرَاجُ الْمَرْأَۃِ عَنْ رَأْسِ وَلَدِھَا حَالَۃَ الْوَضْعِ) عورت کے شکم سے بچہ کا سر برآمد ہو گیا۔مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس عورت نے اس سخت مرحلہ سے جان چھڑا لی، تو اس صورت میں یہ معنی کئے جائیں گے جس طرح ایک عورت زچگی کے وقت جان چھڑا کر خوش ہوتی ہے، ایسے ہی جنگ کی شدت میں تم مجھ سے جان چھڑا کر علیحدہ ہو جاؤ گے اور خوشی محسوس کرو گے۔اور آپؑ کا یہ جملہ نہج البلاغہ کے ایک اور جملہ (اِنْفِرَاجُ الْمَرْأَۃِ عَنْ قُبُلِھَا) سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔

۸۔(رَأْسُ الرَّجُلِ) انسان کا سر سب سے قیمتی حصہ ہوتا ہے اور اس سے ریاست و رئیس کے الفاظ مشتق ہوئے ہیں۔اس لحاظ سے معنی یوں ہو گا جس طرح سے کسی قوم و قبیلہ کا صاحب ریاست انسان کسی کے جدا ہونے کی پرواہ نہیں کرتا، اسی طرح سے تم بھی مجھ سے علیحدہ ہوتے ہوئے کوئی پرواہ نہیں کرو گے۔

(وَ اللّٰہِ اِنَّ امْرَأً یُمَکِّنُ عَدُوَّہٗ مِنْ نَفْسِہٖ یَعْرُقُ لَحْمَہٗ وَ یَھْشِمُ عَظْمَہٗ وَ یَفْرِیْ جِلْدَہٗ لَعَظِیْمٌ عَجْزُہٗ ضَعِیْفٌ مَّا ضُمَّتْ عَلَیْہِ جَوَانِحُ صَدْرِہٖ) خدا کی قسم جو شخص اپنے دشمن کو اس طرح اپنے پر قابو دے دے کہ وہ اس کی ہڈیوں سے گوشت تک اتارے اور کھا جائے اور ہڈیوں کو توڑ دے اور کھال کو پارہ پارہ کر دے یعنی جو شخص اپنے دفاع سے اس قدر غافل ہو کہ دشمن کو لوٹنے، قید کرنے اور تباہ کرنے کی اجازت تک دے چکا ہو تو اس کا عجز انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور سینے کی پسلیوں میں گھرا ہوا دل کمزور و ناتواں ہے۔خطبہ کے اس مقام پر پہنچ کر آپؑ نے کسی فرد کو معین کئے بغیر مجمل طرح سے انہیں خطاب فرمایا جس میں سامعین خطبہ کو اس کمزوری اور دشمن کو اپنے اوپر مسلط کرنے سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا (اَنْتَ فَکُنْ ذَاکَ اِنْ شِئْتَ) ایسے بدترین دشمن کو اپنے اوپر مسلط کرنے والا شخص اگر تو بننا چاہے تو پھر بنتا

رہ جا۔امالی اور کتاب الغارات کے مطابق امیر المومنین علیہ السلام نے یہ جملے اشعث بن قیس کو مخاطب کر کے فرمائے تھے۔اور اگر آپ نے یہ الفاظ فرد واحد کو بھی سنائے ہوں تو بھی اس کے باوجود مقصود میں عمومیت پائی جاتی ہے تا کہ ہر شخص دشمن کے لئے تر نوالہ بننے پر آمادہ نہ ہو۔

ظلم برداشت مت کرو

بزدلوں کی روش بیان کرنے کے بعد آپ نے اپنی روش کا اعلان ان الفاظ سے کیا (فَأَمَّا أَنَا فَوَاللّٰهِ دُوْنَ اَنْ أُعْطِیَ ذَالِکَ ضَرْبٌ بِالْمَشْرِفِیَّةِ) خدا کی قسم میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دشمن کو اپنے اوپر ہر قسم کے ظلم وتعدی کی اجازت دیتے ہیں۔میں تو ایسا اس وقت تک نہ ہونے دوں گا جب تک کہ مقام مشارف کی (تیز دھار) تلواریں چلا نہ لوں۔(تَطِیْرُ مِنْهُ فِرَاشُ الْهَامِ وَ تَطِیْحُ السَّوَاعِدُ وَ الْاَقْدَامُ وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ ذَالِکَ مَا یَشَاءُ) کہ جس سے سر کی ہڈیوں کے پرخچے اڑ جائیں اور بازو اور قدم کٹ کٹ کر گرنے لگیں اور پھر اس جہاد کے بعد اللہ اپنی حکمت بالغہ اور مصلحت کاملہ سے جو مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔خواہ مجھے دشمن پر غلبہ عطا کرے یا دشمن کو مجھ پر غلبہ دے وہ اس کی مصلحت پر موقوف ہے۔

حاکم ورعایا کے باہمی حقوق وفرائض

اس خطبہ کے آخر میں آپؑ کے حاکم ورعایا کے باہمی حقوق وفرائض بیان کئے اور آپ نے حقوق وفرائض کا تعین اتنے احسن انداز سے کیا ہے جس سے بہتر انداز ممکن ہی نہیں ہے۔آپؑ نے رعایا کے چار حقوق بیان فرمائے جن کی ادائیگی حاکم کے لئے ضروری ہے اور پھر رعایا کے چار فرائض بیان کئے جو کہ ان کے ذمہ ہیں (أَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ لِیْ عَلَیْکُمْ حَقًّا وَ لَکُمْ عَلَیَّ حَقٌّ) اے لوگو! تم پر میرا حق ہے جسے تم نے ادا کرنا ہے اور اسی طرح سے تمہارا بھی مجھ سے حق ہے جسے میں نے ادا کرنا ہے۔

(فَأَمَّا حَقُّکُمْ عَلَیَّ فَالنَّصِیْحَةُ لَکُمْ وَ تَوْفِیْرُ فَیْئِکُمْ عَلَیْکُمْ وَ تَعْلِیْمُکُمْ کَیْلَا تَجْهَلُوْا وَ تَأْدِیْبُکُمْ کَیْمَا تُعَلِّمُوْا) مجھ پر تمہارا پہلا حق یہ ہے کہ میں ہمیشہ تمہاری خیر خواہی پیش نظر رکھوں اور تمہارا دوسرا حق مجھ پر یہ ہے کہ میں بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں۔اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ کروں۔اور تمہارا تیسرا حق یہ ہے کہ تمہیں تعلیم دوں تا کہ تم جاہل نہ رہو اور تمہیں ان تمام امور سے واقفیت ہو جائے جو دین ودنیا کی اصلاح وفلاح کے لئے ضروری ہیں۔اور تمہارا مجھ پر چوتھا حق یہ ہے کہ اس طرح تمہیں تہذیب سکھاؤں جس پر تم عمل کرو اور دنیا وآخرت کی سعادت حاصل کر سکو۔آپؑ نے رعایا کے چار حقوق بیان فرمائے اور اس کے بعد انہیں ان کے فرائض کی جانب متوجہ کیا اور حاکم کے حقوق بیان فرمائے۔

(وَ اَمَّا حَقِّیْ عَلَیْکُمْ فَالْوَفَاءُ بِالْبَیْعَةِ وَ النَّصِیْحَةُ فِی الْمَشْهَدِ وَ الْمَغِیْبِ وَ الْاِجَابَةُ حِیْنَ اَدْعُوْکُمْ وَ الطَّاعَةُ حِیْنَ آمُرُکُمْ) اور میرے بھی تم پر چار حقوق ہیں۔جن میں سے پہلا حق یہ ہے کہ بیعت کی ذمہ داریوں کو پورا کرو۔اور یہ سب سے اہم ہے اور اس کے بغیر نظام کا چلنا دشوار ہے۔تم پر میرا دوسرا حق یہ کہ میرے سامنے اور پس پشت میری خیر خواہی کرو۔تم پر میرا تیسرا حق یہ ہے کہ جب تمہیں صدا دوں تو تم میری صدا پر لبیک کہو۔اور کسی طرح کی کاہلی اور سستی کو روا نہ رکھو۔اور تم پر میرا چوتھا حق یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی حکم

دوں تو اس کی تعمیل کرو۔ واضح رہے کہ اگر رعایا ان تمام فرائض کو باحسن وجوہ سرانجام دے تو اس میں ان کے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ اور ان فرائض کی خلاف ورزی دنیا و آخرت کی رسوائی کا سبب ہے۔

لوگوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟

ہم امیر المومنین علیہ السلام کے سوانح میں بار بار اس امر کا مطالعہ کرتے ہیں کہ لوگ آپ کا ساتھ دینے سے پہلوتہی کرتے تھے۔ اور آپ اپنے خطاب میں انہیں سخت سست کہتے تھے۔ لوگوں کی پہلوتہی کی وجہ آپ کی سخت مالی پالیسی تھی۔ کیونکہ آپ کسی بھی باحیثیت شخص کو غریب پر مقدم نہیں رکھتے تھے، آقا و غلام کے درمیان کسی طرح کی تفریق روا نہیں رکھتے تھے اور کبھی کسی عربی کو عجمی پر ترجیح نہیں دی تھی۔ اور قبائل کے سرداروں کو بھی آپ بیت المال سے وہی وظیفہ دیتے تھے جو کہ ایک چرواہے کو دیا کرتے تھے۔ اسی لئے قبائل کے سردار اور با اثر افراد آپ کا ساتھ دینے سے کتراتے تھے جب کہ آپ کا مخالف معاویہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ رشوت دے کر اپنے ساتھ شامل کیا کرتا تھا۔ اسی لئے آپ کے کئی ساتھی آپ کو چھوڑ کر معاویہ سے جا ملے تھے۔ ایک مرتبہ حضرتؑ نے اپنے سالار لشکر مالک اشتر سے اس امر کا شکوہ کیا تو مالک نے عرض کی: ''یا امیر المومنین! ہم نے اہل بصرہ سے جنگ کی تو لوگ ایک رائے پر قائم تھے اس کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہوا اور نیت میں تبدیلی واقع ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ عدل کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور حق سے سرمو انحراف آپ کو پسند نہیں اور آپ امیر و غریب میں تفریق روا نہیں رکھتے۔ اور کسی با اثر شخص کو آپ کسی کمزور پر فضیلت دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ اسی لئے با اثر افراد کا گروہ آپ سے نالاں ہو چکا ہے۔ اور بالخصوص جب انہوں نے یہ ملاحظہ کیا کہ معاویہ انہیں بھاری بھرکم دولت دینے پر آمادہ ہے تو انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کیونکہ ان لوگوں کے پیش نظر دین نہیں بلکہ دنیا کا حصول ہے۔ اگر آپ لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنا چاہتے ہیں تو آپ بھی با اثر افراد کی ناز برداری کریں اور زر و جواہر سے ان کا منہ بھر دیں پھر یہ سب لوگ آپ کے ہم رکاب ہوں گے اور آپ کے دشمن سے جنگ کریں گے۔ اور اس طرح سے اللہ آپ کے دشمنوں کو تباہ کرے گا اور ان کی جمعیت کو پراگندہ اور ان کے امور کو ضائع کر دے گا''۔

مالک اشتر کی رائے سن کر آپؑ نے فرمایا: ''تم کہتے ہو کہ لوگ ہمارے عدل کی وجہ سے ہمیں چھوڑ رہے ہیں تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اللہ نے قیام عدل کا حکم دیا ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اپنے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے تو اس کا اسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (فصلت / ۴۶)۔ ہاں اگر میں عدل قائم رکھنے میں ناکام رہتا تو مجھے ضرور فکر لاحق ہوتی۔ اور تم نے جو یہ کہا ہے کہ یہ لوگ حق کو برداشت نہیں کر سکے اسی لئے ہم سے علیحدہ ہو گئے تو اللہ جانتا ہے کہ یہ ہمارے کسی ظلم کی وجہ سے ہم سے الگ نہیں ہوئے اور ہمیں چھوڑ کر کسی عادل کے پاس نہیں گئے اور ان کی نگاہیں فانی دنیا پر تھیں اسی لئے وہ ہمیں چھوڑ گئے اور قیامت کے روز ان سے ضرور پوچھا جائے گا کہ انہوں نے دنیا طلب کی تھی یا اللہ کے لئے عمل کیا تھا۔ اور تم نے جو دولت لٹانے اور با اثر افراد کو نوازنے کی بات کی ہے تو ہماری روش اس مسئلہ میں بڑی واضح ہے، ہم بیت المال سے کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینے کے روادار ہرگز نہیں ہیں۔ اگرچہ میرے اس اقدام سے اکثریت مجھ سے منحرف ہوتی ہے تو

ہوتی رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اللہ کے اذن سے کتنے چھوٹے گروہ بڑے گروہوں پہ غالب آئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ/ ۲۴۹) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اللہ نے انہیں قلت کے بعد کثرت عطا کی اور حضورؐ کے گروہ کو کمزوری کے بعد قوت عنایت فرمائی اور اگر اللہ ہمیں اس امر کا اہل دیکھنا پسند کرے گا تو ہمارے لئے بھی مشکلات کو آسان کر دے گا۔ اور تم نے جو مجھے مشورہ دیا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے یہ مشورہ پورے خلوص دل سے دیا ہے اور میں تمہیں اپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتا ہوں اور تمہیں بھروسہ کے قابل جانتا ہوں۔ انشاء اللہ۔

قول شارح:۔ میں کہتا ہوں کہ روضہ کافی کی یہ دو روایات بھی اسی روایت کی مؤید ہیں:۔

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے آزاد کردہ ایک غلام نے آپ سے کچھ رقم مانگی تو آپ نے فرمایا: ''فی الحال صبر کرو جب بیت المال سے وظائف تقسیم ہوئے تو میں اپنے حصہ میں سے تجھے شریک کرلوں گا''۔ اس نے کہا: ''اس پہ میرا گذارہ نہیں ہوگا''۔ چنانچہ وہ حضرت کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس چلا گیا اور معاویہ نے اسے گراں قدر دولت سے مالا مال کر دیا۔ اس نے خط لکھ کر امیر المومنین علیہ السلام کو معاویہ کی سخاوت سے آگاہ کیا۔ اس کے جواب میں امیر المؤمنین نے اسے تحریر فرمایا: ''امابعد! اس وقت تیرے ہاتھ میں جو دولت ہے یہ تجھ سے پہلے بھی کسی کے پاس تھی اور تیرے بعد بھی کسی اور کے پاس چلی جائے گی۔ اس میں سے تیرا حصہ بس اسی قدر ہے جس سے تو اپنے نفس کو وسعت دے گا۔ اپنی اولاد کے حسین مستقبل پر اپنی جان کو ترجیح دے۔ کیونکہ تو جو دنیا جمع کر رہا ہے وہ دو میں سے ایک طرح کے لوگوں کے ہاتھ میں جائے گی۔

۱۔ یہ دنیا تیرے بعد اس کے ہاتھ لگے گی جو دولت کو اللہ کی اطاعت میں صرف گا تو وہ کامیاب رہے گا اور تو ویسے کا ویسا بد بخت رہے گا۔

۲۔ یا یہ دولت اسے ملے گی جو اس دولت کو خدا کی نافرمانی میں خرچ کرے گا اور اس کی نافرمانی کے اسباب فراہم کرنے والا تو ہے۔ لہٰذا اس کی بدبختی سے تیری بدبختی میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اور ان دونوں قسم کے وارثوں میں سے کوئی وارث بھی ایسا نہیں ہے جسے تو اپنی ذات پر ترجیح دے۔ اپنی اولاد کے مستقبل کے لئے اپنی پیٹھ پر حرام دولت کا بوجھ مت اٹھا۔ جو زندگی گذر گئی اس کے لئے اللہ رحمت کی امید رکھ اور باقی زندگی کے لئے اللہ کے رزق پر بھروسہ کر''۔

۲۔ روضہ کافی میں ہے (بحذف اسناد) امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ کی حمد ثنا کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! آدم علیہ السلام نے کسی غلام اور لونڈی کو جنم نہیں دیا تھا تمام لوگ پیدائشی طور پر آزاد پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اللہ نے (بغرض امتحان) کسی کو بڑا اور کسی کو چھوٹا بنایا۔ جسے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کے لئے صبر کرنا بہتر ہے اور کوئی شخص اللہ پر احسان نہیں جتلا سکتا۔ یاد رکھو! ہمارے پاس جو بھی چیز بیت المال میں آئے گی تو ہم اسے کالے اور گورے میں برابر تقسیم کریں گے''۔ یہ الفاظ سن کر مروان نے طلحہ و زبیر سے کہا کہ علیؑ چاہتے ہیں کہ تم لوگوں کو عام لوگوں کی سطح پر لے آئیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپؑ نے وظائف تقسیم کئے اور ہر شخص کو تین تین دینار دیئے۔ آپ نے ایک انصاری کو تین دینار دیئے اس کے بعد ایک حبشی آیا تو آپ نے اسے بھی تین دینار دیئے۔ یہ مساوات دیکھ کر انصاری نے عرض کی:

''امیر المومنین! آپؑ نے اسے بھی میرے برابر وظیفہ دیا جب کہ میں نے کل ہی اسے اپنی غلامی سے آزاد کیا؟'' حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے اللہ کی کتاب میں نظر کی تو مجھے اولاد اسماعیل کو اولاد اسحاق پر کوئی فضیلت نظر نہیں آئی''۔

شارح معتزلی تحریر کرتے ہیں کہ ہارون بن سعد کہتا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں عرض کی: ''یا امیر المومنین! اگر آپ میرے لئے مالی مداوا کا حکم صادر کرتے تو بہتر ہوتا کیونکہ اخراجات کے لئے میرے پاس جانور فروخت کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ باقی نہیں رہا''۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں تمہارے لئے کچھ نہیں پاتا سوائے اس کے کہ تم اپنے چچا سے کہو کہ وہ چوری کر کے تجھے کچھ دے''۔ مقصد یہ تھا کہ بیت المال میں سے خیانت کرنے کے علاوہ اور تمہیں کچھ دینے سے معذور ہوں۔

علی بن یوسف مدائنی روایت کرتے ہیں کہ اصحاب امیر المومنین میں سے ایک گروہ حضرت کے پاس گیا اور ان سے عرض کی: ''امیر المومنین! آپ بیت المال کی دولت لوگوں میں تقسیم کریں اور عرب اور قریش کو عجم اور غلاموں کی بہ نسبت زیادہ رقم دیں۔ اور جن با اثر افراد کی مخالفت کا خوف ہو انہیں بیت المال سے زیادہ سے زیادہ رقم دے کر اپنا ہم نوا بنائیں''۔ مدائنی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ مشورہ اس لئے دیا تھا کہ معاویہ یہی کچھ کر رہا تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''کیا تم مجھے یہ حکم دینے آئے ہو کہ میں لوگوں پر ظلم کر کے اپنے لئے نصرت طلب کروں۔ نہیں خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور آسمان پر ستارہ ظاہر ہوتا رہے اگر یہ دولت میری ذاتی ہوتی تو بھی میں برابر تقسیم کرتا لیکن یہ دولت تو پوری امت اسلامیہ کی ہے''۔ پھر آپ کافی دیر تک خاموش رہے اور بعد ازاں درد مندانہ لہجہ میں فرمایا: ''امر خدا اس سے کہیں تیز ہے''۔ آپ نے تین مرتبہ یہی جملے دہرائے۔

سید رضی کی روایت سے خطبہ ۱۲۶ میں اس کلام کی روایت بیان ہوگی

تکمیل

علامہ مجلسی نے یہ خطبہ بحار الانوار کی جلد ۷ میں عمر بن طلحہ کی کتاب مطالب السؤول سے نقل کیا ہے اور اس کا اختتام (وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ ذَالِکَ مَا یَشَاءُ) پر کیا ہے۔

اس خطبہ کے آخری جملوں کو محدث بحرانی نے کتاب سلیم بن قیس الہلالی کے حوالہ سے غایۃ المرام میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ مجلسی نے بھی کتاب سلیم بن قیس الہلالی کے حوالے سے اسے بحار الانوار کی جلد نمبر ۸ میں نقل کیا۔ اور وہ روایت ہم خطبہ ۳۶ کی تذییل ثانی میں پیش کریں گے۔ اور اس خطبہ کو علامہ مجلسی نے کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ کتاب الغارت سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں بحار الانوار میں کتاب الغارات کے حوالہ سے لکھا ہے (بحذف اسناد) جندب بن عبداللہ ازدی کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ وہ کئی دنوں تک اپنے ساتھیوں کو اہل شام سے جنگ کے لئے آمادہ کرتے رہے۔ لیکن لوگ تیار نہ ہوئے تو آپ نے یہ خطبہ دیا:

أَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدِ اسْتَنْفَرْتُکُمْ فَلَمْ تَنْفُرُوْا وَ نَصَحْتُ لَکُمْ فَلَمْ تَقْبَلُوْا فَأَنْتُمْ شُهُوْدٌ کَاَلْغُیَابِ وَ صُمٌّ ذَوُوْا اَسْمَاعٍ

اَتْلُوْا عَلَيْكُمُ الْحِكْمَةَ وَ اَعِظُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ اَحُثُّكُمْ عَلٰى جِهَادِ عَدُوِّكُمُ الْبَاغِيْنَ فَمَا اٰتِىْ عَلَىَّ آخِرُ مَنْطِقِىْ حَتّٰى اَرَاكُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ اَيَادِىْ سَبَافَاِذَا اَنَا كَفَفْتُ عَنْكُمْ عُدْتُّمْ اِلٰى مَجَالِسِكُمْ حَلْقًا عِزِيْنَ تَضْرِبُوْنَ الْاَمْثَالَ وَ تُنَاشِدُوْنَ الْاَشْعَارَ وَ تَسْئَلُوْنَ الْاَخْبَارَ قَدْ نَسِيْتُمُ الْاِسْتِعْدَادَ لِلْحَرْبِ وَ شَغَلْتُمْ قُلُوْبَكُمْ بِالْاَبَاطِيْلِ تَرِبَتْ اَيْدِيْكُمْ اُغْزُوا الْقَوْمَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّغْزُوْكُمْ فَوَاللّٰهِ مَا غُزِّىَ قَوْمٌ فِىْ عُقْرِ دَارِهِمْ اِلَّا ذَلُّوْا وَ ايْمُ اللّٰهِ مَا اَرٰيكُمْ تَفْعَلُوْنَ حَتّٰى يَفْعَلُوْنَ وَ لَوَدِدْتُ اِنِّىْ لَقِيْتُهُمْ عَلٰى نِيَّتِىْ وَ بَصِيْرَتِىْ فَاسْتَرَحْتُ مِنْ مُّقَاسَاتِكُمْ فَمَا اَنْتُمْ اِلَّا كَاِبِلٍ جُمَّةٍ ضَلَّ رَاعِيْهَا فَكُلَّمَا ضُمَّتْ مِنْ جَانِبٍ انْتَشَرَتْ مِنْ جَانِبٍ آخَرَ وَ اللّٰهِ لَكَاَنِّىْ بِكُمْ لَوْ حُمِسَ الْوَغَا وَ اُحِمَّ الْبَأْسُ قَدِ انْفَرَجْتُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ اِنْفِرَاجَ الرَّأْسِ وَ انْفِرَاجَ الْمَرْاَةِ عَنْ قُبُلِهَا

اے لوگو! میں نے تمہیں آمادہ کرنا چاہا لیکن تم آمادہ نہ ہوئے۔ میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم نے اسے قبول نہ کیا۔ تم موجود ہو غائبوں کی طرح اور کان رکھنے کے باوجود تم بہرے ہو۔ میں تمہارے سامنے حکمت بیان کرتا ہوں اور موعظہ حسنہ سے تمہیں وعظ کرتا ہوں اور تمہیں تمہارے باغی دشمنوں کے خلاف جہاد کی ترغیب دیتا ہوں مگر ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہو پاتی کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ خاندان سبا کی طرح سے منتشر ہو جاتے ہو۔ اور جب میں خاموش ہو جاتا ہوں تو تم اپنی مجالس میں جا کر حلقے بنا کر بیٹھتے ہو جہاں ضرب الامثال بیان کرتے ہو اور اشعار پڑھتے ہو اور حالات کے متعلق سوال کرتے ہو تم جنگ کی تیاری بھلا چکے ہو اور تم نے اپنے دلوں کو غلط سلط باتوں میں مشغول کر دیا ہے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔ ان لوگوں سے جنگ کرو قبل اس کے کہ وہ تم سے جنگ کریں۔ خدا کی قسم! جس قوم کی سرحدوں میں جنگ لڑی گئی وہ ذلیل و رسوا ہوئی۔ اور خدا کی قسم! میں تمہارے متعلق نہیں سمجھتا کہ تم کچھ کرو گے جب تک وہ نہ کریں۔ اور میں نے چاہا کہ میں اپنی نیت اور بصیرت کے ساتھ ان سے جنگ کروں اور میں تمہاری بے چینیوں سے راحت پالوں۔ تم لوگ اونٹوں کے اس گلہ کی طرح سے ہو جس کا چرواہا گم ہو جائے انہیں ایک طرف سے سمیٹا جائے تو دوسری طرف سے منتشر ہو جائیں۔ خدا کی قسم! میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب بھی جنگ کے شعلے بلند ہوئے اور لڑائی میں شدت پیدا ہوئی تو تم علیؑ بن ابی طالبؑ سے یوں علیحدہ ہو جاؤ گے جیسے سر کٹ کر جدا ہو جاتا ہے اور جیسے عورت اپنے بچہ کو جنم دے کر آزاد ہو جاتی ہے۔

اس وقت اشعث بن قیس کندی کھڑا ہوا اور کہا: ''امیر المومنینؑ! تو آپ نے وہ کام کیوں نہ کیا جو عثمان نے کیا تھا؟''۔ تو آپؑ نے اسے فرمایا:

يَا عُرْفَ النَّارِ وَيْلَكَ اِنَّ فِعْلَ ابْنِ عَفَّانَ لَمِخْزَاةٌ عَلٰى مَنْ لَّا دِيْنَ لَهٗ وَ لَا حُجَّةَ مَعَهٗ فَكَيْفَ وَ اَنَا عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ اَلْحَقُّ فِىْ يَدِىْ وَ اللّٰهِ اِنَّ امْرَأً عَدُوَّهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ يَخُذُ عُ لَحْمَهٗ وَ يَهْشِمُ عَظْمَهٗ وَ يَفْرِىْ جِلْدَهٗ وَ يَسْفِكُ دَمَهٗ لَضَعِيْفٌ مَّا ضُمَّتْ عَلَيْهِ جَوَانِحُ صَدْرِهٖ اَنْتَ فَكُنْ كَذَالِكَ اِنْ اَحْبَبْتَ فَاَمَّا اَنَا فَدُوْنَ اَنْ اُعْطِىَ ذَالِكَ ضَرْبٌ بِالْمَشْرَفِيِّ يَطِيْرُ مِنْهُ فَرَاشُ الْهَامِ وَ تَطِيْحُ مِنْهُ الْاَكُفُّ وَ الْمَعَاصِمُ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ ذَالِكَ مَا يَشَاءُ

اے دشمن قوم! تجھ پر افسوس، ابن عفان کا فعل اس کے بے دین ساتھیوں کی بھی رسوائی کا موجب تھا اور اس کے پاس کوئی دلیل و حجت بھی نہ تھی۔ میں تو ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل و برہان پر ہوں۔ حق میرے ہاتھ میں ہے۔ خدا کی قسم جو شخص

دشمن کو اپنے اوپر اتنا تسلط دے کہ وہ اس کے گوشت کے ٹکڑے کرنے لگے اور اس کی ہڈیوں کو توڑنے لگے اور اس کی کھال کو پارہ پارہ کرے اور اس کا خون بہائے تو اس کے سینے کی پسلیوں میں گھر ہوا دل کمزور و ناتواں ہے۔ اگر تو ایسا ہونا چاہے تو ہوتا رہ۔ میں تو ایسا اس وقت تک نہیں ہونے دوں گا جب تک اس سے پہلے مقام مشارف کی تیز دھار تلواریں نہ چلالوں جس سے سر کی ہڈیوں کے پرخچے اڑ جائیں۔ بازو اور کلائیاں کٹ کٹ کر گرنے لگیں۔ پھر اس کے بعد اللہ جو چاہے فیصلہ کرے۔

آپؑ کا خطبہ سن کر مجمع میں سے حضرت ابوایوب انصاریؓ اٹھے اور سامعین سے کہا: ''لوگو! جو شخص سننے والے کان اور بیدار دل رکھتا ہے تو امیر المومنینؑ نے اسے بہت کچھ سنا دیا ہے۔ اللہ نے تمہیں عزت سے نوازا ہے لیکن تم نے اسے اچھی طرح سے قبول نہیں کیا۔ آج تمہارے درمیان تمہارے نبیؐ کے ابن عم اور ان کے بعد تمام مسلمانوں کے سردار موجود ہیں جو تمہیں دین کی فہم عطا کر رہے ہیں اور تمہیں باغیوں سے جہاد کے لئے دعوت دے رہے ہیں لیکن اس کے باوجود تم بہرے بن چکے ہو یا تمہارے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اور تم کچھ سمجھ نہیں پاتے۔ خدا کے بندو! کچھ تو حیا کرو۔ کل تک تمہارے حقوق غصب تھے، تمہیں حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، تم پر ظلم و جور کی چادر تنی ہوئی تھی، تمہارا لباس اتار کر تمہیں دھوپ میں ڈالا گیا تھا اور تمہاری فریاد تک سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اللہ نے تم پر احسان کیا۔ امیر المومنینؑ تمہارے پاس تشریف لے آئے انہوں نے حق کی آواز بلند کی اور عدل کو قائم کیا اور کتاب اللہ پر عمل کیا۔ لہٰذا اس نعمت خداوندی کی قدر کرو اور ان سے انحراف نہ کرو۔ اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو کہتے تھے کہ ہم نے سنا جب کہ وہ نہیں سنتے تھے۔ امیر المومنینؑ کی اطاعت کرو اور اپنی زبانوں کو دل کا ترجمان بناؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم صادقین کی جماعت کے افراد قرار پاؤ گے۔

خطبہ نمبر ۳۵

واقعہ تحکیم کے نقصانات

آپؑ نے یہ خطبہ واقعہ تحکیم کے بعد ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ اِنْ اَتَى الدَّهْرُ بِالْخَطْبِ الْفَادِحِ وَ الْحَدَثِ الْجَلِيْلِ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَيْسَ مَعَهٗ اِلٰهٌ غَيْرُهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا (ص) عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ مَعْصِيَةَ النَّاصِحِ الشَّفِيْقِ الْعَالِمِ الْمُجَرِّبِ تُوْرِثُ الْحَيْرَةَ وَ تُعْقِبُ النَّدَامَةَ وَ قَدْ كُنْتُ اَمَرْتُكُمْ فِيْ هٰذِهِ الْحُكُوْمَةِ اَمْرِيْ وَ نَخَلْتُ لَكُمْ مَخْزُوْنَ رَأْيِيْ لَوْ كَانَ يُطَاعُ لِقَصِيْرٍ اَمْرٌ فَاَبَيْتُمْ عَلَيَّ اِبَاءَ الْمُخَالِفِيْنَ الْجُفَاةِ وَ الْمُنَابِذِيْنَ الْعُصَاةِ حَتّٰى ارْتَابَ النَّاصِحُ بِنُصْحِهٖ وَ ضَنَّ الزَّنْدُ بِقَدْحِهٖ فَكُنْتُ اَنَا وَ اِيَّاكُمْ كَمَا قَالَ اَخُوْ هَوَازِنَ اَمَرْتُكُمْ اَمْرِيْ بِمُنْعَرِجِ اللِّوٰى وَقْفَهٗ فَلَمْ تَسْتَبِيْنُوا النُّصْحَ اِلَّا ضُحَى الْغَدِ.

(ہر حالت میں) اللہ کے لئے حمد وثناء ہے۔ گو زمانہ (ہمارے لئے) جانکاہ مصیبتیں اور صبر آزما حادثے لے آیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ یکتا و لاشریک ہے۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں۔ (تمہیں معلوم ہونا چاہیے) کہ مہربان، باخبر اور تجربہ کار ناصح کی مخالفت کا ثمرہ، حسرت وندامت ہوتا ہے۔ میں نے اس تحکیم کے متعلق اپنا فرمان سنا دیا تھا اور اپنی قیمتی رائے کا نچوڑ تمہارے سامنے رکھ دیا تھا۔ کاش کہ (قصیر) کا حکم مان لیا جاتا لیکن تم تو تند خو مخالفین اور عہد شکن نافرمانوں کی طرح انکار پر تل گئے۔ یہاں تک کہ ناصح خود اپنی نصیحت کے متعلق سوچ میں پڑ گیا۔ اور طبیعت اس چقماق کی طرح بجھ گئی کہ جس نے شعلے بھڑکانا بند کر دئے ہوں۔ میری اور تمہاری حالت شاعر بنی ہوازن کے اس قول کے مطابق ہے۔ میں نے مقام منعرج اللویٰ (ٹیلے کے موڑ) پر تمہیں اپنے حکم سے آگاہ کیا۔ (گو اس وقت تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا) لیکن دوسرے دن کی چاشت کو میری نصیحت کی صداقت دیکھ لی۔

تشریح لغات (اَلْخَطْبُ) امر عظیم، (اَلْفَادِحُ) وزنی، فَدَحَهُ الدَّيْنُ سے مشتق ہے یعنی قرض نے اس پر اپنا وزن ڈال دیا۔ (اَلْمُجَرَّبُ) جوہری کا قول ہے کہ جسے حالات وواقعات نے محکم واستوار بنا دیا ہو۔ اگر راء پر کسرہ پڑھا جائے تو تجربہ کرنے والے کے معنی میں ہوگا اور اسم فاعل بن جائے گا۔ ورنہ عرب اسے عام طور پر اسم مفعول کے طور پر پڑھا کرتے ہیں۔ (نَخَلَ) الشَّيْءُ کسی چیز کو صاف کیا۔ اور (نَخْلُ الدَّقِيْقِ) چھانے ہوئے آٹے کو کہا جاتا ہے۔ (اَلْجُفَاةُ) جَافِيْ کی جمع، معنی سخت مزاج، درشت خو۔

(اَلنَّبْذُ) کسی چیز کو اپنے سامنے یا پس پشت پھینکنا۔اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿وَ لَمَّا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغمبرؐ (آخرالزمان) آئے اور وہ ان کی آسمانی کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں (البقرہ/۱۰۱)۔(اَلزَّنْدُ) وہ لکڑی جس سے آگ جلائی جائے، اوپر والی لکڑی کو(زَنْدٌ) اور نیچے والی لکڑی کو(زَنْدَةٌ) کہتے ہیں۔اس کی جمع زِنَادٌ بروزن سِهَامٌ آتی ہے۔(هَوَازِنُ) ایک قبیلے کا نام۔ (مُنْعَرِجٌ) دائیں بائیں مڑنے والا۔معنی موڑ (اَللِّوٰی) ٹیلہ۔

اعرابی تشریح

(مَخْزُوْنَ رَأْيِيْ) اس میں اضافت وہی ہے جو صفت کی موصوف کی طرف ہوتی ہے۔(لَوْ كَانَ يُطَاعُ لِقَصِيْرٍ اَمْرٌ) اس جملہ میں کلمہ (لَوْ) یا تو تمنی کے لئے ہے جیسا کہ بعض شارحین کا موقف ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں بھی (لَوْ) تمنی کے لئے استعمال ہوا ہے﴿لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً﴾ اگر (لَوْ) کو یہاں تمنی کے لئے قرار دیا جائے پھر اسے جواب کی احتیاج ہی باقی نہیں رہتی۔یا حرف شرط ہے اور قرینہ مقام کے سبب جواب محذوف ہے۔اور ''قَصِيْرٌ'' ایک شخص کا نام ہے جس کا مشورہ نہیں مانا گیا تھا تب سے یہ کہاوت چل نکلی کہ اگر قصیر کا کہا مانا جاتا تو نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔اور تقدیر جزا یہ قرار پائے گی: (لَوْ كَانَ يُطَاعُ لِيْ اَمْرٌ اَیْ لَوْ اَطَعْتُمُوْنِيْ لَمَا اَصَابَتْكُمْ حَسْرَةٌ وَ لَا نَدَامَةٌ اِلَّا اِنَّكُمْ اَبَيْتُمْ عَلَيَّ اِبَاءَ الْمُخَالِفِيْنَ فَحَلَّتْ بِكُمُ النَّدَامَةُ وَ صِرْتُ وَ اِيَّاكُمْ كَمَا قَالَ اَخُوْ هَوَازِنَ...) کاش کہ میری بات مان لی جاتی یعنی اگر تم نے میری بات مانی ہوتی تو تمہیں حسرت وندامت نہ اٹھانی پڑتی۔لیکن تم نے مخالفین کی طرح میری بات کا انکار کیا جس کی وجہ سے تمہیں ندامت اٹھانی پڑی اور میری اور تمہاری حالت وہی ہوگئی جس کا ذکر بنی ہوازن کے شاعر نے کیا ہے۔

ہم نے جو تقدیر جواب بیان کی ہے وہ شارح بحرانی کے تقدیر جواب سے بہتر ہے۔مرحوم بحرانی نے تقدیر جواب یہ قرار دی ہے(اِنِّيْ اَمَرْتُكُمْ اَمْرِيْ فِيْ هٰذِهِ الْحُكُوْمَةِ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ فَلَوْ اَطَعْتُمُوْنِيْ لَفَعَلْتُمْ مَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَ مَحَضْتُ لَكُمُ النَّصِيْحَةَ فِيْهِ) میں نے اس تحکیم کے متعلق تمہیں اپنا حکم دے دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی اگر تم میری اطاعت کرتے تو میرے حکم پر عمل کرتے اور میں نے تمہارے لئے خلوص سے خیر خواہی کی تھی۔(اَخُوْ هَوَازِنَ) کی اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے کیونکہ شاعر کا انتساب اسی قبیلے کی طرف تھا۔اور کلام عرب میں یہ اضافت رائج ہے۔مثلاً﴿وَ اذْكُرْ اَخَا عَادٍ﴾،﴿وَ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ﴾۔

تشریح

حکمین دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔اس وقت حضرتؑ امیر علیہ السلام کوفہ میں تھے اور ابوموسیٰ اشعری نے اپنی فطری حماقت سے دھوکا کھایا اور عمرو بن عاص نے ڈھٹائی کی حدود پھلانگتے ہوئے معاویہ کو خلافت کا حقدار قرار دیا۔جب آپؑ کو واقعات معلوم ہوئے تو

آپؑ کو اس سے شدید صدمہ ہوا اور آپؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ اِنْ اَتَی الدَّھْرُ بِالْخَطَبِ الْفَادِحِ وَ الْحَدَثِ الْجَلِیْلِ) ہر حالت میں اللہ کے لئے حمد وثنا ہے، گو زمانہ (ہمارے لئے) جانکاہ مصیبتیں اور صبر آزما حادثے لے آیا ہے۔ مصائب وحوادث کے لئے زمانہ کو ذمہ دار ٹھہرانے کی نسبت کی مکمل بحث خطبہ ۳۱ کی شرح میں آچکی ہے۔ اور لفظ (اِنْ) سے حضرتؑ نے اس امر کی جانب لطیف اشارہ فرمایا کہ اللہ کی حمد صرف نعمت وخوشحالی کے ایام میں ہی نہیں بلکہ مشکلات ومصائب میں بھی اس کی حمد کرنی چاہئے۔ (وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَیْسَ مَعَہٗ اِلٰہٌ غَیْرُہٗ) اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک بھی نہیں ہے۔ (لَیْسَ مَعَہٗ اِلٰہٌ غَیْرُہٗ) کا جملہ کلمہ توحید کے معنی کی تاکید اور اس کے تقاضوں کی تقریر ہے۔ (وَ اَنَّ مُحَمَّدًا (ص) عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ مَعْصِیَۃَ النَّاصِحِ) اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔ حمد وثناء کے بعد یاد رکھو کہ اس خیر خواہ کی نافرمانی جس کی سوچ صحیح اور جس کی رائے درست ہو (الشَّفِیْقِ) شفقت کرنے والا۔ جس کی شفقت تمہاری خیر خواہی کی موجب ہے اور جس کی شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمہیں زحمات سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ (الْعَالِمِ) جو امور کی وجہ مصلحت سے باخبر اور صاحب بصیرت ہے۔ (الْمُجَرِّبِ) جو انتہائی تجربہ کار ہے اور تجربہ کے تمام مراحل سے گزر چکا ہے۔ تو ایسے خیر خواہ، شفیق، عالم اور تجربہ کار انسان کی رائے ہمیشہ درست ہوتی ہے اور ایسے انسان کی رائے کی خلاف ورزی کا انجام یہ ہوتا ہے (تُوْرِثُ الْحَسْرَۃَ وَ تُعْقِبُ النَّدَامَۃَ) خیر خواہ، مہربان، باخبر اور تجربہ کار کی مخالفت کا ثمرہ حسرت وندامت ہوتا ہے۔ جب مشورہ دینے والے میں درج بالا چاروں صفات موجود ہوں تو عام طور پر اس کا مشورہ درست ہوتا ہے۔ اور اس کے مشورہ پر عمل کرنے سے انسان اپنے مقصود کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کی مخالفت حسرت وندامت کا باعث بنتی ہے۔ اور جب مشورہ دینے والی شخصیت علم لَدُنّی اور علم ما کان وما یکون کی حامل ہو تو اس کے مشورہ سے سرمو انحراف کرنا ندامت کا موجب ہے اور ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے اہل کوفہ کو ان کی بنیادی غلطی کی طرف متوجہ کیا اور انہیں بتایا کہ اگر وہ لوگ ان کے فیصلے کو پہلے روز ہی تسلیم کر لیتے تو انہیں آج یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ (وَ قَدْ کُنْتُ اَمَرْتُکُمْ فِیْ ھٰذِہِ الْحُکُوْمَۃِ اَمْرِیْ وَ نَخَلْتُ لَکُمْ مَخْزُوْنَ رَأْیِیْ لَوْ کَانَ یُطَاعُ لِقَصِیْرٍ اَمْرٌ) میں نے تو تمہیں اس تحکیم کے متعلق اپنا فرمان سنا دیا تھا اور اپنی قیمتی رائے کا نچوڑ تمہارے سامنے رکھ دیا تھا کاش کہ ''قصیر'' کا حکم مان لیا جاتا۔ یہ ایک مثل ہے ایسے موقع پر استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی نصیحت کرنے والے کی بات ٹھکرا دی جائے اور بعد میں اس پر پچھتایا جائے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حیرہ کے فرمانروا جذیمہ ابرش نے جزیرہ کے تاجدار عمرو بن طرب کو قتل کر دیا جس کے بعد عمرو کی بیٹی ''زباء'' جزیرہ کی حکمران قرار پائی۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ کے انتقام لینے کی یہ تدبیر کی کہ جذیمہ کو پیغام بھیجا کہ میں تنہا امور سلطنت انجام نہیں دے سکتی۔ اگر تم مجھے اپنے حبالہ عقد میں لے کر میری سرپرستی کرو تو میں شکر گزار ہوں گی۔ جذیمہ اس پیشکش پر پھولا نہ سمایا اور ہزار سوار ہمراہ لے کر جزیرہ جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کے غلام قصیر نے بہت سمجھایا بجھایا کہ یہ دھوکا اور فریب ہے۔ اس خطرے میں اپنے آپ کو مت ڈالئے۔ مگر اس کی عقل پر ایسا پردہ پڑا ہوا تھا کہ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ زباء نے اپنی رفاقت کے لئے اپنے باپ کے

قاتل کو ہی کیوں منتخب کیا ہے؟۔ بہر صورت یہ چل کھڑا ہوا اور جب حدود جزیرہ میں پہنچا تو گویا زباء کا لشکر استقبال کے لئے موجود تھا مگر نہ اس نے کوئی خاص آؤ بھگت کی، نہ پرتپاک خیر مقدم کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر قصیر کا پھر ماتھا ٹھنکا اور اس نے جذیمہ سے واپس پلٹ جانے کو کہا۔ مگر منزل کے قریب پہنچ کر آتش شوق اور بھڑک اٹھی تھی اور اس نے پرواہ نہ کی اور قدم بڑھا کر شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی قتل کر دیا گیا۔ قصیر نے یہ دیکھا تو کہا ''لَوْ کَانَ یُطَاعُ لِقَصِیْرٍ اَمْرٌ'' کاش قصیر کی بات مان لی جاتی۔ اور اس وقت سے یہ مَثَل چل نکلی۔ (فَاَبَیْتُمْ عَلَیَّ اِبَاءَ الْمُخَالِفِیْنَ الْجُفَاةِ وَ الْمُنَابِذِیْنَ الْعُصَاةِ حَتّٰی ارْتَابَ النَّاصِحُ بِنُصْحِهٖ) لیکن تم تو تند خو مخالفین اور عہد شکن نافرمانوں کی طرح انکار پر تُل گئے، یہاں تک کہ ناصح خود اپنی نصیحت کے متعلق سوچ میں پڑ گیا۔ امیر المؤمنینؑ کبھی شک میں مبتلا نہیں ہوئے تھے، ان الفاظ سے آپؑ کا یہ مقصد ہے کہ تم نے کسی قیمت پر میری رائے کو قبول نہیں کیا۔ ورنہ شک میں وہی شخص مبتلا ہوتا ہے جس کا علم ظنی ہو، علم لدنی کا وارث کبھی شک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور نہج البلاغہ کے چوتھے خطبہ کی یہ عبارت (مَا شَکَکْتُ فِی الْحَقِّ مُذْ رَاَیْتُهٗ) جب سے مجھے حق دکھایا گیا ہے اس میں مَیں نے کبھی شک وشبہ نہیں کیا۔ اور دسویں خطبے کی عبارت (وَ اِنَّ مَعِیْ لَبَصِیْرَتِیْ مَا لَبَّسْتُ عَلٰی نَفْسِیْ وَ لَا لُبِّسَ عَلَیَّ) میرے ساتھ یقیناً میری بصیرت ہے نہ خود میں نے کبھی اپنے کو دھوکا دیا اور نہ مجھے واقعی کبھی دھوکا ہوا ہے۔ یہ سب اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ آپؑ اپنی رائے کے متعلق کبھی شک وشبہ میں نہیں پڑے تھے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ لوگوں نے آپ کی رائے کو اہمیت نہیں دی اور اس کی بھرپور مخالفت کی اور جلد ہی انہیں آپ سے اختلاف رائے کی سزا بھگتنی پڑی۔

(وَ ضَنَّ الزَّنْدُ بِقَدْحِهٖ) اور طبیعت اس چقماق کی طرح بجھ گئی جس نے شعلے بھڑکانے بند کر دیئے ہوں۔ اس ضرب المَثَل کو اس وقت بیان کیا جاتا ہے جب کوئی فیّاض کسی کی نااہلی کی وجہ سے اپنا فیض اس سے روک لے۔ حضرتؑ نے اپنے قلب مبارک کو چقماق اور اپنی آراء کو اس کے شعلے اور چنگاریوں سے تشبیہ دی ہے۔ اس تمثیل سے حضرت کا مقصود یہ تھا کہ تمہاری مسلسل نافرمانی اور مخالفت کی وجہ سے میں نے اپنی رائے پر زور نہیں دیا۔ (فَکُنْتُ اَنَا وَ اِیَّاکُمْ) میری اور تمہاری حالت وہی ہوئی۔ یعنی میں نے اپنے پرخلوص رائے تمہارے سامنے رکھی لیکن تم نے میری رائے کو تسلیم نہیں کیا اور آج تم میری رائے کو ٹھکرانے کی وجہ سے حیران و پریشان ہو اور شدید ندامت محسوس کرتے ہو۔ اب ہماری ہماری حالت کی پوری عکاسی اس شعر سے ہوتی ہے۔

(کَمَا قَالَ اَخُوْ هَوَازِنَ ''اَمَرْتُکُمْ اَمْرِیْ بِمُنْعَرِجِ اللِّوٰی– فَلَمْ تَسْتَبِیْنُوا النُّصْحَ اِلَّا ضُحَی الْغَدِ'') جیسا کہ بنی ہوازن کے شاعر نے کہا تھا: ''میں نے مقام منعرج اللویٰ (ٹیلے کے موڑ) پر تمہیں اپنے حکم سے آگاہ کیا۔ (گو اس وقت تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا) لیکن دوسرے دن کی چاشت کو میری نصیحت کی صداقت تم نے دیکھ لی''۔ شاعر بنی ہوازن سے مراد دُرَید بن صمہ ہے۔ یہ شعر اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن صمہ کے قتل کے بعد کہا، جس کا واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ اپنے بھائی کے ہمراہ بنی بکر بن ہوازن پر حملہ آور ہوا اور ان کے بہت سے اونٹ ہنکا لایا۔ واپسی پر جب مقام منعرج اللویٰ میں ستانے کا ارادہ کیا تو دُرَید نے کہا کہ یہاں ٹھہرنا مصلحت کے خلاف ہے، ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے دشمن ٹوٹ پڑے مگر عبداللہ نہ مانا اور وہاں ٹھہر گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح ہوتے ہی دشمنوں نے حملہ کیا اور عبداللہ کو وہیں قتل کر دیا اور درید کے بھی زخم آئے مگر وہ بچ نکلا۔ اس کے بعد اس نے چند اشعار کہے ان میں ایک شعر یہ ہے جس میں اس کی رائے کے ٹھکرا

دیئے جانے سے جو تباہی آئی تھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور اس شعر کے بعد اس کے دو شعر یہ تھے:

فَلَمَّاعَصَوْنِیْ کُنْتُ فِیْهِمْ وَقَدْاَرٰی غَوَایَتَهُمْ وَاِنَّنِیْ غَیْرَمُهْتَدٍ

وَمَااَنَااِلَّامِنْ غَزِیَّةَ اِنْ غَوَتْ غَوَیْتُ وَاِنْ تَرْشُدْغَزِیَّةُ اَرْشَدِ

جب انہوں نے میری نافرمانی کی تو میں ان میں موجود تھا اور میں ان کی گمراہی دیکھ رہا تھا اور میں اپنے متعلق بھی سمجھ رہا تھا کہ میں بھی گمراہ ہوں۔

(آخر میں تنہا رہ کر کیا کر سکتا ہوں) میں بھی تو قبیلہ غزیہ کا ایک فرد ہوں۔ اگر وہ گمراہ ہوں گے تو میں بھی ان کے ساتھ گمراہی اختیار کروں گا اور اگر غزیہ قبیلہ صحیح راہ پر چلے گا تو میں بھی انکے ساتھ صحیح راہ پر چلوں گا۔

نصر بن مزاحم نے کتاب الصفین میں یہ اس خطبہ کو سید رضی کی طرح نقل کیا لیکن اس نے آخر میں ان جملوں کا اضافہ کیا ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا: ''اَلَا اِنَّ هٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ الَّذِیْنِ اخْتَرْتُمُوْهَما قَدْ نَبَذَا حُکْمَ الْکِتَابِ وَ اَحْیَیَا مَا اَمَاتَ وَ اتَّبَعَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا هَوَاهُ وَ حَکَمَ بِغَیْرِ حُجَّةٍ وَّ لَا بَیِّنَةٍ وَ لَا سُنَّةٍ مَّاضِیَةٍ وَ اخْتَلَفَا فِیْمَا حَکَمَا فَکِلَیْهِمَا لَمْ یُرْشِدِ اللّٰهُ فَاسْتَعِدُّوْا لِلْجِهَادِ وَ تَأَهَّبُوْا لِلْمَسِیْرِ وَ اَصْبِحُوْا فِیْ مَعَسْکَرِکُمْ یَوْمَ کَذَا'' آگاہ رہو! ان دو شخصوں نے جنہیں تم نے چنا تھا، کتاب اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالا اور جسے کتاب اللہ نے ختم کیا ہے انہوں نے اسے زندہ کیا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور انہوں نے کسی دلیل و برہان اور سابقہ سنت کے بغیر فیصلہ کیا۔ اور ان دونوں نے اپنے فیصلوں میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ ان دونوں کی (صحیح فیصلے کے لئے) اللہ نے راہنمائی نہیں کی۔ تم جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ اور روانگی کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور فلاں دن صبح سویرے اپنی چھاؤنی میں پہنچ جاؤ۔

جنگ صفین اور واقعہ تحکیم

اس مقام پر ہم واقعہ تحکیم کی حقیقت پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ہم شرح ابن ابی الحدید معتزلی سے بحوالہ نصر بن مزاحم و ابراہیم بن ویزیل سے تلخیص کرتے ہوئے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ جب اہل عراق کی خونریز تلواروں سے شامیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور لیلۃ الہریر کے تابڑ توڑ حملوں نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تو عمرو بن عاص کی مکاری و شاطری کام آئی۔

نصر بن مزاحم کتاب الصفین میں لکھتے ہیں (بحذف اسناد): حضرت علیؑ نے دس ربیع الاول ۳۷ھ منگل کے دن نماز فجر لوگوں کو پڑھائی۔ ایک اور روایت میں دس صفر کی تاریخ مروی ہے۔ پھر آپؑ نے عراقی لشکر کی صفیں ترتیب دیں اور افسروں کو علم عطا کئے اور اہل شام کا لشکر ان کے مدمقابل آن کھڑا ہوا تو اس وقت تک جنگ سے فریقین کا شدید نقصان ہو چکا تھا، لیکن عراقیوں کی بہ نسبت شامیوں کا نقصان زیادہ ہو چکا تھا اور ان کے چہروں پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ اس وقت عراقی لشکر سے ایک گھوڑے سوار نمودار ہوا جس نے کپڑے سے اپنے چہرے کو چھپایا ہوا تھا اور اس کی صرف آنکھیں ظاہر تھیں اور اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور عراقی لشکر کو آہستہ سے نیزہ چبھا کر کہنے لگا

خدا تم پر رحم کرے اپنی صفیں سیدھی کرو۔ جب صفیں بالکل سیدھی بن گئیں تو اس نے شامیوں کی طرف پشت کر کے اہل عراق کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''اس ذات کی حمد ہے جس نے ہمارے اندر اپنے نبیؐ کے ابن عم کو قرار دیا۔ جو ہجرت میں شرف تقدم رکھتے ہیں اور جو اسلام میں سب سے سابق ہیں جو اللہ کی وہ تلوار ہیں جسے اللہ نے اپنے دشمنوں پر بلند کیا ہے۔ دیکھنا جب جنگ کے شعلے اچھی طرح سے بھڑکنے لگیں اور بہادر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے لگیں اور غبار جنگ آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور حرب وضرب کی صداؤں سے دھرتی کانپنے لگے تو اس وقت تم میرے پیچھے آنا''۔ پھر اس نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور اپنا نیزہ شامیوں کے سینوں میں چبھو دیا۔ پھر واپس آیا اور اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ مالک اشتر تھے۔ ابھی تک جنگ کا باقاعدہ آغاز نہ ہوا تھا کہ لشکر شام میں سے ایک شخص دونوں صفوں کے درمیان اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور حضرتؑ کو آواز دے کر کہا: ''ابوالحسن! آپؑ صف سے باہر آئیں میں آپؑ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں''۔ یہ سن کر حضرت نے اپنا گھوڑا صفوں سے نکالا اور اس کے پاس چلے گئے اور گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں تو اس نے حضرتؑ سے کہا: ''اللہ نے آپؑ کو اسلام و ہجرت میں شرف تقدم عطا کیا ہے۔ اگر آپؑ کی اجازت ہو تو میں آپؑ کے سامنے ایک ایسی تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے لوگوں کا خون بہنے سے محفوظ ہو جائے گا اور یہ تباہ کن جنگ ختم ہو جائے گی''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''بیان کرو!''۔ اس نے کہا: ''میری تجویز یہ ہے کہ آپؑ اپنے لشکر کو لے کر عراق چلے جائیں اور اہل شام اپنے لشکر کو لے کر شام چلے جائیں۔ آپؑ شامی حکومت کو کچھ نہ کہیں اور شامی عراقی حکومت کو کچھ نہ کہیں۔ دونوں حکومتیں اپنے اپنے مقام پر آزاد اور خود مختار طور پر کام کریں''۔ حضرتؑ نے یہ تجویز سن کر فرمایا: ''تو نے اپنی طرف سے یہ تجویز خیر خواہی اور شفقت کے جذبہ سے پیش کی ہے مگر میں نے شب و روز اس مسئلہ پر اچھی طرح سے غور کیا ہے۔ مسلسل غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اہل شام سے جنگ کی جائے یا جو کچھ اللہ نے حضرت محمدؐ پر نازل کیا ہے اس کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ زمین میں خدا کی نافرمانی ہوتی رہے اور وہ خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہیں۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ترک کر دیں۔ دوزخ کے طوق پہننے سے میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دشمنان خدا سے جنگ کی جائے''۔ یہ سن کر وہ شخص انا للہ پڑھتا ہوا واپس چلا گیا۔

اور اس کے بعد فریقین میں باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ پہلے تو فریقین نے ایک دوسرے پر تیر برسائے، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں کی باری آئی اور جب نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں نیاموں سے نکل آئیں اور دست بدست جنگ ہونے لگی۔ اور جنگ نے اتنی شدت اختیار کی کہ چاروں طرف لوہے کی جھنکار کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ تہامہ کے پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ اور غبار جنگ کی وجہ سے سورج کی شعاعوں کے آگے دبیز چادر تن گئی۔ اس میں علم اور پرچم گم ہو گئے۔ اس حرب وضرب کے معرکہ میں مالک اشتر کبھی میمنہ میں جاتے اور کبھی میسرہ کا دورہ کرتے۔ اور ہر قبیلہ کے جوانوں کی ہمت بندھاتے اور انہیں پیش قدمی کا حکم دیتے اور اس دن نماز فجر کے بعد سے شروع ہونے والی جنگ نصف شب تک جاری رہی۔ اور اس دن کی جنگ میں ستر ہزار لقمہ اجل بن گئے۔ جنگ کی اس شب کو (لیلۃ الہریر) کہا جاتا ہے۔ مالک اشتر میمنہ سنبھالے ہوئے تھے اور ابن عباس لشکر کا میسرہ سنبھالے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ قلب لشکر میں تھے۔ پھر نصف شب سے جو جنگ شروع ہوئی تو دوسرے دن کی چاشت تک مسلسل جنگ جاری رہی اور مالک اشتر نے فن

حرب کے خوب جوہر دکھائے۔ وہ نیزہ اچھال کر اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ اب نیزہ کی مقدار تک پیش قدمی کرو۔ جب ان کے ساتھی اتنی پیش قدمی کر لیتے تو وہ کمان اچھال دیتے اور کہتے کہ اس کمان تک پیش قدمی کرو۔ ان کے ساتھی وہاں تک آگے بڑھتے تو مالک اشتر پھر ان سے مزید آگے بڑھنے کے لئے کہتے۔ انہوں نے اتنی زیادہ پیش قدمی کرائی کہ ان کے سپاہی اس پیش قدمی سے اکتانے لگے۔ جب مالک اشتر نے اپنے ساتھیوں میں اکتاہٹ محسوس کی تو ساتھیوں سے کہا کہ بہادرو! کیا تم لوگ سارا دن بکروں کا دودھ دوہو گے؟۔ میں اس کے لئے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنا پرچم حیان بن ہوذہ نخعی سے لے کر دستوں میں چلے گئے اور آواز دے کر کہا کہ تم میں سے ایسا کون ہے جو اپنی جان خدا سے فروخت کر کے اشتر کے ساتھ مل کر جنگ کرے اور یا تو غلبہ حاصل کرے یا پھر شہادت پائے؟۔ اس طرح سے بہت سے سرفروش ان کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ عمار بن ربیعہ کا بیان ہے کہ ان سرفروشوں کو اپنے پرچم تلے جمع کر کے اشتر نے کہا: ''جوانو! تم پر میرا خاندان نثار ہو۔ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے آگے بڑھو اور دین کا دفاع کرو۔ دیکھو جب میں حملہ کروں تو تم حملہ کرنا۔ پھر انہوں نے اپنے پرچم دار سے کہا کہ تم پرچم لے کر آگے بڑھو۔ پرچم بردار پرچم لے کر آگے بڑھا تو مالک اور اس کے جانثار ساتھیوں نے شامیوں پر حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کو پلٹ کر رکھ دیا۔ اور ان کی اردوگاہ تک جا پہنچے اور وہاں شدید جنگ کی اور شامیوں کے علمبردار کو قتل کر دیا۔

جب حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کی اس پیش قدمی کو ملاحظہ فرمایا تو آپؑ نے ایک خطبہ دیا اور حمد ثناء کے بعد فرمایا: ''لوگو! اب جنگ فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو چکی ہے۔ اس وقت تمہارا دشمن اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے اور ان شاء اللہ خدا کی طرف سے جلد فیصلہ ہونے والا ہے۔ اور ابھی تک تمہارا دشمن پوری طرح سے پسپا نہیں ہوا اور دین سے بے بہرہ لوگ ابھی تک تم سے نبرد آزما ہیں۔ اور انہوں نے دین کے شیدائیوں کو جو تکلیفیں دی ہیں وہ بھی تمہارے سامنے ہیں۔ خدا نے چاہا تو آج صبح تک میں ان کا فیصلہ کر لوں گا''۔ جب میدان جنگ کی حوصلہ شکن خبریں معاویہ نے سنیں تو پریشان ہوا اور عمرو بن عاص کو اپنے خیمہ میں بلایا اور اس سے کہا: ''عمرو! ہمارے پاس بس رات کے چند لمحات باقی رہ گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صبح ہوتے ہی علیؑ ہم تک آن پہنچے گا۔ ان حالات میں اب ہمیں کیا کرنا چاہئے تا کہ ہم یقین شکست سے بچ جائیں''۔ عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا: ''تیرے سورما، علیؑ کے بہادروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور تو خود بھی علیؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تیری جنگ کا مقصد حکومت کا حصول ہے اور علیؑ کی جنگ کا مقصد کلمہ حق کی سربلندی ہے۔ تو زندگی کا خواہش مند ہے اور علی موت کا شیدائی ہے۔ اگر اس جنگ میں تو کامیاب ہو گیا تو اہل عراق تیرے ظلم سے خوفزدہ ہیں اور اگر علیؑ کامیاب ہو گیا تو شامیوں کو اس کے ظلم کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کیونکہ وہ عادل ہے وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ لیکن میں نے اسی گھڑی کے لئے مدت سے ایک منصوبہ سوچا ہوا ہے۔ اور یہ بھی سن لو کہ یہ منصوبہ ہمارے ترکش کا آخری تیر ہے۔ تم میرے منصوبے پر عمل کرو اگر عراقیوں نے اسے مان لیا تو بھی ان میں اختلاف پیدا ہو گا اور اگر انہوں نے اسے مسترد کر دیا تو بھی ان میں انتشار پیدا ہو گا''۔

جابر بن نمیر انصاری کا بیان ہے کہ میں یوم الہریر جنگ میں موجود تھا، صبح سے لے کر ظہر تک عک، لخم، جذام اور اشعریوں نے خوب داد شجاعت دی اور جب ظہر کا وقت ہوا تو اس وقت حضرت علیؑ نے اپنے اصحاب کو آواز دے کر فرمایا: ''دوستو! کب تک یہ قبائل لڑتے

رہیں گے اور تم کھڑے ہو کر بس ان کی جنگ ہی دیکھتے رہو گے؟ کیا تم اللہ کی غضب سے نہیں ڈرتے''۔ پھر آپؑ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور دعا کے لئے دونوں ہاتھوں کو سوئے آسمان بلند کیا اور یہ دعا مانگی (یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا وَاحِدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا اَللّٰہُ یَا اِلٰہَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ نُقِلَتِ الْاَقْدَامُ وَ اُفِضَتِ الْقُلُوْبُ وَ رُفِعَتِ الْاَیْدِیْ وَ قُدَّتِ الْاَعْنَاقُ وَ شُخِصَتِ الْاَبْصَارُ وَ طُلِبَتِ الْحَوَائِجُ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَشْکُوْا اِلَیْکَ غَیْبَةَ نَبِیِّنَا وَ کَثْرَةَ عَدُوِّنَا وَ تَشَتُّتَ اَھْوَائِنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ) اے اللہ، اے رحمان، اے رحیم، اے واحد، اے احد، اے صمد، اے اللہ، اے خدائے محمدؐ! تیری جانب قدم اٹھتے ہیں، دل جھکتے ہیں، ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور گردنیں دراز ہوتی ہیں اور نگاہیں اٹھتی ہیں اور حاجات طلب کئے جاتے ہیں۔ خدایا! تیرے حضور ہم اپنے نبیؐ کی غیبت اور اپنے دشمنوں کی کثرت اور اپنی خواہشات کے انتشار کی شکایت کرتے ہیں۔ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان برحق کا فیصلہ فرما کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ''اللہ کی برکت پر بھروسہ کر کے پیش قدمی کرو''۔ اس کے بعد آپ نے آواز دے کر کہا: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ''۔

راوی کہتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمدؐ کو برحق نبی بنا کر بھیجا، جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اس وقت سے ہم نے کسی قوم کے سربراہ کے متعلق اتنے افراد کو قتل کرنے کا نہیں سنا جتنے افراد علیؑ نے ایک دن میں اپنے ہاتھ سے قتل کر دیئے۔ اور اس دن کے صرف ان مقتولوں کی تعداد جنہیں حضرت علیؑ نے اپنی تلوار سے قتل کیا تھا پانچ سو مقتول شام کے مشاہیر تھے اور گمنام افراد کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ راوی (جو کہ معاویہ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے) کہتا ہے کہ اس دن میں نے بھی چاہا تھا کہ علیؑ کے مقابلے میں جاؤں اور اپنی تلوار کے جوہر آزماؤں لیکن مجھے رسولؐ خدا کا وہ فرمان یاد آ گیا جو میں نے ان سے خود سنا تھا (لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفِقَارِ) مرد ہے تو علیؑ ہے اور تلوار ہے تو ذوالفقار ہے۔ جب کہ میرے پاس ذوالفقار موجود نہیں تھی۔ علیؑ جب ہمارے کسی ساتھی پر حملہ کرتا تو وہ گر جاتا اور جب ہم اپنے ساتھی کو پکڑ کر کھڑا کرتے تو علیؑ اسے ہمارے ہاتھوں سے اچک لیتا تھا۔ خدا کی قسم! شیر بھی کبھی اتنی تیزی سے حملہ آور نہیں ہوتا جس تیزی سے علیؑ حملہ آور ہو رہے تھے۔ غرضیکہ شامیوں کو علیؑ نے خیبر یاد دلا دی۔ حضرت علیؑ کی شجاعت کو کشف الغمہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

''لیلۃ الہریر میں علیؑ جس شجاع سے بھی ٹکرائے اس کا خون بہایا، جس دلیر سے جنگ کی اس کے قدم اکھیڑے، جس سرکش کو پایا اسے ملک عدم پہنچایا، جس منحرف کو دیکھا اس کی زندگی کے لمحات مختصر کر دیئے اور اس کی ندامتوں کو طویل کر دیا، جس گروہ نفاق پر نظر پڑی اسے منتشر کیا، جہاں گمراہی کی عمارت دیکھی اسے منہدم کیا۔ حضرتؑ جب بھی کسی سوار کو قتل کرتے تو زور سے تکبیر کہتے اور اس رات کی حضرت کی تکبیریں گنی گئیں تو آپؑ نے پانچ سو تیئیس (۵۲۳) تکبیریں کہی تھیں اور ہر تکبیر کے بدلے ایک ایک دشمن کو دوزخ بھیجا تھا''۔

نصر بن مزاحم لکھتے ہیں کہ جب لیلۃ الہریر کی صبح ہوئی تو لوگوں نے شامیوں کے لشکر کے وسط میں دیکھا کہ پرچموں جیسی کوئی چیز انہوں نے اٹھائی ہوئی ہے۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو لوگوں نے دیکھا کہ شامیوں نے اپنے نیزوں سے قرآن باندھے ہوئے ہیں اور تین نیزے اکٹھے کر کے انہوں نے دمشق کی مسجد اعظم کا قرآن اٹھایا ہوا تھا جسے دس افراد نے مل کر پکڑا ہوا تھا۔ ابوطفیل کہتے ہیں کہ جس دستہ کی قیادت حضرت علیؑ فرما رہے تھے اس کے سامنے ایک سو قرآن بلند کئے گئے اور میمنہ کی طرف دو سو اور میسرہ کی طرف بھی دو سو قرآن بلند کئے

گئے تھے۔ مجموعی طور پر مصاحف کی تعداد پانچ سو تھی۔ پھر طفیل بن ادھم حضرت علیؑ کے سامنے آیا اور ابو شریح میمنہ کے سامنے اور ورقا بن معتمر میسرہ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور ان تینوں افراد نے چلا کر کہا: ''گروہ عرب! خدا کے لئے اس جنگ سے باز آ جاؤ اور اپنی عورتوں، بیٹوں اور بیٹیوں کو رومیوں، ترک اور ایرانیوں سے بچاؤ۔ اگر ہم آپس میں یوں ہی لڑ کر تباہ ہو گئے تو پھر روم و ترک ہمارے علاقے پر قابض ہو جائیں گے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اسے اپنا فیصل قرار دو اور جنگ بند کر دو''۔ یہ آواز سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا: ''پروردگار! تو جانتا ہے کہ یہ لوگ تیری کتاب پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔ تو ہی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما تو ہی حق مبین ہے''۔ حضرت علیؑ کی فوج یہ منظر دیکھ کر دو حصوں میں بٹ گئی ایک گروہ کا اصرار تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے اور دوسرا گروہ کہنے لگا کہ اب ہمیں جنگ بند کر دینی چاہئے اور کتاب خدا کو لبیک کہنا چاہئے۔ اور جو گروہ جنگ روکنے کا خواہش مند تھا ان کی قیادت اشعث بن قیس کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے لیلۃ الہریر میں ہی اپنے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگ عربوں کو تباہ کر دے گی اور جب ہم تباہ ہو گئے تو روم و ترک کے کفار ہماری عورتوں کو اٹھا لے جائیں گے اور ہمارے بچوں کو قیدی بنا لیں گے۔ لہٰذا میری رائے یہی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو اس جنگ سے نجات حاصل کی جائے۔ جب حضرتؑ کے بہت سے فوجی ہتھیار کھول کر رکھنے لگے تو عدیؓ بن حاتم حضرت کے پاس آئے اور آپ کو اپنی اور اپنے قبیلے کی وفاداری کا یقین دلایا اور کہا کہ ''ہم ہر صورت میں آپؑ کے حکم کی تعمیل کریں گے''۔

مالک اشتر نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین! ہم نے آپؑ کو باطل پر سمجھ کر آپ کی نصرت و اعانت نہیں کی ہے۔ ہم نے آپؑ کے فرمان پر اس لئے عمل کیا ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے اور ہم نے آپؑ کے موقف کو حق جان کر ہی آپؑ کی مدد کی ہے۔ آپؑ کے علاوہ اگر کوئی اور شخص ہمیں جنگ کی دعوت دیتا تو ہم اس کے لئے طویل عرصہ تک غور و فکر کرتے اب جبکہ حق کا ظہور قریب ہے اور فتح مبین حاصل ہونے والی ہے ہم کسی بھی صورت میں آپؑ سے اختلاف رائے نہیں کریں گے''۔ اشعث بن قیس غصے سے کانپتے ہوئے کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''امیر المؤمنین! ہم کل کی طرح آج بھی آپؑ کے لشکر میں موجود ہیں۔ لیکن آپؑ یہ بھی سن لیں اب ہمارے وہ جذبات نہیں رہے جو پہلے تھے۔ اور اہل عراق کے لئے مجھ سے زیادہ مہربان اور شامیوں کے لئے مجھ سے زیادہ دشمن کوئی اور نہیں ہے۔ لیکن اب آپؑ کو چاہئے کہ کتاب اللہ کے فیصلے کو قبول کریں۔ کیونکہ آپؑ پر شامیوں سے زیادہ کتاب اللہ کے فیصلہ پر عمل کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس وقت لوگ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور انہیں جنگ سے نفرت ہے''۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ''لوگو! کتاب اللہ پر لبیک کہنے کا میں زیادہ حقدار ہوں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ معاویہ، عمرو بن العاص، ابن ابی معیط اور ابن ابی سرح و ابن سلمہ نہ تو ان کا دین سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ان کا قرآن سے کوئی واسطہ ہے۔ ان لوگوں کو میں تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں، میں تو انہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب یہ بچے تھے اور جب یہ جوان ہوئے۔ یہ لوگ بچپن میں بدترین بچے اور جوانی میں بھی بدترین جوان تھے۔ یہ لوگ کلمہ حق سے باطل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یاد رکھو! انہوں نے قرآن اس لئے بلند نہیں کئے کہ وہ اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے تمہیں دھوکا دینے کی غرض سے قرآن بلند کئے ہیں۔ تم لوگ ایک گھنٹے کے لئے اپنی کلائیاں اور کھوپڑیاں عاریتاً میرے حوالے کر دو بس تھوڑی دیر میں حق کا غلبہ ہونے والا ہے اور ظالموں کا قلع قمع ہونے کو ہے''۔ مگر آپؑ کے لشکر میں سے چاروں

طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں کہ ہم نے قرآن کو تسلیم کرلیا۔

ادھر جب آپؑ کے اکثر ساتھی اپنی زرہیں اتار رہے تھے تو ادھر مالک اشتر اپنے جانثاروں کے ساتھ تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور وہ معاویہ کے خیمہ کے طنابوں کے قریب پہنچنے والے تھے کہ اہل کوفہ میں سے بیس ہزار افراد جن کے چہروں پر سجدوں کے نشان تھے اور تلواریں علم کئے ہوئے آئے، اور حضرت علیؑ کو انہوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس گروہ کی قیادت مسعر بن مذکی اور زید بن حصین اور دوسرے حفاظ قرآن کر رہے تھے۔ اور بعد میں یہ لوگ خارجی بن گئے تھے۔ ان بدبختوں نے حضرتؑ کو گھیرے میں لے لیا اور آپؑ کا نام لے کر آپؑ کو آواز دی اور انہوں نے آپؑ کو امیر المؤمنینؑ کے نام سے نہ پکارا اور کہا: ''علیؑ! آپؑ کو کتاب اللہ کی دعوت دی جارہی ہے، آپؑ اسے تسلیم کریں۔ اگر آپؑ نے اس دعوت کو تسلیم نہ کیا تو ہم آپؑ کو ابن عفان کی طرح قتل کر دیں گے''۔ حضرتؑ نے ان سے فرمایا: ''تم پر افسوس! میں وہ پہلا انسان ہوں جسے رسولؐ خدا نے قرآن کی دعوت دی تھی اور سب سے پہلے میں نے ہی اس دعوت کو قبول کیا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ مجھے قرآن کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول نہ کروں۔ میں تو ان لوگوں سے جنگ بھی اسی لئے کر رہا ہوں تا کہ یہ قرآن کے حکم کو تسلیم کر لیں۔ ان لوگوں نے اللہ کے حکم نافرمانی کی اور انہوں نے، میثاق خداوندی کو توڑا اور انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ انہوں نے تم سے دھوکا کیا ہے اور یہ لوگ قرآن پر عمل کرنا نہیں چاہتے''۔ مگر ان لوگوں نے آپؑ سے کہا: ''چاہے کچھ ہو، آپؑ کو یہ بات تسلیم کرنی ہوگی اور آپؑ فوراً مالک کو واپس بلائیں''۔

حضرتؑ نے یزید بن ہانی کو بھیجا کہ جاؤ اور مالک کو بلا لاؤ۔ یزید نے مالک کو حضرتؑ کا پیغام سنایا تو مالک اشتر نے کہا: ''میرے مولاؑ سے جا کر یہ عرض کر دو کہ میں آجاؤں گا لیکن خدارا! آپؑ اس وقت مجھے یہاں سے نہ بلائیں۔ میں اللہ سے فتح کی امید رکھتا ہوں اور چند لمحات بعد میں جنگ فتح کر کے آپؑ کی خدمت میں آجاؤں گا''۔ یزید نے حضرتؑ کو مالک کا پیغام سنایا۔ اس وقت اہل عراق کی فتح و نصرت کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں اور لشکر شام شکست کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ مگر باغی سپاہیوں نے حضرتؑ سے کہا: ''ہم سمجھتے ہیں کہ آپؑ نے مالک کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا ہوا ہے''۔ حضرت نے فرمایا: ''تو کیا میں نے تمہارے سامنے اپنا قاصد اس کے پاس نہیں بھیجا تھا اور اس نے مالک کا جواب برسر عام نہیں سنایا؟''۔ باغی سپاہیوں نے کہا: ''آپؑ فوراً مالک کو واپس بلا لیں ورنہ ہم آپؑ کو معزول کر دیں گے''۔ حضرتؑ نے پھر اسی قاصد سے کہا کہ تم دوبارہ جاؤ اور اسے کہو کہ لشکر میں فتنہ پھیل چکا ہے لہٰذا تم واپس آجاؤ۔ قاصد نے جا کر مالک کو حضرتؑ کا پیغام سنایا تو مالک نے کہا: ''جی ہاں میں جانتا ہوں یہ نابغہ کے بیٹے کی مکاری ہے اور نیزوں پر قرآن دیکھ کر ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس سے ہمارے اندر افتراق و انتشار پیدا ہوگا''۔ پھر انہوں نے قاصد سے کہا کیا تو اس وقت کی نزاکت کو نہیں دیکھتا کیا اس فیصلہ کن مرحلہ پر پہنچ کر ہمیں جنگ بند کر دینی چاہئے؟۔ قاصد نے کہا: ''مالک! کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ تو جنگ فتح کرے اور باغی سپاہی امیر المؤمنینؑ کو دشمن کے حوالے کر دیں یا انہیں قتل کر دیں؟''۔ مالک نے کہا: ''معاذ اللہ! میں ایسا ہرگز پسند نہیں کر سکتا''۔ قاصد نے کہا: ''تو پھر خدارا! آپ اس جنگ کو ختم کریں ورنہ باغی قسم کھا کر کہہ چکے ہیں کہ اگر مالک واپس نہ آیا تو وہ حضرتؑ کو ایسے ہی قتل کریں گے جیسا انہوں نے ابن عفان کو قتل کیا تھا یا پھر گرفتار کر کے دشمن کے حوالے کر دیں گے''۔ مالک یہ سن کر کف افسوس ملتے ہوئے واپس آئے اور آ کر کہا: ''اے ذلت و

پستی کو قبول کرنے والو! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب تم لوگ شامیوں پر غالب آئے تو انہوں نے صرف تمہیں دھوکا دینے کے لئے قرآن کو بلند کیا ہے۔ جب کہ ان لوگوں نے احکام خداوندی کو چھوڑا ہوا ہے اور صاحب قرآن کی سنت کو ترک کر دیا ہے۔ تم ان کے پھندے میں مت آؤ۔ مجھے کچھ دیر کی مہلت دو، میں سمجھتا ہوں کہ فتح قریب ہے''۔ انہوں نے کہا: ''ہم تجھے مہلت نہیں دیں گے''۔ مالک نے کہا: ''تو پھر مجھے ایک مرتبہ گھوڑا دوڑانے کی مہلت دے دو، مجھے نصرت خداوندی کی امید ہے''۔ باغیوں نے کہا: ''ہم تجھے ایک لمحہ کی بھی مہلت نہیں دے سکتے۔ اگر ہم نے تجھے اجازت دی تو پھر اس گناہ میں ہم تیرے شریک قرار پائیں گے''۔ مالک نے کہا: ''کم بختو! مجھے یہ بتاؤ اب تک جو تم نے شامیوں سے جنگ کی ہے اور جس جنگ میں ہمارے صاحبان فضل قتل ہوئے ہیں، تو کیا تم اس وقت باطل پر تھے اور اب جنگ چھوڑ کر تم نے حق کی پیروی کی ہے؟''۔ باغیوں نے کہا: ''اشتر! جانے دو۔ ہم نے کتاب خدا کے تحت ان سے جنگ کی اور اب اللہ کی رضا کے لئے جنگ سے دست کش ہوئے ہیں۔ ہم تیری پیروی کرنے پر آمادہ نہیں ہیں''۔ مالک نے کہا: ''خدا کی قسم! تم نے دھوکا کھایا۔ شامیوں نے تمہیں جنگ روکنے کی دعوت دی تو تم نے جنگ سے ہاتھ اٹھا لئے۔ اے سیاہ پیشانیوں والے لوگو! ہم تمہاری نمازیں دیکھ کر سمجھتے تھے کہ تم دنیا سے بے رغبت ہو اور ملاقات خداوندی کے خواہش مند ہو۔ اور اب تم جنگ سے فرار صرف اس لئے کر رہے ہو کہ تمہیں دنیا عزیز ہے۔ اے غلاظت خور اونٹنیوں جیسے لوگو! آج کے بعد تم پھر کبھی عزت نہ دیکھ سکو گے۔ دور ہو جاؤ جیسے ظالم قومیں دور ہوئیں''۔ باغیوں نے مالک کے گھوڑے کے منہ پر چابک مارا اور مالک نے بھی ان کی سواریوں کو چابک رسید کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ آپس میں مت لڑو۔

مالک نے حضرت سے عرض کی: ''آپ اپنے وفاداروں کو حکم دیں کہ وہ جنگ جاری رکھیں''۔ باغی سپاہی یہ سن کر چیخنے لگے کہ نہیں علیؑ تحکیم پر راضی ہو چکے ہیں۔ وہ قرآن کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں۔ مالک نے کہا: ''اگر امیر المؤمنینؑ راضی ہیں تو میں بھی راضی ہوں''۔ اور حضرتؑ خاموش ہو کر یہ سب کچھ سنتے رہے اور سر جھکائے زمین کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: ''لوگو! کل تک تو میں تمہارا امیر تھا لیکن اب میں تمہارا مامور بن چکا ہوں اور کل تک میں تمہیں روکا کرتا تھا اور آج تم مجھے روک رہے ہو۔ (کل تک میں تمہیں امر و نہی کرتا تھا اور آج تم مجھے امر و نہی کر رہے ہو)۔ اب جب کہ تم دنیاوی بقا سے محبت کرتے ہو تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف جنگ میں کیسے روانہ کر سکتا ہوں''۔

المختصر اب یہ طے پایا کہ دونوں فریق میں سے ایک ایک حَکَم منتخب کیا جائے تا کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق خلافت کا فیصلہ کریں۔ معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص قرار پایا اور حضرتؑ کی طرف سے لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری کا نام پیش کیا۔ حضرتؑ نے اس غلط انتخاب کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ''اگر تم نے تحکیم کے بارے میں میرا حکم نہیں مانا تو اتنا تو کرو کہ ابوموسیٰ کو حَکَم نہ بناؤ یہ بھروسے کا آدمی نہیں ہے یہ پہلے بھی لوگوں کو میری امداد سے روکتا رہا ہے۔ اس کے بجائے یہ عبداللہ بن عباس ہیں، یہ مالک اشتر ہیں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو''۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور اسی کے نام پر اڑ گئے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اچھا جو چاہو کرو۔ مگر وہ دن دور نہیں ہے کہ جب تم اپنی بے راہ روی پر اپنے ہی ہاتھ کاٹو گے''۔ حَکَمَین کی نامزدگی کے بعد جب عہد نامہ لکھا جانے لگا تو حضرت علیؑ بن ابی طالب کے اسم گرامی کے ساتھ امیر المؤمنین لکھا گیا۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ اس لفظ کو مٹا دیا جائے۔ اگر ہم انہیں امیر المؤمنین سمجھتے تو ان سے جنگ کیوں کرتے؟۔ حضرتؑ

نے پہلے تو اسے مٹانے سے انکار کر کیا اور جب وہ کسی طرح سے نہ مانے تو اسے مٹا دیا اور کہا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے واقعہ سے بالکل ملتا جلتا ہے کہ جب کفار کا نمائندہ سہیل بن عمرو اس پر بضد ہو گیا کہ اگر ہم آپؐ کو رسولؐ مانتے تو آپؐ سے جنگ ہی کیوں کرتے۔ لہٰذا لفظ رسولؐ اللہ مٹا کر صرف اپنا نام محمدؐ بن عبداللہ لکھیں۔ اس وقت رسولؐ اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ علیؑ! عہد نامہ سے لفظ رسولؐ اللہ مٹا دو اور اس کے باوجود بھی میں اللہ کا رسولؐ رہوں گا۔ اس وقت میں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ آقاؐ! میرا دل برداشت نہیں کرتا کہ آپؐ کے نام سے رسولؐ اللہ کے الفاظ کاٹوں۔ تو اس وقت حضورؐ نے خود رسولؐ اللہ کے الفاظ کاٹ دیئے تھے اور فرمایا تھا کہ علیؑ! جس طرح آج میرے نام سے رسولؐ اللہ کے الفاظ کٹوائے گئے ہیں اسی طرح ایک دن تیرے نام سے امیر المؤمنینؑ کے الفاظ بھی کٹوائے جائیں گے۔ چنانچہ رسولؐ خدا کا وہ فرمان آج پورا ہو رہا ہے۔ اس پر عمرو بن عاص نے بگڑ کر کہا: ''کیا آپؑ ہمیں کفار کی طرح سمجھتے ہیں؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تمہیں کس دن ایمان والوں کے ساتھ لگاؤ رہا ہے اور کب تم ان کے ہم نوا رہے ہو؟''۔

بہر صورت اس قرارداد کے بعد لوگ منتشر ہو گئے۔ اور قرارداد میں یہ عبارت تحریر کی گئی کہ فریقین حکم خداوندی کی پیروی کریں گے۔ اور اس کے لئے قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کی جائے گی۔ اور حَکَمین کے لئے ضروری ہوگا کہ جسے قرآن نے زندہ رکھا وہ اسے زندہ رکھیں گے اور جسے قرآن نے ختم کیا وہ اسے ختم کریں گے۔ ما بہ النزاع مسئلہ قرآن مجید میں موجود ہوا تو حکمین اسے تلاش کر کے اس کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اور اگر اختلافی مسئلہ کا حل قرآن مجید میں موجود نہ ہوا تو حکمین ''سنت جامعہ غیر مفرقہ'' کے مطابق مسئلہ کا حل تلاش کریں گے۔ اور اس محاکمہ کے حَکَم عمرو بن عاص اور عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ) اشعری ہوں گے۔ حکمین نے متحارب فریقوں سے اپنی جان و مال اور اہل و عیال کی سلامتی کی ضمانت لی اور یہ قرار پایا کہ ایک سال تک حکمین اپنا حق و انصاف پر مبنی فیصلہ سنائیں گے اور اگر وہ سال سے پہلے بھی اپنا فیصلہ سنانا چاہیں تو وہ اس کے مجاز ہوں گے۔ اور اس تمام عرصہ میں فریقین ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ اور حکمین اپنا فیصلہ عراق و شام کے درمیانی شہر دومۃ الجندل میں سنائیں گے۔ قرارداد کے آخر میں حضرتؑ کی طرف سے دس گواہوں نے اپنی گواہی تحریر کی اور اتنے ہی افراد نے معاویہ کی طرف سے اپنی گواہی تحریر کی۔ جب معاہدہ کی عبارت شامیوں کو سنائی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم راضی ہیں۔ اور جب یہ عبارت عراقیوں کو سنائی گئی تو ان میں سے کچھ افراد نے اس وقت ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ'' کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ علیؑ نے حکم مقرر کر کے نص قرآنی کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور ہم نے بھی علیؑ کو تحکیم پر مجبور کر کے غلطی کی ہے۔ اب ہم اپنی غلطی کی توبہ کرتے ہیں اور علیؑ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی ہماری طرح توبہ کریں۔ اگر وہ توبہ کر لیتے ہیں تو ہم ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں ورنہ ہم علیؑ سے جنگ کریں گے۔ چنانچہ یہی فرقہ بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوا۔ کسی نے حضرتؑ سے کہا کہ اشتر اس معاہدہ پر راضی نہیں ہے۔ وہ ہر قیمت پر جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا: ''ایسی بھی بات نہیں ہے۔ اشتر مجھ سے کبھی انحراف نہیں کر سکتا۔ وہ ہر حال میں میری اتباع کرنے والا ہے۔ کاش تمہارے اندر اشتر جیسے دو افراد ہوتے۔ اے کاش! اس جیسا تم میں ایک بھی ہوتا تو میں تمہارے کچھ کج رویّوں کی اصلاح کی امید کرتا''۔ بعد ازاں فریقین نے اپنے اپنے مقتولین کو دفن کیا۔ پھر حضرت علیؑ اپنے لشکر کو لے کر کوفہ چلے گئے اور معاویہ بھی اپنے لشکر سمیت دمشق روانہ ہو گیا۔

عبداللہ بن عباس نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا: ''ابوموسیٰ! اہل عراق نے تجھے افضل و برتر سمجھ کر تیرا انتخاب نہیں کیا چونکہ تو نہ تو سابقین اولین میں سے ہے اور نہ ہی اسلامی تاریخ میں تیرا کوئی بڑا کردار ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عراقی یہ چاہتے تھے کہ حَکَم کا تعلق یمن سے ہو اور اتفاق سے تو یمنی ہے۔ اور تجھے یہ بات ہر وقت ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ تیرا واسطہ عرب کے بہت بڑے شاطر سے ہے۔ اور تجھے اس حقیقت کا علم ہے کہ معاویہ کسی طور بھی خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اور مجھے تیرے متعلق یہ خطرہ ہے کہ عمرو بن عاص کہیں تجھ سے اپنے باطل کو تسلیم نہ کرالے۔ ابوموسیٰ! تجھے اس بات کا علم ہے کہ معاویہ کا تعلق گروہ ''طلقاء'' سے ہے اور اس کا باپ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ معاویہ کسی شوریٰ اور بیعت کے بغیر خلافت کا طالب ہے۔ اور اگر معاویہ کا نمائندہ تیرے سامنے یہ دلیل پیش کرے کہ معاویہ کو عمر اور عثمان نے شام کا عامل مقرر کیا تھا تو تم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے اور بھی بہت سے لوگوں کو عامل بنایا تھا تو کیا ان کے مقرر کردہ تمام عُمال کو مسند خلافت پر فائز کر دیا جائے۔ اور اگر علیؑ کی تمام فضیلتیں تجھے بھول بھی جائیں تو کم از کم اس بات کو ذہن میں ضرور رکھنا کہ علیؑ کی بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر کی بیعت کی تھی۔ اور عمرو بن عاص کی کسی خوشامد سے متاثر نہ ہونا۔ وہ بظاہر تیرا احترام کرے گا اور فیصلہ میں وہ پہلا اعلان بھی وہ تم سے کرائے گا۔ لیکن خبردار! اس کے اس جال میں مت پھنسنا۔ اگر تم ایک نکتہ پر جمع بھی ہو جاؤ تو تم اعلان میں کبھی پہل نہ کرنا اسی سے پہلے اعلان کرانا۔ اور اگر تم نے میری باتوں کو اپنے ذہن میں رکھا تو بہت سی ہلاکتوں سے بچ جاؤ گے''۔

ابوموسیٰ نے کہا: ''خدا تم پر رحم کرے۔ علیؑ میرے بھی امام ہیں اور میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں اور مجھے حق بات معاویہ اور اس کے گماشتوں سے زیادہ عزیز ہے''۔ اسی دوران ابوموسیٰ کے ایک دوست نجاشی شاعر نے بھی چند اشعار لکھ کر ابوموسیٰ کے پاس بھیجے جس میں شاعر نے ابوموسیٰ کو عمرو بن عاص سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

حَکَمین کی دومۃ الجندل آمد اور ناانصافی

نصر بن مزاحم اپنی تالیف کتاب الصفین میں تحریر کرتے ہیں کہ شریح بن ہانی نے ابوموسیٰ اشعری کو خوبصورت لباس پہنا کر دومۃ الجندل روانہ کیا۔ اس موقعہ پر اعورشنی نے شریح کو مخاطب کر کے یہ شعر کہے تھے:

زَفَفْتَ ابْنَ قَيْسٍ لِبَاسَ الْعَرُوْسِ ... شُرَيْحٌ اِلٰى دَوْمَةِ الْجَنْدَلِ

وَ مَا الْاَشْعَرِيُّ بِذِیْ اِرْبَةٍ ... وَ لَا صَاحِبِ الْخَطَّةِ الْفَيْصَلِ

وَ لَا آخِذًا حَظَّ اَهْلَ الْعِرَاقِ ... وَ لَوْ قِيْلَهَا خُذْهُ لَمْ يَفْعَلِ

يُحَاوِلُ عَمْرًا وَ عَمْرٌو لَهٗ ... خَدَائِعَ يَأْتِیْ بِهَا مِنْ عَلِ

شُریح نے ابوموسیٰ کو دلہن کی طرح بناؤ سنگھار کر کے دومۃ الجندل روانہ کیا۔ اشعری نہ تو عقل مند ہے اور نہ ہی فیصلہ کرنے کے لائق ہے۔ اور وہ اہل عراق کا حق وصول کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر اسے کہا بھی جائے کہ حق لے لے تو پھر بھی وہ ایسا کرنے والا نہیں ہے۔ وہ عمرو سے بحث کرے گا جب کہ عمرو کے پاس ایسے مکر موجود ہیں کہ وہ اسے بلندی سے زمین پر لے آئے گا۔

جب شریح نے مذکورہ اشعار سنے تو کہنے لگا کہ لوگوں نے ابوموسیٰ کو قبل از وقت ہی برا کہنا شروع کر دیا ہے اور اس کے متعلق ابھی سے بدگمانی ہونے لگی ہے۔ سب کے آخر میں احنف بن قیس نے ابوموسیٰ سے ملاقات کی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کہا: ''ابوموسیٰ! اس امر کی اہمیت کو سمجھو اور اس کے بعد کے مضمرات پر بھی نظر رکھو۔ اگر تم نے آج عراق کو ضائع کر دیا تو عراق تباہ ہو جائے گا۔ خدا کا تقویٰ پیش نظر رکھنا اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تمہارے لئے دین و دنیا کی سعادت جمع کر دے گا۔ اور کل جب تیری ملاقات عمرو سے ہو تو تم اسے سلام نہ کرنا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سلام کرنا سنت ہے لیکن تمہیں اس لئے منع کرتا ہوں کہ وہ سلام کے لائق ہی نہیں ہے۔ اور اس سے ہاتھ نہ ملانا کیونکہ تمہارا ہاتھ کسی کا امین ہے اور اگر عمرو تجھے صدر مجلس میں بٹھائے تو مت بیٹھنا وہ اس کا فریب ہوگا۔ اور جب بھی اس سے ملنا تو اس وقت ملنا جب وہ اکیلا ہو۔ اور کسی ایسے گھر میں اس سے ملاقات نہ کرنا جہاں پردہ آویزاں ہو وہ پردے کے پیچھے اپنے آدمی بٹھائے ہوئے ہوگا''۔ احنف بن قیس کے سامنے ابوموسیٰ نے اپنے دل میں پوشیدہ بغض علیؑ کا اظہار کیا۔ احنف نے اس سے کہا: ''اگر خدانخواستہ تیری رائے علیؑ کے متعلق قائم نہ رہ سکے تو پھر فیصلہ یہ کرنا عراقی شام کے جس قرشی کی چاہیں بیعت کر لیں۔ یا اس کے برعکس یہ فیصلہ کرنا کہ شامی اہل عراق میں سے جس قرشی کی چاہیں بیعت کر لیں''۔ اس سے ملاقات کرنے کے بعد احنف بن قیس حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اس شخص نے پہلے ہی اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر دیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم ایسے شخص کو اپنا حَکَم بنا چکے ہیں جو ہر قیمت پر آپؑ کو خلافت سے معزول کرے گا۔

حَکَمین دومۃ الجندل میں آئے اور کئی دن تک انہوں نے پراسرار خاموشی اپنے اوپر طاری رکھی۔ معاویہ کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں عمرو بن عاص اسے ہاتھ نہ دکھا جائے۔ اس نے عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور مغیرہ بن شعبہ سے مشورہ کیا کہ ابھی تک حکمین کے کسی فیصلے کی ہمیں اطلاع نہیں ملی۔ کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ نابغہ کا بیٹا مجھے دھوکا دے جائے۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ اگر میں آپ کی مدد کر سکتا تو ضرور کرتا البتہ میں خود دومۃ الجندل جاتا ہوں اور دونوں سے مل کر آپ کو اس کا نتیجہ بتا سکتا ہوں۔ پھر مغیرہ دومۃ الجندل آیا اور ابوموسیٰ اشعری سے ملاقات کر کے اس سے پوچھا: ''یہ بتائیں آپ اس شخص کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں جو اس جنگ میں بالکل غیر جانبدار رہا ہو یعنی نہ تو علیؑ کی حمایت کی ہو اور نہ ہی معاویہ کی حمایت کی ہو؟''۔ یہ سن کر ابوموسیٰ نے کہا: ''میری نظر میں وہ بہترین شخص ہے جس نے اپنا دامن خون آلود ہونے سے بچایا اور اپنے شکم کو لوگوں کے مال سے محفوظ رکھا''۔ اس کے بعد وہ عمرو بن عاص کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی سوال کیا تو اس نے بلا تامل جواب دیا: ''ایسا شخص بدترین فرد ہے کیونکہ اس نے حق کی مدد نہیں کی اور باطل کی مخالفت نہیں کی''۔ بعد ازآں مغیرہ بن شعبہ سیدھا معاویہ کے پاس آیا اور آ کر کہا: ''میں نے دونوں افراد کو چکھ لیا ہے۔ ابوموسیٰ، علیؑ کو خلافت سے معزول کرے گا اور وہ عبداللہ بن عمر کی خلافت کا خواہش مند ہے اور عمرو بن عاص بدستور تیرا وفادار ہے''۔

حَکَمین کے مذاکرات

ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی ملاقات ہوئی۔ ابوموسیٰ نے عمرو بن عاص سے کہا: ''اگر تو میری حمایت کرے تو اس سے امت

کی بھلائی ہوگی اور نیک لوگ ہم سے راضی ہو جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ خلافت کی مسند پر عبداللہ بن عمر کو فائز کر دیں کیونکہ وہ اس فتنہ میں کسی بھی لحاظ سے داخل نہیں ہوا''۔ جب حکمین یہ گفتگو کر رہے تھے تو عمرو بن عاص کا بیٹا عبداللہ اور عبداللہ بن زبیر قریب بیٹھے ہوئے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ ابوموسیٰ کی یہ بات سن کر عمرو بن عاص نے کہا: ''آخر معاویہ کو ہی کیوں نہ خلافت دی جائے؟''۔ ابوموسیٰ نے کہا: ''ہرگز نہیں! وہ اس کے لائق نہیں ہے''۔ عمرو بن عاص نے کہا: ''کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ عثمان مظلوم ہو کر مارے گئے؟''۔ ابوموسیٰ نے کہا: ''ہاں یہ درست ہے''۔ عمرو بن عاص نے کہا: ''معاویہ تو خون عثمان کا دعویدار ہے اور قرآن مجید نے وارث کو غلبہ عطا کرنے کا اعلان کیا ہے ﴿وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا﴾ جو کوئی مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار و غلبہ دیا ہے۔ اور علاوہ ازیں تجھے یہ بھی علم ہے کہ قریش میں معاویہ کے گھرانے کا بڑا مقام ہے۔ ہاں میں سمجھتا ہوں کہ تو اس لئے معاویہ کو خلیفہ نہیں بنانا چاہتا کہ لوگ تجھ پر اعتراض کریں گے کہ تو نے اس کو خلیفہ بنایا ہے جس کی اسلامی خدمات کچھ نہیں ہیں۔ تو تم ان لوگوں کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ میں نے اس اس لئے خلیفہ بنایا ہے کیونکہ وہ مظلوم خلیفہ کا وارث ہے اور اس کے قصاص کا طالب ہے۔ وہ حسن سیاست اور حسن تدبیر رکھنے والا ہے اور ام المؤمنین ام حبیبہ کا بھائی ہے۔ اور حضورؐ اکرم کا صحابی ہے۔ اور اگر تو نے معاویہ کو خلافت دینے کا اعلان کر دیا تو وہ اپنے دربار میں تیری اتنی عزت کرے گا جو اس نے پہلے کسی کی نہ کی ہوگی''۔ ابوموسیٰ نے کہا: ''خدا کا خوف کرو۔ خلافت کا تعلق دولت و امارت سے نہیں ہے۔ خلافت تو اہل فضل اور اہل دین کا حق ہے۔ اگر میں قریش کے کسی بڑے گھرانے کو مدنظر رکھ کر خلافت کا فیصلہ کرتا تو پھر میں علیؑ بن ابی طالب کا ہی فیصلہ کرتا۔ میں معاویہ کو وارث عثمان سمجھ کر بھی خلافت دینے پر راضی نہیں ہوں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مہاجرین اور سابقین اولین کو چھوڑ کر معاویہ کو خلافت پر فائز کیا جائے؟''۔ اور علاوہ ازیں تم مجھے رشوت کی لالچ دے کر فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر تو میرا ساتھ دے تو عبداللہ بن عمر کو ہی خلیفہ نامزد کر دیتے ہیں''۔ عمرو بن عاص نے کہا: ''اگر تو کسی کو دیندار سمجھ کر خلیفہ نامزد کرنا چاہتا ہے تو پھر میرے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتا؟''۔ ابوموسیٰ نے کہا: ''بات یہ ہے کہ تیرا بیٹا بھی اچھا ہے لیکن مگر تو نے اسے اپنے ساتھ غلط کاموں میں ملوث کر دیا ہے''۔ ابوموسیٰ نے پھر کہا: ''پھر ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ سنت عمر کو دوبارہ زندہ کر دیں۔ ہم علیؑ اور معاویہ دونوں کو بیک وقت معزول کر دیں اور امت کو اختیار دیں کہ وہ جسے چاہے اپنا خلیفہ نامزد کر لے''۔ عمرو بن عاص نے کہا: ''واقعی یہ بہترین رائے ہے۔ اس سے سنت عمر زندہ ہوگی اور لوگوں کو انتخاب کا حق مل جائے گا''۔ پھر دونوں متفق ہو کر باہر آئے۔

ان کا فیصلہ سننے کے لئے دور دراز مقامات سے لوگ آئے ہوئے تھے اور بڑی بے تابی سے ان کے اعلان کے منتظر تھے۔ اور کوفہ و شام سے بھی چند لوگ اعلان سننے کی غرض سے جمع تھے۔ عمرو بن عاص نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ابوموسیٰ سے کہا کہ میں آپ پر سبقت کرنا سوء ادب سمجھتا ہوں اور آپ سن و سال کے لحاظ سے بھی بزرگ ہیں لہٰذا پہلے آپ اعلان فرمائیں۔ چنانچہ ابوموسیٰ جھانسے میں آ گئے اور جھومتے ہوئے مجمع کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''اے مسلمانو! ہم نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ علیؑ بن ابی طالب اور معاویہ کو معزول کر دیا جائے اور انتخاب خلافت کا حق مسلمانوں کو دے دیا جائے۔ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں''۔ اور یہ کہہ کر وہ بیٹھ گئے۔ اب عمرو بن عاص کی باری آئی اور اس نے کہا: ''مسلمانو! تم نے سن لیا کہ ابوموسیٰ نے علیؑ بن ابی طالب کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی

اس سے متفق ہوں۔ رہا معاویہ تو اس کے معزول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں اسے اس جگہ پر نصب کرتا ہوں''۔ یہ کہنا تھا کہ ہر طرف شور مچ گیا ابوموسیٰ چیخے چلائے کہ یہ دھوکا ہے فریب ہے اور عمرو بن عاص سے کہا کہ تم نے چالبازی سے کام لیا ہے اور تمہاری مثال اس کتے کی سی ہے جس پر کچھ لادو تب بھی ہانپے گا اور چھوڑ دو تب بھی ہانپے گا۔ عمرو بن عاص نے کہا: ''تمہاری مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں''۔ غرض عمرو بن عاص کی چالاکی کام کر گئی اور معاویہ کے اکھڑے ہوئے قدم پھر سے جم گئے۔ امیر المؤمنینؑ کو جب تحکیم کے اس افسوسناک نتیجے کی اطلاع ملی تو آپؑ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا جس کے لفظ لفظ سے آپؑ کا اندوہ وقلق جھلک رہا ہے اور ساتھ ہی آپؑ کی صحت فکر ونظر، اصابت رائے اور دوررس بصیرت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ (ملخصاً بقدر الحاجۃ)

خطبہ ۳۶

اہل نہروان کو انجام کی وعید

فَاَنَا نَذِيْرٌ لَّكُمْ اَنْ تُصْبِحُوْا صَرْعٰى بِاَثْنَاءِ هٰذَا النَّهْرِ وَ بِاَهْضَامِ هٰذَا الْغَائِطِ عَلٰى غَيْرِ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ مَّعَكُمْ قَدْ طَوَّحَتْ بِكُمُ الدَّارُ وَ احْتَبَلَكُمُ الْمِقْدَارُ وَ قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ هٰذِهِ الْحُكُوْمَةِ فَاَبَيْتُمْ عَلَيَّ اِبَاءَ الْمُخَالِفِيْنَ حَتّٰى صَرَفْتُ رَاْيِيْ اِلٰى هَوَاكُمْ وَ اَنْتُمْ مَعَاشِرُ اَخِفَّاءُ الْهَامِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ وَ لَمْ آتِ لَا اَبَا لَكُمْ بُجْرًا وَ لَا اَرَدْتُ لَكُمْ ضُرًّا

میں تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ تم لوگ اس نہر کے موڑوں اور اس نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہوئے ہو گے۔ اس عالَم میں کہ نہ تمہارے پاس اللہ کے سامنے (عذر پیش کرنے کے لئے) کوئی واضح دلیل ہوگی نہ کوئی روشن ثبوت۔ اس طرح کہ تم اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے اور پھر قضائے الٰہی نے تمہیں اپنے پھندے میں جکڑ لیا میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس تحکیم سے روکا تھا لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے مخالف پیمان شکنوں کی طرح انکار کر دیا یہاں تک کہ مجبوراً مجھے بھی اپنی رائے کو ادھر موڑنا پڑا جو تم چاہتے تھے۔ تم ایسا گروہ ہو جس کے افراد کے سر عقلوں سے خالی اور فہم ودانش سے عاری ہیں۔ خدا تمہارا برا کرے۔ میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے اور نہ تمہارا برا چاہا تھا۔

تشریح لغت (اَلنَّهْرَوَانَ) نون اور راء کی فتحہ کے ساتھ، بعض لوگ اسے نون کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ بغداد سے بارہ میل کے فاصلہ پر نہر کے نشیبی حصہ میں واقع ہے۔ (صَرْعٰى) صَرِيْعٌ کی جمع قتل ہو کر گرنے والا۔ (اَثْنَاءٌ) ثِنِيٌّ کی جمع معنی موڑ، بعض نسخوں میں (اَثْنَاءٌ) کے بجائے (اَكْنَافٌ) وارد ہے اور وہ (كَنَفٌ) کی جمع ہے جس کا معنی ہے کنارہ۔ (اَلْاَهْضَامُ) هَضْمٌ کی جمع اور ھاء پر فتحہ پڑھا جاتا ہے اور کبھی کسرہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ وادی کی ہموار زمین۔ (اَلْغَائِطُ) نشیبی زمین۔ (طَوَّحَتْ) طَاحَ يَطُوْحُ يَايَطِيْحُ سے مزید فیہ ہے۔ مجرد کا معنی ہے ہلاک ہوا، گر گیا۔ طَوَّحَتْهُ الطَّوَائِحُ کا معنی ہے اسے حوادث نے پھینکا۔ (اِحْتَبَلَ) الْقَيْدَ اس نے شکار کو جال

میں پھنسالیا۔(اُحْبُوْلَۃٌ) جال۔(اَلْمِقْدَارُ) قضاءوقدر۔(اَلْھَامَۃُ) سر،جمع ھَامٌ۔(اَلْبُجُرُ) باء کے ضمہ اور جیم کے سکون کے ساتھ، مصیبت اور شر۔بعض نسخوں میں (ھُجُرًا) وارد ہے جس کے معنی ہیں گرا ہوا کلام۔اور بعض نسخوں میں نکراً وارد جس کے معنی برائی ہیں اور بعض نسخوں میں (عِرًّا) کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور اس کے معنی گناہ کے ہیں۔علاوہ ازیں (عِر) اونٹوں کی ایک بیماری ہے اور (استعارۃً) اسے مصیبت کے لئے بولا جاتا ہے۔

تشریح

شرح معتزلی میں محمد بن حبیب سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے نہر کے کنارے کھڑے ہوکر خوارج سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:''نَحْنُ اَھْلُ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَ مَوْضِعُ الرِّسَالَۃِ وَ مُخْتَلَفُ الْمَلَآئِکَۃِ وَ عُنْصُرُ الرَّحْمَۃِ وَ مَعْدِنُ الْعِلْمِ وَ الْحِکْمَۃِ نَحْنُ اُفُقُ الْحِجَازِ بِنَا یَلْحَقُ الْبَطِیْءُ وَ اِلَیْنَا یَرْجِعُ التَّائِبُ ''ہم خاندان نبوت، پیغام الٰہی کا مقام، ملائکہ کے آمدورفت کی جگہ، رحمت کا عنصر اور علم و حکمت کی کان ہیں۔ہم ہی حجاز کا افق ہیں اور آہستہ رو ہم سے آکر ملتا ہے اور لوٹ کر آنے والا ہماری جانب رجوع کرتا ہے۔(اَیُّھَا الْقَوْمُ فَاِنَا نَذِیْرٌ لَّکُمْ اَنْ تُصْبِحُوْا صَرْعیٰ بِاَثْنَاءِ ھٰذَا النَّھْرِ وَ بِاَھْضَامِ ھٰذَا الْغَائِطِ عَلٰی غَیْرِ بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ و سُلْطَانٍ مُّبِیْنٍ مَّعَکُمْ)اے لوگو! میں تمہیں خبردار کررہا ہوں کہ تم لوگ اس نہر کے موڑوں اور اس نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہوکر گرے ہوئے ہوگے۔اور اس حالت میں تمہارے پاس کوئی شرعی حجت اور عقلی برہان موجود نہیں ہوگی جس کی بنیاد پر تم نے مجھ سے جنگ روا رکھی ہے۔(قَدْ طَوَّحَتْ بِکُمُ الدَّارُ وَ احْتَبَلَکُمُ الْمِقْدَارُ)اس طرح کہ وطن نے تمہین باہر پھینک دیا ہے اور تقدیر نے تمہیں پوری طرح سے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔جس کی گرفت سے تم کو آزادی نصیب نہیں ہوگی۔(وَ قَدْ کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ ھٰذِہِ الْحُکُوْمَۃِ)اور میں نے تمہیں اس تحکیم سے روکا تھا اور میں اس پر پہلے ہی راضی نہ تھا۔(فَاَبَیْتُمْ عَلَیَّ اِبَاءَ الْمُخَالِفِیْنَ الْمُنَابِذِیْنَ)لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے اس طرح انکار کیا جس طرح سے پیمان شکن مخالف انکار کرتے ہیں۔(حَتّٰی صَرَفْتُ رَأْیِیْ اِلیٰ ھَوَاکُمْ)یہاں تک کہ مجھے مجبوراً اپنی رائے کو تمہاری خواہش کی طرف موڑنا پڑا۔میں تو کسی طور پر بھی تحکیم پر رضامند نہیں تھا مگر تم اسے کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ان الفاظ میں حضرتؑ نے اپنے نظریہ کو''رائے''اور مخالفت کرنے والوں کے نظریہ کو''ھواء''سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے نظریہ کی اصابت اور مخالفین کے نظریہ کے بطلان کی جانب اشارہ کیا ہے۔(وَ اَنْتُمْ مَعَاشِرُ اَخِفَّاءُ الْھَامِ)اور تم ایسا گروہ ہو جن کے افراد کے سر عقلوں سے خالی ہیں اور ایک رائے پر قائم رہنا تمہارے لئے دشوار ہے۔(سُفَھَاءُ الْاَحْلَامِ)تم فہم و دانش سے عاری گروہ ہو۔تم عقل کامل سے بالکل تہی دامن ہو، کیونکہ کل تک تم تحکیم کے شدومد سے حامی تھے اور آج اسی تحکیم کو کفر قرار دے رہے ہو۔یہی تحکیم کل تک تو منفعت اور آج تمہارے لئے نزدیک نقصان دہ قرار پائی ہے۔(وَ لَمْ آتِ لَا اَبَالَکُمْ بُجْرًا وَ لَا اَرَدْتُ لَکُمْ ضُرًّا)خدا تمہارا برا کرے۔میں نے نہ تمہیں کسی مصیبت میں پھنسایا ہے اور نہ ہی تمہارا برا چاہا ہے۔یہ مصیبت میری لائی ہوئی ہرگز نہیں ہے۔یہ مصیبت تو تمہاری بے تدبیری اور قلت عقل کی پیدا کردہ ہے۔جب تم نے مجھے تحکیم پر مجبور کردیا تو بادل نخواستہ میں نے اسے منظور کیا تھا۔اب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تحکیم خیر و منفعت کی حامل نہیں تھی بلکہ

ضرر ونقصان کا موجب تھی۔

اس خطبہ کے متعلق ہم دو تبصروں میں اپنی بحث کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

تبصرہ اول در کفر خوارج

اس فصل میں ہم خوارج سے قتال اور ان کے کفر کے متعلق خاتم الانبیاء ﷺ کی چند احادیث کتب عامہ وخاصہ سے نقل کریں گے۔امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابوسعید خدری اور انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اِخْتِلَافٌ وَّ فُرْقَةٌ قَوْمٌ یُّحْسِنُوْنَ الْقِیْلَ وَ یُسِیْئُوْنَ الْفِعْلَ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیْهِمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدُّنْیَا کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ طُوْبیٰ لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَ قَتَلُوْهُ یَدْعُوْنَ اِلیٰ کِتَابِ اللّٰهِ وَ لَیْسُوْا مِنْهُ فِیْ شَیْءٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ کَانَ اَوْلیٰ بِاللّٰهِ مِنْهُمْ ''عنقریب میری امت میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہوگا۔ان میں ایک گروہ ایسا ہوگا جو باتیں اچھی مگر عمل برے کرے گا۔اس فرقہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔وہ بدترین مخلوق ہیں۔جو انہیں مارے اور جس کو یہ ماریں اس کے لئے خوشخبری ہے۔وہ اللہ کے کتاب کی طرف دعوت دیں گے جب کہ ان کا کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔جو اُن سے جنگ کرے گا وہ ان کی نسبت خدا سے زیادہ قریب ہوگا۔

امام مسلم بن حجاج اپنی کتاب صحیح میں رقم طراز ہیں اور اسی روایت کو ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے اور ان دونوں نے زید بن وھب سے روایت کی ہے۔زید بن وھب کا بیان ہے کہ میں علیؑ کے لشکر میں موجود تھا۔حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا،انہوں نے فرمایا: ''یَخْرُجُ قَوْم مِنْ اُمَّتِیْ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَیْسَ قِرَائَتِکُمْ اِلیٰ قِرَائَتِهِمْ بِشَیْءٍ وَ لَا صَلَاتُکُمْ بِصَلَاتِهِمْ بِشَیْءٍ وَ لَا صِیَامُکُمْ اِلیٰ صِیَامِهِمْ بِشَیْءٍ یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهٗ لَهُمْ وَ هُوَ عَلَیْهِمْ لَا یُجَاوِزُ قِرَائَتُهُمْ تَرَاقِیْهِمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ لَوْ یَعْلَمُ الْجَیْشُ الَّذِیْنَ یُصِیْبُوْنَهُمْ مَا قَضیٰ لَهُمْ عَلیٰ لِسَانِ نَبِیِّهِمْ لَنَکَلُوْا عَنِ الْعَمَلِ ''میری امت میں ایک گروہ پیدا ہوگا جو اتنا قرآن پڑھیں گے کہ تمہاری قرأت ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہوگی اور تمہاری نمازیں،ان کی نمازوں کے مقابلے میں کچھ نہ ہوں گی اور تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ہوں گے۔وہ قرآن پڑھ کر یہ سمجھیں گے کہ قرآن ان کی تائید کر رہا ہے جب کہ قرآن ان کی مخالفت کرتا ہوگا۔اور ان کی قرأت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔اگر ان سے جنگ کرنے والے لشکر کو اپنی اس فضیلت کا علم ہو جائے جو اُن کے رسول ﷺ کی زبانی ان کے لئے صادر ہوئی ہے تو مزید نیک کام کرنے سے سستی کرنے لگیں۔اور ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کے ہاتھ پر پستان ہوگا اور اس پر سفید بال ہوں گے۔

سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب قتال الخوارج کی ایک اور حدیث یہ ہے کہ عبدالرزاق نے معمر سے،اس نے قتادہ سے اور اس نے انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی علامت سر منڈوانا ہوگی۔تم جب انہیں دیکھو تو ان کو قتل کر دو''۔

امالی شیخ میں عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْخَوَارِجُ کِلَابُ اَھْلِ النَّارِ'' خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ابوطفیل سے روایت ہے کہ ابن کوا نے امیر المؤمنینؑ سے پوچھا کہ اس آیت سے کون مراد ہیں؟ ﴿قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا﴾ کہہ دو کہ کیا ہم تم کو عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والوں کے متعلق نہ بتائیں؟۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا: ''یہ اہل حروراء ہیں''۔ پھر آپؑ نے پوری آیتیں پڑھ دیں ﴿اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ ھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ذٰلِکَ جَزَآؤُھُمْ جَھَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ ھُزُوًا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی سعی وکوشش سب اکارت ہوگئی اور وہ اس خام خیالی میں ہیں کہ یقیناً وہ اچھے اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ تو ان کا سب کیا کرایا اکارت ہوگیا، تو ہم ان کے لئے قیامت کے دن میزان حساب قائم ہی نہیں کریں گے (اور سیدھے جہنم میں جھونک دیں گے) یہ جہنم ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو ہنسی ٹھٹھا بنالیا۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان کی مہمانداری کے لئے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے ہلنے کی خواہش نہ کریں گے (کہف/۱۰۳تا۱۰۸)۔ ان آیات کی تلاوت کرنے کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''ان میں جن دوزخیوں کا ذکر ہوا ہے وہ خوارج ہیں اور اس کے بعد پھر فرمایا وہ تو اور تیرے اصحاب ہیں''۔ کیونکہ ابن کوا بھی خوارج سے تھا۔

قرآن مجید کی آیت ﴿یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ﴾ جس دن کچھ لوگوں کے چہرے تو سفید نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ۔ پس جن لوگوں کے منہ میں کالک ہوگی (ان سے کہا جائے گا) ہائیں کیوں؟ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے تھے۔ اچھا تو اب اپنے کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو (آل عمران/۱۰۶)۔ درج بالا آیت کے متعلق تفسیر فلکی میں ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس آیت سے خوارج مراد ہیں''۔ شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ خوارج سے جنگ کے ثواب کی روایات تواتر کی حد تک مروی ہیں۔

اسی سلسلے کی معتبر اور متفق حدیث میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسولؐ خدا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا جسے ذو الخویصرہ کہا جاتا تھا۔ اس نے آپؐ سے (نعوذ باللہ) گستاخانہ لہجے میں کہا: ''محمدؐ! عدل کرو''۔ حضورؐ نے فرمایا: ''میں نے عدل کیا ہے''۔ اس نے آپؐ سے دوبارہ (نعوذ باللہ) گستاخانہ لہجے میں کہا: ''محمدؐ! عدل کرو تم نے عدل نہیں کیا''۔ حضورؐ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟''۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں؟''۔ آپؐ نے فرمایا: ''رہنے دو۔ اس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہوگی جو دین سے ایسے نکل جائے گی جس طرح تیز تیر اپنے نشانہ کو پار کر کے نکل جاتا ہے۔ جب تیر کے سرے کو دیکھو گے تو اس پر کچھ بھی لگا ہوا نہیں ہوگا۔ یہ گروہ لوگوں کے بہترین گروہ کے خلاف خروج کرے گا۔ تمہاری نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر معلوم ہوں گی اور تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر نظر آئیں گے۔ وہ

قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کے ایک ہاتھ پر ایک پستان سا ہوگا یا ایک انڈہ سا ہوگا جو دبانے سے ادھر ادھر ہو جائے گا''۔بعض روایتوں میں مذکورہ روایت کا آخری حصہ یوں مروی ہے کہ وہ شخص حضور اکرم ﷺ پر اعتراض کر کے چلا گیا۔آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ جا کر اسے قتل کر دو۔حضرت ابوبکر تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور کہا:''وہ نماز پڑھ رہا تھا اس لئے میں نے اسے قتل نہیں کیا''۔پھر آپؐ نے حضرت عمر کو یہی حکم دیا۔کچھ دیر بعد حضرت عمر نے بھی وہی کچھ کہا جو حضرت ابوبکر نے کہا تھا۔پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ جا کر اسے قتل کر دو۔حضرت علیؑ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد واپس آ کر کہا:''یارسول اللہ ﷺ! وہ شخص میرے جانے سے پہلے کہیں چلا گیا تھا اور مجھے نہیں مل سکا''۔رسولؐ خدا نے فرمایا:''کاش! اگر وہ قتل ہو جاتا تو وہ پہلا اور آخری فتنہ ہوتا''۔

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں مسروق سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ایک دن مجھے کہا:''مسروق! تو میرا بیٹا ہے اور مجھے پیارا ہے۔کیا تجھے ''مخدج'' (ناقص بازو والے) کے متعلق کوئی علم ہے؟''۔میں نے کہا:''اسے حضرت علیؑ نے ایک نہر کے قریب قتل کیا جس کے بالائی حصے کو تأمرا اور نشیبی حصے کو نہروان کہا جاتا ہے اور اسے لحاقیق وطرفا کے درمیان قتل کیا گیا''۔بی بی عائشہؓ نے کہا:''اس کے لئے کوئی گواہ پیش کرو''۔مسروق کہتا ہے کہ میں بہت سے افراد کو اس واقعہ کے گواہ کے طور پر ام المؤمنینؓ کے دروازے پر لے گیا اور سب نے اس واقعہ کی گواہی دی۔میں نے ام المؤمنینؓ سے پوچھا:''آپؓ کو صاحب قبر (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کا واسطہ آپؓ نے اس کے متعلق رسولؐ اللہ سے کیا سنا تھا؟''۔بی بیؓ نے کہا:''میں نے رسالتمآب ﷺ سے سنا تھا کہ وہ بدترین خُلق اور بدترین اوصاف کا مالک ہوگا اور انہیں وہی قتل کرے گا جو بہترین خُلق اور بہترین اوصاف کا مالک ہوگا اور اللہ کا مقرب ہوگا''۔

تبصرہ دوم حضرتؑ کا احتجاج اور جنگ

شارح معتزلی کتاب الصفین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ صفین سے کوفہ آئے تو خوارج کوفہ کے قریب ایک صحرا میں جمع ہوئے جسے ''حروراء'' کہا جاتا ہے اور انہوں نے وہاں ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (وَ لَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ)'' کا نعرہ لگایا اور کہا کہ حَکَم تسلیم کر کے علیؑ و معاویہ نے شرک کا ارتکاب کیا ہے۔حضرتؑ نے ابن عباس کو ان سے بات چیت کرنے کے لئے ان کے پاس روانہ کیا۔ابن عباس ان سے گفتگو کر کے واپس آئے تو حضرتؑ نے ابن عباس سے پوچھا:''تم نے کیا دیکھا''۔ابن عباس نے کہا:''مجھے ان کی سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا ہیں!''۔حضرتؑ نے فرمایا:''کیا تم نے ان کو منافق پایا؟''۔ابن عباس نے کہا:''خدا کی قسم! ان میں منافقوں والی کوئی علامت موجود نہیں ہے۔ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں اور وہ قرآن کی تاویل کرتے ہیں''۔حضرتؑ نے فرمایا:''جب تک وہ کسی کو قتل نہ کریں اور کسی کے مال پر دست درازی نہ کریں انہیں کچھ نہ کہا جائے''۔حضرتؑ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم کیا چاہتے ہو؟۔انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اور وہ لوگ جو ہمارے ساتھ صفین میں موجود تھے سب کے سب خدا کے حضور توبہ کریں اور مسلسل تین راتیں جمع ہو کر توبہ کرتے رہیں۔پھر ہم لشکر لے کر معاویہ سے اس وقت تک جنگ کریں جب تک اللہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی نہ کوئی فیصلہ کر

دے۔حضرتؑ نے فرمایا:''تو تم نے اس وقت لڑنے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟''۔انہوں نے کہا:''اس وقت ہم شدت جنگ سے اکتا چکے تھے اور ہمارے جانور بھی تھکے ہوئے تھے اور ہمارا اسلحہ کند ہو چکا تھا''۔حضرتؑ نے فرمایا:''تو کیا ہم اب عہد شکنی کا ارتکاب کریں جب کہ رسول اللہ ﷺ مشرکین سے کئے ہوئے معاہدے کی پاسداری کرتے تھے''۔پھر خوارج حضرتؑ کے پاس مسجد میں آتے اور حضرتؑ کے پاس سے نکل کر اپنی جماعت کے پاس چلے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرتؑ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپؑ کے چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خارجی نے مسجد میں پکار کر کہا: ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (وَ لَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ)''خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے اگر چہ مشرکین کو یہ بات ناگوار گزرے۔مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو اس نے کہا:''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (وَ لَوْ کَرِہَ الْمُلْتَفِتُوْنَ)''خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے اگر چہ مڑ مڑ کر دیکھنے والوں کو یہ بات ناگوار گزرے۔حضرت علیؑ نے سر بلند کر کے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا: ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (وَ لَوْ کَرِہَ اَبُو الْحَسَنِ)''خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے اگر چہ ابوالحسن کو یہ بات ناگوار گزرے۔یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا:''ابوالحسن کو اللہ کا فیصلہ ناگوار نہیں ہے البتہ ابوالحسن تمہارے متعلق اللہ کے فیصلے کا منتظر ہے''۔لوگوں نے کہا:''مولاؑ! آپؑ ان پر حملہ کر کے انہیں فنا کیوں نہیں کر دیتے؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''یہ فنا نہیں ہوں گے بلکہ قیامت کے دن تک اس نظریہ کے لوگ باپ کی پشت اور ماؤں کے ارحام میں ہوں گے''۔

حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امیرؑ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے تو ابن کوا نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ آیت پڑھی ﴿وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبِطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ تیری جانب اور تجھ سے پہلوں کی جانب وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضرور تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار پائے گا (زمر/۶۵)۔جب ابن کوا اس آیت مجیدہ کو بلند آواز سے پڑھ رہا تھا تو حضرتؑ خاموش ہو گئے۔جب اس نے آیت مکمل کر لی تو آپؑ نے اپنی قرأت کو دوبارہ شروع کیا لیکن ابن کوا نے پھر بلند آواز سے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔آپؑ خاموش ہو کر آیت سنتے رہے،غرضیکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا۔پھر حضرتؑ نے یہ آیت پڑھی ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَ لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ﴾ پس تم صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ جو لوگ تمہاری تصدیق نہیں کرتے تمہیں بہکا کر خفیف کر دیں (روم/۶۰)۔اس کے بعد ابن کوا خاموش ہو گیا اور حضرتؑ نے قرأت مکمل فرمائی۔

مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ صفین سے کوفہ واپس آئے اور بہت سے خوارج آپؑ کے ساتھ کوفہ واپس آئے۔اور کچھ خوارج اپنے ساتھیوں سمیت مقام نُخَیلہ میں ٹھہر گئے۔بعد ازاں حرقوص بن زہیر سعدی اور زرعہ بن البرج الطائی جو کہ خوارج کے سرغنہ تھے، حضرتؑ کے پاس آئے۔حرقوص نے حضرتؑ سے کہا:''آپؑ اپنی غلطی سے توبہ کریں اور ہمیں ساتھ لے کر معاویہ کے ساتھ جنگ کے لئے چلیں''۔حضرتؑ نے فرمایا:''میں نے تو تمہیں پہلے ہی تحکیم سے منع کر دیا تھا مگر اس وقت تم نے میری بات نہ مانی اور اب اسے گناہ قرار دے رہے ہو؟۔دراصل یہ گناہ نہیں ہے یہ تو رائے کی عاجزی اور ضعف تدبیر ہے اور میں نے تمہیں اس سے مقدور بھر روکنے کی کوشش کی تھی''۔

زرعہ نے کہا اگر آپ نے توبہ نہ کی تو میں آپ کو رضائے خدا کے لئے قتل کر دوں گا۔

حضرت نے فرمایا: تیری بدبختی ہے اور تو بدنصیب ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو قتل ہو چکا ہے اور تیری لاش ہوا گرد و غبار ڈال رہی ہے۔

زرعہ نے کہا: میں بھی یہی کچھ چاہتا ہوں۔

حضرت مسجد میں خطبہ دینے کے لئے گئے تو مسجد کی ایک طرف سے لاحکم الا اللہ کے نعرے بلند ہوئے اور ایک شخص نے یہ آیت پڑھی ''وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ . لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْن ''(الزمر/۶۵) تیری جانب اور تجھ سے پہلے والوں کی طرف وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضرور تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار پائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی ''فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَایُوْقِنُوْن ''(الروم/۶۰) پس تم صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور (کہیں) ایسا نہ کہ جو لوگ (تمہاری) تصدیق نہیں کرتے تمہیں (بہکا) کر خفیف کر دیں۔

ابوالعباس مبرد کہتے ہیں کہ جس نے سب سے پہلے (لاحکم الا اللہ) کا نعرہ بلند کیا وہ حکیم بن اویہ تھا۔ اور ''اویہ'' اس کی ایک دادی تھی جس کی طرف وہ منسوب تھا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس نعرہ کو بلند کرنے والا شخص بنی محارب کا ایک فرد تھا جس کا نام سعید تھا پھر تمام خوارج نے عبداللہ بن وہب راسبی اپنا امیر مقرر کیا۔ وہ ان کی امارت کا خواہش مند نہ تھا اس نے کسی اور کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن خوارج نے اسی پر ہی اتفاق رائے کر لیا۔

اور خوارج میں سے عروہ بن اویہ کی تلوار سب سے پہلے بلند ہوئی تھی۔ جب اشعث معاہدہ کی شرائط لوگوں کو سنا رہا تھا تو اس نے تلوار بلند کر کے کہا: ''اللہ کی شرط سے زیادہ کسی کی شرط پائیدار نہیں ہے''۔ اس نے اشعث کے تلوار ماری جو کہ اس کے بجائے اس کے خچر کے پچھلے حصے میں لگی۔

ابوالعباس مبرد کہتے ہیں کہ یہ عروہ ان گنے چنے افراد میں سے تھا جو جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کی تلوار سے بچ گئے تھے۔ یہ بعد میں بھی کافی عرصہ زندہ رہا۔ اسے زیاد ابن کے سامنے پکڑ کر لایا گیا تو زیاد نے اس سے ابوبکر اور عمر کے متعلق اس کا عقیدہ دریافت کیا۔ تو اس نے کہا کہ میں ان دونوں کو اچھا جانتا ہوں۔ پھر زیاد نے عثمان کے متعلق اس کا نظریہ دریافت کیا تو اس نے کہا: ''عثمان کی خلافت کے پہلے چھ برس درست تھے بعد ازاں عثمان نے کفر اختیار کیا''۔ زیاد نے اس سے پوچھا: ''تو ابوتراب کے متعلق کیا عقیدہ رکھتا ہے؟''۔ اس نے کہا: ''علیؑ پہلے ٹھیک تھا لیکن جب اس نے انسانوں کو فیصل بنایا تو وہ کافر ہو گیا''۔ زیاد نے اس سے معاویہ کے متعلق پوچھا تو اس نے معاویہ کو سخت گالیاں دیں۔ آخر میں زیاد نے اس سے اپنے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ''تیرا آغاز زنا سے ہوا اور انجام جھوٹے دعوے پر ہوا اور تو اپنے رب کا نافرمان ہے''۔ زیاد نے جلاد کو اس کے قتل کا حکم دیا۔ جلاد نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر زیاد نے اس کے غلام کو بلا کر اس سے پوچھا:

''تمہارا مالک کیسا تھا؟''۔غلام نے کہا:''مختصر جواب دوں یا تفصیل سے؟''۔زیاد نے کہا:''مختصر جواب سے''۔غلام نے کہا:''میں اس شخص کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں جس کے سامنے دن کو میں نے کبھی کھانا پیش نہیں کیا تھا اور رات کو اس کے لئے بستر نہیں بچھایا تھا''۔

حروریہ کی وجہ تسمیہ

مبرد نے خوارج کے لئے حروریہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ابن عباس کو خوارج سے مباحثہ کے لئے بھیجا تھا۔ابن عباس کے واپس آنے کے بعد حضرت علیؑ خود انہیں سمجھانے بجھانے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: ''کیا تم اس حقیقت سے واقف نہیں ہو کہ اس تحکیم کی میں نے شدید مخالفت کی تھی اور کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ ان کا قرآن اٹھانا مکاری پر مبنی ہے؟۔اگر یہ لوگ واقعی حکم قرآن کے خواہش مند ہوتے تو مجھ سے جنگ ہی نہ کرتے بلکہ سیدھے میرے پاس آتے اور حکم قرآنی مجھ سے دریافت کرتے''۔خوارج نے کہا:''آپؑ سچ کہتے ہیں''۔پھر حضرتؑ نے فرمایا:''میں اس طرح کی تحکیم پر راضی نہیں تھا تم لوگوں نے ہی مجھے اتنا مجبور کیا تھا کہ مجھے تحکیم قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔اور میں نے یہ شرط تحریر کی تھی کہ حَکَمین کا فیصلہ اگر قرآن وسنت کے مطابق ہوا تو میں تسلیم کروں گا ورنہ ہم پر اس فیصلہ کے تسلیم کرنے کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی اور تم سب اس بات کو جانتے ہو کہ فرمان قرآن کے تحت میرا نظریہ اور حکومت صحیح ہے جب کہ معاویہ کی روش بغاوت پر مبنی ہے اور قرآن نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ باغیوں کے خلاف اس وقت تک جنگ کریں جب تک وہ اللہ کے حکم کو ماننے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔خوارج میں سے ابن کوا نے کہا:''آپؑ کی باتیں درست ہیں لیکن آپؑ نے انسانوں کو حَکَم قرار دے کر (نعوذ باللہ) کفر کیا ہے۔اور یہ بھی درست ہے کہ اس امر پر مجبور کرنے والے ہم ہی لوگ تھے۔ہم اپنے متعلق بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم نے کفر اختیار کیا تھا مگر ہم نے توبہ کر لی ہے۔اگر آپؑ بھی توبہ کر لیں تو ہم آپؑ کے ساتھ مل جائیں گے ورنہ ہمارے راستے آپؑ سے جدا ہو چکے ہیں''۔حضرت علیؑ نے فرمایا:''کیا تم نے قرآن مجید میں یہ نہیں پڑھا کہ جب خاوند اور بیوی میں جھگڑا ہو تو اس کے فیصلہ کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ دو افراد ان کا فیصلہ کریں؟۔جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ہے ﴿فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ایک ثالث مرد کے کنبہ میں سے اور ایک ثالث عورت کے کنبہ میں سے مقرر کرو (نساء/ ۳۵)۔جب خاوند و بیوی کے اختلاف کی صورت میں دو ثالثوں کو مقرر کرنا جائز ہے تو امت کے دو گروہوں کے اختلاف کے حل کے لئے ثالث مقرر کرنا کیسے جرم و گناہ ہو سکتا ہے؟۔علاوہ ازیں حالت احرام میں اگر کسی نے چھوٹے سے جانور کا شکار کیا ہو تو اس کے لئے قرآنی حکم ہے ﴿يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ دو عادل شخص کعبہ کے سامنے اس کا فیصلہ کریں (مائدہ/ ۹۵)۔جب خرگوش جیسے چھوٹے سے جانور کے لئے جس کی قیمت نصف درہم بھی نہیں ہے ثالث مقرر کرنا جائز ہے تو پھر اختلاف امت کے لئے ثالث مقرر کرنا کیسے حرام ہو سکتا ہے؟''۔

خوارج نے کہا کہ:''آپؑ نے معاہدہ کی عبارت سے لفظ امیر المؤمنینؑ کو کاٹ دیا تھا۔جب آپؑ نے خود ہی اپنی نفی کر دی ہے ہم آپؑ کو امیر المؤمنینؑ کیسے تسلیم کر لیں؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''میں نے اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی ہے۔کیونکہ جب مقام حدیبیہ پر رسول اللہ ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان صلح نامہ لکھا جانے لگا تو اس صلح نامہ کی عبارت لکھنے والا میں ہی تھا۔صلح نامہ میں یہ

الفاظ تھے(هٰذَا مَا كَتَبَهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ وَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو) یہ وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو نے تحریر کیا۔ سہیل نے اس وقت اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ ﷺ تسلیم کرتے تو آپ کو بیت اللہ سے کیوں روکتے اور آپ سے جنگ کیوں کرتے؟۔ آپ صلح نامہ پر صرف اپنا اور میرا نام لکھیں اور لفظ رسول اللہ کو مٹائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ علیؑ صلح نامہ سے رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو۔ میں نے عرض کی تھی کہ آقاؐ! میرا دل مجھے یہ الفاظ کاٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ان الفاظ کے کٹنے سے میری نبوت تھوڑی ختم ہو جائے گی۔ پھر آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے لفظ رسول اللہ کو مٹا دیا اور مجھے فرمایا تھا کہ ایک دن تمہیں بھی یہ ماجرا درپیش ہوگا اور تمہیں بھی میری طرح عمل کرنا ہوگا''۔ آپؑ کی مدلل گفتگو سن کر ان میں سے دو ہزار افراد آپؑ سے آن ملے۔ حضرتؑ نے پھر باقیماندہ سے پوچھا: ''ہم تمہارا کیا نام رکھیں؟''۔ پھر فرمایا: ''چونکہ تم نے حروراء میں قیام کیا تھا ہم تمہارا نام ''حروریہ'' رکھتے ہیں''۔ مبرد رقم طراز ہیں کہ یہ حضرت کا دوسرا مباحثہ تھا۔ اس سے پہلے بھی حضرتؑ مقام حروراء میں تشریف لائے تھے اور خوارج کے سردار یزید بن قیس کے خیمہ میں تشریف لے گئے تھے اور پھر آپؑ نے کمان کا سہارا لے کر یوں خطاب فرمایا تھا: ''آج جو شخص کامیاب ہوا وہ قیامت کے دن بھی کامیاب ہوگا''۔ پھر آپؑ نے ان سے گفتگو کی۔ خوارج نے کہا تھا کہ ہم نے گناہ کیا تھا اور ہم نے توبہ کر لی آپؑ بھی توبہ کر لیں۔ تو آپؑ نے فرمایا تھا ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ''۔

آپؑ سے استغفار کے کلمات سن کر خوارج نے سمجھا کہ آپؑ نے ہماری بات مان لی ہے اسی لئے وہ سب کے سب آپؑ کے ہمرکاب ہو کر کوفہ میں آ گئے تھے۔ اس وقت ان کی تعداد چھ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ کوفہ پہنچ کر انہوں نے اعلان کیا کہ علیؑ نے تحکیم کو گمراہی اور گناہ تسلیم کر لیا ہے اور انہوں نے توبہ کر لی ہے اب وہ تھکان اتار کر شام پر حملہ آور ہونے ہی والے ہیں۔ اشعث بن قیس حضرتؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپؑ نے تحکیم کو گمراہی تسلیم کر لیا اور اس پر جمے رہنے کو کفر تسلیم کرتے ہوئے توبہ کر لی ہے۔ حضرتؑ نے مسجد میں یہ اعلان فرمایا: ''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تحکیم کو کفر و ضلالت سمجھ لیا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے''۔ حضرتؑ کا یہ اعلان سن کر خوارج نے ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' کا سابقہ نعرہ بلند کیا اور آپؑ سے جدا ہو گئے۔ شارح معتزلی کہتے ہیں کہ حضرتؑ کے زمانہ میں اگر کوئی شخص فساد کی جڑ قرار پا سکتا ہے تو وہ یہی اشعث ملعون ہے۔ کیونکہ اگر وہ بد بخت یہ بات نہ کرتا تو حضرتؑ کو جنگ نہروان کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی، آپؑ شام پر حملہ کرتے اور معاویہ کو شکست فاش دے کر اسلام کی عادلانہ حکومت قائم کرتے۔ سارے کام کو بگاڑنے میں اشعث کا ہاتھ ہے۔

خوارج کی زیادتیاں

مبرد لکھتے ہیں کہ خوارج کے بہت سے افراد نہروان سے نکل کر مدائن جا رہے تھے کہ راستے میں انہیں دو شخص ملے۔ ایک مسلمان تھا اور دوسرا نصرانی تھا۔ اور جب انہوں نے مسلمان سے گفتگو کی تو وہ ان کے نظریہ کا قائل نہ تھا خوارج نے اسے یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ یہ کافر

ہے اور عیسائی کے لئے کہا کہ یہ ذمی ہے اور اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ابھی یہ جا رہے تھے کہ راستے میں ان کی ملاقات عبداللہ بن خباب سے ہوئی اور اس کی گردن میں قرآن حمائل تھا اور اس کے ساتھ اس کی حاملہ بیوی بھی تھی۔ خوارج نے ان سے کہا کہ جسے تو نے گردن میں حمائل کیا ہوا ہے یہ ہمیں تیرے قتل کا حکم دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ جسے قرآن زندہ رکھتا ہے تم اسے زندہ رکھو اور جسے قرآن مارنے کا حکم دیتا ہے اسے مارو۔ انہوں نے عبداللہ بن خباب اور اس کی بیوی کو قتل کر دیا۔ اس وقت کھجوریں پکی ہوئی تھیں۔ ایک کھجور کے نیچے کچھ پکے ہوئے دانے گرے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے ایک دانہ اٹھا کر کھانا چاہا تو اس کے باقی ساتھیوں نے اسے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ راستے میں ان کے ایک ساتھی نے خنزیر کو مار ڈالا تو انہوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا تم نے غلط کیا یہ کام فساد فی الارض ہے۔ انہوں نے کھجور کا ایک درخت پکا ہوا دیکھا تو اس کے مالک سے جو عیسائی تھا کہنے لگے کہ اس کھجور کا پھل ہمیں بیچ دو۔ اس نے کہا تم مفت لے لو خوارج نے کہا نہیں ہم رقم دیئے بغیر ایک دانہ بھی نہیں کھائیں گے۔ اس وقت عیسائی نے کہا تم عجیب لوگ ہو کھجور کا ایک دانہ تک قیمت ادا کئے بغیر نہیں کھاتے اور عبداللہ بن خباب جیسی شخصیت کو بے گناہ قتل کرنے کو عیب نہیں جانتے۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ لشکر لے کر نہروان پہنچے اور ان سے عبداللہ بن خباب کے قتل کا سوال کیا۔ تو انہوں نے قتل کا اقرار کیا۔ آپؑ نے فرمایا: کہ ''تم علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں بٹ جاؤ میں ہر ٹولی سے اس قتل کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں''۔ خوارج نے علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بنالیں۔ حضرتؑ نے جس ٹولی سے بھی گفتگو کی تو انہوں نے یہی کہا کہ عبداللہ بن خباب کو ہم نے قتل کیا ہے اور ہم تجھے بھی ویسے ہی قتل کریں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اگر روئے زمین کے تمام باشندے بھی اس کے قتل کا اقرار کریں اور میں قصاص لینے کے قابل ہوا تو میں ضرور سب کو اس کے قصاص میں قتل کروں گا''۔ پھر آپؑ نے فوج کو حملہ کا حکم دیا اور فرمایا: ''سب سے پہلے ان پر حملہ میں کرتا ہوں''۔ آپؑ نے ذوالفقار سے لشکر خوارج پر تین شدید حملے کئے۔ ہر حملے میں ذوالفقار ٹیڑھی ہو جاتی اور آپؑ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر درست کرتے اور پھر حملہ کر دیتے۔ یہاں تک کہ آپؑ نے انہیں تباہ کر دیا۔ قیس بن سعد بن عبادہ کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؑ نہروان میں پہنچے تو آپؑ نے فرمایا: ''تم عبداللہ بن خباب کے قاتل ہمارے حوالے کر دو''۔ خوارج نے یک زبان ہو کر کہا: ''ہم سب نے مل کر اسے قتل کیا ہے''۔ پھر تو حضرتؑ نے فرمایا: ''ان پر حملہ کر دو''۔ مسلم ضبی روایت کرتے ہیں کہ جب ہم خوارج کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے ہم پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ہم نے امیر المؤمنینؑ سے عرض کی کہ انہوں نے ہم پر تیر برسائے ہیں آپؑ نے فرمایا رکے رہو۔ پھر خوارج نے ہم پر دوبارہ تیر اندازی کی تو ہم نے امیر المؤمنینؑ سے عرض کی کہ انہوں نے ہم پر دوسری مرتبہ تیر برسائے ہیں آپؑ نے فرمایا تم رکے رہو۔ پھر خوارج نے ہم پر تیسری بار تیر اندازی کی ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: ''اب ان سے جنگ جائز ہو چکی ہے۔ ان پر حملہ کر دو''۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں کتاب الخرائج والجرائح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جندب بن زہیر ازدی کہتا ہے کہ جب خوارج حضرتؑ سے علیحدہ ہو گئے اور حضرتؑ لشکر لے کر ان کے مقابلے میں گئے تو میں اس لشکر میں موجود تھا۔ جب ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے تو ان کے لشکر سے قرآن کی تلاوت کی یوں آوازیں آ رہی تھیں جیسے شہد کے چھتے سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آوازیں آتی ہیں۔ ان کے لشکر میں ایسے افراد بھی موجود تھے کہ طویل سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر نشانات تھے۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میرے دل میں شک پیدا

ہوااور میں اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور میں نے اپنا نیزہ زمین پر گاڑ دیا اور اپنی زرہ اتار کر اس پر ٹانک دی اور نماز پڑھنے لگا۔ اور میں نے اللہ سے دعا مانگی: ''اے اللہ! اگر ان لوگوں سے جنگ کرنے میں تیری رضا ہے تو مجھے کوئی ایسی واضح علامت دکھا کہ مجھے پتہ چل جائے کہ ان سے جنگ جائز ہے۔ اور اگر ان سے جنگ کرنے میں تیری ناراضگی ہے تو مجھے اس سے دور رکھ''۔ اچانک حضرت علیؑ آئے اور وہ اس وقت رسولؐ خدا کے خچر پر سوار تھے۔ آپؑ خچر سے اترے اور نماز پڑھی، اتنے میں ایک شخص آیا اور اور آپ سے کہا کہ خوارج نہر عبور کر گئے ہیں۔ پھر دوسرا شخص سواری دوڑاتا ہوا آیا اور اور آپ سے کہا کہ خوارج نہر عبور کر گئے ہیں۔ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''انہوں نے نہر عبور نہیں کی اور وہ نہر عبور نہیں کر پائیں گے اور نہر سے اس طرف ہی انہوں نے قتل ہونا ہے۔ اور یہ اللہ اور رسولؐ کا وعدہ ہے''۔ پھر حضرتؑ نے مجھے فرمایا: ''تمہارے دل میں کوئی شک ہے؟''۔ میں نے عرض کی: ''جی ہاں!''۔ یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا: ''مجھے رسولؐ خدا نے خبر دی تھی کہ انہوں نے نہر کے اسی کنارے ہی قتل ہونا ہے۔ اور ہم ان کی طرف ایک شخص کو اپنا پیغام رسان بنا کر بھیجیں گے جو انہیں کتاب وسنت کی دعوت دے گا لیکن وہ اس کے چہرے پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں گے اور وہ شہید ہو جائے گا''۔ جندب کہتا ہے کہ ہم لشکر کے ساتھ موقع پر پہنچے تو خوارج وہاں ہی موجود تھے اور انہوں نے نہر عبور نہیں کی تھی۔ حضرتؑ نے صفیں ترتیب دیں اور فرمایا: ''تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو یہ قرآن لے کر ان کے پاس جائے اور انہیں کتاب وسنت کی دعوت دے، لیکن یہ یاد رہے کہ جو ان کے پاس جائے گا وہ قتل ہو جائے گا اور اس کا مقام جنت ہوگا''۔ آپؑ کا یہ اعلان سن کر پورے لشکر میں سے صرف ایک نوجوان اٹھا جس کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔ اس نے عرض کی: ''مولاؑ! میں جاؤں گا''۔ حضرتؑ نے اس کی نوخیز جوانی کو دیکھا تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ آپؑ نے پھر اپنا اعلان دہرایا تو تو وہی نوجوان دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ مولاؑ میں جاؤں گا۔ تب آپؑ نے فرمایا: ''یہ قرآن لے کر ان کے پاس جاؤ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ تم قتل ہو جاؤ گے''۔ جوان نے کہا: ''مولاؑ! مجھے اپنے قتل ہونے کی پرواہ نہیں ہے''۔ جوان قرآن مجید لے کر ان کے پاس پہنچا اور انہیں زور زور سے کتاب وسنت کی پیروی کی دعوت دی۔ خوارج نے اس کے چہرے پر تیروں کی بارش کر دی۔ وہ جوان جب واپس ہمارے لشکر میں آیا تو اس کا چہرہ تیروں کی وجہ سے خار پشت جیسا ہو چکا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ اب ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ یہ دیکھ کر میرے دل سے شک دور ہو گیا اور میں نے اپنے ہاتھ سے آٹھ خارجیوں کو قتل کیا۔

واقعہ خوارج کے متعلق ابن شہر آشوب کتاب المناقب میں یوں رقمطراز ہیں۔ جب امیر المؤمنینؑ صفین سے کوفہ واپس آئے تو اس وقت زرعہ بن البرج الطائی اور حرقوص بن زہیر تمیمی اور ذوالثدیہ حضرتؑ کے پاس آئے اور آ کر کہا: ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ''۔ حضرتؑ نے یہ سن کر فرمایا: ''یہ کلمہ تو حق ہے مگر تم اس سے مراد باطل لے رہے ہو''۔ حرقوص نے کہا: ''آپؑ اپنی غلطی سے توبہ کریں اور پھر ہمیں اپنے ساتھ دشمن کے مقابلے پر لے جائیں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں جنگ روکنے سے منع کیا تھا لیکن اس وقت تم نے میری نافرمانی کی تھی اور اب ہم اہل شام سے ایک معاہدہ طے کر کے آئے ہیں جس پر گواہوں کی گواہی موجود ہے۔ اور معاہدہ توڑنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے کیونکہ رب العالمین کا فرمان ہے ﴿وَ اَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ﴾ جب معاہدہ کرو تو خدا سے کیا ہوا معاہدہ پورا کرو''۔ حرقوص نے کہا: ''وہ ایک گناہ تھا جو ہم سے اس وقت صادر ہو گیا تھا اس سے توبہ کرنی چاہئے''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''وہ گناہ نہیں بلکہ رائے کی کمزوری اور

عقل کے ضعف کا اظہار ہے۔ میں نے ہر ممکن طریقے سے تمہیں اس سے روکنا چاہا لیکن تم باز نہ آئے''۔ ابن کوا نے کہا: ''اب ہمارے لئے یہ بات ایک حقیقت کی طرح کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ آپؑ امام نہیں ہیں۔ اگر آپؑ امام ہوتے تو جنگ کئے بغیر واپس نہ آتے''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''پھر تو (نعوذ باللہ) رسولؐ خدا بھی رسولؐ نہ تھے کیونکہ انہوں نے بھی حدیبیہ کے سال جنگ کئے بغیر واپس مدینہ چلے آئے تھے''۔ اس کے بعد ان لوگوں نے امیر المؤمنینؑ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ان میں کوفہ اور بصرہ اور ان کے گرد و نواح کے لوگ شامل تھے۔ اور ان میں ایک شخص نے اعلان کیا کہ ہمارا سالار جنگ شیث بن ربعی اور ہمارا امام الصلاۃ عبداللہ بن کوا ہوگا۔ اور حاکم کا فیصلہ فتح کے بعد شوریٰ کے ذریعہ سے ہوگا۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر ہماری بیعت خدا کی رضا جوئی کے لئے ہوگی۔ پھر ان لوگوں نے عوام الناس کو گمراہ کرنا شروع کیا اور نہروان کے حاکم عبداللہ بن خباب کو شہید کر دیا۔

ابن عباس کا احتجاج

امیر المؤمنینؑ نے ابن عباس سے کہا کہ آپ ان کے پاس جائیں اور گفتگو کر کے معلوم کریں آخر وہ کیا چاہتے ہیں اور ان کے اس اجتماع کا کیا مقصد ہے؟۔ جب ابن عباس وہاں پہنچے تو انہوں نے ابن عباس سے کہا: ''ابن عباس! تجھ پر افسوس کیا تو بھی اپنے ساتھی علیؑ کی طرح (نعوذ باللہ) کافر ہو گیا ہے؟''۔ ابن عباس سے گفتگو کرنے کے لئے خوارج کا خطیب عتاب بن اعور ثعلبی آیا۔ چنانچہ ابن عباس اور عتاب بن اعور کے درمیان درج ذیل گفتگو ہوئی:۔

ابن عباس: ''ہمیں اسلام کس نے دیا؟''۔

عتاب: ''اللہ اور رسولؐ نے''۔

___: ''کیا رسولؐ اللہ نے امور اسلام کو محکم کیا اور اس کے حدود کی وضاحت کی تھی یا نہیں؟''۔

: ''جی ہاں''۔

___: ''کیا نبیؐ ابھی تک زندہ ہیں یا رحلت فرما گئے ہیں؟''۔

___: ''رحلت فرما گئے ہیں''۔

___: ''کیا حضورؐ کی رحلت سے احکام اسلام ختم ہو گئے یا ابھی باقی ہیں؟''۔

___: ''باقی ہیں''۔

___: ''حضورؐ اکرم کے بعد احکام دین کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟''۔

___: ''ذریت اور صحابہ پر''۔

___: ''کیا ذریت اور صحابہ نے اسلام کی عمارت کو آباد رکھا یا ویران کر دیا؟''۔

___: ''آباد رکھا''۔

_____:''تو اب عمارت دین آباد ہے یا برباد؟''۔

_____:''تباہ ہے''۔

_____:''اس کو ذریت نے تباہ کیا یا امت نے؟''۔

_____:''امت نے''۔

_____:''تیرا تعلق ذریت سے ہے یا امت سے؟''۔

_____:''امت سے ہے''۔

ابن عباس:''جب تیرا تعلق امت سے ہے اور امت نے اسلام کی عمارت کو تباہ کیا ہے تو پھر تو جنت کی امید کیسے رکھتا ہے؟''۔

اس کے بعد امیر المؤمنینؑ ایک سو افراد کو لے کر وہاں آئے۔اور آپؑ سے بات چیت کرنے کے لئے ابن کو ابھی ایک سو افرد لے کر آیا۔حضرتؑ نے فرمایا:''تم جانتے ہو کہ جب اہل شام نے قرآن بلند کئے تھے تو تم نے اس وقت کہا تھا کہ ہم کتاب خدا پر لبیک کہیں گے اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ان لوگوں کو تم سے بہتر جانتا ہوں،لیکن تم نے میرا کہنا نہ مانا۔میں نے اس وقت یہ شرط عائد کی تھی کہ اگر حکمین کا فیصلہ قرآن کے مطابق ہوا تو ہم اسے تسلیم کریں گے اور اگر ان کا فیصلہ قرآن کے مطابق نہ ہوا تو ہم ان کے فیصلہ کے پابند نہ ہوں گے''۔ ابن کو انے کہا:''آپؑ یہ بتائیں کہ انسانوں کو انسانوں کے خون کا ثالث مقرر کرنا درست ہے؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''اِنَّا لَسْنَا الرِّجَالَ حَکَّمْنَا وَ اِنَّمَا حَکَّمْنَا الْقُرْآنَ وَ الْقُرْآنُ اِنَّمَا هُوَ خَطٌّ مَّسْتُوْرٌ بَیْنَ دَفَّتَیْنِ لَا یَنْطِقُ اِنَّمَا یَتَکَلَّمُ بِهِ الرِّجَالُ''ہم نے آدمیوں کو ثالث نہیں بنایا،ہم نے تو قرآن کو ثالث مقرر کیا ہے مگر قرآن دو جلدوں میں لکھی ہوئی ایک کتاب ہے جو خود نہیں بول سکتی اور انسان ہی اس کی ترجمانی کرتے ہیں۔ابن کو انے کہا:''آپؑ یہ بتائیں کہ آپؑ نے میعاد کیوں مقرر کی تھی؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''تا کہ جاہل کو علم ہو جائے اور عالم ثابت قدم رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے اللہ اس امت میں مصالحت پیدا کرا دے''۔اس کے علاوہ اور گفتگو بھی ہوتی رہی۔

حضرتؑ نے ابوایوب انصاری کو امان کا پرچم دے کر فرمایا:''تم اس علَم کو نصب کرو جو اس کے نیچے آجائے گا اسے امان ہوگی''۔ ابوایوب انصاری نے امان کا پرچم بلند کر کے کہا:''لوگو!جو اس پرچم کے نیچے آجائے گا اسے امان ہوگی اور جو کوئی جماعت خوارج سے علیحدہ ہو کر چلا جائے اسے بھی امان ہوگی''۔جیسے ہی پرچم امان بلند ہوا تو آٹھ ہزار افراد خوارج سے جدا ہو کر اس پرچم کے نیچے آگئے اور باقی چار ہزار افراد اپنی گمراہی پر باقی رہے۔حضرتؑ نے ان کی اس گمراہی کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا(اَمَرْتُکُمْ اَمْرِیْ بِمُنْعَرِجِ اللِّوٰی فَلَمْ تَسْتَبِیْنُوا النُّصْحَ اِلَّا ضُحَی الْغَدِ)میں نے مقام منعرج اللوی(ٹیلے کے موڑ)پر تمہیں اپنے حکم سے آگاہ کیا۔گو اس وقت تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا لیکن دوسرے دن کی چاشت کو میری نصیحت کی صداقت تم نے دیکھ لی۔پھر آپؑ نے اپنی فوج کو جنگ پر آمادہ کیا۔عدی بن حاتم ایک ہزار سوار لے کر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اس وقت یہ شعر پڑھ رہے تھے

اِلٰی شَرِّ خَلْقٍ مِنْ شَرَاةٍ تَخَرَّبُوْا وَ عَادُوْا اِلٰهَ النَّاسِ رَبِّ الْمَشَارِقِ

میں ان بدترین خوارج سے جنگ کروں گا جنہوں نے تخریب کاری کی اور انسانوں کے معبود اور مشارق کے رب سے دشمنی کی۔

جنگ کا آغاز

حضرتؑ فوج لے کر خوارج کی جانب روانہ ہوئے اور عبداللہ بن ابی عقب کو ایک رقعہ تحریر کر کے بھیجا جس میں آپؑ نے لکھا تھا:

''خوش نصیب ہے وہ جسے اس کی خواہش سعادت عطا کرے اور بدنصیب ہے وہ جس کی خواہش اسے بدنصیب بنا دے اور بہتر انسان وہ ہے جو اپنے لئے بہتر ہو اور بدترین شخص وہ ہے جو اپنے لئے برا ہو۔ اللہ کی کسی سے کوئی قرابت نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے۔''

جب حضرتؑ اپنا لشکر جرار لے کر خوارج کے مقابل صف آرا ہوئے تو آپؑ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ وہ اس شورش پسندی سے باز آجائیں۔ مگر انہوں نے صلح پر جنگ کو ترجیح دی اور پکار کر کہنے لگے کہ جنت کی تیاری کرو۔ خوارج میں سے سب سے پہلے اخنس بن عزیز طائی پہلے مبارز طلبی کے لئے برآمد ہوا اور اس نے یہ رجز پڑھا:

ثَمَانُوْنَ مِنْ حَیِّ جَدِیْلَةٍ اُقْتُلُوْا عَلَی النَّهْرِ کَانُوْا یَخْضَبُوْنَ الْعَوَالِیَا

یُنَادُوْنَ لَا حُکْمَ اِلَّا لِرَبِّنَا حَنَانَیْكَ فَاغْفِرْ حُوْبَنَا وَ الْمَسَائِیَا

هُمُ فَارِقُوْا مَنْ جَازَ فِی اللّٰهِ حُکْمُهٗ فَکُلٌّ عَلَی الرَّحْمٰنِ اَصْبَحَ ثَاوِیًا

بنی جدیلہ کے اسی (۸۰) جوانو! آگے بڑھو اور نہر کے کنارے جنگ کرو۔ اور وہ اس سے پہلے بھی اپنے نیزوں کو خضاب کیا کرتے تھے۔ وہ ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' کا نعرہ لگاتے ہیں خدایا! ہماری خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرما اور ہم پر شفقت فرما۔ انہوں نے ان لوگوں سے ناطہ توڑ لیا ہے جنہوں نے خدا کے احکام میں انسانوں کو ثالث بنایا۔ اور ان میں سے ہر ایک رحمان کے ہاں مقیم ہو چکا ہے۔ اسے امیر المؤمنینؑ نے قتل کیا۔ پھر عبداللہ بن وہب راسبی یہ شعر پڑھتا ہوا آیا:

اَنَا ابْنُ وَهَبِ الرَّاسِبِیِّ الشَّارِیْ اَضْرِبُ فِی الْقَوْمِ اَخْذَ الثَّارِ

حَتّٰی تَزُوْلَ دَوْلَةَ الْاَشْرَارِ وَ یَرْجِعَ الْحَقُّ اِلَی الْاَخْیَارِ

میں وہب راسبی خارجی کا بیٹا ہوں۔ آج میں بدلہ لینے کے لئے تلوار چلاؤں گا۔ یہاں تک کہ اشرار کی حکومت ختم ہو جائے اور حق نیک افراد کے ہاتھوں میں واپس پہنچ جائے۔ اور مالک بن وضاح یہ شعر پڑھتا ہوا باہر آیا:

اِنِّیْ لَبَایِعٌ مَّا یُفْنِیْ بِبَاقِیَةٍ وَ لَا اُرِیْدُ لَدَی الْهَیْجَاءِ تَرْبِیْصًا

میں فنا ہونے والی عمر کو باقی رہنے والی عمر کے بدلے میں فروخت کرتا ہوں اور میں جنگ کے وقت انتظار کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

ان کے مقابلے کے لئے امیر المؤمنینؑ بنفس نفیس آئے اور وضاح اور حرقوص کو قتل کیا۔ اور گروہ حروریہ چند لمحات میں تباہ و برباد ہو گیا۔ اس جنگ میں حضرتؑ کی فوج سے صرف نو افراد شہید ہوئے اور خوارج میں سے صرف نو افراد باقی بچے اور یہ جنگ ۹ صفر ۳۹ھ کو ہوئی تھی۔

حضرتؑ کی ہمرکابی میں جن افراد نے شرف شہادت حاصل کیا تھا ان افراد کے نام یہ ہیں:۔

۱۔روبہ بن وبرالجبلی	۲۔رفاعہ بن وابل الارحبی	۳۔فیاض بن خلیل الازدی
۴۔کیسوم بن سلمہ الجہنی	۵۔حبیب بن عاصم الازدی	۶۔سعد بن خالد السبعی
۷۔عبید بن عبید خولانی	۸۔جمیع بن جشم کندی	۹۔ضب بن عاصم الاسدی

علامہ اربلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ مین ان واقعات کو یوں بیان فرمایا:

ابن طلحہ کا بیان ہے کہ جب امیر المؤمنینؑ تحکیم کے بعد کوفہ واپس آئے اور جنگ بندی کے ایام امن وسکون سے بسر کرنا چاہتے تھے تو آپؑ کے لشکر میں سے چار ہزار عابد وزاہد افراد نے کوفہ کو چھوڑا اور حضرتؑ کی مخالفت میں ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ وَلَا طَاعَۃَ لِمَنْ عَصَی اللّٰہَ ''یعنی اللہ کے علاوہ کسی کا فیصلہ قابل قبول نہیں اور اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی کوئی اطاعت نہیں۔اوران کی دیکھا دیکھی آٹھ ہزار افراد ان کے ہم نوا ہو گئے اور یہ لوگ کوفہ کے قریب ''حروراء'' کے مقام پر چلے گئے اور انہوں نے عبداللہ بن کوا کو اپنا حاکم مقرر کیا۔حضرت علیؑ نے مذاکرات کی غرض سے ابن عباس کو ان کے پاس روانہ کیا۔ابن عباس نے ان سے گفتگو کی لیکن وہ اپنی گمراہی سے باز نہ آئے اور انہوں نے کہا کہ علیؑ کو ہمارے پاس بھیجیں تا کہ ہم ان سے بات چیت کر سکیں۔ابن عباس نے حضرت کو ان کے مطالبہ کی خبر دی تو حضرتؑ ایک سو افراد کو لے کر ان کے پاس چلے گئے اور ابن کوا بھی اتنے ہی افراد لے کر آ گیا۔حضرتؑ نے فرمایا:''ابن کوا! باتیں تو بہت زیادہ ہیں۔کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب شامیوں نے نیزوں پر قرآن بلند کئے تھے تو میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ شامی جنگ سے تھک چکے ہیں اور یہ اس بہانے سے جنگ سے بچنا چاہتے ہیں؟۔اور حکم مقرر کرتے وقت کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے ابوموسیٰ بطور حکم قبول نہیں ہے بلکہ میری طرف سے ابن عباس ثالث ہونگے۔لیکن اس وقت بھی تم نے ہی کہا تھا کہ ہمیں ابوموسیٰ کے علاوہ کسی اور پر اعتماد نہیں ہے؟۔اور کیا تو اس حقیقت سے واقف نہیں ہے کہ ہم نے حکمین کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ اپنا فیصلہ قرآن اور سنت جامعہ کے ذریعہ سے کریں گے۔اور اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا فیصلہ قابل قبول نہ ہوگا؟''۔ابن کوا نے کہا:''بے شک جو کچھ آپؑ نے کہا وہ درست ہے۔تو کیا اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپؑ ہمیں ساتھ لے کر پھر معاویہ پر چڑھائی کر دیں؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''جب تک جنگ بندی کی میعاد باقی ہے ایسا نہیں ہو سکتا''۔ابن کوا نے کہا:''تو آپؑ اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں؟''۔حضرتؑ نے فرمایا:''اس کے علاوہ میں اور کچھ بھی نہیں کر سکتا''۔اس کے بعد ابن کوا اور اس کے ساتھیوں نے آپؑ کے موقف کو تسلیم کر لیا اور خوارج سے جدا ہو گئے۔پھر خوارج نے عبداللہ بن وہب الراسبی اور حرقوص بن زہیر البجلی کو جسے ذوالثدیہ کہا جاتا ہے اپنا رئیس مقرر کیا اور ان کی جماعت نہروان چلی گئی۔

حضرت علیؑ اپنی فوج لے کر ان کے تعاقب میں وہاں گئے اور جب ان سے دو فرسخ کے فاصلے پر پہنچے تو آپؑ نے انہیں خطوط لکھ کر شورش پسندی سے باز آنے کے لئے کہا۔لیکن ان خطوط کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔پھر حضرت نے ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر ان سے گفتگو کر کے معلوم کرو کہ آخر وہ مجھ پر اتنے خفا کیوں ہیں؟۔اور آپؑ نے ابن عباس سے فرمایا کہ تم ان سے ہرگز نہ گھبرانا میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے وہاں بنفس نفیس آ رہا ہوں۔الغرض ابن عباس ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگ امیر المؤمنینؑ سے کیوں ناراض ہوئے ہو؟۔خوارج نے جواب میں کہا:''ہمیں علیؑ پر بہت سے اعتراضات ہیں اگر وہ خود یہاں آتے تو ہم ان سے سوال کرتے''۔ابن عباس نے

جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرتؑ پہنچ چکے تھے۔ابن عباس نے عرض کی: ''مولاؑ! یہ لوگ آپؑ سے ہی گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور آپؑ ہی انہیں دلائل دے کر قائل کریں''۔حضرتؑ آگے بڑھے اور فرمایا: ''میں علیؑ بن ابی طالب تم سے مخاطب ہوں مجھے بتاؤ تم نے مجھ پر کیوں خروج کیا ہے اور تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟''۔خوارج نے کہا: ''ہمیں آپؑ سے پہلی شکایت تو یہ ہے کہ ہم جنگ جمل میں آپؑ کے ساتھ تھے آپؑ نے فتح کے بعد ہمیں لشکر کے مال غنیمت کی اجازت دی تھی لیکن ان کی عورتوں کو کنیز بنانے اور ان کے گھروں کو لوٹنے کی اجازت نہیں دی تھی۔اب ہمارا سوال یہ ہے کہ لشکر کا لوٹنا تو آپؑ نے جائز قرار دیا اور ان کے گھر اور عورتوں کو حرام قرار دیا اس کی کیا وجہ ہے؟''۔حضرتؑ نے فرمایا: ''اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل بصرہ نے ہم سے جنگ کی تھی اور انہوں نے ہم سے جنگ میں پہل کی تھی اس لئے جب ہم کامیاب ہوئے تو میں نے تمہیں تم سے لڑنے والوں کا مال لوٹنے کی اجازت دی اور تمہیں ان کی عورتوں اور اولاد سے اس لئے منع کیا کہ عورتوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اور ان کی اولاد بھی فطرت اسلام پر پیدا ہوئی تھی۔اور ان کی اولاد اس گناہ میں ان کی شریک نہیں تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مشرکین پر بھی احسان کیا تھا اور اگر میں نے کلمہ پڑھنے والوں پر یہ احسان کر دیا تو اس میں تعجب کیا ہے اور حیرت کیوں ہے؟''۔

خوارج نے کہا: ''ہمیں آپ پر یہ اعتراض ہے کہ آپ نے شرائط نامہ کی عبارت میں سے لفظ ''امیر المؤمنین'' کو اپنے ہاتھوں سے مٹا دیا تھا اور جب آپ نے اپنی امارت کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے مٹایا ہے تو ہم سے آپ امارت کی توقع کیوں رکھتے ہیں؟ اسی لئے آپ ہمارے امیر نہیں ہیں۔''

حضرت نے فرمایا: ''میں نے ایسا کر کے رسول خداؐ کی اتباع کی ہے حضور سرور کائنات نے بھی صلح حدیبیہ کی صلحنامہ کی عبارت میں سے لفظ ''رسول اللہ'' مٹا دیا تھا، اس کے باوجود بھی وہ بھی اللہ کے رسول ہیں اور یقیناً ہیں، تو میں مومنوں کا امیر ہوں''۔

خوارج نے کہا: ''ہمیں آپؑ پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ آپؑ نے حکمین سے کہا تھا کہ تم دونوں غور سے قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرنا اور میں اگر معاویہ سے تمہیں افضل نظر آؤں تو میری خلافت کا اعلان کر دینا۔جب آپؑ کو خود ہی اپنے متعلق شک ہے تو آپؑ کے متعلق ہمیں اور بھی زیادہ شک ہے''۔حضرتؑ نے فرمایا: ''ان الفاظ سے میں نے انصاف کا بھرم رکھا تھا کیونکہ اگر میں ثالثوں سے کہتا کہ تم ہر حال میں میرے ہی حق میں فیصلہ کرنا تو اس صورت میں معاویہ کبھی راضی نہ ہوتا۔اور اس کے لئے میں تمہیں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ یاد دلاتا ہوں۔جب نجران کے نصاریٰ نے حضورؐ سے بحث کی اور وہ کسی طرح ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت مباہلہ نازل فرمائی اور اس آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں ﴿فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ﴾ ہم جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں گے۔حالانکہ درحقیقت ان الفاظ سے حضورؐ نے انصاف کا بھرم رکھا تھا کیونکہ ان الفاظ کے بجائے اگر یوں ہوتا ﴿فَاَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ﴾ میں جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کروں گا۔تو نصاریٰ کبھی تسلیم نہ کرتے''۔آپؑ کی مدلل گفتگو سن کر چاروں طرف سے توبہ توبہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔اور آٹھ ہزار افراد ان کی جماعت سے علیحدہ ہو گئے مگر چار ہزار افراد اپنی گمراہی پر باقی رہے۔بعد ازاں حضرتؑ اپنا لشکر لے کر ان کے مقابل صف آرا ہوئے جب جنگ شروع ہونے لگی تو عبداللہ بن وہب اور ذوالثدیہ حرقوص نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم تم سے جنگ کر کے اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات چاہتے ہیں۔حضرتؑ نے فرمایا: ''﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ

یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ ہم تمہیں ان کے متعلق بتائیں جو اعمال کی وجہ سے زیادہ خسارے میں رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی سعی وکوشش سب اکارت ہوگئی اور وہ اس خام خیالی میں ہیں کہ یقیناً وہ اچھے کام کررہے ہیں۔ (کہف/۱۰۳)

پھر عام لڑائی شروع ہوئی۔ اخنس طائی صفوں کو چیر کر آیا اور حضرتؑ کو جنگ کی دعوت دی۔ حضرتؑ نے اسے ضرب لگائی اور اسے جہنم پہنچادیا۔ ذوالثدیہ نے حضرت علیؑ پر حملہ کیا۔ آپؑ نے اس کے سر پر وار کیا اور اس کی خود پھٹ گئی اور اس کے سر میں گہرا زخم آیا۔ اس کا گھوڑا اسے لے کر دوڑ پڑا اور وہ ملعون نہروان کے کنارے کیچڑ میں جا گرا اور مر گیا۔ اس کے بعد اس کے ابن عم مالک بن وضاح نے حضرتؑ پر حملہ کیا۔ آپؑ نے اسے بھی قتل کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر عبداللہ بن وہب راسبی نے حضرتؑ کو آواز دے کر کہا: ''علیؑ! اس جگہ سے مت ہلنا۔ آج یا تم ہمیں ختم کروگے یا ہم تمہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کردو اور تم مجھ سے تن تنہا لڑو!''۔ حضرتؑ اس کی بات سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا: ''اسے خدا مارے یہ کتنا بے حیا ہے۔ حالانکہ یہ جانتا بھی ہے کہ میں تلوار کا پرانا حلیف اور نیزے کا دوست ہوں لیکن یہ شخص اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے اور اسے جھوٹا طمع اور موہوم سی امید ہے کہ شاید وہ غالب آجائے''۔ پھر اس نے حضرتؑ پر حملہ کیا، آپؑ نے اس کے حملہ کو رد کیا اور آپؑ نے اسے ایک ضرب لگائی اور اسے بھی اس کے دوستوں کے پاس پہنچادیا۔ یہ جنگ ایک گھنٹہ کے قریب ہوئی تھی کہ خوارج سب کے سب قتل ہوگئے اور چار ہزار میں سے صرف نو افراد بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان میں سے دو افراد خراسان اور سجستان کی طرف بھاگ گئے اور وہاں سے ان کی نسل چلی اور دو افراد بلاد عمان کی جانب بھاگ گئے اور وہاں ان کی نسل کا سلسلہ چلا اور دو افراد ایمن کی طرف نکل بھاگے اور وہاں سے ان کی نسل چلی۔ اور فرقہ اباضیہ کے افراد انہی کی نسل میں سے ہیں۔ اور دو افراد بلاد جزیرہ میں بلاد ''سن وبراریخ'' کی طرف بھاگ نکلے اور ایک شخص ''تل موزون'' کی طرف بھاگ گیا۔ حضرتؑ کے لشکر کو بہت سارا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور آپؑ کے لشکر میں سے صرف نو آدمی شہید ہوئے تھے۔ اور یہ حضرتؑ کی کرامت تھی کیونکہ جنگ سے پہلے ہی آپؑ نے اعلان فرمادیا تھا کہ ہم میں سے دس افراد بھی قتل نہ ہوں گے اور ان میں سے دس افراد بھی زندہ باقی نہیں رہیں گے۔

ذوالثدیہ کی تلاش

جب خوارج قتل ہوگئے تو حضرتؑ نے فرمایا: ''مقتولین میں ناقص ہاتھ والے کو تلاش کرو''۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا لیکن انہیں اس کی لاش نہ ملی۔ پھر حضرتؑ خود اس کی تلاش کے لئے کھڑے ہوئے اور وہاں آئے جہاں مقتولین کی لاشیں ایک دوسرے پر پڑی تھیں۔ حضرتؑ نے حکم دیا کہ لاشوں کو ہٹا کر اس کی لاش تلاش کی جائے۔ جب لاشیں ہٹائی گئیں تو اس کی لاش تمام لاشوں کے نیچے پڑی ہوئی مل گئی۔ اس کی لاش کو دیکھ کر حضرتؑ نے زور سے تکبیر کہی اور فرمایا: ''(صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ) اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا''۔

ابوالوضیئی کا بیان ہے کہ گویا میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک حبشی ہے اور اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی مانند تھا اور اس پر ایسے بال تھے جیسے گائے کے بچھڑے کی دم پر ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ ابوالوضیئی مشہور تابعی عباد بن نسیب القیسی ہے اور محدثین نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔ یہ ابوداؤد کا قول ہے۔ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب المناقب میں ابونعیم اصفہانی سے نقل کیا اور انہوں

نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے جنگ کے اختتام پر فرمایا کہ ناقص ہاتھ والے کی لاش کو تلاش کیا جائے۔ لوگوں نے اس کی لاش کو تلاش کیا تو انہیں نہیں ملی۔ ایک شخص نے حضرتؑ سے کہا کہ اس کی لاش یہاں موجود نہیں ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''نہ تو میں نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی ہے''۔ تاریخ طبری، ابانہ بن بطہ اور مسند احمد میں عبداللہ بن ابی رافع، ابوموسیٰ وابلی اور جندب اور ابوالوضیئی سے مروی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ ناقص ہاتھ والے کی لاش کو تلاش کیا جائے۔ سپاہیوں نے کہا: ''ہم نے تلاش کیا لیکن ہم نے اسے نہیں پایا''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! نہ تو میں نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی ہے''۔ پھر آپؑ نے ایک غلام عجلان کو آواز دی اور فرمایا: ''عجلان! رسولؐ خدا کا خچر میرے پاس لے کر آؤ''۔ غلام خچر لے کر آیا۔ آپؑ اس پر سوار ہوئے اور مقتولین میں چلنے لگے اور ایک مقام پر پہنچ کر فرمایا: اسے یہاں تلاش کرو''۔ جب تلاش کیا گیا تو اس کی لاش گارے میں لتھڑی ہوئی تھی۔

تاریخ قمی میں ہے کہ وہ سیاہ رنگ کی لاش تھی اور اس نے کرتہ پہن رکھا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ناقص تھا اور اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی طرح تھا۔ اس پر بال تھے جیسا کہ گوسالہ (بچھڑے) کی دم پر بال ہوتے ہیں۔ ابوداؤد بن بطہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اسے جانتا ہے؟''۔ ایک شخص نے کہا: ''میں نے اسے حیرہ میں دیکھا تھا اور اس سے پوچھا تھا کہ کہاں جا رہا ہے؟ تو اس نے کوفہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اس طرف جا رہا ہوں اور وہاں میری کوئی جان پہچان نہیں ہے''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا۔ اس کا تعلق قوم جنات سے ہے''۔

مسند موصلی کی ایک روایت میں ہے کہ جو کہے کہ میں نے اسے اس کے قتل سے پہلے دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ مسند احمد میں ابوالوضیئی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرتؑ علی علیہ السلام نے فرمایا: ''مجھے میرے خلیل حضرت نبی اکرم ﷺ نے قوم جنات کے تین بھائیوں کی خبر دی تھی۔ یہ ان میں سے بڑا ہے۔ اور دوسرے بھائی کے پاس بھاری جمعیت ہے اور تیسرے میں کمزوری پائی جاتی ہے''۔ شرح معتزلی میں ابن وبزیل سے مروی ہے وہ اعمش سے اور وہ زید بن وہب سے روایت کرتے ہیں۔ جب حضرتؑ نے خوارج پر تیر برسائے تو فرمایا: ''ذوالثدیہ کو تلاش کرو''۔ لوگوں نے بڑی محنت سے تلاش کیا تو وہ لاشوں کے نیچے نشیب میں پڑا ہوا ملا۔ اس کی لاش اٹھا کر حضرتؑ کے سامنے لائی گئی۔ اس کے ہاتھ پر بلی کی طرح سے دائرے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ نے تکبیر کہی اور آپؑ کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی خوشی کی وجہ سے تکبیر کہی۔ ابن ویزیل نے مسلم ضبی سے روایت کی ہے، اس نے حبۃ العرنی سے روایت کی۔ اس شخص کی لاش لائی گئی تو وہ سیاہ رنگ کا ایک شخص تھا اور اس کے جسم سے بدبو تھی۔ اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی طرح تھا۔ اگر اس کے ہاتھ کو دراز کیا جاتا تو وہ دوسرے ہاتھ سے لمبا ہو جاتا تھا۔ اور اگر اسے چھوڑ دیا جاتا تو سکڑ کر اکٹھا ہو جاتا اور عورت کے پستان جیسا بن جاتا تھا۔ اور اس پر بلی کی مونچھوں کی طرح سے بال تھے۔ جب اس کی لاش مل گئی تو لوگوں نے اس کا وہ ہاتھ کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا۔ یہ دیکھ کر حضرتؑ کہنے لگے: ''اللہ نے سچ کہا اور اس کے رسولؐ نے صحیح پہنچایا''۔ اس دن عصر سے لے کر غروب آفتاب تک حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی یہی جملہ دہراتے رہے۔

عوام بن حوشب نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا یزید بن رویم سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ نہروان شروع ہوتے ہی کہہ دیا تھا کہ آج چار ہزار خوارج قتل ہوں گے ان میں ایک ذوالثدیہ (پستان والا) ہوگا۔ جنگ ختم ہوئی۔ حضرتؑ نے

پستان والے مقتول کی لاش تلاش کرنے کا حکم دیا تو وہ نہ ملی۔ پھر آپؑ نے مجھے حکم دیا کہ میں نہر کے کنارے سے چار ہزار سرکنڈے کاٹ کر لاؤں۔ میں نے چار ہزار سرکنڈے نہر کے کنارے سے کاٹے اور آپؑ حضرت رسولؐ اللہ کے خچر پر سوار ہوئے اور مجھے حکم دیا کہ میں ایک ایک مقتول پر ایک ایک سرکنڈہ رکھتے جاؤں۔ چنانچہ میں نے ایک ایک لاش پر ایک ایک سرکنڈہ رکھا۔ میں حضرت علیؑ سے آگے سرکنڈے لئے چلتا رہے اور حضرتؑ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو کر چلتے رہے اور باقی لوگ حضرتؑ کے پیچھے چلتے آئے۔ سرکنڈے رکھتے رکھتے آخر میں میرے ہاتھ میں ایک سرکنڈہ آ کر بچا۔ میں نے دیکھا تو اس وقت مجھے حضرتؑ کا چہرہ جلال سے سرخ نظر آیا اور آپؑ بار بار یہ کہہ رہے تھے: ''خدا کی قسم! نہ تو میں نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی ہے''۔ پھر میں ایک جگہ پہنچا جہاں دلدلی سی زمین تھی اور پانی کی آواز وہاں سے بلند ہو رہی تھی۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''اسے یہاں تلاش کرو''۔ جب میں نے اس مقام کو خوب غور سے دیکھا تو مجھے ایک لاش نظر آئی۔ میں نے اس کا پاؤں پکڑ کر کھینچا اور کہا: ''یہ ایک اور لاش ہے''۔ یہ سن کر حضرتؑ تیزی کے ساتھ خچر سے اترے اور انہوں نے اس ایک کا دوسرا پاؤں پکڑ کر کھینچا تو اس کی لاش کیچڑ سے برآمد ہوئی۔ جب ہم نے اسے دیکھا تو وہ شخص ناقص ہاتھ والا تھا۔ حضرت علیؑ نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پھر انہوں نے سجدہ کیا اور باقی تمام لوگوں نے بھی تکبیر کہی۔ البتہ واقعہ خوارج کی باقی گفتگو حسب موقع آگے ہوتی رہے گی۔

خطبہ ۳۷

علیؑ بزبان علیؑ

وَ مِنْ كَلَامٍ لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَجْرِيْ مَجْرَى الْخُطْبَةِ

حضرتؑ کا یہ کلام خطبہ کے قائم مقام ہے۔

فَقُمْتُ بِالْاَمْرِ حِيْنَ فَشِلُوْا وَ تَطَلَّعْتُ حِيْنَ تَقَبَّعُوْا وَ نَطَقْتُ حِيْنَ تَعْتَعُوْا وَ مَضَيْتُ بِنُوْرِ اللّٰهِ حِيْنَ وَقَفُوْا وَ كُنْتُ اَخْفَضَهُمْ صَوْتًا وَ اَعْلَاهُمْ فَوْتًا فَطِرْتُ بِعِنَانِهَا وَ اسْتَبْدَدْتُ بِرِهَانِهَا كَالْجَبَلِ لَا تُحَرِّكُهُ الْقَوَاصِفُ وَ لَا تُزِيْلُهُ الْعَوَاصِفُ لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ فِيَّ مَهْمَزٌ وَ لَا لِقَائِلٍ فِيَّ مَغْمَزٌ اَلذَّلِيْلُ عِنْدِيْ عَزِيْزٌ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ لَهٗ وَ الْقَوِيُّ عِنْدِيْ ضَعِيْفٌ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ رَضِيْنَا عَنِ اللّٰهِ قَضَاءَ هُوَ سَلَّمْنَا لِلّٰهِ اَمْرَهٗ اَتَرَانِيْ اَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص)؟ وَ اللّٰهِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهٗ فَلَا اَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ كَذَبَ عَلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيْ اَمْرِيْ فَاِذَا طَاعَتِيْ قَدْ سَبَقَتْ بَيْعَتِيْ وَ اِذَا الْمِيْثَاقُ فِيْ عُنُقِيْ لِغَيْرِيْ.

میں نے اس وقت اپنے فرائض سرانجام دیئے جب دوسرے سب اس راہ میں قدم بڑھانے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ میں اس وقت سر اٹھا کر سامنے آیا جب دوسرے گوشوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت زبان کھولی جب دوسرے گنگ نظر آتے تھے۔ اس وقت نور خدا کی روشنی میں آگے بڑھا جب دوسرے زمین گیر ہو چکے تھے۔ گو میری آواز ان سب سے دھیمی تھی مگر سبقت اور پیش قدمی میں مَیں سب سے آگے تھا۔ میرا اس تحریک کی باگ تھامنا تھا کہ وہ اڑسی گئی اور صرف میں تھا جو اس میدان میں بازی لے گیا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ ہے جسے نہ تند ہوائیں جنبش دے سکتی ہیں اور نہ تیز جھکڑ اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں کسی کے لئے بھی مجھ میں عیب گیری کا موقع اور حرف گیری کی گنجائش نہ تھی۔ دبا ہوا میری نظروں میں طاقتور ہے جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلوا دوں اور طاقتور میرے یہاں کمزور ہے جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ دلوا دوں ہم قضائے الٰہی پر راضی ہو چکے ہیں اور اسی کو سارے امور سونپ چکے ہیں کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں رسولؐ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہوں خدا کی قسم میں وہ ہوں جس نے سب سے پہلے آپؐ کی تصدیق کی تو اب آپؐ پر کذب تراشی میں کیسے پہل کروں گا میں نے اپنے حالات پر نظر کی تو دیکھا کہ میرے لئے ہر قسم کی بیعت سے اطاعت رسولؐ مقدم تھی اور اس سے کئے ہوئے عہد و پیمان کا جو میری گردن میں تھا۔

تشریح لغت (فَشِلَ) بروزن فَرِحَ۔ کمزور ہوا، سستی دکھائی، بزدلی کا مظاہرہ کیا، ڈھیلا ثابت ہوا۔ (اَلتَّطَلُّعُ) بلندی سے جھانکنا، سر اٹھا کر سامنے آنا۔ تَطَلَّعَهٗ وہ اس پر بلند ہوا اور اس نے اس سے آگاہی حاصل کی۔ (اَلتَّقَبُّعُ) سر چھپا لینا، اسی سے ہے (قَبَعَ الْقُنْفُذُ) مشتق ہے یعنی خارپشت نے اپنا سر اپنی جلد میں چھپا لیا۔ (قَبَعَ الرَّجُلُ فِيْ قَمِيْصِهٖ) جب کوئی شخص دوستوں سے منہ موڑ کر خانہ نشینی اختیار کر لے۔ (اَلتَّعْتَعَةُ) عاجزی کی وجہ سے گفتگو کے قابل نہ رہنا۔ (اَلْفَوْتُ) سبقت حاصل کرنا۔ (فَاتَهٗ فُلَانٌ بِذِرَاعٍ)

اس سے فلاں شخص ایک ذراع آگے بڑھ گیا۔(اِفۡتَاتَ فُلَانٌ اِفۡتِیَاتًا)جب کوئی شخص کسی فعل میں کسی سے سبقت حاصل کرلے۔ (اِسۡتَبَدَّ بِرَأۡیِہٖ وَ اسۡتَبَدَّ بِالشَّیۡءِ)جب کوئی اپنی رائے اور چیز پر مکمل حاوی ہوجائے اور اس کا بلاشرکت غیرے مالک بن جائے۔ (اَلرِّھَانُ)''رُھُوۡنٌ'' کی طرح ''رِھۡنٌ'' کی جمع رہن اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے قائم مقام کے طور پر کسی کے پاس رکھی جائے۔یا یہ لفظ مصدر ہے جیسے کہا جاتا ہے(رَاھَنۡتُ فُلَانًا عَلٰی کَذَا رِھَانًا وَّ تَرَاھَنَ الۡقَوۡمُ)اور''رِھَانٌ ''اس مال ومتاع کو کہا جاتا ہے جو کسی پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے کو دیا جاتا ہے اور خطبہ میں بھی یہی دسرا معنی معتبر ہے۔

(اَلۡقَوَاصِفُ)''قَاصِفٌ'' کی جمع''قَصَفَتِ الرِّیۡحُ الۡعُوۡدَ ''۔ہوا نے ٹہنی کو توڑ دیا۔یہ معناً ووزناً ''کَسَرَ یَکۡسِرُ'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(اَلۡعَوَاصِفُ)ہوا کے تند وتیز جھکڑ،''عَاصِفٌ'' کی جمع،البتہ''عَاصِفَۃٌ'' کی جمع''عَاصِفَاتٌ'' آتی ہے۔فیومی نے المصباح میں یہی نظریہ دیا ہے۔(اَلۡمَھۡمَزُ وَ الۡمَغۡمَزُ)''ھَمَزَ وَ غَمَزَ ''سے ظرف مکان،ھَمَزَہٗ: کسی کے پس پشت اس کے عیب بیان کرنا۔غَمَزَہٗ غَمۡزًا: کسی کی طرف آنکھ یا ابرو سے اشارہ کرنا۔چنانچہ جب یہ کہا جائے''لَیۡسَ فِیۡہِ مَغۡمَزَۃٌ وَ لَا غَمِیۡزَۃٌ''تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ اس میں کوئی عیب ونقص نہیں ہے۔

تشریح

شرح معتزلی سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کلام کے چار حصے ہیں۔اور چار متفرق خطبات سے سید رضیؒ نے اقتباسات لئے ہیں۔ اس کا پہلا اقتباس حضرتؑ کے ایک خطبہ سے لیا گیا ہے جو حضرتؑ نے جنگ نہروان کے بعد دیا اور اس میں آپؑ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے اپنی خلافت تک کے وقت تک کی اپنی اسلامی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

فصل اول

یہ فصل حضرتؑ کے ان مناقب جلیلہ پر مشتمل ہے جو صرف آپؑ کی ذات میں ہی پائے جاتے ہیں اور آپؑ کے علاوہ کسی اور میں یہ مناقب موجود نہیں ہیں۔(فَقُمۡتُ بِالۡاَمۡرِ حِیۡنَ فَشِلُوۡا)میں نے اس وقت اپنے فرائض انجام دیئے جب کہ اور سب اس راہ میں قدم بڑھانے کی جرأت نہ رکھتے تھے۔مقصد یہ ہے کہ میں نے دین کے معاملے کو مستحکم کیا اور یقین کی اساس کو مضبوط بنایا۔اور جنگ وصلح میں سنت سید المرسلین ﷺ کی ترویج کی۔اور میں نے یہ تمام کام تن تنہا سرانجام دیئے۔جب کہ میرے علاوہ باقی افراد اس امتحان میں ناکام رہے اور انہوں نے اپنی کمزوری وسستی کی وجہ سے ان فرائض کو ادا کرنے میں تاخیر کی تھی۔اور حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور حضورؐ کے بعد میری یہی سیرت رہی۔شارح معتزلی کہتے ہیں:''ان الفاظ سے آپؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس فریضہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو آپؑ نے خلیفہ ثالث کی بے ضابطگیوں کے خلاف روا رکھا تھا۔جب کہ دوسرے مہاجرین وانصار انہیں کھلم کھلا ٹوکنے کی جرأت نہ کرسکتے تھے۔جب کہ آپؑ بلاخوف وخطر انہیں غلط اقدامات سے برملا روکتے رہے تھے''۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان الفاظ کی جو تشریح وتعبیر کی ہے وہ شارح معتزلی کی اس تشریح سے زیادہ بہتر ہے۔ہاں اگر شارح

معتزلی حضرتؑ کے کلام کے سیاق سباق سے واقف ہوئے ہیں تو وہ پہلے انسان ہیں جو اس سے واقفیت رکھتے ہیں ورنہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی نے اس خطبہ کا سیاق وسباق جاننے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔(وَ تَطَلَّعْتُ حِيْنَ تَقَبَّعُوْا) یعنی میں نے حقائق معقولات ودقائق محسوسات کا علم اپنے سینہ میں جمع کیا ہے جب کہ میرے علاوہ باقی لوگ اس سے قاصر رہے۔(وَ نَطَقْتُ حِيْنَ تَعْتَعُوْا)اور میں نے ان دقیق مسائل میں زبان کھولی جب کہ ان کے بیان سے دوسرے لوگ گنگ نظر آتے تھے۔مقصد یہ ہے کہ میں نے شریعت کے ان مشکل احکام کی تشریح کی ہے جن کے بیان سے لوگوں کی زبانیں عاجز تھیں۔میں نے مشکل ترین مسائل کو اپنے حسن بیان سے آسان کر دیا اور جدید مسائل کا حل میں نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔(وَ مَضَيْتُ بِنُوْرِ اللّٰهِ حِيْنَ وَقَفُوْا) جب دوسرے لوگ ظلمت جہالت کی وجہ سے حیران وسرگردان تھے اور اپنی اس جہالت کہ وجہ سے قدم اٹھانے کے لائق بھی نہ تھے اس وقت میں نور خدا کی روشنی میں آگے بڑھا۔ان جملوں میں اللہ کے نور سے مراد آپؑ کا علم امامت ہے جسے آپؑ نے منبع نبوت ورسالت سے حاصل کیا تھا۔اور آیت نور میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں فضیل بن یسار کی زبانی تحریر کیا ہے۔راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾آپؑ نے فرمایا:''اللہ نے اسی طرح ہی فرمایا ہے''۔میں نے کہا:﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ ﴾آپؑ نے فرمایا:''اس سے مراد حضرت محمدؐ ہیں''۔میں نے کہا:﴿كَمِشْكٰوةٍ ﴾فرمایا:''یہ حضرت محمدؐ کا سینہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا علم علیؑ کے سینہ میں منتقل ہوا''۔میں نے کہا:﴿كَاَنَّهَا ﴾آپؑ نے فرمایا:''اسے ﴿كَاَنَّهَا ﴾کیوں پڑھتا ہے؟''۔میں نے کہا:''تو پھر اسے کیا پڑھوں؟''۔فرمایا:''پڑھو﴿ كَاَنَّهٗ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ﴾۔پھر فرمایا:''اس سے مراد امیر المؤمنینؑ ہیں،آپؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے''۔میں نے پھر آگے آیت تلاوت کی﴿ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ﴾۔فرمایا:''علم آل محمدؐ کسی کے بولنے سے پہلے ہی چھلکنے کے لئے تیار رہتا ہے''۔میں نے کہا:﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ﴾۔فرمایا:''امام کے بعد امام آئے گا''۔(وَ كُنْتُ اَخْفَضُهُمْ صَوْتًا) گو اس وقت میری آواز ان سب میں دھیمی تھی۔آواز کا دھیما پن تواضع وانکساری کی علامت ہے اور آواز کی کرختگی تکبر اور خودسری کی دلیل ہے۔اہل عرب اونچی آواز اور کرختگی سے بولنے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت لقمانؑ کی اس وصیت کو یاد دلایا جو انہوں نے اپنے فرزند کو کی تھی۔حضرت لقمانؑ کی وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی ﴿وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴾اور اپنی چال (ڈھال) میں میانہ روی اختیار کرو اور (دوسرے سے بولنے میں) اپنی آواز دھیمی رکھو کیونکہ آوازوں میں تو سب سے بری آواز (چیخنے کی وجہ سے) گدھوں کی ہے (لقمان/۱۹)

عام گفتگو میں دھیما پن وقار وشائستگی کی علامت ہے اور جنگ میں خاموشی اور دھیمی گفتگو عزم وثبات اور قوت کی مظہر ہے اور زور زور سے بولنا کمزوری اور بزدلی کی علامت ہے۔حضرتؑ نے اپنے ایک کلام میں اس حقیقت کی طرف حسین لفظوں میں یوں اشارہ فرمایا:''وَ قَدْ اَرْعَدُوْا وَ اَبْرَقُوْا وَ مَعَ هٰذَيْنِ الْاَمْرَيْنِ الْفَشَلُ وَ لَسْنَا نَرْعَدُ حَتّٰى نُوْقِعَ وَ لَا نَسِيْلُ حَتّٰى نَمْطُرَ ''اور وہ خوب گرجے چمکے مگر اس

کے باوجود بھی ناکام رہے اور ہم عملی اقدام سے پہلے گرجتے نہیں ہیں اور بارش برسانے سے پہلے سیلاب برپا نہیں کرتے۔ جب گفتگو کا دھیما پن قوت اور لاپرواہی کی علامت ہے تو اس کے بعد آپؑ نے یہ الفاظ کہنے مناسب سمجھے (وَ اَعْلَاهُمْ فَوْتًا) سبقت وپیش قدمی میں مَیں سب سے آگے تھا۔ کیونکہ اصول فطرت ہے جو جتنا قوت وثبات کا مالک ہوگا وہ اتنا ہی مراتب کمال وسعادت کو حاصل کرے گا۔ اور حسن کارکردگی کے میدان میں وہ پہلا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ (فَطِرْتُ بِعِنَانِهَا وَ اسْتَبْدَدْتُ بِرِهَانِهَا) میں اس کی باگ ڈور سنبھال کر اڑنے لگا اور میں اس میدان میں بازی لے گیا۔ درج بالا جملے کی دونوں ضمیریں آپؑ کے فضائل نفسانیہ اور کمالات معنویہ کی طرف اشارہ ہیں۔ اگرچہ ان کے مرجع کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا گیا۔ ان جملوں میں حضرتؑ نے سبقت عقلی کے لئے (طَیَرَانٌ) یعنی پرواز کا استعارہ استعمال فرمایا کیونکہ سبقت عقلی اور پرواز میں سرعت وتیز رفتاری کی قدر مشترک ہے۔ (عِنَانٌ، رِهَانٌ) کا تعلق دوڑ میں شرکت کرنے والے گھوڑوں سے ہے۔ آپؑ نے اپنا اور دیگر صحابہ کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میدان میں مَیں ان سے بازی لے گیا اور وہ نیکی کی دوڑ میں مجھ سے پیچھے رہ گئے۔ وہ میری غبار راہ کو بھی نہیں پاسکتے اور عقل وادراک کی منزل میں مَیں برق رفتاری سے سب سے آگے بڑھ گیا۔

فصل دوم

خطبہ کے درج ذیل حصہ میں آپؑ نے ظاہری خلافت کے حصول کے زمانہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اپنی عادلانہ حکومت کی ترجیحات کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔ (كَالْجَبَلِ لَا تُحَرِّكُهُ الْقَوَاصِفُ وَ لَا تُزِيلُهُ الْعَوَاصِفُ) میں حق پر ثابت قدمی اور قانون الٰہی کے اجرا میں ایک ایسا مضبوط اور ٹھوس پہاڑ ہوں جسے حالات کی آندھیاں اپنے مقام سے ہٹا نہیں سکتیں اور مصائب وآلام کے تیز جھکڑ جسے صراط مستقیم سے متزلزل نہیں کرسکتے۔ لوگوں کی نفسانی خواہشات اور سنت نبویؐ سے ان کے انحراف کی روش مجھے میرے نصب العین سے رائی برابر بھی دور نہیں کرسکتی۔ اور میں بلاخوف لومۃ لائم حق کی سربلندی اور اصولوں کی فتح کے لئے کام کرتا رہوں گا۔ (لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ فِيَّ مَهْمَزٌ وَ لَا لِقَائِلٍ فِيَّ مَغْمَزٌ) میرا طرز عمل عصمت کا مظہر ہے اور حدود واحکام کے متعلق کسی کو جرأت نہیں ہے کہ میرے سامنے یا میرے پس پشت کسی قسم کا اعتراض کرسکے۔ مجھ سے سابقہ حکمرانوں سے بہت سی بے ضابطگیاں سرزد ہوئی تھیں جب کہ میرے کردار پر اعتراض کرنے کی کسی کو کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور میری حکومت کی سب سے بڑی ترجیح عدل وانصاف کا قیام ہے اور میں اس کے لئے کسی امیر وغریب، آقا وغلام کا فرق روا نہیں رکھوں گا۔ (اَلذَّلِيلُ عِنْدِيْ عَزِيزٌ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَ الْقَوِيُّ عِنْدِيْ ضَعِيفٌ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ) معاشرہ کا دبا ہوا کمزور میری نظروں میں طاقت ور ہے جب تک ظالموں سے میں اس کا حق نہ دلادوں اور میں کسی شخص کی ظاہری، مادی اور سیاسی قوت سے ہرگز نہیں گھبراؤں گا۔ اور طاقت ور میرے یہاں کمزور ہے جب تک میں اس سے مظلوم کا حق دلوا نہ دوں۔

فصل سوم

(رَضِیْنَا عَنِ اللّٰہِ قَضَاءَ ہٗ وَ سَلَّمْنَا لِلّٰہِ اَمْرَہٗ اَتَرَانِیْ اَکْذِبُ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ص) وَ اللّٰہِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَہٗ فَلَا اَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ کَذَبَ عَلَیْہِ) ان جملوں سے آپؑ نے اپنی طرف سے رضا بقضاء اللہ اور تسلیم لامر اللہ کا اعلان فرمایا ہے۔ حضرتؑ نے یہ محسوس کیا کہ بعض بد بخت اپنی شقاوت کی وجہ سے حضرتؑ کو کاذب کہتے تھے۔ کیونکہ حضرتؑ لوگوں کو علم لدنی کی وجہ سے آنے والے حالات و وقائع کی خبر دیتے تھے مگر جاہل اور بد بخت آپؑ کی قبل از وقت پیشین گوئیاں سن کر دل میں تنگی محسوس کرتے تھے اور اپنے دلوں میں (نعوذ باللہ) کاذب سمجھتے تھے اور ایسے جُہال یہ رائے رکھتے تھے کہ حضرتؑ اپنی طرف سے باتیں بنا کر رسولؐ خدا کی طرف نسبت دے دیتے ہیں۔ حضرتؑ نے ایسے لوگوں کی پر زور تردید کی اور فرمایا (رَضِیْنَا عَنِ اللّٰہِ قَضَاءَ ہٗ وَ سَلَّمْنَا لِلّٰہِ اَمْرَہٗ) ہم قضائے الٰہی پر راضی ہیں اور اسی کو ہم نے اپنے تمام امور سونپ دیئے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بعض بد بخت ہماری تکذیب کرتے ہیں اور ہم پر کذب کی تہمتیں تراشتے ہیں۔ ہم ان سب باتوں سے صرف نظر کرتے ہیں کیونکہ ہم تسلیم و رضا کے پیکر ہیں۔ قلم قضاء کی تحریر کے سامنے ہم نے سر تسلیم جھکایا ہوا ہے۔

پھر حضرتؑ نے استفہام انکاری ابطالی کے ذریعہ سے مخالفین کی تہمت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا (اَتَرَانِیْ) کیا تو سمجھتا ہے؟۔ آپؑ کا یہ خطاب ہر اس شخص سے ہے جو ان کے متعلق سوئے ظن رکھے ہوئے ہو۔ (اَکْذِبُ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ص) وَ اللّٰہِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَہٗ فَلَا اَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ کَذَبَ عَلَیْہِ) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھتا ہوں؟۔ تو یہ تمہاری بدگمانی ہر لحاظ سے غلط ہے اور تمہارے خبث باطن کا مظہر ہے۔ ایسا کیونکر ممکن ہے کیونکہ خدا کی قسم! میں وہ ہوں جس نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی تصدیق کی تو اب آپؐ پر کذب بیانی میں کیسے پہل کر سکتا ہوں؟۔

فصل چہارم

(فَنَظَرْتُ فِیْ اَمْرِیْ فَاِذَا طَاعَتِیْ قَدْ سَبَقَتْ بَیْعَتِیْ وَ اِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ) وفات رسولؐ کے بعد آپؑ پر کیا گزری اور آپؑ نے ناگوار لمحات کو کیسے برداشت کیا۔ حضرتؑ نے اپنی اسی سرگزشت کو مذکورہ الفاظ میں بیان فرمایا۔ حضرتؑ نے اس اقتباس میں لوگوں کا اس حقیقت کی جانب توجہ دلائی کہ رسولؐ اللہ مجھ سے عہد لے چکے تھے کہ میرے بعد اگر مددگار میسر آئیں تو حصول خلافت کے لئے جنگ کرنا ورنہ صبر کر کے خاموشی سے کشائش کا انتظار کرنا اور اپنے خون کی حفاظت کرنا۔ (فَنَظَرْتُ فِیْ اَمْرِیْ) میں نے اپنے حالات پر نظر کی اور امر خلافت کو دیکھا جو کہ میرا حق تھا۔ (فَاِذَا طَاعَتِیْ قَدْ سَبَقَتْ بَیْعَتِیْ) تو میرے لئے ہر قسم کے حصول بیعت سے اطاعت امر رسولؐ مقدم تھی۔ رسولؐ خدا مجھے حکم دے کر گئے تھے کہ اگر تمہارے پاس مددگار نہ ہوں تو جنگ نہ کرنا اسی لئے میں جنگ نہیں کر سکتا تھا اور میں نے لوگوں سے اپنے بیعت خلافت کے لئے جنگ کرنا مناسب نہ جانا۔ (وَ اِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ) اور حضور ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان کا جوا میری گردن میں موجود تھا۔ حضورؐ اکرم مجھ سے وعدے کر گئے تھے کہ اگر مددگار میسر نہ آئیں تو جنگ نہ کرنا۔ میں سقیفائی

حکومت سے جنگ کر کے میثاق رسولؐ کو توڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔

شارح معتزلی کا عجیب موقف

شارح معتزلی نے فصل چہارم کی شرح کے بعد لکھا ہے: ''اگر یہ کہا جائے کہ حضرتؑ نے خلفاء سے اس لئے جنگ نہیں کی تھی کہ حضور اکرمؐ نے آپؑ کو یہی حکم دیا دیا تھا۔ مذکورہ تشریح اگر صحیح مان لی جائے تو یہ مذہب امامیہ کے نظریہ کی ترجمانی ہوگی۔ ہم (فرقہ معتزلہ) کہیں گے کہ نہیں درج بالا تشریح اپنے مقام پر درست ہے مگر اس سے مذہب امامیہ کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ہمارے بغدادی اصحاب کا نظریہ یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد حضرت علیؑ تمام صحابہ سے افضل تھے اور امامت کے زیادہ حق دار تھے۔ مگر اللہ اور اس کے رسولؐ نے امت کی فلاح وصلاح اسی میں دیکھی کہ مفضول کو افضل پر مقدم کیا جائے۔ اسی لئے حضرات ثلاثہ اگر چہ مفضول ہیں اور حضرت علیؑ افضل ہیں مگر خدا اور رسولؐ نے مفضول کو امت کی بھلائی کے لئے افضل پر مقدم کیا۔ اگر خدا اور اس کے رسولؐ امت کی بھلائی کے لئے انہیں مقدم نہ کرتے تو پھر خلفائے ثلاثہ یقیناً ہلاک ہو جاتے۔ رسولؐ اللہ نے اللہ کی تعلیم سے فیض پا کر حضرت علیؑ کو بتا دیا تھا کہ وہ امامت وخلافت کے حق دار ہیں مگر ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر ان کا غیر ان پر مقدم ہو جائے اور وہ صبر کریں تو اس میں دین کی مصلحت اور امت کی بھلائی ہے۔ اور ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے سے مفضول کی خلافت کو برداشت کریں اور خلافت کا مطالبہ نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمان پیغمبرؐ کی پوری پوری تعمیل کی تھی۔ اور حضرتؑ کے حق دار خلافت ہونے کے باوجود بھی خلفائے ثلاثہ پر کوئی حرف نہیں آتا کہ وہ مفضول ہو کر افضل سے مقدم کیوں ہوئے؟۔ اور ہمارے شیخ ابوالقاسم بلخی اور ان کے شاگردوں نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اگر علیؑ تلوار اٹھاتے اور خلفاء سے جنگ کرتے تو ہم مخالفین کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیتے۔ جیسا کہ ہم حضرتؑ سے جنگ کرنے والوں کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ سب گمراہ ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ مالک خلافت تھے اگر وہ خلافت طلب کرتے اور خلفاء ان سے جھگڑتے تو ہم انہیں فاسق قرار دیتے۔ لیکن جب حضرت علیؑ نے خود خلفاء سے کوئی تنازعہ نہیں کیا اور خوشی سے خلفاء کی اطاعت کرتے رہے تو ہم خلفاء کو فاسق اور خطا کار قرار نہیں دے سکتے، ہم انہیں عادل قرار دیتے ہیں۔ اس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صحیح احادیث کے مطابق ہی ہوگا۔ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد پاک ہے ''عَلِیٌّ مَّعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ یَدُوْرُ حَیْثُمَا دَارَ'' علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے، جدھر علیؑ جائیں حق بھی ادھر پھر جاتا ہے۔ اور حضور کریم نے متعدد مواقع پر ارشاد فرمایا ''حَرْبُكَ حَرْبِیْ وَ سِلْمُكَ سِلْمِیْ'' یا علی! تیری جنگ میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے۔ اور حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ سے صلح رکھی۔ اسی لئے ہم انہیں عادل مانتے ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ خلفائے ثلاثہ کے ساتھ رہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ حق پر تھے۔ اور میرے نزدیک یہی مذہب درست ہے اور میں اسی کا قائل ہوں''۔ انتہیٰ قولہٗ۔

مسلک امامیہ اور شارح معتزلی کا رد

ہم شارح معتزلی کے اس نظریہ کے ابطال کے لئے قبل ازیں خطبہ شقشقیہ کی شرح کے دوسرے مقدمہ مین اپنی معروضات پیش کر چکے ہیں اور اس مقام پر بھی کچھ مزید حقائق پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ حق، باطل کی ملاوٹ سے بالکل پاک صاف ہو کر واضح ہو سکے۔ شارح معتزلی کے مذکورہ بالا قول کے متعلق ہمیں مندرجہ ذیل تین میں سے ایک نظریہ قبول کرنا ہوگا:۔

۱۔ حضرت علیؑ خلافت کے مالک تھے اور علیؑ افضل الناس تھے مگر اس کے باوجود مفضول کو ترجیح دی گئی تو مفضول کو اللہ اور رسولؐ نے علیؑ پر مقدم کیا۔

۲۔ اللہ اور رسولؐ نے تو مفضول کو افضل پر مقدم نہیں رکھا تھا بلکہ مفضول خود ہی اپنے آپؑ کو حضرت علی کی نسبت زیادہ حق دار سمجھتے ہوئے مسند خلافت پر براجمان ہو گئے۔

۳۔ دوسرے صحابہ اور امت کے افراد نے اپنی خواہش کے تحت انہیں مسند خلافت پر بٹھا دیا۔ یا امت کی مصلحت اور صلاح وفلاح کے لئے انہیں افضل پر ترجیح دیتے ہوئے خلیفہ بنا دیا گیا۔

ان درج بالا تین باتوں میں سے ایک کو لازماً تسلیم کرنا ہوگا۔ پہلی شق تو بالاتفاق درست نہیں ہے۔ کیونکہ تمام ائمہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا اور رسولؐ نے مسئلہ امامت کے متعلق کوئی نص صریح قائم نہیں کی۔ اگر بالفرض ان کی خلافت کے لئے کوئی نص ہوتی تو وہ سقیفہ میں اس نص کو پیش کر کے اپنا استحقاق خلافت ثابت کرتے۔ اور چونکہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر وعمر کی طرف سے کوئی نص پیش نہیں کی گئی تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہیں خدا اور رسولؐ نے مقرر نہیں کیا تھا۔ اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کی خلافت خدا و رسولؐ کے فرمان کے تحت قائم ہوئی تھی تو چند معتبر قسم کے صحابہ نے نص کے باوجود ان سے اختلاف کیوں کیا؟ اور حضرت علیؑ تو پوری زندگی یہی کہتے رہے کہ ''جب سے رسولؐ خدا نے وفات پائی ہے میں اس دن سے مظلوم بنا دیا گیا ہوں اور مجھے ہمیشہ میرے حق سے محروم رکھا گیا ہے''۔ اگر شیخین کے حق میں خدا اور رسولؐ کا کوئی فرمان ہوتا تو حضرتؑ انہیں معذور سمجھتے اور کبھی اپنے لبوں تک حرف شکوہ نہ لاتے۔ علاوہ ازیں افضل کی موجودگی میں مفضول کو مقدم کرنا عقلی طور پر قبیح ہے اور قرآن بھی اسے غلط قرار دیتا ہے ﴿اَفَمَنْ یَّھْدِیْ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَھِدِّیْ اِلَّا اَنْ یُّھْدٰی فَمَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ﴾ کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ اتباع کئے جانے کے زیادہ لائق ہے یا وہ جسے جب تک راستہ نہ دکھایا جائے خود ہی صحیح راہ پر چلنے کے لائق نہ ہو؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو (یونس/ ۳۵)۔ نیز ایک اور مقام پر فرمان قدرت ہے ﴿ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ﴾ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ (زمر/ ۹)۔ جب ثابت ہو گیا کہ قرآن مفضول کو افضل پر تقدم کو جائز قرار نہیں دیتا تو اللہ اور رسولؐ بھی حضرت علیؑ جیسے افضل کی موجودگی میں کسی مفضول کو مقدم نہیں کرتے۔

باقی رہا معتزلہ کا یہ نظریہ کہ اگر مفضول کو مقدم کرنے میں امت کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے

کہ اگر مفضول کے مقدم کرنے میں امت کا مفاد مضمر ہوتا تو حضرت علیؑ یقیناً اس مفاد سے واقف ہوتے اور کبھی بھی اس پر اعتراض نہ کرتے مگر تاریخ کے اوراق اس بات سے بھرے پڑے ہیں کہ حضرت علیؑ ہمیشہ سقیفائی حکومت کو غاصبانہ حکومت قرار دیتے رہے اور ہمیشہ آپؑ نے اس کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا بھی بخوبی علم ہے کہ حضرت علیؑ اپنی ذات کے لئے اقتدار کو پسند نہیں کرتے تھے جیسا کہ نہج البلاغہ کے چھتیسویں خطبہ میں آپؑ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ اگر حق کا قیام اور باطل کی سرکوبی مقصود نہ ہوتی تو تمہاری حکومت کی قدر و قیمت میری نظروں میں میری اس پھٹی پرانی جوتی جتنا بھی نہ ہوتی۔ اس کے باوجود بھی اگر حضرت علیؑ کسی کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں تو اس کا یہی نتیجہ ہوگا کہ حضرتؑ ان کی حکومت و اقتدار کو مفاد امت میں نہیں سمجھتے تھے۔ اگر سقیفائی حکومت امت اسلامیہ کے مفاد میں ہوتی تو حضرتؑ سب سے پہلے اس کی تائید و تصدیق کرتے اور ارکان حکومت کو دعاؤں سے یاد کرتے۔ لیکن خطبہ شقشقیہ کا ایک ایک حرف آپؑ کے اندرونی قلق و اندوہ کا مظہر ہے۔

اگر اس مقام پر دوسرا موقف قائم کیا جائے کہ مفضول نے اس لئے سریر سلطنت پر قبضہ کیا کہ وہ سمجھتا تھا کہ میں اس افضل سے بہتر نظام مملکت چلانے کا اہل ہوں۔ تو یہ نظریہ بھی باطل ہے کیونکہ جب دو اشخاص کے نظریات آپس میں ٹکرا جائیں اور ان میں سے ایک افضل ہو اور دوسرا مفضول ہو تو اس صورت میں مفضول کا فرض ہے کہ وہ افضل کے نظریہ کی اتباع کرے۔ مفضول کو کسی طرح سے بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ افضل کو اپنی پیروی پر مجبور کرے۔ اور یہاں تیسرا موقف آخر میں یہی ہوسکتا ہے کہ امت کے ایک معتد بہ (کثیر) طبقہ نے اپنے نفس امارہ کی تسکین کے لئے افضل کو چھوڑ کر مفضول کو ترجیح دی، کیونکہ ان کے سینوں میں افضل کے خلاف حسد اور کینہ کے جذبات پائے جاتے تھے۔ اور سقیفائی حکومت کے متعلق یہی نظریہ درست اور صحیح ہے اور اس کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہہ نہیں ہے۔

لوگوں نے حضرت علیؑ کو کیوں چھوڑا؟

اس سوال کا خوبصورت جواب خلیل بن احمد نے اس وقت دیا جب ان سے پوچھا گیا: ''آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب ہم اصحاب رسولؐ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یوں نظر آتا ہے جیسے ان سب کی ماں ہی ایک ہو۔ یعنی سگے بھائیوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ مگر جب ہم حضرت علیؑ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ صحابہ انہیں یوں سمجھتے تھے جیسے وہ سوتیلی ماں کا بیٹا ہو؟''۔ اس کا جواب خلیل بن احمد نے ان الفاظ سے دیا: ''تَقَدَّمَهُمْ اِسْلَاماً وَ بَذَّهُمْ شَرَفًا وَ فَاقَهُمْ عِلْماً وَ رَجَّهَهُمْ حِلْماً وَ كَثَّرَهُمْ هُدًى فَحَسَدُوْهُ وَ النَّاسُ اِلىٰ اَمْثَالِهِمْ اَمْيَلُ'' (حضرت علیؑ ان سے پہلے اسلام لائے، شرف میں ان سے بازی لے گئے، علم میں ان سے بڑھ گئے، حلم میں ان کو بہت پیچھے چھوڑا اور ہدایت کے میدان میں ان سے سبقت کی تو لوگوں نے ان سے حسد کیا اور لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے جیسوں سے محبت کرتے ہیں)۔ ایک مرتبہ ابن عمر نے حضرت علیؑ سے کہا تھا: ''قریش آپؑ سے محبت کریں تو کیسے کریں۔ آپؑ نے بدر کے دن ان کے ستر سردار قتل کر دیئے تھے۔ اور بدر کے بعد قریش کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ ان کے ناک ہونٹوں سے پہلے پانی پیتے ہیں (غصہ سے بھرے ہوئے ہیں)''۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''سچ ہے کہ بدر نے ہمارے لئے مصالحت کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی اور صلح صفائی کا کوئی طریقہ ہی باقی

نہیں چھوڑا''۔حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور عبداللہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا تھا کہ قریش کو علیؑ سے بغض کیوں ہے؟ تو انہوں نے اس کا جواب دیا:''لِاَنَّهٗ اَوْرَدَ اَوَّلَهُمُ النَّارَ وَآخِرَهُمُ الْعَارَ''(کیونکہ آپؑ نے ان کے اول کو دوزخ پہنچایا اور ان کے آخری فرد کو رسوا کیا)۔ ابرزید نحوی کہتے ہیں کہ کسی نے خلیل بن احمد سے یہ سوال کیا گیا کہ لوگوں نے علیؑ کو کیوں چھوڑ دیا تھا جب کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ مقبول سے قرابت کا شرف حاصل ہے۔اور اسلام اور مسلمین کے لئے ان کی گرانقدر خدمات ہیں؟''۔یہ سن کر خلیل عروضی نے کہا:''جَهَرَ وَاللّٰهِ نُوْرُهٗ اَنْوَارَهُمْ وَ غَلَبَهُمْ عَلٰى صَفْوِ كُلِّ مَنْهَلٍ وَ النَّاسُ اِلٰى اَشْكَالِهِمْ اَمْيَلُ اَمَا سَمِعْتَ الْاَوَّلَ حَيْثُ يَقُوْلُ

وَ كُلُّ شِكْلٍ لِشِكْلِهٖ اٰلِفٌ اَمَا تَرَى الْفِيْلَ يَأْلِفُ الْفِيْلَا''

خدا کی قسم!علیؑ کے نور نے ان کے نور کو مات کر دیا تھا اور حضرت علیؑ فضیلت کے ہر میدان میں ان سے بازی لے گیا تھا اور لوگوں کی نفسیات یہ ہے کہ وہ اپنے شکل وصورت رکھنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔کیا تو نے کسی شاعر کا یہ شعر کبھی نہیں سنا کہ ہر شخص اپنی شکل و صورت والے سے محبت کرتا ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہاتھی ہاتھی سے ہی محبت کرتا ہے۔(یا بقولے: کند جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز۔از مترجم)

ریاشی نے عباس بن احنف کے یہ شعر بھی اسی مفہوم کی وضاحت کے لئے پڑھے:

وَ قَائِلٌ كَيْفَ تَهَاجَرْتُمَا فَقُلْتُ قَوْلًا فِيْهِ اِنْصَافٌ

لَمْ يَكُنْ مِنْ شِكْلِيْ فَهَاجَرْتُهٗ وَ النَّاسُ اَشْكَالٌ وَ آلَافٌ

کئی اشخاص پوچھتے ہیں کہ تم ایک دوسرے سے جدا کیوں ہوئے؟ میں نے ان کے جواب میں ایسی بات کہی جس میں انصاف تھا۔وہ میری شکل کا نہ تھا اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا اور لوگ اپنے ہم شکل اور ہم خیال سے ہی محبت کیا کرتے ہیں۔

بعض علمائے معتزلہ نے اپنے موقف کے اظہار کے لئے یوں مثال دی ہے کہ ایک عورت کے چند بھائی ہوں اور نکاح کے لئے چھوٹے بھائی اس کے ولی بن جائیں اور بڑے بھائی خاموشی سے ان کی ولایت کو تسلیم کر لیں تو ان کی ولایت بلا اشکال درست قرار پائے گی۔اس کے جواب میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر بڑے بھائی دیندار ہوں اور خاموش رہیں تو پھر تو چھوٹے بھائیوں کی ولایت بلا اشکال درست ہے لیکن اگر بڑے بھائی دیندار ہو کر چھوٹے بھائیوں کی ولایت پر اعتراض کریں اور سرے سے اس ولایت کے تحت ہونے والے عقد کو بھی ناجائز کہیں تو ایسی ولایت کسی طور پر بھی قابل تسلیم نہیں ہے۔اور ہم سب اور تاریخ کے پڑھنے والا ہر صاحب انصاف اس حقیقت کو جانتا ہے کہ حضرت علیؑ نے سقیفائی حکومت کو کبھی بھی دل سے تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ ہر مناسب موقع پر انہوں نے اپنی مظلومیت کا اظہار کیا تھا۔ اور اس حقیقت کو شارح معتزلی نے حضرتؑ کے اس خطبہ کی شرح میں تحریر کیا جو حضرتؑ نے محمد بن ابوبکر کو مصر کا عامل مقرر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا اور ہم چھبیسویں خطبہ کی شرح میں یہ روایت پہلے بھی نقل کر چکے ہیں اور موقع کی مناسبت سے اس روایت کا اعادہ کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے محمد بن ابی بکر سے اپنی سرگذشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:''ثُمَّ قَالُوا هَلُمَّ فَبَايِعْ وَ اِلَّا جَاهَدْنَاكَ فَبَايَعْتُ مُسْتَكْرِهًا وَ صَبَرْتُ مُحْتَسِبًا فَقَالَ قَائِلُهُمْ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اِنَّكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ لَحَرِيْصٌ فَقُلْتُ اَنْتُمْ اَحْرَصُ مِنِّيْ وَ اَبْعَدُ اَيْنَا اَحْرَصُ اَنَا

الَّذِیْ طَلَبْتُ تُرَاثِیْ وَ حَقِّیَ الَّذِیْ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَوْلیٰ بِہٖ اَمْ اَنْتُمْ تَضْرِبُوْنَ وَجْھِیْ دُوْنَہٗ وَ تَحُوْلُوْنَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہٗ فَبُھِتُوْا وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ..... ''(انہوں نے مجھے کہا کہ آؤ بیعت کرو ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے۔ میں نے مجبوراً بیعت کی اور اللہ سے انصاف کی امید پر صبر کیا۔ ان میں سے کہنے والے ایک نے مجھ سے کہا کہ فرزند ابوطالب! تو اس امر کا حریص ہے۔ میں نے کہا کہ تم بہت زیادہ لالچی اور حریص ہو۔ میں جس خلافت کا طلبگار ہوں وہ میری میراث ہے اور خلافت میرا وہ حق ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے مجھے حقدار بنایا ہے۔ اور تم ہو کہ مجھے اپنے حق سے دور دھکیلتے رہتے ہو اور میرے اور میرے حق کے درمیان ہمیشہ سے حائل ہوتے آرہے ہو۔ اب بتاؤ کہ حریص میں ہوں یا تم ہو؟۔ میری گفتگو سن کر وہ لاجواب ہو گئے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا.....)

اس کے علاوہ شارح معتزلی نے خطبہ مذکورہ کی شرح میں حضرتؑ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے ''فَنَظَرْتُ فَاِذَا لَیْسَ لِیْ مُعِیْنٌ اِلَّا اَھْلُ بَیْتِیْ فَضَنَنْتُ بِھِمْ عَنِ الْمَوْتِ ''جب میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی تو میرے اہل بیت (ع) کے علاوہ میرا کوئی مددگار موجود نہیں تھا اور میں نے انہیں موت کے منہ میں دھکیلنے سے پرہیز کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرتؑ پوری زندگی یہی جملے کہتے رہے اور وفات رسولؐ کے بعد آپؑ نے فرمایا تھا: ''کاش! مجھے چالیس پرعزم ساتھی مل جاتے تو میں سقیفائی حکومت سے جنگ کرتا''۔

مذکورہ خطبہ کی شرح میں شارح معتزلی نے معاویہ کا ایک خط نقل کیا جس سے ہمارے موقف کی مزید تائید ہوتی ہے۔ معاویہ نے ایک خط میں حضرتؑ کو لکھا: ''کل جب حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت ہوئی تھی تو تیری یہ حالت تھی کہ تو نے اپنی بیوی کو گدھے پر سوار کیا ہوا تھا اور تیرے ہاتھوں میں تیرے بیٹوں حسن و حسین کا ہاتھ تھا اور تو ہر بدری صحابی اور تمام سابقین صحابہ کے پاس گیا اور تو نے انہیں اپنی خلافت کی دعوت دی اور تو نے صحابہ کو رسولؐ خدا کے یار غار کے خلاف بھڑکانا چاہا اور اس کے خلاف تو نے لوگوں سے مدد کی درخواست کی تھی مگر چار یا پانچ افراد کے علاوہ کسی نے تیری بات نہیں مانی''۔ غرضیکہ کتب تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ حضرتؑ نے خلافت کا مطالبہ کیا تھا مگر آپؑ کو محروم رکھا گیا۔ اور تمام اہل بصیرت اس حقیقت سے واقف ہیں مگر مصلحتوں کی وجہ سے منقار زیر پر ہیں۔

علی بن صلاح الدین کا خط

سلطان صلاح الدین والی شام کے تین بیٹے تھے۔ ان کے نام یہ تھے۔ علی، ابوبکر اور عثمان۔ سلطان صلاح الدین نے اپنے بیٹے علی کو اپنا ولی عہد نامزد کیا اور اس کے لئے وصیت کر کے جہان فانی سے رخصت ہوا۔ جیسے ہی سلطان کی وفات ہوئی تو اس کے دوسرے دو بیٹوں ابوبکر اور عثمان نے آپس میں اتفاق کر لیا اور باپ کی وصیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تخت حکومت پر قابض ہو گئے۔ بھائیوں کی یہ طوطا چشمی دیکھ کر علی بن صلاح الدین نے امام سلطان ناصر الدین کو خط لکھا تا کہ وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کرے اور بھائیوں کے غاصبانہ قبضہ کو ختم کر کے اسے اس کا جائز حق دلائے۔ اور علی بن صلاح الدین نے اپنے مسئلہ کو نظم کے پیرائے میں یوں بیان کیا اور یہی نظم امام ناصر لدین اللہ کو رونہ کی گئی۔ نظم میں حسن تلمیح سے پورا استفادہ کیا گیا:

مَوْلَایَ اِنَّ اَبَابَکْرَ وَ صَاحِبَہٗ عُثْمَانَ قَدْ غَصَبَا حَقَّ عَلِیٍّ

وَ کَانَ بِالْاَمْسِ وَلَّاہُ وَالِدُہٗ فِیْ عَھْدِہٖ فَاَضَاعَا الْاَمْرَ حَقْدَ وَلِیِّ
فَانْظُرْ اِلٰی حَظِّ ھٰذَاالْاِسْمِ کَیْفَ لَقِیَ مِنَ الْاَوَاخِرِ مَا لَاقَا مِنَ الْاَوَّلِ
اِذْ خَالَفَاہُ وَ حَلَّا عَقْدَ بَیْعَتِہٖ وَ اَبْنَیْھَا وَ النَّصُّ فِیْہِ جَلِیٌّ

محترم آقا! ابوبکر اور اس کے ساتھی عثمان نے تلوار سے علیؑ کا حق غصب کر لیا۔ حالانکہ علیؑ کو کل اس کا والد اپنے عہد میں ہی ولی مقرر کر کے گیا تھا۔ لیکن ان دونوں نے حسد و کینہ کی وجہ سے علی کا حق ضائع کر دیا۔ آپ اس نام (علی) کا مقدر تو ملاحظہ کریں، اس سے آخر والوں نے بھی وہی سلوک کیا جو پہلوں نے اس سے کیا تھا۔ دونوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کی محکم بیعت کی پیمان شکنی کی۔ جبکہ اس کے حق میں واضح نص بھی موجود تھی۔

جب یہ نظم سلطان ناصر الدین اللہ نے پڑھی تو واقعات کی تطبیق اور اس حسن تلمیح سے نہایت محظوظ ہوا اور اس نے علی بن صلاح الدین کے خط کی پشت پر یہ تین شعر لکھ دیئے:

وَافَا کِتَابُكَ یَابْنَ یُوْسُفَ مَنْطِقًا بِالْخَیْرِ یُخْبِرُ اَنَّ اَصْلَكَ طَاھِرٌ
مَنَعُوْا عَلِیًّا اِرْثَہٗ اِذْ لَمْ یَکُنْ بَعْدَ النَّبِیِّ لَہٗ بِیَثْرَبَ نَاصِرٌ
فَاصْبِرْ فَاِنَّ غَدًا عَلَیَّ حِسَابُھُمْ وَ اَبْشِرْ فَنَاصِرُكَ الْاِمَامُ النَّاصِرُ

فرزند یوسف! تیرا خط ہمیں ملا جس مین تمہاری خیریت مذکور تھی اور تیرا خط بتا رہا ہے کہ تیری اصل پاک ہے۔ نبیؐ کے بعد لوگوں نے مدینہ میں علیؑ کو اس لئے اس کی میراث سے محروم رکھا کہ وہاں نبیؐ کے بعد علیؑ کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ لیکن تو صبر کر کہ میں ان سے کل خود حساب لوں گا اور تجھے بشارت ہو کہ تیرا مددگار امام ناصر ہے۔

حضرت علیؑ کی خاموشی سقیفہ میں پروان چڑھنے والی حکومت کے لئے تب دلیل بنتی جب حضرت علیؑ کی خاموشی رضامندی کی وجہ سے ہوتی جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی خاموشی رضامندی کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف و تقیہ کی وجہ سے تھی۔ اسی لئے حضرت علیؑ کی خاموشی سے سقیفائی حکومت کو عادلانہ حکومت کی سند نہیں دی جا سکتی۔ سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ حضرت علیؑ جب اتنے بڑے بہادر تھے تو وہ سقیفائی حکومت کے دور میں خاموش کیوں رہے؟ اور انہوں نے جنگ کیوں نہیں کی؟ لہٰذا حضرت علیؑ کا جنگ نہ کرنا خلفائے ثلاثہ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ واقعی بہادر تھے بلکہ ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ ہی نہیں ہے جس سے حضرت علیؑ کی شجاعت کا اندازہ لگا سکیں۔ علیؑ ہمارے تصورات کی حد سے بھی زیادہ بہادر تھے۔ مگر حقیقت پھر بھی اپنے مقام پر باقی رہے گی کہ آپؑ اول و آخر ایک انسان ہی تھے اور ایک انسان کے لئے ناممکن ہے کہ تن تنہا تمام دنیا سے مقابلہ کرے اور تمام لوگوں پر غلبہ حاصل کرے۔ اور جب کوئی انسان بزور شمشیر اپنا حق نہ لے سکتا ہو تو اس کے لئے تقیہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ

شارح معتزلی نے اپنے شیخ ابوالقاسم کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اخبار صحیحہ سے ثابت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَ عَلِیٌّ مَّعَ الْحَقِّ یَدُوْرُ حَیْثُمَا دَارَ ''حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ بھی حق کے ساتھ ہے بلکہ جدھر علیؑ پھرتا ہے حق بھی ادھر ہی پھرتا ہے۔ یہ حدیث معتبر اور موثق اسناد سے مروی ہے بلکہ اس حدیث کے لئے تواتر کا دعویٰ کرنا بھی غلط نہیں ہوگا۔ اس حدیث کو محدث بحرانی نے طریق عامہ سے پندرہ اسناد سے نقل کیا ہے اور طریق خاصہ سے گیارہ اسناد سے نقل کیا ہے۔ طرق عامہ کی ایک روایت کچھ اس طرح سے ہے: شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھا کہ ایک شخص نے ان سے آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا: ''کون ہے؟''۔ آنے والے نے دروازے پر کہا: ''میں علیؑ کا آزاد کردہ غلام ابوثابت ہوں''۔ یہ سن کر بی بی نے کہا: ''مرحبا! ابوثابت تمہیں اجازت ہے اندر آجاؤ''۔ ابوثابت اندر داخل ہوئے تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے انہیں بٹھانے کے بعد کہا: ''ابوثابت! جب لوگوں کے دل اڑنے لگے تھے تو تیرے دل نے کہاں پرواز کی تھی؟''۔ ابوثابت نے کہا: ''بی بی میرے دل نے علیؑ کی پیروی کی تھی''۔ تب حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: ''خدا کی توفیق تیرے شامل حال ہوئی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ اختیار میں میری جان ہے، میں نے حضرت رسولؐ خدا سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے ''عَلِیٌّ مَّعَ الْحَقِّ وَ الْقُرْآنِ وَ اَلْحَقُّ وَ الْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَ لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ ''(علیؑ حق اور قرآن کے ساتھ ہے اور حق اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہیں اور جب تک حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے)۔

ایک اور طریق میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''عَلِیٌّ مَّعَ الْحَقِّ وَ اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَ لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ ''(علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے اور جب تک حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے)۔

موفق بن احمد کی روایت میں اس کے اسناد سے سلیمان الاعمش سے انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ اور اسود سے روایت کی ہے اور وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے ابوایوب انصاریؓ سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمار بن یاسر سے یہ کہتے ہوئے سنا: ''یَا عَمَّارُ! تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ وَ اَنْتَ مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَكَ يَا عَمَّارُ! اِذَا رَأَيْتَ عَلِيًّا سَلَكَ وَادِيًا وَ سَلَكَ وَادِيًا غَيْرَهُ فَاسْلُكْ مَعَ عَلِيٍّ وَ دَعِ النَّاسَ اِنَّهُ لَنْ يَّدُلُّكَ عَلٰى رِدىً وَ لَنْ يُّخْرِجُكَ عَنِ الْهُدٰى يَا عَمَّارُ اِنَّهُ مَنْ تَقَلَّدَ سَيْفًا اَعَانَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّهٖ قَلَّدَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِشَاحًا مِنْ دُرٍّ وَ مَنْ تَقَلَّدَ سَيْفًا اَعَانَ بِهٖ عَدُوَّ عَلِيٍّ قَلَّدَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِشَاحاً مِنْ نَّارٍ ''(عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور تو حق کے ساتھ ہوگا اور حق تیرے ساتھ ہوگا۔ عمار! جب تو یہ دیکھے کہ علیؑ ایک وادی میں چل رہے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری وادی میں چل رہے ہیں تو تم علیؑ کے ساتھ چلنا اور دوسرے لوگوں کو چھوڑ دینا۔ علیؑ کبھی بھی تجھے ہلاکت کا راستہ نہیں دکھائے گا۔ اور تجھے کبھی بھی ہدایت سے باہر نہیں نکالے گا۔ جو شخص علیؑ کی مدد کے لئے علیؑ کے دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ

اسے قیامت کے دن موتیوں کا لباس پہنائے گا۔اور جو علیؑ کے کسی دشمن کی مدد کے لئے تلوار حمائل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن دوزخ کی آگ کا لباس پہنائے گا۔

دلیل عصمت

میں کہتا ہوں کہ درج بالا حدیث حضرت امیر المومنینؑ کی عصمت و امامت اور سقیفائی حکومت کی بطلان کی واضح ترین دلیل ہے:

۱۔اس حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ نے غیر مشروط طور پر اعلان کیا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اگر خدانخواستہ علیؑ سے کسی غلطی کا امکان ہوتا تو رحمۃً للعالمینؐ اس کا علی الاطلاق اعلان نہ فرماتے۔کیونکہ اگر حضرت علیؑ کی پوری زندگی میں بھی ان سے ایک لغزش صادر ہوجائے تو حدیث پیغمبرؐ جھوٹی قرار پائے گی۔اور حدیث پیغمبرؐ کا جھوٹا ہونا ناممکن ہے۔اس لئے تسلیم کرنا ہوگا کہ حضرت علیؑ معصوم ہیں۔

۲۔رحمۃً للعالمینؐ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔بلکہ حضورؐ کریم نے اپنے بیان میں مزید تاکید پیدا کرتے ہوئے فرمایا:''لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ'' یہ دونوں ہرگز ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں۔حدیث کے درج بالا الفاظ اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ حق کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں حضرت علیؑ سے جدا نہیں ہوگا۔اور جس شخصیت سے کبھی حق جدا نہ ہو وہی امامت کے قابل ہوتی ہے اور ایسی شخصیت کی موجودگی میں اگر کوئی غیر تخت حکومت پر قبضہ کرلے تو اس کا قبضہ غیر اخلاقی قرار پائے گا۔

۳۔حضورؐ کریم نے عمار یاسر سے فرمایا:''عمار! اگر تم کبھی دیکھو کہ علیؑ تن تنہا ایک وادی میں سفر کر رہے ہوں اور باقی تمام لوگ دوسری وادی میں سفر کر رہے ہوں تو ایسی حالت میں تم علیؑ کے ساتھ چلنا''۔حدیث مبارکہ کے درج بالا الفاظ حضرت علیؑ کی اقتداء کے لئے نص صریح ہیں۔اور غیر کی اقتداء کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔اور واضح رہے کہ سرور کائناتؐ نے حضرت علیؑ کی اقتداء کے لئے یہ دلیل دی ہے:''علیؑ تجھے کبھی ہلاکت کا راستہ نہیں دکھائے گا اور تجھے ہدایت سے باہر نہ نکالے گا''۔حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ اس حقیقت کے شاہد عادل ہیں جو علیؑ کی اقتداء کو چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کرے گا وہ ہدایت سے خارج ہوجائے گا اور ہلاکت کی وادی میں چلا جائے گا۔اسی حدیث کا اثر تھا کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے ہمیشہ امیر المؤمنینؑ کا اتباع کیا اور انہی کی اتباع میں میدان صفین میں جام شہادت نوش فرمایا۔اور یوں حضورؐ کریم کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوگئی:''عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔تو انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے''۔صحیح بخاری باب التعاون فی بناء المسجد۔اس حدیث مبارکہ میں حضرت عمارؓ کے قاتلوں کو باغی اور دوزخی قرار دیا گیا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عمار کو معاویہ کی فوج نے قتل کیا تھا لہٰذا حدیث کے مطابق وہ گروہ باغی اور دوزخی قرار پائے گا۔

فضل بن روزبہان کا استدلال اور اس کی تردید

تعجب خیز امر یہ ہے کہ مشہور ناصبی فضل بن روزبہان نے اس حدیث کو اپنے موقف کی مؤید قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:''عَلِیٌّ مَّعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ'' کی حدیث صحیح السند بھی ثابت ہوجائے تو بھی اس سے ہمارے خلفاء کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ حق علیؑ

کے ساتھ تھا اور علیؑ خلفاء کے ساتھ تھے۔ اس حدیث کی رو سے ہمارے خلفاء کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہمارا موقف یہ ہے کہ جن افراد نے حضرتؑ کے ایام خلافت میں ان کے خلاف بغاوت کی تھی تو وہ باطل پر تھے اور حضرت علیؑ حق پر تھے''۔

اس مقام پر ہم عرض کریں گے کہ فضل بن روز بہان کا حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ ''اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے''۔ یہ مسلمہ حقیقت سے انحراف کے مترادف ہے اور یہ اس کے خبث باطن کا اظہار ہے۔ ورنہ حدیث کی صحت ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ علاوہ ازیں فضل بن روز بہان کا یہ کہنا کہ ''حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ خلفاء کے ساتھ ہیں''۔ حقیقت کی بالکل نفی ہے۔ ہاں اگر ساتھ سے مراد یہ ہے کہ حضرت علیؑ ان کے ساتھ اسی شہر میں رہے اور انہوں نے اس شہر سے ہجرت نہیں کی تو پھر درست ہے ورنہ خلفاء کے ساتھ حضرت علیؑ کا اختلاف اور تنازع اتنا واضح ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اس حقیقت کو حضرت عمرؓ نے بھی اپنے ایک خطبہ میں خود تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح البخاری باب رجم الحُبلیٰ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں تقریر کی جس میں انہوں نے اپنی خلافت کی رام کہانی سنائی اور اس تقریر میں انہوں نے یہ الفاظ کہے: ''اِنَّ الْاَنْصَارَ خَالَفُوْنَا وَ اجْتَمَعُوْا بِاَسَرِّهِمْ فِیْ سَقِیْفَةِ بَنِیْ سَاعِدَةَ وَ خَالَفَ عَنَّا عَلِیٌّ وَ الزُّبَیْرُ وَ مَنْ مَّعَهُمَا.....'' جب رسولؐ خدا کی وفات ہوئی تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت علیؑ نے ہماری مخالفت کی اور زبیر نے بھی ہماری مخالفت کی اور جو ان دونوں کے ساتھ تھے انہوں نے بھی ہماری مخالفت کی۔ اگر اس مقام پر کوئی شخص خلفاء کی وکالت میں یہ کہے کہ آخر کیا ہوا اگر حضرت علیؑ نے مخالفت بھی کی تو حضرت علیؑ تو صرف فرد واحد تھے ان کی مخالفت سے کسی کا کیا بگڑتا ہے؟۔ ہم عرض کریں گے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت علیؑ اکیلے نہیں تھے بلکہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے، حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ تو جس جس کے مخالف حضرت علیؑ ہوں گے اسی کا مخالف قرآن بھی ہوگا اور اس کا مخالف حق بھی ہوگا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ آخر حضرت علیؑ نے خلفاء کو مشورے کیوں دیئے؟ اور ان کی راہنمائی کیوں کی؟ تو اس سلسلے میں ہم گزارش کریں گے کہ یہ سچ ہے کہ حضرت علیؑ نے انہیں مشورے دیئے اور بعض مقامات پر ان کی رہنمائی بھی کی لیکن حضرت علیؑ نے ہمیشہ سید المرسلینؐ کی شریعت کے لئے مشورے دیئے اور جب بھی مولاؑ نے رہنمائی کی تو صرف اس لئے کہ اسلام سربلند رہے اور اسلام کو کسی قیمت پر بھی سرنگوں نہیں ہونا چاہئے۔ حضرتؑ کی طرف سے رہنمائی اور مشورے ان کی حکومت کے استحکام کے لئے نہیں تھے، دین کی سربلندی کے لئے تھے۔ ابن روز بہان کا یہ موقف انتہائی عجیب ہے کہ حضرتؑ کے زمانہ خلافت میں جن لوگوں نے آپؑ کے خلاف بغاوت کی تھی وہ باطل پر تھے اور حضرت علیؑ حق پر تھے تو ہم اس سلسلے میں عرض کریں گے کہ آخر خلافت ظاہری کی تخصیص کی ضرورت ہی کیا ہے؟ واضح سی بات ہے کہ ارباب سقیفہ بھی حضرتؑ کے مخالف تھے اور جمل وصفین کے حریف بھی آپؑ کے مخالف تھے۔ جمل و صفین کے حریفوں کے وقت تو حضرت علیؑ کے پاس قوت وشوکت موجود تھی۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے ان سے جنگ کی اور سقیفائی حریفوں کے وقت حضرتؑ کے پاس مددگار نہیں تھے۔ اسی لئے حضرتؑ نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس وقت مولاؑ کے پاس قوت وشوکت موجود ہوتی تو آپؑ ایک دن بھی ان کا اقتدار پسند نہ کرتے اور بزور شمشیر آپؑ اپنے حق کو حاصل کر لیتے۔ اور اس مقام پر ہم یہ حقیقت بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر ارباب سقیفہ حضرت علیؑ کی مخالفت نہ کرتے تو جمل وصفین میں بھی کسی کو ان کی مخالفت کی جرأت نہ

ہوتی۔جمل وصفین کی تمام تر جسارتوں کا سرچشمہ سقیفہ میں تلاش کرنا چاہئے۔

ع۔ اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تو ست

حضرت علیؑ نے جنگ کیوں نہ کی؟

ہماری سابقہ بحث سے آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرتؑ نے اپنے حریفوں سے اس لئے جنگ نہیں کی تھی کیونکہ حضور کریم ﷺ انہیں وصیت کر گئے تھے کہ اگر انہیں مددگار میسر آئیں تو جنگ کریں ورنہ جنگ نہ کریں۔علاوہ ازیں حضرتؑ کے جنگ نہ کرنے میں اور بھی بہت سی مصلحتیں مضمر تھیں جن کا اظہار ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی روایات سے ہوتا ہے۔اس مقام پر حضرتؑ کے جنگ نہ کرنے کی وجوہات کا تفصیلی جائزہ لینا چاہتے ہیں تا کہ انصاف پسند افراد آپؑ کے جنگ نہ کرنے کو آپؑ کی رضامندی پر محمول نہ کریں۔

حضرت علیؑ نے جنگ نہ کر کے چھ انبیاء کی پیروی کی

شیخ سعید عزالدین ابومنصور احمد بن علی ابن ابی طالب طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج طبرسی میں روایت کی ہے کہ جنگ نہروان سے فراغت پانے کے بعد امیرالمؤمنینؑ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے،متفرق امور پر گفتگو ہوتی رہی، یہاں تک کہ آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ نے ابوبکر وعمر سے طلحہ،زبیر اور معاویہ کی طرح سے جنگ کیوں نہ کی؟۔حضرتؑ نے فرمایا:''اِنِّیْ کُنْتُ لَمْ اَزَلْ مَظْلُوْمًا مُسْتَأْثِرًا عَلیٰ حَقِّیْ ''میں ہمیشہ سے مظلوم رہا ہوں اور ہمیشہ مجھ سے میرا حق چھینا گیا۔اس وقت اشعث بن قیس نے کھڑے ہو کر کہا:''تو پھر آپؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟ اور بزور شمشیر اپنا حق کیوں نہ وصول کیا؟''۔امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا:''اشعث! تو نے سوال کیا ہے تو جواب بھی سن اور اسے ذہن نشین کر لے۔اور میری دلیل وحجت کا شعور بھی پیدا کر۔میں نے جنگ نہ کر کے چھ انبیاء علیہم السلام کی پیروی کی ہے۔

۱۔حضرت نوحؑ کی پیروی

حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفین سے جنگ نہیں کی تھی۔بلکہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں درخواست کی تھی ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ نوحؑ نے اللہ سے دعا مانگی کہ بالتحقیق میں مغلوب ہوں،میری مدد کر(قمر/۱۰)۔اگر کوئی یہ کہے کہ نوحؑ نے یہ جملے کسی خوف کے بغیر ہی کہے تھے تو وہ کافر ہے۔اگر نبی مغلوب ہو کر جنگ سے گریز کرے تو درست اور اگر وصی ایسا کرے تو اعتراض کیوں ہے؟۔

۲۔حضرت لوطؑ کی پیروی

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بھی مددگار موجود نہ تھے اور انہیں سرکشوں کے خلاف قوت میسر نہ تھی۔جس کا اظہار انہوں نے ان لفظوں میں فرمایا ﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ﴾ لوطؑ نے کہا کہ کاش مجھ میں مقابلے کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا(ہود/۸۰)۔اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اگر حضرت لوطؑ کے پاس قوت ہوتی تو وہ مقابلہ کرتے اب قوت نہ تھی لہٰذا مقابلہ نہیں کیا۔اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ الفاظ لوطؑ نے خوف کے بغیر کہے تو وہ کافر ہے۔اور اگر میں نے لوطؑ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے جنگ نہیں کی تو میں بھی معذور ہوں۔

۳۔حضرت ابراہیمؑ کی پیروی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ میں تمہیں اور تمہارے ان خداؤں کو چھوڑ کر جارہا ہوں جن کی تم خدا کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہو (مریم/ ۴۸)۔ابراہیم علیہ السلام نے شہر چھوڑ کر جانے کا جو اعلان کیا وہ خوف اور مددگاروں کے نہ ملنے کی وجہ سے تھا۔اب اگر کوئی کہے کہ نبی نے یہ الفاظ خوف کے بغیر کہے تو وہ کافر ہے اور وصی کے پاس بھی یہی وجہ موجود ہے اس لئے وصی بھی معذور ہے۔

۴۔حضرت موسیٰؑ کی پیروی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار فرعون میں اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ جب میں تم سے ڈرا تو بھاگ گیا (شعراء/ ۲۱)۔اگر کوئی یہ کہے کہ موسیٰؑ نے یہ الفاظ خوف کے بغیر کہے کافر ہے، اس حالت میں وصی بھی معذور ہے۔

۵۔حضرت ہارونؑ کی پیروی

میں نے جنگ نہ کر کے حضرت ہارون علیہ السلام کی پیروی بھی کی۔ جب حضرت موسیٰؑ نے انہیں کہا تھا کہ تم نے جب دیکھا کہ سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا اور بنی اسرائیل گؤ سالہ کی عبادت کرنے لگے تو تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا؟۔حضرت ہارونؑ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا: ﴿قَالَ ابْنَ أُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ﴾ ہارون نے کہا: ''اے میرے ماں جائے! میں کیا کرتا قوم نے مجھے حقیر سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں'' (اعراف/ ۱۵۰)۔اب اگر کوئی کہے کہ ہارون نے یہ الفاظ خوف کے بغیر کہے تو وہ کافر ہے۔ورنہ یاد رکھو کہ وصی بھی معذور ہے(۱)۔

۶۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی

میں نے اپنے بھائی خیر البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی کیونکہ رسولؐ اللہ نے بھی ہجرت فرمائی تھی اور خود غار کی طرف گئے تھے اور مجھے اپنے بستر پر سلایا تھا۔اب اگر کوئی کہے کہ رسولؐ اللہ خوف کے بغیر گھر چھوڑ کر گئے تھے تو وہ کافر ہے اور اس طرح سے وصی بھی معذور ہے'' (۲)۔حضرتؑ کی تقریر سن کر حاضرین سب کے سب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ''یا امیر المؤمنینؑ! اب ہم نے جان لیا ہے کہ آپؑ کا موقف بالکل درست تھا اور ہم گناہ گار تھے اور ہم اپنے غلط نظریہ سے توبہ کرتے ہیں۔اللہ نے آپؑ کو واقعی معذور رکھا ہے''۔

---

(۱) حضرت ہارون علیہ السلام نے دو جواب دیئے تھے۔پہلا جواب تو وہی ہے اور دوسرا جواب یہ تھا کہ ﴿اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ﴾ میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا بھی خیال نہ رکھا (طٰہٰ/ ۹۴) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے دو اسباب کی بنا پر جنگ نہ کی:۔

۱۔ان کے پاس مددگار نہ تھے۔ ۲۔وہ قوم میں تفرقہ پیدا نہ کرنا چاہتے تھے۔

جبکہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے پیغمبرؐ کی مشہور حدیث ہے ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَ بَعْدِیْ'' تیری مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے

اسی احتجاج طبرسی میں احمد بن ہمام کی روایت مذکور ہے۔ احمد بن ہمام کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ اقتدار میں مَیں عبادہ بن صامت صحابی کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: ''عبادہ! کیا خلیفہ بننے سے قبل لوگ حضرت ابوبکر کو افضل تسلیم کرتے تھے؟''۔ یہ سن کر عبادہ نے کہا: ''ابوثعلبہ! جب ہم خاموش رہیں تو تم بھی خاموش رہا کرو اور خواہ مخواہ ہمیں مت چھیڑا کرو۔ خدا کی قسم! حضرت علیؑ ابوبکر سے خلافت کا اتنا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں جیسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوجہل سے نبوت کا استحقاق رکھتے تھے''۔

عبادہ بن صامت نے کہا: ''میں تمہیں اور زیادہ بتاؤں!۔ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ کے دروازے پر حضرت علیؑ ابوبکر اور عمر آئے۔ ابوبکر پہلے داخل ہوئے، پھر عمر داخل ہوئے۔ ان دونوں کے بعد حضرت علیؑ داخل ہوئے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ علیؑ! یہ دونوں تجھ سے آگے چلتے ہیں جب کہ اللہ نے تجھے ان دونوں کا امیر بنایا ہے''۔

حضرت ابوبکر نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ! میں بھول گیا تھا۔ اور حضرت عمر نے کہا کہ مجھے سہو طاری ہو گیا تھا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ تم دونوں کو سہو ونسیان نہیں ہوا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس سے اس کی حکومت چھین لو گے اور اس کے خلاف اعلان جنگ کرو گے اور علیؑ کے دشمن اور رسولؐ کے دشمن اس کے لئے تمہارے مددگار ہوں گے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مہاجرین وانصار کی یہ حالت کر دو گے کہ وہ تلوار لے کر دنیا کے لئے ایک دوسرے کو مار رہے ہوں گے۔ اور میں اپنے اہل بیت علیہم السلام کو مقہور ومظلوم دیکھ رہا ہوں وہ زمین کے اطراف واکناف میں پراگندہ ہو جائیں گے۔ اور قضاء وقدر میں اس امر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد رسولؐ اللہ اتنا روئے کہ آپؐ کے آنسو آپؐ کے رخساروں پر جاری ہو گئے پھر فرمایا کہ یا علیؑ! صبر کرنا صبر کرنا، یہاں تک کہ امر خدا نازل ہو اور علی وعظیم خدا کے علاوہ کوئی قوت ومدد نہیں ہے۔ تمہیں تمہارے ہر دن کے بدلے میں اللہ اتنا اجر دے گا جسے تمہارے لکھنے والے فرشتے شمار نہ کر سکیں گے۔ اور جب تمہارے پاس قوت آجائے تو تم تلوار اٹھا کر قتال کرنا یہاں تک کہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے امر کی طرف رجوع کر لیں۔ بے شک تو حق پر ہے اور تیرا دشمن باطل پر ہے۔ اسی طرح سے قیامت کے دن تک تیری اولاد بھی حق پر ہو گی اور ان کے دشمن باطل پر ہوں گے''۔

تفسیر قمی میں احمد بن علی سے روایت ہے کہ اس نے حسین بن عبداللہ سعدی سے اس نے حسن بن موسیٰ خشاب سے، اس نے عبد اللہ بن حسین سے، اس نے اپنے بعض اصحاب سے، اس نے ابراہیم کرخی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: ''کیا حضرت علیؑ جسمانی طور پر طاقتور اور قوی نہ تھے؟ اور کیا وہ امر الٰہی کے لئے قوی نہ تھے؟''۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''بے شک وہ قوی تھے''۔ تو اس نے کہا: ''پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہیں اٹھائی؟''۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''تو نے سوال کیا ہے تو جواب بھی سن لے۔ قرآن کی ایک آیت نے حضرت علیؑ کو جنگ سے روک دیا تھا اس نے کہا کون سی آیت نے روکا تھا؟ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھا ﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جب حضرت موسیٰؑ کے ہارونؑ نے جنگ نہیں کی تھی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہارون کیسے جنگ کر سکتے تھے؟ اور جن علل واسباب کی وجہ سے ہارونِ موسوی نے جنگ نہیں کی تھی انہی اسباب کی وجہ سے ہارون محمدیؐ نے بھی جنگ نہیں کی۔ از مترجم۔

(۲) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسولؐ اللہ نے مدینہ میں آکر تو کفار سے جنگ کی تھی۔ ہم بھی کہیں گے کہ حضرتؐ نے بھی کوفہ آکر اپنے مخالفین سے جنگ کی تھی۔ از مترجم۔

عَذَابًا اَلِیْمًا ﴾ اگر وہ وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم کافروں کو سخت عذاب دیتے (فتح / ۲۵)۔ سنو! کافر و منافق لوگوں کی پشتوں میں چند مؤمنوں کے روح ودیعت رکھے گئے تھے۔ جب تک وہ امانتیں ان کی پشت سے منتقل ہو کر زمین پر قدم نہ رکھ لیتیں اس وقت تک حضرت علیؑ جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اگر حضرت علیؑ وقت سے پہلے جنگ کرتے تو اس کی نسل سے جن مؤمنوں نے پیدا ہونا تھا، پیدا نہ ہو سکتے۔ جب ان کی پشت میں رہنے والے مؤمن پیدا ہو گئے تو حضرت علیؑ نے بھی جن سے جنگ کرنی تھی جنگ کی اور جسے قتل کرنا تھا قتل کر دیا۔ اسی طرح سے ہمارے قائم (عج) بھی کریں گے جب تک اللہ کی تمام امانات اپنے ظرفوں سے باہر نہ آ جائیں اس وقت تک قائم آل محمد (عج) بھی ظہور نہیں کریں گے۔ جب خدائی امانتیں باہر آ چکی ہوں گی تو قائم آل محمد (عج) ظہور فرمائیں گے اور پھر جو بھی ان کی مخالفت کرے گا وہ اسے قتل کر دیں گے''۔

شارح کا کہنا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مندرجہ بالا آیت کی جو تشریح کی ہے وہ اس آیت کی تاویل ہے۔ جب کہ آیت بالا کی تنزیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ مکہ مکرمہ میں کچھ ایسے ایماندار بھی رہتے ہیں جن سے آپؐ واقف نہیں ہیں۔ اگر وہ کفار سے جدا ہو جاتے تو ہم کفار کو دردناک عذاب دیتے۔

❁❁❁❁❁❁❁

جنگ نہ کرنے کے مزید دلائل

۱۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں امالی مفید کے حوالہ سے جندب بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے۔ جندب کا بیان ہے کہ جس دن حضرت عثمان کی بیعت ہوئی اس دن میں امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ پریشان ہو کر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ میں نے عرض کیا: ''میں آپؑ پر قربان جاؤں! آپؑ کی قوم نے آپؑ کو کیا اذیت دی ہے؟''۔ آپؑ نے فرمایا: ''بس صبر جمیل ہی کر سکتا ہوں''۔ میں نے کہا: ''سبحان اللہ! آپؑ تو بس صبر ہی کرتے رہتے ہیں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''میں اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا ہوں؟''۔ میں نے کہا: ''آپؑ ان لوگوں میں کھڑے ہو کر انہیں اپنی خلافت کی دعوت دیں اور انہیں یہ بتائیں کہ آپؑ ہی سبقت ایمانی اور فضیلت کی وجہ سے نیابت رسولؐ کے اہل ہیں اور لوگوں کو اپنے مخالفین کے خلاف تیار کریں۔ اگر سو میں سے دس افراد بھی آپؑ کے ہم نوا بن جائیں تو ان دس کے ذریعہ سے مزید افراد کو قائل کریں۔ اگر آپؑ کے مخالفین مان جائیں تو بہتر ورنہ ان سے جنگ کریں۔ اگر آپؑ جنگ میں کامیاب ہو جائیں تو آپؑ کو آپؑ کا وہ حق مل جائے گا جو رسولؐ اللہ نے آپؑ کو دیا تھا اور اگر اس راہ میں آپؑ قتل ہو گئے تو آپؑ شہید ہوں گے اور اللہ کے ہاں اپنا عذر پیش کر سکیں گے۔ کیونکہ آپؑ میراث رسولؐ کے صحیح حقدار ہیں''۔

یہ سن کر امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''جندب! کیا تو سمجھتا ہے کہ سو میں سے دس آدمی میری بیعت کر لیں گے؟''۔ میں نے کہا: ''میں تو یہی امید رکھتا ہوں''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''نہیں مجھے تو سو میں سے دو آدمیوں کی امید بھی نہیں ہے۔ اور میں تجھے اس کی اصل وجہ بتائے دیتا ہوں۔ لوگ قریش کی طرف دیکھتے ہیں اور قریش یہ کہتے ہیں کہ آل محمد علیہم السلام اپنے آپ کو باقی قریش سے افضل سمجھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ باقی قریش کی نسبت امر خلافت کے وہ زیادہ حقدار ہیں۔ اسی لئے قریش کا خیال یہ ہے کہ اگر خلافت آل محمدؐ میں چلی گئی تو پھر آل محمدؐ

سے نکل کر کسی اور کے پاس نہیں جائے گی۔ اور اگر آل محمدؐ کے علاوہ کسی اور کے پاس خلافت ہو تو وہ اسے وہاں سے نکال کر اپنے گھروں میں لا سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! قریش خوشی سے ہمیں کبھی خلافت نہیں دیں گے''۔ میں نے کہا: ''اگر آپؑ اجازت دیں تو میں لوگوں کو آپؑ کی مجبوریاں بتاؤں اور انہیں آپؑ کی دعوت دوں؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''جندب! ابھی اس کا وقت نہیں آیا''۔ جندب کہتے ہیں کہ پھر میں عراق چلا آیا۔ پھر جب بھی میں عراق میں امیر المؤمنینؑ کے فضائل کی کوئی بات کرتا تو لوگ مجھ پر ناراض ہوتے اور مجھے منع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ولید بن عقبہ کے پاس لوگوں نے میری شکایت کی تو اس نے مجھے بلا کر قید کر دیا۔ پھر چند با اثر افراد نے میری سفارش کی تو میں زندان سے رہا ہوا''۔

۲۔ شیخ صدوق نے العیون اور علل الشرائع میں اپنی اسناد سے ہیثم بن عبداللہ الرمانی سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا: ''آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے رسولؐ اللہ کی وفات سے لے کر پورے پچیس برس تک اپنے دشمنوں سے جنگ نہیں کی لیکن بعد ازاں انہوں نے اپنی حکومت کے ایام میں مخالفین سے جنگ کی؟''۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا: ''امیر المؤمنینؑ نے رسولؐ اللہ کی تیرہ سالہ مکی زندگی اور انیس ماہ کی مدنی زندگی کی پیروی کی۔ کیونکہ حضرت رسولؐ اللہ نے اس پورے عرصہ میں اپنے مددگاروں کی قلت کے پیش نظر مشرکین سے جنگ نہیں کی تھی۔ جب تیرہ سالہ مکی زندگی اور انیس ماہ کی مدنی زندگی میں حضورؐ کریم نے مشرکین سے جہاد نہیں کیا اور عدم جہاد کی وجہ سے آپؐ کی نبوت باطل نہیں ہوئی بعینہٖ اسی طرح سے پچیس سال تک جہاد نہ کرنے کی وجہ سے حضرت علیؑ کی امامت بھی باطل نہیں ہوئی۔ کیونکہ نبی اور وصی کے جہاد نہ کرنے کا سبب مشترک تھا''۔

۳۔ شیخ نے کتاب غَیبت میں سلیم بن قیس ہلالی العامری سے روایت نقل کی، انہوں نے جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عباس سے روایت کی، دونوں صحابیوں کا بیان ہے کہ جناب رسولؐ اللہ نے امیر المؤمنینؑ کو وصیت فرمائی تھی: ''یا علیؑ! عنقریب قریش تمہارے خلاف اجتماع کر کے تم پر ظلم و ستم کریں گے۔ اگر تمہیں مددگار مل جائیں تو ان سے جنگ کرنا اور اگر مددگار میسر نہ آئیں تو اپنے ہاتھ کو روکے رکھنا اور اپنے خون کی حفاظت کرنا۔ شہادت تمہارے انتظار میں ہے۔ اللہ تیرے قاتل پر لعنت کرے''۔

۴۔ سلیم بن قیس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''ہم امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں موجود تھے اور آپؑ کے بہت سے دیگر اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ایک کہنے والے نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! آپؑ لوگوں کو اپنی مدد کے لئے آمادہ نہیں کریں گے؟''۔ یہ سن کر آپؑ اٹھے اور خطبہ دیا اور فرمایا: ''لوگو! میں نے تمہیں آمادہ کرنا چاہا لیکن تم آمادہ نہ ہوئے۔ میں نے تمہیں دعوت دی لیکن تم نے اسے سننا گوارا نہ کیا۔ تم موجود تو ہو مگر غائبوں کی طرح اور زندہ ہو مگر مردوں جیسے اور تم کان رکھنے کے باوجود بہرے ہو۔ میں تمہارے سامنے دانش کی باتیں کرتا ہوں اور شفا بخش اور کفایت آمیز مواعظ سے تمہیں وعظ کرتا ہوں اور میں ظالموں سے جہاد کرنے کی تمہیں ترغیب دیتا ہوں لیکن ابھی میری بات پوری طرح سے مکمل نہیں ہو پاتی کہ میں تمہیں مختلف ٹولیوں کی شکل میں اپنے یہاں سے متفرق ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ تم اپنی محافل میں اشعار پڑھتے ہو اور ضرب الامثال بیان کرتے ہو اور کھجور اور دودھ کی قیمتوں کا سوال کرتے ہو۔ تباہ ہو جاؤ! میں نے تمہیں جنگ اور اس کی تیاری کی دعوت دی۔ تمہارے دل جنگ کے ذکر سے خالی ہو چکے ہیں اور تم نے اپنے دلوں کو غلط سلط گمراہ کن باتوں میں مشغول کر لیا اور میں

نے تمہیں کہا اس سے پہلے کہ وہ تم سے جنگ کریں، تم ان سے جنگ کرو۔ خدا کی قسم! جس قوم کی سرحدوں کے اندر جنگ ہوئی وہ قوم ذلیل ہوئی۔ اور خدا کی قسم! میں گمان نہیں کرتا کہ ان کے اقدام سے پہلے تم کوئی عملی اقدام اٹھا سکو۔ پھر میں نے چاہا کہ میں جب انہیں دیکھوں تو اپنی بصیرت اور یقین کے تحت ان سے ٹکرا کر اللہ کی ملاقات کروں اور تمہاری زحمت و مشقت سے چھٹکارا حاصل کروں۔ تمہاری حیثیت اونٹوں کے اس گلہ کی سی ہے جس کا چرواہا گم ہو جائے اور انہیں جب بھی ایک طرف سے سمیٹا جائے تو وہ دوسری طرف سے منتشر ہو جائیں۔ خدا کی قسم! تمہارے متعلق میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ اگر جنگ میں شدت پیدا ہو جائے اور موت کی گرم بازاری ہو جائے تو تم ابو طالب کے فرزند سے ایسے کٹ جاؤ گے جیسے سر کٹ جاتا ہے جس کا بعد میں جڑنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اور جیسے عورت بچہ کو جنم دے کر آزاد ہو جاتی ہے''۔

اشعث بن قیس نے کہا: ''پھر آپؑ نے وہ کام کیوں نہ کیا جو عثمان نے کیا؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''تو کیا جو کچھ عثمان نے کیا بھلا تم نے مجھے وہ کرتے دیکھا؟۔ ابن قیس تیری بات کی برائی سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم! عثمان کا فعل اس کے بے دین دوستوں کو رسوا کرنے والا ہے اور اس کے پاس کوئی دلیل و حجت کا وثیقہ نہیں ہے۔ اور میں ایسا کروں بھی تو کیسے جب کہ میں اپنے رب کی واضح برہان پر ہوں اور میرے ہاتھ میں دلیل و حجت ہے اور حق میرے ساتھ ہے۔ خدا کی قسم! جو شخص دشمن کو اپنے اوپر اتنا تسلط دے کہ وہ اس کے گوشت کو پارہ پارہ کرے، اس کی جلد کو کاٹنے لگے اور اس کی ہڈیوں کو توڑنے لگے اور اس کا خون بہانے لگے اور وہ ایسے دشمن کو اپنے سے ہٹانے کی قدرت بھی رکھتا ہو تو بے شک اس کا بوجھ زیادہ ہے اور اس کے سینہ کی پسلیوں میں چھپا ہوا دل انتہائی کمزور ہے۔ ابن قیس! تو ایسا بن جا۔ خدا کی قسم جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں ایسا ہونے سے پہلے مقام مشارف کی تیز دھار تلوار چلاؤں گا جس سے سر کی ہڈیوں کے پرخچے اڑنے لگیں گے اور ہاتھ اور کلائیاں کٹ کٹ کر نیچے گریں گی۔ اس کے بعد جو اللہ چاہے فیصلہ کرے۔ قیس کا بیٹا! تجھ پر ہلاکت ہو۔ مؤمن ہر طرح کی موت مر سکتا ہے لیکن وہ خودکشی نہیں کر سکتا۔ اور جو اپنے خون کی حفاظت کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر حفاظت نہ کر کے قتل کے لئے میدان کو خالی چھوڑ دے تو وہ شخص اپنا قاتل آپ ہے۔ اے فرزند قیس! اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور ان تمام فرقوں میں سب سے بدتر اور ان سب سے ناپسندیدہ تر اور سب کی نسبت حق سے دور تر سامریوں کا وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں ہم جنگ نہیں کرتے۔ یہ جھوٹے ہیں جب کہ اللہ نے اپنی کتاب اور رسولؐ نے اپنی سنت میں باغیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح سے خدا اور رسولؐ نے مارقین سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے''۔

اشعث بن قیس لعین نے کہا: ''فرزند ابو طالب! جب بنی تمیم کے فرد کی بیعت کی گئی اور بنی عدی اور بنی امیہ کے افراد کی لوگوں نے بیعت کی تھی تو پھر آہ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟ اور جب سے آپ عراق میں آئے اور جب بھی آپ نے ہمیں کوئی خطبہ دیا ہے تو آپ نے اپنے ہر خطبہ میں یہ ضرور کہا کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ امر خلافت کا مستحق ہوں اور جب سے رسولؐ اللہ کی وفات ہوئی ہے، میں اس وقت سے ظلم کا نشانہ بنتا آ رہا ہوں۔ آخر ایسی باتیں کرنے کے بجائے آپ نے اپنے حقوق کے لئے تلوار کیوں نہ اٹھالی؟''۔

امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: ''فرزند قیس! جواب سن۔ تلوار اٹھانے سے مجھے بزدلی نے نہیں روکا تھا اور یہ بات بھی نہیں کہ میں اپنے رب کی ملاقات کو ناپسند کرتا تھا۔ جب کہ مجھے یہ بھی علم ہے کہ میرے لئے اللہ کے یہاں جو بدلہ ہے وہ دنیا اور یہاں کی زندگی سے بہتر ہے۔

ہاں مجھے تلوار اٹھانے سے رسولؐ اللہ کے حکم اور ان کے عہد نے روکا۔ رسولؐ اللہ مجھے بتلا کر گئے تھے کہ ان کے بعد مجھ سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ اور امت کے ظلم و جفا سے قبل میں یقین کی جس منزل پر کھڑا تھا اس ظلم وستم کے بعد بھی میرے یقین مین ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی۔ بلکہ امت کے تمام مظالم دیکھ کر میرے یقین میں مزید اضافہ ہوا۔ میں نے حضورؐ کریم سے پوچھا تھا کہ ان دردناک حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تمہیں مددگار مل جائیں تو ان سے جہاد کرو اور اگر مددگار نہ ملیں تو اپنے ہاتھ کو روکے رکھنا اور اپنے خون کی حفاظت کرنا۔ اور اس وقت تک جنگ نہ کرنا جب تک دین اور کتاب خدا اور میری سنت کے قیام کے لئے تمہیں مددگار نہ ملیں۔ اور آنحضرتؐ نے مجھے خبر دی تھی کہ امت مجھے تنہا چھوڑ کر میرے غیر کی بیعت کرلے گی اور آپؐ نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ میری ان سے وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی۔ اور مزید یہ کہ امت مجھ سے وہی سلوک کرے گی جو بنی اسرائیل نے خلافت ہارون کے وقت ہارون سے سلوک کیا تھا۔

بنی اسرائیل نے ہارون سے اعراض کرتے ہوئے گؤ سالہ کو اپنا معبود بنالیا تھا اور سامری کے بہکانے سے بہک گئے تھے اور جب موسیٰؑ چالیس راتوں کے بعد واپس آئے اور قوم کی گمراہی کو دیکھا تو ہارون پر ناراض ہوکر ان سے کہنے لگے کہ ہارون! جب تم نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہوگئے ہیں تو تم نے میری سنت جہاد پر عمل کیوں نہ کیا؟ اور کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟۔ اس وقت ہارون نے جواب میں کہا تھا ﴿قَالَ يَابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَ لَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي﴾ اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑ۔ میں تو اس سے ڈرا کہ کہیں آپ واپس آکر مجھے یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا کچھ بھی خیال نہ رکھا (طٰہٰ/۹۴)۔

اصل بات یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے جب حضرت ہارون کو اپنا قائم مقام بنایا تھا تو ان سے کہا تھا کہ میرے جانے کے بعد دیکھو کہ امت گمراہ ہوگئی ہے اگر تمہیں مددگار میسر ہوں تو جنگ کرنا اور اگر تمہیں مددگار نہ ملیں تو اپنے ہاتھ کو روکے رکھنا اور اپنے خون کی حفاظت کرنا اور امت میں تفریق پیدا نہ کرنا۔ اسی طرح سے اگر میں بھی تلوار اٹھاتا تو جناب رسولؐ اللہ مجھ سے فرماتے کہ میں نے تمہیں وصیت کی تھی کہ اگر مددگار مل جائیں تو جنگ کرنا ورنہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا اور اپنے اہل بیتؑ اور اپنے شیعوں کے خون کی حفاظت کرنا۔ اور صورتحال یہ تھی کہ مجھے ہارون کی طرح سے مددگار نہیں ملے اگر پھر بھی اس جنگ کرتا تو اندیشہ تھا کہ آنحضرتؐ مجھ سے فرماتے کہ جب تمہارے پاس مددگار نہ تھے تو امت میں تفرقہ کیوں ڈالا اور تم نے میرے فرمان کا خیال کیوں نہ کیا؟۔

(اب واقعات کی حقیقت سنو!) جب رسولؐ اللہ کی وفات ہوئی تو لوگ ابوبکر کی طرف مائل ہوگئے اور انہوں نے اس کی بیعت کر لی اور میں اس وقت رسولؐ خدا کے غسل وکفن میں مصروف تھا۔ پھر میں نے قرآن جمع کرنے کی ٹھانی اور قسم کھالی کہ نماز کے علاوہ قرآن جمع کئے بغیر ردا نہیں اوڑھوں گا اور میں نے قرآن جمع کیا۔ بعدازاں میں نے بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو سوار کیا اور حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑ کر تمام اہل بدر اور بزرگ مہاجرین وانصار کے پاس گیا اور اپنے حق کے لئے انہیں خدا کا واسطہ دیا اور انہیں اپنی مدد کی دعوت دی تمام لوگوں میں سے صرف چار افراد نے میری دعوت پر لبیک کہی اور وہ تھے زبیر، سلمان، ابوذر اور مقداد۔ اور میرے خاندان میں سے کوئی ایسا فرد نہ تھا

جس کو ساتھ ملا کر میں دشمن پر حملہ کرتا اور اس کے ملنے سے مجھے تقویت حاصل ہوتی۔ حمزہ احد کے دن شہید ہو گئے تھے اور جعفر جنگ مؤتہ میں شہادت پا چکے تھے۔ لے دے کر میرے پاس دو بزدل افراد ہی رہتے تھے اور وہ عباس اور عقیل تھے۔ اور دونوں تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں نے مجھے تنہا سمجھ کر مجھ پر ظلم وستم کیا اور میں نے بھی حضرت ہارون کے الفاظ دہرائے ﴿قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَ كَادُوا يَقْتُلُونَنِي﴾ ہارون نے کہا: ''اے میرے ماں جائے! میں کیا کرتا قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں'' (اعراف/۱۵۰)۔ اور ہارون کا عمل میرے لئے حجت ہے اور پیغمبرؐ اکرم کا عہد میری دلیل و برہان ہے''۔

اشعث بن قیس لعین نے کہا: ''یہی کچھ تو عثمان نے کیا تھا۔ اس نے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلایا، جب لوگوں نے اس کی مدد نہیں کی تو اس نے بھی اپنے ہاتھ کو روک لیا اور یوں مظلوم ہو کر قتل ہو گیا''۔ حضرتؑ نے فرمایا: فرزند قیس! ''میرا اور عثمان کا معاملہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ جب قوم نے مجھ پر ظلم وستم کیا اور میرا حق غصب کیا اور خفیہ طور سے میرے قتل کے منصوبے بھی تیار کئے۔ اگر وہ کھل کر مجھ سے کہتے کہ ہم تجھے قتل کرتے ہیں تو اگرچہ میں تن تنہا تھا پھر بھی ان کی پوری قوت سے مزاحمت کرتا۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تو مصالحت کر لے تو ہم تجھے کچھ نہ کہیں گے اور تیرا احترام کریں گے اور تجھے عزت وتوقیر دیں گے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ جب میرے پاس کوئی مددگار ہی نہ تھا تو میں نے ناچار ان سے مصالحت کر لی اور میری یہ جبری مصالحت نہ تو ان کے برحق ہونے کا سبب بن سکتی ہے اور نہ ہی میری رضامندی کی علامت بن سکتی ہے۔ اور اس کے برعکس جب عثمان کو مخالفین نے کہا تھا کہ ہم تجھے قتل کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں، بس تو خلافت سے دست بردار ہو جا، ہم تجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ اگر عثمان اپنے مخالفین کی بات مان لیتا تو وہ اسے ہرگز قتل نہ کرتے۔ لیکن عثمان نے کہا کہ میں خلافت سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوں۔ تو مخالفین نے کہا کہ اب اگر ایسا ہے تو ہم تجھ سے لڑیں گے۔ اور ان حالات میں عثمان نے اپنا ہاتھ روک لیا اور مخالفین نے اسے قتل کر دیا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر عثمان دست بردار ہو جاتا تو اس کے لئے بہت بہتر ہوتا کیونکہ اس نے خلافت ناحق حاصل کی تھی جب کہ خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اور اس نے اس چیز کا دعویٰ کیا تھا جو اس کی ملکیت تھی ہی نہیں اور کسی دوسرے کے حق پر اس نے قبضہ کر رکھا تھا۔ فرزند قیس! تجھ پر ہلاکت ہو عثمان دو میں سے لازمی طور پر ایک ہے۔ ۱۔ عثمان کے متعلق یا تو یہ مانو کہ اس نے لوگوں کو اپنی مدد کیلئے بلایا اور لوگوں نے اس کی مدد نہیں کی تھی۔ ۲۔ یا لوگوں نے اسے اپنی مدد کی پیشکش کی تھی مگر اس نے خود ہی لوگوں کو اپنی مدد سے روک دیا۔ اگر ایسا ہے تو اس نے بہت برا کیا کہ مسلمانوں کو اپنی مدد سے روکا اور بالخصوص جب کہ عثمان بزعم خویش ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ بھی تھے اور انہوں نے دین میں کسی طرح کی کوئی بدعت بھی ایجاد نہیں کی تھی۔ اس طرح سے عثمان نے بہت غلط کیا اور مسلمانوں نے بھی اس کی بات مان کر بہت بڑی غلطی کی۔ جب کہ واضح سی بات ہے کہ لوگ عثمان کے کردار کو دیکھ کر اس کی مدد پر آمادہ ہی نہ تھے۔ البتہ عثمان کے گھر میں اس کے رشتہ دار اور بہی خواہ بھی چار ہزار کی تعداد سے زیادہ موجود تھے۔ اگر وہ چاہتا تو ان افراد سے اپنا دفاع کرا سکتا تھا۔

جب کہ میرے حالات اس سے یکسر مختلف ہیں۔ جس دن بنی تمیم کے فرد کی بیعت ہوئی اگر اس دن مجھے چالیس اطاعت گزار افراد بھی مل جاتے تو میں ان سے ضرور جنگ کرتا۔ اور خلیفہ دوم وسوم کی بیعت کے دن میں اس لئے جنگ نہیں کر سکتا تھا کہ میں مجبوراً

مصالحت کر چکا تھا اور مجھ جیسا انسان مصالحت توڑا نہیں کرتا۔ ابن قیس! جب عثمان قتل ہوئے اور مجھے مددگار مل گئے تو تو نے مجھے کیسا پایا؟ تو نے جنگ جمل میں کوئی بزدلی اور کوئی تقصیر مشاہدہ کی؟ جب ملعون لوگ ملعون اونٹ کے گرد جمع تھے اور انہوں نے جس کی بیعت کی وہ ملعون تھا اور اونٹ پر جو سوار تھا وہ بھی ملعون تھا اور جو اس اونٹ کے اردگرد جنگ کر رہے تھے سب ملعون تھے۔ اور ان میں سے جو باقی رہ گیا اور اس نے توبہ و استغفار نہ کی ہو وہ بھی ملعون ہے۔ اہل جمل نے میرے انصار کو قتل کیا، میری بیعت توڑی اور میرے عامل کا حلیہ بگاڑا اور انہوں نے میرے خلاف بیعت کی۔ میں ان کے مقابلے کے لئے بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا_ دوسری روایت کے مطابق آپؑ نے فرمایا کہ میں ان کے مقابلے کے لئے دس ہزار سے بھی کم لشکر لے کر گیا_ جب کہ ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی _ ایک اور روایت کے مطابق آپؑ نے فرمایا کہ میرے مخالفین کی تعداد پچاس ہزار سے بھی زیادہ تھی _ اللہ نے ان کے خلاف میری مدد کی اور انہیں ہمارے ہاتھوں سے قتل کرایا اور مؤمنین کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔

فرزند قیس! تو نے جنگ صفین میں ہمارا کردار کیسا دیکھا؟ اللہ نے ایک ہی سرزمین پر ہمارے ہاتھوں سے ان کے پچاس ہزار افراد قتل کرائے_ دوسری روایت کے مطابق آپؑ نے فرمایا کہ اللہ نے ہمارے ہاتھوں سے ان کے ستر ہزار سے زیادہ افراد قتل کرائے_ ۔تو نے ہمیں نہروان کے دن کیسا پایا؟ جب میں نے مارقین سے جنگ کی حالانکہ وہ بدبخت اپنے آپ کو صاحب بصیرت اور دین دار سمجھتے تھے۔ اللہ نے ان کی کوششوں کو اس دنیا میں ہی ختم کر دیا اور جب کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ بہترین عمل کر رہے ہیں۔ اللہ نے ان کی پوری شمشیر بکف جماعت کو ایک ہی جگہ پر قتل کر ڈالا اور ان میں سے دس افراد بھی نہ بچ سکے۔ اور مؤمنین میں سے دس افراد بھی قتل نہ ہوئے۔ فرزند قیس! کیا کبھی تو نے ہمیں دیکھا کہ ہم نے پرچم اٹھایا ہو اور پرچم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی ہو؟۔ میں رسولؐ اللہ کے تمام غزوات میں شریک رہا، تمام مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتا رہا، میں نے نہ تو کبھی میدان جنگ سے فرار کیا، نہ ہی میں نے کبھی حیلے بہانے بنائے، نہ ہی میں نے کسی کی پناہ لی اور نہ کبھی میں نے یہود پر رحم کیا۔ اور نبی اور وصی کا حق بھی یہی ہے کہ جب اپنے دشمن کے مقابلے میں رزم آرائی کرے تو پھر یا تو جنگ فتح کر کے آئے یا شہید ہو جائے۔ فرزند قیس! کیا کبھی تو نے میرے فرار کے متعلق سنا یا میری تلوار کے وار کو خالی جاتے ہوئے دیکھا؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس دن ابوبکر کی بیعت ہوئی تھی اگر اس دن مجھے اپنے چار ساتھیوں کی سی بصیرت رکھنے والا پانچواں فرد بھی مل جاتا تو میں اپنے ہاتھ کو جنگ سے کبھی نہ روکتا اور میں ارباب سقیفہ سے ضرور جنگ کرتا۔ اور پھر آج تو مجھے اس جبری مصالحت کا طعنہ کبھی نہ دے سکتا''۔

اشعث لعین نے کہا: ''امیر المؤمنینؑ! وہ چار افراد کون تھے؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''وہ سلمان، ابوذر، مقداد اور میری بیعت توڑنے سے قبل زبیر تھے۔ یاد رکھو! زبیر نے میری دو مرتبہ بیعت کی تھی۔ اس نے پہلی بیعت کو نبھایا تھا۔ جب لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی تھی تو مہاجرین و انصار میں سے چالیس افراد نے آ کر میری بیعت کی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ کل صبح سویرے سر منڈوا کر تلواریں حمائل کئے ہوئے میرے دروازے پر آ جائیں۔ لیکن دوسری صبح میرے دروازے پر سلمان، ابوذر، مقداد اور زبیر کے علاوہ کوئی نہ آیا۔ زبیر نے دوسری مرتبہ میری بیعت قتل عثمان کے بعد کی تھی۔ وہ اور اس کا ساتھی طلحہ میرے پاس آئے اور انہوں نے خوشی سے میری بیعت کی تھی۔ پھر انہوں نے میری بیعت کو توڑ دیا اور ان کی بیعت شکنی حسد و عناد پر مبنی تھی اور اللہ نے انہیں قتل کر کے دوزخ بھیج دیا۔ اور باقی تین افراد سلمان،

ابوذر اور مقداد دین محمدؐ اور ملت ابراہیمؑ پر قائم رہے یہاں تک کہ وہ اپنے خدا کے حضور جا پہنچے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

فرزند قیس! اگر میری بیعت کرنے والے چالیس افراد اپنی بیعت پر قائم رہتے اور میرے دروازے پر سر منڈوا کر آجاتے تو میں سقیفائی حکومت کے حکمرانوں سے ضرور جنگ کرتا۔ اور اگر بیعت عثمان سے قبل بھی مجھے مددگار میسر آتے تو بھی میں ضرور جنگ کرتا۔ اور اللہ سے ان کا فیصلہ چاہتا۔ ابن عوف نے عثمان کو اس شرط پر خلافت دی تھی کہ وہ مرنے سے پہلے خلافت ابن عوف کے حوالے کرے گا۔ لیکن بعد میں جب میں ان سے مصالحت کر چکا تو میں ان سے جنگ نہیں کر سکتا تھا''۔ اشعث بن قیس لعین نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر معاملات اسی طرح سے ہیں جیسا کہ آپؑ نے بیان کئے ہیں تو پھر آپؑ اور آپؑ کے شیعوں کے علاوہ تمام امت ہلاک ہوگئی''۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''فرزند قیس! جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں حق میرے ساتھ ہے اور امت میں سے صرف وہی ہلاک ہوں گے جو ناصبی، اقتدار پسند، ہمارے حق کے منکر اور ہم سے دشمنی رکھنے والے ہوں گے۔ لیکن جو شخص توحید اور نبوت محمدؐ کے اقرار اور اسلام پر کاربند رہا، ملت سے نہ نکلا، ہمارے خلاف ظالموں کی مدد نہ کی، ہم سے دشمنی نہ رکھی اور جسے خلافت کے متعلق شک ہوا اور وہ خلافت کے حقدار کی پہچان سے قاصر رہا اور ہماری ولایت کا اقرار نہ کیا اور ہم سے جس نے کسی طرح کی دشمنی نہ رکھی تو وہ مستضعف مسلمان ہے۔ اس کے لئے اللہ کی رحمت کی امید کی جا سکتی ہے اور اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کی ہلاکت کا خطرہ بھی رکھا جا سکتا ہے''۔

ابان کہتے ہیں کہ سلیم بن قیس ہلالی نے کہا کہ اس محفل میں جتنے بھی شیعیان علیؑ موجود تھے ان کے چہرے فرط مسرت سے چمکنے لگے۔ کیونکہ امیر المؤمنینؑ نے حقائق کے چہرے سے نقاب کشائی کر دی اور تقیہ کو ترک کر دیا تھا اور جو لوگ سابقہ خلفاء کے متعلق تذبذب کا شکار تھے ان کے دلوں سے بھی شک نکل گیا اور انہیں بھی یقین و بصیرت کی دولت نصیب ہوگئی۔ اور جن لوگوں نے آپؑ کی سابق خلفاء کی طرح سے عمومی انداز میں بیعت کی تھی تو انہیں حضرتؑ کی کھری کھری باتیں ناگوار گزریں۔ اس کے باوجود حضرتؑ نے انہیں حقیقت حال سے باخبر کر دیا۔ اور ان کا شک و تردد دور ہوگیا۔

ابان سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیعیان علیؑ کو اس دن سے زیادہ کسی دن خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ اس دن حضرتؑ نے تمام معاملات کی وضاحت کر دی تھی اور اس کے بعد حقیقی شیعیان علیؑ کی کثرت ہوگئی۔ جب کہ اس سے پہلے آپؑ کے لشکر میں حقیقی شیعوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس کے بعد شیعوں کی عظمت اور قدر میں اضافہ ہوگیا۔

دوری روایت میں ہے کہ آپؑ نے یہ خطبہ جنگ نہروان سے واپسی پر دیا تھا اور اس خطبہ کا لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر ہوا اور لوگ جوق در جوق معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے آپؑ کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ ابھی آپؑ کے لشکر کی روانگی عمل میں نہ آئی تھی کہ ابن ملجم لعین نے حضرتؑ کو اپنی زہر آلود تلوار سے شہید کر دیا۔

شارح کا بیان ہے کہ حضرتؑ کے اس طویل اور مدلل خطبہ کے بعد ہمارے لئے باقی دلائل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ حضرتؑ نے اس خطبہ میں جنگ نہ کرنے کے تمام علل و اسباب کا خود تفصیلی تذکرہ کر دیا ہے۔ اور بڑی وضاحت سے آپؑ نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ آپؑ کے جنگ نہ کرنے کی وجہ سے خلفائے ثلاثہ کی حکومت کی حقانیت کسی طور سے بھی ثابت نہیں ہوتی اور مزید یہ کہ آپؑ کا جنگ نہ کرنا

آپؑ کی رضا مندی کی دلیل نہیں ہے۔ البتہ اگر توفیق خداوندی ہمارے شامل حال رہی تو ہم مناسب مقامات پر آئندہ صفحات میں بھی بحث کریں گے۔

خطبہ ۳۸

شبہہ کی تعریف

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور یہ بھی آپؑ ہی کا ایک خطبہ ہے

وَاِنَّمَاسُمِّيَتِ الشُّبْهَةُ شُبْهَةً لِاَنَّهَاتُشْبِهُ الْحَقَّ فَاَمَّااَوْلِيَاءُ اللّٰهِ فَضِيَاؤُهُمْ فِيْهَاالْيَقِيْنُ وَدَلِيْلُهُمْ سَمْتُ الْهُدٰى وَاَمَّا اَعْدَاءُ اللّٰهِ فَدُعَاؤُهُمْ فِيْهَا الضَّلَالُ وَ دَلِيْلُهُمُ الْعَمٰى فَمَا يَنْجُوْ مِنَ الْمَوْتِ مَنْ خَافَهٗ وَلَايُعْطَى الْبَقَاءَ مَنْ اَحَبَّهٗ

شبہہ کو شبہہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حق سے مشابہت رکھتا ہے تو جو دوستان خدا ہوتے ہیں ان کے لئے شبہات کے اندھیروں میں یقین، اجالے کا اور ہدایت کی سمت رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ اور جو دشمنان خدا ہوتے ہیں وہ ان شبہات میں گمراہی کی دعوت و تبلیغ کرتے ہیں اور کور چشمی اور بے بصری ان کی رہبر ہوتی ہے۔ موت وہ چیز ہے کہ ڈرنے والا اس سے چھٹکارا پا نہیں سکتا اور ہمیشہ کی زندگی چاہنے والا ہمیشہ کی زندگی حاصل کر نہیں سکتا۔

تشریح لغت (اَلسَّمْتُ) سین کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ، راستہ اہل خیر کی انجمن اور حسن ظن رکھتے ہوئے سکون و وقار سے صحیح راہ پر گامزن ہونا۔

تشریح

یہ کلام دراصل دو فصلوں پر مشتمل ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق اور ارتباط نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید رضیؒ نے اسے آپؑ کے طویل خطبہ سے منتخب کیا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ یا پھر فصل اول سے پہلے حضرتؑ کا طویل کلام موجود ہوگا۔ جس کے آخری جملے سید رضی نے بطور اقتباس یہاں نقل کر دیئے ہوں گے اور فصل اول جملہ معترضہ قرار پائیگی۔

فصل اول

اس فصل میں حضرتؑ نے لفظ ''شبہہ'' کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے اور لوگوں کے طرز عمل کا تذکرہ فرمایا ہے۔ لفظ ''شبہہ'' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے حضرتؑ نے فرمایا (وَ اِنَّمَا سُمِّيَتِ الشُّبْهَةُ شُبْهَةً لِاَنَّهَا تُشْبِهُ الْحَقَّ) شبہہ کو شبہہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حق سے مشابہت رکھتا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ''شبہہ'' التباس کو کہا جاتا ہے اور یہ لفظ ''تَشَابُهٌ'' سے مشتق ہے۔ اور ''تَشَابُهٌ'' کا معنی یہ ہے کہ دو چیزیں ایک دوسرے سے اتنی ملتی جلتی ہوں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہو جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں اس لفظ کو بیان کیا گیا ہے ﴿اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا﴾ بہت سی گائیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان شبہات ہیں''۔ یہی وجہ ہے کہ جب معاملات ایک دوسرے کی نظیر

ہوں تو انسان ان کے درمیان فرق کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ جس معاملے کو آدمی سمجھنے سے قاصر ہو اسے ''متشابہ'' کہتے ہیں۔ لفظ ''مشکل'' بھی لفظ ''متشابہ'' کی نظیر ہے۔ اور لفظ ''مشکل'' کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ وہ بھی انسان کو دوسری شکل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''کچھ امور ایسے ہیں جن کی صحت واضح ہوتی ہے اور وہ لائق اتباع ہوتے ہیں۔ اور کچھ امور ایسے ہیں جن کی گمراہی واضح ہوتی ہے اور وہ چھوڑ دینے کے لائق ہوتے ہیں۔ اور کچھ امور مشکل ہوتے ہیں اور ان کا علم خدا اور رسولؐ کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر واضح کو مشکل کہا جاتا ہے۔

جب آپ اس حقیقت سے باخبر ہو گئے تو ہم عرض کریں گے کہ حضرتؑ نیاس خطبے میں امور کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ حق جس کی صحت واضح ہے۔

۲۔ باطل جس کی گمراہی واضح ہے۔

۳۔ شبہہ جو حق و باطل کے درمیان میں ہو اور اسے شبہہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ حق سے مشابہ ہوتا ہے۔ اور شبہہ کے حل کے لئے ''**راسخین فی العلم**'' کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حسن تدبیر اور اصابت فکر کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور ان کے عقول محسوسات کی آلائشوں سے پاک ہیں۔ اور نور یقین کے پرتو سے ان کے نفوس روشن ہیں۔ اور صراط مستقیم سے وہ کبھی جدا نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے سینے نور نبوت سے روشن ہیں۔ اور وہی نفوس قدسیہ شبہات کے چہرے سے نقاب کشائی کرنے والے ہیں۔ اور حق وصواب کی راہ کے پیشوا ہیں۔

اولیاء اللہ کا کردار

یہی وجہ ہے کہ حضرتؑ نے شبہہ کے موارد میں دوستان خدا کا کردار بیان کرتے ہوئے فرمایا (**فَاَمَّا اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ فَضِیَاؤُھُمْ فِیْھَا الْیَقِیْنُ وَ دَلِیْلُھُمْ سَمْتُ الْھُدٰی**) ان مواقع پر جو دوستان خدا ہوتے ہیں ان کے لئے شبہات کے اندھیروں میں یقین، اجالے کا اور ہدایت کی سمت، راہنما کا کام دیتی ہے۔ دوستان خدا اپنے پیروکاروں کو ہلاکت سے بچاتے اور انہیں راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں۔ اور وہ ہدایت خداوندی کے تحت لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور ہدایت الٰہی کی پیروی کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی﴾ جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ بد بخت ہوگا (طٰہٰ/۱۲۳)۔ علامہ مجلسیؒ نے کنز جامع الفوائد کے حوالہ سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ان مذکورہ آیات کی تاویل نقل کرتے ہوئے لکھا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''حضرت رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے'' کہ لوگو! اللہ کی ہدایت کی پیروی کرو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے اور راہ راست پر چلو گے اور میری اور علیؑ کی ہدایت ہی اللہ کی ہدایت ہے۔ جس نے میرے بعد علیؑ کی ہدایت کی پیروی کی تو اس نے میری ہدایت کی پیروی کی، جس نے میری ہدایت کی پیروی کی اس نے اللہ کی ہدایت کی پیروی کی اور اللہ کی ہدایت کی پیروی کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور کبھی بد بخت نہیں ہوتا''۔

دشمنان خدا کا کردار

(وَ اَمَّا اَعْدَاءُ اللّٰهِ)اور جو دشمنان خدا ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے اور جو حق سے منحرف ہیں۔(فَدُعَاؤُهُمْ فِيْهَا الضَّلَالُ وَ دَلِيْلُهُمُ الْعَمٰى)وہ (دشمنان خدا)ان شبہات میں ضلالت وگمراہی کی دعوت وتبلیغ کرتے ہیں اور کوری اور بے بصری ان کی راہنما ہوتی ہے۔اور اسی بے بصری کی وجہ سے وہ شاہراہ ہلاکت پر گامزن ہیں اور جو ان بے بصیرت افراد کی پیروی کرے وہ اسے دوزخ کا راستہ دکھاتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو اپنی طرح سے اللہ کے غضب کا نشانہ بناتے ہیں۔انہی دل کے اندھوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴾اور جس شخص نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کی زندگی بہت تنگی میں بسر ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا بنا کر اٹھائیں گے۔وہ کہے گا الٰہی! میں تو دنیا میں آنکھ والا تھا تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ خدا فرمائے گا کہ ایسا ہی ہونا چاہئے ہماری آیتیں بھی تو تیرے پاس آئی تھیں مگر تو انہیں بھلا بیٹھا اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا(طٰہٰ/۱۲۴،۱۲۵، ۱۲۶)۔

مندرجہ بالا آیت کے سلسلے میں ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی میں ابوبصیر کی زبانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾''عَنْ ذِكْرِىْ ''سے مراد امیر المؤمنینؑ کی ولایت ہے۔ابوبصیر کہتے ہیں میں نے پھر پڑھا﴿ وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى ﴾تو امام علیہ السلام نے فرمایا:''جو دنیا میں ولایت علیؑ سے بے بصر ہوگا وہ قیامت کے دن نابینا ہو کر اٹھایا جائے گا۔اور وہ روز قیامت کہے گا﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ آيَاتُنَا ﴾ یہاں آیات سے مراد ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں۔﴿فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴾تو نے میری آیات کو چھوڑ دیا تھا یعنی تو نے ائمہ ہدیٰ کی اطاعت نہیں کی تھی اور تو نے ان کے فرامین کو سننا گوارا نہ کیا تھا۔تو جس طرح سے تو نے انہیں چھوڑا تھا آج ہم بھی تجھے دوزخ میں چھوڑ دیں گے۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ مشتبہ امور میں ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ دوستان خدا ہیں۔اور نور یقین سے ان کے نفوس قدسیہ منور ہیں اور وہ شکوک وشبہات کو دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔اور ہدایت کی سمت ان کی راہنما ہوتی ہے۔ اور جو اُن کی طرف رجوع کرے وہ اسے نجات کا راستہ دکھاتے ہیں۔مشتبہ امور کے لئے ائمہ جور کی طرف ہرگز رجوع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ اپنی جہالت اور بے بصری کی وجہ سے مشتبہ امور سے نقاب ہٹانے کے قابل نہیں ہیں اور چونکہ وہ خود حق سے دور ہیں اسی لئے اپنے پیروکاروں کو راہ ضلالت کی راہنمائی کرتے ہیں۔امیر المؤمنینؑ نے کمیل بن زیاد سے فرمایا:''اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ عَالِمٌ رَبَّانِىٌّ وَ مُتَعَلِّمٌ عَلٰى طَرِيْقِ النَّجَاةِ وَ هَمَجٌ رُعَاعٌ اَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ يَمِيْلُوْنَ مَعَ كُلِّ رِيْحٍ لَمْ يَسْتَضِيْئُوْا بِنُوْرِ الْعِلْمِ وَ لَمْ يَلْجَأُوْا اِلٰى رُكْنٍ وَّثِيْقٍ ''لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔۱۔عالم ربانی۔۲۔متعلم جو کہ راہ نجات پر برقرار ہے۔۳۔عوام الناس کا وہ پست گروہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتا

ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے، نہ انہوں نے نور علم سے کسب ضیاء کیا اور نہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لی''۔ البتہ ممکن ہے کہ اس کلام سے حضرتؑ کا مقصود امر خلافت کی طرف اشارہ کرنا ہو جس کی حقیقت لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چند خوش بخت افراد نے حضرتؑ کو خلافت کا اہل جان کر آپؑ کی اتباع کی اور نجات پائی اور صراط مستقیم پر گامزن ہوئے اور حضرتؑ کے نور سے انہوں نے اپنے دلوں کو منور کیا اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت کر دیتا ہے۔ اور امت کی ایک بڑی اکثریت نے آپؑ پر غیروں کو مقدم کیا اور اس وجہ سے ہلاک ہوئے اور قیامت کے دن نابینا ہو کر محشور ہوں گے۔ اور قرآن مجید کی ایک اور آیت میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ﴿اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ﴾ کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔ اس آیت کے متعلق تفسیر قمی میں ہے ''یعنی پہلے حق اور ولایت سے غافل تھا ہم نے اسے حق اور ولایت کی راہ دکھائی ﴿وَ جَعَلۡنَا لَہٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِہٖ فِی النَّاسِ﴾ اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ یعنی ہم نے اسے نور ولایت عطا کیا۔ ﴿کَمَنۡ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡہَا﴾ تو کیا وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کی یہ حالت ہے کہ اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے کہ وہاں سے کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ یعنی جو ائمہ ہدیٰ کے علاوہ دوسروں کی سرپرستی میں پھنسا ہوا ہو۔ ﴿کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ اسی طرح کافروں کے واسطے ان کے اعمال آراستہ کئے گئے ہیں۔ (انعام/۱۲۲)

عیاشی نے بریدالعجلی کی روایت سے لکھا ﴿اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ وَ جَعَلۡنَا لَہٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِہٖ فِی النَّاسِ﴾ فرمایا مردہ وہ ہے جو اس چیز کو نہیں جانتا۔ پھر امامؑ فرمایا: ''جانتے ہو کہ اس آیت میں مردہ کسے کہا گیا ہے؟''۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: ''میں آپؑ پر قربان جاؤں میں نہیں جانتا''۔ تو آپؑ نے فرمایا: ''مردہ وہ ہے جو امامت کو نہیں جانتا۔ ہم نے معرفت امامت کے ذریعہ سے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایسا نور بنایا جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ یعنی اس کے لئے ہم نے ایک امام بنایا جس کی وہ پیروی کرتا ہے''۔ ﴿کَمَنۡ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡہَا﴾ فرمایا: ''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو امام کی معرفت نہیں رکھتے''۔

عقیدہ ولایت نور ہے

﴿اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ﴾ اللہ ان لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لا چکے ہیں کہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی میں ابو یعفور کی زبانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا کہ اللہ اہل ایمان کو گناہوں کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ یا مغفرت کے نور کی طرف لاتا ہے کیونکہ وہ امام عادل کی ولایت کے قائل ہوتے ہیں۔ ﴿وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ﴾ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے سرپرست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ یہی لوگ تو جہنمی ہیں اور یہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ امامؑ عالی مقام نے فرمایا: ''کافر کے پاس نور ہوتا ہی کہاں ہے کہ طاغوت اسے نور سے نکال کر تاریکیوں میں لے جائیں؟۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے نور اسلام پر تھے اور جب انہوں نے ظالم امام کی امامت کو تسلیم کیا تو وہ نور اسلام سے نکل کر کفر

کی تاریکیوں میں چلے گئے۔اسی لئے اللہ نے بھی انہیں کفار کے ساتھ ملا دیا اور انہیں بھی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیا''۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا﴾ پس تم خدا اور اس کے رسولؐ اور اس نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا (تغابن/ ۸)۔ابوخالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:''ابوخالد! نور سے مراد قیامت تک آنے والے امام ہیں۔بخدا آئمہ اللہ کا وہ نور ہیں جسے اللہ نے نازل کیا۔خدا کی قسم! وہی آسمانوں اور زمین میں اللہ کا نور ہیں۔ابوخالد! خدا کی قسم دن کے وقت چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ امام کا نور مؤمنین کے دلوں میں چمکتا ہے۔اور خدا کی قسم! آئمہ ہی مؤمنین کے دلوں کو منور کرتے ہیں۔اور خدا ان کے نور سے جس کے دلوں پر چاہتا ہے پردے ڈال دیتا ہے اور ان کے دل تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔ابوخالد! خدا کی قسم جب تک کسی کے دل کو اللہ پاک نہ کر دے اس وقت تک کوئی ہم سے محبت نہیں کر سکتا اور ہم سے دوستی نہیں کر سکتا۔اور اللہ اس وقت تک کسی بندے کے دل کو پاک نہیں کرتا جب تک وہ اسلام قبول نہ کرے اور ہم سے صلح کرنے والا نہ بنے اور جب کوئی ہم سے صلح کرنے والا بن جاتا ہے تو اللہ اسے سخت حساب سے سلامتی عطا کرتا ہے اور قیامت کے دن کی سخت پریشانی سے اسے محفوظ رکھتا ہے''۔

ظالمین کو امام تسلیم کرنے والوں اور شبہات کی پیروی کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ وہ وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس کی بعض آیات محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں۔ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے اپنی اسناد سے عبدالرحمٰن بن کثیر سے الکافی میں روایت نقل کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:''آیات محکمات سے مراد امیر المؤمنینؑ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں''۔اور ﴿وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ اور کچھ متشابہ ہیں۔ امامؑ نے فرمایا:''اس سے مراد فلاں، فلاں اور فلاں ہیں''۔﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ.....﴾ (سورہ آل عمران/ ۷) پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں۔حالانکہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پایہ پر فائز ہیں ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا۔امام علیہ السلام نے فرمایا:''راسخون فی العلم امیر المؤمنینؑ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں''۔

باخبر قارئین پر مخفی نہ ہوگا کہ حضرتؑ کے خطبہ کی جو تاویل ہم نے عرض کی ہے ہم سے پہلے کسی اور شارح نے یہ تاویل پیش نہیں کی۔اکثر شارحین قیل وقال میں پڑے رہے اور کلام کے ظاہری پہلو تک ہی ان کی بحث محدود رہی اور نور توفیق سے ہمیں یہ تحقیق نصیب ہوئی۔اور یہ ائمہ ہدیٰ کی ولایت کی برکت ہے۔﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران/ ۸)

فصل دوم، ذکر موت

حضرتؑ کے خطبہ کا دوسرا حصہ موت کی یاددہانی پر مشتمل ہے جو کہ لذات دنیا کی قاطع ہے۔چنانچہ حضرتؑ نے فرمایا (فَمَا یَنْجُوْ

مِنَ الْمَوْتِ مَنْ خَافَهٗ) موت وہ چیز ہے کہ ڈرنے والا اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا ﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ موت جس سے تم لوگ بھاگتے ہو وہ ضرور تمہارے سامنے آئے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے خدا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ بھی تم کرتے تھے وہ تمہیں بتا دے گا (جمعہ/ ۸)۔ (وَ لَا یُعْطَی الْبَقَاءَ مَنْ اَحَبَّهٗ) اور بقاء سے محبت کرنے والے کو بقا نصیب نہیں ہوتی۔ اور جو دیوان حضرتؑ کی طرف منسوب ہے اس میں موت کے متعلق آپ کے اشعار موجود ہیں:

اَرَی الدُّنْیَا سَتُؤْذِنُ بِانْطِلَاقٍ مُشْمِرَةٍ عَلٰی قَدَمٍ وَّ سَاقٍ
فَلَا الدُّنْیَا بِبَاقِیَةٍ لِحَیٍّ وَ لَا حَیٌّ عَلَی الدُّنْیَا بِبَاقٍ

میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا جانے کے لئے قدم اور پنڈلی اٹھائے تیار کھڑی اپنے جانے کا اعلان کر رہی ہے۔ دنیا کسی زندہ کے لئے باقی رہنے والی نہیں ہے اور کوئی زندہ شخص بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں دیوان میں آپؑ کی یہ نظم بھی ہے:

اَلْمَوْتُ لَا وَالِدًا یُّبْقٰی وَ لَا وَلَدًا هٰذَا السَّبِیْلُ اِلٰی اَنْ لَا تَرٰی اَحَدًا
كَانَ النَّبِیُّ لَمْ یُخْلَدْ لِاُمَّتِهٖ لَوْ خَلَّدَ اللّٰهُ خَلْقًا قَبْلَهٗ خَلَّدَا
لِلْمَوْتِ فِیْنَا سِهَامٌ غَیْرُ خَاطِئَةٍ وَ مَنْ فَاتَهُ الْیَوْمَ لَمْ یَفُتْهُ غَدًا

موت نہ کسی باپ کو چھوڑتی ہے نہ ہی اولاد کو چھوڑتی ہے۔ یہ راستہ یونہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ تو دنیا میں کسی کو بھی نہ دیکھے گا۔ جب نبی ہی امت میں باقی نہ رہے اور اگر اللہ نے ان سے پہلے کسی کو ہمیشہ کی زندگی دی ہوتی تو نبیؐ اکرم بھی ہمیشہ رہتے۔ موت کے تیر ہم سے خطا ہونے والے نہیں ہیں۔ اور جس سے تیر آج خطا ہو گیا تو کل اس سے خطا نہ ہوگا۔ اسی دیوان میں آپؑ کے یہ اشعار بھی ہیں:۔

حَیَاتُكَ اَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَكُلَّمَا مَضٰی نَفَسٌ مِّنْهَا اِنْتَقَصْتَ بِهٖ جُزْءًا
وَ یُحْیِیْكَ مَا یُفْتِیْكَ فِیْ كُلِّ حَالَةٍ وَ یَحْذُوْكَ حَاذٍ مَّا یُرِیْدُ بِكَ هُزْءًا
فَتُصْبِحُ فِیْ نَفْسٍ وَ تُمْسِیْ بِغَیْرِهَا وَ مَا لَكَ مِنْ عَقْلٍ تُحِسُّ بِهٖ رُزْءًا

تیری زندگی چند گنی چنی سانسوں پر مشتمل ہے اور جب بھی ایک سانس نکلتی ہے تو تیری زندگی کا ایک حصہ کم ہو جاتا ہے۔ اور تجھے فنا کرنے والا ہر حال میں تجھے زندہ کرے گا۔ اور جلد روانہ کرنے والا تجھے روانہ کرے گا جو تجھ سے ٹھٹھہ مذاق نہیں کرنا چاہتا۔ تیری صبح ایک سانس میں ہوتی ہے اور تو شام ایک اور سانس میں کرتا ہے اور کیا تیرے پاس عقل نہیں ہے کہ تو اس مصیبت کو محسوس کر سکے؟۔

خطبہ ۳۹

حضرت علیؑ کی مشکلات

آپؑ نے یہ خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب نعمان بن بشیر نے عین التمر پر حملہ کیا۔ جس کی تفصیل آپ شرح میں پڑھ سکیں گے۔

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ — اور یہ بھی آپؑ ہی کا ایک خطبہ ہے

مُنِيْتُ بِمَنْ لَا يُطِيْعُ اِذَا اَمَرْتُ وَ لَا يُجِيْبُ اِذَا دَعَوْتُ لَا اَبَا لَكُمْ مَا تَنْتَظِرُوْنَ بِنَصْرِ كُمْ رَبَّكُمْ اَمَا دِيْنٌ يَّجْمَعُكُمْ وَ لَا حَمِيَّةٌ تُحْمِشُكُمْ اَقُوْمُ فِيْكُمْ مُسْتَصْرِخًا وَ اُنَادِيْكُمْ مُتَغَوِّثًا فَلَا تَسْمَعُوْنَ لِيْ قَوْلًا وَ لَا تُطِيْعُوْنَ لِيْ اَمْرًا حَتّٰى تَكَشَّفَ الْاُمُوْرُ عَنْ عَوَاقِبِ الْمَسَاءَةِ فَمَا يُدْرَكُ بِكُمْ ثَارٌ وَ لَا يُبْلَغُ بِكُمْ مَرَامٌ دَعَوْتُكُمْ اِلٰى نَصْرِ اِخْوَانِكُمْ فَجَرْجَرْتُمْ جَرْجَرَةَ الْجَمَلِ الْاَسَرِّ وَ تَثَاقَلْتُمْ تَثَاقُلَ النِّضْوِ الْاَدْبَرِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيَّ مِنْكُمْ جُنَيْدٌ مُتَذَائِبٌ ضَعِيْفٌ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ. اَقُوْلُ،قوله عليه السلام مُتَذَائِبٌ اَىْ مُضْطَرِبٌ مِّنْ قَوْلِهِمْ تَذَائَبَتِ الرِّيْحُ اَىْ اِضْطَرَبَ هُبُوْبُهَا وَ مِنْهُ يُسَمَّى الذِّئْبُ ذِئْبًا لِاِضْطِرَابِ مَشِيَّتِهٖ.

میرا ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جنہیں حکم دیتا ہوں تو مانتے نہیں بلاتا ہوں تو آواز پر لبیک نہیں کہتے۔ تمہارا برا ہو اب اپنے اللہ کی نصرت کرنے میں تمہیں کس چیز کا انتظار ہے۔ کیا دین تمہیں ایک جگہ اکٹھا نہیں کرتا اور غیرت وحمیت تمہیں جوش میں نہیں لاتی؟ میں تم میں کھڑا ہو کر چلاتا ہوں اور مدد کے لئے پکارتا ہوں لیکن تم نہ میری کوئی بات سنتے ہو اور نہ میرا کوئی حکم مانتے ہو۔ یہاں تک کہ ان نافرمانیوں کے برے نتائج کھل کر سامنے آجائیں نہ تمہارے ذریعے خون کا بدلہ لیا جاسکتا ہے نہ ہی کسی مقصد تک پہنچا جاسکتا ہے۔ میں نے تم کو تمہارے ہی بھائیوں کی مدد کے لئے پکارا تھا مگر تم اس اونٹ کی طرح بلبلانے لگے جس کی ناف میں درد ہو رہا ہو اور اس لاغر وکمزور شتر کی طرح ڈھیلے پڑ گئے ہو جس کی پیٹھ زخمی ہو پھر میرے پاس تم لوگوں کی ایک چھوٹی سی متزلزل وکمزور فوج آئی اس عالم میں کہ گویا اسے اس کی نظروں کے سامنے موت کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں لفظ ''مُتَذَائِبٌ'' آیا ہے جس کے معنی مضطرب کے ہیں جب ہوائیں بل کھاتی ہوئی چلتی ہیں تو عرب اس موقع پر ''تَذَائَبَتِ الرِّيْحُ'' بولتے ہیں اور بھیڑیئے کو بھی ''ذِئْبٌ'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی چال میں ایک اضطرابی کیفیت ہوتی ہے۔

تشریح لغت (مُنِيْتُ) ماضی مجہول، میری آزمائش ہوئی۔ (حَمَشَهٗ) یعنی اس نے اسے جمع کیا۔ ''حَمَشَ''، بمعنی ''جَمَعَ'' اور ''اَحْمَشَ''، بمعنی ''اَغْضَبَ''، یعنی اس نے ناراض کیا۔ (اَلْمُسْتَصْرِخُ) طالب نصرت، یہ لفظ ''صُرَاخٌ'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی مدد کے لئے آواز دینا ہے۔ (اَلْمُتَغَوِّثُ) ''وَا غَوْثَاهُ'' کہنے والا، مدد کے لئے آواز دینے والا۔ (تَكْشِفُ) فعل مضارع از باب ''ضَرَبَ''، یعنی ظاہر ہوتی ہے، بعض نسخوں میں (تَنْكَشِفُ) وارد ہے، اور بعض نسخوں میں (تَكَشَّفَ) فعل ماضی از باب ''تَفَعُّلٌ'' مروی

ہے۔عرب کہتے ہیں ''تَکَشَّفَ الْاَمْرُ وَ انْکَشَفَ ''یعنی معاملہ ظاہر ہوگیا۔(اَلثَّأْرُ) خون کا بدلہ،قصاص۔(اَلْجَرْجَرَۃُ)اونٹ کی وہ آواز جو اپنے حنجرے سے تھکان کے وقت نکالتا ہے۔(اَلسُّرَرُ)اونٹ کے ناف کی بیماری،عرب ناف کے درد والے اونٹ کو''جَمَلُ السُّرِّ'' کہتے ہیں۔(اَلنَّضُوُ)لاغر اونٹ۔(اَلْاَدْبَرُ)وہ اونٹ جس کی پشت زخمی ہو۔(اَلْجُنَیْدُ)''جُنْدٌ'' سے اسم تصغیر،چھوٹا سا لشکر۔ یہاں تصغیر برائے تحقیر ہے۔

نعمان بن بشیر کا واقعہ

حضرتؑ نے یہ خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب نعمان بن بشیر انصاری دو ہزار کے لشکر کے ساتھ عین التمر پر حملہ آور ہوا اور عین التمر کوفہ کے قریب حضرت امیر المؤمنینؑ کا دفاعی مورچہ تھا۔شارح معتزلی نے کتاب الغارات سے اس کا پس منظر یوں بیان کیا ہے کہ ابو مسلم خولانی کی سفارت کی ناکامی کے بعد معاویہ نے نعمان بن بشیر انصاری اور ابو ہریرہ کو حضرت امیر المؤمنینؑ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ کوفہ جا کر حضرتؑ سے مطالبہ کریں کہ جنگ کے شعلے ختم کرنے اور صلح کے قیام کے لئے قاتلین عثمان کو معاویہ کے حوالے کر دیں۔ حالانکہ معاویہ اس بات کو بخوبی جانتا تھا کہ حضرت علیؑ قاتلین عثمان کو اس کے حوالے نہیں کریں گے۔اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دونوں افراد جب مایوس ہو کر دمشق لوٹیں گے تو معاویہ کے طرز عمل کو درست قرار دیں گے اور لوگوں میں حضرت علیؑ کی کھلم کھلا مخالفت کریں گے۔معاویہ نے ان دونوں سے کہا کہ تم علیؑ کے پاس جاؤ اور انہیں خدا کا واسطہ دے کر کہو کہ وہ قاتلین عثمان،معاویہ کے حوالے کر دیں۔کیونکہ علیؑ نے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔اور وہ اسوقت علیؑ کے زیر حفاظت ہیں۔اگر علیؑ ایسا نہ کریں تو پھر لوگوں کو اس سے باخبر کرو اور اس بات کی گواہی دو۔چنانچہ وہ دونوں حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے۔ابو ہریرہ نے آپؑ سے کہا:''ابوالحسن!اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسلام میں شرف تقدم عطا کیا ہے اور آپؑ کو فضیلت دی ہے۔آپؑ نبیؐ اکرم کے ابن عم ہیں۔ہمیں آپؑ کے چچازاد معاویہ نے آپؑ کے پاس بھیجا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ جنگ ختم ہو جائے اور جنگ اس وقت ختم ہو سکتی ہے جب آپؑ عثمان کے قاتل معاویہ کے حوالے کر دیں،وہ انہیں قصاص میں قتل کرنا چاہتا ہے۔اور اس اقدام سے آپ دونوں کے درمیان جنگ ختم ہو جائے گی اور امت اس آزمائش اور تفریق سے نجات حاصل کر لے گی۔ ابو ہریرہ کے بعد نعمان بن بشیر انصاری نے بھی حضرتؑ سے اسی طرح کی گفتگو کی۔

حضرتؑ نے ابو ہریرہ کو تو جواب کے قابل ہی نہ سمجھا البتہ نعمان بن بشیر انصاری سے فرمایا:''نعمان! تیری قوم تجھ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا تو زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟''۔نعمان نے کہا:''میری قوم مجھ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے''۔حضرتؑ نے فرمایا:''تیری پوری قوم نے سوائے تین یا چار افراد کے میری پیروی کی ہے۔اور کیا تو ان تین چار افراد کا ساتھ دینا چاہتا ہے جنہوں نے میری بیعت نہیں کی تھی؟''۔نعمان نے کہا:''اصل بات یہ ہے کہ میں آپؑ کے ساتھ ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔معاویہ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا تو میں نے اسے آپؑ سے ملنے کے لئے غنیمت جانا اور میری نیت ہے کہ آپ دونوں کے درمیان صلح کرا دوں تو بہتر ہوگا۔اگر آپؑ معاویہ کی بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو کوئی حرج نہیں میں آپؑ کے پاس کوفہ میں ہی رہوں گا''۔اس کے بعد نعمان حضرتؑ کے پاس کوفہ میں ٹھہر گیا اور

ابو ہریرہ شام چلا گیا۔ ابو ہریرہ نے شام جا کر معاویہ کو اپنی ناکامی کا حال سنایا تو معاویہ نے اس سے کہا کہ صورت حال سے حاضرین کو آگاہ کر دو۔ ابو ہریرہ نے معاویہ کے حکم پر لوگوں کو تمام واقعات سنائے۔ نعمان چند دن حضرتؑ کے پاس قیام پذیر رہا پھر کوفہ سے فرار ہو کر شام جانے لگا۔ جب اس کا گزر عین التمر کے مقام سے ہوا تو وہاں کے عامل مالک بن کعب الارحبی نے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ نعمان نے اسے بتایا کہ میں تو معاویہ کا قاصد ہوں، اب پیغام پہنچا کر معاویہ کے پاس جا رہا ہوں۔ مالک نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی اور اسے زندان بھیج دیا اور اس سے کہا: ''میں تمہارے متعلق امیر المؤمنینؑ کو خط لکھوں گا۔ اور وہاں سے جو فرمان تمہارے متعلق صادر ہوگا میں اس پر عمل کروں گا۔

پھر مالک قرظہ بن کعب انصاری کے پاس گئے اور وہ حضرتؑ کی طرف سے خراج پر مامور تھے اور وہ عین التمر کے کاتب تھے۔ مالک نے ان سے خط لکھنے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ آپ اسے رہا کر دیں وہ میرا چچازاد ہے۔ مالک نے ان سے کہا: ''قرظہ! خدا کا خوف کرو اس کے متعلق سفارش نہ کرو۔ اگر اس شخص کا انصار کے عابد و زاہد طبقہ سے تعلق ہوتا تو کبھی بھی امیر المؤمنینؑ کو چھوڑ کر امیر المنافقین کے پاس نہ جاتا''۔ مگر قرظہ اپنی رشتہ داری کی وجہ سے مسلسل سفارش کرتے رہے۔ آخر کار مالک نے اسے زندان سے رہا کر دیا اور اسے کہا: ''میں تمہیں صرف ایک روز و شب کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد اگر میں نے تجھے کہیں دیکھ لیا تو تجھے قتل کر دوں گا''۔ نعمان کو جیسے ہی رہائی ملی وہ اپنی سواری پر بیٹھ کر بھاگ نکلا۔ آخر کار معاویہ کے پاس شام جا پہنچا۔ اور اسے تمام واقعات کی خبر دی۔ پھر وہ مستقل طور پر معاویہ کے ساتھ رہنے لگا۔ اور حضرت امیرؑ سے جنگ کرتا رہا۔

ایک دن ضحاک بن قیس نے معاویہ سے کہا کہ کسی تجربہ کار شخص کو کچھ فوج دے کر بھیجو کہ وہ فرات کے کنارے آباد شہروں کو غارت کرے تاکہ اہل عراق خوف زدہ ہو جائیں۔ نعمان بن بشیر نے کہا کہ مجھے فوج کا سالار بناؤ اور یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ چنانچہ معاویہ نے اسے دو ہزار فوج کا دستہ دیا اور اس سے کہا بڑے بڑے شہروں پر نہیں دفاعی مورچوں پر حملہ کرنا اور پھر جلد واپس آ جانا۔ نعمان لشکر لے کر عین التمر پہنچا۔ وہاں ایک ہزار جنگجو افراد رہتے تھے مگر موقع پر صرف ایک سو افراد موجود تھے۔ جب مالک بن کعب نے حملہ آور لشکر کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو امیر المؤمنینؑ کو کمک کے لئے تحریر کیا۔ جب امیر المؤمنینؑ کو یہ پیغام ملا تو آپؑ نے لوگوں کو ان کی امداد کے لئے کہا۔ مگر صرف تین سو افراد آمادہ ہوئے جس سے حضرتؑ بہت دل برداشتہ ہوئے اور انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضرتؑ خطبہ دینے کے بعد جب واپس پہنچے تو عدی بن حاتم آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''یا امیر المؤمنینؑ! میرے ہاتھ میں بنی طے کے ایک ہزار افراد ہیں اگر آپؑ حکم دیں تو انہیں روانہ کر دوں؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ دشمن کے سامنے ایک ہی قبیلہ کے لوگ پیش کئے جائیں تم وادی نخیلہ میں جا کر لشکر بندی کرو۔ چنانچہ انہوں نے واپس پہنچ کر لوگوں کو جہاد کی دعوت دی تو بنی طے کے علاوہ اور ایک ہزار جنگ آزما بھی جمع ہو گئے یہ ابھی جنگ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ مالک بن کعب کا پیغام آ گیا کہ اب مدد کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ہم نے دشمن کو مار بھگایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مالک نے عبداللہ بن جوزہ کو قرظہ بن کعب اور مخنف بن سلیم کے پاس دوڑایا تھا کہ اگر کوفہ سے مدد آنے میں تاخیر ہو تو یہاں سے بروقت امداد مل سکے۔ چنانچہ عبداللہ دونوں کے پاس گیا مگر قرظہ سے کوئی مدد نہ مل سکی تھی البتہ مخنف ابن

سلیم نے پچاس آدمی عبدالرحمٰن بن مخنف کے ہمراہ تیار کئے جوعصر کے قریب وہاں پہنچے۔اس وقت تک یہ دو ہزار آدمی مالک کے سوآدمیوں کو پسپا نہ کر سکے تھے۔ جب نعمان نے ان پچاس آدمیوں کو دیکھا تو خیال کیا کہ اب ان کی فوجیں آنا شروع ہو چکی ہیں لہٰذا وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مالک نے ان کے جاتے جاتے عقب سے حملہ کر کے ان کے تین آدمیوں کو مار ڈالا۔

تشریح

(مُنِیْتُ بِمَنْ لَا یُطِیْعُ اِذَا اَمَرْتُ وَ لَا یُجِیْبُ اِذَا دَعَوْتُ)''میرا ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جنہیں حکم دیتا ہوں تو مانتے نہیں بلاتا ہوں تو آواز پر لبیک نہیں کہتے''۔ان الفاظ سے آپؑ نے اپنے ساتھیوں کی کم ہمتی پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور بیان فرمایا کہ کوتاہی میری طرف سے نہیں، تمہاری طرف سے ہو رہی ہے۔تم میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اور میری آواز پر لبیک نہیں کہتے۔(لَا اَبَا لَکُمْ مَا تَنْتَظِرُوْنَ بِنَصْرِ کُمْ رَبَّکُمْ)تمہارا برا ہو اب اپنے اللہ کی نصرت کرنے میں تمہیں کس چیز کا انتظار ہے۔حضرتؑ نے انہیں ان کے ڈھیلے پن پر شرمندہ کرتے ہوئے اور ان کی غیرت کو جگاتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے رب کی نصرت کے لئے کس چیز کے منتظر ہو؟۔ان الفاظ سے حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل کی نصرت اس کی نصرت نہیں بلکہ اللہ کی نصرت ہوتی ہے اور امام عادل کی نصرت کرنے سے انسان ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔(اَمَا دِیْنٌ یَجْمَعُکُمْ وَ لَا حَمِیَّۃَ تُحْمِشُکُمْ) کیا دین تمہیں ایک جگہ اکٹھا نہیں کرتا اور غیرت وحمیت تمہیں جوش میں نہیں لاتی؟ان جملوں سے آپؑ کے دو مقصد ممکن ہیں:۔

۱۔اگر وہ اپنے آپ کو صاحب دین وحمیت سمجھتے ہیں تو پھر وہ جمع کیوں نہیں ہوتے؟اور جوش وجذبہ کا مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟

۲۔یا یہ کہ تم لوگ نہ تو صاحب دین ہو اور نہ صاحب حمیت ہو۔اگر تم صاحب دین ہوتے تو دین تمہیں ایک مرکزیت عطا کرتا اور اگر تم صاحبان حمیت ہوتے تو تم جوش وجذبے کا اظہار کرتے اور چونکہ تم میں نہ تو مرکزیت ہے اور نہ ہی جوش وجذبہ ہے اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر دین اور حمیت کا وجود تک باقی نہیں ہے اور آپؑ کے کلام کی نظیر ﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ﴾ کی قرآنی آیت ہے۔بہر نوع دونوں احتمالات سے حضرتؑ کا مقصود اپنے ساتھیوں کو جہاد پر آمادہ کرنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ صاحب دین وحمیت شخص یہ ظلم کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے دفاعی مورچوں پر دشمن حملہ آور ہو جائیں اور وہ خاموشی سے یہ منظر دیکھتا رہے۔جب کہ وہ انہیں دور کرنے کی بھرپور قوت بھی رکھتا ہو۔(اَقُوْمُ فِیْکُمْ مُسْتَصْرِخًا وَ اُنَادِیْکُمْ مُتَغَوِّثًا فَلَا تَسْمَعُوْنَ لِیْ قَوْلًا وَ لَا تُطِیْعُوْنَ لِیْ اَمْرًا حَتّٰی تَکَشَّفَ الْاُمُوْرُ عَنْ عَوَاقِبِ الْمَسَاءَۃِ)میں تم میں کھڑا چلاّتا ہوں اور مدد کے لئے پکارتا ہوں لیکن تم نہ میری کوئی بات سنتے ہو اور نہ میرا کوئی حکم مانتے ہو۔یہاں تک کہ ان نافرمانیوں کے برے نتائج کھل کر سامنے آجائیں۔اور اس کا انجام ندامت وپشیمانی کی صورت میں بر آمد ہوگا۔یا یہ کہ تمہاری نافرمانی کی وجہ سے برے نتائج کھل کر سامنے آچکے ہیں اور آج تمہارا دشمن تمہیں موت کے گھاٹ اتار رہا ہے اور تمہارے شہروں کو غارت گری کا نشانہ بنا چکا ہے اور تمہارے حدود مملکت روز بروز سمٹتے جا رہے ہیں۔(فَمَا یُدْرَکُ بِکُمْ ثَارٌ وَ لَا یُبْلَغُ

بِکُمْ مَرَامٌ) نہ تمہارے خون کا بدلہ لیا جا سکتا ہے نہ ہی کسی مقصد تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ان الفاظ سے آپؑ نے اپنے ڈھیلے ساتھیوں میں تحرک پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ عرب خون کا بدلہ نہ لینے کو دنائت وخساست کی دلیل سمجھتے تھے۔ ان الفاظ سے آپؑ نے ان کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور انہیں ان کی قدیم روایت یاد دلائی۔ (دَعَوْتُکُمْ اِلیٰ نَصْرِ اِخْوَانِکُمْ فَجَرْجَرْتُمْ جَرْجَرَةَ الْجَمَلِ الْاَسَرِّ وَ تَثَاقَلْتُمْ تَثَاقُلَ النَّضْوِ الْاَدْبَرِ) میں نے تم کو تمہارے ہی بھائیوں کی مدد کے لئے پکارا تھا مگر تم اس اونٹ کی طرح بلبلانے لگے جس کی ناف میں درد ہو رہا ہو اور اس لاغر و کمزور شتر کی طرح ڈھیلے پڑ گئے جس کی پیٹھ زخمی ہو۔ شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ حضرتؑ نے بلبلانے کے الفاظ کا استعارہ ان کی تنگ دلی کے لئے استعمال فرمایا۔ کیونکہ حضرتؑ مسلسل انہیں جہاد کی دعوت دیتے تھے لیکن وہ جہاد سے تنگ دل ہو گئے تھے اور جہاد کا نام سنتے ہی ان کی طبیعتیں بجھ سی جاتی تھیں۔ اسی لئے آپؑ نے تشبیہ بلیغ سے ان کی بے دلی کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ (ثُمَّ خَرَجَ اِلَیَّ مِنْکُمْ جُنَیْدٌ مُتَذَائِبٌ ضَعِیْفٌ) پھر میرے پاس تم لوگوں کی ایک چھوٹی سی متزلزل و کمزور فوج آئی۔ ان الفاظ سے آپؑ نے اپنی دعوت کے جواب میں تین سو افراد کی مختصر اور سہمی ہوئی فوج کے آنے کا تذکرہ کیا۔ اور ان کی حقارت اور خوف زدہ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ (کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَ ھُمْ یَنْظُرُوْنَ) اس عالَم میں کہ گویا اسے ان کی نظروں کے سامنے موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ اس سے آپؑ نے ان کے شدت خوف، بزدلی اور ان کے اضطراب کو بیان کیا ہے کہ وہ میرے پاس ایسے سہمے سے آئے جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو۔

خطبہ ۴۰

کلمہ حق کے حقیقی معانی حضرت علیؑ کی زبانی

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور یہ بھی آپؑ ہی کا ایک خطبہ ہے

فِی الْخَوَارِجِ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَهُمْ لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ

جب آپؑ نے خوارج کا قول ''**لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ**'' یعنی حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے سنا تو فرمایا:

كَلِمَةُ حَقٍّ يُّرَادُ بِهَا الْبَاطِلُ نَعَمْ اِنَّهٗ لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ وَ لٰكِنْ هٰٓؤُلَاءِ يَقُوْلُوْنَ لَا اِمْرَةَ اِلَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّهٗ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِیْ اِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ وَ يَسْتَمْتِعُ فِيْهَا الْكَافِرُ وَ يُبَلِّغُ فِيْهَا الْاَجَلَ وَ يُجْمَعُ بِهِ الْفَیْءُ وَ يُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ وَ تَاْمَنُ بِهِ السُّبُلُ وَ يُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيْفِ مِنَ الْقَوِیِّ حَتّٰی يَسْتَرِيْحَ بَرٌّ وَ يُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ وَ فِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰی اَنَّهٗ (ع) لَمَّا سَمِعَ تَحْكِيْمَهُمْ قَالَ حُكْمَ اللّٰهِ فَاَنْتَظِرُ فِيْكُمْ وَ قَالَ اَمَّا الْاِمْرَةُ الْبَرَّةُ فَيَعْمَلُ فِيْهَا التَّقِیُّ وَ اَمَّا الْاِمْرَةُ الْفَاجِرَةُ فَيَتَمَتَّعُ فِيْهَا الشَّقِیُّ اِلٰی اَنْ تَنْقَطِعَ مُدَّتُهٗ وَ تُدْرِكَهٗ مَنِيَّتُهٗ

یہ جملہ تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں وہ غلط ہے۔ ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا، اگر اچھا ہوگا تو مؤمن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا اور اگر برا ہوگا تو کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہوگا۔ اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی حدوں تک پہنچا دے گا۔ اس حاکم کی وجہ سے مال خراج وغنیمت جمع ہوتا ہے اور دشمن سے لڑا جاتا ہے راستے پرامن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک حاکم (مر کر یا معزول ہوکر) راحت پائے اور برے حاکم کے جانے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔ ایک دوسری میں روایت اس طرح ہے کہ جب آپؑ نے تحکیم کے سلسلے میں ان کا قول سنا تو فرمایا: ''میں تمہارے بارے میں حکم خدا ہی کا منتظر ہوں''۔ پھر فرمایا: ''اگر حکومت نیک ہو تو اس میں پرہیزگار اچھے عمل کرتا ہے اور بری حکومت ہو تو اس میں بد بخت جی بھر کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہو جائے اور انہیں موت آجائے۔

تشریح لغت (نَعَمْ) نون اور عین کے فتحہ کے ساتھ، حرف جواب ہے اور اس سے تصدیق مخبر مطلوب ہوتی ہے۔ (اَلْاِمْرَةُ) الف کے کسرہ کے ساتھ، ''اَمَرَ عَلَيْنَا'' سے مصدر، حکومت۔ (اَلْبَرُّ) باء کے فتحہ کے ساتھ، ''بَآرٌّ'' کے معنی میں ہے، یعنی زیادہ اچھائیاں کرنے والا اور اسی کی جمع ''اَبْرَارٌ'' ہے۔ (اَلْفَیْءُ) غنیمت۔ (اَلتَّحْكِيْمُ) سید رضیؒ کے کلام میں یہ لفظ ''لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ'' کا مصدر مولد ہے، جیسے ''سُبْحَانَ اللّٰهِ'' کا مصدر تسبیح اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنے کا مصدر تہلیل ہے۔

مفہوم عبارت

چھتیسویں خطبہ کی شرح میں جنگ نہروان کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے اور ہم نے اس کی شرح میں لکھا تھا کہ خوارج نے ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ '' کا نعرہ بلند کیا تھا۔ حضرت علیؑ جب صفین سے کوفہ تشریف لائے تو زرعہ بن البرج الطائی اور حرقوص بن زہیر ذوالثدیہ آپؑ کے پاس آئے اور ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ '' کا نعرہ لگایا۔ اور جب حضرتؑ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو مسجد کے کونوں سے خوارج نے یہی نعرہ لگانا شروع کر دیا اور ایک شخص نے با آواز بلند یہ آیت پڑھی ﴿وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبِطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ تیری جانب اور تجھ سے پہلوں کی جانب وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضرور تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار پائے گا (زمر/ ۶۵)۔ حضرتؑ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَ لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ﴾ پس تم صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے مبادا جو لوگ تمہاری تصدیق نہیں کرتے تمہیں بہکا کر خفیف کر دیں (روم/ ۶۰)۔ جب حضرتؑ نے خوارج کا نعرہ ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ '' سنا تو فرمایا (کَلِمَۃُ حَقٍّ یُّرَادُ بِھَا الْبَاطِلُ) یہ جملہ تو صحیح ہے لیکن جو یہ مطلب لیتے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ جملہ بذات خود صحیح ہے کیونکہ نفس امر سے مطابقت رکھتا ہے کیونکہ اللہ کے امر کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا اور اس کی قضاء کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَھُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ﴾ فیصلہ تو صرف خدا ہی کے لئے ہے، وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے (انعام/ ۵۷) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جب بھی کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ لازمی طور پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مفہوم آیت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق حکومت اللہ کو حاصل ہے تمام احکام کا مُقنِن اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ قانون بنانے کا حق اللہ ہی کو حاصل ہے ﴿وَ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّ مِنْھَاجًا﴾ ہم نے تم میں سے ہر ایک کی خاطر ایک شریعت اور خاص طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور خوارج کا نعرہ صحیح الفاظ پر مشتمل تھا۔ لیکن اس نعرہ سے جو کچھ انہوں نے مراد لیا تھا آپؑ نے اسے باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا (کَلِمَۃُ حَقٍّ یُّرَادُ بِھَا الْبَاطِلُ نَعَمْ اِنَّہٗ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ وَ لٰکِنْ ھٰؤُلَاءِ یَقُوْلُوْنَ لَا اِمْرَۃَ اِلَّا لِلّٰہِ) یہ جملہ تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں وہ غلط ہے۔ ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ صحیح الفاظ پر مشتمل عبارت کی توجیہ اپنے مذموم مقاصد کے استعمال کے لئے کر رہے ہیں۔ کیونکہ خوارج ان الفاظ سے حکمین کے تقرر کو باطل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔ اور کسی کو حَکَم بنانا غلط ہے۔ حضرتؑ نے ان کے استدلال کو غلط قرار دیا اور ان کے استدلال کا ابطال ان دلائل سے کیا:۔

۱۔ فیصلہ کا حق اللہ کو حاصل ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر مسلّم ہے کہ تمام احکام کا فیصلہ نص قرآن میں موجود نہیں ہے۔ بہت سے احکام کو سنت اور دوسری شرعی دلائل سے استنباط اور اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور سنت اور ادلہ شرعیہ سے استنباط شدہ حکم بھی درحقیقت ''حکم اللہ'' کے ضمن میں داخل ہے۔ اسے کسی طرح سے بھی حکم اللہ سے خارج تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ خوارج کا یہ نظریہ کہ کسی کو حَکَم بنانا غیر شرعی اقدام ہے۔ ان کا یہ نظریہ بھی قرآن سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے:

الف: میاں بیوی کے اختلاف کے وقت ثالث مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔

ب: حالت احرام میں کوئی شخص شکار کرے تو اس کے فیصلہ کے لئے بھی دو ثالث مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔

جب میاں بیوی کے اختلاف مٹانے کے لئے ثالث مقرر ہو سکتے ہیں تو امت کے دو گروہوں کے اختلاف کو دور کرنے کیلئے ثالث مقرر کرنا کیسے حرام ہوسکتا ہے؟۔اور جب ایک پرندے کے خون کے لئے دو ثالثوں کے فیصلہ کی ضرورت ہے تو امت کے بہتے ہوئے خون کو روکنے کے لئے ثالث مقرر کرنا کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

۳۔''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ '' سے یہ نظریہ بنالینا کہ حکومت اور حاکم کا تصور ہی سرے سے غیر شرعی ہے۔یہ ان کی جہالت کا واضح ترین ثبوت ہے۔اگر اس نعرہ سے خوارج کی مراد یہ ہے کہ حاکم کے پاس قانون کے نفاذ کی قوت ہی نہیں ہونی چاہئے تو یہ ان کے حماقت کی دلیل ہے۔کیونکہ اگر اس کے پاس قانون کے نفاذ کی قوت ہی نہ ہو تو اس کا وجود و عدم مساوی ہو جائیگا۔اور اگر وہ یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ اسلام میں حاکم کی مطلق نفی کی گئی ہے تو یہ بدیہیات کا انکار ہوگا۔

(وَاِنَّہٗ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِیْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ)حالانکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔حاکم کی ضرورت اس لئے ہے کہ انسان اپنے نفس امارہ کی وجہ سے غلط کاموں کی طرف مائل رہتا ہے اور ہر صورت میں وہ اپنا ذاتی مفاد اور نفس امارہ کے تقاضوں کی تکمیل کا خواہش مند رہتا ہے۔اسی لئے بقائے نظام اور معاشرہ کی اصلاح و فلاح کے لئے انسان کو کسی نہ کسی حاکم کی ضرورت رہتی ہے۔

حاکم کی ضرورت کیوں؟

جب ہم معاشرہ کے فساد کو دیکھتے ہیں تو فطری طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس معاشرے کی ژولیدہ زلفوں کو سنوارا جائے۔ لہذا انسان کو اس کے ظلم و تعدی سے چار چیزیں روک سکتی ہیں:

۱۔عقل کامل ۲۔دین داری ۳۔اپنی کمزوری و عاجزی ۴۔طاقت ور حاکم

اور جب نظر غائر سے ہم ان چاروں چیزوں کو دیکھتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ طاقت ور حاکم کا وجود باقی تین سے زیادہ مؤثر ہے۔کیونکہ اکثر اوقات عقل و دین کے جذبات بھی انسانی خواہشات کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔لیکن حاکم کا خوف انسان کو غلط اقدامات سے روکنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔حاکم چاہے نیک ہو یا بد لوگوں کے دلوں میں اس کا خوف ہمیشہ طاری رہتا ہے۔اسی لئے عربی زبان کا مقولہ زبان زد خاص و عام ہے''اِنَّ مَا نَزَعَ السُّلْطَانُ اَکْثَرُ مِمَّا نَزَعَ الْقُرْآنُ وَ مَا یَلْتَئِمُ بِالسِّنَانِ لَا یَنْتَظِمُ بِالْبُرْھَانِ '' سلطان لوگوں کو روکنے میں قرآن سے بھی زیادہ کامیاب رہا ہے اور بعض اوقات نیزہ سے وہ مسائل حل ہوتے ہیں جنہیں دلیل و برہان سے حل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔لوگوں کو صرف اخلاقی اپیلوں کے ذریعہ سے برائیوں سے نہیں روکا جا سکتا اس کے لئے قوت (Force) کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔اسی لئے اقوام و ملل کی تاریخوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی

سلطان کے مرنے کے بعد معاشرہ کس قدر زیر و زبر ہوا۔ کسی بھی معاشرے کے تحفظ اور بقا کے لئے حاکم کا وجود ضروری ہے اور انسانی معاشروں سے ہٹ کر اگر ہم دوسری چیزوں کا بھی جائزہ لیں تو ہمیں وہاں بھی حاکم اور حکومت کے آثار نظر آتے ہیں۔

آپ شہد کی مکھیوں کو دیکھ لیں مکھیوں کی بھی ایک ملکہ ہوتی ہے جو چھتے کے تمام نظام کو سنبھالتی ہے۔ اور اس طرح سے چیونٹیوں میں بھی ان کا ایک سردار ہوتا ہے۔ جب چھتہ کی ملکہ مر جائے تو مکھیاں منتشر ہو جاتی ہیں اور چیونٹیوں کا سردار مر جائے تو چیونٹیاں بکھر جاتی ہیں اور ان کی جمعیت پراکندہ ہو جاتی ہے۔ انہی حقائق کی بنا پر عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ بھیڑوں کو رکھوالے کے بغیر نہ رہنے دیا جائے اور انسانوں کو حاکم کے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ اگر حاکم نیک ہوگا تو معاشرے میں خیر و برکت عام ہوگی اور اگر حاکم ظالم و جابر ہوگا تو بھی امن عامہ میں خلل نہیں پڑے گا۔ اس کے لئے آپ چنگیز اور ہلاکو کی مثالوں کو سامنے رکھیں۔ وہ اگر چہ بہت بڑے ظالم تھے لیکن انہوں نے راستوں کو محفوظ بنایا اور امن عامہ کو بحال رکھا۔ اگر چہ جابر ہونے کی وجہ سے ان میں خیر نہیں تھی پھر بھی ان کا وجود عدم سے بہر حال بہتر تھا۔ اور اسی حقیقت کی طرف مولائے متقیان حضرت علیؑ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کے لئے حاکم کا وجود ضروری ہے خواہ اچھا ہو یا برا۔

(یَعْمَلُ فِیْ اِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ) مؤمن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا۔ شارح معتزلی نے بعض شارحین سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ آپؑ کا یہ فرمان بدکار حاکم کے دور حکومت کے متعلق ہے اور اس کے بعد بھی جتنے الفاظ ہیں ان سب کا تعلق فاجر کے دور حکومت سے ہے۔ حضرتؑ کا مقصود یہ ہے کہ حاکم اگر چہ بذات خود فاجر کیوں نہ ہو پھر بھی مؤمن کو نماز، روزہ اور حج و زکات سے منع نہیں کرے گا۔ (وَ یَسْتَمْتِعُ فِیْهَا الْکَافِرُ) اور کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہوگا۔ کافر فی نفسہٖ نعمات الٰہی کے لائق نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس کی زندگی کے ایک ایک سانس کو 'لذائذ سے بہرہ اندوزی' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفار کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ﴾ کہہ دو کہ چند روز تو چین کر لو پھر تو تمہیں دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے (ابراہیم/۳۰)۔ شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ (اِمْرَتِهِ) میں ضمیر امیر کی طرف راجع ہے اور لفظ امیر کا نیک و بد دونوں کے لئے احتمال ہے۔ اور جس امارت میں حضرتؑ نے مؤمن کے عمل کرنے کا تذکرہ کیا ہے اس سے مراد مؤمن کی امارت ہے اور جس امارت میں حضرتؑ نے کافر کے لطف اندوز ہونے کا ذکر کیا ہے اس سے کافر کی حکومت مراد ہے۔ کیونکہ کافر کے دور حکومت میں مؤمن کے عمل کے لئے کچھ زیادہ مواقع نہیں ہوتے۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ میری بیان کردہ تشریح اس تشریح سے زیادہ بہتر ہے جو بعض شارحین نے اسے بدکار کی حکومت سے متعلق کیا ہے۔ نیک حکمران کے دور حکومت میں مؤمن کے عمل سے مراد یہ ہے کہ مؤمن نیک حکمران کے عہد حکومت میں اللہ کے اوامر و نواہی کے مطابق پوری دلجمعی سے کام کرتا ہے اور برے حاکم کے عہد میں کافر کے بہرہ اندوز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ برے حاکم کے دور حکومت میں کافر اوامر و نواہی کی کھل کر مخالفت کر سکتا ہے اور لذات دنیا میں پوری طرح منہمک ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خطبہ کے الفاظ کا یہ معنی و مقصود ہو کہ امور معاش کے انتظام کیلئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی حاکم موجود ہو خواہ کردار کے لحاظ سے اچھا ہو یا برا۔ تا کہ اس کے دور حکومت میں مؤمن ایسے کام کر سکے کہ جنت کا حق دار بن جائے اور کافر پوری طرح سے عیش کوشی کرے تا کہ اس کا عمل اس کے خلاف حجت بن جائے۔ (وَ یُبَلِّغُ فِیْهَا الْاَجَلَ) اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی حدوں تک پہنچا دے گا۔ اور یہ فائدہ ہر حاکم کے عہد

حکومت میں حاصل ہوسکتا ہے۔خواہ وہ نیک ہو یا بد۔اور حضرتؑ نے اس خطبہ میں ہر چیز کے حد تک پہنچنے کا تذکرہ کر کے بالواسطہ طور پر اپنے مخالفین کو ان کے انجام بد سے بھی ڈرایا ہے۔(وَ یُجْمَعُ بِهِ الْفَیْءُ وَ یُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ وَ تَاْمَنُ بِهِ السُّبُلُ وَ یُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِیْفِ مِنَ الْقَوِیِّ)اس حاکم کی وجہ سے مال خراج وغنیمت جمع ہوتا ہے اور دشمن سے لڑا جاتا ہے راستے پر امن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے۔اور ان تمام امور کے لئے حاکم کے نیک و بد ہونے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔بنی امیہ کے ظالم و فاسق حکمرانوں کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ ان کے فسق و فجور کے باوجود خراج جمع کیا جاتا تھا اور ان کے دور میں اسلامی سلطنت کے حدود میں توسیع ہوئی۔ کاروان،امن وسلامتی سے گزرتے تھے۔اور قوی سے ضعیف کا حق چھین کر لیا جاتا رہا۔(حَتّٰی یَسْتَرِیْحَ بَرٌّ وَ یُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ) یہاں تک کہ نیک حاکم (مر کر یا معزول ہو کر) راحت پائے اور برے حاکم کے جانے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔یعنی یہ سلسلہ امور حاکم کی وجہ سے جاری رہ سکتا ہے خواہ حاکم نیک ہو یا برا ہو۔یہاں تک کہ نیک حاکم اپنی موت یا حکومت کی معزولی کی وجہ سے راحت حاصل کرے اور فاجر و بدکار کی موت یا معزولی لوگوں کی راحت کا ذریعہ بنے۔اور نیک شخص کی موت اس کے لئے راحت کا پیغام لاتی ہے۔کیونکہ اللہ کے یہاں اس کیلئے جو نعمتیں موجود ہیں وہ اس دنیاوی نعمتوں سے کہیں زیادہ ہیں اور بدکار کی موت رعایا کے لئے راحت کا پیغام لاتی ہے کیونکہ لوگ اس کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرتے ہیں۔مگر اس کے باوجود نظم معاشرہ کے لئے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اور اگر ''حَتّٰی'' کو ''کَیْ'' تعلیلیہ کا مترادف قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ان امور کے صادر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ نیک حاکم کے دور حکومت میں مؤمن لوگوں کے خوف وخطر سے مطمئن ہو کر راحت حاصل کرتا ہے اور عوام الناس شورش پسندوں کی بغاوت سے مطمئن ہو کر پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں۔اور عوام کو ایک فاجر حکمران کے دور سلطنت میں اگر چہ بہت سے مصائب اٹھانے پڑتے ہیں اس کے باوجود بھی پرامن زندگی حاصل کرتے ہیں۔

(وَ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی اَنَّهٗ (ع) لَمَّا سَمِعَ تَحْکِیْمَهُمْ قَالَ حُکْمَ اللّٰهِ فَانْتَظِرُ فِیْکُمْ)ایک اور روایت اس طرح ہے کہ جب آپؑ نے تحکیم کے سلسلے میں ان کا قول سنا تو فرمایا:''میں تمہارے بارے میں حکم خدا ہی کا منتظر ہوں''۔یعنی میں تمہارے لئے خدا کی قضاء وقدر کے اس فیصلے کا انتظار کر رہا ہوں جس کے تحت تم نے ہمارے ہاتھوں تباہ و برباد ہونا ہے۔اور جنگ نہروان میں ان کے تباہ و برباد ہونے کی تفصیل ہم پینتیسویں خطبہ کی تشریح میں لکھ آئے ہیں یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(وَ قَالَ اَمَّا الْاِمْرَةُ الْبَرَّةُ فَیَعْمَلُ فِیْهَا التَّقِیُّ وَ اَمَّا الْاِمْرَةُ الْفَاجِرَةُ فَیَتَمَتَّعُ فِیْهَا الشَّقِیُّ اِلٰی اَنْ تَنْقَطِعَ مُدَّتُهٗ وَ تُدْرِکَهٗ مَنِیَّتُهٗ) پھر فرمایا:''اگر حکومت نیک ہو تو اس میں پرہیزگار اچھے عمل کرتا ہے اور بری حکومت ہو تو اس میں بدبخت جی بھر کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہو جائے اور وہ موت کی آغوش میں چلا جائے۔

شارح معتزلی کا موقف

شارح معتزلی اس خطبہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:''اس خطبہ کے ذریعہ سے حضرتؑ نے وجوب امامت پر نص صریح فرمائی ہے۔

البتہ وجوب امامت کا اثبات عقل سے ہوتا ہے یا شرع سے تو اس بارے میں ہمارے بزرگوں کے دو مختلف نظریات ہیں:۔

۱۔ ہمارے بصری شیوخ کہتے ہیں کہ وجوب امامت کا اثبات شرع سے ہوتا ہے اور عقل وجوب امامت کو ضروری قرار نہیں دیتی۔

۲۔ ہمارے بغدادی شیوخ اور بصریوں میں سے ابوعثمان جاحظ اور ہمارے شیخ ابوالحسین کا نظریہ یہ ہے کہ عقل وجوب امامت کو ضروری قرار دیتی ہے۔ اور یہی امامیہ کا نظریہ ہے۔ لیکن ہمارے شیوخ کے دلائل اور ہیں اور امامیہ کے دلائل ان سے جداگانہ ہیں۔ ہمارے شیوخ کہتے ہیں کہ وجوب حکومت و ریاست امت پر اس لئے ضروری ہے کہ اس سے دنیاوی مصالح وابستہ ہیں اور دنیاوی نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔ مگر امامیہ کہتے ہیں وجوب حکومت و ریاست اللہ کے لئے ہے کیونکہ ریاست لطف الٰہی ہے جو بندوں کو اطاعت کے قریب کرتا ہے اور قبائح عقلیہ سے مکلفین کو دور رکھتا ہے۔ اور امیر المؤمنینؑ کے کلام سے ہمارے موقف کی تایید ہوتی ہے۔ حضرتؑ نے معاشرہ کے لئے امیر کا وجود ضروری قرار دیا ہے اور اس کی وجہ حضرتؑ نے یہ بیان فرمائی کہ حاکم کے ذریعہ سے ہی مال جمع ہوگا، دشمنوں سے جنگ ہوگی، راستے پرامن رہیں گے اور قوی سے ضعیف کا حق حاصل کیا جائے گا۔ اور چاروں فوائد کا تعلق دنیاوی امور سے ہے۔ اس سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ حاکم کا وجود دنیاوی مصالح کے لئے ضروری ہے۔

شارح معتزلی کی تردید

بلاشبہ اس خطبہ میں حضرتؑ نے وجوب امارت پر نص صریح فرمائی ہے۔ مگر ہمارا موقف انتہائی صاف اور واضح ہے کہ حکومت وامارت اور چیز ہے اور امامت اور چیز ہے۔ حکومت وامارت تو نیک و بد سب قسم کے لوگوں کو مل سکتی ہے۔ بلکہ حکومت وامارت مسلم و کافر کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن امامت کافروں اور ظالموں کو نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ میرا عہدہ ظالموں تک نہ جائے گا (بقرہ/۱۲۴)۔ امامت نیابت رسولؐ ہے اور امامت مصلحت دین کی بقاء کا ذریعہ ہے اور امامت مکلفین کے لئے واقعی لطف الٰہی ہے جو انہیں اطاعت کے قریب اور معصیت سے دور کرتی ہے۔ اور امامت کا بھی وہی مقصد ہے جو بعثت رسولؐ کا مقصد ہے۔ اس لئے کوئی فاسق و فاجر امامت کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہم اس بات کو تسلیم تو کرتے ہیں کہ ایک فاسق حکمران سے دنیاوی مصالح کی تکمیل ہو سکتی ہے لیکن دینی مصالح کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔ اور دینی مصالح، دنیاوی مصالح سے کہیں بلند و برتر ہیں۔ نظام حکومت چلانے کے لئے کسی شخص کا بااختیار ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر بااختیار شخص امت کا امام بھی ہو۔ دنیاوی مصالح کے پیش نظر کوئی شخص بھی حاکم بن سکتا ہے۔ لیکن دینی مصالح کے لئے ہر شخص اس لائق نہیں ہوتا۔ اور ویسے بھی بعض اوقات اقتدار کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور امامت کسی دوسرے کے پاس ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ میں آپ کو انسانوں کا امام مقرر کرتا ہوں (بقرہ/۱۲۴)۔ حالانکہ اس وقت اقتدار نمرود کے پاس تھا، فوج نمرود کے پاس تھی اور خزانہ وغیرہ بھی نمرود کے پاس تھا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ یہ عہدہ لے کر خوش ہو گئے اور خدا سے یہ نہ کہا کہ اقتدار نمرود کا ہے، سکہ نمرود کا ہے اور فوج بھی نمرود کی ہے خالی

خولی امامت لے کر میں کیا کروں گا؟۔تو حضرت ابراہیمؑ کا یہ عہدہ پا کر خوش ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت و ریاست اور ہے اور امامت اور ہے۔امامت کا تعلق صرف مصالح دنیا سے نہیں بلکہ دنیا و آخرت کے مصالح سے ہے۔

بہرنوع حضرتؑ کا یہ خطبہ وجوب امارت کے لئے ہے وجوب امامت کے لئے نہیں ہے۔اس سے بغدادی حضرات کے اس نظریہ کی ہرگز تائید نہیں ہوتی کہ وجوب امامت کا تعلق دنیاوی مصالح کے حصول اور دنیاوی نقصانات سے بچاؤ کے ساتھ ہے۔آپؑ نے اس خطبہ سے خوارج کے عدم امارت کے نظریہ کی تردید کی ہے اور امارت کے وجوب کا حضرتؑ نے اثبات فرمایا ہے۔کیونکہ افراد بشر کو اس کی احتیاج ہے۔اور آپ اس واضح فرق کو اچھی طرح سے سمجھیں۔

خطبہ ۴۱

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں محمد بن طلحہ کی کتاب مطالب السؤل سے نقل کیا ہے کہ حضرتؑ نے اس خطبہ کی ابتدا ان الفاظ سے فرمائی (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ اِنْ اَتَی الدَّهْرُ بِالْخَطْبِ الْفَادِحِ وَ الْحَدَثِ الْجَلِيْلِ فَاِنَّهٗ لَا يَنْجُوْ مِنَ الْمَوْتِ مَنْ خَافَهٗ وَ لَا يُعْطَى الْبَقَاءَ مَنْ اَحَبَّهٗ اَلاَ) ہر حالت میں اللہ کے لئے حمد ہے، گو زمانہ ہمارے لئے جانکاہ مصیبتیں اور صبر آزما حادثے لے آیا ہے۔موت وہ چیز ہے کہ ڈرنے والا اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اور ہمیشہ کی زندگی چاہنے والے کو بقا نصیب نہیں ہوتی۔آگاہ رہو:

وفا کی توصیف اور غداری کی مذمت

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور یہ بھی آپؑ ہی کا ایک خطبہ ہے

اِنَّ الْوَفَاءَ تَوْأَمُ الصِّدْقِ وَ لَا اَعْلَمُ جُنَّةً اَوْقٰى مِنْهُ وَ لَا يَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ كَيْفَ الْمَرْجِعُ وَ لَقَدْ اَصْبَحْنَا فِيْ زَمَانٍ قَدِ اتَّخَذَ اَكْثَرُ اَهْلِهِ الْغَدْرَ كَيْسًا وَ نَسَبَهُمْ اَهْلُ الْجَهْلِ فِيْهِ اِلٰى حُسْنِ الْحِيْلَةِ مَا لَهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ قَدْ يَرَى الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ وَجْهَ الْحِيْلَةِ وَ دُوْنَهٗ وَ دُوْنَهٗ مَانِعٌ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَ نَهْيِهٖ فَيَدَعُهَا رَأْيَ عَيْنٍ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا وَيَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَا مَنْ لَا حَرِيْجَةَ لَهٗ فِي الدِّيْنِ.

وفا عہد اور سچائی دونوں کا ہمیشہ ہمیشہ کا ساتھ ہے اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کی اور کوئی سپر نہیں۔جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت جان لیتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا۔مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے کہ جس میں اکثر لوگوں نے غدر و فریب کو عقل و فراست سمجھ لیا ہے اور جاہلوں کی چالوں کو حسن تدبیر سے منسوب کر دیا ہے۔اللہ انہیں غارت کرے انہیں کیا ہو گیا ہے۔وہ شخص جو زمانے کی اونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ہیر پھیر سے آگاہ ہے وہ کبھی کوئی تدبیر اپنے لئے دیکھتا ہے مگر اللہ کے اوامر و نواہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو وہ اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے اور جسے کوئی دینی احساس سدراہ نہیں ہے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھالے جاتا ہے۔

تشریح لغت (تَوْأَمٌ) جڑواں بھائی یا بہن، عرب کہتے ہیں ''هٰذَا تَوْأَمُ هٰذَا وَ هٰذِهٖ تَوْأَمُ هٰذِهٖ''۔(اَلْجُنَّةُ) جیم کے ضمہ کے ساتھ، ڈھال۔(اَلْمَرْجَعُ) اسم مکان ہے یا مصدر ہے، اکثر نسخوں میں اس کی جیم پر فتحہ ہے البتہ بعض نسخوں میں جیم کے کسرہ کے ساتھ بھی مذکور ہے۔اور یہ صحیح ہے۔فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ ''رَجَعَ یَرْجِعُ وَرُجُوْعًا وَ مَرْجِعًا ''(بروزن مَنْزِلٌ) اور ''مُرْجِعَةٌ'' شاذ ہیں۔ کیونکہ ''فَعَلَ یَفْعِلُ ''ما مصدر فتحہ کے ساتھ آتا ہے۔(اَلْکَیْسُ) رقم کا وزن کرنے والا اور یہ ''کَاسَ یَکِیْسُ '' سے مصدر ہے۔لفظی معنی ذہانت اور فطانت ہے۔(اَلْخُوَّلُ الْقُلَّبُ) معاملات کے پیر پھیر سے باخبر شخص۔(اَلرَّأْیُ) ''رُؤْیَةٌ'' کی طرح سے مصدر ہے۔ (اَلْاِنْتِهَازُ) جلدی کرنا، ''اِنْتَهَزَ الْفُرْصَةَ ''یعنی اس نے فرصت کو غنیمت جانا اور اس کی طرف جلدی کی۔(اَلْحَرِیْجَةُ) حرج وگناہ سے بچنا، فیومی کہتے ہیں ''تَحَرَّجَ الْاِنْسَانُ تَحَرُّجًا '' کا معنی اس کے لفظ کے مخالف ہے اور اس کا معنی ہے کہ ایک شخص نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے وہ حرج سے بچ گیا۔اور اس کی نظیر ''تَحَنَّثَ '' ہے اور اس کا معنی ہے کہ اس نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے قسم شکنی سے بچ گیا۔ابن اعرابی کا قول ہے کہ عرب ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے معانی ان کے الفاظ سے متضاد ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے ''تَحَرَّجَ، تَحَنَّثَ تَأَثَّمَ وَ تَهَجَّدَ''۔

تشریح

الکافی کی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عقل کو خدا نے لشکر دیا ہے اور جہل کو بھی لشکر دیا ہے۔ اور وفاء اور صدق عقل کے لشکر کے سپاہی ہیں۔اور غدر اور کذب، جہل کے لشکر کے سپاہی ہیں۔وفا نفس کا وہ ملکہ ہے جو عہد کی کما حقہ پابندی سے پیدا ہوتا ہے۔اور غدر کا مقصد ہے کہ قابل وفا شخص سے وفا نہ کرنا۔صدق مطابق واقعہ اور قول کی پابندی سے پیدا ہونے والا ملکہ ہے اور کذب اس سے سچ نہ کہنا کہ جس سے سچ کہنا ہو۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ وفا اور صدق کے درمیان کونسی خاص نسبت پائی جاتی ہے۔کیونکہ وفا کا لفظ صدق کے مقابلے میں خاص ہے اور لفظ صدق عام ہے۔وفا صدق وعدہ کو کہتے ہیں جب کہ صدق کا لفظ عام ہے۔بعض اوقات صدق وعدہ کے علاوہ بھی بہت سے موارد میں انسان صادق کہلاتا ہے۔الغرض ہر وفا صدق ہے لیکن ہر صدق وفا نہیں ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ وفاء وصدق کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہو۔کیونکہ صدق کا تعلق قول سے ہے اور قول کا تعلق خبر سے ہوتا ہے اور خبر قول ہوتی ہے۔ اور وفا کا اظہار کبھی عمل سے ہوتا ہے نیز غدر اور کذب میں بھی یہی نسبت کارفرما ہے۔اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

غَاضَ الْوَفَاءُ وَ فَاضَ الْغَدْرُ وَ اتَّسَعَتْ مَسَافَةُ الْخُلْفِ بَیْنَ الْقَوْلِ وَ الْعَمَلِ

وفا کے چشمے خشک ہو گئے اور غدر کے چشمے پھوٹنے لگے اور قول وفعل کے تضاد کے فاصلے بڑھ گئے۔وفا اور صدق دونوں کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا رشتہ ہے۔اور دونوں لشکر عقل کے سپاہی ہیں اس لئے حضرت نے اپنے کلام بلاغت نظام میں انہیں جڑواں بھائی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا (اِنَّ الْوَفَاءَ تَوْأَمُ الصِّدْقِ) ایفائے عہد اور سچائی دونوں کا ہمیشہ کا ساتھ ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے کے

جڑواں بھائی ہیں اور دو افراد اس وقت جڑواں بھائی قرار پاتے ہیں جو ایک ہی وقت میں ایک شکم میں پرورش پاتے رہے ہوں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں تو اسی طرح سے وفا، صدق کا توأم ہے اور صدق و وفا ایک دوسرے سے بالکل جڑے رہتے ہیں (وَ لَا اَعْلَمُ جُنَّةً أَوْقیٰ مِنْه) اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کی اور سپر نہیں ہے۔ وفا ایک ایسی سپر ہے جو عذاب آخرت اور عار دنیا سے بیک وقت انسان کو محفوظ رکھتی ہے۔ جب کہ غدر او وعدہ خلافی دنیا و آخرت کی بربادی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں وفا کے بہت سے ثمرات اور اور منافع کو انسان اس دنیا میں بھی سمیٹتا ہے۔

شرح خطبہ کے بعد ہم وفا کے اخروی فوائد کی طرف اشارہ کریں گے۔ وفا کے دنیاوی ثمرات بہت زیادہ ہیں جن میں سرفہرست لوگوں کا اعتماد ہے۔ کیونکہ لوگ باوفا انسان کی بات پر اعتماد کرتے ہیں اور اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے اور صاحب وفا شخص خالق و مخلوق کی مدح کا حق دار ہوتا ہے۔ اسی لئے عرب میں ایک حکیمانہ قول بڑا رائج ہے ''اَلْوَفَاءُ مَلِیْحٌ وَ الْغَدْرُ قَبِیْحٌ'' وفا زیبائی اور بے وفائی بدصورت ہوتی ہے۔

سموأل کی وفا

مطرزی شرح مقامات میں لکھتے ہیں کہ سموأل وفا میں ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اور عرب جب کسی کی وفا کا تذکرہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''اَوْفیٰ مِنْ سَمُوْأَل'' فلاں شخص سموأل سے بھی زیادہ باوفا ہے۔ اس کی وفا کا واقعہ یہ ہے کہ امرؤالقیس بن حجر نے بہت سی زرہیں اس کے پاس بطور امانت رکھی تھیں۔ امرؤالقیس مر گیا تو بعد میں شام کے حاکم نے سموأل پر چڑھائی کر دی اور سموأل نے اس سے بچنے کے لئے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ اتفاق سے سموأل کا بیٹا قلعہ سے باہر رہ گیا تو شام کے حاکم نے اسے گرفتار کر لیا اور سموأل سے مطالبہ کیا کہ امرؤالقیس میرا چچازاد تھا اس کی زرہیں مجھے واپس کر دو ورنہ میں تمہارے بیٹے کو قتل کر دوں گا۔ سموأل نے اس سے مہلت طلب کی اور اپنے خاندان والوں سے مشورہ کیا تو تمام رشتہ داروں نے یہی مشورہ دیا کہ بہتر یہی ہے کہ تمام زرہیں اس کے حوالے کر دیں اور اپنے بیٹے کی جان بچائیں۔ یہ مشورہ سن کر سموأل نے کہا: ''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا''۔ پھر اس نے شام کے حاکم سے کہا کہ میں کسی طور بھی امانت میں خیانت نہیں کرسکتا۔ اور آپ نے میرے بیٹے سے جو سلوک کرنا ہو بے شک کرو۔ اگر میرا بیٹا مارا گیا تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کے اور بھائی زندہ ہیں لیکن میں امانت میں خیانت اور غدر برداشت نہیں کرسکتا۔ شامی حاکم نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا اور ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ جیسے ہی ایام حج آئے اور راستے پر امن ہوئے تو سموأل نے زرہیں اٹھائیں اور امرؤالقیس کے ورثاء تک پہنچا دیں۔ چنانچہ اسی دن سے سموأل وفا میں ضرب المثل ہو گیا۔

ایک طائی کی وعدہ وفائی

نعمان بن منذر عرب کا ایک بادشاہ تھا۔ اس نے سال میں دو دن مقرر کئے تھے ایک دن کو اس نے یوم نعیم قرار دیا تھا۔ اس دن جو شخص اسے ملتا وہ اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا تھا۔ اور ایک دن اس نے اپنے لئے ''یوم بؤس'' (منحوس دن) قرار دیا تھا۔ اس دن

اسے جو شخص ملتا وہ اسے قتل کروا دیتا تھا۔ایک مرتبہ جب کہ بادشاہ کا ''یوم بؤس'' تھا بادشاہ جنگل میں آیا اور اتفاق سے بنی طے کا ایک شخص طلب رزق کے لئے وہاں سے گزرا۔اور بادشاہ کی اس پر نظر پڑ گئی۔بادشاہ نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔اس کے سپاہی حکم ملتے ہی اسے گرفتار کرلائے۔بادشاہ نے کہا:''آج کا دن میرے لئے یوم نحوست ہے۔لہٰذا میں تجھے قتل کرتا ہوں''۔نوجوان نے جب یہ سنا تو کہنے لگا: ''بادشاہ!اگر آپ نے مجھے قتل کرنا ہی ہے تو اس میں صبح وشام سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔آپ مجھے اجازت دیں میں اپنے اہل خانہ سے آخری بار الوداع کرلوں اور لین دین کے متعلق چند وصیتیں بھی کرلوں میں شام ہوتے ہی واپس آجاؤں گا''۔بادشاہ نے کہا:''اگر میرے مصاحبین میں سے کوئی شخص تیری ضمانت دے دے تو میں تجھے جانے کی اجازت دے دوں گا۔لیکن میرے مصاحبین کو بھی علم ہونا چاہئے کہ اگر مقررہ وقت پر واپس نہ آیا تو میں ضامن کو قتل کردوں گا''۔شریک بن عدی جو نعمان کے مصاحبین میں سے تھا،اس نے کہا:''بادشاہ!آپ اسے جانے دیں میں اس کا ضامن ہوں۔اگر یہ شام تک واپس نہ آیا تو آپ کو مجھے قتل کرنے کا اختیار ہوگا''۔بادشاہ نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔وہ اپنے گھر اور قوم وقبیلہ کی طرف واپس چلا گیا۔شام ہونے لگی تو بادشاہ نے اپنے مصاحب کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو نے جس کی ضمانت دی تھی وہ ابھی تک واپس نہیں آیا لہٰذا تم قتل ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔شریک بن عدی نے غسل کیا اور کفن پہنا اور سر جھکا کر جلاد کے سامنے بیٹھ گیا۔ابھی جلاد نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا کہ دور سے ایک شخص دوڑتا ہوا نظر آیا۔

شریک نے جلاد سے کہا:''ٹھہر جاؤ۔معلوم ہوتا ہے کہ جوان آرہا ہے''۔کچھ دیر بعد جوان دوڑتا ہوا آیا اور کہا:''دوستو!معاف رکھنا مجھے آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔اسی لئے میں دوڑتا ہوا آیا کہ میرے ضامن کو کوئی گزند نہ پہنچے۔اب میں حاضر ہوں،میرے ضامن کو چھوڑ دیا جائے اور مجھ سے جو سلوک کرنا ہو کیا جائے''۔جوان کی وعدہ وفائی دیکھ کر نعمان بادشاہ نے بڑے تعجب سے کہا:''جوان!تو وعدہ وفائی کی آخری منزل پر فائز ہے۔تو نے وعدہ وفائی کی وہ مثال قائم کی ہے جسے نسلوں تک یاد رکھا جائے گا''۔بعد ازاں اس کے ضامن سے کہا:''تو نے بھی کرم کی انتہا کردی۔لوگ بھی تیرے کرم کی مثال دیا کریں گے۔اور میں تمہاری وعدہ وفائی اور کرم سے متأثر ہوا ہوں میں بھی اعلان کرتا ہوں آئندہ یوم نحوست نہیں مناؤں گا''۔پھر اس نے طائی جوان اور اس کے ضامن کو بہت سا انعام واکرام دیا اور آئندہ کے لئے یوم نحوست کو ترک کردیا۔

حضرت امیر المؤمنینؑ نے وفا کی توصیف وتعریف کے بعد بے وفائی اور غداری سے لوگوں کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا(وَ لَا یَغْدِرُ مَنْ عَلِمَ کَیْفَ الْمَرْجِعُ)جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت جان لیتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا۔یعنی جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ آخرت میں غدار کا انجام کیا ہوگا اور اسے دوزخ کا کتنا بڑا عذاب جھیلنا پڑے گا تو ایسا شخص کبھی بے وفائی اور غداری کا مرتکب نہیں ہوگا۔

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں الکافی کے حوالہ سے اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے مسجد کوفہ کے منبر پر فرمایا:''یَا اَیُّھَا النَّاسُ لَوْلَا کَرَاھِیَّۃُ الْغَدْرِ لَکُنْتُ مِنْ اَدْھَی النَّاسِ اَلَا اِنَّ لِکُلِّ غَدْرَۃٍ فَجْرَۃٌ وَ لِکُلِّ فَجْرَۃٍ کَفْرَۃٌ اَلَا وَ اِنَّ الْغَدْرَ وَ الْفُجُوْرَ وَ الْخِیَانَۃَ فِی النَّارِ''لوگو!اگر غداری میں کراہت نہ ہوتی تو مجھے تمام لوگوں میں سے بڑا دانا تصور کیا جاتا۔مگر آگاہ رہو!ہر غداری میں فجور اور ہر فجور میں کفر ہوتا ہے اور غدر وفجور اور خیانت کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اور جب حضرتؑ وفا کی خوبیوں اور غداری کے نقصانات بیان کر چکے تو آپؑ نے لوگوں کے طرز عمل کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ آج کل کے لوگوں کی روش کیا ہے۔ آج کے لوگ وعدہ خلافی اور پیمان شکنی کو عقل مندی کی علامت قرار دیتے ہیں اور اس کی قباحتوں سے غافل ہیں (وَ لَقَدْ اَصْبَحْنَا فِیْ زَمَانٍ قَدِ اتَّخَذَ اَکْثَرُ اَهْلِهِ الْغَدْرَ کَیْسًا وَ نَسَبَهُمْ اَهْلُ الْجَهْلِ فِیْهِ اِلٰی حُسْنِ الْحِیْلَةِ) مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے کہ جس میں اکثر لوگوں نے غدر و فریب کو عقل و فراست سمجھ لیا ہے اور جاہلوں کی چالوں کو حسن تدبیر سے منسوب کر دیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ شاطرانہ چال کے لئے بھی عقل اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے اور شیطانی ذہن رکھنے والا انسان ہی کسی کو کامیابی سے دھوکا دے سکتا ہے۔ ایک غدار اور ذہین میں فرق یہ ہوتا ہے کہ غدار شخص کی نظر صرف اپنے ذاتی مفاد کے حصول پر مرکوز ہوتی ہے اور اس کی نظر میں شرعی و اخلاقی قیود بے معنی ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس ذہین شخص کی نظر مصالح کلیہ پر ہوتی ہے اور وہ شریعت کے حدود و قیود میں رہتے ہوئے اپنے مفادات کی تکمیل چاہتا ہے۔ لیکن جاہل افراد ذہین اور غدار کے اس باریک فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں اس لئے وہ غدار کو ذہین تصور کرتے ہیں اور ان کی شاطرانہ چال اور عیاری کو حسن حیلہ و حسن تدبیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جُہّال کی اس سادہ لوحی کی وجہ سے عمرو بن عاص، زیاد بن ابیہ اور مغیرہ بن شعبہ جیسے افراد دانایان عرب میں شمار ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ کہاں کی دانائی ہے کہ ایک شخص پیمان شکنی کر کے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرے اور چند روزہ مفادات کے حصول کے لئے ابدی جہنم خرید لے۔ (مَا لَهُمْ) انہیں کیا ہو گیا ہے۔ یعنی ان پیمان شکن افراد کی عقل پر پتھر کیوں پڑ گئے ہیں؟ کہ وہ اپنی عیاری و شاطری پر شرمندگی کے بجائے فخر کر رہے ہیں؟۔ (قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ قَدْ یَرَی الْحُوَّلُ الْقُلَّبُ) اللہ انہیں غارت کرے۔ وہ شخص جو زمانے کی اونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ہیر پھیر سے آگاہ ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت سے دور کرے۔ وہ ذات جو وجوہ مصالح کو بخوبی جانتی ہے اور نفع و نقصان سے بخوبی واقف ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ کون سا اقدام وقت کے لئے مناسب ہے۔

درج بالا الفاظ سے آپؑ نے اپنی ذات مبارک کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس دور کے نام نہاد ''دُہاۃ عرب'' (عرب کے سازشیوں) کو یہ پیغام دیا ہے کہ اس طرح کے حیلے بہانے ہم بھی بخوبی جانتے ہیں مگر ضمیر اور خمیر کا فرق ہے۔ ہمارا ضمیر اور خمیر ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے مگر تم لوگ دین و حیا سے عاری ہو اس لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز اقدامات پر کمر بستہ رہتے ہو (وَجْهَ الْحِیْلَةِ وَ دُوْنَهٗ مَانِعٌ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَ نَهْیِهٖ) وہ کبھی کوئی تدبیر اپنے لئے دیکھتا ہے مگر اللہ کے اوامر و نواہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم عیاری و شاطری کو جانتے ہوئے بھی اس سے اس لئے گریز کرتے ہیں کہ ہمیں دین اس کی اجازت نہیں دیتا ورنہ با اثر افراد کو ہم بھی ان کی طرح خرید سکتے تھے اور ظلم و تشدد سے لوگوں کی زبانیں بند کرنا کوئی مشکل امر نہ تھا اور جنگ بندی کا وعدہ کرنے کے بعد شبخون مارنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ (فَیَدَعُهَا رَاْیَ عَیْنٍ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَیْهَا) تو وہ اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے۔ ہم وجہ حیلہ کو بخوبی جانتے ہیں اور اگر ہم کرنا چاہیں تو ہمیں اس پر قدرت بھی حاصل ہے مگر ہم اپنے آپ کو رذائل سے آلودہ کرنا پسند نہیں کرتے اور خوف خدا ہمارے لئے زنجیر پا بن جاتا ہے۔ (وَیَنْتَهِزُ فُرْصَتَهَا مَنْ لَا حَرِیْجَةَ لَهٗ فِی الدِّیْنِ) اور جسے کوئی دینی احساس سد راہ نہیں ہے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا لے جاتا ہے۔ کیونکہ شرع مبین اور رب العالمین کا خوف اسے ہوتا نہیں ہے اسی لئے وہ موقع کو

غنیمت جانتا ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔

ایفائے عہد اور قرآن

قارئین! خطبہ کی شرح میں آپ وفا کی خوبیوں اور اس پر مرتب ہونے والی مدح وثنا کے متعلق پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی کہ وعدہ خلافی اسلام میں قابل مذمت، لائق ملامت اور باعث عذاب ہے۔ وعدہ وفائی فرض اور عہد شکنی حرام ہے۔ عہد اللہ سے ہو یا مخلوق سے بہر صورت قابل احترام ہے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا دیندار افراد پر واجب ہے۔ اور وعدہ شکنی ہر صورت میں فعل قبیح ہے اور بہر صورت اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید اور ہادیان دین علیہم السلام نے اس کی بار بار تاکید کی ہے۔ تمام آیات واحادیث کو اس مقام پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے البتہ یہاں پر چند آیات واحادیث کی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کے آغاز میں فرمایا ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ اے ایماندارو! اپنے اقراروں کو پورا کرو (مائدہ/۱)۔ اس آیت مجیدہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عباس نے کہا: ''اس سے مراد اللہ کے وہ عہد و پیمان ہیں جو اس نے اپنے بندوں سے اپنے ایمان اور حلال وحرام کی اطاعت کے لئے لیے تھے''۔ دوسری روایت میں ابن عباس سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ اللہ نے جو کچھ قرآن میں حلال یا حرام کیا یا فرض کیا اور جس کی حدود شرعیہ مقرر فرمائیں یہ تمام چیزیں ''عقود'' میں شامل ہیں اور انہیں پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ''عقود'' سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں جو بندوں نے ایک دوسرے سے کئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں ارشاد فرمایا ﴿وَ اَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اور جب تم لوگ باہم قول وقرار کر لیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو حالانکہ تم خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے (نحل/۹۱)۔ اسی سورہ نحل میں مزید ارشاد ہوتا ہے ﴿وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور خدا کے عہد و پیمان کے بدلے تھوڑی رقم (دنیوی نفع) نہ لو، اگر تم جانتے (بوجھتے) ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے (نحل/۹۵)۔ علامہ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حکام دنیا سے معمولی رقم لے کر خدا کے عہد و پیمان کی مخالفت مت کرو اگر تم نے ایسا کیا تو عظیم چیز کو حقیر چیز کے بدلے میں بیچ ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم میں ارشاد فرمایا ﴿وَ اذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِسْمَاعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا﴾ اور قرآن میں اسماعیل کا تذکرہ کرو اس میں شک نہیں کہ وہ وعدہ کے سچے اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے (مریم/۵۴)۔ روایات میں ہے کہ آپ کے وعدہ کی سچائی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ تو جب تک نہیں آئے گا میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ اتفاقاً وہ شخص وہاں ایک برس تک نہ آیا۔ آپ وہاں سے نہ ہٹے اور اس کے منتظر رہے۔ باوجودیکہ اس اثنا میں سخت سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی حتی کہ بعض اوقات درختوں کے چھلکے تک کھائے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں شیخ صدوق کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

روایت کی۔انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔آپؐ نے فرمایا:''اِنَّ اَفْضَلَ الصَّدَقَةِ صَدَقَةُ اللِّسَانِ تُحْقِنُ بِهِ الدِّمَاءَ وَ تُدْفِعُ بِهِ الْكَرِيْهَةَ وَ تَجُرُّ الْمَنْفَعَةُ اِلٰى اَخِيْكَ الْمُسْلِمِ ''افضل صدقہ زبان کا صدقہ ہے جس سے تو لوگوں کے بہت سے خون تو بچا سکتا ہے، ناپسندیدہ امور کو دور کر سکتا ہے اور مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔پھر آپؐ نے فرمایا:

اسماعیل صادق الوعد

''بنی اسرائیل میں ایک عابد وزاہد شخص رہا کرتا تھا اور وہ بادشاہ کے پاس لوگوں کی حاجات پیش کیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ اسماعیل بن حزقیل سے کہا کہ میرے آنے تک آپ یہاں ٹھہرے رہیں۔یہ کہہ کر وہ عابد چلا گیا اور اسے اسماعیل سے کیا ہوا وعدہ یاد نہ رہا۔اسماعیل پورا ایک سال وہاں ٹھہرے رہے۔اللہ نے ان کے لئے گھاس اگائی اور ایک چشمہ جاری کر دیا اور بادل کے ذریعہ اس کے سر پر سایہ کیا۔پورا سال گزرنے کے بعد بادشاہ سیر وتفریح کے لئے ادھر سے گزرا اور اس کے ساتھ وہ عابد بھی تھا۔عابد نے اسماعیل کو وہاں دیکھا تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا''اسماعیل! تم ابھی تک یہیں ہو؟''۔اسماعیل نے کہا:''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اور میں وعدہ خلافی کیسے کر سکتا تھا؟''۔اس لئے اللہ نے انہیں صادق الوعد کا لقب عطا فرمایا۔اس وقت بادشاہ کے جلوس شاہی میں بادشاہ کا ایک ظالم ساتھی بھی موجود تھا۔اس نے بادشاہ سے کہا:''یہ شخص غلط بیانی کر رہا ہے۔میں کئی مرتبہ یہاں سے گزرا مگر میں نے اسے کبھی بھی اس مقام پر نہیں دیکھا''۔حضرت اسماعیل نے کہا:''اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھ سے اپنی ایک نعمت سلب کر لے گا''۔اس کے فوراً بعد اس کے دانت گر گئے۔جیسے ہی اس شخص کے دانت گرے تو اس نے کہا:''میں جھوٹا ہوں مہربانی کر کے میرے لئے دوبارہ دعا مانگیں اللہ مجھے دانت عطا فرمائے کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور دانتوں کے بغیر میری زندگی اجیرن ہو جائے گی''۔بادشاہ نے بھی حضرت اسماعیل سے اس کی سفارش کی اور کہا:''آپ ابھی اور اسی وقت اس کے حق میں دعا فرمائیں''۔حضرت اسماعیلؑ نے کہا:''اس وقت نہیں، میں سحر کے وقت اس کے لئے دعا کروں گا''۔پھر انہوں نے بوقت سحر اس کے لئے دعا مانگی۔یہ واقعہ سنا کر حضور کریمؐ نے فرمایا:''سحر کا وقت دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے''۔اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ وہ سحر کے وقت دعا کرتے ہیں۔

وعدہ وفائی کے لئے سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ مؤمنین میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کر دکھایا اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی (احزاب/۲۳۳) تفسیر صافی میں بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔آپؑ نے فرمایا:''مؤمن دو طرح کے ہیں۔مؤمنین کی پہلی قسم ان افراد پر مشتمل ہے جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔اور یہ لوگ دنیا وآخرت کے تمام ہولناک مناظر سے محفوظ رہیں گے۔اور انہیں حق شفاعت دیا جائے گا۔اور انہیں اپنی ذات کے لئے شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی۔اور مؤمنین کی دوسری قسم کھیتی کے پودوں کی طرح ہے جو ہوا کے دباؤ سے کبھی زمین پر جھک جاتے ہیں اور کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ان مؤمنین کا دنیا وآخرت کی

ہولنا کیوں سے واسطہ پڑے گا اور انہیں حق شفاعت نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان کے حق میں شفاعت کی جائے گی''۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اے گروہ شیعہ! اللہ نے تمہیں اپنی کتاب میں یاد فرمایا ہے اور کہا ہے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ ..... ﴾ اللہ نے تم سے ہماری ولایت کا جو وعدہ لیا تھا تم نے اس وعدہ کو پورا کر دکھایا ہے اور اس کے بدلے میں تم نے کسی غیر کو اپنا رہبر و امام تسلیم نہیں کیا''۔ اسی صدق مقال اور قول و فعل کے تضاد سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ صف میں ارشاد فرمایا ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اے ایماندارو! وہ باتیں کیوں کرتے ہو جن پر تم خود عمل نہیں کرتے۔ الغرض قرآن مجید میں وعدہ وفائی کے متعلق بہت سی آیات موجود ہیں۔

ایفائے عہد سے متعلقہ احادیث

ایفائے عہد کے لئے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ ان سب کا احاطہ ہمارے لئے ناممکن ہے البتہ موقع کی مناسبت سے یہاں پر چند احادیث ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

الوسائل میں بحوالہ کافی شعیب عقرقوقی سے مروی ہے۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے، آپؐ نے فرمایا: ''جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ جب وعدہ کرے تو پورا کرے''۔ کتاب علل الشرائع میں عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، انہوں نے فرمایا: ''حضرت رسول کریمؐ نے ایک چٹان پر ایک شخص سے وعدہ فرمایا کہ تمہارے آنے تک میں یہیں موجود رہوں گا۔ اس شخص کو آنے میں دیر ہوگئی اور دھوپ چڑھ آئی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؐ چھاؤں میں آجائیں تو فرمایا کہ نہیں اس سے اسی جگہ کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اگر وہ نہ آیا تو پھر قیامت کے دن ہماری یہیں ملاقات ہوگی''۔

کتاب تحف العقول میں حضرت علیؑ کا فرمان منقول ہے: '' اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْمَكْرَ وَ الْخَدِيْعَةَ فِى النَّارِ فَكُوْنُوْا مِنَ اللّٰهِ عَلٰى وَجِلٍ وَ مِنْ صَوْلَتِهٖ عَلٰى حَذَرٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهٖ بَعْدَ اِعْذَارِهٖ وَ اِنْذَارِهٖ اِسْتِطْرَادًا وَّ اِسْتِدْرَاجًا لَّهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَ لِهٰذَا يُضِلُّ سَعْىَ الْعَبْدِ اِذَا يَنْسَى الْوَفَاءَ بِالْعَهْدِ وَ يَظَنُّ اَنَّهٗ قَدْ اَحْسَنَ صُنْعًا وَ لَا يَزَالُ كَذَالِكَ فِىْ ظَنٍّ وَ رَجَاءٍ وَ غَفْلَةٍ عَمَّا جَاءَهٗ مِنَ النَّبَأِ يَعْقِدُ عَلٰى نَفْسِهِ الْعَقْدَ وَ يُهْلِكُهَا بِكُلِّ الْجَهْدِ وَ هُوَ فِىْ مُهْلَةٍ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى عَمْدٍ يُهْوِىْ مَعَ الْغَافِلِيْنَ وَ يَغْدُوْ مَعَ الْمُذْنِبِيْنَ وَ يُجَادِلُ فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَسْتَحْسِنُ تَمْوِيْهَ الْمُسْرِفِيْنَ فَهُوَّ لَاءِ قَوْمٌ شُرِحَتْ قُلُوْبُهُمْ بِالشُّبْهَةِ وَ تَطَاوَلُوْا عَلٰى غَيْرِهِمْ وَ حَسِبُوْا اَنَّهَا لِلّٰهِ قُرْبَةٌ وَ ذَالِكَ لِاَنَّهُمْ عَمِلُوْا بِالْهَوَاءِ وَ غَيَّرُوْا كَلَامَ الْحُكَمَاءِ وَ حَرَّفُوْهُ بِجَهْلٍ وَ عَمْيٍ وَ طَلَبُوْا بِهَا السُّمْعَةَ وَ الرِّيَاءَ بِلَا سَبِيْلٍ قَاصِدَةٍ وَ لَا اَعْلَامٍ جَارِيَةٍ وَ لَا مُنَارٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَمَدِهِمْ وَ اِلٰى مَنْهَلٍ هُمْ وَارِدُوْهُ حَتّٰى اِذَا كَشَفَ اللّٰهُ عَنْ ثَوَابِ سِيَاسَتِهِمْ وَ اسْتَخْرَجَهُمْ مِنْ جَلَابِيْبِ غَفْلَتِهِمْ وَ اسْتَقْبَلُوْا مُدْبَرًا وَ اسْتَدْبَرُوْا مُقْبَلًا فَلَمْ يَنْفَعُوْا بِمَا اَدْرَكُوْا مِنْ

اُمْنِیَّتِهِمْ وَ لَا بِمَا نَالُوْا مِنْ طَلِبَتِهِمْ وَ لَا مَا قَضَوْا مِنْ وَطْرِهِمْ وَ صَارَ ذَالِكَ عَلَيْهِمْ وَبَالًا وَ صَارُوْا يَهْرَبُوْنَ مِمَّا كَانُوْا يَطْلُبُوْنَ وَ اِنِّیْ اُحَذِّرُكُمْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةَ وَ آمُرُكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ الَّذِیْ لَا يَنْفَعُ غَيْرُهٗ فَلْيَنْتَفِعْ بِتَقِيَّةٍ اِنْ كَانَ صَادِقًا عَلٰى مَا يَحِنُّ ضَمِيْرُهٗ فَاِنَّ الْبَصِيْرَ مَنْ سَمِعَ وَ تَفَكَّرَ وَ نَظَرَ فَاَبْصَرَ وَ انْتَفَعَ بِالْعِبَرِ وَ سَلَكَ جُدَدًا وَاضِحًا يَتَجَنَّبُ فِيْهِ الصَّرْعَةَ اِلَى الْهَوٰى وَ يَتَنَكَّبَ طَرِيْقَ الْعَمٰى وَ لَا يُعِيْنُ عَلٰى نَفْسِهِ الْفَوَاتَ بِتَعَسُّفٍ فِیْ حَقٍّ اَوْ تَحْرِيْفٍ فِیْ نُطْقٍ اَوْ تَغْيِيْرٍ فِیْ صِدْقٍ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ''۔

اما بعد! مکر وفریب دوزخ میں ہوں گے۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی گرفت سے بچتے رہو۔ اللہ اپنے احکام بھیجنے کے بعد بندوں کی طرف سے ان کی خلاف ورزی پر راضی نہیں ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کو ڈھیل دے کر اس طرح سے پکڑتا ہے کہ انہیں پتہ تک نہیں چلتا۔ اسی ڈھیل کی وجہ سے بندہ وفائے عہد کو فراموش کر دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اچھا کیا ہے۔ خدا کے فرمان کے متعلق وہ اسی ظن و امید اور غفلت میں رہتا ہے اور اپنے آپ کو مسلسل گرہوں سے باندھتا رہتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاک کرتا رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں خدا اسے مہلت اور چھوٹ دیئے رہتا ہے۔ وہ غافلین کے ساتھ مل کر جان بوجھ کر اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے اور صبح وشام بدکاروں کے ساتھ رہتا ہے اور اطاعت خدا کے مسئلہ پر وہ مؤمنین سے جھگڑتا ہے اور اسراف کرنے والوں کی ملمع کاری کو سراہتا ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کے دل شبہہ سے بھرے ہوئے ہیں اور کذب وافتراء کی وجہ سے انہوں نے دوسروں پر دست ظلم دراز کیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ اور ان کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خواہشات پر عمل کیا اور اہل دانش کے کلام میں تبدیلیاں کیں اور اپنی جہالت اور اندھے پن کی وجہ سے انہوں نے تحریف کا ارتکاب کیا۔ اور اس کے ذریعہ سے انہوں نے شہرت وریا کو طلب کیا۔

ان کے پاس کوئی صحیح راستہ موجود نہیں اور ان کے پاس کوئی نشان منزل نہیں ہے اور ان کے پاس اپنی اجل اور جس گھاٹ پو وہ اترنے والے ہیں کوئی منارہ نور موجود نہیں ہے۔ اور جب اللہ ان کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی ہٹائے گا اور انہیں غفلت کے پردوں سے باہر نکالے گا تو وہ اس وقت جانے والی چیز کا استقبال کریں گے اور آنے والی چیز کی طرف پشت کریں گے۔ تو اس حال میں انہوں نے اپنی جو خواہشات حاصل کی ہوں گی اس سے نفع حاصل نہ کرسکیں گے اور انہیں پوری ہونے والی امنگوں سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ تمام آرزوئیں اور امنگیں ان کے لئے وبال بن جائیں گی اور وہ جس کو طلب کرتے تھے اس سے بھاگنے لگیں گے۔

میں تمہیں اس مقام سے خبردار کرتا ہوں اور تمہیں اللہ کے تقویٰ کا حکم دیتا ہوں کی تقویٰ کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہ دے گی، اگر کوئی شخص دل وضمیر کی خواہشات میں سچا ہے تو اسے چاہئے کہ ''تقویٰ'' سے فائدہ حاصل کرے۔ یاد رکھو! صاحب بصیرت وہ ہے جو حق کی بات سنے اور غور وفکر کرے اور نگاہ عبرت سے دیکھے اور بصیرت حاصل کرے اور عبرتوں سے فائدہ حاصل کرے اور سیدھے راستے پر چل کر خواہشات کے کنوئیں میں گرنے سے بچ جائے اور تاریک راستے سے پرہیز کرے اور کسی حق کو ضائع کر کے اپنی ذات کی تباہی کا سامان مہیا نہ کرے اور گفتگو کی تحریف اور صداقت کو تبدیل کر کے اپنی ذات کے خلاف موقع فراہم نہ کرے قوت وطاقت صرف اللہ ہی کے لئے ہے ، جو بلند وبرتر اور عظمت والا ہے۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی حدیث میں وارد ہے کہ جس طرح سے اللہ نے بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا وعدہ لیا تھا اسی طرح سے اللہ

نے ہمارے شیعوں سے ہماری ولایت کا عہد لیا تھا جو اس عہد پر قائم رہے گا اللہ اسے جنت عطا فرمائے گا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ہر پیمان شکن شخص، ٹیڑھا چلنے والے اور بڑی باچھوں والے امام کے ساتھ محشور ہوگا اور اس کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوگا''۔

ہمارے اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان کو میثاق کی پابندی کرنی چاہئے خواہ وہ میثاق اللہ کا ہو یا لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ایسے شرائط کے تحت میثاق ہو جو قوانین شرعیہ کے مطابق ہوں۔ خدائی میثاق میں اقرار توحید و نبوت و امامت شامل ہے جو کہ اللہ نے عالَم ذر میں انسانوں کی روحوں سے لیا تھا اور اس میثاق میں انبیاء و رُسُل کی سنت اور کتب سماویہ پر ایمان اور عبادات جسمانیہ اور واجبات عملیہ بھی شامل ہیں۔ اور انسان کا انسان کے ساتھ میثاق بھی قابل احترام ہے۔ اس میں بیع، صلح، اجارہ اور فرد کا فرد کے ساتھ معاہدہ اور مملکت کا مملکت کے ساتھ معاہدہ شامل ہے۔ خدائی میثاق کی پابندی کا ثمر یہ ہے کہ اس سے کمال و یقین کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے اور اولیائے مقربین کے ساتھ حظیرۃ القدس کی طرف پرواز حاصل ہوتی ہے۔ اور فروع دینیہ کی میثاق کی پابندی کا یہ فائدہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ جاتا ہے اور عذاب الیم سے نجات پالیتا ہے۔ اور انسانی معاہدوں کی پابندی سے نظام کی تکمیل ہوتی ہے اور نظم و ضبط کے قیام میں مدد ملتی ہے اور انسان فضائل سے متصف ہوتا ہے اور رذائل سے محفوظ رہتا ہے۔ اور امیر المؤمنینؑ کے اس خطبہ میں جس وفا کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ان معاہدوں کی پابندی مراد ہے جو انسان، انسانوں سے کرتے ہیں اور غدر سے مراد بھی انسانوں کا ایک دوسرے سے معاہدہ کر کے پھر جانا ہے۔

غدار سے غداری عین وفا ہے

خطبہ کی شرح کے اختتام پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ وجوب وفا اور حسن وفا بھی اس وقت ضروری ہے جب مقابل صاحب وفا ہو اور معاہدہ کی پابندی کرنے والا ہو۔ حضرت امیر المؤمنینؑ نے اس مسئلہ کی خود وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اَلْوَفَاءُ لِاَهْلِ الْغَدْرِ غَدْرٌ عِنْدَاللّٰهِ وَالْغَدْرُ لِاَهْلِ الْغَدْرِ وَفَاءٌ عِنْدَاللّٰهِ'' پیمان شکن سے وعدہ وفائی اللہ کے نزدیک غداری ہے اور غداروں سے غداری اللہ کے نزدیک عین وفا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں معاہدہ طے پا جائے اور ان میں سے ایک فریق غداری کرتے ہوئے اپنے معاہدے سے پھر جائے تو دوسرے کے لئے بھی عہد کو توڑنا جائز ہو جاتا ہے اور اس کے لئے وعدہ وفائی واجب نہیں رہتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں وفائے عہد بدترین پیمان شکنی کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ وفائی کا حکم اس وقت دیا ہے جب دوسرا فریق بھی معاہدہ پر قائم ہو اور اگر فریق ثانی معاہدہ پر عمل نہ کرے تو فریق اول پر معاہدہ کی پابندی ضروری نہیں رہتی ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ جب مشرکین نے خود عہد شکنی کی تو ان کا کوئی عہد و پیمان خدا کے نزدیک کیوں کر قائم رہ سکتا ہے؟ مگر جن لوگوں سے تم نے خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا تھا تو وہ لوگ اپنا عہد و پیمان تم سے قائم رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے اپنا عہد قائم رکھو (توبہ/ ۷)۔ اس آیت مجیدہ سے اس مسئلہ کا استنباط ہوتا ہے کہ جب فریق مخالف پیمان شکنی

کرے تو پھر معاہدہ کی پابندی پہلے فریق سے بھی اٹھ جاتی ہے۔ بلکہ اس صورت میں معاہدہ کی پابندی امر الٰہی کی مخالفت تصور ہوگی اور اللہ کے نزدیک یہ پابندی غدر سمجھی جائے گی جب کہ غدار سے غداری حکم الٰہی کی تعمیل اور فرمان خداوندی کی پابندی خیال کی جائے گی۔ اور غدار سے غداری کر کے انسان ثنائے جمیل اور اجر عظیم کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اور اس صورت حال میں یہ احتمال بھی ہے کہ وفادار کو غداری کی سزا ملے اور غدار کو وفادار کا انعام نصیب ہو۔ واللہ العالم

خطبہ ۴۲

علامہ مجلسی نے یہ خطبہ مختلف طریقوں سے معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اور شارح معتزلی نے بھی اس خطبہ کی شرح میں اس معمولی اختلاف کا تذکرہ کیا ہے ہم سید رضیؒ کے بیان کردہ خطبہ کی شرح سے فراغت پانے کے بعد اس کا تذکرہ بھی کریں گے۔

حسن عاقبت کے لئے دو مہلک چیزیں

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور یہ بھی آپؑ ہی کا ایک خطبہ ہے

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ اثْنَانِ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَ طُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَ اَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِي الْاٰخِرَةَ اَلَا وَ اِنَّ الدُّنْيَا قَدْ وَلَّتْ حَذَّاءَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ اصْطَبَّهَا صَابُّهَا اَلَا وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدْ اَقْبَلَتْ وَ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ كُلَّ وَلَدٍ سَيُلْحَقُ بِاُمِّهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابَ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ.

اَقُوْلُ اَلْحَذَاءُ السَّرِيْعَةُ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّرْوِيْهِ جَذَاءَ بِالْجِيْمِ وَ الذَّالِ اَیْ اِنْقَطَعَ دَرُّهَا وَ خَيْرُهَا.

اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا تیزی سے جا رہی ہے اور اس میں کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے مگر اتنا ہے جیسے کوئی انڈیلنے والا برتن کو انڈیلے تو اس میں کچھ تری باقی رہ جاتی ہے۔ اور آخرت ادھر کا رخ کئے ہوئے آ رہی ہے اور دنیا و آخرت ہر ایک والے خاص آدمی ہوتے ہیں۔ تو تم فرزند آخرت بنو ابنائے دنیا نہ بنو اس لئے کہ ہر بیٹا قیامت کے روز اپنی ماں (باپ خ ل) سے منسلک ہوگا۔ آج عمل کا دن ہے اور حساب کا نہیں ہے اور کل حساب کا دن ہوگا عمل نہ ہو سکے گا۔

علامہ سید رضی کہتے ہیں کہ ''**اَلْحَذَّاء**'' کے معنی تیز رو کے ہیں مگر بعض نے ''**اَلْجَذَّاء**'' روایت کیا ہے۔ اس روایت کی بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ دنیا کی لذتوں کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے گا۔

تشریح لغت (اَلصُّبَابَۃُ) صاد کے ضمہ کے ساتھ، برتن میں لگی ہوئی پانی کی تری یا تلچھٹ۔(اَلِاصْطِبَابُ) "صَبٌّ" سے باب افتعال، پانی کا انڈیلنا۔

تشریح

اس خطبہ سے حضرتؑ کا مقصود خواہشات کی اتباع اور امیدوں کے پھیلاؤ سے انسانوں کو خبردار کرنا ہے۔ یہ دونوں صفات انسان کے لئے سخت نقصان دہ ہیں اور انسان کی ہلاکت کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَأَمَّا مَنْ طَغٰى وَ اٰثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوٰى وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾ تو جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی تھی اس کا ٹھکانہ یقیناً دوزخ ہے مگر جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور جی کو ناجائز خواہشوں سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانہ یقیناً بہشت ہے (نازعات/ ۳۷)۔ یعنی جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہوئے دنیا کا انتخاب کرلے تو اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہے اور جس شخص کو ہمیشہ یہ اندیشہ بے چین کئے رہے کہ اس نے اپنے خدا کے حضور پیش ہونا ہے اور اللہ نے اس سے واجبات و محرمات کے متعلق سوال کرنا ہے اور یہی سوچ کر اپنے آپ کو حرام کاموں سے بچائے رکھے تو اس کا ٹھکانہ یقیناً بہشت برین ہے۔ انسان کے لئے خواہشات کی پیروی اور امیدوں کا پھیلاؤ مہلک ترین مرض ہیں۔ اور ایک عقل مند انسان کا فرض ہے کہ ان سے پرہیز کرے اسی لئے مولائے متقیانؑ نے جملہ بنی انسان کو ان دو صفات کی تباہ کاریوں سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا (**اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ اثْنَانِ**) اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے۔

(**اِتِّبَاعُ الْهَوٰى**) یعنی خواہشات کی پیروی ہے۔ اتباع خواہشات سے مراد نفس امارہ کا حدود شرعی سے بڑھ کر لذات دنیا کی طرف جھکاؤ ہے۔ اور خواہشات کی بنیاد پانچ امور پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے ﴿اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَّ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ جان رکھو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل، تماشا، ظاہری زینت، آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ خواہش ہے۔ دنیاوی زندگی کی مثال تو بارش کی سی ہے جس کی وجہ سے کسانوں کی کھیتی لہلہاتی اور ان کو خوش کر دیتی ہے پھر سوکھ جاتی ہے تو تُو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد ہو جاتی ہے پھر چُور چُور ہو جاتی ہے اور آخرت میں کفار کے لئے سخت عذاب ہے (الحدید/ ۲۰)۔

اور آیئے دیکھیں کہ آیت میں مذکور یہ پانچ امور کہاں سے حاصل ہوتے ہیں یعنی ان کا سرچشمہ کہاں ہے؟۔ قرآن مجید ہماری یہ رہنمائی کرتا ہے کہ ان پانچ امور کا سرچشمہ سات چیزیں ہیں ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ لوگوں کو ان کی مرغوب چیزیں بیویوں، بیٹوں اور بیٹیوں، سونے اور چاندی کے لگے ہوئے بڑے بڑے ڈھیروں، عمدہ عمدہ گھوڑوں، مویشیوں، اور کھیتی کے ساتھ الفت بھلی کر کے دکھائی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کے چند روزہ فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانہ تو خدا ہی کے ہاں ہے (آل عمران/ ۱۴)۔

(وَ طُوْلُ الْاَمَلِ)اور دوسری خصلت جس کا مجھے تمہارے متعلق بہت زیادہ خوف ہے وہ امیدوں کا پھیلاؤ ہے۔اور (اَلْاَمَلُ) سے مراد نفس کو کسی پسندیدہ چیز کے مستقبل میں حصول کے ساتھ متعلق کر دینا ہے۔اور ''طَمَع ''اور''رَجَاء ''اس کے مترادف الفاظ شمار ہوتے ہیں۔لیکن فرق یہ ہے کہ (اَمَل) کا لفظ ان امیدوں اور آرزوؤں کے لئے بولا جاتا ہے جن کا حصول مستقبل بعید میں ممکن ہو سکے۔اور ''طَمَع '' کا لفظ ان امیدوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن کا حصول مستقبل قریب میں ممکن ہو اور''رَجَاء '' کا لفظ ان امیدوں کے لئے بولا جاتا ہے جن کا حصول مستقبل قریب اور مستقبل بعید کے بین بین متوقع ہو۔اور (طُوْلُ الْاَمَلِ) خواہشوں کے پھیلاؤ کا اطلاق ان دنیاوی امور کے لئے کیا جاتا ہے جن کے حصول کے لئے ایک لمبی مدت درکار ہو اور طویل عرصہ حیات کی ضرورت ہو۔حضرتؑ نے بنی نوع انسان کو پہلے پہل ان دو خطرناک صفات سے خبردار کیا پھر آپؑ نے ان کے علیحدہ علیحدہ نقصان بیان فرمائے کہ ان دو صفات کی وجہ سے دنیاوی نقصان کیا ہو سکتا ہے اور اخروی نقصان کونسا اٹھانا پڑتا ہے۔

(فَاَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ) خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق سے روک دیتی ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خواہشات کی پیروی انسانی فکر و نظر کو خواہشات دنیا کی طرف پھیر دیتی ہے اور انسان فانی لذات کو ہی اپنے لئے سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور یوں وہ حق سے دور ہو جاتا ہے۔کیونکہ جب انسان کسی چیز کی محبت میں مبتلا ہو جائے تو اسے اس کے انجام و عواقب کی کوئی خبر نہیں رہتی۔(وَ اَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِى الْاٰخِرَةَ)اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے۔سابقہ بحث میں آپ یہ جان چکے ہیں کہ طول امل پسندیدہ دنیاوی امور کے حصول کی توقع کو کہا جاتا ہے۔اور جب کوئی شخص ہر وقت مستقبل کی لمبی چوڑی آرزوؤں کی گرفت میں ہو تو وہ آخرت کو فراموش کر بیٹھے گا اور اس کا نفس کسی طور بھی احوال آخرت کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔اور اس کے ذہن سے آخرت کا تصور بالکل کافور ہو جائے گا۔

بعض اہل نظر کا قول ہے کہ لمبی خواہشات کا سبب حب دنیا ہے۔کیونکہ جب کوئی شخص دنیا سے دل لگا لے اور اس کی لذات کا شیفتہ ہو جائے تو وہ دنیا کے دوام کی خواہش کرتا ہے اور دنیا سے رخصت ہونا اسے گراں نظر آتا ہے۔اور یہ انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے کہ جس چیز سے وہ محبت رکھتا ہو تو اس کے زائل ہونے اور ختم ہونے کے متعلق سوچنا پسند نہیں کرتا۔پھر انسان اپنے اہل و عیال اور دولت کے تمام وسائل کے ساتھ دنیا میں رہنے کو پسند کرتا ہے اور یہ دنیا ہی اس کی سوچ کا محور قرار پاتی ہے۔وہ موت اور آخرت کے تصور کے لئے بھی آمادہ نہیں ہوتا۔اور اگر اس کے ذہن میں موت اور توبہ کا کبھی تصور پیدا بھی ہو جائے تو وہ توبہ کو آج اور کل پر ٹالتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس ماہ کے بجائے اگلے ماہ توبہ کروں گا۔اور پھر اپنے آپ سے کہتا ہے کہ اس سال نہیں آئندہ سال توبہ کروں گا۔اور یوں آج کل کرتے ہوئے اس کا شباب ختم ہونے لگتا ہے اور وہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو وہ بھی اپنے آپ کو طفل تسلیوں میں مصروف رکھتا ہے کہ آخر اتنی جلدی کی ضرورت ہی کیا ہے ابھی میں اچھی طرح سے بوڑھا نہیں ہوا۔اور جب بوڑھا ہو جائے اور توبہ کا خیال ذہن میں آئے تو پھر سوچتا ہے کہ ابھی یہ مکان بنوالوں یا اس بیٹے اور بیٹی کی شادی کرلوں پھر توبہ کروں گا۔وہ اسی آج کل کے چکر میں ہوتا ہے کہ موت اسے اچک لیتی ہے اور اس کے پاس سامان آخرت کا توشہ ہی موجود نہیں ہوتا اور وہ یوں بدترین خسارے میں چلا جاتا ہے۔

حضرتؑ جب اتباع خواہشات اور امیدوں کے پھیلاؤ کی تباہ کاریاں بیان کر چکے تو آپؑ نے اپنے سامعین کو دنیا کے زوال اور آخرت کی آمد سے مطلع فرمایا تا کہ خواب غفلت میں سوئے ہوئے افراد بیدار ہو جائیں اور آخرت کی تیاری کریں۔(اَلا وَ اِنَّ الدُّنیَا قَدْ وَلَّتْ حَذَّاءَ)تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا تیزی سے جا رہی ہے۔ دنیا پشت پھیرے ہوئے جلدی اور تیز رفتاری سے جا رہی ہے۔(فَلَمْ یَبْقَ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ کَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ اصْطَبَّهَا صَابُّهَا)اور اس میں کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے مگر اتنا ہے جیسے کوئی انڈیلنے والا برتن کو انڈیلے تو اس میں کچھ تلچھٹ باقی رہ جائے۔حضرتؑ نے اس تشبیہ سے دنیا کی قلت کی جانب اشارہ فرمایا اور لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ لذات دنیا انتہائی قلیل وحقیر مقدار میں بچی ہوئی ہیں ان کا خاتمہ یقینی ہے۔(اَلا وَ اِنَّ الْآخِرَةَ قَدْ اَقْبَلَتْ) اور آخرت ادھر کا رخ کئے ہوئے آ رہی ہے۔ حضرتؑ نے ان الفاظ سے آخرت کی تیز رفتاری کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ عمر انسانی کا پشت پھیرنا موت کا پیش خیمہ ہے اور موت کسی بھی شخص کے لئے دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہوتی ہے۔حضرتؑ نے آخرت کی آمد کی تاکید کے لئے (اَلا)، (اِنَّ)اور(قَدْ) کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ آپؑ دیکھ رہے تھے کہ موت کا اقرار کرنے والے بھی عملی طور پر اس کی تیاری سے غافل ہیں اور آخرت کا زادراہ جمع کرنے سے غفلت برتے ہوئے ہیں۔اور ان کے عمل سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ آخرت کی آمد سے ہی جاہل ہوں۔اس لئے حضرتؑ نے ایک ہی جملہ میں تین حروف تاکید استعمال کئے ہیں تا کہ سامعین کو آخرت کی آمد آمد کا علم ہو سکے اور اپنی غفلت ولاپرواہی کو ترک کر کے اس کے استقبال کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

(وَ لِکُلٍّ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ)اور دنیا وآخرت ہر ایک والے خاص آدمی ہوتے ہیں۔یعنی کچھ لوگ دنیا کے فرزند ہیں اور کچھ لوگ آخرت کے فرزند ہیں۔حضرتؑ نے دنیا اور آخرت کی تشبیہ والدین سے اور ان کے طلب گاروں کی اولاد سے دی ہے۔اور وجہ شبہ یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کو اپنے ماں باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور ماں باپ اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔اسی طرح سے فرزند دنیا کو دنیا سے محبت ہوتی ہے اور فرزند آخرت کو آخرت سے الفت ہوتی ہے۔اور جس طرح والدین اپنی اولاد کے لئے اسباب تربیت فراہم کرتے ہیں اسی طرح سے دنیا اپنی اولاد کے لئے اور آخرت اپنی اولاد کے لئے تربیت کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ بہر حال حضرتؑ یہ چاہتے تھے کہ سامعین کو آخرت کے لئے آمادہ کیا جائے اور دنیا سے بے رغبت کیا جائے اس لئے حضرتؑ نے فرمایا(فَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا)تو تم فرزند آخرت بنو ابنائے دنیا نہ بنو۔اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی (فَاِنَّ کُلَّ وَلَدٍ سَیُلْحَقُ بِاُمِّهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)اس لئے کہ ہر بیٹا قیامت کے روز اپنی ماں (باپ رخ ل) سے منسلک ہوگا۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ حضرتؑ نے ان الفاظ کے ذریعہ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ فرزندان آخرت، طالبان آخرت اور آخرت کے لئے عمل کرنے والے افراد قیامت کے دن مقرب ہوں گے۔اور وہ بامراد ہوں گے اور ان کے لئے وہ تمام چیزیں فراہم کی جائیں گی جن کی وہ خواہش کریں گے اور جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ ان کے لئے موجود ہوگا۔اور غفور ورحیم خدا کی میزبانی سے لطف اندوز ہوں گے۔اور فرزندان دنیا کی حالت تباہ ہوگی کیونکہ ان کے نفوس دنیا کی محبت میں غرق تھے اور انہوں نے آخرت کو فراموش کر دیا تھا اسی لئے قیامت کے دن بھی ان کے نفوس محبت باطل کے اسیر ہوں گے اور ان کی حالت اس بچے کی سی ہوگی جو اپنے والد سے بہت

زیادہ مانوس ہو اور والد کے علاوہ اس کی کسی سے شناسائی بھی نہ ہو پھر اچانک بچے اور اس کے والد میں جدائی ڈال دی جائے تو وہ بچہ انتہائی پریشان ہو جاتا ہے اور زار و قطار رونے لگتا ہے۔ اسی طرح سے فرزندان دنیا بھی جب دنیا کو نہ دیکھ پائیں گے تو ان کا غم واندوہ بھی باپ سے بچھڑنے والے بچے کی مانند ہوگا۔ اور ابنائے دنیا کی حالت کے بالکل برعکس ابنائے آخرت سکون محسوس کریں گے کیونکہ انہیں ان کا گم شدہ شفیق باپ مل چکا ہوگا اور وہ اس کی آغوش محبت میں آرام کریں گے۔ اس لئے صاحبان عقل کا فرض بھی یہی ہے کہ وہ ابنائے آخرت بنیں اور اپنے والد سے حسن سلوک کریں تا کہ کل انہیں ان کے والد کی شفقت میسر آ سکے۔

(وَ اِنَّ الْیَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابَ) آج عمل کا دن ہے اور حساب کا نہیں ہے۔ یہاں آج سے مراد دنیاوی زندگی ہے اور دنیا دار العمل ہے جب کہ آخرت یوم الجزاء ہے۔ کل عمل کی مہلت نہ ملے گی اسی لئے آج جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو عمل کر لینا چاہئے ورنہ کل آخرت میں کف افسوس ملنا پڑیں گے۔ (وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ) اور کل حساب کا دن ہوگا عمل نہ ہو سکے گا۔ یہاں بھی کل سے مراد موت کے بعد کی گھڑی ہے، کیونکہ موت کے بعد نامہ اعمال بند کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے عقل مند کو چاہئے کہ نامہ اعمال بند ہونے سے پہلے نیکیاں جمع کر لے تا کہ حساب کے وقت شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

امیدوں کا پھیلاؤ تباہ کن ہے

امیدوں کا پھیلاؤ انسان کی شخصیت کے لئے سخت تباہ کن ہے۔ اور یہ صفت قیامت کے دن باعث حسرت وندامت ثابت ہوگی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ذَرْهُمْ یَأْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴾ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اکثر دل سے چاہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اے رسولؐ انہیں ان کی حالت پر رہنے دیں کہ کھا پی لیں اور چین کر لیں اور تمنائیں انہیں کھیل تماشے میں لگائے رکھیں۔ عنقریب ہی اس کا نتیجہ انہیں معلوم ہو جائے گا (حجر/۲)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ سے انسانوں کو یہ درس دیا ہے کہ دنیاوی لذات ونعمات کے پیچھے مرمٹنا خواہشات نفسانی کی پیروی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ کافروں کو زیب دیتا ہے مؤمنین کو کسی طرح سے یہ زیب نہیں دیتا۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بہت زیادہ مذمت وارد ہوئی ہے اور تمام احادیث کو یکجا کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ البتہ ان میں سے صرف چند احادیث پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''یَا مُوْسیٰ لَا تُطَوِّلْ فِی الدُّنْیَا اَمَلَكَ فَیَقْسُوْ لِذَالِكَ قَلْبُكَ وَ قَاسِی الْقَلْبِ مِنِّیْ بَعِیْدٌ'' موسیٰ! دنیا میں اپنی امیدوں کو مت پھیلاؤ، اس سے تمہارا دل سخت ہو جائے گا اور سنگ دل شخص میری رحمت سے دور ہوتا ہے۔

۲۔ جناب رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو بہت سی وصیتیں فرمائیں اور علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں متعدد طرق سے ان کی روایت کی ہے۔ ان وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ ہے:

''ابوذر! امیدوں کے پھیلاؤ سے اپنے آپ کو بچاؤ تم آج کے دن کے لئے ہو اور نہیں جانتے کہ اس کے بعد کیا ہو۔ اور اگر تمہیں کل کا دن نصیب ہو گیا تو آج کے دن کی کوتاہیوں پر پشیمان ہونے سے بچ جاؤ گے۔ ابوذر! کتنے لوگ ایسے ہیں جو دن کو پورا کرنا چاہتے ہیں مگر وہ پورا نہیں کر پاتے اور کتنے ہی لوگ کل کے منتظر ہیں جسے وہ پا نہیں سکیں گے۔ ابوذر! اگر تم موت اور اس کے انجام کو دیکھ لو تو تم خواہش اور اس کے فریب سے نفرت کرنے لگو۔ ابوذر! جب تم صبح کرو تو اپنے نفس کو شام کے متعلق کچھ نہ بتاؤ اور جب شام کرو تو اسے صبح کے متعلق کچھ نہ بتاؤ۔ اور بیماری سے قبل اپنی صحت کو غنیمت جانتے ہوئے اس سے جو استفادہ کر سکتے ہو کر لو اور موت سے پہلے اپنی زندگی سے جتنا استفادہ ممکن ہو کر لو کیونکہ تمہیں علم نہیں ہے کہ کل تمہارا کیا نام ہوگا''۔ یعنی تم نہیں جانتے کہ کل عرصہ محشر میں تمہیں سعید (خوش نصیب) کہا جائے گا یا شقی (بدنصیب)۔

۳۔ انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: ''یہ انسان ہے''۔ اور پھر آپؐ نے ایک اور لکیر کھینچ کر فرمایا: ''یہ اس کی موت ہے''۔ اور ایک اور دور لکیر کھینچی اور فرمایا: ''یہ اس کی خواہشات ہیں۔ ابھی انسان اس کی طرف سفر کر رہا ہوتا ہے کہ قریب والی لکیر کا اس سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے'' یعنی (خواہشات کی تکمیل سے پہلے اسے موت آ جاتی ہے)۔

۴۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے دو نیک بندوں کی آپس میں ملاقات ہوئی تو ایک نے دوسرے سے پوچھا: ''تو نے اپنی امیدوں کو کتنا کم کیا ہوا ہے؟''۔ دوسرے نے کہا: ''میری کیفیت یہ ہے کہ جب شام کرتا ہوں تو صبح کی امید نہیں رکھتا اور جب صبح کرتا ہوں تو شام کی امید نہیں رکھتا''۔ یہ سن کر پہلے بندہ خدا نے اسے کہا: ''تو نے لمبی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ جبکہ میری حالت یہ ہے کہ جب میری ایک سانس نکلتی ہے تو اس کی واپسی کی امید نہیں رکھتا اور جب سانس اندر لیتا ہوں تو اس کے نکلنے کی امید نہیں رکھتا''۔

۵۔ صحیفہ سجادیہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا کے یہ الفاظ وارد ہیں: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَّ اکْفِنَا طُوْلَ الْاَمَلِ وَ قَصِّرْہُ عَنَّا بِصِدْقِ الْعَمَلِ حَتّٰی لَا نُؤَمِّلَ اسْتِتْمَامَ سَاعَۃٍ بَعْدَ سَاعَۃٍ وَ لَا اِسْتِیْفَاءَ یَوْمٍ بَعْدَ یَوْمٍ وَ لَا اتِّصَالَ نَفْسٍ بِنَفْسٍ وَ لَا طَوْقَ قَدَمٍ بِقَدَمٍ وَ سَلِّمْنَا مِنْ غُرُوْرِہٖ وَ آمِنَّا مِنْ شُرُوْرِہٖ'' خدایا! حضرات محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور ہمیں امیدوں کے پھیلاؤ سے محفوظ رکھ اور صدق عمل کے ذریعہ ہماری امیدیں مختصر فرما۔ اور ہماری امیدوں کو اتنا مختصر کر دے کہ ہم ایک گھڑی کے بعد دوسری گھڑی کے مکمل ہونے اور ایک دن کے بعد دوسرے دن کے پورا ہونے اور ایک سانس کے ساتھ دوسری سانس کے متصل ہونے اور ایک قدم کے ساتھ دوسرے قدم اٹھانے کی امید نہ رکھیں اور ہمیں امیدوں کی درازی کے فریب سے سلامتی عطا فرما اور اس کے شر سے محفوظ رکھ۔

۶۔ حضرت علیؑ سے منسوب دیوان میں یہ شعر موجود ہے:

تُؤَمِّلُ فِی الدُّنْیَا طَوِیْلًا وَ لَا تَدْرِیْ ۔۔۔ اِذَا جَنَّ لَیْلٌ ھَلْ تَعِیْشُ اِلیٰ فَجْرٍ

فَکَمْ مِّنْ صَحِیْحٍ مَاتَ مِنْ غَیْرِ عِلَّۃٍ ۔۔۔ وَ کَمْ مِّنْ مَرِیْضٍ عَاشَ دَھْرًا اِلیٰ دَھْرٍ

وَ کَمْ مِّنْ فَتًی یُمْسِیْ وَ یُصْبِحُ آمِنًا ۔۔۔ وَ قَدْ نُسِجَتْ اَکْفَانُہٗ وَ ھُوَ لَا یَدْرِیْ

دنیا میں تو لمبی امیدیں رکھتا ہے جب کہ تجھے یہ علم نہیں ہے کہ رات کے بعد صبح تک زندہ بھی رہے گا؟۔ کتنے صحیح سلامت افراد تھے جو بیماری کے بغیر مر گئے اور کتنے ہی بیمار ایسے ہیں جو طویل عرصہ تک زندہ رہے۔ اور کتنے نوجوان ایسے ہیں جو صحیح سلامت حالت میں صبح وشام کر رہے ہیں حالانکہ ان کا کفن تیار کیا جا چکا ہے اور انہیں علم بھی نہیں۔

الغرض امیدوں کے پھیلاؤ کے بہت سے نقصانات ہیں اور جن لوگوں کے دل نور عرفان سے منور ہیں وہ اس کے مفاسد سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اور اگر ان طویل آرزوؤں کا بس یہی ایک نقصان ہوتا کہ وہ آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔ تو بھی ان کا یہی ایک نقصان بہت بڑا تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ بھی بہت سے زیادہ نقصانات ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ذوات قدسیہ کے صدقے میں ہمیں اس دنیا کی طویل امیدوں سے محفوظ رکھے اور حساب کے طولانی ہونے سے ہمیں بچائے۔ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

خطبہ کے دوسرے ذرائع

یہ خطبہ بحار الانوار اور دوسری کتابوں میں متعدد ذریعوں سے الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ مروی ہے اور محققین کے اضافہ بصیرت کے لئے ہم اسے نقل کرتے ہیں۔

بحار الانوار میں مجالس مفید کے حوالہ سے احمد بن ولید سے، وہ اپنے باپ سے، وہ صفار سے، وہ ابن معروف سے، وہ ابن مہزیار سے، وہ عاصم سے، وہ فضیل الرسال سے، وہ یحییٰ بن عقیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اِنَّمَا اَخَافُ عَلَیْكُمُ اثْنَانِ. اِتِّبَاعُ الْهَوٰی وَ طُوْلُ الْاَمَلِ. فَاَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ. وَ اَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَیُنْسِی الْآخِرَةَ اِرْتَحَلَتِ الْآخِرَةُ. مُقْبِلَةً وَ ارْتَحَلَتِ الدُّنْیَا مُدْبِرَةً. وَ لِكُلٍّ بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ بَنِیْ الْآخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِی الدُّنْیَا. اَلْیَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابَ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ.'' مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا اندیشہ ہے ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ آخرت نے آگے بڑھ کر سفر شروع کر دیا ہے اور دنیا پشت پھیر کر واپسی کا سفر شروع کر چکی ہے۔ ہر ایک کے بیٹے ہیں۔ تم فرزند آخرت بنو، ابنائے دنیا نہ بنو۔ آج عمل کا دن ہے اور حساب کا نہیں ہے اور کل حساب کا دن ہوگا عمل نہ ہو سکے گا۔

یہ خطبہ دوسرے ذریعوں سے یوں مروی ہے کہ علامہ مجلسی بحار میں لکھتے ہیں کہ ہمارے بعض اصحاب نے اپنی مؤلفات میں مجالس اور امالی مفید سے نقل کیا ہے اور اس کی سند یہ ہے۔ مفید نے جعابی سے، انہوں نے محمد بن ولید سے، اس نے عنبر بن محمد سے، انہوں نے شعبہ سے، انہوں نے سلمہ سے، انہوں نے ابو طفیل سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے سنا، آپؑ نے فرمایا: ''اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْكُمْ طُوْلُ الْاَمَلِ وَ اِتِّبَاعُ الْهَوٰی. فَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَیُنْسِی الْآخِرَةَ وَ اَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ. اَلَا وَ اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ تَوَلَّتْ مُدْبِرَةً وَ اَنَّ الْآخِرَةَ قَدْ اَقْبَلَتْ مُقْبِلَةً. وَ لِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا. فَاِنَّ الْیَوْمَ عَمَلٌ وَلَاحِسَابَ وَغَدًاحِسَابٌ وَلَاعَمَلَ.'' مجھے تمہارے بارے

میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے دنیا پشت کر کے تیزی سے جا رہی ہے اور آخرت ادھر کا رخ کئے ہوئے آ رہی ہے اور دنیا و آخرت ہر ایک والے خاص آدمی ہوتے ہیں لہذا تم فرزند آخرت بنو، ابنائے دنیا نہ بنو۔ کیونکہ آج عمل کا دن ہے حساب کا نہیں اور کل حساب کا دن ہوگا عمل نہ ہو سکے گا۔

شارح معتزلی نے نصر بن مزاحم کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ ۳۶ھ ماہ رجب میں بصرہ سے کوفہ آئے اور وہاں آپؑ نے سترہ ماہ قیام فرمایا۔ اس دوران معاویہ اور عمرو بن عاص سے خط و کتابت جاری رہی۔ نصر نے ابوالکنود کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ جنگ جمل کے بعد بارہ رجب ۳۶ھ کو کوفہ تشریف لائے اور آپؑ کے ساتھ بصرہ کے معزز افراد بھی تھے۔ اہل کوفہ نے حضرتؑ کا شایان شان استقبال کیا اور اس استقبال میں حفاظ قرآن اور معززین کوفہ بھی سب شامل تھے۔ اور حضرتؑ کے لئے انہوں نے خیر و برکت کی دعا مانگی اور حضرتؑ سے پوچھا: ''آپؑ کہاں قیام کریں گے کیا آپ کا قیام دار الامارہ میں ہوگا؟''۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''نہیں میں کسی کٹیا میں رہائش اختیار کروں گا''۔ پھر حضرتؑ نے ایک مختصر سے گھر میں قیام کیا اور مسجد اعظم تشریف لائے۔ دو رکعت نماز ادا کی پھر آپؑ منبر پر تشریف لے گئے خدا کی حمد و ثناء اور رسول کریم ﷺ پر درود و سلام کے بعد آپؑ نے فرمایا: ''اَمَّا بَعْدُ یَا اَهْلَ الْکُوْفَةِ فَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاِسْلَامِ فَضْلًا مَّا لَمْ تَبْدَلُوْا وَ تَغَیَّرُوْا دَعَوْتُکُمْ اِلَی الْحَقِّ فَاَجَبْتُمْ وَ بَدَاْتُمْ بِالْمُنْکَرِ فَغَیَّرْتُمْ اَلَا اِنَّ فَضْلَکُمْ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَ اللّٰهِ فَاَمَّا الْاَحْکَامُ وَ الْقَسْمُ فَاَنْتُمْ اُسْوَةُ غَیْرِکُمْ مِمَّنْ اَجَابَکُمْ وَ دَخَلَ فِیْمَا دَخَلْتُمْ فِیْهِ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ اِتِّبَاعُ الْهَوٰی وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا اتِّبَاعُ الْهَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَ اَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَیُنْسِی الْاٰخِرَةَ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا قَدْ رَحَلَتْ مُدْبِرَةً وَ اَنَّ الْاٰخِرَةَ قَدْ تَرَحَّلَتْ مُقْبِلَةً وَ لِکُلٍّ وَاحِدَةً مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَ لَا تَکُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْیَا اَلْیَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابَ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ''

اے اہل کوفہ! جب تک تم میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہ ہوا اس وقت تک اسلام میں تمہاری ایک فضیلت ہے۔ میں نے تمہیں حق کی دعوت دی تو تم نے لبیک کہی اور تم نے برائی دیکھی تو سب پر سبقت کرتے ہوئے اسے تبدیل کر دیا۔ اللہ کی نظر میں بہر نوع تمہاری ایک فضیلت ہے۔ اور جہاں تک حکومتی فرامین اور فریضوں کا تعلق ہے تو تم ان لوگوں کے لئے جنہوں نے تمہاری بات تسلیم کی اور جس امر میں تم داخل ہوئے ہو وہ بھی تمہارے بعد اس میں داخل ہوئے ہیں ایسے لوگوں کے لئے تم نمونہ عمل ہو۔

خبردار! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خواہشوں کی پیروی اور امیدوں کے پھیلاؤ کا خوف ہے۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ آگاہ رہو! آخرت نے آگے بڑھ کر سفر شروع کر دیا ہے اور دنیا پشت پھیر کر واپسی کا سفر شروع کر چکی ہے۔ ہر ایک کے بیٹے ہیں۔ تم فرزند آخرت بنو، ابنائے دنیا نہ بنو۔ آج عمل کا دن ہے اور حساب کا نہیں ہے اور کل حساب کا دن ہوگا عمل نہ ہو سکے گا۔

اسی خطبہ کی ایک اور روایت انشاء اللہ خطبہ ۲۲۴ کی شرح کے بعد بیان کی جائے گی۔

خطبہ ۴۳

امیر شام سے مطالبہ بیعت اور جنگ کی تیاری

وَ مِنْ كَلَامٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَدْ اَشَارَ عَلَيْهِ اَصْحَابُهٗ بِالْاِسْتِعْدَادِ لِحَرْبِ اَهْلِ الشَّامِ، بَعْدَ اِرْسَالِهٖ جَرِيْرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيَّ اِلٰى مُعَاوِيَةَ

یہ بھی آپؑ ہی کا کلام ہے۔

جب امیر المؤمنینؑ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا تو آپؑ کے اصحاب نے آپؑ کو جنگ کی تیاری کا مشورہ دیا۔ جس پر آپؑ نے فرمایا:

اِنَّ اسْتِعْدَادِيْ لِحَرْبِ اَهْلِ الشَّامِ وَ جَرِيْرٌ عِنْدَهُمْ اِغْلَاقٌ لِلشَّامِ وَ صَرْفٌ لِّاَهْلِهٖ عَنْ خَيْرٍ اَرَادُوْهُ وَ لٰكِنْ قَدْ وَقَّتُّ لِجَرِيْرٍ وَّقْتًا لَا يُقِيْمُ بَعْدَهٗ اِلَّا مَخْذُوْعًا اَوْ عَاصِيًا وَ الرَّأْيُ عِنْدِيْ مَعَ الْاَنَاةِ فَارْفُقُوْا وَ لَا اَكْرَهُ لَكُمُ الْاِعْدَادَ وَ لَقَدْ ضَرَبْتُ اَنْفَ هٰذَا الْاَمْرِ وَ عَيْنَهٗ وَ قَلَّبْتُ ظَهْرَهٗ وَ بَطْنَهٗ فَلَمْ اَرَ لِيْ اِلَّا الْقِتَالَ اَوِ الْكُفْرَ بِمَا جَاءَ مُحَمَّدٌ (ص) اِنَّهٗ قَدْ كَانَ عَلَى الْاُمَّةِ وَالٍ اَحْدَثَ اَحْدَاثًا وَ اَوْجَدَ لِلنَّاسِ مَقَالًا فَقَالُوْا ثُمَّ نَقَمُوْا فَغَيَّرُوْا.

جب امیر المؤمنینؑ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا تو آپؑ کے اصحاب نے آپؑ کو جنگ کی تیاری کا مشورہ دیا۔ جس پر آپؑ نے فرمایا:

میرا جنگ کے لئے مستعد اور آمادہ ہونا جب کہ جریر ابھی وہیں ہے شام کا دروازہ بند کرنا ہے اور وہاں کے لوگ بیعت کا ارادہ بھی کریں تو انہیں اس ارادہ خیر سے روک دینا ہے۔ بے شک میں نے جریر کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اس کے بعد وہ ٹھہرے گا تو یا ان سے فریب میں مبتلا ہو کر یا عمداً سرتابی کرتے ہوئے۔ صحیح رائے کا تقاضا صبر و توقف ہے اس لئے ابھی ٹھہرے رہو البتہ اس چیز کو میں تمہارے لئے برا نہیں سمجھتا کہ در پردہ جنگ کا ساز و سامان کرتے رہو۔ میں نے اس امر کو اچھی طرح سے جانچ پرکھ لیا ہے اور اندر باہر سے دیکھ لیا ہے۔ مجھے تو جنگ کے علاوہ کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ یا یہ کہ رسولؐ کی دی ہوئی خبروں سے انکار کروں حقیقت یہ ہے کہ مجھ سے پہلے اس امت پر ایک ایسا حکمران تھا جس نے دین میں بدعتیں پھیلائیں اور لوگوں کو زبان طعن کھولنے کا موقع دیا۔ پہلے تو لوگوں نے اسے زبانی کہا سنا، پھر اس پر بگڑے اور آخر اس کا سارا ڈھانچہ بدل دیا۔

تشریح لغت (اَشَارَ) ''عَلَيَّ بِكَذَا'' یعنی اس نے مجھے اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ (اَلْبَجَلِيُّ) قبیلہ بجلیہ سے تعلق رکھنے والا، یہ قبیلہ ''بنی معد'' کی شاخ ہے جو یمن میں رہتا تھا۔ (اَلْاِغْلَاقُ) مجبور کرنا، جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ (اَغْلَقَ الْبَابَ) سے ماخوذ ہے یعنی دروازہ بند کر دینا، یا دروازے کا مشکل سے کھلنا۔ (اَلْاَنَاةُ) بروزن ''قَنَاةٌ''۔ ''تَأَنِّيْ'' سے اسم مصدر اور اس کا معنی ہے رفق اور ٹھہراؤ۔ (اِرْفُدُوْا) باب افعال سے امر حاضر، ''اَرْوَدَ فِي السَّيْرِ'' یعنی آرام و سکون سے چلا۔ (اَلْحَدَثُ) تمام حروف کی حرکت کے ساتھ، وہ ناپسندیدہ امر جو دین اور شریعت میں پہلے رائج نہ ہو۔ اور ابن اثیر نے بھی اس کے یہی معانی بیان کئے ہیں۔

(اَوْجَدَ)اس نے موقع فراہم کیا۔(نَقِمَ)''مِنْهُ نَقْمًا ''بروزن''ضَرَبَ''،''عَلِمَ''۔''نَقِمَ الْاَمْرُ''اس نے اس امر سے کراہت کی اور اسے برا سمجھا۔

تشریح

حضرتؑ نے جب جریر کو معاویہ سے بیعت لینے کے لئے بھیجا اور جریر کافی دن تک واپس نہ آیا تو آپؑ کے اکثر اصحاب یہ کہنے لگے کہ معاویہ ہرگز آپؑ کے حلقہ اطاعت میں داخل نہ ہوگا کیونکہ حالات اس امر کا بخوبی اشارہ کر رہے تھے۔(قَدْ اَشَارَ عَلَيْهِ اَصْحَابُهٗ بِالْاِسْتِعْدَادِ لِحَرْبِ اَهْلِ الشَّامِ، بَعْدَ اِرْسَالِهٖ جَرِيْرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيَّ اِلٰى مُعَاوِيَةَ)جب امیر المؤمنینؑ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو معاویہ کے پاس بیعت کے لئے بھیجا تو آپؑ کے اصحاب نے آپؑ کو جنگ کی تیاری کا مشورہ دیا۔

ہم آئندہ صفحات میں جریر کی سفارت کا تفصیلی تذکرہ کریں گے۔اور حضرتؑ کے اصحاب کا مشورہ ان حالات میں صحیح نہ تھا۔اسی لئے حضرتؑ نے ان کے جواب میں فرمایا(اِنَّ اسْتِعْدَادِيْ لِحَرْبِ اَهْلِ الشَّامِ وَ جَرِيْرٌ عِنْدَهُمْ اِغْلَاقٌ لِلشَّامِ وَ صَرْفٌ لِاَهْلِهٖ عَنْ خَيْرٍ اِنْ اَرَادُوْهُ)میرا اس وقت جنگ کے لئے مستعد اور آمادہ ہونا جب کہ جریر ابھی وہیں ہے شام کا دروازہ بند کرنا ہے اور وہاں کے لوگ اچھائی (بیعت) کا ارادہ بھی کریں تو انہیں اس ارادہ خیر سے روک دینا ہے۔یعنی جب تک میرا سفیر وہاں سے واپس نہ آجائے اس وقت تک لشکر کشی سے اجتناب بہتر ہے۔ممکن ہے کہ ہمارے صلح وصفائی کے رویہ کے پیش نظر وہ ہمارے حلقہ اطاعت میں داخل ہو جائیں اور سعید روحیں ہماری حکومت کو تسلیم کر کے دنیا وعقبیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔اگر ہم نے اپنے سفیر کی واپسی سے قبل ہی جنگ کر دی تو اس سے اہل شام بھڑک اٹھیں گے۔اسی لئے ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔(وَ لٰكِنْ قَدْ وَقَّتُّ لِجَرِيْرٍ وَّقْتًا لَا يُقِيْمُ بَعْدَهٗ اِلَّا مَخْدُوْعًا اَوْ عَاصِيًا)بے شک میں نے جریر کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اس کے بعد وہ ٹھہرے گا تو یا ان سے فریب میں مبتلا ہو کر یا عمداً سرتابی کرتے ہوئے۔

یعنی جریر کے لئے ہم نے وقت مقرر کیا تھا اگر وہ اس وقت کے بعد بھی شام میں رہا تو دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت کی وجہ سے رہے گا۔۱۔یا تو معاویہ کے فریب میں مبتلا ہو کر۔یعنی معاویہ اسے آج اور کل پر ٹالتا رہے گا۔اور اپنا اقتدار مستحکم کرتا رہے گا۔اور جریر اس کے بچھائے ہوئے جال میں آجائے گا۔۲۔یا پھر یہ کہ جریر ہمارا نافرمان بن جائے گا اور اس صورت میں وہ شام میں ٹھہرے گا۔اس وقت کے معروضی حالات کے پیش نظر حضرتؑ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے فرمایا(وَ الرَّأْيُ عِنْدِيْ مَعَ الْاَنَاةِ)صحیح رائے کا تقاضا صبر و توقف ہے۔کیونکہ صبر وتوقف سے ہی انسان اپنے مقصود کو حاصل کر سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صبر وتوقف کو معصومینؑ نے سپاہ عقل کا ایک سپاہی قرار دیا ہے۔اور جلد بازی کو سپاہ جہل کا ایک سپاہی بتایا ہے۔اصول کافی کی شرح میں ملا صدرا رقم طراز ہیں کہ صبر وتوقف قوت غضبیہ میں اعتدال کا نام ہے اور جلد بازی قوت غضبیہ کے افراط کی صورت ہے۔ملا صالح مازندرانی لکھتے ہیں کہ قوت غضبیہ میں سکون وحلم نقطہ اعتدال ہیں۔اور صبر وتوقف کی صفت اسی نقطہ اعتدال کی تابع ہے۔اور اس صفت صبر وتوقف کا حصول انہی دو صفتوں پر موقوف ہے۔اب آیئے

دیکھتے ہیں کہ سکون وحلم بذات خود کیا چیز ہیں؟

جھگڑوں کے وقت نفس کے ثقیل ہونے اور ہلکے پن سے اجتناب کرنے کے عمل کو سکون سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور ثقل نفس اور عدم خفت کی وجہ سے جو اطمینان حاصل ہوا سے حلم کہا جاتا ہے۔اور حلم، نفس کی وہ قوت ہے جسے غصہ آسانی اور جلدی سے متحرک نہ کرنے پائے۔ اور جب نفس سکون وحلم کا عادی ہوجائے تو اس کے لئے صبر وتوقف کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔اور جب کسی انسان میں صبر وتوقف کا مادہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ کسی کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔اور اسے کسی سے مؤاخذہ کی کبھی جلدی نہیں ہوتی۔(فَارْوِدُوْا) اس لئے ابھی ٹھہرے رہو۔حضرتؑ نے معروضی حالات میں جو مشورہ دیا وہ ان حالات کے مطابق بالکل درست تھا۔لیکن آپؑ مستقبل میں ہونے والے حالات سے بے خبر نہ تھے اور حالات روز بروز جس سمت جارہے تھے وہ آپ سے کسی طور مخفی نہ تھی۔آپ دیکھ رہے تھے کہ معاویہ کسی طور آپ کی اطاعت کو قبول نہیں کرے گا اور وہ ہر قیمت پر قسمت آزمائی کیلئے جنگ کرے گا۔اسی لئے آپ نے اہل شام کیلئے اپنی مستقل روش بھی بیان فرمائی تاکہ ان سامعین میں سے کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ کل تو آپ صبر وتوقف کا درس دیتے تھے اور آج جنگ پر آمادہ کیوں ہیں؟ چنانچہ حضرت نے معروضی حالات میں صبر وتوقف کا مشورہ دیا اور پھر فرمایا:''وَ لَا اَكْرَهُ لَكُمُ الْاِعْدَاد ''یعنی اور میں اس چیز کو تمہارے لئے برا نہیں سمجھتا کہ جنگ کا ساز وسامان کرو۔

شارح معتزلی کہتے ہیں کہ حضرت کے دونوں فرمانوں کہ میرا جنگ کیلئے آمادہ ہونا شام کا دروازہ بند کرنے کے مترادف ہے اور یہ فرمان کہ تم جنگ کا ساز وسامان کرو میں اسے برا نہیں سمجھتا، کے درمیان کوئی منافات وتضاد نہیں ہے، کیونکہ آپ نے پہلے فرمان کے ذریعہ سے درپردہ جنگ کی ظاہری تیاری سے منع کیا ہے اور دوسرے فرمان کے ذریعہ سے درپردہ جنگی تیاری کا حکم دیا ہے۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ حضرت کے یہ الفاظ کہ میں اس چیز کو تمہارے لیے برا نہیں سمجھتا کہ تم جنگ کا ساز وسامان کرو، ان کے ذریعہ سے اپنے لشکر کو واضح پیغام دیا کہ وہ ہر وقت تیاری کی حالت میں رہیں کیونکہ جنگ کے شعلے کسی وقت بھی بھڑک سکتے ہیں۔

''لَقَدْ ضَرَبْتُ اَنْفَ هٰذَا الْاَمْرِ وَ عَيْنَهٗ وَ قَلَّبْتُ ظَهْرَهٗ وَ بَطْنَهٗ''میں نے اس امر کو اچھی طرح سے پرکھ لیا ہے اور اسے اندر باہر سے دیکھ لیا ہے۔

شارح بحرانی کہتے ہیں کہ حضرت نے اس جملہ میں''استعارہ علی سبیل الکنایہ''بیان فرمایا ہے، حضرت نے عین (آنکھ) انف (ناک) ظھر (پشت) اور بطن (پیٹ) کے وہ استعارے بیان کیے ہیں جو حیوانات سے مختص ہیں اور عین وانف (آنکھ و ناک) کا کنایہ آپ نے اس امر کے اعلیٰ ترین حصہ کے لیے فرمایا، کیونکہ چہرے میں آنکھ وناک قیمتی ترین اعضاء شمار ہوتے ہیں اور لفظ (ضرب) کا کنایہ اپنی رائے کیلئے بطور استعارہ استعمال فرمایا، اور ظہر و بطن پشت وشکم سے حضرت کی مراد ظاہر و باطن ہے اور الٹنے پلٹنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے اچھی طرح سے اس امر پر غور وفکر کرلیا ہے۔

پھر حضرت نے اس غور وفکر کا نتیجہ یہ بیان فرمایا:''فَلَمْ اَرَ لِیْ اِلَّا الْقِتَالَ اَوِ الْكُفْرَ بِمَا جَاءَ مُحَمَّدٌ (ص) ''مجھے تو جنگ کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا، یا یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی خبروں سے انکار کردوں۔

ان جملوں سے آپؑ نے حقیقت امر کی کھل کر وضاحت فرمادی کہ گہری سوچ و بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اہلِ شام سے یا تو جنگ کی جائے، یا نعوذ باللہ رسول خداؐ کی دی ہوئی خبروں کا انکار کر دیا جائے اور رسول خداؐ کی بیان کردہ خبروں کی تکذیب ناممکن ہے اسی لیے ہر حالت میں ان سے جنگ کرنی ہوگی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور اہل شام سے جہاد نہ کرنا رسول خداؐ کے فرمان کی تکذیب قرار دیا ہے اور یہ تکذیب موجب کفر تھی اور بعض اوقات کسی اہم واجب کی عدم ادائیگی کو کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرضیت حج کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں حج ترک کرنے والوں کے لیے فرمایا ''وَ مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ''(آل عمران/ ۹۷) جو کوئی کفر کرے تو اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

نہج البلاغہ کے پہلے خطبے کی شرح میں ہم اس کی مکمل بحث کر چکے ہیں، خواہش مند حضرات اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

علیؑ جنگ کے لیے مامور من اللہ تھے

حضرت علی علیہ السلام کو اللہ اور اس کے سولؐ نے باغیوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا تھا، اس کے لیے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں بحوالہ امالی شیخ سے (بحذفِ اسناد) مجاہد سے اور اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں جب آیت:

''یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ '' (التوبہ/۷۳، التحریم/ ۹) ''اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو''۔ نازل ہوئی۔

تو نبی کریمؐ نے فرمایا: میں عمالقہ اس سے جنگ کروں گا، یعنی کفار و مشرکین سے جنگ کروں گا، جبرئیل آئے اور کہا: یا آپ جنگ کریں گے یا علیؑ جنگ کریں گے۔

۲۔ الکافی میں فضیل بن عیاض سے اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام نے انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا: اللہ نے اپنے حبیب حضرت محمد (ص) کو پانچ تلواریں دے کر بھیجا جن میں سے تین تو دشمنوں کے مقابلے میں اٹھائی گئیں اور ایک تلوار کو نیام میں رکھا گیا، اور ایک تلوار کو ہمارے غیر کی طرف آپ نے بلند کیا تھا۔ پھر امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وہ تلوار جو نیام میں تھی وہ وہی تلوار ہے جو اہلِ بغاوت و تاویل کے خلاف بلند ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا . فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ . فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَابِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ '' (الحجرات/ ۹) اگر مومنوں میں سے کوئی دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے

لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پس جب وہ لوٹ آئے تو دونوں فریقوں میں عدل کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو تو رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْکُمْ مَّنْ یُقَاتِلُ بَعْدِیْ عَلَی التَّاوِیْلِ کَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ'' تمہارے اندر وہ موجود ہے جو تاویل قرآن کے متعلق جنگ کرے گا جیسا کہ میں نے تنزیل قرآن کے متعلق جنگ کی ہے۔

رسول خداؐ سے پوچھا گیا وہ کون ہے؟

فرمایا: اپنے جوتے کا ٹھنے والا، یعنی امیر المومنین، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمار یاسر نے فرمایا تھا:

''اس پرچم کے سائے تلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں میں نے تین بار جنگ کی اور آج اسی پرچم کے سائے میں چوتھی جنگ کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم اگر ہمارے مخالف ہمیں مار مار کر ''سعفات ہجر'' تک بھی پہنچا دیں تو بھی ہم اپنے آپ کو حق پر اور انہیں باطل پر سمجھتے رہیں گے''۔

۳۔ رجال نجاشی میں ابورافع سے روایت ہے ان کا بیان ہے۔ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو آپؐ لیٹے ہوئے تھے اور آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے گھر میں دیکھا تو مجھے کمرے کے ایک کونے میں سانپ نظر آیا۔ مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ میں سانپ کو مار کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کروں۔ میں حضور کے پہلو کے قریب خود لیٹ گیا تا کہ اگر سانپ حملہ کرے تو مجھ پر کرے اور حضور اکرمؐ محفوظ رہ سکیں۔

چند لمحات بعد حضور اکرمؐ بیدار ہوئے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ'' اس کے ماسوا کچھ نہیں کہ تمہارا اولی الامر اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو تمہارے ولی ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (المائدہ/ ۵۵)

پھر آپ نے کہا اس ذات کی حمد ہے جس نے ولایت علی علیہ السلام کی تکمیل کی اور خدا کی طرف سے یہ فضیلت ملنے پر علی علیہ السلام کو مبارک ہو۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا:۔ ابورافع تم یہاں کیوں سوئے ہوئے ہو؟

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سانپ کے متعلق بتایا: آپ نے مجھے سانپ مارنے کا حکم دیا میں نے اٹھ کر سانپ کو مار ڈالا۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ابورافع! اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب لوگ علیؑ سے جنگ کریں گے اور علیؑ حق پر ہوں گے اور لوگ باطل پر ہوں گے۔ علیؑ اللہ کے حق کیلئے جہاد کرے گا (جو شخص اس وقت اتنا مجبور ہو کہ ہاتھ اور زبان سے علیؑ کی مدد نہ کر سکتا ہو تو) کم از کم دل کے ساتھ علیؑ کی حمایت کرے اور دل کے بعد تو کوئی اور چیز باقی نہیں رہ جاتی۔

میں نے عرض کی: آپ میرے حق میں دعا فرمائیں اگر میں اس وقت زندہ رہوں تو اللہ میری مدد فرمائے اور ان سے جنگ کرنے کی مجھے قوت عطا فرمائے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: خدایا! اگر یہ انہیں پائے تو اسے قوت دینا اور اس کی مدد کرنا۔

پھر آپ حجرے سے نکل کر باہر آئے اور فرمایا: لوگو! جو شخص میرے نفس پر میرے امین کو دیکھنا چاہتا ہے تو یہ ابورافع میرے نفس پر میرا امین ہے۔

عون بن عبیداللہ بن ابورافع کہتے ہیں: جب حضرت علیؑ برسر اقتدار آئے اور معاویہ نے شام میں حضرت کی مخالفت کی اور طلحہ وزبیر لشکر لے کر بصرہ کی طرف چل دیئے تو اس وقت ابورافع نے کہا: یہ رسول خدا کا فرمان پورا ہو رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ایک گروہ علیؑ سے جنگ کرے گا اس سے جہاد کرنا فرض ہوگا۔

پھر ابورافع نے خیبر میں اپنی زمین اور مکان کو فروخت کر دیا اور حضرت علی علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور اس وقت ان کی عمر پچاسی برس کی تھی اور ابورافع نے ''کہا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے آج میرے جیسی منزلت کسی کو بھی حاصل نہیں ہے''۔

میں نے دو مرتبہ بیعت کی، بیعت عقبہ کی اور بیعت رضوان بھی کی اور میں نے تین ہجرتیں کیں، کسی نے پوچھا کہ تین ہجرتیں کونسی؟

ابورافع نے کہا: میں نے جعفر بن ابوطالب کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔ پھر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اور تیسری ہجرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ کوفہ کی طرف کی۔

پھر ابورافع ہمیشہ علیؑ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ علی علیہ السلام شہید ہوئے تو ابورافع، امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ مدینہ واپس آئے اور ابورافع کا اس وقت مدینہ میں نہ تو کوئی مکان تھا اور نہ ہی کوئی زمین۔ امام حسنؑ نے حضرت علیؑ کے مکان کے دو حصے کئے اور ان میں سے ایک حصہ ابورافع کو رہنے کیلئے دیا اور کچھ زمین ابورافع کو دی جسے بعد میں عبیداللہ بن رافع نے ایک لاکھ ستر ہزار کے بدلے معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔

علمائے خاصہ وعامہ نے حضرت علی علیہ السلام کی ماموریت کی بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ اور ہم درج بالا احادیث پر ہی اکتفا مناسب سمجھتے ہیں۔ آپ نے معاویہ سے جنگ کو یقینی قرار دینے کے بعد معاویہ کے دعویٰ کو باطل کرتے ہوئے حقیقت حال کا اظہار فرمایا: (اِنَّهٗ كَانَ عَلَى الْاُمَّةِ وَالٍ) حقیقت یہ ہے (مجھ سے پہلے) اس امت پر ایک ایسا حکمران تھا۔

اس سے مراد حضرت عثمان ہیں (اَحْدَثَ اَحْدَاثًا) جنہوں نے دین میں بہت سی بدعتیں ایجاد کی تھیں (وَ اَوْجَدَ لِلنَّاسِ مَقَالًا) لوگوں کو زبان طعن کھولنے کا موقع دیا۔ (فَقَالُوْا ثُمَّ نَقَمُوْا فَغَيَّرُوْا) لوگوں نے اسے کہا سنا۔ پھر اس پر بگڑے اور آخر سارا ڈھانچہ بدل دیا۔

سفارت جریر

سفارت جریر کے متعلق شارح معتزلی نے تفصیلی بحث کی ہے، ہم یہاں پر اس کا خلاصہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے

ہیں۔

نصر بن مزاحم کتاب الصفین میں لکھتے ہیں:

حضرت امیر المومنین علیہ السلام جنگ جمل کے بعد کوفہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے عمال کو خطوط تحریر کیے، ایک خط ہمدان کے عامل جریر بن عبداللہ کے نام بھی لکھا اور وہ حضرت عثمان کی طرف سے ہمدان کا عامل تھا، حضرت نے زجر بن قیس کو خط دے کر اس کے پاس روانہ کیا، جب جریر کو حضرت کا خط ملا تو اس نے مسجد میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''لوگو! یہ امیر المومنین علی علیہ السلام کا خط ہے اور حضرت کی ذات دین و دنیا کی امین ہے اور اللہ نے امیر المومنینؑ کو ان کے دشمنوں پر فتح دی ہے اور مہاجرین و انصار اور سابقین اولین اور ان کی پیروی کرنے والے افراد نے ان کی بیعت کا شرف حاصل کیا ہے اور اگر مسئلہ خلافت کو شوریٰ کے ذریعہ سے بھی حل کیا جاتا تو بھی آپ ہی خلافت کے حقدار ہوتے۔ لوگو! اجتماع میں بقا اور تفرقہ میں فنا کا راز مضمر ہے اور یقیناً علیؑ تمہیں حق پر چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر تم نے حق سے انحراف کیا تو علیؑ تمہیں سیدھا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

لوگوں نے کہا: ہم امیر المومنینؑ کی حکومت پر راضی ہیں اور ان کے فرمان کو سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

پھر جریر نے حضرت کو اپنی اطاعت کا خط لکھا اور نصر کا بیان ہے کہ اس کے چند روز بعد جریر ہمدان سے کوفہ آیا اور حضرتؑ کی بیعت کی اور اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔

اسی دوران حضرتؑ کو معاویہ کے پاس بھیجنے کے لیے سفیر کی ضرورت محسوس ہوئی تو جریر نے کہا کہ آپ مجھے معاویہ کے پاس شام بھیج دیں، وہاں پر میری قوم آباد ہے اور میں معاویہ سے جا کر کہوں گا کہ وہ آپ کی اطاعت کرے اور اس صورت میں وہ اپنے منصب پر بحال رہ سکتا ہے، علاوہ ازیں میں دوسرے اہل شام کو بھی آپ کی اطاعت کی دعوت دوں گا اور مجھے امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی میری بات مان لیں گے۔

مالک اشتر جو اس وقت موجود تھے، انہوں نے حضرت سے عرض کی: ''آپ اس کی بات کی تصدیق نہ کریں، مجھے خود اس کی اپنی نیت بھی اہلِ شام کی سی نظر آتی ہے اور یہ آپ کا ہرگز خیر خواہ نہیں ہے''۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اسے چھوڑو، اسے موقع ملنا چاہئے اور ہم اسے بھیج کر معلوم کر لیں گے کہ یہ ہمارے پاس کیا جواب لے کر آتا ہے۔

حضرت نے جریر کو خط لکھ کر دیا اور فرمایا: ''تم نے خود دیکھا ہے کہ میرے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باوفا صحابی موجود ہیں اور میں تمہیں اس لیے اپنا سفیر بنا کر بھیج رہا ہوں کہ حضور اکرمؐ نے اہلِ یمن کی بھلائی کی خبر دی تھی معاویہ کے پاس میرا خط پہنچانا اگر وہ ہماری اطاعت کر لے اور باقی مسلمانوں کی طرح ہمیں اپنا حاکم تسلیم کر لے تو بہتر ورنہ تم اسے بتانا کہ میں اسے شام کا عامل بنانے پر راضی نہیں ہوں''۔

جریر حضرت کا خط لے کر شام گیا اور معاویہ سے ملاقات کی اور حمد و ثناء کے بعد اسے کہا:

''معاویہ! اہلِ حرمین، اہلِ عراق وحجاز، اہلِ یمن و بحرین و یمامہ آپ کے ابن عم پر اجماع کر چکے ہیں اور صرف چند شہر ایسے رہ گئے ہیں جنہوں نے ابھی تک ان کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور ان میں سرِ فہرست آپ کا شہر ہے اور اس کے ساتھ کے ملحقہ علاقے ہیں، میں نے آپ کو ان کی اطاعت و بیعت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ بھی آپ کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اگر ان وادیوں سے سیلاب آ گیا تو پھر نہ آپ بچیں گے اور نہ آپ کے علاقے'' اور حضرت کا یہ خط بھی معاویہ کے حوالے کیا۔

معاویہ نے حضرت کا خط لیا اور پھر جریر نے دربار میں کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا:

''لوگو! عثمان کے معاملے نے لوگوں کو حیران و پریشان کر دیا ہے، خود مدینہ میں رہنے والے لوگ بھی اس کے متعلق کسی فیصلے سے قاصر رہے تھے اور باہر والوں کی بات ہی جداگانہ ہے، لوگوں نے اپنی رضا و رغبت سے علیؑ کی بیعت کر لی ہے، طلحہ و زبیر نے بھی بلا جبر اکراہ ان کی بیعت کی تھی لیکن پھر انہوں نے عہد شکنی کی، لوگو! یہ دین فتنوں کو برداشت نہیں کر سکتا اور عرب تلوار کے متحمل نہیں ہیں۔

چند روز قبل بصرہ میں ایک فتنہ برپا ہوا تھا اگر اس جیسے اور فتنے پیدا ہو گئے تو لوگ تباہ ہو جائیں گے، تمام امتِ مسلمہ نے علیؑ کی بیعت کر لی ہے اور اگر خلافت کا فیصلہ خود ہمارے اپنے ہاتھ میں بھی ہوتا تو بھی ہم علیؑ کو ہی منتخب کرتے، اب اگر اس کے باوجود بھی کوئی شخص ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ انتہائی غلط کام کرتا ہے، معاویہ کو بھی چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح علیؑ کے حلقۂ اطاعت میں شامل ہو جائے۔

اب اگر اس وقت معاویہ یہ کہے کہ مجھے عثمان نے شام کی حکومت پر باقی رکھا تھا اسی لیے میں یہ عہدہ چھوڑنا پسند نہیں کرتا، تو یہ اس کی غلطی ہوگی اگر اس طرح سے ہر شہر کا حاکم اپنے اپنے شہر پر قبضہ جما لے تو اس کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا، مسلمانوں کے خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے کسی علاقہ کا عامل مقرر کرے اور جسے چاہے معزول کر دے۔

معاویہ نے کہا: ''اچھا صبر کرو، تم بھی سوچو اور ہم بھی سوچیں گے''

چند دن یونہی خاموشی سے گزرے ایک دن معاویہ نے لوگوں کو جمع ہونے کے لیے منادی کرائی۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو معاویہ نے کہا:

''لوگو! تم بخوبی جانتے ہو کہ میں عمر اور عثمان دونوں کی طرف سے ملک شام کا والی رہا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو ناحق تکلیف نہیں دی اور تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں عثمان کا وارث ہوں اور عثمان حالتِ مظلومیت میں قتل ہوئے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ . اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا'' (بنی اسرائیل/ ۳۳)

اور جو شخص ناحق مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قاتل پر قصاص کا) قابو دیا ہے تو اسے چاہئے کہ قتل (خون کا بدلہ لینے) میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد دیا جائے گا۔ اب میں تم لوگوں سے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

پھر تمام مجمع اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''ہم خونِ عثمان کا قصاص چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہم کسی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں

کریں گے'' پھر انہوں نے قصاص عثمان کے لیے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

شام ہوئی تو معاویہ کافی پریشان تھا، کیونکہ مرکزی حکومت سے جنگ بھی ایک خطرناک فیصلہ تھا، جریر نے معاویہ سے کہا: صحیح راستہ صرف یہی ہے کہ آپ علیؑ کی بیعت کرلیں اور ان کے فرمان کو تسلیم کرلیں۔

معاویہ نے ان سے کہا: ''تم ان باتوں کو رہنے دو، میں اس کے لیے چند خیرخواہوں سے مشورہ کروں گا۔ پھر معاویہ نے اپنے مشیروں کو بلایا اور معاویہ کے بھائی نے کہا کہ اس کام میں تم عمرو بن عاص کو اپنے ساتھ شریک کرو، جب تک تم اسے اپنے ساتھ نہ ملاؤ گے کبھی کامیاب نہ ہوسکو گے۔

معاویہ نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ عثمان کے آخری ایام میں عمرو بن عاص عثمان سے روٹھ گیا تھا اور لوگوں کو عثمان کی مخالفت پر بھی برانگیختہ کرتا رہا، اب وہ ہم سے مفت میں تو الحاق نہیں کرے گا، وہ اس الحاق کی بڑی سے بڑی قیمت طلب کرے گا اور جب تک ہم اس کے دین وایمان کی قیمت ادا نہ کریں گے وہ ہماری حمایت نہیں کرے گا۔

(اس سے قبل ہم چھبیسویں خطبہ کی شرح میں عمرو بن عاص کے الحاق کی پوری تفصیل لکھ چکے ہیں، لہٰذا یہاں مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ہے)

معاویہ نے عمرو بن العاص اور شُرَحبیل بن سمط کو ان کے دین وایمان کی مکمل قیمت ادا کی اور انہیں اپنے پاس بلالیا۔ شُرَحبیل بن سمط، حصین بن نمیر کے پاس آیا، پھر حصین نے جریر کو پیغام بھیجا کہ تم میرے گھر آؤ میں تمہاری ملاقات شُرَحبیل سے کرانا چاہتا ہوں۔

جریر وہاں گیا تو شُرَحبیل نے کہا: جریر! تو ہمارے پاس ایک تاریک امر لے کر آیا ہے اور تو نے ہمیں شیر کی باچھوں میں لاکر کھڑا کیا ہے اور تو شام کو عراق سے ملانا چاہتا ہے اور تو نے علیؑ کی زیادہ تعریفیں کی ہیں جبکہ علیؑ، عثمان کا قاتل ہے، قیامت کے روز اللہ تجھ سے اس کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ جریر نے کہا: شُرَحبیل! تیری یہ بات درست نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس ایک تاریک امر لے کر آیا ہوں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ تمام مہاجرین وانصار نے علیؑ کی بیعت کی ہے اور طلحہ وزبیر نے بیعت شکنی کی تھی اس لیے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے ان سے جنگ کی۔

تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہیں شیر کی باچھوں میں دے دیا ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ تجھے شیر کے منہ میں نہیں دیا تو خود ہی شیر کے منہ میں جانا چاہتا ہے۔

اور تمہارا یہ اعتراض کہ میں شام کو عراق سے ملانا چاہتا ہوں، تو سن لو حق کے لیے ان دونوں صوبوں کا ملنا باطل کی جدائی سے بہتر ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ علیؑ، عثمان کا قاتل ہے، تو یہ تمہارا سوءِ ظن ہے، تمہارے پاس کوئی اس کی واقعاتی شہادت موجود نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ تم معاویہ سے اپنی وفاداری کی قیمت وصول کر چکے ہو اور جب سعد بن ابی وقاص عامل تھا تو اس وقت ایک واقعہ کی وجہ سے تم علیؑ پر ناراض ہو۔

معاویہ کو جریر اور شرحبیل کی ملاقات کی خبر ہوئی تو اس نے جریر کے پاس پیغام بھیج کر اسے نجی ملاقاتوں سے منع کردیا۔

جریر نے چند اشعار لکھ کر شرحبیل کے پاس بھیجے جس میں اسے صحیح طرزِ عمل کو اپنانے کی دعوت دی گئی۔

جب معاویہ کو علم ہوا کہ شرحبیل پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا اور کہنے لگا کہ جریر نے مجھے سچی نصیحت کی ہے اور میں کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔

بہرحال جریر کے خط کا شرحبیل اس سے متنفر ہونے والا ہے تو اس نے بہت سے آدمی اس کے پاس بھیجے جنہوں نے جا کر اس کے سامنے قتلِ عثمان کی اہمیت بیان کی اور یوں شرحبیل راہِ راست کے قریب آ کر پھر بھٹک گیا۔

معاویہ نے اسے اچھی طرح سے اپنے شیشے میں اتار لیا اور پھر اس سے کہا کہ تم ایک مؤثر شخصیت ہو، شام کے شہروں میں جاؤ اور انہیں خونِ عثمان کے قصاص پر آمادہ کرو، پھر شرحبیل پہلے پہل حمص شہر میں آیا اور وہاں کے لوگوں کو جنگ پر آمادہ کیا، تمام اہلِ شہر نے اس کی حمایت کی البتہ چند عابد و زاہد افراد نے اس سے کہا کہ ہم دن رات عبادت خدا میں مصروف رہتے ہیں، اسی لیے ہماری معذرت قبول کرو۔

بعد ازاں شرحبیل تمام شہروں اور قصبوں میں گیا اور وہاں کے لوگوں کو معاویہ کی امداد کے لیے مائل کرتا رہا اور وہ جہاں بھی جاتا، لوگ اس کی حمایت کرتے۔

اسی دوران جب شرحبیل مملکت شام کے متفرق شہروں میں دورے کر رہا تھا، معاویہ ایک دن جریر کو اس کے مکان پر ملنے کے لیے گیا اور اس سے کہا: جریر! میں نے ایک رائے قائم کر لی ہے اور وہ یہ کہ تو اپنے ساتھی کو خط لکھ کر ہمارے اس مطالبے سے باخبر کرو کہ اگر وہ ملک شام اور ملک مصر ہمارے ہاتھوں میں دے دے اور مزید یہ کہ اپنی وفات سے قبل کسی کو خلیفہ مقرر نہ کرے تو ہم اسے خلیفہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں۔

جریر نے کہا کہ پھر خط تو خود تحریر کر اور تیرے خط کے ساتھ میں بھی حضرت کو علیحدہ خط لکھے دیتا ہوں۔

چنانچہ معاویہ نے حضرت کو اس مضمون کا ایک خط تحریر کیا اور جریر نے بھی حضرت کو ایک علیحدہ خط لکھا، جب حضرت کو یہ خط موصول ہوئے تو آپ نے جریر کو لکھا:

معاویہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی گردن میں میری بیعت کا قلادہ نہ ہو اور وہ اپنی شرائط پر مجھ سے صلح کرنا چاہتا ہے، درحقیقت معاویہ کسی طرح کی صلح پر آمادہ ہی نہیں ہے وہ ان بہانوں سے زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس دوران وہ اپنے لشکر میں اضافہ کا خواہش مند ہے، یہی بات مدینہ میں مغیرہ بن شعبہ نے بھی مجھے کہی تھی کہ شام کی حکومت معاویہ کے پاس رہنے دوں، میں نے تو اس وقت بھی اس سے انکار کر دیا تھا اور اللہ کے دین کے لیے میں کسی گمراہ کو اپنا دست و بازو بنانا پسند نہیں کرتا، اگر معاویہ تیرے ہاتھ میں میری بیعت کر لے تو بہتر ورنہ تمہیں وہاں مزید ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ خط ملتے ہی تم واپس آ جانا۔

صالح بن صدقہ کی روایت ہے کہ جریر نے شام میں معاویہ کے پاس زیادہ وقت بسر کر دیا لوگ جریر کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے اور یہ مشہور ہو گیا کہ جریر نے معاویہ سے مل گیا ہے، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے جریر کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے، اس کے بعد اگر جریر وہاں ٹھہرتا ہے تو یا تو ان کے فریب میں مبتلا ہو کر ایسا کرتا ہے یا جان بوجھ کر میری نافرمانی کرتے ہوئے ٹھہرے گا۔

محمد اور صالح بن صدقہ کی روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جریر کو ایک خط لکھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

''جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو تم معاویہ سے فیصلہ کن گفتگو کرنا اور اسے دوٹوک الفاظ میں بتا دینا کہ وہ تباہ کن جنگ یا صلح میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے، اگر وہ جنگ پسند کرے تو تم بھی اس کے سامنے اعلان جنگ کر کے آنا اور اگر وہ صلح کا خواہش مند ہو تو اس سے بیعت لے لینا۔ والسلام''

حضرت کا یہ خط نہج البلاغہ کے حصہ مکتوبات میں آئے گا۔

جب جریر کو حضرت کا یہ دوٹوک خط ملا تو اس نے معاویہ کو پڑھ کر سنایا اور اس سے کہا:

''اللہ کی طرف سے کسی دل پر مہر گناہ کے بغیر نہیں لگتی اور توبہ کے بغیر کسی کا شرح صدر نہیں ہوتا اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل پر مہر لگی ہوئی ہے، اس لیے کہ تم حق و باطل کے درمیان کھڑے ہو اور اس چیز کا انتظار کر رہے ہو جو تمہارے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں ہے، معاویہ نے کہا: میں اس کا کل صحیح دوٹوک جواب دوں گا۔

پھر معاویہ نے اپنی فوج جمع کر لی تو جریر سے کہا: تو اپنے ساتھی کے پاس چلا جا اور معاویہ نے حضرت کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے جنگ کی خواہش کا اظہار کیا اور خط کے آخر میں اس نے کعب بن جعیل کا یہ شعر لکھا:

اَرَی الشَّامَ تَکْرَہُ اَھْلَ الْعِرَاقِ وَ اَھْلَ الْعِرَاقِ لَھُمْ کَارِھُوْنَا

میں دیکھتا ہوں کہ شامی اہلِ عراق سے نفرت کرتے ہیں اور عراقی، شامیوں سے نفرت کرتے ہیں۔

خطبہ ۳۰ کی شرح میں ہم پوری نظم لکھ چکے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت نے جریر کو جو خط لکھ کر دیا تھا اس میں یہ الفاظ تحریر تھے:

میں نے تمہیں معزول کر دیا ہے لہٰذا تم حکومت جریر کے حوالے کر دو۔ والسلام

ساتھ ہی آپ نے جریر کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: معاویہ کے فریب سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، اگر معاویہ حکومت تمہارے حوالے کر دے تو تم میرے پاس آنا چاہے بعد میں شام چلے جانا اور اگر وہ لیت و لعل سے کام لے تو واپس چلے آنا۔

جب جریر نے معاویہ کو حضرت کا حکم سنایا تو اس نے اہلِ شام سے مشورے کرنے شروع کر دیئے، یہ حالات دیکھ کر جریر واپس لوٹ آیا اور معاویہ نے حضرت کے خط کے نیچے یہ لکھ دیا: ''تجھے حاکم بنایا ہی کس نے ہے کہ تو مجھے معزول کر دے۔ والسلام''

نصر کہتے ہیں: جب جریر حضرت علیؑ کے پاس واپس آ گئے تو لوگوں نے اس پہ معاویہ سے ساز باز کرنے کی تہمتیں لگائیں۔ حضرت علیؑ کے پاس مالک اشتر اور جریر دونوں اکٹھے ہوئے تو مالکِ اشتر نے عرض کی: امیر المومنین! اگر اس کے بجائے مجھے آپ نے معاویہ کے پاس بھیجا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، اس کی حالت یہ ہے کہ اس نے وہاں بہت سے دن لگا دیئے اور جس دروازے کے کھلنے کی امید تھی یہ کھول کر آیا اور جس دروازہ کا معاملہ خطرناک تھا یہ اسے بند کر آیا۔

جریر نے کہا: اگر میری جگہ تم جاتے تو شامی تجھے قتل کر دیتے کیونکہ عمرو، ذی الکلاع اور حوشب سب کا یہ خیال ہے کہ تم قاتلین

عثمانؓ میں سے ہو۔

مالکِ اشتر نے کہا: خدا کی قسم اگر میں وہاں گیا ہوتا تو میں ان کو جواب دینے کی قدرت بھی رکھتا تھا۔اور میں معاویہ کو کسی ایسی منزل پر لے آتا جہاں اسے ان باتوں کے سوچنے کی فرصت ہی نہ ملتی۔

جریر نے کہا: تو پھر اب تم چلے جاؤ۔

مالک اشتر نے کہا: اب میں جا کر کیا کروں گا۔اب تو تو نے سارا کھیل ہی بگاڑ دیا ہے اور ہمارے درمیان جنگ شروع ہونے والی ہے۔

نصر اور شعبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس جریر اور مالک اشتر دونوں اکٹھے ہوئے۔اشتر نے کہا: امیر المؤمنین! میں نے آپ کو پہلے ہی روکا تھا کہ جریر کو مت بھیجیں اور میں نے اس کی عداوت اس کے دھوکے کے متعلق آپ کو خبر دی تھی۔اشتر نے جریر کو برا بھلا کہا۔

بعد ازاں جریر سے کہا: بنی بجیلہ کے فرد! مجھے علم ہے عثمان نے ہمدان میں تیرا دین تجھ سے خرید لیا تھا۔خدا کی قسم تو اس لائق نہیں ہے کہ تو زمین پر زندہ رہے اور زمین کی پشت پر چلتا رہے۔تو اس لئے شام گیا تھا کہ انہیں اپنے زیر احسان بنانا چاہتا تھا۔اور پھر تو وہاں سے آیا تو ہمیں ان کی دھمکیوں سے مرعوب کرنے لگا۔خدا کی قسم تو ان میں سے ہے اور تیری تمام تر کوشش بھی انہی کے مفاد کے لئے ہے۔اگر امیر المؤمنین عرض مان لیں تو تجھے اور تجھ جیسے دوسرے افراد کو اس وقت تک زندان بھیج دیں جب تک ہمارے حق میں فیصلہ نہ ہو جائے اور جب تک ظالمین کی مکمل تباہی نہ ہو جائے۔

جریر نے کہا: کاش کہ میری جگہ تو وہاں گیا ہوتا اور پھر تو کبھی واپس نہ آتا۔

جریر یہ باتیں سن کر آزردہ خاطر ہوا۔اور حضرت کو چھوڑ کر ''قرقیسا'' چلا گیا اور اس کی قوم کے بہت سے افراد اس سے وہاں جا ملے۔اور اس کے قبیلہ کے صرف سترہ افراد جنگ صفین میں ہم رکاب تھے۔جب کہ قبیلہ احمس کے سات سو افراد حضرت کے ساتھ تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جریر اور اس کے ساتھیوں کے گھر گرا دیئے تھے۔

حضرت عثمان کے تصرفات

حضرتؑ نے اپنے خطبہ مین تذکرہ کیا کہ ایک شخص امت کا سربراہ بنا پھر اس نے بدعتیں ایجاد کیں اور لوگوں کو زبان طعن کھولنے کا موقع فراہم کیا۔تو اس باب میں ہم ان کی وہ غلطیاں پیش کرنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں نے انہیں ہدف تنقید بنایا۔

حضرت عثمانؓ کے مخالفین نے ویسے تو ان کے بہت سے امور پر تنقید کی ہے اور ہم مضمون کی طوالت سے بچنے کیلئے ان میں سے صرف بیس امور کا تذکرہ کریں گے اور امید رکھتے ہیں کہ اہل انصاف اس سے کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

۱۔نا اہل افراد کو کلیدی مناصب دینا۔

جس شخص نے بھی حضرت عثمانؓ کی تاریخ کو پڑھا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ انہوں نے اپنے نا اہل رشتہ داروں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔جن کی نظر میں اسلام اور مسلمین کے کسی مفاد کی کوئی اہمیت نہ تھی۔اور حضرت عمرؓ کو بھی اسی چیز کا خطرہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے شوریٰ کی تشکیل کے وقت بھی ان سے کہا تھا: اگر حکومت تمہیں مل جائے تو ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سواری نہ کرنا مگر حضرت عمر کو جس چیز کا اندیشہ تھا۔وہی اندیشہ سچا ثابت ہوا اور ایک حقیقت اور واقعیّت بن کر سامنے آیا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے رشتہ کے بھائی ولید بن عقبہ کو کوفہ کا عامل مقرر کیا جس نے شراب پی کر لوگوں کو صبح کی دو کی بجائے چار رکعات نماز پڑھائی اور لوگوں سے کہا اگر یہ کم ہو تو کچھ اور نہ بڑھا دوں؟

اور واضح رہے کہ یہ ولید وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ الحجرات میں لفظ ''فاسق'' سے یاد کیا ہے۔اسی طرح سے انہوں نے اپنے ایک اور قریب ترین رشتہ دار سعید بن العاص کو عامل مقرر کیا اور اس کی مسلسل خباثتوں کی وجہ سے اہل کوفہ نے اسے نکال دیا تھا۔

علاوہ ازیں انہوں نے عبداللہ بن عامر بن کریز جیسے بد بخت کو عامل مقرر کیا اور عبداللہ بن ابی سرح جیسے مرتد شخص کو کہ جسے رسول خدا (ص) نے واجب القتل قرار دیا تھا، مصر کا گورنر مقرر کیا۔

اہل مصر اس کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مدینہ آئے اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا جسے چار و ناچار حضرت عثمان نے تسلیم کر لیا اور محمد بن ابی بکر کو حاکم مقرر کر کے تقرر نامہ لکھ کر دیا۔مگر ابھی محمد اور اس کے ساتھی مصر نہ پہنچنے پائے تھے کہ ایک حبشی غلام کو دیکھا جو اپنی اونٹنی کو تیزی سے بھگائے ہوئے جا رہا تھا۔جب غلام کی تلاشی لی گئی تو پانی کی مشک سے شاہی خط برآمد ہوا کہ تم اپنے عہدہ پر بدستور کام کرتے رہو اور اپنے خلاف شورش کرنے والوں کو قتل کر دو۔بعض کو جلاوطن کر دو اور بعض کو زندان میں ڈال دو اہل مصر یہ خط پڑھ کر واپس آ گئے اور اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا۔

۲۔طرید رسولؐ کی واپسی

حکم بن ابی العاص حضرت عثمان کا چچا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دشمن تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا اس کی خباثتوں کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا جلاوطنی کے بعد وہ اپنے بیٹے مروان کے ساتھ طائف میں رہائش پذیر ہو گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر و عمر نے بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی۔جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنے چچا کو واپس مدینہ بلا لیا اور بیت المال سے اسے لاکھوں دینار عطا کئے۔

۳۔ بنی امیہ پر نوازشات

مسلمانوں کے بیت المال سے انہوں نے بنی امیہ پر نوازشات کی بارش کردی حتیٰ کہ مسلمانون کا خزانہ خالی ہوگیا اور بنی امیہ راتوں رات کروڑوں میں کھیلنے لگے۔

اگر آپ نے نوازشات کی تفصیل پڑھنی ہو تو خطبہ شقشقیہ کے الفاظ ''یَخْضِمُوْنَ مَالَ اللّٰہِ خَضْمُ الْاِبِلِ نَبْتَةَ الرَّبِیْعِ'' کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ چراگاہوں پر قبضہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی اور چراگاہوں کو تمام مسلمانوں کیلئے آزاد کیا ہوا تھا مگر حضرت عثمان نے اس کیلئے بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اور تمام بڑی بڑی چراگاہیں اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے اونٹوں کیلئے مخصوص کردیں جہاں بنی امیہ کے علاوہ کسی اور مسلمان کو مویشی چرانے کی اجازت نہ تھی۔

۵۔ افواج کو زکوٰۃ میں شریک کرنا۔

جب خلیفہ کی نوازشات کی وجہ سے خزانہ خالی ہوا اور فوج کیلئے کوئی رقم باقی نہ رہی تو انہوں نے زکوٰۃ میں سے فوج کو تنخواہیں دینے کا حکم صادر کردیا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ قرآن مجید میں بیان کردیئے ہیں جن میں کسی طرح سے بھی فوج کی گنجائش نہیں ہے۔

۶۔ صحابہؓ کبار پر تشدد

حضرت عثمان بنی امیہ کیلئے جتنے رحیم وکریم تھے دیگر صحابہ کیلئے اتنے ہی جابر وقاہر تھے۔

انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اتنا پیٹا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

ابن مسعود ایک جلیل القدر صحابی تھے ان کا جرم صرف یہی تھا کہ وہ کوفہ کے بیت المال کے خازن تھے اور انہوں نے حضرت عثمان کے حکم پر بنی امیہ کیلئے بیت المال کے دروازے کھولنے میں کوتاہی کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اگر یہ مال مسلمانوں کا ہے تو میں بنی امیہ کو اس میں سے ایک پائی بھی نہیں دوں گا اور اگر یہ مال حضرت عثمان کا ذاتی مال ہے تو پھر میں ایسے مال کا خازن نہیں بن سکتا۔

غرضیکہ اسی لوٹ کھسوٹ میں شریک جرم نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان نے انہیں ان کے عہدے سے معزول کردیا اور انہیں مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور جب وہ مدینہ آئے اور حضرت عثمان کو ان کے آنے کا علم ہوا تو انہوں نے کہا: ''کل رات ایک نجس کیڑا تمہارے شہر میں آیا ہے۔

ابن مسعودؓ نے جب اپنی یہ کھلم کھلا یہ توہین سنی تو اٹھ کر کہا: ''غلط کہتے ہو۔ میں بدر، احد، بیعت رضوان، جنگ خندق اور جنگ حنین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی رہ چکا ہوں''

جب حضرت عائشہؓ نے ابن مسعودؓ کے بارے میں توہین آمیز جملے سنے تو اپنے حجرے کے دروازے پر آئیں اور کہا: ''پیغمبر خدا کے ایک ساتھی کو ایسا کہتے ہو؟''

حضرت عثمان نے کہا: ''آپ چپ رہیں''۔ پھر حضرت عثمان نے عبداللہ بن زمعہ بن اسود کو حکم دیا کہ ''ابن مسعود کو ذلیل کر کے مسجد سے باہر نکال دو'' حکم ملتے ہی اس نے ابن مسعودؓ کو اٹھایا اور دروازہ مسجد پر اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں، انہوں نے چیخ مار کر کہا: ابن زمعہ کافر نے مجھے عثمان کے حکم سے پیٹا ہے۔

۷۔ قرآنی نسخوں کو نذر آتش کرنا

حضرت عثمان نے لوگوں کو زید بن ثابت کی قرأت پر جمع کیا، جبکہ اس وقت امت اسلامیہ میں زید سے بڑے قاری بھی موجود تھے، انہیں درخور اعتناء نہ سمجھا گیا اور پھر قرآن کا ایک نسخہ ترتیب دینے کے بعد باقی تمام نسخوں کو نذر آتش کر دیا گیا جو کہ قرآن مجید کی صریحاً بے ادبی ہے۔

۸۔ عمار بن یاسر کو تختۂ ستم بنانا

حضرت عثمان نے رسول مقبولؐ کے جاں نثار صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ کو اتنا مارا کہ فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل ایک روایت کے مطابق کچھ اس طرح ہے:

مدینہ کے بیت المال میں بہت سے قیمتی زیورات تھے، حضرت عثمان نے وہ قیمتی زیورات بیت المال سے نکال کر اپنے خاندان میں تقسیم کر دیئے، جب صحابہ نے بیت المال کو یوں بے دردی سے لٹتے دیکھا تو انہوں نے اس کی مذمت کی۔

حضرت عثمان نے مسجد میں اعلان کیا: لوگو! ہم اس بیت المال سے اپنی حاجات یونہی پوری کرتے رہیں گے، اگر یہ دیکھ کر کسی کی ناک رگڑتی ہے تو رگڑتی رہے، ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عثمان! اس سے تمہیں ہر قیمت پر روک دیا جائے گا۔

حضرت عمار نے فرمایا: لوگو! گواہ رہنا بیت المال کی لوٹ کھسوٹ پر سب سے پہلے میری ناک رگڑتی ہے۔

حضرت عثمان نے کہا: یاسر و سمیہ کا بیٹا! تیری یہ جرأت کہ تو میرے سامنے بات کرے؟

پھر عثمان نے کہا: اسے پکڑ کر میرے مکان پر لے چلو، چنانچہ حکمِ شاہی کی تعمیل ہوئی، حضرت عثمان نے انہیں اس قدر ٹھڈے مارے کہ عمار بیہوش ہو گئے، انہیں بے ہوشی کی حالت میں لوگ اٹھا کر حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں لے آئے، جہاں بے ہوشی کی حالت میں ان سے چار نمازیں قضا ہو گئیں۔

جب انہیں ہوش آیا تو وضو کیا اور اپنی نمازیں ادا کیں اور کہا: الحمدللہ، اللہ کی راہ میں تکلیفیں اٹھانے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔

ہشام بن ولید بن مغیرہ مخزومی حضرت عمارؓ پر ظلم کی وجہ سے چلا اٹھا اور اس نے حضرت عثمان سے بھرپور احتجاج کیا۔

عمار پر ظلم وتشدد کی وجہ سے ام المومنین حضرت ام سلمہؑ اور حضرت عائشہؓ، عثمانؓ پر سخت ناراض ہوئیں اور حضرت عائشہ نے رسول خدا کا جوتا اور حضور اکرمؐ کے کچھ بال نکال کر لوگوں کو دکھائے اور کہا: لوگو! ابھی تو رسول خدا کا جوتا نہیں پھٹا اور آپ کے کپڑے بھی میلے نہیں ہوئے، تم نے اتنی جلدی سے ان کی سنت کو ترک کر دیا ہے۔

ایک اور روایت میں اس تشدد کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ حضرت عثمان نے ایک نئی قبر دیکھی، پوچھا: یہ کس کی قبر ہے؟

لوگوں نے بتایا یہ عبداللہ بن مسعود کی قبر ہے۔

اسی لیے حضرت عثمان حضرت عمار پر ناراض ہوئے، کیونکہ عبداللہ بن مسعود کی تجہیز وتکفین عمار یاسر کے ہاتھوں سرانجام پائی تھی اور انہوں نے خلافت مآب کو جنازہ کی اطلاع نہیں بھجوائی تھی۔

حضرت عثمان نے کہا کہ عمار یاسر کو پکڑ کر میرے محل میں لایا جائے، جب حضرت عمار آئے تو حضرت عثمان نے انہیں اتنی ٹھوکریں ماریں کہ انہیں فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔

بعض مورخین اس ظلم کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ کے چند بزرگ صحابی ایک جگہ بیٹھے اور آپس میں کہا کہ عثمان نے بہت سی بدعات ایجاد کی ہیں اگر وہ ان سے باز نہ آیا تو ہم اس کی مزاحمت کریں گے، پھر انہوں نے ایک خط تیار کیا جس میں ان کی تمام غلطیاں گنوائی گئیں، جب خط تیار ہو گیا تو صحابہ نے کہا: کہ اب ہمارا خط کون ان تک پہنچائے گا؟

عمار نے کہا: میں! چنانچہ عمار نے خط لیا اور عثمان کو جا کر دیا۔

حضرت عثمان نے خط پڑھا اور عمار سے کہا: تیری یہ جرأت کہ تو ہم پر جسارت کرے؟

عمار نے کہا: میں یہ خط اس لیے لایا ہوں کہ میں آپ کا زیادہ خیر خواہ ہوں۔

حضرت عثمان نے کہا: ''سمیہ کے بیٹے! تم جھوٹے ہو!''

حضرت عمار نے کہا: خدا کی قسم میں سمیہ اور اور یاسر کا بیٹا ہوں۔

پھر حضرت عثمان نے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ انہیں زمین پر لٹائیں اور ان کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔

غلاموں نے حضرت عمار کو لٹایا اور ان کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے پکڑے، حضرت عثمان نے خود اٹھ کر انہیں ٹھڈے مارنا شروع کر دیئے، اس وقت عثمان نے موزے پہنے ہوئے تھے، ٹھوکریں حضرت عمار کے مردانہ اعضاء پر لگیں جس سے انہیں ''فتق'' کا عارضہ لاحق ہو گیا۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک عمار پر وحشیانہ تشدد کی وجہ یہ تھی کہ عمار ہمیشہ محبت علیؑ کا پرچار کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان کی خلافت کو صحیح نہ سمجھتے تھے، امیر المومنینؑ کی عداوت سے مجبور ہو کر حضرت عثمان نے انہیں ٹھوکریں ماریں کہ ان کی کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ''فتق'' کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا۔

۹۔حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی

حضرت ابوذر غفاری حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص صحابہ میں سے ایک تھے اور ان کے حق میں رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا:

''مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ عَلٰی اَصْدَقَ مِنْ ذِی لَهْجَةٍ مِّنْ اَبِیْ ذَر'' آسمان نے آج تک کسی پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے اپنی پشت پر آج تک کسی شخص کو نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

اس عظیم صحابی کی حضرت عثمان نے جو حالت بنائی وہ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔

حضرت عثمان نے انہیں مدینہ سے ربذہ جلاوطن کیا، اور وہ غریب الوطنی کے عالم میں صحرائے ربذہ میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر وفات پا گئے آئندہ مناسب مقام پر ہم اس کی تفصیل بیان کریں گیا۔

۱۰۔عبیداللہ بن عمر پر حد شرعی کا جاری نہ کرنا۔

جس دن ابولؤلؤ نے حضرت عمر کو زخمی کیا تھا تو حضرت عمر کے بیٹے عبیداللہ نے مدینہ میں ایک ایرانی سردار ہرمزان کو قتل کر دیا تھا، جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو حضرت علیؑ نے ان سے عبیداللہ پر حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ کیا تھا، مگر حضرت عثمان نے کوئی حد شرعی جاری نہ کی اور جب امیر المومنین علیہ السلام خلیفہ منتخب ہوئے تو عبیداللہ قصاص کے خوف سے مدینہ چھوڑ کر معاویہ کے پاس شام چلا گیا۔

۱۱۔منیٰ میں پوری نماز

حضرت عثمان نے منیٰ میں پوری نماز پڑھی اور یہ سیرت طیبہ کی سراسر خلاف ورزی تھی، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں ہمیں چار رکعات نماز پڑھائی اور عبداللہ بن مسعود نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: میں نے رسول کریمؐ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور ابوبکر و عمر کے ساتھ بھی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں۔

۱۲۔فیصلۂ پیغمبرؐ سے روگردانی

کشف الحق میں سدی سے منقول ہے:

جب اللہ نے اپنے حبیب کو بنی نضیر پر فتح دی تو ان کی زمینوں اور اموال پر اپنے نبی کو تصرف عطا فرمایا تو حضرت عثمان نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم رسول خداؐ کے پاس جاؤ اور ان سے فلاں فلاں زمین کا مطالبہ کرو، اگر نبی کریمؐ تمہیں مذکورہ زمیں دے دیں تو میں اس میں آپ کا شریک قرار پاؤں گا اور میں بھی حضورؐ کی خدمت میں جاؤں گا، اگر انہوں نے مجھے زمین عطا کی تو میں تمہیں اپنا شریک بناؤں گا۔

یہ کہہ کر عثمان حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ایک قطعہ زمین کی درخواست کی، حضور کریمؐ نے انہیں مذکورہ

زمین دے دی، حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے کہا کہ اس زمین میں میں بھی تمہارا شریک ہوں، حضرت عثمان نے کہا: نہیں یہ زمین صرف میری ذاتی ملکیت ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا پھر آؤ رسول خداؐ کے پاس جا کر فیصلہ کراتے ہیں۔ حضرت عثمان نے رسول کریمؐ کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور جب ان سے پوچھا گیا تم حضور کریمؐ کے پاس فیصلے کے لیے کیوں نہیں جاتے تو انہوں نے کہا: علیؑ ان کے ابن عم ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ دیں گے۔

چنانچہ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

''وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ،وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ،اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ''(نور۴۸، ۵۰،۴۹)

اور جب وہ لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف بلائے جاتے ہیں تا کہ رسولؐ ان کے آپس کے جھگڑے کا فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور (اصل یہ ہے کہ) اگر حق ان کی طرف ہوتا تو گردن جھکائے رسولؐ کے پاس دوڑے چلے آتے، کیا ان کے دل میں مرض ہے یا شک میں پڑے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ خدا اور اس کا رسولؐ ان پر ظلم کرے گا، بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

۱۳۔ قرآن میں غلطیوں کے قائل تھے

بحار الانوار میں بحوالہ کشف الحق اور اس میں تفسیر ثعلبی کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن کی آیت ''وَاِن ھٰذَانِ لَسَاحِرَانِ'' کے متعلق کہا تھا کہ اعرابی غلطی ہے، کسی نے کہا: پھر اسے درست کر دیں۔

حضرت عثمان نے کہا: نہیں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس اعرابی غلطی سے حلال حرام نہیں ہوگا اور حرام حلال نہیں بنے گا۔

رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ خطبوں کو نماز پر مقدم کرنا

اسلامی کتب کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کے دور حکومت میں نماز عیدین پہلے پڑھی جاتی تھی اور اس کے بعد دو خطبے پڑھے جاتے تھے، لیکن حضرت عثمان نے اس ترتیبِ نبوی کو الٹ کر دیا، انہوں نے خطبے نماز سے پہلے پڑھے اور نماز بعد میں پڑھی اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ نماز کے بعد لوگ خطبہ کے لیے نہیں بیٹھتے۔

۱۵۔ جمعہ کی نئی اذان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کے لیے ایک ہی اذان ہوتی تھی لیکن حضرت عثمان نے ایک اذان پہلے مقرر کرائی جو کہ بدعتِ محرمہ ہے۔

۱۶۔خطبہ کی قدرت نہ رکھنا

جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو نماز جمعہ کے خطبے میں صرف یہی الفاظ کہہ کر خطبہ تمام کر دیا:

لوگو! ابوبکر و عمر تیاری کر کے آتے تھے اور میں خطیب نہیں ہوں اور تمہیں باتیں کرنے والے خلیفہ کی بہ نسبت عمل کرنے والے خلیفہ کی زیادہ ضرورت ہے۔

ان کے خطبہ نہ دینے پر اعتراض نہیں ہے، اصل اعتراض یہ ہے کہ نمازِ جمعہ سے قبل خطیب کو دو خطبے پڑھنے لازمی ہیں اور یوں انہوں نے خطبہ سے احتراز کر کے ایک فریضہ کو ترک کیا۔

۱۷۔احکام سے لاعلمی

ایک شخص کی شادی ہوئی اور اس کی بیوی نے چھ ماہ کے بعد بچہ جنا، وہ شخص اپنی بیوی کو لے کر حضرت عثمان کے دربار میں حاضر ہوا، انہوں نے اس عورت پر زنا کی حد شرعی نافذ کی جس کی وجہ سے وہ مر گئی۔

جب حضرت علی علیہ السلام کو اس ماجرا کا علم ہوا انہوں نے کہا کہ تم نے سخت غلطی کی ہے، بچہ ماں کے شکم میں چھ ماہ رہ کر بھی پیدا ہوسکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَ حَمْلُهٗ وَ فِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا'' اس کی مدت حمل اور دودھ پلانے کا عرصہ تیس ماہ ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے دو سال تک بچوں کو دودھ پلانے کا حکم دیا ہے اور دو سال کے چوبیس مہینے ہوتے ہیں اور جب تیس میں سے چوبیس کی نفی کی جائے باقی چھ ماہ رہتے ہیں۔

۱۸۔حدیث سے لاپرواہی

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ معاویہ اور بنی امیہ نے حضرت عثمان کے فضائل تیار کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر اس کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد ایک سو چھیالیس سے تجاوز نہیں کر پائی۔

جبکہ اکیلے ابوہریرہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں اور اس کے برعکس حضرت عثمان کی بیان کردہ روایات انتہائی قلیل ہیں اور اس قلتِ روایات کا ان دو میں سے ایک نہ ایک سبب ضرور ہے۔

۱۔یا تو آپ کا حافظہ کمزور تھا ۲۔یا آپ جان بوجھ کر حدیث یاد کرنے کی طرف توجہ ہی نہ کرتے تھے اور حدیث کو کوئی اہمیت دینے پر آمادہ نہ تھے۔

۱۹۔اہلِ مدینہ کا اجماع

امام مالک کی فقہ کا ایک خوبصورت اصول یہ ہے کہ وہ اہلِ مدینہ کے عمل کو حجت جانتے ہیں۔

اگر اہلِ مدینہ کا عمل اسلام میں حجت کا درجہ رکھتا ہے تو پھر یہ بتایا جائے کہ جب باغیوں نے پورے چالیس دن تک حضرت عثمان

کے گھر کا محاصرہ کیے رکھا تو مدینہ طیبہ صحابہ سے بھرا پڑا تھا اور کسی صحابی نے ان کے دفاع میں دو الفاظ تک ادا نہیں کیے تھے اور کسی نے ان کے مخالفین کو وہاں سے چلے جانے کو نہیں کہا تھا۔ صحابہ کرام اور بالخصوص اہلِ مدینہ نے اپنے مجموعی طرزِ عمل سے آپ سے نفرت کا اظہار کیا تھا، تو کیا سوادِ اعظم اہلِ مدینہ کے اجماع کو حجت تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟

شارح معتزلی کی نرالی منطق

درج بالا تصرفات میں سے اکثر کا تذکرہ علامہ معتزلی نے اپنی شرح میں کیا ہے اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہم یہ ماننے پر تیار ہیں کہ حضرت عثمان سے چند امور میں تسامح ضرور واقع ہوا، لیکن با ایں ہمہ انہیں آپ کی معمولی اجتہادی غلطیاں ہی قرار دیا جائے گا اور اس سے آپ کی عدالت شرعیہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور اس کے لیے انہوں نے صحیح بخاری کی ایک روایت درج کی ہے:

ایک مصری نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا:

میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں آپ ان کا جواب دیں:

۱۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمان جنگ احد میں نہیں ٹھہر پائے تھے؟

عبداللہ بن عمر نے کہا: جی ہاں

۲۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان بدر میں شریک نہ تھے؟

کہا: جی ہاں

۳۔ عثمان بیعت رضوان میں بھی نہیں تھے؟

کہا: جی ہاں

اس شخص نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، ابن عمر نے کہا: اب اصل حقیقت بھی تو سنتا جا:

جنگ احد میں وہ بھاگے تھے لیکن اللہ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔

جنگِ بدر میں وہ اس لیے شریک نہ ہو سکے تھے کہ ان کی بیوی رقیہ بیمار تھیں اور رسول خدا نے انہیں اپنی بیوی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہرایا تھا اور فرمایا تھا کہ تم اپنی بیوی کی تیمارداری کرتے رہو، اللہ تمہیں اصحابِ بدر کا سا ثواب عطا فرمائے گا۔

بیعت رضوان میں وہ اس لیے شامل نہ تھے کہ رسول خدا نے انہیں سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا اور جب بیعتِ رضوان ہوئی تو حضور اکرمؐ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر پھیر کر کہا یہ عثمان کی بیعت ہے۔

پھر ابن عمر نے مصری سے کہا: اب جانا چاہو تو چلے جاؤ۔

ہمیں شارح معتزلی اور ابن عمر کے جواب سے اتفاق نہیں ہے، کیونکہ ابن عمرو ہی شخص ہے جس نے نفسِ رسولؐ، زوجِ بتولؑ امیر المومنینؑ کی بیعت نہیں کی تھی اور بعد میں اس نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور واقعہ کربلا کے بعد بھی یہی ابن عمر تھا جو اس کی بیعت کو خدا اور

رسول کی بیعت قرار دیتا تھا اور اس شخص نے حجاج جیسے لعین کی بھی بیعت کی تھی اور جس شخص کی نظر میں یزید جیسا بد بخت انسان خدا اور رسول کا صحیح نمائندہ متصور ہوتا ہو، وہ شخص ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ اس کی بات کو حق سمجھ کر تسلیم کیا جائے۔

شارح معتزلی حضرت عثمان کی وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چاہے حضرت عثمان نے کچھ بھی عمل کیے ہوں لیکن بہر حال وہ ہیں جنتی، کیونکہ وہ عشرہ مبشرہ کے ایک فرد ہیں۔

عشرہ مبشرہ پر ایک نظر

مکتبِ خلفاء کے ماننے والوں نے دس افراد کے جنتی ہونے کی ایک حدیث وضع کی ہوئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس افراد کو جنت کی بشارت دی تھی اور ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ابوبکر ۲۔عمر ۳۔عثمان ۴۔علیؑ ۵۔طلحہ ۶۔زبیر ۷۔عبدالرحمٰن بن عوف ۸۔سعد بن ابی وقاص ۹۔ابوعبیدہ بن الجراح ۱۰۔سعید بن عمرو ابن نفیل

پہلے تو جنت کو صرف دس افراد کے لیے مخصوص کرنا، جنت کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔

ثانیاً: رسالت مآبؐ کی متفق علیہ حدیث ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں، فاطمہؑ زنان جنت کی سردار ہیں۔

اور عشرہ مبشرہ میں ان ذواتِ طاہرہ کا کہیں نام تک موجود نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ عشرہ مبشرہ کی روایت نہ تو جامع ہے اور نہ ہی مانع، یہ بعض افراد کی وضع کردہ روایت ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس کی تردید کی ہے۔

طبرسی نے احتجاج میں کتاب سلیم بن قیس کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

جنگِ جمل کے لیے جب صفیں تیار ہو گئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے طلحہ و زبیر کے نام آواز دی اور انہیں بلایا، دونوں اپنے لشکر سے نکل کر حضرت کے سامنے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

''خدا کی قسم تم دونوں جانتے ہو اور خاندان محمدؐ کے اہلِ علم بھی جانتے ہیں اور عائشہ بنت ابوبکر بھی جانتی ہیں کہ زبانِ محمدؐ سے اصحابِ جمل کو ملعون کہا گیا ہے اور وہ شخص ناکام رہا جس نے افترا کیا''

زبیر نے کہا: ہم تو اہلِ جنت ہیں بھلا ہم کیسے ملعون بن سکتے ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر میں تمہیں اہلِ جنت سمجھتا تو کبھی بھی تم سے جنگ کرنے کو جائز قرار نہ دیتا۔

زبیر نے کہا: تو کیا آپ نے سعید بن عمرو بن نفیل کی وہ روایت نہیں سنی جو اس نے رسول خداؐ کی زبانی بیان کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''قریش کے دس افراد جنت میں جائیں گے''

حضرت علیؑ نے فرمایا: جی ہاں ایک دن وہ عثمان کو یہ روایت سنا رہا تھا تو میں نے اس سے مذکورہ روایت سن لی تھی۔

زبیر نے کہا: آیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ رسول خداؐ پر جھوٹ باندھا گیا ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: پہلے تم ان افراد کے نام بیان کرو، اس کے بعد ہی میں تمہیں کچھ بتاؤں گا۔

زبیر نے کہا: ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، سعید بن عمرو ابن نفیل

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ تو نو افراد ہوئے، دسویں فرد کا نام بتاؤ۔

زبیر نے کہا: وہ آپؑ ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو تم نے اپنی زبان سے میرے جنتی ہونے کا اقرار کرلیا! لیکن میں تمہیں اور تمہارے دوستوں کو جنتی تسلیم نہیں کرتا۔

زبیر نے کہا: تو کیا آپ اسے رسول خداؐ پر افترا سمجھتے ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں اس روایت کے متعلق افترا کا گمان نہیں بلکہ یقین رکھتا ہوں، جن لوگوں کے تم نے نام لیے ہیں ان میں کچھ ایسے بھی ہیں.....۔

میں نے یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اگر جھوٹ بولوں تو اللہ تجھے مجھ پر کامیابی دے اور تیرے ہاتھ سے میرا خون بہادے اور اگر میں سچا ہوں اور تو جھوٹا ہے تو اللہ مجھے تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر مدد عطا فرمائے اور تمہاری روحوں کو جلدی سے دوزخ روانہ کرے، یہ سن کر زبیر روتا ہوا اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔

اس حدیث عشرہ مبشرہ کے متعلق مزید عرض یہ ہے کہ یہ روایت صحاح میں جہاں کہیں بھی وارد ہے یہ عبدالرحمٰن اور سعید بن زبیر سے ہی مروی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان افراد نے اپنے قد کو بڑھانے کے لیے یہ روایت وضع کی تھی، ان کے علاوہ کسی سے یہ روایت مذکور نہیں ہے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اس بارے میں الشافی میں بہت کچھ لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ ایک خطا کار انسان کو جس سے نیکی و بدی کا صدور ممکن ہو، جنت کی بشارت پہلے نازل کردے کیونکہ اس سے وہ برائی کرنے پر جرأت حاصل کرے گا، اس لیے کہ وہ سن چکا ہوگا کہ میرا ٹھکانہ جنت ہے، اسی لیے وہ جو بھی برا کام کرنا چاہے تو اسے ہر غلط کام کی چھٹی مل جائے گی۔

ان دس افراد میں اکثریت غیر معصوم افراد کی ہے اور ان سے بہت سے گناہانِ کبیرہ صادر ہوئے ہیں مگر یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کے پیروکار اور مداح یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے توبہ کرلی تھی۔ اور اس عشرہ مبشرہ کی روایت کے وضعی ہونے کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اگر یہ روایت سچی ہوتی تو حضرت ابوبکر اسے انصار کے سامنے سقیفہ بنی ساعدہ میں ضرور پیش کرتے۔

حضرت عمر کا جب آخری وقت آیا تو صحیح بخاری کے الفاظ میں ان پر جزع فزع طاری ہوئی اور کہا: اگر آج تمام روئے زمین میرے قبضہ میں ہوتی تو سب صدقہ کرکے خدا کے حساب سے بچ جاتا اور میری خواہش ہے کہ اگر اللہ مجھے انعام نہ دے تو مجھے دوزخ سے بچا لے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اگر عشرہ مبشرہ کی روایت صحیح تھی تو حضرت عمر پر گھبراہٹ کیوں طاری ہوگئی تھی، جبکہ انہیں تو اپنے جنتی ہونے کا

یقین تھا۔

اگر یہ روایت درست اور سچی ہوتی تو حضرت عثمان اپنے مخالفوں کو یہ حدیث سنا کران کا محاصرہ ختم کرا دیتے۔

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس حدیث کو خلفائے ثلاثہ میں سے کسی نے بھی کسی مقام پر پیش نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی دیگر وضعی روایات میں سے ایک ہے۔

امامتِ علیؑ کی واضح حدیث

شارح معتزلی نے اس مقام کی شرح کرتے ہوئے ابراہیم بن دیزیل کی ایک روایت درج کی ہے، جس کا سلسلہ سند یہ ہے:

ابراہیم نے زکریا بن یحییٰ سے، اس نے علی بن قاسم سے، اس نے سعید بن طارق سے، اس نے عثمان بن القاسم سے، اس نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلا اَدُلُّکُمْ عَلیٰ مَا تَسَالَمْتُمْ عَلَیْہِ لَمْ تَھْلِکُوْا، اِنَّ وَلِیَّکُمُ اللّٰہُ وَ اِمَامَکُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَنَاصِحُوْہُ وَ صَدِّقُوْہُ فَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَخْبَرَنِیْ بِذَالِکَ'' کیا تمہیں ایسے امر کی رہنمائی نہ کروں اگر تم نے اس پر اتفاق واتحاد کرلیا تو تم کبھی بھی ہلاک نہ ہوگے، اللہ تمہارا ولی ہے اور علی بن ابی طالبؑ تمہارے امام ہیں، اس کی خیر خواہی کرنا اور اس کی تصدیق کرنا، مجھے جبریلؑ نے اس کی خبر دی ہے۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد شارح معتزلی نے خود اپنے مذہب پر ایک اعتراض کیا ہے اور بزعمِ خود اس کا جواب بھی دیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں: اگر آپ اس حدیث کو پڑھ کر کہیں کہ یہ حدیث امامت علیؑ پر نصِ صریح ہے تو اس سلسلہ میں معتزلہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

تو اس کے لیے میں کہتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو فتاویٰ اور احکامِ شرعیہ کا امام بنایا ہے، اس حدیث کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے، علاوہ ازیں ہم نے اپنے بغدادی شیوخ کا موقف بھی بیان کیا ہے کہ اگر علیؑ خلافت کے لیے خلفائے ثلاثہ سے جھگڑا کرتے تو ہم انہیں ہی خلیفہ سمجھتے چونکہ انہوں نے خلفائے ثلاثہ سے کوئی جھگڑا نہیں کیا اور تلوار نہیں اٹھائی اور نہ ہی لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا اس لیے خلفائے ثلاثہ کی خلافت بالکل برحق اور جائز قرار پاتی ہے، اگر حضرتؑ ان سے جنگ کرتے تو ہم ثلاثہ کو کبھی خلیفہ تسلیم نہ کرتے اور جن لوگوں سے حضرت نے جنگ کی تھی ہم انہیں گمراہ اور فاسق تسلیم کرتے ہیں۔ (انتہی قولہ)

علامہ معتزلی کی تردید

ہمیں تعجب ہے کہ علامہ معتزلی اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اپنے باطل نظریات کی وجہ سے حدیث کی تاویل بھی کرتے ہیں اور امامت علیؑ کو صرف فتاویٰ اور احکام شرعیہ تک محدود کر دیتے ہیں۔

جبکہ اصول یہ ہے کہ تاویل ہمیشہ متشابہ روایات کی ہوتی ہے، نصوص قطعیہ کی تاویل حرام ہے اور تاویل وتخصیص کی ضرورت اس

وقت ہوتی ہے جب حقیقی مفہوم معذور اور محال ہو اور فرقہ معتزلہ ہمیں یہ سمجھائے کہ اس حقیقی مفہوم کو تسلیم کرنے میں کون سی قباحت ہے اور اپنے خودساختہ نظریہ کے لیے حدیث کی تاویل وتخصیص کرنا فعلِ حرام ہے۔

حدیث میں دو امور کی وضاحت ہے پہلا امر ''وَلِیُّکُمُ اللّٰہ'' اللہ تمہارا ولی ہے، تو کیا اس حدیث میں اللہ کی جس ولایت کا تذکرہ موجود ہے، کیا وہ مطلق ولایت ہے یا محدود ومقید ولایت؟

دوسرا امر ہے (وَ عَلِیٌّ اِمَامُکُم) اور علیؑ تمہارے امام ہیں، تو جس طرح سے اللہ کی ولایت محدود ومقید نہیں ہے، اسی طرح سے علیؑ کی امامت بھی مقید ومحدود نہیں ہے۔

نصوص کے مفہوم کے لیے تبادرِ ذہن اگر صحیح شرط ہے تو پھر یہاں اس شرط کو کیوں مقید کیا جارہا ہے، جبکہ یہاں امامتِ علیؑ سے جو ذہن میں فوراً معانی آتے ہیں وہ ان کے اولی بالتصرف ہونے کا مفہوم ہے اور تبادرِ ذہنی کے مفہوم کو مختص اور مقید کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے تو ایک وسیع معنی ومفہوم کو کسی قرینہ کے بغیر محدود کیسے کیا جاسکتا ہے؟

باقی رہا شارح معتزلی کے بغدادی شیوخ کا موقف تو وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اس سے قبل خطبہ شقشقیہ کی شرح اور حضرتؑ کے سینتیسویں (۳۷) خطبہ کی شرح میں تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کر چکے ہیں اور یہ واضح کر چکے ہیں کہ حضرت نے مہاجرین وانصار کو اپنی خلافت کی دعوت دی تھی اور ان کے دروازوں پر بنتِ پیغمبرؐ حضرت سیدہؑ اور حسنین کریمین صلوات اللہ علیہم کو لے کر گئے تھے اور انہیں اپنی مدد کے لیے پکارا تھا مگر لوگوں نے آپؑ کی مدد سے پہلوتہی کی تھی، اس لیے آپ نے تلوار نہ اٹھائی اور آپؑ کا تلوار نہ اٹھانے سے حضراتِ ثلاثہ کی خلافت کسی طرح سے بھی برحق نہیں ہوسکتی اور حضرتؑ کا تلوار نہ اٹھانا آپ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔

خطبہ ۴۴

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا هَرَبَ مَصْقَلَةُ بْنُ هُبَيْرَةُ الشَّيْبَانِيُّ اِلٰى مُعَاوِيَةَ. (وَ كَانَ قَدِ ابْتَاعَ سَبْيَ بَنِيْ نَاجِيَةَ مِنْ عَامِلِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) وَ اَعْتَقَهُمْ فَلَمَّا طَالَبَهٗ بِالْمَالِ خَاسَ بِهٖ وَ هَرَبَ اِلَى الشَّامِ)

جب مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی معاویہ کے پاس بھاگ گیا، چونکہ اس نے حضرتؑ کے ایک عامل سے بنی ناجیہ کے کچھ اسیر خریدے تھے، جب امیر المومنینؑ نے اس سے قیمت کا مطالبہ کیا تو وہ بددیانتی کرتے ہوئے شام چلا گیا) جس پر آپ نے فرمایا:

قَبَّحَ اللّٰهُ مَصْقَلَةَ فَعَلَ فِعْلَ السَّادَةِ وَ فَرَّ فِرَارَ الْعَبِيْدِ فَمَا اَنْطَقَ مَادِحَهٗ حَتّٰى اَسْكَتَهٗ وَ لَا صَدَّقَ وَاصِفَهٗ حَتّٰى بَكَّتَهٗ وَ لَوْ اَقَامَ لَاَخَذْنَا مَيْسُوْرَهٗ وَ انْتَظَرْنَا بِمَالِهٖ وُفُوْرَهٗ.

خدا مصقلہ کا برا کرے، کام تو اس نے شریفوں کا سا کیا، لیکن غلاموں کی طرح بھاگ نکلا، اُس نے مدح کرنے والے کا منہ بولنے سے پہلے ہی بند کر دیا اور توصیف کرنے والے کے قول کے مطابق اپنا عمل پیش کرنے سے پہلے ہی اُسے خاموش کر دیا، اگر وہ ٹھہرا رہتا تو ہم اس سے اتنا لے لیتے، جتنا اس کے لیے ممکن ہوتا، اور بقیہ کے لیے اس کے مال کے زیادہ ہونے کا انتظار کرتے۔

تشریح لغت (مَصْقَلَةٌ) میم کی زبر کے ساتھ اور اس کا شجرہ نسب یہ ہے:

مصقلہ ہبیرہ بن شبل، بن شیری بن امرؤالقیس بن ربیعہ بن مالک بن ثعلبہ بن شیبان۔

(بنو ناجیہ) یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے جنہوں نے پہلے اپنا انتساب سامہ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی طرف کیا تھا، لیکن قریش نے ان کے اس نسب کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ان کے اپنے سے نفی کر دی تھی، پھر یہ قبیلہ اپنی ماں ناجیہ کی طرف منسوب ہوا جو سامہ بن لوی کی بیوہ تھی۔

اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سامہ بن لوی کسی بات پر اپنے بھائی کعب بن لوی سے ناراض ہو گیا تو ناقہ پر سوار ہو کر بحرین کی طرف چلا گیا اور راستے میں اس کی ناقہ نے گھاس پر منہ مارا تو ایک چھوٹا سانپ اس کے منہ سے چمٹ گیا اور پھر وہ سر کٹا ہوا آگے بڑھا اور اس نے سامہ کی پنڈلی پر ڈس لیا، جس کی وجہ سے سامہ کی موت واقع ہو گئی اور بعد ازاں اس کی بیوی جو اس کے ہمراہ تھی اس نے بحرین میں ایک شخص سے نکاح کر لیا جس سے حارث پیدا ہوا اور ابھی حارث چھوٹا تھا کہ اس کے باپ کی وفات ہو گئی۔

لڑکے کی ماں بڑی چالاک تھی وہ اپنے بچے کو لے کر مکہ آئی اور کہا کہ یہ بچہ سامہ بن لوی کا ہے اور سامہ کی وفات ہو گئی ہے، سامہ بن لوی کے بھائی کعب بن لوی نے اپنی بھاوج کے بیان پر اعتبار کر لیا اور اس بچے کو اپنا بھتیجا سمجھ کر پالنا شروع کر دیا۔

پھر چند دن بعد بحرین سے چند افراد آئے تو انہوں نے حارث کو وہاں دیکھا تو اس سے گفتگو کرنے لگے۔

کعب بن لوی نے ان سے پوچھا: تم اس بچے کو کب سے جانتے ہو؟

ان لوگوں نے بتایا کہ یہ بچہ ہمارے علاقے کے ایک شخص کا بیٹا ہے اور یہ ہمارے علاقے میں پیدا ہوا ہے، ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

یہ سن کر کعب نے حارث کی اپنے خاندان سے نفی کر دی اور اس کی ماں کو مکہ سے نکال دیا، عورت اپنے بیٹے کو لے کر واپس بحرین آ گئی اور حارث نے جوان ہو کر بحرین میں شادی کی اور اس کی نسل بڑھی، اس کی نسل کو بنی ناجیہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

(خَاسَ بِهٖ) تخیس، یخوس، ''خاس فلان بالعھد'' اس نے پیمان شکنی کی۔

(بکَّتهٗ) سرزنش کرنا، جھڑکنا، خاموش کرا دینا۔

(اَلْمَیْسُوْرُ) آسان، (اَلْوُفُوْرُ) ''وَفَرَ الْمَالُ'' کا مصدر ہے، یعنی مال کی کثرت، بعض نسخوں میں (موفورہ) وارد ہے اور موفور دولت کے پورا ہونے کو کہا جاتا ہے۔

اعرابی بحث

(قَبَّحَ اللّٰهُ مَصْقَلَةَ) دعائیہ جملہ ہے اس کا اعراب میں کوئی دخل نہیں ہے (فَعَلَ فِعْلَ السَّادَاتِ) جملہ مستانفہ بیانیہ ہے، یعنی یہ (قَبَّحَ اللّٰهُ) کی وجہ کا بیان ہے۔

تشریح

مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی نے امیر المومنینؑ کے ایک عامل معقل بن قیس ریاحی سے بنی ناجیہ کے قیدی خرید کر آزاد کر دیئے تھے اور جب اس سے رقم کا مطالبہ کیا گیا تو وہ بھاگ کر معاویہ کے پاس شام چلا گیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

(قَبَّحَ اللّٰهُ مَصْقَلَةَ) خدا مصقلہ کا برا کرے اور اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔

(فَعَلَ فِعْلَ السَّادَاتِ) اس نے کام تو شریفوں کا سا کیا، کیونکہ اس نے قیدی خرید کر آزاد کیے۔

(فَرَّ فِرَارَ الْعَبِیْدِ) لیکن غلاموں کی طرح بھاگ نکلا، کیونکہ بھاگ جانا غلاموں کی عادت ہے۔

(فَمَا اَنْطَقَ مَادِحَهٗ حَتّٰی اَسْکَتَهٗ) اس نے مدح کرنے والوں کا منہ بولنے سے پہلے ہی بند کر دیا۔

یعنی اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہتا اور رقم ادا کر دیتا تو یقیناً لائقِ ثنا بن جاتا، لیکن اس نے بھاگ کر اور معاویہ کے ہاں پناہ لے کر ان زبانوں کو خاموش کر دیا، جو اس کی مدح کرنا چاہتی تھی۔

(وَ لَا صَدَّقَ وَاصِفَهٗ حَتّٰی بَکَّتَهٗ) اور توصیف کرنے والے کے قول کے مطابق اپنا عمل پیش کرنے سے پہلے ہی سے خاموش کر دیا، اگر مصقلہ اپنی دنایت و پستی کا ثبوت نہ دیتا تو وہ لائقِ مدح ہوتا۔

اب اگر مصقلہ یہ سمجھتا کہ ہم اس سے تمام رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے میں سختی کریں گے تو یہ بھی اس کا غلط خیال ہے، ہم ایسا کبھی نہ کرتے، اُسے یکمشت ادائیگی پر کبھی مجبور نہ کرتے۔

(وَ لَوْ اَقَامَ لَاَخَذْنَا مَیْسُوْرَهٗ وَ انْتَظَرْنَا بِمَالِهٖ وُفُوْرَهٗ.)اگر وہ ٹھہرا رہتا تو ہم اس سے اتنا لے لیتے، جتنا اس کے لیے ممکن ہوتا اور بقیہ کے لیے اس کے مال کے زیادہ ہونے کا انتظار کرتے۔

خطبہ کا پس منظر

علامہ مجلسی نے بحارالانوار اور شارح معتزلی نے ابراہیم بن محمد ثقفی کی کتاب الغارات کے حوالے سے اس واقعہ کا پس منظر یوں بیان کیا ہے:

بنی ناجیہ کا ایک فرد حزیت بن راشد ناجی حضرت امیرالمومنینؑ کے ساتھ جنگ صفین میں موجود تھا، واقعہ تحکیم کے بعد اس نے مذہب خوارج اختیار کرلیا تھا اور اپنے ساتھ اس نے اپنے ساتھ چند سرپھروں کو ملالیا اور مدائن کی طرف چل پڑا، راستے میں اس نے ایک مسلمان کو قتل کردیا۔

امیرالمومنینؑ نے اس کے مقابلے کے لیے زیاد بن حفصہ کو ایک سو تیس افراد کے ساتھ روانہ کیا اور دریا کے کنارے دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تو زیاد کے لشکر میں سے دو افراد قتل ہوئے اور خوارج میں سے پانچ افراد بچ رہے، رات ہوگئی اور تاریکی کی وجہ سے جنگ بند کردی، صبح جب زیاد نے میدان جنگ کا جائزہ لیا تو خریت اپنے پانچ مقتولوں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔

زیاد اس کے تعاقب کے لیے بصرہ کی طرف چلا تو انہیں معلوم ہوا کہ خریت اہواز کی طرف نکل گیا ہے اور اس نے وہاں دو سو افراد اپنے ساتھ مزید شامل کرلیے ہیں۔

زیاد نے امیرالمومنینؑ کو خط تحریر کیا جس میں تازہ صورتحال کو پیش کیا:

حضرت کو جب زیاد کا خط موصول ہوا تو آپ نے لوگوں کو اس کا خط پڑھ کر سنایا تو معقل بن قیس ریاحی نے کھڑے ہو کر کہا:

امیرالمومنینؑ! آپ اس فتنے کو معمولی نہ سمجھیں، ان کے مقابلہ کے لیے ایک بڑا لشکر روانہ کریں تاکہ خوارج کی مکمل بیخ کنی ہوجائے۔

حضرت نے فرمایا: پھر تم خود ہی لشکر کی کمان کرو، اور حضرت نے اسے کوفہ سے دو ہزار کا لشکر ساتھ دیا اور آپ نے بصرہ کے عامل عبداللہ بن عباس کو خط لکھا کہ تم معقل کی مدد کے لیے دو ہزار فوجی کسی بہادر کی کمان میں روانہ کرو اور اس لشکر کا امیر معقل ہوگا اور زیاد بن حفصہ اور اس کے ساتھیوں کو واپس بھیج دو، ہم زیاد پر راضی ہیں، زیاد ایک اچھا انسان ہے اور اس کا قبیلہ اچھا قبیلہ ہے۔

پھر آپؑ نے زیاد بن حفصہ کو اس مضمون کا خط تحریر فرمایا:

مجھے تمہارا خط ملا، جس میں تم نے ناجی اور اس کے گمراہ ساتھیوں کی سرکشی کا ذکر کیا ہے، خدا تمہیں اور تمہارے دوستوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اللہ کی طرف سے مومن کو جو کم از کم ثواب ملے گا وہ اس دنیا سے کئی گنا بہتر ہے جس کے لیے جاہل لڑائی بھڑائی کرتے ہیں اور جو کچھ انسانوں کے پاس ہے وہ جلد ختم ہو جائے گا اور اللہ کے خزانہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ صابرین کو بہترین جزا دے گا۔

تمہارا دشمن حق کو چھوڑ چکا ہے اور گمراہی و سرکشی میں سرگردان ہو کر پھر رہا ہے، تم عنقریب دیکھ لو گے کہ وہ اور اس کی جماعت قتل کر دی جائے گی اور انہیں قید کر لیا جائے گا، تم اپنے ساتھیوں کو لے کر ہمارے پاس واپس آ جاؤ، تم نے ہماری کھلے دل سے اطاعت کی ہے اور اللہ تمہیں اس کی جزا عطا کرے گا۔ والسلام

ناجی اہواز کے مضافات میں چلا گیا جہاں اس نے بہت سے افراد اپنے ساتھ شامل کر لیے اور اس کے ساتھیوں میں اکثریت ان افراد کی تھی جو خراج سے بچنا چاہتے تھے اور کچھ چور اور ڈاکو اس نے اپنے جتھے میں شامل کیے اور کچھ ایسے عرب بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے جو اس کی رائے سے اتفاق رکھتے تھے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ عبداللہ بن قعین نے کہا کہ میں اور میرا بھائی کعب بن قین، معقل بن قیس کے لشکر میں شامل تھے، جب معقل لشکر لے کر کوفہ سے نکلنے لگے تو حضرت نے انہیں الوداع کیا اور فرمایا:

معقل بن قیس! جتنا ممکن ہو سکے خدا سے ڈرتے رہنا اور اللہ نے مومنین کو یہ نصیحت فرمائی ہے، اہلِ قبلہ کے خلاف سرکشی نہ کرنا اور کسی ذمی پر ظلم نہ کرنا اور کبھی تکبر نہ کرنا اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

معقل نے کہا: اللہ مددگار ہے۔

حضرت نے فرمایا: وہ صرف مددگار ہی نہیں بلکہ بہترین مددگار ہے۔

پھر معقل کوفہ سے چلے اور اہواز آئے اور یہاں ابن عباس کی طرف سے دو ہزار کا مزید لشکر خالد بن معدان کی زیر سرکردگی بھی کمک کے لیے پہنچ گیا، پھر دونوں لشکر اکٹھے ہو گئے۔

عبداللہ بن قین کا بیان ہے کہ پھر ہم ناجی کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور راشد ناجی نے رامہرمز کے پہاڑوں کی طرف رخ کیا اور وہ کسی قلعہ پر قابض ہونا چاہتا تھا، ہمارا لشکر بھی اسے تلاش کرتا ہوا پہاڑوں کے قریب پہنچ گیا، جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو معقل بن قیس نے اپنے بھائی یزید بن معقل کو لشکر کے میمنہ کا سالار مقرر کیا اور منجاب بن راشد کو میسرہ کی کمان دی۔

ناجی نے اہل عرب کو میمنہ میں کھڑا کیا اور خراج سے انکار کرنے والوں اور چوروں و ڈاکوؤں کو میسرہ میں کھڑا کیا اور یوں دونوں لشکروں کی ترتیب قائم ہوئی۔

پھر معقل نے پرجوش تقریر کی اور کہا:

بندگانِ خدا! جب تک میں جنگ کی ابتدا نہ کروں، اس وقت تک تم جنگ شروع نہ کرنا اور دورانِ جنگ اپنی نگاہیں جھکائے رکھنا

اور گفتگو کم کرنا اور تیر وسناں پر صبر کرنا اور اس جنگ کے لیے اللہ سے اجرِ عظیم کی توقع رکھنا، تمہارا مقابلہ دین سے نکلنے والی جماعت کے ساتھ ہے، تمہارا مقابلہ چور چکاروں اور مانعین زکوٰۃ سے ہے، الغرض معقل نے اپنے لشکر کی ایک ایک صف کے سامنے یہی تقریر دہرائی اور پھر قلبِ لشکر میں آ گیا اور دو مرتبہ اپنے پرچم کو حرکت دی اور تیسری بار حرکت دینے کے بعد اس نے حملہ کر دیا اور اس حملے کے ساتھ ہی پوری فوج نے یکبارگی ان پر حملہ کیا، چند ثانیوں میں نبی ناجیہ کے ستر افراد قتل ہو گئے اور تین سو کرد اور ایرانی میدان میں رہے اور وہ میدان سے بھاگ نکلا اور خلیج فارس کے ایک ساحل پر جا پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو حضرت کے خلاف منظّم کرنے لگا۔

معقل بن قیس اہواز میں فروکش ہوئے اور خط لکھ کر حضرت کو اپنی فتح سے مطلع کیا اور تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کیا۔

جب حضرت کو معقل کا خط ملا تو لوگوں سے مشورہ کیا، تمام حاضرین نے یہی رائے دی کہ اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ دینا بہتر ہے اور لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ معقل کو لکھیں کہ وہ راشد کا تعاقب جاری رکھے اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا انہیں اسلامی سرزمین سے نکال باہر کرے۔

پھر حضرت نے معقل کو اس مضمون کا خط تحریر فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے اپنے دوستوں کی مدد کی اور اپنے دشمنوں کو رُسوا کیا، خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے اپنا فرض احسن طریقہ سے پورا کیا، تم اس کے متعلق اطلاعات جمع کرو، وہ جس شہر میں پناہ لے چکا ہو وہیں لشکر کشی کرو یہاں تک کہ اسے قتل کر دو یا اسے اسلامی سرزمین کی حدود سے نکال باہر کرو، کیونکہ وہ ہمیشہ سے امت اسلامیہ کا دشمن اور فاسقین کا دوست رہا ہے۔

معقل بن قیس نے خریت بن راشد کے متعلق معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ وہ خلیج فارس کے ایک ساحل پر فروکش ہے اور وہاں اس کی قوم کی ایک بڑی تعداد رہائش پذیر ہے اور اس نے اپنی قوم کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے اور اس کے علاوہ بنی عبدالقیس اور ملحقہ اعراب کو بھی اپنے ساتھ شامل کر چکا ہے۔

چنانچہ معقل اپنی فوج لے کر اس کی تلاش میں نکلے۔

خریت نے مختلف نظریات رکھنے والوں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا اور اس کے ساتھ شامل ہونے والے لوگوں میں کچھ خوارج کا نظریہ رکھنے والے لوگ تھے۔ ان کے علاوہ اس کے لشکر میں کچھ عثمانی بھی تھے اور کچھ مانعینِ زکوٰۃ اور کچھ نومسلم عیسائی بھی اس کے ہمنوا تھے۔

خریت نے خوارج سے کہہ رکھا تھا کہ علیؑ نے تحکیم کو قبول کر کے غلطی کی ہے، اسی لیے میں نے ان کے خلاف خروج کیا ہے اور عثمانی افراد سے کہہ رکھا تھا کہ عثمان مظلوم مارے گئے ہیں اور ان کے قتل میں علیؑ کا ہاتھ ہے، اسی لیے وہ عثمان کے بہی خواہوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، مانعینِ زکوٰۃ کو اس نے یہ کہہ کر شیشے میں اتار لیا تھا کہ حکومت کو صدقات دینے سے بہتر ہے کہ تم خود اپنے ہاتھوں سے فقراء اور مساکین کی مدد کرو۔

غرضیکہ اس کے ساتھ جتنے نظریات کے لوگ شامل تھے وہ ہر طبقہ کو اس کے نظریہ کے مطابق اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جب نومسلم عیسائیوں نے اس کی نیرنگی کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کے دین سے تو ہمارا دین کئی گنا بہتر تھا، ان لوگوں کا یہ کیسا دین ہے جو انہیں خونریزی سے نہیں روکتا، اس دین کے ماننے سے تو بہتر ہے کہ ہم دوبارہ اپنا سابقہ دین ہی اپنالیں۔ چنانچہ ان کی اکثریت اپنے سابقہ دین پر چلی گئی۔

جب خریت بن راشد نے اپنی بساط کو یوں الٹتے ہوئے دیکھا تو ان کے پاس گیا اور ان سے کہا: تم نے یہ کیا کیا ہے؟ جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوگیا کہ تم نے تو دوبارہ دین مسیح اختیار کرلیا ہے تو وہ تم سب کو مرتد قرار دے کر تمہیں بڑی بے رحمی سے قتل کردے گا، اب تمہارے لیے نجات کی بس یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ تم میرے پرچم کے نیچے جمع ہوکر علیؑ کے لشکر سے جنگ کرو، اسی میں تمہاری اور ہماری نسلوں کی بقا کا راز مضمر ہے اور یوں اس نے جدا ہونے والے ساتھیوں کو دوبارہ اپنے ساتھ ملالیا۔

جب معقل وہاں پہنچے تو انہوں نے پہلے امان کا جھنڈا بلند کیا اور اعلان کردیا کہ جو لوگ ادھر اُدھر سے جمع ہوئے ہیں، وہ الگ ہوجائیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی قوم کے علاوہ دوسرے تمام لوگ چھٹ گئے، اس نے انہی کو منظّم کیا اور جنگ چھیڑ دی، مگر کوفہ و بصرہ کے سرفروشوں نے تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے باغیوں کے ایک سو ستر آدمی مارے گئے اور خریت سے نعمان بن صہبان نے دو دو ہاتھ کیے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، جس کے گرتے ہی دشمن کے قدم اکھڑ گئے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد معقل نے ان کی قیام گاہوں میں جتنے مرد، عورتیں اور بچے تھے، سب کو ایک جگہ جمع کیا، ان میں جو مسلمان تھے ان سے بیعت لے کر رہا کردیا اور جو مرتد ہوگئے تھے، انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے کہا، چنانچہ ایک بوڑھے نصرانی کے علاوہ سب نے اسلام قبول کرکے رہائی پائی اور بوڑھے کو قتل کردیا گیا۔

بنی ناجیہ کے جن عیسائیوں نے اس شورش انگیزی میں حصہ لیا تھا، انہیں ان کے اہل و عیال سمیت کہ جن کی تعداد پانچ سو تھی، اپنے ہمراہ لیا اور جب معقل اردشیر خرہ (ایران کا ایک شہر) پہنچے تو یہ قیدی وہاں کے حاکم مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی کے سامنے چیخے چلائے اور گڑگڑا کر ان سے التجائیں کیں کہ ان کی رہائی کی کوئی صورت کی جائے۔

مصقلہ نے ذہل بن حارث کے ذریعے معقل سے کہا کہ ان اسیروں کو میرے ہاتھ بیچ دو۔

معقل نے اسے منظور کرلیا اور پانچ لاکھ درہم میں وہ اسیر اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اس سے کہا کہ ان کی قیمت جلد از جلد امیرالمومنینؑ کو بھیج دو۔

اس نے کہا: میں پہلی قسط ابھی بھیج رہا ہوں اور بقیہ قسطیں بھی جلد بھیج دی جائیں گی، جب معقل امیرالمومنینؑ کے پاس پہنچے تو یہ سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ حضرت نے اس اقدام کو سراہا اور کچھ دنوں تک قیمت کا انتظار کیا، مگر مصقلہ نے ایسی چپ سادھ لی کہ گویا اس کے ذمہ کوئی مطالبہ ہی نہیں ہے۔

آخر حضرتؑ نے ایک قاصد اس کی طرف روانہ کیا اور اسے کہلا بھیجا کہ یا تو قیمت روانہ کرو، یا خود آؤ، وہ حضرت کے فرمان پر کوفہ آیا اور قیمت طلب کرنے پر دو لاکھ درہم پیش کئے اور بقایا مطالبہ سے بچنے کے لیے معاویہ کے پاس چلا گیا، جس نے اسے طبرستان کا حاکم

مقرر کر دیا۔ پھر اس نے اپنے بھائی نعیم بن ہبیرہ جو حضرت کا خالص شیعہ تھا، کو حلوان نامی ایک عیسائی کے ہاتھ خط بھیجا جس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ میں نے تمہارے متعلق معاویہ سے گفتگو کی ہے وہ تمہیں کسی نہ کسی علاقے کی حکومت دینے پر رضامند ہے، لہٰذا تم جلدی سے شام پہنچ جاؤ۔

مالک بن کعب ارحبی نے اس قاصد کو گرفتار کر کے حضرت کے پاس پہنچا دیا، حضرتؑ نے اس کا خط پڑھا اور قاصد کے ہاتھ قطع کرا دیئے جس کی وجہ سے وہ موقع پر ہی مر گیا۔ جب مقتول کے وارثوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے مصقلہ کو پکڑ لیا اور کہا کہ ہمارے آدمی کے قاتل تم ہو، تم اس کی دیت ادا کرو ورنہ قصاص میں ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ چنانچہ مصقلہ نے مقتول کی دیت ادا کر کے اپنی جان بچائی اور اس کے بھائی نے اسے خط لکھا جس میں اس کی غداری پر اسے سخت لعنت ملامت کی اور حضرت نے کوفہ میں مصقلہ کا گھر منہدم کرا دیا اور اس کے متعلق کچھ کلمات ارشاد فرمائے جن کا ماحصل یہ ہے کہ اگر وہ ٹھہرا رہتا تو ہم مال کی وصولی میں اس سے رعایت کرتے اور اس کی مالی حالت کے درست ہونے کا انتظار کرتے، لیکن وہ تو ایک نمائشی کارنامہ انجام دے کر غلاموں کی طرح بھاگ گیا ابھی اس کی بلند حوصلگی کے چرچے شروع ہوئے ہی تھے کہ زبانوں پر اس کی دنائت اور پستی کے تذکرے آنے لگے۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا: ''قیدیوں کی قیمت پوری وصول نہیں ہوئی آپ انہیں دوبارہ گرفتار کر لیں'' حضرت نے فرمایا: یہ سراسر ناانصافی ہے، کیونکہ جس نے انہیں خریدا تھا، اس نے انہیں آزاد کر دیا، البتہ ہماری قسم اس پر قرض ہے اور وہ دنیا و آخرت میں اس کا جوابدہ ہے۔

خطبہ۴۵

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرَ مَقْنُوْطٍ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لَا مَخْلُوٍّ مِّنْ نِّعْمَتِهٖ وَ لَا مَأْيُوْسٍ مِّنْ مَّغْفِرَتِهٖ وَ لَا مُسْتَنْكَفٍ عَنْ عِبَادَتِهِ الَّذِیْ لَا تَبْرَحُ مِنْهُ رَحْمَةٌ وَ لَا تُفْقَدُ لَهٗ نِعْمَةٌ وَ الدُّنْيَا دَارٌ مُّنِیَ لَهَا الْفَنَاءُ وَ لِاَهْلِهَا مِنْهَا الْجَلَاءُ وَ هِیَ حُلْوَةٌ خَضْرَاءُ وَ قَدْ عَجِلَتْ لِلطَّالِبِ وَ الْتَبَسَتْ بِقَلْبِ النَّاظِرِ فَارْتَحِلُوْا مِنْهَا بِاَحْسَنِ مَا بِحَضْرَتِكُمْ مِنَ الزَّادِ وَ لَا تَسْاَلُوْا فِيْهَا فَوْقَ الْكَفَافِ وَ لَا تَطْلُبُوْا مِنْهَا اَكْثَرَ مِنَ الْبَلَاغِ.

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے، جس کی رحمت سے ناامیدی نہیں اور جس کی نعمتوں سے کسی کا دامن خالی نہیں اور نہ اس کی مغفرت سے کوئی مایوس ہے، نہ اس کی عبادت سے کسی کو عار ہوسکتی ہے۔اور نہ ہی اس کی رحمتوں کا سلسلہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس کی نعمتوں کا فیضان کبھی رکتا ہے۔دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کے لیے فنا طے شدہ امر ہے اور اس میں بسنے والوں کے لیے یہاں سے بہرصورت نکلنا ہے، یہ دنیا شیریں اور شاداب ہے۔اپنے چاہنے والوں کی طرف تیزی سے بڑھتی ہے اور دیکھنے والے کے دل میں سماجاتی ہے، جو تمہارے پاس بہتر سے بہتر توشہ ہوسکے، اسے لے کر دنیا سے چل دینے کے لیے تیار ہوجاؤ۔اس دنیا میں اپنی ضرورت سے زیادہ نہ چاہو اور جس سے زندگی بسر ہوسکے اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرو۔

تشریح لغت (اَلْقُنُوْطُ) ناامیدی، (اَلْاِسْتِنْكَافُ) تکبر کرنا، عار محسوس کرنا۔

خطبہ میں مستنکف اسم مفعول کے وزن پر ہے۔

(مناہ اللہ) اللہ نے مقرر کردیا، طے کردیا، (الجلاء) جلاوطنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَلَوْلَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ) اگر اللہ نے ان کے لیے جلاوطنی نہ لکھی ہوتی۔

(اَلْخَضِرَة) خاء کی زبر اور ضاد کی زیر کے ساتھ، معنی سرسبزی، شادابی (اَلْكَفَافُ مِنَ الرِّزْقِ) ضرورت کے مطابق رزق، بروزن (البلاغ) گذر بسر کے لائق، بروزن سحاب۔

تشریح:

شرح بحرانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا یہ خطبہ دراصل آپ کے ایک طویل خطبہ کے دو اقتباسات پر مبنی ہے اور حضرت نے وہ خطبہ عیدالفطر کے موقع پر دیا تھا اور زیرنظر خطبہ بھی درحقیقت دو علیحدہ مضامین پر مبنی ہے، اس کا پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پر مشتمل ہے اور جو الحمدللہ سے شروع ہو ''وَلَا تُفْقَدُ لَهٗ نِعْمَةٌ'' پر ختم ہوتا ہے۔

اس کا دوسرا حصہ ''والدنیا'' سے شروع ہوکر آخر تک پھیلا ہوا ہے، اسی لیے ہم دونوں حصوں کے مفاہیم کے پیشِ نظر اس خطبہ کی شرح میں دو فصلیں قائم کریں گے۔

فصلِ اول

وسعتِ رحمت

یہ فصل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پر مشتمل ہے، چنانچہ حضرت نے فرمایا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرَ مَقْنُوْطٍ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ) تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس کی رحمت سے ناامیدی نہیں۔

لفظ رحمت کا لغوی معنی رقتِ قلب اور کسی کی طرف میلان وشفقت ہوتا ہے، یعنی انسانی دل کسی پر فضل واحسان کا تقاضا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جب اس لفظ کی نسبت ہوتی ہے تو اس وقت اس کا معنی صرف تفضّل واحسان ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے قلب کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اور ''رقتِ قلب'' دل کی ایک کیفیت کا نام ہے اور اللہ کو کیفیات اعضاء کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تو لفظِ رحمت کی نسبت جب اللہ کی طرف کی جائے گی تو اس سے مراد صرف تفضّل واحسان ہوگا اور اس مقام پر سبب بول کر مسبب مراد لیا جائے گا اور یہ مجاز مرسل کہلائے گا، کیونکہ رقتِ قلب، تفضّل کا سبب ہے۔ یا اسے باب تمثیل میں سے قرار دیا جا سکتا ہے یعنی بلاتشبیہ اللہ کی تشبیہ اس بادشاہ سے دی گئی ہے جو اپنی غریب رعایا پر شفقت کرے اور اپنی غریب رعایا کو دیکھ کر اس کا دل بھر آئے اور ان پر انعام واکرام کرے تو اس طرح سے وہ کلام جو ہیئت ثانیہ کے لیے وضع کیا گیا تھا بطور استعارہ ہیئت اول کے لیے استعمال کیا گیا اور اس کے حقیقی معانی مراد نہیں لیے گئے۔

بہرنوع حضرت کے کلام میں بلاغت کی جو بھی صفت استعمال ہوئی ہو، اس سے مراد حضرت کا مقصود صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ کی رحمت پوری کائنات سے زیادہ وسیع ہے اور کائنات کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی وسعت کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔ ''وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ''(الاعرف ۱۵۶) اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مِائَةُ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا وَاحِدَةً اِلَى الْاَرْضِ فَقَسَّمَهَا بَيْنَ خَلْقِهٖ فِيْهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَ يَتَرَاحَمُوْنَ وَ اٰخِرُ تِسْعَةٍ وَّ تِسْعِيْنَ لِنَفْسِهٖ يَرْحَمُ بِهَا يوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ رُوِیَ اَنَّ اللّٰهَ قَابِضٌ هٰذِهٖ اِلٰى تِلْكَ فَيَكْمَلُهَا مِأَةً يَّرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَة ''اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ان میں زمین پر اس نے صرف ایک رحمت نازل کی ہے اور اسی ایک رحمت کا یہ فیض ہے کہ لوگ اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر شفقت ورحم کرتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھی ہیں ان کے ساتھ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ اللہ اس ایک رحمت کو بھی زمین سے اٹھا کر اپنی ننانوے رحمتوں کے ساتھ شامل کر دے گا اور یوں پوری سو رحمتیں ہو جائیں گی اور اللہ ان کے ذریعہ سے قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔

فیضانِ نعمت

(وَ لَا مَخْلُوٌّ مِّنْ نِّعْمَتِہٖ)اور جس کی نعمتوں سے کسی کا دامن خالی نہیں، اس کی نعمتیں اس کی مخلوق پر ہمیشہ چھائی رہتی ہیں، کیونکہ مخلوق کی تخلیق ہی اللہ نے اس طرح سے کی ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر دم اس کی نعمت کے محتاج رہتے ہیں، اسی لیے اس کی طرف سے مخلوق پر ہمیشہ فیضانِ نعمت جاری رہتا ہے اور کائنات کا ہر ذرہ اپنی بقا کے لیے اس کے جود و کرم کا محتاج ہے۔

(وَ لَا مَأْیُوْسٍ مِّنْ مَّغْفِرَتِہٖ)اور نہ اس کی مغفرت سے کوئی مایوس ہے۔

رب العالمین کی شان کریمی یہ ہے کہ اس کا عفو اس کے عقاب پر غالب اور اس کی رحمت اس کے غضب پہ غالب اور اس کی مغفرت اس کے عذاب پر غالب ہے اور اس کی رحمت سے مایوس ہونا جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ . اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا . اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ''اے رسولؐ! کہہ دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم لوگ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، بے شک خدا تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(زمرہ/۵۳)

حدیث شریف میں وسعتِ مغفرت کے لیے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔''لِیَغْفِرُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَغْفِرَۃً مَّا خَطَرَتْ قَطُّ عَلٰی قَلْبِ اَحَدٍ حَتّٰی اَنَّ اِبْلِیْسَ لَیَتَطَاوَلُ لَھَا رَجَآءَ اَنْ تُصِیْبَہٗ ھٰذَا ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اتنی مغفرت کرے گا جس کا تصور بھی کسی کے دل نے نہ کیا ہوگا یہاں تک ابلیس بھی رحمت کی امید میں اپنی گردن دراز کرے گا۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی دعائے استغفار میں رحمت، نعمت اور عفو و مغفرت کا ذکر ان الفاظ سے ملتا ہے:

''اَنْتَ الَّذِیْ وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَحْمَۃً وَّ عِلْمًا وَ اَنْتَ الَّذِیْ جَعَلْتَ لِکُلِّ مَخْلُوْقٍ فِی نِعَمِکَ سَھْمًاوَّ اَنْتَ الَّذِیْ عَفْوُہٗ اَعْلٰی مِن عِقَابِہ''

پروردگار! تو ہر چیز پر رحمت و علم سے چھایا ہوا ہے اور تو وہ منعم ہے کہ جس نے اپنی نعمتوں میں ہر چیز کا حصہ رکھا ہے اور جس کا عفو و درگزر اس کے عقاب سے بلند و برتر ہے۔

مقامِ بندگی

(وَ لَا مُسْتَنْکَفٍ عَنْ عِبَادَتِہٖ)اور نہ اس کی عبادت سے کسی کو عار ہو سکتی ہے، کیونکہ عار تو جب ہو جب معبود میں کوئی نقص ہو، جب صفات کمالیہ کا جامع ہو تو اس کی عبادت باعثِ افتخار بن جاتی ہے۔

حضرت کے کلام کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی عبادت باعث عار نہیں ہے، بلکہ وجہِ افتخار ہے اور اس حقیقت کے باوجود بہت سے کفار و منافقین ایسے تھے اور ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت کو اپنے لیے باعثِ عار تصور کرتے ہیں، اسی لیے اللہ نے اپنے مقرب بندوں کی یہ وصف بیان کی ہے کہ وہ اس کی عبادت کو عار تصور نہیں کرتے، جیسا کہ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. وَمَنْ عِنْدَهٗ لَایَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ''(الانبیاء/۱۹)

حالانکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے ہیں اور جو اس کی سرکار میں ہیں نہ تو وہ اس کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

''اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ''(الاعراف/۲۰۶)

جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس مقرب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا سجدہ کرتے ہیں۔

رب العزت کا فرمان ہے:

''لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ. وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا. فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ. وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا. وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا''(النساء۱۷۲___۱۷۳)

نہ تو مسیح ہی خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز عار سمجھ سکتے ہیں اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص اس کے بندہ ہونے کو عار سمجھے گا اور شیخی کرے گا تو عنقریب ہی خدا ان سب کو اپنے سامنے جمع کرے گا، پس جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ہے اور نیک کام کیے ہیں تو ان کا ثواب پورا کر دے گا، بلکہ اپنے فضل و کرم سے زیادہ ہی دے گا اور جو لوگ عار سمجھتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں تو انہیں تو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور وہ لوگ خدا کے سوا نہ اپنا سرپرست ہی پائیں گے اور نہ مددگار۔

یاد رکھیں جس کی ابتدا عبدیت ہو اس کا انجام رفعت ہوتا ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ''(مریم/۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں۔ تو انجام میں بلندی ملی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ''(آلِ عمران/۵۵) عیسیٰؑ میں دنیا سے تیرا وقت پورا کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عبدیت کا تذکرہ آج تک ہر مسلمان کرتا ہے ''وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے عبد اور اس کے رسولؐ ہیں۔

اب عبدیت محمدؐ کی رفعت ملاحظہ فرمائیں:

''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا. اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ''(بنی اسرائیل/۱) وہ ذات پاک و منزہ ہے جس نے اپنے عبد کو رات کے وقت مسجد الحرام سے اس

آخری نقطۂ سجود تک سیر کرائی جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔

تو محمد مصطفیٰؐ کی عبدیت کی رفعت مقام قاب قوسین تک جا پہنچی اور حضرت عیسیٰؑ کی عبدیت رفعت چرخِ چہارک پر جا پہنچی۔

چہارم: غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے، ''کَفیٰ بِیْ فَخْرًا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْداً وَ کَفیٰ بِیْ عِزًّا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا'' میرے فخر کے لیے یہی بات ہی کافی ہے کہ میرا تیرا عبد ہوں اور میری عزت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔

(اَلَّذِیْ لَا تَبْرَحُ لَہٗ رَحْمَۃٌ وَ لَا تُفْقَدُ لَہٗ نِعْمَۃٌ) نہ اس کی رحمت کا سلسلہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی اس کی نعمتوں کا فیضان کبھی رکتا ہے۔ یہ دونوں اوصاف وجوبِ شکر کا سبب ہیں۔ اگر اس مقام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے قبل (غَیْرَ مَقْنُوْطٍ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ وَ لَا مَخْلُوٍّ مِّنْ نِّعْمَتِہٖ) کے جملے خطبہ میں بیان ہو چکے تھے اور ان دو مزید جملوں کی ضرورت کیا تھی؟

ہم عرض کریں گے کہ ایسا نہیں ہے خطبہ کے پہلے جملہ میں کہا گیا تھا کہ تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس کی رحمت سے ناامیدی نہیں، تو ناامیدی کا نہ ہونا دوامِ رحمت کی دلیل نہیں تھا، اسی لیے حضرت نے دوامِ رحمت کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا: ''اَلَّذِیْ لَا تَبْرَحُ لَہٗ رَحْمَۃٌ'' اس کی رحمتوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا۔

خطبہ کے ابتدائی جملوں میں دوسرا جملہ یہ تھا: ''وَ لَا مَخْلُوٍّ مِّنْ نِّعْمَتِہٖ'' اور جس کی نعمت سے کسی کا دامن خالی نہیں، اس جملے میں یہ احتمال موجود تھا کہ شاید متکلم کا اشارہ صرف اپنی ذات کی طرف ہے ساری کائنات کی طرف نہیں ہے، اسی لیے حضرت نے اس شبہ کو اس جملے سے ہٹا دیا۔

''وَ لَا تُفْقَدُ لَہٗ نِعْمَۃٌ'' اور نہ کسی سے اس کی نعمتوں کا فیضان کبھی رکتا ہے۔

دوامِ رحمت وکمالِ نعمت

علامہ فخر الدین رازی نے پروردگارِ عالم کے دوامِ رحمت اور کمالِ نعمت کی خوبصورت بحث کی ہے جسے ہم ان کے الفاظ میں قارئین کی نذر کرتے ہیں، فخر رازی لکھتے ہیں:

اشیاء کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ وہ اشیاء جو بیک وقت مفید بھی ہیں اور ضروری بھی۔

۲۔ وہ اشیاء جو مفید ہیں مگر ضروری نہیں۔

۳۔ وہ اشیاء جو ضروری ہیں لیکن مفید نہیں۔

۴۔ وہ اشیاء جو نہ تو ضروری ہیں اور نہ ہی مفید۔

ان میں سے پہلی قسم وہ ہے جو مفید بھی ہے اور ضروری بھی، تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔صرف دنیا میں مفید اور ضروری ہو۔

۲۔صرف آخرت میں مفید وضروری ہو۔

پہلی قسم کے پہلے حصے کی مثال سانس ہے، یہ ہر جاندار کے لیے دنیا میں مفید بھی ہے اور ضروری بھی، اگر سانس ایک لمحہ کے لیے بھی رک جائے تو موت واقع ہو جائے۔

قسمِ اول کے دوسرے حصے کی مثال اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت قلب سے ایک لمحہ کے لیے بھی چلی جائے تو دل مردہ ہو جاتا ہے اور انسان ابدی عذاب کا حقدار بن جاتا ہے۔

اشیاء کی دوسری قسم میں وہ اشیاء شامل ہیں جو مفید ہیں لیکن ضروری نہیں ہیں، جیسے دنیا میں دولت، اگر دولت ہوگی تو فائدہ ضرور دے گی، لیکن یہ ضروری نہیں ہے، دولت کے بغیر بھی زندگی بہر صورت گزر جاتی ہے اور آخرت کے لیے دوسرے علوم ومعارف، اگر وہ علوم و معارف ہوں تو ترقی درجات کا سبب ہیں، لیکن ان کے بغیر بھی آخرت کا حساب وکتاب ہو سکتا ہے۔

تیسری قسم میں وہ اشیاء شامل ہیں جو ضروری ہوتی ہیں مگر مفید نہیں ہوتیں اس کی مثال بدن کی وہ بیماریاں ہیں جو ہر صورت میں انسان پر حملہ آور ہوتی ہیں، اسی طرح موت، غربت اور بڑھاپا بھی اسی قسم میں شامل ہیں اور آخرت میں اس قسم کی نظیر نہیں ملتی۔

چوتھی قسم میں وہ اشیاء شامل ہیں جو نہ تو ضروری ہیں اور نہ ہی فائدہ مند ہیں، جیسے دنیا میں غربت اور آخرت میں عذاب یہ دونوں چیزیں نہ تو ضروری ہیں اور نہ ہی فائدہ مند۔

جب اشیاء کی یہ تقسیم آپ سمجھ چکے ہیں تو پھر قسمِ اول کی مثال کی طرف ہم دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔

ہم نے بیان کیا کہ سانس لینا دنیا میں مفید بھی ہے اور ضروری بھی، اگر سانس ایک لمحہ کے لیے رک جائے تو موت واقع ہو جائے ہے اور آخرت کے لیے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اگر اللہ کی معرفت بھی دل سے ایک لمحہ کے لیے چلی جائے تو دل مر جاتے ہیں۔

لیکن ان کے لیے ضروری ہونے کے انداز میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ موت زیادہ آسان ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے کو موت کے وقت ہی احساسِ اذیت ہوتا ہے لیکن روحانی موت کا عذاب ہمیشہ کی دوزخ کی صورت میں ملتا ہے۔

یاد رکھیں سانس کے دو اثر ہیں: ۱۔جب سانس ناک اور منہ کے ذریعہ سے اندر جاتی ہے تو قلب کو پاک وصاف ہوا ملتی ہے جس سے وہ معتدل اور سالم رہتا ہے۔

۲۔جب یہی سانس باہر نکلتی ہے تو فاسد ہوا اس کے ذریعہ سے برآمد ہوتی ہے، یعنی جب سانس اندر جاتی ہے تو مفرح ذات ہے اور جب باہر نکلتی ہے تو ممد حیات ہوتی ہے۔

بعینہٖ اسی طرح سے آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری اور مفید ہے اور اس فکر معرفت کے بھی نظامِ تنفس کی طرح دو اثر ہیں۔

۱۔حجت وبرہان کی پاک وشفاف نسیم نہاں خانہ دل میں داخل ہوتی ہے اور ایمان ومعرفت کے اعتدال اور بقا کا ذریعہ بنتی ہے۔

۲۔ جب حجت و برہان کی نسیم تازہ دل میں داخل ہوتی ہے تو اس سے شکوک وشبہات کی فاسد ہوا قلب سے خارج ہوتی ہے۔

اور اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ لذاتِ دنیا فنا پذیر ہیں اور لذاتِ آخرت کو زوال نہیں ہے۔

جو شخص ان حقائق سے آشنائی حاصل کرلے گا تو آفات سے محفوظ رہیگا اور اچھائی اور مسرت سے ہمکنار ہوگا اور جب یہ امور اپنے کمال کو پہنچیں گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ تم پر جو بھی نعمتیں ہوئی ہیں وہ رحمت خدا کے سمندروں میں سے ایک قطرہ کے برابر ہیں اور اس کے انوارِ احسان میں سے ایک ذرہ کے برابر ہیں۔

اور جب آپ اس منزل پر پہنچیں گے تو آپ کو اس وقت خدا کے رحمان ورحیم ہونے کی معرفت حاصل ہوگی۔

اگر آپ اس امر کی تفصیل کے خواہش مند ہیں تو پھر توجہ فرمائیں:

آپ کا وجود نفس، بدن، روح اور جسد سے عبارت ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کا نفس جاہل تھا اور آپ جاہل پیدا ہوئے ہیں، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے: ''وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ م بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ''(النحل ۷۸)

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

اس کے بعد آپ قوتِ احساس، قوتِ تحریک، قوتِ ادراک اور قوتِ عقل کے مراتب پر غور کریں اور معقولات کی سرحدوں پر پہنچنا چاہیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ بیسیوں برس کی محنت ومشقت کے بعد بھی ہنوز طالب علم ہیں اور آپ معارف وعلوم کی سرحد پر نہیں پہنچے، اس مقام پر پہنچ کر آپ کو اپنی بے بضاعتی کا شدت سے احساس ہوگا اور آپ قرآن کی اس آیت پر دل کی گہرائیوں سے یقین لائیں گے۔

''وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً ''(بنی اسرائیل ۸۵) اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

پھر آپ اپنے بدن پر غور کریں، آپ کے وجود کی تعمیر میں عناصر اربعہ کا بڑا حصہ ہے اور پھر آپ اپنے بدن کی ترکیب وتشریح پر غور کریں اور پھر دیکھیں کہ ہر اعضاء واجزاء میں کتنے فوائد مضمر ہیں تو اس وقت آپ کو پتہ چلے گا کہ اس منعمِ حقیقی نے آپ پر کتنے زیادہ انعام کیے ہیں، پھر آپ کو قرآن کی اس آیت کی صداقت کا پتہ چلے گا: ''وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا''(النحل/۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے۔

اور جب آپ اس منزل پر قدم رکھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ تمہاری تخلیق وہدایت میں اللہ کی رحمت کا بہت بڑا دخل ہے، تمہیں اس وقت اس کی رحمت کاملہ اور نعمت سابغہ کا دھندلا سا تصور نصیب ہوگا۔

فصل دوم، مذمتِ دنیا

اس فصل میں دنیا سے نفرت اور اس کے بعض عیوب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

(وَ الدُّنْیَا دَارٌ مُّنِیَ لَهَا الْفَنَاءُ وَ لِاَهْلِهَا مِنْهَا الْجَلَاءُ)اور دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کے لیے فنا طے شدہ امر ہے اور اس میں بسنے والوں کے لیے یہاں سے بہرصورت نکلنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ، وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ''(الرحمٰن ۲۶،۲۷)

جو بھی زمین پر رہتا ہے فنا ہونے والا ہے اور تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو عزت وجلال کی مالک ہے۔

(وَ هِیَ حُلْوَةٌ خَضْرَاءُ)مگر اس کے باوجود دنیا چکھنے میں خوش ذائقہ اور دیکھنے میں سرسبز وشاداب نظر آتی ہے، جسے چکھنے اور دیکھنے والا اچھا سمجھتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

(وَ قَدْ عَجِلَتْ لِلطَّالِبِ) اور چاہنے والوں کی طرف تیزی سے لپکتی ہے اور تیزی سے چلی جاتی ہے، اس میں دوام وثبات نہیں، یہ اپنے طالب کو پوری طرح سے استفادہ کا موقع نہیں دیتی۔

(وَ الْتَبَسَتْ بِقَلْبِ النَّاظِرِ)اور دیکھنے والے کے دل میں سما جاتی ہے اور دیکھنے والا اس کے ظاہری نظاروں سے متاثر ہو کر اس کی زلفوں کا اسیر ہو جاتا ہے اور اس کی شادابی پر مرمٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال اس طرح دی ہے:

'' کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا . وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ''

(الحدید ۲۰) (دنیاوی زندگی کی مثال تو) بارش کی سی ہے جس (کی وجہ) سے کسانوں کو (لہلہاتی) کھیتی اور خوش کر دیتی ہے، پھر سوکھ جاتی ہے تو، تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد ہو جاتی ہے پھر چور چور ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کفار کے لیے) سخت عذاب ہے۔

جب امیر المومنین فنائے دنیا اور اس کے زوال کو بیان کر چکے تو آپ نے اپنے سامعین کو توشۂ آخرت کے جمع کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(فَارْتَحِلُوْا عَنْهَا) دنیا سے چلنے کے لیے تیاری کر لو اور موت کے آنے سے قبل موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔

(بِاَحْسَنَ مَا بِحَضْرَتِکُمْ مِنَ الزَّادِ)جو تم سے بہتر سے بہتر توشہ ہو سکے، وہ لے کر دنیا سے چلنے کی تیاری کرو اور آخرت کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ اور عملِ صالح ہے۔

(لَا تَسْأَلُوْا فِیْهَا فَوْقَ الْکَفَافِ وَ لَا تَطْلُبُوْا مِنْهَا اَکْثَرَ مِنَ الْبَلَاغِ)اور اس دنیا میں اپنی ضرورت سے زیادہ نہ چاہو اور جس سے زندگی بسر ہو سکے، اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرو۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ شَمِّرُوْا فَاِنَّ الْاَمْرَ جَشِدٍ وَّ تَأَهَّبُوْا فَاِنَّ الرَّحِیْلَ قَرِیْبٌ وَّ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ السَّفَرَ بَعِیْدٌ وَّ

خَفِّفُوْا اَثْقَالَكُمْ فَاِنَّ وَرَآئَكُمْ عَقَبَةً كَؤُوْدًا لَا يَقْطَعُهَا اِلَّا الْمُخَفِّفُوْنَ، اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ اُمُوْرًا شِدَادًا وَّ رَآئَكُمْ وَ زَمَانًا صَعْبًا يَّتَمَلَّكُ فِيْهِ الظُّلْمَةُ وَ يَتَصَدَّرُ فِيْهِ الْفَسَقَةُ وَ يُضَامُ فِيْهِ الْاٰمِرُوْنَ وَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَضْطَهِدُ فِيْهِ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَاَعِدُّوْا لِذَالِكَ الْاِيْمَانَ وَ عَضُّوْا عَلَيْهِ بِالنَّوَاجِذِ وَاَلْجَاؤُا اِلَى الْعَمَلِ الصَّالِحِ وَاُكْرِهُوْا عَلَيْهِ النُّفُوْسَ تَفِيْضُوْا اِلَى النَّعِيْمِ الدَّآئِمِ''

اے گروہ مسلمین! کمریں کس لو یقیناً معاملہ سخت ہے اور تیاری کر لو سفر قریب ہے، زادِراہ اکٹھا کر لو، سفر دور کا ہے اور اپنی پشتوں پر بوجھ کم لادو کیونکہ تمہارے آگے سخت گھاٹی ہے جسے کم بوجھ والے ہی عبور کر سکتے ہیں۔

لوگو! قیامت سے قبل سخت امور واقع ہونے ہیں اور بہت بڑے ہولناک امور واقع ہونے ہیں اور سخت زمانہ آنا ہے، جس میں ظالم حاکم بنیں گے اور فاسق صدر محفل میں بیٹھیں گے اور نیکی کا حکم دینے والوں پر ستم کیا جائے گا اور برائی سے روکنے والے مقہور و مغلوب ہو جائیں گے، اس کے لیے ایمان تیار کرو اور سختی سے اس پر قائم رہو اور عملِ صالح کی پناہ حاصل کرو اور اپنے نفوس کو اس پر مجبور کرو اس ذریعہ سے تم ہمیشہ کی نعمت حاصل کر سکو گے۔

ضرورت کے مطابق رزق

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی میں باب الکفاف قائم کیا ہے اور اس کی مدح کے متعلق انہوں نے چند احادیث تحریر فرمائی ہیں اور ذیل میں ہم چند احادیث بطور تبرک یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ مِنْ اَغْبَطِ اَوْلِيَآئِيْ عِنْدِيْ رَجُلًا خَفِيْفَ الْحَالِ ذَا حَظٍّ مِنْ صَلَاةٍ اَحْسَنُ عِبَادَةِ رَبِّهٖ بِالْغَيْبِ وَ كَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ، جَعَلَ رِزْقَهٗ كِفَافًا فَصَبَرَ عَلَيْهِ عَجَّلْتُ فيته فَقَلَّ تُرَاثُهٗ وَ قَلَّتْ بَوَاكِيْه''

میرے دوستوں میں قابلِ رشک وہ انسان ہے جو مالی طور پر کمزور ہو اور نماز ادا کرتا ہو اور پس پشت اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرتا ہو اور لوگوں میں پست و گمنام ہو، جسے ضرورت کے مطابق زرق ملا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو، میں اسے جلد موت دوں اور اس کی میراث کم ہو اور اس پر رونے والے بھی کم ہوں۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''طُوبىٰ لِمَنْ اَسْلَمَ وَ كَانَ عَيْشُهٗ كَفَافًا''

اس کے لیے خوش خبری ہے جس نے اسلام قبول کیا اور جسے ضرورت کے مطابق رزق ملا۔

۳۔ امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْ مُحَمَّدًا وَّ آلَ مُحَمَّدٍ وَّ مَنْ اَحَبَّ مُحَمَّدًا آلَ مُحَمَّدٍ نِ الْعِفَافَ وَ الْكِفَافَ وَارْزُقْ مَنْ اَبْغَضَ مُحَمَّدِا وَّ آلَ مُحَمَّدٍنِ الْمَالَ وَالْوَلَد''

خدایا محمدؐ و آل محمدؐ اور ان سے محبت کرنے والوں کو سلامتی اور بقدرِ کفایت روزی عطا فرما اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمنوں کو مال و اولاد

سے مالا مال فرما۔

۴۔امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اونٹوں کے چرانے والے سے دودھ طلب کیا، اس نے کہا: جو دودھ ان کے تھنوں میں ہے وہ قبیلہ والوں کی صبح کے لیے ہے اور جو دودھ برتنوں میں ہے وہ ان کے شام کے لیے ہے۔

اس کا یہ کورا سا جواب سن کر حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''خدایا! اس کے مال و دولت میں اضافہ فرما''

بعد ازاں حضورؐ کا گزر بکریاں چرانے والے کے پاس سے ہوا اور آپ نے اس سے دودھ طلب کیا تو اس نے دودھ دوہ کر دیا اور جو دودھ اس کے پاس برتن میں موجود تھا، اس نے وہ دودھ بھی حضورؐ کے برتن میں انڈیل دیا اور ایک بکری بھی حضور کی خدمت میں پیش کی اور کہا: اگر آپ کو اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو میں آپ کو زیادہ بھی دے سکتا ہوں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْهُ الْکِفَافَ'' بارالہا! اسے بقدر ضرورت رزق عطا فرما۔

آپ کی یہ دعا سن کر صحابہ نے تعجب سے کہا: یا رسول اللہ! جس نے آپ کو محروم رکھا آپ نے اس کے لیے وہ دعا کی جس کی ہم کو اکثر خواہش ہے اور جس نے آپ کے فرمان کو تسلیم کیا، آپ نے اسے وہ دعا کی جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّ مَا قَلَّ وَ کَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا اَکْثَرُ وَ اَلْھٰی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ مُحَمَّدًا وَّ آلَ مُحَمَّدٍ نِ الْکِفَافَ''

جو چیز مقدار میں کم ہو اور کفایت کر جائے وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے، خدایا محمدؐ و آل محمدؐ کو ضرورت کے مطابق رزق دینا۔

۵۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: '' یَا اَبَاذَر! اِنِّیْ قَدْ دَعَوْتُ اللّٰهَ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ اَن یَّجْعَلَ رِزْقَ مَن یُّحِبُّنِی الْکِفَافَ وَ اَن یُّعْطِیَ مَن یُّبْغِضُنِیْ کَثْرَةَ الْمَالَ وَ الْوَلَد''۔

ابوذر! میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والوں کی بقدر ضرورت رزق عطا فرمائے اور مجھ سے بغض رکھنے والوں کو زیادہ مال و اولاد عطا کرے۔

عرب و عجم کے قادر الکلام شعراء نے لوگوں سے بے نیاز رہنے اور ضرورت کے مطابق رزق کے متعلق اپنے اشعار میں بہت کچھ لکھا ہے، ان میں سے ایک کسی حکیم شاعر نے کیا ہی خوب لکھا تھا:

فَلَا تَجْزَعْ اِذَا اعْسَرْتَ یَوْمًا — فَقَدْ اَیْسَرْتَ فِی الدَّھْرِ الطَّوِیْلِ

وَلَاتَظْنُنْ بِرَبِّکَ ظَنَّ سُوْءٍ — فَاِنَّ اللّٰهَ اَولٰی بِالْجَمِیْلِ

وَ اِنَّ الْعُسْرَ یَتْبَعُهٗ یَسَارٌ — وَ قِیْلَ اللّٰهِ اَصْدَقُ کُلِّ قِیْلِ

وَلَوْ اَنَّ الْعَقُوْلَ تَجُرُّ رِزْقًا — لَکَانَ الْمَالُ عِنْدَ ذَوِی الْعُقُوْلِ

جب کبھی تنگ دستی آئے تو پریشان مت ہوا کرو، کیونکہ ایک طویل عرصہ تک تم نے فراخی بھی تو دیکھی ہے۔

اپنے رب کے متعلق بدگمانی نہ کرنا، کیونکہ اللہ احسان واکرام کرنے والا ہے۔

تنگی کے بعد آسانی آ ہی جاتی ہے اور اللہ کا فرمان تمام اقوال سے زیادہ سچا ہے: ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا'' بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ اگر رزق عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا تو تمام دنیا کا مال عقلمندوں ہی کے پاس ہوتا۔

مکمل خطبہ

جیسا کہ ہم نے اس خطبہ کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ شارح بحرانی کی تحقیق کے مطابق حضرت کا یہ خطبہ اور اٹھائیسواں خطبہ حضرتؑ کے طویل خطبہ کے اقتباسات پر مشتمل ہیں اور حضرتؑ نے اصل خطبہ عید الفطر کے اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا، جب ہم اس خطبہ کی شرح لکھ چکے تو بعد میں ہمیں حضرتؑ کا مذکورہ طویل خطبہ من لایحضرہ الفقیہ میں مل گیا۔ چنانچہ اضافہ بصیرت کی غرض سے ہم اس مکمل خطبہ کو یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں کہ حضرت نے عید الفطر پر یہ خطبہ دیا:

الحمد الله الذی خلق السموات والارض و جعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربهم یعدلون، لا نشرک بالله شیئا ولا نتخذ من دونه ولیا، والحمد لله له ما فی السموات وما فی الارض و له الحمد فی الدنیا والاٰخرة و هو الحکیم الخبیر یعلم ما یلج فی الارض و ما یخرج فیها و ما ینزل من السماء وهو الرحیم الغفور، کذالک الله لا اله الا هو الیه المصیر، والحمد لله الذی یمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنه، ان الله بالناس لرؤوف الرحیم، اللهم ارحمنا برحمتک واعممنا برحمتک انک انت العلی الکبیر، والحمد للّٰه الذی لا مقنوط من رحمته ولا مخلو من نعمته و لا مؤیس من رحمته ولا مستنکف عن عبادته، بکلمته قامت السموات السبع و استقرت الارض المهاد و تثبت الجبال الرواسی و جرت الریاح واللواقح و سار فی جو السماء السحاب و قامت علی حدودها البحار وهو اله قاهر یذل له المتعززون و یتضأل له المتکبرون و یدین له طوعا و کرها العالمون.

نحمده کما حمد نفسه و کما هو اهله و نستعینه و نستغفره و نستهدیه و نشهد ان لا اله الا الله و حده لا شریک له یعلم ما یجن النفوس و ما یجب البحار و ما تواری منه ظلمة ولا یغیب عنه غائبة و ما تسقط من ورقة من زجرة ولا حبة فی ظلمات الارض الا یعلمها، لا اله اله هو، ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین و یعلم ما یعمل العاملون و ای مجریایجرون و الی ای منقلب ینقلبون.

و نستهدی الله بالهدیٰ و نشهد ان محمدا عبده و نبیه و رسوله الی خلقه و امینه علیه وحیه و انه قد بلغ رسالات ربه و جاهد فی الله الحائدین عنه العادلین به و عبد الله حتی اتاه الیقین صلی الله علیه و آله.

اوصیکم بتقوی الله الذی لا تبرح منه نعمة ولا تفقد منه رحمة ولا یستغنی العباد عنه، ولا یجزی انعمه الاعمال الزٰ رغب فی التقویٰ و زهد فی الدنیا و حذر المعاصی و تعزز بالبقاء و ذلل خلقه بالموت والفناء والموت غایة المخلوقین و سبیل العاملین و معقودبنواصی البقاین، لا یفجزه اباق الهاربین و عند حلوله یاس اهل الهویٰ یهدم کل لذة و یزیل کل نعمة و یقطع کل بهجة.

والدنیا دارکتب الله لها الفناء ولاهلها منها الجلاء فاکثرهم ینوی بقائها و یعظم بنائها و هی حلوة خضرة قد عجلت للطالب و التبست بقلب الناظر و یفنی ذوالثروة الضعیف و یحتویها الخائف الوجل فارتحلوا منها یرحکم الله باحسن ما بحضرتکم ولا تطلبوا منها اکثر من القلیل و لا تسألوا منها. فوق الکفاف وارضوا منها بالیسیر ولا تمدن اعینکم منها الی ما متع المترفون واستهینوا بها و لا توطئوها و اضروا بانفسکم فیها، و ایاکم و التنعم والتلهی الفاکهات فان فی ذالک غفلة و اغتراراً.

الا ان الدنیا تنکرت و ادبرت و اصولت و اذنت بوداع الا و ان الاخرة قد رحلت فاقبلت و اشرت و اذنت باطلاع الا و ان المضمار الیوم و السباق غدا، الا و ان السبقة الجنة الغایة النار، افلا تائب من خطیئة قبل یوم مینة الا عامل لنفسه قبل یوم بؤسة و فقره، جعلنا الله و ایاکم ممن یخافه فیرجوثوابه.

الا و ان هذا الیوم یوم جعله الله لکم عیدا و جعلکم له اهلا، فاذکروا الله یذکرکم و ادعوه یستجب لکم و ادوافطرتکم فانها سنة نبیکم و فریضة و واجبة من ربکم فلیؤدها کل امرئ منکم عن نفسه و عن عیاله کلهم ذکرهم وانثاهم و صغرهم و کبیرهم و حرهم و مملوکهم عن کل انسان منهم صاعا من برا وصاعا من تمرا و صاعا من شعیر.

و اطیعوا الله فیما فرض علیکم و امرکم به من اقام الصلاة و ایتاء الزکوٰة و حج البیت و صوم شهر رمضان والامر بالمعروف والنهی عن المنکر والاحسان الی نسائکم و ما ملکت ایمانکم.

و اطیعوا الله فیما نهاکم عنه من قذف المحصنة و اتیان الفاحشة و شرب الخمر و بخس المکیال و نقص المیزان و شهادة الزور و الفرار عن الزحف عصمنا الله و ایاکم بالتقویٰ و جعل الاخرة خیر النا و لکم من الاولیٰ

ان احسن الحدیث و ابلغ الموعظة للمتقین کتاب الله العزیز

اعوذ بالله من اشیطان الرجیم ، بسم الله الرحمن الرحیم. قل هو الله احد الله الصمد لم یلد و لم یولد و لم یکن له کفوا احد.

ترجمہ: تمام حمد اس اللہ کے لیے جس نے آسمان وزمین پیدا کیے اور جس نے تاریکیوں اور روشنی کو بنایا پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر

کیا وہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے اور اس کے علاوہ کسی کو اپنا کارساز نہیں بناتے اور تمام حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں جس کی ملکیت ہیں اور دنیا وآخرت میں اسی کی حمد ہے اور وہ صاحب حکمت باخبر ہے، جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین سے باہر نکلتا ہے، وہ سب جانتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف بلند ہے وہ اسے جانتا ہے۔ وہ مہربان اور بخشنے والا ہے۔

اللہ ایسا ہی ہے اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں اسی کی طرف ٹھکانہ ہے اور حمد ہے اس اللہ کے لیے جو آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، وہ اس کے اذن کے بغیر نہیں گر سکتا، بے شک اللہ انسانوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

خدایا ہم پر اپنی رحمت فرما، اپنی مغفرت کو ہم پر عام کر بے شک تو بلند اور بڑا ہے، تمام حمد اس اللہ کے لیے جس کی رحمت سے ناامیدی نہیں اور جس کی نعمت سے کسی کا دامن خالی نہیں اور جس کی رحمت سے مایوسی نہیں اور جس کی عبادت سے عار نہیں، اس کے فرمان سے سات آسمان قائم ہوئے اور زمین نے پستی پر قرار پکڑا، مضبوط پہاڑ جم گئے اور بارآور ہوائیں چل پڑیں، اور فضائے آسمان پر بادل چلنے لگے اور سمندر اپنے حدود پر رک گئے، وہ سب کا معبود ہے، عزت والے اس کے سامنے جھک جاتے ہیں اور متکبر اس کے آگے حقیر بن جاتے ہیں اور تمام عالمین خوشی سے یا ناخوشی سے اس کے فرمان کی تعمیل کرتا ہے۔

ہم اس کی وہی حمد بجالاتے ہیں جو اس نے اپنی خود حمد کی ہے اور جس حمد کے وہ لائق ہے، ہم اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور مغفرت چاہتے ہیں اور اس سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے، جو کچھ نقوش مخفی رکھتے ہیں وہ اسے جانتا ہے اور جسے سمندر چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس سے واقف ہے اور اس سے تاریکی کسی چیز کو چھپا نہیں سکتی اور کوئی غائب ہونے والی چیز اس سے غائب نہیں رہتی اور درختوں سے جتنے پتے گرتے ہیں اور زمین کی تاریکیوں میں جہاں کہیں دانہ ہے، وہ سب کو جانتا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہر خشک وتر کتابِ مبین میں ہے اور کام کرنے والوں کا عمل جانتا ہے اور جس راہ پہ وہ چلتے ہیں اور جس انجام کی طرف وہ پلٹ رہے ہیں، وہ سب جانتا ہے۔

ہم اللہ سے ہدایت کا سوال کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے نبی اور اس کی مخلوق کے لیے پیغامبر ہیں اور اللہ کی وحی کے امین ہیں اور انہوں نے اللہ کے تمام پیغامات پہنچائے اور اللہ کی راہ میں منحرف ہونے والے مشرکین سے انہوں نے جہاد کیا اور وہ موت وارد ہونے تک اللہ کی عبادت کرتے رہے، خدا کی رحمتیں ہوں ان پر اور ان کی آلؑ پر۔

میں تمہیں اس خدا کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں جس کی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور جس کی رحمتوں کا فیضان کبھی نہیں رکتا اور جس سے بندے بے نیاز نہیں رہ سکتے اور جس کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ اعمال ان کی برابری نہیں کر سکتے، وہ وہی خدا ہے جس نے تقویٰ کی رغبت دلائی اور دنیا سے زہد کا حکم دیا اور نافرمانیوں سے خبردار کیا اور جو بقا کے ذریعہ سے عزتوں کا مالک بنا اور جس نے مخلوق کو موت اور فنا کے ذریعہ ذلیل کیا اور موت مخلوق کا انجام ہے اور تمام جہانوں کا راستہ ہے اور باقی بچے ہوئے افراد کی پیشانی سے موت لٹکی ہوئی ہے،

بھاگنے والوں کا بھاگنا اسے عاجز نہیں کرسکتا اور موت کے وقت خواہشات کے پرستار مایوس ہوں گے، موت ہر لذت کو منہدم کر دیتی ہے اور موت ہر نعمت کو زائل کر دے گی اور ہر طرح کی شادابی کو ختم کر دے گی۔

دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کے لیے فنا مقرر کر دی گئی اور جس کے اہل کے لیے جلاوطنی مقدر بنا دی گئی، اکثر لوگ دنیا میں بقا کے خواہش مند ہیں اور دنیا کی بنیادوں کو عظیم سمجھتے ہیں اور دنیا لذیذ اور شاداب ہے، اپنے چاہنے والوں کی طرف تیزی سے لپکتی ہے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں سما جاتی ہے، دولت مند کمزور کو مزید کمزور کرتے ہیں اور غربت کا خوف و ہراس رکھنے والے اسے جمع کرتے ہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے جو تمہارے پاس بہتر سے بہتر توشہ ہو، اسے لے کر دنیا سے چل دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور قلیل مقدار سے زیادہ دنیا طلب نہ کرو اور ضرورت سے زیادہ اس کا سوال نہ کرو اور تھوڑی سی مقدار پر قناعت کر لو اور ان نعمات کی طرف اپنی نگاہوں کو دراز نہ کرو جو سرکشوں کو میسر ہیں اور دنیا کو حقیر تصور کرو اور اسے اپنا وطن نہ بناؤ اور اپنی جانوں کو اس کے شر سے بچاؤ اور آسائشات اور غفلت اور خوش گپیوں سے بچو، کیونکہ اس میں غفلت اور بے خبری ہے۔

آگاہ رہو! دنیا بھیس بدل چکی ہے اور پشت پھیرے جا رہی ہے اور مغلوب ہو کر واپسی کا اعلان کر چکی ہے اور آخرت آگے بڑھ کر اپنے آنے کا اعلان کر چکی ہے، آج تیاری کا دن ہے اور کل دوڑ کا ہوگا اور جس طرف آگے بڑھنا ہے وہ تو جنت ہے اور جہاں کچھ اشخاص اپنے اعمال کی بدولت بلا اختیار پہنچ جائیں گے وہ دوزخ ہے، تو کیا موت سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا کوئی نہیں اور کیا اس روز مصیبت آنے سے پہلے عملِ خیر کرنے والا ایک بھی نہیں، اللہ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں قرار دے جو اس کا خوف رکھتے ہیں اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

آگاہ رہو! اس دن کو اللہ نے تمہارے لیے عید کا دن بنایا اور تمہیں اس کا اہل بنایا، اللہ کو یاد کرو وہ تمہیں یاد کرے گا اور اس سے دعا کرو وہ قبول کرے گا اور اپنا فطرہ ادا کرو، فطرہ تمہارے نبی کی سنت ہے اور تمہارے رب کی طرف سے ضروری فریضہ ہے، تم میں سے ہر شخص اپنی طرف سے اور اپنے تمام اہل و عیال، مرد و زن، چھوٹے بڑے، آزاد و غلام سب کی طرف سے فطرہ ادا کرے۔

گندم، کھجور یا جو میں سے ایک صاع (تین کلوگرام) فطرہ دے، اللہ نے تم پر جو فرض کیا اور جس کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے وہ فرائض بجالاؤ، یعنی نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کی ادائیگی، بیت اللہ کا حج، ماہِ رمضان کے روزے اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اپنی عورتوں سے بھلائی اور اپنے غلاموں اور کنیزوں سے بھلائی کرو۔ اللہ نے تمہیں جن چیزوں سے روکا ہے اس میں بھی اس کی اطاعت کرو، یعنی شریف خواتین پر بہتان تراشی، برائی کا ارتکاب، شراب نوشی، ناپ تول میں کمی، جھوٹی گواہی اور جہاد سے فرار کرنے سے بچو۔

اللہ تقویٰ کے ذریعہ ہماری اور تمہاری حفاظت فرمائے اور ہماری اور تمہاری آخرت کو دنیا سے بہتر قرار دے، بے شک بہترین گفتگو اور متقین کے لیے بلیغ ترین موعظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

شیطان رجیم کے شر سے بچنے کے لیے میں خدائے عظیم کی پناہ مانگتا ہوں۔

خدا کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

(اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ خدا ایک ہے، خدا برحق و بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور اُسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

خطبہ۴۶

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ عَزْمِهٖ عَلَى الْمَسِيْرِ اِلَى الشَّامِ.

جب شام کی طرف جانے کا قصد فرمایا تو یہ کلمات فرمائے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَ الْمَالِ وَ الْوَلَدِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَ اَنْتَ الْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَ لَا يَجْمَعُهُمَا غَيْرُکَ لِاَنَّ الْمُسْتَخْلَفَ لَا يَكُوْنُ مُسْتَصْحَبًا وَ الْمُسْتَصْحَبَ لَا يَكُوْنُ مُسْتَخْلَفًا

اے اللہ میں سفر کی مشقت اور واپسی کے اندوہ اور اہل وعیال اور مال کی بدحالی کے منظر سے پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! تو ہی سفر میں رفیق اور تو ہی بال بچوں کا محافظ ہے، سفر وحضر کو تیرے علاوہ کوئی یکجا نہیں کرسکتا، وہ ساتھی نہیں ہوسکتا اور جسے ساتھ لیا جائے اسے پیچھے نہیں چھوڑا جاسکتا۔

وَ فِیْ نُسْخَةِ ابْنِ اَبِی الْحَدِيْدِ قَالَ الرَّضِیُّ وَ اِبْتِدَاءُ هٰذَا الْكَلَامِ مَرْوِیٌّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

ابن ابی الحدید کے جدید نسخہ میں سید رضی کا یہ قول موجود ہے کہ اس کلام کا ابتدائی حصہ رسول خداؐ سے منقول ہے۔

وَ قَدْ قَفَاهُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ع) بِاَبْلَغِ كَلَامٍ وَ تَمَّمَهٗ بِاَحْسَنِ تَمَامٍ مِنْ قَوْلِهٖ وَ لَا يَجْمَعُهُمَا غَيْرُکَ اِلٰی آخِرِ الْفَصْلِ.

امیر المومنینؑ نے اس کے آخر میں بلیغ ترین جملوں کا اضافہ فرما کر اسے نہایت احسن طریق سے مکمل کردیا ہے اور وہ اضافہ (سفر وحضر کو تیرے علاوہ کوئی یکجا نہیں کرسکتا) سے لے کر آخر کلام تک ہے۔

تشریح لغت (وَّعْثَاءِ السَّفَرِ) مشقت، سفر، (وعث) اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں چلنے والے کے پاؤں دھنسنے لگیں اور ہر مشکل راستہ کو بھی (وعث) کہا جاتا ہے اور اسی سے (قد وعث الطریق) کا جملہ بنا ہے اور یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے، جب کسی راہ پر چلنا دشوار ہوجائے۔

(الکابة) والکآب غم، بدحالی اور اندوہ وقلق۔ (المنقلب) مصدر میمی ہے، قلب سے، اور اسے ظف مکان بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

(المنظر) بھی مصدر ہے، فیروز آبادی کہتے ہیں نظرة، بروزن ضرنہ، سمعہ، (و نظر الیه نظرا و منظرا و نظرا و منظرة) اور ''منظر و منظرة'' مصدر کا اطلاق اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی چیز کو دیکھے اور اس کا حسن اسے بھلا معلوم ہو یا اس کی بدصورتی اسے بری محسوس ہو۔

تشریح

نصر بن مزاحم کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام جب مقام نخیلہ سے شام کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپؑ نے اپنے گھوڑے کی رکاب میں قدم رکھا تو بسم اللہ کہا اور جب گھوڑے کی زین پر اچھی طرح سے بیٹھ گئے تو کہا: ''سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ'' (زخرف/۱۳)

بعد ازاں آپ نے سفر کی مسنون دعا پڑھی ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ'' اے اللہ میں سفر کی مشقت اور واپسی کے اندوہناک منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نصر کی روایت میں (والحیرۃ بعد الیقین) کے الفاظ بھی موجود ہیں، یعنی یقین کے بعد سرگردانی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(وَ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَ الْمَالِ) اور اہل وعیال کی بدحالی کے منظر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جن اہل وعیال کو تیرے سہارے چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان کی بدحالی دیکھنے سے مجھے محفوظ فرما۔

(اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ) اے اللہ تو ہی سفر میں میرا رفیق ہے اور رفیق ہمیشہ اپنے ساتھی کا خیال رکھتا ہے۔

(وَ اَنْتَ الْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ) اور تو ہی بال بچوں کا محافظ ہے اور محافظ ہمیشہ حسن قیام اور ضرر سے محفوظ رکھنے کا ضامن ہوتا ہے۔

(وَ لَا یَجْمَعُهُمَا غَیْرُکَ) اور سفر وحضر کو تیرے علاوہ کوئی یکجا نہیں کر سکتا، کیونکہ اجسام کے لیے یہ بات ناممکن ہے۔

(لِاَنَّ الْمُسْتَخْلَفَ لَا یَکُوْنُ مُسْتَصْحَبًا وَ الْمُسْتَصْحَبَ لَا یَکُوْنُ مُسْتَخْلَفًا) کیونکہ جسے پیچھے چھوڑا جائے وہ ساتھی نہیں ن سکتا اور جسے ساتھ لیا جائے اسے پیچھے نہیں چھوڑا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ جہت وجسمانیت سے منزہ ہے اسی لیے وہ بیک وقت رفیق سفر بھی ہے اور گھر میں اہل وعیال کا محافظ بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ موجود ہونا اللہ تعالیٰ کی خاصیت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا ہے:

''وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ'' (الحدید ۴) اور تم جہاں کہیں رہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورہ مجادلہ میں فرمایا: ''مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' (المجادلہ ۷)

جب تین آدمیوں کا خفیہ مشورہ ہوتا ہے تو وہ خدا ان کا ضرور چوتھا ہوتا ہے اور جب پانچ کا مشورہ ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور چاہے جہاں کہیں ہوں وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے، پھر جو کچھ وہ کرتے رہے، قیامت کے دن ان کو اس سے آگاہ کر دے گا، بے شک خدا ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

اس سے قبل پہلے خطبہ کی شرح میں پانچویں اور چھٹی فصل میں ہم (مع کل شئ لا بمقارنۃ) کے ضمن میں اللہ کے ہر مقام پر حاضر ہونے کی بحث کر چکے ہیں، قارئین اس مقام کی طرف رجوع کریں۔

دعااورعقل

دعا عبادت کا عظیم دروازہ ہے، آفات و بلیات سے بچنے کے لیے ڈھال ہے اور خیر و برکت کے نزول کا ذریعہ ہے۔ دعا کی فضیلت اور وجوب عقل وشرع دونوں سے ثابت ہے۔

کیونکہ جب ہم عقل کے تقاضے اور دعا کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جب انسان اپنی ذات سے تکلیف و مصیبت دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے لیے عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ اس تکلیف کو ضرور ہٹائے۔

انسان پر دو طرح کی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

۱۔ داخلی مصیبت: وہ مصیبت جس کا سرچشمہ انسان کا اپنا وجود ہوتا ہے ایسی مصیبت داخلی مصیبت کہلاتی ہے مثلاً انسان پہ ایسا عارضہ طاری ہو جائے جو اس کے مزاج کو درہم برہم کر دے، تو یہ مصیبت داخلی مصیبت ہوگی۔

۲۔ خارجی مصیبت: وہ مصیبت جو باہر سے انسان پر وارد ہوا سے خارجی مصیبت کہا جائے گا، مثلاً کوئی دشمن اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالے یا زخمی کر دے، تو ایسی مصیبت جس کا سرچشمہ اپنے وجود سے باہر ہو، خارجی مصیبت کہلاتی ہے اور ہر انسان اکثر اوقات کبھی داخلی کبھی اور کبھی خارجی مصیبت میں گرفتار رہتا ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص کسی بھی مصیبت میں گرفتار نہ ہو تو بھی اسے ان مصائب کا ہر وقت اندیشہ دامن گیر رہتا ہے، کیونکہ یہ دنیا دار الحوادث ہے، یہاں صرف تغیر کو ہی ثبات ہے، کوئی جسم ایک حالت پر زیادہ عرصہ قائم نہیں رہتا اور جب انسان کبھی فی الواقع گرفتارِ بلا ہو یا مستقبل میں گرفتارِ بلا ہونے کا اندیشہ ہو تو حال اور مستقبل کی مصیبت کو دور کرنا واجب ہے اور یہی عقل کا فیصلہ ہے اور مصائب کو ہٹانے والی چیز دعا ہے، تو معلوم ہوا کہ عقلِ سلیم کا یہ فیصلہ ہے کہ جو چیز مصیبت کو دور کرے اس کا اپنانا ضروری اور اس سے علیحدہ رہنا حرام ہے، تو اس منطق کے تحت اور میزانِ عقل کے مطابق دعا کرنا انسان کے لیے ضروری اور دعا سے دور رہنا انسان کے لیے ناجائز قرار پائے گا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دعا کو صرف گرفتارِ مصائب کے لیے ضروری قرار نہیں دیا بلکہ جو مصائب سے آزاد ہیں، ان کے لیے بھی ضروری قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''**مامن احد ابتلی و ان عظمت بلواہ باحق بالدعاء من المعافی الذی لا یأمن من البلاء**''

کسی بھی گرفتارِ مصائب شخص سے زیادہ اس شخص کو دعا کرنی چاہیے جو کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو، کیونکہ کوئی بھی مستقبل کی آزمائش سے محفوظ رہنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حضرتؑ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ دعا ہر شخص کے لیے ضروری ہے خواہ وہ مصائب میں

مبتلا ہو یا نہ ہو، کیونکہ جو گرفتارِ مصائب نہیں ہے وہ مستقبل کے مصائب وآلام سے محفوظ رہے گا۔

دعا پر اعتراض

اگر کوئی شخص اس مقام پر یہ اعتراض کرے کہ امور دو طرح کے ہیں:

۱۔ اللہ کی تقدیر میں جن کے وقوع پذیر ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

۲۔ وہ امور جن کے وقوع پذیر نہ ہونے کا تقدیر الٰہی میں فیصلہ ہو چکا ہے۔

تو یوں دعا کسی طور سے بھی مؤثر نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی شخص کی دعا ایسے امر کے متعلق ہے جس کے وقوع پذیر ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے، تو وہ امر خود بخود ہی واقع ہو جائے گا اور وہ امر اس کی دعا کا محتاج ہی نہیں ہے، اسی لیے ایسے امر کے لیے دعا کرنا عبث اور بے مقصد ہے۔

اگر کسی شخص کی دعا ایسے امر کے متعلق ہے جس کے متعلق اللہ کی تقدیر میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ کام وقوع پذیر نہیں ہوگا تو اس حالت میں دعا کرنے والا خواہ پوری زندگی بھی دعا مانگتا رہے، پھر بھی تاثیر سے محروم رہے گا اور اس کی دعا عبث اور رائیگاں جائے گی، اسی لیے دونوں حالتوں میں دعا ایک فعل عبث اور ضیاعِ وقت ہے اور عقل مند شخص کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

جواب

یہ سوال اکثر کوتاہ بین افراد کیا کرتے ہیں اور اس سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ اس کائنات میں ظہور پذیر ہونے والی ہر چیز کے اسباب ہوتے ہیں اور جب تک اسباب مکمل نہ ہوں کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوتی اور ممکن ہے کہ اللہ پاک نے کسی امر کے وقوع پذیر ہونے کی ایک شرط دعا بھی رکھی ہو اور اس نے اپنی تقدیر میں یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ اگر وہ شخص مجھ سے اس کی دعا کرے گا تو عطا کروں گا اور دعا مانگنے والا ہی اپنی کوتاہ فکری کی وجہ سے دعا نہ مانگے اور اللہ اسے اس نعمت سے محروم کر دے تو اس میں سارا دوش اس دعا سے انحراف کرنے والے پر عائد ہوگا۔ اس کی مثال ہم یوں بھی دے سکتے ہیں کہ شافی مطلق اللہ ہے، لیکن اس نے شفا کو بھی دوا سے مشروط کر دیا ہے، اب اگر کوئی جاہل دوا نہ پیئے اور کہتا رہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں شفا رکھی ہوگی تو مجھے ضرور مل جائے گی اور یوں وہ شخص اپنی حماقت کی وجہ سے شفایاب نہ ہو سکے تو اس میں اللہ پر اعتراض نہیں آئے گا بلکہ اس بیمار پر اعتراض کیا جائے گا کہ اس نے دوائی سے احتراز کیوں کیا۔ بعینہ تمام کاموں کا کارساز اللہ ہے لیکن اس کے لیے بھی دعا کی ضرورت بہر نوع رہتی ہے۔

اور اسی سوال جیسا ایک اور سوال بھی دعا پر یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی چیز بندوں کی مصلحت کے مطابق ہوگی تو اللہ جواد اور کریم ہے، اس کے ہاں کسی طرح کے بخل کا گزر نہیں ہے، وہ بغیر مانگے ہی عطا کر دے گا، اس کے لیے دعا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی چیز خلافِ مصلحت ہے تو وہ کریم ورحیم اللہ اسے مانگنے پر بھی نہیں دے گا اور اس کے لیے دعا مانگنا سرے سے بیکار ہے۔

اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ ممکن ہے کہ پہلے کسی چیز میں مصلحت مضمر نہ ہو اور دعا کے بعد اللہ اس میں مصلحت پیدا

کر دے تو کوئی بعید نہیں ہوگا۔

قرآن اور دعا

قرآنِ مجید نے انسان کو دعا کی تعلیم دی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر انسانوں کی طرف سے دعا نہ ہوتی تو اللہ ان کی کوئی پرواہ بھی نہ کرتا۔ جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے: ''قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ ''(الفرقان ۷۷)

اے پیغمبرؐ کہہ دیجئے کہ اگر تمہاری دعا نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری پرواہ نہ کرتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ. اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ''(المومن ۶۰)

اور تمہارے پروردگار نے کہا تم مجھے پکارو میں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت قرار دیا اور جو دعا نہ کرے اسے دوزخی قرار دیا۔

دعا کے سلسلہ میں اس آیت کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھیں:

''وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ . اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْ لِیْ وَلْیُؤْ مِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ''(البقرہ ۱۸۶) اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں، جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارے تو میں جواب دیتا ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ میری آواز پر بھی جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ صحیح راستہ پالیں۔

اس آیت کے ضمن میں احمد بن فہد حلی اپنی کتاب عدۃ الداعی میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے آٹھ امور کا استنباط ہوتا ہے۔

۱۔ دعا مانگنے والوں کو اللہ نے اپنے خاص عباد میں شمار فرمایا ہے۔

۲۔ جلد قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اور سرعت قبولیت کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ اللہ نے یہ نہیں کہا: ''قُلْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں، بلکہ قرآن کے الفاظ ہیں ''وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ''جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں۔

۳۔ اللہ نے اپنے جواب کی ابتدا حرفِ فاء سے کی ہے: ''فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ''اور حرفِ فاء تعقیب بلافصل کے لیے آتا ہے یعنی حرفِ فاء میں فوریت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے عظمتِ دعا کے اظہار کے لیے خود ہی واحد متکلم کے صیغہ سے جواب دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: دعا سے کبھی بددل نہ ہونا، خدا کی نظر میں دعا کا ایک خاص مقام ہے۔

۵۔اس آیت مجیدہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ہونے کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا، کیونکہ آیت کے الفاظ ہیں ''فانی قریب'' بے شک میں قریب ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ پر موجود ہے اور اگر اللہ کا ایک مکان معین ہوتا تو ہر مناجات کرنے والے کے قریب نہیں ہوسکتا تھا۔

۶۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''فَلْیَسْتَجِیْبُوْلِیْ'' یعنی وہ مجھ سے دعا مانگیں

اللہ تعالیٰ نے ''وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ'' فرمایا ہے یعنی وہ مجھ پر ایمان رکھیں، کے الفاظ سے اپنے بندوں کو یہ درس دیا کہ میں ان کی حاجات پوری کرنے کی قوت رکھتا ہوں، اسی لیے انہیں دعا کے لیے کسی طرح کا تردد نہیں کرنا چاہیے، بلکہ پورے یقین و وثوق کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے۔

انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ وہ کسی امر کے لیے اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے جس سے یقین ہو کہ اس کے پاس اس کی حاجت پوری کرنے کی قوت موجود ہے اور اگر انسان یہ محسوس کرے کہ میری حاجت پوری کرنا اس کے بس میں نہیں ہے تو انسان اس سے کبھی سوال نہیں کرتا۔

۸۔دعا مانگنے والے افراد کو اللہ نے ''رُشد'' کی بشارت دی ہے، اور رشد اس ہدایت کو کہا جاتا ہے جو مطلوب تک پہنچا دے۔

اسی لیے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مَنْ تَمَنّٰی شَیْئًا وَّ ھُوَ لِلّٰہِ رِضیً لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یُعْطَاہُ''

جو کوئی کسی ایسی چیز کی تمنا کرے جس میں اللہ کی رضا ہو تو وہ دنیا سے اس وقت تک رخصت نہ ہوگا جب تک اس چیز کو پا نہ لے۔

امام عالی مقامؑ نے فرمایا: ''اِذَا دَعَوْتَ فَظُنَّ حَاجَتَکَ بِالْبَابِ'' جب تو دعا مانگے تو سوچ لے کہ تیری حاجت دروازے پر آچکی ہے۔

دعا اور اثر

دعا کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہم نے بہت سے افراد کو دعا کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن دعا قبول نہیں ہوئی اور اللہ نے قرآن مجید میں اجابت دعا کا وعدہ فرمایا ہے۔ یا بالفاظِ دیگر اللہ نے اجابت دعا کا وعدہ فرمایا ہے اور وعدہ خلافی اللہ کے لیے محال ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اللہ سے اس چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کی حکمت کے مطابق ہو تو وہ دعا یقیناً قبول ہوتی ہے، اسی لیے دعا مانگنے والے کو چاہیے کہ اللہ سے ایسی چیز کا سوال کرے جو اس کے دین کے لیے مفید ہو اور اس کے دین کا کوئی نقصان نہ ہو، اگر اللہ کی مصلحت کے تقاضے کے مطابق دعا ہوگی تو اللہ ضرور قبول کرے گا اور اگر مصلحت تاخیر میں ہوگی تو اللہ اس کی تاثیر کو مؤخر کر دے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ جب وہی دعا قبول ہونی ہے جو اس کے تقاضائے حکمت کے مطابق ہو تو پھر دعا مانگنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں

گے کہ ممکن ہے کوئی امر دعا کے بعد ہی حکمت کے تقاضے کے مطابق قرار پائے اور دعا سے قبل وہ حکمت کے تقاضے پر پورا نہ اترتا ہو۔ مزید یہ کہ انسان کو ہر وقت تاثیر پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہیے، اُسے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔

بعض اوقات انسان اپنی نادانی کی وجہ سے اللہ سے ایسے امر کا سوال کرتا ہے جو اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتا اسی لیے اس کی اجابت میں تاخیر کر دیتا ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

''وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ''(یونس ۱۱) اور جس طرح لوگ اپنی بھلائی کے لیے جلدی سے کام لیتے ہیں اسی طرح خدا بھی اگر ان کی شرارتوں کی سزا میں برائی میں جلد بازی سے کام لینا تو ان کی موت ان کے پاس کب کی آ چکی ہوتی۔

معصومین کی دعا میں یہ الفاظ وارد ہیں: ''يَا مَن لَّا تُغَيِّرُ حِكْمَتَهُ الْوَسَائِل'' اے وہ ذات کہ وسائل جس کی حکمت میں تبدیلی نہیں لاتے۔

انسان کو علمِ غیب تک رسائی نہیں ہے اس لیے بعض اوقات وہ اپنے نفسانی خیالات سے متاثر ہو کر خدا سے ایسی چیز کا سوال کرنے لگتا ہے جو اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتا، اگر اللہ تعالیٰ اس کی اس آرزو کو پوری کر دے تو وہ ہلاک ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی نظر اس کی مصلحت پر ہوتی ہے اسی لیے دعا قبول نہیں ہوتی اور ہمارا تجربہ ہے کہ انسان بعض اوقات اللہ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے پھر اس سے پناہ مانگتا ہے اور بعض اوقات کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے پھر اللہ سے اسی چیز کا سوال کرنے لگ جاتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس حقیقت کو ان الفاظ سے بیان کیا: ''رُبَّ اَمْرٍ حَرَصَ الْاِنْسَانُ عَلَيْهِ فَلَمَّا اَدْرَكَهُ وَدَّان لَمْ يَكُنْ اَدْرَكَه'' کئی امور ایسے ہیں جن کے پانے کی انسان حرص کرتا ہے اور جب انہیں پالیتا ہے تو پھر خواہش کرتا ہے کہ کاش اس نے انہیں حاصل نہ کیا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

'' عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ. وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ. وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ ''(البقرہ ۲۱۶) اور عجب نہیں کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور خدا تو جانتا ہی ہے اور تم نہیں جانتے۔

اسی لیے اگر اللہ کسی کی دعا کو قبول نہ کرے تو یہ بھی اس کی شفقت کا تقاضا ہوگا، کیونکہ اگر اللہ ہر شخص کی دعا قبول کرنے لگ جائے تو لوگ ہلاک ہو جائیں اور اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

اگر کریم شخص اعلان کرے کہ میں کسی سائل کو اپنے در سے خالی نہیں لوٹاؤں گا اور اس اعلان کو سن کر کوئی احمق اس کے پاس آئے اور کہے کہ مجھے کچھ زہر ہلاہل کی ضرورت ہے، آپ مجھے زہر فراہم کر دیں تو اس وقت کریم کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس کے سوال پر زہر فراہم کر دینی چاہیے؟ اگر اسے زہر فراہم کر دی گئی تو وہ زہر کھا جائے گا، اسی لیے کریم کے کرم کا تقاضا یہ ہے کہ احمق چاہے ہزار بار بھی زہر کا سوال

کرے تو بھی اس کے ہاتھ میں زہر نہ دے گا۔ بعینہٖ صاحبِ حکمت اللہ نے قبولیت دعا کا وعدہ فرمایا ہے لیکن وہ ایسی کسی دعا کو شرفِ قبولیت نہیں دے گا جو دعا مانگنے والے کے لیے زہر ثابت ہو۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مطالب کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ایسے مطالب جن کا عطا کرنا مصلحت کے مطابق ہے۔

۲۔ ایسے مطالب جن کا روک لینا مصلحت کے مطابق ہے۔

۲۔ ایسے مطالب کہ اگر ان کے ساتھ دعا شامل ہو تو عین مصلحت اور دعا شامل نہ ہو تو خلافِ مصلحت۔

پہلی اور دوسری قسم کے مطالب کا دعا سے کوئی تعلق نہیں ہے، دعا کا واسطہ صرف تیسری قسم سے ہے۔

دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟

ابراہیم بن ادہم سے کسی نے دعا قبول نہ ہونے کی شکایت کی، وہ کہنے لگا: خدا کہتا ہے کہ دعا کرو تو میں قبول کرتا ہوں، لیکن اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور وہ قبول نہیں ہوتی، اس کے جواب میں انہوں نے کہا:

تمہارے دل و دماغ نے آٹھ چیزوں میں خیانت کی ہے، جس کی وجہ سے تمہاری دعا قبول نہیں ہوتی:

۱۔ تم نے خدا کو پہچان کر اس کا حق ادا نہیں کیا، اس لیے تمہاری معرفت نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

۲۔ تم اس کے بھیجے ہوئے پیغمبرؐ پر ایمان تو لے آئے ہو مگر اس کی سنت کی مخالفت کرتے ہو، ایسے میں تمہارے ایمان کا کیا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

۳۔ تم اس کی کتاب تو پڑھتے ہو، مگر اس پر عمل نہیں کرتے، زبانی تو کہتے ہو کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی مگر عملاً اس کی مخالفت کرتے ہو۔

۴۔ تم کہتے ہو کہ ہم خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اس کے باجود اس کی نافرمانیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہو، تو پھر خوف کہاں رہا۔

۵۔ تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے شائق ہیں، حالانکہ کام ایسے کرتے ہو جو تمہیں اس سے دور لیجاتے ہیں تو پھر رغبت وشوق کہاں رہا۔

۶۔ خدا کی نعمتیں تو کھاتے ہو، مگر حقِ شکر ادا نہیں کرتے۔

۷۔ اُس نے تمہیں حکم دیا کہ شیطان سے دشمنی رکھو اور تم اس سے دوستی کی طرح ڈالتے ہو۔

۸۔ تم نے لوگوں کے عیوب کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے اور اپنے عیوب پسِ پشت ڈال دیئے ہیں۔

ان حالات میں تم کیسے امید کر سکتے ہو کہ تمہاری دعا قبول ہو۔ جبکہ تم نے خود اس کی قبولیت کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔

وضاحت

نہج البلاغہ کے کلمات قصار میں یہی الفاظ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہیں، ممکن ہے کہ ابراہیم بن ادہم نے حضرت علی علیہ السلام کا جواب دہرایا ہو۔

حاصل بحث یہ ہے کہ دوسری عبادات کی طرح دعا بھی ایک عبادت ہے اور اس کی بھی شرائط ہیں، جب تک دعا کی شرائط پوری نہ ہوں، اُس وقت تک قبول نہیں ہوگی، جیسا کہ نماز کے لیے دخولِ جنت اور اضافہ رزق کا وعدہ کیا گیا ہے اور اگر کوئی شخص بے وضو نماز پڑھنے لگے تو وہ نماز کے اجر سے محروم رہے گا۔

اس حقیقت کو ہم دوسری مثال سے واضح کرتے ہیں۔

ایک طبیب اگر کہے کہ سقمونیا (ایک قسم کی گوند)، دافعِ قبض ہے اور اگر کوئی سقمونیا کو استعمال کرے مگر اس کے ساتھ دوسری کسی ایسی چیز کو بھی استعمال کرے جو اس کا اثر زائل کر دے مثلاً کوئی شخص سقمونیا کھانے کے بعد افیون استعمال کرے تو اس کا اثر زائل ہو جائے گا اور مریض کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اگر یہی مریض اپنے طبیب کا شکوہ کرے تو اس کا شکوہ بے جا ہوگا اور ہر عقلمند ایسے مریض کو قابلِ مذمت سمجھے گا۔

اس طرح سے کوئی شخص دعا بھی مانگتا رہے اور موانعِ قبولیت دعا سے بھی باز نہ آئے تو اسے اللہ کا شکوہ کرنے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کا اعلان کیا ہے:

''اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ'' (البقرہ/۴۰) تم مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں:

''اسباب وعلل کی تکمیل اجابتِ دعا کا سبب ہوتی ہے اور اسباب کی تکمیل تب ہوتی ہے جب دعا حکمتِ الٰہی اور قضا وقدر کے مطابق ہو، دعا واجب ہے اور اجابت کی توقع رکھنا بھی واجب ہے اور یہی توقع ہی دعا کا سبب بنتی ہے اور ہماری دعا اجابت کا سبب بنتی ہے اور اسباب وعلل کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے''

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دعا اس کے لیے فی الواقع نفع بخش ہوتی ہے مگر دوسروں کے لیے اور نظامِ کل کے لیے فائدہ مند نہیں ہوتی، اسی لیے وہ دعا فوراً قبول نہیں ہوتی۔ کبھی دعا کا اثر اس لیے دیکھنے میں نہیں آتا کہ دعا اس اخلاص وتضرع سے خالی ہوتی ہے جو اس کے لیے ضروری ہے، کیونکہ احادیث میں وارد ہے: ''لَایَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ دُعَآءَ قَلْبٍ لَاهٍ'' خدا غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

دعا کی قبولیت کے لیے ہر چیز سے پہلے دل اور روح کی پاکیزگی کی کوشش، گناہ سے توبہ اور اصلاح نفس ضروری ہے اور انسان کو چاہیے کہ اپنی زندگی کی پاکیزگی کے لیے غصبی مال اور ظلم وستم سے بچنے کی کوشش کرے اور حرام غذا نہ کھائے، پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے:

''مَنْ اَحَبَّ اَن یَّسْتَجَابَ دُعَآئُهٗ فَلْیُطِبْ مَطْعَمَهٗ وَ مَکْسَبَهٗ'' جو چاہتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی غذا اور کسب و کار پاکیزہ ہو، علاوہ ازیں فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے اور حق کی دعوت دینے میں کوتاہی نہ کرے، کیونکہ جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیتے ہیں ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے:

''وَلَتَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْهُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ اَوْ لَیُسَلِّطَنَّ اللّٰهُ شِرَارَکُمْ عَلٰی خِیَارِکُمْ وَ یَدْعُو اَخْیَارُکُمْ فَلَا یُسْتَجَابُ لَهُمْ'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور کرتے رہو ورنہ خدا تم میں سے بروں کو تمہارے اچھے لوگوں پر مسلط کر دے گا، پھر تمہارے اچھے لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں کرے گا۔

دعا کی قبولیت کی ایک اہم شرط عمل ہے، امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''اَلدَّاعِیْ بِلَا عَمَلٍ کَالرَّامِی بِلَا وَتَرٍ'' عمل کے بغیر دعا کرنے والا بغیر کمان کے تیر چلانے والے کی مانند ہے۔

ہادیانِ دین اور دعا

ہادیانِ برحق نے دعا کی بڑی تاکید کی ہے اور اس سلسلہ میں ان سے بے شمار روایات مروی ہیں، ہم کتاب عدۃ الداعی سے چند روایات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ حنان بن سدیر کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: کون سی عبادت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

''مَا شَیْءٌ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اَن یُّسْأَلَ وَ یُطْلَبَ مَا عِنْدَهٗ وَ مَا اَحَدٌ اَبْغَضَ اِلَی اللّٰهِ مِمَّنْ یَّسْتَکْبِرُ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْأَلُ مَا عِنْدَهٗ''

اللہ کو سب سے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور اس کے خزانہ سے طلب کیا جائے اور اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اس کی عبادت سے تکبر کرے اور اس کے خزانے سے کچھ طلب نہ کرے۔

۲۔ زرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ'' (مومن/۶۰) بے شک جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: عبادت سے مراد دعا ہے اور دعا افضل عبادت ہے۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ'' بے شک ابراہیمؑ (اوّاہ) اور بردبار تھے''

امام نے فرمایا: (اوّاہ) یعنی زیادہ دعا کرنے والے تھے۔

۳۔ ابن قداح نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے:

''اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ الدُّعَاءُ وَ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الْعِفَافُ'' اللہ کے نزدیک زمین پر سب سے پسندیدہ

عمل دعا ہے اور افضل عبادت پاکدامنی ہے۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''امیر المومنینؑ بہت زیادہ دعا کرنے والے تھے''

۴۔ عبداللہ بن میمون قداح نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی، آپ نے فرمایا: ''اَلدُّعَاءُ کَھُفُ الْاِجَابَۃِ کَمَا اَنَّ السَّحَابَ کَھُفُ الْمَطَر'' دعا، اجابت کا ظرف ہے جس طرح بادل بارش کا ظرف ہے۔

۵۔ ہشام بن سالم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ھَلْ تَعْلَمُوْنَ طُوْلَ الْبَلَاءِ مِنْ قَصْرِہٖ قُلْنَا لَا قَالَ: اِذَا اَلَمّ اَحَدَکُمُ الدُّعَاءُ فَاعْلَمُوا اَنَّ الْبَلَآءَ قَصِیر''

کیا تمہیں معلوم ہے کہ لمبی آزمائش کب کم ہوتی ہے؟

ہم نے کہا نہیں، آپؑ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو دعا کی رہنمائی مل جائے تو جان لو کہ آزمائش کم ہوگئی۔

۶۔ ابوولاد کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ''مَا مِن بَّلَآءٍ یَّنْزِلُ عَلٰی عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ فَیُلْھِمُہُ اللّٰہُ الدُّعَآءَ اِلَّا کَانَ کَشَفَ ذَالِکَ الْبَلَآءَ وَ شِیْکًا وَّ مَا مِنْ بَّلَآءٍ یَّنْزِلُ عَلٰی عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ فَیُمْسِکُ عِنْدَ الدُّعَآءِ اِلَّا کَانَ الْبَلَآءَ طَوِیْلاً فَانْزَلَ الْبَلَاءُ فَعَلَیْکُمْ بِالدُّعَآءِ وَالتَّضَرُّعِ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ''

مومن پر جب بھی کوئی آزمائش آجائے اور اللہ اسے دعا کی رہنمائی کردے تو آزمائش جلد ختم ہوجاتی ہے اور جب کوئی آزمائش کسی بندۂ مومن پر آئے اور وہ دعا سے دور رہے تو آزمائش لمبی ہوجاتی ہے۔ جب بھی تم پر کوئی آزمائش آجائے تو خدا کے حضور دعا اور تضرع کرو۔

۷۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِفْزَعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فِی حَوَآئِجِکُمْ وَ الْجَاُوْا اِلَیْہِ فِی مُلِمَّاتِکُمْ وَ تَضَرَّعُوْا اِلَیْہِ وَادْعُوْہُ فَاِنَّ الدُّعَآءَ مُخُّ الْعِبَادَۃِ وَ مَا مِن مُّؤْمِنٍ یَّدْعُوا اللّٰہَ اِلَّا اسْتَجَابَ لَہٗ فَاِمَّا اَن یُّعَجِّلَ فِی الدُّنْیَا اَوْ یُؤَجَّلَ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ اِمَّا اَن یُّکَفِّرَ عَنْہُ مِن ذُنُوْبِہٖ بِقَدْرِ مَا دَعَا مَا لَمْ یَدْعُ بِمَاْثَم''

اپنی حاجات کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اپنی مشکلات میں اس سے پناہ حاصل کرو اور اللہ کے حضور عاجزی سے دعا کرو، کیونکہ دعا عبادت کا نچوڑ ہے اور جو بھی مومن اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی دعا قبول کرتا ہے، یا تو دنیا میں اس کا مقصود اسے دے دیتا ہے یا آخرت میں اس کے لیے ثواب مقرر کردیتا ہے، یا اس کی دعا کے برابر اس کے گناہ معاف کردیتا ہے اور دعا اس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک کسی گناہ کے لیے نہ ہو۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاء وَ اَبْخَلُ النَّاسِ مَن بَّخِلَ بِالدُّعَآءِ'' انسانوں میں سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو اور ان میں سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو دعا میں بخل سے کام لے۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَبْخَلِ النَّاسِ وَ اَکْسَلِ النَّاسِ وَ اَسْرَقِ النَّاسِ وَ اَجْفَا النَّاسِ وَ اَعْجَزِ النَّاسِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُولَ اللّٰہِ! قَالَ: اَمَّا اَبْخَلُ النَّاسِ فَرَجُلٌ یَمُرُّ بِمُسْلِمٍ وَّ لَمْ یُسَلِّمْ عَلَیْہِ وَ اَمَّا اَکْسَلُ النَّاسِ فَعَبْدٌ صَحِیْحٌ فَارِغٌ لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ بِشَفَۃٍ وَّلَا بِلِسَانٍ وَاَمَّا اَسْرَقُ النَّاسِ فَالَّذِیْ یَسْرُقُ مِنْ صَلَاتِہٖ، فَصَلَاتُہٗ تَلَفُ کَمَا یُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلَقُ فَیُضْرَبُ بِھَا وَجْھُہٗ وَ اَمَّا اَجْفَا النَّاسِ فَرَجُلٌ ذُکِرْتُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَ اَمَّا اَعْجَزُ النَّاسِ فَمَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ''

کیا میں تمہیں سب سے بڑے بخیل، سب سے زیادہ سست، سب سے بڑے چور، سب سے بڑے جفا کار اور سب سے زیادہ عاجز شخص کے متعلق نہ بتاؤں؟

صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ!

آپؐ نے فرمایا: سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو کسی مسلمان کے پاس سے گزرے اور اس پر سلام نہ کرے۔

سب سے زیادہ سست وہ بندہ ہے جو تندرست اور بیکار ہو اور اپنی زبان اور ہونٹ سے اللہ کا ذکر نہ کرے۔

سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز (کے ارکان و واجبات اور ذکر و قرأت) میں چوری کرے (صحیح طریقہ سے نہ بجالائے)، ایسے شخص کی نماز کسی پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر ماری جائے گی۔

سب سے بڑا جفا کار وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

اور سب سے بڑا عاجز وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو۔

۱۰۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ الدُّعَاءُ وَ اِذَا اَذِنَ اللّٰہُ لِلْعَبْدِ فِی الدُّعَآءِ فَتَحَ لَہٗ بَابَ الرَّحْمَۃِ، اِنَّہٗ لَن یَّھْلِکَ مَعَ الدُّعَآءِ اَحَد'' سب سے افضل عبادت دعا ہے اللہ نے کسی بندے کو دعا حکم دیا ہے تو اس کے لیے رحمت کا دروازہ بھی کھول دیا ہے اور دعا کی موجودگی میں کوئی ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتا۔

۱۱۔ معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

دو افراد نے ایک ہی وقت میں نماز پڑھنی شروع کی، ایک نے نماز میں لمبی تلاوت کی اور دوسرے نے لمبی دعا پڑھی، پھر دونوں نے ایک وقت میں نماز ختم کی، ان دونوں نمازیوں میں افضل کون ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہر ایک میں فضیلت اور بھلائی ہے۔

میں نے عرض کیا: یہ تو میں بھی جانتا ہوں ہر ایک میں فضیلت اور بھلائی ہے، آپ بتائیں ان دو میں سے افضل کیا ہے؟ (تلاوت یا دعا؟)

امام علیہ السلام نے فرمایا: دعا افضل ہے، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

''وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ. اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ''(المومن

(۶۰

اس آیت میں دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور یہی عبادت افضل ہے اور کیا دعا مشکل عبادت نہیں ہے؟

خدا کی قسم دعا مشکل ترین عبادت ہے، دعا مشکل ترین عبادت ہے۔

۱۲۔ یعقوب بن شعیب راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا، انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کی اور فرمایا: میں ساری گفتگو کو چار جملوں میں تیرے لیے جمع کر رہا ہوں۔

حضرت آدمؑ نے عرض کیا: پروردگار! وہ کیا ہے؟

فرمایا: ان میں سے ایک کا تعلق مجھ سے ہے اور ایک کا تعلق تجھ سے ہے، ایک کا تعلق ہم دونوں سے ہے اور ایک کا تعلق تیرے اور باقی انسانوں کے ساتھ ہے۔

جس کا تعلق مجھ سے ہے، وہ یہ ہے کہ تو میری عبادت کر اور کسی کو اس میں شریک مت ٹھہرا۔

جس کا تعلق تجھ سے ہے، وہ یہ کہ میں تجھے تیرے عمل کی اس وقت جزا دوں گا جب تجھے اس کی شدید ضرورت ہوگی۔

جس کا تعلق ہم دونوں سے ہے، وہ یہ کہ دعا تیرے ذمہ ہوگی اور قبولیت میرے ذمہ ہوگی۔

اور جس کا تعلق تجھ سے اور باقی انسانوں سے ہے، وہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

محمد بن حسن صفار، کتاب الدعا میں رقم طراز ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

دو شخص جنت میں جائیں گے اور دونوں ایک ہی عمل کیا کرتے تھے، تو ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کو اپنے سے بلند مقام پر فائز دیکھ کر کہے گا، پروردگارا! ہم دونوں ایک ہی عمل کرتے تھے، اسے میری نسبت زیادہ رتبہ کیوں ملا؟

اللہ تعالیٰ جواب میں کہے گا:

یہ مجھ سے زیادہ سوال کرتا تھا اور تو سوال نہیں کرتا تھا۔ پھر حضور کریم ؐ نے فرمایا: اللہ سے سوال کرو اور بہت کچھ پاؤ ___ دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ___

ساتھ ہی حضور کریم ؐ نے فرمایا: اللہ سے ضرور سوال کرو ورنہ اللہ تمہارے خلاف فیصلہ کر دے گا، کیونکہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو عمل کرتے ہیں، اللہ انہیں ان کا اجر عطا کرے گا اور دوسرے وہ ہیں جو اس سے سچی نیت سے مانگا کرتے ہیں، اللہ انہیں بھی اجر عطا کرے گا، پھر جنت میں انہیں اکٹھا کرے گا تو عمل کرنے والے کہیں گے، خدایا! ہم نے تو عمل کیے اور تو نے ہمیں یہ بدلہ دیا اور ان لوگوں کو تو کس وجہ سے یہ مقام عطا کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندو! میں نے تمہیں تمہارا اجر بلا کم و کاست دے دیا ہے اور ان لوگوں نے مجھ سے دعائیں مانگی تھیں، میں نے انہیں بھی یہ رتبہ دیا ہے اور یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے میسر بن عبد العزیز سے کہا:

میسر! اللہ سے دعا مانگو اور یہ نہ کہو کہ قضا وقدر کے فیصلے ہو چکے ہیں، کیونکہ اللہ کے ہاں ایک مقام ایسا ہے جسے دعا کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی شخص اپنے منہ کو بند رکھے تو اسے کچھ نصیب نہ ہوگا، سوال کرو تا کہ تمہیں کچھ ملے، میسر! جس دروازے پہ دستک دی جائے بالآخر وہ دروازہ کھل جاتا ہے۔

اس روایت میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس پر ہم نے سابقہ صفحات میں بحث کی تھی کہ دعا سے مصلحت پیدا ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے نہیں ہوتی اور دعا کا وجود مطلوب کے اسباب میں سے ایک سبب ہونا بھی بعید نہیں ہے۔

خطبہ ۴۷

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ ذِكْرِ الْكُوْفَةِ

كَأَنِّيْ بِكِ يَا كُوْفَةُ تُمَدِّيْنَ مَدَّ الْاَدِيْمِ الْعُكَاظِيِّ تُعْرَكِيْنَ بِالنَّوَازِلِ وَ تُرْكَبِيْنَ بِالزَّلَازِلِ وَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّهُ مَا اَرَادَ بِكِ جَبَّارٌ سُوْءً ا اِلَّا ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِشَاغِلٍ وَ رَمَاهُ بِقَاتِلٍ

حضرتؑ کا خطبہ کوفہ کے ذکر میں

اے کوفہ! یہ منظر گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھے اس طرح سے کھینچا جا رہا ہے جیسے بازارِ عکاظ کے دباغت شدہ چمڑے کو اور تجھے مصائب وآلام سے کچلا جا رہا ہے، شدائد وحوادث کا مرکز بن چکا ہے، میں جانتا ہوں جو ظالم وسرکش تجھ سے برائی کا ارادہ کرے گا، اللہ اسے کسی مصیبت میں جکڑ دے گا اور کسی قاتل کی زد پر لے آئے گا۔

تشریح لغت (اَلْاَدِيْم) ادھوڑی یا رنگی ہوئی کھال، اس کی جمع ''اُدُمٌ'' ہے، (عُكَاظٌ) عین کے پیش کے ساتھ، مکہ کے قریب ایک بازار لگتا تھا جہاں دور دراز سے عرب خرید وفروخت کے لیے آتے تھے اور ادبی مشاعرے بھی وہاں منعقد ہوتے تھے، عکاظ کا یہ تجارتی میلہ پورا ایک مہینہ جاری رہتا تھا، اسلام نے اسے ختم کر دیا تھا، وہاں دباغت کے لیے چمڑے بکا کرتے تھے، اسی لیے چمڑے کی نسبت عکاظ کی طرف دی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا (اَدِيْمُ الْعُكَاظِيِّ) ابوذویب نے کہا:

اِذَا بُنِيَ الْقُبَابُ عَلٰى عُكَاظٍ وَ قَامَ الْبَيْعُ وَ اجْتَمَعَ الْاُلُوْفُ

جب عکاظ میں خیمے لگ جائیں اور خرید وفروخت ہونے لگے اور ہزاروں افراد جمع ہو جائیں۔

(اَلْعَرْكُ) رگڑنا، کھرچنا، ''عَرَكَتِ الْقَوْمُ فِي الْحَرْبِ'' جب جنگ کسی قوم کو تھکا کر کمزور کر دے۔

(النوازل) مصائب وشدائد (الزلازل) آزمائشات

تشریح

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور کوفہ پر ظلم وستم روا رکھنے والے حکمرانوں کا حشر انتہائی خراب

ہوا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔

(کَاَنِّیْ بِکِ یَا کُوْفَۃ) اے کوفہ! میں تیرا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور میری بتائی ہوئی یہ بات ظن وتخمین پر مبنی نہیں ہے بلکہ چشم دید گواہ کی گواہی کی مانند ہے اور ان حوادث کا ظہور قضاوقدر میں طے پا چکا ہے۔

(تُمَدِّیْنَ مَدَّ الْاَدِیْمِ الْعَکَاظِیِّ) تجھے اس طرح سے کھینچا جا رہا ہے جیسے بازارِ عکاظ کے دباغت کیے ہوئے چمڑے کو کھینچا جاتا ہے۔

حضرتؑ نے اہلِ کوفہ کی آزمائش کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جس طرح عکاظ کی دھوڑی یعنی دباغت شدہ کھال کو کوٹ کوٹ کر پھیلایا جاتا ہے، اس طرح سے کوفہ کے رہنے والوں پر بھی ظلم وستم ہوگا۔

(تُعْرَکِیْنَ بِالنَّوَازِلِ وَ تُرْکَبِیْنَ بِالزَّلَازِلِ) اور مصائب وآلام کی تاخت وتاراج سے تجھے کچلا جا رہا ہے اور شدائد وحوادث کا تو مرکز بنا ہوا ہے۔

کتب تاریخ حضرت کی اس پیش گوئی کی صداقت سے لبریز ہیں۔ دنیا کا وہ کون سا ظلم تھا جو اہلِ کوفہ پر نہ ڈھایا گیا ہو اور وہ کون سے مصائب تھے جو ان پر وارد نہ ہوئے ہوں۔

(وَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ) اور بے شک میں ضرور جانتا ہوں۔

حضرت نے (انّ اور ل) دونوں حروفِ تاکید استعمال کر کے اپنے فرمان میں مزید تاکید کی ہے اور یہ بتایا کہ میری یہ خبر علم الیقین پر مبنی ہے۔

(اَنَّہٗ مَا اَرَادَ بِکِ جَبَّارٌ سُوْٓءًا اِلَّا ابْتَلَاہُ اللّٰہُ بِشَاغِلٍ وَ رَمَاہُ بِقَاتِلٍ) جو ظالم وسرکش تجھ سے برائی کا ارادہ کرے گا، اللہ اسے کسی مصیبت میں جکڑ دے گا اور کسی قاتل کی زد پر لے آئے گا۔

ابوالحسن کیدری نے شرح خطبہ میں لکھا ہے:

اللہ نے جن ستم گروں کو مصائب میں مبتلا کیا ہے ان میں زیادہ زیاد بن ابیہ سرفہرست ہے، اس نے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف نازیبا جملے کہنا چاہتا تھا کہ اس کا حاجب مسجد میں آیا اور لوگوں سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ اب امیر تمہارے پاس نہیں آئے گا اور اس پر ابھی ابھی فالج گرا ہے۔

پھر عبیداللہ بن زیاد پر خدا کی طرف سے مصیبت نازل ہوئی اسے جذام کا مرض لاحق ہوا، پھر حجاج بن یوسف پر خدائی عذاب آیا اس کے شکم میں سانپ پیدا ہو گئے اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا، پھر عمر بن ہبیرہ اور اس کے بیٹے یوسف کو اللہ کی گرفت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہ باپ بیٹا دونوں برص (پھلبہری) میں مبتلا ہو کر مرے۔

پھر خالد قسری پر اللہ کا عذاب آیا، اسے زندان میں ڈالا گیا تھا اور زندان میں بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

اور کوفہ کے جو حکمران قتل ہوئے ان میں درج ذیل سرِ فہرست ہیں:

۱۔عبیداللہ بن زیاد ۲۔مصعب بن زبیر ۳۔ابوالسرایا ۴۔یزید بن مہلب۔
یہ سب کے سب بے دردی سے قتل ہوئے۔

عظمتِ حضرت امیر مختار اور شارح بحرانی کا اشتباہ

ہمیں شارح بحرانی پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ اس نے کوفہ کے قتل ہونے والے ظالم حکمرانوں کے نام لکھتے ہوئے ان میں جناب مختار بن ابی عبیدہ کا نام بھی لکھ دیا اور حضرت مختار کو ان ظالم حکمرانوں کی فہرست میں لانا سراسر مقامِ حضرت مختار سے لاعلمی کی دلیل ہے اور یہ ان کے حق میں بے ادبی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض روایات میں جناب مختار بن ابوعبیدہ کی مذمت وارد ہوئی ہے مگر ان روایات کی سند ضعیف ہے اور اس کے برعکس مختار کے حق میں جو روایات مروی ہیں ان کی سند صحیح ہے اور وہ حالات واقعات کے بھی عین مطابق ہیں اور کشی نے اپنی کتاب رجال میں دونوں قسم کی روایات نقل کی ہیں اور اگر مدح کی روایت کو ترجیح دینا مشکل ہو تو انسان کو توقف کرنا چاہیے اور اگر بالفرض مذمت کی روایت راجح ہوں تو بھی جناب مختار کو ابن زیاد اور مصعب جیسے ظالم حکمرانوں کی فہرست میں لانا درست نہیں ہے۔

سید بن طاؤس نے مذمتِ مختار کی روایت پر جرح کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ سیاست مداروں کی وضعی احادیث ہیں، جبکہ مختار کی مدح میں اس روایت کے علاوہ دوسری کوئی بھی روایت ہو تو بھی یہ جناب مختار کی عظمت کے لیے کافی ہے۔

کشی نے عبداللہ بن شریک سے روایت کی، اس نے کہا: ہم عید قربانی کے دن امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں گئے، آپ نے حجام کی طرف پیغام بھیجا ہوا تھا اور اس کا انتظار کر رہے تھے، میں امام علیہ السلام کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، اسی دوران اہلِ کوفہ میں سے ایک بزرگ شخص حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضرتؑ کے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہا، امامؑ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس سے فرمایا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ابومحمد حکم بن مختار بن ابی عبیدہ ثقفی ہوں۔

حضرت نے جب یہ سنا تو آپؑ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف پھیلا دیا اور اسے اپنی آغوش کے بالکل قریب بٹھایا۔

حکم بن مختار نے کہا: مولا! لوگ میرے باپ کے متعلق بہت سی باتیں کرتے ہیں، جبکہ آپ کا فرمان قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت نے فرمایا: تو لوگ کیا کہتے ہیں؟

اس نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور جھوٹا تھا، آپ مجھے آج جو حکم دیں گے میں اسے قبول کروں گا۔

حضرتؑ نے فرمایا: سبحان اللہ! میرے والد نے مجھے خبر دی تھی کہ میری والدہ کا حق مہر ادھار تھا، جب مختار نے رقم بھیجی تو انہوں نے میری والدہ کا حق مہر ادا کیا اور کیا مختار نے ہمارے گھر نہیں بنوائے؟ کیا اس نے ہمارے قاتلوں کو قتل نہیں کیا اور کیا اس نے ہمارے خون

کا بدلہ نہیں لیا؟ اللہ اس پر رحم کرے، میرے والد نے مجھے خبر دی تھی کہ مختار بچپن میں فاطمہؑ بنت علیؑ کی خدمت کیا کرتا تھا، ان کا بستر بچھاتا تھا، ان کی محفل میں تکیے رکھتا تھا اور اس نے انہی سے احادیث یاد کی تھیں، اللہ تیرے باپ پر رحم کرے، اس نے جس کے پاس ہمارا کوئی حق دیکھا تو ہمارے حق کا مطالبہ کیا، ہمارے قاتلوں کو قتل کیا اور ہمارے خون کا انتقام لیا۔

مدحِ کوفہ

حضرتؑ کے اس فرمان ''میں جانتا ہوں جو ظالم و سرکش تجھ سے برائی کا ارادہ کرے گا، اللہ اسے مصیبت میں جکڑ دے گا اور کسی قاتل کی زَد پر لے آئے گا'' میں کوفہ کی مدح کا پہلو موجود ہے۔

اہل البیت طاہرینؑ کی زبانی کوفہ کی مدح منقول ہوئی ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ کا کوفہ کی متعلق فرمان ہے: ''نعمة المدرة'' کوفہ اچھی سرزمین ہے۔

آپؑ ہی نے فرمایا: قیامت کے روز کوفہ کی سرزمین سے ستر ہزار افراد ایسے محشور ہوں گے جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔

کوفہ کے متعلق حضرتؑ کا ایک اور فرمان ہے:

کوفہ ہمارا شہر ہے اور ہمارے شیعوں کی جائے رہائش ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

خدایا! جو کوفہ کو اپنی زَد پر رکھے تو اسے اپنی زَد پر رکھ اور جو کوفہ سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔

امام جعفر صادقؑ کا ہی فرمان ذیشان ہے:

کوفہ وہ سرزمین ہے جو ہم سے محبت رکھتی ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

بحار الانوار میں بحوالہ معانی الاخبار، الخصال، امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

اللہ نے چار شہروں کا انتخاب کیا ہے اور فرمایا: ''وَ التِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَ طُوْرِ سِیْنِیْنَ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ'' (سورہ والتین)

(تین) سے مراد مدینہ ہے، (زیتون) سے مراد بیت المقدس ہے، (طورِ سینین) سے مراد کوفہ ہے اور (بلد الامین) سے مراد مکہ ہے۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ شاید حضور اکرمؐ نے لفظ (تین) سے مدینہ کا کنایہ اس لیے کیا ہو کہ مدینہ میں ''تین، انجیر بکثرت ہوتا ہے'' اور انجیر کی سب سے اچھی قسم وہاں پیدا ہوتی ہے، یا ''تین'' سے مدینہ کا کنایہ اس لیے کیا ہو کہ انجیر کو تمام پھلوں میں امتیاز حاصل ہے۔ اسی طرح سے شہر مدینہ کو بھی باقی شہروں پر امتیاز حاصل ہے۔

اور ''طور سینین'' کے الفاظ سے حضور اکرمؐ نے کوفہ کا اس لیے کنایہ کیا ہو کہ ظہر کوفہ نجف ہے اور نجف کی دھرتی سید الاوصیاء

حضرت علی علیہ السلام کی مناجات کا اسی طرح اسے مقام ہے جیسا کہ کوہِ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کا مقام تھا۔

یا یہ ممکن ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کی تھی اور کوہِ طور پر جلوہ پڑا تھا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا، اس کے چند ریزے کوفہ کی سرزمین پر آ پڑے ہوں، جیسا کہ بعض روایات میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ بھی امکان ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے بیٹے نے اس پہاڑ کا سہارا لینا پسند کیا تھا تو پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور اس کے کچھ ٹکڑے طورِ سینا پر جا گرے تھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ طورِ سینا درحقیقت یہی ہو۔

مفسرین ولغویین کو بھی طورِ سینا کے متعلق سخت اشتباہ ہوا ہے۔

کیونکہ شیخ الطائفہ نے تہذیب میں اپنی اسناد سے ثمالی سے روایت کی ہے اور انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی:

حضرت امیر المومنینؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی:

جب میری وفات ہو جائے تو میرا جنازہ اٹھا کر ظَہرِ کوفہ (پُشتِ کوفہ) کی طرف لے جانا اور جب تمہارے قدم صحیح چلنے لگیں اور تمہارے سامنے ہوا آ جائے تو مجھے وہیں دفن کر دینا، کیونکہ وہ طورِ سینا کا ابتدائی حصہ ہے، اولاد نے حضرتؑ کے فرمان پر عمل کیا۔

مجالس شیخ میں عبداللہ بن ولید سے مروی ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کر کے ان کے سامنے بیٹھ گئے، تو حضرتؑ نے فرمایا: تم کون ہو؟

ہم نے کہا: ہم اہلِ کوفہ میں سے ہیں۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا: کوفہ شہر میں ہمارے جتنے محبّ رہتے ہیں، اتنے کسی اور شہر میں نہیں رہتے اور یہ ایسا گروہ ہے کہ اللہ نے تمہیں اس امر کی ہدایت کی ہے، جس سے دوسرے لوگ جاہل ہیں، تم نے ہم سے محبت کی ہے جب کہ لوگوں نے ہم سے بُغض رکھا اور تم نے ہماری تصدیق کی، جبکہ لوگوں نے ہمیں جھٹلایا، تم نے ہماری اتباع کی جب کہ لوگوں نے ہماری مخالفت کی اسی لیے اللہ نے تمہاری زندگی کو ہماری زندگی اور تمہاری موت کو ہماری موت قرار دیا۔

خطبہ ۴۸

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْمَسِيْرِ اِلَى الشَّامِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كُلَّمَا وَقَبَ لَيْلٌ وَ غَسَقَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كُلَّمَا لَاحَ نَجْمٌ وَ خَفَقَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرَ مَفْقُوْدِ الْاِنْعَامِ وَ لَا مُكَافَاءِ الْاِفْضَالِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَعَثْتُ مُقَدَّمَتِیْ وَ اَمَرْتُهُمْ بِلُزُوْمِ هٰذَا الْمِلْطَاطِ حَتّٰى يَاْتِيَهُمْ اَمْرِیْ وَ قَدْ رَاَيْتُ اَنْ اَقْطَعَ هٰذِهِ النُّطْفَةَ اِلٰى شِرْذِمَةٍ مِّنْكُمْ مُوْطِنِيْنَ اَكْنَافَ دَجْلَةَ فَاُنْهِضَهُمْ مَعَكُمْ اِلٰى عَدُوِّكُمْ وَ اَجْعَلَهُمْ مِنْ اَمْدَادِ الْقُوَّةِ لَكُمْ.

جب شام کی طرف روانہ ہونے لگے تو یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

اللہ کے لیے حمد وثنا ہے جب بھی رات آئے اور اندھیرا چھا جائے اور اللہ کے لیے تعریف وتوصیف ہے، جب بھی ستارہ نکلے اور غروب کرے اور اس کے لیے مدح وستائش ہے جس کے انعامات کبھی ختم نہیں ہوتے اور جس کے احسانات کا بدلہ اتارا نہیں جا سکتا۔ (آگاہ رہو کہ) میں نے فوج کا ہراول دستہ آگے بھیج دیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ میرا فرمان پہنچنے تک اس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالے رہے اور میرا ارادہ ہے کہ اس پانی کو عبور کر کے اس چھوٹے سے گروہ کے پاس پہنچ جاؤں جو اطراف دجلہ (مدائن) میں آباد ہے اور اسے بھی تمہارے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دوں اور انہیں تمہاری کمک کے لیے ذخیرہ بناؤں۔

اَقُوْلُ: يَعْنِیْ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْمِلْطَاطِ هٰهُنَا السِّمْتُ الَّذِیْ اَمَرَهُمْ بِلُزُوْمِهٖ وَ هُوَ شَاطِئُ الْفُرَاتِ وَ يُقَالُ ذَالِكَ اَيْضًا لِشَاطِئِ الْبَحْرِ وَ اَصْلُهٗ مَا اسْتَوٰى مِنَ الْاَرْضِ وَ يَعْنِیْ بِالنُّطْفَةِ مَاءُ الْفُرَاتِ وَ هُوَ مِنْ غَرِيْبِ الْعِبَارَاتِ وَ عَجِيْبِهَا.

علامہ رضی کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس مقام پر ملطاط سے وہ سمت مراد لی ہے، جہاں انہیں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اور وہ سمت کنارہ فرات ہے اور ملطاط کنارۂ دریا کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس کے اصل معنی ہموار زمین کے ہیں اور نطفہ (صاف وشفاف پانی) سے آپ کی مراد آبِ فرات ہے اور یہ عجیب وغریب تعبیرات میں سے ہے۔

تشریح لغت (الوَقوبُ) داخل ہونا (غسق) اللیل، رات تاریک ہوئی اور اسی سے لفظ غاسق مشتق ہے (وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ) اور اندھیری رات کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے۔

طبرسی فرماتے ہیں: لغت میں ''غاسق'' رات کے وقت حملہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور یہاں غاسق سے مراد رات ہے، کیونکہ رات کے آنے سے وحشی جانور اپنے بھٹوں سے نکل آتے ہیں اور تمام موذی کیڑے مکوڑے اپنی بلوں سے باہر آجاتے ہیں، (غَسَقَتِ الْقُرْحَةِ) کا جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب زخم سے پیپ آنے لگے، اہلِ جہنم کو دی جانے والی پیپ کو (غَسَّاق) کہا جاتا ہے اور (غسقت عينه) کا معنی ہے کہ اس کی آنکھ سے آنسو بہے۔ (خفق) النجم، تخفق خفوقا، ستارہ غروب ہوا۔ (المكافاء) مکافات سے اس مفعول، یعنی اترا ہوا بدلہ۔ (مقدمة) الجیش، لشکر کا ہراول دستہ۔ (الملطاط) وادی کا کنارہ اور ساحلِ سمندر اور یہاں فرات کا کنارہ مقصود

ہے جیسا کہ سید رضیؒ نے خود وضاحت فرمائی ہے۔(النطفة) صاف شفاف پانی، خواہ زیادہ ہو یا کم۔(شرذمة) شین کی زیر کے ساتھ، انسانوں کا چھوٹا سا گروہ۔(موطنین) باب افعال یا تفعیل سے اسم فاعل، اوطنہ یوطنہ۔(واستوطنة) اس نے وطن بنالیا۔(کَنَفَ) تینوں حروف متحرک ہیں، کنارہ۔(نهض) کھڑا ہوا، قیام کیا، از باب منع، انهضہ غیرہ، کسی اور نے اسے اٹھایا۔(الامداد) مدد کی جمع یعنی ناصر و مددگار۔

تشریح

حضرتؑ نے یہ خطبہ پانچ شوال ۳۷ھ کو کوفہ سے باہر نخیلہ کے مقام پر دیا تھا۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کُلَّمَا وَقَبَ لَیْلٌ وَ غَسَقَ) اللہ کے لیے حمد و ثنا ہے جب بھی رات آئے اور اندھیرا چھا جائے۔

(وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ کُلَّمَا لَاحَ نَجْمٌ وَ خَفَقَ) اللہ کے لیے تعریف و توصیف ہے جب بھی ستارہ چمکے اور غروب کرے۔

قیود مذکورہ سے حمد کا مقید کرنا دوام و ثبات کے لیے ہے اور اس میں باری تعالیٰ کے کمالِ قدرت اور عظمت کی طرف اشارہ ہے اور ان الفاظ سے حضرت نے رات کے اندھیرے کے فوائد کی جانب اشارہ فرمایا کیونکہ رات سکون و آرام کا ذریعہ ہے اور ستاروں کے طلوع و غروب میں بھی بہت سے فوائد مضمر ہیں، کیونکہ ان سے مہینے اور سال تشکیل پاتے ہیں اور ستاروں کے ذریعے سے مسافر رات کے وقت سمت کا تعین کرتے ہیں بھٹکنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَیْرَ مَفْقُوْدِ الْاِنْعَامِ) اور اس اللہ کے لیے حمد و ستائش ہے کہ جس کے انعامات کبھی ختم نہیں ہوتے، اس مسئلہ کی مکمل بحث خطبہ نمبر ۴۴ کی شرح میں (وَلَا تُفْقَدُ لَهُ نِعْمَةٌ) کے ضمن میں گزر چکی ہے، شائقین اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

(وَ لَا مُکَافَاءِ الْاِفْضَال) جس کے احسانات کا بدلہ نہیں اتارا جا سکتا، کیونکہ اس کی نعمتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا بدلہ اتارنا کسی کے بس میں نہیں ہے، اگر انسان اس کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ بھی اس کی عطا کردہ توفیق کا مرہون منت ہوتا ہے اور یوں ادائیگی شکر اس کی دوسری نعمت بن جاتی ہے، اس سے قبل نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ الفاظ (ولا یؤدی حقه المجتهدون) کی شرح میں ہم اس کی مکمل بحث کر چکے ہیں۔

(اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ بَعَثْتُ مُقَدَّمَتِیْ) آگاہ رہو کہ میں نے فوج کا ہراول دستہ آگے بھیج دیا ہے۔

اس سے حضرت کی مراد وہ دستہ ہے جو انہوں نے زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی کی سرکردگی میں صفین کی طرف روانہ کیا تھا اور اس دستہ کی تعداد بارہ ہزار جوانوں پر مشتمل تھی۔

(وَ اَمَرْتُهُمْ بِلُزُوْمِ هٰذَا الْمِلْطَاطِ حَتّٰی یَاْتِیَهُمْ اَمْرِیْ) اور میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ میرے فرمان آنے تک اس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالے رہیں۔

(وَ قَدْ رَاَیْتُ اَنْ اَقْطَعَ هٰذِهِ النُّطْفَةَ) میرا ارادہ اور رائے یہ ہے کہ میں اس پانی کو عبور کروں، یعنی میں دریائے فرات کو عبور

کرلوں۔

(اِلیٰ شِرْذِمَةٍ مِّنْکُمْ مُوْطِنِیْنَ اَکْنَافَ دَجْلَةَ)اوردریائے فرات عبورکرکے اس چھوٹے سے گروہ کے پاس پہنچ جاؤں جودجلہ کے اطراف میں آباد ہے۔اس سے آپ کا مقصود مدائن ہے، جودریائے دجلہ کے کنارے آباد ہے۔

(فَأُنْهِضَهُمْ مَعَکُمْ اِلیٰ عَدُوِّکُمْ وَ اَجْعَلَهُمْ مِنْ اِمْدَادِ الْقُوَّةِ لَکُمْ.)اسے بھی تمہارے ساتھ دشمن کے مقابلے میں کھڑا کردوں اورانہیں تمہاری کمک کے لیے ذخیرہ بناؤں۔

نصر بن مزاحم کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں(فانهضهم معکم الی اعداء الله) میں انہیں تمہارے ساتھ دشمنانِ خدا کے مقابلہ میں کھڑا کردوں۔

حضرتؑ کا مدائن میں ورود

نصر کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام پھر بہر سیر شہر آئے جہاں کسریٰ کا محل تھا، کسریٰ کے آثار دیکھ کر حضرت کے ساتھی نے یہ شعر پڑھا:

جَرَتِ الرِّیَاحُ عَلٰی مَحَلِّ دِیَارِهِمْ فَکَاَنَّمَا کَانُوْا عَلٰی مِیْعَادِ

آج ان شہروں پہ ہوائیں خاک اڑارہی ہیں گویا وہ اس دن کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

حضرتؑ نے یہ شعرسن کرفرمایا: یہ شعر پڑھنے کی کیا ضرورت تھی، اس کی بجائے موقع کی مناسبت سے یہ آیت پڑھنی چاہیے تھی:

''کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ(۲۵) وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ(۲۶) وَّنَعْمَةٍ کَانُوْا فِیْهَا فٰکِهِیْنَ(۲۷) کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰهَاقَوْمًا اٰخَرِیْنَ(۲۸)فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ''

وہ لوگ کتنے باغ اورچشمے اورکھیتیاں اورنفیس مکانات اورآرام کی چیزیں جس میں وہ عیش اورچین کیا کرتے تھے، چھوڑ گئے، یوں بھی ہوااوران تمام چیزوں کا ہم نے دوسرے لوگوں کو وارث بنایا تو ان لوگوں پر نہ تو آسمان رویا اور نہ زمین روئی اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔

حضرتؑ نے فرمایا: ایک زمانہ میں یہ وارث تھے اورآج ان کے محلات کے وارث اورلوگ بن گئے ہیں، انہوں نے نعمتوں کا شکر ادانہیں کیا اسی معصیت کی وجہ سے اللہ نے ان کی دنیا ان سے سلب کرلی۔

لوگو! کفرانِ نعمت سے بچو ورنہ تم پر مصائب وآفات آپڑیں گے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: لوگو! اس اونچی جگہ پر آجاؤ۔

نصر کہتے ہیں کہ حضرت نے حارث اعور کو اعلان کا حکم دیا تو اس نے اہلِ مدائن میں اعلان کیا:

''جو شخص جنگ میں شامل ہونا چاہے وہ نمازِ عصر کے وقت امیر المومنینؑ سے ملاقات کرے''

نمازعصر کے وقت لوگ امیر المومنینؑ کے پاس جمع ہوئے تو حضرتؑ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

''مجھے تعجب ہے کہ تمہیں جہاد کی دعوت کیوں نہیں دی گئی اور تم اپنے ملک والوں سے کٹ کر ظالموں کی دھرتی پہ اکیلے کیسے رہ رہے ہو،تم اس سرزمین کے باسی ہو جہاں کے لوگ ظالم تھے اور جن کی اکثریت ہلاک ہوچکی ہے اور اس دھرتی پر رہ کر تم نہ تو امر بالمعروف کرتے ہو اور نہ ہی نہی عن المنکر پہ عمل پیرا ہو''

اہلِ مدائن نے عرض کی: ''ہم آپ کے انتظار میں تھے،آپ جو چاہیں حکم دیں''

آپؑ نے وہاں عدی بن حاتم کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود وہاں سے روانہ ہوگئے۔

عدی بن حاتم وہاں تین دن ٹھہرے،آٹھ سو جنگجو،ان کے پرچم تلے جمع ہوئے وہ ان جنگ آزماؤں کو لے کر چلے گئے اور اپنے بیٹے زید کو انہوں نے مزید جوانوں کے جمع کرنے کے لیے مدائن میں چھوڑا،چند دنوں میں ان سے چار سو جوان آکر ملے اور وہ ان جوانوں کو لے کر حضرت کے لشکر میں جا کر شامل ہوگئے اور یوں دشمنانِ خدا کے مقابلہ کے لیے بارہ سو افراد مدائن سے روانہ ہوئے۔

حضرتؑ کی نوشیروان سے گفتگو

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں بحوالہ کتاب الفضائل شاذان بن جبرائیل قمی سے،انہوں نے احوص سے،اس نے اپنے باپ سے،اس نے عمار ساباطی سے روایت کی،اس نے کہا:

''جب امیرالمومنینؑ مدائن تشریف لائے تو آپؑ نے ایوانِ کسریٰ میں قیام کیا اور حضرتؑ کے ہمراہ دلف بن بجیر بھی تھا،جب آپؑ نماز سے فارغ ہوئے تو دلف سے فرمایا:اٹھو میرے ساتھ آؤ اور اہلِ ساباط کی ایک جماعت بھی وہاں موجود تھی''۔

حضرت دلف اور ساباط کے لوگوں کو ساتھ لے کر محل کے ایک ایک گوشے میں گئے اور دلف سے فرمانے لگے،اس کمرے میں کسریٰ سوتا تھا،اس کمرے میں اس کی بیوی رہتی تھی،اس کمرے میں اس کی اولاد قیام پذیر تھی،غرضیکہ حضرتؑ ایک ایک کمرے کے متعلق دلف کو بتاتے گئے اور وہ تصدیق کرتا رہا،جب آپ پورے محل کے متعلق دلف کو بتا چکے تو اس نے بے ساختہ کہا:

''امیرالمومنینؑ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپؑ نے خود ہی ان اشیاء کو ان مقامات پر اپنے ہاتھوں سے رکھا تھا''

پھر آپ کی نظر ایک پرانی انسانی کھوپڑی پر پڑی تو آپ نے ایک صحابی سے کہا کہ اس کھوپڑی کو اٹھالو،صحابی نے وہ کھوپڑی اٹھائی۔

حضرتؑ ایوان میں تشریف لائے اور پانی سے بھرا ہوا ایک تھال منگایا،جب تھال حضرتؑ کے سامنے آیا تو آپ نے صحابی سے کہا کہ اس کھوپڑی کو اس تھال میں رکھ دو،کھوپڑی تھال میں رکھی گئی تو حضرتؑ نے فرمایا:اے کھوپڑی!تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے بتا میں کون ہوں اور تو کون ہے؟

کھوپڑی نے فصیح عربی زبان میں جواب دیا:

''آپؑ امیرالمومنین،سیدالوصیین اور امام المتقین ہیں اور میں اللہ کا عبد اور اللہ کی کنیز کا فرزند کسریٰ نوشیروان ہوں''

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''تیرا کیا حال ہے؟''

اس نے کہا: ''امیر المومنین! میں عادل بادشاہ تھا اپنی رعایا پر رحم وشفقت کیا کرتا تھا اور ظلم پہ کبھی راضی نہیں ہوتا تھا، لیکن اس کے باوجود میں مجوسی تھا اور حضرت محمد ﷺ میرے دورِ حکومت میں پیدا ہوئے تھے اور جس رات ان کی ولادت ہوئی تو میرے محل کے تیئس کنگرے گر گئے تھے اور میں نے آنحضرتؐ کے شرف وفضیلت ومرتبت اور آسمان وزمین میں ان کی عزت اور ان کے خاندان کی عزت کے متعلق بہت کچھ سنا تو میں نے بھی ارادہ کیا کہ ان پر ایمان لاؤں، لیکن پھر میں نے جان بوجھ کر غفلت کی اور حکومت کے کاموں میں مصروف رہا، افسوس میں نے اپنی غفلت سے کتنی بڑی نعمت کو کھو دیا اور میں کتنی بڑی فضیلت سے محروم رہ گیا ہوں اور آج ایمان نہ لانے کی وجہ سے میں جنت سے محروم ہوں لیکن میرے عدل وانصاف کی وجہ سے اللہ نے مجھے آگ کے عذاب سے بھی محفوظ رکھا ہے، اس وقت میں دوزخ میں ہوں لیکن دوزخ کی آگ پر اللہ نے میرے وجود کو حرام کر دیا ہے۔ ہائے صد افسوس اگر میں ایمان لایا ہوتا تو اے اہلِ بیت مصطفیٰؐ کے سردار اور امتِ مصطفیٰؐ کے امیر آج میں بھی آپؑ کے ساتھ ہوتا''

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر لوگ رونے لگے، اہلِ ساباط یہ منظر دیکھ کر جب اپنے گھروں کو واپس گئے تو انہوں نے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر دی۔

یہ واقعہ سن کر لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، مخلص مومنین نے کہا: ''امیر المومنینؑ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے ولی اور رسول خدا ﷺ کے وصی ہیں''

بعض لوگوں نے کہا: ''نہیں وہ نبی ہیں''

بعض لوگوں نے یہ واقعہ سن کر کہا: ''علیؑ رب ہیں اور ان لوگوں نے حضرت کے متعلق عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کے نظریات کو قبول کر لیا اور کہنے لگے اگر آپ رب نہ ہوتے تو مردوں کو زندہ کیسے کرتے؟'' امیر المومنین علیہ السلام کو اس امر کی اطلاع ملی تو حضرت کو بہت غصہ آیا اور آپ نے ان لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔

جب وہ لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''لوگو! شیطان تم پر غالب آ گیا ہے، میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ نے مجھے ولایت، امامت اور وصایت رسولؐ عطا کر کے مجھ پر انعام کیا ہے، تم اپنے کفر سے باز آ جاؤ، میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کے بندہ کا فرزند ہوں اور محمد مصطفیٰؐ مجھ سے افضل ہیں اور وہ بھی اللہ کے بندے تھے اور وہ پوری زندگی اللہ کی عبادت کرتے رہے، ہم بھی تمہاری طرح کے انسان ہیں''

آپ کی یہ تقریر سن کر بعض افراد نے اپنے کفر سے توبہ کر لی اور کچھ لوگ اپنے کفر پر باقی رہے۔ امیر المومنینؑ نے انہیں کئی مرتبہ توبہ کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ اپنے کفر پر باقی رہے۔

حضرت نے انہیں آگ میں جلا دیا، چند لوگوں نے بعد میں یہ کہنا شروع کیا کہ ''اگر علیؑ رب نہ ہوتے تو آگ سے کبھی نہ جلاتے''

_____نعوذ باللہ من ذالک_____

تکمیل

نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں اپنے اسناد سے عبدالرحمٰن بن عبید بن ابی الکنود سے روایت کی ہے۔

امیر المومنینؑ پانچ شوال بروز بدھ نخیلہ سے شام کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے لوگوں میں یہ خطبہ دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرَ مَفْقُوْدِ النِّعَمِ، وَلَا مُكَافِا الْاِفْضَالِ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ نَحْنُ عَلٰى ذَالِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، اَمَّا بَعْدُ، ذَالِكُمْ فَاِنِّى قَدْ بَعَثْتُ مُقَدَّمَتِى وَ اَمَرْتُهُمْ بِلُزُوْمِ هٰذَا الْمِلْطَاطِ، حَتّٰى يَاتِيَهُمْ اَمْرِىْ، فَقَدْ اَرَدتُّ اَنْ اَقْطَعَ هٰذِهِ النُّطْعَةِ اِلٰى شِرْذِمَةٍ مِنْكُمْ مُوطِنُوْنَ بِاَكْنَافِ دَجْلَةَ، فَانْهَضُهُمْ مَعَكُم اِلٰى اَعْدَآءِ اللّٰهِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ، وَ قَدْ اَمَّرْتُ عَلَى الْمِصْرِ عَقَبَةَ بْنِ عَمْرِو الْاَنْصَارِى وَ لَمْ آلُوكُمْ وَ نَفْسِى فَاِيَّاكُمْ وَالتَّخَلُّفَ وَالتَّرَبُّصَ، فَاِنِّى قَدْ خَلَّفْتُ مَالِكَ بْنَ حَبِيْبِ الْيَرْبُوْعِى وَ اَمَرتُهٗ اَن لَّا يَتْرُكَ مُتَخَلِّفًا اِلَّا اَلْحَقَهٗ بِكُمْ عَاجِلًا اِن شَآءَ اللّٰه۔

تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس کے انعامات ختم نہیں ہوتے اور جس کے احسانات کا بدلہ نہیں اتارا جا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے گواہوں میں سے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (ص) اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔

میں نے ہراول دستے روانہ کر دیئے ہیں اور انہیں حکم دیا ہے کہ میرے فرمان کے آنے تک دریا کے کنارے پر ٹھہرے رہیں اور میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس پانی کو عبور کر کے اس چھوٹے سے گروہ کے پاس پہنچ جاؤں جو دجلہ کے اطراف میں آباد ہے، اسے بھی تمہارے ساتھ دشمنان خدا کے مقابلہ میں کھڑا کر دوں اور میں نے شہر پر عقبہ بن عمرو انصاری کو عامل مقرر کیا ہے اور میں خود تم سے پیچھے نہیں رہا، جنگ سے کنی کترانے اور پیچھے رہنے سے بچو۔

میں نے مالک بن حبیب یربوعی کو پیچھے چھوڑا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو پیچھے نہ رہنے دے اور پیچھے رہنے والے کو جلدی پکڑ کر تمہارے ساتھ شامل کر دے۔

خطبہ۴۹

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَطَنَ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَ دَلَّتْ عَلَيْهِ اَعْلَامُ الظُّهُوْرِ وَ امْتَنَعَ عَلٰى عَيْنِ الْبَصِيْرِ فَلَا عَيْنُ مَنْ لَّمْ يَرَهٗ تُنْكِرُهٗ وَ لَا قَلْبُ مَنْ اَثْبَتَهٗ يُبْصِرُهٗ سَبَقَ فِی الْعُلُوِّ فَلَا شَیْءَ اَعْلٰى مِنْهُ وَ قَرُبَ فِی الدُّنُوِّ فَلَا شَیْءَ اَقْرَبُ مِنْهُ فَلَا اسْتِعْلَاؤُهٗ بَاعَدَهٗ عَنْ شَیْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ وَ لَا قُرْبُهٗ سَاوَاهُمْ فِی الْمَكَانِ بِهٖ لَمْ يُطْلِعِ الْعُقُوْلَ عَلٰى تَحْدِيْدِ صِفَتِهٖ وَ لَمْ يَحْجُبْهَا عَنْ وَاجِبِ مَعْرِفَتِهٖ فَهُوَ الَّذِیْ تَشْهَدُ لَهٗ اَعْلَامُ الْوُجُوْدِ عَلٰى اِقْرَارِ قَلْبِ ذِی الْجُحُوْدِ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشَبِّهُوْنَ بِهٖ وَ الْجَاحِدُوْنَ لَهٗ عُلُوًّا كَبِيْرًا.

یہ خطبہ بھی امام علیہ السلام کا ہے

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے، اس کے ظاہر و ہویدا ہونے کی نشانیاں اس کے وجود کا پتا دیتی ہیں، گو دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتا، پھر بھی نہ دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کر سکتی اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتا، وہ اتنا بلند و برتر ہے کہ کوئی چیز اس سے بلند تر نہیں ہو سکتی اور اتنا قریب سے قریب تر ہے کہ کوئی شئے اس سے قریب تر نہیں ہے اور نہ اس کی بلندی نے اسے مخلوقات سے دور کر دیا ہے اور نہ اس کے قرب نے اسے دوسروں کی سطح پر لا کر ان کے برابر کر دیا ہے، اس نے عقلوں کو اپنی صفتوں کی حد و نہایت پر مطلع نہیں کیا اور ضروری مقدار میں معرفت حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے پردے بھی حائل نہیں کیے، وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اس طرح اس کی شہادت دیتے ہیں کہ (زبان سے) انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کیے بغیر نہیں رہتا، اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے جو مخلوقات سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح لغت (بطنہ) ابطنہ، اُس نے اُسے جانا، اس نے اس کی خبر دی، (الاعلام) علم کی جمع اور علم کے معنی ہیں: وہ چیز جس سے استدلال کیا جائے یعنی علامت۔ (لم یطلع) باب افعال، اطلعت زیداً علیٰ کذا، میں نے زید کو فلاں چیز سے مطلع کیا، اطلع، اعلم وزناً اور معناً ایک ہی چیز ہیں، (الجحود) نکار، جحد حقه، اس نے اس کے حق کا انکار کر دیا۔

فیومی کہتے ہیں کہ ''جحود'' جان بوجھ کر انکار کرنے کو کہا جاتا ہے۔

تشریح:

حضرت کا یہ خطبہ حکمتِ الٰہیہ کے جلیل مباحث اور صفات ربوبیہ کے نفیس مطالب پر مبنی ہے۔ مثلاً

۱۔اللہ عالم الکل ہے

خطبہ کے آغاز میں حضرتؑ نے اللہ کے عالم الکل ہونے اور مخفی وظاہر اور صدور وضمائر کے حاکم ہونے کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَطَنَ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ) تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے۔

حضرتؑ نے اللہ کو عالم الخفیات کہہ کر عالم جلیات کا برہان فرمایا ہے، کیونکہ جب حق سبحانہ کی ذات چھپی ہوئی چیزوں میں بھی اتری ہوئی ہے اور ان کو جانتی ہے تو جلی اور واضح اشیاء کو بطریق اولیٰ جانتا ہے۔

اس سے قبل پہلے خطبہ کی ساتویں فصل میں ہم اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کر چکے ہیں، اسی لیے اسے دہرانا پسند نہیں کرتے۔

اللہ کے عالم الغیب ہونے کے لیے کافی آیات ہیں:

''عٰالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ''(جن ۲۶)

غیب کے جاننے والا ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

'' اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ. وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا. وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ. اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ''(لقمان ۳۴)

بے شک خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں ہے، اسے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا، بے شک خدا آگاہ خبردار ہے۔

علمِ غیب کی تمام تر چابیاں خداوند عالم کے پاس ہیں جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ. وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ. وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ''(انعام/۵۹)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، اس کو وہی جانتا ہے، کوئی پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز ہے مگر یہ کہ وہ نورانی کتاب میں موجود ہے۔

غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس سے غائب ہو یا جو مخلوق سے غائب ہو اور درج ذیل آیت میں مخفی اور مخفی ترین چیز کے علم کا عالم اللہ کو بیان کیا گیا ہے۔

''وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی'' (طٰہٰ ۷)

اور اگر تم پکار کر بات کرو تو بھی وہ یقیناً بھید اور اس سے زیادہ مخفی چیز کو جانتا ہے۔

مقصود آیت یہ ہے کہ تمہیں بلند آواز سے اسے پکارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ بھید کو جانتا ہے اور اس سے جو زیادہ مخفی ہو، وہ اسے بھی جانتا ہے۔

طبرسی لکھتے ہیں کہ ''بھید سے زیادہ مخفی'' کے متعلق علماء کا اختلاف ہے پہلا قول یہ ہے کہ ''بھید'' وہ ہے جو انسان کسی دوسرے انسان کو تنہائی کے عالم میں بتائے اور اس سے زیادہ مخفی وہ تصور و خیال ہے جو انسان صرف اپنے دل تک محدود رکھتا ہو اور کبھی اس کا اظہار نہ کیا ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''سر'' راز، وہ ہے جو انسان کے دل میں محفوظ ہو اور اس سے زیادہ مخفی وہ خیال و تصور ہے جو ابھی تک نہاں خانۂ دل میں بھی نہ کھٹکا ہو۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے:

(سر) بھید، وہ ہے جسے تم نے اپنے دل میں مخفی رکھا ہوا ہو اور (اخفیٰ) اس سے زیادہ مخفی، وہ خیال و تصور ہے جو تمہارے دل میں کھٹکنے کے بعد فراموش ہو گیا ہو۔

خدا کی پہچان کیسے ہو؟

حضرتؑ نے اس خطبہ میں خدا کی پہچان کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور واجب الوجود کی پہچان کا ایک طریقہ حضرتؑ نے یوں بیان فرمایا:

۲۔(دَلَّتْ عَلَیْہِ اَعْلَامُ الظُّھُوْرِ)اس کے ظاہر و ہویدا ہونے کی نشانیاں اس کے ظہور کا پتہ دیتی ہیں اور آیات و آثار ہی وہ علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا پتہ دیتی ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت میں اسی طرز استدلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَامِنَ کُلِّ دَآبَّۃٍوَ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَا لْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ''(بقرہ/۱۶۴)

بے شک آسمان و زمین اور رات دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں دریا میں لے کر چلتی ہیں اور پانی میں جو خدا نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد جلا دیا (شاداب کر دیا) اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان (خدا کے حکم سے) گھرا رہتا ہے، عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

واضح ہو کہ ان آیات و دلائل سے ذاتِ حق کا استدلال کرنا، دلیلِ ''لمی'' پر مبنی ہے اور علمائے متکلمین نے اکثر اسی استدلال کو اپنایا ہے۔

متکلمین کہتے ہیں:

تمام اجسام حرکت وسکون سے کبھی خالی نہیں رہتے، یعنی جسم یا متحرک ہوگا یا ساکن اور حرکت وسکون دونوں حادث ہیں اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو، وہ حادث ہوتی ہے۔ اسی لیے تمام اجسام حادث ہیں اور ہر حادث کو ایک ''مُحدث'' کی ضرورت ہے اور دور وتسلسل چونکہ محال ہے اسی لیے ''مُحدث'' کو جسم وجسمانیت سے منزہ ہونا چاہیے اور وہ محدث جو جسم وجسمانیت سے منزہ ہو، وہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔

طبعیین (Naturalist) کا طریق استدلال بھی اس کے قریب ہے اور وہ حرکت سے استدلال کرتے ہیں، ان کا استدلال یہ ہے۔ متحرک حرکت کا سبب نہیں بنتا، اسے حرکت کے لیے کسی نہ کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے اور محرک کا سلسلہ آخر کار ایک آخری محرک پر جا کر منتہی ہوتا ہے اور دور وتسلسل کے خاتمہ کے لیے ایک ایسے محرک پر اس سلسلہ کی انتہا کا تسلیم کرنا ضروری ہے جو خود محرک ہو اور اسے کوئی دوسری قوت حرکت میں لانے والی نہ ہو اور جو ذات بذاتِ خود محرک ہے اور حدوث سے پاک ہے وہ ذات واجب الوجود باری تعالیٰ کی ہے۔

ان مذکورہ دو طریقوں کے علاوہ ایک اور طریقہ استدلال بھی موجود ہے جو کہ ان دونوں طریقوں سے زیادہ محکم ومضبوط ہے اور یہ استدلال امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک زندیق کے سامنے پیش کیا اور اس استدلال کی بنیاد فعل سے فاعل کے ثبوت پر ہے۔

الکافی میں مذکور ہے کہ ایک زندیق نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسائل توحید پر گفتگو کی اور دورانِ سوال اس نے پوچھا:

اللہ کے وجود کی دلیل کیا ہے؟

مصنوعات کا وجود صانع کی دلیل ہے، کیونکہ تم جب بھی کسی مضبوط ومستحکم عمارت کو دیکھتے ہو تو تمہارے ذہن میں اس کے بانی کا تصور ضرور پیدا ہوتا ہے، اگرچہ تم نے نہ تو بانی کو دیکھا ہو اور نہ ہی عمارت کو تعمیر ہوتے ہوئے ملاحظہ کیا ہو، اسی طرح سے اتنا بڑا عالم بھی اپنے صانع کی دلیل ہے۔ اسی طرح سے یہ کائنات اپنے خالق کی دلیل ہے۔

یہ طریقہ پہلے دو طریقوں سے زیادہ محکم ومضبوط ہے، کیونکہ یہ طرزِ استدلال برہانِ لمّی پر قائم ہے، جس طرح ایک عمارت اپنے معمار کے وجود کی دلیل ہے اور ایک شہ پارہ کاتب کے وجود کی دلیل ہے۔

کیونکہ جو چیز بذاتِ خود ظاہر نہ ہو اپنے افعال کی وجہ سے اس کے وجود کی دلیل پیش کی جائے تو یہ دلیل لمی کہلائے گی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر برہان اس لیے پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس کی نہ تو کوئی جنس ہے اور نہ ہی فصل، جب اس کی جنس وفصل نہیں ہے تو اس کی نوع بھی نہیں ہے اور حد تام اور حد ناقص کے لیے جنس وفصل کی ضرورت ہوتی ہے اور جہاں دونوں ہی نہ ہوں وہاں حد منطقی بیان نہیں کی جاسکتی اور اس پر برہان من حیث الذات پیش نہیں کی جاسکتی۔

البتہ اس کی صفات اور اس کے افعال کو اس کی ذات کا مُظہر تسلیم کرتے ہوئے برہان پیش کی جائے گی، مثلاً ہم کہتے ہیں:

''العالم مصنوع'' کہ جہان بنایا گیا ہے، تو جب ہم لفظ مصنوع کا اطلاق کرتے ہیں تو اس کے ساتھ صانع کا اقرار بھی لازمی

کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب تک صانع کا وجود نہ ہو، مصنوع کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔

بہرنوع برہانِ لمی کے درجِ بالا تینوں طریقِ استدلال کا اشارہ قرآنِ مجید کی اس آیت میں موجود ہے۔

''سَنُرِیْهِمْ اٰیاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ . اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ''(حم سجدہ /۵۳)

ہم عنقریب اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان میں بھی انہیں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی یقیناً حق ہے، کیا تمہارا پروردگار اس کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر خوب شاہد ہے۔

آفاق وانفس سے جب بھی ذات واجب الوجود پر استدلال کیا جائے گا تو یہ برہان لمی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کہا جائے گا۔

متألّہین کا طرزِ استدلال

وجودِ باری کے استدلال کا ایک اور خوبصورت طرزِ استدلال بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے ذریعہ ہی سے اس کا استدلال کیا جائے اور پھر اس ذات کے ذریعہ اس کے صفات وافعال پر بحث کی جائے۔

شارح بحرانی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

متالہین کا طرزِ استدلال اور ہے اور وہ یہ کہ وہ سب سے پہلے وجود پر بحث کرتے ہیں کہ آیا وجود واجب ہے یا ممکن ہے؟ پھر وہ واجب الوجود پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے بعد واجب الوجود کے تقاضوں یعنی حقیقی وحدت اور جسمانیت وعرض وجہت سے منزہ ہونا ثابت کرتے ہیں، بعد ازاں اس کی صفات کے ذریعہ سے اس کے ایک ایک فعل کے صدور کی کیفیت پر استدلال پیش کرتے ہیں۔

صدیقین کا طرزِ استدلال

عارفین وصدیقین کا طرزِ استدلال منطق کی تگنائیوں سے ارفع واعلیٰ ہے، وہ افعال سے فاعل کا اثبات نہیں کرتے وہ صنعت کو صانع اور مخلوق کو خالق کی دلیل بنا کر پیش نہیں کرتے۔

وہ صانع سے صنعت اور خالق سے خلق پر استدلال کرتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ خالق اپنے اثبات کے لیے مخلوق کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اپنے اثبات کے لیے خالق کی محتاج ہے جیسا کہ مولی الموحدین سر اللہ فی العالمین نے دعائے صباح کے ان الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(یَا مَنْ دَلَّ عَلیٰ ذَاتِهٖ بِذَاتِهٖ) اے وہ ذات! جس نے اپنی ذات کی دلالت اپنی ہی ذات سے کی۔

اس حقیقت کو امام زین العابدین علیہ السلام نے دعائے ابوحمزہ ثمالی میں ان الفاظ سے بیان کیا:

''بِکَ عَرَفْتُکَ وَ اَنْتَ دَلَلْتَنِی عَلَیْکَ وَ دَعَوْتَنِی اِلَیْکَ وَ لَوْلَا اَنْتَ لَمْ اَدْرِ مَا اَنْتَ ''میں نے تجھے تیرے ہی

ذریعہ سے پہچانا اور تو نے اپنے متعلق مجھے معرفت کرائی اور تو نے ہی مجھے اپنی جانب دعوت دی اور اگر تو نہ ہوتا تو میں نہ جان سکتا کہ تو کیا ہے۔

اسی ہی دعا میں حضرتؑ نے یہ الفاظ بھی فرمائے ہیں: ''وَ اِنَّکَ لَا تَحْتَجِبُ عَنْ خَلْقِکَ اِلَّا اَنْ تَحْجَبَهُمُ الْاَعْمَالُ دُوْنَکَ'' تو اپنی مخلوق سے چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ تیری معرفت کے آگے ان کے اعمال حجاب بن جاتے ہیں۔

عارفین کسی چیز کے وجود سے ذاتِ باری تعالیٰ پر استدلال نہیں کرتے کیونکہ باری تعالیٰ کا وجود کائنات کے ہر وجود سے زیادہ ظاہر ہے اور اگر ظاہر بین نظریں اسے مخفی سمجھتی ہیں تو اس کا مخفی ہونا بھی اس کے شدتِ ظہور کی وجہ سے ہے اور یہی شدتِ ظہور اس کے باطن ہونے کا سبب ہے۔

اور اس کا نور اس قدر زیادہ ہے کہ وہ اس کے نور کے سامنے حجاب بن گیا ہے اور کائنات کا ہر ذرہ اس کے وجود کی گواہی دے رہا ہے اور اس کی تدبیر کا محتاج ہے۔

ہر گیاہی کہ از زمین روید ''وحدہ لا شریک لہ'' گوید

ملا صدرا کا فرمان

صدر المتالہین ملا صدرا شیرازی شرح کافی میں رقم طراز ہیں:

حکماء وجود صانع کو دو طریقوں سے ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے افعال و آثار سے اس کی ذات کا استدلال کرتے ہیں۔

۲۔ مطلق وجود پر بحث کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وجود کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات سے ثابت ہو اور اپنی ذات میں واحد ہو اور وہ ذات واجب الوجود کی ہے اور وجود خداوندی کے علاوہ جتنے بھی وجود ہیں وہ سب ممکن ہیں اور اس کا وجود، واجب ہے جو اس کے فیضان کی دلیل ہے اور یوں واجب کی دلیل اس کی ذات سے پیش کی جاتی ہے اور کتابِ الٰہی میں استدلال کے دونوں نمونے موجود ہیں اور وہ یہ: ''سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ . اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ '' (حم سجدہ / ۵۳) ہم عنقریب اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان میں بھی انہیں دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی یقیناً حق ہے، کیا تمہارا پروردگار اس کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ تو یہ خلق سے خالق اور مصنوع سے صانع کا استدلال ہے:

اور دوسرے طرزِ استدلال کو یوں بیان کیا گیا۔

''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.....'' (آلِ عمران/۱۸) یعنی اللہ نے گواہی دی کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

اس طرزِ استدلال میں ذاتِ احدیت سے دوسری صفات پر استدلال کیا جاتا ہے اور معرفت صفات سے کیفیت افعال پر استدلال کیا جاتا ہے اور یوں آہستہ آہستہ جسمانیت و متحرکات پر دلیل پیش کی جاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ نظریہ انتہائی محکم و موثق اور

اشرف واعلیٰ ہے۔ (انتہیٰ کلامہ)

واضح رہے کہ ملاصدرا شیرازی کے اس بیان سے وحدت الوجود کا نظریہ تھوڑا سا مترشح ہوتا ہے اور نظریہ وحدۃ الوجود اہلِ شرع کے نزدیک فاسد ہے اور خود ملاصدرا علیہ الرحمۃ نے اسفار کے سفرِ اول میں اس نظریہ کے تار و پود فضائے بسیط میں بکھیر کر رکھ دیئے ہیں اور ہم نے بھی خطبہ ۲۰۸ میں اسی فاسد نظریہ کی بیخ کنی کی ہے، قارئین اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

وَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس کے واحد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

(وَ امْتَنَعَ عَلیٰ عَیْنِ الْبَصِیْر) دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''فَلَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ''(الانعام/۱۰۳)

اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ لوگوں کی نظروں کو خوب دیکھتا ہے وہ بڑا باریک بین اور خبردار ہے۔

نفی رؤیت

مذہبِ اہلِ بیتؑ میں خدا کو مرئی نہیں مانا جاتا اور رؤیتِ خداوندی کے مسئلہ میں معتزلہ بھی ہم سے متفق ہیں اور رؤیت کی نفی آیاتِ کریمہ اور براہینِ محکمہ موجود ہیں اور اس موقع پر ہم صرف ایک روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی میں اپنے اسناد سے احمد بن اسحاق سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام کو خط لکھ کر رؤیتِ خداوندی کے متعلق دریافت کیا اور اس کے متعلق لوگوں کے اختلاف کا ذکر بھی کیا، تو امام علیہ السلام نے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''لَا یَجُوْزُ الرُّؤْیَةُ مَا لَمْ یَکُنْ بَیْنَ الرَّائِیْ وَ الْمَرئِیْ هَوَاءٌ یَنفَذُهُ الْبَصَرُ فَاِذَا انْقَطَعَ الْهَوَاءُ عَنِ الرَّائِیْ وَالْمَرْئِیْ لَمْ یَصِحَّ الرُّؤْیَةُ وَ کَانَ ذَالِکَ الْاِشْتِبَاهُ لِاَنَّ الرَّائِیْ اِذْ سَاوَی الْمَرْئِیّ فِی السَّبَبِ الْمُوْجِبِ بَیْنَهُمَا فِی الرُّؤْیَةِ وَجَبَ الْاِشْتِبَاهُ، وَ کَانَ ذَالِکَ التَّشْبِیْهُ لِاَنَّ الْاَسْبَابَ لَا بُدَّ مِنْ اِتِّصَالِهَا بِالْمُسَبَّبَاتِ''

رؤیت جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے ایسی فضا کا ہونا ضروری ہے جہاں سے نظر گزر سکے اور مرئی کو دیکھ سکے اور جب درمیان میں یہ منقطع ہو جائے تو پھر رؤیت ممکن نہیں رہتی اور اس میں خالق و مخلوق کی یکسانیت لازم آتی ہے، کیونکہ جب ایک ہی چیز دونوں کی رؤیت کا ذریعہ بنے گی تو دونوں میں یکسانیت لازم آئے گی اور یہی یکسانیت خالق کو مخلوق اور مخلوق کو خالق جیسا قرار دینے کے مترادف ہوگی، کیونکہ اسباب کا مسببات کے ساتھ اتصال ضروری ہوتا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام علیہ السلام نے عدم رؤیت کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ رؤیت اس وقت ممکن ہوتی ہے جب رائی یا مرئی کے درمیان مناسب فضا ہو یا اس کے قائم مقام ایسی چیز ہو جہاں سے نگاہ کا گزر ممکن ہو مثلاً صاف پانی وغیرہ جیسی چیزوں کا ہونا ضروری ہے تا کہ دیکھنے والے کی نظر مطلوبہ چیز پر پڑ سکے اور جب فضا یا اس کا قائم مقام نہ ہوگا تو رؤیت ممکن نہ رہے گی۔

۲۔ اگر بالفرض رؤیت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے خالق ومخلوق میں یکسانیت لازم آتی ہے، کیونکہ ایک جسم دوسرے جسم کو ہی دیکھ سکتا ہے اور جب جسم ہی نہ ہو تو رؤیت کیسی؟

پھر جب بندہ اپنے خالق کو دیکھے گا تو لامحالہ طور پر خالق کے لیے ایک سمت مقرر کرنی پڑے گی کہ فلاں سمت میں خالق ہے اور جب سمت مقرر ہوگی تو دوسری سمتیں وجود خدا سے خالی تسلیم کرنی پڑیں گی اور یوں خدا کو ایک جگہ اور ایک مقام پر مقیم تسلیم کرنا پڑے گا جب کہ خدا کے لیے ایک مکان مقرر کرنا غلط ہے، کیونکہ باری تعالیٰ لامکان ہے اور ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور رؤیتِ باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھنے میں جو سب سے بڑی قباحت لازم آتی ہے وہ خالق ومخلوق کی یکسانیت ہے کیونکہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ ایک پیکرِ محسوس بن جائے گا۔

_____ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا _____

اشاعرہ کا نظریہ

اشاعرہ رؤیتِ خداوندی کے قائل ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ نفی رؤیت کے دلائل پر غور کر لیتے تو وہ رؤیت کے فاسد نظریہ کے قائل نہ ہوتے، کیونکہ رؤیت کے لیے تقابل، جہت اور مکان کی ضرورت ہے جب کہ باری تعالیٰ ان نقائص سے منزہ ومبرا ہے۔

اشاعرہ کے ایک ترجمان عمر نسفی نے اپنے فرقہ کا عقیدہ یوں بیان کیا ہے:

''وَ رُؤْیَۃُ اللّٰہِ جَآئِزَۃٌ فِی الْعَقْلِ وَاجِبَۃٌ بِالنَّقْلِ فَیُرٰی لَا فِی مَکَانٍ وَّ لَا عَلٰی جِھَۃٍ مِّن مُّقَابِلَۃٍاَو اتِّصَالِ شُعَاعٍ اَو ثُبُوتِ مُسَافَۃٍ بَینَ الرَّئِی وَالْمَرْئِی''

اللہ کا دیدار از روئے عقل جائز ہے اور از روئے نقل واجب ہے، اللہ کا دیدار ہوگا مگر نہ تو مکان میں ہوگا اور نہ ہی جہت مقابل ہوگی اور کسی شعاع کے اتصال اور رائی اور مرئی کے مابین بغیر ثبوت مسافت کے ہوگا۔

اسی عقیدہ کی مزید توضیح امام غزالی نے اپنی کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں کی ہے اور غزالی نے اپنے عقیدے کی وضاحت سے قبل فرقہ امامیہ ومعتزلہ کا نفی رؤیت کا عقیدہ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ فرقہ امامیہ ومعتزلہ رؤیتِ باری پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر رؤیت کا عقیدہ مان لیا جائے تو اس سے اللہ کا ایک جہت میں ہونا لازم آتا ہے اور جو چیز جہت میں موجود ہو وہ یا تو جوہرِ جسمانی ہوتی ہے یا اعراض میں سے عرض ہوتی ہے اور اللہ نہ تو جوہر ہے اور نہ عرض ہے اور اس کے لیے جوہر وعرض ہونا محال ہے۔

اہلِ حق کے اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے غزالی لکھتے ہیں: اس قیاس کا یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ جب اللہ کو کسی جہت میں

مخصوص کیا جائے تو یہ امرِ محال ہے اور ہم نفی رؤیت کا عقیدہ رکھنے والوں سے یہ دریافت کریں گے کہ انہوں نے رؤیت کو ممنوع کیوں سمجھ لیا ہے اور اس رؤیت کے لیے تم نے جس جہت کو ضروری تصور کر لیا ہے کیا یہ تصور تم نے بالبداہت حاصل کیا یا فکر ونظر کے بعد یہ تصور قائم کیا ہے؟

اس تصور کو بالبداہت ثابت نہیں کیا جا سکتا اور اگر یہ تصور فکر ونظر پر مبنی ہے تو اس کے بیان کی ضرورت ہے۔ اگر تصورِ نظری کی یہ دلیل پیش کی جائے کہ ہمارا مشاہدہ یہی ہے کہ آج تک ہم نے جس چیز کو بھی دیکھا ہے تو ہمیشہ جہت میں دیکھا ہے اور اگر خدا کے لیے بھی رؤیت ثابت ہو جائے تو اس کے لیے بھی جہت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

اگر منکرینِ رؤیت کی یہ دلیل درست مان لی جائے تو پھر فرقہ مجسمہ کو آپ کیا جواب دیں گے جو اللہ کی جسمانیت کے قائل ہیں اور وہ بھی اپنی دلیل میں یہی کچھ کہتے ہیں کہ آج تک ہم نے جس فاعل کو بھی دیکھا ہے تو اسے جسم وجسمانیت سے متصف دیکھا ہے، لہٰذا خدا بھی فاعل ہے اور اسے بھی دیگر فاعلوں کی طرح مجسم ہونا چاہیے۔

اس لیے اگر آپ فرقہ مجسمہ کے اعتراض سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ تسلیم کر لیں کہ ہمارا مشاہدہ حرفِ آخر نہیں ہے، البتہ یہ سچ ہے کہ اس دنیا میں ہمارا مشاہدہ جہت میں متحیز چیز تک ہی محدود ہے جب کہ آخرت میں رؤیتِ باری اس سے مختلف ہوگی، رؤیت ہوگی البتہ جہت میں نہیں ہوگی۔ (انتہی کلامہ)

تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اپنے عقیدہ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہوا ہے:

''غائب کا حاضر پر قیاس کرنا غلط ہے''

ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اشاعرہ اور غزالی وتفتازانی کا نظریۂ رؤیت دلیل وبرہان پر مبنی نہیں ہے اور ہر صاحبِ شعور ان کے نظریہ کے فاسد ہونے سے آگاہ ہے،، کیونکہ اگر مشاہدہ اسی آنکھ سے ہونا ہے تو اس کے لیے جہت ضروری ہے اور مشاہدہ کے لیے جہت کا مقرر ہونا غائب کا شاہد پر قیاس نہیں، بلکہ نظر وبرہان کا بھی تقاضا ہے۔

صدر المتالہین ملا صدرا شیرازی شرح کافی میں رقم طراز ہیں:

''جو قوتِ باصرہ ہمارے اندر موجود ہے اور جس سے ہم اشیاء کا ادراک کرتے ہیں، اس کا تعلق ایک مادہ وضعیہ سے ہے اور مادہ وضعیہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اسی چیز کو محسوس کر سکتا ہے جس سے اس کی نسبت ہو، کیونکہ اشیاء کے جسم اور چشمِ انسانی میں ایک ربط ہے، اسی لیے آنکھ ان کا ادراک کرتی ہے، آوازوں کا ربط کان سے ہے، لہٰذا کان ہی آواز سن سکتے ہیں، آنکھ آوازیں سننے سے قاصر ہے اور کان شیاء کو دیکھنے سے قاصر ہے کیونکہ ہر حاسہ اسی چیز کو محسوس کر سکتا ہے جس کے ساتھ اس کا ربط ہوگا اور حاسہ آنکھ کے ادراک واحساس کی شرط یہ ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھ سکتی ہے جو جہت میں موجود ہو اور کوئی چیز جہت میں موجود نہ ہو تو وہ ادراک نہیں کر سکتی، اسی لیے اگر خدا کو مرئی تسلیم کر لیا گیا تو لامحالہ طور پر اس کے لیے جہت بھی مقرر کرنی ہوگی اور ذاتِ باری کو کسی جہت میں مخصوص کرنا غلط ہے اور عقیدہ توحید کے خلاف ہے''

ملا صدرا کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ نفی رؤیت قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ برہان پر مبنی ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے نفیٔ رؤیت کے بعد فرمایا:

(فَلا عَیْنُ مَنْ لَّمْ یَرَهُ تُنْکِرُهُ) پھر نہ دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کرسکتی۔

حضرتؑ نے ان الفاظ میں ایک شبہ کو زائل کیا ہے اور وہ شبہ یہ تھا کہ جب آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی تو پھر اس کا اقرار ہی کیوں کیا جائے؟ حضرتؑ نے ان الفاظ سے اس وہم کو زائل کیا اور بتایا ہے کہ عدم رؤیت اس ذاتِ پاک کے انکار کا موجب نہیں ہے کیونکہ آفاق و انفس کے آثار و دلائل اس کے وجود کی دلیل ہیں اور اتنے سارے دلائل کی موجودگی میں صرف عدمِ رؤیت کی وجہ سے ذاتِ باری کا انکار درست نہیں ہوسکتا۔

حاسۂ چشم کی مجبوری یہ ہے کہ وہ صرف اسی چیز کا ادراک کرسکتی ہے جو دیکھنے کے قابل ہو اور جہاں اس کی قابلیت ہی ختم ہو جائے تو وہ دیکھ نہیں پاتی اسی لیے آنکھ کا اسے نہ دیکھ پانا اس کے عدمِ وجود کی دلیل نہیں ہے۔ ہم اس مسئلہ کی مفصل بحث انشاءاللہ خطبہ ۶۴ کی شرح میں کریں گے۔

بعدازاں آپ نے فرمایا:

(وَ لَا قَلْبُ مَنْ اَثْبَتَهُ یُبْصِرُهُ) اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔

ان الفاظ سے حضرتؑ نے چشم و قلب کی عاجزی کو بیان فرمایا اور کائنات کو درسِ توحید دیتے ہوئے فرمایا:

دل اس کے کُنہِ حقیقت کے ادراک سے قاصر ہے جس طرح سے حاسۂ چشم اس کے دیدار سے قاصر ہے۔

(اِبصار) کا لفظ ادراکِ کامل اور کُنہِ حقیقت کے حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جو اسے تسلیم کرتا ہے اور اس کے وجود کا ادراک کرتا ہے وہ بھی اس کی کما حقہ معرفت سے قاصر ہے۔ بصر اور بصارت کے الفاظ حاسۂ چشم کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور جب انسان کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو اس کے وجود کا مکمل احاطہ کرلیتا ہے۔ یہاں خطبہ کے الفاظ میں بصارت کے الفاظ سے اس کا لازمی معنی ادراک و احاطہ مراد لیا گیا ہے۔

دل کُنہِ معرفت سے قاصر ہیں

انسانی قلوب باری تعالیٰ کی کُنہِ معرفت سے قاصر ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ تصدیق قلب ایمان کا دوسرا نام ہے اور ایمان بھی تدریجی طور پر کامل ہوتا ہے، پہلے پہل ایمان کمزور ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے اور مرحلہ وار مرتبۂ کمال کی جانب ارتقائی سفر طے کرتا ہے۔ ابتدا میں ایمان کمزور اور ناقص ہوتا ہے پھر افکار و اعمال صالحہ کی بدولت اس میں اضافہ ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اوجِ کمال پر پہنچ جاتا ہے۔۔

محسوسات کی دنیا میں ہم اس کی مثال یوں پیش کرسکتے ہیں کہ ایک کوئلہ جب آگ کی قربت اختیار کرتا ہے تو پہلے پہل اس میں تپش پیدا ہوتی ہے، پھر یہ تپش بڑھتے بڑھتے آگ کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور وہ مکمل آگ بن جاتا ہے، آگ کی طرح روشنی بھی دیتا ہے

اور جلانے بھی لگ جاتا ہے اور اشیاء کو گرم بھی کرتا ہے۔

اسی طرح سے نورِ علم کا جب قوتِ ایمان سے اتصال ہوتا ہے تو شکوک وشبہات کا فاضل مواد نارِ استدلال سے جل جاتا ہے اور علم عین اور ایمان عین کی منزل پہ پہنچ جاتا ہے اور معرفت ترقی کر کے مشاہدہ کی چادر اوڑھ لیتی ہے، اسی لیے عارفین کہا کرتے تھے:

اَلْمَعْرِفَةُ بَذْرُ الْمُشَاهَدَةُ : معرفت مشاہدہ کا بیج ہے

اس حقیقت کے باوجود یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ جب علم عین بن جائے تو وہ عین محسوس پھر بھی نہیں ہوتا اور جب معرفت مشاہدہ میں بدل جائے تو وہ بصری اور حسی مشاہدہ پھر بھی نہیں ہوتا، کیونکہ حس اور محسوس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے اور اس کا تعلق عقل اور معقول سے نہیں ہوتا، کیونکہ حواس ادراک اور ہیں اور حواسِ عقل اور ہیں، محسوس اور معقول ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

اسی لیے ایک جنس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ مراحلِ کمال طے کر کے جنسِ مخالف کی ایک فرد بن جائے۔

کیونکہ بصارت جتنی بھی تیز ہو جائے وہ تخیل میں نہیں بدلتی اور تخیل کبھی تعقل میں تبدیل نہیں ہوتا اور اسی طرح سے تعقل، تخیل میں نہیں بدلتا، ہاں کبھی کبھی ایسا ضرور ممکن ہے کہ تخیل مشاہدہ بن جاتا ہے لیکن یہ مشاہدہ چشمِ تصور سے ہی متعلق رہتا ہے، ظاہر بین نگاہ کا مشاہدہ پھر بھی قرار نہیں پاتا اور بعض افراد کو اپنے مشاہدہ کے متعلق غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے کیا اسے چشمِ تصور سے دیکھا ہے یا ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے اور عام طور پر یہ غلط فہمی مراق کے مریضوں اور کاہنوں کو لاحق ہوا کرتی ہے اور یہی حال تعقل کا ہے، جب تعقل میں شدت پیدا ہو جائے تو وہ مشاہدۂ قلبیہ اور عقلی دیدار بن جاتا ہے مگر وہ دیدار حسی دیدار نہیں بن سکتا۔ بعض روایات میں دیدارِ قلبی کا جو اثبات کیا گیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ومفہوم ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی میں اپنے اسناد سے لکھا ہے کہ ایک خارجی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا:

''اَیَّ شَیْءٍ تَعْبُد؟ قَالَ: اَللّٰهَ، قَالَ: هَل رَأَیْتَهُ؟ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: بَل لَم تَرَهُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاهَدِة الْاَبْصَارِ وَ لٰکِن رَّأَتْهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَآئِقِ الْاِیْمَان''.

آپ کس چیز کی عبادت کرتے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

خارجی نے کہا: تو کیا آپؑ نے اسے دیکھا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: آنکھوں نے بصارت کے مشاہدہ سے اسے نہیں دیکھا البتہ دلوں نے حقائق ایمان سے اسے دیکھا ہے۔

رؤیتِ قلبی سے مراد انوارِ عقلیہ جو ایمان ویقین کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، ان انوار کے ساتھ عقول قدسیہ کا ادراک ہے۔ کیونکہ جب ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے تو قلب میں نور پیدا ہوتا ہے جس نور سے باری تعالیٰ کا مشاہدہ عمل میں آتا ہے اور اس مسئلہ کی مکمل بحث کسی مناسب موقع پر کی جائے گی۔

اہم سوال اور اس کا جواب

اگر اس مقام پر کوئی معترض یہ کہے کہ درج بالا دونوں بیان ایک دوسرے کے متضاد ہیں، کیونکہ حضرت امیر المومنینؑ نے رؤیت کی نفی کی ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے رؤیتِ قلب کو ثابت کیا ہے، آخر اس تضاد کو کیسے دور کیا جائے گا؟

تو ہم معترض کی خدمت میں عرض کریں گے کہ آپ نے شاید پورے غور سے مطالعہ نہیں فرمایا، اگر خوب غور سے مطالعہ کرتے تو آپ کو ہادیانِ دین کے بیانات میں کوئی تضاد نظر نہ آتا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے دل کے اس مشاہدہ کی نفی کی ہے جس کے نتیجہ میں حقیقت باری کا احاطہ ہو سکے اور ذاتِ حق کی کما حقہ معرفت ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ مولی الموحدین علیہ السلام اپنی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے: ''مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ ''ہم سے تیری معرفت کا حق ادا نہ ہوا۔

اسی نکتہ کو حضرتؑ نے دعائے مشلول میں ان الفاظ سے واضح فرمایا: یا ہو ''یَامَن لَّا یَعْلَمُ مَا ھُوَ وَلَا کَیْفَ ھُوَ وَلَا اَیْنَ ھُوَ وَلَا حَیْثُ ھُوَ. اِلَّا ھُو ''اے وہ ذات! جس کے لیے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے؟ کیونکر ہے؟ اور کہاں ہے؟ اور کس طرح ہے؟ بس وہ خود ہی عالم ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جس رؤیتِ قلبی کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ''اِدْرَاک لَا عَلٰی وَجْہِ الْاِحَاطَۃِ ''ہے اور یہی انتہائے معرفت ہے۔ مخلوق کی معرفت اس مقام سے آگے تجاوز نہیں کر سکتی۔

اس حدیث کی مزید شرح خطبہ ۱۷۸ کی شرح میں بیان کی جائے گی۔

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ کہے: جس رؤیت قلبی کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد احاطۂ کامل ہے، اس کے لیے آپ کے پاس کوئی اور حدیث معصوم موجود ہے جس میں یہی معنیٰ بیان کیا گیا ہو؟

اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے، جی ہاں: ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے اپنی اسناد سے الکافی میں عبداللہ بن سنان کی زبانی امام محمد باقر علیہ السلام سے قرآنِ مجید کی اس آیت کے متعلق بیان کی ہے: (لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ) نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہاں صرف ظاہری آنکھوں سے احاطہ مراد نہیں ہے اس سے وہم و خیال کا ارادہ مراد ہے، کیا تم اللہ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے:

''قَدْ جَآئَکُمْ بَصَآئِرٌ مِّن رَّبِّکُمْ ''تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بصیرتیں آ گئی ہیں۔ اس سے مراد ظاہری آنکھوں کی بصارت نہیں ہے۔

''فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ ''جو بصیرت پیدا کرے گا تو اپنے لیے ہی پیدا کرے گا، اس آیت میں ظاہری بصارت مراد نہیں لی گئی ''وَ مَنْ عَصِیَ فَعَلَیْھَا ''جو نابینا بنا تو اس کا نقصان اسے ہی ہوگا۔ اس آیت میں ظاہری آنکھوں کا نابینا ہونا مراد نہیں ہے، یہاں بصارت ظاہری

مراد نہیں بلکہ احاطۂ وہم مراد ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے:

''فلان بصیر بالشعر و فلان بصیر بالفقه و فلان بالدراهم و فلان بصیر بالثیاب ''فلاں شعر کا ماہر ہے، فلاں فقہ کا ماہر ہے، فلاں درہم کا ماہر ہے، فلاں کپڑوں کا ماہر ہے۔

اللہ کو آنکھوں سے دیکھنا محال ہے

مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے سائل نے ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ'' کی آیت سے صرف ظاہری معنی ہی سمجھے ہوئے تھے کہ آنکھیں ذاتِ حق کو نہیں دیکھ سکتیں، تو امام علیہ السلام نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ ظاہری آنکھوں سے اللہ کو دیکھنا تو امرِ محال ہے اور اس کی بحث کی ضرورت نہیں ہے، اس سے مراد نگاہ تخیل کا احاطہ ہے کہ نگاہ تخیل بھی اس کے احاطہ سے قاصر ہے۔

ابو ہاشم جعفری نے امام علی رضا علیہ السلام سے سوال کیا: ''هَلِ اللّٰهُ يُوْصَفُ؟''

فَقَالَ: اَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟قُلْتُ: بَلیٰ ،قَالَ: اما تقرأُ قوله تعالیٰ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ'' قُلْتُ بَلیٰ، قَالَ: فَتَعْرِفُوْنَ الْاَبْصَارَ؟ قُلتُ بلیٰ، قالَ مَاهِيَ؟ فَقُلْتُ: اَبْصارُ الْعُيُوْنِ، قَالَ: اِنَّ اَوْهَامُ الْقُلُوْبِ اَكْبَرُ مِنَ اَبْصَارِ الْعُيُونِ فَهُوَ لَا يُدْرِكُهُ الْاَوْهَامُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَوْهَام.

کیا اللہ کی وصف بیان کی جاسکتی ہے؟

فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

میں نے کہا: کیوں نہیں، میں قرآن پڑھتا ہوں۔

فرمایا: کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے؟

''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ'' اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں جبکہ وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

فرمایا: ''ابصار'' کو جانتے ہو؟

میں نے کہا: جی ہاں، اس سے مراد ظاہری آنکھیں ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: دلوں کا وہم و تخیل ظاہری آنکھوں سے کہیں بڑا ہے، اوہام اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، جبکہ وہ اوہام کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

علامہ مجلسیؒ مرأۃ العقول میں فرماتے ہیں:

اوہامِ قلوب سے مراد قلب کا اس طور سے ادراک کہ وہ اس کا احاطہ کرے اور قلوب اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود اس کے ادراک بالاحاطہ سے قاصر ہیں، اسی لیے امام علیہ السلام نے اسے اوہام قلوب سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمان کا بھی یہی مقصد ہے۔

(وَ لَا قَلْبُ مَنْ اَثْبَتَهٗ یُبْصِرُهٗ) کا مفہوم شارح بحرانی نے یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص دل سے اللہ کا اقرار کرتا ہے، وہ بھی اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکے گا۔

شارح بحرانی کا بیان کردہ مفہوم صحیح نہیں ہے اور حقیقت معنی سے بہت دور ہے۔

۴۔(سَبَقَ فِی الْعُلُوِّ فَلَا شَیْءَ اَعْلٰی مِنْه) وہ اتنا بلند و برتر ہے کہ کوئی چیز اس سے بلند تر نہیں ہو سکتی۔

ذاتِ حق کی بلندی و برتری

ذات حق بلند و برتر ہے، علی العظیم ہے اور بلندی و برتری کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔حسی بلندی: یعنی وہ بلندی جسے حواس محسوس کر سکیں جیسے آسمان زمین سے بلند ہے۔

۲۔خیالی بلندی، یعنی وہ بلندی جو حواس سے تو محسوس نہ ہو البتہ خیال سے محسوس ہو، جیسے ایک بادشاہ کو رعایا پر بلندی حاصل ہوتی ہے۔

۳۔عقلی بلندی، یعنی جس کی بلندی کا عقل فیصلہ کرے۔

تو واضح ہو کہ ذاتِ حق کی بلندی و برتری کا تعلق بلندی کی اس تیسری قسم سے ہے، کیونکہ بلندی کی پہلی قسم محسوسات و متحیزات کے لیے مخصوص ہے اور ذاتِ حق نہ تو پیکرِ محسوس ہے اور نہ متحیز ہے، اسی لیے اللہ کی بلندی کا اس بلندی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

جبکہ بلندی کی دوسری قسم اشخاص و اوقات کی مطابقت سے بدلتی رہتی ہے، مثلاً ایک حکومتی عہدیدار ایک عام شخص سے بلند خیال کیا جاتا ہے، جب کہ یہی عہدیدار اپنے سلطان کے مقابلہ میں پست تصور کیا جاتا ہے اور ایک سلطان اپنے عرصہ اقتدار میں تو بلند شمار کیا جاتا ہے لیکن اقتدار سے معزولی کے بعد وہی سلطان پست شمار ہوتا ہے، مگر اللہ کی بلندی نسبی بلندی نہیں ہے اور اس کی بلندی کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اسی لیے بلندی کی اس قسم کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ذاتِ حق حس و مکان سے منزہ ہے اور خیالی بلندی سے مبرا ہے کیونکہ خیالی بلندی میں کمی بیشی متصور ہو سکتی ہے مگر اللہ کے لیے کسی طرح کی کمی بیشی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ کو فوقیتِ مطلقہ اور علوِ عقلی حاصل ہے۔

مراتبِ کمالیہ میں سب سے بلند تر رتبہ ''علو'' کو حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ کی عظمت سبحان ربی العظیم بیان ہوتی ہے تو نمازی کو رکوع کرنا پڑتا ہے اور جب ذاتِ حق کی بلندی اور ''علو'' کو بیان کیا جاتا ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ کہا جاتا ہے تو نمازی کو سجدہ ریز ہونا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر حسی و عقلی چیز کا مبدأ ہے اور ذاتِ حق تمام معلولات کی وہ علت ہے جس میں کسی طرح کی کمی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے ذات حق کا مرتبہ بھی تمام مراتب عقلیہ میں سب سے بلند و برتر ہے اور اسے فوقیت مطلقہ کا شرف حاصل ہے اور کائنات میں کوئی چیز اس کے مساوی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس سے اعلیٰ و ارفع ہے، اللہ فوقیتِ مطلقہ میں متفرد و علو مطلق میں یکتا ہے، اس میں کوئی اس کا

شریک نہیں ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے اس بلندی سے مراد اس کی ذات کی قدرت وقہر وغلبہ کی بلندی ہو یا صفات حسنہ سے اس کے متصف ہونے کی بلندی مراد ہو اور وہ ذات ہر چیز سے بلند و برتر ہے کیونکہ عالمِ امکان میں ہر چیز اپنے کمال کے لیے اس کی محتاج ہے مگر ذاتِ حق کسی کی محتاج نہیں ہے، وہ ہر چیز سے بلند ہے اس سے کوئی شئے بلند نہیں ہے اور ذاتِ حق کے اعلیٰ وارفع ہونے کی علت اس کے رتبۂ وجود کا کمال اور اس کی شدتِ نور ہے۔

۵۔خدا کتنا قریب ہے؟

(قَرُبَ فِی الدُّنُوِّ فَلا شَیْءَ اَقْرَبُ مِنْهُ) اپنے ماسوا کے اتنا قریب سے قریب تر ہے کہ کوئی شیء اس سے قریب تر نہیں ہے۔

خطبہ کے سابقہ جملہ میں حضرتؑ نے ذاتِ حق کی بلندی بیان فرمائی اور یہ بتایا کہ اس سے کوئی چیز بلند تر نہیں ہے۔

اس جملہ سے یہ وہم پیدا ہونے کا امکان موجود تھا کہ ذاتِ حق چونکہ ہر شے سے بلند و بالا ہے لہٰذا وہ تمام اشیاء سے دور ہے، چنانچہ اسی مغالطہ کو دور کرنے کے لیے حضرتؑ نے یہ جملے ارشاد فرمائے کہ وہ اتنا قریب ہے کہ کوئی شئے اس سے قریب تر نہیں ہے۔

ہم نے ذاتِ حق کی بلندی بیان کرتے ہوئے گزارش کی تھی کہ حق سبحانہ کی بلندی باعتبارِ مسافت نہیں بلکہ باعتبارِ عقل ہے، تو اسی طرح سے اس کے قرب سے مراد حسی قرب نہیں بلکہ عقلی قرب ہے اور عقلی قرب سے مراد اس کا قرب بالعلم اور قرب بالاحاطہ ہے، یا رحمت و فیضان کے ذریعے قرب مراد ہے، کیونکہ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے، اللہ کے اس قرب اور اس کی بلندی پیدا ہونے والے بُعد میں کوئی منافات نہیں ہے۔

ذاتِ حق اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے تمام کائنات سے بلند و برتر ہے اور علم واحاطہ کے اعتبار سے قریب ہے اور عجیب لطف یہ ہے کہ وہ دور ہوتے ہوئے بھی قریب ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نور جتنا بھی قوی ہوگا تو اس کے لیے قرب وبُعد یکساں ہو جاتا ہے اور اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے آپ سورج کو دیکھیں جو آپ سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہے اور پھر دن کے وقت اپنے پاس ایک چراغ جلا کر رکھیں، تو آپ دیکھیں گے کہ کروڑوں میل دور سورج آپ کو اس چراغ کی نسبت اپنے زیادہ قریب محسوس ہوگا۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ جس کا نور جتنا زیادہ ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ قریب محسوس ہوگا۔

اللہ کی بلندی حسی بلندی نہیں اور اس کی فوقیت، فوقیتِ مکانی نہیں ہے۔

(فَلا اسْتِعْلاؤُهُ بَاعَدَهُ عَنْ شَیْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ) نہ اس کی بلندی نے اسے مخلوقات سے دور کیا۔

کیونکہ ذاتِ حق کا بُعد، بُعدِ مکانی نہیں ہے، پروردگار کا بُعد اُس کے علوعقلی اور ارتفاعِ ذاتی کی وجہ سے ہے۔

(وَ لَا قُرْبُهُ سَاوَاهُمْ فِی الْمَكَانِ بِهٖ) اور نہ اس کے قرب نے اُسے دوسری سطح پر لا کر ان کے برابر کیا۔

ان دو جملوں سے حضرت نے ناقص اذہان کے اس خیال فاسد کی تردید کی ہے جو بلندی سے حسی بلندی مراد لیتے ہیں، جو اپنے دامن میں دوری کا مفہوم رکھتی ہے اور جنہوں نے قرب سے قرب مکانی مراد لیا ہے جو نزدیکی پر دلالت کرتا ہے۔

حضرتؑ نے ان اذہان کی باحسن وجوہ تردید کرتے ہوئے واضح کیا کہ اس کی بلندی، دوسری کو مستلزم نہیں ہے اور اس کا قرب، قربِ مکان کو متضمن نہیں ہے، اس کی بلندی عظمت کی بلندی ہے اور اس کا قرب، علم واحاطہ اور رحمت وفیضان کا قرب ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیلی بحث ہم پہلے خطبہ کی پانچویں اور چھٹی فصل میں کر چکے ہیں اور یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اس مقام پر سابقہ وضاحت کے ساتھ الکافی کی ایک حدیث کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی کے باب ''الحرکۃ والانتقال'' میں اپنے اسناد کے ساتھ یعقوب بن جعفر جعفری سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس کسی نے کہا: لوگ گمان کرتے ہیں اللہ آسمان پر اترتا ہے، تو یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْزِلُ وَلَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَنْ یَّنْزِلَ اِنَّمَا مَنْظَرُہٗ فِی الْقُرْبِ وَ الْبُعْدُ سَوَاء لَمْ یَبْعُدْ مِنْہُ قَرِیْبٌ وَلَمْ یَقْرُبْ مِنْہُ بَعِیْدٌ وَلَمْ یَحْتَجِ اِلٰی شَیْءٍ بَلْ یُحْتَاجُ اِلَیْہِ وَ ھُوَ ذُوالطَّوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم'' اللہ نہ تو اترتا ہے اور نہ ہی اسے اترنے کی کوئی ضرورت ہے، اس کے لیے قُرب وبُعد یکساں ہے کوئی قریب اس سے بعید نہیں اور کوئی بعید اس سے قریب نہیں ہے اسے کسی کی احتیاج نہیں بلکہ کائنات کو اس کی احتیاج ہے اور وہ احسان کرنے والا ہے اور اس غالب وحکیم کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں بعض عامہ کا اعتقاد یہ تھا بلکہ آج بھی ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند ترین مقام پر متمکن ہے جسے عرش کہا جاتا ہے اور وہ ہر شب کی آخری تہائی میں عرش سے اتر کر آسمانِ دنیا پر آجاتا ہے اور پھر انہیں ندا کرتا ہے۔

امام علیہ السلام نے ان کے زعمِ باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اللہ نہ تو اترتا ہے اور نہ ہی اسے اترنے کی کوئی ضرورت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتا ہے تو وہ کسی نہ کسی حاجت وضرورت کے لیے حرکت کرتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ تمام ''امکنہ'' کی نسبت اس کے لیے نسبت واحدہ نہیں ہے، کیونکہ جب بھی کوئی مکان یا صاحبِ مکان اس کے قریب ہوگا تو دوسرا مکان اور صاحبِ مکان اس سے دور ہو جائے گا، وہ ایک چیز کے جس قدر قریب ہوگا تو دوسری چیز سے اتنا ہی دور ہو جائے گا، اسی لیے اسے مطلوبِ غائب کے حصول کے لیے حرکت کی ضرورت پیش آئے گی۔

اللہ اگر کسی مکان میں محدود ہوتا تو یقیناً اسے حرکت کی بھی ضرورت ہوتی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں محدود ومتحیز نہیں ہے اسی لیے اس کے لیے تمام امکنہ ومکانیات کی حیثیت یکساں ہے، اس کے لیے کوئی چیز دوسری چیز سے قریب تر نہیں ہے اور کوئی دوسری چیز کسی اور چیز کی نسبت دور تر نہیں ہے اور انسانی حواس جسے اپنے لیے ''قرب وبعد'' تصور کرتا ہے وہ اس سے منزہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن حجاج کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی'' (طٰہٰ/۵) کی

آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

وہ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، کوئی چیز اس کے لیے دوسری چیز سے قریب تر نہیں ہے اور کوئی چیز اس سے بعید نہیں ہے، وہ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔

ابن اذنیہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق دریافت کیا:

''مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَسَادِسُھُمْ''(مجادلہ / ۷)

جب کبھی تین افراد سرگوشی کرتے ہیں تو اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور جہاں پانچ افراد سرگوشی کریں تو اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔

تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ واحد ہے واحد الذات ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس نے اپنی ذات کی یہی وصف بیان فرمائی ہے اور وہ ذات پاک احاطہ وقدرت وعلم واشراف کی وجہ سے تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور زمین وآسمان کا ہر ذرہ اس کے ذات وعلم کے حاطہ میں ہے، تمام اماکن محدود ہیں اور حدود اربعہ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور تمام اماکن اشیاء اس کے ذات کی احاطہ میں ہیں''

جواب امامؑ کی وضاحت

امام عالی مقام علیہ السلام کے فرمان کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی وحدت، وحدتِ ذاتی ہے، وحدتِ عددی نہیں ہے، اللہ کی وحدت کثرت کے منافی ہے، وہ بحیثیتِ حضورِ ذات چوتھا بھی ہے اور پانچ افراد کا چھٹا بھی ہے اور وہ ہر چیز سے جدا ہے، لیکن اس کی جدائی ''تشخصات واوضاع'' کے اعتبار سے نہیں ہے اس کی جدائی ''امکنہ وحیزات'' کے لحاظ سے نہیں ہے، اس کی جدائی بلحاظ ذات اور عدمِ مشارکت فی الصفات کے ہے، کیونکہ وہ ہر لحاظ سے کامل وتام ہے اس کی مخلوق ہر لحاظ سے ناقص ومحتاج ہے اور مخلوق ہر قدم پر اس کی محتاج ہے اور مخلوق کی تکمیل وغنا اسی سے وابستہ ہے اور اسی واضح ترین فرق کی وجہ سے رب العزت نے فرمایا: لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ، کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کی ذات سے کوئی چیز بھی خالی نہیں ہے۔

اللہ کے احاطہ علم وقدرت اور بندوں کے احاطہ علم وقدرت میں بھی فرق ہے، کیونکہ ہمیں بعض اوقات چند اشیاء کے اسباب و مبادیات کا علم ہوتا ہے، لیکن اللہ کا علم اس کی عین ذات ہے اور بندوں کا علم ''زائد علی الذات'' ہے، اس کا علم کامل اور بندوں کا علم ناقص ہوتا ہے اور امام علیہ السلام کے فرمان ''لا بالذات'' کا یہی مفہوم ہے، یعنی کوئی چیز بھی اس کے احاطہ علمی سے باہر نہیں ہے اور کوئی بھی چیز اس کے لیے قریب وبعید کا حکم نہیں رکھتی۔

امام علیہ السلام نے جہات کو چار قرار دیا جبکہ جہات چھ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آگے، پیچھے، دائیں بائیں جیسی جہات اعتباری ہیں اسی لیے امام علیہ السلام نے انہیں دو جہتیں قرار دیتے ہوئے اوپر نیچے کی دو جہتوں کو ان کے ساتھ شامل کر کے جہات کو چار قرار دیا اور مقصود یہ ہے کہ کوئی چیز اس سے دور نہیں ہے اور وہ کسی مکان میں متحیز نہیں ہے اور کوئی مکان اس کا حاطہ کیے ہوئے نہیں ہیں۔ اللہ اس سے کہیں زیادہ

بلند و برتر ہے جو ظالم اس کے حق میں کہتے ہیں۔

۶۔عقلیں اس کی حد بندی سے قاصر ہیں

(لَمْ یُطْلِعِ الْعُقُوْلَ عَلٰی تَحْدِیْدِ صِفَتِہٖ)اس نے عقلوں کو اپنی صفتوں کی حد وانتہا پر مطلع نہیں کیا، رب العزت کی جملہ صفات کمالیہ عین ذات ہیں اور اس کے لیے حد مقرر نہیں ہے کہ عقول اس سے مطلع ہو سکیں۔

لفظ ''حد'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔حد یعنی قولِ شارح، یعنی کسی ایسی چیز کی ماہیت کو بیان کرنے والا لفظ جس ماہیت نے معانی ذاتیہ سے ترتیب پائی ہو چاہے حقیقی اعتبار سے یا نام کے اعتبار سے۔

۲۔انتہا اور کنارہ، حد کے دونوں مفہوم اللہ میں نہیں پائے جاتے، کیونکہ حد کا پہلا معنی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کی ذات نے مختلف معانی اور امور ذاتی سے ترتیب نہیں پائی، اس کی ذات میں کسی طرح کی ترکیب کا دخل ہی نہیں ہے، وہ تمام جہات سے بسیط ہے اور اس کی صفات عین ذات ہیں اور وجودِ صفات، وجودِ ذات ہے، اسی لیے اس کی صفات کے لیے حد کو مقرر نہیں کیا جا سکتا کہ جس کے ذریعے سے اس کی صفات کو محدود کیا جائے۔

اور (حد) دوسرے معنی کے اعتبار سے بھی صفات باری کے لیے کار آمد نہیں ہے، کیونکہ تناہی لاتناہی کے لیے اعداد و مقدرات ہونا ضروری ہے اور جب اعداد و مقدرات کے علاوہ کسی اور کی تناہی ولاتناہی کے تحت وصف بیان کی جائے گی تو وہ یا تو کمیات کے تعلق سے ہوگی یا پھر باعتبار ترتیب یا پھر اس سے موصوف چیز کی ترتیب کی وجہ سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے ورنہ اس کی ذات کو ''محل حوادث'' تسلیم کرنا پڑے گا۔

علاوہ ازیں ذاتِ حق کی صفات کی حد بیان کرنا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر اس کے لیے ایک حد معین اور انتہا معین مقرر کر دی جائے تو پھر اس سے لازم آئے گا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی ایسی قوت ہے جو اسے محدود و مقہور کر رہی ہے، اور ذاتِ حق کا وجود کسی حد کا متقاضی نہیں ہے، اگر اس کے لیے کسی قوتِ قاہرہ کو مان لیا جائے تو پھر اللہ سے بھی بلند و برتر ہستی تلاش کرنی پڑے گی جو کہ محال ہے۔

۷۔ضروری معرفت سے محروم نہیں رکھا

(وَ لَمْ یَحْجُبْھَا عَنْ وَاجِبِ مَعْرِفَتِہٖ)اور ضروری مقدار میں معرفت حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے پردے بھی حائل نہیں کیے۔

ہر نفس کو اس کی قابلیت و استعداد کے مطابق اللہ نے معرفت کا حصہ عطا کیا ہے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اصول و فروع انسان کے لیے تکلیف مالا یطاق بن جاتے، یعنی جب انسان کو اس کی ذرہ برابر بھی معرفت نہ ہوتی تو وہ اس کے بیان کردہ عقائد کو کیسے تسلیم کرتا اور جن اعمال کے بجالانے کا اس نے حکم دیا ہے، ان پر کیسے عمل کرتا کیونکہ کسی کی اطاعت سے قبل اس کی معرفت کا ہونا ضروری ہے۔

اسی لیے اللہ نے ہر انسان کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے اور اس کی جبلت میں شعورِ معرفت عطا کیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس مضمون کی حدیث مروی ہے:

''لَیْسَ لِلّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ اَن یَّعْرِفُوْا وَ لِلْخَلْقِ عَلَی اللّٰہِ اَن یَّعْرِفَھُمْ وَ لِلّٰہِ عَلَی الْخَلْقِ اِذَا عَرَفَھُمْ اَن یَّقْبَلُوْا ''جب تک خالق مخلوق کو اپنی معرفت نہ کرائے اس وقت تک مخلوق پر اس کی معرفت لازمی نہیں ہے اور جب اللہ انہیں اپنی معرفت کرادے تو پھر مخلوق کا فرض ہے کہ وہ قبول کریں۔

الکافی میں ابراہیم بن عمر الیمانی سے روایت ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا، انہوں نے فرمایا:

''اِنَّ اَمْرَ اللّٰہِ کُلَّہٗ عَجِیْبٌ اِلَّا اَنَّہٗ قَدِ احْتَجَّ عَلَیْکُمْ بِمَا عَرَّفَکُمْ مِن نَّفْسِہٖ، یَعْنِی اَنَّ مَعْرِفَۃَ ذَاتِہٖ وَ صِفَاتِہٖ الْحَقِیْقِیَّۃِ کَمَا ھِیَ فَوْقَ اِدْرَاکِ کُلِّ اَحَدٍ، تَکِلُّ الْعُقُوْلُ وَالْاَذْھَانُ وَ تَبْھَرُ الْاَلْبَابُ عَنْ کُنْہِ جَلَالِہٖ وَ غَوْرِ عِزِّہٖ وَ کَمَالِہٖ اِلَّا اَنَّہٗ مَعَ ذَالِکَ لِکُلِّ اَحَدٍ نَصِیْبٌ مِن لَوَامِعِ اِشْرَاقَاتِ نُوْرِہٖ قَلَّ اَوْ کَثُرَ فَلَہُ الْحُجَّۃُ عَلٰی کُلِّ اَحَدٍ بِمَا عَرَّفَہٗ مِنْ آیَاتِ وُجُوْدِہٖ وَ دَلَائِلِ صُنْعِہٖ وَ جُوْدِہٖ فَوَقَعَ التَّکْلِیْفُ بِمُقْتَضَی الْمَعْرِفَۃِ وَالْعَمَلِ، بِمُوجِبِ الْعِلْمِ''

امر الٰہی پورے کا پورا عجیب ہے مگر اس نے تم پر اس لیے حجت قائم کی کہ اس نے تمہیں اپنی ذات کی معرفت کرائی، جب کہ اس کی ذات اور حقیقی صفات کی معرفت لوگوں کے حدودِ ادراک سے بھی بلند و برتر ہے، جہاں عقل و ذہن کی رسائی نہیں ہوتی اور اس کی کنہ جلال و عزت و کمال کی گہرائی سے انسانی عقول عاجز ہیں، مگر اس کے باوجود اس نے اپنے نور کی روشنی سے ہر ایک کو کم و بیش حصہ عطا کیا ہے، تو چونکہ اللہ سب کو اپنے وجود کی نشانیوں اور صفت و فیاضی کے دلائل کی معرفت کرا چکا ہے تو اسی معرفت کے تقاضے کے مطابق اس نے تکلیف شرعی فرض کی اور علم کے مطابق عمل کو واجب قرار دیا۔

(فَھُوَ الَّذِیْ تَشْھَدُ لَہٗ اَعْلَامُ الْوُجُوْدِ عَلیٰ اِقْرَارِ قَلْبٍ ذِی الْجُحُوْدِ)

وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اس طرح سے اس کی شہادت دیتے ہیں کہ (زبان سے) انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

رب العزت کی علامات و آیات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی ذات کا اقرار کیے بغیر چارہ نہیں اور اگر منکرین وجودِ خدا، اس کے آثار قدرت و جلال اور عظمت و کمالات پر تھوڑی دیر کے لیے بھی غور و فکر کر لیں تو وہ توحید کا بے ساختہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے متعلق بیان فرمایا ہے: ''وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ. فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ. اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُلَہٗ. اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ. وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَابِہِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِمَوْتِھَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ. قُلِ الْحَمْدُلِلّٰہِ. بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ''

(العنکبوت ۶۱، ۶۲، ۶۳)

اور اے رسولؐ! اگر تم ان سے پوچھو کہ (بھلا) کس نے سارے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور چاند اور سورج کو مسخر کیا ہے تو وہ ضرور

یہی کہیں گے کہ اللہ نے ،تو پھر وہ کہاں بہکے چلے جارہے ہیں.....اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ (آباد) کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے (سے رسولؐ!) آپ کہہ دیں الحمدللہ،مگر ان میں بہتیرے نہیں سمجھتے۔

الکافی میں ابوسعید زہری سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''کَفٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ بِخَلْقِ الرَّبِّ الْمُسَخَّرِ، وَ مَلِکِ الرَّبِّ الْقَاهِرِ، وَ جَلَالِ الرَّبِّ الظَّاهِرِ، نُوْرِ الرَّبِّ الْبَاهِرِ، وَ بُرْهَانِ الرَّبِّ الصَّادِقِ، وَمَا اَنْطَقَ بِهِ اَلْسُنُ الْعِبَادِ، وَ مَا اَرْسَلَ بِهِ الرُّسُلُ، وَمَا اَنْزَلَ عَلَی الْعِبَادِ، دَلِیْلًا عَلَی الرَّبِّ عَزَّوَجَلَّ''

بعض شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح یہ بیان کی ہے کہ معصوم علیہ السلام نے وجودِ رب کے اثبات کے لیے آٹھ امور کا تذکرہ فرمایا۔

۱۔اللہ کے حکم سے مسخر مخلوق ۲۔وہ حکومت جو ہر آقا وغلام پر حاوی ہے ۳۔عظیم اشیاء کی تخلیق اور بدائعِ فطرت کی ترتیب وتنظیم،جیسے اجرام عالیہ اور نفوس ۴۔اس کا وہ نور جو ہر صاحبِ نور کے نور پر غالب ہے اور جو ہر صاحبِ احساس کے حواس پر غالب ہے ۵۔آسمان وزمین اس کی آیات کا وجود اس کی ذات کے لیے برہان صادق ہے ۶۔بندوں کی زبانوں پر علوم ومعارف کا اجراء ۷۔انبیاء ومرسلین کا احکام وشرائع لے کر آنا ۸۔بندوں کی رہنمائی کے لیے اس نے جو آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل کیے۔ غرضیکہ یہ آٹھ امور صاحبانِ عقل کے لیے وجودِ رب کی دلیلیں ہیں۔

(تَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یَقُوْلُ الْمُشَبِّهُوْنَ بِهٖ وَ الْجَاحِدُوْنَ لَهٗ عُلُوًّا کَبِیْرًا.)

اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند وبرتر ہے جو مخلوق سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

تشبیہ دینے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو مخلوق کی تشبیہ خالق سے دیتے ہیں اور وہ مشرکین کا گروہ ہے جنہوں نے اللہ کے ساتھ شریک تسلیم کیے اور جنہوں نے اللہ کو تین میں سے تیسرا کہا۔

اور جاحدین سے وہ منکرین مراد ہیں جنہوں نے ذات حق کا مطلق انکار کردیا ہے۔اس مقام پر شارحِ بحرانی کو اشتباہ ہوا ہے انہوں نے ''مشبھین'' سے مراد فرقہ مشبھہ لیا ہے اور فرقہ مشبھہ وہ ہے جو اللہ کی تشبیہ مخلوق سے دیتے ہی۔جنہوں نے اللہ کے لیے اوصاف زائد بر ذات کا اعتقاد رکھا ہے اور اس کی رؤیت کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے لیے جہتِ مکان کے قائل ہیں اور جو اس کے لیے اعضاء و جوارح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

مشبہین اور جاحدین میں تھوڑا سا فرق ہے،مشبہین اس کے وجود کا مطلق انکار نہیں کرتے البتہ اس کے ماسوا کو بھی اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں یا اس میں صفات ممکن کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جاحدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مطلقاً اس کے وجود کے کسی طرح سے قائل ہی نہیں ہیں۔

مذکورہ دونوں گروہ بلحاظ نتیجہ یکساں ہیں دونوں ہی گمراہ ہیں اور عملی طور پر منکرین توحید ہیں، اگرچہ ان میں سے ایک فریق زبانی طور پر منکرِ توحید ہے اور دوسرا فریق زبانی طور پر تو ذاتِ حق کا اقرار کرتا ہے اور دوسرا نہیں کرتا۔ ہاں اگر کبھی مجبوراً اقرار کرنا پڑ جائے تو یہ الگ بات ہے۔

خطبہ۵۰

اس خطبہ کو ثقۃ الاسلام کلینی نے اصول کافی اور کتاب الروضۃ میں علیحدہ علیحدہ اسناد سے نقل کیا ہے اور اصول کافی اور نہج البلاغہ کے خطبوں میں تھوڑے سے الفاظ کا فرق ہے اور کتاب الروضہ میں مفصل خطبہ مذکور ہے، جسے ہم آئندہ صفحات میں نقل کریں گے۔

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوْعِ الْفِتَنِ اَهْوَاءٌ تُتَّبَعُ وَ اَحْكَامٌ تُبْتَدَعُ يُخَالَفُ فِيْهَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ يَتَوَلّٰى عَلَيْهَا رِجَالٌ رِجَالًا عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ فَلَوْ اَنَّ الْبَاطِلَ خَلَصَ مِنْ مِزَاجِ الْحَقِّ لَمْ يَخْفَ عَلَى الْمُرْتَادِيْنَ وَ لَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ مِنْ لَبْسِ الْبَاطِلِ لَا انْقَطَعَتْ عَنْهُ اَلْسُنُ الْمُعَانِدِيْنَ وَ لٰكِنْ يُّؤْخَذُ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ وَ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ فَيُمْزَجَانِ فَهُنَالِكَ يَسْتَوْلِى الشَّيْطَانُ عَلٰى اَوْلِيَاءِهٖ وَ يَنْجُو الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ الْحُسْنٰى.

فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ نفسانی خواہشیں ہوتی ہیں، جن کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ نئے ایجاد کردہ احکام ہیں کہ جن میں قرآن کی مخالفت کی جاتی ہے اور جنہیں فروغ دینے کے لیے کچھ لوگ دینِ الٰہی کے خلاف باہم ایک دوسرے کے لیے مددگار ہو جاتے ہیں، تو اگر باطل حق کی آمیزش سے خالی ہوتا تو وہ ڈھونڈنے والوں سے پوشیدہ نہ رہتا اور اگر حق باطل کے شائبہ سے پاک وصاف سامنے آتا تو عناد رکھنے والی زبانیں بھی بند ہو جاتی ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ ادھر سے اور کچھ اُدھر سے لیا جاتا ہے اور دونوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جاتا ہے، اس موقعہ پر شیطان اپنے دوستوں پر چھا جاتا ہے اور صرف وہی لوگ بچے رہتے ہیں جن کے لیے توفیقِ الٰہی اور عنایتِ خداوندی پہلے سے موجود ہو۔

تشریح لغت (اَلْبَدْءُ) با کی زبر اور دال کی جزم کے ساتھ اور آخر میں ہمزہ، یعنی اول اور ابتدا، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''بَدَأْتُ بِالشَّیْءِ'' میں نے چیز کا آغاز کیا، ''بَدَءَ اللّٰهُ الْخَلْقَ'' اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

(اَلْفِتَنُ) اس کی واحد ''فِتْنَةٌ'' ہے اور فتنہ آزمائش وامتحان کو کہا جاتا ہے اور عربوں کا مشہور قول ہے، ''فِتِنَتُ الذَّهَبَ'' اور یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مخاطب سونے کو ملاوٹ سے پاک کرنے کے لیے اسے آگ میں ڈالے اور عام طور پر اسے آزمائش کے معنی میں لیا جاتا ہے (اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ) تمہاری دولت واولاد آزمائش ہے اور یہ لفظ گناہ، کفر، گمراہی، جلا دینا، ہٹانا کے معانی میں میں استعمال ہوتا ہے (هٰكَذَا فِى النِّهَايَة)

(اَلْبِدْعَةُ) اِبْتَدَعَ اَلْاَمْرَ سے اسم مصدر اور اس کا معنی ہے نئی چیز اور اصطلاحِ شریعت میں اس سے وہ امر مراد ہے جو دین میں

داخل نہ ہو اور بعد میں داخل کر دیا جائے۔

واضح ہو کہ دین میں نئی چیز کو داخل کرنا بھی بدعت ہے اور کسی داخلِ دین امر کو دین سے نکالنا بھی بدعت ہے۔

(اَلتَّوْلِیْ) اتباع، جیسا کہ فرمان خداوندی ہے: ''وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ'' یعنی تم میں سے جو بھی ان کی پیروی کرے وہ ان میں سے ہے۔

(اَلْمِزَاج) بروزن ''کتاب'' جس کے ساتھ کسی چیز کو ملا دیا جائے۔ ''عَیْنًا كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْراً '' (الدھر/۵) چشمہ ہوگا جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور ایک شاعر نے کہا تھا:

كَاَنَّ سَبِیْئَةً مِنْ بَیْتِ رَسٍ یَكُوْنُ مِزَاجُهَا عَسَلٌ وَ مَاءٌ

معلوم ہوتا تھا کہ ''بیت رس'' کی شراب کے ساتھ شہد اور پانی کی آمیزش تھی۔

(اَلْاِرْتِیَاد) طَلب، مُرْتَاد، طَالب۔

(اَلضِّغْثُ) یعنی ایسی چھڑی جس میں سبز اور خشک شاخیں شامل ہوں۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ ''**وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ**'' (ص/۴۴) (ایوب!) تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھالو (اور اس سے اپنی بیوی کو مارو) اور اپنی قسم کی خلاف ورزی نہ کرو۔

تشریح

زیرِ نظر خطبہ میں حضرت نے خلقِ خدا کو کتاب اللہ کی مخالفت اور صراط مستقیم سے انحراف کرنے سے منع کیا اور انہیں بدعتوں اور گمراہ کن نظریات کی پیروی سے خبردار کیا اور یہ بتایا کہ گمراہ کن نظریات کا آغاز کیسے ہوتا ہے اور پھر کیوں کر پھیلتے ہیں، چنانچہ حضرت نے ارشاد فرمایا:

(اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوْعِ الْفِتَنِ اَهْوَاءٌ تُتَّبَعُ وَ اَحْكَامٌ تُبْتَدَعُ) فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ گمراہ کن نفسانی خواہشات پر ہوتی ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اور نئے ایجاد کردہ باطل احکام کہ جن میں قرآن کی مخالفت کی جاتی ہے (یُخَالَفُ فِیْهَا كِتَابُ اللّٰهِ) نئے ایجاد کردہ احکام کتاب وسنت سے خارج ہوتے ہیں اور کتاب وسنت کے مخالف بھی ہوتے ہیں، کیونکہ بدعت دین میں اس چیز کو داخل کرنے کو کہا جاتا ہے جو بالکل دین میں داخل نہ ہو، اسی لیے بدعت شریعت کے ان اصولوں سے متصادم ہوتی ہے جو کتاب وسنت سے مستنبط ہوتے ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینی نے الکافی میں تحریر کیا ہے:

یونس بن عبدالرحمٰن نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: ''بِمَا اُوَحِّدُ اللّٰهَ؟ قَالَ لَهٗ: یَا یُوْنُسُ! لَا تَكُوْنَنَّ مُبْتَدِعًا مَنْ نَظَرَ بِرَأْیِهٖ هَلَكَ وَ مَنْ تَرَكَ اَهْلَ بَیْتِ نَبِیِّهٖ ضَلَّ، وَ مَنْ تَرَكَ كِتَابَ اللّٰهِ وَ قَوْلَ نَبِیِّهٖ كَفَرَ'' ترجمہ: میں اللہ کو کیسے واحد مانوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: بدعتی نہ بننا جس نے اپنی رائے سے نظریہ قائم کیا وہ ہلاک ہو گیا اور جس نے اہلِ بیتؑ پیغمبرؐ کو

چھوڑا، گمراہ ہوا اور جس نے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کے فرمان کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رائے پر عمل کرنا اور اپنی خواہش کی اتباع کتاب اللہ کی مخالفت اور سنت پیغمبرؐ سے انحراف ہے۔

(وَ یَتَوَلّٰی عَلَیْهَا رِجَالٌ رِجَالًا عَلٰی غَیْرِ دِیْنِ اللّٰهِ) اور جنہیں فروغ دینے کے لیے کچھ لوگ دین الٰہی کے خلاف باہم ایک دوسرے کے مددگار ہو جاتے ہیں، یعنی باطل پرست لوگ اپنے جیسے دیگر انسانوں کو اپنا ہم نوا بنا لیتے ہیں اور مل کر اللہ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔

پھر آپؑ نے لوگوں کے اس فتنہ میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ باطل نواز افراد حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کرتے ہیں اور اس سے مجہولات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، آپؑ نے اس کی وضاحت کے لیے دو متصل قضیہ شرطیہ بیان فرمائے:

(فَلَوْ اَنَّ الْبَاطِلَ خَلَصَ مِنْ مِزَاجِ الْحَقِّ لَمْ یَخْفَ عَلَی الْمُرْتَادِیْنَ) پس اگر حق باطل کی آمیزش سے خالی ہوتا تو ڈھونڈھنے والوں سے پوشیدہ نہ رہتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مقدمات شبہ سب کے سب باطل پر استوار ہوتے تو ہر طالب حق آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ باطل ہے، اس کی مثال کے لیے ہم فرقہ باطنیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''اللہ نہ تو موجود ہے اور نہ ہی معدوم ہے اور جو چیز نہ موجود ہو اور نہ معدوم ہو وہ حی اور قادر نہیں ہو سکتی، مگر اللہ تعالیٰ حی اور قادر ہے (نعوذ باللہ)''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس قضیہ کے دو اجزا ہی غلط ہیں، اسی لیے کوئی عاقل شخص اس طرح کے نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ خالص باطل ہے اور کوئی بھی باشعور فرد خالص باطل کو قبول کرنا پسند نہیں کر سکتا۔

(وَ لَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ مِنْ لَبْسِ الْبَاطِلِ انْقَطَعَتْ عَنْهُ اَلْسُنُ الْمُعَانِدِیْنَ) اور اگر حق باطل کے شائبہ سے پاک و صاف سامنے آتا و عناد رکھنے والی زبانیں بھی بند ہو جاتیں، اس کی وجہ بھی پہلے قضیہ شرطیہ کی طرح بالکل واضح ہے کہ جب کسی قضیہ کے تمام اجزاء ہر طرح کے شک و شبہ کے شائبہ سے بلند ہوں تو اس کے نتیجہ کے متعلق کبھی بھی دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔

اب ہم اپنے قارئین کے سامنے دو مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں، پہلی مثال کے اجزاء ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہیں، لہٰذا اس کا نتیجہ بھی درست ہے اور دوسری مثال میں پہلی جزء درست ہے اور دوسری جزء درست نہیں ہے، اسی لیے اس کا نتیجہ بھی صحیح نہیں ہے۔

۱۔ عالم حادث ہے اور ہر حادث کے لیے محدث کی ضرورت ہے تو عالم ''مُحْدِث'' کا ضرورت مند ہے۔

اب دوسری مثال میں حق و باطل کی آمیزش ہے اور قضیہ کے اجزا حق و باطل دونوں پر مشتمل ہیں، اسی لیے اس کا نتیجہ بھی صحیح نہیں ہے، باری کا عقیدہ رکھنے والے افراد کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ موجود ہے اور ہر موجود قابل رؤیت ہوتا ہے لھذا اللہ کا بل رؤیت ہے یعنی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

درج بالا دونوں مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں، پہلی مثال درست مقدمات پر مبنی ہے لہٰذا اس میں کسی طرح کے اختلاف آراء

کی گنجائش موجود نہیں ہے اور دوسری مثال میں پہلا حصہ درست ہے مگر اس کا دوسرا حصہ غلط ہے، اسی لیے نتیجہ بھی غلط ہے۔ اور اسی طرح کی مثالوں سے اختلاف رائے جنم لیتا ہے، بحث ومباحثہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان خوب معرکہ آرائی ہوتی ہے، اسی وجہ سے حضرت نے فرمایا:

''وَ لٰکِنْ یُّؤْخَذُ مِنْ ھٰذَا ضِغْثٌ وَ مِنْ ھٰذَا ضِغْثٌ فَیُمْزَجَانِ'' کچھ ادھر سے لیا جاتا ہے اور کچھ ادھر سے لیا جاتا ہے اور پھر دونوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ یعنی کچھ حق لیا جاتا ہے اور کچھ باطل لے کر انہیں آپس میں مخلوط کر دیا جاتا ہے اور لوگوں کے لیے حق وباطل کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے اور یہی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔

''فَھُنَالِکَ یَسْتَوْلِی الشَّیْطَانُ عَلٰی اَوْلِیَاءِہٖ'' (اس موقعہ پر شیطان اپنے دوستوں پر چھا جاتا ہے۔) اور اسے گمراہ کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے اور وہ ان کے خود ساختہ افکار ونظریات کو مزین کر کے ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور بہت سے افراد اس کے دامِ ہمرنگ زمین میں پھنس جاتے ہیں اور یوں عقائد واعمال تباہ کر بیٹھتے ہیں اور ہمیشہ کا خسارہ اٹھاتے ہیں، اور اس امتحان کی گھڑی میں چشمِ حقیقت اور نورِ بصیرت رکھنے والے افراد اس کے دام سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

''وَ یَنْجُو الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ الْحُسْنٰی'' اور صرف وہی لوگ بچے رہتے ہیں جن کے لیے توفیق الٰہی اور عنایت خداوندی پہلے سے موجود ہو۔

خطبہ کی ظاہری شرح آپ نے پڑھی، روضہ کافی کی روایت پڑھنے کے بعد ہمیں اس کا صحیح علم ہوا کہ حضرتؑ نے یہ خطبہ صرف عمومی آزمائش وامتحان کے لیے ہی ارشاد نہیں فرمایا تھا بلکہ اس خطبہ سے آپؑ کا اصل ہدف غاصبین خلافت اور ان کے پیروکار تھے اور حضرتؑ کا یہ خطبہ ناکثین وقاسطین ومارقین اور ان جیسے منحرف افراد کی مذمت میں ہے، اور حضرتؑ نے اپنے حریفوں کی ظاہری دین داری اور باطنی غداریوں کی طرف سامعین کو متوجہ فرمایا ہے، حضرتؑ کے حریف ظاہری احکام کی پابندی کیا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی بہت سی بدعات وخرافات اسلام میں شامل کرتے رہے اور یوں انہوں نے اسلام حقیقی کے مقدس چہرے کو مسخ کیا اور اس کے خدوخال تبدیل کر کے رکھ دیئے اور لوگ صرف ان کے ظاہری لبادہ کو دیکھ کر انہیں مقدس افراد کی فہرست میں شمار کرتے رہے اور اصول فطرت یہی ہے کہ باطل اگر حقیقی روپ میں کسی کے سامنے آجائے تو کوئی بھی باشعور انسان اسے قبول نہیں کرتا، اسی لیے عیار لوگ تانبے کو سونے سے مخلوط کر دیتے ہیں تاکہ ظاہر بین نگاہ دھوکا کھا جائے اور عوام الناس کی اکثریت بھی سیدھے سادے افراد پر مشتمل ہوتی ہے، جب یہی مخلوط سونا کسی زرگر کے پاس جائے گا تو اوہ اسے آگ میں ڈال کر اسی وقت ہی فیصلہ کر دے گا کہ اس میں حقیقت کم اور ملمع کاری زیادہ ہے۔

اس طرح سے فتنہ وآزمائش کے وقت جبکہ حق وباطل مخلوط ہو جائے تو نگاہ بوذری وسلمانی رکھنے والے افراد انتہائی کم ہوتے ہیں۔ اکثریت اس ملمع کاری کی چمک دمک کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتی ہے۔

تکمیل

ہمارے قارئین ہماری اس روش سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہم خطبہ کے الفاظ کے معمولی اختلاف کی صورت میں اسی خطبہ کو دوسرے مصادر سے اخذ کر کے لکھ دیتے ہیں تا کہ محققین کو تشنگی کا احساس باقی نہ رہے۔

سید رضی رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب کردہ اس خطبہ کو ثقۃ الاسلام کلینی نے الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ اصول کافی میں نقل فرمایا ہے۔

(بحذف اسناد) محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ امیر المومنین نے خطبہ دیا اور فرمایا:

''اَیُّھَاالنَّاس اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوْعِ الْفِتَنِ اَھْوَآءٌ تُتَّبَعُ وَ اَحْکَامٌ تُبْتَدَعُ یُخَالَفُ فِیْھَا کِتَابُ اللّٰہِ وَ یَتَوَلّٰی فِیْھَا رِجَالٌ رِجَالًا عَلیٰ فَلَوْ اَنَّ الْبَاطِلَ خَلَصّ لَمْ یَخْفَ عَلَی ذِی حجیٰ،وَلَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَفَ لَمْ وَ لٰکِنْ یُّؤْخَذُ مِنْ ھٰذَا ضِغْثٌ وَ مِنْ ھٰذَا ضِغْثٌ فَیُمْزَجَانِ فَیَجِیئَانِ مَعًا فَھُنَالِکَ اِسْتَحْوَذَ الشَّیْطَانُ عَلیٰ اَوْلِیَاءِ ہٖ وَ نَجیٰ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ الْحُسْنٰی''

نوٹ۔خطبہ کا ترجمہ آپ ابتداء میں پڑھ چکے ہیں۔اسی لئے ہم اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔

روضہ کافی کی روایت

(بحذف اسناد) سلیم بن قیس الہلالی نے کہا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد وثناء اور نبی کریم پر درود بھیجنے کے بعد آپ نے فرمایا:''الا ان اخوف مااخاف علیکم خلتان :اتباع الھویٰ وطول الامل فاما اتباع الھویٰ فیصدعن الحق واما طول الامل فینسیٰ الآخرۃ ،الا ان الدنیاقدترحلت مدبرۃ ،وان الآخرۃ قد ترحلت مقبلۃ ولکل واحدۃ بنون فکونومن ابناء الآخرۃ ولاتکونوامن ابناء الدنیافان الیوم عمل ولاحساب وان غداحساب ولاعمل وانمابدء وقوع الفتن اھواء تتبع وارآء تبتدع یخالف فیھا حکم اللہ یتولیٰ فیھارجال رجالا،ان الحق لوخلص لم یکن اختلاف ولوان الباطل خلص لم یخف علیٰ ذی حجیٰ،لکنہ یؤخذ من ھذا ضغث ومن ھذاضغث فیمزجان فیجتمعان فیجیئان فھنالک یستولیٰ الشیطان علیٰ اولیائہ ونجیٰ الذین لھم من اللہ الحسنیٰ.

انّی سمعت رسول اللہ یقول:کیف انتم اذاالبستکم فتنۃ یربوفیھا الصغیرویھرم فیھاالکبیر،یجریٰ الناس علیھاویتخذونھاسنۃ فاذاغیرفیھاشئی قیل قدغیرت السنۃ وقداتیٰ الناس منکراثم تشتدالبلیۃ وشی لذریۃ وتدقھم فتنۃ کماتدق النارالحطب وکماتدق الرحابثقالھا ویتفقھو ن لغیراللہ ویتعلمون لغیرالعمل ویطلبون الدنیاباعمال الآخرۃ ثم اقبل بوجہ وحولہ ناس من اھل بیتہٖ وخاصتہٖ وشیعتہ فقال علیہ السلام:قدعملت الولاۃ قبلی

اعـمـالاخـالـفـو فيهارسول الله (ص) متعمدين الخلافة ناقضين لعهد مغيرين لسنته ولو حملت الناس علىٰ تركها وحـولتهـا الـىٰ مـواضعها والىٰ ماكانت فى عهد رسول اللهؐ لتفرق عنّى جندى حتىٰ ابقىٰ وحدى اوقليل من شيعتى الـذيـن عـرفـوفضلى وفرض امامتى من كتاب الله عزذكره وسنة رسول اللهؐ ارايتم لوامرت بمقام ابراهيم فرددته الـىٰ الـمـوضـع الذى وضعه فيه رسول الله ورددت فدک الىٰ ورثة فاطمة(س)ورددت صاع رسول الله كماكان وامـضيـت قـطـائـع اقـطـعهـا رسـول الله لاقوام لم تمض لهم ولم تنفض ورددت دارجعفرالىٰ ورثتة وهدمتها من الـمسـجد ورددت قضايا من الجور قضى بهاونزعت نسآء تحت رجال بغيرحق فرددتهن الىٰ ازواجهن استقبلت بهن الحكم فى الفروج والاحكام وسبيت ذراری بن تغلب ورددت ماقسم من ارض خيبرومحوت دواوين العطاء واعـطيـت كـمـاكـان رسول الله يعطى بالسوية ولم اجعلهادولة بين الاغنياء منكم والقيت المساحة وسويت بين الـمـنـاكـح وانـفـذت خـمس الرسول كماانزل الله عزوجل وفرضه،ورددت مسجدرسول الله علىٰ ماكان عليه وسـددت مـافتـح فيـه مـن ابـواب وفتـحـت مـاسد منه وحرمت المسح علىٰ الخفين وحددت علىٰ النبيذوامرت بـاحـلال الـمتـعتيـن وامـرت بـالتـكبيـر عـلـىٰ الـجـنائزخمس تكبيرات،والزمت الناس الجهربسم الله الرحمٰن الـرحيـم،واخرجتمن ادخل مع رسول الله فى مسجده ممن كان رسول لله اخرجه وادخلت من اخرج بعدرسول لـلـه مـمـن كان رسول الله ادخله،وحملت الناس علىٰ حكم القرآن وعلىٰ الطلاق علىٰ السنة واخذت الصدقات عـلـىٰ اضـافهاوحدهاورددت الوضوء والغسل والصلاة الىٰ مواقيتها وشرايعهاومواضعهاورددت اهل نجران الىٰ مـواضـعهـم ورددت سبـايـافـارس وسـايـرالامم الىٰ كتاب الله وسنة نبيه اذالتفرقواعنى والله لقدامرت الناس ان لايـجتمعوافى شهررمضان الافى فريضة وعلمتهم ان اجتماعهم فى النوافل بدعة فنادىٰ بعض اهل عسكرى ممن يـقـاتـل معى:ياهل الاسلام غيرت سنة عمرينهاناعن الصلاة فى شهررمضان تطوعاولقد خفت ان يثوروافى ناحية جـانـب عسكرى مالقيت هذه الامة من الفرقة وطاعة ائمة الضلالة والدعاة الىٰ النارواعطيت من ذلک سهم ذى الـقـربـىٰ الذى قال الله عزوجل:ان كنتم امنتم بالله ومااانزلناعلىٰ عبدنايوم الفرقان يوم التقىٰ الجمعان فنحن عنى بـذى الـقـربـىٰ الـذى قـربـنـاالـلـه بـنـفـسـه وبـرسوله فقال تعالىٰ فان لله خمسه وللرسول ولذى القربىٰ واليتامىٰ والمساكين فيناخاصة كيلايكون دولة بين الاغنياء منكم ومااتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهواواتقوالله فـى ظلم آل محمدان الله شديدالعقاب لمن ظلمهم رحمة منه لنائاغناناالله به ووصىٰ به نبيه ولم يجعل لنافى سهم الـصـدقة نـصيبـااكـرم الله به رسوله واكرمنااهل البيت ان يطعمنامن اوساخ الناس فكذبواالله وكذبوارسول الله وجـحـدواكتـاب الـلـه الـنـاطـق بحقناومنعونافرضافرضه الله لنا.مالقى اهل بيت نبى من امته مالقيته بعدنبياوالله المستعان علىٰ من ظلمناولاحول ولاقوة الابالله العلى العظيم "

ترجمہ:

مجھے تمہارے متعلق سب سے پہلے زیادہ دو خصلتوں کا خوف ہے۔

خواہشات کی اتباع اور امیدوں کا پھیلاؤ۔خواہشات کی اتباع حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو فراموش کرادیتا ہے۔آگاہ رہو! دنیا پشت دکھا کر چل پڑی اور آخرت آگے بڑھنے کیلئے چل پڑی ہے۔اور ان میں سے ہر ایک کے فرزند ہیں۔تم آخرت کی اولاد بننا اور فرزند دنیا نہ بننا۔

آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہ ہوگا۔فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ نفسانی خواہشیں ہوتی ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ نئے ایجاد کردہ احکام جن میں اللہ کے فرمان کی مخالفت کی جاتی ہے اور جنہیں فروغ دینے کیلئے کچھ لوگ دین الٰہی کے خلاف باہم ایک دوسرے کے مددگار ہو جاتے ہیں۔اگر حق خالص صورت میں ہو تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔اور اگر باطل خالص حالت میں ہو تو کسی عقل مند کیلئے خطرہ ثابت نہیں ہوتا۔لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ اِدھر سے اور کچھ اُدھر سے لے لیا جاتا ہے۔اور دونوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔پھر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور دونوں لائق احترام قرار پاتے ہیں۔اس وقت شیطان اپنے دوستوں پر چھا جاتا ہے۔اور صرف وہی لوگ بچے رہتے ہیں جن کیلئے توفیق الٰہی اور عنایت خداوندی پہلے سے موجود ہو۔میں نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تمہیں ایسا فتنہ اپنی لپیٹ میں لے لے گا جس میں کمسن جوان ہو جائیں گے اور جوان بوڑھے ہو جائیں گے لوگ اس پر چلتے چلتے سنت سمجھ بیٹھیں گے اور جب اس بدعت کو تبدیل کیا جائے گا تو کہیں گے کہ سنت تبدیل کر دی گئی۔اس کے بعد لوگوں میں برے افعال رائج ہوں گے پھر آزمائش سخت ہو جائے گی اور نسلیں اصل حقیقت کو بھول بیٹھیں گی اور فتنے دروازوں کو توڑ کر اندر داخل ہوں گے جس طرح سے آگ اشیاء کو جلا کر گھروں میں داخل ہوتی ہے اور لوگ فتنوں کی چکی میں پیسے جائیں گے اور غیر اللہ کیلئے دین کی سمجھ حاصل کریں گے اور عمل کی نیت سے علم حاصل نہیں کریں گے۔اور اعمال آخرت کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنائیں گے۔

پھر آپ اپنے سامعین کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں آپ کے اہل بیت اور خواص اور آپ کے شیعہ بیٹھے تھے، آپ نے انہیں خطاب کر کے فرمایا: حکمرانوں نے مجھ سے قبل ایسے کام کئے ہیں کن میں جان بوجھ کر انہوں نے رسول خداؐ کے فرمان کی نافرمانی کی اور ان سے کیا ہوا عہد توڑا اور ان کی سنت کو تبدیل کیا اور اگر میں ان کے جاری کردہ احکام کو ختم کر کے رسول خداؐ کے احکام کو نافذ کر دوں تو میرا لشکر ہی مجھ سے الگ ہو جائے گا اور میں تنہا رہ جاؤں گا یا میرے چند شیعہ ہی میرے پاس رہ جائیں گے جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے میری فضیلت کو جانتے ہیں اور جو میری امامت کو فرض جانتے ہیں۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ اگر میں مقام ابراہیم کو اکھاڑنے کا حکم دوں اور اسے وہاں رکھوں جہاں رسول خدا نے رکھا تھا، اور اولاد فاطمہ (س) کو فدک واپس کر دوں، اور صاع کے پیمانہ کو اسی شکل میں لے آؤں جیسا کہ عہد رسولؐ میں تھا، اور جن لوگوں کو رسول خداؐ نے جاگیریں

عطا کی تھیں اور ابھی انہیں قبضہ نہیں ملا تھا، میں ان لوگوں کو وہ جاگیریں دلاؤں، جعفر کے گھر کو مسمار کر کے مسجد میں شامل کیا گیا ہے اگر میں اسے مسجد سے نکال کر جعفر کی اولاد کے حوالے کر دوں، اور جو غیر عادلانہ فیصلے ہوئے ہیں انہیں ختم کر دوں، اور جن لوگوں کے پاس حق کے بغیر عورتیں موجود ہیں، میں ان عورتوں کو ان لوگوں سے چھین لوں اور انہیں ان کے اصل شوہروں کے حوالے کر دوں، اور غاصب لوگوں پر شرعی حد نافذ کروں، اور بنی تغلب کے لوگوں کو قیدی کر لوں۔ اور خیبر کی جو زمین ناحق تقسیم ہوئی ہے میں اس تقسیم کو ختم کر کے زمین واپس لے لوں، اور بیت المال کے رجسٹرات کو ختم کر کے لوگوں کو یکساں طور پر وظیفہ دوں جیسا کہ رسول خداؐ یکساں طور پر وظیفہ تقسیم کرتے تھے اور دولت مندوں میں اسے محدود نہ رہنے دوں اور زمین کی پیمائش ختم کراؤں اور تمام مسلمانوں کے درمیان نکاح رائج کرا دوں اور خمس کو قرآن وسنت کے مطابق نافذ کروں اور مسجد نبویؐ کو اسی حالت میں پلٹا دوں جس حالت میں وہ زمانہ پیغمبرؐ میں تھی۔ اور جو دروازے بعد میں مسجد میں کھولے گئے ہیں انہیں بند کر دوں اور جن دروازوں کو بعد میں بند کرا دیا گیا، وہ دروازے کھول دوں اور موزوں پر مسح کرنے کی حرمت کا اعلان کروں ارنبیذ پر شرعی حد نافذ کروں اور متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے حلال ہونے کا حکم جاری کروں اور نماز جنازہ میں پانچ تکبیروں کا حکم دے دوں اور لوگوں کو حکم دوں کہ وہ نماز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' بلند آواز سے پڑھیں اور جن افراد کو رسول کریمؐ نے اپنی مسجد سے نکالا تھا اور وہ بعد میں آ گئے، اگر میں انہیں مسجد رسول سے نکال دوں اور جن لوگوں کو رسول خداؐ کے بعد نکالا گیا تھا، میں انہیں واپس لے آؤں اور لوگوں کو قرآن حکیم کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کر دوں اور طلاق سنت کو رواج دوں اور صدقات کو ان کے حدود و قیود کے مطابق وصول کرنے لگوں اور وضو اور غسل اور نماز کو ان کے اوقات و حدود کی طرف پلٹا دوں اور اہلِ نجران کو ان کے مقامات کی طرف لوٹا دوں اور ایرانی قیدیوں اور دیگر اقوام کے ساتھ قرآن وسنت کے مطابق سلوک کروں تو لوگ مجھے چھوڑ دیں اور مجھ سے جدا ہو جائیں۔

خدا کی قسم! میں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ماہ رمضان میں صرف نماز فریضہ کو جماعت کے ساتھ ادا کریں اور میں نے انہیں یہ بتایا کہ نوافل کی جماعت بدعت ہے تو میرے اپنے لشکر میں سے اور میری ہمرکابی میں رہ کر جنگ کرنے والے بعض افراد چیخنے لگے اور کہنے لگے: مسلمانو! سنتِ عمر کو بدل دیا گیا، ہمیں ماہِ رمضان میں نماز تراویح سے روکا جا رہا ہے۔ اور مجھے بھی خوف محسوس ہوا کہ کہیں میرے لشکر میں شورش برپا نہ ہو جائے اور اسی لیے خمس میں سے میں نے ذی القربیٰ کا حصہ نہیں لیا، اللہ نے آیت خمس ہمارے حق میں نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا: جان لو جو تمہیں غنیمت ملے اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور رسول کے رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے اور وہ ذی القربیٰ ہم ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں اپنے اور اپنے رسولؐ کے ساتھ کیا ہے۔

جو رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور آلِ محمدؐ پہ ظلم کرتے ہوئے خدا سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

رسول خداؐ نے خمس میں سے ہمیں حصہ دینے کی تاکید کی تھی اور ہمارا صدقہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ نے اپنے رسولؐ اور اہلِ بیتؑ رسولؐ کو لوگوں کے ہاتھ کی میل کچیل کھانے سے محفوظ رکھا ہے، تو ان لوگوں نے ہمیں خمس میں سے حصہ نہ دے کر اللہ اور رسولؐ اور کتاب کی تکذیب کی جو ہمارے حق میں بیان کر رہی ہے۔ اور انہوں نے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فرض سے ہمیں محروم کیا اور کسی نبی کے

اہلِ بیت پر وہ صدمات نہیں آئے جتنا امت نے ہم کو صدمات پہنچائے اور ظالموں کے خلاف اللہ ہماری مدد کرے گا اور بلند و برتر خدا کے علاوہ کسی کی کوئی قوت و طاقت نہیں ہے۔

خطبہ کی مزید وضاحت از علامہ مجلسیؒ

روضہ کافی کے اس خطبہ میں حضرت نے چند امور کی طرف اشارہ کیا ہے ہم ان امور کی وضاحت علامہ مجلسیؒ کی زبانی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام ابراہیم کو جس مقام پر رکھا تھا، حضرت عمر نے اسے وہاں سے تبدیل کر کے وہاں رکھا جہاں زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔

۲۔ رسول خداؐ کے زمانہ میں ''صاع'' کا پیمانہ چار مُد کے برابر تھا، حضرت عمر نے اسے پانچ مُد کے برابر قرار دیا۔

۳۔ ایک ہی مجلس میں تین مرتبہ طلاق شریعت میں ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے اور شوہر کو ہر ماہ طلاق جاری کرنی پڑتی ہے اور جب تین طلاقیں مکمل ہو جائیں تو پھر طلاق مؤثر ہوتی ہے، لیکن حضرت عمر نے ایک ہی مجلس کی تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا اور شوہر کو رجوع کے حق سے محروم کر دیا، اسی لیے حضرت نے خطبہ میں فرمایا کہ ایسی عورتیں اپنے نئے شوہروں کے لیے حرام ہیں، اگر زمانہ مجھے مہلت دیتا تو میں عورتوں کو ان کے شوہروں سے علیحدہ کر دیتا اور انہیں ان کے سابق خاوندوں کو لوٹا دیتا۔

۴۔ بنی تغلب کا مشرکین عرب سے تعلق تھا، حضرت عمر نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انہوں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا اور پھر اس شرط پر ان سے مصالحت ہوئی کہ وہ مسلمانوں کی بہ نسبت دگنی زکوٰۃ ادا کریں گے، حضرت علیؑ کی نظر میں یہ عمل غیر اسلامی تھا، کیونکہ بنی تغلب ہر لحاظ سے ذمی تھے اور ذمی کو جزیہ ادا کرنا چاہیے اور اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے تو اسے قید کر لینا چاہیے، اسی لیے حضرت نے فرمایا کہ میرے لئے حالات سازگار ہوتے تو میں بنی تغلب سے جزیہ وصول کرتا اور اگر وہ جزیہ پر آمادہ نہ ہوتے تو میں انہیں قید کر کے زندان میں ڈال دیتا۔

۵۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بیت المال کے وظائف تمام مسلمانوں میں یکساں تقسیم کیے جاتے تھے، لیکن حضرت عمر و عثمان کے دور میں وہ یکسانیت ختم کر دی گئی اور موثر افراد کا وظیفہ کئی گنا بڑھا دیا گیا، حضرت نے اس عدم مساوات پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا ہے۔

۶۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں زمینداروں سے ان کی پیداوار کا حساب کر کے دسواں یا بیسواں حصہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جاتا تھا، لیکن حضرت عمر نے غلہ کی زکوٰۃ کی بجائے ایک نیا نظام نافذ کیا، حضرت عمر نے ان زمینوں کی پیمائش کرائی اور عراق اور اس کے گرد و نواح کے زمینداروں پر ہر جریب پر مالیہ کی ایک مخصوص رقم عائد کر دی، چنانچہ اہلِ عراق سے وہی مالیہ وصول کیا جو اس سے قبل شاہانِ فارس وصول کرتے تھے یعنی ہر جریب پر فی جریب ایک درہم اور غلہ کی مخصوص مقدار مقرر کر دی اور اہلِ مصر پر فی جریب ایک دینار اور غلہ کی مخصوص

مقدار بطور مالیہ وصول مقرر کی اور یہ مالیہ اہلِ مصر ملوک سکندریہ کو پہلے ادا کیا کرتے تھے اور سب سے پہلے پیائش کا آغاز کوفہ سے کیا گیا اور حضرت امیر المومنینؑ مالیہ کے نظام کو درست نہیں سمجھتے تھے، اسی لیے آپؑ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اس پیائش اور جریب کے نظام کو ختم کردوں۔

۷۔ اسلام میں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا کفو ہے، اُس میں عرب اور غیر عرب، غنی و فقیر کی کوئی قید نہیں ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چچازاد ضباعہ کا عقد مقداد سے کیا تھا اور یوں قوم قبیلے کے بت کو پاش پاش کر دیا تھا، مگر حضرت عمر نے حکم جاری کیا کہ عجم اور موالی، عرب عورتوں سے نکاح نہیں کریں گے اور یہ حکم اسلام کی روح کے خلاف تھا جس پر حضرت نے اپنی ناپسندی کا اظہار کیا۔

۸۔ مسجد نبوی اسلام کی عظیم مسجد ہے، جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور آپؐ نے مسجد کو ہی اپنا ایوانِ حکومت بنایا، حضرت رسول خداؐ کی وفات کے بعد حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دورِ حکومت میں مسجد میں توسیع کی گئی تو کئی گھر زبردستی گرا دیئے گئے اور انہیں جبراً مسجد میں شامل کر دیا گیا، حضرت کی نظر میں یہ عمل سراسر غیر اسلامی تھا۔

۹۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ ایمان کے جنازوں پر پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمر نے اس میں کمی کر کے چار تکبیر نماز جنازہ کو رواج دیا اور یوں قیامت تک اپنے پیروکاروں کو دعائے خیر سے محروم کر دیا۔

حضرتؑ نے اسے سنت رسولؐ کے خلاف بغاوت سے تعبیر کیا۔

۱۰۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو نماز میں بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، لیکن نماز میں بھی کتر و بیونت کی گئی اور بسملہ کو ترک کر دیا گیا یا اسے دل میں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرتؑ نے اس اقدام کو شریعت میں مداخلت قرار دیا ہے اور لوگوں کو بالجہر پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ کے ظاہری الفاظ سے بسملہ کا جہر سے پڑھنا واجب معلوم ہوتا ہے، مگر اسے استحباب مؤکد پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ جن افراد کو رسول خداؐ نے مسجد کی طرف کھڑکی کھولنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی، وہ افراد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے ایک کمرے میں دفن کئے گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر بیٹی کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا گیا۔

حضرتؑ نے اس عمل کو استحسان کی نظر سے نہیں دیکھا اور اس پر اپنی ناراضگی کا اعلان کیا، علاوہ ازیں وہ افراد جو شب و روز مسجد رسول سے وابستہ تھے انہیں مسجد سے دور کیا گیا جیسے حضرت ابوذر غفاری کو ربذہ کے لق ودق صحراء میں تنہا مرنے کے لئے روانہ کیا گیا اور اس کے برعکس حکم ابی العاص اور مروان جیسے ملعون جنہیں رسول خدا نے جلاوطن کیا تھا انہیں طائف سے لا کر مدینہ میں آباد کیا گیا۔

۱۲۔ ''میں اہلِ نجران کو ان کے اصل مقام کی طرف لوٹا دیتا'' اس جملہ کے متعلق علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ ان کے اخراج کا علم نہیں ہے اور نہ ہی مجھے یہ علم ہے کہ انہیں کس نے نکالا تھا اور کب نکالا تھا۔

۱۳۔ آخر میں حضرتؑ نے خلفاء کی اس روش کا تذکرہ کیا جو انہوں نے اہلِ بیتؑ کو معاشی بحران میں مبتلا کرنے کے لیے روا رکھی

ہوئی تھی۔

حضرت نے فرمایا کہ خمس میں ذی القربیٰ کا حق اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جب کہ ہمیں آج تک خمس کے اس حق سے محروم رکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ حضرت نے استحقاق خمس کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زکوٰۃ وصدقات کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے بجائے خمس میں اللہ نے ہمارا حق مقرر فرمایا ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہمیں آج تک ہمارا حق نہیں دیا گیا۔

خطبہ۵۱

لَمَّا غَلَبَ اَصْحَابُ مُعَاوِيَةَ اَصْحَابَهٗ (ع) عَلٰى شَرِيْعَةِ الْفُرَاتِ بِصِفِّيْنَ وَ مَنَعُوْهُمْ مِنَ الْمَاءِ

جب معاویہ کے لشکر نے صفین میں دریائے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور حضرت کی فوج کو پانی نہ بھرنے دیا تو اس وقت آپ نے گھاٹ آزاد کرانے کے لیے یہ خطبہ دیا۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار میں اور شارح معتزلی نے اپنی شرح میں نصر بن مزاحم کی تصنیف کتاب الصفین سے نقل کیا۔

نصر کہتا ہے کہ ہم سے عمرو بن سعید نے روایت کی، اس نے جابر سے سنا، اس نے کہا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے پانی والے دن یہ خطبہ دیا۔

قَدِ اسْتَطْعَمُوْكُمُ الْقِتَالَ فَاَقِرُّوْا عَلٰى مَذَلَّةٍ وَ تَاْخِيْرِ مَحَلَّةٍ اَوْ رَوُّوا السُّيُوْفَ مِنَ الدِّمَاءِ تَرْوَوْا مِنَ الْمَاءِ فَالْمَوْتُ فِيْ حَيَاتِكُمْ مَقْهُوْرِيْنَ وَ الْحَيَاةُ فِيْ مَوْتِكُمْ قَاهِرِيْنَ اَلَا وَ اِنَّ مُعَاوِيَةَ قَادَ لُمَةً مِنَ الْغُوَاةِ وَ عَمَّسَ عَلَيْهِمُ الْخَبَرَ حَتّٰى جَعَلُوْا نُحُوْرَهُمْ اَغْرَاضَ الْمَنِيَّةِ

ان لوگوں نے تم پر ظلم کی ابتدا کی اور سرکشی کا آغاز کیا اور ظلم وستم سے تمہارا استقبال کیا، انہوں نے تمہارا پانی روک کر تم سے جنگ کے لقمے طلب کیے ہیں، تو اب تم یا تو ذلت اور اپنے مقام کی پستی وحقارت پر سر تسلیم خم کردو، یا تلواروں کی پیاس خون سے بجھاؤ، پھر کہیں سیراب ہوگے، تمہارا ان سے دب جانا جیتے جی موت ہے اور غالب آکر مرجانا بھی جینے کے برابر ہے، معاویہ گم کردہ راہ، سرپھروں کا ایک چھوٹا سا جتھا لے کیے پھرتا ہے اور انہیں واقعات سے اندھیرے میں رکھ چھوڑا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے سینوں کو موت (کے تیروں) کا ہدف بنالیا ہے۔

تشریح لغت

(اسْتَطْعَمُوْكُمُ الْقِتَالَ) انہوں نے تم سے قتال طلب کیا اور کہا جاتا ہے (فَلَانٌ يَسْتَطْعِمُنِي الْحَدِيْثَ) فلاں مجھ سے گفتگو کی خواہش رکھتا ہے۔

(فَاَقِرُّوْا عَلٰى مَذَلَّةٍ) قرار سے مشتق ہے اور اس کا معنی سکوت وثبات اور استقرار ہے، یعنی تم ذلت پر ٹھہر جاؤ، یا یہ لفظ اقرار سے مشتق ہے یعنی تم اپنی ذلت کا اقرار کرلو لیکن پہلا معنی اظہر ہے۔

''لُمَۃٌ'' ضمہ اور تخفیف کے ساتھ، تھوڑی سی جماعت، (عَمَسَ عَلَیۡھِمُ الۡخَبَرَ) عین اور میم پر فتحہ کے ساتھ اور میم کے شد کے ساتھ پڑھنا بھی درست ہے، یعنی اس نے حالات سے انہیں اندھیرے میں رکھا ہے اور اگر میم پر شد پڑھی جائے تو اس میں کثرت کے معنی پیدا ہوں گے، یعنی اس نے بہت زیادہ انہیں اندھیرے میں رکھا ہے اور اسی سے (لیل عماس) مشتق ہے، یعنی تاریک رات (اَغۡرَاضٌ) غرض کی جمع ہے، یعنی نشانہ اور ہدف۔

تشریح

حضرتؑ کا یہ خطبہ ترغیب جنگ کے لیے بلیغ ترین خطبہ ہے اور یہ خطبہ آپؑ نے صفین میں دیا، اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ امیر المومنینؑ ابھی صفین میں نہ پہنچے تھے کہ معاویہ نے گھاٹ کا راستہ بند کرنے کے لیے دریا کے کنارے چالیس ہزار افراد کا پہرہ لگا دیا تا کہ شامیوں کے علاوہ کوئی وہاں سے پانی نہ لے سکے۔

جب امیر المومنینؑ کا لشکر وہاں پر اترا تو اس گھاٹ کے علاوہ آس پاس کوئی گھاٹ نہ تھا کہ وہاں وسے پانی لے سکتے، حضرت نے صعصعہ بن صوحان کو معاویہ کے پاس بھیجا اور اسے کہلوایا کہ پانی سے پہرہ اٹھالیا جائے، مگر معاویہ نے انکار کر دیا۔

ادھر امیر المومنینؑ کا لشکر پیاسا تھا، حضرتؑ نے یہ صورت دیکھی تو آپؑ نے یہ خطبہ دیا: '' اِنَّھُمۡ قَدِ اسۡتَطۡعَمُوۡکُمُ الۡقِتَالَ حَیۡثُ مَنَعُوۡکُمُ الۡمَاءَ ''انہوں نے تمہارا پانی روک کر تم سے جنگ کے لقمے طلب کیے ہیں۔

دراصل ان کا پانی روک لینا جیسا غیر انسانی فعل، اعلانِ جنگ کے مترادف ہے، حضرتؑ نے ان کے اس اقدام کو جنگ کے لقمے طلب کرنے سے تعبیر کیا ہے اور یہ استعارہ کا لطیف ترین استعمال ہے۔

(فَاقِرُّوۡا عَلٰی مَذَلَّۃٍ وَ تَاۡخِیۡرِ مَحَلَّۃٍ اَوۡ رَوُّوا السُّیُوۡفَ مِنَ الدِّمَاءِ تَرۡوَوۡا مِنَ الۡمَاءِ)

تو اب یا تو تم ذلت اور اپنے مقام کی پستی وحقارت پر سر تسلیم خم کر دو، یا تلواروں کی پیاس خون سے بجھاؤ، پھر کہیں سیراب ہو گے۔

فریقِ مخالف نے تم پر پانی بند کر دیا ہے اب تم دو میں سے ایک چیز کا انتخاب کرو، جنگ نہ کر کے اپنی عاجزی اور ذلت کا اقرار کرو اور اہلِ شرف وشجاعت کے رتبہ سے دور رہو اگر یہ صورت تمہیں قبول نہ ہو تو پھر مردانہ وار جنگ کرو اور اپنی تلواروں کی پیاس خون سے بجھاؤ اور اپنی پیاس پانی سے بجھاؤ۔

اس کلام میں جو لطف وحسن ہے وہ کسی صاحب ذوق سے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ ذلت وعاجزی کو کوئی شخص اپنی ذات کے لیے پسند نہیں کرتا اور ہر پیاسے کو پانی پینا اچھا لگتا ہے اور کوئی عاقل پسندیدہ امر کو چھوڑ کر ناپسندیدہ چیز کا انتخاب نہیں کر سکتا اور پسندیدہ امر کے حصول کے لیے انسان کو شمشیر زنی بھی کرنی پڑے تو بھی انسان اس سے گریز نہیں کرتا۔

قتال وجدال فی نفسہٖ مرغوب نہیں ہے لیکن امرِ محبوب کا حصول اگر اس کے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر وہی قتال وجدال محبوب بن اجاتا ہے اور ترکِ جہاد میں قوموں کی ذلت کا راز پوشیدہ ہے، اس لیے حضرتؑ نے فرمایا: (فَالْمَوْتُ فِیْ حَیَاتِکُمْ مَقْهُوْرِیْنَ وَ الْحَیَاةُ فِیْ مَوْتِکُمْ قَاهِرِیْنَ) تمہارا ان سے دب جانا جیتے جی موت ہے اور غالب آ کر مرنا بھی جینے کے برابر ہے۔

ان الفاظ سے حضرت نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے، ذلت موت ہے اور عزت زندگی ہے۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو ان الفاظ سے ادا کیا تھا۔

وَ مَنْ فَاتَهٗ نَیْلُ الْعُلٰی بِعُلُوْمِهٖ وَ اَقْلَامِهٖ فَلْیَبْغِهَا بِحِسَامِهٖ

فَمَوْتُ الْفَتٰی فِی الْعِزِّ مِثْلُ حَیَاتِهٖ وَ عِیْشَةٌ فِی الذُّلِّ مِثْلُ حِمَامِهٖ

جسے علم وقلم سے عزت حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہو، تو اسے چاہیے کہ تلوار سے عزت حاصل کرے۔

عزت کی حالت میں موت بھی زندگی کی طرح ہے اور ذلت کی زندگی موت کے برابر ہے، یعنی ذلت کی زندگی کی قسط وار موت ہوتی ہے اور بہادر انسان صرف ایک مرتبہ مرنے کو ترجیح دیتا ہے، عزت کی موت دنیا میں ذکرِ جمیل اور آخرت میں اجرِ جزیل کا سبب ہے اور یہ موت درحقیقت موت نہیں ہے بلکہ اس میں زندگی کا وسیع تر مفہوم مضمر ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا . بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ“ (آلِ عمران ۱۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور رب کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔

پھر آپؑ نے اپنے اصحاب کے سامنے معاویہ کی حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی:

(اَلَا وَ اِنَّ مُعَاوِیَةَ قَادَ لُمَةً مِنَ الْغُوَاةِ وَ عَمَسَ عَلَیْهِمُ الْخَبَرَ حَتّٰی جَعَلُوْا نُحُوْرَهُمْ اَغْرَاضَ الْمَنِیَّةِ) آگاہ رہو! معاویہ گم کردہ راہ سرپھروں کا ایک چھوٹا سا جتھا لیے پھرتا ہے اور واقعات سے انہیں اندھیرے میں رکھ چھوڑا ہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے سینوں کو موت (کے تیروں) کا ہدف بنالیا ہے۔

معاویہ انہیں گمراہ کر چکا ہے اور اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا ہے کہ عثمان مظلوم ہو کر قتل ہوا اور اسے حضرتؑ نے قتل کرایا ہے اور وہ خود خونِ عثمان کا طلب گار ہے، چنانچہ گمراہ افراد کا ایک ٹولہ اس کا ہمنوا بن گیا ہے اور اس کی پیروی سے انہوں نے اپنے آپ کو آتشِ جہنم کا ایندھن بنایا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ظالم عنقریب اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

خطبہ کا پس منظر اور واقعات کی تفصیل

نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں جو واقعات کی تفصیل لکھی ہے، اسے علامہ مجلسیؒ نے بحار میں اور شارح معتزلی نے اپنی شرح میں درج کیا ہے، ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ اس کا ماحصل پیش کرنا چاہتے ہیں۔

نصر کا بیان ہے کہ ابوالاعور اسلمی معاویہ کے ہراول دستہ کا سالار تھا اور مالک اشتر حضرت علیؑ کے ہراول دستے کے سالار تھے،

جب دونوں دستے ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو مالک نے انہیں مار بھگایا، مالک سے شکست کھانے کے بعد ابوالاعور نے صفین کے قریب قنسرین کے مقام پر دریائے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور پانی پہ قابض ہوگیا، مالک اشتر اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں آئے تو وہ پانی پہ قابض ہو چکا تھا چند جھڑپوں کے بعد مالک نے اسے گھاٹ سے مار بھگا دیا۔ اسی اثنا میں معاویہ ایک جمِ غفیر لے کر وہاں آ گیا، مالک کے پاس اس وقت صرف چار ہزار فوجی تھے، اسی لیے مالک کنارے سے ہٹ گئے اور شامیوں نے دوبارہ گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور عراقی فوج کو پانی بھرنے سے روک دیا۔ دوسرے دن امیر المومنینؑ ایک لاکھ فوج لے کر صفین میں وارد ہوئے اور حضرت کے فوجیوں نے معاویہ کی فوج پر آتے ہی دھاوا بول دیا۔ معاویہ نے حضرت کے پاس خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ آپ جنگ میں عجلت کا مظاہرہ نہ کریں ہمیں صفیں بنانے دیں۔

حضرتؑ نے فوج کو جنگ سے روک دیا اور فرمایا: ''جوانمرد و! آج جس کے دامن پر فرار کا داغ لگ گیا وہ داغ کسی طرح قیامت تک باقی رہیگا اور وہ ذلت کا داغ دھلنے میں نہیں آئے گا اور جو جوان آج کامیاب رہا وہ قیامت کے دن بھی کامیاب رہے گا۔''

اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے گئے۔

حضرتؑ کی فوج کے چند جوان گھاٹ سے پانی لینے کے لیے گئے تو شامیوں نے انہیں پانی نہ بھرنے دیا۔ جوانوں نے اس امر کی شکایت امیر المومنینؑ کے پاس کی، آپؑ نے صعصعہ بن صوحان کو بلایا اور انہیں فرمایا: ''تم معاویہ کے پاس جاؤ اور اس سے جا کر کہو، ہم میدان میں وارد ہو چکے ہیں اور اتمام حجت سے قبل ہم بلاوجہ تم سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے، تمہاری فوج نے پانی پر قبضہ کرلیا ہے، اپنی فوج کو دریا سے ہٹالو، تا کہ تمام انسان پانی پی سکیں اور اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ تم کس مقصد سے یہاں آئے ہو اور ہم کس مقصد سے آئے ہیں، اور اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو پھر جو گھاٹ پر غالب آئے گا وہی پانی پیئے گا۔''

صعصعہ بن صوحان پیغام لے کر معاویہ کے پاس گئے اور اسے حضرت کا پیغام پہنچایا۔ معاویہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ولید بن عقبہ نے کہا: ''انہیں ایک گھونٹ بھی پانی نہیں دینا چاہیے، کیونکہ انہوں نے عثمان کا چالیس دن تک محاصرہ کیا تھا اور اسے پانی اور اچھی خوراک سے محروم رکھا تھا، لہٰذا انہیں پیاس سے ہلاک کر دینا چاہیئے۔''

عمرو بن عاص نے کہا: ''پانی کو آزاد کردو، یہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ تم تو سیراب ہوتے رہو اور علیؑ کا لشکر پیاسا مرے، وہ پانی آزاد کرانے کی مکمل قوت رکھتے ہیں، لہٰذا پانی پر خواہ مخواہ کی جنگ نہیں خریدنی چاہیے''۔ ولید نے اس رائے سے اختلاف کیا اور اپنی رائے کے صائب ہونے پر زور دیا۔

پھر عثمان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعید بن ابی سرح نے کہا: ''ہمیں آج رات تک ہر قیمت پر پانی روکنا چاہیے کیونکہ جب ان کے پاس پانی نہ ہوگا تو وہ واپس چلے جائیں گے اور یہی واپسی ان کی شکست ہوگی، ان سے پانی روک لو، خدا انہیں قیامت کے دن پانی نصیب نہ کرے''۔ صعصعہ نے کہا: ''اے فاسق و بدکار! قیامت کے دن پانی فاسقین سے روکا جائے گا اور تجھ جیسے مست شرابی پانی سے محروم رہیں گے'' صعصعہ کی بات سن کر ولید اور عبداللہ سے سب وشتم کرنے لگے۔ معاویہ نے کہا: بات آگے نہ بڑھاؤ، یہ ایک قاصد ہے۔

صعصعہ وہاں سے ناکام واپس آئے، حضرت نے پوچھا کہ انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا ہے؟ صعصعہ نے کہا: مولاؑ! وہ پانی دینے پر راضی نہیں ہیں۔

معاویہ نے ابوالاعور کی مدد کے لیے بہت سی فوج گھاٹ کے لئے روانہ کردی اور انہیں حکم دیا کہ پانی کسی طرح سے بھی علیؑ کی فوج تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ پھر حضرت نے اپنے جانبازوں کے سامنے مذکورہ خطبہ دیا، عراقی جانباز یہ خطبہ سنتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے اور ایک خون ریز جنگ کے بعد گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور معاویہ کے لشکر کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب حضرت کے لشکر نے پانی پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے شامیوں کو پانی بھرنے سے روک دیا۔

حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ تم ان جیسا جاہلانہ کام ہرگز نہ کرو، تم انہیں بھی پانی بھرنے دو، ہم کسی جاندار کو پیاسا دیکھ کر خوش نہیں ہوتے۔

نصر بن مزاحم نے مزید لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا تھا، اپنی فوج کو گھاٹ سے ہٹالیں یہ بات ناممکن ہے کہ تم پانی سے سیراب ہوتے رہو اور علیؑ پیاسے مرجائیں، علیؑ کے پاس آج بہت بڑا لشکر ہے، اور اس لشکر کی موجودگی میں علیؑ خاموشی سے فرات کی موجوں کو یوں ہی اٹھتا ہوا دیکھتے رہیں گے، یہ سراسر غلط فہمی ہے، حالانکہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ علیؑ عدیم المثال بہادر ہے اور میرے علاوہ تم نے بھی علیؑ سے کئی مرتبہ یہ جملہ سنا ہے کہ اگر میرے پاس چالیس وفادار ساتھی ہوتے تو میں خانہ بتولؑ کی کبھی تلاشی نہ لینے دیتا اور سقیفائی حکومت ختم کردیتا، نصر کا بیان ہے جب اہلِ شام نے فرات پر قبضہ کرلیا تو معاویہ نے انہیں کہا:

اے اھل شام تمہیں یہ پہلی فتح مبارک ہو اگر علیؑ اور اس کے ساتھی فرات کا پانی پینے میں کامیاب ہوگئے تو اللہ مجھے اور ابوسفیان کو پانی سے محروم رکھے، آج عراقی فوج ساری بھی قتل ہوجائے تو بھی پانی حاصل نہیں کرسکے گی، آج کا دن اہلِ شام کی خوشی کا دن ہے۔

معاویہ کی یہ شیخی اور تعلّی سن کر لشکرِ شام میں سے ایک عابد وزاہد شخص جس کا نام معری بن انیل تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور معاویہ سے کہا:

تمہارا یہ اقدام سراسر ناانصافی پر مبنی ہے اور کوئی بھی باضمیر انسان اس کی حمایت نہیں کرسکتا، تم نے آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کرلیا اور مخالفین کو پانی لینے سے روک دیا، خدا کی قسم! اگر یہ پانی علیؑ کے قبضہ میں ہوتا تو وہ تمہیں پانی پینے سے کبھی منع نہ کرتا، مخالف لشکر میں غلام بھی ہیں اور کنیزیں بھی، ضعیف بھی ہیں اور کمزور اور مزدور بھی، آخر ان بے گناہوں کا کیا قصور ہے اور تم نے ناحق پانی کی بندش کیوں کی ہے؟

معاویہ کو اس کی باتیں ناگوار گزریں اور اس سے کہا اگر تو عمرو بن العاص کا دوست نہ ہوتا تو میں تجھ سے انتہائی برا سلوک کرتا اور تجھے نشانِ عبرت بنا دیتا۔

عمرو بن العاص نے بھی اسے سخت سست کہا (معری بن انیل) نے یہ شعر کہے:

لَعَمْرُ اَبِیْ مُعَاوِیَةُ بْنُ حَرَبٍ وَ عَمْرٌو مَا لِدَا ئِهَمَا دَوَآءُ

سِویٰ طَعْنٍ یَحَارُ الْعَقْلُ فِیْهِ وَ ضَرْبٍ حِیْنَ یَخْتَلِطُ الدِّمآءُ

وَ لَسْتُ بِتَابِعٍ (دِیْنَ بْنِ هِنْدٍ) طِوَالَ الدَّهْرِ یَا اَرْسٰی حَرَاءُ

اَلاَ لِلّٰہِ دَرُّکَ یَاابْنَ ھِنْدٍ لَقَدْبَرِحَ الْخِفَآءُ فَلاَخِفَاءُ
لَقَدْ وَھَبَ الْعِتَابَ فَلاَ عِتَابَ وَ قَدْ ذَھَبَ الْوِلَاءُ فَلاَ وِلَاءُ
أَتَحْمُوْنَ الْفُرَاتَ عَلٰی رِجَالٍ وَ فِیْ اَیْدِیْھِمُ الْاَسَلُ الظِّمآءُ
وَ فِی الْاَعْنَاقِ اَسْیَافٌ حِدَادٌ کَاَنَّ الْقَوْمَ عِنْدَھُمْ نِسَاءُ
اَتَرْجُوْنَ اَنْ یُعَاوِرَکُمْ عَلِیٌّ بِلاَمَاءٍ وَلِلاَحْزَابِ مَاءُ

مجھے اپنے باپ کی زندگی کی قسم! معاویہ اور عمرو کی بیماری لا علاج ہے، ان کا علاج بس یہی ہے کہ انہیں سخت نیزے اور تلواریں ماری جائیں اور خون بہایا جائے، اس حد تک کہ عقلیں حیران رہ جائیں۔

میں اس وقت تک پسرِ ھند کے دین کی پیروی نہیں کرسکتا، جب تک حرا اپنے مقام پر قائم ہے۔

اس نے مجھے سرزنش کی تو یہ سرزنش کیسی، اب جب کہ ہماری دوستی ختم ہوگئی اور تعلق ٹوٹ گیا۔

پسرِ ھند خدا تیرا بھلا کرے، تو نے مخفی باتوں کو ظاہر کر دیا اور کوئی چیز مخفی نہیں رہی۔

کیا تم ان لوگوں سے دریائے فرات کو روکنے میں کامیاب ہوسکو گے جن کے ہاتھوں میں چمکتے ہوئے نیزے ہیں۔

اور جن کی گردنوں میں تیز دھار تلواریں حمائل ہیں، تو کیا تم نے ان جانبازوں کو عورتیں سمجھ لیا ہے؟

اور کیا تو یہ امید کرتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں پانی ہو اور علیؑ کے پاس پانی نہ ہو، تو کیا اس حالت میں علیؑ تجھ سے خالی خولی مذاکرات ہی کرتا رہے گا۔

پھر وہ ہمدانی رات کی تاریکی میں حضرت کے لشکر سے آن ملا۔

قوت ولایت کی ایک جھلک

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی جلد نہم میں سہل بن حنیف سے روایت نقل کی ہے:

جب معاویہ کے لشکر نے فرات پر قبضہ کرلیا تو حضرت امیر المومنینؑ نے مالکِ اشتر سے فرمایا: اپنے ساتھ سقے لے جاؤ اور قابض فوجیوں سے کہو کہ علیؑ کا حکم ہے تم کنارے سے ہٹ جاؤ اور پانی بھرنے دو۔ مالک اشتر گئے اور انہیں حضرت کا پیغام دیا تو قابض فوج نے گھاٹ کو چھوڑ دیا اور مالک کے ساتھیوں نے پانی بھرا۔ جب معاویہ کو اس خبر کا علم ہوا تو اس نے فوجی افسروں کو بلا کر سرزنش کی کہ تم نے فرات میں سے پانی کیوں بھرنے دیا؟

فوج کے افسروں نے کہا: ہمارے پاس عمرو بن العاص آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ معاویہ کا حکم ہے تم کنارا خالی کردو اسی لیے ہم نے کنارا خالی کیا تھا۔ معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ عمرو بن العاص نے کہا: ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نہیں

گیا تھا۔''

دوسرے دن معاویہ نے حجل بن عتاب نخعی کو پانچ ہزار کا دستہ دے کر بھیجا اور کہا تم نے وہاں پانی نہیں جانے دینا۔ دوسرے دن امیر المومنینؑ نے پھر مالک اشتر سے فرمایا کہ جاؤ اور انہیں جا کر کہو: ''علیؑ کا حکم ہے کہ کنارے سے ہٹ جاؤ اور ہمیں پانی بھرنے دو''۔

مالک اشتر نے جا کر پیغام دیا تو حجل بن عتاب نے اپنے دستوں کو ہٹا لیا اور مالک کے ساتھیوں نے پانی بھرا۔ جب معاویہ کو صورت حال کا علم ہوا تو اس نے حجل بن عتاب کو بلا کر سخت سرزنش کی اور کہا: میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ کسی قیمت پر پانی علیؑ کے خیموں میں نہیں پہنچنا چاہئے مگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔ حجل بن عتاب نے کہا: اس میں میرا کیا قصور ہے، تیرا بیٹا یزید میرے پاس آیا تھا اور اس نے مجھے حکم سنایا کہ گھاٹ خالی کر دو تا کہ یہ لوگ پانی بھر سکیں۔ اس لیے میں نے گھاٹ سے اپنے دستے ہٹا لیے تھے۔ معاویہ نے یزید کو بلا کر کہا: تو نے یہ غضب کیا؟ یزید نے کہا: میں وہاں ہرگز نہیں گیا تھا۔

معاویہ نے حجل بن عتاب سے کہا: سنو! کل جب تک میں خود چل کر نہ آؤں اور تجھے اپنی انگوٹھی نہ دکھاؤں' کسی کو پانی نہ بھرنے دینا۔ تیسرے دن امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو بلایا کر فرمایا: مالک! دریا پر جاؤ اور فوج سے کہو کہ علیؑ کا حکم ہے، ہٹ جاؤ اور ہمیں پانی بھرنے دو۔ مالک گھاٹ پر گئے، حجل بن عتاب نے فوراً کنارہ خالی کر دیا اور مالک کے ساتھیوں نے پانی بھرا۔

جب معاویہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے پھر حجل کو بلا کر سرزنش کی تو حجل نے کہا: ''آپ بھی عجیب شخص ہیں، کچھ دیر پہلے آپ خود آئے اور مجھے انگوٹھی دکھائی تھی میں نے آپ سے انگوٹھی لے کر اپنے پاس رکھ لی تھی، پھر اس نے وہ انگوٹھی معاویہ کو دکھا کر کہا: کیا یہ آپ کی انگوٹھی نہیں ہے؟ معاویہ نے کہا: بالکل یہ انگوٹھی میری ہی ہے۔

پھر حجل نے کہا: تو پھر مجھے سرزنش کیوں کی جا رہی ہے؟

معاویہ نے کہا: واقعی یہ علیؑ کی کرامت ہے۔

اب ہم دوبارہ نصر بن مزاحم کی روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نصر کا بیان ہے کہ جب پانی کی بندش کا تیسرا دن ہوا تو اشعث بن قیس حضرت امیر المومنینؑ کے پاس آیا اور کہا: آپؑ کی موجودگی میں ہمارا پانی بند ہے اور ہمارے ہاتھوں میں تلواریں بھی موجود ہیں، آپ ہمیں جنگ کی اجازت دیں ہم یا تو مر جائیں گے یا پھر پانی آزاد کرا کے دم لیں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا: تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ اشعث نے لشکر میں کھڑے ہو کر آواز دی، جو موت یا پانی میں سے کسی ایک کا خواہشمند ہو وہ فلاں مقام پر آ جائے۔

اشعث کی پکار پر بنی کندہ کے بارہ ہزار افراد نے لبیک کہی اور تلواریں لے کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ اشعث نے خود ہتھیار لگائے اور فوج سے کہا کہ اس نیزہ کے برابر پیش قدمی کرو اور جب شامی فوج کے بالکل سامنے پہنچا تو اس نے سر سے خود کو اتار کر کہا: لوگو! میں اشعث بن قیس ہوں، تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ گھاٹ کو خالی کر دو اور اپنی جانیں بچاؤ۔ ابوالاعور سلمی نے کہا: یہ ناممکن ہے گھاٹ کا فیصلہ تلواریں کریں گی۔ پھر اشعث نے عمرو بن العاص کو آواز دے کر کہا: عمرو! گھاٹ سے اپنی فوج ہٹا لے ورنہ تلواریں چل جائیں گی۔

عمرو بن العاص نے کہا: جب تک تلواریں نہیں چلیں گی اس وقت تک گھاٹ کا کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اور آج ہم دیکھیں گے کہ تلواروں کے سامنے کون زیادہ دیر تک ٹھہرنا پسند کرتا ہے۔اس کے بعد مالک اشتر اور اشعث نے دشمن فوج پر حملہ کر دیا، شدید جنگ کے کچھ دیر بعد شامی لشکر کو شکست فاش ہوئی اور اہلِ عراق نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔نصر کا بیان ہے کہ عمر بن سعید کہتا ہے کہ اس دن حضرت علیؑ نے فرمایا: ''اس دن تم نے حمیت کی وجہ سے فتح پائی'' نصر کہتے ہیں کہ حضرت نے اسی دن یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

میدان جنگ کے حالات بیان کرتے ہوئے نصر نے تحریر کیا: اس دن مالک اشتر نے اہلِ شام پر شدید حملہ کیا اور انہیں آہستہ آہستہ گھاٹ سے ہٹاتے گئے اور اشعث بن قیس کا پرچم اس کے ایک ساتھی معاویہ بن حرث کے ہاتھ میں تھا۔اشعث نے اسے آواز دے کر کہا: پرچم آگے بڑھاؤ، قبیلہ نخع ہمارے قبیلہ کندہ سے زیادہ دلیر نہیں ہے، گھاٹ آزاد کرانے کا سہرا قبیلہ نخع کے سر پر نہیں سجنا چاہیے، آگے بڑھو، پیش قدمی کرو، اشعث مسلسل اپنے قبیلہ کے افراد کو جوش دے کر آگے بڑھاتا رہا، یہاں تک کہ شامی فوج کو مار کر انہوں نے گھاٹ سے بھگا دیا اور اہلِ عراق کا قبضہ مکمل ہو گیا۔

ابومخنف نے عبداللہ بن قیس سے روایت کی ہے: جب ابوالاعور اسلمی نے گھاٹ پر قبضہ کیا تو حضرت علیؑ نے امام حسینؑ کو پانچ سو گھڑ سواروں کا دستہ دے کر گھاٹ کی طرف روانہ کیا۔امام حسینؑ نے شامی لشکر سے جنگ کی اور گھاٹ آزاد کرا لیا، جب امیر المومنینؑ نے یہ منظر دیکھا تو انتہائی تأسف آمیز لہجہ میں فرمایا: میرا یہ بیٹا کربلا میں پیاسا شہید کیا جائے گا اور اس کی شہادت کے وقت اس کا گھوڑا ہنہناتا ہوا آئے گا اور اپنی ہنہناہٹ میں کہے گا: ''فریاد، فریاد، امت نے اپنے نبیؐ کا نواسہ قتل کر دیا اور قرآن بھی پڑھتے رہے'' پھر امیر المومنینؑ نے یہ شعر پڑھے:

اَرَی الْحُسَیْنَ قَتِیْلًا قَبْلَ مَصْرَعِهٖ عِلْمًا یَّقِیْنًا بَانَ یُبْلٰی بَاَشْرَار

وَ کُلَّ ذِی نَفْسٍ اَوْ غَیْرِ ذِی نَفْسٍ یَجْرِی اِلٰی اَجَلٍ یَّأْتِی بَاَقْدَارِ

میں حسینؑ کو اس کی شہادت سے قبل شہید دیکھ رہا ہوں، میں یقینی علم سے جانتا ہوں کہ حسینؑ کی اشرار سے آزمائش ہوگی۔

ہر جاندار اور غیر جاندار اس موت کی طرف سفر کر رہا ہے جو سفرِ قضا و قدر نے اس کے متعلق مقرر کر رکھا ہے۔

جب اہلِ عراق نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا تو اس وقت عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا: معاویہ! اب کیا خیال ہے اگر اہلِ عراق تمہارا پانی بند کر دیں جیسا کہ تو نے بند کیا تھا کیا ہوگا اور کیا تو بھی پانی لینے کے لیے ویسی ہی جنگ کرے گا جیسی انہوں نے کی؟

معاویہ نے کہا: عمرو! یہ باتیں جانے دو، علیؑ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

عمرو بن العاص نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ علیؑ تیرے جیسا عمل کبھی نہیں کرے گا اور وہ یہاں پانی کی لڑائی لڑنے نہیں آیا۔

نصر کا بیان ہے: حضرت کے بعض ساتھیوں نے حضرت کو مشورہ دیا کہ آپ شامیوں پر پانی بند کر دیں جیسا انہوں نے آپ پر بند کیا تھا۔

حضرتؑ نے فرمایا: نہیں، انہیں گھاٹ سے مت روکو، میں جاہلوں کا سا فعل کبھی نہیں کروں گا، ہم انہیں کتاب اللہ اور ہدایت کی

دعوت دیں گے،اگر انہوں نے ہماری دعوت قبول کر لی تو بہتر ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔

جیسے ہی شام ہوئی تو چشمِ فلک نے علیؑ کی انسان دوستی کا یہ منظر دیکھا کہ اسی گھاٹ سے اہلِ عراق اور اہل شام دونوں پانی بھر رہے تھے،کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا تھا۔

خطبہ۵۲

حضرتؑ نے یہ خطبہ عید قربان کے دن ارشاد فرمایا تھا اور شیخ صدوقؒ نے من لایحضرہ الفقیہ میں مکمل خطبہ نقل کیا ہے اور سید رضیؒ نے اس خطبہ سے یہاں ایک اقتباس پیش کیا ہے،آپ شرح میں مکمل خطبہ پڑھیں گے اور یہ خطبہ دراصل دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصلِ اول میں تین قسم کے مضامین ہیں،جن کی شرح کے لیے ہم نے علیحدہ علیحدہ فصلیں قائم کی ہیں۔

خطبہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہ خطبہ آپؑ ہی کا ہے۔

اَلَا وَ اِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَصَرَّمَتْ وَ آذَنَتْ بِانْقِضَاءٍ وَ تَنَكَّرَ مَعْرُوْفُهَا وَ اَدْبَرَتْ حَذَّاءَ فَهِيَ تَحْفِزُ بِالْفَنَاءِ سُكَّانَهَا وَ تَحْدُوْ بِالْمَوْتِ جِيْرَانَهَا وَ قَدْ اَمَرَّ مِنْهَا مَا كَانَ حُلْوًا وَ كَدِرَ مِنْهَا مَا كَانَ صَفْوًا فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا سَلْهَةٌ كَسَلْهَةِ الْاِدَاوَةِ اَوْ جُرْعَةٌ كَجُرْعَةِ الْمُقْلَةِ لَوْ تَمَزَّزَهَا الصَّدْيَانُ لَمْ يَنْقَعْ فَأَزْمِعُوْا عِبَادَ اللّٰهِ الرَّحِيْلَ عَنْ هٰذِهِ الدَّارِ الْمَقْدُوْرِ عَلٰى اَهْلِهَا الزَّوَالُ وَ لَا يَغْلِبَنَّكُمْ فِيْهَا الْاَمَلُ وَلَا يَطُوْلَنَّ عَلَيْكُمْ فِيْهَا الْاَمَدُ فَوَ اللّٰهِ لَوْ حَنَنْتُمْ حَنِيْنَ الْوُلَّهِ الْعِجَالِ وَ دَعَوْتُمْ بِهَدِيْلِ الْحَمَامِ وَ جَأَرْتُمْ جُؤَارَ مُتَبَتِّلِي الرُّهْبَانِ وَ خَرَجْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ الْتِمَاسَ الْقُرْبَةِ اِلَيْهِ فِي ارْتِفَاعِ دَرَجَةٍ عِنْدَهٗ اَوْ غُفْرَانِ سَيِّئَةٍ اَحْصَتْهَا كُتُبُهٗ وَ حَفِظَهَا رُسُلُهٗ لَكَانَ قَلِيْلًا فِيْمَا اَرْجُوْا لَكُمْ مِنْ ثَوَابِهٖ وَ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ عِقَابِهٖ وَ اللّٰهِ لَوِ انْمَاثَتْ قُلُوْبُكُمْ انْمِيَاثًا وَ سَالَتْ عُيُوْنُكُمْ مِنْ رَغْبَةٍ اِلَيْهِ اَوْ رَهْبَةٍ مِّنْهُ دَمًا ثُمَّ عُمِّرْتُمْ فِي الدُّنْيَا مَا الدُّنْيَا بَاقِيَةٌ مَا جَزَتْ اَعْمَالُكُمْ وَ لَوْلَمْ تُبْقُوْا شَيْئًا مِّنْ جُهْدِكُمْ اَنْعُمَهٗ عَلَيْكُمُ الْعِظَامَ وَ هُدَاهُ اِيَّاكُمْ لِلْاِيْمَانِ .

دنیا اپنا دامن سمیٹ رہی ہے اور اس نے اپنے رخصت ہونے کا اعلان کر دیا ہے، اس کی جانی پہچانی چیزیں اجنبی ہو گئیں اور تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ رہی ہے، اور اپنے رہنے والوں کو فنا کی طرف بڑھا رہی ہے اور اپنے پڑوس میں رہنے والوں کو موت کی طرف دھکیل رہی ہے طرف دھکیل رہی ہے اور اس کے شیرین (مزے) تلخ اور صاف و شفاف (لمحے) مکدر ہو گئے ہیں۔

دنیا سے بس اتنا باقی رہ گیا ہے، جتنا برتن میں بچا یا پانی یا نپا تلا جرعۂ آب، کہ پیاسا اگر اسے پیئے تو اس کی پیاس نہ بجھے، خدا کے بندو! اس دارِ دنیا سے جس کے رہنے والوں کے لیے زوال امرِ مسلم ہے، نکلنے کا تہیہ کر لو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آرزوئیں تم پر غالب آ جائیں اور اس (چند روزہ زندگی) کی مدت دراز سمجھ بیٹھو۔ خدا کی قسم اگر تم ان اونٹنیوں کی طرح فریاد کرو، جو اپنے بچوں کو کھو چکی ہوں اور ان کبوتروں کی طرح نالہ وفغاں کرو، جو اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گئے ہوں اور ان گوشہ نشین راہبوں کی طرح چیخو چلاؤ جو گھر بار چھوڑ چکے ہوں اور مال و اولاد سے بھی اپنا ہاتھ اٹھا لو، اس غرض سے کہ تمہیں بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل ہو، درجہ کی بلندی کے ساتھ اس کے یہاں یا ان گناہوں کی معافی کے ساتھ جو صحیفہ اعمال میں درج اور کراماً کاتبین کو یاد ہیں، تو وہ تمام بے تابی اور نالہ وفریاد اس ثواب کے لحاظ سے جس کا میں تمہارے لیے امیدوار ہوں اور اس عقاب کے اعتبار سے جس کا مجھے تمہارے لیے خوف واندیشہ ہے، بہت ہی کم ہو گی۔

خدا کی قسم! اگر تمہارے دل بالکل پگھل جائیں اور تمہاری آنکھیں امید وبیم سے خون بہانے لگیں اور پھر رہتی دنیا تک (اسی حالت میں) جیتے بھی رہو تو بھی تمہارے اعمال اگر چہ تم نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو، اس نعمات عظیم کی بخشش اور ایمان کی طرف راہنمائی کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔

وَ مِنْهَا فِیْ ذِكْرِ يَوْمِ النَّحْرِ وَ صِفَةِ الْاُضْحِيَّةِ: وَ مِنْ تَمَامِ الْاُضْحِيَّةِ اسْتِشْرَافُ اُذُنِهَا وَ سَلَامَةُ عَيْنِهَا فَاِذَا سَلِمَتِ الْاُذُنُ وَ الْعَيْنُ فَاِذَا سَلِمَتِ الْاُذُنُ وَ الْعَيْنُ سَلِمَتِ الْاُضْحِيَّةُ وَ تَمَّتْ وَ لَوْ كَانَتْ عَضْبَاءَ الْقَرْنِ تَجُرُّ رِجْلَهَا اِلَى الْمَنْسَكِ (وَالْمَنْسَكُ هٰهُنَا الْمَذْبَحُ)

اسی خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے جس میں عید قربان کے دین اور قربانی کے جانور کا ذکر ہے: ۔قربانی کے جانور کا مکمل ہونا یہ ہے کہ اس کے کان اٹھے ہوئے ہوں (یعنی کٹے ہوئے نہ ہوں) اور اس کی آنکھیں صحیح وسالم ہوں تو قربانی بھی صحیح وسالم اور ہر طرح سے مکمل ہے، اگر چہ اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اور ذبح کی جگہ تک اپنے پیر کو گھسیٹ کو پہنچے۔علامہ رضی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں منسک سے مراد ذبح کی جگہ ہے۔

تشریح لغت (تصرمت) منقطع ہوگئی، فنا ہوگئی۔(اذنت) الف کی مد کے ساتھ، اعلان کر دیا۔(تنکر) ناواقف بن گیا۔ (الحذّاء) جلدی جانے والی بعض روایات میں (جذاء) وارد ہے اور اس کا معنی ہے جس کا نفع وبھلائی ختم ہونے والی ہو۔(تحفزہ) باب ضرب پیچھے سے کسی کو دھکا دینا (حَفَزَ بِالرُّمْحِ) کسی کو نیزہ مارا۔(حفزعن الامر) اس نے کس کام میں جلد بازی کی اور اسے تھکا دیا۔ (حفزل اللیل النھار) رات نے دن کو روانہ کر دیا۔(امر الشیء) چیز کڑوی ہوگئی، (کدر) الماء کدرا، از باب علم پانی صاف وشفاف نہ رہا (کدر کدورۃ) از باب صعب بھی آتا ہے۔(سَلْهَةٌ) برتن میں بچا ہوا پانی، (الادواۃ) پانی کا برتن۔(المقلۃ) میم کی زبر اور قاف کی جزم کے ساتھ، وہ کنکر جن سے پانی کی قلت کے وقت پانی تقسیم کیا جائے۔(الصدیان) پیاسا۔(نقع) ینقع، پیاس کا بجھ جانا۔ (ازمعت) الامر، کسی کام کا تہیہ کرنا۔(المقدور) طے شدہ امر۔(الامد) انجام (الحنین) بچہ کے گم ہونے پر اونٹنی کا چلانا اور فریاد کرنا، حاصل معنی اشتیاق۔(الولہ) والہ، کی جمع، اس کا مصدر (ولہ) ہے جس کا معنی عقل وتمیز کا ختم ہونا ہے۔(العجال) عجول کی جمع، وہ ناقہ جس کا بچہ گم ہوگیا ہو۔(ھدیل الحمام) کبوتروں کا نالہ وفغاں۔(جأر) از باب منع، درد وغم سے آواز کا بلند کرنا۔(التبتل) رضائے الٰہی کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا۔(انماث) القلب۔دل پگھل گیا۔(الجھد) جیم کے پیش اور زبر کے ساتھ، قوت وطاقت۔(انعم) نعمت کی جمع۔

تشریح:

خطبہ کی یہ فصل باعتبارِ موضوع ومفہوم تین موضوعات پر مشتمل ہے، جس کے لیے ہم تین فصلوں میں اس کو تقسیم کر رہے ہیں۔

فصل اول

خطبہ کی پہلی فصل میں حضرتؑ نے دنیا سے نفرت دلائی اور اس سے محتاط رہنے کی ہدایت فرمائی اور دنیا والوں کو پیغام دیا کہ وہ اس سے دل نہ لگائیں اور اس سے کوچ کرنے کی تیاری کریں، چنانچہ حضرت نے ارشاد فرمایا:

''اَلَا وَ اِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَصَرَّمَتْ وَ آذَنَتْ بِانْقِضَاءٍ''

دنیا اپنا دامن سمیٹ رہی ہے اور اس نے اپنے رخصت ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

اس سے قبل ہم خطبہ ۲۸ اور خطبہ ۴۲ کی شرح میں اس مفہوم کی وضاحت کر چکے ہیں اگر آپ مذکورہ خطبات کی طرف رجوع کریں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دنیا کے اعلانِ رخصت سے مراد اس کے حالات کا تقاضا ہے اور اس کا اعلان زبانِ حال سے تعلق رکھتا ہے۔

''وَ تَنَكَّرَ مَعْرُوْفَهَا وَ اَدْبَرَتْ حَذَّاءَ''

اس کی جانی پہچانی چیزیں اجنبی ہو چکی ہیں اور تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ رہی ہے، حضرت نے ان الفاظ سے دنیا کے تغیر و تبدل کی طرف اشارہ کیا ہے اور دنیا کو یہ بتایا کہ کل تک جو چیز معروف تھی آج وہی چیز گمنامی کی لپیٹ میں آ گئی ہے اور جو چیزیں کل تک محبوب تھی آج وہ محبوب نہیں رہیں۔

اور دنیا کے تغیر و تبدل کو مشاہدہ کرنے کے لیے انسان کو کہیں دور سفر کرنے کی ضرورت نہیں اسی سے سمجھ لیں۔

ترجمہ اشعار:

وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے تھے اور طاقت ور افراد ان کا پہرہ دیا کرتے تھے مگر ان چوٹیوں نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔

اور اپنے قلعوں میں عزت کے ساتھ رہنے کے بعد اپنی قبروں میں چلے گئے اور وہ بہت بری جگہ جا ٹھہرے۔

جب وہ دفن ہو گئے تو ایک منادی نے انہیں ندا دے کر کہا: تمہارا تاج و تخت اور پوشاکیں کہاں ہیں؟

تمہارے وہ چہرے کیا ہوئے جن کے آگے پردے اور تاج لٹکائے جاتے تھے۔

وہ ایک مدت تک دنیا میں رہ کر کھاتے پیتے رہے اور پھر زمین اور کیڑوں کی خوراک بن گئے۔

اور ایک مدت تک وہ دولت جمع کر کے ذخیرہ کرتے رہے اور زر و مال دشمنوں کے حوالے کر کے خود چل دیئے۔

اور انہوں نے مدت دراز تک مضبوط و مستحکم گھر تعمیر کیے تا کہ وہ گھر ان کی حفاظت کر سکیں، پھر وہ گھروں اور گھر والوں کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

ان کے گھر ڈراؤنے ویرانوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کے گھروں کے باسی قبروں میں چلے گئے۔

مرنے والے خلیفہ سے پوچھو، تیرا لشکر اور تیرے گھوڑے اور تیرے غلام کہاں ہیں؟

اور آج تیرے وہ خزانے کہاں ہیں جن کی چابیاں طاقت ور افراد اٹھایا کرتے تھے؟

اور تیرے غلام کہاں گئے جنہیں تو نے اپنی خدمت کے لیے رکھا ہوا تھا؟

اور آج وہ لوہا اور چمکتی تلواریں اور نیزے کہاں گئے؟

اور آج تیرے شہسوار اور خدم و حشم کہاں چلے گئے اور آج شمشیریں اور گندم گوں نیزے کہاں ہیں؟

وہ محافظ کہاں گئے انہوں نے اپنے خلیفہ کو جب موت کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا تو اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟

اورآج زرہ پوش دستے کہاں ہیں جوخلیفہ کے لیے حریفوں پر غصہ میں آتے تھےاور حکومتوں کو بچانے والے افراد کہاں ہیں؟
تیرانداز کہاں چلے گئے، جب موت کے تیر تیرے جسم کو چھید رہے تھے تو انہوں نے اپنے تیروترکش کے ذریعے تجھے کیوں نہ بچایا؟

وہ تجھ سے ذلت وخواری کو ہٹا نہ سکےاور جب تیری موت واقع ہونے لگی تو وہ موت کو تجھ سے کیوں ہٹا نہ سکے؟
اگر وہ تیرے بچانے کے لیے رشوت بھی دیتے تو بھی تجھے فائدہ نہ پہنچتا اور نہ ہی تعویذ گنڈے تجھے فائدہ دیتے۔
انہوں نے تیری کوئی مدد نہ کی اور جو زیادہ قریبی تھا اس نے بھی تو تیری ہمدردی نہ کی، ان سب نے تجھے موت کے حوالے کر کے کتنا ہی بُرا کام سرانجام دیا۔

(وَ قَدْ اَمَرَّ مِنْهَا مَا كَانَ حُلْوًا وَ كَدِرَ مِنْهَا مَا كَانَ صَفْوًا)

اوراس کے شیریں مزے تلخ اور صاف وشفاف لمحے مکدر ہو گئے ہیں۔
ان الفاظ سے حضرت نے ہر شخص کے روزمرہ مشاہدات کی ترجمانی کی ہے کیونکہ انسان بہت سی نعمات کو شیرین وشفاف سمجھتا ہے مگر وہی شیرین وشفاف نعمات کبھی بھی قائم نہیں رہتیں، یہاں شباب، پیری میں، امارت، غربت میں، عزت ذلت میں اور صحت بیماری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(فَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا سَلْهَةٌ كَسَلْهَةِ الْاِدَاوَةِ اَوْ جُرْعَةٌ كَجُرْعَةِ الْمُقْلَةِ لَوْ تَمَزَّزَهَا الصَّدْيَانُ لَمْ يَنْقَعْ)

دنیا سے بس اتنا ہی باقی رہ گیا ہے جتنا برتن میں تلچھٹ، یا نپا تُلا جرعۂ آب، کہ پیاسا اگر اسے پیئے تو پیاس نہ بجھا سکے۔
شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے حضرت نے دنیا کی کمی وحقارت بیان فرمائی ہے، کیونکہ ہر شخص کا مال ودولت اس کے لیے اس وقت تک کارآمد ہے جب تک وہ دنیا میں زندہ ہے اور زندگی انتہائی کم ہے۔
حضرتؑ نے دنیا کے کم ہونے کی تمثیل بچے ہوئے قلیل ترین پانی اور ایک جرعۂ آب سے دی ہے، جسے کوئی پیاسا پیئے بھی تو اس کی پیاس کم ہونے کی بجائے بڑھ جائے، اسی طرح اگر دنیا کے کسی طلبگار کو کچھ حاصل ہوتا ہے تو اس کی پیاس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور حصولِ دنیا کی یہ پیاس اس کے جیتے جی ختم ہونے میں نہیں آتی، دنیا کی تحقیر وتذلیل کے بعد حضرتؑ نے انسانوں کو ابدی گھر کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(فَأَذْمِحُوْا عِبَادَ اللّٰهِ الرَّحِيْلَ عَنْ هٰذِهِ الدَّارِ الْمَقْدُوْرِ عَلٰى اَهْلِهَا الزِّوَالُ)خدا کے بندو! اس دارِدنیا سے جس کے رہنے والوں کے لیے زوال امر مسلم ہے، نکلنے کا تہیہ کرلو۔
کیونکہ دنیا دنایت وحقارت سے لبریز ہے، اس کا ہر صاف وشفاف پانی گدلا ہو چکا ہے اور اس کی حلاوت تلخی سے بدل چکی ہے تو ایسی دنیا سے دل لگانے کا آخر فائدہ ہی کیا ہے؟

عقلمند شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلب ونظر کو علائقِ دنیا سے قطع کرے اور رضائے الٰہی کے حصول کو اپنا نصب العین بنالے اور فکرِ آخرت کے پیشِ نظر یہاں سے کوچ کی تیاری کرلے۔ کیونکہ کوئی شخص یہاں باقی نہیں رہے گا، ہر کسی نے یہاں سے رخصت ہوجانا ہے، سفرِ آخرت کے لیے رختِ سفر پہلے سے تیار کرلینا ضروری ہے، تو کیا سابقہ امتوں کے حالات ہمارے پیشِ نظر نہیں ہیں کہ وہ سب پیوندِ خاک ہوچکے ہیں اور خود ہمارے اپنے آباء واجداد اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں بیسیوں عزیزوں کو ہم اپنے ہاتھ سے سپردِ خاک کرچکے ہیں، جب یہ تمام لوگ یہاں سے رخصت ہوگئے ہیں تو ہم نے بھی اس دنیا میں زیادہ دیر کے لیے باقی نہیں رہنا۔ جب تم اپنے اہل وعیال اور احباب کے متعلق موت کی تباہ کاریاں دیکھ چکے ہو تو پھر کسی قسم کے دھوکے اور فریب میں مت رہو اور اپنی امیدوں کو دراز مت کرو۔

(وَ لَا یَغْلِبَنَّکُمْ فِیْهَا الْاَمَلُ وَلَا یَطُوْلَنَّ عَلَیْکُمْ فِیْهَا الْاَمَدُ) کہیں ایسا نہ ہو کہ آرزوئیں تم پر غالب آجائیں اور اس (چند روزہ زندگی) کی مدت دراز سمجھ بیٹھو۔

فصلِ دوم دراشتیاقِ ثواب

دنیا کی تحقیر کے بعد حضرت نے اپنے خطبہ کے سامعین کو اللہ کے ثواب کی جانب متوجہ فرمایا اور عذابِ الٰہی سے بچنے کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا:

(فَوَ اللّٰهِ لَوْ حَنَنْتُمْ حَنِیْنَ الْوُلَّهِ الْعِجَالِ وَ دَعَوْتُمْ بِهَدِیْلِ الْحَمَامِ وَ جَأَرْتُمْ جُؤَارَ مُتَبَتِّلِی الرُّهْبَانِ وَ خَرَجْتُمْ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ الْتِمَاسَ الْقُرْبَةِ اِلَیْهِ فِی ارْتِفَاعِ دَرَجَةٍ عِنْدَهٗ اَوْ غُفْرَانِ سَیِّئَةٍ اَحْصَتْهَا کُتُبُهٗ وَ حَفِظَهَا رُسُلُهٗ لَکَانَ قَلِیْلًا فِیْمَا اَرْجُوْا لَکُمْ مِنْ ثَوَابِهٖ وَ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِنْ عِقَابِهٖ)

خدا کی قسم اگر تم اس کے حضور اشتیاق ورغبت سے ان اونٹنیوں کی طرح فریاد کرو، جو اپنے بچوں کو کھو چکی ہوں اور ان کبوتروں کی طرح نالہ وفغاں کرو، جو اپنے ساتھیوں سے الگ ہوگئے ہوں اور خوف وخشیت کی وجہ سے ان گوشہ نشین راہبوں کی طرح چیخو چلاؤ جو گھر بار چھوڑ چکے ہوں اور تم مال واولاد سے بھی اپنا ہاتھ اٹھالو، اپنا وطن چھوڑ کر غاروں اور پہاڑوں میں اللہ کی قربت حاصل کرنے کی غرض سے چلے جاؤ اس غرض سے کہ تمہیں بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل ہو، درجہ کی بلندی کے ساتھ اس کے یہاں یا ان گناہوں کی معافی کے ساتھ جو صحیفہ اعمال میں درج اور کراماً کاتبین کو یاد ہیں، تو وہ تمام بے تابی اور نالہ وفریاد اس ثواب کے لحاظ سے جس کا میں تمہارے لیے امیدوار ہوں اور اس عقاب کے اعتبار سے جس کا مجھے تمہارے لیے خوف واندیشہ ہے، بہت ہی کم ہوگی۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ ان کلمات کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تم تقرب الٰہی کے جملہ اسباب مہیا کرو اور اس کے ذریعہ سے درجات کی بلندی کی خواہش کرو یا اپنے گناہوں کی مغفرت کی تمنا کرو تو بھی تمہاری تمام تر عبادت وریاضت انتہائی قلیل شمار ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامِ تقرب اتنا بلند وبالا ہے کہ تمہاری تمام تر عبادت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے، اس کے بچنے کے لیے بھی تمہاری عبادت انتہائی کم متصور ہوگی۔

لہٰذا جو شخص اللہ کے حضور مزید قربت کا خواہش مند ہو، اسے چاہیے کہ وہ پورے خلوص دل کے ساتھ اپنے خدا سے رابطہ قائم رکھے اور تمام علائقِ دنیا کو مملکتِ قلب سے خارج کر دے اور معرفت خداوندی کو اپنے دل میں جگہ دے، رب العزت اسے قربت کی وہ منزل عطا کرے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگی۔ اس طرح سے اپنے گناہوں سے ڈرنے والے شخص کا فرض ہے کہ وہ شدید العقاب پروردِگار کا خوف اپنے دل میں جاگزین کرے اور اس کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرے۔ رب العالمین نے صالحین کے لیے جو مقامات مقرر فرمائے ہیں، ان تک افراد کے عقول کی رسائی ممکن نہیں ہے اور اس ذات نے بدکاروں کے لیے جو عذاب مقرر کیا ہے وہاں تک افرادِ بشر کے ذہن کی پہنچ ممکن نہیں ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا نفس قدسیہ نفوس خلق میں اشرف ترین حیثیت کا حامل ہے، اسی لیے حضرت نے فرمایا، حصولِ قرب اور گناہوں کی مغفرت کے لیے تمہاری تمام تر عبادت ریاضت، اس ثواب کے لیے جس کا میں تمہارے لیے امیدوار ہوں اور اس عقاب کے لیے جس کا مجھے تمہارے متعلق خوف و اندیشہ ہے، بہت ہی کم ہوگی۔ آپؑ کا یہ فرمان آپؑ کی قوت اطلاع پر دلالت کرتا ہے جس سے باقی کائنات محروم ہے۔

فصلِ سوم

(وَ اللّٰہِ لَوِ انْمَاثَتْ قُلُوْبُکُمُ انْمِیَاثًا وَ سَالَتْ عُیُوْنُکُمْ مِنْ رَغْبَۃٍ اِلَیْہِ اَوْ رَھْبَۃٍ مِّنْہُ دَمًا ثُمَّ عُمِّرْتُمْ فِی الدُّنْیَا مَا الدُّنْیَا بَاقِیَۃٌ مَا جَزَتْ اَعْمَالُکُمْ وَ لَوْلَمْ تُبْقُوْا شَیْئًا مِّنْ جُھْدِکُمْ اَنْعُمَہٗ عَلَیْکُمُ الْعِظَامَ وَ ھُدَاہُ اِیَّاکُمْ لِلْاِیْمَانِ)

خدا کی قسم! اگر تمہارے دل بالکل پگھل جائیں اور تمہاری آنکھیں حق سبحانہ کی امید اور اس کے خوف سے خون بہانے لگیں اور پھر رہتی دنیا تک (اسی حالت میں) جیتے بھی رہو تو بھی اللہ کی نعمات اتنی عظیم ہیں کہ تمہارے تمام تر اعمال اور جد و جہد جس میں تم نے کسی طرح کی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو، وہ اللہ اس نعمات عظیم کی بخشش اور ایمان کی طرف راہنمائی کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔ تم جتنے بھی اعمال صالحہ بجالاؤ اور اس کے ذریعہ سے کوشش کرو کہ اللہ کی نعمتوں کا حق ادا ہو جائے تو یہ قطعی ناممکن ہے، اللہ کی نعمات تمہارے شکر سے بہت زیادہ ہیں اور بالخصوص ہدایت ایمان اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے، اس کے لیے جتنا بھی شکر بجالاؤ تو بھی بہت کم ہے، اور اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ انسان وظائفِ عبودیت بھی اس وقت بجالا سکتا ہے جب توفیقِ ایزدی شامل ہو تو انسان کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتا ہے اور جبکہ ادائیگی شکر کے لیے بھی تو اس کی توفیق کی ضرورت ہے جو کہ مزید نعمت ہے۔

شکر اللہ نعمۃ موجبۃ لشکرہ و کیف شکری برہ و شکرہ من برہ

پروردِگار کا شکر بھی نعمت ہے، جو مزید شکر کا تقاضا کرتی ہے، میں اس کے احسان کا شکر ادا کروں تو کیسے کروں جبکہ شکر بھی تو اس کا احسان ہے۔

خطبہ کا دوسرا حصہ

خطبہ کے اس حصہ میں حضرتؑ نے قربانی کے جانور کے اوصاف بیان کیے ہیں۔

وَ مِنْ تَمَامِ الْاُضْحِيَّةِ اسْتِشْرَافُ اُذُنِهَا وَ سَلَامَةُ عَيْنِهَا فَاِذَا سَلِمَتِ الْاُذُنُ وَ الْعَيْنُ سَلِمَتِ الْاُضْحِيَّةُ وَ تَمَّتْ وَ لَوْ كَانَتْ عَضْبَاءَ الْقَرْنِ تَجُرُّ رِجْلَهَا اِلَى الْمَنْسَكِ (وَالْمَنْسَكُ هٰهُنَا الْمَذْبَحُ)

قربانی کے جانور کا مکمل ہونا یہ ہے کہ اس کے کان اٹھے ہوئے ہوں (یعنی کٹے ہوئے نہ ہوں) اور اس کی آنکھیں صحیح وسالم ہوں تو قربانی بھی صحیح وسالم اور ہر طرح سے مکمل ہے، اگر چہ اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اور ذبح کی جگہ تک اپنے پیر کو گھسیٹ کو پہنچے۔
علامہ رضی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں منسک سے مراد ذبح کی جگہ ہے۔

تشریح لغت (الاضحیة) ہمزہ کی پیش اور ''حا'' کی اتباع کی وجہ سے زیر اور یائے مخففہ کے ساتھ، اس کی جمع (اضاحی) ہے اور ضحیۃ بھی پڑھا جاتا ہے جس کی جمع ''ضحایا'' ہے، جیسے (عطیة) کی جمع (عطایا) ہے اور ضحیۃ اس بکری کو کہا جاتا ہے جسے قربانی کے دن ذبح کیا جائے۔ (الاستشراف) بلندی اور نصب کرنا جیسے ''اذن شرفاء'' اٹھے ہوئے کان ''العضباء'' سینگ ٹوٹی ہوئی اور ایک قول کے مطابق سینگ کا اندرونی حصہ (المنسک) مقامِ نسک اور شک کا معنی عبادت ہے اور یہاں اس سے مراد قربان گاہ ہے اور ''منسک'' کی سین پر زبر اور زیر پڑھنا دونوں درست ہیں۔

تشریح

معلوم ہونا چاہیے کہ سنت مؤکدہ ضروریاتِ دین میں سے ایک ہے۔

حضرت اسکافی نے اس وجوب کا جو فتویٰ دیا ہے وہ شاذ ہے البتہ ان کا فتویٰ شدت استحباب پر مبنی قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے متعلق علمائے امامیہ کا اجماع ہے اور بہت سی احادیث اس کی مؤید ہیں۔

قربانی کا حکم

۱۔ من لایحضرہ الفقیہ میں حضرت رسالت مآب ﷺ سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا:
اپنی قربانیوں کو خوب موٹا تازہ کرو، یہ پلِ صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا: عید قربان آرہی ہے اور میرے پاس قربانی کی رقم موجود نہیں ہے تو کیا میں قرض لے کر قربانی کر سکتی ہوں؟

حضور کریمؐ نے فرمایا: قرض لے کر قربانی کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا قرض ادا کر دے گا اور قربانی کے جانور کا جیسے ہی خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قربانی کرنے والے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

۲۔علل الشرائع میں ابوبصیر کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ قربانی کیوں کی جاتی ہے؟ امام عالی مقامؑ نے فرمایا: جیسے ہی قربانی کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قربانی کرنے والے کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے فرمان پر کون عمل کرتا ہے اور غیب میں رہ کر ان سے کون ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَن یَّنَالَ اللّٰہُ لُحُومُھَا وَلَا دِمَآؤُ ھَا وَ لٰکِن یَّنَالُہُ التَّقْویٰ مِنْکُمْ'' اللہ تک قربانی کے جانور کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، البتہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔(حج/۳۷)

۳۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قربانی کے دن اللہ کو خون بہانے سے زیادہ کوئی عمل پسند نہیں ہے، قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا قربانی کا خون ابھی زمین پر نہیں پہنچ پاتا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے پہلے پہنچ جاتا ہے، لہٰذا خوشی سے قربانی کیا کرو۔

۴۔حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے جانور کے اون کے ہر ریزے کے بدلے تمہیں ایک نیکی ملے گی اور میزان اعمال میں اس کا وزن ہوگا، تمہیں اس کی خوشخبری ہو۔

جب آپ نے یہ جان لیا تو ہم عرض کریں گے کہ حضرت کے اس فرمان (وَ مِنْ تَمَامِ الْاُضْحِیَّۃِ اسْتِشْرَافُ اُذُنِھَا وَ سَلَامَۃُ عَیْنِھَا) قربانی کے مکمل ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے کان اور آنکھ صحیح وسالم ہوں، کا مقصد یہ ہے کہ اس کا مکمل کان یا کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا نہ ہو اور آنکھوں سے کانی نہیں ہونی چاہیے۔

(فَاِذَا سَلِمَتِ الْاُذُنُ وَ الْعَیْنُ سَلِمَتِ الْاُضْحِیَّۃُ وَ تَمَّتْ) پس جب اس کا کان کٹنے سے سلامت ہو اور آنکھ کانی نہ ہو تو قربانی صحیح اور مکمل ہے۔

(وَ لَوْ کَانَتْ عَضْبَاءَ الْقَرْنِ تَجُرُّ رِجْلَھَا اِلَی الْمَنْسَکِ) اگر چہ اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو اور پاؤں سے لنگڑی ہو اور پاؤں گھسیٹ کر قربان گاہ کی طرف چلتی ہوئی آئے۔

فرعِ اول

جانور کا بے عیب ہونا شرطِ صحت ہے یا شرطِ کمال ہے؟

ہماری سابقہ تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمارے نزدیک قربانی مستحب ہے اور کیا آنکھ و کان کی سلامتی جائز ہونے کی شرط ہے یا کامل و اکمل ہونے کی شرط ہے؟

حضرت کے ظاہری کلام سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور کے جائز ہونے کی یہ شرط ہے، کیونکہ حضرت کے الفاظ یہ ہیں (اِذَا سَلِمَتِ الْاُذُنُ وَ الْعَیْنُ فَاِذَا سَلِمَتِ الْاُذُنُ وَ الْعَیْنُ سَلِمَتِ الْاُضْحِیَّۃُ) جب کان و آنکھ سلامت ہوں تو قربانی صحیح ہے اور حضرت کے اس فرمان کا دوسرا مفہوم یہی ہے کہ اگر آنکھ کان صحیح نہ ہوں تو قربانی جائز نہ ہوگی اور قربانی کے صحیح نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ

مستحب پر عمل نہ ہوگا۔

اورالوسائل کی یہ روایت بھی اسی مفہوم کی مؤید ہے۔

(بحذفِ اسناد) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ فِی الْاَضَاحِی اَنْ تَسْتَشْرِفَ الْعَیْنُ وَ الْاُذُنُ وَ نَھَانَا عَنِ الْخَرْقَآءِ وَالشَّرْقَآءِ وَالْمُقَابَلَةِ وَالْمَدَابَرَةِ''

رسول کریم ؐ نے قربانی کے متعلق ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کی آنکھ اور کان صحیح ہوں اور ہمیں (خرقاء) اور (شرفاء) اور (مقابلۃ) اور (مدابرۃ) سے منع فرمایا ہے۔

شیخ صدوق ؒ معانی الاخبار میں رقم طراز ہیں:

(الْخَرْقَآءِ) وہ جانور ہے جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔

(الشَّرْقَآءِ) وہ جانور ہے جس کا کان آخر تک چیرا ہوا ہو۔

(وَالْمُقَابَلَةِ) وہ جانور ہے جس کے کان کا اوپر والا حصہ چیرا ہوا ہو اور درمیان کا حصہ صحیح ہو اور پھر آخر میں چیرا ہوا ہو۔

(الْمَدَابَرَةِ) وہ جانور ہے جس کا کان نیچے سے چیرا ہوا ہو۔

الوسائل میں مسکونی سے روایت ہے، انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی، حضور کریم ؐ نے فرمایا: ''لَایُضَحّٰی بِالْعَرْجَآءُ الْبَیِّنُ عَرْجُھَا، وَلَا بِالْعَوْرَاءِ الْبَیِّنُ عَوْرُھَا، وَلَا بِالْعَجْفَآءِ وَلَا بِالْخَرْقَآءِ وَلَا بِالْجَدعاءَ وَلَا بِالْعَضْبَاءِ''

جس جانور کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور جو آنکھ سے کانا ہو اور لاغر اور دبلے پتلے اور کان کٹے اور ہونٹ کٹے جانور کی قربانی نہ کی جائے۔

لیکن اظہر بات یہ ہے آنکھ کان کی سلامتی شرطِ کمال ہے اور الوسائل کی پہلی روایت میں جو امر و نہی وارد ہوئی ہے اس کا تعلق استحباب و کراہت سے ہے، وجوب و حرمت سے اس کا واسطہ نہیں ہے اور اسی طرح سے الوسائل کی دوسری روایت میں لنگڑے اور کانے جانور کی قربانی سے جو نہی موجود ہے اس نہی کا تعلق کراہت سے ہے، حرمت سے نہیں ہے۔

ہمارے اس نظریہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے حلبی نے روایت کیا ہے، اس کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ قربانی کے جانور کا کان چیرا ہوا تو کیا حکم ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ''اِنْ کَانَ شَقُّھَا وَ سَمَا فَلَا بَأْسَ وَ اِنْ کَانَ شَقًّا فَلَا یَصْلَحُ'' اگر برائے نام کان چیرا ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر مکمل پھٹا ہوا ہو تو بہتر نہیں ہے۔

حضرتؑ کا یہ فرمانا کہ بہتر نہیں ہے، اس کا مفہوم یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس سے مراد نفیِ کمال ہے، یعنی قربانی کامل نہیں، یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ درست ہی نہیں۔ ہاں البتہ الوسائل کی دونوں احادیث کو حج کی قربانی کے اوصاف پر محمول کیا جائے تو بالکل درست ہے، کیونکہ قربانی حج کے لیے یہ شرط ہے کہ جانور میں کوئی عیب نہ ہو اور جانور کا بے عیب ہونا شرطِ صحت ہے، البتہ مستحب قربانی میں جانور کا بے عیب ہونا شرطِ صحت

نہیں، شرطِ کمال ہے۔

اسی مفہوم کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے شیخ صدوقؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ علی بن جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے، انہوں نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: ''کہ ایک شخص قربانی کے لیے کانا جانور خریدتا ہے، مگر اسے کانا ہونے کا علم اسے خریدنے کے بعد ہوا، تو کیا اس کی قربانی جائز ہوگی؟'' امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں جائز ہے، البتہ اگر واجب قربانی کر رہا ہو تو پھر جائز نہیں ہے، کیونکہ واجب قربانی کے لیے ناقص جانور صحیح نہیں ہے، بہرنوع احادیث سے یہی حکم مستنبط ہوتا ہے کہ واجب قربانی کا جانور عیب دار نہ ہو اور مستحب قربانی کا جانور اگر عیب دار ہو تو قربانی درست ہوگی، البتہ کامل نہ ہوگی اور الوسائل کی مذکورہ دونوں احادیث کو واجب قربانی پر محمول کرنا چاہیے اور مستحب قربانی پر انہیں محمول نہیں کرنا چاہیے۔

اسی لیے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمان (وَمِنْ تَمَامِ الْاَضْحِيَّةِ.....) کا مقصود قربانی کا کامل ہونا ہے، اس مسئلہ کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں۔

فرعِ دوم

سینگ ٹوٹے جانور کا حکم

اگر سینگ کا اوپر والا حصہ ٹوٹا ہوا ہو اور اندرونی سفید رنگ کا حصہ صحیح ہو تو واجب قربانی کے لیے بھی جائز ہے اور مستحب قربانی کے لیے بھی بلا اشکال جائز ہے۔ اگر سینگ کا اندرونی حصہ ٹوٹا ہوا ہو تو واجب قربانی کے لیے جائز نہیں ہے اور مستحب قربانی کے لیے سید رضی علیہ الرحمہ نے جو امیر المومنین کا فرمان نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جائز ہے اور شیخ صدوق کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ محدث حر عاملی نے الوسائل میں شیخ صدوق کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

فرعِ سوم

لنگڑے جانور کا حکم

نہج البلاغہ کے اس خطبے سے معلوم ہوتا ہے کہ لنگڑے جانور کی قربانی جائز ہے اور شیخ صدوقؒ اور حر عاملیؒ کی روایت اس سے مطابقت نہیں رکھتیں البتہ شیخ صدوقؒ اور شیخ حر عاملی رحمۃ اللہ علیہما کی روایات کو واجب قربانی پر محمول کیا جائے تو پھر کوئی تضاد باقی نہیں رہے گا۔

علامہ حلی فرماتے ہیں (اَلْعَرْجَآءُ الْبَيِّنُ عَرْجُهَا) وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، سے مراد جانور کا وہ قبیح لنگڑا پن ہے جو اسے دوسرے جانوروں کے ساتھ چلنے پھرنے اور گھاس چرنے سے مانع ہو۔

بصیرت افروز تکمیل

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے الفقیہ میں اس خطبہ کو نقل کیا اور فرمایا: امیر المومنین علیہ السلام نے عید قربان کے دن خطبہ دیا اور فرمایا:

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، عَلٰی مَا ھَدَانَا وَلَہُ الشُّکْرُ عَلٰی مَا (فیما) اَوْلَانَا وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَنَا مِن بَّھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ''

اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں، اللہ اکبر، اللہ اکبر اور اللہ کے لیے حمد ہے، اللہ اکبر، اس نے ہمیں ہدایت دی اور جو اس نے ہم پر نعمتیں فرمائیں، اس کے لیے اس کا شکر ہے اور اس نے ہمیں جانوروں کا گوشت عطا کیا، اس کے لیے اس کی حمد ہے۔

آپ ان تکبیرات کے پڑھنے کی ابتدا قربانی کے دن نماز ظہر کے وقت سے کیا کرتے تھے اور تشریق کے آخری دن نماز فجر کے وقت ان تکبیرات کو چھوڑ دیتے تھے۔

آپ ہر نماز کے بعد یہ تکبیرات پڑھا کرتے تھے:

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہُ الْحَمْدُ لِلّٰہِ ''

جب آپ عیدگاہ تشریف لے جاتے تو اذان و اقامت کے بغیر لوگوں کو نماز عید پڑھاتے تھے اور نماز سے فارغ ہو کر زیب منبر ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے:

''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر، ، زِنَۃَ عَرْشِہٖ وَ رِضَا نَفْسِہٖ وَعَدَدَ قَطْرِ سَمَآئِہٖ وَ بِحَارِہٖ لَہُ الْاَسْمَآء الْحُسْنٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَتّٰی یَرْضٰی وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ اَللّٰہُ کَبِیْرًا مُتَکَبِّرًا وَاِلٰھًا مُتَعَذِّرًا وَرَحِیْمًا مُتَحَنِّنًا یَّعْفُو بِھٰذَا الْقُدْرَۃِ وَلَا یَقْنُطُ مِن رَّحْمَتِہٖ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَلَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کَثِیْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ حَنَّانًا قَدِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ بِرَحْمَتِہٖ مِنَ التَّآئِبِیْنَ وَالْعَابِدِیْنَ''

''وَ اِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ حُرْمَتُہُ عَظِیْمَۃٌ وَ بَرَکَتُہُ مَأْمُوْلَۃٌ وَالْمَغْفِرَۃُ فِیْہِ مَرْجُوَّۃٌ فَاَکْثِرُوا ذِکْرَاللّٰہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ وَ تُوْبُوا اِلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَ مَنْ ضَحّٰی مِنْکُمْ بِجِذْعٍ مِنَ الْمَعْزِ فَاِنَّہٗ لَا یَجْزِی عَنْہُ وَالْجِذْعُ مِنَ الضَّآنِ یَجْزِی وَ مِنْ تَمَامِ الْاَضْحِیَّۃِ اسْتِشْرَافُ عَیْنِھَا وَ اُذُنِھَا وَ اِذَا سَلَمَتِ الْعَیْنُ وَالْاُذُنُ تَمَّتِ الْاَضْحِیَّۃُ وَ اِنْ کَانَتْ عَضْبَآءَ الْقَرْنِ اَوْ تَجُرُّبِرِجْلِھَا اِلَی الْمَنْسِکِ فَلَا تُجْزٰی''

'' وَ اِذَا ضَحَّیْتُمْ فَکُلُوْا وَ اَطْعِمُوْا وَ اھْدُوْا وَ احْمَدُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا رَزَقَکُمْ مِن بَّھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ وَ اَقِیْمُوا الصَّلَاۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَحْسِنُوا الْعِبَادَۃَ وَ اَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ وَ ارْغَبُوْا فِیْمَا کَتَبَ عَلَیْکُمْ وَ فَرَضَ الْجِھَادِ وَالْحَجِّ وَالصِّیَامِ فَاِنْ ثَوَابَ ذَالِکَ عَظِیْمٌ لَا یَنْفَدُ وَ تَرْکَہٗ وَ بَالَ لَا یَبِیْدُ وَاْمُرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْھَوا عَنِ الْمُنکَرِ وَ اَضِیْفُوا الظَّالِمَ وَانْصُرُوْا الْمَظْلُوْمَ وَ خُذُوْا عَلٰی یَدِ الْمُرِیْبِ وَاَحْسِنُوْا اِلَی النِّسَآءِ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَ اَصْدِقُوْا الْحَدِیْثَ وَ

اَدُّوا الْاَمَانَةَ وَ كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْحَقِّ وَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ.

اللہ اکبر، اللہ اکبر اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کی رضا کے بقدر اور آسمان وسمندر کے قطروں کے برابر، اس کے خوبصورت نام ہیں اور اللہ کے لیے حمد ہے یہاں تک کہ وہ راضی ہوجائے اور وہ غالب اور معاف کرنے والا ہے۔ اللہ اکبر وہ بڑا ہے اور کبریائی کا مالک ہے اور غالب معبود ہے، رحیم اور شفیق ہے، قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرتا ہے اور گمراہوں کے علاوہ اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہے۔ اللہ اکبر وہ بڑا ہے اور اس کے علاوہ کوئی لائقِ عبادت نہیں اور تہلیل بکثرت کہتا ہوں اور وہ رحیم وشفیق ہر نقص سے منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں سے قرار دے جو اس کی رحمت سے تائبین وعابدین ہیں۔

یاد رکھو! اس دن کی حرمت عظیم ہے اور اس کی برکت کی امید رکھنی چاہیے اور اس دن مغفرت کی توقع کرنی چاہیے، اس دن بکثرت ذکرِ خداوندی کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور توبہ کرو، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے، قربانی کے لیے بھیڑ کا بچہ درست نہیں البتہ بکری کا بچہ درست ہے اور قربانی کے جانور کا مکمل ہونا یہ ہے کہ اس کے کان اٹھے ہوئے ہوں، یعنی کٹے ہوئے نہ ہوں اور آنکھیں صحیح وسالم ہوں، اگر کان اور آنکھیں سالم ہیں تو قربانی بھی سالم اور ہر طرح سے مکمل ہے، اگر اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اور اگر وہ ذبح کی جگہ تک اپنے پیر گھسیٹ کر چلے تو جائز نہیں ہے۔

جب قربانی کرو تو گوشت خود کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ اور ہدیہ میں دو اور اللہ نے تمہیں جو جانوروں کا گوشت عطا کیا ہے اس کے لیے اللہ کی حمد کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اچھی طرح سے عبادت بجالاؤ اور گواہی قائم کرو، اور جو کچھ تم پر فرض کیا گیا ہے، اس کی طرف رغبت کرو اور جہاد حج اور روزہ کا فریضہ سرانجام دو، بے شک ان کا ثواب اتنا عظیم ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتا اور ان کا ترک کرنا بہت بڑا وبال ہے اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور ظالم کو خوف زدہ کرو اور مظلوم کی مدد کرو اور شکوک وشبہات پیدا کرنے والے کے ہاتھ سے پکڑو اور عورتوں اور کنیزوں سے بھلائی کرو اور سچی گفتگو کرو اور امانت کی ادائیگی کرو اور حق پر قائم رہنے والے بنو اور دنیاوی زندگی تمہیں کسی دھوکے میں مبتلا نہ کردے اور اللہ کے متعلق کسی دھوکے میں مت رہنا۔

خطبہ ۵۳

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ ذِكْرِ الْبَيْعَةِ

فَتَدَاكُّوْا عَلَيَّ تَدَاكَّ الْاِبِلِ الْهِيْمِ يَوْمَ وِرْدِهَا قَدْ اَرْسَلَ رَاعِيْهَا وَ خُلِعَتْ مَثَانِيْهَا حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُمْ قَاتِلِيَّ اَوْ بَعْضَهُمْ قَاتِلُ بَعْضٍ لَدَيَّ وَ قَدْ قَلَّبْتُ هٰذَا الْاَمْرَ بَطْنَهٗ وَ ظَهْرَهٗ فَمَا وَجَدْتُّنِيْ يَسَعُنِيْ اِلَّا قِتَالُهُمْ اَوِ الْجُحُوْدُ بِمَا جَاءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ (ص) فَكَانَتْ مُعَالَجَةُ الْقِتَالِ اَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ مُّعَالَجَةِ الْعِقَابِ وَ مَوْتَاتُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ مَوْتَاتِ الْاٰخِرَةِ.

ذکرِ بیعت کے متعلق حضرتؑ کا خطبہ

وہ اس طرح بے تحاشہ میری طرف لپکے جس طرح پانی پینے کے دن وہ اونٹ ایک دوسرے پر ٹوٹتے ہیں کہ جنہیں ان کے ساربان نے پیروں کے بندھن کھول کر کھلا چھوڑ دیا ہو، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یا تو مجھے مار ڈالیں گے، یا میرے سامنے ان میں سے کوئی کسی کا خون کر دے گا۔ میں نے اس امر کو اندر باہر سے الٹ پلٹ کر دیکھا تو مجھے جنگ کے علاوہ کوئی صورت نظر نہ آئی، یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے احکام سے انکار کر دوں۔ لیکن آخرت کی سختیاں جھیلنے سے مجھے جنگ کی سختیاں جھیلنا سہل نظر آیا اور آخرت کی تباہیوں سے دنیا کی ہلاکتیں میرے لیے آسان نظر آئیں۔

تشریح لغت (الدک) ٹوٹ پڑنا، تداک، اسی سے مشتق ہے، (الھیم) ھاء کی زیر کے ساتھ پیاسے، (الورد) پینا، بعض نسخوں میں (یوم ورودھا) سے مراد اونٹوں کا پینے کے لیے حوض یا چشمہ پر آنا۔ (المثانی) مثناۃ کی جمع، اور میم پر زبر اور زیر دونوں درمیان بنی رسی جنہیں اونٹ کے پاؤں کو باندھا جاتا ہے۔ (قاتلی) اصل میں یہ لفظ (قاتلون ی) تھا، نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہوئی اور یا کی مناسبت سے لام کے نیچے زیر دی گئی، یعنی میرے قاتل، (وجدتنی) میں نے اپنے آپ کو پایا۔

تشریح

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ حضرت نے جب صفین میں اپنے لشکر کو کئی دن تک جنگ کی اجازت نہ دی تو تمام سپاہ حضرت کے پاس اجازت، جنگ کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ اس خطبہ میں حضرت نے اپنے سپاہ کے ٹوٹ پڑنے کا ذکر کیا ہے۔

علامہ مجلسیؒ بحارالانوار میں رقم طراز ہیں کہ بہت سے شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے اس خطبہ میں اپنی بیعتِ خلافت کی منظر کشی کی ہے اور شارح معتزلی نے اس خطبہ کا عنوان ہی یہی قائم کیا، ذکرِ بیعت کے متعلق حضرت کا خطبہ۔

بہرنوع اس خطبہ کا پس منظر جو بھی ہو اس کا مفہوم درج ذیل ہے:

(فَتَدَاکُّوْا عَلَیَّ تَدَاکَّ الْاِبِلِ الْهِیْمِ یَوْمَ وِرْدِهَا)

وہ اس طرح سے میری جانب بے تحاشہ لپکے جس طرح سے پانی پینے کے دن پیاسے اونٹ پانی کی جانب لپکتے ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح سے اونٹ دوڑ کر پانی پینے کے لیے آتے ہیں، اسی طرح سے لوگ بھی میری بیعت کے لیے دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے، لوگوں نے میری بیعت کسی جبر واکراہ کی وجہ سے نہیں کی بلکہ اپنی سعادت وخوش نصیبی سمجھتے ہوئے دوڑ کر میری بیعت کے لیے آئے۔

(قَدْ اَرْسَلَ رَاعِیْهَا وَ خُلِعَتْ مَثَانِیْهَا)

جن اونٹوں کو ان کے ساربان نے بندھن کھول کر آزاد کر دیا ہو، جب اونٹوں کے پاؤں میں بندھن نہ ہو تو پھر تیزی سے دوڑتا ہے، میری بیعتِ خلافت کے وقت بھی لوگوں کی بعینہٖ یہی کیفیت تھی۔

(حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهُمْ قَاتِلِیَّ اَوْ بَعْضَهُمْ قَاتِلُ بَعْضٍ لَدَیَّ)

بیعت کرنے والوں کا اژدھام اس قدر شدید تھا کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ لوگ یا تو مجھے مار ڈالیں گے یا میرے سامنے ان میں سے کوئی کسی کا خون کر دے گا۔

(وَ قَدْ قَلَّبْتُ هٰذَا الْاَمْرَ بَطْنَهٗ وَ ظَهْرَهٗ)

اور میں نے اس امر کو اندر باہر سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

یعنی میں نے معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے کے مسئلہ پر پوری تحقیق کی اور علامہ مجلسی کے بیان کردہ پس منظر کے تحت مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے اصحابِ جمل پیمان شکن لوگوں کے خلاف جنگ کرنے یا نہ کرنے کے معاملہ کو ہر پہلو کا بغور جائزہ لیا۔

(فَمَاوَجَدْتُّنِیْ یَسَعُنِیْ اِلَّا قِتَالُهُمْ)

تو مجھے جنگ کے علاوہ کوئی دوسری صورت نظر نہ آئی۔ یعنی گروہ معاویہ یا اصحابِ جمل کے ساتھ جنگ کرنے یا نہ کرنے کے ہر پہلو کا مکمل جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے ان سے جنگ کرنی چاہیے۔

(اَوِ الْجُحُوْدُ بِمَا جَاءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ (ص))

میں ان سے جنگ کروں یا یہ کہ حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کر دوں۔ تو گویا مجھے دو میں سے ایک امر اختیار کرنا ہوگا یا باغیوں سے جنگ یا نعوذ باللہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب لیکن ان کی تکذیب مجھ سے ناممکن ہے، لہٰذا حضورؐ کے فرمان کی تصدیق کرنے کے لیے مجھے جنگ کرنی پڑے گی، کیونکہ حضورؐ مجھے ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگ کرنے کا حکم دے گئے تھے، اس لیے خدا اور رسول کے فرمان کی اطاعت میرے لیے انتہائی ضروری ہے اور ان سے جنگ نہ کرنا عملی طور پر رسول اسلام کا انکار ہے۔

(فَکَانَتْ مُعَالَجَةُ الْقِتَالِ اَهْوَنُ عَلَیَّ مِنْ مُّعَالَجَةِ الْعِقَابِ)

مجھے آخرت کی سختیاں جھیلنے سے جنگ کی سختیاں جھیلنا آسان نظر آیا۔ کیونکہ دنیا کی سختیاں چند روزہ ہیں اور اعلائے کلمۃ الحق کے

لیے جنگ کی سختی کو برداشت کرنا سہل ہے جبکہ آخرت کی سختی حدِ برداشت سے باہر ہے۔

(وَ مَوْتَاتُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ مَوْتَاتِ الْآخِرَةِ.)

اورآخرت کی تباہیوں سے مجھے دنیا کی تباہیاں آسان نظر آئیں۔

دنیا کی تباہیوں سے مراد شدائد ومصائب دنیا ہیں اور آخرت کی تباہیوں سے مراد آخرت میں ناکامی اور عذاب دائمی ہے، جبکہ میں دنیا کے مصائب جھیلنے پر آمادہ ہوں لیکن آخرت کی تباہی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ (موتات الدنیا) سے مراد موت کے مختلف طریقے ہوں اور آخرت کی موت سے مراد آخرت کے وہ عذاب ہوں جو دنیاوی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوں۔

خطبہ ۵۴

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَدِ اسْتَبْطَأَ اَصْحَابُهُ اِذْنَهُ لَهُمْ فِي الْقِتَالِ بِصِفِّيْنَ

اَمَّا قَوْلُكُمْ اَكُلَّ ذَالِكَ كَرَاهِيَّةُ الْمَوْتِ فَوَاللّٰهِ مَا اُبَالِيْ دَخَلْتُ اِلَى الْمَوْتِ اَوْ خَرَجَ الْمَوْتُ اِلَيَّ وَ اَمَّا قَوْلُكُمْ شَكًّا فِيْ اَهْلِ الشَّامِ فَوَاللّٰهِ مَا دَفَعْتُ الْحَرْبَ يَوْمًا اِلَّا وَ اَنَا اَطْمَعُ اَنْ تَلْحَقَ بِيْ طَائِفَةٌ فَتَهْتَدِيَ بِيْ وَ تَعْشُوا اِلَيَّ ضَوْئِيْ وَ ذَالِكَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَقْتُلَهَا عَلٰى ضَلَالِهَا وَ اِنْ كَانَتْ تَبُوْءُ بِآثَامِهَا.

صفین میں حضرتؑ کے اصحاب نے جب اذنِ جہاد دینے میں تاخیر پر بے چینی کا اظہار کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس وپیش کیا اس لیے ہے کہ میں موت کو ناخوش جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں، تو خدا کی قسم! مجھے ذرا پرواہ نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے اور اس طرح سے تم لوگوں کا یہ کہنا کہ مجھے اہلِ شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ شبہ ہے تو خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لیے بھی التوا میں نہیں ڈالا، مگر اس خیال سے کہ ان میں شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پاجائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کردینے سے کہیں زیادہ پسند ہے، اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہرحال یہ خود ہوں گے

تشریح لغت (عشیٰ) الی نار و الیھا یعشوا عشوا. اس نے کمزور آنکھوں کے ساتھ دور سے رات کے وقت آگ کو دیکھا اور آگ کی طرف چل پڑا، اسی لیے ہر قاصد کو عربی میں (غاشٍ) کہتے ہیں، شاعر کا ایک شعر ہے:

مَتٰى تَاْتِهٖ تَعْشُوْا اِلٰى ضَوْءِ نَارِهٖ تَجِدْ خَيْرَ نَارٍ عِنْدَهَا خَيْرَ مُوْقِدِ

تو جب بھی رات کے وقت اس کی آگ کی روشنی دیکھ کر آگ کے پاس جائے گا تو، تو وہاں اچھی آگ دیکھے گا، جہاں بہترین آگ جلانے والا

موجود ہوگا۔

(بآء) بِاثْمِہٖ، اپنے گناہوں لے کر پلٹایا، قرآن مجید میں ہے:

''اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْءَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِکَ'' (مائدہ/۲۹)

یعنی میں چاہتا ہوں کہ جب تو اپنے رب کے پاس پلٹ کر جائے تو تیری گردن پر میرے اور تیرے گناہ موجود ہوں۔

تشریح

دوغلط فہمیوں کا ازالہ

جب امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر نے بزور شمشیر شامیوں سے گھاٹ آزاد کرالیا تو اس کے بعد حضرت نے گھاٹ کو شامیوں کے لیے بھی آزاد کر دیا اور اس سے حضرت کا مقصود یہ تھا کہ آپ کے اس کریمانہ طرزِ عمل سے شامی متاثر ہوں گے اور وہ آپ کے ساتھ الحاق کرنا پسند کریں گے اور پھر کئی دنوں تک دونوں محاذوں پر خاموشی طاری رہی، جس کی وجہ سے آپ کے لشکر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

حضرتؑ کے پاس چند سپاہی آئے اور انہوں نے آپؑ سے عرض کی:

امیر المومنینؑ! ہم اپنے اہل وعیال کو کوفہ چھوڑ کر یہاں آئے ہیں آپ ہمیں جنگ کی اجازت دیں تا کہ جنگ کا جلد فیصلہ ہو اور ہم اپنے گھروں کو واپس جا سکیں اور جنگ کے التوا سے لوگ اب باتیں بنانے لگے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: لوگ کیا کہتے ہیں؟

سپاہیوں نے عرض کی: حضرت! دو قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، کچھ تو کہتے ہیں کہ آپ کو شاید موت کا خوف ہے، اسی لیے آپ جنگ کا حکم صادر نہیں کر رہے اور چند افراد کا خیال ہے کہ آپ شاید اس لیے جنگ میں تاخیر کر رہے ہیں کہ آپ کو جہاد کے جواز میں شبہ ہے۔

حضرتؑ نے یہ سن کر مذکورہ خطبہ ارشاد فرمایا اور ان دونوں غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا:

(اَمَّا قَوْلُکُمْ اَ کُلَّ ذَالِکَ کَرَاھِیَّۃُ الْمَوْتِ فَوَاللّٰہِ مَا اُبَالِیْ دَخَلْتُ اِلَی الْمَوْتِ اَوْ خَرَجَ الْمَوْتُ اِلَیَّ)

تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس وپیش کیا اس لیے ہے کہ میں موت کو ناخوش جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں، تو خدا کی قسم! مجھے ذرا پرواہ نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے۔

عارف باللہ کبھی موت سے خوفزدہ نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ موت کی تمنا کرتا ہے، جب ایک عام عارف موت سے نہیں ڈرتا تو مجھ جیسا خصال قدسیہ رکھنے والا سلطان العارفین موت سے کس طرح خوفزدہ ہو سکتا ہے؟

اور دوسرے فریق کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا: (وَ اَمَّا قَوْلُکُمْ شَکًّا فِیْ اَھْلِ الشَّامِ فَوَاللّٰہِ مَا دَفَعْتُ الْحَرْبَ یَوْمًا اِلَّا وَ اَنَا اَطْمَعُ اَنْ تَلْحَقَ بِیْ طَائِفَۃٌ فَتَھْتَدِیَ بِیْ وَ تَعْشُوَ اِلَیَّ ضَوْئِیْ)

اوراسی طرح سے تم لوگوں کا یہ کہنا کہ مجھے اہلِ شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ شبہ ہے،تو خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لیے بھی التوا میں نہیں ڈالا،مگراس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے۔

حضرت نے اہلِ شام کی کم بصیرتی کو چندھیائی ہوئی آنکھوں سے تشبیہ دی اور بتایا کہ اگر یہ لوگ صاحبِ بصیرت ہوتے تو ہم سے جنگ کے لیے آمادہ ہی نہ ہوتے اور اگر بالفرض گمراہ ہوکر میدان میں وارد ہو بھی گئے تھے تو ہمارے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوکر ہم سے الحاق کر لیتے،اوران لوگوں کی حالت اسی شخص کی سی ہے جسے آنکھوں کا عارضہ لاحق ہوا رجس کی نگاہ انتہائی کم ہو چکی ہو اور رات کے وقت دور سے جلنے والی آگ کی روشنی پر آنا چاہتا ہو تو اسے شدید دقت کا سامنا کرنا پڑے،اسی طرح سے چندھیائی نظر والے یہ شامی بھی ہماری معرفت سے قاصر ہیں، بہرنوع ہم نے اتمامِ حجت کے لیے جنگ کا آغاز نہیں کیا، کیونکہ ہم انہیں قتل کرنا نہیں چاہتے ہم انہیں صراطِ مستقیم دکھانا چاہتے ہیں اور ہادیانِ دین ہمیشہ لوگوں کے خیرخواہ ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کی بربادی پر خوش نہیں ہوتے۔

(وَ ذَالِکَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْتُلَهَا عَلیٰ ضَلَالِهَا وَ اِنْ کَانَتْ تَبُوْءُ بِآثَامِهَا.)اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے،اگرچہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر خدا کے حضور حاضر ہوں گے اوران کے گناہوں کا وبال ان کی اپنی گردن پر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی ''ہر جان اپنے عمل میں گروی ہوگی،کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

خطبہ۵۵

محمد بن ابی بکر کی شہادت کے بعد ابن حضرمی کے واقعہ کے متعلق آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ کے متعلق شارح بحرانی نے صفین کے متعلق جو گمان کیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَ لَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) نَقْتُلُ آبَاءَ نَا وَ اَبْنَاءَ نَا وَ اِخْوَانَنَا وَ اَعْمَامَنَا مَا يَزِيْدُنَا ذَالِكَ اِلَّا اِيْمَانًا وَ تَسْلِيْمًا وَ مُضِيًّا عَلَى اللَّقَمِ وَ صَبْرًا عَلٰى مَضَضِ الْاَلَمِ وَ جِدًّا فِيْ جِهَادِ الْعَدُوِّ وَ لَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا وَ الْآخَرُ مِنْ عَدُوِّنَا يَتَصَاوَلَانِ تَصَاوُلَ الْفَحْلَيْنِ يَتَخَالَسَانِ اَنْفُسَهُمَا اَيُّهُمَا يَسْقِيْ صَاحِبَهُ كَأْسَ الْمَنُوْنِ فَمَرَّةً لَّنَا مِنْ عَدُوِّنَا وَ مَرَّةً لِّعَدُوِّنَا مِنَّا فَلَمَّا رَأَى اللّٰهُ صِدْقَنَا اَنْزَلَ بِعَدُوِّنَا الْكَبْتَ وَ اَنْزَلَ عَلَيْنَا النَّصْرَ حَتّٰى اسْتَقَرَّ الْاِسْلَامُ مُلْقِيًا جِرَانَهُ وَ مُتَبَوِّءً ا اَوْطَانَهُ وَلَعَمْرِيْ لَوْ كُنَّا نَأْتِيْ مَا أَتَيْتُمْ مَا قَامَ لِلدِّيْنِ عَمُوْدٌ وَ لَا اخْضَرَّ لِلْاِيْمَانِ عُوْدٌ وَايْمُ اللّٰهِ لَتَحْتَلِبُنَّهَا دَمًا وَ لَتُتْبِعُنَّهَا نَدَمًا

(ہم مسلمان) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے، اس سے ہمارا ایمان بڑھتا تھا۔ اطاعت اور راہِ حق کی پیروی میں اضافہ ہوتا تھا اور کرب و الم کی سوزشوں پر صبر میں زیادتی ہوتی تھی اور دشمنوں سے جہاد کرنے کی کوششیں بڑھ جاتی تھیں۔

(جہاد کی صورت یہ تھی کہ) ہم میں سے ایک شخص اور فوج دشمن کا کوئی سپاہی دونوں مردوں کی طرح آپس میں بھڑتے تھے اور جان لینے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے، کہ کون اپنے حریف کو موت کا پیالہ پلاتا ہے۔ کبھی ہماری جیت ہوتی تھی اور کبھی ہمارے دشمن کی، چنانچہ جب خداوند عالم نے ہماری (نیتوں کی) سچائی دیکھ لی، تو اس نے ہمارے دشمنوں کو رسوا و ذلیل کیا اور ہماری نصرت و تائید فرمائی، یہاں تک کہ اسلام سینہ ٹیک کر اپنی جگہ پر جم گیا اور اپنی منزل پر برقرار ہو گیا، خدا کی قسم! اگر ہم بھی تمہاری طرح کرتے تو نہ کبھی دین کا ستون گڑتا اور نہ ایمان کا تناور درخت بار لاتا، خدا کی قسم! اگر تم اپنے کیے کے بدلے میں (دودھ کے بجائے) خون دوہو گے اور آخر تمہیں ندامت و شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

(لقم) واضح راستہ (مفض) میم اور ضاد پر زبر کے ساتھ، درد والم، (الصولة) حملہ کرنا (تَصَاوَلَ) اسی سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے دو افراد کا ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا۔

(اَلتَّخَالُسُ) ایک دوسرے سے سلب کرنا، (اَلْكَبْتُ) رسوائی و ذلت (جِرَانُ الْبَعِيْر) البعیر، اونٹ کا گردن والا حصہ، (تبوأتُ) المنزل، میں منزل پر قیام پذیر ہوا۔

تشریح

اس خطبہ سے آپؑ کا مقصود اپنے ساتھیوں کو جنگ سے گریز کرنے پر تنبیہ کرنا ہے اور اس کے لیے آپؑ نے صدر اسلام کے مجاہدین کی سرفروشی کو بطورِ مثال بیان کیا اور انہیں بتایا کہ کلمہ حق کی سربلندی کے لیے یہ سستی اور کاہلی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حضرتؑ نے فرمایا:

(وَ لَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ص) نَقْتُلُ آبَاءَ نَا وَ اَبْنَاءَ نَا وَ اِخْوَانَنَا وَ اَعْمَامَنَا مَا يَزِيْدُنَا ذَالِكَ اِلَّا اِيْمَانًا وَ تَسْلِيْمًا وَ مُضِيًّا عَلَى اللَّقَمِ وَ صَبْرًا عَلٰى مُضَضِ الْاَلَمِ وَ جِدًّا فِيْ جِهَادِ الْعَدُوِّ وَ لَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا وَ الْآخَرُ مِنْ عَدُوِّنَا يَتَصَاوَلَانِ تَصَاوُلَ الْفَحْلَيْنِ يَتَخَالَسَانِ اَنْفُسَهُمَا اَيُّهُمَا يَسْقِيْ صَاحِبَهُ كَاْسَ الْمَنُوْنِ فَمَرَّةً لَّنَا مِنْ عَدُوِّنَا وَ مَرَّةً لِّعَدُوِّنَا مِنَّا فَلَمَّا رَاَى اللّٰهُ صِدْقَنَا اَنْزَلَ بِعَدُوِّنَا الْكَبْتَ وَ اَنْزَلَ عَلَيْنَا النَّصْرَ)

ترجمہ: (ہم مسلمان) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر اللہ کی رضا کے لئے اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے، اس سے ہمارا ایمان بڑھتا تھا۔ اطاعت اور راہِ حق کی پیروی میں اضافہ ہوتا تھا اور کرب والم کی سوزشوں پر صبر اور صراط مستقیم کی ہدایت میں زیادتی ہوتی تھی اور دشمنوں اور مخالفین سے جہاد کرنے کی کوششیں بڑھ جاتی تھیں۔

ہمارے (جہاد کی صورت یہ تھی کہ) ہم میں سے ایک شخص اور فوج دشمن کا کوئی سپاہی دونوں مردوں کی طرح آپس میں ٹکراتے تھے اور جان لینے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے اور یہ سوچا کرتے تھے کہ کون اپنے حریف کو موت کا پیالہ پلاتا ہے۔ کبھی ہماری جیت ہوتی تھی اور کبھی ہمارے دشمن کی، چنانچہ جب خداوند عالم نے ہماری (نیتوں کی) سچائی اور صبر وثبات کو دیکھ لیا، تو اس نے ہمارے دشمنوں کو رسوا وذلیل کیا اور ہماری نصرت وتائید فرمائی۔

جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے:

''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ . اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ . وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ .اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا . فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ . وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ . وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' (الانفال/۶۶-۶۵)

اے نبی! مومنین کو جہاد کے واسطے آمادہ کرو، اگر تم میں ثابت قدم رہنے والے بیس ہوں گے تو وہ دوسو کافروں پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ کافر بے سمجھ قوم ہیں، اب خدا نے تمہارے لیے اپنے حکم میں تخفیف کر دی اور دیکھ لیا کہ تم میں یقیناً کمزوری ہے تو تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سوافراد دوسو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوئے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(حَتّٰی اسْتَقَرَّ الْاِسْلَامُ مُلْقِیًا جِرَانَهٗ)

یہاں تک کہ دین قائم ہوگیا اور اسلام سینہ ٹیک کر اپنی جگہ پر جم گیا۔

حضرتؑ نے اسلام کے استقرار کو اونٹ کے سینہ ٹیکنے سے تشبیہ دی۔

(وَ مُتَبَوِّءً اَوْطَانَهٗ)

اور اسلام اپنی منزل پر برقرار ہوگیا، اسلام نے اپنے وطن میں ٹھکانہ تلاش کرلیا۔

ٹھکانہ تلاش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ اسلام جو کہ انتہائی ضعف و کمزوری کی حالت میں بھٹکتا پھر رہا تھا اسے اسی کا دفاع مل گیا مومنین کے سینوں کو حضرت نے اسلام کا وطن قرار دیا اور ان کے سینوں میں اسلام کے استقرار کو ٹھکانہ میں مستقر ہونے سے تعبیر فرمایا۔

حضرتؑ نے صدر اسلام کے مجاہدین کی قربانیوں کے تذکرہ کرنے کے بعد اصل مقصد کو بیان فرمایا اور اپنے ساتھیوں کو ان کی کوتاہیوں کی جانب متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَلَعَمْرِیْ لَوْ کُنَّا نَاْتِیْ مَا اَتَیْتُمْ مَا قَامَ لِلدِّیْنِ عَمُوْدٌ وَ لَا اخْضَرَّ لِلْاِیْمَانِ عُوْدٌ) خدا کی قسم! اگر آغاز اسلام کے وقت ہم بھی تمہاری طرح کوتاہیاں کرتے تو نہ کبھی دین کا ستون قائم ہوسکتا اور نہ ایمان کا تنا برگ و بار لاتا۔

اس جملہ میں حضرت نے دین کی تشبیہ اس گھر سے دی ہے جس میں بہت سے ستون ہوں اور آپ نے ایمان کی تشبیہ درخت کے اس تنے سے دی ہے جس کی بہت سی ٹہنیاں ہوں اور وہ اپنے برگ و بار سے خوبصورت نظر آئے۔

(وَایْمُ اللّٰهِ لَتَحْتَلِبُنَّهَا دَمًا) خدا کی قسم! تم اس سے (دودھ کے بجائے) خون دوہو گے۔

بحرانی فرماتے ہیں حضرتؑ نے اپنے ساتھیوں کی کوتاہیوں کا نتیجہ یہ بتایا کہ تم خلافت کی ناقہ سے دودھ کے بجائے خون دوہو گے اور یہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہوگا، کیونکہ تم جہاد پر آمادہ نہیں ہوتے اسی لیے ذلت و رسوائی اور سختی و بے چینی تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔

اور اگر ناقہ خلافت دودھ کی جگہ تمہیں خون دے تو اس میں ناقہ کا کوئی (قصور) نہیں ہے یہ سب کچھ تمہارے اعمال کا ثمر ہے۔

(وَ لَتُتْبِعُنَّهَا نَدَمًا) اور آخر میں تمہیں ندامت و شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

ابن حضرمی کا واقعہ

ذیل میں ہم کتاب کے طویل مضمون کی تلخیص اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

اس واقعہ کے متعلق علامہ مجلسیؒ بحارالانوار میں بحوالہ کتاب الغارات میں لکھتے ہیں کہ جب محمد بن ابوبکر مصر میں شہید ہوئے تو اس وقت عبداللہ بن عباس بصرہ کے حاکم تھے، عبداللہ بن عباس نے زیاد بن عبید کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود امیرالمومنینؑ کے پاس تعزیت کے لیے کوفہ چلے گئے، اسی اثنا میں معاویہ نے عبداللہ بن عامر حضرمی کو بصرہ کی طرف بھیجا تا کہ اہلِ بصرہ کو پھر سے قتل عثمان کے انتقام کے لیے آمادہ کرے، چونکہ بیشتر اہالی بصرہ اور خصوصاً بنی تمیم کا طبعی رجحان حضرت عثمان کی طرف تھا، لہذا وہ بنی تمیم کے ہاں آکر فروکش ہوا۔ جب

بصرہ کی فضا بگڑنے لگی تو زیاد نے امیر المومنینؑ کو تمام واقعات کی اطلاع دی، حضرت نے کوفہ کے بنی تمیم کو بصرہ کے لیے آمادہ کرنا چاہا مگر انہوں نے چپ سادھ لی اور کوئی جواب نہ دیا۔

امیر المومنینؑ نے جب ان کی اس کمزوری و بے حمیتی کو دیکھا تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم تو پیغمبر کے زمانہ میں یہ نہیں دیکھتے تھے کہ ہمارے ہاتھوں سے قتل ہونے والے ہمارے ہی بھائی بند اور قریبی عزیز ہیں، بلکہ جو حق سے ٹکراتا تھا ہم اس سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے اور اگر ہم بھی تمہاری طرح غفلت و بے عملی کی راہ پر چلتے تو نہ دین کی بنیادیں مضبوط ہوتیں اور نہ اسلام پروان چڑھتا۔

چنانچہ اس جھنجھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اعین بن صبیعہ تیار ہوئے، مگر وہ بصرہ پہنچ کر دشمن کی تلواوں کا نشانہ بن گئے۔ پھر حضرتؑ نے جاریہ بن قدامہ کو بنی تمیم کے پچاس افراد کے ساتھ روانہ کیا، انہوں نے اپنے قبیلے کو سمجھانے بجھانے کی سر توڑ کوششیں کیں مگر وہ راہِ راست پر آنے کی بجائے گالم گلوچ اور دست درازی پر اتر آئے، تو جاریہ نے زیاد اور بنی ازد کو اپنی مدد کے لیے پکارا۔

ان کے پہنچتے ہی ابن حضرمی اپنی جماعت کو لے کر نکل آیا، دونوں طرف سے کچھ دیر تک تلواریں چلتی رہیں، آخر ابن حضرمی ستر آدمیوں کے ساتھ بھاگ گیا اور سبیل سعدی کے گھر میں پناہ لی۔

جاریہ کو جب کوئی چارہ نظر نہ آیا تو انہوں نے اس گھر میں آگ لگوادی جب آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تو وہ سراسیمہ ہو کر بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے مگر فرار میں کامیاب نہ ہو سکے، کچھ دیوار کے نیچے دب کر مر گئے اور کچھ قتل کر دیئے گئے۔

خطبہ ۵۶

تشریح لغت

(ظَهَرَ) علیہ، غالب ہوا، (رَحْبَ الْبُلْعُومِ) کشادہ حلق والا، ''بُلعوم'' باء کے پیش کے ساتھ، حلق کی نالی کو کہا جاتا ہے۔

(اَلْمُنْدَحِقُ) نکلا ہوا ''اِنْدَحَقَتْ رَحِمُ النَاقَةِ'' ناقہ کا رحم اپنی جگہ سے ہٹ گیا، (اَلْفِطْرَةُ) فاء کی زیر کے ساتھ، مراد اسلام۔

تشریح:

امیر المومنین علیہ السلام اپنے علم امامت سے اہلِ کوفہ پر وارد ہونے والے مصائب و بلیات کو وقتاً فوقتاً بیان کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس خطبہ میں حضرتؑ نے اہلِ کوفہ کو ایک بہت بڑی آزمائش سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: (اَمَّا اِنَّهُ سَيَظْهَرُ عَلَيْكُمْ بَعْدِیْ رَجُلٌ رَحْبُ الْبُلْعُوْمِ مُنْدَحِقُ الْبَطْنِ) میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوگا، جس کا حلق کشادہ اور پیٹ بڑا ہوگا۔ اور اسے ہر وقت کھانے کی فکر ہوگی۔

(يَأْكُلُ مَا يَجِدُ وَ يَطْلُبُ مَا لَا يَجِدُ) جو پائے گا نگل جائے گا اور جو نہ پائے گا اس کی تلاش میں رہے گا۔

(فَاقْتُلُوْهُ)

اسے جہاں بھی پاؤ (بہتر تو یہ ہے کہ) تم اسے قتل کر ڈالنا، کیونکہ وہ دین حق سے منحرف ہوگا اور زندیق والحاد کی طرف مائل ہوگا۔

(وَ لَنْ تَقْتُلُوْهُ اَلا وَ اِنَّهٗ سَيَأْمُرُكُمْ بِسَبِّیْ)

اور میں جانتا ہوں کہ تم اسے ہرگز قتل نہ کرو گے وہ تمہیں مجھ پر سب وشتم کا حکم دے گا اور وہ اس طرح سے اپنے کفر ونفاق کے جذبات کو تسکین پہنچائے گا۔

(وَ الْبَرَائَةُ مِنِّیْ)اوراس کی بدبختی اور نافرمانی اس درجہ پر پہنچی ہوئی ہوگی کہ وہ لعین تمہیں مجھ سے اظہارِ بیزاری کا حکم دے گا۔یاد رکھو جب یہ حالات طاری ہو جائیں اور تمہاری جان کو یقینی خطرہ لاحق ہو تو اس صورت میں تمہارا فریضہ یہ ہے:

(اَمَّا السَّبُّ فَسُبُّوْنِیْ فَاِنَّهٗ لِیْ زَكَاةٌ)جہاں تک برا کہنے کا تعلق ہے تو مجھے برا کہہ لینا اس لیے کہ یہ میرے لیے پاکیزگی کا سبب ہے۔حدیث شریف میں وارد ہے جب کسی مومن کو کوئی شخص برا بھلا کہے تو اللہ اس مومن کے درجات میں اضافہ کرتا ہے اور اس کی عزت وعظمت کو دوبالا کرتا ہے۔

(وَ لَكُمْ نَجَاةٌ)اور تمہارے لیے دشمنوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔

اس سے تمہاری جان بچ جائے گی، کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ تم دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ، ہمیں تمہاری جان انتہائی عزیز ہے، لہٰذا تقیہ کر کے اپنی جان بچالینا۔

(وَ اَمَّا الْبَرَاءَ ةُ فَلا تَتَبَرَّءُ وْا مِنِّیْ)

اور جہاں تک بیزاری کا تعلق ہے تو دل سے مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا ورنہ تمہارا دین وایمان ختم ہو جائے گا۔

(فَاِنِّیْ وُلِدْتُّ عَلَى الْفِطْرَةِ)

کیونکہ میں فطرتِ اسلام پر پیدا ہوا ہوں۔(وَ سَبَقْتُ اِلَى الْاِيْمَانِ وَ الْهِجْرَةِ.)

اور میں ایمان وہجرت میں تمام لوگوں پر سبقت رکھتا ہوں۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی چند الہامی پیش گوئیاں

امیرالمومین علیہ السلام نے خدا اور رسولؐ سے تعلیم پا کر بہت سی پیش گوئیاں فرمائیں، جنہیں چشمِ فلک نے حرف بہ حرف پورا ہوتے دیکھا اور حضرتؑ کا یہ خطبہ بھی اخبار بالغیب سے تعلق رکھتا ہے، ہم خطبہ ۹۲ کی شرح میں حضرت کی چند پیش گوئیاں تحریر کرنے کی سعادت حاصل کریں گے اور اس مقام پر بھی ہم حضرتؑ کی چند پیش گوئیاں تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

۱۔سنان بن انس کے متعلق پیش گوئی

ابراہیم بن ہلال ثقفی نے کتاب الغارات میں زکریا بن عطار سے، اس نے فضیل سے، اس نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے: امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک مرتبہ امیرالمومین علیہ السلام نے منبر کوفہ پر یہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''سَلُوْنِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِی فَوَاللّٰهِ لَا تَسْأَلُوْنِی عَنْ فِئَةٍ تَضِلُّ مِائَةً وَتَهْدِیْ مِئَةً اِلَّا اَنْبَأْتُكُمْ بِنَاعِقِهَا وَ سَائِقِهَا''

مجھ سے سوال کرو، قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ، خدا کی قسم! تم مجھ سے کسی ایسے فتنہ کے متعلق جو سوافراد کی ہدایت یا سوافراد کی گمراہی کا سبب بنتا ہو، پوچھو گے تو میں تمہیں اس کے محرک اور سرغنہ کے متعلق بتادوں گا۔

حضرتؑ کا یہ فرمان سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: آپ میرے سر اور داڑھی کے بال بتائیں (کہ کتنے ہیں؟)

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: مجھے میرے خلیل جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے متعلق خبر دی تھی کہ تیرے سر کے بال کے ساتھ ایک فرشتہ ہے جو تجھ پر لعنت کرتا ہے اور تیری داڑھی کے ہر بال کے نیچے ایک ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے، جو تجھے گمراہ کرتا ہے، تیرے گھر میں ایک پلا ہے جو فرزندِ رسولؐ کو قتل کرے گا۔'' اس وقت اس کا بیٹا سنان بن انس نخعی پیدا ہو چکا تھا اور گھٹنوں کے بل چلتا تھا، جوان ہو کر وہی سنان بن انس امام حسین علیہ السلام کا قاتل ثابت ہوا۔

۲۔ حبیب بن حماد کے متعلق پیش گوئی

حسن بن محبوب نے ثابت ثمالی سے، اس نے سوید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: مولاؑ! میرا گزر وادی القریٰ سے ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ خالد بن عرفطہ کی وفات ہوگئی ہے، آپ اس کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔'' امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ نہیں مرا اور وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ ایک گمراہ لشکر کی سپہ سالاری نہ کرلے گا، جس لشکر کا علمبردار حبیب بن حماد ہوگا۔'' حضرت کے یہ الفاظ سن کر ایک اور شخص کھڑا ہو گیا اور کہا: ''حضرتؑ! حبیب بن حماد تو میں ہوں اور الحمدللہ میں آپ کا محبّ اور شیعہ ہوں، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایک گمراہ لشکر کا علمبردار بنوں؟'' حضرت نے بغور اس شخص کو دیکھ کر فرمایا: ''تو حبیب بن حماد ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں'' حضرت نے دوبارہ، سہ بارہ اس سے فرمایا کیا ''تو ہی حبیب بن حماد ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں میں ہی حبیب بن حماد ہوں اور میں آپؑ کا شیعہ اور محبّ ہوں۔'' حضرت علیؑ نے فرمایا: ''تو سن لے تو ہی گمراہ لشکر کا علمبردار ہوگا اور علم اٹھا کر اس دروازہ سے برآمد ہوگا'' پھر آپ منے مسجد کوفہ کے باب الفیل کی طرف اشارہ کیا۔

ثابت کا بیان ہے کہ خدا نے مجھے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دکھایا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو امام حسین علیہ السلام کے خلاف سالارِ لشکر مقرر کیا، تو اس نے ہراول دستے کا سالار خالد بن عرفطہ کو مقرر کیا اور حبیب بن حماد کو اپنے لشکر کا علمبردار بنایا اور وہ پرچم لے کر باب الفیل سے برآمد ہوا۔

۳۔ اعشیٰ باہلی کے متعلق پیش گوئی

عثمان بن سعید نے یحییٰ تمیمی سے، اس نے اعمش سے، اس نے اسماعیل بن رجا سے روایت کی ہے:

اسماعیل کا بیان ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور آنے والے حالات بیان کر رہے تھے۔

اعشیٰ باہلی بھی حضرت کے خطبہ میں موجود تھا اور وہ اس وقت جوانی چڑھ رہا تھا، حضرتؑ کے اس علم کی ضرب برداشت نہ کر سکا

اور اٹھ کر کہا: ''امیر المومنینؑ! آپ کی باتیں خرافات کے مشابہ ہیں (نعوذ باللہ)''

حضرتؑ نے فرمایا: ''نوجوان! اگر اس بات میں تو گنہگار ٹھہرا ہے تو خدا تجھ پر ثقفی جوان کو مسلط کرے گا'' پھر آپ خاموش ہوگئے۔

لوگوں نے کہا: امیر المومنینؑ! ثقفی جوان کون ہوگا؟ حضرت نے فرمایا: وہ جوان تمہارے ملک پر حکومت کرے گا اور اللہ کی ہر حرمت کو پامال کرے گا اور اس جوان کو اپنی تلوار سے قتل کرے گا۔ مولاؑ نے کہا: اس کی مدتِ حکومت کتنے برس ہوگی؟ لوگوں نے کہا: قریباً بیس سال۔ پھر لوگوں نے پوچھا: تو کیا کوئی اسے قتل کرے گا یا اپنی طبعی موت مرے گا؟ حضرتؑ نے فرمایا: نہیں وہ طبعی موت مرے گا اور اس کے پیٹ میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے اور اس کا پیٹ پھٹ جائے گا۔

اسماعیل بن رجاء کا بیان ہے کہ میں اس منظر کو کبھی نہیں بھول سکتا جب عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے سپاہی گرفتار ہو کر حجاج کے پاس لائے گئے تو حجاج نے اعشیٰ باہلی کو درے مارے اور کہا تو نے ہماری مخالف فوج کو برانگیختہ کرنے کے لیے شعر کہے تھے، بعد ازاں حجاج نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

۴۔ جویریہ بن مسہر عبدی کے متعلق پیش گوئی

ابراہیم بن میمون ازدی نے حبہ عرنی سے روایت کی ہے کہ جویریہ بن مسہر عبدی ایک عابد و زاہد شخص تھا اور حضرت علی علیہ السلام سے والہانہ محبت کیا کرتا تھا اور حضرت بھی اس سے شفقت کا سلوک کیا کرتے تھے، ایک دن یہی جویریہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضرت سوئے ہوئے ہیں اور ان کے اردگرد بہت سے اصحاب بیٹھے ہوئے ہیں، جویریہ نے آواز دے کر کہا: ''سونے والے! اٹھو تمہارے سر پر ضرب لگائی جائے گی جس سے تمہاری داڑھی رنگین ہو جائے گی''۔ امیر المومنینؑ نے یہ سن کر تبسم کیا اور جویریہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''جویریہ میں تجھے تیرے متعلق خبر دینا چاہتا ہوں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تجھے پکڑ کر سرکش حرامزادے کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ تیرے ہاتھ پاؤں قطع کر کے ایک چھوٹی لکڑی پر تجھے پھانسی دے گا''۔

راوی کا بیان ہے: چند دن گزرے کہ زیاد کے سپاہی جویریہ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے لائے، زیاد نے اس کے ہاتھ پاؤں قطع کرا کے اسے سولی پر لٹکایا اور جہاں جویریہ کو سولی دی گئی وہاں بڑی سولی بھی موجود تھی، لیکن جویریہ کو چھوٹی لکڑی پر سولی پر لٹکایا گیا۔

۵۔ خطیب صلیب کے متعلق پیش گوئی

کتاب الغارات میں مرقوم ہے کی میثم تمار حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پہلے وہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے، حضرت نے انہیں ان کی مالکہ سے خرید کر آزاد کر دیا تھا اور ان سے پوچھا:

تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا نام سالم ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے متعلق بتایا تھا کہ

تمہارے والد نے عجم میں تمہارا نام میثم رکھا تھا''۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: بے شک خدا اور رسولؐ نے سچ کہا اور امیر المومنینؑ آپؑ نے بھی سچ کہا ،واقعی میرے والد نے میرا نام میثم ہی رکھا تھا۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم اپنا سابقہ نام اختیار کرو ہم تمہاری کنیت ابو سالم رکھتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے میثم کو بہت سے واقعات کی قبل از وقت خبر دی تھی، چنانچہ میثم واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے قبل پیش گوئی کرتے تھے، مگر چند اہل کوفہ اس کی باتوں میں شک کیا کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر بھی زبان طعن دراز کرتے تھے۔

ایک دن ایک بڑے اجتماع کے دوران جس میں مخلص و منافق اور اپنے، پرائے سب طرح کے لوگ موجود تھے، حضرتؑ نے میثم سے فرمایا: میثم! میرے بعد تمہیں گرفتار کیا جائے گا اور سولی پر لٹکایا جائے گا اور صلیب کے دوسرے دن تمہارے منہ اور نتھنوں سے خون جاری ہوگا، جس سے تمہاری داڑھی رنگین ہو جائے گی اور تیسرے دن تمہیں نیزہ مارا جائے گا، جس سے تمہاری موت واقع ہو جائے گی، اس وقت کا انتظار کرنا اور تمہیں عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی پر لٹکایا جائے گا۔

تمہارے علاوہ اور نو افراد سولی پہ لٹکائے جائیں گے، تم ان میں دسویں ہو گے اور تم چھوٹی لکڑی پر سوار ہو گے اور تمہارا جسم زمین کے قریب ہوگا اور میں تمہیں وہ کھجور کا درخت بھی دکھاؤں گا جس کے تنے پر تمہیں پھانسی دی جائے گی، پھر حضرتؑ نے دو دن بعد میثم کو اپنے ساتھ لے جا کر کھجور کا وہ درخت بھی دکھایا۔

اس دن کے بعد میثم کا یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ روزانہ اس درخت کے نیچے آ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، اے کھجور کے درخت! تو شاد و آباد رہے میں تیرے لیے پیدا ہوا ہوں اور تو میرے لیے اُگی ہے۔

ایک مرتبہ میثم وہاں آئے تو کھجور کاٹی جا رہی تھی، یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے اب میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے۔

میثم کی جب بھی عمرو بن حریث سے ملاقات ہوتی تو ان سے کہا کرتے تھے: ''میں تمہارا ہمسایہ بنوں تو تم مجھ سے اچھے ہمسایوں کا سا سلوک کرنا''۔

عمرو بن حریث یہ سن کر کہتے: تو یہاں ابن مسعود کا گھر خریدنا چاہتا ہے یا ابن حکیم کا گھر خرید کر میرے ہمسائے بننا چاہتے ہو؟

جس سال میثم شہید ہوئے اسی سال انہوں نے بیت اللہ کا حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ کے سلام کے لیے ان کے دروزے پر گئے۔ حضرت ام سلمہؑ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں عراقی ہوں، بی بی نے مزید تعارف کا سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں امیر المومنینؑ کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرا نام میثم ہے، یہ سن کر حضرت ام سلمہ نے فرمایا: ''سبحان اللہ میں نے کئی بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے متعلق علیؑ کو سفارش کرتے ہوئے دیکھا ہے''۔ پھر میثم نے ام المومنین سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تو بی بی نے کہا: ''وہ باغ میں گئے ہوئے ہیں''۔

میثم نے کہا: ''ام المومنینؑ! میری طرف سے انہیں ڈھیروں سلام پہنچایئے اور ہم عنقریب رب العالمین کے حضور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور اب میں واپس جانا چاہتا ہوں''

ام المومنینؑ نے خوشبو منگا کر میثم کو دی، انہوں نے وہ خوشبو اپنی داڑھی پر لگائی اور کہا: عنقریب یہ داڑھی خون سے رنگین ہوگی۔

حضرت ام سلمہؑ نے فرمایا: تجھے یہ خبر کس نے دی ہے؟

میثم نے عرض کی: مجھے میرے سردار نے اس کی خبر دی ہے۔ یہ سن کر ام سلمہ رونے لگیں اور کہا: وہ صرف تیرے ہی آقا و مولا نہیں وہ میرے بلکہ تمام مسلمانوں کے آقا و مولا ہیں۔

پھر میثم ان سے الوداع کر کے چلے، کوفہ آ گئے، یہاں آتے ہی انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد لعین کے سامنے پیش کیا گیا اور درباریوں نے ابن زیاد سے کہا: یہ شخص علیؑ کو بڑا پیارا تھا۔

ابن زیاد نے کہا: یہ عجمی ابوتراب کو پیارا تھا؟

لوگوں نے کہا: ہاں یہی عجمی ابوتراب کو بڑا پیارا تھا۔

ابن زیاد نے میثم سے کہا: تیرا رب کہاں ہے؟

میثم نے جواب میں کہا: ظالموں کی گھات میں ہے۔

ابن زیاد: میں نے سنا ہے کہ تو علیؑ کو بڑا پیارا تھا۔

میثم: ان کا کچھ نہ کچھ پیار مجھ سے بھی تھا، تو کیا چاہتا ہے؟

ابن زیاد: میں نے سنا ہے کہ ابوترابؑ نے تجھے تیرے انجام کے متعلق پیش گوئی بھی کی تھی؟

میثم: جی ہاں، سید الاولیاء نے مجھے میرے انجام سے باخبر کیا تھا۔

ابن زیاد: ابوتراب نے تجھے کیا بتایا تھا؟

میثم: انہوں نے فرمایا تھا مجھے نو افراد کے ساتھ سولی پر لٹکایا جائے گا اور میرا دسواں نمبر ہوگا اور میری سولی کی لکڑی چھوٹی اور زمین کے قریب ہوگی۔

ابن زیاد: میں ابوتراب کی بات کو جھوٹا ثابت کروں گا۔

میثم: تیری کیا جرأت کہ تو ان کے قول کو جھٹلائے، کیونکہ انہوں نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ رسول خداؐ سے سن کر بتایا تھا اور رسول مقبولؐ نے جو خبر دی تھی وہ جبرائیل سے سن کر دی تھی اور جبرائیل نے اللہ سے سن کر انہیں خبر سنائی تھی، مجھے اپنے سولی چڑھنے کی جگہ کا بھی علم ہے کہ وہ کوفہ میں کہاں واقع ہے، علاوہ ازیں تاریخ اسلام میں میں پہلا شخص ہوں جس کے منہ میں گھوڑوں کی طرح لگام ڈالی جائے گی۔

ابن زیاد نے یہ سن کر انہیں زندان میں بھیج دیا اور جس زندان میں میثم کو ڈالا گیا تھا وہاں امیر مختار ثقفی پہلے سے قید تھے۔

حضرت میثم نے امیر مختار سے کہا: ''تو عنقریب اس زندان سے رہائی پائے گا اور خون حسینؑ کا انتقام لے گا اور آج ہم دونوں جس ظالم کی قید میں ہیں، عنقریب تو اس پر فتح پائے گا اور تو اس لعین کے کٹے ہوئے نجس سر کو اپنے پاؤں سے روندے گا''

ابن زیاد نے امیر مختار کو قتل کرنے کے لیے زندان سے طلب کیا۔ مختارِ ثقفی ابن زیاد ملعون کے سامنے حاضر ہوئے، ابن زیاد نے

جلاد کو بلایا اور ان کے قتل کا حکم دینے والا ہی تھا کہ ایک قاصد یزید کا خط لے کر ملعون کے دربار میں آیا اور وہ خط ابن زیاد کو دیا۔ خط میں یزید نے مختار ثقفی کی رہائی کا حکم دیا تھا۔ اس رہائی کی وجہ یہ ہوئی کہ امیر مختار کی بہن صفیہ، عبداللہ بن عمر کی زوجہ تھی اور اس نے اپنے شوہر کو کہہ سن کر یزید سے مختار کی سفارش کرائی، چنانچہ یزید نے عبداللہ بن عمر کی سفارش پر مختار ثقفی کی رہائی کا پروانہ جاری کیا۔

ابن زیاد کو جیسے ہی یزید کا خط ملا اس نے مختار ثقفی کو رہا کر دیا، پھر میثم کو زندان سے لایا گیا اور ابن زیاد نے کہا:

''میں تیرے متعلق ابوتراب کی پیشگوئی پر عمل کروں گا''۔

ایک شخص نے میثم سے کہا: تجھے یہ پیشگوئی بتانے کی آخر کیا ضرورت تھی؟ میثم نے مسکرا کر کہا: بیان کیوں نہ کرتا جب کہ وہ کھجور میرے لیے بنی تھی اور مجھے اس کے لیے بنایا گیا تھا۔ آخر کار عمرو بن حریث کے دروازے کے سامنے ایک پست شاخ پر انہیں سولی پر لٹکایا گیا۔

لوگ اس مظلوم کی مظلومیت دیکھنے کے لیے جوق در جوق جمع ہوئے تو اس وقت عمرو بن حریث نے کہا: ''لوگو! میثم مجھ سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں تیرا ہمسایہ بنوں گا اور تم مجھ سے اچھا سلوک کرنا''۔ پھر عمرو بن حریث اپنی کنیز کو روزانہ بھیجا کرتا تھا جو درخت کے نیچے جھاڑو دیتی اور پانی کا چھڑکاؤ کیا کرتی تھی۔

جب میثم نے تماش بینوں کا ہجوم دیکھا تو کہا: ''لوگو! مجھ سے بنی ہاشم اور حضرت علی علیہ السلام کے متعلق احادیث سنو''۔

پھر انہوں نے سولی کو منبر سمجھ فضائل امیر المومنین علیہ السلام کی احادیث بیان کرنا شروع کیں، ان کی تقریر سے اہلِ کوفہ میں انقلاب کے آثار پیدا ہونے شروع ہوئے۔ مخبروں نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ عجمی غلام بنی امیہ کو سرِ عام رسوا کر رہا ہے، اگر حکومت کی بقا چاہتے ہو تو اس کی زبان کو لگام دو۔ ابن زیاد ملعون نے حکم دیا کہ جاؤ اس کے منہ میں لگام ڈال دو تا کہ وہ ہمیں مزید سرِ عام رسوا نہ کرنے پائے۔

لعین کے حکم پر ان کے منہ میں لگام ڈال دی گئی اور یوں میثم تاریخ اسلام کے پہلے وہ مظلوم قرار پائے جن کے منہ میں لگام ڈالی گئی۔

جب سولی پر چڑھے ہوئے دوسرا دن ہوا تو ان کے ناک اور منہ سے خون جاری ہوا جس سے ان کی داڑھی رنگین ہوگئی اور تیسرے دن ان کی پشت پر نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔

میثم کی شہادت کا واقعہ امام حسین علیہ السلام کے ورودِ عراق سے دس دن پہلے پیش آیا۔ سچ ہے ؎ چوں نامِ حق بلند شود دار می شود

۶۔ رُشَیْد ھَجَری کے متعلق پیش گوئی

رُشید ہجری امیر المومنین علیہ السلام کے خاص صحابی تھے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے انہیں ''علم البلایا والمنایا'' کی تعلیم دی تھی۔ اسی لیے حضرت رُشید لوگوں کو دیکھ کر ان کی آزمائش اور کیفیتِ موت کی خبر دے دیا کرتے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام انہیں ''رُشید البلایا'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

صاحب الغارات نے زیاد بن نصر حارثی سے روایت کی ہے، اس کا بیان ہے کہ میں زیاد بن ابیہ کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا کہ زیاد کے سپاہی رُشید ہجری کو گرفتار کر کے اس کے پاس لائے۔ زیاد نے رُشید ہجری سے کہا:

تیرے دوست نے تجھے کیا خبر دی تھی کہ ہم تجھ سے کیا سلوک کریں گے؟

رُشید نے کہا: ''میرے آقا و مولا نے مجھے بتایا تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر چڑھاؤ گے''۔

زیاد نے کہا: میں ابوتراب کی بات کو جھٹلاؤں گا۔

پھر رُشید کو رہا کرتے ہوئے کہا: ''تم رہا ہو، جہاں چاہو چلے جاؤ، ابھی رُشید دارالامارہ سے نکلنے نہ پائے تھے کہ زیاد نے کہا: ''نہیں اس کا زندہ رہنا ہمارے لیے خطرے کا باعث ہے، اسے پکڑ کر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو''

رُشید کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، ہاتھ پاؤں کٹنے کے بعد رُشید نے امیر المومنین کے فضائل بیان کرنا شروع کر دیئے۔ زیاد نے کہا: اسے صلیب پر لٹکایا جائے اور اس کی گردن پر پھندا دینا چاہیے۔ رُشید نے کہا: جو کچھ میرے مولا نے کہا تھا سب باتوں پر عمل ہو گیا لیکن ابھی تک ایک بات پر عمل ہونا باقی ہے۔ زیاد نے جلاد سے کہا: اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ جب جلاد ان کی زبان کاٹنے کے لیے آگے بڑھا تو رُشید نے کہا: ٹھہرو! مجھے ایک بات کرنے دو۔

جلاد رُک گیا: رُشید نے مسکرا کر کہا: میرے مولا نے یہی تو خبر دی تھی کہ شہادت سے پہلے تیری زبان کاٹ دی جائے گی، الحمدللہ میں خوش ہوں کہ امیر المومنینؑ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غطیدن
خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

۷۔ معاویہ کا اپنی موت معلوم کرانا

بحارالانوار اور کشف الغمہ میں کتاب ''لطف التدبیر'' کے حوالہ سے محمد بن عبداللہ خطیب سے روایت کی ہے: واقعہ تحکیم کے بعد ایک دن معاویہ نے اپنے دوستوں سے کہا: ''کاش ہم معلوم کر سکتے کہ یہ حکومت کب تک ہمارے پاس رہے گی اور کیا اس سلطنت پر علیؑ کا قبضہ تو نہیں ہو جائے گا؟'' اس کے درباریوں نے کہا: بھلا ہم یہ کیسے معلوم کر سکتے ہیں؟ معاویہ نے کہا: میرے ذہن میں اس کے معلوم کرنے کی ایک تدبیر موجود ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس تدبیر پر عمل کر کے اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کروں، پھر اس نے تین افراد کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم تینوں کوفہ جاؤ، لیکن سارے بیک وقت نہ جاؤ۔

ایک دن تم میں سے ایک شخص کوفہ میں داخل ہو اور جب لوگ اس سے پوچھیں کہ کہاں سے آیا ہے، تو وہ بتائے کہ ''میں شام سے آیا ہوں اور شام کی تازہ خبر یہ ہے کہ معاویہ مر گیا ہے''۔

پھر دوسرے دن دوسرا شخص کوفہ میں داخل ہو اور وہ بھی میرے مرنے کی خبر دے۔

اس کے بعد تیسرے دن تیسرا آدمی کوفہ میں داخل ہوا اور وہ بھی میرے مرنے کی خبر دے۔ اور پھر تینوں افراد اس پر علیؑ کا ردعمل معلوم کریں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور واپس آ کر مجھے ان کے جواب سے مطلع کرو، چنانچہ معاویہ کے بھیجے ہوئے تینوں افراد کوفہ کے قریب آئے۔ دو افراد کوفہ کے قریب ٹھہر گئے اور تیسرے شخص کو فہ روانہ کیا۔

چنانچہ جب وہ شامی مسافرانہ شکل وصورت لیے کوفہ میں داخل ہوا تو اہلِ کوفہ نے پوچھا: تو کہاں کے رہنے والا ہے؟ اس نے کہا: میں شامی ہوں، اہلِ کوفہ نے پوچھا: شام کی خبر کیا ہے؟ نو وارد نے کہا: معاویہ مر گیا ہے۔

یہ سن کر بہت سے لوگ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا دشمن معاویہ مر گیا ہے اور ابھی ابھی شام سے ایک شخص آیا ہے اور اس نے ہمیں اس کی موت کی خبر دی ہے۔ حضرتؑ یہ سن کر بالکل خاموش رہے۔

دوسرے دن دوسرا شخص کوفہ میں داخل ہوا اس نے بھی کوفہ میں داخل ہوتے وقت معاویہ کی موت کی خبر دی۔ لوگ پھر حضرتؑ کے پاس گئے اور کہا: آج دوسرا شامی یہاں آیا ہے اور اس نے بھی معاویہ کے مرنے کی خبر دی ہے پھر حضرتؑ بالکل خاموش رہے اور کسی رد عمل کا کوئی اظہار نہ کیا۔ تیسرے دن تیسرا شامی کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے بھی وہی بات کی جو اس سے پہلے دو افراد کہہ چکے تھے۔ لوگ پھر امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور کہا: اب بالکل تصدیق ہوگئی ہے کہ معاویہ مر گیا ہے، آج تیسرے شخص نے بھی یہ خبر سنائی ہے۔ یہ سن کر حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اس کی موت سے قبل میری یہ ریش میرے سر کے خون سے رنگین ہوگی پھر جگر خوار ماں کا بیٹا حکومت سے کھیلے گا''

جب معاویہ کو حضرت کے ان کلمات کی خبر ملی تو بہت خوش ہوا۔

اگر ہم امیر المومنین علیہ السلام کی پیش گوئیاں جمع کریں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے، اس سے قبل (خطبہ ۱۱) میں بھی حضرت کی طرف سے بصرہ کی تباہی کی پیش گوئی کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

حضرتؑ پہ سب کرانے والا کون تھا؟

اس خطبہ میں حضرتؑ نے پیش گوئی فرمائی کہ ایک پیٹو شخص جس کا پیٹ پھیلا ہوا ہوگا، آپؑ پر سبّ کرنے کا حکم دے گا۔

نہج البلاغہ کے شارحین نے اس فرد کے تعین میں اختلاف کیا ہے، کسی نے زیاد بن ابیہ مراد لیا ہے اور کسی نے حجاج بن یوسف مراد لیا اور کسی نے مغیرہ بن شعبہ مراد لیا ہے۔ جبکہ اکثر شارحین کی رائے میں وہ شخص معاویہ بن ابوسفیان ہے، کیونکہ حضرتؑ نے بسیار خوری کی جو علامت بیان فرمائی ہے وہ بدرجہ اتم معاویہ میں موجود تھی اور اس کا پیٹ اتنا پھیلا ہوا تھا کہ جب وہ بیٹھتا تو اس کا شکم اس کی رانوں پر آ جاتا تھا اور تاریخ عرب میں معاویہ سے بڑا پیٹو کوئی نہیں گزرا۔

ایک دفعہ ایک اعرابی نے اسے پورا بکرا کھاتے ہوئے دیکھا تو اس نے معاویہ سے مذاق کرتے ہوئے کہا: ''تو اکیلا پورے بکرے کو بے دردی سے ہضم کر گیا ہے آخر تجھے اس غریب سے کیا دشمنی تھی، اس اس کے باپ نے تجھے سینگ مارا تھا؟''

معاویہ نے فوراً کہا: آخر تجھے اس سے ہمدردی کیوں ہے، کیا اس کی ماں نے تجھے دودھ پلایا تھا؟

معاویہ کھاتے کھاتے سیر نہیں ہوتا تھا پھر نوکروں سے کہتا تھا کہ بس اب دسترخوان اٹھالو میں سیر تو نہیں ہوا، البتہ کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔

شارح معتزلی نے معاویہ کی بسیار خوری کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ معاویہ اس لیے زیادہ کھاتا تھا کہ رسول خداؐ نے اسے بددعا کی تھی، ایک مرتبہ حضورؐ نے کسی کو بھیجا کہ معاویہ کو بلالائے، جب وہ آیا تو معاویہ کھانا کھا رہا تھا، اس نے واپس آکر حضور اکرمؐ کو بتایا کہ وہ کھانا کھانے میں مصروف ہے۔ حضور اکرمؐ نے کچھ دیر بعد پھر بلایا تو معاویہ اس وقت تک بدستور کھانا کھا رہا تھا۔ صحابی نے آکر پھر عرض کی: یارسول اللہ! وہ ابھی بھی کھانا کھا رہا ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ لَا تُشْبِعْ بَطْنَہ'' خدایا اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ معاویہ کبھی سیر ہونے میں نہیں آتا تھا اور بسیار خوری میں ضرب المثل بن گیا تھا، ایک شاعر نے اپنے کسی دوست کی بسیار خوری کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

وَ صَاحِبٌ لِیْ بَطْنُہٗ کَا لْھَاوِیَۃ کَاَنَّ فِیْ اَمْعَائِہٖ مُعَاوِیَۃ

یعنی میرا ایک دوست ہے جس کا شکم ہاویہ (دوزخ) کی طرح ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آنتوں میں معاویہ رہتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ زیاد اور ابن زیاد، مغیرہ بن شعبہ اور حجاج بن یوسف لوگوں کو امیر المومنینؑ پر سب وشتم کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، مگر اس رسمِ بد کی بنیاد معاویہ نے ہی رکھی تھی اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں سرکاری حکم جاری کیا تھا کہ ہر خطبہ جمعہ میں ابوتراب پر سب وشتم کیا جائے، چنانچہ اس حکم نامے کے بعد تمام اجتماعات جمعہ وعیدین میں امیر المومنینؑ پر سب وشتم کیا جانے لگا اور معاویہ کی ایجاد کردہ قبیح ترین رسم بنی امیہ کے حکمرانوں نے جاری رکھی یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے اس رسمِ بد کا خاتمہ کیا۔

جاحظ لکھتے ہیں کہ بنی امیہ کے چند افراد نے معاویہ نے کہا تھا: ''تجھے حکومت کی ضرورت تھی، وہ تجھے مل گئی، اب تجھے علیؑ پر سب و شتم کرانے کی کیا ضرورت ہے، بہتر ہے کہ اس سلسلہ کو ختم کردیا جائے''۔ اس نے کہا: ''خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، جب تک بچے جوان اور جوان بوڑھے نہ ہوجائیں اور اس کے فضائل کو ذکر کرنے والا کوئی بھی فرد بشر روئے زمین پر باقی نہ رہے''

مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام پر سبّ کرنے کی بدعت کو عمر بن عبدالعزیز نے ختم کیا، اس کی وجہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی بچہ تھا اور عتبہ بن مسعود کے ایک بیٹے کے پاس قرآن مجید پڑھا کرتا تھا، وہ ایک دن میرے پاس سے گزرا تو مجھے دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر حضرت علیؑ پر (نعوذ باللہ) لعنت کرتے دیکھ لیا اور یہ بات اسے سخت ناگوار گزری اور وہ سیدھا مسجد میں چلا گیا اور میں بھی بچوں کو چھوڑ کر اس کے پاس قرآن پڑھنے کے لیے مسجد میں پہنچ گیا۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو میری پرواہ کیے بغیر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا شروع کردی اور نماز کو طولانی کردیا جس سے میں نے سمجھ لیا کہ اس نے مجھ سے مکمل طور پر بے رخی اختیار کرلی ہے۔ جب کافی دیر کے بعد نماز سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے کہا: ''استاد! کیا وجہ ہے کہ آج آپ نے میرے ساتھ نہایت بے رخی برتی ہے؟'' اس نے کہا: ''بیٹے! آج تم علیؑ کو گالیاں دے رہے تھے!'' میں نے کہا: ''جی

ہاں!'' اس نے کہا: ''تمہیں کب سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر پر راضی ہونے کے بعد ناراض ہوگیا تھا؟'' میں نے کہا: ''بابا! تو کیا علیؑ بھی اصحاب بدر میں شامل کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''تجھ پر افسوس ہے! بدر کی ساری کامیابی علیؑ ہی کی مرہون منت ہی تو ہے!'' میں نے کہا: ''آئندہ میں ایسی غلطی نہیں کروں گا'' اس نے کہا: کیا خدا کو گواہ کہہ کر کہتے ہو کہ آئندہ ایسا نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: ''میں خدا کو گواہ کہہ کر کہتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا'' اور میں نے آئندہ کے لیے یہ تہیہ کرلیا۔ پھر مسجد نبوی میں منبر کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تھا اور میرا والد اور میرا والد مدینہ کا حاکم تھا اور نماز جمعہ پڑھایا کرتا تھا تو میں بھی نماز جمعہ میں شریک ہوتا تھا، میرا باپ انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ دیتا تھا، لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ دوسرے خطبے کے آخر میں اس مقام پر پہنچتا جہاں ابوتراب پر سب وشتم کیا جاتا تھا تو میرے والد کی تمام فصاحت و بلاغت ختم ہوجاتی تھی اور ڈرتے اور کانپتے ہوئے علیؑ پر سب وشتم کرتا تھا۔

ایک دن میں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! آپ انتہائی فصیح و بلیغ شخص ہیں لیکن جب آپ ابوتراب پر سب وشتم کرتے ہیں تو آپ کی تمام فصاحت اور جوشِ بیان جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے باپ نے مجھے کہا: بیٹا! رسم حکومت کی وجہ سے ہمیں یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے اگر باقی لوگ بھی ابوتراب کے ان فضائل سے واقف ہوجائیں جن سے تیرا باپ واقف ہے تو ایک شخص بھی ہماری پیروی نہ کرے۔

جب میں نے اپنے باپ کا یہ جواب سنا تو مجھے اپنے استاد کے فرمان کی صداقت کا مزید یقین ہوگیا اور میں نے اپنے دل میں عہد کرلیا کہ اگر مجھے اقتدار ملا تو میں اس رسمِ بد کو ختم کر کے رہوں گا۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز کو اقتدار دلایا تو انہوں نے خدا سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری کی اور ایک شاہی فرمان کے ذریعے حضرت علیؑ پر سب وتبرا بند کرادیا اور اس کی جگہ اس آیت کو خطبہ میں شامل کیا۔

''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ . یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ'' (نحل/۹۰)

بے شک اللہ عدل واحسان اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور برائی و بے حیائی اور بغاوت سے منع کرتا ہے، تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس آیت کو خطبہ میں داخل کیا تھا۔

''رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ'' (حشر آیت ۱۰)

اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے بغض قائم نہ فرما، اے ہمارے پروردگار بے شک تو شفیق اور مہربان ہے۔

سید رضیؒ نے عمر بن عبدالعزیز کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے یہ نظم لکھی ہے:

يَـابْـنَ عَبْـدِ الْـعَـزِيْـزِ لَوْ بَكَتِ الْعَيْنُ ... فَتًـــا مِـــنْ اُمَيَّةَ لَبَـــكَيْتُكَ
غَيْـــرَ اَنِّـــىْ اَقُـوْلُ اِنَّكَ طِـــبٌّ ... وَ اِن لَّـمْ يُـطِـبْ وَ لَمْ يُزَكِّ بَيْتُكَ
اَنْـتَ نَـزَّهْتُـنَـا عَـنِ السَّبِ وَالْقَذْفِ ... فَـلَـوْ اَمْـكَـنَ الْـجَـزَآءُ جَـزَيْتُكَ
وَلَـوْ اَنِّىْ رَاَيْتُ قَبْرَكَ لَا سْتَحْيَيْتُ ... مِـــنْ اَنْ اَرَى وَمَـــاحَيَيْتُكَ

اے فرزند عبدالعزیز! اگر بنی امیہ کے کسی فرد پر میری آنکھ روتی تو میں تجھے ضرور روتا۔
البتہ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ ایک ناپاک گھر میں رہ کر بھی تو پاک و پاکیزہ رہا۔
تو نے ہمیں گالی گلوچ اور تہمتوں سے بری کیا ہے اور اگر بدلہ دینا ممکن ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا بدلہ دیتا۔
اگر مجھے تمہاری قبر نظر آجائے اور میں تجھے سلام کیئے بغیر یوں ہی چلا جاؤں، اس سے مجھے شرم آتی ہے.....

''سبّ''اور''تبرا''میں فرق

اس خطبہ کے ضمن میں اگر یہ سوال کیا جائے کہ سب اور تبرا میں کیا فرق ہے، جبکہ حضرتؑ نے سب کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اظہارِ بیزاری کی اجازت نہیں دی؟ حالانکہ سب وشتم تو اظہارِ بیزاری سے بھی زیادہ فحش ہے؟

شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ برائت کا لفظ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین کے لیے استعمال کیا ہے، جیسا کہ سورہ توبہ کی اس آیت میں اعلان فرمایا ہے:

''بَرَآءَ ةٌ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ''

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری ہے ان مشرکین سے جن سے تم نے عہد کیا تھا۔

علاوہ ازیں سورہ توبہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ. وَرَسُوْلُهٗ.''

اللہ اور اس کا رسول، مشرکین سے بیزار ہیں۔

اسی لیے برائت کا لفظ کفار و مشرکین کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔

لفظ ''سب''، یعنی گالی گلوچ بعض اوقات ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو بھی سب کرتا ہے، اگرچہ سب وشتم ایک قبیح ترین عمل ہے، مگر سب وتبرا میں یہ فرق ضرور ہے کہ ''تبرا'' کفار و مشرکین کے لیے مخصوص ہے اور لفظ ''سب'' مشرکین کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

جبکہ شارح بحرانی نے علامہ معتزلی سے بہتر جواب دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں، ''سب'' کا تعلق زبان سے ہے اور ''تبرا'' کا تعلق دل سے ہے۔

بعض اوقات کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لیے کسی کو برا بھلا کہتا ہے، لیکن دل میں اُسے برا نہیں جانتا، جب انسان دل سے کسی سے بیزار ہو جائے تو اس کی طرف مائل ہونا ممکن نہیں ہوتا، اسی لیے حضرتؑ نے اپنے پیروکاروں کو جان بچانے کے لیے برا بھلا کہنے کی اجازت دے دی تھی، لیکن دل سے بیزاری کی اجازت نہیں دی۔

اس مقام پر یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر بیزاری صرف زبان کی حد تک محدود ہو تو بھی وہ ایمان کے لیے ضرر رساں نہیں ہے البتہ جب دل ایمان سے بیزار ہو جائے تو پھر ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔

حضرت عمارؓ کو مجبور کیا گیا انہوں نے مجبور ہو کر کفر کے کلمات کہے تھے اور پھر پریشان ہو کر رحمتِ کائناتؐ کے پاس آئے کہ ''میں نے مجبوراً کفریہ کلمات کہے ہیں: تو کیا میرا ایمان و اسلام باقی ہے یا ختم ہو گیا ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

''اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ'' (النحل ۱۰۶)

سوائے اس کے کہ جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، لیکن جس کا دل کفر سے بھرا ہو تو ان پر اللہ کا غضب ہے۔

خطبہ میں حضرت نے جس تبرا سے منع کیا ہے وہ وہی ہے جس کا تعلق دل سے ہو، مقام تقیہ میں زبانی اظہار برائت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ انشاء اللہ خطبہ ۱۰۷ کی شرح میں یونانی طبیب کے ساتھ امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو کے عنوان میں اس کی اجازت کا ذکر پڑھیں گے۔

بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حق کے لیے قتل ہو جانا تقیہ کرنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ محدث جزائری زہر الربیع میں رقم طراز ہیں: مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑا اور ایک سے کہا: تو محمدؐ کے متعلق کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: وہ اللہ کے رسول ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے اس سے پوچھا: میرے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: تو بھی رسول ہے، یہ سن کر مسیلمہ نے اسے رہا کر دیا۔

بعد ازاں مسیلمہ نے دوسرے مسلمان سے پوچھا: تو محمدؐ کے متعلق کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں انہیں اللہ کا رسول مانتا ہوں۔ مسیلمہ نے کہا: میرے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ مسلمان نے کہا: میں بہرا ہوں مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔ مسیلمہ نے تین بار اس سے اپنے متعلق پوچھا، وہ ہر بار یہی کہتا رہا کہ میں بہرہ ہوں، مجھے تیری بات سنائی نہیں دیتی۔ مسیلمہ کذاب نے اس مسلمان کو قتل کرا دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو انہوں نے فرمایا: ''اَمَّا الْاَوَّلُ فَقَدْ اَخَذَ بِرُخْصَةِ اللّٰهِ، وَ اَمَّا الثَّانِی فَقَدْ صَدَعَ بِالْحَقِّ فَهَنِيئًا لَّهٗ'' پہلے مسلمان نے اللہ کی رخصت سے فائدہ حاصل کیا اور دوسرے نے کلمۂ حق بلند کیا اس کے لیے خوش خبری ہو۔

خطبہ ۵۷

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلَّمَ بِهِ الْخَوَارِجَ

اَصَابَكُمْ حَاصِبٌ وَ لَا بَقِیَ مِنْكُمْ آبِرٌ اَبَعْدَ اِيْمَانِیْ بِاللّٰهِ وَ جِهَادِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) اَشْهَدُ عَلٰی نَفْسِیْ بِالْكُفْرِ لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ فَاُوْبُوْا شَرَّ مَآبٍ وَ ارْجِعُوْا عَلٰۤی اَثَرِ الْاَعْقَابِ اَمَا اِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِیْ ذُلًّا شَامِلًا وَ سَيْفًا قَاطِعًا وَ اَثَرَةً يَّتَّخِذُهَا الظَّالِمُوْنَ فِيْكُمْ سُنَّةً.

آپ کا کلام خوارج کو مخاطب فرماتے ہوئے۔

تم پر سخت آندھیاں آئیں اور تم میں کوئی اصلاح کرنے والا باقی نہ رہے، کیا میں اللہ پر ایمان لانے اور رسولؐ اللہ کے ساتھ ہو کر جہاد کرنے کے بعد اپنے اوپر کفر کی گواہی دے سکتا ہوں؟، پھر تو میں گمراہ ہو گیا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہا۔ تم اپنے پرانے بدترین ٹھکانوں کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی ایڑیوں کے نشانوں پر پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ، یاد رکھو کہ تمہیں میرے بعد چھا جانے والی ذلت اور کاٹنے والی تلوار سے دوچار ہونا ہے اور ظالموں کے اس وطیرے سے سابقہ پڑنا ہے کہ وہ تمہیں محروم کر کے ہر چیز اپنے لیے مخصوص کر لیں۔

تشریح لغت (حَاصِب) تیز و تند ہوا جو کنکر اڑا دے، ابونواس نے لفظ ''حصباء'' کو اپنے اس شعر میں استعمال کیا ہے۔

كَأَنَّ صُغْرٰی وَ كُبْرٰی مِنْ فَوَاقِهَا حَصْبَآءُ دَرٍّ عَلٰی اَرْضٍ مِّنَ الذَّهَبُ

قَالَ السَّيِّدُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ: (قَوْلُهٗ (ع) وَ لَا بَقِیَ مِنْكُمْ آبِرٌ يُرْوٰی بالياء والراء مِنْ قَوْلِهِمْ رَجُلٌ آبِرٌ لِلَّذِیْ يَاْبَرُ النَّخْلَ اَیْ يُصْلِحُهٗ وَ يُرْوٰی آثِرٌ بِالثَّاءِ بِثَلَاثِ نُقَطٍ يُرَادُ بِهِ الَّذِیْ يَاْثُرُ الْحَدِيْثَ اَیْ يَرْوِيْهِ وَ يَحْكِيْهِ وَ هُوَ اَصَحُّ الْوُجُوْهِ عِنْدِیْ كَاَنَّهٗ (ع) قَالَ لَا بَقِیَ مِنْكُمْ مُّخْبِرٌ وَ يُرْوٰی آبِزٌ بِالزَّاْیِ الْمُعْجَمَةِ وَ هُوَ الْوَاثِبُ وَ الْهَالِكُ اَيْضًا يُقَالُ لَهٗ آبِزٌ.

علامہ رضی فرماتے ہیں حضرتؑ کے اس ارشاد ''وَ لَا بَقِیَ مِنْكُمْ آبِرٌ يُرْوٰی'' تم میں کوئی اصلاح کرنے والا نہ رہے، میں لفظ آبر باء اور راء کے ساتھ روایت ہوا ہے اور یہ عربوں کے قول ''رَجُلٌ آبِرٌ'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی خرما کے درختوں کے چھانٹنے والے اور ان کی اصلاح کرنے والے کے ہیں اور ایک روایت میں ''آثِرٌ'' ہے اور اس کے معنی خبر دینے والے اور اقوال نقل کرنے والے کے ہیں میرے نزدیک یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے، گویا حضرت یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تم میں کوئی خبر دینے والا نہ بچے اور اس روایت میں ''آبز'' زاء معجمہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی ہیں کودنے والے کے ہیں اور ہلاک ہونے والے کو بھی آبز کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ آبز سے مراد چغل خور ہے۔

(أَبَ) یؤوبُ، یعنی واپس ہوا، (اَعْقَاب) عَقِبٌ کی جمع ہے اور عقب ایڑی کو کہا جاتا ہے۔

(اَلاَ ثُرَۃٌ) کسی چیز سے دوسروں کو محروم کر کے اپنے لیے مخصوص کر لینا۔ اور یہ لفظ ''استیثار'' سے اسم مصدر ہے۔

تشریح

بحارالانوار اور شروح نہج البلاغہ میں مرقوم ہے کہ جب حکمین کا تقرر ہوا تو خوارج نے ''لاحکم الا للّٰہ'' کا نعرہ بلند کیا اور کہا کہ فیصلے کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے، علیؑ کو حاصل نہیں ہے اور انہوں نے حضرتؑ سے مطالبہ کیا کہ ہم نے آپ کو جنگ بندی پہ مجبور کر کے غلطی کی اب ہم اپنی غلطی پر توبہ کرتے ہیں اور آپؑ بھی توبہ کریں۔ اور بعض خوارج نے اس سے بڑھ کر جسارت کرتے ہوئے کہا: آپ نے حکمین کا تقرر کر کے (نعوذ باللہ) کفر کیا ہے، لہٰذا آپ اس کفر کا اقرار کر کے خدا سے توبہ کریں تو ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور آپ کے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ حضرت نے انہیں جو جواب دیا تھا وہ اس سے قبل خطبہ ۳۶ اور خطبہ ۴۰ کی شرح میں ہم بیان کر آئے ہیں، لہٰذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اس جواب کے بعد حضرت نے انہیں بددعا دیتے ہوئے ان کا انجام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(اَصَابَکُمُ حَاصِبٌ) تم پر سخت آندھیاں آئیں، اس سے مقصود عذاب الٰہی ہے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ آسمان سے تم پر پتھر برسیں۔ (وَ لَا بَقِیَ مِنْکُمْ آبِرٌ) اور تم میں کوئی اصلاح کرنے والا باقی نہ رہے۔

حضرتؑ کی یہ بددعا حضرت نوح علیہ السلام کی اس بددعا کے مشابہ ہے:

''رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا. اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا'' (نوح ۲۷)

خدایا! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ، یقیناً اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر و کافر کے علاوہ اولاد نہیں جنیں گے۔

خوارج نے مطالبہ کیا تھا کہ آپؑ اپنے کفر کا اقرار کریں اور توبہ کریں تو ہم آپ کی اطاعت پر آمادہ ہیں۔ حضرتؑ نے ان کی اس جسارت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: (أَبَعْدَ اِیْمَانِیْ بِاللّٰہِ وَ جِھَادِیْ مَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ (ص) اَشْھَدُ عَلیٰ نَفْسِیْ بِالْکُفْرِ) کیا میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول اللہ کے ساتھ ہو کر جہاد کرنے کے بعد اپنے اوپر کفر کی گواہی دے سکتا ہوں؟۔

(لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ) تو پھر میں گمراہ ہو گیا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہا۔ کیونکہ ایمان راسخ کے باوجود اپنے کفر کا اقرار کرنا صریحاً گمراہی و ضلالت ہے۔ مبرد کہتے ہیں کہ جب خوارج نے حضرتؑ سے اصرار کیا کہ آپ کفر کا اقرار کر کے توبہ کریں تو ہم آپ کی اطاعت کریں گے، یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا: ''أَبَعْدَ صُحْبَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَالتَّفَقُّہِ فِی دِیْنِ اللّٰہِ اَرْجِعُ کَافِراً'' کیا رسول خدا (ص) کی صحبت اور دین کی سمجھ حاصل کرنے کے بعد میں کافر بن جاؤں پھر آپ نے یہ شعر پڑھے:

یَا شَاھِدَ اللّٰہِ عَلَیَّ فَاشْھَدِ — اَنِّیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیِّ اَحْمَدِ

مَنْ شَکَّ فِی اللّٰہِ فَاِنِّیْ مُھْتَدِیْ — یَا رَبِّ فَاجْعَلْ فِی الْجِنَانِ مَوْرِدِیْ

اے خدا کے لیے گواہی دینے والے! میرے متعلق گواہی دینا کہ میں احمد مجتبیٰ ؐ کے دین پر ہوں۔

جو کوئی اللہ کے دین میں شک کرتا ہے تو کرتا رہے مگر میں ہدایت یافتہ ہوں، خدایا جنت میں میرا مقام بنانا۔

(فَأُوبُوا شَرَّ مَآبٍ وَ ارْجِعُوا عَلیٰ اَثَرِ الْاَعْقَابِ)تم ذلیل ورسوا ہو کر اپنے ٹھکانے پر واپس آجاؤ اور اپنی ایڑیوں کے نشانوں پر پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ۔

اس جملے کے تین مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

۱۔حضرتؑ نے انہیں دوبارہ جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ ذلیل ورسوا ہو کر دین حق میں واپس آجاؤ۔

۲۔ان کی ذلت وادبار کے لیے بددعا دی ہے۔

۳۔ان الفاظ سے حضرت نے انہیں دھمکی دی ہے، علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرتؑ کے یہ دھمکی آمیز الفاظ قرآن مجید کی اس آیت کے مشابہ ہے:

''وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُم''(توبہ/۱۰۵)اور کہہ دیجئے کہ جو چاہو عمل کرو، اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا۔

(اَمَا اِنَّکُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِیْ ذُلًّا شَامِلًا وَ سَیْفًا قَاطِعًا)یاد رکھو! تمہیں میرے بعد چھا جانے والی ذلت اور کاٹنے والی تلوار سے دوچار ہونا ہے۔حضرتؑ نے ان الفاظ سے ان کے انجام کی بدنصیبی کی پیش گوئی فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ہمیشہ ذلیل ورسوا رہیں گے اور ہدفِ شمشیر قرار پائیں گے۔تاریخ شاہد ہے کہ امیر المومنینؑ کے بعد خوارج کو ہر طرح کی ذلتوں اور خواریوں سے دوچار ہونا پڑا اور جب بھی انہوں نے فتنہ انگیزی کے لیے سر اٹھایا، تو تلواروں اور نیزوں پر دھر لیے گئے۔چنانچہ زیاد بن ابیہ، عبیداللہ بن زیاد، مصعب بن زبیر، حجاج بن یوسف اور مہلب بن ابی صفرہ نے انہیں صفحۂ ہستی سے نابود کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، خصوصاً مہلب نے انیس برس تک ان کا مقابلہ کر کے ان کے سارے دم خم نکال دیئے اور ان کی تباہی وبربادی کو تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ مقام سالسبری میں جب دس ہزار خوارج جنگ وقتال کے لیے سمٹ کر جمع ہو گئے، تو مہلب نے اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ سات ہزار خارجیوں کو تہہ تیغ کر دیا اور بقیہ تین ہزار کرمان کی طرف بھاگ کر جان بچا سکے لیکن والی فارس عبیداللہ بن عمر نے جب ان کی شورش انگیزیاں دیکھیں تو مقام سابور میں انہیں گھیر لیا اور ان میں کافی تعداد وہیں پر ختم کر دی اور جو بچے کھچے رہ گئے وہ پھر اصفہان وکرمان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے وہاں سے پھر جتھا بنا کر بصرہ کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھے تو حارث بن ربیعہ اور عبدالرحمٰن بن مخنف چھ ہزار جنگ آزماؤں کو لے کر ان کا راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور عراق کی سرحد سے نکال باہر کیا یوں ہی تابڑ توڑ حملوں نے ان کی عسکری قوتوں کو پامال کر کے رکھ دیا اور آبادیوں سے نکال کر صحراؤں اور جنگلوں میں خاک چھاننے پر مجبور کر دیا اور بعد میں بھی جب جتھا بنا کر اٹھے تو کچل کر رکھ دیئے گئے۔

(وَ اَثَرَۃً یَتَّخِذُھَا الظَّالِمُوْنَ فِیْکُمْ سُنَّۃً)اور تمہیں ظالموں کے اس وتیرے سے سابقہ پڑنا ہے کہ وہ تمہیں محروم کر کے ہر چیز

اپنے لیے مخصوص کرلیں گے۔

تمہیں عنقریب اپنے کیفر کردار کے لیے ان ظالموں سے سابقہ پڑے گا جو تمہیں قتل کریں گے اور فے وغنائم میں وہ تمہیں کچھ حصہ نہ دیں گے، تمہارا حصہ دوسرے افراد میں تقسیم کردیا جائے گا۔

خطبہ ۵۸

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا عَزَمَ عَلٰى حَرْبِ الْخَوَارِجِ وَ قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْقَوْمَ قَدْ عَبَرُوْا جِسْرَ النَّهْرَوَانِ.

جب آپؑ نے خوارج سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپؑ سے کہا گیا کہ وہ نہروان کا پل عبور کر کے ادھر جا چکے ہیں، تو (آپؑ نے فرمایا:)

مَصَارِعُهُمْ دُوْنَ النُّطْفَةِ وَاللّٰهِ لَا يُفْلِتُ مِنْهُمْ عَشَرَةٌ ع لَا يَهْلِكُ مِنْكُمْ عَشَرَةٌ (يَعْنِىْ بِالنُّطْفَةِ مَاءُ النَّهْرِ ع هِىَ اَفْصَحُ كِنَايَةً عَنِ الْمَاءِ وَ اِنْ كَانَ كَثِيْرًا جَمًّا.

ان کے کی شکست کی جگہ تو پانی کے اسی طرف ہے، خدا کی قسم! ان میں سے دس بھی بچ کر نہ جاسکیں گے اور تم میں سے دس بھی ہلاک نہ ہوں گے۔

سید رضیؒ فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں نطفہ سے مراد نہر فرات کا پانی ہے اور پانی کے لیے یہ بہترین کنایہ ہے چاہے پانی زیادہ بھی ہو۔

تشریح لغت (اَلْجِسر) پل، (اَلْمَصْرع) ہلاکت کی جگہ (اَلنُّطْفَة) نون کی پیش کے ساتھ، صاف وشفاف پانی خواہ کم ہو یا زیادہ اور حدیث میں (نطفتان) کے الفاظ موجود ہیں، یعنی دو صاف وشفاف پانی اس سے مراد بحرِ مشرق اور بحرِ مغرب ہیں یا دو پانیوں سے مراد جدہ کا بحیرہ عرب اور فرات کا پانی ہے اور نہج البلاغہ کے خطبہ میں اس سے مراد آب فرات ہے اس سے قبل خطبہ ۴۷ میں بھی حضرت نے پانی کو لفظِ نطفہ سے تعبیر کیا ہے۔ (اَلْاِفْلات) کسی کے پنجہ سے اچانک آزاد ہوجانا۔

تشریح:

(مَصَارِعُهُمْ دُوْنَ النُّطْفَةِ وَاللّٰهِ لَا يُفْلِتُ مِنْهُمْ عَشَرَةٌ وَلَا يَمْلِكُ مِنْكُمْ عَشَرَةٌ) ان کی شکست کی جگہ تو پانی کے اُس طرف ہے، خدا کی قسم! ان میں دس بھی بچ کر نہ جاسکیں گے اور تم میں سے دس بھی ہلاک نہ ہوں گے۔

حضرتؑ کی یہ پیش گوئی آپ کے معجزات متواترہ میں سے ہے، خوارج میں سے نو آدمیوں کے علاوہ سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، جن میں دو عمان کی طرف، دو سجستان کی طرف، دو کرمان کی طرف اور دو جزیرہ کی طرف بھاگ گئے اور ایک یمن میں تل مورون چلا آیا اور آپ کی جماعت میں سے صرف آٹھ آدمی شہید ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ روبہ بن وبر بجلی ۲۔ سعید بن خالد سبیعی ۳۔ عبداللہ بن حماد اجنی ۴۔ فیاض بن خلیل ازدی ۵۔ کیسوم بن سلمہ جہنی

۶۔عبید بن عبید خولانی ۷۔جمیع بن جشم کندی ۸۔حبیب بن عاصم اسدی

اس سے قبل خطبہ ۳۵ کی شرح میں جنگ نہروان کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے اور موقعہ کی مناسبت سے یہاں صرف مدائنی کی کتاب الخوارج سے ہم ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

جب امیر المومنینؑ خوارج کی سرکوبی کے لیے نہروان کے قریب پہنچے تو ایک سپاہی دوڑتا ہوا آیا اور حضرتؑ سے عرض کی:

''امیر المومنینؑ! آپ کو مبارک ہو''

حضرتؑ نے فرمایا: ''کس بات کی مبارک؟'' سپاہی نے کہا: ''خوارج دریائے فرات عبور کر کے چلے گئے'' آپؑ نے فرمایا: ''کیا تو نے خود انہیں دریا عبور کرتے دیکھا ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں، حضرتؑ نے فرمایا: تین شرعی قسمیں کھا کر کہو کہ وہ ہماری آمد سن کر چلے گئے ہیں۔

اس نے آپؑ کے سامنے تین مرتبہ قسم کھا کر کہا کہ وہ جا چکے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! انہوں نے فرات عبور نہیں کیا اور وہ ہرگز فرات عبور نہ کر سکیں گے، انہوں نے تو فرات کے اس طرف قتل ہونا ہے، مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جان کو پیدا کیا وہ اثلث اور قصر بوران کبھی نہیں پہنچ پائیں گے، انہوں نے تو دریا کے اس طرف قتل ہونا ہے اور افترا کرنے والا ناکام رہا''

راوی کہتا ہے: پھر دوسرا سوار گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بھی وہی خبر دی۔ مگر حضرتؑ نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

امیر المومنین علیہ السلام گھوڑے کی پشت پر سوار ہوئے اور دریا کی طرف چل پڑے۔

حضرتؑ کی فوج میں سے ایک جوان کہتا ہے کہ میں بھی نیزہ لے کر حضرتؑ کے قریب چلا گیا اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر خوارج نے دریائے فرات کو عبور کیا ہوگا تو میں یہی نیزہ علیؑ کے سینے میں پیوست کر دوں گا کیونکہ وہ علم غیب کا دعویدار بنتا ہے۔ جب حضرتؑ فوج لے کر دریا کے قریب پہنچ گئے تو خوارج کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالے ہیں اور گھوڑوں کی کونچیں کاٹ دی ہیں اور خود گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور سب نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ آپؑ کے تشریف لاتے ہی وہ پیدل چل پڑیں گے۔ چنانچہ جب آپؑ تشریف لے آئے تو ان سب نے مل کر بلند آواز سے کہا: ''پیدل چلو''

یہ کیفیت دیکھ کر وہ جوان اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور مولا علیؑ کی خدمت میں عرض کی: ''یا امیر المومنینؑ! اب سے کچھ دیر پہلے تک میں آپؑ کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا تھا، مگر اب میں خدا سے توبہ کرتا ہوں اور آپؑ سے بھی معافی مانگتا ہوں، لہٰذا آپؑ مجھے معاف کر دیں''

مولاؑ نے فرمایا: ''خدا ہی گناہوں کے معاف کرنے والا ہے، میں بھی تمہارے گناہوں کی خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں''

ایک علمی تحقیق

شارح معتزلی کہتے ہیں کہ: یہ خبر اپنی شہرت کی بنا پر ''اخبارِ متواترہ'' میں شمار ہوتی ہے اور اسے تمام لوگوں نے نقل کیا ہے اور یہ آپؑ کے معجزات اور غیب سے متعلق خبر سے تعلق رکھتی ہے اور خبر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ خبریں جو اجمالی طور پر ہوتی ہیں، ایسی خبروں کا شمار معجزات میں نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ: ''جب کل صبح تم اپنے دشمن کا سامنا کرو گے تو تمہاری فتح یقینی ہے''

چنانچہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو اس کے ساتھی اسے ''معجزہ'' کہیں گے اور ان کے نزدیک یہ حجت بن جائے گا، لیکن اگر کامیابی تمہارے نصیب نہیں ہوئی تو کہے گا: ''میں کیا کروں اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تمہاری نیتیں ہی خراب ہو گئی تھیں، اسی لیے کامیابی تمہارے نصیب نہیں ہوئی اور اللہ نے تم سے اپنی نصرت روک لی''

جبکہ غیب سے متعلق جن دوسری قسم کی خبروں کا تعلق ہے وہ ''مفصل خبریں'' کہلاتی ہیں، ان میں کسی قسم کی فریب کاری یا تلبیس نہیں ہوگی۔

مثلاً جنگ سے پہلے اپنی اور خوارج کی فوج کے بارے میں بچ جانے والی اور قتل ہو جانے والی تعداد کا متعین کرنا اور جنگ کے بعد تعداد کا کسی کمی بیشی کے بغیر پورا اترنا، ایک امر الٰہی ہے جو آپؑ کو رسول خدا (ص) کی طرف سے بتایا گیا ہے اور رسول خدا (ص) کو خداوند عالم نے بتایا ہے، یقیناً انسانی قوت ایسا کرنے سے قاصر ہے۔ ہر ایک کی صحیح صحیح تعداد سے آگاہ کر دینا عام انسان کی حدود پرواز سے باہر ہے یہ حکم اس کی باطن بین نگاہیں لگا سکتی ہیں کہ جو غیب کے پردے الٹ کر آنے والے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور علم امامت کی چھوٹ مستقبل کے صفحہ پر ابھرنے والے نقوش اس کو دکھا رہی ہو، چنانچہ اس وارث علم نبوت نے جو فرمایا تھا، وہی ہوا۔

حضرت کے معجزات و تصرفات کو دیکھ کر بہت سے ناقص ذہن گمراہ ہو گئے اور حضرت کے متعلق غلو سے کام لینے لگے۔

بعض کم ظرف افراد نے حضرت کے متعلق دعویٰ کیا کہ حضرت امیر علیہ السلام کے بدن میں جوہرِ الٰہی نے حلول کیا ہوا تھا اور جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق غلو کیا، اسی طرح سے بہت سے لوگوں نے حضرتؑ کے متعلق بھی غلو سے کام لیا۔

مذمت غلو

جناب رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ کچھ لوگ ان سے عداوت کریں گے اور بعض لوگ ان کی محبت میں غلو کریں گے اور حضرت رسول اکرمؐ کی مشہور حدیث ہے:

''یَا عَلِیُّ یَھْلِکُ فِیْکَ مُحِبٌّ غَالٍ وَّ مُبْغِضٌ قَالٍ''

اے علیؑ! تیرے متعلق غلو کرنے والا اور بغض رکھنے والا دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔

ایک مرتبہ رسالت مآب ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَا اَنْ اَشْفَقَ اَنْ یَّقُوْلَ طَوَائِفُ مِنْ

اُمَّتِیْ فِیْکَ مَا قَالَتِ النَّصَارٰی فِی ابْنِ مَرْیَمَ لَقُلْتُ الْیَوْمَ فِیْکَ مَقَالًا لَا تَمُرُّ بِمَلَإٍ مِنَ النَّاسِ اِلَّا اَخَذُوا التُّرَابَ مِنْ تَحْتِ قَدَمَیکَ لِلْبَرَکَةِ ''

اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ اختیار میں میری جان ہے اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میری امت کے گروہ تمہارے متعلق وہی کچھ کہنے لگیں گے جو نصاریٰ نے عیسی بن مریم کے لیے کہا تھا تو آج میں تمہارے لیے وہ فضائل بیان کرتا کہ تم جہاں سے بھی گزرتے لوگ برکت کے حصول کے لیے تمہارے قدموں می خاک اٹھاتے پھرتے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں سب سے پہلا غالی عبداللہ بن سبا تھا، حضرت ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے کہ وہ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: ''اَنْتَ اَنْتَ'' تو ہے، تو ہے اور مسلسل اس جملہ کی تکرار کرتا رہا۔

حضرتؑ نے فرمایا: تجھ پر ہلاکت ہو اب کہہ بھی دو کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: تو اللہ ہے۔

امیر المومنینؑ نے حکم دیا کہ اسے اور اس کے ہمنوا افراد کو گرفتار کرلیا جائے۔

ابوالعباس نے احمد بن عبیداللہ سے، اس نے عمار ثقفی سے، اس نے علی بن محمد بن سلیمان سے، اس نے اپنے باپ سے اور اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''یَهْلِکُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُطْرٍ یَّضَعُنِیْ غَیْرَ مَوْضِعِیْ وَ یَمْدَحُنِی بِمَا لَیْسَ فِیَّ وَ مُبْغِضٌ مُفْتَرٍ یَرمِیْنِی بِمَا اَنَا مِنْهُ بِرِیْٓءٌ''

میرے متعلق دو شخص ہلاک ہوجائیں گے، غلو کرنے والا محبّ جو مجھے اس منصب پر سمجھے جو میرا منصب نہیں اور میری وہ مدح کرے جو مجھ میں موجود نہیں ہے اور افترا کرنے والا دشمن جو میری طرف ان امور کی نسبت دے جن سے میں بری ہوں۔

ابوالعباس کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا یہ فرمان رسول خداؐ کی اس حدیث کی تاویل ہے، انہوں نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

''یا علیؑ! تمہاری مثال حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ جیسی ہے جنہیں نصاریٰ نے محبت میں آکر حدے سے بڑھا دیا اور یہودیوں نے ان کی والدہ پر ناروا تہمیں لگا کر ان سے اظہارِ دشمنی کیا''

ابوالعباس کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کی محبت میں شیطان کی گمراہی کا شکار ہوچکے ہیں یہاں تک وہ اپنے رب کے منکر اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرکے آپؐ کو رب اور معبود مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''آپؑ ہی خالق اور رازق ہیں!'' مولا نے انہیں اس عقیدہ سے توبہ کرنے کا کہا اور توبہ نہ کرنے پر قتل کی تہدید کی، مگر وہ اپنے قول پر باقی رہے۔

اس پر آپؑ نے زمین میں گڑھا کھود کر اس میں آگ جلانے کا حکم دیا اور اس کے دھوئیں کے ذریعہ سزا بھی دی مگر وہ اپنے اس عقیدہ سے باز نہ آئے تو آپؑ نے انہیں اسی آگ میں جلا دیا۔

شارح کہتے ہیں: کتاب ''المقالات'' میں ہمارے علماء کا بیان ہے کہ جب آپؑ نے ان لوگوں کو آگ میں جلایا تو زور زور سے کہنے لگے کہ اب ہمارے لیے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ آپؑ ہی ''خدا'' ہیں، کیونکہ آپؑ نے اپنے جس چچازاد بھائی (یعنی حضرت

محمدؐ) کو رسول بنا کر بھیجا، اسی کا فرمان تھا کہ ''لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ'' آگ کے ذریعہ صرف آگ کا رب ہی عذاب دے سکتا ہے۔

ابوالعباس محمد بن سلیمان بن حبیب مصیصی سے اور وہ علی بن محمد نوفلی سے اور وہ اپنے والد اور اساتذہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''مولا علیؑ ایک مرتبہ ان لوگوں کے پاس سے گزر رہے تھے، رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور وہ دن کو کھانا کھا رہے تھے، آپؑ نے ان سے پوچھا: آیا تم مسافر ہو یا مریض؟'' انہوں نے کہا: انہوں نے کہا: نہ مسافر ہیں نہ بیمار ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: تو کیا تم اہلِ کتاب ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہم اہلِ کتاب نہیں ہیں۔

پھر حضرتؑ نے فرمایا: پھر کیا وجہ ہے کہ تم ماہِ رمضان میں دن کے وقت کھانا کھا رہے ہو؟

انہوں نے کہا: تو ہے، تو ہے۔ ان الفاظ سے حضرتؑ ان کا مفہوم سمجھ گئے اور آپ اپنے گھوڑے سے اترے اور اپنے رخسار کو زمین پر رکھا اور پھر فرمایا: تم پر ہلاکت ہو، میں بھی بندگانِ خدا میں سے ایک بندہ ہوں، خدا سے ڈرو اور اسلام میں دوبارہ داخل ہو جاؤ۔ اس گروہ نے آپؑ کے فرمان کو تسلیم نہ کیا، حضرتؑ نے کئی بار انہیں دعوت دی اور کفریہ عقائد سے توبہ کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ اپنی بات پر جمے رہے، پھر آپؑ نے حکم دیا کہ انہیں گرفتار کیا جائے، مزدور اور لکڑیاں لائی جائیں، جب مزدور آ گئے اور لکڑیاں بھی جمع ہو گئی تو آپ نے مزدوروں کو دو گڑھے تیار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کے درمیان سوراخ ہونا چاہیے ایک گڑھے کا منہ کھلا رکھا گیا اور دوسرے گڑھے کا منہ بند رکھا گیا۔

ایک گڑھے میں آگ جلائی گئی تو اس کا دھواں دوسرے گڑھے میں جمع ہو گیا، حضرت نے اس گروہ کو دھوئیں والے گڑھے میں ڈال دیا اور انہیں بار بار توبہ کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ اپنے نظریہ پر قائم رہے اور کسی طرح سے بھی توبہ پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت نے انہیں آگ میں ڈال کر جلا دیا۔

ابوالعباس کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت کے پاس آپؑ کے دوستوں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، ابن عباس نے حضرتؑ سے عبداللہ بن سبا کی سفارش کی اور کہا کہ یہ آپ کے فرمان کے تحت توبہ کر چکا ہے اسے مت جلائیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں اسے اس شرط پر رہا کر رہا ہوں کہ یہ کوفہ میں رہنے نہ پائے۔ عبداللہ بن سبا نے پوچھا: تو پھر میں کہاں جاؤں؟ حضرتؑ نے فرمایا: تو مدائن چلا جا، وہ حضرتؑ کے حکم سے مدائن چلا گیا، امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد اس نے لوگوں کو اپنے عقائد کی دعوت دینی شروع کی اور چند افراد اس کے پیرو بن گئے اور وہ بد بخت حضرتؑ کی شہادت کا انکار کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر علیؑ کا دماغ میرے سامنے ستر تھیلیوں میں بھی لایا جائے تو بھی میں ان کی موت کا اعتبار نہیں کروں گا اور علیؑ اس وقت تک مر ہی نہیں سکتے جب تک تمام عرب کو اپنی عصا سے نہ ہانکیں۔

جب ابن عباس کو اس کے ان عقائد کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا: ''اگر ہمیں علیؑ کی زندگی کا علم ہوتا تو ان کی عورتوں کو بیوہ قرار نہ دیتے اور ان کی میراث کبھی تقسیم نہ کرتے''

اصحاب مقالات بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا نے مدائن میں اپنے ہم خیال افراد کا جتھا بنالیا تھا، جو یہ کہا کرتے تھے کہ اگر علیؑ اللہ نہ ہوتے تو غیب کی خبریں کیسے دیتے اور علیؑ کی ذات کے لیے دو میں سے ایک عقیدہ رکھنا ضروری ہے، انہیں اللہ مانا جائے یا کم از کم تسلیم کیا جائے کہ اللہ علیؑ کے وجود میں حلول کر چکا تھا، اسی لیے علیؑ اللہ کے کام کیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

غلاۃ ومفوضہ کے متعلق شیعی نقطہ نظر

اب جبکہ گفتگو اس مقام پر پہنچ چکی ہے تو ہم بہتر محسوس کرتے ہیں کہ غلو وتفویض پر تفصیلی گفتگو کی جائے اور تفویض کی اقسام بیان کی جائیں اور مزید یہ کہ تفویض کی کونسی قسم ممنوع اور کون سی جائز ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنے اعتقادیہ میں رقم طراز ہیں: ''اِعْتِقَادُنَا فِی الْغُلَاۃِ وَالْمُفَوِّضَۃِ اَنَّھُمْ کُفَّارٌ بِاللّٰہِ جَلَّ جَلَالُہٗ وَ اَنَّھُمْ شَرٌّ مِنَ الْیَھُوْدِ وَ النَّصَارٰی وَالْمَجُوْسِ وَالْقَدْرِیَّۃِ وَ الْحُرُوْرِیَّۃِ وَ مِنْ جَمِیْعِ اَھْلِ الْبِدَعِ وَ الْاَ ھْوَآءِ الْمُضِلَّۃِ.....''

غلاۃ ومفوضہ کے متعلق ہمارا اعتقادیہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں، وہ یہود، نصاریٰ، مجوس، قدریہ اور خوارج وجملہ اہل بدعت و گمراہ کن خواہشات رکھنے والے تمام فرقوں سے بدتر ہیں، کیونکہ غلاۃ ومفوضہ نے جس طرح سے اللہ کی تحقیر کی ہے، اتنی تحقیر کسی اور نے کبھی نہیں کی، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''مَاکَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا. اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' (سورہ آل عمران ۷۹، ۸۰)

کسی آدمی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ خدا تو اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ (وہ تو کہے گا) کہ تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم اللہ کی کتاب پڑھاتے رہتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو اور وہ تم سے یہ کبھی نہ کہے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بنالو تو بھلا کہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ تمہارے مسلمان ہوجانے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو غلو سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ'' (سورہ نساء ۱۷۱)

اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کی شان میں سچ کے سوا کوئی بات نہ کہو۔

نبی اور ائمہ علیہم السلام کے متعلق ہمارا اعتقادیہ ہے کہ ان میں سے بعض تلوار سے شہید ہوئے اور بعض زہر سے شہید ہوئے اور موت ان پر حقیقتاً وارد ہوئی اور ان کی موت کا معاملہ کہیں بھی مشتبہ نہیں رہا جیسا کہ حد اعتدال سے تجاوز کرنے والے بعض افراد کا خیال ہے.....

امام علی رضا علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ اِلَیْکَ مِنَ الْحَوْلِ وَالْقُوَّۃِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ

خداوندا! میں تیرے حضور ہر قسم کی قوت وطاقت سے بری ہوں اور تیرے علاوہ کسی کی کوئی قوت وطاقت نہیں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ وَ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِنَ الَّذِیْنَ ادَّعُوْا لَنَا مَا لَیْسَ لَنَا بِحَقٍّ

پروردگارا! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں جنہوں نے ہمارے لیے ان امور کا دعویٰ کیا جو حق نہیں ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا فِیْنَا مَا لَمْ نَقُلْہُ فِیْ اَنْفُسِنَا

پروردگارا! میں ان لوگوں سے بری ہوں جو ہمارے بارے میں وہ باتیں کرتے ہیں جو ہم نے نہیں کہی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْخَلْقُ وَ مِنْکَ الرِّزْقُ وَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

خداوندا! پیدا کرنا بھی تیرا کام ہے اور رزق دینا بھی تیرا کام ہے اور ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ خَالِقُنَا وَ خَالِقُ آبَائِنَا الْاَوَّلِیْنَ وَ آبَائِنَا الْآخِرِیْنَ

خداوندا! تو ہی ہمارا خالق ہے اور ہمارے اولین وآخرین آباء واجداد کا خالق ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَلِیْقُ الرُّبُوْبِیَّۃُ اِلَّا بِکَ وَلَا تَصْلَحُ الْاِلٰھِیَّۃُ اِلَّا لَکَ

خدایا! ربوبیت صرف تیرے ہی شایانِ شان ہے۔ اور معبود بھی صرف تو ہے۔

فَالْعَنِ النَّصَارٰی الَّذِیْنَ صَغَّرُوْا عَظَمَتَکَ

پس تو ان نصاریٰ پر لعنت بھیج جنہوں نے تیری عظمت کو حقیر جانا

وَ الْعَنِ الْمُضَاھِئِیْنَ لِقَوْلِھِمْ مِنْ بَرِیَّتِکَ

اور کائنات میں جو بھی ان جیسی باتیں کرتا ہے ان پر بھی لعنت بھیج۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا عَبِیْدُکَ وَ اَبْنَآءُ عَبِیْدِکَ لَا نَمْلِکُ لِاَنْفُسِنَا نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا نُشُوْرًا

بارالٰہا! ہم سب تیرے ہی بندے ہیں اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں، ہم اپنی طرف سے نہ تو اپنے نفع نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی موت وحیات اور دوبارہ اٹھائے جانے کے۔

اَللّٰھُمَّ مَنْ زَعَمَ اَنَّنَا اَرْبَابٌ فَنَحْنُ مِنْہُ بُرَآءٌ وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ اِلَیْنَا الْخَلْقُ وَ عَلَیْنَا الرِّزْقُ فَنَحْنُ مِنْہُ بُرَآءُ کَبَرَآئَۃِ عِیْسٰی بْنِ مَرْیَمَ مِنَ النَّصَارٰی

اے اللہ! جو یہ گمان کرتا ہے کہ پیدا کرنا اور رزق دینا ہمارا کام ہے، تو ہم اس سے اظہارِ برائت کرتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے نصاریٰ سے کیا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا لَمْ نَدْعُھُمْ اِلٰی مَا یَزْعُمُوْنَ

اے اللہ! ہم نے انہیں نہیں کہا جو وہ گمان کرتے ہیں۔

فَلا تُؤَاخِذْنَا بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَاغْفِرْنَا مَا يَدْعُوْنَ وَلَا تَدَعْ عَلَى الْاَرْضِ مِنْهُمْ دَيَّارًا

پس تو اس کا مواخذہ نہ فرما اور جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اس سے ہمیں معاف رکھ اور روئے زمین پر ان میں سے کسی رہنے والے کو زندہ نہ رکھ۔

اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَکَ وَلَا يَلِدُ وا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا

کیونکہ اگر انہیں زندہ رکھے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر و نافرمان اولاد پیدا کریں گے۔

زرارہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ: عبداللہ بن سبا کی اولاد سے ایک شخص ''تفویض'' کا قائل ہے۔ امامؑ نے پوچھا: تفویض کیا ہوتی ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اللہ حضرت محمد وعلی علیہما السلام کو پیدا کر کے تمام امور ان کے حوالے کر دیئے اور ساری کائنات کو انہوں نے پیدا کیا اور انہوں نے رزق دیا اور انہوں نے موت و حیات دی، یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

دشمنِ خدا نے جھوٹ کہا، جب تم اس کے پاس واپس جاؤ تو اس کے سامنے سورہ رعد کی یہ آیت پڑھنا:

''اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ . قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ''

(رعد ۱۶)

ان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں، کیا انہوں نے خدا ہی کی سی مخلوق پیدا کر رکھی ہے، جس کے سبب مخلوقات ان پر مشتبہ ہوگئی ہے اور (ان کی خدائی کے قائل ہوگئے) کہہ دیجئے کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔

زرارہ کا بیان ہے جب میں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی تو یوں لگا جیسے میں نے ان کے منہ پر پتھر پھینک دیا ہو اور وہ لاجواب ہوگیا۔

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے امرِ دین کو نبی کے حوالے کیا ہے ارشاد فرمایا:

''مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا''

جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ (حشر/۷)

یہی امرِ دین اللہ نے ائمہؑ کو تفویض کیا ہے۔

اس کلام کی شرح کرتے ہوئے شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لغت میں ''غلوٰ'' حد اعتدال سے نکلنے اور صحیح راہ سے ہٹنے کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُوْا فِیْ دِيْنِكُمْ وَلاَ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ.'' (مائدہ/۷۷)

یعنی اے اہلِ کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور خدا کی شان میں سچ کے سوا کوئی دوسری بات نہ کہو۔

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو تلقین کی کہ وہ مسیحؑ کے متعلق حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں اور راہِ حق سے انحراف نہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے دعویٰ کو ''غلوٰ'' قرار دیا، کیونکہ ان کا دعویٰ حد اعتدال سے تجاوز کر رہا تھا اور اسلام میں فرقہ غلاۃ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے

جوامیر المومنینؑ اوران کی ذریت طاہرہ کی طرف الوہیت ونبوت کی نسبت دیتے ہیں اور ذواتِ قدسیہ کی فضیلت کے متعلق حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں اورانہوں نے درمیانے راستے کو چھوڑ دیا ہے، وہ لوگ گمراہ اور کافر ہیں۔امیر المومنین علیہ السلام نے ان ہی کے متعلق قتل اور آگ میں جلانے کا فیصلہ فرمایا تھا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے بھی انہیں کافر اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔

مفوضہ بھی غلاۃ کی ایک قسم ہے اور مفوضہ اور دیگر غالیوں میں بنیادی طور پر یہی فرق ہے کہ مفوضہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کو حادث تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تو ان کا خالق تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ذوات طاہرہ کو خلق کیا اور تمام کائنات کو ان ذوات قدسیہ نے خلق کیا جبکہ دوسرے غالی تو انہیں براہِ راست اللہ کہتے ہیں، یا اللہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کے اجسام میں حلول کیا ہے۔

محدث علامہ مجلسی طاب ثراہ رقم طراز ہیں: ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے نبی اکرمؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے متعلق غلو یہ ہے کہ ان کی الوہیت کا اعتقاد رکھا جائے یا یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ ذوات طاہرہ معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں یا خلق ورزق میں اللہ کے شریک ہیں، یا ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ ان میں حلول کر چکا ہے یا ان سے متحد ہو چکا ہے یا یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ائمہ ہدیٰ اللہ کی وحی و الہام کے بغیر علمِ غیب جانتے ہیں، یا یہ نظریہ رکھا جائے کہ ائمہ ہدیٰ انبیاء ہیں یا یہ کہا جائے کہ ان کی روحیں بطور تناسخ ایک دوسرے میں منتقل ہوتی ہیں یا یہ کہا جائے کہ ان کی معرفت تمام احکامِ شریعت سے مستغنی کر دیتی ہے اور ان کی معرفت کے بعد گناہ ترک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

درجِ بالا تمام نظریات الحاد اور کفر ہیں اور دینِ اسلام سے خارج ہونے کا باعث ہیں اور اس پر ادلہ عقلیہ آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے 'غلاۃ'' سے اظہارِ بیزاری کیا ہے اور ان کے کفر کا حکم دیا ہے ان کے قتل کا امر صادر فرمایا ہے۔اگر آپ کبھی ایسی احادیث سنیں جن سے غلو اور تفویض کا عقیدہ واضح ہوتا ہو تو ایسی روایات یا تو قابلِ تاویل ہیں یا غلاۃ کی ساختہ پرداختہ ہیں۔لیکن اس مقام پر ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں بعض متکلمین ومحدثین کو ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی معرفت حاصل نہ تھی اور ان کے غرائب احوال اور عجائبات کے ادراک سے قاصر تھے، تو انہوں نے ثقہ رواۃ پر بھی جرح کی اور بات بات پر غلو کے فتوے صادر کیے ہیں اور حد یہ ہے کہ بعض اہلِ علم نے یہاں تک فتویٰ دے دیا کہ ائمہ ہدیٰؑ سے سہو کی نفی بھی غلو ہے اور یہاں تک کہا کہ ائمہ کے متعلق علم ما کان وما یکون کا عقیدہ رکھنا بھی غلو ہے (ایسے تمام فتاویٰ افراط پر مبنی ہیں) بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ ''لَا تَقُوْلُوْا فِیْنَا رَبًّا وَّ قُوْلُوْا مَا شِئْتُمْ وَ لَن تَبْلُغُوْا'' تم ہمیں رب نہ کہو اس کے علاوہ جو چاہو کہو تم ہماری انتہائے فضیلت کو ہرگز نہیں پا سکو گے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث بھی وارد ہے:

''اِنَّ اَمْرَنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا یَحْتَمِلُهٗ اِلَّا مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ اَوْ نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ اَوْ عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ لِلْاِیْمَان'' ہمارا امر ولایت مشکل در مشکل ہے اسے ملک مقرب یا نبی مرسل یا اس مومن کے سوا کوئی برداشت نہیں کر سکتا کہ جس کے دل کا اللہ نے ایمان کے لیے امتحان لے لیا ہو۔

علاوہ ازیں یہ حدیث بھی وارد ہے: ''لَوْ عَلِمَ اَبُوْذَر مَا فِیْ قَلْبِ سَلِمَانَ لَقَتَلَهٗ '' اگر ابوذر کو علم ہو جائے کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو اسے قتل کر دے۔

اسی لیے ایک دیندار شخص کا فرض ہے کہ وہ آلِ محمدؐ کے فضائل و معجزات سن کر ان کی تردید میں جلد بازی سے کام نہ لے، ہاں جب یہ دیکھے کہ مذکورہ روایات و معجزات ضروریاتِ دین یا براہین قاطعہ اور آیات محکمہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہیں تو پھر تردید کرے۔

''غلو'' کی تحقیق و توضیح کے لیے علامہ مجلسی علی اللہ مقامہ کا یہ فرمان کافی و شافی ہے اور یہی راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم ہے، اس سے منہ موڑنے والا حق کی سرحدوں سے نکلنے والا ہے اور اس سے رابطہ استوار رکھنے والا منزل حق کو پانے والا اور اس سے تقصیر کرنے والا باطل کا پیروکار ہے۔

تفویض

بہت سی احادیث میں عقیدۂ تفویض سے روکا گیا ہے اور محدثین نے دل کھول کر مفوضہ کی مذمت، تکذیب اور اظہارِ بیزاری کیا ہے، اسی لیے ہمارے علماء کی اکثریت نے عقیدہ تفویض کی نفی کی ہے اور اس کا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری منصفانہ رائے یہ ہے کہ تفویض کی مکمل نفی، تفریط اور تفویض کا مکمل اثبات، افراط پر مبنی ہے، کیونکہ تفویض کے اثبات و نفی دونوں کے متعلق روایات حد استفاضہ تک پہنچی ہوئی ہیں اگرچہ یہ روایات حد تواتر تک نہیں پہنچتیں قدرت و طاقت مترشح ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر دونوں نظریات کو سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں نظریات غلط ہیں اور انتہا پسندی پر مبنی ہیں۔

قدریہ کے نظریہ میں شرک کی آمیزش پائی جاتی ہے اور جبریہ کے نظریہ میں کفر مضمر ہے۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام نے دونوں نظریات کی سختی سے تردید کی ہے اور ''حد اوسط'' کو صحیح عقیدہ قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

''لا جَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ بَلْ اَمْرٌ بَّیْنَ اَمْرَیْن '' نہ جبر صحیح ہے اور نہ ہی تفویض کا عقیدہ درست ہے بلکہ معاملہ دو امور کے درمیان ہے۔

جبر و تفویض کے درمیان کیا عقیدہ ہونا چاہیے اس کی وضاحت انشاء اللہ ہم کسی مناسب موقع پر کریں گے۔

تفویض کا دوسرا پہلو

تفویض کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ امور خلق نبی اکرم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے سپرد ہیں اور اس عقیدہ کی کئی شاخیں ہیں، جن میں سے کچھ درست ہیں اور کچھ باطل ہیں۔

تفویض کی پہلی شاخ

تفویض کی پہلی شاخ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ پیدا کرنا، مارنا، رزق دینا اور صحت و بیماری کو نفوس قدسیہ کی طرف منسوب کر کے یہ کہا جائے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خلق کرتے ہیں، رزق دیتے ہیں، زندگی اور موت دیتے ہیں، جیسا کہ اکثر غالیوں کا یہی نظریہ

ہے۔

اس نظریہ کے متعلق ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر اس نظریہ رکھنے والوں کا مقصود یہ ہے کہ امورِ تکوین محمد وآل محمدؐ اپنے ارادہ اور قدرت سے سرانجام دیتے ہیں اور وہی اس کے فاعل حقیقی ہیں، اور ان کی گفتگو سن کر بھی ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کا مقصود بھی یہی ہے، تو یہ نظریہ واضح کفر ہے اور دلائل عقلیہ ونقلیہ اس کی معارض ہیں۔

۱۔صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب عیون اخبار الرضا میں امام علی رضا علیہ السلام کا یہ فرمان نقل کیا ہے، آپؑ نے فرمایا:

''مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ اَفْعَالَنَا ثُمَّ يُعَذِّبُنَا فَقَدْ قَالَ بِالْجَبْرِ وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰهَ فَوَّضَ اَمْرَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ اِلٰى حُجَجِهٖ فَقَدْ قَالَ بِالتَّفْوِيْضِ وَ الْقَآئِلُ بِالْجَبْرِ كَافِرٌ وَّ الْقَآئِلُ بِالتَّفْوِيْضِ مُشْرِكٌ''

جو یہ گمان کرے کہ اللہ ہم سے افعال سرزد کراتا ہے پھر ہمیں اس پر عذاب بھی دے گا تو اس نے عقیدۂ جبر اختیار کیا اور جو یہ گمان کرے کہ اللہ نے خلق ورزق کا معاملہ ہادیانِ دین کے سپرد کر دیا ہے تو ایسا شخص عقیدہ تفویض کا قائل ہے، جبر کا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اور تفویض کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔

۲۔عَنْ اَبِیْ هَاشِمِ الْجَعْفَرِیّ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَاالْحَسَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْغُلَاةِ وَالْمُفَوِّضَةِ فَقَالَ: اَلْغُلَاةِ كُفَّارٌ وَّالْمُفَوَّضَةُ مُشْرِكُوْنَ مَنْ جَالَسَهُمْ اَوْ خَالَطَهُم اَو وَاكَلَهُمْ اَوْ شَارَبَهُمْ اَوْ وَاصَلَهُمْ اَوْ زَوَّجَهُمْ اَو تَزَوَّجَ اِلَيْهِمْ اَوْ اَمَنَهُمْ اَوِ ائْتَمَنَهُمْ عَلٰى اَمَانَتِهٖ اَوْ صَدَّقَ حَدِيْثَهُمْ اَوْ اَعَانَهُمْ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ، خَرَجَ مِن وِلَايَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ وِلَايَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ وِلَايَتِنَا اَهْلِ الْبَيْتِ.

ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے غالیوں اور مفوضہ کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے فرمایا: غالی کافر اور مفوضہ مشرک ہیں، جو ان سے نشست وبرخاست رکھے یا ان سے تعلقات قائم کرے یا ان پر بھروسہ کرے یا ان کا ہم پیالہ بنے یا ان سے تعلق رکھے یا انہیں رشتہ دے یا خود ان سے رشتہ حاصل کرے یا ان کا امین بنے یا ان کے پاس اپنی کوئی امانت رکھے یا ان کی بات کی تصدیق کرے یا کسی لفظ کے ساتھ ان کی مدد کرے تو وہ اللہ اور رسولؐ اور ہم اہلِ بیتؑ کی سرپرستی سے نکل گیا۔

۳۔بحار الانوار میں بحوالہ رجال کشی منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنی زوجہ ام عمرو کے گھر تشریف فرما تھے کہ قنبر آئے اور عرض کی: مولا! دروازے پر دس افراد کھڑے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپؑ ہمارے رب ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: انہیں میرے پاس لاؤ، جب وہ افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؑ نے فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپؑ ہمارے رب ہیں اور ہمیں آپ ہی نے پیدا کیا اور آپؑ ہی ہمیں رزق عطا کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تمہارا برا ہو میرا اور تمہارا رب اللہ ہے، تم توبہ کرو اور دینِ اسلام میں دوبارہ داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس نظریہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے، آپؑ ہی ہمارے رب، خالق اور رازق ہیں۔

حضرت نے قنبر کو حکم دیا کہ جاؤ مزدور لے آؤ، قنبر دس مزدور لے کر آ گئے حضرت نے مزدوروں کو حکم دیا کہ وہ خندق کھودیں، جب خندق کھد گئی تو حضرتؑ نے اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلائی اور ان افراد کو توبہ کا حکم دیا، لیکن انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت نے انہیں آگ میں ڈال کر جلا دیا۔

اس سلسلہ میں حضرتؑ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

اِنِّیْ اِذَا اَبصرْتُ شَیْئًا مُنْکَرا اَوْقَدتُّ نَارِی وَ دَعَوْتُ قَنْبَرا

میں جب بھی کوئی غلط کام دیکھتا ہوں تو آگ جلا کر قنبر کو بلا لیتا ہوں۔

۴۔ یاسر خادم کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ سے عرض کی: ''آپؑ تفویض کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟''

حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے امرِ دین اپنے نبیؐ کے سپرد کیا اور فرمایا: ''مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوا'' جو رسول تمہیں دیں، لے لو اور جس سے روکیں، رک جاؤ۔ (حشر ۱/۷) لیکن خلق و رزق رسول کے حوالہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور اس کا فرمان ہے: ''اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ. ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ. سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ '' (روم/۴۰)

وہی اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو اس طرح سے کچھ کر سکے، وہ پاک اور بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

۵۔ احتجاج طبرسی اور عیون اخبار الرضا میں علی بن احمد دلال قمی سے مروی ہے، اس نے کہا کہ شیعوں کی ایک جماعت میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ''کیا اللہ تعالیٰ نے خلق و رزق ائمہ کو تفویض کیا ہے یا نہیں؟'' ایک گروہ نے کہا: یہ محال ہے اور یہ اللہ کے حق میں جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ کے علاوہ اجسام کو کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔

اس کے برعکس چند دوسرے افراد نے کہا کہ اللہ نے ائمہ کو اس کی قدرت عطا کی ہے اور اختیارات انہیں تفویض فرمائے ہیں، چنانچہ انہوں نے خلق بھی کیا اور رزق بھی عطا کیا۔

الغرض اس مسئلہ کی وجہ سے ان میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ تو ایک شخص نے کہا: تم لوگ اس اختلاف کے لیے ابوجعفر محمد بن عثمان کی طرف رجوع کیوں نہیں کر لیتے تاکہ تمہارے لیے حق واضح ہو جائے اور وہ امام زمانہ (عج) کے مقرر کردہ نائب ہیں، تمام لوگوں کو یہ بات پسند آئی اور مسئلہ لکھ کر ابوجعفر کے پاس بھیج دیا، ابوجعفر نے وہ مسئلہ امام زمانہؑ کی خدمت میں پیش کیا تو وہاں سے توقیع مبارک برآمد ہوئی جس میں تحریر تھا۔

''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَجْسَامَ وَ قَسَّمَ الْاَرْزَاقَ، لِاَنَّہٗ لَیْسَ بِجِسْمٍ وَّلَا حَالٌّ فِیْ جِسْمٍ، لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر، فَاَمَّا الْاَئِمَّۃُ فَاِنَّھُمْ یَسْأَلُوْنَ اللّٰہَ فَیَخْلُقُ وَ یَسْأَلُوْنَہٗ فَیَرْزُقُ اِیْجَابًا لِمَسْئَلَتِھِمْ وَ اِعظَامًا لِّحَقِّھِمْ''

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اجسام کو پیدا کیا اور رزق تقسیم کیا، کیونکہ وہ نہ تو جسم ہے اور نہ ہی کسی جسم میں حلول کیے ہوئے ہے، اس کی مثل کوئی شے نہیں اور وہ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے اور جہاں تک ائمہ کا تعلق ہے تو اللہ ان کے سوال کو قبول کرتے ہوئے اور ان کے حق

کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے، ان کے سوال پر پیدا کرتا ہے اور ان کے سوال پر رزق دیتا ہے۔

الغرض اس تفویض کی رد میں بہت سی احادیث مروی ہیں اور کوئی بھی عقلمند ان کے کفر میں شک نہیں کر سکتا، بشرطیکہ اگر وہ مستقل تفویض کے قائل ہوں۔

تفویض کی دوسری شاخ

سابقہ بحث سے ہم اس امر کو واضح کر چکے ہیں کہ جو شخص تفویض بالاستقلال کا نظریہ رکھتا ہے وہ بلا شبہ کافر ہے، اگر کوئی شخص یہ نظریہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے ارادہ کو دیکھ کر امور بجالاتا ہے، جیسے شق القمر، مردوں کا زندہ ہونا اور عصا کا سانپ بن جانا جیسے معجزات میں وقوع پذیر ہوا ہے، کہ ان افعال کا فاعل اللہ تھا لیکن معصومینؑ کے ارادہ پر اللہ نے یہ سب کچھ کیا، اسی طرح سے خالق، رازق، محیی و ممیت، فائدہ رساں اور نقصان رساں تو اللہ ہی ہے لیکن وہ سب کچھ ذوات قدسیہ کے ارادہ کو دیکھ کر کرتا ہے۔ اسی لیے مجازی طور پر ان صفات کی نسبت ذوات طاہرہ کی طرف کی جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

یا بالفاظ دیگر اگر یہ کہا جائے کہ یہ تمام افعال معصومینؑ کے ارادہ کی وجہ سے واقعہ ہوئے تو معصومینؑ ان افعال کے فاعل حقیقی کے قائم مقام ٹھہرے، تو اس کے لیے عرض یہ ہے کہ اس صورت میں عقل کو کوئی انکار نہیں ہے کیونکہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتی کہ رب العالمین نے ذوات قدسیہ کو پیدا کیا اور انہیں کامل بنایا اور پھر انہیں اس چیز کا علم بذریعہ الہام عطا کیا جو نظام عالم کے لیے ضروری ہے، بعد ازاں اللہ نے ہر چیز کو اپنی قدرت اور ان کے ارادہ و مشیت کے تحت پیدا کیا۔

علامہ مجلسیؒ تفویض کی اس شکل و صورت کو بھی غلط قرار دیتے ہیں اور انہوں نے فرمایا:

معجزات کے علاوہ احادیث ہمیں اس نظریہ سے منع کرتی ہیں، جو کچھ ہم احادیث سے معلوم کر سکتے ہیں ان میں یہ قول وارد نہیں ہے اور جن روایات میں اس مفہوم کا اثبات ہوتا ہے جیسے خطبۃ البیان اور اس جیسے دیگر خطبات تو یہ صرف غلاۃ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اگر ان خطبات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ ذوات عالیہ تمام عالمِ امکان کی علتِ غائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں انہیں لائق اطاعت ہستیاں بنایا ہے اور اذن خداوندی کے تحت جمادات کی حد تک ہر چیز ان کی اطاعت کرتی ہے اور جب یہ ذواتِ قدسیہ کسی امر کی خواہش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کو رد نہیں کرتا، لیکن ان کی خواہش بھی اللہ کی مشیت کے تابع ہوتی ہے۔

اور یہ جو احادیث میں مذکور ہے کہ شب قدر ملائکہ اور روح القدس ائمہؑ کے پاس نازل ہوتے ہیں اور مزید یہ کہ آسمان سے جو فرشتہ بھی نازل ہوتا ہے تو پہلے پہل ائمہ کے حضور حاضری دیتا ہے۔ اس کے متعلق واضح ہو کہ اللہ ان کے پاس ملائکہ کو کسی طرح کے مشورہ کے لیے نازل نہیں کرتا، خلق و امر اللہ کے لیے ہے اور ملائکہ کا نزول ذواتِ طاہرہ کے شرف و اکرام اور بلندیِ مقام کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔

احکامِ دین میں تفویض

احکامِ دین میں سے بکثرت احکام ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور بعضا حکام احادیث قدسیہ

سے ثابت ہیں۔قرآن اور حدیث قدسی کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ نے بھی بتعلیم وتادیب الٰہی کچھ احکام کا اضافہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کے اضافہ کو جائز قرار دیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول مقبولؐ اسی چیز کو ہی پسند کرتے تھے جو حق وصواب ہوتی تھی اور آپؐ کے قلبِ اطہر میں ایسی بات آ ہی نہیں سکتی جو مشیت الٰہی کے خلاف ہو،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بعض امور دین کو رسول اکرم ﷺ کے سپرد کیا اور رحمۃ للعالمین نے چند اضافے فرمائے،مثلاً:حضورؐ نے نماز کی نوافل کا حکم دیا اور سنتی روزوں کا فرمان جاری کیا اور دادا کو میراث میں حصہ دار بنایا اور ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا اور اخبارِ مستفیضہ سے تفویض کی یہ قسم ثابت ہوتی ہے اور اکثر محدثین کے کلام سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے الکافی میں اس عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے، شیخ صدوقؒ نے بھی اسی مفہوم کی احادیث نقل کی ہیں اور ان احادیث پر کوئی جرح نہیں فرمائی اور اپنے رسالہ عقائد میں بھی انہوں نے اس کی تصریح کی ہے اور محدث علامہ مجلسی نے بھی اپنی کتابوں میں ایسی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

ایک روایت جو یاسر خادم سے مروی ہے ہم پہلے ہی اپنے قارئین کی نذر کر چکے ہیں،الکافی میں فضیل بن یسار سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپؑ قیس الماصر کے بعض ساتھیوں کو فرما رہے تھے:

''اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اَدَّبَ نَبِیَّہٗ فَاَحْسَنَ اَدَبَہٗ فَلَمَّا اَکْمَلَ لَہُ الْاَدَبَ قَالَ ''وَ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' ثُمَّ فَوَّضَ اِلَیْہِ اَمْرَ الدِّیْنِ وَالْاُمَّۃِ یَسُوْسُ عِبَادَہٗ فَقَالَ: ''وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوا''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تربیت وتادیب فرمائی اور جب ان کی تادیب مکمل ہوئی تو اللہ نے فرمایا: بے شک تو خلق عظیم پر ہے، پھر اللہ نے دین اور امت کے امور انہیں تفویض فرمائے تاکہ وہ اللہ کے بندوں کی قیادت کریں تو اللہ نے فرمایا: رسول جو کچھ تمہیں دیں، لے لو اور جس سے منع فرمائیں، رُک جاؤ۔

رسولؐ خدا روح القدس سے تائید یافتہ تھے اور مخلوق کی رہنمائی کرنے میں آپ سے کسی طرح کی لغزش وغلطی کا شائبہ نہیں تھا،آپ آدابِ الٰہی سے مزین تھے،اللہ تعالیٰ نے جب نماز کا حکم نازل کیا تو ہر نماز کی دو دو رکعتیں فرض کیں اور یوں پانچ نمازوں کی کل دس رکعات تو اجب فرمائیں،رسولؐ خدا نے ظہر وعصر میں دو مزید رکعات کا اضافہ فرمایا اور مغرب میں ایک رکعت اور عشاء میں دو رکعات کا اضافہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت کے اس اضافہ کو جائز قرار دیا اور مسافر کے لیے اضافی رکعات کی تخفیف فرمائی مگر نماز مغرب میں اضافی رکعات کو مسافر کے لیے ضروری قرار دیا اور یوں کل فریضہ نمازوں کی سترہ رکعات قرار پائیں۔

حضور اکرم ﷺ نے چونتیس نوافل ادا کرنے کا حکم دیا علاوہ ازیں رسول کریمؐ نے ماہ شعبان کے روزے مسنون قرار دیئے اور ہر ماہ کے تین روزے بھی آپ نے مسنون قرار دیئے اور اللہ نے بھی اس سے منع نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے صرف شراب کو حرام قرار دیا جبکہ رسول کریمؐ نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا اور کچھ چیزوں سے حضور اکرمؐ نے کراہت فرمائی اور ان کے لیے نہی تحریمی ارشاد نہ فرمائی تو وہ چیزیں مکروہ قرار پائیں۔ ان تمام امور میں رسول خداؐ کے فرمان کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

الکافی میں عبداللہ بن سلیمان عامری نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

''لَمَّا عُرِجَ بِرَسُولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بِالصَّلَاۃِ عَشَرَ رَکَعَاتٍ رَکْعَتَیْنِ رَکْعَتَیْنِ، فَلَمَّا وُلِدَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ (علیہما السلام) زَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ سَبْعَ رَکَعَاتٍ شُکْرًا لِّلّٰہِ فَاَجَازَ اللّٰہُ لَہٗ ذَالِکَ وَ تَرَکَ الْفَجْرَ لَمْ یَزِدْ فِیْھَا لِضِیْقِ وَقْتِھَا لِاَنَّہٗ یَحْضُرُھَا مَلَآئِکَۃُ اللَّیْلِ وَ مَلَآئِکَۃُ النَّھَارِ، فَلَمَّا اَمَرَہُ اللّٰہُ بِالتَّقْصِیْرِ فِی السَّفَرِ وَضَعَ عَنْ اُمَّتِہٖ سِتَّ رَکَعَاتٍ وَّ تَرَکَ الْمَغْرِبَ لَمْ یَنْقُصْ مِنْھَا شَیْئًا''

جب رسول خدا کو معراج نصیب ہوئی تو اللہ نے دس رکعات نماز کا حکم دیا، ہر نماز دو دو رکعت تھی، جب امام حسن و امام حسین علیہما السلام کی ولادت ہوئی تو حضور اکرمؐ نے اللہ کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے سات رکعات کا اضافہ فرمایا اور اللہ نے اس اضافہ کو جائز قرار دیا، حضور اکرمؐ نے فجر میں کوئی اضافہ نہ فرمایا کیونکہ اس کا وقت تنگ تھا اور وہ دن اور رات کے ملائکہ کی آمد و رفت کا وقت تھا اور جب اللہ نے حضور اکرمؐ کو مسافر کے لیے قصر نماز کا حکم دیا تو حضور اکرمؐ نے اپنی امت سے چھ رکعات اٹھالیں اور نماز مغرب کی اضافی رکعات کو باقی رکھا اور اس میں کوئی کمی نہ کی۔

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں کتاب الاختصاص کے حوالہ سے لکھا کہ جابر بن یزید کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی:

''لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ'' آپ کو کچھ اختیار حاصل نہیں ہے۔ (آلِ عمران/۱۲۸) اور اس بارے پوچھا تو حضرتؑ نے یہ آیت سن کر ارشاد فرمایا:

''انہیں اختیار حاصل کیوں نہیں تھا جبکہ اللہ نے امر دین انہیں تفویض کر دیا تھا، جسے نبی نے حلال کیا وہ حلال اور جسے نبی نے حرام کیا وہ حرام رہے گا اور جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا (ص) چاہتے تھے کہ علیؑ کو اپنے بعد اپنا جانشین مقرر فرمائیں، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حضرت علیؑ کو جانشین مقرر کرنا تمہارے اختیار میں نہیں ہے بلکہ ہماری یہی مشیت ہے کہ علیؑ تمہارے جانشین بنیں''

بصائر الدرجات میں محمد بن حسن میثمی سے، اس نے اپنے والد سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے سنا: ''اِنَّ اللّٰہَ اَدَّبَ رَسُوْلَہٗ حَتّٰی قَوْمَہٗ عَلٰی مَا اَرَادَ ثُمَّ فَوَّضَ اِلَیْہِ فَقَالَ : ''مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا''

اللہ نے اپنے رسولؐ کی تربیت فرمائی یہاں تک کہ اسے اپنے ارادہ کا آئینہ بنا دیا پھر امر دین انہیں تفویض کر کے ارشاد فرمایا، جو رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس سے منع کریں، رک جاؤ اور اللہ نے جو امر اپنے رسول کو تفویض کیا ہے وہ امر ہمیں بھی تفویض کیا گیا ہے۔

بحارالانوار میں بصائر الدرجات کے حوالہ سے ادیم بن حر سے مروی ہے کہ موسیٰ بن اشیم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا تو امام علیہ السلام نے آیت کی تفسیر فرمائی، کچھ دیر بعد ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اسی آیت

کے متعلق امام علیہ السلام سے پوچھا تو امامؑ نے اسے دوسرا جواب دیا۔

دو مختلف جواب سن کر موسیٰ بن اشیم سخت پریشان ہوا۔ اس کا بیان ہے مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میرے دل کو چھریوں سے کاٹا جا رہا ہو اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے یہاں آ کر غلطی کی ہے، شام میں ابوقتادہ جیسے عالم کو چھوڑ کر میں یہاں آیا جب کہ ابوقتادہ ایک حرف کی غلطی بھی نہیں کرتا اور یہاں یہ سب غلط باتیں بیان ہو رہی ہیں۔

موسیٰؑ کہتا ہے کہ ابھی میں امام علیہ السلام کی محفل میں بیٹھا تھا کہ ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی امام کے سامنے وہی آیت پڑھی جو پہلے دو مرتبہ پڑھی جا چکی تھی اور امامؑ نے جو جواب دیا وہ پہلے دونوں جوابات سے مختلف تھا۔

یہ انداز دیکھ کر میرا شک دور ہو گیا اور میں جان گیا کہ امامؑ جان بوجھ کر مختلف جوابات دے رہے ہیں۔

اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ابن اشیم، بدگمانی سے کام نہ لو، پھر امام علیہ السلام نے مجھے میری بدگمانی سے مطلع کیا اور فرمایا: اللہ نے سلیمان بن داؤد کو معاملہ تفویض کیا تھا اور اسے اختیار دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَو اَمْسِک بِغَيْرِ حِسَابٍ ''(ص/۳۹) یہ ہماری عطا ہے جو چاہو تو حساب کے بغیر سخاوت کرو اور چاہو تو اپنے پاس روکے رکھو۔

اور اللہ نے امر دین نبی کریمؐ کو تفویض کر کے فرمایا:

''وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ''جو کچھ تمہیں رسول دیں، لے لو اور جس سے منع کریں، رک جاؤ۔

اور جو کچھ نبی اکرمؐ کو تفویض کیا گیا ہے وہ ہمیں بھی تفویض کیا گیا ہے۔

الکافی میں بھی اس مضمون کی احادیث مروی ہیں۔

آخری دو روایات سے امر دین کی تفویض ائمہ ہدیٰ علیہ السلام کی طرف ثابت ہوتی ہے اور شیخ صدوقؒ کی بیان کردہ روایت سے بھی یہی مفہوم حاصل ہوتا ہے۔

تفویض دین پر اعتراض

یہ عقیدہ کہ اللہ نے ائمہ ہدیٰؑ کو امر دین تفویض کیا ہے، تو اس عقیدہ کا مقصد یہ قرار پائے گا کہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے پاس کسی چیز کے حلال یا حرام کرنے کا اختیار ہے اور کسی چیز کے طاہر یا نجس کرنے کا اختیار بھی ان کے پاس ہے۔

اس عقیدہ پر بہت سے اعتراض وارد ہوتے ہیں:

۱۔ سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول خدا نے جملہ احکام حضرت علیؑ کو تعلیم کیے تھے اور حضرت علیؑ نے اپنے امام فرزندوں کو جملہ احکام کی تعلیم کیے تھے اور احکام شرعیہ میں سے کوئی بھی حکم ایسا نہیں تھا، جس کی تعلیم رسول خدا

نے حضرت علیؑ کو نہ دی ہو، رسول خدا (ص) نے تو ایک خراش تک کی دیت بھی حضرت علیؑ کو تعلیم کر دی تھی۔

جب تمام احکام رسول خدا (ص) کو خود ہی حضرت علیؑ کو بتا کر گئے تھے تو پھر ائمہ کے پاس امرِ دین کی تفویض کا کیا مقصد و مفہوم رہ جاتا ہے اور ائمہ ہدیٰؑ نے اپنی زندگی میں جو بھی فیصلہ کیا وہ انوارِ رسالت کی تجلی میں کیا۔

علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کو اللہ نے امر دین تفویض کیا، خود اس نظریہ سے بھی اختلاف کرنا ممکن ہے اور اس نظریہ کے ابطال کے لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ پر قرآنِ مجید نازل کیا اور اللہ نے قرآن میں یہ بھی واضح کر دیا کہ ہر خشک و تر چیز کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور جملہ شرعی احکام اللہ نے روح الامین کے ذریعہ سے پیغمبر اکرمؐ پر نازل فرما دیئے تھے، جب کائنات کا کوئی مسئلہ ایسا بچا ہی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو پھر امرِ دین پیغمبرؐ کے حوالے کرنے کا کیا مقصد ہے؟

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے: ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحىٰ'' (النجم ۳،۴) نبی اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتا، وہ جو کچھ بھی کہتا ہے وحی کے تحت کہتا ہے، قرآن مجید کی دوسری آیت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحىٰ اِلَىَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْن'' (الاحقاف /۹)

میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور میں تو بس کھلم کھلا عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

۳۔ حضور اکرمؐ کی زندگی میں کئی مرتبہ ایسا اتفاق بھی ہوا کہ کسی نے حضورؐ سے کوئی سوال کیا تو آپ نے اپنی طرف سے کوئی جواب نہ دیا اور وحی کا انتظار کرتے رہے اور جب وحی نازل ہوئی تو آپ نے جواب دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امر دین اللہ حضورؐ کو تفویض کر چکا تھا تو پھر حضور اکرمؐ وحی کا انتظار ہی کیوں کرتے تھے، اپنی طرف سے جواب کیوں نہ دیتے تھے؟

۴۔ اگر حضور کریمؐ کے پاس امر دین تفویض ہو چکا تھا تو حبیب خدا چاہتے تھے کہ نماز میں میرا رخ کعبہ شریف کی طرف ہو، لیکن جب تک وحی نازل نہ ہوئی آپؐ نے رخ اطہر کو کعبہ شریف کی طرف نہ پھیرا۔

۵۔ اگر حلال و حرام کے تعین کا اختیار حضور کریمؐ کو حاصل تھا تو ایک مرتبہ آپ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ''يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' اے نبیؐ! آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، کے ذریعہ سے اللہ نے ایسا کرنے سے کیوں روکا؟

تفویض کا دوسرا مفہوم

درج بالا اعتراضات کا یہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ جہاں تک امر دین کے ائمہ کی جانب تفویض کا تعلق ہے تو اس سے مقصود یہ ہو سکتا ہے کہ موارد تقیہ میں امر دین ائمہ ہدیٰ کے سپرد ہے، یعنی مقام تقیہ میں وہ جو مناسب خیال کریں، درست ہے اور اس پر کوئی قدغن نہیں ہے اور آخری روایت بھی اسی مفہوم کی مؤید نظر آتی ہے۔ لیکن اس جواب میں قباحت یہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے

جو کچھ اپنے نبیؐ کو تفویض فرمایا وہی کچھ ائمہ ہدیٰ کو بھی تفویض کیا۔

اس کے لیے ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ اللہ نے ائمہ ہدیٰ کو تشریع احکام کے اختیارات دیئے تھے۔

اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تشریع احکام کا حکم نبی اکرمؐ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ میں ہی دین مکمل کر دیا تھا اور نعمت پوری کر دی تھی، تکمیل دین کے بعد وہ کون سا مسئلہ باقی رہ گیا تھا جس کے لیے ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کو اختیارات تفویض کیے اور مزید یہ کہ اس طرح سے شراکت فی النبوۃ عقیدہ لازم آتا ہے، جب کہ حضور اکرمؐ خاتم النبیین ہیں۔

اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ حضور اکرمؐ پر تمام احکام نازل ہو چکے تھے لیکن بہت سے احکام کے ظاہر ہونے کا وقت نہیں آیا تھا اسی لیے حضور کریمؐ نے ان احکام کا ذخیرہ اپنے اوصیاء کے پاس محفوظ کر دیا تھا تا کہ جب بھی ان احکام کے اظہار کا موقع آئے تو اوصیاء انہیں بیان کر دیں۔

مگر اس جواب پر بھی یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ ائمہ ہدیٰ پھر بھی رسول اکرمؐ کے خزانہ کے امین ہیں، وہ خود صاحب اختیار نہیں ہیں اور نبی کی طرف امر دین کے تفویض سے مراد بھی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے حبیبؐ کی عقل کو کامل فرمایا اور تمام احکام کے مصالح و مفاسد کی انہیں تعلیم دی پھر اللہ نے انہیں امرِ دین تفویض فرمایا یعنی نبی کریم اپنی عقل خداداد کے تحت اشیاء کے حسن و قبح کا جائزہ لیتے اور ان کے وجوب یا حرمت کا اپنی عقل کامل سے فیصلہ فرماتے تو وحی الٰہی بھی اسی کی تائید میں نازل ہو جاتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبرِ خدا نے تحویل قبلہ کی خواہش دل میں رکھی اور آپ کا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا تو اللہ نے انہیں تحویل قبلہ کا حکم دے دیا، لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ وحی کے نزول سے قبل حضور کریمؐ نے اپنے چہرے کو کعبہ کی طرف نہیں پھیرا تھا۔

تفویض کا تیسرا مفہوم

تفویض دین کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ نے بندوں کے امور ان ذواتِ قدسیہ کی طرف تفویض کر دیئے تھے یعنی ان کی سیاست، تادیب، تکمیل اور تعلیم ان کے سپرد کر دی تھی اور بندوں کو ان ذواتِ مقدسہ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا اور لوگوں پر فرض قرار دیا کہ وہ نبی کریم اور ان کے بعد ائمہ ہدیٰؑ کی اطاعت کریں خواہ ان کے فرمان کی مصلحت انہیں سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر کسی مقام پر ہادیانِ دین مناسب سمجھیں تو انہیں حکم شرعی کی مصلحت سے مطلع کر دیں اور اگر مناسب نہ جانیں تو انہیں مصلحت سے مطلع نہ کریں، مگر اس کے باوجود مکلفین کا فرض ہے کہ وہ ان کی غیر مشروط اطاعت کریں۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ یہ مفہوم بالکل برحق اور درست ہے، آیات و احادیث اور عقلی دلائل سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.'' (النساء ۸۰)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ.....''(النساء ۵۹)

ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو تم میں صاحبانِ امر ہوں، ان کی اطاعت کرو۔

الکافی میں ابواسحاق نحوی سے مروی ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام عالی مقام سے میں نے یہ جملے سنے:

''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم'' بے شک آپ خلقِ عظیم پر فائز ہیں۔

پھر امر دین ان کے سپرد کر کے فرمایا: '' وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا.''(حشر ۷/) جو رسولؐ تمہیں دے دیں، لے لو اور جس سے روکیں، رک جاؤ اور فرمایا: ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ.''(النساء ۸۰) اور جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: پھر نبی اکرمؐ نے وہی امر دین علیؑ کے سپرد فرمایا اور انہوں نے حضرت علیؑ کو امین بنایا، تم لوگوں نے ان کی امامت کو تسلیم کیا جب کہ لوگوں نے انکار کیا۔

خدا کی قسم! ہم تم سے محبت کرتے ہیں اور تمہارے لیے یہی بات کافی ہے کہ جب ہم کچھ کہیں اور تم کہو اور جب ہم خاموش ہوں تو تم بھی خاموش رہو، اللہ تعالیٰ نے ہماری مخالفت میں کوئی بھلائی قرار نہیں دی۔

بحارالانوار، الکافی اور بصائر الدرجات میں زرارہ بن اعین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے سنا کہ اللہ نے اپنی مخلوق کے معاملہ کو نبی کے سپرد کیا تا کہ وہ یہ دیکھے کہ لوگ ان کی اطاعت کس طرح سے کرتے ہیں، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

'' وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا.''(حشر ۷/)

زرارہ سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

رسول خدا (ص) نے آنکھ، جان اور ناک کی دیت مقرر فرمائی اور نبیذ اور ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا۔

یہ الفاظ سن کر ایک شخص نے کہا: تو کیا یہ احکام کسی وحی کے بغیر رسول خدا نے مقرر فرمائے تھے؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہاں ہاں تا کہ معلوم ہو سکے کہ رسول کی کون اطاعت کرتا ہے اور کون نافرمانی!۔

تفویض کا چوتھا مفہوم

تفویض دین کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ نے علوم و احکام کا بیان ہادیانِ دین کی صوابدید پر منحصر کیا ہے، کیونکہ تمام افراد کی عقلی اور زمانی و مکانی کیفیت یکساں نہیں ہوتی لہٰذا بعض افراد کے سامنے امر واقعی رکھا جاتا ہے اور بعض افراد کو تقیہ کے تحت دوسرا حکم دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کی ذہنی صلاحیت و معیار کے مطابق اس کے سامنے آیات کی تفسیر و تاویل بیان کرنے یا مصلحت وقت کے تحت خاموشی اختیار

کرنے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا ہے۔ابن اشیم کی روایت پہلے گزر چکی ہے، وہ اس مفہوم کی مؤید ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینی نے وشّاء سے روایت نقل کی ہے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

ہم پر واجب ہے کہ ہم آپ سے سوال کریں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: تو آپ پر ہمارے سوال کا جواب دینا واجب ہے۔امام نے فرمایا: نہیں، یہ ہماری صوابدید پر منحصر ہے چاہیں تو جواب دیں چاہیں نہ دیں۔

الکافی میں منصور بن حازم سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں تو آپ مجھے ایک جواب دیتے ہیں اور کوئی اور شخص آ کر آپ سے وہی مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ اسے دوسرا جواب دیتے ہیں، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: ہم لوگوں کے عقل کی زیادتی اور کمی کو مدنظر رکھ کر جواب دیتے ہیں۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اللہ نے محمد وآل محمد علیہم السلام کو یہ حق تفویض کیا ہے جب کہ سابقہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حق عطا نہیں کیا تھا اور بعض مقامات پر انہیں تقیہ کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

تفویض کا پانچواں مفہوم

محمد وآل محمد علیہم السلام کی طرف تفویض دین کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ذوات قدسیہ کو فیصلہ کرتے وقت یہ اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کریں اور اگر چاہیں تو اپنے ذاتی علم کے تحت فیصلہ صادر کریں۔

چنانچہ محمد بن سنان روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے محمد وآل محمدؐ کے علاوہ کسی کو ذاتی علم کے تحت فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

''اِنَّآ اَنۡزَلۡنَـا اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ. وَلَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا''(نساء ۱۰۵)

اے رسولؐ! ہم نے تم پر برحق کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے، اس طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اور خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو۔

پیغمبر اکرمؐ کی یہ خصوصیت اللہ نے اوصیاء میں بھی جاری رکھی اور ''ارائت'' سے مراد الہام اور قلب میں فیصلہ کا القا ہے اور اس کی مکمل تفصیل خطبہ ۱۱۹ کی شرح میں بیان کی جائے گی۔

تفویض کا چھٹا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے محمد وآل محمد علیہم السلام کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جسے چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں کچھ بھی نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو ذواتِ طاہرہ علیہم السلام کی خاطر پیدا کیا اور انہیں انفال وخمس اور صفوۃ المال کا مالک بنایا اور انہیں یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جسے چاہیں اور جتنا بھی چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں محروم رکھیں، اس لیے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔

علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں کتاب الاختصاص اور بصائر الدرجات کے حوالہ سے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے فرمایا: جب دیکھو کہ قائم آلِ محمد (ع) نے کسی کو ایک لاکھ درہم عطا کیے ہیں اور کسی کو صرف ایک درہم عطا کیا ہے تو تمہارے سینے میں کوئی چبھن محسوس نہ ہونی چاہیے کیونکہ انہیں اس کا حق تفویض کیا گیا ہے۔

تفویض دین کی جتنی شکلیں ممکن تھیں ہم نے آپ کے سامنے سب کی تفصیل لکھ دی ہے تا کہ آپ خود تفویض کے اثبات ونفی کے تمام پہلوؤں کا فیصلہ کرسکیں اور اس بحث کو پوری دقت سے ملاحظہ فرمائیں کیونکہ اس میں بہت سے قدموں کی لغزش کا خطرہ ہے۔

خطبہ ۵۹

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا قُتِلَ الْخَوَارِجُ فَقِيْلَ لَهٗ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هَلَكَ الْقَوْمُ بِاَجْمَعِهِمْ

كَلَّا وَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ نُطَفٌ فِيْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ قَرَارَاتِ النِّسَاءِ كُلَّمَا نَجَمَ مِنْهُمْ قَرْنٌ قُطِعَ حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرُهُمْ لُصُوْصًا سَلَّابِيْنَ.

جب خوارج مارے گئے تو آپؑ سے کہا گیا کہ وہ لوگ سب کے سب ہلاک ہوگئے آپ نے فرمایا:

واللہ ہرگز نہیں ابھی تو وہ مردوں کی صلبوں اور عورتوں کے شکموں میں موجود ہیں، جب بھی ان میں کوئی سردار ظاہر ہوگا، تو اسے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کے آخری افراد چور اور ڈاکو ہو کر رہ جائیں گے۔

تشریح لغت ''اَلْقَرارُ وَالْقَرَارَةُ'' قاف کی زبر کے ساتھ، جس میں کوئی چیز قرار پکڑے یہاں اس سے ارحام مراد ہیں۔

''نَجم'' یَنجُم، از باب نصر، ظاہر ہوا، طلوع کیا (اَلْقَرنُ) جانور کا سینگ، انسانی سر کا بلند حصہ، اَلْقَرنُ مِنَ الْقَوْمِ، قوم کا سردار۔ ''اَللُّصُّ'' چور اچکا ''اَلسَّلَبُ'' زبردستی چھیننے والا، ڈاکو۔

تشریح

سابقہ کلام کی مانند آپ کا یہ کلام بھی اخبار غیبیہ میں شمار ہوتا ہے کیونکہ جب آپؑ کے ساتھیوں نے یہ سمجھا کہ تمام خوارج ہلاک ہو چکے ہیں اور ان کا خاتمہ ہو چکا ہے تو آپ نے انہیں ان الفاظ میں خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ''كَلَّا وَ اللّٰهِ نُطَفٌ'' واللہ ہرگز انہیں ابھی تو وہ مردوں کی صلبوں میں اور عورتوں کے شکموں میں موجود ہیں۔ جو ان جیسی رائے کے مالک ہوں گے اور انہی کی جیسی باتیں کریں گے۔ مردوں کی صلبوں اور عورتوں کے شکموں میں موجود ہیں جو ان کی اتباع کریں گے۔ ان میں سے کچھ لوگ ان کے سردار بنیں گے جو دوسروں کی قیادت کریں گے۔ ''كُلَّمَا نَجَمَ مِنْهُمْ قَرْنٌ قُطِعَ'' جب بھی ان میں کوئی سردار ظاہر ہوگا اسے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ اس سے امام علیہ السلام کی مراد ان خوارج کے سرداروں کا خاتمہ ہے۔ اس کے بعد جناب نے ان کی دنائت پستی اور زبوں حالی کی طرف اشارہ ان الفاظ کے ساتھ فرمایا: ''حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرُهُمْ لُصُوْصًا سُلَّابِيْنَ'' یہاں تک کہ ان کے آخری افراد چور اور ڈاکو ہو کر رہ جائیں۔

سابقہ خطبہ میں بیان ہو چکا ہے کہ لشکر خوارج سے صرف نو افراد زندہ بچ گئے تھے۔ جو مختلف شہروں پھیل گئے تھے اور وہیں بدعتیں

پھیلائی تھیں اور بڑھتے پروان چڑھتے رہے۔

خوارج کے فرقے

مختلف ادوار میں خوارج کے تقریباً بیس فرقے ہوئے جن میں سے چھ یا سات بڑے فرقے شمار ہوتے ہیں اور پھر ہر فرقہ میں سے متفرق فرقوں نے جنم لیا۔ ذیل میں ہم ان فرقوں کی بقدر ضرورت تفصیل لکھتے ہیں۔

۱۔ محکّمہ

اس فرقہ میں وہ بد بخت شامل ہیں جنہوں نے تحکیم کے وقت امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف خروج کیا اور حضرتؑ کی تکفیر کی تھی (نعوذ باللہ) یہ بارہ ہزار افراد تھے اور یہ لوگ بظاہر بڑے نمازی اور روزہ دار تھے اور انہیں کے متعلق حضرت رسول خدا (ص) نے پیش گوئی فرمائی تھی:

''صَلاَ ۃُ اَحَدِکُمْ فِیْ جَنْبِ صَلَا تِھِمْ وَ صَوْمُ اَحَدِکُمْ فِیْ جَنْبِ صَوْمِھِمْ، وَلٰکِنْ لاَّ یُجَاوِزُ اِیْمَانُھُمْ تَرَاقِیَھُمْ''

تمہاری نمازیں ان کی نمازوں کے سامنے حقیر نظر آئیں گی اور تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں ہیچ نظر آئیں گے، لیکن ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

ان کا امامت کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ جو بھی قرشی یا غیر قرشی عدل وانصاف کرے وہ امام ہے، اگر امام سیرت رسولؐ سے منحرف ہو جائے اور ظلم کا ارتکاب کرنے لگے تو اسے معزول یا قتل کرنا ضروری ہے اور یہ لوگ نصب امام کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے اور وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ پوری دنیا میں کوئی امام نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے یہ افراد حضرت عثمان اور اکثر صحابہ اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کو کافر جانتے تھے۔

۲۔ بیہسیہ

یہ فرقہ ابوبیہس ہیصم بن جابر کی طرف منسوب ہے، وہ حجاز میں پیدا ہوا تھا اور ولید کے زمانہ میں قتل ہوا تھا اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان، اقرار اور اللہ کی معرفت اور جو احکام رسول اکرمؐ لائے، ان کے علم کا نام ہے اور جو کوئی ایسے امر میں واقع ہو جائے کہ اسے علم نہ ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے تو وہ شخص کافر ہے، کیونکہ علم حاصل کرنا فرض تھا اور اس نے اپنے فرض سے کوتاہی کی اور اسی فرقے کے بعض افراد کا فتویٰ ہے کہ وہ شخص کافر قرار نہیں پائے گا البتہ اسے امام کے سامنے پیش کیا جائے اور امام اس پر حد جاری کرے گا اور ہر وہ امر جس کی شریعت نے کوئی مخصوص حد جاری نہیں کی، وہ قابلِ معافی ہے۔

اس فرقہ کے علماء سورہ انعام/ ۱۴۵ کی آیت ''قُلْ لَآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا..... ''یعنی کہہ دیجئے جو وحی میرے پاس آئی ہے اس

میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو کھانے والے پر حرام ہو مگر یہ کہ مردار ہو بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت کیونکہ یہ ناپاک ہیں یا ناجائز ذبیحہ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو..... کے تحت'' فتویٰ دیا کہ مردار، بہتا ہوا خون اور خنزیر کے گوشت کے علاوہ کوئی شئے حرام نہیں ہے

اس فرقہ کے علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ جب امام کافر ہو جائے تو تمام رعیت خود بخود کافر ہو جاتی ہے، خواہ وہ امام کے پاس حاضر ہو یا غائب۔

اسی طرح اسی فرقہ کے بعض مفتیوں کا فتویٰ ہے کہ شرب کا نشہ حلال ہے اور کسی طرح سے قابلِ مواخذہ نہیں ہے۔

۳۔ازارقہ

یہ فرقہ نافع بن ارزق کے نام سے منصوب ہے اور یہ خوارج کا بڑا فرقہ ہے، عبداللہ بن زبیر کے دورِ حکومت میں انہوں نے خروج کیا اور اہواز، فارس و کرمان پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کے پاس تیس ہزار جنگجو افراد کا لشکر تھا۔ عبداللہ بن زبیر نے مہلب کو ان کے مقابلے میں روانہ کیا، مہلب اپنے انیس بیٹوں کے ہمراہ ان سے جنگیں کرتا رہا یہاں تک کہ دورِ حجاج میں اس نے اس فرقہ کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔

ان بدبختوں کا عقیدہ یہ تھا کہ علیؑ نے تحکیم کو قبول کر کے نعوذ باللہ، کفر کیا اور قرآن کی اس آیت کا مصداق بھی (نعوذ باللہ) علیؑ ہیں:

''وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ''(البقرہ ۲۰۴)

اے رسولؐ بعض ایسے بھی ہیں جن کی باتیں دنیوی زندگی میں تمہیں بہت بھاتی ہیں اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ مقرر کرتے ہیں حالانکہ وہ دشمنوں میں سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔

ان ملاعین کا نظریہ تھا کہ ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو قتل کر کے صحیح کام کیا تھا اور یہ ملعون کہتے تھے کہ قرآن مجید کی یہ آیت ابن ملجم کے حق میں نازل ہوئی۔

''وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ. وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ م بِالْعِبَادِ ''(البقرہ ۲۰۷)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑا ہی شفقت والا ہے۔

اسی فرقہ کے ایک شاعر عمران بن حطان ملعون نے ابن ملجم ملعون کے حق میں شعر بھی کہے ہیں، جن میں سے زیادہ مشہور: ''يَاضَرْبَةً مِنْ تقيٍ.....'' ہے۔

یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان، طلحہ، زبیر ام المومنین عائشہ، عبداللہ بن عباس اور ان کے ہم نوا دیگر مسلمانوں کو کافر اور دوزخی قرار دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کی مدد کے لیے تلوار لے کر جنگ نہ کرنے والا بھی کافر ہے اگرچہ ان کا ہم مسلک ہی کیوں نہ ہو۔

اور یہ لوگ تقیہ کی حرمت کے قائل تھے اور اپنے مخالفین کی اولاد اور عورتوں کا قتل عام حلال سمجھتے تھے اور سنگساری کے عمل کو خلافِ قرآن قرار دیتے تھے اور ان کا نظریہ تھا کہ اگر عورت کسی پر زنا کی تہمت تراشے تو اس پر حد شرعی کا اطلاق نہ ہوگا۔ کیونکہ قرآن میں حد قذف کے لیے ''اَلَّذِینَ'' کے الفاظ وارد ہیں اور یہ الفاظ مذکر کے لیے مخصوص ہیں۔

علاوہ ازیں اس فرقہ کا عجیب وغریب عقیدہ یہ بھی تھا کہ کافر بھی نبی بن سکتا ہے اور نبی اپنی نبوت کے دوران کافر بن سکتا ہے اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں۔

۴۔نجدات

یہ فرقہ نجدہ بن عامر نخعی کی طرف منسوب ہے، اس کے لشکر کے دو امیر تھے، ایک کا نام ''عطیہ'' تھا اور دوسرے کا نام ''ابوفدیک'' تھا، دونوں کسی شک کی ہی بنا پر سے ناراض ہو کر ایک دوسرے الگ ہو گئے اور ابوفدیک نے اسے قتل کر دیا اور پھر ہر دو امیروں نے علیحدہ علیحدہ جتھے تیار کیے اور دونوں عبدالملک کے دورِ حکومت میں قتل ہو گئے اور پھر اس فرقہ سے مزید شاخیں پیدا ہوئیں۔

ان میں سے ایک فرقہ کو عاذریہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ افراد تھے جو فروع دین میں لوگوں کی جہالت کو قابلِ معافی قرار دیتے تھے۔اس نظریہ کی بنیاد یہ واقعہ قرار پایا کہ نجدہ لعین نے اہل قطیف کے خلاف لشکر کشی کی، اس کے سپاہیوں نے اہلِ قطیف کو شکست دی اور انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی عورتوں کو کنیز بنالیا اور مالِ غنیمت کو حلال سمجھتے ہوئے آپس میں تقسیم کیا، جب یہ لشکر نجدہ کے پاس واپس آیا تو اس نے اپنے لشکر سے کہا تم نے یہ کام غلط کیا، انہوں نے کہا: ہمیں اس مسئلہ کا علم نہیں تھا اسی لیے ہم نے اس فعل کا ارتکاب کیا، تو نجدہ نے کہا اچھا کوئی بات نہیں جب انسان فروع دین سے ناواقف ہو تو اس کے افعال قابلِ گرفت نہیں ہوتے۔

فرقہ نجدات کی تمام شاخوں کا متفقہ نظریہ ہے کہ لوگوں کو امام کی ضرورت نہیں ہے، البتہ لوگوں کو خود باہمی انصاف سے زندگی بسر کرنی چاہیے اور جب امورِ دین کا قیام امام کے بغیر ممکن نہ ہو تو اس صورت میں امام کا مقرر کرنا جائز ہے اور اہلِ قبلہ کی تکفیر کے علاوہ انہوں نے فرقہ ازارقہ کے عقائد کی مخالفت کی اور اس گروہ کے ایک فرقے کا نام اصغریہ ہے اور یہ فرقہ زیاد بن اصغر کی طرف منسوب ہے، ازارقہ کا عقیدہ تھا کہ جو شخص ان کا ہمنوا ہو لیکن وہ ان کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک نہ ہوا ہو، تو وہ کافر ہے، مگر فرقہ اصغریہ کا نظریہ تھا کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے، یہ فرقہ سنگساری کا قائل تھا اور یہ گفتگو میں تقیہ کو جائز قرار دیتے تھے لیکن عمل میں اسے حرام قرار دیتے تھے اور ان کا نظریہ تھا کہ ہر وہ معصیت جس میں شریعت نے حد مقرر کی ہے، اس کے فاعل کو اس معصیت کے نام سے یاد کیا جائے گا اور جن امور میں شریعت نے حد مقرر نہیں کی ہے اس کے فاعل کو اس معصیت کے نام سے یاد کیا جائے گا، مثلاً زنا کرنے والے کو زانی اور چوری کرنے والے کو چور کہا جائے گا اور جن امور میں شریعت نے حد مقرر نہیں کی، اس کے تارک کو کافر کہا جائے گا، مثلاً تارک الصلوٰۃ اور تارک الصوم کو کافر کہا جائے گا۔

۵۔اباضیہ

یہ فرقہ عبداللہ بن اباض کی طرف منسوب ہے، مروان بن محمد اموی کے دورِ حکومت میں اس نے خروج کیا تھا اور مروان بن محمد

نے عبداللہ محمد بن عطیہ کو اس مقابلہ میں فوج دے کر روانہ کیا، فریقین میں خوب جنگ ہوئی اور عبداللہ بن اباض جنگ میں مارا گیا۔

اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ ہمارے مخالف اہلِ قبلہ کافر ہیں لیکن مشرک نہیں ہیں، جنگ کے وقت ان کی عورتوں کو کنیز بنانا اور ان کے مال کو مالِ غنیمت کے طور پر لوٹنا حلال ہے، البتہ جنگ کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

اہل قبلہ کا ملک دارالاسلام ہے اور ان کا دارالحکومت دارالکفر ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب موحد ہے لیکن مومن نہیں ہے اور اعمال ایمان کا حصہ ہیں اور بندوں کے افعال اللہ کے خلق کردہ ہیں اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کفرانِ نعمت کرنے والا ہے لیکن مکمل کافر نہیں ہے۔

اس گروہ نے نفاق کے متعلق توقف کیا ہے کہ آیا وہ شرک ہے یا نہیں اور اس فرقہ نے حضرت علیؑ اور صحابہ کی تکفیر کی تھی۔

اس فرقہ سے مزید کئی شاخیں پیدا ہوئیں۔

ان کی ایک شاخ کو ''حفصیہ'' کہا جاتا ہے اور ان کی نسبت ابوحفص بن ابوالمقدام کی طرف ہے اور اباضیہ کے عقائد میں انہوں نے نئی جدت پیدا کی تھی کہ ایمان وشرک کے درمیان معرفت خداوندی حداوسط ہے، جو شخص اللہ کی معرفت رکھتا ہو اور انبیاء کا منکر ہو تو وہ کافر ہے مشرک نہیں ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب بھی کافر ہے مشرک نہیں ہے۔

ان کی ایک اور شاخ کو ''یزید'' یہ کہا جاتا ہے اور یہ فرقہ یزید بن انیسہ کی طرف منسوب ہے اور اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ عجم میں ایک نبی مبعوث فرمائے گا جس پر ایک ہی مرتبہ کتاب نازل کردے گا اور محمد مصطفیٰؐ کی شریعت کو منسوخ کر کے مذہب صابی کی ترویج کرے گا، ان کی نظر میں حد شرعی کا حقدار مشرک ہے اور ہر گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، شرک ہے۔

ان کا ایک اور گروہ ''حارثیہ'' کے نام سے موسوم ہے اور اس گروہ کی نسبت ابوالحارث اباضی کی طرف ہے اور یہ گروہ باقی اباضیہ کی طرح بندوں کے افعال کا خالق اللہ کو قرار نہیں دیتا اور فعل سے قبل استطاعت کو لازمی تصور کرتا تھا۔

یہ گروہ حضرت امیرالمومنینؑ سے کھلم کھلا اظہارِ بیزاری نہیں کرتا تھا۔

۶۔ عجاردہ

یہ فرقہ عبدالکریم بن عجرد کی طرف منسوب ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اگر کوئی عمل کرتا ہے اور اس قصد قربت نہ بھی ہو پھر بھی وہ اطاعت میں شمار ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ چھوٹے معصوم بچے سے اظہار برائت واجب ہے، خواہ وہ بالغ ہونے کے بعد اسلام کا دعویٰ بھی کرے۔ اور جب وہ مانع ہو جائے تو اسے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے۔ اور یہ فرقہ کئی شاخوں میں بٹ گیا ہے۔ اس کی ایک شاخ کا نام ''میمونیہ'' ہے جو میمون بن عمران کی طرف موسوم ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ افعال کا تعلق بندوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ افعال کی بجا آوری سے پہلے استطاعت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شر کا نہیں خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ کفار کے بچے جنتی ہیں وہ بیٹیوں کے ساتھ بیٹوں کا اور بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کے نکاح کے بھی قائل ہیں وہ پوتیوں، نواسیوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

ان کے بارے میں ہے کہ وہ سورہ یوسف کا قرآنی سورت ہونے کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ عام قصوں میں ایک قصہ ہے۔اور قرآن مجید جیسی الہامی کتاب میں عشقیہ قصوں کا موجود ہونا صحیح نہیں ہے۔

ان میں سے ایک اور فرقے کا نام ''حمزیہ'' ہے جو حمزہ بن ادرک کی طرف منسوب ہے۔ان کے عقائد بھی میمونیہ جیسے ہیں البتہ کفار کے بچوں کے جہنمی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

ایک اور فرقے کا نام ''شعیبیہ'' ہے جس کی شعیب بن محمد وھم کی طرف نسبت ہے فرقہ ''میمونیہ'' کی طرح عقیدہ کے حامل ہیں مگر قضاوقدر کے معاملہ میں ان سے مختلف ہیں۔

اور فرقے کا نام ''جازمیہ'' ہے جو ''حازم بن عاصم'' کی طرف منسوب ہے،عقائد میں فرقہ ''شعیبیہ'' کا ہم نوا ہے امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں توقف سے کام لیتے ہیں اور ان سے کھلم کھلا اظہار بیزاری نہیں کرتے۔

ان کا ایک اور گروہ خلف خارجی کے نام سے منسوب ہو کر خلفیہ کہلاتا ہے اور یہ گروہ خوارج کرمان کہلاتا تھا،یہ خیر وشر کو اللہ کو اللہ کی طرف سے سمجھتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ مشرکین کے چھوٹے بچے شرک اور عملِ بد کے بغیر ہی دوزخ میں جائیں گے۔

علاوہ ازیں ان میں اطرافیہ،معلومیہ،مجہولیہ اور صلتیہ نامی فرقے بھی وجود میں آئے۔

۷۔ثعالبہ

بعض مورخین انہیں فرقہ عجاردہ کی ہی شاخ قرار دیتے ہیں اور یوں خوارج کے بڑے فرقوں کی چھ شاخیں قرار دیتے ہیں اور بعض مورخین محکّمہ فرقہ کو شمار نہیں کرتے اور ثعالبہ کو شمار کر کے چھ شاخیں مکمل کرتے ہیں۔

بہرنوع کچھ بھی ہو یہ فرقہ بھی خوارج کی بڑی شاخوں میں سے ایک ہے اور اپنے بانی ثعلبہ بن عامر کی طرف منسوب ہے۔

اس فرقہ کا نظریہ تھا کہ مشرکین کے چھوتے بچوں کو قتل نہ کیا جائے ان کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا چاہئے جب بالغ ہو کر وہ حق کا انکار کریں تب انہیں قتل کیا جائے۔یہ گروہ غلاموں سے بھی زکوٰۃ لینے کا قائل تھا۔اگر وہ صاحب استطاعت ہوں۔اگر فقیر ہوں تو انہیں زکوٰۃ دی جائے۔

اس گروہ میں مزید چار گروہوں نے جنم لیا۔

(الف) اَخنسیہ: اخنس بن قیس اس گروہ کا بانی تھا،انہوں نے ان لوگوں کے ایمان وکفر میں توقف کیا جو مسلمان ہوتے ہوئے دارالتقیہ میں رہائش پذیر ہوں اور یہ گروہ مسلمان عورتوں کا ان کے رشتہ دار مشرک مردوں سے نکاح جائز قرار دیتا تھا۔

(ب) معبدیہ: اس گروہ کا بانی معبد بن عبدالرحمٰن تھا،یہ گروہ مسلمان خواتین کا مشرک مردوں سے نکاح کرنا جائز قرار دیتا تھا اور غلاموں پر زکوٰۃ کا قائل نہ تھا۔

(ج) شیبانیہ: اس گروہ کا بانی شیبان بن سلمہ تھا،یہ گروہ جبر اور نفی قدرت کا عقیدہ رکھتا تھا۔

(د) مکرمیہ: اس گروہ کا بانی مکرم عجلی تھا اور یہ گروہ تارک الصلوٰۃ کو کافر قرار دیتا اور کفر کی وجہ اللہ سے جہل کو قرار دیتا تھا اور اس گروہ کا مقولہ تھا کہ تارک الصلوٰۃ، ترک نماز کی وجہ سے کافر نہیں ہے، بلکہ اگر اسے اللہ کی کما حقہ معرفت ہوتی تو وہ کبھی تارک نماز نہ بنتا، اسی لیے تارک الصلوٰۃ اللہ سے جاہل ہونے کی وجہ سے کافر ہوگا۔ اسی طرح ہر گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہوگا۔ کیونکہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ انسان کے ہر غیب وظاہر سے باخبر ہے اور اطاعت ومعصیت پر جزا یا سزا دے گا تو ایسے شخص سے ترک صلوٰۃ یا کسی کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا تصور نہیں ہوسکتا۔

خطبہ ۶۰

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْخَوَارِجِ

لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجَ بَعْدِيْ فَلَيْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَأَهُ كَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَأَدْرَكَهُ (يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ وَ اَصْحَابَهُ).

خوارض کے بارے میں فرمایا:

میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا، اس لیے کہ جو حق کا طالب ہو اور اُسے نہ پا سکے وہ ویسا نہیں ہے کہ جو باطل ہی کی طلب میں ہو اور پھر اُسے بھی پالے۔

سید رضی کہتے ہیں کہ اس مراد معاویہ اور اس کے ساتھی ہیں۔

تشریح لغت (اَلْحَقُ، اَلْبَاطِلُ) اللہ کی مطلوب چیز حق اور مبغوض چیز باطل کہلاتی ہے۔

تشریح

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بعد خوارج سے جنگ کرنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ حضرت نے یہ بیان فرمائی:

(لَيْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَأَهُ كَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَأَدْرَكَهُ (يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ وَ اَصْحَابَهُ) جو حق کا طالب ہو اور اُسے نہ پا سکے وہ ویسا نہیں ہے کہ جو باطل ہی کی طلب میں ہو اور پھر اُسے بھی پالے۔

کیونکہ کسی سے جنگ کرنے کی علت وسبب یہ ہے کہ وہ باطل کا طالب ہو اور جان بوجھ کر باطل کو قبول کیئے ہوئے ہو، ہاں البتہ کوئی شخص غیر شعوری طور پر باطل کے پنجہ میں گرفتار ہو جائے تو اس سے جنگ نہیں کرنی چاہئے۔

خوارج کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصود بہر نوع حق ہی تھا لیکن حق کے پانے میں وہ ناکام ہوئے تھے اور لاشعوری طور پر باطل کی کھائی میں جا گرے تھے، اسی لیے حضرت نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ میرے بعد ان سے جنگ نہ کرنا۔

اس کے بالکل برعکس معاویہ اور اس کے ساتھیوں کا مقصود روز اول سے ہی باطل تھا اسی لیے حضرت نے معاویہ سے جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا جیسا کہ آپ حضرت کے خطبہ ۵۶ میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت نے فرمایا:

میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوگا جس کا حلق کشادہ اور پیٹ بڑا ہوگا، جو پائے گا نگل جائے گا اور جو نہ پائے گا اس کی اسے ڈھونڈ لگی رہے گی، تم اسے قتل کر ڈالنا لیکن یہ معلوم ہے کہ تم اسے قتل نہ کروگے

خوارج کا مقصود حق تھا لیکن یہ الگ بات کہ وہ گمراہ ہوگئے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں جیسا کہ خطبہ ۳۶ میں گزر چکا ہے۔ خوارج عابد وزاہد قسم کے افراد تھے اور ان کے متعلق رسول خدا (ص) نے ارشاد فرمایا تھا:

ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازیں حقیر معلوم ہوں گی اور ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزے بے وقعت نظر آئیں گے۔

مگر ان کی بدنصیبی یہ تھی کہ حق کو طلب کرتے کرتے خود ہی حق کے دائرہ سے نکل گئے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام جو حق کی اعلیٰ ترین علامت تھے، کے خلاف خروج کیا، لیکن اس کے باوجود خوارج اور معاویہ میں واضح فرق تھا، انہوں نے حق کو تلاش کیا لیکن حق کو نہ پا سکے، جب کہ معاویہ نے باطل کو طلب کیا اور حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوگیا اور دین کے معاملہ میں معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی بے باکیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ انہیں کسی غلط فہمی کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ان پر خطائے اجتہادی کا پردہ ڈالا جاسکتا ہے، جب کہ وہ علانیہ دین کے حدود کو توڑ دیتے تھے اور اپنی رائے کے سامنے پیغمبرؐ کے ارشاد کو درخورِ اعتناء نہ سمجھتے تھے۔

چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ کے صحابی ابوالدرداء نے معاویہ کے ہاں سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال دیکھا تو فرمایا: میں نے رسول خداﷺ کو فرماتے سنا: ''اِنَّ الشَّارِبَ فِیهِمَا اَلتَّجَرْجُرُ فِی جَوْفِهِ نَارَجَهَنَّم'' چاندی اور سونے کے برتنوں میں پینے والے کے پیٹ میں دوزخ کی آگ کے شعلے اٹھیں گے۔

معاویہ نے کہا: ''اَمَّا اَنَا فَلا اَدْرِی بِذَالِکَ بَاْسًا'' لیکن میری رائے میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس طرح سے زیاد بن ابیہ کو اپنے سے ملا لینے کے لیے قول پیغمبرؐ کو ٹھکرا کر اپنے اجتہاد کو کارفرما کرنا، منبر رسولؐ پر اہلِ بیت رسولؐ کو برا کہنا، حدود شرعیہ کو پامال کرنا، بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنا اور ایک فاسق کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر کے زندقہ والحاد کی راہیں کھول دینا، ایسے واقعات ہیں کہ انہیں کسی غلط فہمی پر محمول کرنا حقائق سے عمداً چشم پوشی کرنا ہے۔

حضرتؑ نے خوارج سے جنگ کیوں کی؟

اگر اس مقام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت نے خوارج کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے حق کو طلب کیا اسے پا نہ سکے، اسی لیے میرے بعد ان سے جنگ نہ کرنا، تو پھر امیر المومنین علیہ السلام نے خود ان سے جنگ کیوں کی تھی؟

۱۔ شارح بحرانی نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ حضرتؑ کا مقصود یہ تھا کہ اگر خوارج اپنی شورش انگیزیوں سے باز رہیں اور اپنے نظریات کو اپنے آپ تک محدود رکھیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے خوارج سے بھی جنگ نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے شورش بر پا کی تھی اور حضرت کے عامل عبداللہ بن خباب اوران کی حاملہ بیوی کوقتل کر دیا تھا اور لوگوں کو اپنی بدعات کی دعوت دی تھی۔

اگر خوارج شورش بر پا نہ کرتے تو حضرت ان سے جنگ نہ فرماتے۔

علاوہ ازیں حضرت جب ان کے مقابلے میں لشکر لے کر گئے تو حضرت نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ جنگ کی ابتدا نہیں کی تھ اس وقت تک امیر المومنینؑ نے ان سے جنگ شروع نہ کی۔

۲۔قتل خوارج ست روکنے اور خود ان کے ساتھ جنگ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ چونکہ امیر المومنینؑ امام عادل تھے اور وہ جانتے تھے کہ چونکہ آپ حق پر اور خوارج باطل پر ہیں لہذا انہیں قتل کا اور آپ کی دوربین کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ آپ کے بعد تسلط و اقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا جو جہاد کے محل وقوع سے بے خبر ہوں گے اور صرف اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے تلوار چلائیں گے اور یہ وہی لوگ تھے جو امیر المومنینؑ کو برا سمجھنے اور برا کہنے میں خوارج سے بھی دو ہاتھ آگے تھے، لہٰذا جو خود گم کردہ راہ ہوں، انہیں دوسرے گمراہوں سے جنگ وقتال کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

حضرت نگاہِ امامت سے جانتے تھے کہ میرے بعد خوارج سلاطین بنی امیہ و بنی عباس کے خلاف خروج کریں گے، اسی لیے آپ نے اپنے پیروکاروں کو ان سے جنگ کرنے سے منع فرمایا تا کہ بنی امیہ کی حکومت کی بنیادوں میں ان کے شیعوں کا لہو شامل نہ ہو۔

۳۔علامہ مجلسی بحارالانوار اور شارح معتزلی نے اپنی شرح میں تحریر کیا ہے کہ حضرت کا مقصود یہ تھا کہ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی حکومت میں خوارج سے جنگ نہ کرنا کیونکہ معاویہ کی گمراہی خوارج کی گمراہی سے بڑھی ہوئی ہے، اسی لیے اگر جنگ کرنا مقصود بھی ہو تو خوارج کے بجائے معاویہ اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کرنا۔

اس مفہوم کی تائید امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے اس عمل سے ہوتی ہے، جب امام حسن مجتبیٰؑ نے معاویہ سے مصالحت فرمائی اور حضرتؑ نے مدینہ کی روانگی کے لیے رختِ سفر باندھا تو اسی دوران حوثرہ اسدی اور جالس طائی جو کہ خوارج میں سے تھے، اپنا جتھا بنا لیا اور مقام نخیلہ میں انہوں نے پڑاؤ ڈالا، معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ان خوارج سے جنگ کریں اور لشکر کی کمان سنبھالیں۔

تو حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

اسی خونریزی سے بچنے کے لیے تو میں نے حکومت سے ہاتھ اٹھایا ہے اور اگر مجھے جنگ کرنا ہوتی تو ان خوارج کی بجائے میں تجھ سے ہی جنگ کرتا۔آپ کا یہ جواب اپنے والد گرامی قدر کلام کے عین مطابق ہے اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ خوارج معاویہ سے زیادہ معذور اور کم گمراہ ہیں۔

خطبہ۶۱

وَ مِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا خَوَّفَ مِنَ الْغَيْلَةِ

وَ اِنَّ عَلَيَّ مِنَ اللّٰهِ جُنَّةً حَصِيْنَةً فَاِذَا جَاءَ يَوْمِيْ اِنْفَرَجَتْ عَنِّيْ وَ اَسْلَمَتْنِيْ فَحِيْنَئِذٍ لَا يَطِيْشُ السَّهْمُ وَ لَا يَبْرَءُ الْكَلْمُ.

جب آپ کو اچانک قتل ہونے سے ڈرایا گیا تو آپ نے فرمایا:

مجھ پر اللہ کی ایک محکم سپر ہے، جب موت کا دن آئے گا، تو وہ مجھے موت کے حوالے کر کے مجھ سے الگ ہوجائے گی اس وقت نہ تیر خطا کرے گا اور نہ زخم بھر سکے گا۔

تشریح لغت (اَلغَيلة) غین کی زیر کے ساتھ، غفلت میں قتل ہوجانا (اَلجُنَّةُ) بچاؤ کا سامان، ڈھال (طَاشَ) السَّهْم، از باب ضرب، تیر کا نشانہ پر نہ لگنا (اَلْكَلم) کاف کی زبر اور لام کی جزم کے ساتھ، زخم۔

تشریح:

روایات میں وارد ہے کہ حضرت کو کئی مرتبہ ابن ملجم لعین کے اچانک حملہ سے خبردار کیا گیا تھا اور حضرتؑ کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے ابن ملجم لعین کو تلوار حمائل کیئے دیکھا تو پوچھا کہ آج کل ایامِ جنگ نہیں ہیں تو تلوار کیوں لیے پھرتا ہے؟ اس ملعون نے کہا کہ میں نے چند اونٹ نحر کرنے ہیں، اسی لیے تلوار لیے پھرتا ہوں، اشعث اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوا اور حضرتؑ کی خدمت میں آکر کہا مجھے آپؑ کے متعلق ابن ملجم سے اندیشہ ہے، حضرتؑ نے فرمایا: ابھی تو اس نے مجھے قتل نہیں کیا۔

ایک مرتبہ حضرت منبر پہ بیٹھے خطبہ دے رہے تھے اور ابن ملجم منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، اس نے آہستہ سے کہا: ''خدا کی قسم! میں لوگوں کو تجھ سے نجات دلاؤں گا''، اس کے اس جملہ کو حضرت کے چند ساتھیوں نے سن لیا، جیسے ہی خطبہ مکمل ہوا، حضرت کے ساتھیوں نے اسے پکڑا اور آپ کے سامنے لے آئے اور بتایا کہ یہ ملعون آپ کے قتل کے درپے ہے۔ حضرت نے فرمایا: ابھی تک تو اس نے مجھے قتل نہیں کیا، اسے رہا کردو۔ بعدازاں حضرتؑ نے فرمایا:

(وَ اِنَّ عَلَيَّ مِنَ اللّٰهِ جُنَّةً حَصِيْنَةً) مجھ پر اللہ کی ایک محکم سپر موجود ہے اور جب تک حفاظت الٰہی کی یہ سپر موجود ہے مجھے کسی سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے، اللہ کی مضبوط و محکم سپر کی موجودگی میں موت کا تیر مجھے نہیں لگ سکتا۔

(فَاِذَا جَاءَ يَوْمِيْ اِنْفَرَجَتْ عَنِّيْ وَ اَسْلَمَتْنِيْ) جب میری موت کا دن آئے گا تو وہ مجھے موت کے حوالے کر کے مجھ سے الگ ہوجائے گی اور اس وقت میری کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوگی۔

(فَحِيْنَئِذٍ لَا يَطِيْشُ السَّهْمُ) اس وقت تیر خطا نہیں کرے گا۔

حضرتؑ سے منسوب دیوان میں اسی مضمون کا شعر ہے:

لِلْمَوْتِ فِيْنَا سِهَامٌ غَيْرُ خَاطِئَةٍ اِنْ فَاتَهُ الْيَوْمَ سَهْمٌ لَمْ يَفُتْهُ غَدًا

موت نے ہمارے لئے خطا نہ کرنے والے تیر مقرر کر رکھے ہیں۔اگر آج ایک تیر خطا ہو گیا تو کل خطا نہیں کرے گا۔

(وَ لَا یَبْرَءُ الْکَلْمُ.)اوراس وقت زخم نہ بھر سکے گا۔

اس بارے میں بھی حضرت ہی سے منسوب دیوان میں یہ شعر موجود ہے۔

شارح فرماتے ہیں:اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسانی زندگی کے لئے ایک مقرر وقت ہے اور ایک متعین تاریخ ہے، جب وہ تاریخ آجاتی ہے اور مقررہ وقت پہنچ جاتا ہے تو انسان زندگی کی بازی ہار جاتا ہے، چنانچہ اس بارے میں کچھ علمائے کرام نے قرآنِ مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ:''وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتَاباً مُؤَجَّلاً''(آلِ عمران/۱۴۵)اور کوئی جاندار اذنِ خدا کے بغیر نہیں مرسکتا،اس نے موت کا وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت میں فرماتا ہے:''وَ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةٍ''(اعراف/۳۴)

اور ہر ایک امت کے لیے ایک مقررہ وقت ہے پس جب ان کا وقت مقرر آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی تاخیر کر سکتے ہیں اور نہ ہی جلدی۔

ازل سے جو کچھ مقرر کر دیا گیا ہے اور جو کچھ لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو علمِ الٰہی کے خلاف ہوگا اور معلوم ہے علم الٰہی کے خلاف ہونا محال ہے۔اس لیے کہ کل ممکنات کے بارے میں علمِ الٰہی میں ازل سے جو چیز آچکی ہے خواہ معدوم کے بارے میں ہو یا موجود کے بارے میں تو کسی بھی سبب سے عمر میں کمی یا بیشی کیونکر ممکن ہوسکتی ہے؟

علمائے اسلام کی ایک اور جماعت کا خیال ہے کہ موت کا وقت آگے پیچھے ہوسکتا ہے اور وہ دلیل میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں:

''وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ ''(فاطر ۱۱)

اور نہ کسی کی عمر میں زیادتی ہوتی ہے اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے،مگر وہ کتاب میں ہے۔

اور بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور قطع رحمی سے عمر کم ہو جاتی ہے۔نیز والدین کے ساتھ بھلائی سے عمر میں اضافہ اور برائی سے عمر کم ہو جاتی ہے۔

ہماری تحقیق

اس مسئلہ میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ آیات واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ''اجل'' کی دو قسمیں ہیں:

۱۔اجل محتوم ۲۔اجل موقوف

سورہ نوح میں اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے:

''اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِیْعُوْنِ . یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی . اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ''(نوح ۳۔۴)

(نوح ؑ نے کہا:) کہ تم خدا کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو خدا تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں مقررہ وقت تک باقی رکھے گا۔ بے شک مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو پیچھے نہیں ہٹایا جاسکتا، اگر تم سمجھتے ہو۔

مفسرین کہتے ہیں کہ ''اجل مسمیٰ'' سے مراد وہ آخری وقت ہے جو عام تعین شدہ وقت سے کہیں زیادہ ہے، جو ایمان اور اطاعت سے مشروط ہے۔ کیونکہ اگر اس سے بھی عالم تعین شدہ وقت مراد لیا جائے تو حضرت نوح کی تقریر کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، کیونکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ اور میری اطاعت کرو، اس صورت میں اللہ تمہیں ایک مقررہ وقت تک باقی رکھے گا۔ اگر وقت مقرر سے مراد وہی عام تعین شدہ وقت ہے تو اس کے لیے نوحؑ پر ایمان لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کیونکہ جن لوگوں نے نوحؑ کا انکار کیا تھا وہ بھی تو اپنے تعین شدہ وقت پر ہی مرے تھے۔

لہٰذا ''اجل مسمیٰ'' سے عام تعین شدہ وقت مراد نہیں لیا جاسکتا اور بالخصوص حضرت نوح نے تو صراحت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ ایمان لاؤ گے تو ''اجل مسمی'' تک زندہ رہو گے اگر ایمان نہ لاؤ گے تو اللہ نے تمہارے لیے مدت مقرر کی ہے، اُس وقت تک جیتے رہو گے اور جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آ جائے گا تو اسے پیچھے نہیں کیا جاسکتا، اسی لیے اگر تم ''اجل مسمیٰ'' تک زندگی چاہتے ہو تو مجھ پر ایمان لاؤ اور میری اطاعت کرو۔

الکافی میں حمران کی روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

''قَضٰٓی اَجَلاً. وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ'' (الانعام ۲)

پھر مرنے کا وقت مقرر کیا اور اس کے نزدیک ایک وقت مقرر ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اجل دو طرح کی ہے ۱۔ اجل محتوم ۲۔ اجل موقوف

اس آیت کی تفسیر میں علی بن ابراہیم نے اپنے اسناد سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:

''اَلْاَجَلُ الْمَقْضِیُّ هُوَ الْمَحْتُوْمُ الَّذِیْ قَضَاهُ وَ حَتَمَهٗ وَالْمُسَمّٰی هُوَالَّذِی فِیْهِ الْبَدَآءُ وَ یُقَدِّمُ مَا یَشَآءُ وَ یُؤَخِّرُ مَا یَشَآءُ وَالْمَحْتُوْمُ لَیْسَ فِیْهِ تَقْدِیْمٌ وَلَا تَاخِیْرٌ''

''اجل مقضی'' سے مراد وہ وقت ہے جس کا قضا و قدر میں اللہ نے فیصلہ کر دیا اور اسے حتمی بنایا ہے اور ''اجل مسمی'' سے مراد وہ وقت ہے جسے آگے پیچھے کیا جاسکتا ہے ''بداء'' بھی اسی ''اجل مسمیٰ'' میں واقع ہوتی ہے اور ''اجل محتوم'' میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔

جب آپ نے اس بحث کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تو اب بات آسان ہوگئی، جن آیات و روایات میں کمی بیشی نہ ہونے کا ذکر ہے تو ان آیات و احادیث کا تعلق ''اجل محتوم'' سے ہے اور جن روایات میں وقت مقررہ کے آگے پیچھے کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا تعلق ''اجل موقوف'' سے ہے۔ اس صورت میں وجہ نزاع ختم ہو جائے گی اور فریقین کا نزاع صرف لفظی نزاع بن کر رہ جائے گا۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لوح پیدا کی ہے جس کا نام لوح محو و اثبات ہے، اس میں تمام انسانوں کی زندگی، موت، عزت اور ذلت، صحت و بیماری کو مشروط طور پر لکھا ہے، جس میں محو و اثبات واقع ہوتا رہتا ہے اور ''بداء'' کا تعلق بھی اسی لوح محو و اثبات سے ہے۔

اس کی مثال ہم یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے اس لوح میں اس شخص کے متعلق لکھا جس کی عمر بیس برس ہے اور اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس کی عمر چالیس سال کر دی جائے گی، فلاں شخص کو اتنا مال ملے گا، اگر اس نے زکوٰۃ ادا کی تو اس میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک اور لوح بھی مالک الملک کے پاس ہے جس میں کوئی امر کسی شرط سے مشروط نہیں ہوتا اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی اسے ''لوح محفوظ'' کہا جاتا ہے اور اسے ''ام الکتاب'' بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''یَمْحُوْا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ'' (الرعد/ ۳۹)

اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصلِ کتاب ہے۔

اسی لیے خدا کو پابند یا مجبور قرار دینا درست نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ جب اللہ کے پاس لوح محفوظ ہے تو اسے لوح محو و اثبات کی کیا ضرورت ہے؟

ہم انشاء اللہ کسی مناسبت موقع پر اس کی مفصل بحث کریں گے۔

خطبہ ۶۲

اَلا وَاِنَّ الدُّنْیَا دَارٌ لَا یُسْلَمُ مِنْهَا اِلَّا فِیْهَا وَ لَا یُنْجٰی بِشَیْءٍ كَانَ لَهَا اُبْتُلِیَ النَّاسُ بِهَا فِتْنَةً فَمَا اَخَذُوْهُ مِنْهَا لَهَا اُخْرِجُوْا مِنْهُ وَ حُوْسِبُوْا عَلَیْهِ وَ مَا اَخَذُوْهُ مِنْهَا لِغَیْرِهَا قَدِمُوْا عَلَیْهِ وَ اَقَامُوْا فِیْهِ فَاِنَّهَا عِنْدَ ذَوِی الْعُقُوْلِ كَفَیْءِ الظِّلِّ بَیْنَا تَرَاهُ سَابِغًا حَتّٰی قَلَصَ وَ زَائِدًا حَتّٰی نَقَصَ.

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا ایسا گھر ہے کہ اس کے (عواقب) سے بچاؤ کا سامان اسی میں رہ کر کیا جا سکتا ہے اور کسی ایسے کام سے جو صرف اسی دنیا میں آزمائش میں ڈالے گئے ہیں، لوگ اس دنیا میں آزمائش میں ڈالے گئے ہیں، لوگوں نے اس دنیا سے جو دنیا کے لیے حاصل کیا ہوگا، اس سے الگ کر دیئے جائیں گے اور اس پر ان سے حساب لیا جائے گا اور جو اس دنیا سے آخرت کے لیے کمایا ہوگا، اسے آگے پہنچ کر پالیں گے اور اسی میں رہیں سہیں گے۔ دنیا عقلمندوں کے نزدیک ایک بڑھتا ہوا اور پھیلا ہوا دیکھ رہے تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھٹ کر اور سمٹ کر رہ گیا۔

تشریح لغت (فَاءَ) الظِّلُّ یَفِیْئُ قَیْئًا، سایہ مغرب سے مشرق کی جانب ڈھل گیا، فیروز آبادی کہتے ہیں ''فیء'' اس دھوپ والی جگہ کو کہتے ہیں جہاں سایہ آ گیا ہو۔

(سبغ) اَلشَّیْءُ سَبُوْغًا، از باب نَصَرَ، کسی چیز کا کامل اور تمام ہونا، ''سَبَغَ الدِّرْعُ'' جب زرہ اوپر سے نیچے تک لمبی ہو، ''سَبُوْغُ الظِّلِّ'' جب سایہ لمبا ہو جائے۔ (فلص) الظل، سایہ سمٹ گیا۔

تشریح

حضرتؑ کا یہ خطبہ دنیا سے زہد اور آخرت کی ترغیب سے متعلق ہے اور اس خطبہ سے آپ نے خواب غفلت میں پڑے انسانوں کو بتلایا کہ وہ اس دنیا کے فریب میں نہ آئیں، دنیا فتنہ و آزمائش کا گھر ہے اور اس کا زوال قریب ہے اور یہ جلد فنا ہونے والی ہے، اس دنیا سے آخرت کا زادِ راہ حاصل کرو اور سفرِ آخرت کی تیاری کرو، چنانچہ آپؑ نے فرمایا:

(اَلا وَاِنَّ الدُّنیا دَارٌ لا یُسْلَمُ مِنْھَا اِلَّا فِیْھَا) تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا ایسا گھر ہے کہ اس کے (عواقب) سے بچاؤ کا سامان اسی میں رہ کر کیا جا سکتا ہے۔

اور دنیا کے شرور و مفاسد جو آخرت کے عذاب الیم کا سبب ہیں، ان سے پرہیز کر کے انسان دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہ سکتا ہے، کیونکہ دنیا کے بعد پھر عمل کرنے کی گھڑی نصیب نہیں ہوگی، اس لیے کہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔

الکافی میں ہیثم بن واقد حریری (جزری) سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مَنْ زَھِدَ فِی الدُّنیا اَثْبَتَ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فِی قَلْبِہٖ، وَاَنْطَقَ بِھَا لِسَانَہٗ وَ بَصَّرَہٗ عُیُوْبَ الدُّنیا دَائَھَا وَ دَوَائَھَا وَ اَخْرَجَہٗ مِنَ الدُّنیا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَام''

جو شخص دنیا سے بے رغبتی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کو جاگزین کرے گا اور اس کی زبان پر حکمت جاری کر دے گا اور اسے دنیا کے عیوب، دنیا کی بیماری اور اس کے علاج سے باخبر کرے گا اور اسے دنیا سے سالم ایمان کے ساتھ جنت میں منتقل کرے گا۔

(وَ لَا یُنْجِی بِشَیْءٍ کَانَ لَھَا) اور کسی ایسے کام سے جو صرف اسی دنیا کی خاطر کیا جائے، نجات نہیں مل سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دو ستونوں کی مانند ہیں جو چیز دنیا کے لیے مفید ہوگی، آخرت کے لیے تباہ کن ہوگی اور جو چیز آخرت کے لیے فائدہ مند ہوگی وہ دنیا کے لیے مضر ہوگی۔

دنیا اور آخرت ایک ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں، جب ایک طرف کا پلڑا بھاری ہوگا تو دوسرا ہلکا ہو جائے گا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ فِیْ طَلَبِ الدُّنیا اضْرَارً بِالآخِرَۃِ وَ فِیْ طَلَبِ الْآخِرَۃِ وَاِضْرَارًا بِالدُّنیا، فَاضِرُّوا بِالدُّنیا فَاِنَّھَا اَحَقُّ بِالْاِضْرَارِ وَ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ:

''اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنیا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلاً'' (الکہف ۴۶)

دنیا کی تلاش میں آخرت کا نقصان ہے اور آخرت کی تلاش میں دنیا کا نقصان ہے، دنیا کا نقصان برداشت کر لو کیونکہ وہ نقصان ہی کے لائق ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں اس سے کہیں زیادہ

اچھی ہیں اور تمنا و آرزو لحاظ سے بھی بہتر ہیں۔

مال و اولاد کے ذریعہ سے دنیا میں فخر تو کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ چیزیں آخرت کے لیے وجہِ افتخار نہیں ہیں اور اعمال صالحہ کا ثواب ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور عذابِ الیم سے ذریعہ نجات ہے۔

(اُبْتُلِیَ النَّاسُ بِهَا فِتْنَةً) لوگ اس دنیا میں آزمائش میں ڈالے گئے ہیں۔

حضرتؑ نے ان الفاظ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا امتحان و آزمائش کا گھر ہے اور انسان ہر وقت حالت امتحان ہی میں ہے، البتہ امتحان کا طریقہ مختلف ہے، بعض افراد کو نعمتیں دے کر آزمایا جا رہا ہے اور بعض افراد کو غربت و تنگی سے آزمایا جا رہا ہے۔

جسے نعمتیں دی گئیں اس کے لیے شکر کا امتحان ہے اور جسے تنگ دستی و پریشانی دی گئی ہے اس کے لیے صبر کا امتحان ہے۔

اَلا اِنَّمَا الدُّنیَا بَلَآءٌ وَّ فِتنَةٌ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اَقْبَلَتق اَوْتَوَلَّتِ

دنیا ہر حال میں آزمائش و امتحان ہے، کسی کے قدموں میں ہو یا کسی سے منہ موڑ چکی ہو، ہر حالت میں امتحان ہی امتحان ہے۔

فلسفہ امتحان

دنیاوی زندگی ہر انسان کے لیے امتحان گاہ ہے اور یہاں کی ہر مسرت و حسرت ذریعہ امتحان ہے۔

''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً. وَاِلَيْنَاتُرْجَعُوْن'' (الانبیاء ۳۵)

اور ہم تمہیں مصیبت و راحت میں آزماتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں طبرسی علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں:

ہم تمہیں غربت و امارت، مصیبت و راحت دے کر تمہارا امتحان لیتے ہیں اور اس ذریعہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ غربت و مصیبت میں گرفتار ہو کر صبر کون کرتا ہے اور ہماری تقدیر پر ناراض کون ہوتا ہے اور امارت و راحت کے ذریعہ سے ہم تمہارے شکر کا امتحان لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ نعمتیں پا کر ہمارا شکر کون ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ شر سے مراد خواہشات نفسانی کا غلبہ ہے اور خیر سے مراد گناہوں سے بچنا ہے۔

یاد رکھیں امتحان ہمیشہ دو مقاصد کے لیے لیا جاتا ہے۔

۱۔ کسی کی صلاحیت و قابلیت معلوم کرنے کے لیے امتحان لیا جاتا ہے۔

۲۔ یا ممتحن کو اس فرد کی صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے مگر امتحان اس لیے لیا جاتا ہے کہ اس کی صلاحیتوں کا دوسرے افراد کو بھی علم ہو سکے۔

پروردگارِ عالم تمام انسانوں کی صلاحیت ولیاقت سے پہلے ہی باخبر ہے اسے اس لیے امتحان لینے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کا امتحان لیتا ہے تو اپنی معلومات کے اضافے کے لیے امتحان نہیں لیتا بلکہ دوسرے ابنائے بشر کو اس کی صلاحیتوں سے باخبر کرنے کے لیے امتحان لیتا ہے اور موت وحیات کے فلسفے میں بھی امتحان کا فلسفہ مضمر ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے امتحان کے مدارج بھی خود بیان کیے ہیں:

ا۔خود یہی آیت

ا۔''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ. وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ. قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ''(البقرہ/۱۵۷)

اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور ایسے صبر کرنے والوں کو جب ان پر کوئی مصیبت آن پڑی تو وہ بول اٹھے ہم خدا ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، خوشخبری دے دو کہ انہیں لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے عنایتیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

مزید لطف کی بات یہ ہے کہ امتحان کا سلسلہ صرف عام افراد کے لیے ہی نہیں بلکہ انبیاء واوصیاء واولیاء کا بھی اللہ نے امتحان لیا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

''وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ.....''(البقرہ ۱۲۴) اور جب ابراہیمؑ کے رب نے ابراہیمؑ کو چند کلمات سے آزمایا تو انہوں نے پورے کر دیئے.....

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کا امتحان اس طریق سے لیا جاتا ہے کہ آیا وہ اللہ کی رضا پر عمل کرتا ہے یا اپنے نفس کی خواہشات پر عمل کرتا ہے؟

طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے امتحان کی نوعیت ہمارے امتحان جیسی ہرگز نہ تھی، اللہ نے انہیں چند امور بجالانے کا حکم دیا تھا اور انہی احکام کی بجا آوری کو اللہ تعالیٰ نے امتحانِ ابراہیمؑ قرار دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کسی فرد کو اپنے علمِ سابق کی بنا پر جزا وسزا نہیں دیتا۔اس لیے وہ عادلِ حقیقی اسے امتحان کی منزل سے گزارتا ہے اور پھر اس کے عمل کے مطابق اسے جزا وسزا کا مستحق قرار دیتا ہے۔

انہی حقائق کے پیشِ نظر امیر الموحدین علیہ السلام نے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ غفلت میں نہ رہیں، اس دنیاوی زندگی کو اپنے لیے امتحان تصور کریں اور اچھے عقیدہ وعمل سے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے درجات عالیہ کے حقدار بنیں اور دنیا کی ظاہری رنگینیوں کے فریب میں نہ آئیں۔

(فَمَا اَخَذُوْهُ مِنْهَا لَهَا اُخْرِجُوْا مِنْهُ وَ حُوْسِبُوْا عَلَيْهِ وَ مَا اَخَذُوْهُ مِنْهَا لِغَيْرِهَا قَدِمُوْا عَلَيْهِ وَ اَقَامُوْا فِيْهِ) لوگوں

نے اس دنیا سے جو دنیا کے لیے لیا ہوگا، اس سے الگ کر دیئے جائیں گے اور اس پر ان سے حساب لیا جائے گا اور جو اس دنیا سے آخرت کے لیے کمایا ہوگا، اسے آگے پہنچ کر پالیں گے اور اسی میں رہیں سہیں گے۔

ہر صاحب عقل اس چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا جو جلد زوال پذیر اور تیزی سے فنا ہونے والی ہو اور اس کے برعکس ہر عاقل اس چیز کو پسند کرے گا جو ہمیشہ رہنے والی ہو، تو اسی طرح سے دنیاوی لذات چند روزہ ہیں اور آخرت کی نعمات ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں، دنیا کی لذات حسی ہیں اور آخرت کی نعمات عقلی ہیں، آخرت کو دنیا پر وہی فضیلت حاصل ہے جو عقل کو احساس پر حاصل ہے۔

علاوہ ازیں دنیا و آخرت کی نعمات کا عظیم فرق یہ ہے کہ نعماتِ دنیا کے متعلق باز پرس کی جائے گی جبکہ نعمات آخرت کی کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

حضرت لقمان کی نصیحت

الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان کی وصایا میں سے چند وصیتیں یہ تھیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

فرزندِ عزیز! تجھ سے پہلے لوگوں نے اپنی اولاد کے لیے دولت جمع کی تھی، لیکن نہ تو ان کی اولاد باقی رہی اور نہ ہی ان کی دولت باقی رہی۔ تیری حیثیت ایک مزدور کی سی ہے۔ ایک کام تیرے ذمہ لگایا گیا ہے اور تجھ سے اس کی اجرت کا وعدہ کیا گیا ہے، لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اپنی مزدوری میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کروتا کہ تمہیں تمہاری مکمل اجرت مل سکے۔

اس دنیا میں رہ کر اس بکری کی طرح کبھی نہ بننا جو ایک سرسبز کھیت میں چلی گئی اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اور اتنا گھاس کھالیا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گئی۔

دنیا کو اپنے لیے ایک پل تصور کرو جہاں سے تم نے گزر کر اپنی منزل کو جانا ہے اور یاد رکھو تم نے اس پل سے کبھی دوبارہ نہیں گزرنا، لہٰذا عقل مندی کا ثبوت دو اور پل کو آباد کرنے کی کوشش نہ کرو اور اس پل کو اپنا وطن تصور نہ کرو، پل کے مالک نے تمہیں پل کی آبادی کا حکم نہیں دیا۔

اے فرزند! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کل جب تم اپنے خدا کے حضور پیش ہوگے تو تم سے ان امور کا سوال کیا جائے گا۔

۱۔ تم سے تمہاری جوانی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے اسے کہاں آلودہ کیا؟

۲۔ تم سے تمہاری زندگی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے اسے کس چیز کی طلب میں فنا کیا؟

۳۔ مال و دولت کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تو نے دولت کہاں سے کمائی تھی اور کہاں خرچ کی تھی؟

تمہیں ان سوالات کے جواب دینا ہیں ان کی ابھی سے تیاری کرلو۔

اے فرزند! جب کچھ دنیا تیرے ہاتھ سے نکل جائے تو اس پر غم نہ کرنا، کیونکہ قلیل دنیا نے رہنا نہیں تھا اور کثیر دنیا کی آزمائش زیادہ

تھی، دنیا میں قدم قدم پر محتاط رہو اور ہر وقت محنت و کوشش کرتے رہو اور اپنے چہرے سے غفلت کا پردہ اتار کر رب کی بھلائی کا انتظار کرو اور موت سے پہلے زندگی کے لمحات کو غنیمت تصور کرتے ہوئے ان سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ اور اپنی آخرت کو آباد کرنے کا سامان یہاں سے حاصل کرو۔

(فَاِنَّهَا عِنْدَ ذَوِی الْعُقُوْلِ كَفَیْءِ الظِّلِّ بَیْنَا تَرَاهُ سَابِغًا حَتّٰی قَلَصَ وَ زَائِدًا حَتّٰی نَقَصَ.)دنیا عقلمندوں کے نزدیک ایک ڈھلتا سایہ ہے جسے ابھی بڑھا ہوا اور پھیلا ہوا دیکھ رہے تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھٹ کر اور سمٹ کر رہ گیا۔

حضرتؑ نے بیان کیا کہ عقلمندوں کے نزدیک دنیا کی حیثیت ایک سائے کی سی ہے جو بڑا مبالا اور پھیلا ہوا نظر آتا ہو اور پھر سکڑ کر چھوٹا ہو گیا ہو۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو سایہ صرف وہی افراد ہی سمجھتے ہیں جو صاحبان عقل و شعور ہوں جو ظلمات کی وادیوں سے نکل کر نور کی وادی میں سفر طے کر رہے ہوں۔

جب صاحبان شعور نے ہر لحظہ دنیا کی بدلتی ہوئی کیفیات کو دیکھا تو انہیں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ دنیا ہی فانی ہے اور اس کی حیثیت بادلوں کے سایہ کی سی ہے جو چند لمحات قبل بڑا سکون دِہ معلوم ہوتا تھا اور پوری فضا پر محیط نظر آتا تھا کہ آفتاب و ہوا نے اسے ہٹا دیا اور پھر وہی پرانی دھوپ عود کر آئی تھوڑی دیر بعد اس حقیقت کے ادراک کے بعد اہلِ عقل دنیا کی چکاچوند سے مرعوب نہیں ہوتے اور اس کے جلووں سے ان کی آنکھیں نہیں چندھیاتیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر جعفی سے فرمایا:

جابر! دنیا کو عارضی رہائش گاہ سمجھو اور یہ خیال کرو کہ ایک مسافر خانہ ہے جہاں تم نے چند دن رہ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جانا ہے اور دنیا کو اپنی سواری کا وہ جانور تصور کرو کہ عالم خواب میں تم جس پر سوار ہوئے ہو اور جب تمہاری آنکھ کھلی تو اس کا کہیں دور تک وجود ہی نہیں تھا اور تم بدستور اپنے بستر پر موجود تھے اور دنیا کو مآلِ آرزو قرار نہ دو، اسے وہ کپڑا سمجھو جسے تم پہن چکے ہو اور اسے وہ لونڈی سمجھو جس سے تم لذت اندوز ہو چکے ہو۔

عیون اخبار الرضا میں ہے ایک راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ شعر پڑھتے سنا:

كُلُّنَا نَأمَلُ مَدًّا فِی الْاَجَلْ وَالْمَنَایَا هُنَّ آفَاتُ الْاَمَلْ

لَا یَغُرَّنَّکَ اَبَاطِیْلُ الْمُنٰی وَالْزَمِ الْقَصْدَ وَدَعْ عَنْکَ الْعِلَلْ

اِنَّمَا الدُّنْیَا کَظِلٍّ زَائِلٍ حَلَّ فِیْهِ رَاکِبٍ ثُمَّ رَحَلْ

ہم سب طویل عمر کے خواہش مند ہیں، جب کہ موت آرزو و امید کی آفت ہے۔

خواہشات کی طفل تسلیوں کے دھوکے میں نہ آؤ، سیدھے راہ پر چلتے رہو اور لاحاصل بحثوں سے اجتناب کرو۔

دنیا تو ڈھلتی ہوئی چھاؤں ہے، جس کے سائے میں کوئی سوار آ کر کچھ دیر کے لیے بیٹھ کر چلا گیا۔

اَلَا اِنَّمَا الدُّنْیَا کَظِلّ غَمَامَةٍ اَظَلَّتْ یَسِیْرًا ثُمَّ حَفَّتْ فَوَلَّتِ

دنیا تو بادل کے سایہ کی طرح ہے جس نے کچھ دیر سایہ کیا اور پھر چلا گیا اور دھوپ نکل آئی۔

ایک اور شاعر نے کہا تھا:

اَلاَ اِنَّمَا الْدُّنیَا کَظِلِّ سَحَابَۃٍ اَظَلَّتْکَ یَوْمًا ثُمَّ عَنْکَ اضْمَحَلَّتِ

فَلَا تَکُ فَرْحَانًابِھَا حِیْنَ اَقْبَلَتْ وَلَاتَکُ جَرْعَاناً بِھَا حِینَ وَلَّتِ

دنیا تو بادل کا سایہ ہے جو ایک دن تجھ پہ سایہ فگن ہوا پھر چلا گیا جب دنیا تجھے حاصل ہو تو اس کے حصول پر خوش نہ ہونا اور جب دنیا تیرے ہاتھ سے نکل جائے تو اس کی جدائی پر افسوس نہ کرنا۔

خطبہ۶۳

فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ وَ بَادِرُوا آجَالَكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَ ابْتَاعُوا مَا يَبْقٰى لَكُمْ بِمَا يَزُوْلُ عَنْكُمْ وَ تَرَحَّلُوْا فَقَدْ جُدَّ بِكُمْ وَ اسْتَعِدُّوْا لِلْمَوْتِ فَقَدْ اَظَلَّكُمْ وَ كُوْنُوْا قَوْمًا صِيْحَ بِهِمْ فَانْتَبَهُوْا وَ عَلِمُوْا اَنَّ الدُّنْيَا لَيْسَتْ لَهُمْ بِدَارٍ فَاسْتَبْدَلُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ (سُبْحَانَهٗ) لَمْ يَخْلُقْكُمْ عَبَثًا وَ لَمْ يَتْرُكْكُمْ سُدًى وَ مَا بَيْنَ اَحَدِكُمْ وَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ اِلَّا الْمَوْتُ اَنْ يَّنْزِلَ بِهٖ وَ اِنَّ غَايَةً تَنْقُصُهَا اللَّحْظَةُ وَ تَهْدِمُهَا السَّاعَةُ لَجَدِيْرَةٌ بِقِصَرِ الْمُدَّةِ وَ اِنَّ غَائِبًا يَّحْدُوْهُ الْجَدِيْدَانِ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ لَحَرِيٌّ بِسُرْعَةِ الْاَوْبَةِ وَ اِنَّ قَادِمًا يَقْدَمُ بِالْفَوْزِ اَوِ الشِّقْوَةِ لَمُسْتَحِقٌّ لِاَفْضَلِ الْعُدَّةِ فَتَزَوَّدُوْا فِى الدُّنْيَا مِنَ الدُّنْيَا مَا تَحْرِزُوْنَ بِهٖ اَنْفُسَكُمْ غَدًا فَاتَّقٰى عَبْدٌ رَبَّهٗ نَصَحَ نَفْسَهٗ وَ قَدَّمَ تَوْبَتَهٗ وَ غَلَبَ شَهْوَتَهٗ فَاِنَّ اَجَلَهٗ مَسْتُوْرٌ عَنْهُ وَ اَمَلَهٗ خَادِعٌ لَّهٗ وَ الشَّيْطَانُ مُوَكِّلٌ بِّهٖ يُزَيِّنُ لَهُ الْمَعْصِيَةَ لِيَرْكَبَهَا وَ يُمَنِّيْهِ التَّوْبَةَ لِيُسَوِّفَهَا حَتّٰى تَهْجُمَ مَنِيَّتُهٗ عَلَيْهِ اَغْفَلَ مَا يَكُوْنُ عَنْهَا فَيَا لَهَا حَسْرَةً عَلٰى ذِىْ غَفْلَةٍ اَنْ يَّكُوْنَ عُمُرُهٗ عَلَيْهِ حُجَّةً وَ

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور موت سے پہلے اپنے اعمال کا ذخیرہ فراہم کرلو اور تمام دنیا کی فانی چیزیں دے کر باقی رہنے والی چیزیں خرید لو، چلنے کا سامان کرو، کیونکہ تمہیں تیزی سے لے جایا جارہا ہے اور موت کے لیے آمادہ ہوجاؤ کہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے، تمہیں ایسے لوگ ہونا چاہئے جنہیں پکارا جائے تو جاگ اٹھیں اور یہ جان لینے پر کہ دنیا ان کا گھر نہیں ہے، اسے (آخرت سے) بدل لو۔ اس لیے کہ اللہ نے تمہیں بیکار پیدا نہیں کیا اور نہ اس نے تمہیں بے قید و بند چھوڑ دیا ہے، موت تمہاری راہ میں حائل ہے، اس کے آتے ہی تمہارے لیے جنت ہے یا دوزخ ہے اور وہ مدت حیات جسے ہر گزرنے والا لحظہ کم کررہا ہو اور ہر ساعت اس کی عمارت کو ڈھا رہی ہو، کم ہی سمجھی جانے کے لائق ہے اور وہ مسافر جسے ہر نیا دن ہر نئی رات (لگاتار) کھینچے لیے جارہے ہوں، اس کا منزل تک پہنچنا جلد ہی سمجھنا چاہیے اور وہ عازم سفر، سرکش و متمرد نہ بنا سکیں اور کسی منزل پر اطاعت پروردگار سے درماندہ و عاجز نہ ہوں اور مرنے کے بعد نہ شرمساری اٹھانا پڑے اور نہ رنج و غم سہنا پڑے۔ اور وہ عازم سفر جس کے سامنے ہمیشہ کی کامرانی یا ناکامی کا سوال ہے، اس کو اچھے سے اچھا زادمہیا کرنے کی ضرورت ہے لہذا اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے اتنا توشہء آخرت لے لو جس کے ذریعہ کل اپنے نفسوں کو بچا سکو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے ڈرے۔ اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی (مرنے سے پہلے) توبہ کرے۔ اپنی خواہشوں پر پابور کھے۔ کیونکہ موت اس کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ اور امیدیں فریب دینے والی ہیں۔ اور شیطان اس پر چھایا ہوا ہے۔ جو گناہوں کو سجا کر اس کے سامنے لاتا ہے کہ وہ اس میں مبتال ہو اور توبہ کی ڈھارس بندھاتا رہتا ہے کہ وہ اسے تعویق میں ڈالتا رہے۔ یہاں تک موت غفلت و بے خبری کی حالت میں اس پر اچانک ٹوٹ پڑتی ہے۔ واحسرتا! کہ اس غافل و بے خبر کی موت حیات ہی اس کے خلاف ایک حجت بن جائے اور اس کی زندگی کا انجام بدبختی کی صورت میں ہو۔ ہم اللہ سبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور

تُقَصِّرُ بِهٖ عَنْ طَاعَةِ رَبِّهٖ غَايَةٌ عَ لَا تَحُلُّ بِهٖ بَعْدَ الْمَوْتِ نَدَامَةٌ وَ لَا كَآبَةٌ.

تمہیں ایسا کردے کہ (دنیا کی) نعمتیں سرکش و متمرد نہ بنا سکیں اور کسی منزل پر اطاعت پروردگار سے درماندہ و عاجز نہ ہوں اور مرنے کے بعد نہ شرمساری اٹھانا پڑے اور نہ رنج و غم سہنا پڑے۔

تشریح لغت (بَادَرَهٗ) مُبَادَرَةً وَ بَدَارًا وَ بَدَرَ غَيْرَهٗ اِلَيْهِ، جلدی کی، (جُدَّ بِكُمْ) تمہیں تیزی سے لے جایا جا رہا ہے (اِسْتَعَدَّلَهٗ) تیاری کی، (اَظَلَّنِی) وہ مجھ پہ سایہ فگن ہوا (اِسْتَبْدَلُوْا) فعل امر حاضر، یعنی بدل لو (صِيْحَ بِهِمْ) انہیں پوری قوت سے پکارا گیا (سُدَیٰ) سین کے پیش کے ساتھ، کبھی سین پر زبر بھی پڑھی جاتی ہے، آوارہ اونٹ، واحد و جمع کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے (اَلْجَدِيْدَان) دن، رات۔

(اَلاَوْبَةِ) واپسی (اَلْعُدَّةُ) انسان مشکل وقت کے لیے جو مال و ہتھیار جمع کر رکھتا ہے (اَلْحِرْزُ) حفاظت، تحرز ون، ثلاثی مجرد بھی ہوسکتا ہے اور باب افعال سے ثلاثی مزید فیہ بھی ہوسکتا ہے (اَلتَّسْوِيْفُ) سستی کرنا، آج کل پر ٹالتے رہنا (اَلْبَطْرُ) سرکشی (كَئُبَ) اَلرَّجُلُ كَآبَةً، جب کوئی شخص مغموم و رنجیدہ ہو۔

تشریح

حضرتؑ کے اس خطبہ کا مقصد انسانوں کو دنیا سے نفرت دلانا ہے اور اس خطبہ کے ذریعہ سے آپ نے رہتی دنیا تک یہ پیغام دیا ہے کہ دنیا کی مدت بقا انتہائی قلیل ہے اور دنیا جلد زائل ہونے والی ہے اور سلسلۂ شب و روز زندگی کے ایام کاٹنے میں لگا ہوا ہے، اسی لیے انسان کو چاہیے کہ اس خسارہ کو نفع میں بدلے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس چند روزہ زندگی میں پروردگارِ عالم کے احکام پر عمل کرتے ہوئے تقویٰ اختیار کرے اور اعمال صالحہ بجالائے اور یوں آخرت کی ابدی زندگی کا سکون حاصل کرے، اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

(فَاتَّقُوْا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ وَ بَادِرُوْا آجَالَكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ) اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور موت سے پہلے اپنے اعمال کا ذخیرہ فراہم کرلو۔

یہ جب ہی ممکن ہے جب انسان کو ہر وقت اپنی موت یاد ہو اور موت سے قبل ذخیرہ آخرت تیار کرتا رہے، عقل مند انسان کو چاہئے کہ دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اپنے سفر سے غافل نہ ہوجائے، دنیا کو دارالغرور سمجھے اور آخرت کو دارالسرور قرار دے۔ اور موت آنے سے پہلے اس کی تیاری کرلے۔

عمدہ خرید و فروخت

(وَ ابْتَاعُوْا مَا يَبْقٰى لَكُمْ بِمَا يَزُوْلُ عَنْكُمْ) اور تمام دنیا کی فانی چیزیں دے کر باقی رہنے والی چیزیں خرید لو۔

ان الفاظ سے حضرتؑ نے انسان کو ایک فائدہ مند تجارت کی طرف متوجہ کیا کہ فانی چیزوں کے بدلے میں باقی رہنے والی چیزیں

خرید لو اور عاقل انسان کا فرض ہے کہ جب کبھی ایسا نفع بخش کاروبار سنے تو اس میں ضرور حصہ لے اور تجارت کا یہ تصور حضرتؑ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے اخذ فرمایا ہے:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْم. تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ. ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْن'' (الصّف/۱۰،۱۱)

اے ایماندارو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتادوں جو تم کو (آخرت) کے دردناک عذاب سے نجات دے، (اور وہ یہ ہے کہ) خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرو، اگر تم سمجھو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

یاد رکھیں کہ تجارت اور بیع میں جب تک چار چیزیں نہ ہوں خرید و فروخت نہیں ہو سکتی اور وہ چار اجزا یہ ہیں:

۱۔خریدنے والا ۲۔بیچنے والا ۳۔وہ مال جسے بیچا جا رہا ہے ۴۔اس کے بدلے میں ملنے والی قیمت

عبد و معبود میں بھی تجارت کے وقت چاروں اجزا موجود ہیں، اس عظیم تجارت میں بیچنے والا بندہ ہے اور خریدار اللہ تعالیٰ ہے اور جو چیز انسان بیچ رہا ہے وہ اپنی متاعِ حیات ہے اور اس کے بدلے میں جو قیمت حاصل ہو رہی ہے وہ آخرت کی جاودانی نعمات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دارِ دنیا کی تشبیہ بازارِ تجارت سے دی ہے اور اس نے اس بازار میں سامانِ آخرت برائے فروخت رکھا، جبکہ مخلوق کی تہی دامنی یہ تھی کہ ان کے پاس چند کھوٹے درہموں کے علاوہ کوئی رقم ہی نہیں تھی، اب وہ ان کھوٹے درہموں سے سامانِ آخرت خریدتے تو کیونکر خریدتے؟

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں کی اس بے بسی کو ملاحظہ کیا تو اعلان فرمایا: تمہیں گھبرانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، ہم اپنی شانِ رحیمی سے تمہارے کھوٹے سکے قبول کرتے ہیں، جسے بھی سامان آخرت درکار ہو آئے اور ارزاں طور پر حاصل کرے۔

اس موقعہ سے استفادہ کرنے والا شخص دانا متصور ہوگا اور فائدہ نہ اٹھانے والا شخص پرلے درجے کا احمق شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خرید و فروخت کی دستاویز و شرائط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ. یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ . وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ. وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ '' (توبہ/۱۱۱) یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر مارے جاتے ہیں، یہ تورات و انجیل اور قرآن مجید میں ان کے ذمہ پکا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ پس تم نے اللہ کے ساتھ جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہاں پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ تجارت کا اصول یہ ہے کہ انسان اس چیز کو خریدتا ہے جو پہلے سے اس کی ملکیت میں نہ ہو لیکن رب العزت کی شفقت ملاحظہ فرمائیں کہ وہ انسانی جانوں کا مالک ہونے کے باوجود بھی اسے خرید رہا ہے۔

۲۔ پھر دیکھیے کہ اس نے منبع فساد اور متاعِ غرور کو خرید کر جنت جیسی لازوال نعمت عطا کی ہے، یہ اس کا فیض و کرم ہے ورنہ جان و

مال کی اتنی بڑی قیمت بن ہی نہیں سکتی تھی اور عقل مند اس تجارت سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔

روایت میں ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے مسجد نبوی کے منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی، مسجد کے دروازے سے ایک اعرابی گزر رہا تھا اس نے کھڑے ہو کر آیت سنی، تو لوگوں سے پوچھا یہ کس کا کلام ہے؟

صحابہ نے کہا: اللہ کا کلام ہے۔

اعرابی نے کہا: ''خرید وفروخت کا یہ سودا کہاں سے ملے گا؟''

صحابہ نے کہا: ''عالمِ میثاق پر یہ معاملہ طے ہوا تھا''

اعرابی نے کہا: خدا کی قسم! یہ فائدہ مند تجارت ہے، ہم اپنے عہد پر قائم رہیں گے اور اس سودے کو منسوخ نہیں ہونے دیں گے۔

۳۔ اللہ نے جنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا وعدہ حق ہے۔

۴۔ آیت میں (وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا) کے الفاظ وارد ہیں اور لفظ (علی) وجوب پر دلالت کرتا ہے، تو اس سودے میں اللہ نے اپنے اوپر جنت عطا کرنا واجب قرار دیا۔

۵۔ آیت میں (وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا) کے الفاظ ہیں، تو لفظ حق سے حق تعالیٰ نے اس سودے کے واقع ہونے کی تائید مزید فرمائی ہے۔

۶۔ (فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ .) کے الفاظ بتاتے ہیں کہ خرید وفروخت کے معاملہ کو صرف زبانی ہی نہیں رہنے دیا گیا بلکہ اس کی دستاویز لکھ کر قبالہ ملکیت مومنین کو دیا گیا اور وہ دستاویز تورات، انجیل اور قرآن میں موجود ہے اور ہر نبی ورسولؑ اس سودے کی طرف دعوت دیتا رہا ہے اور ان کی کتابوں میں خرید وفروخت کی دستاویز موجود ہے۔

۷۔ بعض اوقات بیچنے والا فرد مال بیچنے سے اس لیے کتراتا ہے کہ اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ گاہک یہ قیمت ادا بھی کرے گا یا نہیں، تو یہاں اس مال کا خریدار اللہ ہے اور اسے غلط بیانی زیب نہیں دیتی، اس لیے کہ اللہ نے فرمایا (وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ)الہ سے بڑھ کر معاہدہ کی پابندی اور کون کر سکتا ہے؟

یاد رکھیں وعدہ پورا نہ ہونے کی بھی وجوہات ہوتی ہیں:

۱۔ کوئی شخص اس لیے وعدہ خلافی کرتا ہے کہ وعدہ وفائی سے عاجز ہوتا ہے۔

۲۔ یا بخیل وکم ظرف ہوتا ہے اس لیے وعدہ وفائی نہیں کرتا۔

اس سودے میں اللہ وعدہ کر چکا ہے، اللہ نہ تو عاجز ہے اور نہ ہی بخیل ہے، اسی لیے اس کے حق میں وعدہ خلافی کا تصور کرنا بھی بے ادبی ہے۔

۸۔ اصول تجارت یہ ہے کہ جب کسی تاجر کو کم قیمت چیز کی اچھی قیمت مل جائے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور عبد ومعبود کے

درمیان جو تجارت ہوئی ہے وہ بھی اسی طرح کی ہے، عبد نے فانی چیز دے کر باقی رہنے والی قیمت حاصل کی ہے، اسی لیے اسے اس سودے پر خوش ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا: ''فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُمْ بِهٖ. ''تم خدا سے ہونیوالی اپنی خرید و فروخت پر خوشیاں مناؤ۔

۹۔اس طرح کا سودا تاجر کی کامیابی متصور ہوتا ہے، اسی لیے اللہ نے اسے (فوز) سے تعبیر کیا ہے۔ (امیر الموحدین علیہ السلام نے ماہِ رمضان المبارک کی انیس کی صبح جب ابن ملجم نے انہیں سر پر ضرب ماری تو فرمایا: ''فزت و رب الکعبة ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔)

۱۰۔نفع میں حاصل ہونے والی کامیابی دو قسم کی ہوتی ہے: ۱۔معمولی کامیابی ۲۔غیر معمولی کامیابی

قرآن مجید نے اس کامیابی کو غیر معمولی کامیابی قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا: ''ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ''یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

لفظ ''عظیم'' کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس تجارت کی عظمت وجلالت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

(وَ تَرَحَّلُوْا فَقَدْ جُدَّ بِكُمْ) چلنے کا سامان کرو تمہیں تیزی سے چلایا جا رہا ہے۔

حضرت نے ان جملوں سے ''سیر الی اللہ'' کی منازل طے کرنے کا حکم دیا ہے اور لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے نہ بیٹھے رہیں، وہ لمحہ بہ لمحہ حالتِ سفر میں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ '' (انشقاق/۶) انسان تو اپنے رب کی طرف سفر کر رہا ہے اور اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔

اس سفر کی پھر دو قسمیں ہیں: ۱۔اضطراری سفر ۲۔اختیاری سفر

اور یاد رہے کہ سیر وسلوک کی منزلوں کے طے کرنے کے لیے اختیاری سفر کی ضرورت ہے اور یہ سفر کچھ زیادہ طویل بھی نہیں ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام دعائے ابوحمزہ ثمالی میں بارگاہِ احدیت میں مناجات کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: ''وَ اِنَّ الرَّاحِلَ اِلَيْكَ قَرِيْبُ الْمَسَافَةِ ''تیری جانب سفر کرنے والے کی منزل بہت قریب ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دنیا کی تشبیہ ایک عارضی سرائے سے دی ہیں، جہاں چند دن مسافر قیام کرنے کے بعد اپنی اصلی منزل کی طرف سفر کرے گا، اسی لیے انسان کو اس دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دنیا کی حقیقت کو چند مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا: ''اَلدُّنْيَا تَغُرُّ تَضُرُّ تَمُرُّ ''دنیا دھوکہ دیتی ہے، نقصان پہنچاتی ہے پھر چلی جاتی ہے۔

اللہ کی نظر میں دنیا اس قدر حقیر ہے کہ اللہ نے اسے اپنے دوستوں کے ثواب اور دشمنوں کے عذاب کے قابل قرار نہیں دیا۔

اہلِ دنیا کی حقیقت تو یہ ہے کہ جیسے ایک کاروان اترا ہوا ہو اور سالار کوچ کا نعرہ لگا کر انہیں سرائے چھوڑنے کا حکم دے۔

اور وہ سرائے چھوڑ کر محوِ سفر ہو جائیں۔

امیر المومنینؑ کی طرف منسوب دیوان کے ان اشعار میں اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

تَـزَوَّدْ مِـنَ الـدُّنْيَـا فَـاِنَّکَ رَاحِـلُ وَ بَـادِرْ فَاِنَّ الْمَوْتَ لَا شَکَّ نَازِلُ

اَلَا اِنَّـمَـا الـدُّنْيَـا کَـمَـنْـزِلِ رَاکِـبٍ اَرَاحَ عَشِيًّا وَّ هُوَ فِی الصُّبْحِ رَاحِلُ

اس دنیا سے زادِراہ حاصل کر لے تو سفر کرنے والا ہے اور جلدی کر موت بے شک وشبہ آنے والی ہے۔

دنیا کی حیثیت ایک کاروان سرائے کی سی ہے، جہاں مسافر شب باشی کر کے صبح کو روانہ ہو جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کہ حضرتؑ کے خطبہ کے الفاظ سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ کوئی منادی موت کی آواز دے رہا ہے، تو وہ ندا دینے والا کون ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس سے وہ فرشتہ مراد ہو جو اہلِ جہان کو کوچ کی منادی ندا دیتا رہتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شعر میں اس حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے۔

لَـهُ مَـلَکٌ يُـنَـادِیْ کُـلَّ يَـوْمٍ لِـدُوْا لِـلْـمَـوْتِ وَ ابْـنُـوْا لِلْخَرَابِ

اللہ کا ایک فرشتہ ہے جو روزانہ ندا دے کر کہتا ہے: موت کے لیے اولاد پیدا کرو اور ویرانی کے لیے مکان تعمیر کرو۔

علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ منادی کا تعلق انسان کے اپنے اندرون سے ہو اور دن بدن اس کے بدن میں رونما ہونے والی تبدیلیاں حق کی طرف سے عملی ندا ہیں اور حضرت کی طرف منسوب دیوان میں اس مفہوم کو ان اشعار سے بیان کیا گیا ہے۔

اَلَا مَـا تَـجُـرُّ اذَيَـالَ التَّـصَـابِـی وَ شَيْبُکَ قَدْ نَضَابُرْدَ الشَّبَابِ

بِلَالُ الشَّيْـبِ فِـی فُوْدِيْکَ نَـادیٰ يَا عُلَی الصَّوْتِ حَیَّ عَلَی الذِّهَابِ

خُـلِـقْـتَ مِنَ التُّرَابِ وَ عَنْ قَرِيْبٍ تَـغِيْـبُ تَـحْـتَ اَطْبَاقِ التُّـرَابِ

طَـمِـعْـتَ اِقَـامَةً فِـیْ دَارِ ظَعْنٍ فَلَا تَـطْـمَعْ فَرِجْلُکَ فِی الرِّکَابِ

وَ اَرْخَيْـتَ الْـحِـجَـابِ فَسَوْفَ يَـأْتِـیْ رَسُـوْلٌ لَيْـسَ يَـحْجُبُ بِالْحِجَابِ

أَعَـامِـرَ قَـصْـرِکَ الْمَـرْفُوْعُ اَقْصِرْ فَـاِنَّکَ سَـاکِـنَ الْـقَـصْرِ الْخَرَابِ

عشق ومستی کی یہ چادر تو کب تک گھسیٹ کر چلتا رہے گا جب کہ تیرے بڑھاپے نے تیری جوانی کی چادر کو لپیٹ دیا ہے۔

تیری کنپٹیوں پر بڑھاپے کے آثار نے بلند آواز سے تجھے پکار کر کہا: روانگی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

تو مٹی سے پیدا کیا گیا اور عنقریب مٹی میں تو چھپ جائے گا۔

تو دار السفر میں قیام کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے، دنیا میں قیام کی امیدیں نہ رکھ کیونکہ تیرے پاؤں رکاب میں ہیں۔

تو نے اپنے آگے پردے لٹکا رکھے ہیں، جب اللہ کا فرستادہ آئے گا تو اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہ ہو سکے گا۔

بلند و بالا محل میں رہنے والا! اپنی خواہشات کم کر عنقریب تو ویران قبر میں رہائش اختیار کرے گا۔

(وَ اسْتَعِدُّوْا لِلْمَوْتِ فَقَدْ اَظَلَّکُمْ) اور موت کے لیے آمادہ ہو جاؤ کہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔

اور موت کے لیے آمادگی کی شکل وصورت یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرے کہ اس نے ایک طویل سفر طے کرنا ہے اور اسے پل صراط سے گزرنا ہے اور جس مسافر کو اتنا طویل سفر درپیش ہو تو وہ سفر کے لیے زادِراہ تیار کرتا ہے اور جو مسافر اپنی حماقتوں کی وجہ سے زادِراہ فراہم نہ کرے اور سفر اختیار کرے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہر شخص کو موت سے قبل اپنا زادِراہ تلاش کرنا چاہیے ورنہ وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس سفر کے لیے تقویٰ بہترین زادِراہ ہے اور زادِ سفر کے لیے انسان کو اپنی خواہشات کم کرنی چاہئیں اور علائقِ دنیا سے اپنے قلب کو پاک کر کے محبت آخرت سے سرشار کرنا چاہیے اور جب کوئی شخص اس منزل پر پہنچ جائے تو اسے موت کا کوئی ڈر نہیں رہتا خواہ وہ موت اس پر آئے یا وہ موت پر جا پڑے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں ان کے آبائے طاہرین کی سند سے لکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا:

''موت کی تیاری کیسے کی جائے؟'' امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''اَدَآءُ الْفَرَآئِضِ وَ اجْتِنَابِ الْمَحَارِمِ وَ الْاِشْتِمَالُ عَلَى الْمَكَارِمِ ثُمَّ لَا يُبَالِيْ اِن وَّقَعَ عَلَى الْمَوْتِ اَوْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ، وَاللّٰهِ مَا يُبَالِي ابْنُ اَبِي طَالِبٍ اِن وَّقَعَ عَلَى الْمَوْتِ اَمِ الْمَوْتُ وَقَعَ عَلَيْهِ''

فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز مکارم اخلاق پر مشتمل ہونا، جب کسی میں یہ صفات پائی جائیں تو پھر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ موت اس پر واقع ہوتی ہے یا وہ موت پر واقع ہوتا ہے، خدا کی قسم! ابوطالب کا بیٹا اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔

خوابِ غفلت سے اٹھو

(وَ كُوْنُوْا قَوْمًا صِيْحَ بِهِمْ فَانْتَبَهُوْا وَ عَلِمُوْا اَنَّ الدُّنْيَا لَيْسَتْ لَهُمْ بِدَارٍ فَاسْتَبْدَلُوْا) اور تمہیں ایسے لوگ ہونا چاہیے جنہیں پکارا گیا تو وہ جاگ اٹھے اور یہ جان لینے پر کہ دنیا ان کا گھر نہیں ہے اسے (آخرت سے) بدل لیا ہو۔

اے خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے انسانو! تم بھی انہی لوگوں کی طرح سے بن جاؤ۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے صاحبِ شریعت پیغمبر تمہیں بار بار پکار چکے ہیں اور تمہیں فکرِ آخرت کا حکم دے کر گئے ہیں، لہٰذا اپنی جانوں پر خود ترس کرو اور آخرت کے سفر کی تیار کرو اور اپنے آپ کو اس جماعت کا فرد بناؤ جنہوں نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کی اور آخرت کے شائق بنے، جنہوں نے زمین کو اپنے لیے بستر اور خاک کو تکیہ اور پانی کو اپنے لیے خوشبو سمجھا اور جو دنیا سے کٹ کر رہ گئے، اس لیے کہ جو جنت کا مشتاق ہوگا، وہ خواہشات کو بھلا دے گا اور جو دوزخ سے بے اعتنائی اختیار کرے گا، وہ مصیبتوں کو سہل سمجھے گا۔

ان لوگوں سے اپنا الحاق کرو جو اللہ کی یوں عبادت کرتے ہیں گویا وہ اہلِ جنت کو جنت کے مزے لوٹتے اور اہلِ دوزخ کو آگ کے شعلوں میں جلتا ہوا دیکھ رہے ہوں۔

ان لوگوں میں سے بنو جن کے دل غم زدہ اور محزون ہیں اور لوگ ان کے شر و ایذا سے محفوظ ہیں اور جن کے نفس نفسانی خواہشوں

سے بری ہیں اور جن کی ضروریات کم ہیں، جنہوں نے چند مختصر سے دنوں کی تکلیفوں پر صبر کیا اور اس کے نتیجہ میں دائمی آسائش حاصل کی، ان کے لیے جب رات ہوتی ہے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے ہیں اور ان کے رخسار آنسوؤں سے تر بتر ہوتے ہیں اور اللہ سے گلوخلاصی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں اور جب دن ہوتا ہے تو وہ دانش مند عالم، نیکوکار اور پرہیزگار نظر آتے ہیں، خوفِ خدا نے جنہیں تیروں کی طرح لاغر کر چھوڑا ہے دیکھنے والا جنہیں دیکھ کر مریض سمجھتا ہے حالانکہ انہیں کوئی مرض نہیں ہوتا اور جب ان کی باتوں کو سنتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ ان کی عقلوں میں فتور آ گیا ہے جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، انہیں تو ایک دوسرا ہی خطرہ لاحق ہے، اسی لیے انہوں نے دنیا کے بدلے آخرت کو قبول کر لیا۔

مقصدِ خلقت

(فَاِنَّ اللّٰہَ (سُبْحَانَہٗ)لَمْ یَخْلُقْکُمْ عَبَثًا وَ لَمْ یَتْرُکْکُمْ سُدًی)اس لیے کہ اللہ نے تمہیں بے کار پیدا نہیں کیا ارنہ اس نے تمہیں بے قید و بند چھوڑ دیا ہے۔

اللہ نے تمہیں غرض عبادت سے پیدا فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ '' (الذاریات/۵۶) اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اسی مقصد تخلیق کو مدنظر رکھ کر انسان کو عبادت الٰہی میں منہمک ہونا چاہیے اور گناہوں کی بھڑکتی ہوئی آگ کو توبہ کے پانی سے بجھانا چاہیے۔

تورات سے انتخاب کر کے جو حدیث قدسی کی تشکیل دی گئی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ''یَابْنَ آدَمَ اِنِّیْ لَمْ اَخْلُقْکُمْ عَبَثًا وَّلَا جَعَلْتُکُمْ سُدیً وَّ لَا اَنَا بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ وَ اِنَّکُمْ لَنْ تَنَالُوْا مَا عِنْدِی اِلَّا بِالصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَھُوْنَ فِیْ طَلَبِ رِضَآئِیْ وَالصَّبْرِ عَلٰی طَاعَتِیْ اَیْسَرُ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرِّ النَّارِ وَ عَذَابِ الدُّنْیَا اَیْسِرُ عَلَیْکُمْ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَۃِ یَابْنَ آدَمَ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ھَدَیْتُہٗ وَ کُلُّکُمْ ھَالِکٌ اِلَّا مَنْ اَنْجَیْتُہٗ وَ کُلُّکُمْ مُسِیْٓءٌ اِلَّا مَنْ عَصَمْتُہٗ فَتُوْبُوْا اِلَیَّ اَرْحَمْکُمْ وَلَا تَھْتِکُوْا اَسْتَارَکُم عِنْدَ مَن لَّا یَخْفیٰ عَلَیْہِ اَسْرَارُکُمْ''

فرزند آدمؑ! میں نے تمہیں بیکار پیدا نہیں کیا اور تمہیں بنا کر آوارہ چھوڑ نہیں دیا۔ اور میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں اور جو نعمات میرے پاس ہیں، ان کو تم صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتے ہو جب میری رضا کے حصول کے لئے ناپسندیدہ امور پر صبر کرو گے۔ اور یاد رکھو میری اطاعت پر ثابت قدم رہنا آتش دوزخ کی گرمی برداشت کرنے سے آسان ہے۔ اور دنیا کی چند روزہ تکلیف عذاب آخرت سے بہتر ہے۔

فرزند آدم! تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں نے ہدایت دی ہو۔ اور تم سب بیمار ہو سوائے اس کے جسے میں شفا دی ہو۔ اور تم سب فقیر ہو سوائے اس کے جسے میں نے غنی بنایا ہو۔ اور تم سب ہلاک ہونے والے ہو سوائے اس کے جسے میں نے نجات دی ہو۔ اور تم

سب بدکار ہوسوائے اس کے جسے میں نے گناہوں سے بچایا ہو۔تم میرے حضور توبہ کرو میں تم پر رحم کروں گا۔اور اس کے سامنے اپنا پردہ فاش نہ کرو جو تمہارے رازوں سے واقف ہے۔

(وَمَابَيْنَ اَحَدِكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ اِلَّا الْمَوْتُ اَنْ يَّنْزِلَ بِهٖ)

موت تمہاری راہ میں حائل ہے اور اس کے آتے ہی تمہارے لئے جنت یا دوزخ ہے۔امیر المومنین نے ان الفاظ سے لوگوں کو متنبہ کیا کہ جنت و دوزخ بہت دور کی بات ہرگز نہیں ہے۔جیسے ہی موت واقع ہوگی اس کے بعد جنت یا دوزخ میں سے ایک نہ ایک چیز مل جائے گی۔

یاد رکھیں قیامتیں بھی دو نہیں ہیں۔۱۔قیامت کبریٰ جسے کفار و مشرکین ہمیشہ دور سمجھتے تھے لیکن اہل ایمان اسے قریب جانتے تھے۔

۲۔قیامت صغریٰ: یہ موت کے فوراً بعد ہی قائم ہو جاتی ہے۔اسی لئے احادیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ''مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ'' جیسے ہی کوئی مرا،اس کی قیامت قائم ہوگئی۔مرنے والا خوش نصیب ہوگا تو اس کی قبر جنت کا باغ بن جائے گی اور اگر بد بخت ہوگا تو اس کی قبر دوزخ کا گڑھا بن جائے گی۔

برزخ کا عرفانی پہلو

عارف لوگ بیان کرتے ہیں کہ انسان اگر نور بصیرت سے مشاہدہ کرے تو وہ اپنے آپ کو مختلف درندوں کی صف میں گھرا ہوا دیکھے گا۔اور وہ درندے درحقیقت اس کی صفات رذیلہ ہیں۔انسان ہر وقت غضب،شہوت،کینہ پروری،حسد،تکبر،خود پسندی اور تکبر میں گھرا رہتا ہے۔اگر کسی کو نور عرفان مل جائے تو وہ دیکھ سکے گا کہ وہ اس وقت کون سے درندے کی لپیٹ میں ہے۔مگر انسانوں کی اکثریت اس نور سے محروم ہے۔اسی لئے وہ اس کے مشاہدہ سے قاصر ہے۔اور جب انسان مر کر قبر میں جاتا ہے تو وہی صفات رذیلہ مجسم ہو کر اس کی قبر میں آجاتی ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ قبر میں سانپ اور بچھو اذیت کے لئے آگئے ہیں۔درحقیقت قبر کے عذاب کے یہ جانور باہر سے نہیں آتے انسان کی اپنی صفات کا پرتو ہوتے ہیں اور عذاب قبر کا یہی مفہوم ہے۔

اس کے برعکس خوش نصیب افراد کے اعلیٰ اخلاق مجسم ہو کر اس کی قبر میں آجاتے ہیں جہاں اسے حور و قصور اور شراب طہور اور غلمان جیسی نعمات میسر آتی ہیں اور ثواب قبر کا یہی مفہوم ہے۔غالباً اسی حقیقت کے پیش نظر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:''اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنَ النَّارِ'' قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ یا دوزخ کا ایک گڑھا ہے۔امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اس خطبہ میں لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس دنیا کی بجائے دار آخرت کو آباد کرنے کی کوشش کریں اور اس کی دلیل دیتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا:''وَاِنَّ غَايَةً تَنْقُصُهَا اللَّحْظَةُ وَتَهْدِمُهَا السَّاعَةُ لَجَدِيْرَةٌ بِقِصَرِ الْمُدَّةِ'' اور وہ مدت حیات جسے ہر گزرنے والا لحظہ کم ہو رہا ہو اور ہر ساعت اس کی عمارت کو ڈھا رہی ہو،کم ہی سمجھی جانے کے لائق ہے۔

ایک ایک لمحہ اور ایک ایک نظر آہستہ آہستہ زندگی کو کم کرنے میں لگی ہوئی ہے اور روز و شب کی ایک ایک ساعت زندگی کی عمارت کو منہدم کر رہی ہے۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ ساعت سے مراد موت کا وقت ہے اور آخری سانس ہی زندگی کے اختتام سے عبارت ہے اسی لئے حضرت نے اسے عمارت حیات کے انہدام سے تعبیر فرمایا ہے۔

(وَاِنَّ غَآئِبًا یَّحْدُوْهُ الْجَدِیْدَانِ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ لَحِرِیٌّ بِسُرْعَةِ الْاَوْبَةِ)اور وہ مسافر جسے ہر نیا دن اور ہر نئی رات (لگاتار) کھینچے لئے جا رہے ہوں، اس کا منزل تک پہنچنا جلد ہی سمجھنا چاہیے۔

ان الفاظ میں لفظ (غائب) سے مراد انسان ہے کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے اس وقت تک وہ اپنے اصلی وطن اور حقیقی منزل سے غائب ہے اور منزل آخرت ہر شخص کا حقیقی وطن ہے۔

حضرت نے دن رات کو دو ہانکنے والوں سے تشبیہ دی ہے اور جسے ہانکا جا رہا ہے وہ انسان ہے۔ کیونکہ دن رات انسان کو ہانک کر اس کے اصلی وطن کی طرف لے جا رہے ہیں اور جسے مسلسل ہانکا جائے وہ جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

شارح بحرانی فرماتے ہیں کہ یہ معنی اگرچہ صحیح ہے لیکن یہ معنی، منزل پر پہنچنے، سے کچھ میل نہیں کھاتا کیونکہ انسان پہلے وہاں کب رہا تھا کہ اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کی جلد واپسی ہوئی ہے؟

اس کے لئے ہم عرض کریں گے کہ شارح اس نکتہ کو سمجھنے میں قاصر رہے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ موت کیا ہے؟ موت دراصل انسان پر طاری ہونے والے عدم کو کہا جاتا ہے۔ اور انسان اپنی اس تخلیق سے پہلے بھی تو پردہ عدم میں تھا اور موت کے بعد بھی انسان اسی عدم میں واپس چلا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرتؑ نے موت کو ''اَوبہ'' یعنی واپسی سے تعبیر فرمایا ہے۔ صدر المتألّہین ملا صدرا شیرازی فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ مبدأ فطرت اولیٰ ہے اور معاد اسی کی طرف پلٹنے کا نام ہے اور مبدأ کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے ''کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَهٗ شَیْءٌ ''بس اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی قرآن مجید نے فرمایا: ''وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ''میں نے تجھے پہلے پیدا کیا جب کہ تو کچھ نہ تھا۔ اور یہ پیدائش ''عدم اصلی'' سے نکل کر ''وجود کونی وحدوثی'' میں داخلہ کا نام ہے۔ اور انتہاء کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت میں کیا گیا ''کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ''اس پر رہنے والی ہر چیز فانی ہے۔ ''کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ''اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اور یہ موت وجود خاص سے نکل کر عدم فطری میں داخل ہونے کا نام ہے۔

اسی لئے امیر المومنین کو موت کو واپسی سے تعبیر کیا ہے۔ (وَاِنَّ قَادِمًا یَّقْدُمُ بِالْفَوْزِ اَوِ الشِّقْوَةِ الْمُسْتَحَقِّ لِاَفْضَلِ الْعُدَّةِ) اور وہ عازم سفر جس کے سامنے ہمیشہ کی کامرانی یا ناکامی کا سوال ہے اس کو اچھے سے اچھا زادمہیا کرنے کی ضرورت ہے۔

عازم سفر سے مراد انسان ہے جس کا سفر ہر وقت جاری ہے اور جو پوری زندگی پا در رکاب ہے اور جو ابھی اپنے اصلی وطن سے غائب ہے اور آکار اس نے اپنی منزل پر پہنچ کر دم لینا ہے۔ اسے وہاں یا تو سعادت نصیب ہوگی یا شقاوت کا اسے سامنا کرنا ہوگا۔ اور جس مسافر کی یہ حالت ہو اسے چاہیے کہ اپنے لئے عمدہ سے عمدہ زاد راہ فراہم کرے تاکہ جب وہ اپنی منزل حقیقی پر پہنچے تو ملائکہ اسے جنت کی

بشارت دینے کے لئے موجود ہوں اور اسے حق کی جانب سے یہ آواز سنائی دے۔

''یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ''(والفجر/۳۰)

ترجمہ: اے اطمینان پانے والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا تو اس سے خوش، وہ تجھ سے خوش، تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا۔

(فَتَزَوَّدُوْا فِی الدُّنْیَا مَا تَحْرِزُوْنَ بِہٖ اَنْفُسَکُمْ غَدًا)لہذا اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا سے اتنا توشہء آخرت لے لو، جس کے ذریعہ کل اپنے نفسوں کو بچا سکو۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان کو زادراہ کی ضرورت ہے اور اسے اپنے سفر کے لئے اچھے سے اچھا زادِراہ فراہم کرنا چاہیے تو اس کا فرض ہے کہ اس دنیا میں رہ کر آخرت کا زادراہ جمع کرے جس سے اپنے آپ کو عذاب قبر اور آتش دوزخ اور غضب پروردگار سے بچا سکے۔

اور واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زادِراہ بھی انسان کو بتا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی''(الحج)

اور زادراہ حاصل کرو بے شک تقویٰ بہترین زادراہ ہے۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے خطیب منبر سلونی نے فرمایا: ''فَاتَّقٰی عَبْدٌ رَبَّہٗ نَصَحَ نَفْسَہٗ، قَدَّمَ تَوْبَتَہٗ غَلَبَ شَھْوَتَہٗ ''جس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے ڈرے، اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے۔ (مرنے سے پہلے) توبہ کرے۔ اپنی خواہشوں پر قابو رکھے۔

درج بالا جملے اگرچہ خبریہ ہیں لیکن معنوی طور پر انشائیہ ہیں اور ان جملوں میں حضرت نے زادِراہ کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ آخرت کے مسافر کو چاہیے کہ وہ زادِراہ کے طور پر چار چیزوں کو اپنے پاس جمع کر لے

۱۔ خوف خدا سے اپنے آپ کو مزین کرے کیونکہ خوف خدا ہر خوبی کی جڑ ہے۔

۲۔ اپنے نفس کے ساتھ حقیقی خیر خواہی کرے اور اسے محرمات سے بچاتے ہوئے زندگی کے لمحات کا سفر طے کرے۔

۳۔ مرنے سے قبل توبہ کر کے مرے اور توبہ کو آج کل پر مت ٹالے ممکن ہے کہ اسے پھر توبہ نصیب ہی نہ ہو سکے۔

۴۔ اپنی خواہشات نفس کا مَرکَب نہ بنے بلکہ خواہشات کو مغلوب کر کے ان کا راکب ثابت ہو اور خواہشات کے دھوکے میں آنے سے بچے یہی آخرت کا زادِسفر ہے اور یہی زاد ذریعہ نجات ہے۔

آہ! انسان بے چارہ بھی کتنا بے بس ہے (فَاِنَّ اَجَلَہٗ مَسْتُوْرٌ عَنْہُ وَاَمَلُہٗ خَادِعٌ لَہٗ وَالشَّیْطَانُ مُوَکِّلٌ بِہٖ یُزَیِّنُ لَہُ الْمَعْصِیَۃَ لِیَرْکَبَھَا وَیُمَنِّیْہِ التَّوْبَۃَ لِیُسَوِّفَھَا حَتّٰی تَھْجُمَ مَنِیَّتُہٗ عَلَیْہِ اَغْفَلَ مَایَکُوْنُ عَلَیْھَا)

توبہ کی ضرورت

مرنے سے قبل توبہ کرو۔اورانسان کی توبہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ

۱۔کیونکہ موت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور موت کے اوجھل ہونے کی وجہ سے انسان غفلت کا شکار ہوجاتا ہے۔

۲۔امیدیں فریب دینے والی ہیں،اورانسان لمبی چوڑی امیدیں قائم کئے رہتا ہے جب کہ زندگی کے ایک لمحہ کا بھی اس کو بھروسہ نہیں ہوتا اور امیدوں کا پھیلاؤ انسان کو طول حیات کے دھوکے میں مبتلا کردیتا ہے کسی شاعر نے کہا تھا

اُعَلِّلُ النَّفْسَ بِالْآمَالِ اُرقِیْھَا مَااَضِیْقَ الدَّھْرَلَوْلَافَسْحَۃُ الْاَمَلِ

میں امیدوں سے اپنے آپ کو بہلاتا رہتا ہوں اوراس پرخواہشات کا یہ منتر پڑھتا ہوں۔اگرامیدوں کی وسعت نہ ہوتی تو زمانہ کتنا تنگ تھا۔

۳۔فریب دینے کے لئے امیدیں ہی کیا کم تھیں کہ اس کے ساتھ ساتھ شیطان بھی اس پر چھایا ہوا ہے جو گناہوں کو مزین کرکے اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔اورتوبہ کی ڈھارس بندھاتا رہتا ہے اورتوبہ کو آج اورکل پرٹالتا رہتا ہے۔یہاں تک کہ موت بےخبری کے عالم میں اس پراچانک آٹوٹتی ہے۔

جب انسان کوموت کا تھپڑلگتا ہے تو اس وقت غفلت وجہالت کی نیند سے بیدار ہوتا ہے اور پھر بڑی حسرت وندامت سے یہ کہتا ہوانظر آتا ہے۔

''رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا. اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَ مِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ''(المومنون/ ۹۹۔۱۰۰)

پروردگارا! مجھے واپس پلٹادے!جو کچھ میں (مال اور) کام چھوڑآیا ہوں شاید اس میں کوئی نیک کام کروں (اسے کہا جائے گا) ہرگز نہیں!یہ سب باتیں ہیں جنہیں وہ (ظاہری طور پر) کہہ رہا ہے اوران کے بعد برزخ ہے دوبارہ اٹھائے جانے والے دن تک۔

(فَیَا لَھَا حَسْرَۃً عَلٰی ذِیْ غَفْلَۃ اَنْ یَّکُوْنَ عُمُرُہٗ عَلَیْہِ حُجَّۃً)واحسرتا!اس غافل وبےخبر کی مدتِ حیات ہی اس کے خلاف ایک حجت بن جائے اورزبانِ حال سے اس کے تمام گناہوں کی داستان بیان کرنے لگے۔

(وَ اَنْ تُؤَدِّیَہٗ اَیَّامَہٗ اِلٰی شِقْوَۃٍ)اوراس کی وہ زندگی جس میں اگرتحصیلِ شہادت کرنا چاہتا تو کرسکتا تھا،مگروہ سعادت سے محروم رہا اوریوں اس کی زندگی کا انجام بدبختی پرہو۔

یہاں تک وعظ ونصیحت کرنے کے بعد حضرت نے اپنے اوراپنے خطبہ کے سامعین کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

(نَسْأَلُ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّجْعَلَنَا وَ اِیَّاکُمْ مِمَّنْ لَّا تُبْطِرُہٗ نِعْمَۃٌ)ہم اللہ سبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اورتمہیں ان لوگوں میں سے بنائے کہ دنیا کی نعمتیں جنہیں مغرورنہ بنائیں۔

ان الفاظ سے حضرت نے غرور کی وجہ بیان کی ہے کہ عام طور پر لوگ نعمات کی وجہ سے سرکشی پہ اتر آتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:''کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ''(العلق/۶۔۷)سن رکھو! بے شک انسان جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے تو سرکش ہوجاتا ہے۔

(وَلَاتَقْصُرُبِہٖ عَنْ طَاعَةِ رَبِّہٖ غَایَةٌ)اور جو کسی منزل پر اپنے پروردگار کی اطاعت سے درماندہ وعاجز نہیں رہے۔جنہیں دنیا کی کوئی غرض وحاجت اطاعت الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔(وَلَاتَحُلُّ بِہٖ بَعْدَالْمَوْتِ نَدَامَةٌ وَلَا کَاٰبَةٌ)اور جنہیں موت کے بعد حسرت وندامت اور رنج وغم نہ سہنا پڑے اور حسرت وندامت اٹھانی پڑے گی جو معصیت میں مستغرق رہے اور توبہ کو آج کل پر ٹالتا رہے اور غفلت وبے خبری کی حالت میں موت آجائے۔

تنبیہ وموعظہ

حضرت کے خطبہ کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں رہ کر آخرت کا زادفراہم کرے اور درازی عمر کی امیدیں وابستہ نہ کرے اور امیدوں کے پھیلاؤ کا اسیر نہ بنے کیونکہ اکثر اوقات انسان اپنی امید وآرزو کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔حضرت کی طرف منسوب دیوان میں اس مفہوم کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

یَامَنْ بِّدُنْیَاہُ اشْتَغَلْ قَدْغَرَّہٗ طُوْلُ الْاَمَلْ

وَالْمَوْتُ یَاْتِی بَغْتَةً وَالْقَبْرُصَنْدُوْقُ الْعَمَلْ

اے اپنی دنیا میں مشغول رہنے والے جسے لمبی چوڑی امیدوں نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے۔

موت اچانک وارد ہوگی اور قبر عمل کا صندوق بنے گی۔

کسی اور شاعر نے کہا تھا:

یَارَاقِدَالَّیْلِ مَسْرُوْرًابِاَوَّلِہٖ اِنَّ الْحَوَادِثَ قَدْیَطْرُقْنَ اَسْحَارًا

لَاتَاْمَنَنَّ بِلَیْلٍ طَالَ اَوَّلُہٗ فَرُبَّ آخِرلَیْلٍ اَجَّجَ النَّارَ

رات کے پہلے حصہ میں خوش ہوکر سونے والے! حوادث کبھی صبح سویرے بھی نازل ہوا کرتے ہیں۔

رات کے پہلے حصہ پر کبھی مطمئن نہ رہنا۔کیونکہ کئی بار رات کے آخری حصہ نے آگ کو بھڑکایا ہے۔

اس خطبہ کا پیغام یہ ہے کہ انسان اپنے دشمن ازلی سے ہمیشہ محتاط رہے کیونکہ شیطان ہر وقت تاک میں رہتا ہے۔''وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا. اَفَلَمْ تَکُوْنُوْا تَعْقِلُوْن ''(یٰس/۶۲)یقیناً اس نے تم میں سے بہت سوں کو گمراہ کردیا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔انسان کو چاہئے کہ زندگی پر بھروسہ نہ کرے اور جلد از جلد توبہ کرے اور تمام گناہان کبیرہ کی رب العزت سے معافی طلب کرے۔تاکہ جنت کا حقدار بن سکے

اور مرنے کے بعد ندامت وحسرت میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

بہلول نباش کا واقعہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور وہ گناہ گاروں کی توبہ قبول کرتا ہے، اس کے لیے آپ اس واقعہ کو پڑھیں ان شاء اللہ اس سے دل منور ہوں گے اور توبہ کی افادیت واضح ہو جائے گی۔ اس واقعہ کو صاحب صافی نے مجالس سے اور بعض علماء نے امالی سے عبدالرحمٰن بن غنم دوسی کی زبانی نقل کیا ہے۔

ایک دن حضرت معاذ بن جبل روتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور اکرمؐ نے فرمایا: معاذ کیوں روتے ہو؟

معاذ نے عرض کی: یارسول اللہ! دروازہ پر ایک خوبصورت نوجوان ایسے رو رہا ہے جیسے ایک ماں اپنے بیٹے کے سوگ میں روتی ہے اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا خواہش مند ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ۔ معاذ اس جوان کو لے کر حضور کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، نوجوان نے سلام کیا، آنحضرتؐ نے جواب دیا اور پوچھا: کیوں روتا ہے؟ نوجوان نے عرض کی: یارسول اللہ! میں کیسے نہ روؤں کیونکہ میں اتنے گناہ کر چکا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بھی گناہ کے عوض مجھے پکڑ لے تو مجھے دوزخ میں ڈال دے گا اور مجھے یقین ہے کہ اللہ مجھے ضرور پکڑے گا اور کبھی معاف نہیں کرے گا۔

رسول خدا (ص) نے فرمایا: کیا تو نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا ہے؟

نوجوان نے کہا: بخدا میں نے کبھی شرک نہیں کیا۔

رسول خدا (ص) نے فرمایا: کیا تو نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے؟

نوجوان نے کہا: نہیں یارسول اللہ (ص)!

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: اللہ تیرے گناہ معاف کر دے گا اگرچہ وہ پہاڑوں کے برابر بھی وزنی ہوں گے۔

نواجون نے کہا: یارسول اللہ (ص)! میرے گناہ پہاڑوں سے بھی زیادہ وزنی ہی۔

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: اللہ تیرے گناہ معاف کر دے گا اگرچہ وہ سات زمینوں اور سمندروں اور ریت کے ٹیلوں اور درختوں اور جملہ مخلوق خدا کی مقدار میں ہوں گے۔

نوجوان نے رو رو کر کہا: یارسول اللہ! میرے گناہ ان سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔

رسول خدا (ص) نے فرمایا: اللہ تیرے گناہ معاف کر دے گا، چاہے وہ آسمانوں، ستاروں اور عرش و کرسی کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

نوجوان نے کہا: یارسول اللہ! میرے گناہ ان سے بھی زیادہ ہیں۔

اس نے کہا: میرے گناہ ان سے بھی زیادہ بڑے ہیں اس پر رسول خدا (ص) نے ناراض ہوکر نوجوان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''تجھ پر افسوس تیرے گناہ بڑے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہے؟''

یہ سن کر نوجوان منہ کے بل زمین پر گرا اور کہا: میرے رب سے کوئی چیز بڑی نہیں ہے، میرا رب ہر چیز سے بڑا ہے۔

رسول خدا (ص) نے فرمایا: پھر عظیم گناہ کو عظیم رب کے علاوہ کون معاف کرسکتا ہے؟

نوجوان نے کہا: نہیں خدا کی قسم نہیں، یارسول اللہ! اللہ بھی میرے گناہ معاف نہیں کرے گا۔

رسول خدا (ص) نے فرمایا: کیا تو اپنی زندگی کا مجھے کوئی ایک گناہ بتا سکتا ہے؟

نوجوان نے کہا: کیوں نہیں تو سنیئے اور پھر بتایئے کہ کیا یہ گناہ بخشا جاسکتا ہے؟

میں کفن چور تھا اور پورے سات برس تک قبریں کھود کر کفن چوری کرتا رہا، انصار کی ایک نوجوان لڑکی فوت ہوگئی، ورثاء دفن کر کے چلے گئے، رات کو میں نے کفن چوری کرنے کی غرض سے قبر کھودی کفن اتارتے ہی میرے دل میں شیطانی وسوسہ پیدا ہوا اور میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا جب میں فارغ ہوکر واپس جانے لگا تو لڑکی نے مجھے پکڑ لیا اور کہا! اس دنیا میں تو، تو اللہ کے غضب سے بچ گیا لیکن بروز قیامت اللہ کے غضب سے کیسے بچ سکے گا!!۔

جونہی میں نے یہ الفاظ سنے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے میرے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی اس وقت مجھے ہوش آیا کہ میں نے تو بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، جس کی بخشش ناممکن ہے۔ لہٰذا میں نے اس سے اندازہ لگا لیا کہ اب میں کبھی بھی نہیں بخشا جاسکتا۔

حضورؐ فوراً استغفار پڑھتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور فرمایا: مجھ سے دور ہوجا کہیں یہ نہ ہو کہ تیری وجہ سے اللہ ہمیں بھی اپنے غضب کی لپیٹ میں نہ لے لے۔

وہ فوراً پہاڑوں کے دامن میں آگیا اور اس نے اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن سے باندھ کر بارگاہِ احدیت میں عرض کی:

پروردگار! تیرا گناہ گار مجرم بہلول تیرے سامنے ہاتھ گردن سے باندھے حاضر ہے، خدایا تو مجھے جانتا ہے اور میری لغزش سے بھی واقف ہے، خدایا! میں اپنے کیے پر سخت نادم ہوں اور جس ذات کو تو نے عالمین کی رحمت بنا کر بھیجا ہے، میں ان کے پاس بھی گیا، لیکن انہوں نے مجھے اپنے سے دور کر دیا ہے اور مجھے مزید خوفزدہ کر دیا ہے۔

خدایا! میں تجھے تیرے اسم اور تیرے جلال اور تیری عظمت سلطنت کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی رحمت سے ناامید نہ فرما اور میری دعا کو رد نہ فرما اور مجھے میری آرزو میں ناکام و نامراد نہ بنا۔

نوجوان مسلسل چالیس شب و روز تک یہی کہتا رہا اور مسلسل روتا رہا حتیٰ کہ اس پہاڑ کے چرندے، درندے بھی اس کے ساتھ مل کر رونے لگے۔

جب چالیس دن گزرے تو اس نے آسمان کی جانب دستِ دعا بلند کر کے کہا:

خدایا! میری درخواست کا کیا بنا؟ اگر تو نے میری دعا قبول کر لی ہے تو اپنے نبی کے پاس میری قبولیت توبہ کے لیے وحی نازل فرما اور اگر تو نے میری التجا کو قبول نہیں کیا تو مجھ پر آسمان سے آگ برسا کر مجھے جلا دے مگر مجھے قیامت کی رسوائی سے بچا لے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

''وَالَّذِيْنَ اِذَافَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا. وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ'' (آلِ عمران آیت ۱۳۵، ۱۳۶)

اور وہ لوگ جو بدکاری کر بیٹھتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور خدا کے علاوہ گناہوں کا بخشنے والا کون ہے؟ اور جو قصور وہ کر بیٹھتے ہیں اس پر دیدہ دانستہ اصرار نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی جاری ہیں کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے۔

جب رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آپؐ مسکرائے اور فرمایا: تم میں سے کسی کو اس توبہ کرنے والے جوان کا کوئی پر پتہ ہے؟

معاذ نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ فلاں مقام پر گریہ وزاری میں مصروف ہے۔

رسول خدا (ص) اپنے چند اصحاب کو ساتھ لے کر اس پہاڑ کی جانب تشریف لے گئے وہاں دو چٹانوں کے درمیان جوان کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا اور روتے روتے اس کی پلکیں گر گئی تھیں اور کہہ رہا تھا:

''خدایا! تو نے مجھے اچھی شکل وصورت دی لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ تو مجھ سے کیا سلوک کرے گا، مجھے دوزخ میں جلائے گا یا اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے گا، خدایا! تو نے مجھ پر بے حد احسان کیے ہیں، ہائے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو مجھے اپنی جنت میں بھیجے گا یا دوزخ کے شعلوں کے حوالے کرے گا۔ خدایا! میرا گناہ آسمان وزمین اور عرش وکرسی سے بڑا ہے کاش میں معلوم کر سکتا کہ تو میری لغزش معاف کرے یا قیامت کے دن مجھے رسوا کرے گا۔''

نوجوان کے سر پر خاک پڑی ہوئی تھی اور وہ رو رو کر یہی فقرے دہرا رہا تھا۔

جنگل کے جانور اسے گھیرے میں لیے ہوئے تھے اور اس کے سر پر پرندوں نے صف باندھی ہوئی تھی اور سب رو رہے تھے۔

رسول خدا (ص) جوان کے قریب گئے اور اس کے ہاتھ گردن سے آزاد کئے اور اس کے سر سے مٹی کو اپنے ہاتھوں سے جھاڑا اور فرمایا:

بہلول! تجھے خوشخبری ہو، اللہ نے تیرے گناہ معاف کر دیئے اور تجھے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔

پھر آپؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: گناہ اسی طرح سے معاف کراؤ جیسے بہلول نے معاف کرائے، بعدازاں آپؐ نے اسے قرآن مجید کی آیت پڑھ کر سنائی اور اسے جنت کی بشارت دی۔

ابلیس کی مجلس شوریٰ

صافی اور بحار میں بحوالہ المجالس امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس بڑا پریشان ہوا اور مکہ سے جبلِ ثور پر چڑھ گیا اور تمام شیاطین کو زور سے پکارا۔

اس کی پکار پر تمام شیاطین حاضر ہو گئے اور اس سے پوچھا تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟

ابلیس نے کہا: اب یہ آیت آ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسے گناہگاروں کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کر دیا ہے، پھر ہمارے پلے کیا بچے گا؟ ہمیں مشورہ دو کہ لوگوں کو توبہ کرنے سے باز رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

ایک شیطان نے اٹھ کر کہا: میں یہ کروں گا میں وہ کروں گا۔

ابلیس نے کہا: نہیں تو اس لائق نہیں ہے۔

اس طرح سے باری باری شیاطین اپنی آراء پیش کرتے رہے مگر ابلیس ان کی آراء کو رد کرتا رہا۔

آخر میں ایک شیطان اٹھا جس کا نام **وسواس الخناس** تھا اور کہنے لگا: آپ مت گھبرائیں، میرے پاس اس کا علاج موجود ہے۔

ابلیس نے کہا: وہ کیا ہے؟

وسواس الخناس نے کہا: میں ان سے توبہ کی امید پر گناہ کراؤں گا اور جب وہ گناہ کر لیں گے تو انہیں توبہ فراموش کرا دوں گا۔

ابلیس نے کہا: بے شک تیری رائے درست ہے اور اب قیامت تک تم اس کام کو سرانجام دیتے رہنا۔

حضرت ابوذر غفاری کو وصیت

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

یا اباذر! اغتنم خمسا قبل خمس.....الحدیث

ابوذر! پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو!

۱۔ بڑھاپے سے قبل جوانی کو ۲۔ بیماری سے قبل تندرستی کو

۳۔ غربت سے پہلے امارت کو ۴۔ مصروفیت سے قبل فراغت کو

۵۔ موت سے قبل زندگی کو غنیمت سمجھو!

ابوذر! لمبی چوڑی امیدوں سے پرہیز کرنا، تمہارے لیے بس آج کا دن ہے کل کا دن نہیں ہے اور اگر تمہیں کل دیکھنا نصیب بھی

ہوجائے تو بھی اسے آج کا دن سمجھتے ہوئے دوسرے دن کی امید نہ رکھنا اور اگر تمہیں کل دیکھنا نصیب نہ ہو تو تمہیں آج کے دن کی کوتاہی کی وجہ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

ابوذر! کتنے ہی افراد ہیں جو اپنے دن کو پورا کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس دن کو پورا نہیں کر سکتے اور کل کے کتنے ہی امیدوار ہیں جنہیں کل دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔

ابوذر! اگر تم موت اور اس کی رفتار کو دیکھ لو تو خواہشات اور ان کے دھوکے کو ناپسند کرو گے۔

ابوذر دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں سے تصور کرو۔

ابوذر! جب صبح کرو تو اپنے آپ کو شام ہونے کا یقین مت دلاؤ اور جب شام کرو تو اپنے آپ کو صبح ہونے کا یقین نہ دلاؤ اور بیماری سے قبل اپنی صحت اور موت سے قبل اپنی زندگی سے فائدہ حاصل کرو، کیونکہ تمہیں علم نہیں ہے کہ کل تمہارا نام کیا ہوگا۔

قارئین کرام! ہر چیز میں جلد بازی بری ہے مگر توبہ کے لیے جلدی بازی بھلی ہے، کیونکہ گناہ کے فوراً بعد اگر انسان توبہ کر لے تو گناہ دھل جاتا ہے اور اگر توبہ میں تاخیر ہو جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے اور جب سیاہی گہری ہو جائے تو انسان توبہ کی طرف مائل تک نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا: فرزند! توبہ میں تاخیر نہ کرنا، کیونکہ موت اچانک آجاتی ہے اور جو توبہ کو آج اور کل پر ٹالتا رہے اسے دو خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا:

۱۔ اس کے دل پر گناہوں کا زنگ چڑھ جائے گا جو کسی طرح سے اترنے میں نہیں آئے گا۔

۲۔ ممکن ہے کہ اسے کسی بیماری یا موت کی وجہ سے توبہ کی مہلت ہی نہ مل سکے۔

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اہلِ دوزخ کی زیادہ تر چیخیں بھی توبہ کو آج کل پر ٹالنے کی وجہ سے بلند ہوں گی اور اس کائنات میں جو بھی ہلاک ہوا تو اسی وجہ سے ہلاک ہوا کہ توبہ کو آج اور کل پر ٹالتا رہتا تھا۔

یاد رکھیں اسی آج اور کل پر ٹالنے کا نتیجہ فوری طور پر دل کی سیاہی اور مستقبل میں دل کی صفائی کی امید کی صورت میں میں برآمد ہوتا ہے اور ایسا شخص خدا کے حضور قلب سقیم لے کر پیش ہوتا ہے، جبکہ نجات اسی کے لیے ہے جو خدا کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔

ہم نے توبہ کے متعلق جتنی بھی معروضات پیش کی ہیں ان سب کا سرچشمہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

''اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ . وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِاٰتِ. حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ. اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا'' (النساء ۱۷،۱۸)

خدا کی بارگاہ میں توبہ صرف ان لوگوں کی صحیح ہے جو نادانستہ بری حرکت کر بیٹھیں پھر جلدی سے توبہ کر لیں تو البتہ خدا بھی ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور خدا تو بڑا جاننے والا حکیم ہے۔ اور توبہ ان لوگوں کے لئے مفید نہیں ہے جو (عمر بھر تو) برے کام کرتے رہے یہاں تک کہ جس ان میں سے کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا اب میں نے توبہ کی اور (اسی طرح) ان لوگوں کے لئے بھی

توبہ (مفید) نہیں ہے جو کفر کی حالت میں مر گئے۔ ایسے ہی لوگوں کے واسطے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

تمت بالخیر، والحمدلله اولا و آخرا،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا. اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم،وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

بحق النبی و اهل بیته الطاهرین.